تفسیر، حدیث، فقہ، تصوّف اور اسرارِ شریعت کا حسین مجموعہ
ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا

جلد سوم

احیاء علوم الدین

جدید اور بامحاورہ سلیس ترجمہ

مذاق العارفین

مُصنّف

حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد الغزالیؒ

جدید ترجمہ: مولانا ندیم الواجدی فاضل دیوبند

دارالاشاعت

اردو بازار، کراچی لے فون ۲۶۳۱۸۶۱

باہتمام: خلیل اشرف عثمانی

طباعت: شکیل پرنٹنگ پریس

ناشر: دارالاشاعت کراچی

ضخامت: صفحات

اجازت نامہ

میں ندیم الواجدی ولد مولانا واجد حسین صاحب ساکن دیوبند ضلع سہارنپور یوپی بھارت نے احیاء علوم الدین (اصل تصنیف عربی میں ہے) مصنفہ امام غزالیؒ جس کا ترجمہ اردو میں جدید انداز سے کیا ہے۔ اور دیوبند سے چھ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ میں اس کتاب کے کاپی رائٹ پاکستان کے لئے خلیل اشرف عثمانی مالک دارالاشاعت اردو بازار کراچی کو رجسٹرڈ کر دیتا ہوں کہ وہ اسے کمپیوٹر کتابت سے آراستہ کر کے جدید اور معیاری انداز سے شائع کریں گے

Assignment of copyright خلیل اشرف صاحب کو دے رہا ہوں اور پاکستان میں یہ پورا کاپی رائٹ آفس میں اپنے نام رجسٹرڈ کر سکتے ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

ندیم الواجدی

مترجم احیاء العلوم و مالک دارالکتاب دیوبند

یوپی۔ انڈیا

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی ۱

ادارۃ القرآن گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی ۵

ادارۃ المعارف کورنگی کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور

بیت العلوم ۲۶ نابھہ روڈ انارکلی لاہور

کشمیر بک ڈپو: چنیوٹ بازار فیصل آباد

مکتبہ سید احمد شہید: اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ: ۱۸۔ اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ: راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی: خیبر بازار پشاور

مکتبہ امدادیہ: ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

فہرست مضامین

جلد سوم

کتاب ذم الکبر والعجب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

کتابُ شرحِ عجائب القلب

قلب کے عجائبات کا بیان

تمام مخلوقات پر انسان کی فضیلت اور شرف کا راز یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی استعداد اور صلاحیت سے محروم نہیں ہے' یہی معرفت دنیا میں انسان کا جمال اور اس کے لیے وجہ کمال ہے' اور آخرت میں ذریعہ نجات ہے۔ معرفت کی صلاحیت و استعداد قلب کو عطا کی گئی ہے اعضاء و جوارح کو نہیں۔ قلب ہی کو الوہیت کا علم ہے' وہی حق تعالیٰ سے قریب ہے' وہی اللہ کے لیے عمل پیرا اور راہ حق میں مصروف جدوجہد ہے' قلب ہی سے مخفی امور منکشف ہوتے ہیں' باقی تمام اعضاء قلب کے تابع ہیں اور اس کے لیے آلات اور خدمت گذاروں کا درجہ رکھتے ہیں' وہ ان سے اس طرح کام لیتا ہے جس طرح مالک اپنے غلام سے' حاکم اپنی رعایا سے' صانع اپنی مصنوعات سے کام لیا کرتا ہے اگر قلب غیر اللہ سے پاک ہے تو وہ بارگاہ خداوندی میں مقبول ہے' اور غیر اللہ میں مشغول ہے تو محجوب ہے' باز پرس اور تنبیہہ و نکیر کا تعلق قلب سے ہے' اور اوامر و نواہی کا مخاطب قلب ہے' یہی قرب الٰہی کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتا ہے' اور یہی احکام الٰہی سے روگردانی پر عتاب کا مستحق قرار دیا جاتا ہے' قلب کی فلاح تزکیہ اور صفا پر موقوف ہے' قلب معصیت کی آلائشوں سے آلودہ ہو تو ہر سعادت سے محروم اور ہر شقاوت کا مستحق ہے' اللہ تعالیٰ کی حقیقی اطاعت قلب کا عمل ہے۔ اعضاء کی عبادت اسی عمل کا مظہر ہے' معصیت بھی قلب کا فعل ہے' اعضاء کی سرکشی اور تمرّد' فواحش کا ارتکاب یہ سب اسی فعل کا ردِّ عمل ہیں' قلب کے اجالے سے اعضاء کے محاسن اور اس کی تاریکی سے اعضاء کے قبائح ظاہر ہوتے ہیں' برتن میں سے وہی چیز چھلکتی ہے جو اس میں ہوتی ہے۔

دل کا حال یہ ہے کہ اگر انسان اس کی معرفت حاصل کرلے تو وہ اپنے نفس کی معرفت حاصل کرلیتا ہے اور اس سے جاہل رہے تو اپنے نفس سے جاہل رہ جاتا ہے' اور نفس کی جہالت باری تعالیٰ کی معرفت کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے' اس لیے کہ جو شخص اپنے نفس کو نہیں پہچان سکتا ہے وہ غیر نفس (دوسرے) کو کیسے پہچان پائے گا اکثر لوگ اپنے دلوں اور نفسوں سے ناواقف ہیں' ان کے اور باری تعالیٰ کے درمیان حجاب حائل ہے۔ ارشاد باری ہے:

اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ (پ ۹' ر ۱۷ آیت ۲۴)

(اور جان رکھو) کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی اور اس کے قلب کے درمیان میں۔

خدا تعالیٰ کے حائل ہونے سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کے قلب کو اپنی ذات کے مشاہدے' مراقبے' اور اپنی صفات کی معرفت سے روک دے' اور اسے یہ علم نہ ہونے دے کہ وہ باری تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان کس طرح منقلب رہتا ہے اور یہ کہ کبھی اس کا میلان اسفل السافلین کی طرف ہو جاتا ہے' اور اس تعلق سے شیطان اس کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے' اور کبھی اس کی طبیعت اعلیٰ علیین کی طرف مائل رہتی ہے' اور عالم ملائکہ تک عروج کرجاتا ہے' جو شخص اپنے قلب کے احوال سے بے خبر ہو اور اس کی نگہبانی و حفاظت سے غفلت کے باوجود ملکوتی خزانوں کی امید رکھے وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ (پ ۲۸' ر ۶ آیت ۱۹)

جنہوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی کی سو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنا دیا یہی لوگ نافرمان ہیں۔

بہر حال قلب کی معرفت اور اس کے اوصاف کی حقیقت کا علم حاصل کرنا دین کی اصل' اور راہِ سلوک کا پہلا قدم ہے' اس کتاب کے نصف اول کی دو جلدوں میں ہم نے اعضاء کے اعمال یعنی عبادات اور معاملات سے بحث کی ہے' یہ بحث علم ظاہر سے متعلق تھی' ہم نے وعدہ کیا تھا کہ نصف آخر کی دوسری جلدوں میں قلب کی ان صفات پر گفتگو ہوگی جن میں سے بعض ہلاکت کا پیش خیمہ ہیں' اور بعض نجات کا باعث ہیں' یہ علم باطن کی بحث ہے' اولاً ہم دو باب قائم کرتے ہیں' پہلے باب میں قلب کے عجائب اور اخلاق کی شرح مذکور ہوگی' اور دوسرے باب میں ریاضتِ قلب اور تہذیبِ نفس کے طریقے بیان کئے جائیں گے' اور ان دونوں مقدمات سے فراغت کے بعد مہلکات اور منجیات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ عجائبِ قلب کی تشریح کے لیے ہم عام فہم مثالوں سے مدد لیں گے' کیونکہ یہ عجائب و اسرار عالمِ ملکوت میں داخل ہیں' اور عالم ملکوت سے متعلق چیزوں کے ادراک کرنے سے اکثر لوگ عاجز ہیں۔

پہلا باب

نفس' روح' قلب اور عقل کے معانی اور مُرادات

واضح رہے کہ یہ چاروں الفاظ مہلکات اور منجیات کے ابواب میں بکثرت استعمال ہوں گے' علماء میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جو ان چاروں لفظوں کے حقیقی معنیٰ سے واقفیت رکھتے ہوں' اور ان کے معانی کے اختلاف' حدود' اور مسمّیات کا صحیح علم رکھتے ہوں' یہی وجہ ہے کہ عام طور پر ان اسماء کے مدلول متعین کرنے میں غلطی ہو جاتی ہے' ذیل میں ہم ان چاروں لفظوں کی وہ تشریح کریں گے جو ہمارے مقصد سے متعلق ہے۔

<u>پہلا لفظ۔ قلب</u> : قلب کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے' ایک گوشت کے اس لوتھڑے پر جو صنوبری شکل کا ہے' اور سینے کے بائیں جانب ٹھہرا ہوا ہے' یہ ایک خاص قسم کا گوشت ہے' اس کے درمیان میں خلا ہے' جس میں سیاہ خون رہتا ہے اور یہ منبع روح اور سرچشمۂ حیات ہے' لیکن اس قلب کی شکل یا کیفیت کا بیان ہمارے مقصود سے متعلق نہیں ہے۔ یہ اطباء کا موضوع ہے' دینی اغراض اس سے متعلق نہیں ہیں' اس طرح کے قلب سے انسان تو انسان چوپائے بھی خالی نہیں ہیں' بلکہ زندہ جسموں کی طرح مردہ جسم بھی اس سے محروم نہیں ہوتے' اس کتاب میں ہم جہاں کہیں بھی لفظ قلب استعمال کریں گے اس سے یہ قسم مراد نہیں ہوگی' کیوں کہ اس معنیٰ کی رو سے قلب گوشت اور خون سے مرکب ایک لوتھڑے کا نام ہے' اور عالم محسوس سے تعلق رکھتا ہے' صرف انسان ہی نہیں بلکہ بہائم بھی اپنی آنکھوں سے اسی کا ادراک کر لیتے ہیں۔ دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ قلب ایک روحانی ربّانی لطیفہ ہے جس کا اس جسمانی قلب سے تعلق ہے۔ اور یہی لطیفہ انسان کی حقیقت ہے' مُدرِک (ادراک کرنے والا) بھی یہی ہے عالم بھی یہی ہے' خطاب اور عتاب بھی اسی سے ہوتا ہے۔ اس لطیفہ کو جسمانی قلب سے جو تعلق ہے اس کی وجہ کے ادراک سے عام طور پر عقلیں عاجز ہیں' کیونکہ کہ اس لطیفے کو جسمانی قلب سے وہی تعلق اور مناسبت ہے جو اعراض کو اجسام سے اور اوصاف کو موصوفات سے ہے' یا آلات استعمال کرنے والے کو آلات سے اور مکین کو مکان سے ہے۔ ہم اس مناسبت اور تعلق و ارتباط کے اسباب دو وجہوں سے بیان نہیں کرتے' ایک وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق علومِ مکاشفہ سے ہے' جب کہ اس کتاب سے ہمارا مقصود علوم معاملہ کا بیان ہے نہ کہ علومِ مکاشفہ کا دوسری وجہ یہ ہے کہ اس تعلق کی وضاحت کے لیے روح کے راز سے پردہ اٹھانا ہوگا۔ اور روح ایک ایسا راز ہے' جس کے بارے میں زبانِ نبوّت سے بھی کچھ ارشاد نہیں ہوا۔ غیر نبی کو کیا حق ہے کہ وہ اس سلسلے میں لب کشائی کرے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس کتاب میں جہاں کہیں ہم لفظ قلب بولیں گے وہاں یہی لطیفہ مراد ہوگا' ہم اس لطیفے کے احوال اور اوصاف بیان کریں گے' اس کی حقیقت اور ماہیت سے بحث کرنا ہمارا مقصود نہیں

ہے۔

دوسرا لفظ۔ روح : اس کے بھی دو معنیٰ ہیں۔ ایک یہ کہ روح ایک جسم لطیف کا نام ہے جس کا منبع جسمانی قلب کا خلاء ہے 'اپنے اس مرکز سے روح رگوں اور شریانوں کے ذریعہ تمام اعضاء بدن میں پھیلتی ہے 'روح کا بدن میں پھیلنا' اور اعضاء بدن کو زندگی کی روشنی اور حواسِ خمسہ کو حس کی صلاحیت دینا ایسا ہے جیسے کسی گھر میں چراغ رکھ دیا جائے 'اور اس کے چاروں طرف اُجالا ہو جائے 'اس تمثیل سے ثابت ہوا کہ روح کی حیثیت چراغ کی ہے 'اور حیات بمنزلۂ نور کے ہے 'اور روح کا بدن میں جاری و ساری ہونا ایسا ہے جیسے چراغ کی روشنی اطراف میں پھیلتی اور سرایت کرتی ہے۔ روح کے یہ معنیٰ اَطباء کی اصطلاح کے مطابق ہیں 'یعنی یہ کہ روح ایک لطیف بخار کا نام ہے جو قلب کی حرارت سے بنتا ہے 'اور یہ معنیٰ ہماری غرض سے متعلق نہیں ہیں 'بلکہ ان اَطباء کی بحث و نظر کا موضوع ہیں جو بدن کا علاج کرتے ہیں 'دین کے اَطباء جو قلب کے امراض کا علاج کرتے ہیں اس معنیٰ سے بحث نہیں کرتے 'بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ روح انسان میں ایک لطیفہ مدرکہ ہے 'اس لطیفے کی وضاحت ہم قلب کے معنیٰ کے ضمن میں بھی کر چکے ہیں۔ نیز حسب ذیل آیت کریمہ میں بھی یہی معنیٰ مراد ہیں:

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (پ ۱۵' ر ۱۰ آیت ۸۵)

آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔

یہ ایک ایسی عجیب و غریب ربانی شئی ہے کہ جس کی حقیقت اور ماہیت کے ادراک سے اکثر عقلیں قاصر نظر آتی ہیں۔

تیسرا لفظ۔ نفس : یہ لفظ بھی متعدد معانی کے لیے مشترک ہے 'ان میں سے دو معنیٰ ہمارے مقصد سے قریب ہیں۔ ایک یہ کہ نفس وہ شئی ہے جو انسان کے اندر غضب اور شہوت کی قوتوں کو جامع ہو 'جیسا کہ عنقریب اس معنیٰ کی تشریح کی جائے گی۔ صوفیاء کے یہاں یہی معنیٰ شائع و ذائع ہیں 'ان کے نزدیک نفس وہی ہے جو مذموم صفات کا جامع ہو 'اسی لیے وہ کہا کرتے ہیں کہ نفس کے خلاف مجاہدہ کرنا اور اس کی شہوتوں کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا منشاء بھی یہی ہے۔

اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک (بیہقی۔ ابن عباس)

تیرا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تیرے پہلو میں ہے۔

نفس کے دوسرے معنیٰ اسی لطیفۂ ربانی سے عبارت ہیں جس کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ اس معنیٰ کی رو سے فی الحقیقت نفس انسان اور ذات انسان یہی ہے 'البتہ یہ نفس مختلف حالات میں مختلف صفات کے ساتھ متصف ہوتا ہے 'چنانچہ جب وہ اطاعت کے تحت ٹھہر جاوے 'اور شہوت سے جنگ کرتے کرتے اس کا اضطراب زائل ہو جائے تو اسے نفسِ مطمئنۃ کہتے ہیں 'اللہ تعالیٰ نے نفسِ مطمئنۃ کو ان الفاظ میں خطاب کیا ہے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (پ ۳۰' ر ۱۴ آیت ۲۷)

اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش ہو اور وہ تجھ سے خوش۔

اس سے پہلے نفس کے جو معنیٰ بیان کئے گئے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع مقصود نہیں ہوتا جو شانِ عبدیت ہے۔ بلکہ اس میں سرکشی اور حکمِ الٰہی سے روگردانی پائی جاتی ہے جو شیطانی عمل ہے۔ اور ایک نفس وہ ہے جو کمال اطاعت کی صفت سے محروم ہو 'لیکن اطاعت میں عجز اور قصور پر اپنے آپ کو لعنت ملامت بھی کرتا ہو 'اسے نفسِ لوّامہ کہتے ہیں 'اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (پ ۲۹' ر ۱۷ آیت ۲)

اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے۔

ایک نفس وہ ہے جو خواہشاتِ نفس کے بہاؤ کو نہ روک سکے 'اور خود کو اسی کے سپرد کر دے یہ نفس امّارہ بالسّوء کہلاتا ہے 'قرآن پاک

میں اس نفس کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام یا عزیز مصر کے واقعے میں آیا ہے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىۡ‌ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (پ ۱۳' ر ۱ آیت ۵۳)

اور میں اپنے نفس کو بری اور پاک نہیں بتلاتا (کیونکہ) نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے۔

بہرحال نفسِ امّارہ بالسّوء ہونے کی حیثیت سے برا ہے' اور مطمئنہ ہونے کے لحاظ سے عمدہ ہے'

چوتھا لفظ۔ عقل: یہ لفظ بھی مختلف معانی کے لیے مشترک ہے' کتاب العلم میں یہ معانی ہم بیان بھی کرچکے ہیں' ان میں سے دو معنیٰ ہمارے مقصد سے قریب تر ہیں' ایک یہ کہ عقل حقائق امور کے علم کا نام ہے' اس صورت میں عقل صفت علمی سے عبارت ہوگی' اس صفت کا محل قلب ہے' کبھی عقل سے مراد مُدرِکُ العُلوم (علوم کا ادراک کرنے والا) ہوتا ہے' یہ قلب کا خاصہ ہے' اس تعریف کی رو سے عقل بھی وہی لطیفۂ ربانی ہوا جس کا ذکر پہلے تین الفاظ کی تشریح کے ضمن میں گذر چکا ہے۔ ان دونوں معنوں کی وضاحت کے لیے سمجھئے کہ یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ جو عالم ہے وہ بنفسہ موجود اور بظاہر قائم ہے' علم کی صفت اس کے اندر حلول کئے ہوئے ہے' اور صفت اپنے موصوف کی غیر ہوتی ہے' چنانچہ عقل سے کبھی تو یہ صفت مراد ہوتی ہے جسے علم بھی کہہ سکتے ہیں' اور کبھی محل ادراک یعنی موصوف مراد ہوتا ہے' حدیث شریف میں عقل کے یہی معنیٰ مراد ہیں ارشاد فرمایا:

اول ماخلق العقل

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کی تخلیق فرمائی۔

یہاں علم کی صفت مراد نہیں ہوسکتی' کیونکہ علم بذاتہٖ قائم نہیں ہے' بلکہ ایک عرض ہے' عرض کی تخلیق پہلے کیسے ہوگی' بلکہ یہ ضروری ہے کہ پہلے محل ادراک کی تخلیق ہو' پھر صفت علم کی' یا دونوں ساتھ ساتھ پیدا کئے جائیں' پھر علم کی صفت سے خطاب بھی ممکن نہیں ہے' جب کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل سے فرمایا' سامنے آ' وہ سامنے آئی' پشت پھیر' اس نے پشت پھیرلی۔

حاصل یہ نکلا کہ ان چاروں الفاظ کے مدلولات الگ الگ بھی ہیں' اور مشترک بھی' الگ الگ مدلولات یہ ہیں۔ جسمانی قلب' جسمانی روح' شہوانی نفس' اور علوم' اور مشترک لطیفۂ معنیٰ مدرکہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر لفظ کے دو معنیٰ ہیں۔ اکثر علماء ان الفاظ کے اختلاف سے غلط فہمی کا شکار ہوگئے' اور ان کے مدلولات متعین کرنے میں انہیں دشواری ہوئی' یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان چاروں کے لیے خواطر کا لفظ استعمال کیا' یعنی یہ کہا کہ یہ خاطر قلب ہے' یہ خاطر روح ہے' یہ خاطر نفس ہے' یہ خاطر عقل ہے۔ لیکن اس اختلاف پر نظر رکھنے والا شخص جانتا ہے کہ ان چاروں لفظوں میں فی الحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی نقطے کی وضاحت کے لیے ہم نے ہر لفظ کے مختلف اور مشترک معنیٰ بیان کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

قرآن کریم اور حدیث شریف میں جہاں کہیں قلب کا لفظ آیا ہے وہاں اس سے اشیاء کی حقیقت کا ادراک کرنے والی قوت مراد ہے' یہ قوت انسان کے اندر موجود ہے' اس کے لیے لفظ قلب بطور کنایہ استعمال کیا جاتا ہے' کیونکہ اس قوت مدرکہ کو اس قلب سے مخصوص مناسبت اور خاص تعلق ہے' اگرچہ وہ قوت تمام بدن سے متعلق ہے' اور ہر عضو سے کام لیتی ہے' لیکن اس کا تعلق اعضائے بدن سے براہِ راست نہیں ہے' بلکہ قلب کے واسطے سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قلب جسمانی اس لطیفۂ مذکورہ کا محل' عالم' دار السلطنت اور سواری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سہل تستری نے قلب کو عرش اور سینے کو کرسی سے تشبیہ دی ہے' اس تشبیہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قلب اللہ تعالیٰ کا عرش' اور اس کی کرسی ہے' کیونکہ یہ امر محال ہے' بلکہ ان کا منشا یہ ہے کہ قلب اس لطیفے کی مملکت اور تخت شاہی ہے' جس میں رہ کر یا جس پر بیٹھ کر وہ تمام بدن پر حکومت کرتا ہے' قلب اس کے تصرف کا نقطۂ آغاز ہے' حاصل کلام یہ ہے کہ لطیفۂ مذکورہ سے قلب اور سینے کو وہ نسبت اور تعلق ہے جو نسبت عرش و کرسی کو اللہ تعالیٰ سے ہے۔ یہ تشبیہ اسی ایک وجہ سے صحیح ہوسکتی ہے' کیونکہ اس سے ہمارا مقصود متعلق نہیں ہے اس لیے ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔

قلب کے لشکر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (پ۲۹' ر۱۵ آیت ۳۱)

تمہارے رب کے لشکروں کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا۔

اس آیت میں باری تعالیٰ کے لشکروں کا ذکر ہے جن کی تعداد سے سوائے رب کریم کے کوئی دوسرا واقف نہیں ہے' یہ لشکر قلوب' ارواح اور دوسرے بے شمار عالموں میں موجود ہیں' کیونکہ ہمارے گفتگو کا موضوع قلب ہے اس لیے ہم قلب کے بعض لشکروں کا ذکر کرتے ہیں۔

قلب کے دو لشکر ہیں' ایک وہ جو ظاہری آنکھ سے دکھائی دیتا ہے' اور دوسرا وہ جو عقل کی آنکھ سے محسوس ہوتا ہے' قلب کی حیثیت بادشاہ کی ہے' اور لشکر اعوان و خدام کا حکم رکھتے ہیں' ظاہری آنکھ سے نظر آنے والے لشکر میں ہاتھ' پاؤں' آنکھ' کان' زبان اور دوسرے تمام اعضاء شامل ہیں' یہ سب اعضاء خواہ جسم کے ظاہر میں ہوں یا باطن میں قلب کے خادم ہیں' اور انہیں اس کی اطاعت کا پابند کردیا گیا ہے' وہ ان میں جس طرح چاہتا ہے تصرّف کرتا ہے' ان کا وظیفہ خدمت اور اطاعت ہے' وہ اپنے وظیفے سے رُوگردانی کی قدرت نہیں رکھتے' اور نہ اس کے خلاف عمل کرنے کا یارا رکھتے ہیں' مثلاً جب آنکھ کھلنے کا حکم ہوتا ہے وہ کھل جاتی ہے' بند کرنے کے لیے کہا جاتا ہے بند ہو جاتی ہے' پاؤں کو حرکت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ حرکت کرنے لگتا ہے' زبان کو بولنے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ بول پڑتی ہے' تمام اعضاء کا یہی حال ہے ان کی اطاعت بعض وجوہ سے باری تعالیٰ کے لیے فرشتوں کی اطاعت کے مشابہ ہے' چنانچہ فرشتے فطری طور پر مطیع ہیں' ان کی تخلیق کا مقصد اطاعت ہے' اور وہ اس مقصد سے انحراف نہیں کرسکتے ان کا حال یہ ہے۔

لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (پ۲۸' ر۱۹ آیت ۶)

کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں۔

البتہ فرشتوں کی اطاعت اور اعضاء کی اطاعت میں ایک فرق ہے' اور وہ یہ کہ فرشتے اپنی اطاعت کا علم رکھتے ہیں' جب کہ اعضاء کی اطاعت میں یہ بات نہیں ہے' آنکھ سے کھلنے کے لیے کہا جاتا ہے وہ کھل جاتی ہے لیکن نہ اسے اپنے وجود کی خبر ہوتی ہے' اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے حاکم قلب کی اطاعت میں کھل رہی ہے۔

جس طرح قلب راہِ سلوک کا سفر طے کرنے کے لیے سواری اور زادِ راہ کا محتاج ہے اسی طرح اسے اعوان و خدام کی بھی ضرورت ہے' یہ سفر وہ ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے' ارشادِ باری ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (پ۲۷' ر۲ آیت ۵۶)

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

قلب کی سواری بدن ہے' علم اس کا زادِ راہ ہے' اور اس زادِ راہ کے حصول کا ذریعہ نیک اعمال ہیں' کسی بندے کے لیے ممکن نہیں کہ وہ دنیا میں قیام کیے بغیر اللہ تک پہنچ سکے' بعید ترین منزل تک پہنچنے کے لیے قریب ترین منزل کا قطع کرنا ضروری ہے' یہی وجہ ہے کہ دنیا کو آخرت کی کھیتی کہا جاتا ہے' دنیا ہدایت کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے' اس کا نام دنیا اسی لیے رکھا گیا ہے کہ یہ قریبی منزل ہے' بہرحال اگلی منزل تک پہنچنے کے لیے اس منزل سے زادِ راہ لینا ضروری ہے' کیونکہ بدن منزل تک پہنچنے کے لیے سواری کے درجے میں ہے' اس لیے اس کی نگرانی اور حفاظت بھی ناگزیر ہے' اور بدن کی حفاظت اس طرح ہوگی کہ اسے وہ غذا دی جائے جو اس کے موافق ہو' اور اس غذا سے روکا جائے جو اسے ہلاک کرسکتی ہو' حصول غذا کے لیے دو لشکروں کی ضرورت ہے' ایک باطنی یعنی شہوت (بھوک وغیرہ کی خواہش)

اور دوسرا ظاہری یعنی ہاتھ اور دیگر اعضاء جن سے غذا فراہم ہوتی ہے۔ قلب میں خواہش اسی لیے پیدا کی گئی ہے' اور اس خواہش کی تکمیل کے لیے ظاہر جسم میں اعضاء بھی عنایت کئے گئے ہیں اسی طرح مُہلکات سے بچنے کے لیے بھی دو لشکری دئے گئے ہیں' ایک باطن میں جو غضب کہلاتا ہے اس کی وجہ سے آدمی مُہلکات دور کرتا ہے' اور دشمنوں سے انتقام لیتا ہے' دوسرا لشکر ظاہر میں ہے جو ہاتھ اور پاؤں سے عبارت ہے' آدمی ان کے ذریعہ غضب کے تقاضے پر عمل کرتا ہے بدن میں ان اعضاء کا وجود ایسا ہے جیسے کسی سپاہی کے پاس ہتھیار اور آلات جنگ ہوں' پھر غذا کی خواہش اور ضرورت ہی کافی نہیں ہے' بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی کو اس غذا کا حال معلوم ہو' اس کے لیے بھی باطنی اور ظاہری لشکریوں کی ضرورت ہے' ظاہری لشکری یہ ہے کہ آدمی حواس خمسہ یعنی سمع' بصر' شم' لمس اور ذوق رکھتا ہو' اور باطنی لشکری یہ ہے کہ ان حواس خمسہ کے ادراک سے محروم نہ ہو۔ قلب کے لیے ان اعوان و خدّام کی ضرورت پر بہت کچھ گفتگو کی جاسکتی ہے' یہ بحث اتنی تفصیل طلب ہے کہ مبسوط جلدیں بھی ناکافی ہیں ہم نے کتاب الشکر میں مختصر طور پر کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے' طالب کو اسی پر اکتفا کرنا چاہئے۔

قلب کے خُدّام تین طرح کے ہیں' ایک وہ جو اسے کسی شئی کی رغبت دلائیں' خواہ وہ جلبِ منفعت ہو یا دفعِ مضرت۔ اوّل کی مثال شہوت (بھوک وغیرہ) اور دوسرے کی مثال غضب ہے۔ اس قسم کے خادم کو ارادہ بھی کہتے ہیں' دوسری قسم میں وہ خُدّام شامل ہیں جو حصولِ مقصد یا تکمیل ارادہ کے لیے اعضاء کو تحریک دیں' اسے "قدرت" کہتے ہیں' یہ تمام اعضاء اور ہر ہر جزو بدن و رگ و پے میں پھیلی ہوئی ہے' تیسری قسم میں وہ خدّام ہیں جو جاسوسوں کی طرح اشیاء کا ادراک کرلیں' اور ان کی حقیقت معلوم کرلیں' بینائی' سماعت' سونگھنے' چھونے اور چکھنے وغیرہ کی قوتیں اسی قسم سے متعلق ہیں۔ یہ قوتیں متعینہ اعضاء میں منتشر ہیں' اس قسم کو علم اور ادراک کہتے ہیں' ان باطنی خُدّام کے ساتھ ظاہری خُدّام بھی ہیں' یعنی وہ اعضاء جو آلات اور اسباب کی حیثیت رکھتے ہیں' مثلاً گرفت کی قوت انگلیوں سے اور بینائی کی قوت آنکھ سے متعلق ہے' اسی پر دوسری قوتوں اور اعضاء کو قیاس کرنا چاہئے۔

ہماری بحث و گفتگو کا محور ظاہری اعضاء نہیں ہیں' کیونکہ یہ عالم ظاہری سے ہیں' بلکہ ہم ان باطنی اعوان و خدّام سے بحث کرتے ہیں جن کا مشاہدہ آنکھ سے نہیں ہوتا۔ اور یہ اعوان و خدّام "قوائے مُدرِکہ" (ادراک کرنے والی قوتیں) کہلاتی ہیں' پھر ان قوائے مُدرِکہ کی بھی دو قسمیں ہیں' کچھ وہ ہیں جو ظاہری اعضاء میں سکونت پذیر ہیں' اور وہ حواس خمسہ ہیں یعنی سمع' بصر' شم' ذوق اور لمس۔ اور کچھ وہ ہیں جن کا مسکن دماغ کی رگوں میں ہے' یہ بھی پانچ ہیں' چنانچہ آدمی کسی چیز کو دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کرلے' اور اس کی تصویر اپنے دل میں پائے تو اسے خیال کہتے ہیں' پھر یہ صورت کسی چیز کے یاد رکھنے سے اس کے ساتھ ہو جاتی ہے اسے "حافظہ" کہتے ہیں' پھر جو چیز حافظے میں رہ جائے اس میں غور کرکے بعض کو بعض سے ملائے اور جو بھول جائے اسے یاد کرے' اور بھولی ہوئی صورت ذہن میں دوبارہ آجائے' اور تمام معانی محسوسات کو حسِ مشترکہ اپنے خیال میں جمع کرلے اسے ذکر' فکر' اور حسِ مشترک کہتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ حفظ' فکر' ذکر اور خیال کی قوتیں پیدا نہ فرماتے تو دماغ ان سے خالی ہوتا جس طرح ہاتھ پاؤں اور قوتوں سے خالی ہیں۔ جس طرح یہ قوتیں باطنی ہیں اسی طرح ان کے مسکن بھی باطنی ہیں۔

قلب کے لشکروں کی یہ قسمیں ہیں' ان کا فہم دقتِ نظری پر موقوف ہے' کم علموں کو سمجھانے کے لیے تفصیل کی ضرورت ہے' اس لیے ہم کچھ مثالوں کے ذریعہ ان قسموں پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ مُبتدی بھی سمجھ لیں۔

قلب کے باطنی خُدّام اور عام فہم مثالیں

قلب کے دو خادم یعنی غضب اور شہوت جب اس کی پورے طور پر اطاعت کرتے ہیں تو راہِ سلوک میں اسے ان سے بڑی مدد ملتی ہے' وہ انہیں بہترین رفیق سفر' اور بے لوث اور مخلص مددگار تصور کرتا ہے' کبھی یہ دونوں خادم نافرمانی اور بغاوت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں' اور

بجائے اس کی اطاعت کے خود اسے اپنی اطاعت پر مجبور کرتے ہیں اور اس کی ہلاکت کا باعث بنتے ہیں' لیکن کیونکہ قلب کے صرف یہی دو خادم نہیں ہیں بلکہ اور بھی خدّام اور اعوان ہیں' اگر شہوت و غضب آمادۂ بغاوت ہو جائیں تو قلب کو مایوس نہ ہونا چاہئے بلکہ ان کے خلاف اپنے دوسرے خدّام کی مدد حاصل کرنی چاہئے' غضب اور شہوت کبھی کبھی شیطان کی جماعت سے جا ملتے ہیں' اگر اس نے اللہ کے گروہ سے مدد نہ لی' اور اپنے نفس پر غضب اور شہوت کی فوجوں کو غلبہ دیا تو وہ یقینی ہلاکت' اور زبردست خسارے کی طرف گامزن ہے۔ اکثر لوگوں کا یہی حال ہے' ان کی عقلیں شہوتوں کی تابع ہیں' کیونکہ وہ قضائے شہوت کے لیے حیلے تراشتی ہیں' حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ان کی شہوتیں عقل کے تابع ہوتیں۔ ہم چند مثالوں کے ذریعہ اس نقطے کی وضاحت کرتے ہیں۔

پہلی مثال : فرض کیجئے کہ نفس انسانی یعنی وہ لطیفہ ربانی جس کا ذکر قبل میں کئی بار ہو چکا ہے اپنے ملک اور دار الحکومت میں بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ بدن اس کی مملکت اس کا مستقر' اس کا دار الحکومت اور اعضاء و جوارح کی حیثیت وہ ہے جو شاہی عملے کے ارکان کی ہوتی ہے' قوت عقلیہ اس کا مخلص مُشیر' اور عقلمند و خیر خواہ وزیر ہے' غضب اس کا باڈی گارڈ اور کوتوالِ شہر ہے' دشمنوں سے بادشاہ کی حفاظت اس کے فرائض میں شامل ہے' شہوت اس کا وہ بد خلق ملازم ہے جس کے ذمّے اہل شہر کے لیے کھانے کا نظم کرنا ہے۔ یہ شخص انتہائی جھوٹا فریبی' دھوکہ باز' اور خبیث ہے' بظاہر خیر خواہ نظر آتا ہے' لیکن اس کی خیر خواہی کے پردے میں زہر ہلاہل اور سمِ قاتل ہے۔ مخلص وزیر کی رائے اور تدبیر سے اختلاف کرنا اس کی عادت ہے' کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں وہ اس کی مخالفت نہ کرتا ہو' اس صورت میں اگر بادشاہ اپنے وزیر کی تدابیر پر عمل کرے' اس سے مشورے حاصل کرے' اور اس خبیث غلام سے اعراض کے ذریعہ یہ ظاہر ہے کہ حکومت کے حق میں اس سے دُور رہنا ہی بہتر ہے' نیز کوتوالِ شہر کی بھی تادیب کرے کہ وہ اس بد باطن غلام اور اس کے تابعین پر نظر رکھے' اگر وہ کسی غلط کام میں مشغول ہوں تو انہیں سزا دے' امید یہی ہے کہ اس صورت میں غلام سرکشی نہ کر سکے گا' اور بادشاہ کا مغلوب و محکوم بنا رہے گا اور حکومت نہایت عدل اور نظم کے ساتھ چلے گی۔ اسی طرح اگر نفس اپنی عقل سے مدد حاصل کرتا رہے' اور کبھی غضب کے محافظ کے ذریعہ شہوت کے غلام پر کاری ضرب لگاتا رہے اور کبھی غضب کے غلبے کو کم کرنے کے لیے شہوت سے مدد چاہتا رہے تو اس کے قوی اعتدال پر رہیں گے' اخلاق بہتر رہیں گے' اور اگر اس طریقہ سے اعراض کرے گا تو ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ (پ ۲۵' ر ۱۹ آیت ۲۳)

سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (پ ۹ ر ۲ آیت ۱۷۶)

اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا سو اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔

نفس کو شہوات کے فریب سے دور رکھنے والے کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى (پ ۳۰ ر ۴ آیت ۴۰' ۴۱)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

غضب اور شہوت کو ایک دوسرے پر مسلط کرنے کی کیفیت، اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے ثمرات کا تذکرہ ریاضتِ نفس کے باب میں آئے گا۔ انشاء اللہ۔

دوسری مثال : فرض کیجئے بدن ایک شہر ہے، اور عقل یعنی انسان کی قوتِ مدرکہ اس شہر کا حاکم ہے، اور ظاہری اور باطنی حواس اس کے اعوان و سپاہی ہیں، اور اعضاء رعیت ہیں، اور نفسِ امارہ جسے شہوت اور غضب سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں اس کا وہ دشمن ہے جو اس کی حکومت چاہتا ہے، اور اس کی رعایا کو موت کی نیند سلانے کا خواہش مند ہے۔ اس صورت میں بدن محاذِ جنگ کی طرح ہے جہاں حاکم شہر بنفسِ نفیس دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے موجود ہے، اگر اس نے جنگ میں غلبہ حاصل کیا، اور دشمن کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کردیا تو اس کی یہ جدوجہد اعلیٰ دربار میں تعریف و تحسین کا خراج وصول کرے گی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً (پ۵ ر۱۰ آیت ۹۵)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے۔

لیکن اگر اس نے محاذِ جنگ میں بہادری کے جوہر نہ دکھائے، اور دشمن سے ہزیمت اٹھائی تو یہ مذموم فعل ہوگا اور اسے غفلت کی سزا دی جائے گی، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ایسے شخص سے کہا جائے گا کہ:

یا راعی السوء اکلت اللحم و شربت اللبن ولم تاو الضالة ولم تجبر الکسیر الیوم انتقم منک (۱)

اے خبیث چرواہے! تو نے گوشت کھایا، اور دودھ پیا، مگر گم شدہ کا پتا نہ لگایا، شکستہ کو صحیح نہ کیا، آج میں تجھ سے انتقام لوں گا۔

حدیث شریف میں اسی جہاد کی طرف اشارہ ہے۔

رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر (سنن بیہقی۔ جابر)

ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے ہیں۔

تیسری مثال : فرض کیجئے کہ عقل ایک سوار ہے جو شکار کے ارادے سے نکل رہا ہے، شہوت اس کا گھوڑا ہے، اور غضب اس کا کتّا ہے، اب اگر وہ سوار اپنے فن میں ماہر ہو، گھوڑا بھی سدھا ہوا ہو، اور کتّا بھی تعلیم یافتہ ہو تو بلاشبہ یہ شکاری اپنے مقصد میں کامیاب ہے، اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کوئی نقصان اٹھائے بغیر شکار لے کر واپس آئے گا، دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خود بھی شکار کے فن سے ناواقف ہو، گھوڑا بھی سرکش ہو، اور کتّا بھی دیوانہ، ایسے شخص کے بارے میں یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کامیابی کے ساتھ واپس آئے گا، اگر وہ صحیح و سلامت واپس آجائے تو غنیمت ہے، سوار کی ناواقفیت انسان کی جہالت کے مشابہ ہے، گھوڑے کی سرکشی غلبۂ شہوت اور کتّے کی دیوانگی غلبۂ غضب کی مثال ہے۔

انسان کے قلب کی خصوصیات

اب تک جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ صرف انسان ہی کو نہیں بلکہ حیوانات کو بھی حاصل ہیں، مثلاً شہوت، غضب، ظاہری اور باطنی

۱۔ مجھے اس روایت کی کوئی اصل نہیں ملی۔

حواس انسان کی طرح حیوان میں بھی ہیں' حتّٰی کہ بکری بھیڑیے کو آنکھوں سے دیکھ کر سمجھ جاتی ہے کہ وہ اس پر حملہ کرنا چاہتا ہے' اور وہ قلب سے اس کے ارادے کو بھانپ کر فرار ہو جاتی ہے' یہ باطنی ادراک ہی تو ہے' اس میں انسان کی تخصیص نہیں ہے' بلکہ بے عقل جانور بھی اس قوت سے کام لیتے ہیں' اور اپنے نفع و نقصان کا ادراک کرتے ہیں' یہاں ہمارا مقصود ان امور کا ذکر ہے جو صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہیں' اور جن کے باعث اسے دوسری مخلوقات پر شرف اور فضیلت اور اللہ عزّوجل کی قربت حاصل ہے'

جاننا چاہئے کہ قلب انسانی کے ساتھ مخصوص امور صرف دو ہیں ایک علم' دوسرا ارادہ۔ علم سے مراد یہاں دنیوی اور اُخروی اور عقلی حقائق کا علم ہے' یہ امور اور حقائق محسوسات سے ماوراء ہیں' اور ان میں حیوانات انسانوں کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ بلکہ بدیہی علوم کُلیہ بھی عقل کے ساتھ مخصوص ہیں' اس لیے کہ انسان ہی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ایک ہی شخص کا ایک ہی حالت اور ایک ہی وقت میں دو مکانوں میں پایا جانا ممکن نہیں ہے۔ اگرچہ اس نے دنیا کے چند افراد دیکھے ہیں' لیکن اس کا یہ حکم تمام افراد کو شامل ہو گا' معلوم ہوا کہ تمام افراد پر اس کا یہ حکم لگانا حواس سے زائد ایک امر ہے' جو عقل ہی سے متعلق ہو سکتا ہے۔ جب بدیہی اور ظاہری علوم کا حال یہ ہے تو نظری علوم کا بدرجۂ اولیٰ ہو گا۔ ارادہ سے مراد یہ ہے کہ جب انسان کسی امر کے انجام پر نظر ڈالتا ہے' اور اس میں کوئی بہتری نظر آتی ہے تو اس میں اس کا شوق' اور اسے حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے' یہ ارادہ وہ نہیں جسے شہوت کہتے ہیں یا جو حیوانات میں بھی موجود ہے' بلکہ یہ ارادہ شہوت کے ارادے کی ضد ہے' شہوت اور ارادے کا فرق اس مثال سے ظاہر ہو گا کہ شہوت فصد کھلوانے اور پچھنے لگوانے سے نفرت کرتی ہے' مگر عقل اس کی افادیت سمجھتی ہے' اور اس کا ارادہ کرتی ہے' بلکہ اس کے لیے مال تک خرچ کرا دیتی ہے' اسی طرح بیماری کی حالت میں شہوت لذیذ کھانوں کی طرف مائل رہتی ہے لیکن عقل اسے مُضِر سمجھ کر روکتی ہے۔ یہ ممانعت شہوت کی طرف سے نہیں ہوتی' بلکہ عقل کی رو سے ہوتی ہے' اگر اللہ تعالیٰ اس ارادے کی تخلیق نہ فرماتا جس سے عقل کے مقتضیات کو تحریک ملتی ہے اور ان پر عمل ہوتا ہے تو عقل کی تخلیق کا مقصود فوت ہو جاتا۔

معلوم ہوا کہ انسان کی قلب میں علم اور ارادہ وہ ایسے امر ہیں جو حیوانات میں نہیں پائے جاتے بلکہ کمسن بچے بھی ان سے محروم ہوتے ہیں' یہ خصوصیات انہیں بُلوغ کے بعد حاصل ہوتی ہیں' اگرچہ ان میں شہوت' غضب' ظاہری اور باطنی حواس روزِ اوّل ہی سے موجود ہوتے ہیں۔

<u>ان علوم کے حصول کے دو درجے</u> : معلوم ہوا کہ بچّہ بُلوغ کے بعد ہی یہ خصوصیات حاصل کرپاتا ہے' اس حصول یا اِکتساب کے دو درجے ہیں' ایک درجہ تو یہ ہے کہ اسے بدیہیات کا علم ہو' مثلاً یہ کہ وہ محال کو محال اور ممکن کو ممکن سمجھتا ہو' اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ وہ بدیہیات سے تو واقف ہے' لیکن علومِ نظریہ کا علم نہیں رکھتا' تاہم یہ کہا جاسکے گا کہ وہ علومِ نظریہ کے حصول کے قریب ہے' اور ان علوم کے تعلق سے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کاتب کہ جو اگرچہ کتابت سے واقف نہیں ہے' لیکن کتابت کے آلات یعنی دوات' قلم' اور مفرد حروف سے واقف ہے ایسے شخص کو مکمل کاتب تو نہیں کہا جاسکتا لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس فن سے قریب ہے' دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسے تجربہ' فکر اور اِکتساب کے ذریعہ ان علوم کا ذخیرہ میسّر آجائے' اور وہ اس ذخیرہ کو اپنے ذہن کے خزانے میں محفوظ کرلے' اس خیال سے کہ وہ جب چاہے گا اس ذخیرے سے فائدہ اٹھالے گا۔ ایسا شخص ماہر کاتب کی طرح ہے' اگرچہ وہ فی الوقت لکھ نہیں رہا ہے' لیکن لکھنے کے فن سے واقف ہے' اور جب جی چاہے لکھ سکتا ہے' یہ انسان کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اس درجے میں بے شمار مراتب ہیں معلومات کی کثرت' قلت' [illegible] کے طریقوں میں اختلاف کی وجہ سے ہر شخص کا حال جداگانہ ہے' بعض قلوب الہام اور کشف کے ذریعہ ان علوم کا ادراک کرتے ہیں' بعض تعلّم اور اکتساب کے ذریعہ علوم حاصل کرپاتے ہیں بہت سے لوگ ایسے ذکی اور سریع الفہم ہوتے ہیں کہ مشکل سے مشکل بات لمحوں میں سمجھ جاتے ہیں' اور بہت سے لوگ اتنے غبی اور کند ذہن ہوتے ہیں کہ تکرار و اعادے اور فکر و نظر کے بغیر کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی' اس میں علماء حکماء' انبیاء اور اولیاء سب کے درجات مختلف ہیں' جہاں تک اعلیٰ ترین درجے کا تعلق ہے اس کی کوئی حد یا انتہا نہیں ہے' کیوں کہ معلومات کا دائرہ بے حد وسیع ہے اس میں اعلیٰ ترین

درجہ اس نبی کا ہوتا ہے جس پر تمام یا اکثر حقائق کسی اکتساب یا ادنیٰ تکلف کے بغیر فضل الٰہی سے منکشف ہوجائیں یہی سعادت بندہ کو اللہ سے قریب کرتی ہے' اس سے مکان و مسافت کے قربت مراد نہیں ہے' بلکہ یہ معنوی' حقیقی اور وصفی قربت ہے' ان درجات میں آگے بڑھنا اور کسی مقام پر ٹھہرنا راہ سلوک طے کرنے والوں کی منزلیں ہیں' ان منازل کی کوئی حد مقرر نہیں ہے' ہر سالک کو ان منزلوں کی خبر رہتی ہے جن سے وہ گزر کر آیا ہے' اگلی منزلوں کا حال اسے معلوم نہیں ہوتا' تاہم وہ ایمان بالغیب کے طور پر ان کی تصدیق کرتا ہے' جس طرح ہم نبی اور نبوّت کی تصدیق کرتے ہیں حالانکہ نبوّت کی حقیقت نبی کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہوتی نیز جس طرح پیٹ کے بچے کو دودھ پینے والے بچے کا حال' اور دودھ پینے والے کو اس بچے کا حال معلوم نہیں ہوتا جسے کچھ سمجھ آگئی ہو' اور تمیزدار بچے کو عقلمند انسان کا حال معلوم نہیں ہوتا اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کتنے علوم نظریہ حاصل کئے ہیں اسی طرح عاقل کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور اولیاء پر کیا کیا عنایات کی ہیں' اور کون کون سے اسرار منکشف کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا (پ ۲۲ ر ۱۳ آیت ۲)

اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھول دے سو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں۔

یہ رحمت باری تعالیٰ کے جود و کرم کے بموجب عام ہے' اس سلسلے میں کسی کے ساتھ بخل سے کام نہیں لیا جاتا' لیکن اس کا ظہور ان دلوں میں ہوتا ہے جو رحمت خداوندی کے جھونکوں کے منتظر رہتے ہیں' اور اپنے دل کے دروازے ان جھونکوں کی آمد کے لیے کھلے رکھتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

ان لربکم فی ایام دھرکم لنفحات الا فتعرضوا لھا (۱)

تمہاری زندگی کے ایام میں باری تعالیٰ کی رحمت کے بہت سے جھونکے ہیں تم ان کی تاک میں رہو۔

ان جھونکوں کے منتظر رہنے اور تاک میں لگے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ دل کو مذموم اخلاق سے حاصل ہونے والی کدورت اور گندگی سے پاک صاف رکھو' عنقریب اس اجمال کی تفصیل آئے گی' اسی جود و کرم کی طرف حسب ذیل حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے:

ینزل اللہ کل لیلۃ الی سماء الدنیا فیقول ھل من داع فاستجیب لہ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ' ابو سعیدؓ)

اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا سنوں۔

حسب ذیل قدسی حدیثیں بھی اسی رحمت کا اعلان ہیں:

لقد طال شوق الابرار الی لقائی وانا الی لقاءھم اشد شوقا (۲)

نیکوں کو میری ملاقات کا شوق بہت ہے' اور مجھے ان کی ملاقات کا زیادہ اشتیاق ہے۔

من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ قریب آتا ہوں۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ قلوب کا علوم کے انوار سے محروم رہنا منعم حقیقی کی طرف سے کسی رکاوٹ یا بخل کی بنا پر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے قلوب کی خباثت اور کدورت' اور غیر اللہ کے ساتھ اشتغال کی بنا پر ان انوار سے محروم رہتے ہیں' قلوب برتن کی طرح ہیں' جب تک برتن پانی سے لبریز رہتے ہیں ان میں ہوا کا گزر نہیں ہوتا' اسی طرح غیر اللہ میں مشغول دلوں میں بھی معرفتِ الٰہی کی روشنی داخل

---

(۱) یہ روایت کتاب الصلوٰۃ میں بھی گزر چکی ہے

(۲) مجھے اس کی اصل نہیں ملی تاہم مسند الفردوس کے مصنف نے اسے حضرت ابو الدرداءؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے

نہیں ہوتی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لولا ان الشياطين يحومون على قلوب بنى آدم لنظروا إلى ملكوت السماء

(احمد۔ ابو ہریرہؓ)

اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں کے گرد نہ پھرتے ہوتے تو وہ آسمان کے ملکوت کا مشاہدہ کرلیا کرتے۔

مختصر یہ کہ انسان کی خصوصیت علم اور حکمت سے وابستہ ہے' اور علوم میں سب سے افضل علم باری تعالیٰ کی ذات' صفات و افعال کا علم ہے' اس علم میں انسان کے کمال کا راز مضمر ہے' اور اسی کمال پر اس کی سعادت اور فلاح کا مدار ہے' اسی سے باری تعالیٰ کے جوار میں رہنے کی صلاحیت اور اس کے حضور میں حاضر ہونے کی اہلیت پیدا ہوتی ہے۔ بدن نفس کی سواری ہے' اور نفس محل علم ہے اور علم ہی انسان کی زندگی کا مقصد اور اس کا امتیاز ہے' اسی مقصد کے لیے اس کی تخلیق عمل میں آئی ہے جس طرح گھوڑا بوجھ اٹھانے کی قوت میں گدھے کا شریک اور کرّوفر' حسن ہیئت اور سرعت رفتار میں اس سے ممتاز ہے اسی طرح انسان کو بھی بعض چیزیں گدھے اور گھوڑے سے ممتاز کرتی ہیں' یہ خصوصیات ملائکہ مقربین کی صفات ہیں۔ انسان ملائکہ اور بہائم کے درمیان میں ایک مخلوق ہے' کیونکہ وہ غذا اور نشوونما کے لحاظ سے سبزہ ہے' حس و حرکت اور اختیار و فعل کے اعتبار سے حیوان ہے' صورت اور قامت کے لحاظ سے نقش بردیوار ہے' حقائق اشیاء کی معرفت کی خصوصیت اسی بہائم سے ممتاز کرتی ہے' جو شخص اپنے اعضاء اور قوی سے علم و عمل پر مدد لے وہ ملائکہ کے مشابہ ہے بلکہ اس کا مستحق ہے کہ اسے ملائکہ کے زمرے میں شمار کیا جائے' اور "ملک ربانی" کہا جائے جیسا کہ باری تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا مشاہدہ کرنے والی عورتوں کی زبان سے اعتراف کرایا:

مَاهٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ (پ ۱۲ ر ۱۴ آیت ۳۱)

یہ شخص آدمی ہرگز نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

جس شخص نے بدنی لذات کو اپنے فکر و عمل کا محور قرار دیا اور ان ہی کا ہو رہا وہ چوپایوں کی طرح ہے جن کا مقصد چرنے اور کھانے کے علاوہ دوسرا نہیں ہوتا' وہ ان بہائم میں داخل ہو کر یا تو بیل کی طرح بے وقوف ہوگا' یا خنزیر کی طرح حریص ہوگا' یا بلّی اور کتّے کی طرح غرّانے والا ہوگا یا اونٹ کی طرح کینہ پرور' چیتے کی طرح متکبر اور لومڑی کی طرح مکّار و عیّار بن جائے گا' اور اگر ان تمام صفات اور بہیمانہ خصائل کا جامع ہوا تو شیطان رجیم ہوگا۔

انسان کا کوئی ظاہری عضو' یا باطنی حس ایسی نہیں ہے جس سے وصل الی اللہ پر مدد نہ لی جاسکتی ہو' جیسا کہ کتاب الشکر میں اس کی تفصیل آئے گی' جس شخص نے اپنے اعضاء کا صحیح صحیح استعمال کیا اس نے کامیابی حاصل کی' اور جس نے حکم عدولی کیا اس نے نقصان اٹھایا' اور رسوائی حاصل کی۔ کمال سعادت' اور تمام فلاح یہ ہے کہ انسان لقاء خداوندی کو اپنا مقصد' آخرت کو اپنا مستقر' دنیا کو عارضی منزل' بدن کو سواری' اور اعضاء کو خدمت گزار سمجھے' اور اپنی قوت مدرکہ کو جس کا محل مملکت جسم کا وسط حصہ قلب ہے بادشاہ خیال کرے' اور مقدم دماغ میں قوتِ خیال کو بادشاہ کا پیغمبر سمجھے' کیونکہ محسوسات کی خبریں اس تک پہنچتی ہیں' اور قوتِ حافظہ ان کا مسکن بنتی ہے' اور خزانچی کی طرح حفاظت کرتی ہے' زبان اس کی ترجمان متحرک اعضاء اس کے محرّرین' اور حواسِ خمسہ اس کی مملکت کے جاسوس ہیں' اس میں سے ہر حاسہ اخبار کی تلاش اور ترسیل پر مقرر ہے' آنکھ کا کام رنگوں کی دنیا سے متعلق ہے' کان آواز کی دنیا اور ناک بو کی دنیا پر مقرر ہے۔ یہ سب حواس اپنی اپنی دنیا سے خبریں جمع کرتے ہیں اور انہیں قوتِ فکر و خیال تک پہنچاتے ہیں' قوتِ خیال جو در اصل قاصد ہے ان خبروں کو خازنِ شہر یعنی قوتِ حافظہ کے سپرد کردیتی ہے' خازن انہیں بادشاہ سلامت کے گوش گزار کردیتا ہے' بادشاہ ان میں سے وہ خبریں منتخب کرلیتا ہے جو ملک کا نظام چلانے میں مفید ہوں' اور جن سے پیش آمدہ سفر پورا ہوسکے' مملکت کے دشمنوں کا قلع قمع ہوسکے' اور راستے کے لٹیروں سے نمٹا جاسکے۔ اگر اعضاء کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا اور انہیں ان ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مشغول رکھنا ہی سعادت ہے اور اسی میں باری تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی ہے۔ ان اعضاء کو غفلت میں مبتلا رکھنے والا شقی' بدبخت اور رسوا ہے۔ وہ خدا

تعالیٰ کی نعمتوں کا منکر ہے' اس نے لشکرِ الٰہی کو جو دشمنوں کے خلاف مدد حاصل کرنے کے لیے اسے دیا گیا تھا ضائع کیا' دشمنانِ خدا کو عزت دی اور حزبُ اللہ کو ذلت میں مبتلا کیا' انجام کار شدید ترین عذاب اور آخرت کی رُسوائی مستحق ہے۔ ہم آخرت کی رسوائی اور اس کے ہولناک عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

ہماری بیان کردہ مثال کی تائید حضرت کعب احبارؓ کی روایت سے ہوتی ہے' فرماتے ہیں کہ میں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ انسان کی آنکھیں رہنما' اس کے کان محافظ' زبان ترجمان' ہاتھ لشکر' پاؤں قاصد اور قلب بادشاہ ہے' اگر بادشاہ اچھا ہو گا تو اس کے توابع بھی اچھے ہوں گے' انہوں نے فرمایا تم صحیح کہتے ہو' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے۔ (۱) حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے قلب کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ قلوب زمین میں اللہ تعالیٰ کے برتن ہیں' ان میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ترین وہ ہے جو سب سے زیادہ نرم' صاف اور مضبوط ہے' قلب کی نرمی' صفائی اور مضبوطی یہ ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے لیے نرم ہو' یقین میں صاف ہو' اور دین میں سخت ہو' قرآن کریم کی اس آیت کا منشاء بھی یہی ہے:

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ (پ۲۶ ر۱۲ آیت ۲۹)

وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں۔

حضرت اُبَی بن کعب نے آیت کریمہ:

مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ (پ۱۸ ر۱۱ آیت ۳۵)

اس کے نور (ہدایت کی حالت عجیبہ) ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اور اس میں ایک چراغ رکھا ہے۔

کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ مؤمن کے نور اور اس کے دل کی مثال ہے' اور یہ مثال:

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ (پ۱۸ ر۱۱ آیت ۴۰)

یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیرے۔

منافق کے دل کی ہے۔ زید ابن اسلم نے قرآن کریم میں وارد لوحِ محفوظ کو مؤمن کا دل کہا ہے' اور حضرت سہیل تستری نے قلب و صدر کو عرش و کرسی سے تشبیہ دی ہے۔

جامع اوصافِ قلب اور اس کی مثالیں

جاننا چاہئے کہ انسان کی تخلیق و ترکیب میں چار چیزوں کی آمیزش ہے' اس لیے اس میں چار طرح کے اوصاف جمع ہیں یعنی سبعی' بہیمی' شیطانی اور ربّانی۔ اس حیثیت سے کہ اس پر غضب کا تسلط ہے وہ سباع کے افعال یعنی عداوت' بغض' مار پیٹ اور گالی گلوچ کا مرتکب ہوتا ہے اور اس حیثیت سے کہ اس پر شہوت کا غلبہ ہے وہ بہائم کے افعال یعنی حرص و ہوس اور طمع و حسد کا ارتکاب کرتا ہے اور اس لحاظ سے کہ وہ فی نفسہٖ امرِ ربّانی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ہے:

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (پ۱۵ ر۱۰ آیت)

آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔

اپنے لئے ربوبیت کا دعویٰ کرتا ہے' اسے تعلّی' تکبر' دوسروں پر برتری' تخصیص' اور انفرادیت پسند ہے' عبودیت' تواضع اور محکومیت ناپسند ہے' اسی لحاظ سے وہ یہ چاہتا ہے کہ تمام علوم پر مطلع رہے' علم کی طرف اپنی نسبت اسے محبوب ہے اور جہل کی طرف نسبت اسے

---

(۱) یہ روایت ابو نعیم نے طبِ نبوی میں' طبرانی نے مسند الشامیین میں' اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے

ناپسند ہے وہ حقائق امور کے احاطے اور علم و معرفت کے حصول کا دعویٰ کرتا ہے' حالانکہ تمام حقائق کا احاطہ اور مخلوق پر زبردستی کی برتری ربوبیت کے اوصاف ہیں' عبدیت کی صفت نہیں ہیں۔ انسان غضب اور شہوت میں سباع اور بہائم کے ساتھ اشتراک کے باوجود قوت تمیز رکھتا ہے اس لیے اس میں ایک وصف مزید ہے جسے شیطانیت کہہ سکتے ہیں' شیطان سَرتاپا شر ہے وہ اپنی تمیز کو شر کی صورتوں میں استعمال کرتا ہے' اور اپنی اغراض حاصل کرنے کے لیے مکر و فریب کا سہارا لیتا ہے' اور خیر کے محل میں شر کا بیج بوتا ہے' یہ شیاطین کے اوصاف ہیں' اور وہ لوگ بھی ان اوصاف میں شیاطین کے شریک ہیں جن میں ربّانیت' شیطانیت' سبعیت اور بہیمیت کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ ان چاروں اوصاف کا مرکز قلب ہے' گویا انسان کی کھال میں بیک وقت خنزیر' کتا' شیطان اور حکیم جمع ہیں۔ خنزیر شہوت کی علامت ہے۔ یہ ناپاک اور بدباطن جانور اپنے رنگ یا اپنی شکل و صورت کی بنا پر برا نہیں ہے بلکہ اپنی حرص و ہوس کی وجہ سے مذموم ہے' یہی حال کتے کا ہے جو غضب کی مجسّم شکل ہے درندوں اور کتوں سے اس لیے نفرت نہیں کی جاتی کہ وہ درندے یا کتے ہیں' بلکہ ان سے نفرت کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سبعیت کی غایت یعنی درندگی' اور عداوت پائی جاتی ہے' اسی طرح انسان کے باطن میں درندوں کی درندگی' عداوت اور غضب اور خنزیر کی حرص اور طمع پائی جاتی ہے۔ درندہ غضب کو تحریک دے کر ظلم پر' اور خنزیر حرص کو ہوا دے کر فواحش کے ارتکاب پر اکساتا ہے۔ اور شیطان ان دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رکھتا ہے' کبھی حرص کو غضب کے خلاف اُکساتا ہے' اور کبھی غضب کو حرص کی مخالفت میں بھڑکاتا ہے' نیز ان دونوں کی جبلّی صفات کی تحسین کرتا ہے۔ عقل بمنزلۂ حکیم کے ہے' اس کا کام یہ ہے کہ وہ شیطان کے مکر و فریب کو دفع کرے' اور اپنی گہری بصیرت اور واضح نور سے اس کی تلبیس کا قلع قمع کر دے' اور خنزیر کی ہوس کو کتے کے غضب کے ذریعہ شکست دے' اس لیے کہ غضب سے شہوت ختم ہوتی ہے' اسی طرح خنزیر کو کتے پر مسلط کر کے اس کی درندگی کا خاتمہ کرے اور کتے کو اپنی حکمت و تدبیر سے پابہ زنجیر اور مطیع رکھے' اگر اس نے ایسا کیا تو جسم کی مملکت میں عادلانہ نظام باقی رہے گا' اور تمام اعضاء اپنے اپنے محور پر گردش کریں گے' اگر حکیم اپنی کوشش میں ناکام رہا' نہ شیطان سے ٹکر لے سکا' اور نہ خنزیر اور کتے کو مقہور کرسکا تو یہ تینوں خود اس پر غالب آجائیں گی اور اسے اپنی سخت زنجیروں میں اسی طرح جکڑ لیں گی کہ کوشش کے باوجود آزاد نہ ہوسکے گا' بلکہ تا عمر ان کی خدمت گذار اور مطیع رہے گا' اکثر لوگ اسی قید کی زندگی گذار رہے ہیں' ان کی تمام تر جدوجہد شکم و فرج کی شہوت ہے' حیرت اس وقت ہوتی ہے جب یہی لوگ بُت پرستوں کو اپنی ملامت کا ہدف بناتے ہیں اور ان کی بُت پرستی کا مذاق اڑاتے ہیں' اگر ان کی آنکھوں سے غفلت کے دبیز پردے اٹھائے جائیں تو معلوم ہو گا کہ وہ خود غیر اللہ کی اطاعت میں مصروف ہیں' کبھی وہ خنزیر کے سامنے سربسجود ہیں' اور کبھی کتے کے سامنے رکوع اور قیام کی حالت میں ہیں' ان کی خواہشات کی تکمیل ان کا ایمان ہے' اور ان کے چشم و ابرو کے اشاروں کا منتظر رہنا ان کا عمل۔ ایسے لوگوں کے سامنے اگر ان حقائق کو مجسّم کر دیا جائے تو وہ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں کہ بُت پرستوں میں اور ان میں کیا فرق ہے' بُت پرست بے جان پتھروں کے سامنے سر جھکا کر شیطان کو خوش رکھتے ہیں اور وہ لوگ ان ناپاک اور گندے جانوروں کی عبادت کر کے شیطان کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں یہ شیطان ہی تو ہے جو خنزیر اور کتے کو برانگیختہ کرتا ہے اور انہیں انسان سے خدمت لینے پر اُکساتا ہے' حقیقت یہ ہے کہ خنزیر اور کتے کے چشم و ابرو کے اشاروں پر ناچنے والے شیطان کے دام فریب میں گرفتار ہیں۔

ہر بندۂ خدا کو چاہیئے کہ وہ اپنی حرکات و سکنات' اپنے نطق و سکوت اور قیام و قعود کا نگراں رہے' نور بصیرت کی آنکھیں کھلی رکھے' اگر اس نے انصاف کے ساتھ اپنے احوال پر نظر کی تو اسے معلوم ہو گا کہ وہ اپنا دن خدائے برحق کی اطاعت میں گذارتا ہے' یا نفس کی پرستش میں؟ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ان نفس پرستوں نے مالک کو مملوک' آقا کو غلام' اور غالب کو مغلوب بنا دیا ہے' غلبہ اور سیادت کا حق عقل کو تھا' خنزیر' کتے اور شیطان نے اس کا حق چھین لیا' اور اسے مغلوب و مقہور کر دیا عقل سیادت سے محروم ہو جاتی ہے تو ان تینوں اوصاف کی اطاعت رنگ لاتی ہے' اور قلب پر وہ صفات محیط ہو جاتی ہیں جن کا انجام ہلاکت اور رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ شہوت کے خنزیر کی اطاعت سے بے حیائی' خباثت' اِسراف' بخل' ریاء' ہتک' بے ہودگی' حرص' ہوس' خوشامد' حسد' کینہ' اور شماتت وغیرہ

اوصاف پیدا ہوتے ہیں، غضب کے کتے کی اطاعت کے نتیجے میں تہور، تعلی، خودستائی، کبر، خودپسندی، استہزاء، اور تحقیر، ارادۂ شر، اور خواہش ظلم جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں، غضب اور شہوت کے "معبودوں" کی اطاعت دراصل شیطان کی اطاعت ہے، جس سے مذکورہ بالا رذائل کے علاوہ مکرو فریب، حیلہ جوئی، دغابازی، تلبیس، خیانت، دنائت، اور فحش کلامی جیسے اوصاف کو بھی تحریک ملتی ہے۔ اگر صورت حال اس کے برعکس ہو، اور شر کے یہ تمام سرچشمے اور محرکات ربانی صفت کی حکمت عملی سے زیر ہوجائیں تو قلب میں ربانی اوصاف علم، حکمت، یقین، حقائق اشیاء کا احاطہ، امور کی معرفت، علم اور بصیرت کی قوت کے ذریعہ دوسروں پر غلبہ، کمال علم کی بنا پر مخلوق پر برتری کا استحقاق جیسے ربانی اوصاف قلب کا احاطہ کرلیتے ہیں، شہوت اور غضب کی اطاعت کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ شہوت کے خنزیر کو اس کی حدود میں قید رکھنے سے عفت، قناعت، طمانینت، زہد، ورع، تقویٰ، انبساط، حیاء، حسن صورت، خوش خلقی اور غضب کے کتے کو پابہ زنجیر رکھنے سے شجاعت، کرم، عظمت، ضبط نفس، صبر، حلم، عفو، ثبات قدمی، اور شرافت جیسے اوصاف پیدا ہوتے ہیں، قلب آئینے کی طرح ہے، غضب شہوت اور شیطان کی اطاعت اس آئینے کی آب و تاب پر اثر انداز ہوتی ہے، اور آدمی اپنے چہرہ کا عکس صاف نہیں دیکھ پاتا، اوصاف حمیدہ سے آئینۂ قلب کی تب و تاب میں اضافہ ہوتا ہے، اور چمک دمک بڑھتی ہے، یہاں تک کہ اس میں حق جلوہ گر ہوجاتا ہے، اور امر مطلوب کی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے، اس حدیث شریف میں ایسے ہی صاف شفاف اور روشن دل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

اذا اراد اللہ لعبد خیرا جعل لہ واعظا من قلبہ (دیلمی۔ ام سلمہ)

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے سلسلے میں خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک ناصح پیدا کردیتا ہے۔

ایک حدیث میں یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں واعظ ناصح کا وجود ہوتا ہے اس دل کی حفاظت کے لیے باری تعالیٰ کی طرف سے ایک نگہبان مقرر رہتا ہے۔ (۱) ایسا ہی دل ذکر الٰہی کا مستقر ہوتا ہے، اور اس ذکر سے تسکین پاتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (پ ۱۳ ر ۱۰ آیت ۲۸)

خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوجاتا ہے۔

اخلاق مذمومہ کا اثر آئینہ دل پر ایسا ہوتا ہے جیسے دھواں آئینہ کی صاف و شفاف سطح کو بے آب اور بد رونق کردیتا ہے، دل کا آئینہ گناہوں کی تاریکی سے تاریک ہوجاتا ہے، یہ تاریکی ایک طرح کا حجاب ہے، جو بندہ اور باری تعالیٰ کے درمیان حائل ہوجاتا ہے، اسی پردے کا نام طبع (مہر) اور رین (زنگ) ہے، قرآن کریم میں ایسے ہی دلوں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (پ ۳۰ ر ۸ آیت ۱۴)

ہرگز ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال (بد) کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (پ ۹ ر ۳ آیت ۱۰۰)

اگر ہم چاہتے تو ان کو ان کے جرائم کے سبب ہلاک کرڈالتے اور ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں اس سے وہ سنتے نہیں ہیں۔

دوسری آیت میں نہ سننے کو قلوب پر مہر لگ جانے سے تعبیر کیا ہے، ایک جگہ سننے کو تقویٰ کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا (پ ۷ ر ۴ آیت ۱۰۸)

اور اللہ سے ڈرو اور سنو۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ (پ ۳ ر ۷ آیت ۲۸۲)

---

(۱) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی

اور خدا سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ تم کو تعلیم فرماتا ہے۔

جب گناہ زیادہ ہوتے ہیں تو دل پر مہر لگ جاتی ہے' وہ ادراک حق' اور اصلاح حال کی ہر صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے' آخرت کا معاملہ اس کے نزدیک اہم نہیں رہتا' دنیاوی شان و شوکت اس کے لیے سب کچھ ہو جاتی ہے' وہ دنیاوی مال و دولت کا حریص ہو جاتا ہے' اور اپنی تمام تر توانائی اس کے حصول میں صرف کر دیتا ہے' آخرت کی باتیں اس کے کانوں کے قریب سے دل و دماغ میں اثر انداز ہوئے بغیر اس طرح گزر جاتی ہیں جس طرح ہوا گزر جاتی ہے' غلطیوں کے تدارک اور گناہوں سے توبہ کی ہر توفیق سلب کر لی جاتی ہے' ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے:

قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ (پ۲۸ ر۸ آیت ۱۳)

وہ آخرت (کے ثواب سے) ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسے کفار جو قبروں میں (مدفون) ہیں ناامید ہیں۔

قرآن کریم اور حدیث شریف میں قلب کی جس سیاہی کا ذکر آیا ہے اس سے یہی حالت مراد ہے' میمون ابن مہران کہتے ہیں کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کی دل کی سطح پر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے اگر وہ اس گناہ سے باز آجائے اور رب کریم کے حضور صدق دل کے ساتھ توبہ کر لے تو یہ نقطہ مٹ جاتا ہے' اور دل اپنی سابقہ حالت پر آجاتا ہے' اور اگر اس گناہ کا اعادہ کرے یا دوسرے گناہوں کا مرتکب ہو تو اس نقطہ کی سیاہی اور حجم دونوں میں اضافہ ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ یہ سیاہ نقطہ پورے دل کا احاطہ کر لیتا ہے یہی سیاہی ران (زنگ) ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ أَجْرَدُ فِيهِ سِرَاجٌ يَزْهَرُ وَقَلْبُ الْكَافِرِ أَسْوَدُ مَنْكُوسٌ (احمد' طبرانی۔ ابوسعید)

مؤمن کا دل صاف ہوتا ہے اس میں چراغ روشن ہوتا ہے' اور کافر کا دل سیاہ اور اوندھا ہوتا ہے۔

باری تعالیٰ کی اطاعت' اور شہوات نفس کی مخالفت قلب کے لیے صیقل کا کام دیتی ہے' اور گناہ اسے اندھیری رات کی طرح سیاہ کر دیتے ہیں' گناہ کے بعد نیک عمل کرنے سے قلب تاریک تو نہیں رہتا لیکن اس کے نور میں کمی آجاتی ہے' جیسے آئینہ کو گرم سانس لگایا جائے پھر صاف کیا جائے پھر گرم سانس سے اس کی سطح آلودہ کی جائے پھر صاف کی جائے تو اس کی چمک دمک میں کچھ نہ کچھ کمی باقی ضرور رہ جائے گی' اور اس آلودگی کے اثرات پورے طریقے پر نہیں مٹ سکیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب کی چار قسمیں فرمائیں ہیں:

القلوب اربعة' قلب اجرد فيه سراج يزهر' فذالك قلب المؤمن' وقلب اسود منكوس فذالك قلب الكافر' وقلب اغلف مربوط على غلافه فذالك قلب المنافق' وقلب مصفح فيه ايمان ونفاق' فمثل الايمان فيه كمثل البقلة يمدها الماء الطيب' ومثل النفاق كمثل القرحة يمدها القيح والصديد فاى المادة غلبت عليه حكم له بها وفي رواية ذهبت به (مسند احمد' طبرانی صغیر۔ ابوسعید الخدریؓ)

دل چار طرح کے ہوتے ہیں' ایک وہ دل ہے جو صاف ہو اس دل میں چراغ روشن رہتا ہے' یہ مؤمن کا دل ہے' ایک دل سیاہ اور الٹا ہوا ہوتا ہے یہ کافر کا دل ہے' ایک دل غلاف میں لپٹا ہوا ہوتا ہے' اور اس غلاف کا منہ بندھا ہوا ہوتا ہے یہ منافق کا دل ہے' ایک دل وہ ہے جس میں ایمان اور نفاق دونوں ہوں ایسے دل میں ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے سبزہ کہ اسے پاک پانی سے نشوونما ملتی ہے' اور نفاق کی مثال ایسی ہے جیسے زخم کہ اسے پیپ اور گندہ مواد بڑھاتا ہے اب جو مادہ بھی غالب آجائے دل پر اسی کا حکم لگے گا ایک روایت میں ہے کہ دل کو وہی مادہ لے جائے گا۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں:
إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ (پ ۹ ر ۱۴ آیت ۲۰۱)

یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ قلب کی جلا اور بصیرت و آگہی اللہ کے ذکر سے حاصل ہوئی ہے اور ذکر وہی لوگ کرتے ہیں جو تقویٰ کے وصف سے مزین ہوں، معلوم ہوا کہ تقویٰ ذکر کا دروازہ ہے، ذکر سے کشف ہوتا ہے، اور کشف فوز اکبر (سب سے بڑی کامیابی) یعنی لقاء رب کا وسیلہ ہے۔

علوم کے تعلق سے دل کی مثال

جاننا چاہئے کہ علم کا محل قلب ہے، یعنی وہ لطیفہ ہے جو تمام اعضاء کا نظام چلاتا ہے، تمام اعضاء اس لطیفے کے خدمت گزار اور فرمانبردار ہیں، حقائق معلومات کے تعلق سے قلب کی مثال ایسی ہے جیسے محسوس صورتوں کے تعلق سے آئینہ ہے۔ آئینے میں ہر محسوس چیز کی صورت کا عکس ابھر آتا ہے، اسی طرح ہر معلوم چیز کی حقیقت آئینۂ دل میں نقش ہوجاتی ہے، جس طرح آئینہ الگ چیز ہے، محسوسات کی صورتیں الگ چیزیں ہیں، اور ان صورتوں کا آئینے میں معکوس ہونا الگ امر ہے اسی طرح دل کے سلسلے میں بھی یہ فرق موجود ہے، اور آئینے کی طرح یہاں بھی تین چیزیں ہیں، دل، حقائق اشیاء، اور نفس حقائق کا دل میں آنا۔ عالم قلب ہے، اس میں حقائق اشیاء کی صورتیں حلول کرتی ہیں، معلوم حقائق اشیاء ہیں، اور علم ان اشیاء کی صورتوں کا آئینۂ قلب میں منعکس ہونے کا نام ہے جس طرح مثلاً تلوار پکڑنے کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے، قابض (پکڑنے والے) ہاتھ کی، مقبوض (پکڑی جانے والی) تلوار کی، اور گرفت کی (یعنی ہاتھ اور تلوار کے ملنے کی) اس طرح معلوم کا دل میں پہنچنا علم کہلاتا ہے۔ بعض اوقات حقائق بھی موجود ہوتے ہیں، اور قلب کا بھی وجود ہوتا ہے، لیکن علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ علم حقیقت کے قلب تک پہنچنے کا نام ہے، جس طرح تلوار اور ہاتھ الگ الگ موجود ہوتے ہیں لیکن قبض (گرفت) نہیں پائی جاتی، اس لیے کہ گرفت میں ہاتھ کا تلوار تک پہنچنا ضروری ہے، البتہ گرفت اور علم میں اتنا فرق ہے کہ گرفت میں تلوار بعینہ ہاتھ میں آجاتی ہے، جب کہ حقیقت بعینہ دل میں نہیں آتی، ایک شخص آگ کا علم رکھتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خود آگ اس کے دل میں موجود ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ آگ کی وہ حقیقت دل میں موجود ہے جو اس کے ظاہری وجود کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اسی لیے دل کو آئینے سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ کوئی چیز بعینہ اس میں نہیں سماتی، بلکہ اس کا عکس ابھرتا ہے جو اس کے حقیقی وجود کے مطابق ہوتا ہے۔

قلب کی آئینہ سے مشابہت: یہ زیادہ بہتر ہے کہ دل کو آئینہ کے ساتھ تشبیہ دی جائے، ایک وجہ تو وہی ہے جو گذشتہ سطور میں بیان کی گئی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح بعض وجوہات سے آئینے میں شکل نہیں ابھرتی اسی طرح بعض حالات میں آئینۂ دل بھی حقائق اشیاء کے علم سے محروم رہتا ہے، آئینے میں کسی چیز کی شکل نہ ابھرنے کی پانچ وجوہات ہیں، ایک تو یہ کہ آئینہ ہی اچھا نہ ہو، مثلاً یہ کہ وہ لوہے کا ہو، یا اس کے جوہر میں نقص ہو، یا اس کی شکل صحیح نہ ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں کسی وجہ سے کدورت آگئی ہو، یا زنگ لگ گیا ہو، اور اس کی تاب ختم ہوگئی ہو، تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ چیز جس کا آئینہ میں عکس پڑے آئینہ کی حدود سے دور ہو، مثلاً یہ کہ وہ آئینے کے پیچھے ہو، چوتھی وجہ یہ ہے کہ آئینے اور صورت کے درمیان کوئی حجاب آجائے، پانچویں وجہ یہ ہے کہ جس چیز کی صورت آئینے میں دیکھنی ہے اس کی جہت معلوم نہ ہو کہ آئینے کو اس کی سمت میں رکھ دیا جائے اور وہ صورت منعکس ہوجائے، یہی حال آئینہ

قلب کا ہے' اس میں تمام امور حق منکشف ہو سکتے ہیں لیکن بہت سے قلوب میں یہ علوم نہیں آپاتے' اس کے دس پانچ اسباب ہیں' ایک یہ کہ خود قلب ناقص ہو' جیسے بچے کا قلب اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس میں معلومات منکشف ہوں' دوسرے یہ کہ قلب معاصی کی کدورت' اور شہوات کے خبث سے آلودہ ہو جائے' اور صفائی جاتی رہے' چمک ختم ہو جائے' تاریک قلب میں حق بات ظاہر نہیں ہوتی' حدیث شریف میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' فرمایا:

من قارف ذنبا فارقه عقل لا یعود الیه ابدا (۱)

جو شخص گناہ کرتا ہے اس کی عقل جدا ہو جاتی ہے اور کبھی واپس نہیں آتی۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں گناہوں کی وہ کدورت اور خباثت پیدا ہو جائے گی جو کبھی زائل نہ ہوگی' اور جس کا کبھی تدارک نہ ہو سکے گا' یہ صحیح ہے کہ گناہ کے بعد نیکی کرنے سے اس کا اثر ختم ہو جاتا ہی لیکن کیا دل اپنی اسی حالت پر واپس آجاتا ہے جس پر وہ گناہ سے پہلے تھا' ہرگز نہیں' حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ شخص نیکی ہی نیکی کرتا کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرتا تو اس کے دل کو نور زیادہ ہوتا' نور کا زیادہ ہونا بلاشبہ ایسا نقصان ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہے' چنانچہ زنگ آلود آئینہ صیقل کیا جاتا ہے اور اس کی چمک لوٹ آتی ہے لیکن کیا صیقل کیا ہوا آئینہ صفائی اور چمک دمک میں اس آئینہ کا مقابلہ کر سکتا ہے جس پر کبھی زنگ ہی نہ لگا ہو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور شہوات کے تقاضوں سے انحراف دل میں جلا پیدا کرتا ہے' اور اسے گناہوں کی کدورتوں سے پاک کرتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (پ ۲۱ ر ۳ آیت ۶۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے (قرب و ثواب) کے راستے ضرور دکھلائیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من عمل بما علم ورثه الله علم مالم یعلم (ابو نعیم فی الحلیہ۔ انس)

جو شخص علم کے بموجب عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جو اسے معلوم نہ ہوں۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اس کا دل حقیقت مطلوبہ کی جہت سے منحرف ہو' مثلاً ایک شخص نیک ہے' اور حق تعالیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہے' اس کا دل اپنی نیکی اور اطاعت کی بنا پر صاف بھی ہے لیکن اس میں حق منکشف نہیں ہوتا کیوں کہ وہ طالب حق نہیں ہے' وہ اپنی تمام تر ہمتیں بدنی طاعات اسباب معیشت کے جمع و حصول میں صرف کرتا ہے' باری تعالیٰ کی ربوبیت' اور تجلی الٰہی حقائق میں غور و فکر کرنا اس کا شیوہ نہیں ہے' ایسی شخص کے دل میں حق کا جلوہ ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف وہی امور منکشف ہوتے ہیں جن میں وہ عام طور پر غور و فکر کرتا ہے' مثلاً اگر وہ اعمال کی آفتوں' اور نفس کے عیوب میں تامل کرتا ہے تو اس پر یہی آفات اور عیوب منکشف ہو جاتے ہیں' معیشت کے مصالح میں غور کرتا ہے تو اس پر یہی مصالح ظاہر ہو جاتی ہیں' غور کیجئے جب تنہا اعمال' اور بدنی اطاعات کی قید جلوۂ حق کے ظہور سے مانع ہے تو نفس کی شہوات و لذات' اور دنیوی علائق و روابط کشف حقیقت کی راہ میں رکاوٹ کیوں نہ ہوں گے۔ چوتھا سبب حجاب ہے' یہ حجاب انکشاف حق کے لیے مانع بن جاتا ہے' مثلاً بعض اوقات شہوات پر قابو رکھنے والا مطیع و عبادت گذار بندہ حقائق میں غور و فکر کرنے کے باوجود ادراک حقیقت سے محروم رہ جاتا ہے' اور یہ محرومی کسی ایسے اعتقاد کے باعث ہوتی ہے جو آباء و اجداد کی تقلید کے طور پر بچپن سے ذہن میں راسخ رہا ہے' یہ اعتقاد ہر اس امر کے لیے مانع بن جاتا ہے جو اس کے خلاف ہو یہ وہ حجاب ہے جس کے باعث بہت سے متکلمین' اور مذہبی عصبیت رکھنے والے اہل علم' بلکہ بہت سے وہ صلحاء جن کی فکر کا محور زمین و آسمان کے ملکوت رہتے ہیں امر حق کے ادراک سے محروم رہ جاتے ہیں' کیونکہ تقلیدی اعتقادات ان کے دل و دماغ میں اس طرح راسخ ہو جاتے ہیں کہ مخالف

---

(۱) مجھے اس روایت کی کوئی اصل نہیں ملی

اعتقادات قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی خواہ وہ مخالف اعتقادات حق ہی کیوں نہ ہوں' اسی طرح یہ تقلیدی اعتقادات ان کے حق میں ادراک حق سے مانع اور حجاب بن جاتے ہیں۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ وہ جہت ہی معلوم نہ ہو جہاں مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔ طالب علم کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ مطلوب کے مناسب معلومات کے علم کے بغیر کسی مجہول کا علم حاصل کر سکے' پھر مناسب معلومات کا علم ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ انہیں اس خاص ترتیب پر رکھنا بھی ضروری ہے جو علماء کے یہاں معتبر سمجھی جاتی ہے' غیر فطری مطلوبہ علوم کا شکار اور دوسرے معلومات کے "جال" ہی کے ذریعہ ممکن ہے ہر علم کے لیے ضروری ہے کہ اس سے پہلے دو علم ہوں' اور ان میں مخصوص ترتیب اور علاقہ قائم ہو جس کے نتیجے میں تیسرا علم وجود میں آئے جس طرح بچہ نر اور مادہ کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے' پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دونوں علم ایک دوسرے کے مناسب ہوں اور فطری طور پر ایک دوسرے سے قربت رکھتے ہوں' چنانچہ اگر کوئی شخص گھوڑی اور اونٹ کے ملاپ سے گھوڑے کا بچہ حاصل کرنا چاہے تو اسے مایوس ہونا پڑے گا' اس کے لیے گھوڑی اور گھوڑے کا ملنا ضروری ہے' اونٹ پھر اونٹ ہے انسان بھی یہ ضرورت پوری نہیں کر سکتا' اس طرح ہر علم کے دو مخصوص اصول ہیں اور ان کے ازدواج (ملاپ) کا ایک مخصوص طریقہ ہے' اس طریقہ پر عمل پیرا ہونے کے بعد ہی مطلوبہ علم حاصل کیا جاسکتا ہے ان اصولوں سے' اور ان کے طریق ازدواج سے ناواقفیت ہی علم کی راہ میں مانع بنتی ہے' چنانچہ آئینے کی مثال میں ہم نے بیان کیا ہے کہ اگر اس چیز کی جہت کا علم نہ ہو جس کا عکس مطلوب ہے تو آئینہ میں اس کی شکل نظر نہیں آئے گی' اور مقصد پورا نہیں ہوگا۔ مثلاً ایک شخص آئینے میں اپنی گدّی دیکھنا چاہتا ہے' لیکن اس نے آئینہ چہرہ کے سامنے رکھا ہے' ظاہر ہے اس طرح گدّی نظر نہیں آسکتی جو مطلوب ہے' غیر مطلوب یعنی چہرہ نظر آسکتا ہے اسی طرح آئینہ اگر گدی کے پیچھے کر لیتا تب بھی گدّی نظر نہ آتی بلکہ آئینہ ہی نظروں سے اوجھل ہو جاتا' گدّی دیکھنے کے لیے ایک اور آئینہ کی ضرورت ہے' اور اس دوسرے آئینے کو نگاہوں کے سامنے اس طرح رکھنے کی ضرورت ہے کہ دوسرا آئینہ بھی اس میں نظر آئے' اس صورت میں یہ شخص اپنی گدّی دیکھ سکتا ہے' کیونکہ اس گدّی کا عکس پہلے آئینے میں پڑے گا اور اس عکس کا عکس دوسرے آئینے میں نظر آئے گا' یہی مشکلات علوم میں پیش آتی ہیں بلکہ بعض اوقات ان سے کہیں زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے' روئے زمین پر ایسے افراد کا وجود نہیں جو ان تمام مشکلات کا مقابلہ کر سکیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے حقائق اور بہت سی معلومات تشنۂ ادراک رہ جاتی ہیں۔ یہ چند اسباب ہیں جو معرفتِ حقائق کی راہ میں قلوب کے لیے رکاوٹ بن جاتے ہیں' ورنہ ہر دل فطری طور پر اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ حقائق کی معرفت حاصل کر سکے کیونکہ یہ ایک امرِ ربّانی ہے' اور عالم کے تمام جواہر سے ممتاز ہے' اس کے فضل و شرف کا اندازہ باری تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ (پ ۲۲ ر ۶ آیت ۷۲)

ہم نے یہ امانت آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی' سو انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا۔

اس آیت میں انسان کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ ہے جس کے باعث وہ آسمان' زمین' اور پہاڑ جیسی بلند' وسیع اور مضبوط مخلوقات سے ممتاز ہوا' اور باری تعالیٰ کی امانت کا بار سنبھالنے کا اہل قرار پایا۔ یہ توحید اور معرفت کی امانت تھی' ہر شخص فطری طور پر اس امانت کا بار سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا ہے' لیکن مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر ان کی ہمتیں جواب دیتی ہیں' اور وہ یہ بوجھ اٹھا نہیں پاتے' چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه وينصرانه ويمجسانه (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے والدین اسے یہودی' نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ "اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں کے ارد گرد نہ گھومتے تو وہ آسمانی ملکوت کا مشاہدہ کرلیا کرتے" ایسے ہی بعض اسباب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو قلب اور ملکوت کے درمیان حجاب بن جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے کسی شخص نے اللہ کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کہاں ہے آسمان میں یا زمین میں؟ فرمایا اللہ اپنے مؤمن بندوں کے دلوں میں ہے' حدیث میں ہے:

لم یسعنی ارضی ولا سمائی ووسعنی قلب المؤمن اللین الوادع (۱)

میری گنجائش نہ زمین میں ہے نہ آسمان میں' میری گنجائش مؤمن کے نرم اور پُر سکون دل میں ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

قیل یا رسول اللّٰہ من خیر الناس' فقال کل مؤمن مخموم القلب' فقیل وما مخموم القلب' فقال: ھو التقی النقی الذی لا غش فیہ' ولا بغی ولا غدر ولا غل ولا حسد (ابن ماجہ۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! بہترین آدمی کون ہے؟ فرمایا: ہر وہ مؤمن جو مَخمُومُ القلب ہو' عرض کیا گیا: مَخمُومُ القلب کسے کہتے ہیں؟ فرمایا کہ ایسا متقی اور صاف ستھرا ہو کہ نہ اس میں کھوٹے پن کا میل ہو نہ سرکشی ہو' نہ خیانت فریب اور حسد ہو۔

اسی لیے حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ میرے دل نے خدا کو جب بھی دیکھا تقویٰ کی وجہ سے حجاب اُٹھ گیا' اور جس شخص کے دل اور باری تعالیٰ کے درمیان سے حجاب اُٹھ جاتا ہے وہ ملک اور ملکوت کا مشاہدہ کرتا ہے' اور اس جنت کو دیکھتا ہے جس کے بعض حصہ کا عرض زمین و آسمان کے عرض کے برابر ہو' جہاں تک دوسری جنت کا تعلق ہے وہ آسمان و زمین کی وسعتوں میں نہ سمانے کے باوجود محدود اور متناہی ہیں لیکن قلب جس جنت کا مشاہدہ کرتا ہے وہ ملک اور ملکوت کی جنت ہوتی ہے جس کے طول و عرض کی کوئی حد کوئی انتہا نہیں' ہاں قلب میں ان کی جس قدر مقدار آتی ہے وہ البتہ متناہی اور محدود ہوتے ہیں' لیکن اگر انھیں علم الٰہی کے نقطۂ نظر سے دیکھو تو وہ ایسا عالم ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے' اگر عالم ملک اور عالم ملکوت کا بیک وقت نام لیا جائے تو اسے حضرت ربوبیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے' اس لیے کہ ربوبیت تمام موجودات کا احاطہ کئے ہوئے ہے' خدا کے علاوہ جو کچھ موجود ہے وہ اس کے افعال ہیں' یا اس کا ملک ہے یا بندے ہیں' انسان کے قلب پر ان موجودات میں سے جو کچھ وارد ہوتا ہے بعض لوگوں کے نزدیک وہی موجودات بعینہٖ جنت ہیں' مگر اہل حق کے نزدیک یہ بعینہٖ جنت نہیں ہے بلکہ جنت کے استحقاق کا سبب ہے' اور جنت میں اس کے ملک کی وسعت معلومات کی وسعت کے بقدر ہوگی' یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال میں سے اسے جس قدر معلوم ہوگا اسی قدر اس کی جنت بھی وسیع ہوگی' اطاعات اور اعمال کا مقصد یہ ہے کہ دل کی سطح آئینہ کی طرح صاف شفاف ہوجائے اور اس میں کسی طرح کی آلودگی باقی نہ رہے' اور تزکیۂ قلب کا مقصد یہ ہے کہ اس میں ایمان کا نور اور معرفت کی چمک آجائے۔ ان دونوں آیتوں میں یہی نورِ ایمان اور ضیائے معرفت مراد ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (پ ۸ ر ۲ آیت ۲۵)

سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ رستے پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینے کو اسلام کے لیے کشادہ کردیتے ہیں۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (پ ۲۳ ر ۱۷ آیت ۲۲)

---

(۱) مجھے اس روایت کی کوئی اصل نہیں ملی' البتہ طبرانی میں ابوعتبہ کی حدیث کا کچھ حصہ اس طرح ہے۔ انیۃ ربکم قلوب عبادہ الصالحین واحبھا الیہ الینھا وارقھا

سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے (عطا کئے ہوئے) نور پر ہے۔

تجلی اور ایمان کے مراتب : اس تجلی اور ایمان کے تین مراتب ہیں' پہلا مرتبہ عوام کے ایمان کا ہے یہ خالص تقلیدی ایمان ہوتا ہے دوسرا مرتبہ متکلمین کے ایمان کا ہے' اس میں تقلید کے ساتھ حجت اور دلیل بھی ہوتی ہے یہ مرتبہ عوام کے ایمان سے قریب ہے' تیسرا مرتبہ عارفین کے ایمان کا ہے' یہ ایمان نور یقین سے دریافت ہوتا ہے۔ ان مراتب کی وضاحت کے لیے ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں' اور وہ مثال یہ ہے کہ گھر میں زید کے وجود کی تصدیق تین طریقوں پر ہو سکتی ہے' ایک یہ کہ تمہیں اس کے وجود کی خبر کسی ایسے شخص سے ملے جس کی صداقت آزمودہ ہو'

اور اس کی طرف کذب بیانی کی نسبت نہ ہوتی ہو' اور نہ وہ اپنے کسی قول میں متہم قرار دیا جاتا ہو' ایسے شخص کی خبر سن کر تم مطمئن ہو جاتے ہو' اور یہ یقین کر لیتے ہو کہ زید واقعتہً گھر میں ہے' یہ مثال عوام کے ایمان کی ہے' یہ ایمان محض تقلید پر مبنی ہوتا ہے' عوام کا حال یہ ہے کہ جب بچہ سن شعور کو پہنچتا ہے تو باری تعالیٰ کے وجود' علم' قدرت وغیرہ صفات' انبیاء کی بعثت' اور ان کے لائے ہوئے احکام کے متعلق جو کچھ وہ اپنے والدین اور اساتذہ سے سنتے ہیں اسے کسی تردد کے بغیر قبول کر لیتے ہیں' اور یہ اعتقادات ان کے ذہن میں کچھ اس طرح راسخ ہو جاتے ہیں کہ ان کے خلاف کا تصور بھی دل میں نہیں گزرتا' کیونکہ وہ اپنی والدین اور اساتذہ کی صداقت کے متعلق حسن ظن رکھتے ہیں اس لیے انہیں ان کی خبروں پر یقین کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ اس طرح کا ایمان اُخروی نجات کا باعث ضرور ہے' لیکن ایسے مؤمنین اصحاب یمین کے ادنیٰ درجے میں رہتے ہیں ان کا شمار مقربین میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ تقرب کے لیے ضروری ہے کہ دل کشف و بصیرت اور یقین کے نور سے روشن ہو' اور یہ بات تقلیدی ایمان میں نہیں پائی جاتی' علاوہ ازیں ان اعتقادات میں غلطی کا امکان بھی ہے جو محض سن کر ذہن نشین کر لیے جاتے ہیں' چنانچہ یہود و نصاریٰ نے اپنے والدین سے وہ عقائد وراثت میں حاصل کئے جن کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے' کیونکہ وہ عقائد اصلاً غلط تھے' مسلمانوں کے اعتقادات حق ہیں اس لیے نہیں کہ وہ ان کی حقانیت پر مطلع ہیں بلکہ اس لیے کہ ان کے دلوں میں حق بات ہی ڈالی گئی ہے۔

گھر میں زید کی موجودگی کا علم حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کی آواز خود اپنے کانوں سے سنے' زید گھر کے اندر ہو' اور خود باہر دیوار کی آڑ میں ہو' دوسرے کے بتلانے سے زید کے وجود کی جس قدر تصدیق ہوتی آواز سننے سے وہ کچھ زیادہ ہی ہوگی' اس لیے کہ آواز شکل اور صورت پر دلالت کرتی ہے اور دل میں یہ بات آجاتی ہے کہ یہ آواز فلاں شخص کی ہے' یہ ایمان اگرچہ حجت اور دلیل سے مخلوط ہے' لیکن اس میں بھی خطا کا امکان موجود ہے' اس لیے کہ آوازیں بعض اوقات ایک دوسرے سے مشابہ ہوتی ہیں' اور بعض اوقات ایک آدمی بتکلف دوسرے کی آواز کی نقل کر لیتا ہے' اور سننے والا دونوں کی آوازوں میں کوئی فرق نہیں کر پاتا' اور خالی الذہن ہونے کی وجہ سے دھوکا کھا جاتا ہے۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود گھر کے اندر جا کر زید کو دیکھ لے' یہ حقیقی معرفت اور یقینی مشاہدہ ہے۔ یہ معرفت مقربین و صدیقین کی معرفت سے مشابہت رکھتی ہے' کیونکہ وہ مشاہدے کے بعد ایمان لاتے ہیں' اس طرح ان کے ایمان میں عوام کا اور متکلمین کا ایمان تو ہوتا ہی ہے مشاہدے کی زیادتی سے یہ ایمان اتنا حقیقی ہو جاتا ہے کہ اس میں کسی غلطی کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ تاہم تمام مقربین اور صدیقین کی معرفت یکساں نہیں ہوتی' بلکہ ان میں درجات کا تفاوت ہوتا ہے' اس تفاوت کی وضاحت کے لیے پھر زید ہی کی مثال لیجئے' ایک شخص زید کو گھر کے صحن میں قریب جا کر اچھی طرح روشنی میں دیکھتا ہے' دوسرا شخص کمرے کے اندر دیکھتا ہے' یا دور سے اور شام کے وقت دیکھتا ہے جب کہ روشنی ختم ہو جاتی ہے پہلے شخص کا مشاہدہ زیادہ کامل ہے' اگرچہ دوسرے کا ادراک بھی صحیح ہے' لیکن وہ زید کی شکل صورت کے مخفی علائم اور دقائق کا مشاہدہ نہیں کرتا۔ یہ تفاوت امور الٰہی اور علوم کی مقدار کے ادراک میں بھی ہے' چنانچہ ایک شخص گھر میں زید' عمر' بکر کو دیکھتا ہے اور دوسرا شخص محض زید کو دیکھتا ہے' پہلے شخص کی معلومات دوسرے شخص کے مقابلے میں یقیناً زیادہ ہیں۔

علوم کی مختلف قسمیں اور قلب کی حالت

جاننا چاہئے کہ قلب میں فطرتاً معلومات کے حقائق قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد موجود ہے جیسا کہ ہم اس اجمال کی تفصیل گذشتہ بیان میں کرچکے ہیں۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ قلب جن علوم کا محل بنتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں عقلی اور شرعی۔ عقلی علوم کی بھی دو قسمیں ہیں۔ بدیہی اور اکتسابی۔ اکتسابی کی پھر دو قسمیں ہیں دنیوی اور اُخروی عقلی علوم سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ نفس عقل کے تقاضے پورے کریں' ان میں تقلید اور سماع کو کوئی دخل نہ ہو' عقلی بدیہی وہ علوم کہلاتے ہیں جن کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں سے اور کس طرح حاصل ہوئے۔ مثلاً اس حقیقت کا علم کہ ایک شخص بیک وقت دو جگہوں پر نہیں پایا جاسکتا۔ نیز کوئی چیز بیک وقت حادث اور قدیم' یا معدوم اور موجود نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ حقائق ہیں کہ انسان کو عمری ہی سے ان کا علم رکھتا ہے' لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے یہ علم کس وقت اور کہاں سے حاصل کیا ہے' یعنی وہ اس علم کے قریبی سبب سے واقف نہیں ہوتا۔ ورنہ جہاں تک سبب بعید کا سوال ہے ہر مؤمن اسے جانتا ہے کہ اللہ نے اسے پیدا کیا اور اسے ہدایت سے نوازا۔ عقلی اکتسابی سے وہ علوم مراد ہیں جو تعلیم و تعلّم اور استدلال سے حاصل ہوں۔ یہ دونوں ہی قسمیں عقل کہلاتی ہیں' چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تین شعر ہیں۔

رأیت العقل عقلین — فمطبوع و مسموع
ولا ینفع مسموع — اذا لم یک مطبوع
کما لا تنفع الشمس — وضوء العین ممنوع

(مجھے معلوم ہوا ہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں ایک طبعی اور دوسری سمعی' اگر طبعی عقل نہ ہو تو سمعی سے کوئی فائدہ نہیں۔ جس طرح آنکھوں کی روشنی نہ ہونے کی صورت میں سورج کی روشنی کوئی نفع نہیں دیتی۔)

طبعی عقل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں مراد ہے، جس کے مخاطب حضرت علیؓ تھے' فرمایا:۔

ماخلق اللہ خلقا اکرم علیہ من العقل (حکیم ترمذی فی نوادر الاصول)

اللہ تعالیٰ نے عقل سے زیادہ افضل و اشرف چیز کوئی دوسری پیدا نہیں کی۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ارشاد فرمایا:۔

اذا تقرب الناس الی اللہ تعالیٰ بانواع البر فتقرب انت بعقلک۔ (ابو نعیم)

جب لوگ نیک اعمال کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کریں تو تو اپنی عقل کے ذریعہ اس کی قربت حاصل کر۔

اس میں عقل کی دوسری قسم مراد ہے۔ کیونکہ فطری اور غریزی عقل سے اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا ممکن نہیں ہے' اور نہ یہ بدیہی علوم کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ بلکہ اس کے لیے اکتسابی علوم کی ضرورت ہے' لیکن عقل کے ذریعہ علوم حاصل کرنے پر حضرت علیؓ جیسا ہی شخص قادر ہو سکتا ہے۔ گویا قلب کی حیثیت آنکھ کی ہے' اور فطری عقل کو اس میں وہ مقام حاصل ہے جو آنکھ میں قوت بینائی کو حاصل ہے۔ اور قوت بینائی ایک ایسا لطیفہ ہے جو اندھے میں نہیں پایا جاتا صرف بینا میں موجود رہتا ہے' اگرچہ وہ اپنی آنکھیں بند کر لے یا رات تاریک ہو جائے' اس عقل کے ذریعہ حاصل ہونے والا علم قلب کے لیے ایسا ہے جیسا آنکھ کے لیے قوت ادراک یعنی اشیاء کی رؤیت اور ان کا مشاہدہ۔ بچپن سے سن شعور تک ان علوم کے معطل رہنے کی مثال یہ ہے کہ جب تک آفتاب طلوع نہیں ہوتا' اور دکھائی دی جانے والی چیزوں پر اس کا نور نہیں پھیلتا اس وقت تک آنکھ دیکھنے کے قابل نہیں ہوتی۔ وہ قلم جس سے اللہ تعالیٰ صفحۂ دل پر علوم نقش فرماتا ہے آفتاب کی ٹکیہ کی طرح ہے۔ لڑکپن میں علم حاصل نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت تک اس کی لوح دل اس قابل نہیں ہوتی کہ اس پر نقوش ثبت کئے جاسکیں۔ قلم سے ہماری مراد بعینہٖ وہ قلم نہیں ہے، جس سے ہم لکھنے کا کام لیتے ہیں' بلکہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں علوم کے نقش کا کوئی سبب بنایا ہے جسے قلم سے تعبیر کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:۔

الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ۔ (پ۳۰ ر۲۱ آیت ۴-۵)

جس نے قلم سے تعلیم دی انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جن کو وہ نہ جانتا تھا۔

جس طرح اللہ کا کوئی وصف بندوں کے وصف سے مشابہت نہیں رکھتا' اسی طرح اس کا قلم بھی مخلوق کے قلم جیسا نہیں ہے' نہ اس کا قلم لکڑی کا ہے اور نہ بانس کا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نہ عرض ہیں نہ جوہر ہیں۔ ظاہری بینائی۔ اور باطنی بصیرت میں مندرجہ بالا وجوہ سے مشابہت ہو سکتی ہے' لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بصارت و بصیرت دونوں ہم رتبہ ہیں' اس لیے کہ باطنی بصیرت عین نفس ہے' اور نفس لطیفہ مدرکہ کہلاتا ہے' اس کی حیثیت ایسی ہے جیسے سوار کی' بدن گھوڑے کی طرح ہے' اگر سوار اندھا ہو تو نقصان کا زیادہ اندیشہ ہے' گھوڑے کا اندھا پن اس کے مقابلے میں کم نقصان پہنچائے گا' بلکہ یہ دونوں ضرور اتنے متفاوت اور جداگانہ ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ ہم نے ظاہری بصارت اور باطنی بصیرت میں یک گونہ مشابہت بیان کی ہے' قرآن کریم کی اس آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے جس میں دل کے ادراک کو بینائی اور رویت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرمایا:۔

مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی۔ (پ۲۷ ر۵ آیت ۱۱)

قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں ارشاد فرمایا:۔

وَکَذٰلِکَ نُرِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ مَلَکُوۡتَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (پ۷ ر۱۵ آیت ۷۵)

اور ہم نے ایسے ہی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں۔

یہاں بھی ادراک کو رویت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر ظاہری آنکھ کی رویت مراد نہیں ہے' کیونکہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی کیا خصوصیت ہے' سب ہی لوگ آسمان و زمین کے ملکوت۔ اگر یہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے کی چیز ہوتے۔ دیکھ لیتے۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ادراک کی ضد یعنی عدم ادراک کو نابینائی قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:۔

فَاِنَّہَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَلٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ۔ (پ۱۷ ر۱۳ آیت ۴۶)

بات یہ ہے کہ (نہ سمجھنے والوں کی) آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَمَنۡ کَانَ فِیۡ ہٰذِہٖۤ اَعۡمٰی فَہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ اَعۡمٰی وَاَضَلُّ سَبِیۡلًا۔ (پ۱۵ ر۸ آیت ۷۲)

جو شخص دنیا میں (راہ نجات) دیکھنے سے اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور زیادہ راہ گم کردہ ہو گا۔

یہ عقلی کا بیان تھا۔ دینی علوم وہ ہے جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے بطور تقلید پہنچے ہوں' یہ علوم کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سیکھنے سے اور سننے کے بعد ان کے معانی سمجھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ دینی علوم ہی پر قلب کی سلامتی' اور صحت موقوف ہے۔ عقلی علوم اس مقصد کے لیے ناکافی ہیں' اگرچہ ان کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں' یہ ایسا ہی ہے جیسے عقل بدن کی صحت کے لیے کافی نہیں ہے' اس کے لیے دواؤں اور جڑی بوٹیوں کے خواص' اور ان کے طریق استعمال سے واقف ہونا ضروری ہے' اور یہ واقفیت اطباء کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے' محض عقل سے رہنمائی حاصل نہیں کی جا سکتی البتہ خواص اور طریق استعمال سے متعلق استاذ کے ارشادات کا سمجھنا عقل پر موقوف ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ سماع عقل سے مستغنی ہو

سکتا ہے' اور نہ عقل ہی سماع سے بے نیاز ہو سکتی ہے عقل کو بالائے طاق رکھ کر تقلید کی دعوت دینے والا جاہل مطلق ہے' اور قرآن و سنت سے بے نیاز رہ کر عقل پر بھروسا کرنے والا فریب خوردہ ہے' خدا نہ کرے تم ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو' تمہیں تو سماع و عقل دونوں کا جامع ہونا چاہئے۔ اس لیے کہ عقلی علوم غذا اور شرعی علوم دواء کی حیثیت رکھتے ہیں' مریض کو اگر دوا نہ دی جائے صرف غذائیں دی جائیں تو اس کی بیماری کم ہونے کی بجائے بڑھے گی' اسی طرح قلوب کے امراض کا علاج بھی ان دواؤں کے بغیر ممکن نہیں ہے جو شریعت نے تجویز کی ہیں' یعنی وہ اعمال و عبادات جو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے باری تعالیٰ کے احکام کے بموجب قلوب کی اصلاح کے لیے ترتیب دیں۔ جو شخص اپنے مرض کا علاج شرعی عبادات کی بجائے عقلی علوم سے کرے گا اس کا مرض سنگین اور مہلک ہو جائے گا' جس طرح اس مریض کا مرض ترقی کر جاتا ہے جو دوا کی بجائے غذا استعمال کرے۔

<u>شرعی و عقلی علوم میں تعارض نہیں ہے</u> : کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ عقلی اور شرعی علوم میں اس حد تک تعارض ہے کہ ان دونوں کے درمیان جمع کرنا ممکن ہی نہیں ہے' یہ ایک احمقانہ خیال ہے' اور صاحب خیال کے ذہنی افلاس پر دلالت کرتا ہے' اللہ پناہ میں رکھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بعض شرعی علوم کو بعض دوسرے شرعی علوم کے منافی تصور کرتے ہیں اور اپنی کم علمی کے باعث ان دونوں کو جمع نہ کرنے کے سلسلے میں اپنے عجز کو دین کا نقص تصور کرتے ہیں' اور پریشان ہو کر دین کے دائرے سے نکل کر دوسری پناہ گاہیں تلاش کرتے ہیں' ان بیچاروں کو یہ معلوم نہیں کہ یہ تناقض اور تفاوت دین کا نقص نہیں ہیں بلکہ تمہارے علمی افلاس' اور ذہن و فکر کے عجز کا قصور ہے۔ ایسے لوگ اس اندھے کی طرح ہیں جو کسی کے گھر میں جائے' اور اتفاقاً اس کا پاؤں برتنوں پر پڑ جائے تو وہ گھر والوں کو ملامت کرنے بیٹھ جائے کہ عجیب احمق لوگ ہیں' راستے میں برتن رکھ دیتے ہیں' اس سے کہا جائے گا کہ برتن تو اپنی جگہ رکھے ہوئے ہیں' تم ہی غلط راستے پر چل رہے ہو' بہتر تھا کہ کسی بینا کی راہنمائی حاصل کر لیتے' بے وقوف تم خود ہو کہ ٹھوکر کھا کر گرنے کو اپنے اندھے پن پر محمول نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو مجرم ٹھہراتے ہو۔ بہر حال دینی اور عقلی علوم میں یہ علاقہ ہے۔

<u>عقلی علوم کی دو مزید قسمیں</u> : اب عقلی علوم کی دوسری دو قسمیں۔ دنیوی اور اُخروی۔ کا حال سنئے' طب' حساب' ہندسہ' نجوم' تمام صنعتیں اور پیشے دنیوی علوم سے تعلق رکھتے ہیں' قلب کے احوال' اعمال کی آفات' اور باری تعالیٰ کی صفات و افعال کا علم اُخروی علوم کے دائرہ میں آتا ہے' کتاب العلم میں ہم اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں۔ یہ دونوں یعنی دنیوی اور اُخروی علوم ایک دوسرے کے منافی ہیں' اس اعتبار سے کہ جو شخص دنیوی علوم میں تعمق اور گہرائی حاصل کر لیتا ہے عموماً وہ اخروی علوم کی طرف پوری توجہ نہیں دے پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے دنیا و آخرت کو ترازو کے دو پلڑے مغرب و مشرق' اور ایک شوہر کی دو بیویاں قرار دیا ہے کہ اگر ایک کو خوش کیا جائے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ طب' حساب' فلسفہ اور ہندسہ وغیرہ علوم دنیا میں مہارت تامّہ رکھتے ہیں وہ عموماً اخروی علوم سے جاہل رہ جاتے ہیں' اور جنہیں علوم آخرت کے دقائق پر عبور ہوتا ہے وہ اکثر دنیاوی علوم سے واقفیت نہیں رکھتے' کیونکہ قوت عقل بیک وقت دونوں علوم سے وفا نہیں کر پاتی' ایک کا کمال دوسرے کے زوال کا سبب بن جاتا ہے۔ اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ان اکثر اهل الجنة البله (بزار۔ انسؓ)

اکثر اہل جنت بھولے بھالے ہوں گے۔

یعنی وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیاوی امور کا شعور نہیں ہوتا۔ حضرت حسن بصریؒ نے ایک مرتبہ لوگوں کو بتلایا کہ ہم نے ایسے لوگوں سے ملاقات کی ہے' اگر تم انہیں دیکھو تو مجنوں کہو' اور وہ تمہیں دیکھیں تو شیطان کہیں۔ اس لیے اگر دین سے متعلق کوئی ایسی عجیب و غریب بات معلوم ہو جس سے علماء ظاہر انکار کرتے ہوں تو یہ خیال نہ کرے کہ وہ ایسے امور کے منکر ہیں' بلکہ یہ سمجھے کہ مشرق کی راہ چلنے والے کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ مغرب میں پہنچ جائے' یہی حال دنیا و آخرت کا ہے کہ دنیا کا مسافر آخرت کی منزل پر نہیں اُتر سکتا اور

آخرت کا راہ رو دنیا سے قریب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ۔ (پ ۱۱ ر ۶ آیت ۷)

جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں اور وہ دُنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں اور جو لوگ ہماری آیتوں سے بالکل غافل ہیں۔

ایک جگہ فرمایا:۔

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (پ ۲۱ ر ۴ آیت ۷)

یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔

نیز فرمایا:۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ۔ (پ ۲۷ ر ۶ آیت ۲۹۔۳۰)

تو ایسے شخص سے اپنا خیال ہٹا لیجئے جو ہماری نصیحت کا خیال نہ کرے اور بجز دنیوی زندگی کے اس کا کوئی اُخروی مقصود نہ ہو ان لوگوں کے فہم کی رسائی بس یہی ہے۔

دین و دنیا کے امور میں کمال صرف ان لوگوں کو حاصل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے معاش و معاد کی تدابیر کا علم عطا فرمایا۔ یہ لوگ انبیاءِ کرام کے علاوہ دوسرے نہیں ہو سکتے' رُوح القدس کے ذریعہ ان کی تائید ہوتی ہے' اور قوت الٰہیہ سے انہیں مدد ملتی ہے جس کے دائرۂ اختیار میں ہر چیز ہے' عام لوگوں کے قلب کا حال یہ ہے کہ اگر وہ دنیاوی امور میں منہمک ہوں گے تو آخرت کے امور میں کمال سے محروم رہ جائیں گے' اور آخرت میں مشغول ہوں گے تو دنیاوی امور ان کی دسترس سے باہر ہو جائیں گے۔

تعلّم اور الہام کا فرق

علمائے کرام اور صُوفیائے عِظام کے اختلاف کی حقیقت

غیر بدیہی علوم کا دل میں آنا مختلف طریقوں پر ہوتا ہے' کبھی یہ علوم دل پر اس طرح ہجوم کرتے ہیں گویا کسی نے بے خبری میں ڈال دیئے ہوں' اور کبھی استدلال اور تعلّم کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں۔ اول الذکر علوم کو الہام اور ثانی الذکر کو اعتبار اور استبصار کہتے ہیں۔ پہلے علم کی دو قسمیں ہیں' ایک یہ کہ بندے کو اس ذریعۂ علم کی اطلاع نہ ہو اسے الہام اور نفث فی القلب کہتے ہیں' دوسری قسم یہ ہے کہ وہ سبب معلوم ہو جائے جس کے ذریعہ علم حاصل ہو رہا ہے' یعنی وہ فرشتہ نظر آ جائے جو دل میں القاء کرتا ہے' اسے وحی کہتے ہیں' پہلی قسم اولیاء اور اصفیاء کے ساتھ' اور دوسری قسم انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے' اور استدلال و تعلیم کے ذریعہ حاصل کیا جانے والا علم علماء کے ساتھ مخصوص ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آدمی کا دل اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس میں اشیاء کی حقیقتیں واضح ہو جائیں' جن دلوں میں یہ صلاحیت باقی نہیں رہتی اس کے وہی پانچ اسباب ہوتے ہیں جن کا ذکر سابق میں کیا جا چکا ہے' یہ اسباب آئینۂ قلب اور لوح محفوظ کے

درمیان حجاب بن جاتے ہیں۔ لوح محفوظ میں وہ تمام امور لکھے ہوئے ہیں جن کا ازل میں فیصلہ ہو چکا ہے' اس لوح کے آئینے سے قلب کے آئینے میں حقائق کا جلوہ گر ہونا ایسا ہی ہے جیسے ایک آئینہ کا عکس دوسرے میں نظر آجاتا ہے۔ موانع کی بناء پر قلب کا ان حقائق سے محروم رہ جانا ایسا ہی ہے جیسے دو آئینوں کے درمیان حجاب آجائے نیز جس طرح ہاتھ وغیرہ سے حجاب ہٹا دیا جاتا ہے اسی طرح لوح محفوظ اور آئینۂ قلب کے درمیان واقع حجاب بھی باری تعالیٰ کی نسیم رحمت سے ہٹ جاتا ہے' اور وہ حقائق نظر آنے لگتے ہیں جو لوح میں محفوظ ہیں' یہ صورت کبھی خواب میں پیش آتی ہے' اور مستقبل کے احوال سامنے آجاتے ہیں' حجاب کا مکمل ارتفاع صرف موت ہی سے ہوتا ہے' موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے تمام مخفی امور واضح ہو جاتے ہیں' اور بصیرت کے تمام حجابات دور ہو جاتے ہیں' بعض اوقات بیداری کی حالت میں حقائق نظر آتے ہیں' اور باری تعالیٰ کے لطف و کرم کے طفیل حجاب اُٹھ جاتا ہے' نتیجے میں غیب کے پردے سے علوم کے عجائبات کے انوار ظاہر ہوتے ہیں بعض اوقات بجلی کی چمک کی طرح چند لمحوں کے لیے۔ اور کبھی مسلسل اور مستقل۔ لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ الہام اور اکتساب میں نہ علم کے اعتبار سے فرق ہے اور نہ محل علم کے اعتبار سے۔ اگر کوئی فرق ہے تو صرف اس قدر کہ الہام میں حجاب زائل ہو جاتا ہے' اور اکتساب میں حصول کے ذرائع استعمال کرنے پڑتے ہیں حجاب کا دور ہونا بندے کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس طرح وحی اور الہام میں بھی صرف اس قدر فرق ہے کہ الہام میں القاء کرنے والا نظر نہیں آتا' اور وحی میں نظر آجاتا ہے۔ علم چاہے وحی سے حاصل ہو یا الہام سے ہر حال میں فرشتوں کے ذریعہ ہی حاصل ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:-

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ (پ ۲۵ ر ۶ آیت ۵۱)

اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے مگر (تین طریقوں سے سے) یا تو الہام سے' یا حجاب کے باہر سے' یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے۔

یہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ صوفیائے کرام الہامی علوم کی طرف میلان رکھتے ہیں' تعلیمی امور کی طرف راغب نہیں ہوتے' یہی وجہ ہے کہ نہ وہ درس و تدریس میں وقت لگاتے ہیں' نہ مصنفین کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں' اور نہ اقوال و دلائل سے بحث کرتے ہیں' بلکہ وہ یہ کہتے ہیں اولاً مجاہدہ کرنا چاہئے' مذموم صفات کا قلع قمع کرنا چاہئے' اور تمام علائق کا خاتمہ کر کے ہمہ تن باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔ جب یہ بات حاصل ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ خود اپنے بندے کے قلب کے نگراں' اور اس کے لیے انوار علم کے کفیل ہو جائیں گے۔ اور اس پر سایۂ رحمت ہوگا' قلب میں نور چمکے گا' شرح صدر حاصل ہوگا۔ اور قلب کے آئینے سے حجاب زائل ہو جائے گا' اس میں الٰہی امور کے حقائق کا عکس پڑنے لگے گا' بندے پر صرف اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے قلب کا تزکیہ کر کے قبول حق کی صلاحیت پیدا کرے' اور عزم کامل اور ارادۂ صادق کے ساتھ اپنی ہمت مجتمع رکھے' اور رحمت الٰہی کی تشنگی لئے ہمیشہ منتظر رہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اللہ پر جو امور منکشف ہوتے ہیں' اور ان کے دلوں میں جو نور پھیلتا ہے اس کی وجہ تعلیم و تعلم' اور مطالعہ و کتابت میں ان کی مشغولیت نہیں ہے' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں زہد اختیار کرتے ہیں' علائق منقطع کر لیتے ہیں' اور دنیاوی امور سے اعراض کر کے بتمام ہمت و ارادہ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں' کیوں کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے' اللہ اسکا ہو جاتا ہے' صوفیاء کا ایک مقولہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بننے کے لیے اولاً" تمام دنیاوی علائق سے بالکلیہ منقطع ہونا ضروری ہے' اس کے بعد اپنے قلب کو فارغ کرے اور اہل' اولاد' مال' وطن' علم اور جاہ و حکومت سے اپنی توجہ ہٹالے' اور دل کو ایسی حالت پر لے آئے جس میں کسی چیز کا وجود اور عدم دونوں برابر ہو جاتے ہیں' گوشہ نشین ہو جائے' ضروریات فرائض و واجبات اور وظائف پر کفایت کر کے ماسوی اللہ سے اپنے دل کو خالی کر لے' یہاں تک کہ قرآن پاک کے معانی' اور احادیث کی کتابوں میں بھی غور و فکر کر کے اپنے قلب کی یکسوئی میں خلل نہ ڈالے' بلکہ یہ کوشش کرے

کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسری بات نہ آئے' جب خلوت و جلوت میں ہر وقت زبان پر یہی کلمہ رہے اللہ 'اللہ۔ لیکن یہ کلمہ حضورِ قلب کے ساتھ ادا ہو' اس اسمِ پاک کا ورد اتنی کثرت سے ہونا چاہئے کہ اگر زبان سے حرکت نہ بھی ہو تب بھی یہی معلوم ہو کہ زبان اس کا ورد کر رہی ہے جب اس حالت پر پہنچ جائے تو زبان سے اس کلمے کا اثر مٹا دے' اور قلب کے ذکر پر مواظبت کرے یہاں تک کہ قلب سے بھی حروف کی ساخت' اور لفظ کی مجموعی ہیئت او جھل ہو جائے اور معنیٰ ہر وقت موجود رہیں گویا قلب اور معنیٰ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہوں' بندے کو اس حد تک پہنچنے کا اختیار حاصل ہے' نیز اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اس حالت کو دائمی بنانے کے لیے وہ غیر اللہ کے وسوسوں کو دفع کر سکتا ہے' البتہ اسے رحمتِ الٰہی کی جذب و کشش کا اختیار نہیں ہے' تاہم اس حالت سے اس کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو اپنی طرف کھینچ سکے۔ اس درجے پر پہنچنے کے بعد بندے کو باری تعالیٰ کی فتوحاتِ رحمت کا منتظر رہنا چاہئے کہ جس طرح اس نے انبیائے کرام اور اولیاء پر فتوحات فرمائیں اس پر بھی فرمائے گا۔ اس صورت میں اگر اس کا ارادہ سچا ہوا' ہمت صحیح ہوئی' حسنِ مواظبت پایا گیا' شہوات سے بچا رہا' اور دنیاوی علائق کی کوئی بات اس کے دل میں نہیں گذری تو قلب میں حق کے لوامع چمکنے لگیں گے' ابتدا میں بجلی کی طرح چند لمحوں کے لیے' دوبارہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ بعض اوقات تاخیر بھی ہو گی' تاخیر سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے' رفتہ رفتہ وہ لوامع قلب میں ٹھہرنے لگیں گے' کبھی ٹھہرنے کی مدت اتنی کم ہو گی کہ تشنگی کا احساس ہو گا' اور کبھی یہ مدت زیادہ ہو گی' کبھی قلب پر لوامع پے بہ پے چمکیں گے اس سلسلے میں اولیاء اللہ کے اتنے مختلف اور متفاوت درجات ہیں کہ تصوّر نہیں کیا جا سکتا' جس طرح مخلوق کے تفاوت اور ان کے اخلاق کے تفاوت کا تصوّر کرنا مشکل ہے۔

اس گفتگو کا ماحصل یہ نکلا کہ قلب کا جِلا اور تصفیہ بندے کی ذمہ داری ہے' استعداد اور انتظار بھی اسی کے فرائض میں ہے۔ علماء ظاہر بھی اس طریقے کے منکر نہیں ہیں' کیوں کہ اکثر انبیاء اور اولیاء اللہ کے یہی احوال ہیں۔ لیکن وہ اس طریقے کو مشکل سمجھتے ہیں' ان کے خیال میں اس طریقے پر عمل پیرا ہونے کے بعد نتائج و ثمرات کا دیر تک انتظار کرنا پڑتا ہے' اس طریقے میں جو شرائط لگائی گئی ہیں ان کی پابندی آسان نہیں ہے' اول تو تمام دنیاوی علائق سے اس طرح بے نیاز ہونا مشکل ہے' اگر مجاہدے سے ایسا ہو بھی جائے تو اس کی بقا دُشوار ہے' اس لیے کہ معمولی سے وسوسے قلب کا سکون درہم برہم کر دیتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

قلب المؤمن اشد قدرا فی غلیانها۔ (احمد' حاکم۔ مقداد ابن اسودؓ)
مؤمن کا دل ہانڈی کے اُبال سے بھی زیادہ اُبلتا رہتا ہے۔

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔

قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن (عبداللہ ابن عمرؓ)
مؤمن کا دل ہانڈی کے اُبال سے بھی زیادہ اُبلتا رہتا ہے۔

اس مجاہدے کے دوران کبھی مزاج فاسد ہو جاتا ہے' عقل خبط ہو جاتی ہے' صحت گر جاتی ہے اور طرح طرح کے امراض بدن کا احاطہ کر لیتے ہیں' اگر پہلے کا علم حاصل کر کے نفس کی ریاضت اور تہذیب نہیں کی جاتی تو دل میں طرح طرح کے خیالاتِ فاسدہ جمع ہو جاتے ہیں' اور نفس انہیں دور کئے بغیر زندگی بھر ان فاسد خیالات میں الجھا رہتا ہے' عمر گزر جاتی ہے' اور کامیابی دروازے پر دستک نہیں دیتی۔ بہت سے صوفیوں نے یہ راستہ اپنایا' اور آگے چل کر کسی ایک خیال میں اس طرح الجھے کہ بیس برس گزر گئے اور ایک قدم بھی آگے کی طرف نہ اٹھا سکے' اس وقت خیال آیا کہ اگر پہلے سے علم حاصل کر لیتے تو یہ بیس برس ضائع نہ جاتے' اس خیال کا فساد پہلے ہی روز منکشف ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ تعلیم کی راہ سے سلوک کی وادی میں قدم رکھنا معتبر بھی ہے اور مقصود سے قریب تر بھی ہے۔ علماء ظاہر کا خیال یہ ہے کہ صوفیوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص فقہ نہ سیکھے اور یہ کہے کہ آنحضرتؐ نے فقہ کا

علم حاصل نہیں کیا تھا آپ وحی اور الہام کے ذریعہ فقیہہ بنے تھے' میں بھی ریاضت پر مداومت اور مجاہدے پر ثبات کی وجہ سے ایسا ہی ہو جاؤں گا' اور مجھے بھی ان ذرائع سے فقہ کا علم حاصل ہو جائے گا۔ اس طرح کے فاسد خیالات میں مبتلا شخص بلاشبہ اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے' اور اپنی عمر کے قیمتی لمحات ضائع کرنے میں مصروف ہے' یہ صوفی اس شخص کی طرح ہے جو نہ کھیتی کرے' اور نہ کسی کام کو ہاتھ لگائے اور توقع یہ رکھے کہ کہیں سے خزانہ ہاتھ آجائے' ایسا ہونا ممکن ہے ضروری تو نہیں کامیابی کے امکانات حد درجہ کم ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ صوفی کو اولاً علم حاصل کرنا چاہئے اور علماء کے اقوال کے معانی سمجھنے چاہئیں' اس کے بعد ان علوم کا منتظر رہنا چاہئے جن سے علماء ظاہر بے بہرہ ہیں' عجب نہیں کہ مجاہدہ و ریاضت سے یہ علوم منکشف ہو جائیں۔

محسوس مثالوں کے ذریعہ دونوں مقامات کا فرق

قلب کے عجائبات کا ادراک حواس کے دائرہ اختیار سے خارج ہے' خود قلب بھی حواس کے ذریعہ ادراک کی جانے والی چیز نہیں ہے' نیز جو چیز حواس کے ذریعہ معلوم نہیں ہوتی' ضعیف عقلیں اس کے سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں' اور جب تک اسکی کوئی ایسی مثال نہ بیان کی جائے جس کا تعلق عالم محسوس سے ہو اس وقت تک وہ چیز اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی' ایسے ہی ضعیفُ العقل لوگوں کو سمجھانے کے لیے ہم مذکورہ بالا دونوں مقامات کی دو حسی مثالیں بیان کرتے ہیں۔

<u>پہلی مثال</u> : فرض کیجئے کہ زمین میں ایک حوض کُھدا ہوا ہے' اس میں پانی پہنچانے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف نالیاں بنا دی جائیں اور کسی جگہ سے ان نالیوں میں پانی چھوڑ دیا جائے اور یہ پانی حوض میں جمع ہو جائے' دوسری صورت یہ ہے کہ زمین کا زیریں حصہ اتنا کھودا جائے کہ پانی خود بخود نکل آئے۔ دوسرے طریقے سے حاصل ہونے والا پانی صاف بھی زیادہ ہو گا' زیادہ دیر تک باقی بھی رہے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقدار میں بھی زیادہ ہو۔ اس مثال کی روشنی میں قلب کو حوض سمجھنا چاہئے علم کو پانی اور حواسِ خمسہ کو نالیاں تصوّر کرنا چاہئے۔ قلب تک علم کی رسائی حواسِ خمسہ کے ذریعہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس قدر مشاہدات ہوں قلب میں آجائیں' اور قلب علوم سے لبریز ہو جائے' دوسری صورت یہ ہے کہ خلوت اور عزلت کے ذریعہ ان نالیوں کو بند کر دیا جائے یعنی حواسِ خمسہ کو حصول علم میں استعمال نہ کیا جائے' اور قلب کے "حوض" کو گہرا کیا جائے یہاں تک کہ خود اس کے اندر سے علم کے چشمے پھوٹ پڑیں' اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ قلب کی خوب تطہیر کی جائے' اور اس سے حجاب کے پردے اٹھا دئے جائیں۔

رہا یہ سوال کہ جب قلب میں علم کا وجود ہی نہیں ہے تو اس کے چشمے کس طرح جاری ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق عجائبات سے ہے' علم معاملہ کی مناسبت سے اس سوال کے جواب میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ حقائق اشیاء لوح محفوظ بلکہ ملائکہ مقربین کے قلوب میں نقش ہیں' جس طرح کسی مکان کی تعمیر سے پہلے انجینئر ایک نقشہ تیار کرتا ہے' اور اس نقشے کی روشنی میں مکان کی تعمیر کراتا ہے اسی طرح خالقِ ارض و سماء نے بھی دنیا کی ان تمام چیزوں کا نقشہ بنا لیا ہے جو اَزل سے اَبد تک وجود میں آتی رہیں گی' یہ نقشہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے' دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اسی کے مطابق ہو رہا ہے' اس نقشے کا کسی دل میں منعکس ہونا بعید نہیں ہے' چنانچہ جب کوئی چیز ایک بار عالم وجود میں آجاتی ہے تو اگرچہ وہ باقی نہ رہے لیکن حس و خیال کے ذریعہ اس کی شکل و صورت کا تصور کر لیا جاتا ہے' مثلاً اس ظاہری عالم کی طرف دیکھ کر کوئی شخص اپنی آنکھیں بند کر لے تو زمین و آسمان کی صورت حس و خیال میں موجود ہو گی' اور ایسا محسوس ہو گا گویا وہ ابھی تک انہیں دیکھ رہا ہے' بالفرض اگر زمین و آسمان فنا ہو جائیں اور صرف دیکھنے والا باقی رہ جائے تب بھی وہ ان کی خیالی صورت سے محروم نہیں ہو گا۔ اس خیال کا اثر قلب پر مرتب ہوتا ہے' اور اس میں اشیاء کے وہ حقائق آجاتے ہیں جو حس و خیال میں موجود تھے' دل میں جو کچھ آتا ہے وہ اسی خیالی صورت کے مطابق ہوتا

ہے' اور خیالی صورت کسی چیز کی حقیقی اور ظاہری صورت سے مشابہ ہے' اور یہ ظاہر کی صورت لوح محفوظ میں موجود نقشے کے مطابق ہے۔

وجود کی قسمیں : اس سے معلوم ہوا کہ موجودات عالم کے چار درجے ہیں' ایک وہ وجود ہے جو لوح محفوظ میں ہے' یہ وجود جسمانی وجود سے مقدم ہوتا ہے' دوسرا وجودِ حقیقی ہے' یعنی وہ وجود جو دنیا میں ہوتا ہے' تیسرا وجودِ خیالی ہے' اس سے مراد وہ وجود ہے جس کی صورت حقیقی وجود کے بعد فکر و خیال میں آتی ہے' چوتھا وجودِ عقلی ہے' یعنی وہ صورت جو خیالی وجود کے بعد قلب میں آتی ہے' ان چاروں وجودوں میں سے بعض روحانی ہیں' اور بعض جسمانی' روحانی موجودات میں بھی تفاوت ہے' بعض میں روحانیت زیادہ ہے' اور بعض میں کم۔ یہ سب امور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے عجائب ہیں' دیکھئے اللہ تعالیٰ نے آنکھ کا حلقہ کتنا مختصر بنایا ہے' مگر وہ اپنے حجم کی تنگی کے باوجود زمین و آسمان اور دوسری چیزوں کی وسعتیں سمیٹ لیتی ہے' یہ قاعدہ ہے کہ جب تک کسی کے پاس کوئی چیز نہیں پہنچتی اس وقت تک اسے خبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر باری تعالیٰ نے عالم کی موجودات کی مثالیں اور صورتیں تمہارے دل میں نہ بنادی ہوتیں تو تمہیں کسی چیز کا علم بھی نہ ہوتا۔ یہ رب عظیم کی قدرت کاملہ کا ادنیٰ نمونہ ہے کہ اس نے آنکھوں اور دلوں میں عجائبات کے اتنے وسیع خزانے ودیعت فرمادیئے ہیں۔ اور عبرت کے لیے بعض دلوں کو بصیرت سے اور بعض آنکھوں کو بصارت سے محروم فرمادیا ہے' یہاں تک کہ اکثر لوگوں کے دل اتنے بے بہرہ ہیں کہ نہ انہیں اپنے نفسوں کے عیوب کی خبر ہے اور نہ عجائبات کی اطلاع ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ہم پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں' بات یہ چل رہی تھی کہ دل میں کسی شئی کا وجود حواس کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے اور لوح محفوظ سے بھی' جس طرح آنکھوں میں آفتاب کی صورت کبھی اس کی طرف دیکھ کر آتی ہے' اور کبھی پانی میں اس کا عکس دیکھ کر' یہ عکس اصل آفتاب کے مشابہ ہی ہوتا ہے' اسی طرح جب دل اور لوح محفوظ کے درمیان سے حجابات اُٹھ جاتے ہیں تو اشیاء کے حقائق منعکس ہوجاتے ہیں۔ اور ان کا علم اس میں آجاتا ہے' اس صورت میں دل کو اپنے حواس سے اَخذ و استفادے کی ضرورت باقی نہیں رہتی' قلب میں علم کو اس طریقے پر آنا ایسا ہی ہے جیسے زمین کے اندر سے پانی کے چشمے اُبل پڑیں اور حوض بھر جائے۔ بعض اوقات دل ان خیالات کی طرف متوجہ رہتا ہے جو اسے محسوسات کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں' یہ خیالات لوح محفوظ سے مانع بن جاتے ہیں' چنانچہ جب نہر میں پانی جمع ہوجاتا ہے تو نیچے سے نہیں نکلتا۔

قلب کے دو دروازے : قلب کے دو دروازے ہیں' ایک دروازہ عالم ملکوت یعنی لوح محفوظ اور عالم ملائکہ کی طرف کھلتا ہے' اور ایک دروازہ حواسِ خمسہ کی جانب کھلتا ہے جو عالم الملک والشہادہ یعنی عالم ظاہر سے خبریں حاصل کرتے ہیں' ان دونوں عالموں میں یک گونہ تعلق ہے' جہاں تک حواسِ خمسہ کی جانب دروازہ کھلنے کا تعلق ہے وہ معلوم ہی ہے مگر عالم ملکوت یعنی لوح محفوظ کی طرف دروازہ کھلنا بھی غیر یقینی چیز نہیں ہے' خواب کی حالت پر نظر ڈالئے کہ آدمی کس طرح عجائبات کا مشاہدہ کرتا ہے' بعض لوگوں کو خواب میں مستقبل کے حالات اور ماضی کے واقعات بتلادیئے جاتے ہیں' حالانکہ خواب میں حواس کو دخل نہیں ہوتا۔ لیکن یہ دروازہ صرف ان ہی لوگوں کے لیے کھلتا ہے جو ذکر خداوندی میں منفرد ہوں۔ یعنی اللہ کے ذکر میں اس طرح مستغرق ہوگئے ہوں کہ ماسویٰ اللہ سے انہیں کوئی واسطہ ہی نہ رہا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

سبق المفردون' قیل ومن هم المفردون یا رسول اللہ' قال المتنزهون بذکر اللہ تعالیٰ' وضع الذکر عنهم اوزارهم فوردوا القیامۃ خفافا

مفرد لوگ آگے بڑھ گئے' عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مفرد کون لوگ ہیں' فرمایا وہ لوگ جو اللہ کے ذکر کے باعث پاک و صاف ہوگئے' ذکر نے ان کے گناہوں کا بوجھ ہلکا کردیا اور وہ قیامت کے روز ہلکے پھلکے آئے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ارشاد فرمایا کہ پھر میں اپنے چہرے کو ان کی طرف کر کے متوجہ ہوتا ہوں، تمہیں معلوم ہے کہ میں کس کی طرف اپنا چہرہ کر کے متوجہ ہوتا ہوں، اور کوئی جانتا ہے کہ میں ان کو کیا دینا چاہتا ہوں، سب سے پہلے ان کے لیے میری عطاء یہ ہوتی ہے کہ میں ان کے دلوں میں نور ڈال دیتا ہوں، پھر وہ میرے حال کی اس طرح خبر دینے لگتے ہیں جس طرح میں ان کا حال جانتا ہوں۔ ان خبروں کا مدخل وہی باطنی دروازہ ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا۔

انبیاء اور اولیاء کے علوم اور علماء اور حکماء کے علوم میں یہی ایک فرق ہے کہ علوم نبوت قلب کے اندر کھلنے والے اس دروازے سے آتے ہیں جس کا رُخ عالم ملکوت کی طرف ہے، اور علومِ حکمت حواس کے ان دروازوں سے قلب میں داخل ہوتے ہیں جو عالم ظاہر کی طرف کھلے ہوئے ہیں۔ اس مثال سے دونوں عالموں کا فرق واضح ہو گیا ہے۔ جہاں تک عالم غیب و شہادت سے تعلق رکھنے والے عجائبات کا تعلق ہے وہ اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا حصر نہیں کیا جا سکتا۔

<u>دوسری مثال</u> : اس مثال کے ذریعہ ہم علماء اور اولیاء کے علوم کا فرق بیان کرنا چاہتے ہیں، علماء نفسِ علوم کے حصول کی جدوجہد کرتے ہیں، اور اسے اپنے دل کی طرف کھینچتے ہیں، اور اولیاء (صوفیاء) قلب کے تزکیہ و تطہیر اور جلاء و صیقل میں مصروف رہتے ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بادشاہ کے سامنے رومیوں اور چینیوں نے اپنے اپنے فن تعمیر و نقاشی کی بڑی تعریف کی، اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا دعویٰ کیا، بادشاہ کا خیال گزرا کہ اسے دونوں ملکوں کے ماہرین فن کو اپنے اپنے فن کی نمائش کا موقع دینا چاہئے۔ طے یہ ہوا کہ ان دونوں کو ایک عمارت نقاشی کے لیے سپرد کی جائے، ایک حصہ پر چینی نقش بنائیں، اور دوسرے پر رومی، دونوں کے درمیان حجاب ہو تاکہ ایک فریق کو دوسرے فریق کے کام کی اطلاع نہ ہو سکی، دونوں فریقوں کو کام بتلا دیا گیا، رومی بے شمار عجیب و غریب رنگ لے کر آئے، جب کہ چینی رنگ لئے بغیر اندر گئے اور عمارت کے اس حصے کو صیقل کرنے لگے جو ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ جب رومیوں نے اپنے کام کی تکمیل کا اعلان کیا تو چینی بھی یہ کہہ کر باہر نکل آئے کہ ہمارا کام بھی ختم ہو چکا ہے، بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیسی نقاشی تھی کہ جس میں نہ رنگ کی ضرورت پیش آئی نہ روغن کی، انہوں نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت پہلے پردہ اٹھانے کا حکم دیں، پردہ اٹھایا گیا تو رومیوں کے لگائے ہوئے تمام رنگ چینیوں کی طرف چمکنے لگے، بلکہ ان کی چمک کچھ زیادہ ہی ہو گئی کیوں کہ انہوں نے عمارت کو اتنا صیقل کیا تھا کہ دیواریں چمکدار اور صاف شفاف آئینے کی طرح نکھر گئیں تھیں۔ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے کہ وہ چینیوں کی طرح اپنے قلوب کا اس قدر تزکیہ کرتے ہیں اور اتنا صیقل کرتے ہیں کہ ان میں حق چمکنے لگتا ہے، حکماء اور علماء کی توجہ اکتسابِ فن اور نقوش کی طرف رہتی ہے۔

حصولِ علم کی جو بھی صورت ہو، اگر قلب میں علم کا نور ہے تو اس کے لیے فنا نہیں ہے، علم موت سے ختم نہیں ہوتا۔ نہ صفائے قلب پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ اس میں کدورت آتی ہے چنانچہ حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ مٹی ایمان کے محل (قلب) کو نہیں کھاتی۔ نفسِ علم قبول علم کی صلاحیت و استعداد اور صفائے قلبِ مؤمن کے لیے ضروری ہیں، اس کے بغیر اُخروی سعادت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ سعادتیں بھی مختلف ہوتی ہیں، جس طرح ہر مال رکھنے والے کو مالدار کہہ دیا جاتا ہے، اسی طرح ہر صاحب سعادت کو سعید کہتے ہیں، ورنہ کیا ایک لاکھ درہم رکھنے والا ایک کروڑ درہم رکھنے والے کا ہم پلّہ ہو سکتا ہے۔ یہی حال سعادتوں کا ہے، بعض سعادت کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوتے ہیں، بعض اس سے کم پر، اور بعض ادنیٰ درجے پر۔ سعادت کے یہ درجات معرفت و ایمان کے تفاوت کی وجہ سے ہیں۔

---

(۱) مسلم میں یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے، مگر اس میں "المتنزھون" کے بجائے "المستھترون" کا لفظ ہے۔ حاکم نے بھی اسی لفظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ بوجھ ہلکا کرنے کا ذکر بیہقی میں ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ "یضع الذکر عنھم اثقالھم ویاتون یوم القیامۃ خفافا" طبرانی کی روایت بھی یہی ہے (۲) روایات سے اس زیادتی کا ثبوت نہیں ملتا

معرفت نور ہے' آخرت میں باری تعالیٰ کی زیارت و ملاقات اس نور کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ قرآن پاک میں ہے:۔

نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم (پ ۲۸ ر ۲۰ آیت ۸)

ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہو گا۔

روایات میں ہے کہ لوگوں کو اس نور کی یکساں مقدار عطا نہیں ہوگی' بعض لوگوں کو پہاڑ کی مانند نور ملے گا' بعض کو اس سے کم اور ایک شخص کو اس کے پاؤں کے انگوٹھے کے بقدر نور عطا ہو گا' وہ نور کبھی چمکنے لگے گا' اور کبھی بجھ جائے گا' جب چمکے گا تو وہ شخص آگے کی طرف قدم بڑھائے گا' جب بجھ جائے گا تو اسی جگہ کھڑا رہے گا' پل صراط سے بھی لوگ اپنے نور کی روشنی میں گذریں گے۔ جس قدر زیادہ نور ہو گا اسی سرعت کے ساتھ ان کا گذر ہو گا' کوئی پلک جھپکتے ہی گذر جائے گا۔ کوئی بجلی کی طرح کوئی بادل کی طرح' کوئی شہاب کی طرح' اور کوئی تیز رفتار گھوڑے کی طرح گذر جائے گا' جس شخص کے صرف انگوٹھوں پر نور ہو گا وہ اپنے جسم کو گھسیٹتا چلے گا' ایک ہاتھ کو گھسیٹے گا تو دوسرا ہاتھ رہ جائے گا' اس کے چاروں طرف آگ ہوگی' اور وہ اس میں جھلستا ہوا پل عبور کرے گا اس روایت سے لوگوں کے ایمان کا تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ اس کی روشنی میں وہ روایت دیکھنی چاہئے جس میں آیا ہے کہ اگر حضرت ابو بکرؓ کے ایمان کا پیغمبروں کے علاوہ تمام اہل دنیا کے ایمان سے موازنہ کیا جائے تو حضرت ابو بکرؓ کا ایمان راجح ہو گا۔ محسوسات میں اس کی مثال یہ ہے کہ اگر آفتاب کی روشنی کا دنیا کے تمام چراغوں کے نور سے موازنہ کیا جائے تو آفتاب کو ترجیح حاصل رہے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا ایمان چراغ کی روشنی کی طرح ہے' بعض کا شمع کی روشنی کی مانند ہے' صدیقین کے ایمان کی روشنی چاند ستاروں کے نور کی مثال ہے' اور انبیاء و مرسلین کا ایمان آفتاب کی طرح روشن ہے۔ نیز جس طرح سورج کی روشنی تمام آکناف عالم میں...... ان کی وسعت کے باوجود...... پھیل جاتی ہے اور چراغ گھر کے ایک مختصر حصے کو روشن رکھ سکتا ہے اسی طرح عارفین کے قلوب اتنے منشرح اور وسیع ہو جاتے ہیں کہ ملک کے اسرار' اور کائنات کے رموز اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ان میں سما جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے:۔

یقال یوم القیامة اخرجوا من النار من کان فی قلبه مثقال ذرة من ایمان ونصف مثقال وربع مثقال وشعیرة وذرة

قیامت کے روز کہا جائے گا کہ ان لوگوں کو دوزخ سے باہر نکالو جن کے دلوں میں ایک مثقال کے برابر' یا نصف مثقال کے برابر' یا چوتھائی مثقال کے برابر یا جو کے برابر یا ذرہ بھر ایمان ہو۔

اس روایت سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کے درجات میں تفاوت ہے' وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کی یہ مقداریں دخول نار سے مانع نہیں ہیں' نیز یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک مثقال سے زیادہ ایمان ہو گا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا' کیوں کہ اگر وہ دوزخ میں جاتا تو اس کے لیے بھی یہی حکم ہوتا' اس روایت سے اس امر پر بھی تنبیہ ہوتی ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا وہ اگرچہ دوزخ میں جائے گا لیکن اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک ہے:

لیس شئی خیرا من الف مثله الا الانسان المؤمن (طبرانی۔ سلمانؓ)

صاحب ایمان کے علاوہ کوئی چیز اپنی جیسی ہزار چیزوں سے افضل نہیں ہے۔

اس میں بتلایا گیا ہے کہ اللہ کی معرفت رکھنے والا' اور اس کا کامل یقین رکھنے والا قلب ہزار لوگوں کے قلب سے بہتر ہوتا ہے۔

---

(۱) یہ روایت طبرانی اور حاکم نے ابن مسعودؓ سے نقل کی ہے' حاکم نے اسے شیخین کی شرائط کے مطابق قرار دیا ہے۔ (۲) بخاری و مسلم بروایت ابو سعید الخدریؓ۔ مگر اس میں ربع مثقال کا ذکر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (پ ۴ ر ۵ آیت ۱۳۹)

اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مؤمن رہے۔

اس میں اہل ایمان کو مسلمانوں پر برتری کی بشارت سنائی گئی ہے' مؤمن سے مراد یہاں عارف ہے مقلد نہیں ہے' ایک جگہ ارشاد فرمایا:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (پ ۲۸ ر ۲ آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا (اُخروی) درجے بلند کرے گا۔

اس آیت میں ایمان لانے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے علم کے بغیر تصدیق کی' اسی لیے انہیں اہل علم سے الگ ذکر کیا گیا ہے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ مؤمن مقلد کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے اگرچہ اس کی تصدیق کشف و بصیرت کے بغیر ہو' آیت کے دوسرے جزء (الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ) کی تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو مؤمن پر سات سو درجات کی فضیلت عطا کی ہے' اور ہر درجے میں زمین و آسمان کے برابر فاصلہ ہے' ایک روایت میں ہے:

أكثر أهل الجنة البله وعليون لذوي الألباب

اہلِ جنت کی اکثریت بھولے بھالے لوگوں پر مشتمل ہوگی اور علیین (جنت کے درجات) عقل والوں کے لیے ہیں۔

ایک حدیث میں عابد پر عالم کی فضیلت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

فضل العالم على العابد كفضلي على أدنى رجل من أصحابي (ترمذی ابو امامہؓ)

عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت ادنیٰ صحابی پر۔

ایک روایت میں اس طرح تشبیہ دی گئی ہے:

كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب (حوالہ سابق)

جیسے چودھویں رات کے چاند کے فضیلت تمام ستاروں پر۔

ان تمام روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ جنت کے درجات کا یہ فرق ان کے قلوب و معارف کے تفاوت کی وجہ سے ہوگا۔ اسی لیے قیامت کے دن کو یومُ التغابن (گھاٹے کا دن) بھی کہا جاتا ہے' جو شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہوگا اس کے گھاٹے اور نقصان میں کیا شبہ ہے' وہ لوگ بھی نقصان میں رہیں گے جن کے درجات کم ہوں گے' وہ اپنے سے اوپر درجے والوں کو دیکھ کر حسرت کریں گے' اور کہیں گے کہ کاش ہم نے بھی ایسے ہی عمل کیے ہوتے' یہ نقصان نہ اٹھانا پڑتا آخرت کے بڑے درجات اور بڑی فضیلتیں ہیں۔

طریقۂ تصوّف کی صحت پر شرعی دلائل

اہلِ تصوّف تعلیم اور معتاد طریقے کے مطابق معرفت کا اکتساب نہیں کرتے ان کا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ شرعی دلائل

یہ روایت آخر الفاظ کے اضافے کے بغیر پہلے بھی گذر چکی ہے' مجھے اس زیادتی کی کوئی اصل نہیں ملی۔

سے اس کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب ہی ہماری اس گفتگو کا موضوع ہے۔
جس شخص کے دل میں بے خبری میں اور بطریق الہام کوئی امر منکشف ہوجائے وہ طریق صحت کی رو سے عارف کہلائے گا۔ جسے اس طرح کا کوئی الہام یا کشف نہ ہوا سے بھی اس پر ایمان لانا چاہئے کیونکہ معرفت انسان کا فطری تقاضا ہے' اس پر شرعی دلائل بھی موجود ہیں' اور تجربات و حکایات کے شواہد بھی۔

شرعی دلائل : چند شرعی دلائل یہ ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (پ۲۱ ر۳ آیت ۶۹)
اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستے ضرور دکھائیں گے۔
ہر وہ حکمت جس کا ظہور قلب سے عبادت پر مواظبت کی بنا پر' تعلّم کے بغیر ہو وہ کشف و الہام کے طریقے پر ہوتا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
من عمل بما علم ورثه الله علم مالم يعلم ووفقه فيما يعمل حتّٰى يستوجب الجنة ومن لم يعمل بما يعلم تاه فيما يعلم ولم يوفق فيما يعمل حتّٰى يستوجب النار
جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان چیزوں کا علم عطا کردیتا ہے جنہیں وہ نہیں جانتا' اور اسے عمل خیر کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ وہ سزاوار جنت ہوجائے' اور جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ اپنے علم میں حیران رہتا ہے' اور اسے عمل میں خیر کی توفیق نہیں ہوتی یہاں تک کہ دوزخ کا مستحق ہوجائے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (پ۲۸ ر۱۷ آیت ۲)
اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔
یعنی اہل تقویٰ کو اشکالات اور شبہات سے نجات دیتا ہے' اور بغیر اکتساب کے علم اور بغیر تجربے کے فطانت عطا فرماتا ہے۔
باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (پ۹ ر۱۸ آیت ۲۹)
اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے وہ تم کو ایک فیصلے کی چیز دے گا۔
اس آیت میں فرقان سے مراد وہ نور ہے جس سے حق و باطل میں امتیاز کیا جاتا ہے' اور جس کے ذریعہ شکوک و شبہات کے اندھیروں سے نکلا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اکثر دعاؤں میں نور کا سوال کیا کرتے تھے۔ ایک دعا کے الفاظ یہ ہیں:
اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا وَزِدْنِيْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِيْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَفِيْ قَبْرِيْ نُوْرًا وَفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا (بخاری و مسلم۔ عبداللہ ابن عباسؓ)
اے اللہ مجھے نور عطا فرما' میرا نور زیادہ کر' میرے قلب میں' میری قبر میں' میرے کانوں میں' میری

یہ روایت کتاب العلم میں گزر چکی ہے' لیکن وفقہ سے آخر تک کی زیادتی اس میں نہیں ہے

آنکھوں میں نور کر دے۔

یہاں تک کہ آپ بال، کھال گوشت، خون اور ہڈی میں بھی نور کی دعا فرماتے۔ ایک مرتبہ آپ سے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ کے حوالے سے شرح صدر کے معنی پوچھے گئے، آپ نے فرمایا: یہاں شرح صدر سے مراد توسع اور کشادگی ہے، اس لیے کہ جب نور دل میں ڈال دیا جاتا ہے تو اس کے لیے سینہ کشادہ و فراخ ہو جاتا ہے[1]۔ آپ نے حضرت عبداللہ ابن عباس کے لیے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِيْلَ[2] اے اللہ اسے دین میں فقیہ بنا دے۔ اور تفسیر آیات کا علم عطا فرما۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چھپا کر دی ہو، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو اپنی کتاب کی فہم عطا کر دیتے ہیں[3]۔ فہم کتاب تعلّم سے نہیں آتا۔ آیت کریمہ:

يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ (پ ۳ ر ۵ آیت ۲۶۹)

دین کا فہم جسے چاہے دے دیتے ہیں۔

میں بعض مفسّرین کے نزدیک حکمت سے مراد کتاب اللہ کا فہم ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے بارے میں فرمایا گیا:

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ (پ ۱۷ ر ۶ آیت ۷۹)

سو ہم نے اس کی سمجھ سلیمان کو دے دی۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو باتیں از روئے کشف والہام معلوم ہوئیں انہیں فہم سے تعبیر کیا گیا ہے، حضرت ابو الدرداءؓ ارشاد فرماتے تھے کہ مؤمن وہ ہے جو اللہ کے نور کی مدد سے پردے کے پیچھے چھپی ہوئی چیز دیکھ لے۔ خدا کی قسم یہ بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں میں حق بات ڈال دیتا ہے، اور ان کی زبانوں پر جاری کر دیتا ہے، بعض اکابرین سلف فرماتے ہیں کہ مؤمن کا گمان کہانت ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله (ترمذی۔ ابو سعیدؓ)

مؤمن کی فراست سے ڈرو، اس لیے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اس حقیقت کی طرف ان دونوں آیتوں میں اشارہ کیا گیا ہے:

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ (پ ۱۴ ر ۵ آیت ۷۵)

اس میں کئی نشانیاں ہیں اہل بصیرت کے لیے۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (پ ۱ ر ۱۴ آیت ۱۱۸)

ہم نے تو بہت سی دلیلیں صاف صاف بیان کر دی ہیں (مگر وہ) ان لوگوں کے لیے (نافع ہیں) جو یقین چاہتے ہیں۔

حضرت حسنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

العلم علمان، فعلم باطن فى القلب فذالك هو العلم النافع

علم کی دو قسمیں ہیں، ایک علم باطنی ہے جو دل میں ہوتا ہے یہی علم نفع دینے والا ہے۔

---

[1] یہ روایت مستدرک میں ابن مسعودؓ سے منقول ہے، اور احیاء العلوم کی کتاب العلم میں بھی گزر چکی ہے [2] یہ روایت بخاری و مسلم میں ابن عباسؓ سے منقول ہے، علمه التاویل کی زیادتی احمد، ابن حبان اور حاکم میں ہے۔ [3] یہ روایت بھی کتاب العلم میں گزر چکی ہے

کسی عالم سے باطنی علم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سرّ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب دلوں میں ڈال دیتا ہے' نہ اس کی خبر کسی فرشتے کو ہوتی ہے' اور نہ انسان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ان من امتی محدثین و معلمین و مکلمین وان عمر منهم

میری امت میں محدّثین' معلّمین' اور متکلمین ہیں' عمرؓ کا شمار بھی ان میں ہوتا ہے۔

باری تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ (پ ۱۷ ر ۱۴ آیت ۵۲)

اور ہم نے آپ سے قبل کوئی نبی کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا الخ۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اس آیت میں "ولا محدّث" کا اضافہ کر کے پڑھتے تھے' محدّث ملہم کو کہتے ہیں اور ملہم وہ شخص ہے جس کے قلب میں اندرونی طور پر انکشافات ہوں' خارجی محسوسات کے راستے سے نہ ہوں' قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ تقویٰ ہدایت اور کشف کی کنجی ہے۔ فرمایا:

وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ (پ ۱۱ ر ۶ آیت ۶)

اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے دلائل ہیں ڈر مانتے ہیں۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ (پ ۴ ر ۵ آیت ۱۳۸)

یہ بیان (کافی ہے) تمام لوگوں کے لیے اور ہدایت اور نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لیے۔

ان آیات میں فکر' بیان' ہدایت' اور عبرت و موعظت کو متقین کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا ہے' ابو یزید کہتے ہیں کہ وہ عالم نہیں ہے جو کسی کتاب سے کچھ یاد کر لے اور جب بھول جائے تو جاہل رہ جائے' بلکہ عالم وہ ہے جو اپنے رب سے جب چاہتا ہے درس و حفظ کے بغیر علم حاصل کر لیتا ہے' یہی علم ربانی ہے' اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا (پ ۱۵ ر ۲۱ آیت ۶۵)

اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا۔

یوں تو تمام علوم باری تعالیٰ کی طرف سے ہیں' لیکن فرق یہ ہے کہ بعض لوگوں کو مخلوق کے واسطے سے تعلیم دی جاتی ہے۔ اسے علم لدنی نہیں کہتے' علم لدنی وہ علم کہلاتا ہے جو کسی خارجی معتاد سبب کے بغیر دل میں حاصل ہو جائے۔ اس طرح کے نقلی دلائل بے شمار ہیں' اگر ان سب کا احاطہ کیا جائے تو تنگ دامانیٔ صفحات کا عذر پیش آ جائے۔

تجربات کی شہادت: اس سلسلے میں تجربات بھی اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا صحابہؓ و تابعینؒ اور بعد کے بہت سے بزرگوں کو اس کا تجربہ ہوا کہ بہت سے علوم باری تعالیٰ کی طرف سے ظاہری اسباب کے بغیر براہِ راست دلوں میں القاء کئے جاتے ہیں' چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات کے وقت حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اس وقت آپ کی اہلیہ حمل سے تھیں' بعد میں لڑکی پیدا ہوئی' حضرت ابو بکرؓ نے پیدائش سے پہلے ہی یہ جان لیا تھا کہ لڑکی ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ میں خطبہ دیتے ہوئے باآوازِ بلند کہا: یا ساریۃ الجبل الی الجبل (لشکر والو! پہاڑ کی طرف چلے جاؤ) یہ واقعہ ایک جنگ کے موقع پر پیش آیا' حضرت عمرؓ نے از روئے کشف یہ بات معلوم کر لی تھی کہ دشمن مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

یہ روایت کتاب العلم میں گذری ہے۔ بخاری بروایت ابو ہریرہؓ مسلم بروایت عائشہؓ

اس لیے انہوں نے لشکر کو خبردار کیا اور اسے پہاڑ کی آڑ میں ہو جانے کا مشورہ دیا' اس آواز کا اتنے فاصلے پر پہنچنا' اور لشکر والوں کا اسے سُن لینا بھی عظیم کرامت ہے انس ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں جارہا تھا راستے میں میری نظر ایک عورت پر پڑی' میں نے اسے دیکھا' اور اس کے حسن و جمال کا اچھی طرح مشاہدہ کیا' جب میں حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ میرے پاس ایسے آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے زنا کا اثر جھلکتا ہے' پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں کہ آنکھ کا زنا دیکھنا ہے' یا تو توبہ کر' ورنہ میں تجھے سزا دوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمالینے کے بعد بھی وحی کا سلسلہ جاری ہے' آپ نے فرمایا: نہیں' بلکہ یہ مؤمنانہ بصیرت اور سچّی فراست ہے۔ ابو سعید الخرازؒ کہتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں داخل ہوا' وہاں میری نظر ایک ایسے فقیر پر پڑی جس کے جسم پر دو خرقے تھے' میں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ اور اس جیسے دوسرے لوگ بنی نوع انسان کے کاندھوں پر بوجھ کی حیثیت رکھتے ہیں' اس نے مجھے آواز دی' اور یہ آیت پڑھی:

وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ (پ ۲ ر ۱۴ آیت ۲۳۵)

اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ تعالیٰ کو اطلاع ہے تمہارے دلوں کی بات کی سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔

یہ آیت سُن کر میں اپنے قصور پر نادم ہوا اور دل ہی دل میں اس گناہ کی معافی چاہی' اس شخص نے پھر مجھے مخاطب کیا' اور اس مرتبہ یہ آیت پڑھ کر غائب ہو گیا۔

هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ (پ ۱۱ ر ۲ آیت ۱۰۴)

وہ (ہی) اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

زکریا ابن داؤد کہتے ہیں کہ ابو العباس ابن مسروق' ابو الفضل ہاشمی کے گھر گئے' وہ اس وقت بیمار تھے' بیچارے کثیر العیال ہونے کے ساتھ ساتھ گذر بسر کے ظاہری اسباب سے بھی محروم تھے' جب ابو العباس ان کے پاس سے اٹھنے لگے تو انہوں نے دل میں سوچا کہ خداوندا یہ شخص کہاں سے کھاتا ہو گا' اور اس کے بچے کس طرح زندگی گذارتے ہوں گے۔ ابو العباس کہتے ہیں کہ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ابو الفضل ہاشمی نے چیخ کر کہا کہ ابو العباس! خبردار! اس طرح کی بے ہودہ بات آئندہ مت سوچنا' اللہ تعالیٰ کے مخفی الطاف و عنایات بھی ہوتے ہیں۔ احمد نقیب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت شبلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اے احمد اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے میں نے عرض کیا "حضرت! کیا بات ہے؟" فرمایا ابھی میں بیٹھا ہوا یہ سوچ رہا تھا کہ تم بخیل ہو' احمد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: نہیں! میں بخیل نہیں' اس کے بعد آپ کچھ دیر سوچتے رہے' پھر فرمایا: بلاشبہ تم بخیل ہو۔ میں نے اپنے دل میں طے کیا کہ جو کچھ آج مجھے ملے گا وہ میں اس فقیر کو دے دوں گا جو سب سے پہلے نظر آئے گا' ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک شخص میرے پاس پچاس دینار لے کر آیا' اور کہنے لگا کہ یہ دینار تم اپنی ضرورت میں خرچ کرنا۔ میں وہ دینار لے کر کسی فقیر کی تلاش میں باہر نکلا' اتفاق سے پہلا فقیر مجھے ایک نائی کی دکان پر سر منڈاتے ہوئے نظر آیا' میں نے دینار کی تھیلی فقیر کی طرف بڑھائی' فقیر نے نائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ مال اسے دے دو' میں نے کہا جناب یہ پوری پچاس دینار ہیں' اس نے کہا پھر کیا بات ہے' ہم نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم بخیل ہو' میں نے وہ تھیلی نائی کو دینی چاہی' نائی نے کہا کہ جب یہ فقیر ہمارے سامنے بیٹھے تھے تو ہم نے یہ عہد کر لیا تھا کہ ان سے اُجرت نہیں لیں گے' میں نے وہ دینار دجلہ کی نذر کر دیئے' اور کہنے لگا کہ جو شخص تمہاری عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرتا ہے۔ حمزہ بن عبداللہ علویؒ کہتے ہیں کہ میں ابو الخیر تینانی کے دولت کدے پر حاضر ہوا' اس وقت میرے دل میں یہ خیال تھا کہ میں صرف سلام و دعا کے بعد واپس آجاؤں گا' کھانا نہیں کھاؤں گا جب میں ملاقات کے بعد باہر آیا تھا میں نے دیکھا کہ ابو الخیر تینانی میرے پیچھے پیچھے کھانا لئے چلے آرہے ہیں' میں ٹھہر گیا' انہوں نے مجھ سے کہا! عزیز! لو اَب کھاؤ' میرے خیال میں تمہارا عہد میرے گھر نہ کھانے کا تھا' اور اب تم گھر سے باہر آچکے ہو۔

ابوالخیر ینانی کی کرامات بڑی مشہور تھیں۔ چنانچہ ابراہیم رقی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ ان سے ملاقات کے لیے گیا' مغرب کی نماز انہوں نے پڑھائی' مجھے اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ بھی صحیح طریقے سے نہیں پڑھی تھی میں نے دل میں سوچا کہ میرا مقصدِ سفر فوت ہوگیا' نماز کے بعد میں قضائے حاجت کے لیے باہر نکلا تو ایک شیر نے مجھ پر حملہ کرنا چاہا میں اُلٹے پاؤں واپس آیا' اور میزبان سے عرض کیا کہ باہر شیر موجود ہے' اور میرے درپئے آزار ہے' انہوں نے وہیں سے شیر کو للکارا کہ ہم نے تجھ سے کہہ دیا تھا کہ ہمارے مہمانوں کو نہ ستایا کر' شیر نے ان کی آواز سنی تو سر پر پاؤں رکھ کر جنگل کی طرف بھاگا' اور میں نے اطمینان کے ساتھ اپنی ضرورت پوری کی' واپس آیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے اپنے ظاہر کو سیدھا کیا اس لیے تم شیر سے ڈرتے ہو' ہم نے اپنے باطن کو سیدھا کیا ہے اس لیے شیر ہم سے ڈرتا ہے۔

اس طرح کے واقعات بے شمار ہیں جن سے بزرگانِ اُمت' اور صلحائے دین کی مؤمنانہ فراست کا ثبوت ملتا ہے' لوگوں کے دلوں کا حال جاننا' ان کے خیالات سے آگاہ کردینا' حضرت خضر علیہ السلام سے ملنا اور گفتگو کرنا یا غیبی ہواتف سننا اور مخفی اشارے سمجھنا۔ یہ سب وہ امور ہیں کہ ان کے بارے میں اَن گنت حکایات زبان زدِ عوام و خواص ہیں' لیکن اس شخص کے لیے یہ واقعات و حکایات کافی نہیں ہیں جس کا شیوہ ہی انکار ہو' جب تک خود اس کے نفس میں اس کا مشاہدہ نہ ہوگا وہ ہر بات کا انکار کرتا رہے گا۔

<u>دو ناقابلِ انکار دلیلیں</u> : ہمارے پاس دو دلیلیں ایسی ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں سے ایک کا تعلق عجیب و غریب سچے خوابوں سے ہے ان خوابوں کے ذریعہ غیب کی بہت سی باتیں منکشف ہوجاتی ہیں' اگر نیند کی حالت میں احوال منکشف ہوسکتے ہیں تو بیداری کی حالت میں منکشف ہونا بھی محال نہیں ہے۔ اس لیے کہ جس طرح نیند کی حالت میں حواس ساکن ہوجاتے ہیں۔ اور ظاہری محسوسات میں مشغول نہیں رہتے' اسی طرح بعض اوقات بیداری کی حالت میں بھی آدمی کی توجہ سمٹ کر ایک نقطے پر مُرتکز ہوجاتی ہے' نہ وہ آواز سنتا ہے' نہ کوئی حرکت محسوس کرتا ہے' نہ کسی چیز کی طرف دیکھتا ہے' بلکہ اپنی خیال و فکر میں پوری طرح محو رہتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل کے بارے میں بہت سی غیب کی خبریں بتلائیں جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے جب نبی غیب کی باتیں بتلا سکتا ہے تو غیر نبی کے لیے بھی اس کا امکان ہے' کیوں کہ نبی اس شخص کو کہتے ہیں جس کو حقائقِ امور مکاشفہ سے معلوم ہوں اور وہ خلق کی اصلاح میں مشغول ہو' یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایسا ہو کہ جس پر حقائقِ امور تو منکشف ہوں لیکن وہ اصلاحِ خلق میں مشغول نہ ہو' یہ شخص نبی نہیں کہلاتا بلکہ ولی کہلاتا ہے۔

جو شخص انبیاء پر ایمان رکھتا ہے' اور سچے خوابوں کا اعتراف کرتا ہے اسے لامحالہ یہ اقرار بھی کرنا پڑے گا کہ قلب کے دو دروازے ہیں ایک خارجی محسوسات کی طرف کھلتا ہے' اور ایک عالمِ ملکوت کی طرف' یہ الہام' القاء اور وحی کا دروازہ ہے' اگر ان دونوں دروازوں کا اقرار کرلیا تو اب یہ ممکن نہیں کہ وہ علوم کو تعلّم اور تحصیلِ علم کے معتاد اسباب پر منحصر رکھے بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بعض علوم مجاہدہ و ریاضت کے نتیجے میں حاصل ہوں۔

خواب میں امور کا انکشاف کیوں ہوتا ہے؟ اور فرشتے انبیاء اور اولیاء کے سامنے مختلف صورتوں میں کیوں آتے ہیں؟ ان دونوں سوالوں کا جواب قلب کے عجائب اسرار سے ہے اور یہ علم مکاشفہ کا موضوع ہے' اس موضوع سے متعلق جو کچھ یہاں بیان کیا گیا وہ مجاہدہ کی ترغیب کے لیے بہت کافی ہے۔ ایک صاحبِ کشف بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھ سے فرشتوں (کراماً کاتبین) نے کہا کہ آپ اپنے ذکرِ خفی اور مشاہدۂ توحید کا کچھ حال لکھ کر ہمیں دے دیں' ہم آپ کے اعمال لکھتے نہیں ہیں۔ اگر آپ لکھ دیں تو ہم وہی صحیفہ لے کر آسمان پر چلے جائیں ہماری خواہش ہے کہ آپ اس عمل کی نشاندہی ضرور فرمائیں جس کے ذریعہ آپ باری تعالیٰ کا تقرّب حاصل کرتے ہیں' میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم فرائض بھی نہیں لکھتے؟ انہوں نے جواب دیا: فرائض تو لکھتے ہیں۔ میں نے کہا: بس تمہارے لیے اسی قدر لکھنا کافی ہے معلوم ہوا کہ کراماً کاتبین بھی قلب کے اسرار سے واقف نہیں ہوپاتے انہیں صرف ظاہری اعمال کا علم رہتا ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک ابدال سے مشاہدۂ یقین کے بارے میں سوال کیا تو انہوں

نے پہلے اپنی بائیں جانب دیکھ کر پوچھا! کیوں بھائی کیا کہتے ہو' اللہ تم پر رحم کرے' پھر دائیں جانب متوجہ ہوئے اور یہی الفاظ کہے' اس کے بعد مجھے ایسا عجیب و غریب جواب دیا جو اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ پھر میں نے ان سے دائیں اور بائیں طرف متوجہ ہونے کی وجہ معلوم کی' فرمایا کہ مجھے تمہارے سوال کا جواب معلوم نہیں تھا' اس لیے پہلے میں نے بائیں طرف کے فرشتے سے پوچھا اس نے لاعلمی ظاہر کی' دائیں جانب کے فرشتے سے دریافت کیا اس نے بھی نفی میں جواب دیا پھر میں نے اپنے دل سے دریافت کیا' اس نے جو کچھ بتلایا وہ میں نے تمہارے گوش گذار کردیا ہے حدیث شریف "ان فی امتی محدثین وان عمر منہم" کے مصداق یہی لوگ ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ایما عبداطلعت علی قلبہ فرایت الغالب علیہ التمسک بذکری تولیت سیاستہ وکنت جلیسہ ومحادثہ وانیسہ

میں جس بندے کے دل پر اپنے ذکر کا تمسک غالب پاتا ہوں اس کی سیاست کا منتظم ہو جاتا ہوں اور اس کا ہم نشین' ہم کلام اور انیس بن جاتا ہوں۔

ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ قلب کی مثال ایک گنبد کی سی ہے جس کے چاروں طرف بند دروازے ہیں ان میں سے جو دروازہ کھل جاتا ہے وہ اس میں کام کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قلب کے دروازوں میں سے ایک دروازہ عالم ملکوت اور ملأ اعلیٰ کی طرف بھی کھلتا ہے' یہ دروازہ مجاہدہ' تقویٰ' اور دُنیوی شہوتوں سے اعراض و انحراف کے بغیر وا نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی فوج کے افسروں کے نام ایک مکتوب میں یہ ہدایت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جو کچھ تم سے کہیں وہ یاد رکھا کرو' اس لیے کہ ان پر اُمورِ صادقہ منکشف ہوتے ہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ حکماء کے منہ پر باری تعالیٰ کا ہاتھ ہے' ان کے منہ سے صرف وہ بات نکلتی ہے جسے اللہ نے حق قرار دے دیا ہو۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں یہ دعویٰ کرسکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاشعین پر بعض اسرار منکشف فرمادیتے ہیں۔

وَسوسوں کے ذریعہ دل پر شیطان کا غلبہ

وسوسے کے معنیٰ اور غلبۂ شیطان کے اسباب

ابھی قلب کو ایک ایسے گنبد سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے بہت سے دروازے ہیں' اور ہر دروازے سے احوال کی آمد و رفت کا عمل جاری ہے اسی نوعیت کی بے شمار مثالیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ قلب ایک ہدف (وہ تختہ جس پر نشانے کی مشق کی جائے) ہے جس پر چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہوتی ہے یا وہ ایک آئینہ ہے جس میں طرح طرح کی صورتیں یکے بعد دیگرے منعکس ہوتی ہیں' اور کوئی لمحہ خالی نہیں جاتا' یا وہ ایک حوض ہے جس میں ان مختلف نالیوں سے پانی آجاتا ہے جو اس کے اِرد گرد بنائی گئی ہیں اور جن سے اس کا سلسلہ جوڑ دیا گیا ہے۔ قلب میں ان نوبہ نو آثار کا ظہور اور وُرود ظاہری حواس کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور باطنی حواس کے ذریعہ بھی۔ چنانچہ خیال' شہوت' غضب اور دوسرے اخلاق ان ہی مختلف آثار و کیفیات کے نام ہیں۔ دل میں تغیر کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے' چنانچہ کسی چیز کو حواس سے معلوم کیا جائے تو اس سے دل میں اثر پیدا ہوگا اسی طرح اگر غذا کی کثرت' اور مزاج کی قوت کی وجہ سے شہوت کو تحریک ہو تو اس سے بھی دل متأثر ہوگا' قلب کے خیالات بدلتے رہتے ہیں' دل ایک خیال سے دوسرے خیال کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ یہی دل کے تغیر کا مطلب ہے۔ اَفکار و اَذکار کے نتیجے میں پیدا ہونے والے ان آثار کو خواطر کہتے ہیں' فکر و ذکر سے مراد وہ علوم ہیں جن کا قلب ادراک کرے' خواہ وہ نئے ہوں یا پہلے ہوں کہ ان کا تذکرہو' خواطر کا نام خواطر اس لیے رکھا جاتا ہے کہ وہ دل پر طاری ہوتے ہیں جب کہ وہ ان سے غافل ہوتا ہے۔ انہی خواطر سے ارادوں کو تحریک ملتی ہے اس لیے

کہ نیت، عزم اور ارادہ کسی خیال کے دل میں گذرنے کے بعد ہی ہوتا ہے افعال کی ابتدا خواطر سے ہوتی ہے، خاطر سے رغبت کو، رغبت سے عزم کو، عزم سے نیت کو، اور نیت سے اعضاء کو تحریک ملتی ہے۔

خواطر کی دو قسمیں، الہام اور وسوسہ: پھر رغبت کو تحریک دینے والے خواطر کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ خاطر ہے جس سے شر یعنی اس امر کی دعوت ملے جو عاقبت کے لیے مضر ہو، اور دوسرا خاطر وہ ہے جو خیر یعنی اس امر کا داعی ہو جس سے آخرت میں نفع ہو، اس طرح یہ دو مختلف خاطر ہوئے اور ان دونوں کے نام بھی الگ الگ ہیں۔ محمود خاطر کا نام الہام اور مذموم خاطر کا نام وسوسہ ہے یہ بات آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ خواطر حوادث ہیں، اور حوادث کے لیے مُحدِث (بانی) کا ہونا ضروری ہے اور کیوں کہ حوادث مختلف ہوتے ہیں، ان کا اختلاف یہ بتلاتا ہے کہ حوادث کے اسباب بھی مختلف ہوں گے اسباب اور مسببات کی ترتیب میں سنت اللہ اسی طرح جاری و ساری ہے، جیسا سبب ہوتا ہے ویسا ہی اس کا مسبّب ہوتا ہے، چنانچہ اگر کسی کمرے میں آگ جلائی جائے اور اس کی روشنی سے کمرے کی دیواریں روشن اور دھویں سے چھت سیاہ ہو جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ چھت کی سیاہی کا سبب روشنی ہے، اسی طرح دل کے نور اور سیاہی کے اسباب بھی جداگانہ ہیں اس خاطر کے سبب کا نام فرشتہ ہے جو داعی خیر ہے، اور اس خاطر کے سبب کو شیطان کہتے ہیں جو شر کا داعی ہے۔ وہ لطافت و رقت جس سے قلب میں خیر کے الہام کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے توفیق کہلاتی ہے، اور جس سے شیطانی وسوسوں کے قبول کرنے پر مدد ملے اسے خذلان کہتے ہیں۔ معانی کے اختلاف سے الفاظ بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔

فرشتہ و شیطان: فرشتے سے مراد وہ مخلوق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خیر پھیلانے، علم کی روشنی عام کرنے، حق کا انکشاف کرنے، خیر کا وعدہ کرنے اور امر بالمعروف کرنے کے لیے پیدا کیا ہے، فرشتہ اپنے ان ہی کاموں کے لیے مسخر ہے۔ اور شیطان سے مراد وہ مخلوق ہے جو مذکورہ بالا امور میں فرشتے کی ضد ہو، یعنی وہ شر کا وعدہ کرے، برائیوں کی دعوت دے، اور خیر پر آمادہ نظر آنے والے کو ڈرائے، اس سے معلوم ہوا کہ وسوسہ الہام کے مقابلے میں، شیطان فرشتے کے مقابلے میں اور خذلان توفیق کے مقابلے میں ہے، اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (پ ۲۷ ر ۲ آیت ۴۹)

اور ہم نے ہر چیز کو دو دو قسم بنائی۔

یعنی تمام موجودات ایک دوسرے کے مقابل اور جوڑے ہیں، سوائے خداوند قدوس کے وہ یکتا ہے، اس کا کوئی مقابل نہیں، وہ ایک ہے، برحق ہے، اور تمام جوڑوں کا خالق ہے۔

فرشتہ اور شیطان دونوں ہی قلب کو اپنی اپنی طرف کھینچنے میں مصروف رہتے ہیں، چنانچہ روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

في القلب لمتان، لمة من الملك ايعاد بالخير و تصديق بالحق، فمن وجد ذالک فليعلم انه من الله سبحانه و ليحمد الله و لمة من العدو وايعاد بالشر و تکذیب بالحق، و نهي عن الخير فمن وجد ذالک فليستعذ بالله من الشيطان الرجيم (ثم تلا هذه الآية) اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ

(ترمذی، نسائی۔ ابن مسعودؓ)

دل میں دو قربتیں ہیں ایک فرشتے کی قربت ہے جس کا کام خیر کا وعدہ کرنا اور حق کی تصدیق کرنا ہے، جس کو یہ معلوم ہو تو اسے جان لینا چاہئے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس پر خدا کا شکر ادا کرے، دوسری قربت

شیطان کی ہے' اس کا کام حق کو جھٹلانا اور خیر سے منع کرنا ہے' جس شخص کو یہ معلوم ہو تو اسے شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اور شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور برائیوں کا حکم دیتا ہے۔"

حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ ہم (قصد و ارادہ) دل کے اردگرد پھرتے ہیں' ایک ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے' اور ایک دشمن کی طرف سے' اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو اپنے ہم کے وقت توقف کرے' اگر وہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اسے جاری کرنا چاہئے (اس پر عمل کرنا چاہئے) اور دشمن کی طرف سے ہو تو اس کے خلاف جہاد کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں ان ہی دو قاصدوں کی کھینچا تانی کی طرف اشارہ ہے:۔

قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن

مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

اللہ تعالیٰ اس سے برتر و بلند ہے کہ اس کی کوئی انگلی گوشت' پوست' خون اور ہڈی سے بنی ہوئی ہو' بلکہ انگلی سے یہاں مراد یہ ہے کہ جس طرح آدمی انگلیوں کے ذریعہ جلدی جلدی کام کرتا ہے' اور تیزی کے ساتھ اُلٹ پلٹ کرتا ہے' حرکت دیتا ہے' اسی طرح باری تعالیٰ بھی فرشتے اور شیطان کو مسخر کرکے ان سے جلد جلد کام لیتا ہے' یہ دونوں قلوب کو اُلٹنے پلٹنے کے لیے مسخر ہیں جس طرح تمہاری انگلیاں جسموں کو اُلٹنے پلٹنے کے لیے مسخر ہیں۔ قلب اپنی فطرت کے لحاظ سے فرشتے اور شیطان دونوں ہی کے آثار مساوی طور پر قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے' کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں ہے۔ البتہ نفسانی خواہشات کی اتباع اور ان کی مخالفت سے کسی ایک جانب کو ترجیح ہوتی ہے' چنانچہ اگر انسان غضب اور شہوت کے تقاضوں پر عمل کرے گا تو ہوائے نفس کے واسطے سے شیطان غالب آجائے گا' اور دل اس کو گھونسلہ' یا اس کا ملجاء اور ماویٰ ہو گا اس لیے کہ ہوائے نفس شیطانی چراگاہ ہے' اگر کسی نے خواہشات کے خلاف جہاد کیا' اور انہیں اپنے نفس پر مسلط نہ ہونے دیا اور ملائکہ کے اخلاق سے مشابہت اختیار کی تو اس کا قلب ملائکہ کا مستقر' اور ان کی منزل قرار پائے گا۔

جس دل میں شہوت' غضب' حرص' طمع' اور طول امل وغیرہ شیطانی صفات ہوں وہ دل ہر حالت میں شیطانی وسوسوں کی جولان گاہ ہو گا۔ حدیث شریف میں ہے:۔

ما منکم من احد الا ولہ شیطان' قالوا وانت یارسول اللہ؟ قال وانا الا ان اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یامر الا بخیر (مسلم۔ عبداللہ ابن مسعودؓ)

تم میں سے ہر شخص پر ایک شیطان (مقرر) ہے صحابہ نے عرض کیا: اور آپ پر بھی یا رسول اللہ؟ فرمایا: ہاں! مجھ پر بھی' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد فرمائی وہ مسلمان ہو گیا وہ سوائے خیر کے مجھے کچھ نہیں کہتا۔)

شیطان شہوت کو اپنے تصرفات کا ذریعہ بناتا ہے' جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی شہوت پر مدد دے اور وہ شہوت اس کی اس قدر مطیع ہو جائے کہ مناسب حدود کے سوا اس کا ظہور نہ ہو تو وہ شر کی داعی نہیں ہوتی' اور نہ شیطان ہی کا یہ بس چلتا ہے کہ وہ اس شہوت کو اپنے مقاصد میں استعمال کرسکے۔ شیطان کے لیے دلوں میں وسوسے ڈالنے کی گنجائش اسی وقت ہوتی ہے جب ان پر دنیا کا ذکر اور نفس کی خواہش غالب ہوتی ہے۔ اگر دل ذکر اللہ کی طرف پھر جائے تو شیطان کے لیے رخت سفر باندھنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں رہتا۔ اور وسوسے پھیلانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی' اس وقت فرشتہ آتا ہے' اور خیر کا امر کرتا ہے' فرشتوں اور شیطانوں کے دونوں لشکر ہمیشہ اسی طرح برسرپیکار رہتے ہیں' اور یہ کشمکش اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک دل ان میں

یہ روایت پہلے بھی کئی بار گذر چکی ہے

سے کسی ایک کا مطیع اور مفتوح نہیں ہو جاتا۔ اس صورت میں دل فاتح کا مسکن اور مستقر بن جاتا ہے' حریف کا گذر اگر ہو تا بھی ہے تو حملہ آور کی حیثیت سے ہوتا ہے' قابض اور فاتح کی حیثیت سے نہیں۔ افسوس! صد افسوس! اکثر دلوں کو شیاطین نے اپنی ریشہ دوانیوں کے لیے مسخر کر رکھا ہے' یہ مفتوح' مملوک اور مغلوب شیطانی وسوسوں کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں' انہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے' شیطانی لشکر کے غالب ہونے کی وجہ شہوات نفس کا اتباع ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی واپسی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ شیطانی قوت اپنا قبضہ ہٹائے' اور نفسانی خواہشات سے دل خالی ہو' اور اللہ کے ذکر سے آباد و معمور ہو۔ اللہ کے ذکر سے فرشتے دل کی وادی میں اترتے ہیں اور شیطان کو اپنے لاؤ لشکر سمیت راہ فرار اختیار کرنی پڑتی ہے۔ جابر ابن عبیدۃ العدوی کہتے ہیں کہ میں نے علاء ابن زیاد سے اپنے دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں کی شکایت کی' فرمایا: اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گھر میں چور گھسیں' اگر اس گھر میں کچھ ہوا تو وہ چرا لے ہی جائیں گے' اور کچھ نہ ہوا تو انہیں ناکام واپس جانا ہو گا۔ اس مثال کے ذریعہ ابن زیاد نے یہ بتلایا کہ ہوائے نفس سے خالی دل میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (پ ۱۵ ر ۷ آیت ۶۵)

میرے خاص بندوں پر تیرا ذرا قابو نہ چلے گا۔

جو شخص ہوائے نفس کا متبع ہے وہ بندۂ خدا نہیں بلکہ بندۂ ہوا ہے' ایک جگہ ارشاد ہے:۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ (پ ۲۵ ر ۱۹ آیت ۲۳)

سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔

اس آیت میں صراحت کے ساتھ بتلا دیا گیا ہے کہ ہوائے نفس کے متبعین نے ہوائے ہوس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

شیطان سے بچنے کا راستہ: حضرت عمرو بن العاص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! شیطان میرے اور میری نماز کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (یعنی جب میں تلاوت کرتا ہوں تو مجھے دوسری چیزوں میں الجھا دیتا ہے)۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ذالک شیطان یقال لہ خنزب' فاذا احسستہ فتعوذ باللہ منہ واتفل عن یسارک ثلاثا (مسلم۔ ابن ابی العاص)

وہ شیطان ہے اسے خنزب کہا جاتا ہے' جب تم اسے محسوس کرو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگو اور اپنی بائیں جانب تین مرتبہ تھوک دو۔

عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس طریقے پر عمل کیا تو وہ شکایت دور ہو گئی۔ ایک حدیث میں ہے:

ان للوضوء شیطانا یقال لہ الولہان فاستعیذوا باللہ منہ (ترمذی۔ ابی ابن کعب)

وضو کا ایک شیطان ہوتا ہے جسے ولہان کہتے ہیں اس شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ شیطان سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر اس ذکر سے شیطان کی روح فنا ہوتی ہے اور وہ تمام حربوں میں ناکام ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے شیطان کے دفع ہونے کی ایک عقلی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ دل شیطانی وسوسوں سے اسی وقت خالی ہو گا جب اس میں کوئی دوسری چیز داخل ہو گی۔ کیوں کہ جب دل میں ایک بات آتی ہے تو پہلے سے موجود بات باقی نہیں رہتی چنانچہ دل کو کسی دوسری بات کی طرف متوجہ کرنے سے شیطانی وسوسہ ختم ہو جائے گا' لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نئی بات میں بھی وسوسہ پیدا ہو جائے۔ صرف ذکر الٰہی ہی ایک ایسی بات ہے کہ اس کی موجودگی میں شیطان کو دم مارنے کا یارا نہیں رہتا۔ یہ قاعدہ ہے کہ ہر چیز کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے شیطانی وسوسوں کی ضد استعاذہ' اور اپنی طاقت

وقوت سے بر آءت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، جیسا کہ ہم شیطان سے بچنے کے لیے کہتے ہیں:

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ

میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں گناہ سے بچنے کی طاقت اور عبادت کی قوت صرف اللہ برتر عظیم ہی کی طرف سے ہے۔

شیطان سے اپنے دفاع پر وہی لوگ قدرت رکھتے ہیں جو متقی ہیں، اور جن پر اللہ تعالیٰ کا ذکر غالب ہے، شیطان انہیں بھی اپنی عیاری سے زیر کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ ذکر الٰہی کی قوت کی مدد سے اسے شکست دے دیتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ (پ۹ ر۱۴ آیت ۲۰۱)

یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ کی تفسیر میں مجاہد نے فرمایا ہے کہ شیطان دل پر چھایا ہوا ہے جب صاحب دل اللہ کا نام لیتا ہے تو وہ دبک جاتا ہے، اور سکڑ کر بیٹھ جاتا ہے، اور جب غافل ہوتا ہے تو بدستور پھیلا رہتا ہے، اللہ کے ذکر اور شیطان کے وسوسے میں اس قدر تضاد ہے جس قدر اُجالے اور اندھیرے میں ہے، یا دن اور رات میں ہے کہ ان میں سے ایک آجائے تو دوسرا اپنے وجود سے محروم ہوجاتا ہے۔ آیت کریمہ میں اسی تضاد کی طرف اشارہ ہے:

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ (پ۲۸ ر۳ آیت ۱۹)

ان پر شیطان نے پورا تسلط کرلیا ہے، سو اس نے ان کو خدا کی یاد بھلادی ہے۔

حضرت انسؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الشیطان واضع خرطومه علی قلب ابن آدم، فان هو ذکر اللّٰه تعالی قنس وان نسی اللّٰه تعالی التقم قلبه (ابن ابی الدنیا، ابو یعلی، ابن عدی)

شیطان اپنی دُم بنی آدم کے دل پر رکھے ہوئے ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے اور اللہ کو بھول جاتا ہے تو اس کے دل کو نگل لیتا ہے۔

ابن وضاح سے روایت ہے کہ جب آدمی چالیس برس کا ہوجاتا ہے، اور اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار نہیں کرتا تو شیطان اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس حسین صورت کے قربان جاؤں جسے فلاح نصیب نہیں ہوگی۔ جس طرح شہوتیں انسان کے گوشت اور خون میں خلط ملط ہیں اسی طرح شیطان بھی اس کی رگوں میں خون کے ساتھ ساتھ دوڑنے میں مصروف ہے، اور دل کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے، چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الشیطان یجری من بنی آدم مجری الدم فضیقوا مجاریه بالجوع

شیطان انسان کے جسم میں خون کیساتھ ساتھ گردش کرتا ہے، اسکے پھرنے کی جگہوں کو بھوک سے تنگ کردو۔

بھوک کے ذریعہ راستے مسدود کرنے کی ہدایت اس لیے دی گئی کہ بھوک سے شہوت ختم ہوتی ہے اور شیطان شہوات کے ساتھ ہی جسموں میں داخل ہو کر خون رواں کے ساتھ گردش کرنے لگتا ہے، خاص طور پر دل کے چاروں طرف کیوں کہ شہوات کا مرکز دل ہی ہوتا ہے۔ اس کا چاروں طرف سے حملہ کرنے کا ثبوت اس آیت سے ملتا ہے، جس میں باری تعالیٰ نے اسی کی زبانی حکایت

---

(۱) اس روایت کی اصل نہیں ملی (۲) یہ حدیث اس سے پہلے بھی گزر چکی ہے۔

کی ہے' شیطان کہتا ہے:

لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ (پ ۸ ر ۹ آیت ۱۷)

میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا پھران پر حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی' اور ان کی داہنی جانب سے بھی اور ان کی بائیں جانب سے بھی۔

حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الشیطان قعد لابن آدم بطرق فقعد له بطریق الاسلام' فقال: اتسلم؟ وتترک دینک ودین آباءک' فعصاه واسلم' ثم قعدله بطریق الهجرة فقال: اتهاجر؟ اتدع ارضک وسماءک؟ فعصاه وهاجر ثم قعدله بطریق الجهاد' فقال اتجاهد وهو تلف النفس والمال فتقاتل فتقتل فتنکح نساءک ویقسم مالک فعصاه وجاهد وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم فمن فعل ذالک فمات کان حقا علی الله ان یدخله الجنة (نسائی۔ سبرة بن ابی فاکہ)

شیطان آدمی کی کئی راہوں پر بیٹھا اسلام کے راستے میں بیٹھا اور (گذرنے والے سے) پوچھنے لگا کہ کیا تو مسلمان ہوجائے گا' اور اپنے اور اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑ دے گا؟ اس شخص نے شیطان کی بات نہیں مانی اور مسلمان ہوگیا' پھر وہ اس کے ہجرت کے راستے میں جا بیٹھا اور اسے روک کر پوچھنے لگا کہ کیا تو ہجرت کررہا ہے' کیا تو اپنی زمین اور اپنا آسمان خیرباد کہہ رہا ہے' مہاجر نے شیطان کی بات پر کان نہیں دھرے اور ہجرت کی پھر وہ اس کے جہاد کی راہ میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ کیا تو جہاد کرے گا' جہاد میں جان اور مال دونوں ہی کا ضیاع ہے' تو جنگ کرے گا قتل کردیا جائے گا' تیرے بعد لوگ تیری بیویوں سے نکاح کریں گے اور تیرا مال تقسیم کیا جائے گا' مگر مجاہد نے اس کا کہنا نہیں مانا اور جہاد کیا' اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ایسا کیا اور مرگیا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں ضرور داخل کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بموجب وسوسے یہی خواطر ہیں جو شیطان کے بہکانے سے آدمی کے دل میں گذرتے ہیں کہ جہاد میں مارا گیا تو میری بیویاں دوسروں کے نکاح میں آجائیں گی' میرا مال تقسیم ہوجائے گا یا ہجرت کروں گا تو مجھ سے میرا پیارا وطن چھوٹ جائے گا یا اسلام لاؤں گا تو اپنے دین اور آباء واجداد کے دین کو چھوڑنا پڑے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ خواطر سب کو معلوم ہیں' وسوسے سے بھی ہر شخص واقف ہے' اور یہ بات بھی علم میں آچکی ہے کہ ان خواطر اور وساوس کا سبب شیطان ہے جہاں تک ان خواطر اور وساوس کا تعلق ہے کوئی شخص ان سے خالی نہیں ہوسکتا جیسا کہ حدیث میں ہے ما من احد الا وله شیطان (ہر شخص کے لیے ایک شیطان ہے) اگر کوئی فرق ہے تو صرف اس قدر کہ بعض لوگ شیطان کی مخالفت کرتے ہیں' اور بعض لوگ اس کی اتباع کرتے ہیں۔

شیطان کیا ہے؟: یہاں کچھ لوگ شیطان کی ماہیت کا سوال اٹھاسکتے ہیں کہ آیا وہ جسم لطیف رکھتا ہے یا اس کا کوئی جسم ہی نہیں ہے نیز اگر وہ جسم ہے تو انسان کے جسم میں کس طرح گھس جاتا ہے' اور اس کی رگوں میں کیسے دوڑتا ہے؟ شیطان کی ماہیت اور کیفیت کا تعلق علم معاملہ سے نہیں ہے' اس طرح کے سوالات اٹھانے والے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے بدن میں سانپ گھس جائے تو وہ اسے نکالنے کی فکر کی بجائے اس کی شکل' رنگ' لمبائی اور چوڑائی کے قصے لے کر بیٹھ جائے' یہ جہالت محض ہے' شیطان تمہارا دشمن ہے' اس کی دشمنی کھلی کتاب کی طرح واضح ہے' تمہیں اس کے خلاف مصروف جہاد ہونا چاہیے وہ

تمہارے جسموں میں' دلوں میں رگوں میں چھپا بیٹھا ہے تمہیں اسے نکالنے کی فکر کرنی چاہیے' اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں شیطان کی عداوت کا ذکر متعدد بار کیا ہے۔ فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ (پ ۲۲ ر ۱۳ آیت ۶)

بے شک یہ شیطان تمہارا دشمن ہے' سو تم اس کو (اپنا) دشمن سمجھتے رہو' وہ تو اپنے گروہ کو محض اس لیے (باطل کی طرف) بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جائیں۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (پ ۲۳ ر ۳ آیت ۶۰)

اے اولاد آدم! کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کردی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

انسان کو چاہئے کو وہ اپنے آپ کو اس دشمن سے بچائے' یہ نہ پوچھے کہ وہ دشمن کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس کا نسب کیا ہے؟ اس کا رنگ کیسا ہے؟ پوچھنا ہی ہے تو یہ پوچھے کہ دشمن کس طرح حملہ کرتا ہے' اس کے پاس کون کون سے ہتھیار ہیں' اور وہ اپنے دشمن کو زیر کرنے کے لیے کن تدابیر پر عمل کرتا ہے؟ یہ پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ دشمن کے ہتھیار نفس کی خواہشات ہیں' وہ ان ہی خواہشات کے زور پر جسم کی مملکت میں اندر تک چلا جاتا ہے' اور وساوس کی تدبیروں سے کمزور ایمان والوں کو شکست دے دیتا ہے' شیطان کے حملوں سے بچنے کی تدبیر بھی بیان کردی گئی ہے اور اس ہتھیار کا ذکر بھی کردیا گیا ہے جسے دیکھ کر شیطان کی ہمت جواب دے دیتی ہے' اور وہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے' عوام تو پھر عوام ہیں' ہم علماء کو بھی اس سے زیادہ جاننے کی اجازت نہیں دیں گے' شیطان کی ذات و صفات کی معرفت اور ملائکہ کی حقیقت کا علم عارفین کا کام ہے' یہ لوگ علم مکاشفہ میں مستغرق رہتے ہیں۔

<u>خواطر کی قسمیں</u> : خواطر کی تین قسمیں ہیں۔ اول وہ جو یقینی طور پر خیر کے داعی ہوں' ان خواطر کو کسی تردد کے بغیر الہام کہا جاسکتا ہے' دوم وہ جو یقینی طور پر شر کی دعوت دیتے ہیں' ان خواطر کو شیطانی وسوسہ کہنے میں کسی شبہ کی ضرورت نہیں ہے' سوم وہ جو الہام اور وسوسہ کے درمیان ہوں یعنی ان کے متعلق قطعیت کے ساتھ یہ نہ کہا جاسکتا ہو کہ یہ فرشتے کی طرف سے ہیں یا شیطان کی طرف سے' اس لیے کہ شیطان کے فریب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ شر کو خیر بنا کر پیش کرتا ہے' اس میں امتیاز کرنا بڑا مشکل ہے اکثر لوگ اس فریب کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں' مثلاً وہ عالم کو نصیحت کے پیرائے میں کہتا ہے کہ "لوگوں کو دیکھو' جہالت انہیں موت کی طرف دھکیل رہی ہے' اور غفلت ہلاکت سے قریب کر رہی ہے' وہ دوزخ کے کنارے تک پہنچ چکے ہیں' قریب ہے کہ خدائی قہر کی آگ انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے' کیا تمہیں اللہ کے ان بندوں پر رحم نہیں آتا کہ انہیں اپنی قیمتی نصائح اور عالمانہ مواعظ کے ذریعہ ہلاکتوں سے نجات دلاؤ' اللہ تعالیٰ نے تمہیں بصیرت' فراست' اور دردمندی جیسے اوصاف سے نوازا ہے' تمہاری زبان میں کشش ہے' تمہارا لہجہ مقبول ہے' تمہارے الفاظ میں ایمان کی روشنی ہے' تم کیوں اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناقدری کر رہے ہو' ایسا نہ ہو کہ تمہیں اس ناقدری کی سزا ملے اور تم باری تعالیٰ کی ناراضگی مول لو' ہو سکتا ہے کہ تم سزا کے طور پر اشاعت علم' اور دعوت الی اللہ کی صلاحیت سے محروم کردیئے جاؤ۔" یہ اور اس طرح کی دوسری تلقینیں وہ اتنی بار کرتا ہے کہ عالم کا دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا بالآخر وہ وعظ گوئی کے میدان میں قدم رکھتا ہے' اور اپنی خلوت سے نکل کر لوگوں کے مجمع میں آجاتا ہے' اب شیطان اسے یہ فریب دیتا ہے کہ کوئی بات اس وقت تک اچھی طرح دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتی جب تک کہنے والا خوش وضع خوش لباس' اور خوش گلو نہ ہو' مقرر بیچارہ اس فریب میں بھی آجاتا ہے رفتہ رفتہ وہ اسے اس مقام تک لے آتا ہے جہاں سے

ریا، تکبر، خود پسندی، جاہ و منصب کی طلب پیدا ہوتی ہے، اور اپنے علاوہ ہر آدمی حقیر نظر آتا ہے، غور کیجئے، اس شیطان نے خیر کے پردے میں شر کے کتنے سامان پیدا کئے بظاہر یہ تمام باتیں عالم کی خیر خواہی پر مشتمل تھیں، لیکن درپردہ وہ اسے ہلاکت کی طرف گھسیٹ رہا تھا، واعظ بیچارہ اپنے لفظوں کے گھر لٹاتا پھرتا ہے، اور یہ سوچتا ہے کہ میرا مقصد نیک ہے حالانکہ دل جاہ اور مقبولیت کے لیے مصروف جدّوجہد ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس کی کوششیں بار آور ہوں گی، اور اسے آخرت میں کوئی بلند مرتبہ نصیب ہوگا، حالانکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ لیوید ھذا الدین بقوم لا خلاق لھم ان اللہ لیوید ھذا الدین بالرجل الفاجر

اللہ تعالیٰ اس دین کی ایسے لوگوں سے تائید کرائے گا۔ جن کا دین میں کچھ حصہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس دین کی فاجر شخص سے تائید کرائے گا۔

روایات میں ہے کہ ابلیس ملعون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے کسی شخص کی صورت بنا کر آیا، اور ان سے کہنے لگا کہ لا الہ الا اللہ کہو، حضرت عیسیٰ نے جواب دیا کہ اگرچہ یہ کلمہ حق ہے، لیکن میں تیرے کہنے سے نہیں کہوں گا، آپ کے انکار کی وجہ یہی تھی کہ اس کا خیر بھی تلبیسات سے خالی نہیں ہوتا، اور شیطان کی تلبیسات خیر اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ بھی نہیں کیا جاسکتا، ان تلبیسات کے سبب وہ تمام علماء، عُبّاد، زُہّاد، فقراء اور اغنیاء ہلاک ہوجاتے ہیں جو کُھلا شر کسی حالت میں پسند نہیں کرتے، اور نہ وہ گناہوں کے اِرتکاب پر راضی ہوتے ہیں ہم شیطان کی فریب کاریوں کے کچھ نمونے چوتھی جلد کی کتابُ الغرور میں پیش کریں گے، اور اگر ہمیں زمانے نے مہلت دی، اور عمر نے وفا کی تو ہم خاص طور پر اسی موضوع پر "تلبیس ابلیس" کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں، ہر جگہ، ہر ملک اور ہر قوم میں ہر شخص اس کی تلبیس کا شکار ہے، خاص طور پر عقائد اور فقہی مذاہب کے سلسلے میں اس نے تلبیس کی انتہا کردی، اب خیر اور نیکی صرف رسمی چیز بن کر رہ گئی انسان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ہر خیال اور ہر ارادے پر توقف کرے، اس کے اچھے بُرے پہلوؤں کا جائزہ لے۔ اور یہ دیکھے کہ وہ ارادہ یا خیال شیطانی واہمہ ہے، یا ملکوتی الہام، اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ تأمل کرے، اور غور و فکر کی تمام تر صلاحیت استعمال کرے، کیونکہ یہ بات علم کی کثرت، بصیرت کی گہرائی، اور تقویٰ کے بغیر معلوم نہیں ہوتی جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (پ ۹ ر ۱۴ آیت ۲۰۱)

جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

یعنی وہ ان حالات میں اپنے دلوں کو ٹٹولتے ہیں اور باطن کا نور انہیں جہل کے اندھیروں سے نکال دیتا ہے، کشف و بصیرت کی مدد سے تمام عُقدے کھل جاتے ہیں تقویٰ سے محروم شخص اپنی نفسانی خواہشات کے دباؤ میں شیطانی فریب کو "خیر" سمجھ کر قبول کرلیتا ہے، اور غیر شعوری طور پر تباہی کے راستے پر چل پڑتا ہے، اسی طرح کے لوگوں کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ (پ ۲۴ ر ۲ آیت ۴۷)

اور خدا کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آوے گا جس کا ان کا گمان بھی نہ تھا۔

یعنی جن اعمال کو وہ حسنات (نیکیاں) سمجھتے تھے وہ سیات (برائیاں) ہوں گی۔

شیطانی فریب کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے: علم معاملہ میں سب سے اہم اور غامض بات یہ ہے کہ نفس کے فریبوں

یہ دونوں روایتیں پہلے بھی گزر چکی ہیں۔

اور شیطان کی مکاریوں کی اطلاع رکھے، اور یہ ہر شخص پر فرض ہے، لیکن لوگ اس فرض کی ادائیگی سے غافل ہیں، اور ایسے علوم کی تحصیل میں مصروف ہیں جن سے وسوسوں کو تحریک ملے اور شیطان کو اپنا تسلّط باقی رکھنے کا موقع فراہم ہو، وہ ان علوم میں لگ کر شیطان کی عداوت اور اس سے بچنے کا طریقہ بھول جائیں۔ وسوسوں کی کثرت سے نجات کی صرف یہی صورت ہے کہ خواطر کے دروازے بند کردیئے جائیں، خواطر کے دروازے ظاہر میں حواسِ خمسہ، اور باطن میں شہوات اور دنیاوی علائق ہیں تنگ و تاریک گھر میں گوشہ نشینی اختیار کرنے سے حواسِ خمسہ کی گذرگاہیں مسدود ہوتی ہیں، اور اہل و مال سے دوری شہوت اور دنیا کی محبت کم کرتی ہے۔ اس صورت میں صرف تخیلات کے دروازے کھلے رہیں گے ان دروازوں پر ذکر الٰہی کا پہرہ مقرر کیا جاسکتا ہے، بعض اوقات وہ پہرہ دار کی آنکھ بچا کر دل کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہوجاتا ہے، اور اگر ایسا ہو تو اس "چور" کے خلاف سخت مجاہدے کی ضرورت ہے، اور یہ مجاہدہ کبھی ختم نہیں ہوتا، بلکہ زندگی کے آخری سانس تک جاری رہتا ہے، اس لیے کہ زندہ شخص کبھی شیطان سے بچ کر نہیں رہ سکتا، وہ ہر لحہ تاک میں رہتا ہے، اور موقع پاتے ہی حملہ کردیتا ہے، اس دشمن کے خلاف ہر وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے بعض اوقات انسان اپنے دشمن کو زیر کرلیتا ہے، اور مجاہدے سے اس کے شر کا قلع قمع کردیتا ہے، لیکن یہ شکست دائمی نہیں ہوتی، وقتی ہوتی ہے، موقع ملتے ہی وہ پھر حملہ کردیتا ہے، جب تک جسم میں خون رواں دواں ہے شیطان کے خلاف جہاد کا جاری رہنا ضروری ہے قلب کے "شہر پناہ" کے دروازے زندگی بھر شیطان کے لیے کھلے رہتے ہیں کبھی بند نہیں ہوتے، اور یہ شہوت، غضب، حسد، طمع، اور حرص وغیرہ قلب کے دروازے ہیں عنقریب ان کا بیان آئے گا۔ جب "شہر" کا دروازہ کھلا ہوا ہو، اور دشمن چوکنا ہو تو اس کا دفاع صرف مجاہدے اور نگرانی ہی کے ذریعہ ممکن ہے، ایک شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ اے ابو سعید! شیطان سوتا بھی ہے؟ فرمایا: اگر وہ سوجایا کرے تو ہمیں آرام کے چند لمحے میسّر نہ آجائیں، بہرحال بندہ مؤمن شیطان سے بچ کر تو نہیں گذر سکتا، البتہ اسے شکست دے کر، یا اس کی قوّت کمزور کرکے اپنا دفاع ضرور کرسکتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان المؤمن ینضی شیطانہ کما ینضی احدکم بعیرہ فی سفرہ (احمد۔ ابوہریرہؓ)

بندہ مؤمن شیطان کو اتنا لاغر و کمزور کردیتا ہے جتنا تم اپنے اونٹ کو سفر میں (بوجھ لاد لاد کر) لاغر کردیتے ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مؤمن کا شیطان کمزور ہوتا ہے قیس بن الحجاج کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے شیطان نے کہا کہ جب میں تمہارے اندر داخل ہوا تھا تو اونٹ کی طرح تھا، اور اب چڑیا جیسا ہوں۔ میں نے اس سے اس کی وجہ پوچھی اس نے کہا تم ذکر اللہ کی آنچ سے میرا جسم پگھلاتے رہتے ہو۔ بہرحال اہلِ تقویٰ کے لیے شیطانی دروازے بند کرنا، اور ان کی نگرانی کرنا، یعنی ان ظاہری دروازوں پر پابندی لگانا اور ان واضح طریقوں کا سدّباب کرنا جو معاصی کی طرف داعی ہوں مشکل نہیں ہے، البتہ شیطان کے غامض طریقوں سے وہ بھی دھوکا کھا جاتے ہیں، اور ان سے اپنی حفاظت یا دفاع نہیں کرپاتے جیسا کہ ہم نے علماء اور واعظین کے متعلق بیان کیا کہ شیطان انہیں خیر کے دروازے سے بہلا پھسلا کر شر کی طرف لے آتا ہے۔

مصیبت یہ ہے کہ قلب کی طرف کھلنے والے شیطانی دروازے بہت زیادہ ہیں جب کہ ملائکہ کا دروازہ ایک ہی ہے، یہ ایک ملکوتی دروازہ بے شمار شیطانی دروازوں میں مشتبہ ہوجاتا ہے ان دروازوں کے سلسلے میں آدمی کی مثال اس مسافر کی سی ہوتی ہے جو اندھیری رات میں کسی جنگل کا سفر اختیار کرے، اور کسی جگہ پہنچ کر ٹھہر جائے جہاں سے بے شمار دشوار گذار راستے نکلتے ہیں اور وہ حیران پریشان کھڑا رہ جاتا ہے کہ کس راستے سے آگے بڑھے جو اسے منزل تک پہنچائے۔ ان بے شمار اور غیر واضح راستوں میں سے صحیح راستے کا انتخاب دو طرح کیا جاسکتا ہے، ایک عقل و بصیرت سے، اور دوسرا سورج کی روشنی سے زیر بحث موضوع میں متقی قلب بصیرت و عقل اور کتاب و سنت کے علم کی کثرت روشن سورج کے قائم مقام ہے جس طرح سورج کی روشنی سے منزل کی طرف جانے والا راستہ ملتا ہے اسی طرح کتاب و سنت کے علم کی روشنی منزل کی طرف رہنمائی کرتی ہے، ورنہ شیطان کے راستے بے

شمار ہیں' اور ان سے بچ کر نکلنا دشوار ہے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہمارے سامنے ایک خط کھینچا اور فرمایا ھذا سبیل اللہ (یہ اللہ کا راستہ ہے) اس کے بعد آپ نے اس خط کے دائیں اور بائیں جانب متعدد خطوط کھینچے' اور فرمایا یہ سب بھی راستے ہیں مگر ان میں سے ہر راستے پر ایک شیطان موجود ہے جو لوگوں کو اس پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ (پ ۸ ر ۶ آیت ۱۵۳)

اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو۔

آپ نے ان مختلف خطوط کو سُبُل فرمایا جو خطِ مستقیم کے اِرد گرد کھینچے گئے تھے اس حدیث سے بھی شیطانی راستوں کی کثرت کا علم ہوتا ہے' ان ہی میں سے ایک راستہ وہ ہے جس پر چلنے کی دعوت دے کر وہ علماء' صلحاء' نفسانی شہوات پر قابو یافتہ' اور گناہوں کی زندگی سے دور لوگوں کے فریب دیتا ہے' اب ہم اس کے ایک اور راستے کا تذکرہ کرتے ہیں جس پر آدمی خواہ مخواہ چلنے لگتا ہے' یہ واقعہ حدیث شریف میں موجود ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک راہب کا ذکر فرمایا کہ اس کے شہر میں شیطان نے کسی لڑکی کا گلا دبایا اور لڑکی کے گھر والوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس کا علاج فلاں راہب کے پاس ہے' وہ لوگ لڑکی کو لے کر راہب کے پاس پہنچے' اس نے لاکھ انکار کیا' مگر وہ نہ مانے' راہب کو علاج کے لیے مجبور ہونا پڑا۔ اب شیطان نے راہب کے دل میں زنا کا وسوسہ ڈالنا' اور اسے اس نازیبا حرکت پر اکسانا شروع کیا' یہاں تک کہ وہ زنا کر بیٹھا' لڑکی حاملہ ہو گئی' شیطان نے راہب کو رسوائی کے خوف سے ڈرایا' اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اگر لڑکی کو قتل کر دیا جائے تو یہ راز چھپ سکتا ہے اور اس کے گھر والوں کو موت کا یقین دلا کر آسانی سے مطمئن کیا جا سکتا ہے' اس نے ایسا ہی کیا' شیطان نے اپنی کاروائی جاری رکھی لڑکی کے گھر والوں کے دل میں یہ بات ڈالی کہ راہب نے تمہاری لڑکی کو حاملہ کرنے کے بعد رسوائی کے خوف سے قتل کر دیا' وہ لوگ راہب کے پاس آئے' اور اس سے لڑکی کے متعلق پوچھا' راہب نے وہی جواب دیا جو شیطان نے اس کے دل میں اِلقاء کیا تھا کہ لڑکی بیمار تھی مر گئی' لیکن گھر والوں نے یقین نہیں کیا' اور راہب کو قصاص کے لیے گرفتار کرنا چاہا۔ اس شیطان نے راہب کو بتلایا کہ یہ تمام "کارنامے" میرے تھے میں نے ہی لڑکی کا گلا گھونٹا تھا' میں نے ہی لڑکی کی ماں باپ کو تیرے پاس آنے پر آمادہ کیا تھا' میں نے ہی تجھے اس کے ساتھ زنا پر اور پھر اسے قتل کر دینے پر اکسایا تھا اب میں ہی تجھے ان سے نجات دلا سکتا ہوں' اگر تو نجات چاہتا ہے تو میری اطاعت کر' راہب نے کہا کس طرح؟ شیطان نے کہا کہ مجھے دو سجدے کر' راہب بدبخت نے شیطان کو سجدے کئے' اور وہ یہ کہتا ہوا چل دیا کہ میں تیرے لیے کچھ نہیں کر سکتا' میں تجھے کیا جانوں؟ اسی طرح کے لوگوں کے متعلق باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِىْءٌ مِّنْكَ (پ ۲۸ ر ۵ آیت ۱۶)

شیطان کی سی مثال ہے کہ (اول تو) انسان سے کہتا ہے کہ تو کافر ہو جا پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو اس وقت صاف کہہ دیتا ہے کہ میرا تجھ سے واسطہ نہیں ہے۔

غور کیجئے' شیطان نے اپنے حیلوں سے راہب کو ان کبیرہ گناہوں کے اِرتکاب پر مجبور کر دیا محض اس کا حکم مان کر' حالانکہ اگر وہ علاج کے شیطانی وسوسے پر عمل نہ کرتا تو نہ زنا جیسے فعل بد کا مرتکب ہوتا اور نہ قتل کی ضرورت پیش آتی۔ بظاہر علاج کی تدبیر بہت اچھی تھی' کوئی شخص بھی یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اس میں شر ہو سکتا ہے' بہرحال شیطان کی حکمت عملی یہی ہے کہ وہ شر کے

نسائی' حاکم۔

لیے خیر کی راہ تلاش کرتا ہے' اور شر کے راستے پر ڈال کر ایک شر سے دوسرے شر کی طرف کھینچتا رہتا ہے' نجات کی تمام راہیں مسدود ہو جاتی ہیں' اور آدمی نہ چاہنے کے باوجود اسی راستے پر قدم بڑھانے پر مجبور ہو جاتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہی ہے:۔

من حام حول الحمی یوشک ان یقع فیہ (بخاری و مسلم۔ نعمان بن بشیرؓ)

جو شخص چراگاہ کے ارد گرد پھرے گا کیا عجب ہے کہ اس میں چلا جائے۔

ہم ابتدائی امور کے ضائع جانے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

دل میں داخل ہونے کے شیطانی راستے

قلب کی مثال ایک قلعے کی سی ہے' اور شیطان اس دشمن کی طرح ہے جو قلعے میں داخل ہونا چاہتا ہے تاکہ اس پر قبضہ کر سکے اور اسے اپنی ملکیت بنا سکے' دشمن سے قلعہ کی حفاظت کی صرف ایک صورت یہی ہے کہ ان دروازوں اور گذر گاہوں کی حفاظت کی جائے جن سے قلعہ میں داخلہ ممکن ہے' جو شخص دروازوں ہی سے واقف نہیں وہ ان کی حفاظت کیا کر سکے گا؟ اور دشمن کو اندر آنے سے کیسے روک سکے گا؟ اس سے معلوم ہوا کہ قلب کو شیطانی وسوسوں سے بچانا واجب ہے' بلکہ ہر عاقل بالغ شخص پر فرض عین ہے' اور وہ چیز بھی واجب ہے جو فرض عین تک پہنچنے کا ذریعہ ہو' کیونکہ شیطان کو اس کے داخلے کے راستوں سے واقف ہوئے بغیر دل سے دور نہیں رکھا جا سکتا اس لیے ان راستوں کی معرفت بھی ضروری ہے' اور وہ راستے جتنی دروازے یا گذر گاہیں نہیں ہیں بلکہ بندے کے اوصاف ہیں' ان ہی اوصاف کو اپنے داخلے کا وسیلہ بناتا ہے' یہ اوصاف بہت زیادہ ہیں' ہم صرف چند ابواب کی طرف اشارہ کریں گے جن پر شیطانی لشکروں کی کثرت رہتی ہے۔

<u>غضب اور شہوت</u> : قلب کے دو بڑے دروازے ہیں غضب اور شہوت غصہ سے عقل زائل ہو جاتی ہے' اور جب عقل کا لشکر کمزور پڑتا ہے تو شیطان کا لشکر حملہ کر دیتا ہے' اور جب انسان غضب کا شکار ہوتا ہے تو شیطان اس سے اس طرح کھیلتا ہے جس طرح بچہ گیند سے کھیلتا ہے۔ روایت ہے کہ ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملا' اور کہنے لگا: اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت سے سرفراز کیا ہے اور آپ کو اپنے آپ سے ہم کلام ہونے کا شرف عطا کیا ہے' میں بھی اللہ کی مخلوق ہوں' مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا ہے' میں توبہ کرنا چاہتا ہوں' آپ اللہ تعالیٰ سے میری سفارش کر دیجئے کہ وہ میری توبہ قبول کر لیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے سفارش کا وعدہ کیا' حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے' اور باری تعالیٰ سے گفتگو کی' گفتگو کے بعد واپس نیچے اُترنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! امانت ادا کرو۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا: اے اللہ! تیرا بندہ ابلیس اپنے گناہ پر نادم ہے' اور توبہ کر رہا ہے' آپ اس کی توبہ قبول فرمالیں۔ وحی آئی کہ اے موسیٰ! تمہاری درخواست قبول کر لی گئی ہے' ابلیس سے کہو کہ وہ اظہار ندامت کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے' حضرت موسیٰ نے ابلیس کو اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا دیا' ابلیس غصے سے بھڑک اُٹھا' اور تکبّر سے کہنے لگا کہ میں نے زندہ آدم کو سجدہ نہیں کیا تھا اب مُردہ آدم کو کیا سجدہ کروں گا؟ تاہم آپ نے میری سفارش کی' اس کا شکریہ' آپ کو مجھ پر حق ہے' میں اسی حق کی ادائیگی کے لیے آپ کو یہ بات بتلاتا ہوں کہ مجھے تین موقعوں پر یاد رکھئے میں نقصان نہ پہنچا سکوں گا' ایک غصہ کے وقت' اس لیے کہ میری روح آپ کے دل میں' اور میری آنکھ آپ کی آنکھ میں ہے' میں جسم کی رگ رگ میں خون کی طرح گردش کرتا ہوں' اس لیے غصہ کے وقت میرا دھیان ضرور کر لیا کیجئے' انسان جب غصّہ کرتا ہے تو میں اس کی ناک میں پھونک دیتا ہوں' پھر اسے خبر نہیں رہتی کہ وہ کیا کر رہا ہے' دوسرے جنگ کے موقع پر کیونکہ جب آدمی محاذ جنگ پر دشمن کے مقابلے میں صف آراء ہونا چاہتا ہے تو میں اسے اس کے گھر بار' اور بیوی بچوں کی یاد دلا دیتا ہوں'

تاکہ وہ جنگ کا تصور دل سے نکال دے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے' تیسرے نامحرم عورت سے ملنے کے وقت' کسی نامحرم عورت کے پاس خلوت میں ہرگز نہ بیٹھئے' میں تنہا مرد اور عورت کے درمیان دلوں کا پیغامبر بن جاتا ہوں' اور ایک کے وسوسے دوسرے کے دل میں ڈالتا رہتا ہوں' اور اس وقت تک یہ حرکت کرتا رہتا ہوں جب تک وہ دونوں فتنے میں مبتلا نہیں ہو جاتے۔

حرص و حسد : ابلیس نے تین مواقع کے ذریعہ تین صفات کے طرف اشارہ کیا ہے' غضب' شہوت اور حرص' اس لیے کہ جنگ سے فرار دنیاوی مال و دولت کی حرص ہی کی وجہ سے تو ہے' مردو آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنا حسد کے باعث ہے' یہ بھی شیطان کا ایک بڑا مدخل ہے' کسی بزرگ نے شیطان سے کہا کہ مجھے انسان پر اپنے غلبے کا مشاہدہ کرا' اس نے کہا کہ میں انسان کو غضب اور شہوت کی حالت میں پکڑتا ہوں اور قابو پالیتا ہوں ایک راہب کے سامنے ابلیس مجسّم ہو کر آیا تو راہب نے اس سے پوچھا کہ بنی آدم کی کونسی عادت یا وصف تیرے لیے زیادہ مُعین و مددگار ہوتا ہے؟ اس نے کہا: غصے کی شدّت!' چنانچہ جب انسان غصے کی شدت سے کھول اُٹھتا ہے تو ہم اسے اس طرح اُلٹ پلٹ کر رکھ دیتے ہیں جس طرح بچے گیند کو اپنے پاؤں سے اِدھر اُدھر لڑھکا دیتے ہیں' یہ بھی شیطان ہی کا قول ہے کہ بنی آدم مجھ پر کس طرح قابو پا سکتا ہے جب وہ خوش ہوتا ہے تو میں اس کے دل میں رہتا ہوں اور جب وہ غصہ میں ہوتا ہے تو میں اُڑ کر اس کے سر میں پہنچ جاتا ہوں۔ حرص بھی شیطان کا بڑا دروازہ ہے' حرص انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے' پھر نہ وہ کوئی اچھی بات سنتا ہے' اور نہ اچھائی کا راستہ دیکھتا ہے' حدیث شریف میں ہے:

حبک الشئی یعمی و یصم (ابوداؤد۔ ابوالدرداءؓ)

کسی چیز سے تیری محبت (تجھے) اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

نورِ بصیرت ہی سے انسان شیطانی مداخل سے واقف ہو سکتا ہے' جب حرص کی تاریکی بصیرت کے نور پر غالب آجاتی ہے تو پھر کوئی راہ نہیں سوجھتی' شیطان اس موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے اور ہر اس چیز کی خواہش اور حرص اس کے دل میں ڈال دیتا ہے جو اس کے لیے مُضر اور مُہلک ہو' روایت ہے کہ جب سیلاب آیا' اور حضرت نوح اپنی قوم کے اہل ایمان اور ہر ہر جوڑے کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں نے ایک اجنبی بوڑھے کو بھی کشتی میں بیٹھا ہوا دیکھا' آپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں آپ کے رفیقوں کے دل لینے آیا ہوں' ان کے بدن آپ کے ساتھ رہیں گے اور دل میرے ساتھ ہوں گے' حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: او دشمن خدا یہاں سے نکل' تیرے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے' اس نے کہا: پانچ باتیں ہیں جن سے میں لوگوں کو ہلاک کرتا ہوں' ان میں سے تین میں بتلا دوں گا دو نہیں بتلاؤں گا' وحی آئی کہ اے نوح! ان تین باتوں کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے جو وہ بتلانا چاہتا ہے اس سے وہ دو باتیں معلوم کرو جنہیں وہ چھپا رہا ہے' آپ نے اس سے پوچھا وہ دو باتیں کون سی ہیں' اس نے کہا: حسد اور حرص' یہ دو باتیں مجھے کبھی دھوکا نہیں دیں گی اور لوگوں کو ہلاک کرنے میں کبھی خطا نہیں کریں گی' یہ حسد ہی تو ہے جس کی وجہ سے مجھ پر لعنت کی گئی اور مجھے "مردود شیطان" کا لقب دیا گیا' اور حرص یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ایک درخت کے علاوہ تمام جنت مباح ہوئی تھی' میں نے ان کے دل میں اس درخت کی حرص پیدا کی' اور انہیں جنت سے نکلوایا۔

شکم سیری : پیٹ بھر کھانا بھی خواہ وہ حلال اور صاف ستھرا ہی کیوں نہ ہو شیطان کے داخل ہونے کا بڑا راستہ ہے' اس لیے کہ شکم سیری سے شہوتوں کو تقویت ملتی ہے' اور شہوتیں شیطان کے ہتھیار ہیں' روایت ہے کہ ابلیس حضرت یحیٰ ابن زکریا علیہما السلام کے سامنے آیا' اس کے پاس پھندے تھے' آپ نے اس سے پوچھا کہ یہ پھندے کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ شہوتوں کے پھندے ہیں' میں ابن آدم کو ان پھندوں میں پھنسا لیتا ہوں' آپ نے پوچھا کہ ان میں کوئی پھندہ میرے لیے بھی ہے' اس نے کہا: ہاں! جب آپ پیٹ بھر کھا لیتے ہیں تو میں آپ پر نماز اور ذکر دشوار کر دیتا ہوں آپ نے فرمایا: اس کے علاوہ بھی کچھ ہے' اس نے جواب دیا نہیں: فرمایا: خدا کی قسم آج کے بعد سے کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھاؤں گا' اس نے کہا: میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ مسلمان کو

کبھی خیر کی بات نہیں بتلاتا کیونکہ زیادہ کھانے میں چھ خرابیاں ہیں ایک یہ کہ دل میں اللہ کا خوف باقی نہیں رہتا' دوسری یہ کہ مخلوق پر رحم نہیں آتا کیوں کہ شکم سیر دوسروں کو بھی اپنے ہی جیسا سمجھتا ہے اور بھوک کی اذیت محسوس نہیں کرتا' تیسری یہ کہ عبادت سے گراں باری ہوتی ہے چوتھی یہ کہ جب کوئی حکمت کی بات سنتا ہے تو دل میں سوز و گداز اور سمع و قبول کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی پانچویں یہ کہ جب وہ خود حکمت و موعظت کی باتیں کرتا ہے تو لوگوں کے دلوں میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا چھٹی یہ کہ اس سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

ظاہری زیب و زینت : ظاہری زیبائش کا اچھا لگنا بھی شیطانی دروازہ ہے یہ زیبائش لباس' سامان اور مکان میں ہوتی ہے' چنانچہ جب شیطان کسی انسان کے دل میں ظاہری زیب و زینت کی ادنیٰ خواہش دیکھتا ہے تو وہ اسے خوب ہوا دیتا ہے' اسے اونچی اونچی بلڈنگوں کے خواب دکھلاتا ہے' اور اسے یہ باور کراتا رہتا ہے کہ مکان کی دیواریں اونچی ہوں' آراستہ پیراستہ ہوں لباس خوبصورت ہو' سواری قیمتی اور مزین ہو' جب دل میں یہ خواہشات اچھی طرح جاگزیں ہوجاتی ہیں تو وہ اپنی واپسی کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا' کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ خواہشات اب کبھی اس کے دل سے جدا نہیں ہوسکتیں' ایک خواہش سے دوسری خواہش جنم لیتی ہے' ایک چیز کے حصول کے بعد دوسری چیز کے حاصل کرنے کی فکر دامن گیر ہوجاتی ہے' یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے' حتیٰ کہ موت آجاتی ہے اور سب کچھ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہونا پڑتا ہے' نفسانی خواہشات کا شیطانی راستہ ایمان کے لیے بھی خطرناک ہے' بعض اوقات آتشِ شوق اپنے پجاری کو کفر کے راستوں پر چلنے پر مجبور کردیتی ہے' اللہ تعالیٰ نفس کی خواہشوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

لوگوں سے طمع : طمع بھی شیطان کا اہم دروازہ ہے' جب دل پر طمع غالب ہوتی ہے تو شیطان مسلسل اسے اس بات پر اُکساتا رہتا ہے کہ وہ ان لوگوں کے سامنے تصنّع' تکلّف اور ریاکاری کرے جن سے طمع رکھتا ہے' انتہا یہ ہوتی ہے کہ مطموع (جس سے طمع کی جائے) اس کا معبود بن جاتا ہے' اور طامع (طمع رکھنے والا) مسلسل اس کی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کسی طرح مطموع کے دل میں اپنے لیے جگہ پیدا کرلے' خواہ اس کے لیے جھوٹ' فریب' ریا اور تلبیس ہی سے کام کیوں نہ لینا پڑے' ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ طامع' مطموع کی تعریف میں غلو کرتا ہے' اور اسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے میں مُداہنت سے کام لیتا ہے' محض اس لیے کہ وہ ناراض نہ ہوجائے' حضرت صفوان ابن سلیم سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ شیطان عبداللہ ابن حنظلہ کے سامنے آیا' اور کہنے لگا اے حنظلہ کے بیٹے! میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں یاد رکھنا' ابن حنظلہ نے کہا مجھے تیری نصیحت کی ضرورت نہیں ہے' شیطان نے کہا کہ پہلے بات سُن لو' اگر اچھی ہوئی تو قبول کرلینا' بُری ہوئی تو رَد کردینا' اے ابن حنظلہ! اللہ کے علاوہ کسی شخص سے ایسا سوال مت کر جس میں طمع پائی جاتی ہو' نیز غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھنا' اس لیے کہ بندہ اپنے قابو میں نہیں رہتا تو میں اس پر قابو پالیتا ہوں۔

عجلت اور عدم استقلال : یہ دونوں وصف بھی شیطانی مدخل ہیں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

العجلة من الشيطان والاناة من الله (ترمذی۔ سہل بن سعد)

جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے' اور توقف (ٹھہر ٹھہر کر کام کرنا) اللہ کی طرف سے ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (پ۱۷ر۳ آیت ۳۷)

انسان جلدی (کے خمیر) سے بنا ہوا ہے۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلاً (پ۱۵ر۲ آیت ۱۱)

اور انسان (کچھ طبعاً ہی) جلد باز (ہوتا) ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ (پ ۱۶ ر ۱۵ آیت ۱۴)

اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی پوری وحی نازل ہو چکے عجلت نہ کیا کیجئے۔

عجلت سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کام علم اور تحقیق کے ساتھ ہونا چاہئے' اور تحقیق کے لیے تأمل ور مہلت کی ضرورت ہے جب کہ عجلت میں نہ تأمل ہو سکتا ہے' اور نہ مہلت کی گنجائش ہے۔ جلد بازی کے وقت انسان پر شیطان اپنا شر اس طرح مسلط کر دیتا ہے کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی' روایت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو تمام شیاطین اپنے آقا ابلیس کے پاس پہنچے' اور کہنے لگے کہ آج روئے زمین کے تمام بت سر کے بل اوندھے نظر آئے' ابلیس نے کہا کہ یقیناً آج کوئی نئی بات پیش آئی ہے' تم یہاں ٹھہرو' میں زمین پر جا کر دیکھتا ہوں' ابلیس نے گھوم پھر کر دیکھا کچھ نظر نہ آیا' ایک جگہ کچھ فرشتوں پر نظر پڑی' وہ ایک بچے کو گھیرے ہوئے تھے' ابلیس اپنی قوم کے پاس واپس گیا' اور انہیں بتلایا کہ آج رات ایک نبی پیدا ہوئے ہیں اب تک دنیا میں جتنے حمل ٹھہرے مجھے ان کی خبر رہی' اور میری ہی موجودگی میں وضع حمل ہوا' لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مجھے نہ اس عورت کے حمل کی اطلاع ہوئی' اور نہ وضع حمل کا پتا چلا' اب بتوں کی پرستش سے تو مایوس ہو جاؤ' تاہم بندگانِ خدا کو جلدی کے اوقات میں بہکایا کرو۔

<u>مال و دولت</u> : درہم و دینار' مال و متاع' زمین جائداد یہ سب چیزیں بھی شیطان کے لئے بڑے دروازے کی حیثیت رکھتی ہیں' ضرورت سے زائد مال رکھنے والے شخص کا دل شیطان کا مستقر ہے' اور رزق کی ضروری مقدار رکھنے والا شخص فارغ القلب ہے' اگر کسی شخص کے پاس سو دینار آجائیں تو اس طرح کی خواہشات اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہیں' ان میں سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اسی طرح کے سو دینار اور مل جائیں' اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوتا' جب اس کے پاس کچھ نہیں تھا تو اس کے دل میں نہ خواہش تھی' نہ ہوس تھی' نہ احتیاج تھی' سو دینار کیا ملے وہ یہ سمجھ بیٹھا کہ میں مالدار بن گیا' حالانکہ وہ مزید نو سو کا محتاج ہو گیا' سو دینار ملنے سے یہ خیال آتا ہے کہ اگر نو سو ہوتے تو ایک مکان خرید لیتے' مکان کے بعد خانہ داری کے ساز و سامان کی ضرورت سامنے آتی ہے' لباس اور آرائش کے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں' اور یہ سلسلہ دراز ہو جاتا ہے' موجود کے لیے غیر موجود لازم بن جاتی ہے' ایک کی فکر ختم نہیں ہوتی کہ دوسرے کی فکر دامن پکڑ لیتی ہے' اور یہ سلسلہ جہنم پر منتہی ہوتا ہے ثابت البنانی کہتے ہیں کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا کی گئی تو ابلیس نے اپنے گروہ سے کہا کہ آج کوئی نیا واقعہ رونما ہوا ہے' جاؤ دیکھو کیا ہوا ہے؟ تمام شیاطین روئے زمین پر پھیل گئے' مگر انہیں کسی واقعے کا سراغ نہ ملا' ناکام واپس آئے' ابلیس نے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو' میں جا کر دیکھتا ہوں' اس نے آکر اپنے چیلوں کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی ہے' اب تم ان کے دوستوں اور رفیقوں کے پیچھے لگ جاؤ' شیاطین نے زمین کا رخ کیا' اور ناکام واپس آئے' اور کہنے لگے کہ ہم نے ایسے لوگ آج تک نہیں دیکھے جب ہم ان سے کوئی غلطی کرا دیتے ہیں تو وہ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں' اس سے ان کی خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں' ابلیس نے کہا' انتظار کرو' اور صبر سے کام لو' عنقریب یہ لوگ دنیا فتح کریں گے تب ہم اپنی تدبیر میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام پتھر پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے' شیطان ادھر سے گزرا تو اس نے کہا اے عیسیٰ! آپ بھی دنیا کی طرف راغب ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سر کے نیچے سے پتھر نکال کر شیطان کی طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ پتھر اور دنیا کی دوسری چیزیں تیرے ہی لیے ہیں' اس واقعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پتھر بھی دنیاوی متاع ہے' اور شیطان

یہ روایت ابن ابی الدنیا نے مکائد الشیطان میں بطریق ارسال نقل کی ہے۔

اس کے حوالے سے بھی اپنا کام کرسکتا ہے' مثلاً یہ کہ ایک شخص تہجد کے لیے بیدار ہو اور سجدہ گاہ کے قریب ہی کوئی ایسا پتھر پڑا ہوا ہو جس پر تکیہ لگایا جاسکتا ہے' اس صورت میں شیطان اس کے دل میں یہ بات ضرور ڈالے گا کہ تھوڑی دیر کے لیے اس پتھر پر سر رکھ کر لیٹ جائے' یہ لیٹنا نیند کا پیش خیمہ ہوگا' اور نیند سے تہجد کی نماز فوت ہوگی' اگر یہ پتھر نہ ہوتا تو نہ تکیہ کا خیال آتا' نہ لیٹنے کی ضرورت ہوتی' نہ نیند آتی' اور نہ تہجد کی نماز فوت ہوتی' اس ایک پتھر سے اتنا نقصان ہوا' ان لوگوں کی حالت پر عبرت کی نظر ڈالو جن کے گھروں میں ریشم و کم خواب کے بستر آرام دہ تکیے اور راحت طلبی کے تمام لوازم موجود ہیں ایسا شخص عبادت الٰہی سے کیا خاک لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ اس کے دل میں تو ہر وقت آرام کی خواہش رہے گی۔

فقر کا خوف اور بُخل : یہ دونوں رذیلے بھی شیطان کے دو بڑے مدخل ہیں بخل اور فقر کا خوف دونوں ہی ایسے رذیلے ہیں کہ آدمی کو راہِ خدا میں خرچ کرنے سے روکتے ہیں' اور ذخیرہ اندوزی' اور جمع و احتکار کی ترغیب دیتے ہیں' ایسے لوگوں کے لیے قرآن کریم میں دردناک عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (پ ۱۰ ر ۱۱ آیت ۳۴)

جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنادیجئے۔

خیثمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ شیطان کا دعویٰ یہ ہے کہ آدمی مجھ پر کتنا ہی غلبہ کیوں نہ پالے لیکن تین باتیں ایسی ہیں جن میں وہ مجھ پر فوقیت حاصل نہیں کرسکتا' ایک یہ کہ کسی کا مال ناحق لینا دوسرے یہ کہ اس مال کو بلا موقع اور بغیر ضرورت خرچ کرنا' تیسرے یہ کہ جہاں خرچ کی ضرورت ہو وہاں خرچ نہ کرنا۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کے پاس فقر کا خوف دلانے سے زیادہ مؤثر حربہ کوئی دوسرا نہیں ہے' جب کوئی شخص فقر سے ڈرنے لگتا ہے تو اس میں باطل کی رغبت پیدا ہوجاتی ہے حق سے باز رہتا ہے خواہش نفس کو ترجیح دیتا ہے اور اپنے رب سے بدگمانی کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے' بخل سے حرص پیدا ہوتی ہے اور حرص آدمی کے پاؤں میں زنجیر بن جاتی ہے اسے بازاروں اور مال کمانے کی جگہوں سے ہلنے نہیں دیتی یہ بازار شیاطین کے گھونسلے اور ٹھکانے ہیں' ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ جب ابلیس دنیا میں آیا تو اس نے باری تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اے اللہ! تو نے مجھے مردود قرار دے کر زمین میں پھینک دیا ہے' میرے لیے ایک گھر بنادے' فرمایا: حمام تیرا گھر ہے' عرض کیا: میرے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ مقرر فرما' فرمایا: بازار اور چوراہے تیری مجلسیں ہیں۔ عرض کیا: غذا کی تعیین بھی کردے' فرمایا: وہ کھانا تیری غذا ہے جس پر میرا نام نہ لیا جائے' عرض کیا: کھانے کا علم ہوا' پانی بھی عطا ہو' فرمایا: نشہ آور چیزیں تیری مشروبات ہیں' عرض کیا کہ مجھے ایک اعلانچی بھی عنایت کر' حکم ہوا کہ یہ کام مزامیر سے لے' عرض کیا: پڑھنے اور لکھنے کے سلسلے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا: (فرسودہ) شعر پڑھ' اور بدن گودنہ۔ عرض کیا: مجھے حدیث بھی عطا فرما' حکم ہوا کہ جھوٹ تیری حدیث ہے' عرض کیا کہ مجھے شکار پھانسنے کے لیے جال مرحمت کر' فرمایا: عورتیں تیرا جال ہیں۔

مذہبی عصبیت : مذہبی عصبیت سے یہاں مراد فقہ کے مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا باہمی تعصب ہے اس تعصب کی بنیاد حق پر نہیں ہے بلکہ نفس کی خواہشات پر ہے' لوگ اپنے مخالفین سے نفرت کرتے ہیں اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں' یہ ایک ایسی آفت ہے جو عابد و فاسق ہر شخص کو مبتلائے ہلاکت کردیتی ہے' لوگوں کو نکتہ چینی عیب جوئی کرنا سبعی صفات سے تعلق رکھنے والی ایک طبعی صفت ہے' جب شیطان اس مذموم صفت کو محمود بنا کر پیش کرتا ہے تو طبائع۔ جو پہلے ہی اس سے قریب ہوتی ہیں۔ یہ صفت اپنالیتی ہیں' اور آدمی پوری تن دہی کے ساتھ اس مشغلے میں لگ جاتا ہے اور اس خیال سے خوش رہتا

ہے کہ میں کسی دینی جدوجہد میں مصروف ہوں' حالانکہ وہ شیطان کی اتباع میں لگا ہوا ہے' مذہبی اور گروہی اختلافات کا عالم یہ ہے کہ ایک شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی محبت میں تعصب کا رنگ اختیار کئے ہوئے ہے مگر اس کی یہ محبت پاکیزہ نہیں ہے' بلکہ اس میں حرام' جھوٹ' عناد' اور فساد کی آمیزش ہے' ایسے شخص کو اگر حضرت ابوبکرؓ دیکھ لیں تو اپنا دوست سمجھنے کے بجائے دشمن قرار دیں' اس لیے کہ ان کا دوست تو وہ ہے جو ان کی راہ پر چلتا ہو' ان کی سیرت و کردار کو اپنے لیے نمونہ عمل بناتا ہو' اور زبان کو لغو کلام سے روکتا ہو' حضرت ابوبکرؓ کا اُسوہ یہ تھا کہ وہ اپنے منھ میں زبان بند رکھنے کے لیے کنکری ڈال لیا کرتے تھے' اس فضولی اور لغو گو کو کیا حق ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اپنی محبت اور دوستی کا دعویٰ کرے دوسرا شخص حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی محبت میں مبالغہ کی تمام حدود کو تجاوز کر گیا ہے حالانکہ وہ ان کے عمل و کردار سے ذرا بھی قریب نہیں ہے' حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک درہم سے بھی کم قیمت کا لباس پہنا ہے' جب کہ ان کی محبت کا جھوٹا مدعی فاسق ریشمی کپڑوں سے اپنی بدن کو سجائے پھر رہا ہے' اور وہ کپڑے حرام مال سے بنائے گئے ہیں' قیامت کے روز حضرت علیؓ اسے اپنے دوست نہیں دشمن تصور کریں گے' کیا کسی ایسے شخص کو اپنے دعوئ دوستی میں سچا قرار دیا جاسکتا ہے جو اپنے دوست کے لختِ جگر کو اپنے گھر لے جائے اور اسے خوب مارے پیٹے' اس کے بال نوچے' اور بدن کو زخموں سے چھلنی کردے اور اس کے باوجود یہ دعوٰی کرتا رہے کہ میں اس بچے کے باپ کا مخلص دوست ہوں' مجھے اس سے بڑی محبت ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو خلفاءِ اربعہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور دین کی بیخ کنی میں مصروف ہیں حالانکہ دین ان کی عزیز ترین متاع تھی' وہ دین کو اپنی جان' مال' اہل اور عیال ہر چیز پر ترجیح دیتے تھے' یہ شریعت کے مجرم شہوات کی قینچیوں سے شریعت کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں' صحابہ کرام کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور حقیقت میں اللہ اور اس کے دوستوں کے مشترک دشمن شیطان لعین کی اتباع کرتے ہیں' یہ حقیقت قیامت کے روز واضح ہوگی جب انھیں ان کے "دوستوں" کے سامنے عذاب دیا جائے گا' قیامت کی بات تو رہنے دیجئے اگر ان مدعیانِ محبت کو دنیا ہی میں یہ پتا چل جائے کہ صحابہ کرام ان کے متعلق کیا خیالات رکھتے ہیں اور انھیں کس طرح کے لوگ پسند ہیں تو وہ اپنا حال دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو جائیں' اور آئندہ ان بزرگوں کے پاکیزہ نام اپنی گندی زبانوں پر لانے کی جرأت نہ کریں۔ شیطان لعین ان متعصبین کو یہ بھی باور کراتا رہتا ہے کہ اگر کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت میں مرجائے تو آگ اس کے قریب بھی نہیں آئے گی' دوسرے کو یقین دلاتا ہے کہ اگر تو حضرت عثمانؓ و علیؓ کی محبت میں جان دے دے تو بلا حساب جنت میں جائے گا' حالانکہ قیامت میں کسی کی محبت اور کسی کی قربت کام نہ آئے گی' اپنا عمل کام آئے گا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ سے فرمایا اعملی فانی لا اغنی عنک من اللہ شیئا (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

عمل کرو' اس لیے کہ میں تیری طرف سے خدا تعالیٰ کی کسی چیز کو نہیں بچا سکتا۔

یہ ہوائے نفسانی کی ایک مثال ہے جو ہم نے ذکر کی' یہی حکم ان لوگوں کا ہے جو ائمۂ مذاہب شافعیؒ' ابو حنیفہؒ' مالکؒ اور احمدؒ وغیرہ کے لیے تعصب رکھتے ہیں' اور اس تعصب میں اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ دوسرے ائمہ کی تحقیر لازم آتی ہے' ہر شخص اپنے امام کی حقانیت کا دعوٰی دار ہے' لیکن ان کی سیرت کا اتباع نہیں کرتا' قیامت کے روز یہ ائمہ اپنے ان جھوٹے دعوٰی داروں سے پوچھیں گے کہ ہمارا مذہب عمل تھا' قول نہیں تھا' قول بھی عمل کے لیے تھا' پھر کیا وجہ ہے کہ تم نے قول کو اہمیت دی' اور عمل سے اعراض کیا' تم نے ہمارے عمل ہماری سیرت اور کردار کی مخالفت کی' اور ہمارے مذہب کی تقلید کا جھوٹا دعوی کرتے رہے؟ یہ ایک زبردست شیطانی مدخل اور اس کی آمد کا بڑا راستہ ہے' بہت سے علماء اس راہ کے شیطان کے ہاتھوں ہلاکت تک پہنچے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں خدا کا خوف نہیں ہے' جو دنیا کی حرص اور رغبت رکھتے ہیں' ان کی دینی بصیرت کمزور ہے' اتباع میں اخلاص کے بجائے لوگوں کی عقیدت اور احترام حاصل کرنے کا جذبہ ہے' اور اسی لیے وہ مذہبی عصبیت کا شکار ہیں اور اس عصبیت کو اچھا سمجھتے ہیں' انھیں خبر نہیں کہ یہ عصبیت شیطانی عمل ہے' لیکن افسوس! یہ لوگ شیطان کی فریب کاریوں سے واقف نہیں ہیں' بلکہ اس کی

تدابیر کی عملی تنفیذ میں مصروف ہیں، عام لوگ علماء کی تقلید کرنے لگے ہیں، دین کے اصول بھلادئے گئے ہیں، اور فقہی جزئیات کے اختلاف کو اہمیت دی جانے لگی ہے یہ علماء خود بھی تباہ ہوئے اور دوسروں کو بھی برباد کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اور ہماری توبہ قبول فرمائے۔ حضرت حسن بصریؒ نے شیطان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معصیتوں کو سجا سنوار کر پیش کیا تو انہوں نے استغفار کے ذریعہ میری کمر توڑ دی' اس کے بعد میں نے ایسے گناہ آراستہ کئے جن سے وہ اللہ سے استغفار نہیں کرتے' یہ گناہ خواہشات نفسانی ہیں' شیطان نے سچ کہا ہے' لوگوں کو ان امور میں یہ معلوم ہی نہیں ہو تاکہ وہ گناہ کی طرف جارہے ہیں اس لیے استغفار ہی کیا کریں گے۔

شیطان کا ایک بڑا حیلہ یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض بھول کر ان اختلافات میں پڑجائے جو فقہی اور اعتقادی مسائل میں موجود ہیں' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں مصروف تھے کہ شیطان آیا' اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ لوگ مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں' اور ذکر کا سلسلہ منقطع ہوجائے' لیکن وہ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا' ذاکرین نے اس کی ہر تدبیر ناکام کردی' مجبوراً قریب میں بیٹھے ہوئے کچھ ایسے لوگوں کو فساد پر آمادہ کیا جو دنیا کی باتوں میں مشغول تھے' وہ لوگ باتوں ہی باتوں میں ایک دوسرے سے لڑنے لگے' نوبت کشت و خون تک جا پہنچی' ذاکرین کے حلقے میں سے کچھ لوگوں نے اٹھ کر انہیں روکا' اور جھگڑا کرنے سے منع کیا' یہاں شیطان کا مقصد جھگڑا کرانا نہیں تھا' بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ذکر کا سلسلہ منقطع ہوجائے' اور یہ لوگ منتشر ہوجائیں۔

عوام اور فلسفیانہ مباحث : شیطان کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ عوام کو ان علوم پر اکساتا ہے جن پر انہیں تبحر ہوتا' اور ان امور میں فکر کی دعوت دیتا ہے جن کے وہ متحمل نہیں ہوتے' مثلاً باری تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم' اور اسی طرح کے دیگر مسائل جن کے ادراک سے ان کی ضعیف اور محدود عقلیں قاصر رہتی ہیں' اس صورت میں نہ انہیں اپنی عقلوں کا قصور نظر آتا ہے اور نہ کم علمی پر نظر جاتی ہے' وہ اصل دین ہی میں شک کرنے لگتے ہیں' اور باری تعالیٰ کے متعلق اس طرح کے خیالات ان کے ذہنوں میں پیدا ہوجاتے ہیں جن سے دائرۂ اسلام سے نکل کر کفر اور بدعت کے دائرے میں چلے جاتے ہیں' انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا' اور ایمان کی متاع عزیز لٹ جاتی ہے بلکہ وہ اس محرومی پر خوشی سے پھولے نہیں سماتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قلب میں جو کچھ واقع ہوا ہے وہی اصل معرفت اور بصیرت ہے' اور یہ معرفت ہمیں اپنی ذہانت اور زیادتی عقل سے حاصل ہوئی ہے' ان بیچاروں کو یہ معلوم نہیں کہ سب سے زیادہ بے وقوف وہ شخص ہے جو اپنی عقل پر زیادہ اعتماد کرے' اور سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو اپنی عقل کو متہم سمجھے اور علماء سے پوچھتا رہے۔ حضرت عائشہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتی ہیں:

ان الشیطان یاتی احدکم فیقول: من خلقک؟ فیقول اللہ تبارک وتعالی فیقول فمن خلق اللہ؟ فاذا وجد احدکم ذالک فلیقل آمنت باللہ ورسولہ فان ذالک یذھب عنہ (احمد' بزار' ابو یعلی' بخاری' مسلم' ابو ہریرہ)

شیطان تم میں سے کسی کے پاس آکر پوچھتا ہے تجھے کس نے پیدا کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے: اللہ تبارک و تعالیٰ نے' وہ پوچھتا ہے: اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ اگر تم میں سے کسی کو یہ حالت پیش آئے تو اسے کہنا چاہئے میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ اس طرح کہنے سے وہ وسوسہ ختم ہوجائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہیں دی کہ ان وسوسوں کے علاج پر علمی بحث کی جائے' اس لیے کہ وسوسے عوام کو ہوتے ہیں علماء کو نہیں' عوام کو چاہئے کہ وہ ایمان و اسلام کی تجدید کرتے ہوئے اپنی عبادت و معیشت میں مشغول رہیں' علم کو علماء کے لیے چھوڑ دیں' عامی کے لیے زنا اور چوری اس سے بہتر ہے کہ علمی مباحث میں حصہ لے' اور اللہ اور اس کے دین کے متعلق بے بنیاد باتیں کرکے کفر تک جا پہنچے' علم صحیح میں رسوخ کے بغیر کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی تیراکی نہ جاننے کے باوجود اپنے آپ کو سمندر کی لہروں کی نذر کردے' ظاہر ہے اس کا انجام ہلاکت کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔

عقائد اور مذاہب کے سلسلے میں شیطان کے فریب اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا' جو کچھ اس ضمن میں عرض کیا گیا ہے وہ ان فریب کاریوں کا ایک نمونہ ہے۔

بدگمانی : شیطانی فریب کا ایک دروازہ مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی رکھنا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِیرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (پ ۲۶ ر ۱۴ آیت ۱۲)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں۔

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے سلسلے میں بدگمانی کرے گا' وہ شیطان کے فریب کا شکار ضرور ہوگا' شیطان اس کی بدگمانی کو ہوا دے گا اور اسے ترغیب دے گا کہ وہ اس شخص کی غیبت کرے' یا اس کے حقوق ادا نہ کرے' یا اس کی تعظیم میں سستی کرے' اور اسے حقارت کی نظر سے دیکھے اور اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھے یہ تمام صورتیں ہلاکت کی ہیں یہی وجہ ہے کہ شریعت نے تہمتوں سے بچنے کا حکم دیا ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اتقوا مواضع التهم

تہمت کی جگہوں سے بچو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تہمت سے احتراز فرماتے تھے' چنانچہ حضرت علی بن حسین اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے' میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور (اتفاق سے) حاضرہ ہو گئی جب شام ہوئی تو میں واپس چلی' آپ بھی میرے ساتھ ساتھ چلنے لگے' راستہ میں دو انصاری مرد نظر آئے' انہوں نے سلام کیا اور ایک طرف کو ہو گئے' آپ نے انہیں آواز دی اور فرمایا کہ یہ صفیہ بنت حی ہیں۔ ان دونوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہمیں تو آپ کے ساتھ خیر کا گمان ہے' آپ نے فرمایا: (تم صحیح کہتے ہو مگر) شیطان آدمی کی رگوں میں دوڑتا پھرتا ہے مجھے یہ ڈر ہوا کہ وہ کہیں تمہیں بہکا نہ دے۔ غور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے دین کی حفاظت اور آخرت کی بہتری کا کس قدر خیال تھا نیز اُمت پر کس قدر شفقت فرمائی کہ انہیں تہمت سے بچنے کا طریقہ بتلایا' اور یہ بتلایا کہ اس عالم کو بھی اپنے احوال پر تساہل نہ کرنا چاہئے جو تقویٰ اور اتباع شریعت میں معروف ہو اسے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ لوگ مجھ سے بدگمانی نہیں کریں گے بلکہ اچھا ہی گمان رکھیں گے' آدمی کتنا ہی صاحب علم اور صاحب تقویٰ کیوں نہ ہو لوگ اسے ایک نظر سے نہیں دیکھتے کچھ لوگ اسے اچھا سمجھتے ہیں اور کچھ بُرا جانتے ہیں بلکہ بُرا سمجھنے والوں کی تعداد اچھا سمجھنے والوں سے زیادہ ہوتی ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

شعر: وعین الرضا عن کل عیب کلیلة ولکن عین السخط تبدی المساویا

(خوشی کی آنکھ ہر عیب کے لیے ایسی ہے جیسے رات (ہر چیز کو ڈھانپ لیتی ہے) لیکن ناراضگی کی آنکھ سارے عیوب کھول کر رکھ دیتی ہے)

بدگمانی اور بُروں کی تہمت سے بچنا ضروری ہے بُرے لوگوں سے بدگمانی ہی کی توقع رکھنی چاہئے جب تم کسی شخص کو لوگوں سے بدگمانی اور ان کی عیب جوئی میں مصروف دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ باطن کے خبث میں مبتلا ہے بدگمانی اس کی خباثت کا عکس ہے' وہ ہر شخص کو اپنی ذات کے آئینے میں دیکھنا چاہتا ہے' مؤمن اپنے بھائی کے فعل کے لیے اعذار تلاش کر لیتا ہے' منافق کو عیب جوئی کے علاوہ کسی چیز کی توفیق نہیں ہوتی' مؤمن کا دل ہر شخص کی طرف سے صاف رہتا ہے۔

شیطان کے مداخل پر یہ ایک مختصر سی گفتگو تھی یہ مداخل اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے ہمارے خیال میں جو کچھ لکھا گیا اور جتنے مداخل کا تذکرہ ہوا اس پر باقی مداخل کو قیاس کیا جاسکتا ہے آدمی کے اندر جتنے بھی مذموم اوصاف ہیں ان میں سے ہر وصف شیطان کا ہتھیار اور اس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔

شیطان سے بچنے کا راستہ : یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ شیطان کا علاج کیا ہے' کیا اس سے بچنے کے لیے اللہ کا ذکر کرنا اور

(۱) مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔ (۲) بخاری و مسلم۔

یہ کہنا کافی ہے "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ" جاننا چاہئے کہ قلب کا علاج صرف اسی صورت سے ممکن ہے کہ ان تمام دروازوں کو بند کردیا جائے جن کے ذریعہ شیطان قلب کے اندر داخل ہو کر اسے آلودہ کرتا ہے' یعنی دل کو تمام مذموم صفات سے پاک و صاف کردیا جائے مذموم اوصاف سے قلب کی تطہیر ایک طویل موضوع ہے' احیاء العلوم کی تیسری جلد کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہم ان مہلک صفات کا علاج بتلائیں لیکن کیونکہ ہر صفت ایک مستقل باب کی محتاج ہے جیسا کہ آئندہ صفحات میں آپ دیکھیں گے' اس لیے یہاں صرف اتنا بیان کئے دیتے ہیں کہ اگر قلب ان مذموم اوصاف کے اصول سے پاک ہوجائے تو پھر شیطان کو دل کے اندر قدم جمانے کا موقع نہیں ملتا' زیادہ سے زیادہ وہ اتنا کرسکتا ہے کہ آئے اور گذر جائے اللہ کا ذکر اس کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے اللہ کا ذکر دل پر اسی وقت اثر انداز ہوتا ہے جب وہ تقوٰی کے نور سے منوّر اور مذموم اوصاف کی آلودگی سے پاک ہو' اگر ایسا نہ ہو تو ذکر محض قلب کا وارد یا خیال سمجھا جائے گا' اسے دل پر اقتدار حاصل نہیں ہوتا' اس لیے تقوٰی سے خالی اور تزکیہ سے محروم دل کا ذکر شیطان کے اقتدار کے لیے رکاوٹ نہیں بنتا' وہ بہت آسانی کے ساتھ دل کی بساط پر اپنا قبضہ جمالیتا ہے' باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (پ ۹ ر ۱۴ آیت ۲۰۱)

جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

اس آیت میں متقی کی تخصیص کی گئی ہے۔ شیطان کی مثال بھوکے کتے کی سی ہے' اگر تمہارے پاس روٹی یا گوشت وغیرہ نہ ہو تو تم اسے دُھتکار کر دُور کرسکتے ہو لیکن اگر تمہارے ہاتھ میں گوشت ہو اور وہ بھوکا بھی ہو تو دُھتکارنے سے ہرگز نہ جائے گا' بلکہ گوشت پر ضرور پڑے گا' شیطان اس دل سے محض ایک ڈانٹ سن کر بھاگ جاتا ہے جہاں اس کی غذا کا سامان نہیں ہوتا لیکن جن دلوں میں اس کی غذا موجود ہوتی ہے وہ ان پر حملہ ضرور کرتا ہے زبان سے جھڑکنا اس کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ جس دل پر شہوت غالب ہوتی ہے وہ ذکر کی حقیقت کو اندر نہیں آنے دیتی اور اس طرح دل شیطان کا مستقر بن جاتا ہے' متقین کے دلوں کو جو خواہشات نفس اور صفات مذمومہ سے خالی ہوتے ہیں شیطان اس لیے نہیں کھٹکھٹاتا کہ ان میں شہوات موجود ہیں بلکہ وہ ذکر سے غافل دیکھ کر دستک دیتا ہے جب وہ دل ذکر کی طرف واپس آجاتے ہیں تو دُم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ ذکر سے شیطان کے بھاگنے کی دلیل وہ آیات اور احادیث ہیں جن میں شیطانی وسوسوں کے وقت استعاذہ وغیرہ کی تلقین کی گئی ہے۔ مثلاً ایک آیت ہے:

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (پ ۱۴ ر ۱۹ آیت ۹۸)

تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مؤمن اور کافر کے شیطان ملے دونوں نے ایک دوسرے کی مزاج پُرسی کی' کافر کا شیطان موٹا تازہ تھا اور اس کے جسم پر خوب چربی چڑھی ہوئی تھی جب کہ مؤمن کا شیطان نحیف ونزار اور پریشان حال ودرماندہ تھا کافر کے شیطان نے مؤمن کے شیطان سے پوچھا کہ تو نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے' تو اتنا کمزور اور دُبلا کیوں ہے' اس نے جواب دیا کہ میں ایک شخص کے ساتھ رہتا ہوں جو کھانے کے لیے بیٹھتا ہے۔ تو اللہ کا نام لیتا ہے۔ میں بھوکا رہ جاتا ہوں پانی پیتا ہے تو اللہ کا نام لے کر پیتا ہے۔ میں پیاس کے مارے تڑپتا رہ جاتا ہوں لباس پہنتا ہے تو اللہ کا نام لے لیتا ہے۔ اس لیے میرا جسم بھی عریاں رہتا ہے جب وہ بالوں میں تیل لگاتا ہے تو اللہ کا نام لیتا ہے۔ اس لیے میرے بال خشک اور اُلجھے اُلجھے رہ جاتے ہیں کافر شیطان نے اظہار افسوس کے بعد کہا کہ میں ایک شخص پر مسلّط ہوں جو تیرے ساتھی کی طرح یہ سب کچھ نہیں کرتا میں اس کے کھانے پینے پہننے میں برابر کا شریک رہتا ہوں۔ محمد ابن الواسع ہر روز صبح کی نماز کے بعد شیطان سے بچنے کے لیے یہ دعا کرتے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ سَلَّطْتَ عَلَیْنَا عَدُوًّا بَصِیْرًا بِالْعُیُوْبِ یَرَانَا هُوَ وَقَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا نَرَاهُمْ اَللّٰهُمَّ فَاٰیِسْهُ مِنَّا کَمَا اٰیَسْتَهٗ مِنْ رَّحْمَتِکَ وَقَنِّطْهُ مِنَّا کَمَا قَنَّطْتَهٗ مِنْ

عَفْوِکَ وَبَاعِدْ بَیْنَنَا وَبَیْنَہٗ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ رَحْمَتِکَ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اے اللہ! تو نے ہم پر ایک ایسا دشمن مسلط کیا ہے جو ہمارے عیوب سے خوب واقف ہے' وہ اور اس کی جماعت ہمیں اس طرح دیکھتے ہیں کہ ہم انہیں نہیں دیکھ پاتے' اے اللہ! اسے ہم سے اس طرح مایوس کردے جس طرح تو نے اسے اپنی رحمت سے مایوس کردیا ہے' اسے ہم سے اس طرح ناامید کر جس طرح تو نے اپنے عفو سے ناامید کیا ہے اس کے اور ہمارے درمیان اس قدر بُعد کردے جتنا بعد تو نے اس کے اور اپنی رحمت کے درمیان کیا ہے' بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

صاحب دعا (محمد ابن الواسع) فرماتے ہیں کہ ایک روز شیطان مسجد کے راستے پر ملا' اور کہنے لگا کہ آپ مجھے جانتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں! اس نے کہا: میں ابلیس ہوں! میں نے اس طرح سرِ راہ ملنے کا مقصد دریافت کیا کہنے لگا کہ میری خواہش یہ ہے کہ آپ یہ دعا کسی دوسرے کو نہ سکھلائیں میں کبھی آپ سے مزاحمت نہیں کروں گا' میں نے جواب دیا کہ بخدا اگر کوئی شخص یہ دعا سیکھنا چاہے گا تو میں اسے ہرگز منع نہیں کروں گا' تیرا جو دل چاہے کر۔ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ شیطان اپنے ہاتھ میں آگ کا شعلہ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس وقت آتا جب آپ نماز پڑھ رہے ہوتے اور قرأت و استعاذے سے نہیں جاتا تھا' ایک روز حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے' اور عرض کیا آپ یہ دعا پڑھا کریں:

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یُجَاوِزُھُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا وَمِنْ فِتَنِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمِنْ طَوَارِقِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ اِلَّا طَارِقًا یَطْرُقُ بِخَیْرٍ یَا رَحْمٰنُ (۱)

میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کے ان پورے کلمات کے واسطے سے جن سے کوئی نیک و بد تجاوز نہیں کرتا اس چیز کے شر سے جو زمین میں داخل ہوتی ہے اور اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور اوپر چڑھتی ہے اور شب و روز کے فتنوں سے' اور رات و دن کے حوادث سے' مگر اس حادثے (کے استثناء کے ساتھ) جو خیر کے ساتھ آئے' اے رحمٰن!۔

آپ نے یہ کلمات پڑھے تو ابلیس موجود کی شمع گل ہوگئی اور وہ منہ کے بل زمین پر گر پڑا' حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ایک جن آپ کو فریب دینا چاہتا ہے جب آپ بستر پر تشریف لے جائیں تو آیت الکرسی پڑھ لیا کریں۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لقد اتانی الشیطان' فنازعنی ثم نازعنی فاخذت بحلقه فوالذی بعثنی بالحق ما ارسلته حتی وجدت برد ماء لسانه علی یدی' ولو لا دعوة اخی سلیمان علیه السلام لاصبح طریحا فی المسجد (نسائی۔ عائشہؓ)

میرے پاس شیطان آیا اور اس نے مجھ سے نزاع کیا' میں نے اس کا گلا پکڑ لیا' اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں نے اس کا گلا اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اس کے لعاب کی ٹھنڈک اپنے ہاتھوں پر محسوس نہ کرلی اور اگر میرے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ مسجد میں گرپڑتا۔

---

(۱) یہ روایت ابن ابی الدنیا نے مکائد الشیطان میں' اور مالک نے مؤطا میں یحییٰ ابن سعید سے مرسلاً نقل کی ہے ابن عبدالبر نے اسے ابن مسعود سے موصولاً نقل کی ہے۔ (۲) یہ روایت بھی ابن ابی الدنیا نے مکائد الشیطان میں بطریق ارسال نقل کی ہے۔

ایک روایت میں ہے:

ماسلک عمر فجا الا سلک الشیطان فجا غیر الذی سلکہ عمر

عمر جس راہ پر بھی چلے شیطان اس سے مختلف راہ پر چلا۔

اس کی وجہ یہی تھی کہ ان حضرات کے قلوب شیطان کی غذا سے پاک تھے یعنی ان میں شہوات کا گذر نہ تھا' اب اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ محض ذکر الٰہی سے شیطان دور ہو جائے جیسا کہ حضرت عمر سے دور ہو گیا تھا تو ایسا ہونا محال ہے' اس طرح کی توقع رکھنے والے کی مثال یہ ہوگی کہ کوئی شخص دوا پئے اور پرہیز نہ کرے بھلا اس صورت میں دوا کیا نفع دے گی جب کہ معدہ غلیظ کھانوں میں مشغول ہو' اسے ان کھانوں ہی کو ٹھکانے لگانے کی فرصت نہیں چہ جائیکہ وہ دوا کو جسم کے حصوں میں منتقل کرے اور اسے نافع بنائے ذکر دوا ہے اور تقویٰ پرہیز ہے' اس پرہیز کا حاصل یہ ہے کہ دل شہوات سے خالی ہو چنانچہ اگر ذکر الٰہی کسی غیر کے ذکر سے خالی قلب میں واقع ہو تو شیطان اس طرح دور بھاگے گا جس طرح خالی معدے میں دوا پڑتی ہے تو مرض راہ فرار اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ (پ ۲۶ ر ۱۷ آیت ۳۷)

اس میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (فہیم) دل ہو۔

ایک جگہ فرمایا:

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ (پ ۱۷ ر ۸ آیت ۴)

جس کی نسبت خدا کے یہاں سے یہ بات لکھی جاچکی ہے کہ جو شخص اس سے تعلق رکھے گا وہ اس کو بے راہ کردے گا اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھلائے گا۔

جو شخص اپنے عمل سے شیطان کی اعانت کرے گا وہ اس کا دوست اور حلیف کہلائے گا اگرچہ وہ زبان سے اللہ کا ذکر ہی کیوں نہ کرتا ہو۔

زبانی ذکر کافی نہیں ہے: اگر تم یہ کہو کہ حدیث میں تو یہ ہے کہ ذکر شیطان کو دُور کر دیتا ہے' اس حدیث میں کہیں کوئی قید یا شرط مذکور نہیں ہے' یہ سب تخصیصات علماء کی ایجاد ہیں' حدیث سے ان کا علم نہیں ہوتا اس کا جواب یہ ہے محض زبانی ذکر کر کے مؤثر نہ ہونے کے لیے ہم خارج سے کوئی دلیل پیش کرنے کی بجائے تمہیں خود اپنے نفس پر نظر ڈالنے کی دعوت دیتے ہیں' خبر مشاہدے کے درجے میں نہیں ہے خود سمجھ میں آجائے گا کہ ہمارا دعویٰ صحیح ہے یا نہیں سب جانتے ہیں کہ ذکر کا منتہیٰ اور عبادت کی غایت نماز ہے' جب تم نماز پڑھو تو اپنے دل کے حال پر نظر ڈال لیا کرو' شیطان اسے کہاں کہاں نہیں لئے پھرتا گلی کوچوں میں' بازاروں میں' تفریح گاہوں میں' اور اس کے اشہب خیال کو کہاں کہاں نہیں دوڑاتا' اسے کیا کیا بات یاد نہیں دلاتا' حد یہ ہے کہ جو بات ذہن سے بالکل محو ہو چکی ہوتی ہے وہ بھی یاد دلا دیتا ہے' شیطان تمہارے دل پر نماز کی حالت میں ضرور حملہ کرتا ہے' نماز ہی پر باقی اَذکار اور عبادات کو قیاس کیا جاسکتا ہے نماز دلوں کی کسوٹی ہے' اس سے دلوں کے محاسن اور قبائح ظاہر ہو جاتے ہیں' ان دلوں کی نماز قبول نہیں ہوتی جو دنیاوی شہوات کے مرکز ہوتے ہیں۔ ایسی نماز سے شیطان کبھی دور نہیں ہو سکتا' بلکہ وسوسوں میں زیادتی ہی کا امکان غالب ہے' جس طرح پرہیز کے بغیر دوا فائدے کے بجائے نقصان زیادہ پہنچاتی ہے۔ اگر تم شیطان سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو تو پہلے تقویٰ کا پرہیز کرو' اس کے بعد ذکر کی دوا استعمال کرو' شیطان تم سے اسی طرح ڈرا سہما رہے گا جس طرح حضرت عمرؓ سے رہا کرتا تھا۔ وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو' اور شیطان کو ظاہر میں بُرا مت کہو' باطن میں تم اس کے دوست ہو یعنی اس کی اطاعت کرنے والے ہو' ایک بزرگ نے فرمایا: تعجب ہے ان لوگوں پر جو محسن کی اس کے احسان کی معرفت کے باوجود نافرمانی کریں' اور ملعون کی اس کی سرکشی کے علم کے باوجود اطاعت کریں۔ جس طرح تم دعا کرتے ہو اور قبول نہیں ہوتی' حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ اسی طرح تمہارے ذکر سے شیطان دور نہیں ہوتا' کیوں کہ وہاں دعا کی شرائط مفقود تھیں' اور یہاں ذکر کی شرائط مفقود ہیں' حضرت ابراہیم ابن ادہم سے کسی نے یہی سوال کیا تھا کہ ہماری دعا قبول کیوں نہیں ہوتی جب کہ اللہ

تعالیٰ نے اس کا وعدہ کیا ہے' فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے دل مُردہ ہیں' انہوں نے سوال کیا کہ دلوں کو کس چیز نے مُردہ کیا ہے فرمایا تمہاری آٹھ خصلتوں نے' ایک یہ کہ تمہیں اللہ کے حق کی معرفت حاصل ہوئی لیکن تم نے یہ حق ادا نہیں کیا' دوسری یہ کہ تم نے قرآن پڑھا لیکن اس کی حدود پر عمل نہیں کیا' تیسری یہ کہ تم اللہ کے رسول کی محبت کا دم بھرتے ہو لیکن ان کی سنت پر عمل نہیں کرتے' چوتھی یہ کہ تم یہ کہتے ہو کہ ہمیں موت کا ڈر ہے لیکن موت کے لیے تم کوئی تیاری نہیں کرتے' پانچویں یہ کہ اللہ فرماتا ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا (پ ۲۲ ر ۱۳ آیت ۶)

یہ شیطان بے شک تمہارا دشمن ہے اسے اپنا دشمن ہی سمجھتے رہو۔

مگر تم نے معصیت کرکے اس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا' چھٹی یہ کہ تم دوزخ سے اپنے خوف اور ڈر کا اظہار کرتے ہو لیکن کام وہ کرتے ہو جس سے تمہارا دوزخ میں جانا یقینی ہو جائے۔ ساتویں یہ کہ تم جنت کے خواہش مند ہو لیکن وہ کام نہیں کرتے جو تمہیں جنت تک پہنچادے' آٹھویں یہ کہ جب تم بستروں سے اٹھتے ہو تو اپنے عیوب پس پشت ڈال دیتے ہو اور لوگوں کی عیب جوئی میں لگ جاتے ہو' یہ تمام خصلتیں باری تعالیٰ کے غضب کا باعث ہیں' ان کی موجودگی میں دعا کی قبولیت کی توقع رکھنا فضول ہے۔

ہر گناہ کے لیے الگ شیطان ہے : رہی یہ بحث کہ مختلف معاصی کی دعوت دینے والا اور ان کے ارتکاب پر اُکسانے والا شیطان ایک ہے یا متعدد ہیں' اس بحث کا تعلق علم معاملہ سے نہیں ہے' نہ اس میں اُلجھنے کی ضرورت ہے اور نہ اس سے کسی فائدے کی توقع کی جاسکتی ہے' یہاں صرف یہ ضروری ہے کہ اپنے آپ کو شیطان سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے' خواہ وہ ایک ہو یا چند ہوں' اصل دشمن سے حفاظت ہے نہ کہ دشمنوں کی تعداد۔ تاہم اخبار و روایات اور نور بصیرت کی مدد سے جو کچھ ہم نے سمجھا وہ یہ ہے کہ ہر معصیت کے لیے ایک شیطان مخصوص ہے' اس کے ذمے صرف یہی کام ہے کہ وہ اس مخصوص گناہ کی طرف لوگوں کو بلاتا رہے یہ بات ہم نے کس طرح سمجھی اس کا ذکر تفصیل طلب ہے یہاں صرف اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ سبب کے اختلاف سے مسبّب کے اختلاف پر دلالت ہوتی ہے جیسا کہ آگ کی روشنی اور دھوئیں کی سیاہی کی مثال میں یہ قاعدہ مذکور ہوا۔ اخبار کی دلالت یہ ہے کہ حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ابلیس کے پانچ لڑکے ہیں' ان میں سے ہر ایک کو مخصوص کام سپرد کیا گیا ہے' ایک کا نام بثر ہے' اس کے سپرد مصائب ہیں' واویلا کرنا' گریبان پھاڑنا' نوحہ کرنا اور جہالت کی باتیں کرنا وغیرہ امور اسی کے حکم سے ہوتے ہیں' دوسرے کا نام اَعْوَر ہے وہ زنا پر متعین ہے اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرنا اور اس فعل کو اچھا قرار دینا اس کا کام ہے' تیسرے کا نام مبسُوط ہے' یہ جھوٹ پر مامور ہے' چوتھے کا نام داسم ہے' آدمی کے ساتھ اس کے گھر جاتا ہے اور اسے اہل خانہ کے عیوب بتاکر ان سے بدظن کردیتا ہے' پانچویں کا نام زلنبور ہے وہ بازار کا شیطان ہے' اس کے بہکانے سے لوگ خرید و فروخت میں ظلم کا موقف اختیار کرتے ہیں نماز کے شیطان کا نام خنزب ہے (مسلم۔ عثمان بن ابی العاصؓ) وضو کے شیطان کا نام ولہان ہے (ترمذی)۔ شیاطین کے تعدد پر بہت سی روایتیں دلالت کرتی ہیں۔

جس طرح شیاطین فوج در فوج ہیں اسی طرح فرشتے بھی لاتعداد ہیں' ہم نے کتاب الشکر میں ملائکہ کی کثرت اور ان میں سے ہر ایک کی مخصوص عمل کے ساتھ وابستگی کے راز پر روشنی ڈالی ہے حضرت ابو امامہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں: وكل بالمؤمن مائة وستون ملكا يذبون عنه مالم يقدر عليه من ذالك' للبصر سبعة املاك يذبون عنه كما يذب الذباب عن قصعة العسل في اليوم الصائف' ومالو بدالكم لرايتموه على كل سهل وجبل' كل باسط يده فاغر فاه' مالو وكل العبد الى نفسه طرفة عين لاختطفته الشياطين (ابن ابی الدنیا' طبرانی)

مؤمن پر ایک سو ساٹھ فرشتے مقرر ہیں جو اس پر سے وہ چیز دور کرتے ہیں جس کی اسے قدرت نہیں ہوتی' آنکھ پر سات فرشتے متعین ہیں جو اس پر سے اس طرح (شیاطین کو) دفع کرتے ہیں جس طرح گرمی کے دنوں

میں شہد کے پیالے سے مکھیاں اُڑائی جاتی ہیں۔ اگر تمہیں وہ چیز (فرشتہ) نظر آجائے تو تم اسے ہر نشیب و فراز میں دیکھو ہر فرشتہ اپنے ہاتھ پھیلائے اور منھ کھولے ہوئے ہے اگر بندہ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے نفس کے حوالے کردیا جائے تو شیاطین اسے اُچک لیں۔

ایوب بن یونس بن یزید کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ انسان کی اولاد کے ساتھ جن کی اولاد بھی پیدا ہوتی ہے اور وہ انہیں کے ساتھ نشوونما پاتی ہے' حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اُتارا گیا تو انہوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا اے اللہ! تو نے میرے اور شیطان کے درمیان عداوت ڈال دی ہے' اب اگر تیری اعانت شامل حال نہ رہی تو میں اس پر غالب نہ آسکوں گا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے جو بچہ بھی پیدا ہوگا اس پر ایک فرشتہ مقرر کردیا جائے گا' حضرت آدم علیہ السلام نے زیادتی اعانت کی درخواست کی' فرمایا: تیری اولاد میں سے اگر کوئی ایک بدی کرے گا تو ایک ہی بدی کی سزا پائے گا' اور ایک نیکی کرے گا تو اسے دس گُنا اجر سے جہاں تک مجھے منظور ہوگا عطا کروں گا' حضرت آدم علیہ السلام نے پھر زیادتی کی درخواست کی' فرمایا: جب تک جسم میں روح موجود ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے' ابلیس نے عرض کیا: اے اللہ! تو نے اس بندے کو مجھ پر بڑی فضیلت بخشی ہے' اب اگر تو نے میری اعانت نہ فرمائی تو میں ہرگز اس پر غلبہ نہ پاسکوں گا' فرمایا کہ آدم کے ہر بچے کے ساتھ تیرا بھی ایک بچہ پیدا ہوگا' ابلیس نے عرض کیا: یا اللہ! کچھ زیادہ عطا ہو' فرمایا: تو انسانوں کے جسموں میں اس طرح گردش کرے گا جس طرح خون گردش کرتا ہے' اور تو اس کے سینوں کو گھر بنالے گا' ابلیس نے پھر زیادتی کی دعا کی' حکم ہوا:

وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا (پ۱۵ر۷ آیت ۶۴)

اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالانا اور ان کے مال اور اولاد میں اپنا ساجھا کرلینا' اور ان سے وعدہ کرنا اور شیطان ان لوگوں سے بالکل جھوٹے وعدے کرتا ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

خلق اللّٰہ الجن ثلاثۃ اصناف' صنف حیات وعقارب وخشاش الارض وصنف کالریح فی الھواء' وصنف علیھم الثواب العقاب' وخلق اللّٰہ تعالٰی الانس ثلاثۃ اصناف' صنف کالبھائم کما قال تعالٰی: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ' وصنف اجسامھم اجسام بنی آدم وارواحھم ارواح الشیاطین وصنف فی ظل اللّٰہ تعالٰی یوم القیامۃ یوم لاظل الا ظلہ (۱)

اللہ تعالیٰ نے جن کی تین قسمیں پیدا کی ہیں' ایک قسم میں سانپ' بچھو اور حشراتُ الارض ہیں' دوسری آندھی کی طرح ہے' اور تیسری قسم پر ثواب و عذاب ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کی بھی تین قسمیں بنائی ہیں' ایک بہائم کی طرح ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں ہیں' ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں ہیں' ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں ہیں' وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔" ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن کے جسم بنی آدم کے جسموں کی طرح ہیں' اور روحیں شیاطین کی روحوں کی طرح ہیں' اور ایک قسم ان انسانوں کی ہے جو قیامت کے روز باری تعالیٰ کے سائے میں رہیں گے اس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

---

(۱) یہ روایت ابن ابی الدنیا نے مکائد الشیطان میں اور ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں نقل کی ہے' حاکم نے ابو ثعلبہ الخشنی سے یہ روایت اختصار کے ساتھ نقل کی ہے۔

وہیب بن الورد کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم ہوا کہ ابلیس ایک روز حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے سامنے آیا' اور کہنے لگا کہ میں آپ کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں' انہوں نے فرمایا: مجھے تیری نصیحت کی ضرورت نہیں' البتہ مجھے انسانوں کے بارے میں کچھ بتلا (کہ کس طرح کے انسانوں سے تیرا سابقہ پڑتا ہے) اس نے کہا کہ انسانوں کی ہمارے یہاں تین قسمیں ہیں' ایک قسم میں وہ لوگ ہیں جو ہم پر بڑے سخت ہیں' ہم ان کے پاس جاتے ہیں اور انہیں کسی فتنے میں مبتلا کردیتے ہیں اور ان پر قابو پالیتے ہیں' لیکن وہ ارتکاب گناہ کے فوراً بعد توبہ و استغفار کرلیتے ہیں اور اس طرح ہماری تمام محنت ضائع کردیتے ہیں' ہم دوبارہ محنت کرتے ہیں وہ دوسری بار بھی یہی حرکت کرتے ہیں' ہماری عجیب حالت ہے نہ ان سے مکمل مایوسی ہے کہ انہیں چھوڑ کر الگ ہٹ جائیں اور نہ مطلب ہی نکلتا ہے' دوسری قسم کے لوگ ہمارے ہاتھوں میں ایسے ہیں جیسے گیند بچوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے' ہم جس طرح چاہیں انہیں اُلٹ پُلٹ کر رکھ دیتے ہیں' یہ لوگ ہماری محنت کا پورا پورا صلہ دیتے ہیں' تیسری قسم میں آپ جیسے لوگ ہیں' نیک سیرت' معصوم گناہوں سے دور۔ ہم ان پر غالب نہیں آپاتے۔

شیطان کا مجسّم ہو کر سامنے آنا : اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیطان بعض لوگوں کے سامنے مجسّم ہو کر کس طرح آجاتا ہے جب کہ بعض دوسرے لوگوں کے سامنے نہیں آتا' نیز جب وہ کسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو وہ اس کی حقیقی صورت ہوتی ہے یا مثالی؟ اگر وہ اس کی اصل صورت ہے تو وہ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے نیز ایک ہی وقت میں دو جگہوں پر دو مختلف صورتوں میں کیسے نظر آجاتا ہے یہاں تک کہ دو شخص اسے دو مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں؟ اس سلسلے میں یہ عرض کرنا ہے کہ فرشتوں اور شیطان کی حقیقی صورتیں بھی ہیں مگر ان کی حقیقی صورتوں کا مشاہدہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے' بلکہ انہیں نبوت کے انوار ہی سے دیکھا جاسکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا ہے' ایک مرتبہ خود آپ نے ان سے کہا تھا کہ مجھے اپنی اصل صورت دکھلایئے انہوں نے بقیع میں اس کا وعدہ کیا' اور جبل حراء پر اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوئے تو مغرب سے مشرق تک کا تمام اُفق ان کے وجود سے گھر گیا' دوسری مرتبہ معراج کی رات میں سدرۃ المنتہیٰ پر اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے اور آپ نے انہیں دیکھا عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آدمی کی صورت میں دیکھا ہے[1] حضرت جبرئیل علیہ السلام اکثر دحیہ کلبیؓ کی صورت میں آیا کرتے تھے[2] یہ ایک خوبصورت اور وجیہ شخص تھے۔

اکثر اہلِ دل کو مکاشفہ اس طرح ہوتا ہے کہ اس کی صورت اصلی کی مثال ان کے سامنے آجاتی ہے' چنانچہ شیطان بیداری کی حالت میں ان کے سامنے آتا ہے وہ اسے دیکھتے بھی ہیں اور اپنے کانوں سے اس کی آواز بھی سنتے ہیں' یہ مثالی صورت اس کی حقیقی صورت کے قائم مقام ہو جاتی ہے' اکثر صلحاء کو یہ صورت خواب میں پیش آتی ہے۔ صاحب کشف وہ ہے کہ حواس کی مشغولیت اس کے مکاشفے کی راہ میں مانع نہ ہو' یعنی جو بات لوگوں کو خواب میں معلوم ہو وہ انہیں بیداری میں نظر آجائے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے باری تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ مجھے انسان کے قلب میں وہ جگہ دکھلا دی جائے جہاں شیطان رہتا ہے' اس نے خواب میں انسان کے جسم کو بلوریں شیشے کے مانند دیکھا جس میں اندر کی چیز باہر نظر آجاتی ہے اور شیطان کو ایک مینڈک کی صورت میں بائیں شانے پر مونڈھے اور کان کے درمیان بیٹھے ہوئے دیکھا اس کی ایک پتلی اور لمبی سونڈ تھی جسے وہ آدمی کے قلب میں ڈالے ہوئے تھا۔ اور اس کے ذریعہ وسوسے پیدا کررہا تھا' جب وہ آدمی اللہ کا ذکر کرتا تو شیطان اپنی سونڈ ہٹا لیتا' کبھی اس طرح کا مشاہدہ بیداری کی حالت میں ہوجاتا ہے' چنانچہ بعض اہل کشف نے شیطان کو کتے کی صورت میں دیکھا جو مردار پر پڑا ہوا ہے اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دے رہا ہے' مردار دنیا کی تمثیل ہے' اس طرح کا مشاہدہ صورت اصلی کے قائم مقام

(۱) بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ کی روایت - (۲) حوالہ سابق - (۳) بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ بن زید کی حدیث' روایت کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بات چیت کرنے لگے' جب وہ اٹھ کر چلے گئے تو آپ نے ام سلمہ سے پوچھا کہ یہ کون تھے؟ انہوں نے عرض کیا دحیہ۔

ہے' یہ بات پہلے بھی بیان کی جاچکی ہے کہ قلب کے دو طرف ہیں ایک طرف عالم ملکوت کے مقابل ہوتا ہے' یہ وحی' الہام اور غیبی اشارات کا مدخل ہے۔ دوسرا طرف عالم ظاہری کے مقابل ہے' لیکن کیونکہ دونوں طرف ایک دوسرے سے متصل ہیں اس لیے عالم ملکوت کی جانب والے حصے کا اثر عالم ظاہر والی جانب میں جھلکتا ہے۔ عالم ظاہر والی جانب میں جو شئے نظر آتی ہے وہ اس کی صورت متخیلہ ہوتی ہے' کیونکہ کہ تمام عالم ظاہر متخیلات میں سے ہے' اور تخیلات میں یہ بات ممکن ہے کہ جو صورت آدمی کے دل میں اس کی خیالی حِس' کے ذریعے آئے وہ اس کی اصل سیرت کے مطابق نہ ہو' چنانچہ ایک شخص ظاہر میں خوبصورت نظر آتا ہے' مگر یہ ضروری نہیں کہ اس کے ظاہر کی خوبصورتی باطن کی خوبصورتی کے مطابق ہو' وہ بد باطن بھی ہو سکتا ہے' عالم ظاہر تمام تر تلبیس ہی تلبیس ہے' لیکن وہ صورت جو خیال میں عالم ملکوت کی چمک سے ظاہر ہوتی ہے اصل صفت کے تابع اور اس کے عین مطابق ہوتی ہے' چنانچہ جو شئی باطن میں بری ہوگی وہ ظاہر میں بھی بُری ہی نظر آئے گی۔ چنانچہ شیطان کُتے' مینڈک اور خنزیر کی شکل میں نظر آتا ہے' جب کہ فرشتے اچھی شکلوں میں نظر آتے ہیں' یہ صورت معانی کا عنوان اور ان کے باطن کی سچی تصویر ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ خواب میں کتے اور بندر کی صورت میں کسی شخص کا نظر آنا اس کے خُبث پر دلالت کرتا ہے' اور بکری کی صورت میں نظر آنا اس کے سلیمُ الطبع ہونے کی دلیل ہے' خوابوں کی تعبیر کا یہی حال ہے۔ یہ امر بھی قلب کے اسرار سے متعلق ہے' علم معاملہ میں اس کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے' یہاں اس موضوع کو چھیڑنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ اس بات کا یقین کرلیا جائے کہ شیطان اور فرشتے اہل دل پر کبھی تمثیل اور حکایت کے طور پر منکشف ہوتے ہیں جیسا کہ نیند کی حالت میں۔ اور کبھی بطریق حقیقت کے۔ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ کوئی ایسی تمثیلی صورت نظر آتی ہے جو باطن کے مشابہ ہو' اگرچہ وہ صورت مثالی ہوتی ہے' مگر آنکھ سے اس کا مشاہدہ حقیقی ہوتا ہے' تاہم اسے اہل کشف ہی دیکھ سکتے ہیں۔ ان کے آس پاس کے لوگ نہیں دیکھ سکتے' جس طرح خواب سونے والا دیکھ سکتا ہے' قریب بیٹھے ہوئے لوگ نہیں دیکھ سکتے۔

دِل کے وَساوس' اَوہام' خَواطر اور اِرادے

یہ ایک دقیق بحث ہے' اور اس میں آیات و روایات اس حد تک متعارض ہیں کہ ان میں تطبیق دینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے' صرف علماء کاملین ہی اس تعارض کو دُور کر سکتے ہیں' چنانچہ حدیث شریف میں ہے:۔

ان اللّٰہ تجاوز عن امتی ما حدثت بہ نفوسہا مالم تتکلم بہ او تعمل بہ۔ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے وہ تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں جن کا دل میں خیال آئے جب تک وہ زبان پر نہ آئیں یا ان پر عمل نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان اللّٰہ تعالیٰ یقول للحفظة اذا ہم عبدی بسیئة فلا تکتبوہا علیہ' فان عملہا فاکتبوہا سیئة و اذا ہم بحسنة فلم یعملہا فاکتبوہا حسنة فان عملہا فاکتبوہا عشرا۔ (مسلم' بخاری)

اللہ تعالیٰ محافظ فرشتوں (کراماً کاتبین) سے فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ کسی بُرائی کا قصد کرے تو اسے مت لکھو' اگر وہ اس پر عمل کرے تو ایک بُرائی لکھو' اور اگر کسی نیکی کا قصد کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو ایک نیکی لکھو اور اگر اس پر عمل کرے تو دس نیکیاں لکھو۔

اس حدیث کی تخریج بخاری و مسلم دونوں نے کی ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ قلب کا عمل' اور بُرائی کا قصد قابل معافی ہے۔ یہی روایت ان الفاظ میں بھی وارد ہے:۔

من هم بحسنة فلم يعملها كتبت له حسنة و من هم بحسنة فعملها كتبت له عشرا الى سبعمائة ضعف و من هم بسيئة فلم يعملها لم تكتب عليه وان عملها كتبت۔

جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اسے عملی جامہ نہ پہنائے اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی' اور جو اس پر عمل کرے اس کے لیے دس سے سات سو تک نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور جو شخص کسی بُرائی کا قصد کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو وہ بُرائی نہیں لکھی جائے گی' عمل کرلے تو (ایک بُرائی) لکھی جائے گی۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہے:۔

واذا تحدث بان يعمل سيئة فانا اغفرها له مالم يعملها

جب کوئی بندہ دل میں بُرائی کا خیال لاتا ہے تو میں اسے معاف کردیتا ہوں جب تک کہ اس گناہ کا اِرتکاب نہ کرے۔

ان سب روایات سے عفو اور عدمِ مواخذہ پر دلالت ہوتی ہے' دوسری طرف بہت سی آیات سے قلب کے عمل پر مواخذے کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً ارشادِ باری ہے:۔

اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ (پ ۳ ر ۸ آیت ۲۸۴)

اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے پھر جس کے لیے منظور ہو گا بخش دیں گے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا۔ (پ ۱۵ ر ۴ آیت ۳۲)

اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کر' کیوں کہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) پوچھ ہو گی۔

مطلب یہ ہے کہ قلب کا عمل آنکھ اور کان کے عمل کی طرح ہے' جس طرح ان پر مواخذہ ہو گا اسی طرح وہ بھی ماخوذ ہو گا' ارشاد فرمایا:۔ وَلَا تَکْتُمُوا الشَّھَادَۃَ وَ مَنْ یَّکْتُمْھَا فَاِنَّہٗ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ (پ ۳ ر ۸ آیت ۲۸۳)

اور شہادت کا اِخفاء مت کرو' جو شخص اس کا اِخفاء کرے گا اس کا قلب گنہ گار ہو گا۔

لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ (پ ۲ ر ۱۲ آیت ۲۲۵)

اللہ تعالیٰ تم پر (آخرت میں) دارو گیر نہ فرمائیں گے تمہاری (ایسی) قسموں میں سے بے ہودہ قسم پر۔ لیکن مواخذہ فرمائیں گے۔ اس (جھوٹی قسم) پر جس میں تمہارے دلوں نے (جھوٹ بولنے کا) ارادہ کیا ہے۔

اس مسئلے میں حق یہ ہے کہ جب تک قلب کے اعمال کی تفصیل سامنے نہ آجائے اس وقت تک کوئی مطلق حکم نہ لگانا چاہئے۔ قلب کا عمل کئی مرحلوں سے گذر کر اعضاء کے ارتکاب تک پہنچتا ہے۔ قلب پر سب سے پہلے جو چیز وارد ہوتی ہے اسے خاطر کہتے ہیں' مثلاً دل میں کسی ایسی عورت کا خیال آئے جو اس کے پیچھے ہو کر اگر وہ گھوم کر دیکھنا چاہئے تو دیکھ سکتا ہے' دوم یہ کہ دیکھنے کی رغبت میں ہیجان پیدا ہو یعنی طبیعت میں موجود شہوت متحرک ہو' یہ رغبت پہلے خاطر سے پیدا ہوتی ہے اسے میلانِ طبع کہتے ہیں' اور خاطرِ اول کو حدیثِ نفس کہا جاتا ہے' سوم اس رغبت کے لیے دل کی اجازت مثلاً قلب کا یہ حکم لگانا کہ مذکورہ عورت کو دیکھ لینا چاہئے' بعض اوقات طبیعت تو راغب ہوتی ہے' لیکن بعض موانع مثلاً شرم اور خوف کے باعث دل دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا' یہ موانع تأمّل سے دور ہوتے ہیں اور عقل ان کا فیصلہ کرتی ہے' اس عمل کا نام اعتقاد ہے' چہارم یہ کہ عورت کو دیکھنے کا مصمّم عزم ہو اسے قصد' نیت' اور ارادہ کہتے ہیں' اس قصد کا مبدأ

کبھی ضعیف ہوتا ہے' لیکن جب قلب خاطر اوّل کی طرف پوری طرح متوجہ رہتا ہے تو یہ قصد مؤکد ارادہ پختہ اور عزم جازم ہو جاتا ہے' بعض اوقات ارادے کی پختگی کے باوجود آدمی کسی وجہ سے مثلاً ندامت کی بنا پر فعل کا مرتکب نہیں ہوتا' کبھی غفلت کے باعث فعل کا دھیان نہیں رہتا' کبھی کوئی ایسا مانع پیش آجاتا ہے کہ چاہنے کے باوجود بھی اس ارادے کو عملی جامہ پہنانا دشوار ہو جاتا ہے۔

عمل سے پہلے دل کی چار حالتیں: خلاصہ یہ ہے کہ اعضا کے عمل سے پہلے چار حالتیں ہوتی ہیں' حدیثِ نفس' میلانِ طبع' اعتقاد' عزم ان چار حالتوں کا حکم الگ الگ ہے۔ جہاں تک خاطر یعنی حدیثِ نفس کا تعلق ہے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے' کیوں کہ یہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے' یہی حکم میلانِ طبع کا ہے' یہ حالت بھی اختیاری نہیں ہے' یہی دونوں حالتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں مراد ہیں کہ میری اُمت سے ان کے دلوں کی باتیں معاف کردی گئی ہیں۔ حدیثِ نفس کہتے ہی ہیں ان خواطر کو جو دل میں گذریں اور جن پر عمل کرنے کا عزم نہ ہو' عزم وارادے کو حدیثِ نفس نہیں کہتے' حدیثِ نفس کی مثال حضرت عثمان بن مظعون کی یہ روایت ہے کہ انہوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:۔

نفسی تحدثنی ان اطلق خولته' قال مهلا ان من سنتی النکاح' قال نفسی تحدثنی ان اجب نفسی قال: مهلا خصاء امتی دوب الصیام' قال نفسی تحدثنی ان اترهب' قال: مهلا رهبانیة امتی الجهاد والحج' قال: نفسی تحدثنی ان اترک اللحم' قال: مهلا فانی احبه ولو اصبته لاکلته ولو سالت الله لاطعمنیه۔[1]

میرا دل یہ کہتا ہے کہ میں خولہ (بیوی) کو طلاق دے دوں آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو' نکاح میری سنّت ہے' انہوں نے عرض کیا کہ میرا دل کہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو خصی کرلوں فرمایا: ایسا نہ کرو' میری اُمت میں خصی ہونا ہمیشہ روزہ رکھنا ہے' عرض کیا: میرا دل کہتا ہے کہ میں راہب (تارکُ الدنیا) بن جاؤں' فرمایا: ایسا نہ کرو' میری امت کی رہبانیت جہاد اور حج ہے' عرض کیا: میرا دل چاہتا ہے کہ گوشت چھوڑ دوں' فرمایا: ایسا نہ کرو' مجھے گوشت مرغوب ہے' مل جاتا ہے تو کھالیتا ہوں' اگر میں اللہ تعالیٰ سے اس کی درخواست کروں تو وہ مجھے کھلادے۔

یہ وہ خواطر تھے جن پر عمل کا عزم نہیں تھا' یہی خواطر حدیثِ نفس کہلاتے ہیں' چنانچہ اسی لیے حضرت عثمان بن مظعون نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پر عمل کرنے یا نہ کرنے کے سلسلے میں مشورہ کیا' قلب کی تیسری حالت اعتقاد ہے' یعنی دل کا یہ حکم لگانا کہ اس فعل کا کرنا مناسب ہے' یہ اعتقاد اختیاری بھی ہوتا ہے' اور اضطراری بھی' اختیاری پر مواخذہ ہے اضطراری پر نہیں ہے۔ چوتھی حالت یعنی فعل کا ارادہ کرنا قابلِ مواخذہ ہے' اگر کسی وجہ سے وہ فعل نہ کرسکا تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس کا رُکنا ندامت یا خوفِ خدا کی وجہ سے ہے یا نہیں' اگر خوفِ خدا اور ندامت نے اسے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے سے باز رکھا ہے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی' کیوں کہ معصیت کا عزم کرنا معصیت ہے' اور اس سے رُکنا اور نفس پر مجاہدہ کرنا نیکی ہے۔ طبیعت کے تقاضے سے مجبور ہو کر اس نے معصیت کا ارادہ کیا تھا اس کا یہ عمل باری تعالیٰ سے مکمل اعراض اور غفلت پر دلالت نہیں کرتا البتہ اس نے معصیت کا ارادہ ترک کرکے جو مجاہدہ کیا ہے وہ یقیناً بڑی بات ہے' اگر اس نے ارادہ معصیت سے شیطان کی اتباع کی تھی تو اس سے رُک کر طبیعت کی مخالفت کی ہے' اس لیے وہ ایک نیکی کا مستحق ہے' البتہ اگر اس نے کسی مانع یا عُذر کی بنا پر اپنے ارادے پر عمل نہیں کیا تو ایک بُرائی لکھی جائے گی' کیونکہ قلب کا ارادہ اختیاری فعل ہے' اس تفصیل پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے' سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

قالت الملائکة علیهم السلام' رب ذاک عبدک یرید ان یعمل سیئة و هو ابصر به فقال: ارقبوه فان هو عملها فاکتبوها له بمثلها وان ترکها فاکتبوها له حسنة وانما

[1] اس روایت کے مختلف ٹکڑے دارمی' بغوی' طبرانی' احمد' ابو یعلی اور ابو داؤد وغیرہ کتب حدیث میں صحیح اسناد کے ساتھ متعدد صحابہؓ سے منقول ہیں' یہ حدیث احیاء العلوم کی تفصیل کے مطابق حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں سعید بن المسیب سے مرسلاً نقل کی ہے۔

ترکھا من جرائی۔

ملائکہ علیہم السلام باری تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں اے اللہ! یہ تیرا بندہ گناہ کرنا چاہتا ہے' (حالانکہ خدا کو اس کا حال زیادہ معلوم ہے) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اس کی نگرانی کرو' اگر وہ ارادے پر عمل کرلے تو اس کے برابر برائی لکھ لو اور اگر وہ چھوڑ دے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھو کیونکہ اس نے میری وجہ سے یہ گناہ چھوڑا ہے۔

جن روایات میں مَنْ لَمْ یَعْمَلْھَا (اس ارادے پر عمل نہیں کیا) آیا ہے اس میں بھی اللہ کے خوف سے چھوڑنا مراد ہے' اگر کوئی شخص کسی گناہ کا عزم کرے پھر وہ غفلت کے باعث یا کسی اور وجہ سے اس گناہ کا ارتکاب نہ کرسکے تو وہ نیکی کا مستحق کیوں ہوگا؟ حدیث شریف میں ہے:۔ انما یحشر الناس علی نیاتھم (۱) آدمی اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص رات کو یہ نیت کرے کہ میں صبح کو فلاں مسلمان کو قتل کروں گا یا فلاں عورت کے ساتھ زنا کروں گا اور صبح ہونے سے پہلے مرجائے تو وہ اپنے ارادہ و عزم پر مرے گا اور اسی نیت پر اس کا حشر ہوگا' حالانکہ اس نے ارتکاب نہیں کیا تھا' اس امر پر قطعی دلالت اس روایت سے ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار' فقیل یا رسول اللہ ھذا القاتل فما بال المقتول' قال لانہ اراد قتل صاحبہ۔ (بخاری و مسلم۔ ابوبکرۃ)

جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر آمنے سامنے آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ قاتل کا دوزخ میں جانا تو سمجھ میں آتا ہے' مقتول کو کیا ہوا وہ دوزخ میں کیوں جائے گا' فرمایا اس لیے کہ اس نے اپنے ساتھی (قاتل) کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔

معلوم ہوا کہ مقتول محض اپنے ارادے و نیت کی بنا پر دوزخ کا مستحق ہے' بظاہر وہ مظلوم تھا اور قاتل نے ظلماً اسے قتل کیا تھا' اس صراحت کے بعد یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ نیتوں اور ارادوں پر مواخذہ نہیں فرمائیں گے' اس سلسلے میں یہ اصول یاد رکھنا چاہئے کہ ہر وہ قصد قابل مواخذہ ہے جو اختیار کے تحت ہو' ہاں اگر وہ کسی نیکی کے ذریعہ اس قصد کا کفارہ ادا کردے تو اس کے نامۂ اعمال میں نیکی لکھی جائے گی' کیونکہ ندامت کی وجہ سے عزم کو فسخ کرنا نیکی ہے' کسی مجبوری کی وجہ سے ترک فعل کرنا نیکی نہیں ہے' اس لیے پہلے پر اجر ملے گا اور دوسرے پر مواخذہ ہوگا' خواطر اور میلان طبع بندے کے اختیار میں نہیں ہیں' ان پر مواخذہ کرنا بندے کی طاقت سے باہر کی چیزوں پر مواخذہ کرنا ہے' قرآن کریم میں ہے:۔

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ (پ ۳ ر ۸ آیت ۲۸۴)

اور جو باتیں تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے حق تعالیٰ تم سے حساب لیں گے۔

روایات میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو کچھ صحابی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم پر ایسی بات کا حکم ہوا ہے جو ہماری طاقت سے باہر ہے' ہمارے دلوں میں بہت سی باتیں ایسی گذرتی ہیں کہ ان کا دل میں رہنا ہمیں منظور نہیں ہوتا' اس آیت کی رو سے ہماری وہ باتیں بھی قابل مواخذہ ہوں گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غالباً تم بھی یہودیوں کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا (ہم نے سنا اور نافرمانی کی) تمہیں تو یہ کہنا چاہئے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (ہم نے سنا اور اطاعت کی) صحابہ نے سمع و طاعت کا اعتراف کیا' ایک سال بعد مندرجہ ذیل آیت کے ذریعہ یہ تنگی دور ہوئی۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (۲)

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت و اختیار میں ہو۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ قلب کے جو اعمال بندے کے دائرۂ اختیار سے خارج ہیں' ان پر مواخذہ نہیں ہے' بعض لوگ ان

(۱) ابن ماجہ میں لفظ "انما" کے حذف کے ساتھ۔ مسلم میں یہ روایت ام سلمہؓ اور عائشہؓ سے منقول ہے۔ (۲) یہ روایت مسلم شریف میں ابوہریرہؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

اعمال میں کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ جو کچھ دل میں آئے اسے حدیث نفس یا خاطر کہہ دیتے ہیں' ان کی یہ رائے درست نہیں ہے' قلب کے اعمال پر مواخذہ کیوں نہ ہو جب کہ کبر' عجب' ریا' اور حسد وغیرہ قلب کے اعمال ہیں' اور آیات و روایات سے ان پر مواخذہ ثابت ہے۔ اصل یہی ہے کہ جو اعمال بندے کے اختیار میں ہیں خواہ وہ آنکھ کے ہوں یا کان کے ہوں یا دل کے ہوں سب پر مواخذہ ہوگا' چنانچہ اگر کسی نامحرم عورت پر بلا اختیار نظر پڑ جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے' لیکن اگر دوبارہ قصد و ارادے کے ساتھ اس پر نظر ڈالی تو مواخذہ ہوگا۔ یہی حال قلب کے خواطر کا ہے' بلکہ پہلے مواخذہ قلب ہی سے ہونا چاہئے کیوں کہ قلب ہی اصل ہے' چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا:۔

التَّقْوٰی هٰهُنَا (مسلم۔ ابوہریرہ)

تقوی یہاں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (پ ۱۷ر ۱۲ آیت ۳۷)

اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون' لیکن اس کے پاس تمہارا تقوی پہنچتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

الاثم حواز القلوب۔ (۱)

گناہ دلوں میں کھٹکنے والا ہے

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

البر ما اطمأن الیہ القلب وان افتوک وافتوک (۲) (طبرانی۔ ابو ثعلبہ)

نیکی وہ ہے جس پر دل مطمئن ہو جائے اگرچہ لوگ تم پر فتوی لگائیں' فتوی لگائیں۔

ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر مفتی کے دل میں کسی امر کے وجوب کا خیال آیا اور وہ امر فی الحقیقت واجب نہیں ہے تب بھی اسے ثواب ملے گا' اسی طرح اگر کسی کے دل نے یہ گواہی دی کہ میں وضو سے ہوں' اس نے دل کی گواہی پر مطمئن ہو کر نماز پڑھ لی' پھر قرائن سے معلوم ہوا کہ نماز بلا وضو پڑھی گئی ہے تو اس نماز پر ثواب ملے گا' لیکن اگر طہارت کی گواہی کے بعد نماز چھوڑے گا تو گنہگار ہوگا' اسی طرح اگر کسی نے اجنبیہ سے یہ سمجھ کر جماع کرلیا کہ یہ میری بیوی ہے تو گنہگار نہ ہوگا' اس کے برعکس اگر یہ عورت منکوحہ ہوتی اور وہ اسے غیر سمجھ کر جماع کرتا تو گنہگار ہوتا۔ ان تمام مسائل میں قلب کو اہمیت دی گئی ہے' اعضاء کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔

ذکر کے وقت قلب کے وسوسوں کا مکمل انقطاع

اس بحث کا موضوع یہ ہے کہ ذکر کے وقت قلب کے وساوس پورے طور پر ختم ہو جاتے ہیں یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ احوالِ قلب کے نگراں' اور اس کے عجائب و صفات پر نظر رکھنے والے علماء کے اس سلسلے میں پانچ فرق ہیں۔

ایک فرق کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے وسوسہ ختم ہو جاتا ہے' حدیث میں ہے:۔

---

(۱) یہ روایت کتاب العلم میں گذر چکی ہے (۲) اسی مضمون کی ایک حدیث وابصہ سے مسند احمد میں منقول ہے' یہ دونوں روایتیں پہلے بھی گذر چکی ہیں۔

فاذا ذکر اللہ خنس۔ (ابن ابی الدنیا' ابن عدی۔ انس)

جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ہٹ جاتا ہے۔

خنس کے معنیٰ ہیں سکوت' مطلب یہ ہوا کہ شیطان ذکر الٰہی کے وقت خاموش ہو جاتا ہے' اور اپنی حرکتیں ختم کر دیتا ہے' دوسرے فریق کا قول یہ ہے کہ ذکر سے وساوس ختم تو نہیں ہوتے البتہ ان کی تاثیر ختم ہو جاتی ہے' اس لیے کہ جب دل پر اللہ تعالیٰ کا ذکر محیط ہو جاتا ہے تو اس میں وسوسہ کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گہری سوچ میں غرق ہو' اگرچہ لوگوں کی آوازیں اس کے کانوں میں پڑتی ہیں اور وہ خود بھی گفتگو میں حصہ لیتا ہے لیکن سمجھتا کچھ نہیں ہے' جس طرح سوچ میں مستغرق شخص ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے اسی طرح ذاکر بھی وساوس کے اثر سے آزاد ہو جاتا ہے' تیسرے فریق کی رائے یہ ہے کہ نہ وسوسہ ختم ہوتا ہے اور نہ اس کا اثر زائل ہوتا ہے البتہ قلب سے اس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے' یعنی وسوسہ ضعیف پڑ جاتا ہے۔ چوتھے فریق کا خیال یہ ہے کہ ذکر سے وسوسہ ختم ہو جاتا ہے' اور وسوسہ سے ذکر کا اثر معدوم ہو جاتا ہے' یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا ہے کہ وسوسہ ہے تو ذکر نہیں اور ذکر ہے تو وسوسہ نہیں۔ اور ان دونوں کی آمد و رفت پے بہ پے جاری رہتی ہے' ان کی جلدی جلدی اور پے بہ پے آنے سے ایسا لگتا ہے گویا وہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کرہ پر قریب قریب نقطے ہوں اور اسے تیزی سے حرکت دی جائے تو وہ نقطے ایک دوسرے سے متصل دائرے معلوم ہوں گے' اس فریق کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ حدیث شریف میں خنس (سکوت) وارد ہے لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ذکر کے باوجود قلب وسوسوں میں گھرا رہتا ہے' حدیث شریف کے مفہوم اور ہمارے تجربے میں تطبیق کی یہی ایک صورت ہے جو مذکور ہوئی۔ پانچویں فریق کا قول یہ ہے کہ وسوسہ اور ذکر کبھی منقطع نہیں ہوتے' بلکہ دونوں کا عمل اپنی اپنی جگہ جاری رہتا ہے' جس طرح انسان اپنی آنکھ سے بیک وقت دو مختلف چیزیں دیکھ لیتا ہے اسی طرح قلب پر بھی بیک وقت دو مختلف حال طاری ہو جاتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ما من عبد الا وله اربعة اعين' عينان في راسه يبصر بهما امر دنياه' وعينان في قلبه يبصر بهما امر دينه (ابو منصور دیلمی۔ معاذ بن جبل)

ہر بندے کی چار آنکھیں ہوتی ہیں' دو سر میں جن سے وہ اپنے دنیوی امور دیکھتا ہے اور دو دل میں جن سے وہ اپنے دینی امور کا مشاہدہ کرتا ہے۔

محاسبی کی رائے بھی یہی ہے۔

وساوس کی قسمیں: ہمارے نزدیک یہ تمام مذاہب صحیح ہیں' لیکن ان میں وسوسوں کی تمام قسموں کا احاطہ نہیں کیا گیا بلکہ ان میں سے ہر فریق نے ایک قسم پر نظر ڈالی اور اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ وسوسوں کی کئی قسمیں ہیں۔

پہلی قسم۔ تلبیس حق: ایک قسم یہ ہے کہ شیطان حق کو مشتبہ کرنے کے لیے وسوسہ ڈالے مثلاً کسی انسان سے یوں کہے کہ دنیاوی لذات نہ چھوڑنی چاہئیں۔ کیونکہ زندگی طویل ہے' اتنے طویل عرصے تک خواہشات کو قابو میں رکھنا صبر آزما کام ہے اس موقعہ پر اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے حق عظیم' ثواب عظیم اور عقاب الیم کا تصور کرے گا اور دل کو یہ سمجھائے گا کہ زندگی طویل ہو سکتی ہے مگر آخرت کی زندگی کے مقابلے میں وہ بہرحال مختصر ہے' اور یہ تمام دنیاوی لذات فانی ہیں' اگرچہ بظاہر ان پر صبر کرنا مشکل ہے لیکن دوزخ کی آگ کے مقابلے میں چنداں مشکل نہیں ہے' اور ان دونوں میں سے ایک ضروری ہے اگر دنیا میں لذات پر صبر کی مشقت برداشت کر لی تو دوزخ کی مشقت برداشت نہیں کرنی پڑے گی' اور دنیا میں صبر نہ کیا تو آخرت کی مشقت برداشت کرنی ہوگی' بہرحال اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور وعیدوں کی یاد دہانی' اور ایمان و یقین کی تجدید شیطان کو راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتی ہے'

اس لیے کہ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ دوزخ کی آگ معاصی پر صبر کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے یا یہ کہ معاصی کا ارتکاب دوزخ کی طرف نہیں پہنچاتا' اگر اس نے اس طرح کے دعوے کئے بھی تو بندۂ مؤمن کتاب اللہ پر اپنے ایمان کی وجہ سے ان وعدوں پر یقین ہی کب کرے گا۔ اسی طرح اگر وہ عجب کا وسوسہ ڈالے مثلاً یہ کہے کہ تجھ سے زیادہ کسی شخص کو باری تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہے' اور نہ تیری عبادت کی مثال کہیں ملتی ہے' اللہ کے یہاں تیرا درجہ انتہائی بلند ہے' اس موقعہ پر بندہ کو یہ سوچنا چاہئے کہ معرفت' عبادت' عُلو مرتبت اور وہ تمام اعضاء جنھوں نے عمل کیا' اور وہ تمام اعمال جن سے معرفت حاصل ہوئی سب اللہ تعالیٰ کی تخلوق ہیں اسی کی عطا کردہ دولت ہیں' میرا اس میں کوئی کمال نہیں ہے' اس خیال کے بعد عُجب اور خود پسندی کی گنجائش ہی باقی نہیں رہ جاتی' شیطان ہزیمت اٹھاتا ہے' اس لیے کہ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب اللہ کی تخلوق نہیں ہیں' اگر اس نے یہ کہا بھی تو بندہ کی معرفت اور اس کا ایمان اس کی بات کا یقین ہی کب کرنے دے گا۔ وسوسوں کی یہ قسم ایمان و معرفت کے نور کے حامل عارفین کے دلوں سے ذکر کے ذریعہ بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے۔

دوسری قسم۔ تحریکِ شہوت : وسوسوں کی دوسری قسم یہ ہے کہ شیطان شہوت کو تحریک دے' اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ بندہ کو اس شہوت کا معصیت ہونا یقینی طور پر معلوم ہو دوسری یہ کہ وہ ظنِ غالب سے معلوم ہو' یقین کی صورت میں شیطان شہوت کو حرکت دینے سے تو باز نہیں آئے گا لیکن وہ اس حرکت کو مؤثر نہ بنا سکے گا' اگر وہ یقینی نہیں بلکہ ظن ہے تو شیطان کی تحریک مؤثر بھی ہو سکتی ہے' اس صورت میں اس کے ازالے کے لیے مجاہدہ کی ضرورت ہوگی' وسوسہ کی یہ قسم ذکر کے وقت پورے طور پر ختم نہیں ہوتی البتہ غالب بھی نہیں ہو پاتی۔

تیسری قسم۔ خواطر : وسوسہ کی تیسری قسم محض خواطر اور غائب احوال کی یاد ہے جو نماز میں آتی ہے' چنانچہ جب بندہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوتا ہے تو یہ خواطر تھوڑی دیر کے لیے ختم ہو جاتے ہیں' پھر آجاتے ہیں پھر ختم ہو جاتے ہیں' بعض اوقات خواطر کی آمد و رفت اتنی پے بہ پے اور مسلسل ہوتی ہے کہ خواطر اور ذکر دونوں ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں معلوم ہوتی ہیں' یہاں تک کہ بعض اوقات خواطر بھی آتے ہیں اور قرأت کے معنی بھی سمجھ میں آتے ہیں گویا قلب میں دونوں کے لیے دو الگ الگ جگہیں ہیں جہاں وہ دونوں بیک وقت سما سکتے ہیں' اس قسم کے وسوسہ کا مکمل طور پر سے منقطع ہونا بہت مشکل ہے' لیکن محال نہیں ہے' اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من صلی رکعتین لم یحدث فیهما نفسه بشئی من امر الدنیا غفر له ما تقدم من ذنبه۔(۱)

جو شخص دو رکعتیں ایسی پڑھے کہ ان میں اس کا نفس کوئی دنیا کی بات نہ کرے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

اگر یہ ممکن نہ ہوتا کہ ذکرِ الٰہی کے وقت کسی طرح کا کوئی وسوسہ دل میں نہ ہو تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر نہ فرماتے۔ لیکن یہ صورت تمام قلوب کے ساتھ پیش نہیں آسکتی' بلکہ صرف اسی دل میں اس کا تصوّر کیا جا سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی محبت اس درجہ غالب آچکی ہو کہ اس کے علاوہ کوئی خیال نہ آتا ہو' جس طرح عاشقِ صادق کے دل میں محبوب کی بات کے علاوہ کوئی دوسری بات نہیں آتی' اسی طرح اگر کسی شخص کو اپنے دشمن کا فکر ہوتا ہے تو وہ اس کے تصوّر میں' اور اسے ایذا پہنچانے کے خیال میں اتنا مستغرق ہوتا ہے کہ نماز کا خیال بھی نہیں آتا' اور نہ یاد رہتا ہے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں' اور کس رکعت میں کیا پڑھا ہے؟ حد یہ ہے کہ اس دوران اگر کوئی قریب سے بھی گذر جائے تو پتا نہیں چلتا' خواہ آنکھیں کھلی ہوں اور بظاہر اسے دیکھ بھی رہی ہوں' جب دنیاوی امور میں استغراق کی یہ کیفیت ہو سکتی ہے تو دوزخ کے خوف اور جنت کے شوق میں بندے کی

---

(۱) یہ روایت کتاب الصلوٰۃ میں گذر چکی ہے۔

یہ حالت کیوں نہیں ہو سکتی' البتہ ایمان کی کمزوری کے پیش نظر اس طرح کی کیفیت عام نہیں ہے۔
حاصل یہ ہے کہ شیطان سے چند لمحوں کے لیے نجات ممکن ہے' لیکن عمر بھر کے لیے چھٹکارا ممکن نہیں ہے' اگر کوئی شخص شیطان کے وسوسوں اور اس کی ہیجان انگیزی سے محفوظ رہ سکتا تھا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہوتی' جب کہ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے اپنے کپڑے کے نقوش پر آپ کی نظر پڑی' سلام پھیرنے کے بعد آپ نے وہ کپڑا اتار پھینکا اور ارشاد فرمایا:۔

شغلنی عن الصلاة' اذھبوا به الی ابی جھم (۱)

اس کپڑے نے تو مجھے نماز سے روک دیا' اسے ابو جہم کے پاس لے جاؤ۔

آپ کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی تھی' ایک مرتبہ خطبہ کے دوران اس پر نظر جا پڑی تو آپ نے اسے اٹھا کر پھینک دیا' اور فرمایا:۔ نظر الیه' و نظر الیکم (نسائی۔ ابن عباسؓ)

میں ایک بار اسے دیکھتا ہوں اور ایک بار تمہیں دیکھتا ہوں۔

کپڑے کے نقوش اور سونے کی انگوٹھی سے دھیان بٹنے کا عمل شیطان کا وسوسہ تھا' یاد رہے کہ سونے کی انگوٹھی کا واقعہ مردوں کے لیے سونے کی حرمت کی نزول سے پہلے کا ہے' آپ نے یہ انگوٹھی پہنی کیونکہ اس وقت پہننا جائز تھا' بعد میں اتار دی کیونکہ اس سے وسوسے پیدا ہو رہے تھے اور دنیاوی مال و متاع سے متعلق وسوسے انہیں اپنے سے دور ہٹا کر ہی ختم کیے جا سکتے ہیں' جب تک کوئی شخص ضرورت سے زائد چیز کا مالک رہے گا تو اسے شیطان وسوسہ میں ضرور مبتلا کرے گا' خواہ وہ زائد چیز ایک درہم یا ایک دینار ہی کیوں نہ ہو' دراہم و دنانیر میں وسوسے کی صورت یہ ہوگی کہ شیطان صاحب مال کو ان کی حفاظت کے سلسلے میں متفکر رکھے گا' نیز اسے بتلائے گا کہ وہ اس مال کو کہاں خرچ کرے' اسے کس طرح چھپا کر رکھے تاکہ لوگوں کو تمہارے پاس مال کی موجودگی کا پتا نہ چلے یا اسے کس طرح ظاہر کرے کہ لوگ تمہاری برتری تسلیم کریں' یہ اور اسی طرح کے دوسرے وسوسے اسے پریشان رکھیں گے' دنیاوی دولت کے مردہ جسم میں اپنی طمع کے پنجے گاڑنے کے بعد شیطان سے بچنے کی خواہش رکھنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص شہد میں گر جائے اور یہ توقع رکھے کہ اس پر مکھیاں نہیں بیٹھیں گی' حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے' دنیا شیطانی وسوسوں کا ایک بڑا دروازہ ہے' اور یہ صرف ایک دروازہ نہیں ہے بلکہ بے شمار دروازے ہیں جن سے شیطانی لشکر وسوسوں کے بوجھ اٹھائے اپنی آمد و رفت جاری رکھے ہوئے ہیں ایک دانشور کہتے ہیں کہ شیطان آدمی کے پاس معاصی کی راہ سے آتا ہے' یہ راہ بند ہو تو نصیحت کا راستہ اپناتا ہے اور اسے بدعت میں مبتلا کر دیتا ہے' اگر وہ راستہ بھی مسدود کر دے تو اسے تنگی اور تشدد کی راہ دکھلاتا ہے کہ جو چیز حرام نہ ہو اسے بھی حرام کر لے' اگر وہ اس سے بھی منع کر دے تو اسے وضو اور نماز کے دوران شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتا ہے' اگر اس سے بھی کام نہیں چلتا تو اس پر خیر کے کاموں کو آسان کر دیتا ہے' جب لوگ اسے نیک اور صابر و عفیف سمجھ کر راغب ہونے لگتے ہیں تو وہ اسے عُجب میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیتا ہے' یہاں وہ جدوجہد کی تمام تر قوت صرف کر دیتا ہے' یہ آخری موقعہ ہوتا ہے' اور شیطان یہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا' اس لیے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو میرا شکار جال میں پھنسنے کے بجائے سید جنت میں جائے گا۔

قلب کی سُرعتِ تغیر اور اِثبات و تغیر میں اس کی قِسمیں

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا قلب مختلف متضاد اوصاف کے درمیان گھرا ہوا ہے' گویا وہ ایک ہدف ہے جس پر چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہوتی ہے' اس پر ایک چیز کا اثر ہوتا ہے تو دوسری طرف سے دوسری چیز آکر اس اثر کو زائل کر دیتی ہے' شیطان اسے ہوائے نفس کی

(۱) یہ روایت کتاب الصلوۃ میں گزر چکی ہے۔

طرف کھینچتا ہے، فرشتہ سمت مخالف میں کھینچتا ہے، ایک شیطان ایک شر کی جانب لے جاتا ہے تو دوسرا شیطان دوسرے شر کی دعوت دیتا ہے اسی طرح ایک فرشتہ ایک خیر کی طرف بلاتا ہے تو دوسرا فرشتہ دوسرے خیر کی طرف بلاتا ہے، کبھی وہ دل دو فرشتوں کی کشاکش میں مبتلا ہو جاتا ہے، کبھی دو شیطانوں کی اور کبھی شیطان و فرشتے کی۔ اسے کسی بھی وقت فرصت کا لمحہ میسّر نہیں آتا، اس آیت میں قلب کی اسی کیفیت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ (پ ۷ ر ۱۹ آیت ۱۱۰)

اور ہم بھی ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے۔

کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قلب کی عجیب میں اللہ کا عجب و غریب صنعت پر مطلع تھے، اور اس بات سے واقف تھے کہ یہ گوشت کا ٹکڑا ہر لمحہ ہر آن متغیر رہتا ہے اس لیے آپ یہ قسم کھایا کرتے تھے۔

لا : ومقلب القلوب۔ بخاری۔ ابن عمرؓ نہیں! قسم ہے دلوں کے بدلنے والے کی۔

آپ بکثرت یہ دعا فرماتے تھے:۔ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ

اے دلوں کے بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔

لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ کو بھی اپنے دل کے بارے میں کسی طرح کا کوئی اندیشہ ہے، فرمایا:۔

ومایومنني والقلب بین اصبعین من اصابع الرحمٰن یقلبه کیف یشاء۔

میں کس وجہ سے بے خوف ہو جاؤں جب کہ دل باری تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جس طرح چاہتا ہے بدل دیتا ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

ان شاء ان یقیمه اقامه وان شاء ان یزیغه ازاغه۔ (حاکم جابر بن عبد اللہؓ)

اگر وہ سیدھا کرنا چاہتا ہے تو سیدھا کر دیتا ہے اور ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے تو ٹیڑھا کر دیتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب کی تین مثالیں بیان فرمائیں۔ ایک مثال یہ ہے۔

مثل القلب مثل العصفور ینقلب فی کل ساعة (حاکم، بیہقی۔ ابو عبید الجراحؓ)

قلب کی مثال چڑیا جیسی ہے کہ ہر وقت لوٹ پوٹ ہوتی رہتی ہے۔

دوسری مثال ان الفاظ میں بیان فرمائی:۔

مثل القلب فی تقلبه کالقدر اذا استجمعت غلیانها۔ (احمد، حاکم۔ مقداد بن اسودؓ)

قلب کی مثال بدلنے میں ہانڈی جیسی ہے، جس وقت اس میں خوب جوش آتا ہے۔

تیسری مثال یہ بیان فرمائی:۔

مثل القلب کمثل ریشة بارض فلاة تقلبها الریاح ظهر البطن۔ (طبرانی بیہقی۔ ابو موسیٰ الاشعریؓ)

قلب کی مثال ایسی ہے جیسے صحرا میں پر ہو جسے ہوائیں الٹ پلٹ کرتی رہتی ہوں۔

قلب کے تغیرات، اور ان میں اللہ تعالیٰ کی صنعت کے عجائب کی معرفت وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو قلب کے نگراں رہتے ہوں اور مراقبہ میں لگے رہتے ہوں۔

تغیر و ثبات کے اعتبار سے قلب کی تین قسمیں : خیر و شر پر ثبات یا ان دونوں کے درمیان متردد رہنے کے اعتبار سے قلب کی تین قسمیں ہیں۔

تقویٰ کے نور سے معمور : ایک دل وہ ہے جو تقویٰ کے نور سے معمور ہو، اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک و صاف ہو، اس طرح کے قلب پر خیر کے خواطر غیب کے خزانے اور عالم ملکوت سے آتے ہیں، عقل ان کے دقائق اور اسرار و فوائد پر مطلع ہونے کے لیے ان میں

فکر کرتی ہے' جب نُورِ بصیرت سے کسی خیر کا خیر ہونا ظاہر ہو جاتا ہے تو عقل اس کی اہمیت کا فیصلہ کرتی ہے اور قلب کو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتی ہے' فرشتہ جب یہ دیکھتا ہے کہ اس قلب کا جوہر صاف ہے' نور خرد سے اس کی محرابیں روشن ہیں' تقوٰی کی ضیاباریاں چاروں طرف پڑ رہی ہیں' اور معرفتِ الٰہی کی شمع جل رہی ہے' بلاشبہ اسی طرح کے قلوب ہمارا مسکن' ہمارے اترنے اور ٹھہرنے کی جگہیں ہیں تو وہ نظرنہ آنے والے لشکروں سے اس کی مدد کرتا ہے' اور بہت سے خیر کے کاموں کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے' اور عمل پر اس کی اعانت کرتا ہے' یہاں تک کہ وہ اسے عمل خیر کا عادی بنا دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى۔ (پ ۳۰ ر ۱۷ آیت ۵-۷)

سو جس نے (اللہ کی راہ میں مال) دیا اور اللہ سے ڈرا اور اچھی بات (اسلام) سچا سمجھا تو اس کے لیے سامان راحت کریں گے۔

اسی طرح کے قلوب میں محرابِ ربوبیت کی شمع سے اتنا اُجالا پھیلتا ہے کہ وہ شرک خفی بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتا جو اندھیری رات میں رینگنے والی سیاہ چیونٹی سے بھی زیادہ خفی ہے۔ ایسے دلوں پر شیطانی مکر مؤثر نہیں ہوتا' وہ لاکھ دھوکا دیتا ہے' چکنی چپڑی باتیں بناتا ہے لیکن بندہ اس کی طرف ادنیٰ اِلتفات بھی نہیں کرتا' یہ دل مہلکات سے نجات کے بعد منجیات سے آراستہ ہو جاتا ہے' یہ منجیات ہیں شکر' صبر' خوف' رجاء' فقر' زہد' محبت' رضا' شوق' توکّل' تفکّر' اِحتساب وغیرہ۔ اسی قلب پر اللہ تعالیٰ کی توجہ ہوتی ہے' اسی قلب کا ذکر مندرجہ ذیل آیتوں میں ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (پ ۱۳ ر ۱۰ آیت ۲۸)

خوب سمجھ لو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (پ ۳۰ ر ۱۴ آیت ۲۷-۲۸)

اے اطمینان والی روح اپنے پروردگار کی (جوار رحمت کی) طرف چل اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش۔

خواہشاتِ نفس سے لبریز قلب : دوسرا دل اس دل کے برعکس ہے یعنی وہ نفسانی خواہشات سے پر ہوتا ہے اور مذموم عادات سے آلودہ ہوتا ہے' اس دل کے دروازے شیاطین کے لیے کھلے رہتے ہیں اور فرشتوں کے لیے بند رہتے ہیں' اس طرح کے دل میں شر کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ پہلے اس میں ہوائے نفس کا تصوّر آتا ہے' اور گناہ کی کھٹک پیدا ہوتی ہے' دل عقل کے حاکم سے مشورہ طلب کرتا ہے' عقل کیوں کہ پہلے ہی سے ہوائے نفس کی خادم ہے اور اس سے مانوس ہے اس لیے وہ اس کے حق میں فیصلہ کرتی ہے اور جواز کے لیے اسباب مہیا کرتی ہے' اس طرح نفس دل پر اپنا قبضہ جمالیتا ہے اور گناہ پر اس کی مدد کرتا ہے' آدمی کا سینہ نفسانی خواہشات کے لیے کھل جاتا ہے' اور ہوس کے اندھیرے پھیلنے لگتے ہیں کیوں کہ عقل کی فوج پہلے اپنی قوّتِ مدافعت کھو بیٹھتی ہے' اور اپنی باگ ڈور نفس کے ہاتھ میں دے دیتی ہے اس لیے شیطان کی سلطنت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے' وہ دل کو ظاہری زیب و زینت فریب و مکر اور جھوٹی امیدوں میں پھنساتا ہے' اور اس طرح کی چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے کہ ایمان کی سلطنت کمزور پڑ جاتی ہے اور یقین کی شمع گُل ہو جاتی ہے' یعنی وعدہ' وعید' جنت دوزخ اور آخرت پر ایمان باقی نہیں رہتا' ہوائے نفس ایک دھواں ہے جو قلب کے چاروں طرف پھیل جاتا ہے اور ایمان و یقین کا چراغ گل کر دیتا ہے' عقل کی کیفیت اس طرح ایسی ہو جاتی ہے جیسے کسی شخص کی آنکھ میں دُھواں بھر جائے اور وہ دیکھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے' غلبۂ شہوت بھی قلب سے غور و فکر کی صلاحیت اور بصیرت کا نور سلب کر لیتا ہے' اور ہدایت سے اس قدر بے بہرہ ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی واعظ اچھی بات بتلانا بھی چاہے تو وہ سمجھتا نہیں ہے۔ شیطان الگ حملہ آور ہوتا ہے' نفس کی خواہشات الگ حملہ کرتی ہیں۔ اعضاء الگ موافقت کرتے ہیں' اس طرح معصیت کے ظہور کے لیے تمام اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔ حسبِ ذیل آیات میں ایسے ہی دل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۙ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا۔ (پ ۱۹ ر ۲ آیت ۴۴)

اے پیغمبر! آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے سو کیا آپ اس کی نگرانی کر سکتے ہیں یا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰى أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔ (پ ۲۸ ر ۱۸ آیت ۶)

ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو ہرگز یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔ (پ ۱ ر ۱ آیت ۶)

برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔

بعض دلوں کا حال تو تمام شہوتوں میں یکساں ہوتا ہے' بعض دل بعض شہوتوں میں ملوّث ہو جاتے ہیں اور بعض شہوتوں کے قریب بھی نہیں جاتے۔ مثلاً بعض لوگ عام معاصی سے اجتناب کرتے ہیں لیکن جب کوئی حسین صورت نظر پڑتی ہے تو انہیں ضبط کا یارا نہیں رہتا اور وہ عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر اس گناہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں' بعض لوگ اقتدار' جاہ اور منصب کے اتنے بھوکے ہوتے ہیں کہ جب بھی ان چیزوں کے حصول کی کوئی صورت پیدا ہوتی ہے وہ دیوانہ وار اس کے پیچھے دوڑتے ہیں' بعض لوگ اپنا عیب نہیں سن سکتے اپنی اہانت برداشت نہیں کر سکتے' اگر کوئی ایک لفظ بھی کہہ دیتا ہے تو وہ غصہ سے آگ بگولا ہو جاتے ہیں' بعض لوگ اپنی عام زندگی میں تقویٰ و طہارت پر عمل پیرا رہتے ہیں لیکن جب روپے پیسے کی لین دین کی بات آتی ہے تو تقویٰ و تقدّس کی تمام قبائیں چاک کر ڈالتے ہیں' اور مال پر اس طرح گرتے ہیں جس طرح کتا بچی ہوئی ہڈی پر ٹوٹتا ہے ان تمام معاصی کا ارتکاب ان ہی دلوں سے ہوتا ہے جن کے ارد گرد ہوائے نفس کے دھوئیں کی دبیز چادر چھا جاتی ہے' اور بصیرت کا نور مدھم پڑ جاتا ہے' حیا اور ایمان رخصت ہو جاتا ہے' اور وہ لوگ شیطان کے منشاء و مراد کی تکمیل میں لگ جاتے ہیں۔

<u>تیسرا قلب۔ خاطر شہوت اور خاطر ایمان کے درمیان</u> : قلب کی تیسری قسم وہ ہے جس میں ہوائے نفس کے خواطر پیدا ہوتے ہیں اور اسے شر کی طرف بلاتے ہیں' اسی وقت ایمان کے خواطر آتے ہیں اور اسے خیر کی طرف بلاتے ہیں' نفس اپنی تمام تر شہوتوں کے ساتھ شر کے خواطر پر آمادہ نظر آتا ہے' شہوت کو تقویت دیتا ہے' اور لذت خیزی و عیش کوشی کے فضائل بیان کرتا ہے۔ عقل خیر کے خواطر کی مدد کرتی ہے' اور شہوت کی برائی کرتی ہے' اور نفس کو بتلاتی ہے کہ یہ کام جہالت کا ہے' بہائم اور درندوں کے افعال کے مشابہ ہے' کیونکہ بہائم اور درندے ہی انجام کی پروا کئے بغیر شر پر گر پڑتے ہیں۔ نفس عقل کی نصیحت پر مائل نظر آتا ہے تو شیطان نفس کا پیچھا چھوڑ کر عقل کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس طرح شہوت کے دواعی کو تقویت پہنچاتا ہے' شیطان عقل سے کہتا ہے کہ تو خواہ مخواہ اپنے نفس کو کیوں تنگی میں مبتلا کئے ہوئے ہے' تو نے اپنی خواہشات بالائے طاق کیوں رکھ دیں' کیا تیرے ہم عصروں میں کوئی ایسا ہے جو خواہشات کا مخالف اور اپنی اغراض کا تارک ہو' ان کے حصے میں دنیا کی لذتیں ہیں' اور تیرے حصے میں تنگی ہے وہ خوش نصیب ہیں تو محروم القسمت' بدبخت' اور مصیبت زدہ ہے' دنیا کے لوگ تیرا مضحکہ اڑاتے ہیں اور دوسروں کی مثالیں دیتے ہیں جنہوں نے میرے بتلائے ہوئے راستے پر چل کر بڑے بڑے منصب حاصل کئے' تو ان کی راہ کیوں نہیں چلتی' کیا تو فلاں عالم کو نہیں دیکھتی کہ وہ فلاں فلاں کام کرتے ہیں' اگر یہ کام برے ہوتے تو وہ کیوں کرتے' نفس شیطان کی طرف جھکتا ہے اسی وقت فرشتہ نفس کا راستہ روک لیتا ہے اور اسے بتلاتا ہے کہ جو شخص حال کی لذات کے حصول میں مآل اور انجام سے بے پرواہ ہو جاتا ہے وہ تباہ و برباد ہوتا ہے' کیا تو ان چند روزہ لذتوں پر قناعت کر کے جنت کی دائمی نعمتوں اور لذتوں کو چھوڑنے کے لیے تیار ہے' کیا تجھے شہوت پر صبر کے مقابلے میں دوزخ کے عذاب کی تکلیف سہل نظر آتی ہے' لوگوں کی اتباع مت کر' اور شیطان کے فریب میں مت آ۔ دوسروں کے گناہ تیرے عذاب کی تکلیف کم نہیں کر سکتے' اگر تجھے سخت گرمی اور لو کے زمانے میں آرام دہ ٹھنڈا مکان میسر آ جائے تو کیا تو لوگوں کا ساتھ دے گا یا اس مکان کو ترجیح دے گا جہاں نہ سورج کی تپش سے جسم پگھلتے ہیں' اور نہ گرم

جھونکے بدن جھلساتے ہیں' دنیا میں تیرا حال یہ ہے کہ سورج کی گرمی تجھے برداشت نہیں' دھوپ میں تو کھڑا نہیں ہو سکتا' پھر معلوم نہیں دوزخ کے خوف سے کیا چیز مانع ہے' کیا دوزخ کی حرارت سورج کی حرارت سے کم ہے؟ اس نصیحت سے نفس فرشتے کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ فرشتے اور شیطان کی کش مکش جاری رہتی ہے اور وہ اسی کشاکش کے درمیان اپنی عمر کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے' بعض اوقات شیطانی اوصاف غالب آجاتے ہیں اور نفس بالکلیہ شیطان کی طرف مائل ہو جاتا ہے' اس کا معاون و مددگار بن جاتا ہے رحمانی گروہ سے اعراض کرتا ہے' اور اس کے اعضاء سے وہ تمام اعمال صادر ہوتے ہیں جن پر ازلی تقدیر نے مہر ثبت کر رکھی ہے اور جو اسے اللہ سے دور لے جاتے ہیں' ملکوتی صفات غالب آتی ہیں تو نفس شیطان کے جال میں نہیں پھنستا' اس کے فریب کا قلع قمع کر دیتا ہے' دنیا کی فانی لذات کو ترجیح نہیں دیتا۔ آخرت کے امور میں سستی کا مظاہرہ نہیں کرتا' بلکہ رحمانی گروہ کی اطاعت کرتا ہے' اور اس کے اعضاء سے وہ اعمال صادر ہوتے ہیں جو رضائے الٰہی کا باعث ہوں۔ اور یہ بھی تقدیر ازل ہی کے مطابق ہوتا ہے قلب المؤمن بين اصبعين من اصابع الرحمن میں اسی کش مکش کی طرف اشارہ ہے جو دونوں فریقوں کے درمیان جاری ہے۔ اس طرح کے قلوب کسی ایک گروہ کی طرف مستقل طور پر مائل نہیں ہوتے' بلکہ ان میں انقلاب اور تغیر کا عمل جاری رہتا ہے۔

اطاعات اور معاصی سب خزانۂ غیب سے عالم ظہور میں آتے ہیں' اور قلب ان کے درمیان واسطہ بنتا ہے' کیونکہ قلب ملکوت کے خزائن میں سے ایک خزانہ ہے۔ اربابِ قلوب اسی ظہور سے قضاء و قدر کی معرفت حاصل کرتے ہیں' جو لوگ جنت کے لیے پیدا ہوئے ہیں ان کے لیے اطاعت کے اسباب مہیا کر دیئے جاتے ہیں اور جو دوزخ کے لیے بنے ہیں ان کے لیے نافرمانی کے اسباب پیدا کر دیئے جاتے ہیں' اور برے رفقاء کی صحبت عطا کی جاتی ہے' اس کے دل میں شیطانی وسوسے پیدا کئے جاتے ہیں۔

شیطان اللہ کی رحمت اور اس کے کرم کا حوالہ دے کر بہت زیادہ بے وقوف بناتا ہے' وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ابھی زندگی پڑی ہے' گناہ کئے جا' توبہ کر لینا یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کی کمی نہیں اگر تو نے ان کی مخالفت کی تو کیا غضب ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے اس کے وعدوں کی صحیح تصویر کشی کی ہے:۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا (پ ۵ ر ۱۵ آیت ۲۰)

شیطان ان لوگوں سے وعدے کیا کرتا ہے اور ان کو ہوسیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے صرف جھوٹے وعدے کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ توبہ کا وعدہ کرتا ہے' اور مغفرت کی تمنا دلاتا ہے' اور لوگوں کو ان حیلوں و تدبیروں سے ہلاکت میں مبتلا کر دیتا ہے' آدمی شیطان کے فریب میں آکر اس کی بات قبول کر لیتا ہے' اور حق کے لیے اس کا سینہ بحکم تقدیر ازلی تنگ ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ (پ ۸ ر ۲ آیت ۲۵)

سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ رستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینے کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیتے ہیں' اور جس کو بے راہ کرنا چاہتے ہیں اس کے سینے کو تنگ بہت تنگ کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ (پ ۴ ر ۸ آیت ۱۵۹)

اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں' تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے' اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے اور وہی گمراہ کرنے والا ہے۔

يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ

اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔

نہ کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے' اور نہ اس کے فیصلے کو رَد کر سکتا ہے' اس نے جنت پیدا کی' اور اس کے مستحق پیدا کئے' پھر ان مستحقین کو اطاعت کی راہ پر لگایا' اسی نے دوزخ اور اس کے اہل پیدا کئے' پھر انہیں معاصی کے راستے پر ڈالا' اور اپنے بندوں کو جنتیوں اور دوزخیوں کی علامات بتلادیں اور یہ اعلان فرمادیا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيْمٍ (پ ۳۰ ر ۲۹ آیت ۱۳-۱۴)

نیک لوگ بے شک آسائش میں ہوں گے اور بدکار (کافر) لوگ بے شک دوزخ میں ہوں گے۔

پھر یہ فرمایا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

هولاء في الجنة ولا ابالي وهولاء في النار ولا ابالي (احمد' ابن حبان۔ عبد الرحمٰن بن قتادہؓ)

یہ لوگ جنت میں ہیں مجھے ان کی پرواہ نہیں اور یہ لوگ دوزخ میں ہیں مجھے ان کی پروا نہیں۔

اللہ تعالیٰ بلند و برتر ہیں۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (پ ۱۷ ر ۲ آیت ۱۳)

وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی باز پُرس نہیں کر سکتا اور اَوروں سے باز پرس کی جاسکتی ہے۔

عجائبِ قلب کے سلسلے میں ہم اسی مختصر پر اکتفا کرتے ہیں' کیونکہ اس موضوع پر اس سے زیادہ کچھ کہنا علم معاملہ کے مناسب نہیں ہے' جو کچھ ذکر کیا گیا اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ ان لوگوں کو علوم معاملہ کے اسرار و رموز سے واقفیت ہوجائے جو ظواہر پر قانع نہیں رہنا چاہتے' اور چھلکے کے بجائے مغز کو ترجیح دیتے ہیں' اور حقائق کی باریکیوں کے مشتاق ہیں' امید ہے کہ ہماری یہ مختصر باتیں ان کی تشنگی دُور کریں گی اور ان کے لیے مفید ثابت ہوں گی۔

كتاب رياضة النفس و تهذيب الاخلاق و معالجة امراض القلب

ریاضتِ نفس' تہذیبِ اخلاق اور امراضِ قلب کے علاج کا بیان

جاننا چاہیے کہ حُسنِ اخلاق سیّد المرسلین سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اور صدّیقین کا افضل ترین عمل ہے۔ یہ حقیقت میں نصف دین ہے' متقین کے مجاہدے اور عابدین کی ریاضت کا ثمرہ ہے۔ بُرے اخلاق سمِ قاتل ہیں' ان کے دامن میں ذلّت' خواری اور رُسوائی ہے یہ اللہ تعالیٰ سے دور کرتے ہیں' اور شیطان سے قریب کرتے ہیں' یہ اس آگ کے دروازے ہیں جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ (پ ۳۰ ر ۲۹ آیت ۶-۷)

وہ اللہ کی آگ ہے جو (اللہ کے حکم سے) سُلگائی گئی ہے جو کہ (بدن کو لگتے ہی) دلوں تک جاپہنچے گی۔

اخلاقِ حَسنہ جنت کے کھلے دریچے' اور تقربِ الٰہی کے وسائل ہیں' اخلاقِ خبیثہ دلوں کے امراض ہیں اور رُوحوں کی بیماریاں ہیں' بدن کے امراض دنیا کی زندگی سے محروم کردیتے ہیں اور دل و روح کے امراض سے آخرت کی زندگی ختم ہوجاتی ہے' بدن کے امراض اور روح و قلب کے امراض میں بظاہر کوئی نسبت نہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اطباء بدن کے امراض کا علاج کرتے ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے لاتعداد اصول و قوانین ترتیب دے رکھے ہیں جن کی روشنی میں امراض کی تشخیص کی جاتی ہے' اور دوائیں تجویز کی جاتی ہیں' جب فانی بدن کے امراض کے سلسلے میں انسان جدوجہد کرتا ہے تو اسے روح و قلب کی بیماریوں کے لیے بھی جدوجہد کرنی چاہیے۔ ان بیماریوں کی بھی ایک طِب ہے' جس کا سیکھنا ہر شخص کے لیے ضروری ہے کیونکہ ہر دل میں کچھ نہ کچھ امراض ہوتے ہیں' اگر ان کا علاج نہ کیا جائے تو وہ تباہ کُن ثابت ہوتے ہیں' اور ان کے نتیجے میں دوسرے صدہا امراض پیدا

ہو جاتے ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ ان امراض کا علم حاصل کیا جائے' امراض کے اسباب دریافت کئے جائیں' اور ان کے علاج و معالجے کے طریقوں سے واقفیت حاصل کی جائے۔ قرآن پاک کی اس آیت

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (پ ۳۰ ر ۱۶ آیت ۹)

یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے (جان کو) پاک کرلیا۔

میں دل کا علاج ہی مراد ہے' نیز اس آیت

قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (پ ۳۰ ر ۱۶ آیت ۱۰)

اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور) میں دبا دیا۔

میں دل کے علاج سے غفلت مقصود ہے۔ ہم اس کتاب میں دلوں کے کچھ امراض اور ان کے علاج کی کیفیات اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں' ہر مرض کا جداگانہ بیان اس جلد کی بقیہ کتب میں آئے گا۔ یہاں مقصد تہذیبِ اخلاق اور اس کے مناہج پر روشنی ڈالنا ہے پہلے ہم بدن کے علاج کا ذکر تقریبِ فہم کے لیے بطورِ مثال کریں گے' اسی دوران حسن خلق کے فضائل بیان کئے جائیں گے' حسن اخلاق کی حقیقت بھی زیر بحث آئے گی' اور یہ بیان کیا جائے گا کہ ریاضت کے ذریعہ اچھے اخلاق قبول کئے جاسکتے ہیں' اچھے اخلاق حاصل کرنے کے اسباب اور طریقوں پر بھی گفتگو ہوگی' تہذیبِ اخلاق اور ریاضتِ نفس کے طریقوں کے ساتھ ساتھ ان علامات کا ذکر بھی کیا جائے گا جن سے دلوں کے امراض پہچانے جاتے ہیں۔ اس کتاب میں گیارہ مباحث ہیں۔

حُسنِ خلقی کی فضیلت اور بدخلقی کی مذمت

آیات و احادیث : اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں' اور ان پر اپنی نعمتوں کے اظہار کے طور پر فرمایا:۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (پ ۲۹ ر ۳ آیت ۴)

اور بے شک آپ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق قرآن تھا۔ (۱) ایک مرتبہ ایک شخص نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حُسنِ خلق کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (پ ۹ ر ۱۴ آیت ۱۹۸)

سرسری برتاؤ کو قبول کرلیا کیجئے' اور نیک کام کی تعلیم دیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:

ھو ان تصل من قطعک و تعطی من حرمک و تعفو عمن ظلمک (۲)

حسن خلق یہ ہے کہ جو تجھ سے قطع رحمی کرے تو اس سے صلہ رحمی کرے جو تجھے محروم رکھے اسے دے اور جو تجھ پر ظلم کرے اسے معاف کردے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (احمد' حاکم' بیہقی۔ ابوہریرہؓ)

میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں۔

اثقل مایوضع فی المیزان یوم القیامۃ تقوی اللہ و حسن الخلق (ابوداؤد'

(۱) یہ روایت مسلم میں ہے' اور احیاء العلوم میں پہلے بھی کئی بار گزر چکی ہے۔ (۲) یہ روایت ابن مردویہ نے حضرت جابر' قیس بن سعد بن عبادۃ اور انسؓ سے نقل کی ہے۔

ترمذی۔ ابو الدرداءؓ)

سب سے زیادہ بھاری چیز جو قیامت کے دن میزان میں رکھی جائے گی وہ اللہ کا خوف اور حسن خلق ہوگی۔

ایک شخص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سامنے کی طرف سے آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! دین کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: حسن خلق وہ شخص چلا گیا اور دوبارہ دائیں طرف سے آیا اور وہی سوال کیا' آپ نے جواب میں فرمایا: حسن خلق' وہ شخص تیسری مرتبہ بائیں طرف سے آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! دین کیا ہے' آپ نے فرمایا: حسن خلق' اس شخص نے چوتھی بار بھی یہی سوال کیا' اور پیچھے کی طرف سے آیا' آپ نے فرمایا: کیا تو سمجھتا نہیں ہے دین یہ ہے کہ تو غصہ نہ کرے۔ (۱) ایک شخص نے آپ سے پوچھا: رسول اللہ نحوست کیا ہے؟ فرمایا: بد خلقی (احمد۔ عائشہؓ) ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیحت کی درخواست کی' آپ نے اسے نصیحت فرمائی:۔

اتق اللّٰہ حیث کنت' قال: زدنی' قال اتبع السیئة الحسنة تمحھا' قال: زدنی قال: خالق الناس بخلق حسن۔ (ترمذی۔ ابو ذرؓ)

جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرتے رہو' اس نے عرض کیا کچھ اور نصیحت فرمائیں! آپ نے فرمایا گناہ کے بعد نیک کام ضرور کرلیا کرو نیکی گناہ کو مٹا دیتی ہے' اس نے عرض کیا مزید نصیحت فرمائیں' آپ نے فرمایا لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کا معاملہ کرو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ فرمایا: خوش اخلاقی۔ ایک حدیث میں ہے:۔

ماحسن اللّٰہ خلق عبد و خلقہ فتطعمہ النار (۲)

اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کے اخلاق اور صورت دونوں اچھے نہیں بنائے کہ اسے دوزخ کی آگ کھائے۔

حضرت فضیل نقل کرتے ہیں کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں عورت دن میں روزے رکھتی ہے' راتوں کو نماز پڑھتی ہے' مگر بد اخلاق بھی ہے اپنے پڑوسیوں کو زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے' آپ نے فرمایا: اس عورت میں کوئی خیر نہیں ہے' یہ دوزخی ہے (۳)۔ حضرت ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:۔

اول ما یوضع فی المیزان حسن الخلق و السخاء' ولما خلق اللّٰہ الایمان قال: اللّٰھم قونی' فقواہ بحسن الخلق و السخاء ولما خلق اللّٰہ الکفر قال اللّٰھم قونی' فقواہ بالبخل و سوء الخلق (۴)

میزان میں سب سے پہلے حسن اخلاق اور سخاوت رکھی جائے گی' جب اللہ تعالیٰ نے ایمان کی تخلیق فرمائی تو اس نے عرض کیا اے اللہ مجھے قوت عطا کر' اللہ نے اسے حسن خلق اور سخاوت سے تقویت بخشی اور جب کفر پیدا کیا تو اس نے عرض کیا اے اللہ! مجھے طاقت دے' اللہ نے اسے بخل اور بد خلقی کی طاقت عطا کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان اللّٰہ استخلص ھذا الدین لنفسہ و لا یصلح لدینکم الا السخاء و حسن الخلق الا فزینوا دینکم بھما (دار قطنی' خرائطی۔ ابو سعید الخدریؓ)

---

(۱) یہ روایت محمد بن نصر المروزی نے "کتاب تعظیم قدر الصلوٰۃ" میں ابو العلاء بن الشخیر سے مرسلاً نقل کی ہے۔
(۲) یہ روایت کتاب آداب الصحبۃ میں گذر چکی ہے۔ (۳) یہ روایت بھی کتاب آداب الصحبۃ میں گذر چکی ہے۔ (۴) اس روایت کی اصل مجھے نہیں ملی' البتہ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابو الدرداءؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میزان میں حسن خلق سے زیادہ بھاری چیز کوئی دوسری نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو اپنے لئے خالص کو لیا ہے' اور تمہارے دین کے لیے سخاوت اور حسن خلق سے زیادہ کوئی چیز موزوں نہیں ہے خبردار! اپنے دین کو ان دونوں صفتوں سے مزین کرو۔

ایک حدیث میں ہے:۔ حسن الخلق خلق اللہ الاعظم (طبرانی اوسط۔ عمار بن یاسرؓ)
خوش خلقی خدائے اعظم کا خلق ہے۔

صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایمان کے اعتبار سے کون سا مؤمن افضل ہے؟ فرمایا: جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر۔
(ابوداؤد۔ ترمذی' نسائی۔ ابوہریرہؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔
انکم لن تسعو الناس باموالکم فسعوھم ببسط الوجہ و حسن الخلق (۱)
تم لوگوں کے ساتھ اپنے مالوں سے وسعت اختیار نہیں کرسکتے سو خندہ روئی اور خوش خلقی کے ساتھ وسعت اختیار کرو۔

آپ نے یہ بھی فرمایا:۔
سوء الخلق یفسد العمل کما یفسد الخل العسل (۲)
بداخلاقی عمل کو اس طرح فاسد کردیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کردیتا ہے۔

جریر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:۔
انک امرو قد حسن اللہ خلقک فحسن خلقک (خرائطی مکارم الاخلاق)
تجھے اللہ تعالیٰ نے خوبصورت بنایا ہے تو اپنے اخلاق بھی خوبصورت کر۔

براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے (خرائطی۔ مکارم الاخلاق) ابو مسعود البدریؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:۔
اَللّٰھُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِیْ فَحَسِّنْ خُلُقِیْ (۳)
اے اللہ! تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے میری سیرت بھی اچھی کر۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کثرت سے فرمایا کرتے تھے:۔
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالْعَافِیَۃَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ (خرائطی)
اے اللہ! میں تجھ سے صحت وعافیت اور خوش خلقی کا سوال کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔
کرم المرء دینہ و حسبہ حسن خلقہ و مروتہ عقلہ (ابن حبان' حاکم)
آدمی کا کرم اس کا دین ہے' حسب خوش خلقی ہے اور مروّت عقل ہے۔

اُسامہ ابن شریک کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت کچھ اَعرابی آپ سے یہ دریافت کررہے تھے کہ بندے کو سب سے بہتر چیز کیا عطا ہوئی ہے' آپ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا خلق حسن (اچھے اخلاق) (ابن ماجہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

---

(۱) بزار' ابو یعلیٰ' طبرانی۔ ابوہریرہؓ (۲) ابن حبان بروایت ابوہریرہؓ' بیہقی بروایت ابن عباسؓ (۳) خرائطی۔ مکارم الاخلاق۔ راوی دراصل حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں جیسا کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کی صراحت کی ہے' یہ روایت عائشہؓ سے مسند احمد میں بھی ہے۔

ان احبکم الی واقربکم منی مجلسا یوم القیامۃ احسنکم اخلاقا (۱)
قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ محبوب اور باعتبار مجلس کے مجھ سے قریب تر وہ لوگ ہوں گے جو تم میں زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں گے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں:۔

ثلاث من لم تکن فیہ او واحدۃ منھن فلا تعتدوابشی من عملہ' تقوی تحجزہ عن معاصی اللہ او حلم یکف بہ السفیہ او خلق یعیش بہ بین الناس (خرائطی' طبرانی کبیر۔ ام سلمہؓ)

جس شخص میں یہ تین چیزیں یا ان میں سے ایک نہ ہو تو اس کے کسی عمل کا اعتبار مت کرو' تقویٰ جو اللہ کی نافرمانیوں سے اسے روکے' بُردباری جس سے بے وقوف کو باز رکھے' اور اخلاق جن کے سہارے لوگوں کے درمیان زندگی گذارے۔

نماز کے آغاز میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے۔

اللّٰھم اھدنی لاحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت' واصرف عنی سیئھا لا یصرف عنی سیئھا الا انت (مسلم۔ علیؓ)

اے اللہ! اچھے اخلاق کی طرف میری ہدایت کر' تیرے سوا کوئی اچھے اخلاق کی ہدایت نہیں کرتا' اور مجھے برے اخلاق سے دور رکھ' تیرے سوا برے اخلاق سے کوئی دور نہیں رکھتا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ان حسن الخلق لیذیب الخطیئۃ کما تذیب الشمس الجلید (خرائطی)
خوش اخلاقی گناہ کو اس طرح گلا دیتی ہے جس طرح سورج برف کو پگھلا دیتا ہے۔

خوش اخلاقی کا وصف ان الفاظ میں بھی بیان فرمایا:۔

من سعادۃ المرء حسن الخلق (خرائطی۔ مکارم الاخلاق)
حسن خلق آدمی کی نیک بختی میں سے ہے۔
الیمن حسن الخلق (خرائطی۔ علیؓ)
خوش اخلاق ہونا اچھا شگون ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے ارشاد فرمایا:۔

لاعقل کالتدبیر ولا حسب کحسن الخلق (ابن ماجہ' ابن حبان۔ ابوذرؓ)
عقل جیسی کوئی تدبیر نہیں اور حسن خلق جیسا کوئی حسب نہیں۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام حبیبہؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر دنیا میں کسی عورت کے دو شوہر تھے اور وہ دونوں مر گئے تو وہ عورت جنت میں کس کو ملے گی' آپ نے فرمایا:۔

لاحسنھما خلقا کان عندھا فی الدنیا یا ام حبیبۃ ذھب حسن الخلق بخیر الدنیا والآخرۃ (بزار' طبرانی کبیر' خرائطی)

اس کو ملے گی جو دنیا میں اس کے ساتھ زیادہ خوش خلق رہا ہو گا' اے اُم حبیبہؓ! خوش خلق دنیا و آخرت کا خیر لے کر گیا۔

---

(۱) یہ روایت کتاب الصحبۃ میں گذر چکی ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

ان المسلم المسدد ليدرك درجة الصائم القائم بحسن خلقه وكرم مزينه (احمد۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

جس مسلمان کو خدا توفیق دیتا ہے وہ اپنی خوش اخلاقی اور طبیعت کے کرم سے روزہ دار شب زندہ دار عابد کا درجہ پالیتا ہے۔

ایک روایت میں درجة الظمان فی الھواجر (گرمی کی دوپہر میں پیاسے کا درجہ) کے الفاظ ہیں' عبدالرحمٰن بن سمرة روایت کرتے ہیں کہ ہم سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے' آپ نے ہم سے فرمایا:۔

انی رایت البارحة عجبا رایت رجلا من امتی جاثیا علی رکمتیه وبینه وبین اللّٰه حجاب فجاء حسن خلقه فادخله علی اللّٰہ (خرائطی مکارم الاخلاق)

میں نے رات ایک عجیب خواب دیکھا میں نے دیکھا کہ میری اُمّت کا ایک شخص دوزانو بیٹھا ہوا ہے اس کے اور خدا تعالٰی کے درمیان حجاب ہے' اتنے میں اس کا حسن خلق آیا' اور اس کو خدا کے سامنے پیش کردیا۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان العبد ليبلغ خلقه عظيم درجات الاخرة و شرف المنازل وانه لضعيف فى العبادة (طبرانی' خرائطی۔ انسؓ)

بندہ اپنی خوش اخلاقی سے بڑے بڑے درجات اور منازل کا شرف حاصل کرے گا حالانکہ وہ عبادت میں کمزور ہوگا۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی' آپ کے پاس اس وقت قریش کی کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی بلند آواز سے باتیں کررہی تھیں' انہوں نے حضرت عمرؓ کی آواز سُنی تو پردہ کے پیچھے چلی گئیں' جب حضرت عمر حاضر ہوئے تو آپ مُسکرا رہے تھے' عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مُسکرا کیوں رہے ہیں؟ فرمایا: مجھے ان عورتوں پر ہنسی آرہی ہے جو ابھی تمہارے آنے سے پہلے زور زور سے باتیں کررہی تھیں' اور اب تمہارے ڈر سے اندر چلی گئیں ہیں' حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ اس کے زیادہ مستحق تھے کہ یہ عورتیں آپ سے خوف کھاتیں' پھر آپ ان عورتوں کے پاس گئے اور ان سے دریافت کیا کہ اے دشمن جاں! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں' انہوں نے جواب دیا: ہاں! کیوں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ نسبت سخت مزاج ہو' اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ايها يا ابن الخطاب' والذى نفسى بيده مالقيك الشيطان قط سالكا فجا الا سلك فجا غير فجك (بخاری و مسلم)

اور سُناؤ خطاب کے بیٹے! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے شیطان تم سے کسی ایسے راستے پر نہیں ملے گا جس پر تم چل رہے ہوگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

سوء الخلق ذنب لا يغفر و سوء الظن خطيئة تضوح (طبرانی صغیر۔ عائشہؓ)

بد خلقی ایک ناقابل معافی گناہ ہے' اور بدگمانی ایک ایسا گناہ ہے جس سے دوسرے گناہ پیدا ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے:۔

ان العبد ليبلغ بسوء خلقه اسفل درك جهنم (طبرانی' خرائطی۔ انسؓ)

بندہ اپنی بد خلقی کی وجہ سے جہنم کے نچلے طبقے میں پہنچ جاتا ہے۔

آثار : حضرت لقمان سے ان کے بیٹے نے پوچھا: ابا جان! انسان میں کون سی خصلت اچھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: دین' صاحبزادے نے پوچھا اگر دو ہوں انہوں نے کہا: دین اور مال' بیٹے نے کہا: اگر تین ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: دین' مال اور حیا۔ پھر پوچھا: اگر چار ہوں؟ فرمایا: دین' مال' حیا اور خوش اخلاقی۔ پوچھا: اگر پانچ ہوں؟ جواب دیا: دین' مال' حیا' حسن خلق' اور سخاوت۔ پوچھا: اگر چھ ہوں؟ انہوں نے جواب دیا: بیٹے! اگر کسی شخص میں یہ پانچ خصلتیں جمع ہو جائیں تو وہ پاکیزہ خو ہے' متقی ہے' اللہ کا ولی ہے' اور شیطان سے بری ہے۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ جس شخص کے اخلاق خراب ہیں وہ عذاب میں مبتلا ہے۔ انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آدمی اپنے حسن خلق کی وجہ سے جنت کے اعلیٰ درجے میں پہنچ جاتا ہے' جب کہ وہ عبادت گذار بھی نہیں ہوتا اور بد اخلاقی کی وجہ سے جہنم کے نچلے حصے میں چلا جاتا ہے جب کہ وہ عبادت گذار بھی ہوتا ہے' یحیٰی بن معاذ کہتے ہیں اخلاق کی وسعت میں رزق کے خزانے ہیں' وہب بن مُنبّہ فرماتے ہیں بد اخلاق کی مثال ایسی ہے جیسے ٹوٹے ہوئے برتن کہ نہ ان میں پیوند لگایا جاسکتا ہے اور نہ انہیں مٹی میں تبدیل کیا جاسکتا ہے' فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ خوش اخلاق فاجر کی صحبت مجھے بد اخلاق عابد کی صحبت سے زیادہ پسند ہے۔ کوئی بد اخلاق آدمی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ساتھ سفر میں تھا آپ اس کی بد اخلاقی برداشت فرماتے' اور اس کے ناز اٹھاتے' جب وہ کسی منزل پر رخصت ہوگیا تو آپ اسے یاد کر کے بہت روئے' لوگوں نے رونے کی وجہ معلوم کی' فرمایا مجھے اس پر رحم آتا ہے' بیچارہ مجھ سے تو رخصت ہوگیا لیکن اخلاق بد ابھی تک اس کے ساتھ ہیں۔ حضرت جُنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ قلتِ علم اور قلتِ عمل کے باوجود چار خصلتیں انسان کو اعلیٰ درجات تک پہنچا دیتی ہیں ایک حلم' دوسری تواضع' تیسری سخاوت اور چوتھی خوش خلقی' اور یہی چار خصلتیں ایمان کا کمال ہیں۔ کتانی کہتے ہیں کہ تصوّف اخلاق کا نام ہے' جو اخلاق میں زیادہ ہوتا ہے وہ تصوّف میں بھی زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ اخلاق سے ملو' اور ان کے ساتھ اعمال سے دور رہو' یحیٰی بن معاذ فرماتے ہیں کہ بد اخلاقی ایک ایسی برائی ہے جس کی موجودگی میں حسنات کی کثرت بھی نفع بخش نہیں ہوتی' اور خوش اخلاقی ایک ایسی نیکی ہے کہ اس کے سامنے بُرائیوں کی کثرت بھی نقصان دہ نہیں ہوتی' حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا گیا: کرم کیا ہے؟ فرمایا: کرم وہ ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں اس طرح کیا گیا ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ (پ ۲۶ ر ۱۴ آیت ۱۳)

اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔

پوچھا گیا: حسب کیا چیز ہے؟ فرمایا: تم میں سب سے بہتر اخلاق کا حامل سب سے اچھے حسب کا حامل ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر عمارت کی بنیاد ہوتی ہے اسلام کی بنیاد خوش خلقی ہے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بھی بلندی حاصل کی خوش اخلاقی ہی کے طفیل حاصل کی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نے بھی حسن خلق کا کمال حاصل نہیں کیا' وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں جو حسن خلق کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش پا کی اتباع کرتے ہیں۔

خوش خلقی اور بد خلقی کی حقیقت

لوگوں نے خوش خلقی کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس کی حقیقت پر کسی نے روشنی نہیں ڈالی' جن لوگوں نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا انہوں نے خوش خلقی کے نتائج و ثمرات پر بحث کی' اور وہ بحث بھی مکمل نہیں کی' بلکہ جس کے ذہن میں جو ثمرہ آیا اس نے وہی لکھ دیا۔ خوش خلقی کی حقیقت و ماہیت اور اس کے مکمل ثمرات و نتائج کا موضوع ہنوز تشنۂ کلام ہے۔

خوش خلقی کے بارے میں چند اقوال : اس سلسلے میں ہم بزرگوں کے کچھ اقوال و ارشادات نقل کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ خندہ رو رہے' مال خرچ کرے اور لوگوں کی اذیت برداشت کرے۔ واسطی فرماتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ نہ وہ کسی سے جھگڑے اور نہ کوئی دوسرا اس سے جھگڑا کرے' شاہ کرمانی کے نزدیک خوش خلقی ایذا رسانی سے باز

رہنے اور دوسروں کی ایذا پر صبر کرنے کا نام ہے۔ ایک بزرگ کے بقول خوش خلقی یہ ہے کہ آدمی لوگوں کے قریب بھی ہو اور ان میں اجنبی بھی ہو' واسطی نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ تنگی اور کشادگی میں مخلوق کو راضی رکھنے کا نام خوش اخلاقی ہے ابو عثمان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے خوش رہنا خوش خلقی ہے' سہل تستری سے خوش خلقی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی تحمل سے کام لے' کسی سے اپنے لیے انتقام نہ لے' ظالم پر رحم اور شفقت کرے' اس کے لیے مغفرت اور ہدایت کی دعا کرے' ایک مرتبہ انہوں نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ رزق کے سلسلے میں خدا تعالیٰ سے بدگمان نہ ہو' اس پر اعتماد کرے' اس کا وعدہ پورا نہ ہونے پر خاموش رہے' اس کے حقوق اور اس کی مخلوق کے حقوق میں کوتاہی نہ کرے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ حسن خلق تین خصلتوں سے عبارت ہے محرمات سے اجتناب' حلال کی طلب' اور اہل و عیال پر توسع۔ حسین بن منصور کے بقول خوش خلقی یہ ہے کہ قبول حق کے بعد مخلوق کا ظلم اس سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو۔ ابو سعید الخراز کہتے ہیں کہ خوش خلقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا تیرا کوئی مقصد نہ ہو۔ اس طرح کے اقوال بیشمار ہیں۔ لیکن ان اقوال میں خوش خلقی کی حقیقت کے بجائے اس کے ثمرات مذکور ہیں' ثمرات میں بھی مخصوص ثمرات کا ذکر ہے۔ ان اقوال کے ذکر کے بجائے ہم خوش خلقی کی حقیقت بیان کرنا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں۔

خوش خلقی کی حقیقت : یہاں دو لفظ ہیں خَلق اور خُلق۔ اور دونوں لفظ یکجا بھی استعمال کئے جاتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص خَلق بھی ہے اور خوش خُلق بھی۔ یعنی اس کی صورت بھی اچھی ہے اور سیرت بھی وہ ظاہری حسن بھی رکھتا ہے اور باطنی حسن سے بھی آراستہ ہے۔ اس طرح کی عبارت میں خَلق سے مراد ظاہری صورت ہے اور خُلق سے مراد باطنی صورت ہے اور یہ اس لیے کہ انسان جسم و روح سے مرکّب ہے' جسم کا مشاہدہ آنکھ سے ہوتا ہے' اور روح کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے جسم و روح دونوں ہی کی ایک ہیئت اور صورت ہے' یہ صورت بُری بھی ہوتی ہے اور اچھی بھی۔ بصیرت کے ذریعہ ادراک کی جانے والی روح آنکھ کے ذریعہ ادراک کئے جانے والے جسم کے مقابلے میں افضل اور اعلیٰ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی روح کی نسبت اپنی طرف کرکے اس کی عظمت کا اظہار فرمایا۔ ارشاد ہے:۔

إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ (پ ۱۴ ر ۳ آیت ۲۸-۲۹)

میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے سے بنی ہوگی پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اس کو بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے جان ڈال دوں تو تم سب اس کے رُو برو سجدہ میں گر پڑنا۔

اس آیت میں جسم مٹی کی طرف اور روح باری تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ یہاں روح اور نفس دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے' اگر ہم کہیں روح کے بجائے نفس کا لفظ استعمال کریں تو اس سے مغالطہ نہ ہونا چاہیے۔ اب خُلق کی تعریف سنئے' خُلق نفس میں ایک ایسی راسخ ہیئت کا نام ہے جس سے افعال بآسانی صادر ہوں' اگر اس ہیئت سے صادر ہونے والے افعال شرعاً اور عقلاً عمدہ ہوں تو اسے خوش خلقی کہا جائے گا اور بُرے ہوں تو بد خلقی نام ہوگا۔

اس تعریف میں راسخ ہیئت کی قید اس لیے لگائی گئی کہ مثلاً اگر کوئی بعض نادار حالات میں بہت سا مال خرچ کردے تو اسے سخاوت پیشہ نہیں کہا جائے گا جب تک سخاوت کی صفت اس کے نفس میں ثابت و راسخ نہ ہو' افعال کے بآسانی اور کسی تکلف کے بغیر صدور کی قید اس لیے لگائی گئی کہ مال خرچ کرنے میں تکلف کرنا' سخاوت اور تکلف اور جدّ و جہد کے ذریعہ غصہ پر قابو پانا حلم نہیں ہے' کیوں کہ خلق وہ ہے جو کسی تکلف کے بغیر ظاہر ہو۔

یہاں چار امور ہیں' اوّل فعل کا اچھا یا بُرا ہونا' دوم فعل کی اچھائی یا بُرائی پر قادر ہوں' سوم ان کی معرفت حاصل ہونا' چہارم نفس میں ایسی ہیئت کا موجود ہونا جو حُسن و قبح میں سے کسی ایک کی طرف مائل ہو سکے اور اس پر ان دونوں میں سے ایک آسان

ہو جائے خلق فعل کا نام نہیں ہے' بہت سے لوگوں کے مزاج میں سخاوت ہوتی ہے لیکن وہ خرچ نہیں کرپاتے کبھی اس لیے کہ ان کے پاس مال نہیں ہوتا اور کبھی کسی دوسرے مانع کی وجہ سے' دوسرا شخص فی الحقیقت بخیل ہوتا ہے لیکن ریا و ناموری کے لیے یا کسی دوسری ضرورت سے مجبور ہو کر خرچ کرتا ہے' خلق جس طرح فعل کا نام نہیں اس طرح فعل پر قدرت اور قوت کا نام بھی نہیں' کیوں کہ آدمی دینے یا نہ دینے یعنی سخاوت و بخل بلکہ تمام اضداد پر یکساں قوت رکھتا ہے' اور ہر انسان کو فطرتاً دینے یا نہ دینے پر قادر پیدا کیا گیا ہے قدرت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں خلق سخاوت یا خلق بخل ہوگا۔ اسی طرح خلق معرفت کو بھی نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ حسن و قبح اور تمام اَضداد کی معرفت ایک ہی طریقے پر ہوتی ہے' اور سب سے متعلق ہو سکتی ہے' اصل میں خلق چوتھے معنی سے عبارت ہے' یعنی اس ہیئت کا نام ہے جس کے ذریعہ آدمی نفس بخل یا سخا پر مستعد ہوتا ہے۔

حسن باطن کے چار اَرکان : جس طرح ظاہری حسن محض آنکھوں کی خوبصورتی کا نام نہیں' بلکہ تمام اعضاء آنکھ' ناک' کان' ہونٹ اور رخسار وغیرہ کی موزونیت کو حسن کہتے ہیں' اور ان تمام کی خوبصورتی سے حسن ظاہر کی تکمیل ہوتی ہے اسی طرح باطنی حسن کے بھی چار اَرکان ہیں ان چاروں ارکان میں بھی حسن کا پایا جانا ضروری ہے' یہ سب ارکان معتدل اور موزوں رہیں گے تو آدمی حسن باطن کے اعتبار سے مکمل کہلائے گا۔ وہ چار ارکان ہیں قوتِ علم' قوتِ غضب' قوتِ شہوت اور قوتِ عدل یعنی پہلی تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنے کی قوت۔

قوت علم کی خوبی اور اس کا حسن یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعہ اقوال میں جھوٹ' سچ' اعتقادات میں حق و باطل' اور افعال میں حسن و قبح میں فرق کرنے پر قادر ہو جائے' جب یہ قوت اس درجے کی ہو جائے گی تو اس کا ثمرہ حکمت کی صورت میں دیا جائے گا' اخلاق کی اصل حکمت ہے' اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (پ ۳ ر ۵ آیت ۲۶۹)

اور جس کو دین کا فہم مل جائے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی۔

غضب اور شہوت کی قوتوں کی خوبی یہ ہے کہ یہ دونوں حکمت یعنی عقل و شریعت کے اشاروں پر چلیں اور قوت عدل کا حاصل یہ ہے کہ شہوت و غضب کی قوتوں کو حکمت کے تابع اور پابند کردے عقل ناصح اور مشفق مشیر کی طرح ہے' اور قوت عدل عقل کے مشوروں کو نافذ کرنے والی ہے' غضب وہ قوت ہے جس میں عقل کے اشارات کی تنفیذ مقصود ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے شکاری کتا' اسے تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے' اور تربیت کے بعد اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ شکاری کے اشارے کے بغیر نہ آگے بڑھتا ہے اور نہ پیچھے ہٹتا ہے' شہوت اس گھوڑے کی طرح ہے جس پر سوار ہو کر شکار کے لئے نکلا جاتا ہے' گھوڑا کبھی سُدھا سُدھایا ہوتا ہے اور کبھی سرکش و اَڑیل ہوتا ہے قوت عدل سے شہوت کو بھی قابو میں رکھا جاتا ہے' ورنہ آدمی شکار کرنے کی بجائے خود شکار ہو جائے۔

جس شخص میں یہ چاروں رکن درجۂ اعتدال پر ہوں گے وہ خوش اخلاق ہوگا' اور جس شخص میں بعض ارکان معتدل اور بعض غیر معتدل ہوں گے وہ معتدل کی بہ نسبت خوش اخلاق کہلائے گا' یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کے چہرے پر آنکھیں خوبصورت ہوں اور باقی اعضاء اچھے نہ ہوں تو اسے آنکھوں کے اعتبار سے حسین کہا جاتا ہے...... اور باقی اعضاء کے اعتبار سے بدصورت قرار دیا جاتا ہے' قوتِ غضب کے حسن اور اعتدال کا نام شجاعت ہے' اور قوتِ شہوت کے اعتدال و حسن کو عِفت کہتے ہیں' قوتِ غضب اگر حدِ اعتدال سے زیادہ ہوگی تو اسے تہور کہا جائے گا' اور کم ہوگی تو اسے بُزدلی اور نامردی قرار دیا جائے گا' اسی طرح قوت شہوت کی حدِ اعتدال سے زیادتی شر کہلاتی ہے اور کمی کو جمود کہا جاتا ہے' ان دونوں قوتوں میں اعتدال یعنی شجاعت اور عِفت ہی مطلوب ہیں' طرفین یعنی کمی اور زیادتی مطلوب نہیں ہیں بلکہ مذموم ہیں اور انہیں فضائل کے بجائے رذائل کہا جاتا ہے۔ قوت عدل میں کمی یا زیادتی نہیں ہوتی اس کی ضد ظلم ہے' عدل نہ ہوگا تو ظلم ہوگا۔ قوت علم کا اعتدال حکمت کہلاتا ہے حکمت کو غلط

اغراض میں استعمال کرنا اسے حد اعتدال سے باہر کرتا ہے' اگر یہ استعمال زیادتی کی صورت میں ہے تو اسے خبث اور فریب کہتے ہیں اور کمی کی صورت میں ہے تو بے وقوفی کہتے ہیں۔ علم کا درجۂ اوسط حکمت کہلاتا ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ اخلاق کے بنیادی اصول اور ارکان چار ہیں۔ حکمت' شجاعت' عفت اور عدل۔

حکمت سے نفس کی وہ حالت مراد ہے جس سے آدمی تمام اختیاری افعال میں صحیح کو غلط سے ممتاز کرلے' اور عدل سے نفس کی وہ حالت اور قوت مراد ہے جس کے ذریعہ وہ غضب اور شہوت پر حکومت کرے اور انہیں حکمت کے تابع بنائے' شجاعت سے مراد یہ ہے کہ غضب کی قوت عقل کی تابع اور مطیع ہو' اور اس کی مرضی کے بغیر نہ اقدام کرتی ہو اور نہ اعراض۔ عفت سے مراد وہ قوت ہے جس کے ذریعہ شہوت کو عقل و شرع کے پابند بنایا جاسکے۔ تمام اچھے اخلاق کا منبع اور سرچشمہ یہی چاروں اصول ہیں مثلاً قوت عقل کے اعتدال سے یہ محاسن پیدا ہوتے ہیں حسنِ تدبیر' جُودتِ ذہن' اِصابتِ رائے' نفس کے مخفی آفات اور اعمال کی باریکیوں پر اِنتباہ۔ اس قوت کی زیادتی سے خبث' مکر' فریب' اور چالاکی پیدا ہوتی ہے' اور کمی سے ناتجربہ کاری' بے وقوفی' حماقت' بے شعوری' اور جنون جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ناتجربہ کاری سے مراد یہ ہے کہ تخیّل کی سلامتی کے باوجود تجربہ نہ ہو جیسے بعض آدمی ایک امر میں تجربہ کار ہوتے ہیں' اور دوسرے میں انہیں کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ حماقت اور جنون میں یہ فرق ہے کہ احمق کا مقصد تو صحیح ہوتا ہے لیکن اسے اپنے مقصد تک پہنچنے کا راستہ معلوم نہیں ہوتا' جنون یہ ہے کہ جو چیز اختیار کے قابل نہ ہو اسے اختیار کرے' اس کا اختیار سرے سے فاسد ہوتا ہے' شجاعت کے اعتدال سے یہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں کرم' دلیری' شہامت' کسرِ نفسی' حلم' استقامت' غصہ پینا' وقار' اور سنجیدگی وغیرہ۔ اس قوت کا نام تہور ہے' اور کمی سے اہانت' ذلت' خوف' خساست' احساس کمتری اور کم حوصلگی۔ عفت کے اعتدال سے سخاوت' حیاء' صبر' چشم پوشی' قناعت' تقویٰ' لطافت' بلند حوصلگی' وسعت ظرفی' اور قلتِ طمع جیسے فضائل اخلاق حاصل ہوتے ہیں' اس خلق کا اعتدال کی حدود سے تجاوز کرنا حرص' طمع' بے شرمی' خباثت' اِسراف' ریا' اہانت' لغو گوئی' تملّق' خوشامد' حسد' مالداروں میں ذلت اور فقیروں کو حقیر سمجھنے کا مرض وغیرہ جیسے رذائل کا باعث بنتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ محاسن اخلاق کے چار اصول ہیں حکمت' شجاعت' عفت اور عدالت' باقی اخلاق ان ہی چاروں اصولوں کی فروع ہیں۔ ان چاروں اصولوں میں کمالِ اعتدال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں ہوا' بعد کے لوگوں میں تفاوت ہے' جو شخص ان اخلاق میں آپ سے جس قدر قریب ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اسی قدر قریب ہے اور جو بعید ہے وہ خداوند قدوس سے اسی قدر بعید ہے۔ جو شخص ان تمام اخلاق کا جامع ہے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ لوگ اس کی اطاعت کریں' اس کی طرف رجوع کریں اور تمام افعال میں اس کی اقتدا کریں اور جو شخص ان اخلاق سے محروم ہو بلکہ ان کی اضداد کا جامع ہو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے شہر بدر کردیا جائے اور لوگ اس سے قطع تعلق کرلیں' کیوں کہ وہ انسان نہیں شیطان کا نمائندہ ہے' جس طرح شیطان سے دُوری اختیار کی جاتی ہے اسی طرح اس سے بھی دُور ہونا چاہیے جس طرح جامع اخلاق شخص ملکوتی صفات سے اپنی قرابت کی بناء پر اقتدار اور اطاعت کا مستحق ہوتا ہے اسی طرح یہ شخص شیطانی اوصاف سے اپنی وابستگی کی بناء پر لعنت اور اعراض کا مستحق ہوتا ہے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئے ہیں' جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے' یہ اخلاق وہ ہیں جنہیں قرآن کریم نے مؤمنین کے اوصاف میں ذکر کیا ہے' ارشاد ہے:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (پ۲۶ ر۱۴ آیت ۱۵)

پورے مؤمن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک نہیں کیا اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستے میں محنت اٹھائی یہ لوگ ہیں سچے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر کسی تردّد کے بغیر ایمان لانا یقین کی قوت کا عمل ہے اور قوت یقین ثمرۂ عقل اور منتہائے

حکمت ہے۔ مال کے ذریعہ مجاہدہ کرنا سخاوت ہے' اور یہ مجاہدہ شہوت کو قابو میں رکھنے سے ہوتا ہے' اور نفس کے ذریعہ مجاہدہ کرنا شجاعت ہے' یہ مجاہدہ عقل کی شرط کے مطابق اور اعتدال کی حدود کے اندر رہ کر قوتِ غضب کے استعمال سے ہوتا ہے' صحابہؓ کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (پ۲۶ ر۱۲ آیت ۲۹)

وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شدّت اور رحمت کے الگ الگ مقامات ہیں نہ ہر حال میں شدّت کمال ہے اور نہ رحمت قابلِ تعریف۔

ریاضت سے اخلاق میں تغیر

جو لوگ اعتقاد کی گمراہی کا شکار ہیں وہ ریاضت اور مجاہدے کو شاق سمجھتے ہیں' انہیں یہ گوارہ نہیں کہ وہ نفس کے تزکیہ و تطہیر اور اخلاق کی تہذیب و تعمیر میں مشغول ہوں وہ اپنے اخلاق کے فساد کو اپنے قصور' نقص اور خبث پر' محمول نہیں کرتے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اخلاق جیسے پیدا ہوئے ہیں ایسے ہی رہتے ہیں ان میں تغیر ممکن ہی نہیں ہے کیوں کہ فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس دعویٰ کی انہوں نے دو دلیلیں پیش کی ہیں' ایک یہ کہ خلق باطنی صورت کا نام ہے' اور خلق ظاہری صورت کو کہتے ہیں' اور ظاہری صورت میں تبدیلی ممکن نہیں ہے' مثلاً کوئی پست قد اپنا قد نہیں بڑھا سکتا' نہ طویلُ القامت اپنا قد قد چھوٹا کر سکتا ہے نہ بد صورت خوبصورت ہو سکتا ہے نہ خوبصورت بد صورت۔ باطنی صورت کو ظاہری صورت پر قیاس کرنا چاہیے' دوسری دلیل یہ ہے کہ حسن خلق سے شہوت اور غضب کا استیصال مراد ہے' لیکن ہم نے تجربہ و آزمائش کے بعد یہ بات معلوم کی ہے کہ شہوت و غضب انسانی فطرت کا مقتضٰی ہیں' ان کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا' ان کے درپے ہونا لا حاصل تگ و دو کرنا ہے اور اپنی عمر کو بے فائدہ کاموں میں ضائع کرنا ہے کیونکہ تزکیۂ نفس کا مقصد یہ ہے کہ قلب فانی لذّتوں کی طرف ملتفت نہ رہے اور ایسا ہونا محال ہے۔ ذیل میں ہم ان دونوں دلیلوں کا جواب عرض کرتے ہیں۔

پہلی دلیل کا جواب : یہ ہے کہ اگر اخلاق میں تغیر ممکن نہ ہوتا تو نہ وعظ و نصیحت اور تادیب و تعلیم کی ضرورت تھی' اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ سے یہ ارشاد فرماتے حسنوا اخلاقکم (اپنے اخلاق اچھے بناؤ(۱)) اخلاق کا تغیر آدمیوں ہی کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ جانوروں کے اخلاق بھی بدل جاتے ہیں' باز کو دیکھو کہ وہ وحشی ہونے کے باوجود کس طرح انسان کے ساتھ مانوس ہو جاتا ہے' شکاری کتا تعلیم کے بعد اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں شکار کے پیچھے دوڑے' اسے پکڑے اور کھائے بغیر آقا کو پیش کرے' اسی طرح سرکش گھوڑا سُدھانے سے مطیع بن جاتا ہے' کیا یہ سب اخلاق میں تغیّر کے نمونے نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں' کامل اور ناقص۔ کامل موجودات وہ ہیں جو اپنے وجود کے اعتبار سے مکمل ہیں نہ ان میں کمی ممکن ہے اور نہ زیادتی' ان میں کمی یا زیادتی کا اختیار آدمی کو حاصل نہیں ہے جیسے آسمان' ستارے جسم کے ظاہری اور اندرونی اعضاء' حیوانات کے اجزاء وغیرہ۔ ناقص موجودات وہ ہیں کہ ابھی ان کا وجود نامکمل ہے' یہ چیزیں مکمل ہو سکتی ہیں بشرطیکہ ان میں کمال کی شرائط موجود ہوں جیسے کھجور کی گٹھلی نہ پھل ہے اور نہ درخت لیکن اس کی ساخت ایسی ہے کہ اگر اسے بو دیا جائے اور اس کی خدمت کی جائے (یعنی پانی دیا جائے) تو یہ گٹھلی درخت بن سکتی ہے۔ کیوں کہ اس میں درخت بننے کی صلاحیت موجود ہے' لیکن اگر کوئی اس گٹھلی کو براہِ راست پھل بنانا چاہے تو یہ ممکن نہیں کیونکہ اس میں پھل بننے کی صلاحیت نہیں ہے' جب گٹھلی کا حال یہ ہے کہ وہ بندے کے اختیار سے متأثر ہوتی ہے اور ایک حال سے دوسرے

(۱) ابوبکر بن لال فی مکارم الاخلاق عن روایۃ معاذ بلفظ "یا معاذ حسن خلقک للناس"

حال میں بدل جاتی ہے تو غضب اور شہوت کی قوتیں کیوں متغیر نہیں ہو سکتیں' ہاں ان قوتوں کو بالکل ہی ختم کر دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہے' ہم ریاضت اور مجاہدے کے ذریعہ ان قوتوں کو اپنے قابو میں تو کر سکتے ہیں لیکن انہیں ختم نہیں کر سکتے' ہمیں اسی کا حکم دیا گیا ہے' اور یہی ہماری اُخروی نجات کا سبب اور وُصول اِلی اللہ کا ذریعہ ہے البتہ طبائع مختلف ہیں' بعض طبیعتیں تغیر کو جلد قبول کر لیتی ہیں' اور بعض دیر سے قبول کرتی ہیں' طبائع کے اختلاف کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز جس کا تغیر مقصود ہو طبیعت میں انتہائی راسخ ہو یعنی اس چیز کے وجود کی مدت اتنی ہی ہو جتنی آدمی کے وجود کی۔ شہوت' غضب' اور تکبر ہر خلق کا تغیر ممکن ہے' لیکن سب سے زیادہ مشکل شہوت کا بدلنا ہے' کیونکہ یہ پیدائش سے ساتھ ہوتی ہے' چنانچہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی خواہش سے محروم نہیں ہوتے' غصّہ عام طور پر سات سال کی عمر میں پیدا ہوتا ہے' اس کے بعد قوّت تمیز پیدا ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ خلق عمل کی کثرت اس کے مقتضیٰ کی مسلسل اطاعت اور اسے اچھا سمجھنے کی وجہ سے عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔

انسان کے چار مراتب: اس سلسلے میں انسان کے چار مراتب ہیں' پہلا مرتبہ یہ ہے کہ آدمی جس حالت میں پیدا ہوا ہے اسی حالت میں رہے' حق و باطل' اور اچھے بُرے میں تمیز نہ کر سکے' بلکہ اپنی اصل فطرت کے اعتبار سے ہر طرح کے اعتقادات سے خالی ہو' اس شخص کا علاج سہل ہے' اور وہ بہت جلد تندرست ہو سکتا ہے' اس مریض کو صرف ایک استاذ ایک مُرشد اور ایک اندرونی محرّک کی ضرورت ہے' تاکہ وہ محرّک اسے مجاہدے کی تحریک دیتا رہے۔ اس کے اخلاق بہت جلد اچھے ہو سکتے ہیں۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ آدمی بُرائی کو برائی سمجھتا ہو لیکن نیک عمل کو خوگر نہ ہو' بلکہ شیطان نے اسے عملِ بد میں اُلجھا رکھا ہو' وہ اپنی شہوات کا تابع ہو اور راہِ حق سے منحرف ہونے کے باوجود اپنے عمل کے قصور سے واقف ہو' ایسے شخص کی اصلاح پہلے کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے کیوں کہ اس کی اصلاح کے دو مرحلے ہوں گے ایک یہ کہ اس کی بُری عادت چھڑائی جائے دوسرا یہ کہ اسے اچھے کام کا عادی بنایا جائے' اس کی اصلاح ہو سکتی ہے بشرطیکہ وہ ریاضت اور مجاہدے کے لیے پوری طرح مُستعد ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اخلاقِ رذیلہ کو اچھا سمجھتا ہو' اور اعمال بد اس کے نزدیک وجوب کا درجہ رکھتے ہوں' ان ہی اخلاق و اعمال پر اس کی پرورش بھی ہوئی ہو ایسے شخص کا علاج محال کے درجے میں ہے اس کی اصلاح کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی' کیونکہ گمراہی کا ایک سبب ہو تو دور بھی ہو جائے یہاں تو اسباب کا ہجوم ہے کون کون سا سبب دور کیا جائے گا۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ وہ خود بھی برائی میں مبتلا ہو' اور دوسروں کو بھی اپنا جیسا دیکھنا چاہتا ہو' اور انہیں تباہ و برباد کرنے میں فخر سمجھتا ہو' یہ شخص انتہائی سخت درجے پر ہے' اور اس کی گمراہی تہہ بہ تہہ ہے اس کی اصلاح ناممکن اور محال ہے۔

ان چاروں میں پہلا شخص محض جاہل ہے' دوسرا جاہل اور گمراہ ہے' تیسرا جاہل' گمراہ اور فاسق ہے' چوتھا جاہل' گمراہ' فاسق اور فتنہ پرور ہے۔

دوسری دلیل کا جواب: منکرین کا یہ کہنا کہ ریاضت سے شہوت اور غضب کی قوتوں کا استیصال مقصود ہے جب کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان قوتوں کا استیصال یا خاتمہ ہرگز مقصود نہیں ہے' بلکہ شہوت کی تخلیق فائدے کے لیے ہوئی ہے' آدمی میں اس کا موجود رہنا بھی ضروری ہے' چنانچہ اگر کسی شخص میں کھانے کی شہوت نہ رہے تو وہ ہلاک ہو جائے' جماع کی شہوت باقی نہ رہے تو نسل انسانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے' اسی طرح اگر غضب کا وجود ختم ہو جائے تو آدمی مہلک چیزوں سے اپنا دفاع نہ کر سکے اور ہلاک ہو جائے' ان قوتوں کو نیست و نابود کرنا مقصد نہیں ہے' بلکہ انہیں افراط و تفریط سے بچا کر درجہ اعتدال پر لانا مقصود ہے۔ مثلاً غضب میں یہ مقصود ہے کہ آدمی میں نہ تہور ہو اور نہ بزدلی بلکہ اس کے غضب کی قوّت عقل کی پابند ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (پ ۲۶ ر ۲ آیت ۲۹)

وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔

اس میں صحابہ کا وصف شدّت بیان کیا گیا ہے' شدّت غضب ہی سے پیدا ہوتی ہے' اگر غضب کی قوّت نہ ہوتی تو نہ شدّت کا وجود ہوتا اور نہ جہاد ہوتا۔ غضب اور شہوت کی قوتوں کو یکسر کس طرح ختم کیا جاسکتا ہے جب کہ انبیاء علیہم السلام بھی ان سے خالی نہیں ہیں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انما انا بشر اغضب کما یغضب البشر (مسلم۔ انسؓ)

میں انسان ہی ہوں انسان کی طرح غصہ کرتا ہوں۔

روایات میں ہے کہ جب کوئی بات آپ کی مرضی کے خلاف پیش آتی تو غضب کی شدّت سے آپ کے رُخسار مبارک سرخ ہوجاتے لیکن اس حالت میں بھی آپ حق بات ہی فرماتے غصہ آپ کو حق گوئی سے نہیں ہٹاتا تھا (بخاری و مسلم۔ عبد اللہ بن الزبیرؓ) باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (پ ۴ ر ۵ آیت ۱۳۴)

اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے۔

اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو غصہ پی لیتے ہیں' یہ نہیں فرمایا کہ ان میں غصہ نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غضب اور شہوت کا بالکلیّہ ختم ہونا غیر فطری چیز ہے اور یہ شریعت کو مطلوب نہیں ہے شریعت کو مطلوب یہ ہے کہ یہ دونوں قوتیں اعتدال کے اس درجے پر آجائیں کہ عقل کو ان پر غلبہ اور تفوّق حاصل رہے' نہ یہ کہ دونوں عقل پر غالب آجائیں' تبدیلِ خلق کا حاصل یہی ہے۔ بعض اوقات انسان پر شہوت اتنی شدت کے ساتھ حملہ آور ہوتی ہے کہ عقل اس کے دفع کرنے پر قادر نہیں رہتی تاہم ریاضت کے ذریعہ اس کا حدِ اعتدال پر آجانا ممکن ہے' امتحان اور تجربے سے یہ بات پوری طرح ثابت ہوجاتی ہے' اور اس میں کسی طرح کا کوئی ابہام یا شک باقی نہیں رہتا۔ اس امر پر کہ اخلاق میں افراط و تفریط کے بجائے اعتدال مطلوب ہے قرآن پاک کی یہ آیت دلیل ہے:۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (پ ۱۹ ر ۴ آیت ۶۷)

اور وہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اعتدال پر رہتا ہے۔

اس آیت میں سخاوت کی طرف اشارہ ہے جو اسراف اور بخل کا درمیانی درجہ ہے' نیز فرمایا:۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (پ ۱۵ ر ۳ آیت ۲۹)

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہئے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہئے۔

شہوت طعام میں بھی اعتدال پر زور دیا گیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (پ ۸ ر ۱۰ آیت ۳۱)

اور خوب کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا حد سے نکلنے والوں کو۔

غضب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (پ ۲۶ ر ۱۲ آیت ۲۹)

وہ کافروں کے مقابلے میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:۔

(بیہقی۔ مطرف بن عبد اللہؓ)

بہترین اُمور درمیانی اُمور ہیں۔

اوسط درجے کے پسندیدہ و مطلوب ہونے کے پسِ پردہ ایک راز ہے۔ اور اس راز کی تحقیق یہ ہے کہ سعادتِ اُخروی کا مدار اس پر ہے کہ قلب دنیا کے عوارض سے پاک ہو جیسا کہ باریِ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (پ ۱۹ ر ۹ آیت ۸۹)

مگر ہاں (اس کی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس (کفر سے) پاک دل لے کر آئے گا۔

بخل اور اسراف دونوں کا تعلق دنیاوی عوارض سے ہے' دل کا ان دونوں عوارض سے خالی ہونا ضروری ہے' یعنی نہ وہ مال کے جمع و احتکار کی طرف مائل ہو اور نہ اس کو خرچ کرنے کا حریص ہو' کیونکہ جسے خرچ کرنے کا حرص ہوگا اس کا دل اسی طرف لگا رہے گا کہ کہیں سے مال آئے اور وہ خرچ کرے' جب کہ بخیل کی ساری توجہ اِمساک (مال کو روکنے پر) ہوگی۔ قلب کی سلامتی یہ ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں سے خالی ہو' اور کیوں کہ رفعِ نقیضین ممکن نہیں ہے اس لیے ہم نے وہ حالت تلاش کی جس میں یہ دونوں وصف نہ ہوں اور وہ حالت درجہ اعتدال کی ہے درجۂ اعتدال میں یہ دونوں وصف ہو موجود نہیں ہیں چنانچہ گرم پانی کی حرارت نکل جائے اور وہ ٹھنڈا بھی نہ ہونے پائے تو اس پانی کو نہ گرم کہتے ہیں اور نہ ٹھنڈا کہتے ہیں بلکہ گنگنا کہتے ہیں یہی سخاوت اسراف اور بخل کا درمیانی درجہ ہے' شجاعت تہور اور نامردی کے درمیان کی صفت ہے' عفت' حرص اور جمود کی درمیانی کیفیت کا نام ہے' باقی تمام اخلاق کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے' ہر خلق میں افراط و تفریط مذموم ہے اور اعتدال مقصود ہے۔ البتہ استاذ اور مُرشد کو چاہئے کہ وہ اپنے شاگرد و مرید کے سامنے غضب اور بخل کی بُرائی کرتے رہیں اور اس سلسلے میں کسی طرح کی رخصت نہ دیں' کیوں کہ اگر انہوں نے تھوڑے کی اجازت دی تو وہ زیادہ کے لیے کوئی عُذر تلاش کرلیں گے' البتہ اگر کم کی اجازت بھی نہ دے تو یہ ممکن ہے کہ وہ کم پر قناعت کرلیں اور زیادہ پر مائل نہ ہوں اس طرح اعتدال کا درجہ حاصل ہوگا۔ کم کی اجازت زیادہ کے لیے بہانہ بن جائے گی اسی لیے شاگرد اور مرید سے یہی کہا جاتا رہے کہ وہ ان قوتوں کو بالکل نہ رہنے دیں' انہیں سِرے سے ختم کردیں' یہ راز لکھنے کا نہیں تھا کیوں کہ کم عقل لوگ اس سے دھوکا کھاجاتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا غضب بھی حق ہے اور بخل بھی حق ہے۔

حسنِ خلق کے حصول کا سبب

یہ بات آپ اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ حسن خلق کا حاصل یہ ہے کہ قوت عقل معتدل ہو حکمت کامل ہو شہوت اور غضب کی قوتیں اعتدال کے ساتھ شریعت و عقل کے تابع اور مطیع ہوں یہ اعتدال دو وجہوں سے حاصل ہوتا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ آدمی پر خدا کا فضل و کرم ہو' اور وہ اپنی پیدائش کے روزِ اوّل ہی سے خوش خلق اور کاملُ العقل ہو' شہوت و غضب اس پر غالب نہ ہوں بلکہ یہ دونوں عقل و شرع کی پابند ہوں۔ ایسے شخص کو عالم بننے کے لیے ظاہری تعلیم کی اور مؤدب بننے کے لیے ظاہری تادیب کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ یہ فطری عالم اور مؤدب ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت یحییٰ علیہ السلام' خاتم الانبیاء سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے۔ اور یہ امر کچھ بعید نہیں ہے کہ آدمی کی طبع اور فطرت میں وہ بات موجود ہو جو اکتساب سے حاصل ہوتی ہے بہت سے بچے شروع ہی سے سچے' جرأت مند' اور سخاوت پیشہ ہوتے ہیں' بعض بچے روزِ اوّل ہی سے جھوٹے' مکّار' بزدل اور کنجوس ہوتے ہیں' مگر ان میں یہ اوصاف بعض اوقات ان اوصاف کے حامل لوگوں سے اختلاط رکھنے کی بنا پر' اور بعض اوقات سیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان اخلاق کو مجاہدے اور ریاضت سے حاصل کرے یعنی نفس سے وہ کام لے جن سے مطلوبہ خلق حاصل ہوجائے مثلاً جو شخص سخاوت اختیار کرنا چاہتا ہے اسے سخاوت پیشہ لوگوں کی تقلید کرنی چاہئے اور ان کے طریقے پر مال خرچ کرنا چاہئے' خواہ اس کے لیے نفس پر صبر کرنا پڑے' اور یہ

سلسلہ اس وقت تک جاری رہنا چاہئے جب تک کہ نفس اس کا عادی نہ ہو جائے' اور سخاوت طبیعت نہ بن جائے۔ اسی طرح جس شخص پر کبر غالب ہو اور وہ متواضع بننا چاہتا ہو اسے متواضع لوگوں کے افعال کی پابندی کرنی چاہئے' اور اس سلسلے میں اس وقت تک مجاہدہ کرنا چاہئے اور نفس کے تواضع پر مائل کرنا چاہئے جب تک کہ یہ صفت عادت نہ بن جائے اور تواضع اس کے نفس پر سہل نہ ہو جائے' تمام اخلاق محمودہ کے حصول کا یہی طریقہ ہے۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ متعلقہ خلق آدمی کی طبیعت بن جائے اور اس میں لذّت محسوس ہونے لگے' مثلاً سخی اس شخص کو کہا جائے گا جو مال خرچ کرے اور اس میں اسے لذّت ملے' اگر خرچ کرتا ہو' اور لذّت کے بجائے تکلیف ہوتی ہو تو اسے سخی نہیں کہیں گے' اسی طرح متواضع وہ شخص کہلائے گا جسے تواضع میں مزہ ملے۔ دینی اخلاق نفس میں اس وقت تک راسخ نہیں ہوتے جب تک کہ نفس تمام اعمالِ بد سے نفرت نہ کرنے لگے' اور ان سے تکلیف محسوس نہ کرنے لگے' اور تمام اچھے اعمال کا عادی نہ بن جائے' اور ان کی پورے شوق و رغبت کے ساتھ پابندی نہ کرنے لگے' حدیث شریف میں ہے:۔

جعلت قرة عینی فی الصلاة (نسائی۔ انسؓ)

میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

نماز میں آپ نے آنکھوں کی ٹھنڈک اسی لیے محسوس کی کہ یہ نیکی آپ کی عادت بن گئی تھی' جب تک نفس عبادت میں مشقت اور ممنوعات کے ترک میں دشواری محسوس کرتا رہے گا تب تک نقصان باقی رہے گا' اور سعادت کا کمال حاصل نہ ہوگا۔ البتہ مشقّت اور تکلیف کے احساس کے ساتھ اعمالِ حسنہ کی مواظبت' عدم مواظبت سے بہتر ہے مگر رغبت کے ساتھ نیک عمل کرنے سے بہتر نہیں ہے' ارشادِ باری ہے:۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ (پ ۱ ر ۵ آیت ۴۵)

اور بے شک نماز دشوار ضرور ہے لیکن جن کے دل میں خشوع ہے ان پر دشوار نہیں ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

اعبد اللّٰہ فی الرضاء فان لم تستطع ففی الصبر علی ما تکرہ خیر اکثیرا
(طبرانی کبیر)

اللہ کی عبادت رضا کی حالت میں کر' اگر یہ ممکن نہ ہو تو جو چیز تجھے ناپسند ہو اس پر صبر کرنے میں بڑا خیر ہے۔

پھر سعادت کا یہ کمال نہیں ہے کہ کبھی فعل رضا و رغبت سے ہو' اور اس میں لذّت ملے' اور کبھی اس کے برعکس ہو' بلکہ ہر لمحہ اور ہر آن ایک ہی حالت رہنی چاہئے' بلکہ عمر کے ساتھ ساتھ شوق و رغبت اور اُنس و رضا میں زیادتی ہونی چاہئے' سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی شخص نے سعادت کے متعلق دریافت کیا' آپ نے فرمایا:۔

طول العمر فی طاعة اللّٰہ (ابو منصور دیلمی۔ ابن عمرؓ)

خدا کی اطاعت میں عمر کا طویل ہونا۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ موت کو ناپسند کرتے تھے' کیونکہ الدنیا مزرعة الآخرة (دنیا آخرت کی کھیتی) ہے' جس قدر عمر ہو گی اسی قدر عبادات ہوں گی' اور اسی نسبت سے اجر و ثواب بھی زیادہ ہوگا' نفس طاہر سے اَطہر بنے گا' اخلاق قوی سے قوی تر' اور حسن سے اَحسن بنیں گے' علاوہ ازیں عبادات کا مقصد یہ ہے کہ قلب پر ان کا اثر ہو' اور قلب پر اثر اسی وقت ہوتا ہے جب عبادات پر مُواظبت اور مُداومت ہو۔

ان اخلاق کا مقصد یہ ہے کہ دل میں دنیا کی محبت باقی نہ رہے' اور اللہ کی محبت راسخ ہو جائے' اللہ کی ملاقات کے علاوہ کوئی چیز اسے محبوب نہ ہو' وہ اپنا تمام مال اسی طریقے پر خرچ کرے جس طریقے سے اللہ تک پہنچا جا سکتا ہو' غضب اور شہوت دونوں انسان

کے لیے مسخر ہیں' ان دونوں قوتوں کو شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے پر استعمال کرے' اور انہیں بھی وُصول اِلی اللہ کا ذریعہ بنائے۔ پھر اس طرح کے کاموں سے خوش ہو' اور لذت پائے۔ اگر کسی کو نماز میں راحت ملتی ہو یا آنکھوں کی ٹھنڈک میسّر ہو یا عبادات اچھی معلوم ہوتی ہوں تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے' عادت نفس کے اندر اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب چیزوں کے ظہور کا باعث بن سکتی ہے' ہم شاہوں اور خوش حال لوگوں کو ہمیشہ غم و کرب میں مبتلا پاتے ہیں' دوسری طرف مفلس جواری کو دیکھئے وہ ہار کر بھی خوش ہوتا ہے اور مزہ پاتا ہے حالانکہ جس حال میں وہ ہے اگر دوسرے بھی اسی میں مبتلا ہو جائیں تو بے قمار زندگی ہی دوبھر ہو جائے' قمار (جوئے) سے مال ختم ہوتا ہے' گھر تباہ و برباد ہوتا ہے' زندگی کی آسائشیں چھنتی ہیں حاکمانِ وقت کی باز پُرس کا خوف تلوار کی طرح لٹکا رہتا ہے' پھر بھی اس کا چسکا ختم نہیں ہوتا' کیوں کہ کھیلتے کھیلتے وہ قمار کا عادی بن جاتا ہے اور کوشش کے باوجود وہ اسے چھوڑ نہیں پاتا۔ کبوتر باز بھی اپنے کھیل کا اتنا دِلدادہ ہے کہ دن بھر دھوپ میں کھڑا رہتا ہے' دھوپ کی شدت اسے محسوس نہیں ہوتی کیوں کہ کبوتروں سے اسے عشق ہے' خلاؤں میں ان کی اُڑان سے اسے دلچسپی ہے' اور بازی لگانا اس کا محبوب مشغلہ ہے یہی حال ان بد طینت لوگوں کا ہے جن پر رات دن کوڑے برستے ہیں ہاتھ کاٹے جاتے ہیں انتہائی ہولناک سزائیں دی جاتی ہیں' قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے لیکن وہ اپنی حرکات سے باز نہیں آتے' وہ اپنے مشاغل کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں' اور تمام سزائیں ہنسی خوشی برداشت کرتے ہیں حد یہ ہے کہ اگر چوروں کو قتل بھی کر دیا جائے تو وہ مسروقہ مال کا پتا نہ دیں اور اپنے ساتھیوں کی نشاندہی نہ کریں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے کام کو کمال اور تہور کو شجاعت سمجھتے ہیں اور ان مشغلوں کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ ان کے لیے سزائیں سہنے سے بھی گریز نہیں کرتے' یہ سزائیں ان کے لیے سامان راحت ہیں۔ بدترین حال ان مخنّثوں کا ہے جو عورتوں کی صورت بنا لیتے ہیں' اور اپنی اس مذموم حرکت پر فخر کرتے ہیں ہر شخص اپنے اپنے حال میں مست اپنے اپنے پیشے پر نازاں ہے' خواہ وہ مُلوک و سَلاطین ہوں' یا کنجر اور حجام۔ یہ سب امور عادت اور ایک ہی کام پر مسلسل مواظبت کے نتیجے میں سامنے آتے ہیں' اور جب اپنے ہم مذاق اور ہم مشرَب لوگوں میں بھی ان کا مشاہدہ ہوتا ہے تو یہ امور نفس میں اور زیادہ راسخ ہو جاتے ہیں بہر حال جب نفس انسان باطل سے تلذّذ حاصل کر سکتا ہے اور بُرائیوں کی طرف مائل ہو سکتا ہے تو حق سے لطف کیوں نہیں اٹھا سکتا' اور اچھائیوں کی طرف کیوں نہیں مائل ہو سکتا بلکہ رذائل کی طرف میلان طبعی نہیں ہوتا' یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص مٹی کھانے کی رغبت رکھتا ہو' کیا اس رغبت کو فطری کہا جا سکتا ہے۔ کسی شخص کا حکمت' اللہ کی محبت' معرفت اور عبادت کی طرف مائل ہونا ایسا ہے جیسے کوئی کھانے پینے کی طرف مائل ہو' جس طرح کھانے کی رغبت فطری ہے اسی طرح اللہ کی محبت' معرفت اور عبادت کی طرف میلان بھی طبیعت قلب کا مقتضی ہے' کیوں کہ قلب امرِ ربانی ہے' شہوت کے تقاضوں کی طرف اس کا میلان عارضی تو ہو سکتا ہے دائمی اور فطری نہیں ہو سکتا' قلب کی اصل غذا حکمت' معرفت اور محبتِ الٰہی ہے' اگر عوارض کی وجہ سے وہ طبعی تقاضوں سے منحرف ہو جائے تو یہ ایسا ہے جیسے کسی شخص کے معدے میں خلل ہو جائے اور کھانے کی اشتہا باقی نہ رہے' حالانکہ کھانا معدے کی غذا ہے' اور اسی پر انسان کی زندگی موقوف ہے۔ اس مثال سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جو دل غیر اللہ کی طرف جس قدر مائل ہو گا اسی قدر اس میں مرض ہو گا ہاں اگر کسی غیر اللہ سے محبت اللہ کے لیے ہو تو کوئی مضائقہ نہیں' اسے مرض نہیں کہا جائے گا' بلکہ یہ محبت بھی طبعی کہلائے گی۔

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو چکی ہے کہ ریاضت کے ذریعہ اخلاقِ حسنہ کا اکتساب کیا جا سکتا ہے یعنی اگر کوئی شخص اولاً انہیں بتکلف اختیار کرے اور ان کی پابندی رکھے تو آخرالاَمر یہ اخلاق طبعی اور خلقی ہو جاتے ہیں' قلب اور اعضاء کے مابین یہ عجیب تعلق ہے کہ جو صفت قلب میں پیدا ہوتی ہے اعضاء پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے' اور اعضائے قلب کے اشارے پر حرکت کرنے لگتے ہیں' اسی طرح اعضاء پر جو حرکات طاری ہوتی ہیں قلب ان سے متأثر ہوتا ہے' قلب اور اعضاء کی اَثر پذیری کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

مثلاً کوئی شخص فن کتابت میں مہارت حاصل کرنا چاہے تو اس کا یہ طریقہ ہے کہ وہ مشق کے سلسلے میں ماہرین فن کاتبوں کی تقلید کرے اور جس طرح وہ حروف و الفاظ لکھتے ہیں اسی طرح وہ بھی لکھے' اور عرصۂ دراز تک اس کی مشق جاری رکھے یہاں تک کہ کتابت اس کی عادت بن جائے اور خوبصورت حروف جس طرح بہ تکلّف بنتے تھے اب بلا تکلّف بننے لگیں' اسی طرح اگر کوئی شخص فقیہ بننا چاہے تو اسے فقہاء کی تقلید کرنی چاہئے' یعنی فقہ کے مسائل کا بار بار تکرار و اعادہ کرنا چاہئے تاکہ وہ مسائل اَزبَر ہوجائیں اور دل تک ان کا اثر پہنچے' اور فقیہ النفس ہوجائے اسی طرح سخی' متقی' بردبار اور متواضع بننے کا خواہش مند بھی ان لوگوں کی تقلید کرے جو صحیح معنیٰ میں سخاوت' تقویٰ' حِلم اور تواضع کے زیور سے آراستہ ہیں۔ تقلید کی ابتدا تکلّف سے ہوتی ہے' بعد میں زیرِ تقلید افعال عادت بن جاتے ہیں اور طبیعت میں جڑ پکڑ لیتے ہیں' اخلاق کے اکتساب کی یہی تدبیر ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جس طرح فقہ کا طالب علم ایک روز کی چھٹی سے اپنے مقصد میں ناکام نہیں ہوتا اور ایک دن کے مطالعہ و تکرار سے فقیہ نہیں بنتا اسی طرح اعمالِ حسنہ کے ذریعہ قلب کے تزکیہ' تکمیل' اور تحسین کا طالب ایک دن کی عبادت سے یہ مقصد حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ایک روز کی معصیت سے اس مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ ہوسکتی ہے۔ اکابر کے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ ایک گناہِ کبیرہ دائمی بدبختی کا باعث نہیں ہوگا۔ البتہ ایک روز کا تعطّل دوسرے روز کے تعطّل کا سبب بن سکتا ہے۔ اگر یہ سلسلے دراز رہے تو طبیعت میں سُستی پیدا ہوسکتی ہے' اور نفس بے عملی کا عادی بن سکتا ہے' اور یہ سُستی اور بے عملی فقہ سے محرومی کا باعث بن سکتی ہے یہی حال صغیرہ گناہوں کا ہے کہ ایک گناہِ صغیرہ کا اِرتکاب دوسرے صغیرہ گناہ کا سبب ہوتا ہے اور بہت سے صغیرہ گناہ مل کر کبیرہ گناہ بن جاتے ہیں۔ اَلعیاذ باللہ۔ نیز جس طرح ایک رات کے مطالعہ فقہ کا اثر فوری نہیں ہوتا بلکہ بدن کے تدریجی نشوونما کی طرح آہستہ آہستہ ہوتا ہے اسی طرح ایک رات کی عبادت کا اثر بھی فوری طور پر مرتب نہیں ہوتا بلکہ بتدریج ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ایک رات یا ایک ساعت بلکہ ایک لمحہ کی مختصر ترین عبادت کو حقیر سمجھیں' اس لیے کہ تھوڑا تھوڑا بہت ہوجاتا ہے کہ بمصداق چند مختصر مختصر عبادتیں طویل عبادت بن جاتی ہیں' کیا عجب ہے کہ مختصر عبادت اپنے اخلاص کی بنا پر طویل عبادت سے فائق اور اجر و ثواب میں زیادہ ہو' بہر حال مختصر عبادت بھی مؤثر ہوتی ہے گو اس کی تاثیر محسوس نہ ہو' تاثیر کے مخفی رہنے یا نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ عبادت کی انتہا ثواب ہے' اور وہ ضائع نہیں جاتا۔ اسی پر معصیت کو قیاس کرنا چاہئے۔

بہت سے فقہاء ایک دن کی تعطیل کو حقیر اور غیر مؤثر سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ عادت مسلسل تعطیل کا باعث بن سکتی ہے' وہ نفس کو تعطیل کے غیر مؤثر ہونے کا فریب دیتے رہیں گے اور طبیعت کو فقہ سے دور کرتے رہیں گے' یہی حال ان لوگوں کا ہے جو صغیرہ گناہوں کو اہمیت نہیں دیتے اور انہیں حقیر تصوّر کرتے ہیں' اور نفس کو توبہ کا فریب دیتے رہتے ہیں' یہاں تک کہ توبہ کی توفیق نہیں ہوتی اور موت کا آہنی پنجہ انہیں اپنی گرفت میں لے لیتا ہے گناہوں پر اصرار سے دل سیاہ ہوجاتے ہیں' اور توبہ کی توفیق نہیں ہوتی' توبہ کا دروزاہ بند ہونے سے یہی مراد ہے' اور یہی اس آیت کے معنیٰ ہیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا (پ ۲۲ ر ۱۸ آیت ۹)

اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کردی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کردی۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ قلب میں ایمان کی ابتدا ایک سفید نقطے سے ہوتی ہے' جتنا ایمان زیادہ ہوتا ہے اس نقطے کی سفیدی اور حجم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ تمام دل نورانی ہوجاتا ہے' اور نفاق کا آغاز ایک سیاہ نقطے سے ہوتا ہے' جس قدر نفاق بڑھتا ہے اسی قدر اس نقطے کی سیاہی اور جسّی وجود میں زیادتی ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ تمام قلب سیاہ پڑجاتا ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اچھے اخلاق کبھی طبعی ہوتے ہیں' اور خلقۃً آدمی کے نفس میں پائے جاتے ہیں' کبھی ان کا اکتساب کرنا پڑتا ہے' اکتساب کی ابتدا تکلیف سے ہوتی ہے' بعد میں یہی اخلاق عادت اور طبیعت بن جاتے ہیں۔ نیک لوگوں کے مشاہدے

اور ان کی تقلید سے بھی اچھے اخلاق حاصل ہوتے ہیں کیوں کہ طبائع نقل میں ماہر ہوتی ہے، اور وہ خیرو شر ہر طرح کے امور سرقہ کرلیتی ہیں، جس شخص میں یہ تینوں باتیں طبع، عادت اور تعلّم بیک وقت موجود ہوں بلاشبہ وہ شخص فضیلت کے اعلیٰ درجے پر ہے، اور وہ شخص ذلّت اور خدا تعالیٰ سے بعد کے انتہائی درجے پر ہے جس کی طبیعت بھی سلیم نہ ہو، عادتاً شر کو پسند کرتا ہو اور دوست احباب بھی برے ہوں، باقی لوگ ان دونوں کے درمیانی درجات پر ہیں، قرآن پاک میں ہے:۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (پ ۳۰ ر ۲۴ آیت ۷-۸)

جو شخص (دنیا میں) ذرّہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرّہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (پ ۱۴ ر ۱۰ آیت ۳۳)

اور ان پر اللہ تعالیٰ نے ذرا ظلم نہیں کیا لیکن وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کررہے تھے۔

تہذیبِ اخلاق کے حصول کا تفصیلی طریقہ

بدن اور نفس : یہ بات آپ پہلے جان چکے ہیں کہ اخلاق میں اعتدال نفس کی صحت اور اعتدال سے انحراف نفس کے مرض کی علامت ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے بدن کے مزاج میں اعتدال تندرستی اور اعتدال سے انحراف بیماری کی دلیل ہے، زیر بحث موضوع کے سلسلے میں ہم بدن کو بطور مثال بیان کرسکتے ہیں، جس طرح بدن سے امراض دور کرکے اس کی صحت اور تندرستی کے لیے کوشش کی جاتی ہے، اسی طرح نفس سے اخلاقِ رذیلہ دور کیے جاتے ہیں اور اسے اخلاق فاضلہ سے آراستہ کیا جاتا ہے، انسان کے جسمانی نظام میں اصل اعتدال ہی ہے، غذا اور خواہشات کے عوارض سے معدے میں خلل واقع ہوتا ہے اسی طرح نفسِ انسانی میں بھی اصل اعتدال ہی ہے، چنانچہ اسی اعتدالِ نفس کی طرف مشہور حدیث میں اشارہ ہے کہ ہر بچہ معتدل مزاج، اور صحیح فطرت کا حامل پیدا ہوتا ہے، بعد میں اس کے والدین اسے اپنے اپنے طرز پر ڈھال لیتے ہیں، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

كل مولود يولد على الفطرة وانما ابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ)

ہر بچہ فطرت (اصلی ایمان پر) پیدا ہوتا ہے اور اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی عادت یا تعلیم کے ذریعہ رذائل اختیار کرتا ہے پیدائش کے وقت یہ رذائل اس کے اندر پیدا نہیں ہوتے نیز جس طرح بدن ابتدا ہی سے کامل پیدا نہیں ہوتا بلکہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہے اور نشوونما پاتا ہے اسی طرح نفس بھی شروع سے کامل پیدا نہیں ہوتا بلکہ بتدریج کمال حاصل کرتا ہے، البتہ بدن کی طرح نفس میں کمال حاصل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے، تعلیم و تربیت اور تزکیہ و تہذیب سے نفس کامل ہوتا ہے۔

اگر بدن صحیح ہو تو طبیب اس کی صحت کی حفاظت کے لیے تدبیریں کرتا ہے اور بیمار ہو تو اس کی صحت کی واپسی کے لیے جدوجہد کرتا ہے، اسی طرح آدمی کو چاہئے کہ وہ پاک وصاف اور شائستہ و مہذب نفس کی حفاظت کرے اور صفاتِ کمال اور صفاء سے محروم نفس میں کمال اور صفاء پیدا کرنے کی کوشش کرے جس طرح بدن کے نظام اعتدال کو درہم برہم کرنے والی علّت کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے یعنی حرارت کا برودت سے اور برودت کا حرارت سے اسی طرح نفس کے امراض کا علاج بھی ان کی اضداد سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً جہل کے مرض کا علاج تعلیم سے بخل کی بیماری کا علاج سخاوت سے، تکبّر کے مرض کا علاج تواضع سے، اور حرص و

ہوس کا علاج نفسانی خواہشات کے سیلاب پر بند لگانے سے کیا جاتا ہے خواہ اس علاج میں تکلّف ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ جس طرح بدن کی بیماریوں کا علاج دوا کی تلخی برداشت کرنے اور دل کی خواہشات کو دبانے سے ہوتا ہے' اسی طرح نفس کے امراض بھی مجاہدے کی تلخی اور شدّت پر صبر کئے بغیر دور نہیں ہوتے بلکہ دل کے امراض میں اس مجاہدے کی ضرورت کچھ زیادہ ہی پڑتی ہے' اس لیے کہ بدن کی بیماریوں کا خاتمہ تو اس وقت ہو جاتا ہے جب انسان کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑتی ہے لیکن دل کے امراض مرنے کے بعد بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہ جاتے ہیں۔ نیز جس طرح حرارت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جسمانی مرض کے لیے ہر سرد دوا اس وقت تک مفید ہوتی جب تک وہ مرض کی شدّت وضعف کو سامنے رکھ کر تجویز نہ کی گئی ہو اور اس میں مقدار کی کمی' زیادتی کی رعایت نہ کی گئی ہو' اس کے لیے اطبّاء نے ایک معیار مقرّر کر رکھا ہے اسی معیار کی روشنی میں وہ دوا کی مناسب مفید اور مرض کے لیے مؤثّر مقدار تجویز کرتے ہیں' اگر یہ معیار ملحوظ نہ رہے تو مرض کم ہونے کی بجائے زیادہ ہو جائے' یہی حال نفس کی بیماریوں کا ہے۔ معالج کو چاہئے کہ وہ جن اخلاق کا ان کے اَضداد سے علاج کرے ان میں یہ معیار ملحوظ رکھے۔ دوا کا معیار مرض کی روشنی میں متعیّن کیا جاتا ہے' چنانچہ طبیب اس وقت تک کسی مرض کا علاج نہیں کرتا جب تک وہ یہ پتا نہیں چلا لیتا کہ زیرِ علاج مرض کا سبب بارد ہے یا حار ہے' اگر وہ مرض حرارت کی بناء پر ہے تو وہ اس کے ضُعف و شدّت پر نظر ڈالتا ہے' پھر بدن کے احوال' وقت کے تقاضے' مریض کی عمر اور اس کے مشاغل وغیرہ بھی معالج کی نظر میں رہتے ہیں اور وہ انہی کی روشنی میں علاج تجویز کرتا ہے' اسی طرح مرشد کو چاہئے کہ وہ اپنے زیرِ علاج روحانی مریضوں پر ریاضتوں اور مجاہدوں کا اتنا بوجھ نہ ڈالے کہ وہ اسے برداشت نہ کرسکیں' نیز اپنے مریض کے لیے کوئی مجاہدہ اس وقت تک تجویز نہ کرے جب تک اس کے مرض کا صحیح طور پر اندازہ نہ کرلے۔ علاج کے سلسلے میں طبیب کا فرض یہ ہے کہ وہ مرض دیکھ کر دوا دے' اگر اس نے تمام امراض کا علاج ایک ہی دوا سے کیا تو اس کا انجام مریضوں کی ہلاکت کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مرشد کو چاہئے کہ وہ اپنے تمام مریدین کی اصلاح کے لیے ایک ہی طریقہ اختیار نہ کرے۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ اپنے روحانی مریضوں کے دلوں کو ہلاکت میں مبتلا کردے گا مرشد کا فرض یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے مرید کے مرض کی تشخیص کرے' اس کے حالات پر نظر ڈالے' اس کے سِن و سال اور طبیعت و مزاج کی رعایت کرے' اور یہ دیکھے کہ وہ مجاہدے کی کس قدر مشقت اور تعب برداشت کرتا ہے' ان تمام امور کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس کے لیے کوئی مجاہدہ تجویز کرے۔ اگر مرید مُبتدی ہو اور شریعت کی حدود سے ناواقف ہو تو پہلے سے طہارت اور نماز اور ظاہری عبادات کے مسائل سکھلائے جائیں اگر وہ حرام مال میں مشغول ہو اور معصیت کا اِرتکاب کرتا ہو تو اسے منع کرے اور گناہوں کی زندگی گذارنے سے روکے' جب اس کا ظاہر گناہوں کی آلودگی سے پاک اور عبادات کے نور سے منوّر ہو جائے تو احوال کے قرائن سے اس کے باطن کا جائزہ لے اور اخلاق و عادات اور قلب کے امراض کا تجزیہ کرے' اگر اس کے پاس ضرورت سے زائد مال ہو تو اس سے لے لے اور خیرات کردے تاکہ اس کے دل میں مال کی طرف کوئی اِلتفات باقی نہ رہے اور وہ پوری طرح اللہ کی طرف مائل ہو جائے' اسی طرح اگر مرید کے دل میں تکبّر' رعُونت' اور عزتِ نفس کا احساس زیادہ ہو تو اسے مانگنے اور لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کے لیے بازار بھیجے' کیونکہ تکبّر اور رعُونت اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا احساس ذلّت کے بغیر نہیں جاتا۔ اور گداگری سے زیادہ باعثِ ذلّت چیز کوئی دوسری نہیں ہے' جب تک یہ بیماری اچھی طرح ختم نہ ہو جائے اس وقت تک وہ اسے اس ذلیل پیشے کی پابندی کرنے کا مکلّف بنائے' کبر اور رعونتِ قلب کی بدترین مہلک بیماریاں ہیں' اگر کسی مرید پر جسم و لباس کی نظافت کا خیال غالب ہو' اور وہ صفائی کی طرف زیادہ مائل نظر آتا ہو تو اس سے گھریلو کام لئے جائیں مثلاً گھر کی صفائی کرائی جائے گندی جگہوں پر جھاڑو لگوائی جائے' باورچی خانے کا کوئی کام سپرد کردیا جائے تاکہ دھویں سے سابقہ پڑے' اور نظافت کی رعونت باقی نہ رہے۔ جو لوگ اپنے کپڑوں میں زیب و زینت اختیار کرتے ہیں اور خوبصورت جائے نمازیں تلاش کرتے ہیں ان میں اور دلہنوں میں کوئی فرق نہیں ہے' دلہنیں بھی دن بھر اپنی آرائش میں مشغول رہتی ہیں نیز اس میں بھی کوئی فرق نہیں ہے کہ آدمی اپنے آپ کو

پوجے یا پتھر کے صنم کی پرستش کرے' جب بھی بندہ غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے اس کا قلب اللہ سے محجوب ہو جاتا ہے' جو شخص اپنے لباس میں اس کی پاکی اور حلت کے علاوہ بھی کسی چیز کا خیال رکھے وہ اپنے نفس کا پجاری ہے' مجاہدے کے لطائف میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مرید اپنی کسی مذموم اور قبیح عادت سے باز نہ آئے تو اس کا رخ اس مذموم عادت سے ہٹا کر کسی دوسری مذموم عادت کی طرف پھیر دینا چاہئے جو اس سے کم درجے کی ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کپڑوں پر لگا ہوا خون پیشاب سے دھوئے اور پیشاب کو پانی سے دھوڈالے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ پانی سے خون زائل نہ ہوتا ہو' یا جیسے بچے کو مکتب میں اولاً گیند بلّے سے کھیلنے کی ترغیب دی جائے' پھر کھیل سے اچھے لباس کی طرف مائل کیا جائے' اچھے لباس اور زینت و تفاخر سے ریاست و جاہ کی طلب پر اکسایا جائے' اور آخر میں اسے آخرت کی ترغیب دی جائے اگر کسی شخص کا دل ایک دم ترک جاہ پر آمادہ نہ ہو تو اسے معمولی درجے کی جاہ کی ترغیب دینی چاہئے اور اسے بتدریج اس صفت سے ہٹانا چاہئے اسی طرح اگر کسی شخص پر کھانے کی ہوس غالب پائے تو اسے روزہ اور کم خوری کا پابند کردے' پھر اسے اس امر کا مکلف بنائے کہ وہ لذیذ کھانے تیار کرے' دوسروں کو کھلائے' اور خود نہ کھائے' یہاں تک کہ اس کا نفس عادی ہو جائے اور اس میں صبر کی قوت پیدا ہو جائے' ہوس کا خاتمہ ہو جائے۔ اسی طرح اگر کوئی مرید نوجوان ہو' اور نکاح کا خواہش مند ہو لیکن نان نفقہ سے عاجز ہو تو اسے روزہ رکھنے کے لیے کہے بعض اوقات روزے سے بھی شہوت کم نہیں ہوتی اس صورت میں مرید سے کہے کہ وہ ایک دن اپنا روزہ پانی سے افطار کرے' روٹی نہ کھائے' دوسرے دن روٹی سے افطار کرے پانی نہ پئے گوشت اور دوسرے سالنوں کے استعمال سے منع کرے' یہاں تک کہ اس کی شہوت ختم ہو جائے شروع میں بھوک سے اچھا کوئی دوسرا علاج نہیں ہے' اگر اس پر غصے کا غلبہ دیکھے تو تحمل اور خاموشی اختیار کرنے کا حکم دے' اور اس پر ایسے لوگ مسلّط کردے جو بد اخلاق ہوں' اور ایسے ہی لوگوں کی خدمت پر اسے مامور کردے تاکہ ان کے ساتھ رہتے رہتے وہ اذیتوں پر صبر کرنے کا خوگر بن جائے جیسا کہ ایک بزرگ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ زیادہ تر ایسے لوگوں کی مزدوری کیا کرتے تھے جو بد اخلاق ہوں اور ترش روئی اور درشت کلامی ان کی عادت ہو' وہ ان کی طرف سے پہنچنے والی ہر اذیت پر صبر کرتے تھے' اور غصہ پی لیتے تھے' شروع شروع میں ایسا کرنے کے لیے انہیں تکلّف سے کام لینا پڑا' بعد میں صبر ان کی عادت بن گیا یہاں تک کہ اس سلسلہ میں ان کا نام مثال کے طور پر لیا جانے لگا۔ بعض بزرگ اپنے اندر کمزوری اور بزدلی پاتے تھے اس کا علاج انہوں نے اس طرح کیا کہ وہ سمندر کے سینے پر اس وقت سفر کرنے لگے جب موسم سرد ہو' اور موجیں مضطرب ہوں۔ عبادت سے سُستی اور کاہلی کے علاج کے لیے ہندو عابد رات بھر ایک ہی پہلو کھڑے رہتے ہیں بعض بزرگ سلوک کی ابتدا میں سُست تھے' انہوں نے اپنے مرض کا علاج اس طرح کیا کہ رات بھر سر کے بل کھڑے رہے تاکہ نفس اس مشقت سے گھبرا کر پاؤں پر کھڑا ہونے پر رضا مند ہو جائے بعض لوگوں نے مال کی محبت دل سے اس طرح سے زائل کی کہ درہم و دینار دریا برد کردئے خیرات کرنے کے بجائے دریا میں بہانے کو انہوں نے اس لیے ترجیح دی کہ خیرات کرنے میں ریا کاری کا اندیشہ تھا۔

ان مثالوں سے امراضِ قلب کے علاج کے طریقے معلوم ہوتے ہیں' لیکن یہاں ہمارا مقصد ہر مرض کی دوا بیان کرنا نہیں ہے' دوائیں اور علاج کے طریقے تو ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے' اس وقت تو ہمارا مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ ہر مرض کا علاج اس کی ضد پر عمل کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ طریقہ علاج ایک ہی جملے میں بیان فرمایا ہے:۔

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ (پ ۳۰ ر ۴ آیت ۴۰-۴۱)

اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہو گا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہو گا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہو گا۔

مجاہدے میں اصل اور اہم تر بات یہ ہے کہ جس بات کا عزم کرے اسے پورا کرے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ترکِ شہوت کا عزم

کرلے اور اس راہ میں کچھ دشواریاں پیش آئیں تو ان دشواریوں کو انگیز کرنے کا حوصلہ رکھے' اور یہ سمجھ کہ یہ دشواریاں بطور ابتلأ و آزمائش پیش آئی ہیں' ان دُشواریوں سے نبرد آزما ہو کر اپنے ارادے پر قائم رہنا ہی مجاہدہ ہے عہد شکنی کرے گا تو نفس کو ایسی ہی عادت ہوجائے گی' اور وہ تباہ ہوجائے گا' اگر خدانخواستہ کبھی عہد شکنی کی نوبت آجائے تو اپنے آپ کو سزا دے جیسا کہ ہم نے محاسبہ اور مراقبہ کے باب میں نفس کو سزا دینے کے موضوع پر گفتگو کی ہے اگر نفس کو سزا نہ دی تو نفس اس پر غالب آجائے گا' اور تمام ریاضت برباد جائے گی۔

قلوبؑ کی بیماری اور صحت کی علامتیں

جاننا چاہئے کہ ہر عضوبدن ایک مخصوص فعل کے لیے پیدا ہوا ہے' اگر وہ فعل جس کے لیے عضو کی تخلیق کی گئی ہے اس عضو سے سرزد نہ ہو اور سرزد ہو تو اضطراب کے ساتھ سرزد ہو تو کہا جائے گا کہ یہ عضو اپنی صحت کھو چکا ہے' ہاتھ کا مرض یہ ہے کہ اس میں پکڑنے کی صلاحیت باقی نہ رہے' آنکھ کا مرض یہ ہے کہ وہ دیکھنے سے محروم ہوجائے۔ اسی طرح قلب کا مرض یہ ہے کہ وہ اپنے اس مخصوص فعل سے عاجز رہ جائے جس کے لیے اس کی تخلیق عمل میں آئی ہے' اور قلب کا فعل علم' حکمت اور معرفت' اللہ تعالیٰ کی محبت' اس کی عبادت' اس کے ذکر سے لذت حاصل کرنا اور اسے اپنی ہر خواہش پر ترجیح دینا' نیز اپنی تمام خواہشات اور اعضاء سے اس پر مدد لینا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (پ ۲۷ ر ۲ آیت ۵۶)

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔

بہرحال ہر عضو کے ساتھ کوئی نہ کوئی فائدہ مخصوص ہے قلب کا مخصوص فعل حکمت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے' نفسِ انسانی کی خصوصیت وہی ہونی چاہئے جس کے ذریعہ وہ بہائم سے ممتاز ہوجائے' کیونکہ کھانے پینے' دیکھنے' اور جماع کرنے کی قوت تو جانوروں کو بھی میسّر ہے' انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اشیاء کی حقیقتوں کا ادراک رکھتا ہے' اور یہ حقیقت ہے کہ اشیاء کی اصل' ان کا موجد اور مخترع اللہ تعالیٰ ہیں' اب اگر کوئی شخص کسی شئ کا علم رکھتا ہے لیکن اس کے موجد کی معرفت نہیں رکھتا تو کہا جائے گا کہ وہ اس شئ کی حقیقت سے واقف ہی نہیں ہے' معرفت کی علامت محبت ہے' جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھے گا وہ اس سے محبت بھی کرے گا' اور محبت کی علامت یہ ہے کہ اس پر دنیا کی کسی بھی محبوب چیز کو ترجیح نہ دی جائے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:۔

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ (پ ۱۰ ر ۹ آیت ۲۴)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کُنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو' اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے' اور اسکے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو۔

جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی محبت ہے اس کا دل بیمار ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی کے معدے کو روٹی کے بجائے مٹی کی رغبت ہوجائے' ایسا معدہ مریض کہلاتا ہے' یہ قلب کے امراض کی علامتیں ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ تمام قلوب بیمار ہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ۔

بعض امراض اتنے مخفی ہوتے ہیں کہ مریض کو ان کا علم بھی نہیں ہوپاتا۔ دل کے امراض کا حال کچھ ایسا ہی ہے کہ صاحبِ مرض کو اپنے مرض کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ اسی لیے وہ ان سے غفلت برتتا ہے' اگر وہ مرض کا حال جان لے تو اس کی دوا کی تلخی پر صبر کرنے کی ہمت کھو بیٹھے اس لیے کہ دل کے مرض کی دوا شہوتوں کی مخالفت ہے جس کی تکلیف جاں کنی کی تکلیف سے زیادہ سخت سمجھی جاتی ہے' اگر کسی شخص کے اندر صبر کا یارا بھی ہو تو ایسا طبیب حاذق میسّر نہیں آتا جو اس کا صحیح طریقے پر علاج کرسکے' دل کی بیماریوں کے معالج علماء ہوسکتے ہیں' لیکن ان کے قلوب خود بیماریوں میں مُبتلا ہیں' جب وہ اپنا ہی علاج نہیں کرپاتے تو دوسرے کا علاج کیا کریں گے' اس اعتبار سے دل کا مرض سنگین اور لاعلاج بن گیا ہے' دل کی بیماریوں کے علاج کا علم مِٹ چکا ہے نہ ان بیماریوں کو سمجھنے والے رہے اور نہ علاج کرنے والوں کا وجود رہا۔ لوگ دنیا کی محبت میں غرق ہیں' اور ایسے اعمال میں مشغول ہیں جن کا ظاہر عبادت ہے اور باطن ریا ہے' یہاں تک اصل امراض کی علامات کا ذکر تھا۔ اب معالجہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والی صحت کی علامات کا حال سُنئے۔

اس سلسلے میں اس بیماری پر نظر رکھنی چاہئے جس کا علاج کرنا ہے' اگر وہ بیماری مثلاً بخل ہے جو ہلاک کرنے والی اور اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی ہے تو اس کا علاج مال خرچ کرنے سے ہُوگا' لیکن بعض اوقات مال خرچ کرنے میں حدود سے تجاوز کیا جاتا ہے اور اِنفاق اسراف میں داخل ہوجاتا ہے' اِسراف بھی ایک مرض ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص بُرودت کا علاج حرارت سے کرے اور اتنی زیادہ حرارت پہنچائے کہ بُرودت پر حرارت غالب آجائے ظاہر ہے کہ حرارت کا غلبہ بھی مرض ہے' بلکہ مطلوب اعتدال ہے' جس میں نہ حرارت غالب ہوتی ہے اور نہ بُرودت' خرچ کرنے میں بھی اِسراف اور بخل کا درمیانی درجہ مطلوب ہے' اگر آپ نقطۂ اعتدال' اور دو چیزوں کے درمیان حدِّ وسط معلوم کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس فعل پر نظر ڈالیں جو کسی خلق کے باعث وجود میں آئے' اگر وہ فعل سہل اور لذیذ معلوم ہو تو جان لینا چاہئے کہ یہی خلق نفس پر غالب ہے' مثلاً اگر مال جمع کرنے اور اسے روکنے میں نفس کو مستحقین پر خرچ کرنے کے مقابلے میں زیادہ لذت ملتی ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ نفس پر خلقِ بخل غالب ہے۔ اس صورت میں خرچ کرنے اور مستحقین کو ان کا حق پہنچانے کا اِلتزام کرے' اور اگر نفس کو مستحق پر خرچ کرنے کے مقابلے میں غیر مستحق پر خرچ کرنے میں زیادہ لذّت ملتی ہو اور یہ خرچ کرنا جمع کرنے سے زیادہ سہل لگتا ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ نفس پر خلقِ اِسراف غالب ہے۔ اس صورت میں مال جمع کرنے اور روکنے کی طرف رُجوع ہونا چاہئے نفس کی نگرانی اسی طرح جاری رکھنی چاہئے اور یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ کون سا فعل نفس پر شاق گذرتا ہے' اور کون سا فعل سہل ہے۔ اور یہ نگرانی اس وقت تک جاری رہنی چاہئے جب تک مال کی رغبت قطعی طور پر ختم نہ ہوجائے یعنی نہ نفس کو خرچ سے دل چسپی رہے' اور نہ جمع وإمساک کی طرف اس کا اِلتفات رہے بلکہ اس کی حیثیت پانی کی سی ہوجائے جو ضرورت کے لیے روکا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت خرچ کیا جاتا ہے' نیز بَذل (خرچ کرنے) کو اِمساک (روکنے) پر کوئی ترجیح نہ ہو' جو دل اس درجہ کا ہوجائے گا وہ ان اخلاقِ رذیلہ سے پاک رہے گا۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے دل کا دُنیاوی علائق سے لاتعلق ہونا ضروری ہے' تاکہ جب دنیا سے اِذنِ سفر ملے تو نہ دل میں کسی شئی کی طرف اِلتفات ہو اور نہ اس کے اسباب کا دھیان ہو۔ اس صورت میں نفس کی ربّ کریم کے حضور واپسی اس نفس لطیفہ کی واپسی ہوگی جو خود بھی اپنے رب سے راضی ہے اور رب بھی اس سے راضی ہے' ایسے ہی نفُوس اللہ کے مقرّب بندوں انبیاء' صدّیقین' شُہداء اور صُلحاء کے زمرے میں شمار کئے جاتے ہیں۔

درمیانی درجہ دونوں طرف کے درجات میں انتہائی دقیق ہے' بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ جو لوگ دنیا میں اس دُشوار گذار صراط (راستے) پر قائم رہیں گے وہ آخرت کے پُلِ صراط سے سلامتی کے ساتھ گذریں گے' اور کیونکہ آدمی صراطِ مستقیم کے درجہ اوسط کے ایک نہ ایک جانب تھوڑا بہت جھک ہی جاتا ہے اس لیے اس کا دل اسی جانب متعلق رہتا ہے جس جانب جھکتا ہے۔ اس لحاظ سے اسے کچھ نہ کچھ عذاب ضرور ہوگا گو وہ دوزخ کی آگ سے اس طرح

نکل جائے جس طرح بجلی چمکتی ہے اور اس کی رو تار کے اندر سے گذرتی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (پ ۱۶ ر ۸ آیت ۷۱-۷۲)

اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس پر سے گذر نہ ہو یہ آپ کے رب کے اعتبار سے لازم ہے (ضرور) پورا ہو کر رہے گا پھر ہم ان لوگوں کو نجات دے دیں گے جو خدا سے ڈریں۔

متقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو صراطِ مستقیم سے قریب زیادہ اور بعید کم رہے ہیں صراطِ مستقیم پر ثبات قدمی کی اسی دشواری کے پیش نظر بندے پر سورۂ فاتحہ کے دوران شب و روز میں سترہ مرتبہ یہ دعا واجب ہوئی ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (پ ر آیت)

بتلا دیجئے ہم کو راستہ سیدھا۔

روایت ہے کہ کسی بزرگ نے خواب میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ اس سورت میں ایسی کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سورت میں یہ آیت ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (پ ۱۲ ر ۱۰ آیت ۱۱۲)

آپ جس طرح کہ آپ کو حکم ہوا ہے (راہِ دین) پر مستقیم رہئے۔

بہر حال سیدھے راستے پر قدم رہنا اگرچہ سخت دشوار ہے لیکن انسان کو استقامت سے قریب تر رہنے میں کسی غفلت سے کام نہ لینا چاہئے۔ اگرچہ وہ عینِ استقامت حاصل نہ کر پائے جو شخص نجات کا خواہاں ہے اسے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ نجات صرف نیک اعمال میں منحصر ہے' اور نیک اعمال اچھے اخلاق کے پہلو سے جنم لیتے ہیں' اس اعتبار سے ہر بندے کو اپنے اوصاف اور اخلاق کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے' تاکہ اگر کوئی نقص ہو تو اسے دُور کیا جاسکے۔

اپنے عیُوب پہچاننے کا طریقہ

اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے اس کے عیُوب پر مطلع فرما دیتے ہیں' جس شخص کو گہری بصیرت میسّر ہوتی ہے اس پر عیُوب مخفی نہیں رہتے' اور جب عیُوب کا علم ہو جاتا ہے تو ان کے علاج میں بھی آسانی ہو جاتی ہے' لیکن اکثر لوگ اپنے عیُوب سے ناواقف ہیں حال یہ ہے کہ آدمی دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھ لیتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھ پاتا.....اپنے عیوب پہچاننے کے چار طریقے ہیں:

پہلا طریقہ : یہ ہے کہ کسی ایسے شیخ کی مجلس میں حاضری دیا کرے جو نفس کے عیوب سے واقف' اور مخفی آفات پر مطلع ہو' اس شیخ کی بات سُننے اور مجاہدے کے باب میں اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہو' یہ حال مرید کا مُرشد کے ساتھ اور شاگرد کا استاذ کے ساتھ ہے' شیخ اپنے مرید کو' اور استاذ اپنے شاگرد کو اس کے باطنی عیوب سے آگاہ کرتا ہے ان کے اِزالے کا طریقہ تجویز کرتا ہے' اس زمانے میں مذکورہ طریقہ پر عمل کرنے والے شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔

دوسرا طریقہ : یہ ہے کہ کوئی مخلص' وفاشناس' زیرک اور دیندار دوست تلاش کرے اور اسے اپنے نفس کا نگراں مقرر کر دے تاکہ وہ اس کے احوال اور افعال پر نظر رکھے' اور ظاہر و باطن میں جو بُرائی بھی دیکھے اس پر تنبیہہ کرے' اکابر علمائے دین کا طریقہ

یہی رہا ہے۔ حضرت عمرؓ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو مجھے میرے عیوب سے آگاہ کرے' چنانچہ وہ حضرت سلمان فارسیؓ سے اپنے عیوب کے متعلق دریافت کرتے تھے' ایک مرتبہ حضرت سلمانؓ آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ اگر میرے متعلق کوئی غلط بات تم نے سُنی ہو تو مجھے بتلاؤ تاکہ میں اپنی اصلاح کرلوں۔ شروع میں انہوں نے معذرت کی لیکن جب حضرت عمرؓ نے زور دے کر فرمایا تو انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ دسترخوان پر دو سالن بیک وقت جمع کرلیتے ہیں' اور یہ کہ آپ کے پاس دو جوڑے ہیں ایک دن کا اور ایک رات کا۔ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ تمہیں ان دو باتوں کے علاوہ بھی کچھ معلوم ہوا ہے جواب دیا: نہیں: فرمایا: ان دونوں باتوں کے سلسلے میں مطمئن رہو' آپ حضرت حذیفہؓ سے بھی اپنے عیوب دریافت کرتے اور ارشاد فرماتے کہ تم منافقین کے سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدار ہو کیا میرے اندر بھی تمہیں نفاق کی کوئی علامت نظر آتی ہے؟ غور کیجئے کہ حضرت عمرؓ اپنی جلالتِ شان اور عُلوِ مرتبت کے باوجود اپنی ذات پر کیسی کیسی تہمتیں تراشتے اور کس کس طرح لوگوں کو اپنے عیوب بتلانے پر مجبور کرتے۔

جس کی عقل زیادہ اور منصب بُلند تر ہوگا وہ خود پسندی کے مرض میں بہت کم مبتلا ہوگا' اور اپنے نفس کو پاکباز سمجھنے کی بجائے متہم اور غلط کار سمجھتا رہے گا۔ اس زمانے میں ایسے دوستوں کا ملنا دشوار ہے جو کسی رعایت کے بغیر عیب سے آگاہ کردیں' زیادہ تر دوست خوشامد پسند ہوتے ہیں کہ عیب کو ہنر کہنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے' بلکہ اسے دوستی کا حق ادا کرنے سے تعبیر کرتے ہیں کچھ دوست حاسدانہ طبیعت رکھتے ہیں' اور بڑھا چڑھا کر عیب بتلاتے ہیں' مخلص' بے غرض' اور سچے دوست کا وجود عنقاء ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت داؤد طائی نے ایسے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی' لوگوں نے عرض کیا: کیا بات ہے؟ اب آپ ان لوگوں سے کیوں نہیں ملتے؟ فرمایا ایسے دوستوں سے مل کر کیا کروں جو میرے عیوب سے مجھے آگاہ نہ کریں۔ دین سے محبت رکھنے والوں کی اوّلین خواہش یہی ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ ان کے عیوب کی نشاندہی کردیا کریں' دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی کے مقابلے میں بہت معمولی ہے لیکن اب لوگوں کی حالت اس کے برعکس ہے' ان دوستوں کو دشمنوں کی فہرست میں سب سے اوپر جگہ ملتی ہے جو ہمیں ہمارے عیوب سے آگاہ کریں' اور ہمیں نصیحت سے نوازیں یہ ایمان کی کمزوری ہے کہ ہم اپنے عیوب کی نشاندہی پر برا فروختہ ہوں' اخلاقِ رذیلہ کی مثال ایسی ہے جیسے سانپ' بچھو وغیرہ اب اگر یہ موذی کیڑے تمہارے کپڑوں میں گھس جائیں اور کوئی شخص تمہیں ان کی اذیت سے آگاہ کرے اور ان سے بچنے کی تاکید کرے یا بچنے کا راستہ بتلائے تو کیا وہ تمہارا دشمن ہے؟ ہرگز نہیں! اس شخص کا ہمیں ممنون احسان ہونا چاہئے اور بچھو وغیرہ سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے' حالانکہ بچھو کے زہریلے اثرات ایک دو روز رہیں گے' جب کہ اخلاقِ بد کا اثر موت کے بعد بھی باقی رہے گا' پھر کیا بات ہے کہ ہم اپنے ناصح کو دشمن تصوّر کرتے ہیں' اور اس کے بتلائے ہوئے عیوب کا ازالہ نہیں کرتے' بلکہ اُلٹا اس کے اندر عیوب تلاش کرنے لگتے ہیں تاکہ وہ آئندہ نصیحت کی جرأت نہ کرسکے۔ ناصح کو دشمن وہی لوگ سمجھتے ہیں جن کے قلوب معاصی کی کثرت سے سیاہ اور سخت پڑچکے ہوں' یہ ضعف ایمان ہی کا شاخسانہ ہے۔ اے اللہ! ہمیں رُشد و ہدایت کا راستہ دکھلا' ہمیں ہمارے عیوب سے آگاہ فرما' اور ان عیوب کے ازالے کی قوّت سے نواز' اور ہمیں ان لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق عطا کر جو ہمیں ہمارے عیوب سے آگاہ کریں۔

تیسرا طریقہ : یہ ہے کہ اپنے عیوب کا علم دوستوں کے ذریعہ حاصل کرے' اس لیے کہ دشمنوں کی آنکھ عیب کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتی اور زبان عیب کے علاوہ کوئی بات ظاہر نہیں کرتی' ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آدمی خوشامد پسند دوستوں کی بہ نسبت عیب جو' عیب بین اور عیب گو دشمنوں سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکتا ہے اس لئے کہ دوست عموماً تعریف ہی کرتے ہیں' ان کی آنکھیں صرف اچھائی دیکھتی ہیں' ان کی زبانوں پر صرف اچھائی رہتی ہے یہ صحیح ہے کہ آدمی فطرتاً دشمنوں کی تکذیب کرتا ہے اور ان کی ہر بات کو حسد پر محمول کرتا ہے لیکن اہل بصیرت دشمنوں سے بھی فائدہ اُٹھالیتے ہیں۔

چوتھا طریقہ : یہ ہے کہ لوگوں سے مِلے جُلے اور جو بات ان میں بُری دیکھے اسے سامنے رکھ کر اپنے نفس کا احتساب کرے اگر وہ

بات اپنے نفس میں پائے تو اسے دور کرے۔ مؤمن مؤمن کے لیے آئینے کی طرح ہوتا ہے' ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے آئینے میں اپنی تصویر دیکھے' اس کے عیوب کے ذریعہ اپنے عیوب معلوم کرے' اور یہ سمجھے کہ خواہشات کی اتباع کے معاملے میں عام طور پر طبائع قریب قریب ہیں' جو بات ایک میں ہوگی اس کا کل یا جزء دوسرے میں بھی ہوگا۔ ان اصولوں کی روشنی میں اپنے عیوب ڈھونڈے اور قلب کو ان عیوب سے پاک کرے۔ اگر تادیب اور تزکیہ کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو ہر شخص کی خود بخود اصلاح ہو جائے' نہ مؤدب کی ضرورت ہے اور نہ مربّی کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ آپ کو ادب کس نے سکھلایا ہے؟ فرمایا: مجھے ادب کسی نے نہیں سکھلایا' جاہلوں کی جہالت مجھے بری معلوم ہوئی میں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی۔ یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جنہیں کمال' بصیرت' معرفت اور ذہانت جیسے اوصاف کا حامل استاذ نہ ملے۔ جو اپنے نفس کی تہذیب و تزکیہ سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کے بندوں کی تعلیم و تہذیب میں مشغول ہو' اور ازراہِ شفقت انہیں نصیحت کرے' اور اچھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرے۔ جس شخص کو ایسے استاذ کی صحبت میسّر ہے اس کے پاس گویا چلتا پھرتا شفاخانہ ہے جہاں ہر مرض کا علاج موجود ہے۔ ایسے استاذ کا دامن تھامے رہنا چاہئے وہ اس کے مرض کا علاج کرے گا اور اسے ہلاکت سے بچائے گا۔

قلوب کے امراض کا علاج ترکِ شہوات دلائلِ نقل شواہدِ شرع

اگر آپ مذکورہ بالا تفصیلات پر غور کریں گے تو بصیرت کے دروازے کھل جائیں گے' اور علم و یقین کی روشنی سے قلوب کے امراض اور ان کے علاج کا طریقہ واضح ہو جائے گا۔ لیکن اگر آپ غور و فکر کے ذریعہ امراض اور ان کے معالجے کی معرفت حاصل کرنے سے عاجز ہوں تو تقلید اور ایمان بالغیب کے طور پر ان کی تصدیق ضرور کرنی چاہئے' کیونکہ ایمان کا درجہ الگ ہے اور علم کا درجہ الگ ہے۔ علم ایمان کے بعد حاصل ہوتا ہے' اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (پ ۲۸ ر ۲ آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے (اور ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم دین عطا ہوا ہے (اُخروی) درجے بلند کرے گا۔

چنانچہ جس شخص نے سبب دریافت کئے بغیر اس امر کی تصدیق کی کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا واحد راستہ شہوات کی مخالفت ہے اس نے ان لوگوں کا درجہ حاصل کیا جو ایمان لائے' اور جس نے اس حقیقت کا بھید پالیا وہ ان لوگوں میں سے ہے جنہیں ایمان کے ساتھ ساتھ علم بھی عطا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور اہلِ علم دونوں ہی سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (پ ۵ ر ۱۰ آیت ۹۵)

اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کیا ہے۔

شریعت کے شواہد: بہرحال اس حقیقت پر کہ ترکِ شہوات ہی اللہ تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے۔ آیات' احادیث اور علماء کے اقوال شاہد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (پ ۳۰ ر ۴ آیت ۴۰-۴۱)

اور جس نے نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى (پ ۲۶ ر ۱۳ آیت ۳)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے شہوات کی محبت نکال دی' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتا ہے:

المؤمن بین خمس شدائد' مؤمن یحسده' ومنافق یبغضه' وکافر یقاتله' وشیطان یضله' ونفس تنازعه (مکارم الاخلاق۔ انسؓ)

مؤمن پانچ مصیبتوں کے درمیان ہے' مؤمن اس سے حسد کرتا ہے' منافق اس کے تئیں بغض رکھتا ہے' کافر اس سے جنگ کرتا ہے اور شیطان اسے گمراہ کرتا ہے اور نفس اس سے جھگڑا کرتا ہے۔

اس حدیث میں بتلایا گیا کہ نفس جھگڑالو دشمن ہے' اس کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اے داؤد! اپنے رُفقاء کو شہوات کو لقمۂ تر بنانے سے ڈرا۔ کیونکہ جن قلوب کی عقلیں شہوتوں سے متعلق ہیں وہ مجھ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: اس شخص کے لیے خوش خبری ہو جو حال کی شہوت کی مستقبل کی موعودہ چیز (وعدہ کی ہوئی چیز یعنی جنت) کی خاطر چھوڑ دے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے فرمایا جو جہاد سے واپس آئے تھے:۔

مرحباً بکم قدمتم من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر

خوش آمدید! تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے ہو۔

لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا: جہاد نفس (۱)۔ نیز ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة اللّٰه عزوجل (ترمذی' ابن ماجہ۔ فضالہ بن سعیدؓ)

مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں نفس کا مجاہدہ کرے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

کف اذاک عن نفسک ولا تتابع هواها فی معصیة اللّٰه اذ تخاصمک یوم القیامة فیلعن بعضک بعضا الا ان یغفر اللّٰه تعالی ویستر (۲)

اپنے نفس کو اپنی ایذا سے بچا' اور اللہ کی معصیت میں اس کی خواہش کا اتباع مت کر' اس لیے کہ وہ قیامت کے روز تجھ سے خصومت کرے گا اور تیرا ایک حصہ دوسرے کو لعنت کرے گا الّا یہ کہ اللہ تعالیٰ تیری مغفرت کردے اور تیری پردہ پوشی فرمادے۔

بزرگوں کے اقوال : حضرت سفیان ثوریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ نفس کے علاج سے زیادہ کوئی علاج مجھے سخت محسوس نہیں ہوا۔ کبھی وہ میرے حق میں مُفید ہوتا اور کبھی مُضر ہوتا۔ ابو العباس موصلیؒ اپنے نفس سے کہتے کہ نہ تو شہزادوں کی طرح دنیا کے مزے لوٹتا ہے اور نہ عابدوں کی طرح مجاہدہ کرتا ہے' کیا تو مجھے جنت اور دوزخ کے درمیان قید کرائے گا' تجھے شرم نہیں آتی۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سرکش گھوڑے کے مقابلے میں نفس کو لگام کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ نفس کے ساتھ ریاضت کی تلواروں سے لڑو اور ریاضت یہ ہے کہ آدمی کم کھائے' کم سوئے' بقدرِ ضرورت بولے اور لوگوں کی ایذا پر صبر کرے' کم کھانے سے شہوت ختم ہوجاتی ہے' کم سونے سے ارادہ و نیّت میں صفائی آتی ہے' کم بولنا آفتوں اور فتنوں سے بچنے کا سبب بنتا ہے' اور لوگوں کی اذیتوں پر صبر کرنے سے منزلِ مقصود تک پہنچنے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے' آدمی کے لیے سب سے زیادہ دشوار گذار اُمرا نیّت کے وقت تحمّل اور مصیبت کے وقت صبر ہے۔ بہرحال جب نفس میں شہوتیں جنم لیں' یا لغو گوئی کی لذّت اور حلاوت جوش میں آئے اس وقت کم خوابی کی میان سے کم خوری کی تلوار نکالے اور خاموشی کے ہاتھوں سے وہ

---

(۱) یہ روایت کتاب عجائب القلب میں گذر چکی ہے۔ (۲) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

کاری ضرب لگائے کہ نفس اپنے مظالم سے باز آجائے' اور اس کے فتنے سرد پڑ جائیں اور دل شہوت کی آلائشوں سے پاک و صاف ہوجائے' اگر نفس کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا تو وہ پاک و صاف' منوّر اور ہلکا پھلکا ہوجائے گا' خیر کے میدان اس کے راستے ہوں گے' طاعات کی وادیاں اس کی گذرگاہیں ہوں گی۔ اور وہ ان میدانوں اور وادیوں میں اس طرح دوڑے گا جس طرح گھوڑا ہموار زمین پر سرپٹ دوڑتا ہے یا اس طرح محو خرام ہوگا جس طرح بادشاہ چمن کی سیر کرتا ہے۔ یحییٰ بن معاذ رازی یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ انسان کے دشمن تین ہیں' دنیا' شیطان' نفس' دنیا سے زُہد کے ذریعہ بچو۔ اور شیطان پر اس کی مخالفت کرکے غلبہ حاصل کرو' اور نفس کو شہوتیں ترک کرکے مغلوب کرو۔ ایک بیر دانا کہتے ہیں کہ جس شخص پر نفس کا غلبہ ہوتا ہے وہ شہوتوں کا اسیر ہوتا ہے' اس کے پاؤں میں خواہشات کی زنجیریں پڑجاتی ہیں' اس کی باگ ڈور عقل کی گرفت سے نکل جاتی ہے' وہ اسے جدھر چاہتا ہے لیے پھرتا ہے' قلب کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاپاتا۔ تمام اصحاب علم و حکمت کا اس پر اتفاق ہے کہ نعیم آخرت (جنت) نعیم دنیا کو خیرباد کہے بغیر حاصل نہیں ہوتی' ابویحییٰ وراق فرماتے ہیں کہ جس نے شہوات کے ارتکاب سے اعضاء کو خوش کیا اس نے اپنے دل کی زمین میں ندامت کا بیج بویا' وہیب بن الورد فرماتے ہیں کہ روٹی سے زائد چیز (سالن وغیرہ) شہوتِ نفس ہے' ان ہی کا قول ہے کہ جو شخص دنیا کی شہوتوں سے محبت رکھے اسے (آخرت) ذلت کے لیے تیار رہنا چاہیے' جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کے خزانوں کا امین بنایا گیا اور وہ بارہ ہزار عظمائے مصر کے عظیم الشان جلوس کی قیادت کرتے ہوئے ایک راستے سے گذرے تو زلیخا نے ان سے کہا کہ اے یوسف! حرص اور شہوات نے بادشاہوں کو غلام بنادیا اور صبر و تقویٰ نے غلاموں کو بادشاہ کردیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ بات باری تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے:۔

إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (پ ۱۳ ر ۴ آیت ۹۰)

واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اَجر ضائع نہیں کرتا۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں بیدار رہا' اور نماز میں مشغول ہونے کی کوشش کی' لیکن مجھے وہ لذت حاصل نہ ہوئی جس کا میں عادی تھا' سونے کا ارادہ کیا تو نیند بھی نہیں آئی' بیٹھنا چاہا یہ بھی نہ ہوسکا۔ مجبوراً باہر آیا' دیکھتا کیا ہوں کہ ایک آدمی اپنے جسم سے کمبل لپیٹے ہوئے راستے میں پڑا ہے۔ جب اس نے میری آہٹ سُنی تو آواز دے کر اپنے پاس آنے کے لیے کہا' میں نے کہا: جناب! آپ نے پہلے سے مجھے اپنی آمد کی خبر نہیں دی تھی' کہنے لگا: میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ آپ کے دل کو میری طرف متوجہ کردے' میں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی' اب آپ اپنا مقصد بتلائیں' کہنے لگا: اے ابوالقاسم! یہ بتلائیں کہ نفس کے مرض کا علاج کیا ہے؟ میں نے کہا جب آدمی خواہشات کی مخالفت کرتا ہے تو نفس اس میں اذیت محسوس کرتا ہے' مگر یہی اذیت اس کا علاج اور دوا ہے' یہ سن کر وہ شخص اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: اے نفس! سن لے میں نے سات بار تجھے یہی جواب دیا تھا' مگر تو نے میری بات نہیں سنی' اور اب جنید بھی میری تصدیق کررہے ہیں کیا تو ان کی بات بھی نہیں سنے گا۔ یزید رقاشیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے دنیا میں ٹھنڈا پانی نہ دو' ایسا نہ ہو کہ میں آخرت میں اس سے محروم رہوں۔ ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے دریافت کیا کہ میں کب بولا کروں؟ انہوں نے جواب دیا: جب چپ رہنے کی خواہش ہو' اس نے دریافت کیا: اور کب خاموش رہوں؟ انہوں نے فرمایا جب طبیعت بولنے پر آمادہ نظر آئے' حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کو جنت میں جانے کا شوق ہو اسے دنیا میں شہوات سے الگ رہنا چاہیے۔ حضرت مالک بن دینارؒ بازار میں جاتے' اگر کوئی اچھی چیز نظر آتی' اور دل میں اسے حاصل کرنے کی خواہش ہوتی تو نفس کو تسلی دیتے' صبر کی تلقین فرماتے اور کہتے کہ خدا کی قسم! میں تجھے تیری عظمت اور بڑائی کی وجہ سے منع کرتا ہوں۔

علماء کا متفقہ فیصلہ : بہرحال تمام علماء اور دانشوروں کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ آخرت کی سعادت حاصل کرنے کا صرف ایک ہی

ذریعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ نفس کو ہَوا وہَوس سے دور رکھا جائے اور خواہشات کی اتباع سے روکا جائے۔ اس اعتبار سے اس فیصلے پر ایمان لانا اور عمل کرنا واجب ہے۔ قابلِ ترک شہوات اور ناقابلِ ترک شہوات کے متعلق ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔ ریاضت کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ نفس ان چیزوں سے صرف بقدرِ ضرورت متمتع ہو جو قبر میں اس کے ساتھ نہ جائیں' یعنی لباس' نکاح' کھانا اور پینا اور مسکن وغیرہ چیزیں جو زندگی کے لیے ناگزیر ہیں' ان چیزوں میں ضرورت کی مقدار سے تجاوز کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ان سے محبت رکھتا ہے' اور مرنے کے بعد ان کی خاطر دنیا میں واپس آنے کا متمنی ہے' اور دنیا میں واپسی کی خواہش وہی شخص کرسکتا ہے جس کا آخرت کے اجر و ثواب میں کوئی حصہ نہ ہو۔ دنیا کی محبت ایک مرض ہے اور اس مرض سے نجات کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ آدمی کا دل اللہ کی محبت و معرفت اور ذکر و فکر میں پورے طور پر مشغول ہو' اور دنیاوی چیزوں پر اس حد تک قناعت کرے جو اس کی مشغولیت میں مانع نہ بنیں' اور یہ صورت صرف اللہ ہی کے فضل و کرم اور اس کی بخشی ہوئی قوت و طاقت سے میّسر آتی ہے۔

لوگوں کی چار قسمیں : جو لوگ اس حقیقی ریاضت تک نہ پہنچ سکیں انہیں اس سے قریب تر درجات تک پہنچنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں چار طرح کے لوگ ہیں کچھ وہ ہیں جن کا دل اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مستغرق رہتا ہے معیشت کی ضرورت مستثنیٰ کرکے دنیا کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوتی' یہ لوگ صدیقین کے زمرے میں ہیں' مگر یہ درجہ بلند طویل ریاضت' اور ایک عرصے تک شہوات ترک کیے رکھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ دوسری قسم میں وہ لوگ ہیں جن کے قلوب ہر لمحہ ہر آن دنیا میں ڈوبے رہتے ہیں' اللہ کا ذکر کرتے بھی ہیں تو بطورِ حدیثِ نفس کے کرتے ہیں' یعنی صرف زبان پر ذکر آتا ہے' دل سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ لوگ زمرۂ ہالکین (ہلاک ہونے والوں) میں داخل ہیں۔ تیسری قسم میں وہ لوگ ہیں جو دین اور دنیا دونوں میں مشغول ہیں' لیکن قلب پر غلبہ دین کا ہے' یہ لوگ دوزخ میں ضرور جائیں گے لیکن جتنا دین ان کے قلب پر غالب ہوگا اسی قدر جلد انہیں عذاب سے نجات مل جائے گی' چوتھی قسم میں وہ لوگ داخل ہیں جنہیں دین اور دنیا دونوں نے مشغول کر رکھا ہے لیکن ان کے دلوں پر دین کی بجائے دنیا غالب ہے یہ لوگ دوزخ میں زیادہ دیر تک رہیں گے' بالآخر سزا بھگتنے کے بعد باہر آجائیں گے۔ کیونکہ اگرچہ ان کے دلوں پر دنیا غالب تھی لیکن وہ دین سے بھی محروم نہیں تھے' خدا کے ذکر کی قوت ان کی نجات کا باعث بنے گی' اے اللہ! تو ہی ہماری حفاظت کرنے والا ہے' ہمیں ذلّت و رسوائی بچا۔

مباحات سے لذّت : بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جائز چیزوں سے لذّت حاصل کرنا جائز ہے' اس صورت میں خدا سے دوری کس طرح ہوگی۔ ان لوگوں کا یہ خیال غلط ہے' اصل حقیقت ان لوگوں پر منکشف ہوئی ہے جنہوں نے دنیا کی محبت کو تمام گناہوں کی جڑ کہا ہے' اور جن کے خیال میں تمام نیک اعمال اس محبت سے ضائع چلے جاتے ہیں ضرورت سے زائد مباح چیز مباح ہونے کے باوجود دنیا میں شامل ہے' اور آدمی کو اس کے خالق سے دور کرتی ہے۔ ابراہیم خواص کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ کولکام پر مقیم تھا' میں نے وہاں ایک درخت پر انار دیکھے' کھانے کو دل چاہا' اور ایک انار توڑ لیا' اسے توڑ کر کھایا تو کھٹا تھا پھینک کر آگے بڑھ گیا' راستے میں ایک شخص ملا' اس کے جسم پر بھڑیں لپٹ رہی تھیں' اس نے مجھے دیکھا تو آواز دی اے ابراہیم! میں نے حیرت سے کہا تو کون ہے اور مجھے کیسے جانتا ہو؟ اس نے کہا جو خدا کو پہچانتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی' میں نے کہا آپ خدا رسیدہ بزرگ ہیں' اپنے لیے دعا کیوں نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان بھڑوں کی اذیّت سے نجات دے دے' کہنے لگا: تم بھی تو خدا رسیدہ بزرگ ہو' تم نے کیوں نہ یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ میرے دل سے انار کی خواہش نکال دے۔ بھڑوں کی تکلیف دنیا تک ہے' شہوت کی اذیّت تو مرنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑے گی' مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور آگے بڑھ گیا۔ سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ چالیس سال سے میرا دل چاہتا ہے کہ کھجور کے شیرے میں روٹی تر کرکے کھاؤں' لیکن میں نے اپنے دل کی بات نہیں مانی۔

مباحات سے اجتناب : بہرحال نفس کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسے مباحات کی لذت سے نہ روکا جائے اس لیے کہ آدمی مباحات کی لذت سے تجاوز کرکے محظورات میں مبتلا ہوجاتا ہے' مثلاً اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اس کی زبان غیبت اور فضول گوئی میں ملوث نہ ہو تو اسے ذکر الٰہی' اور دینی ضروریات سے متعلق ہی کوئی کلمہ زبان سے نکالنا چاہیے' باقی معاملات میں اگرچہ وہ جائز ہی ہوں سکوت اختیار کرے یہاں تک کہ کلام کی شہوت ختم ہوجائے' اور زبان حق کی عادی ہوجائے اس صورت میں بولنا بھی عبادت ہوگا اور خاموش رہنا بھی عبادت ہوگا' یہی حال آنکھ کا ہے اگر وہ ہر اچھی چیز دیکھنے کی عادی ہے تو کسی دن بُری چیز بھی دیکھے گی' اسی پر باقی شہوتیں قیاس کی جاسکتی ہیں' اس لیے کہ جس چیز سے حلال کی شہوت ہوتی ہے اسی سے حرام کی خواہش جنم لیتی ہے۔ اس اعتبار سے شہوت ایک ہے' اور اسے حرام سے روکنا واجب ہے' اگر کوئی شخص قدر ضرورت پر اکتفا کرنے کا عادی نہ ہوا تو اس پر شہوت غالب آجائے گی' اور یہ شہوت جس کا تعلق ابتدا میں حلال سے تھا' حرام تک تجاوز کرے گی مباحات کی یہ ادنیٰ آفت ہے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد آفات ہیں' ان میں سے ایک آفت یہ ہے کہ نفس دنیا کی لذتوں سے خوش ہوتا ہے ان لذتوں میں وہ اپنے لیے سکون تلاش کرتا ہے' اور ان کے نشے میں اس قدر مدہوش ہوجاتا ہے کہ اسے اپنی بھی خبر نہیں رہتی یہ خوشی اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی مدہوشی اس کے لیے زہر قاتل ہے' یہ زہر قاتل اس کے رگ وپے میں پھیل جاتا ہے' اس کے دل سے اللہ کا ذکر' آخرت کے احتساب کا خوف' اور قیامت کے ہولناک مناظر کا تصور نکال دیتا ہے' اسی کیفیت کو قلب کی موت سے تعبیر کیا جاتا ہے' قرآن کریم کی متعدد آیات میں دنیا کی مذمت موجود ہے۔

وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا (پ ۱۱ ر ۶ آیت ۷)

اور وہ دُنیوی زندگی پر راضی ہوگئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں۔

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ (پ ۱۳ ر ۹ آیت ۲۶)

اور یہ دُنیوی زندگی آخرت کے مقابلے میں' بجز ایک متاعِ قلیل کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

اِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ (پ ۲۷ ر ۱۹ آیت ۲۰)

تم خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض لہو ولعب' زینت' ایک دوسرے پر باہم فخر کرنا اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے سے زیادہ بتلانا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی اور حفاظت کے خواستگار ہیں۔

نفس کی تادیب : بعض اربابِ قلوب نے اپنے دلوں کی آزمائش کی تو دنیاوی لذات کی خوشی میں انہیں سرکش' نافرمان اور ذکر الٰہی سے معرض پایا۔ اور غم کی حالت میں مطیع' صاف' اور ذکر الٰہی سے متأثر پایا۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ دائمی حُزن کی حالت' اور خوشی کے اسباب سے دوری ہی باعث نجات ہے' چنانچہ انہوں نے اپنے نفسوں کو تمام شہوات پر صبر کرنے کا عادی بنایا خواہ وہ شہوات حلال ہوں یا حرام۔ وہ یہ بات جانتے تھے کہ جائز خواہشات کا حساب لیا جائے گا' اور ناجائز خواہشات پر عذاب دیا جائے گا' اور مشتبہ خواہشات باعثِ عتاب ہوں گی' عذاب کھلا ہوا عذاب ہے' حساب اور عتاب بھی عذاب ہی کی قسمیں ہیں' قیامت کے میدان میں جس شخص سے حساب لیا جائے گا اسے گویا ایک نوع کے عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ ان بزرگوں نے حلال سے اجتناب کرکے اپنے نفسوں کو حساب کے عذاب سے بچانے کی کوشش کی ہے' اور انہیں شہوتوں کی قید و گرفت سے نکال کر دائمی حریت اور دونوں جہانوں کی بادشاہت دی ہے۔ یہ لوگ ذکر الٰہی کے اِشتغال سے اُنس حاصل کرتے ہیں اور اطاعت کا عادی بنانے کے لیے اپنے نفسوں کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو باز کو مؤدّب بنانے کے لیے کیا جاتا ہے' یعنی اوّلاً اسے تاریک کمرے میں

رکھا جاتا ہے' اور اس کی آنکھیں سی دی جاتی ہے' تاکہ وہ فضا میں پرواز کرنے کا عادی نہ رہے' پھر اسے گوشت کھلا کر مانوس کیا جاتا ہے تاکہ اپنے آقا کو پہچان لے' اور اس کی آواز پر دوڑا چلا آئے' یہی حال نفس کا ہے' نفس اس وقت تک اپنے رب سے مانوس نہیں ہوتا جب تک کہ اسے خلوت و عزلت کے ذریعہ اس کی عادتوں سے لاتعلق نہ بنایا جائے' کان کی غیر ضروری بات سننے سے' آنکھ کی غیر ضروری چیز دیکھنے سے اور زبان کی غیر ضروری لفظ ادا کرنے سے حفاظت نہ کی جائے۔ اس مرحلے سے گذرنے کے بعد نفس کو ذکر و ثناء کی غذا دی جاتی ہے تاکہ اسے اپنے آقا و مالک سے اُنس ہو جائے' اور دنیا کے تمام علائق منقطع ہو جائیں' یہ مرید کے نفس پر شاق گذرتے ہیں' لیکن جب مسلسل ریاضت کی ذریعہ نفس عادی ہو جاتا ہے تو اسی خلوت میں اس کی لذت' اور اسی لاتعلقی میں اسکی دل چسپی کا سامان پیدا ہو جاتا ہے' اس سلسلے میں مرید کی مثال اس بچے کی سی ہے جس کا دودھ چھڑا دیا جائے' شروع شروع میں وہ دودھ سے محرومی پر خوب روتا ہے' کیونکہ دو سال سے دودھ ہی غذا تھی' اب اچانک وہ اس غذا سے محروم کر دیا گیا ہے' اس لیے روتا بھی ہے' ضد بھی کرتا ہے' نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے' لیکن آہستہ آہستہ وہ دوسری غذا لینے لگتا ہے' یہاں تک کے ماں کے دودھ کا تصور بھی باقی نہیں رہتا' وہی کھانا جس سے اسے نفرت تھی اچھا لگنے لگتا ہے یہی حال سواری کے جانور کا ہے' ابتدا میں اس پر زین کسنا' لگام پہنانا اور سواری کرنا بہت زیادہ مشکل ہے' جانور اپنے سوار کو پریشان کرتا ہے لیکن اگر سوار ہوشیاری سے کام لے اور اسے عادی بنا دے تو اس کی سرکشی اطاعت میں بدل جاتی ہے' پہلے اسے زنجیروں اور رسیوں میں قید کیا جاتا ہے' مگر رفتہ رفتہ وہ ایسا مؤدّب ہو جاتا ہے کہ جس جگہ سوار اسے چھوڑ دے وہاں سے ہلتا بھی نہیں ہے خواہ بندھا ہوا ہو یا نہ ہو' بہر حال جس طرح چوپایوں اور پرندوں کی تأدیب و تربیت کی جاتی ہے اسی طرح نفس کی تأدیب بھی کی جاتی ہے' نفس کی تأدیب یہ ہے کہ اسے دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے خوش ہونے' انھیں دیکھنے اور استعمال کرنے سے منع کیا جائے' اور ہر اس چیز سے روکا جائے جو مرنے کے بعد ساتھ نہ دیں' اور اسے بتلایا جائے کہ ایسی چیزوں سے محبت کرنے سے کیا فائدہ جو آخرت تک ساتھ نہ دے سکیں' اور راستے کی کسی منزل پر داغ مفارقت دے جائیں جب نفس کو اس حقیقت کا یقین ہو جائے گا کہ دنیا کی ہر چیز خواہ وہ کتنی ہی محبوب کیوں نہ ہو جدا ضرور ہو گی تو وہ ان عارضی اور غیر ثابت چیزوں سے دل لگانے کے بجائے دائمی اور پائیدار چیزوں سے دل لگائے گا یعنی ذکرِ الٰہی سے تعلق رکھے گا جو قبر میں بھی ساتھ رہے گا' اور اس کی وحشتوں کو دور کرے گا۔ لیکن نفس کو یہ یقین چند روز کے صبر کے نتیجے میں حاصل ہوتا ہے دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کے اعتبار سے چند روزہ ہے' ہمیں کوئی عقلمند ایسا نہیں ملتا جو حضر کی دائمی راحت کی خاطر سفر کی چند روزہ مشقت انگیز نہ کرے' یا مہینوں اور برسوں تک سکون کی زندگی بسر کرنے کے لیے زندگی کے چند ماہ و سال کسی ہنر کے حصول میں صرف نہ کرنے پر راضی ہو' دیکھا جائے تو ابدالآباد کے مقابلے میں دنیا کی زندگی اتنی بھی نہیں جتنی تمام عمر کے مقابلے میں ایک دن' جب اس چند روزہ زندگی کے لیے مشقتیں برداشت کی جاتی ہیں' اذیتیں سہی جاتی ہیں اور تکلیفیں اُٹھائی جاتی ہیں تو دائمی زندگی کے لیے یہ مشقتیں اور مصیبتیں کیوں نہیں برداشت کی جائیں گی؟

مجاہدے اور ریاضت کا طریقہ : مجاہدے اور ریاضت کا طریقہ ہر شخص کے لیے الگ الگ ہے' بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ہر شخص کو اس کے مزاج کے مطابق مجاہدہ اور ریاضت کا طریقہ بتایا جاتا ہے' لیکن اتنی بات سب کے حق میں یکساں ہے کہ دنیاوی اسباب میں سے جس شخص کو جس چیز سے خوشی ہوتی ہے اس سے اپنا تعلق منقطع کرلے مثلاً جو لوگ مال اور جاہ سے خوش ہوتے ہوں وہ مال اور جاہ کی محبت دل سے نکال دیں' جو لوگ اپنی خوش بیانی اور وعظ کی تاثیر سے خوش ہوں وہ اس کا خیال ترک کر دیں' جو ریاست و حکومت' عزت اور تلامذہ کی کثرت سے خوش ہوں وہ اپنے دل کو ان خواہشات سے خالی کرلیں۔ اگر وہ ان چیزوں کے نہ ملنے سے ناراض ہوں یا غمزدہ اور متفکر نظر آئیں تو یہ سمجھ لو کہ قرآن کریم نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق یہ اعلان کیا ہے۔

وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا (پ ۱۱ ر ۶ آیت ۷)

اور وہ دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں۔

دنیا کے یہ اسباب مرید کے حق میں زہر قاتل ہیں' ان اسباب سے لاتعلقی اختیار کرنے کے بعد عزلت اختیار کرلنی چاہئے' اور لوگوں سے الگ ہوکر اپنے دل کی نگرانی کرنی چاہئے تاکہ وہ ہرلمحہ اللہ کے ذکر اور فکر میں مشغول رہے' اور ان تمام خواہشات اور شہوات اور وساوس پر نظر رکھے جو اس کے ذکر و فکر میں مخل ہوں' ان خواہشات اور شہوات اور وساوس کا ازالہ اس طرح کرے کہ ان کی جڑیں ختم کردے یا ان اسباب کا قلع قمع کرے جو وساس اور شہوات کے ظہور کا باعث بنتے ہیں' زندگی بھر مراقبہ و احتساب اور ازالہ و استیصال کا یہ عمل جاری رکھے نفس کا مجاہدہ موت ہی پر ختم ہوتا ہے۔

خوش خلقی کی علامات

بعض وہ لوگ جو اپنے عیوب سے ناواقف ہیں معمولی مجاہدے ہی کو اپنے سفر کی آخری منزل سمجھ لیتے ہیں' اور فواحش و منکرات سے بچنے ہی کو سلوک کی معراج تصور کرلیتے ہیں' اور اس خوش فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ ہم نے اپنے نفس کی تہذیب کرلی ہے' اخلاق اچھے بنالئے ہیں۔ اب ہمیں نہ کسی مجاہدے کی ضرورت ہے' اور نہ سلوک و ارادت کی راہ میں کسی تگ و دو کی حاجت ہے۔ ایسے لوگوں کی خوش فہمی دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم حسن اخلاق کی علامات بیان کریں ایسے لوگوں کو مختصراً اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ خوش خلقی ایمان ہے اور بد خلقی نفاق ہے قرآن کریم میں مؤمنین اور منافقین کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں' یہ سب خوش خلقی اور بد خلقی کے نتائج و ثمرات ہیں' ذیل میں ہم مؤمنین کی صفات پر مشتمل کچھ آیات بیان کرتے ہیں:۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ' الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ' وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ' وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ' وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ' وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ (پ ۱۸ آیت ۱۔ ۱۰)

بالتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں' اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں' اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھنے والے ہیں' لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیوں کہ ان پر اس میں کوئی الزام نہیں ہے۔ ہاں جو اس کے علاوہ اور جگہ (شہوت رانی) کا طلب گار ہو' ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (پس) ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (پ ۱۱ ر ۳ آیت ۱۱۲)

اور ایسے ہیں جو گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں اور (اللہ کی) عبادت کرنے والے ہیں اور حمد کرنے والے اور روزہ رکھنے والے رکوع کرنے والے (اور) سجدہ کرنے والے نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں (یعنی احکام کا) خیال رکھنے والے ہیں اور ایسے مؤمنین کو آپ

خوشخبری سنا دیجئے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا۔ (اِلٰی اٰخِرِ السُّوْرَةِ) (پ ۱۹ ر ۴ آیت ۶۳-۶۴)

اور حضرت رحمٰن کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین میں عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ (جہالت کی) بات کرتے ہیں تو وہ رفع شر کی بات کرتے ہیں' اور جو راتوں کو اپنے رب کے آگے سجدہ اور قیام یعنی نماز میں لگے رہتے ہیں (سورت کے آخرت تک)

یہ آیات معیار ہیں : جس شخص پر اپنا حال مشتبہ ہوجائے اسے ان آیات کی روشنی میں اپنا جائزہ لینا چاہئے' ان اوصاف کی موجودگی حسن خلق کی علامت ہے' اور ان کا فقدان بد خلقی کی علامت ہے' اگر کسی شخص میں بعض اوصاف موجود ہیں اور بعض مفقود ہیں تو موجود اوصاف کی حفاظت کرے اور جو اوصاف موجود نہیں ہیں ان کے حصول کے لیے جدوجہد کرتا رہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمنین کے بیشمار اوصاف بیان کئے ہیں اور ان سب سے محاسنِ اخلاق کی طرف اشارہ فرمایا ہے' ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

لا یؤمن احدکم حتّٰی یحب لاخیه ما یحب لنفسه (بخاری و مسلم۔ انسؓ)

کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

من کان یؤمن باللّٰه والیوم الآخر فلیکرم ضیفه (بخاری و مسلم۔ ابو شریح خزاعی)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کا اکرام کرنا چاہئے۔

ایک روایت میں فلیکرم جاره (اپنے پڑوسی کا اکرام کرنا چاہئے) کے الفاظ ہیں۔ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

فلیقل خیرا او لیصمت (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

اسے چاہیے کہ وہ کلمہ خیر کہے یا خاموش رہے

ایک جگہ اچھے اخلاق کے حامل شخص کو مؤمن قرار دیا ہے' فرمایا:

أکمل المؤمنین ایمانا احسنهم اخلاقا (۱)

مؤمنوں میں ایمان کے اعتبار سے زیادہ کامل شخص وہ ہے جو اخلاق میں سب سے زیادہ اچھا ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

اذا رأیتم المؤمن صموتا وقورا فادنوا منه فانه یلقی الحکمة (ابن ماجہ۔ ابو خلاد)

جب تم مؤمن کو خاموش اور باوقار دیکھو تو اس کے قریب ہو جاؤ اس لیے کہ وہ حکمت سکھاتا ہے۔

ارشاد فرمایا:۔

من سرته حسنته وساءته سیئته فهو مؤمن (احمد' طبرانی' حاکم۔ ابو موسیٰ اشعریؓ)

جس شخص کو اپنی نیکی اچھی اور برائی بری معلوم ہو وہ شخص مؤمن ہے۔

---

(۱) یہ روایت ایک سے زائد بار گذر چکی ہے۔

اور فرمایا:

لایحل لمؤمن ان ینظر الی اخیہ بنظرۃ تؤذیہ (ابن المبارک فی الزہد)

کسی مؤمن کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کی طرف تکلیف دہ نظر سے دیکھے۔

نیز فرمایا:

لایحل لمسلم ان یروع مسلما

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے۔

یہ بھی فرمایا:

انما یتجالس المتجالسان بامانۃ اللہ عزوجل فلا یحل لاحدھما ان یفشی علی اخیہ ما یکرہ (۱)

دو ہم نشیں خدا تعالیٰ کی امانت پر ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں' اس لیے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی کوئی ایسی بات (دوسروں پر) ظاہر کرے جس کا (ظاہر کرنا) اسے ناپسند ہو۔

بعض لوگوں نے اچھے اخلاق کی یہ علامات بیان کی ہیں کہ آدمی باحیا ہو لوگوں کو اذیت نہ پہنچاتا ہو' نیک اور پاکباز ہو' زبان کا سچا ہو' کثیر العمل ہو' لغزش کم کھاتا ہو' لغو گوئی سے دور ہو' باوقار' صابر' شاکر' بردبار' مشفق اور خندہ رو ہو' بدگو چغل خور' جلد باز' کینہ پرور' بخیل اور حاسد نہ ہو' اللہ کے لیے بغض رکھتا اور اللہ کے لیے محبت کرے' ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مؤمن اور منافق کی علامات دریافت کی گئیں تو آپ نے ارشاد فرمایا:

ان المؤمن ھمتہ فی الصلاۃ والصیام والعبادۃ والمنافق ھمتہ فی الطعام والشراب کالبھیمۃ (۲)

مؤمن کی ہمت نماز' روزہ اور عبادت میں ہوتی ہے اور کافر کی ہمت چوپائے کی طرح کھانے پینے میں ہوتی ہے۔

اکابر کے اقوال: حاتم اصم فرماتے ہیں کہ مؤمن فکر اور عبرت میں مشغول رہتا ہے اور منافق حرص' اور طولِ امل میں مبتلا رہتا ہے مؤمن اللہ کے علاوہ ہر شخص سے مایوس ہے' اور کافر اللہ کے علاوہ ہر شخص سے امیدیں وابستہ کرتا ہے' اور مؤمن اللہ کے علاوہ ہر شخص سے بے خوف ہے' جب کہ کافر منافق اللہ کے علاوہ ہر شخص سے خوف زدہ ہے مؤمن اپنا دین فروخت نہیں کرتا مال اور جان قربان کر دیتا ہے جب کہ منافق مال کے سامنے دین کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ مؤمن نیک عمل کرنے کے بعد بھی روتا ہے' جب کہ منافق گناہوں کے باوجود مسکراتا ہے' مؤمن خلوت اور عزلت کو پسند کرتا ہے' منافق کو ہنگامے اور جلوتیں اچھی لگتی ہیں' مؤمن بیج بوتا ہے لیکن اس کے انجام سے ڈرتا ہے' کافر کھیتی نہیں کرتا' بلکہ اسے ضائع کر دیتا ہے لیکن توقعات اچھی رکھتا ہے' مؤمن امر و نہی کا فریضہ ادا کر کے مخلوق کی اصلاح کرتا ہے' اور منافق شر پھیلاتا ہے' حسن خلق کی پہلی آزمائش یہ ہے کہ دوسروں کی بد خلقی پر صابر رہے' اگر کوئی شخص کسی کی بد خلقی کا شاکی نظر آئے تو یہ سمجھ لو کہ وہ خود بد اخلاق ہے' حسن خلق نام ہی ایذا پر صبر اور جفا کے تحمل کا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک موٹی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے کہیں تشریف لے جا رہے تھے آپ کے ہمراہ حضرت انس بھی تھے' راستے میں ایک اعرابی ملا' اور اس نے آپ کی چادر کا کنارہ پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ آپ کی گردن مبارک پر چادر کا حلقہ تنگ ہو گیا' اعرابی نے آپ سے پوچھا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) یہ روایت کتاب الصحبۃ میں گزر چکی ہے۔ (۲) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

تمہارے پاس خدا کا جو مال ہے اس میں سے مجھے بھی دو' آپ نے اس کی طرف دیکھا' مسکرائے اور اسے کچھ دینے کا حکم فرمایا (بخاری و مسلم' بروایت انسؓ) جب قریش نے آپ کو بہت زیادہ ستایا اور مار پیٹ بھی کی تو آپ نے شکایت کی بجائے یہ دعا فرمائی:۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (ابن حبان' بیہقی۔ سہل بن سعدؓ)

اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دیجئے' اس لیے کہ یہ لوگ جانتے نہیں ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ دعا جنگ اُحد کے موقع پر فرمائی تھی۔ آپ کے انہی اخلاقِ حسنہ کی بنا پر قرآن کریم نے یہ جامع تعریف فرمائی:۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

اور بے شک آپ بڑے اخلاق پر (پیدا ہوئے) ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ ایک روز جنگل کی طرف گئے' وہاں انہیں ایک سپاہی ملا' سپاہی نے ان سے پوچھا کہ کیا تو بندہ (غلام) ہے' انہوں نے جواب دیا ہاں' اس نے آبادی کا پتا دریافت کیا' آپ نے قبرستان کا راستہ بتلا دیا' اس نے غصہ سے کہا کہ میں آبادی کا پتا معلوم کر رہا ہوں اور تم قبرستان کا پتا بتلا رہے ہو' فرمایا: قبرستان ہی آبادی ہے' یہ سن کر سپاہی بہت زیادہ مشتعل ہوا اور اس نے کوڑے سے اتنا مارا کہ سر سے خون بہنے لگا' اسی حالت میں وہ انہیں پکڑ کر شہر میں لے آیا' لوگوں کے دریافت کرنے پر سپاہی نے تمام واقعہ بتلایا' لوگوں نے کہا یہ ابراہیم بن ادہم ہیں۔ سپاہی یہ سن کر گھوڑے سے اتر پڑا اور ابن ادہم کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا' اور معافی مانگنے لگا' بعد میں لوگوں نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ آپ نے سپاہی کو دریافت کرنے پر یہ کیوں کہا تھا کہ میں بندہ ہوں فرمایا: اس نے یہ نہیں معلوم کیا تھا کہ تو کس کا بندہ ہے بلکہ یہ پوچھا تھا کہ کیا تو بندہ ہے اور کیوں کہ میں واقعتہً بندہ ہوں اس لیے میں نے اعتراف کر لیا' جب اس نے مجھے زد و کوب کیا تو میں نے اس کے لیے جنت کی دعا مانگی۔ لوگوں نے کہا اس نے آپ پر ظلم کیا تھا۔ فرمایا: مجھے یقین تھا کہ اگر میں نے اس کے ظلم پر صبر کیا تو مجھے ثواب ملے گا میں نے سوچا یہ بات کچھ اچھی نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے مجھے تو ثواب ملے اور اسے عذاب ہو۔ ابو عثمان خیری کو کسی شخص نے دعوت کے بہانے سے اپنے گھر بلایا' جب آپ اس کے گھر تشریف لے گئے تو اس نے کہا کہ اس وقت تو میں کچھ بھی انتظام نہ کر سکا' آپ واپس چلے آئے' تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ وہ شخص بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ اس وقت جو کچھ گھر میں موجود ہے اسی پر قناعت کر لیجئے' آپ دوبارہ اس کے ساتھ چل دیئے اس بار بھی اس نے معذرت کر دی' کئی بار ایسا ہی ہوا' لیکن آپ نے بُرا نہیں مانا' نہ پیشانی پر شکن آئی اور نہ لب پر شکوہ آیا۔ آخر وہ شخص خود شرمندہ ہوا اور پاؤں میں پڑ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے آپ کو آزمانا چاہا تھا' سبحان اللہ! آپ کے اخلاق کتنے عظیم ہیں' فرمایا تم میرے جس خلق کی تعریف کر رہے ہو یہ تو کتے میں بھی ہے کہ جب تم اسے بُلاتے ہو چلا آتا ہے' اور جب دور بھگاتے ہو بھاگ جاتا ہے ان ہی بزرگ کا واقعہ ہے کہ ایک روز کسی گلی سے گذر رہے تھے' اوپر سے کسی نے ان کے اوپر راکھ ڈال دی' آپ سواری سے اُترے اور حق تعالیٰ کے حضور میں سجدہ شکر ادا کیا' کپڑوں سے راکھ جھاڑی' اور آگے بڑھ گئے' لوگوں نے کہا کہ اس مُوذی کو کچھ تو کہئے جس نے آپ پر راکھ ڈالی ہے' فرمایا: جو شخص آگ کا مستحق ہے اگر اس پر راکھ گر جائے تو اسے غصہ نہ کرنا چاہئے۔ حضرت علی بن موسیٰ رضا کا رنگ سانولا تھا کیونکہ ان کی والدہ حبشی تھیں' آپ کے دروازے پر ایک حمام تھا' جب حمام میں تشریف لے جاتے تو آپ کے لیے حمام خالی کر دیا جاتا تھا' ایک روز آپ حمام میں گئے' حمامی کہیں گیا ہوا تھا' اتنے میں ایک شخص آیا' اس نے یہ سمجھا کہ آپ حمام کے خادم ہیں' وہ کپڑے اُتار کر حمام میں چلا گیا' اور انہیں حکم دینے لگا کہ یہ کر دو وہ کرو' آنے والا جو کچھ کہتا رہا' آپ کرتے رہے' اتنے میں حمامی آگیا' اس نے یہ صورت حال دیکھی تو ڈر کر بھاگ گیا' آپ حمام سے باہر آئے' لوگوں نے انہیں بتلایا کہ حمامی آپ کے خوف سے چلا گیا ہے' فرمایا: اس میں بیچارے حمامی کا کیا قصور' قصور تو اس شخص

کا ہے جس نے اپنا نُطفہ حبشن کے حوالے کیا۔ ابو عبداللہ خیاطؒ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ دکان پر بیٹھ کر کپڑے سیتے تھے۔ ایک مجوسی جو آپ سے کینہ رکھتا تھا اپنے کپڑے ان سے سِلواتا اور اُجرت میں کھوٹے سکّے دیتا' آپ انہیں لے لیتے نہ واپس کرتے اور نہ اسے بتلاتے کہ تو نے کھوٹے سکّے دیئے ہیں' ایک روز وہ اُجرت دینے کے لیے آیا تو دکان پر آپ کا ایک شاگرد بیٹھا تھا' مجوسی نے حسبِ معمول کھوٹے سکے دیئے اور اپنے کپڑے طلب کئے' شاگرد نے کھوٹے سکّے واپس کردیئے اور کپڑا دینے سے انکار کردیا' ابو عبداللہ آئے تو شاگرد نے انہیں واقعہ بتلایا۔ آپ نے فرمایا تو نے بُرا کیا' یہ مجوسی ایک سال سے یہی معاملہ کرتا رہا ہے اور میں خاموشی سے یہ سکے لے کر کنوئیں میں ڈال دیتا ہوں تاکہ وہ کسی مسلمان کو دھوکا نہ دے سکے' یوسف ابن اسباطؒ فرماتے ہیں کہ حسن خلق کی دس علامتیں ہیں مخالفت کم کرنا' حسن انصاف سے کام لینا' انتقام نہ لینا' برائیوں سے نفرت کرنا' معذرت قبول کرلینا' نفس کو ملامت کرنا' دوسروں کے بجائے اپنے عیوب پر نظر رکھنا' چھوٹے بڑے ہر شخص کے ساتھ خندہ روئی سے پیش آنا' ہر ادنیٰ و اعلیٰ سے نرم گفتگو کرنا۔ کسی شخص نے سہل تستری سے دریافت کیا کہ حسن خلق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی سے انتقام نہ لے ایذا برداشت کرے' ظالم پر رحم کرے اور اس کے لیے مغفرت کی دعا کرے۔ احنف بن قیسؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے حِلم کس سے سیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا قیس بن عاصم سے۔ سائل نے ان کے حِلم کا واقعہ دریافت کیا' فرمایا ان کی ایک باندی ایک سیخ لے کر آئی جس پر کباب بن رہے تھے' اور باندی کے ہاتھ سے سیخ چھوٹ کر قیس بن عاصم کے ایک بچے پر گر پڑی' بچہ گرم سیخ کی تکلیف برداشت نہ کرپایا اور مرگیا' باندی اس واقعہ سے بہت گھبرائی' قیس نے اس سے کہا کہ کچھ غم نہ کر' میں نے تجھے اللہ کے لیے آزاد کردیا' حضرت اویس قرنی کی حالت یہ تھی کہ محلے کے بچے ان پر پتھروں کی بارش کیا کرتے تھے' آپ ان سے کہتے بچو! اگر مارنا اتنا ہی ضروری ہے تو چھوٹے چھوٹے پتھر مارو تاکہ میرے پاؤں سے خون نہ نکلے اور نماز میں کوئی حرج ہو۔ احنف بن قیسؓ کو ایک شخص نے گالیاں دیں' آپ نے کوئی جواب نہیں دیا' اور آگے بڑھ گئے' وہ شخص بھی پیچھے پیچھے گالیاں بکتا ہوا چلا' آپ اپنے محلے کے قریب پہنچ کر رک گئے اور اس سے کہنے لگے! اے شخص جو کچھ گالیاں باقی ہیں وہ بھی یہیں دے لے ایسا نہ ہو کہ تیری گالیاں سن کر محلے والے مشتعل ہوجائیں اور تجھے ایذا پہنچائیں۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنے کسی غلام کو آواز دی' اس نے کوئی جواب نہیں دیا آپ نے دوبارہ بُلایا تب بھی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا' تیسری آواز میں بھی اس نے جُنبش نہیں کی' آپ خود اُٹھ کر اس کے پاس تشریف لے گئے' دیکھا کہ لیٹا ہوا ہے' آپ نے فرمایا: میں نے تجھے تین مرتبہ بُلایا' کیا تو نے میری آواز نہیں سنی تھی' کہنے لگا سنی تھی لیکن میں نے سوچا کہ آپ جواب نہ دینے پر خفا تو ہوں گے نہیں اس لیے سُستی کرگیا' آپ نے فرمایا: جا میں نے تجھے اللہ کے لیے آزاد کردیا۔ مالک بن دینارؒ کو کسی شخص نے ریاکار کہہ کر آواز دی' آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ تو نے یہ نام خوب ایجاد کیا ہے' اہل بصرہ اسے بھول گئے تھے' یحییٰ بن زیاد کے پاس ایک تند خو' بد مزاج غلام تھا' لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ اسے اس کی تُند خوئی اور بَد مزاجی کے باوجود رکھتے کیوں ہیں' فرمایا: تاکہ میں اس سے حِلم سیکھوں۔

ان واقعات سے پتا چلتا ہے کہ ان بزرگوں کے نفوس مسلسل ریاضت کی وجہ سے اعتدال پر آگئے تھے' اور فریب' خیانت' کینہ اور حسد وغیرہ کے عیوب سے پاک ہوگئے تھے' وہ ہر حال میں اللہ کی تقدیر پر راضی و شاکر تھے' آدمی کے نفس کا اس درجہ تک پہنچنا ہی حسن خلق کا اعلیٰ معیار ہے' بد خلقی کی انتہا یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناراض ہو' اور تقدیر کے خلاف نبرد آزما ہو۔

بہرحال حسنِ خلق کی یہ چند علامات ہیں' جس شخص کا باطن ان علامات سے خالی ہو اسے اس فریب میں مبتلا نہ ہونا چاہئے کہ وہ اچھے اخلاق کا حامل ہے' اس کا نفس بیمار ہے اسے ریاضت اور مجاہدے کے ذریعہ اپنے نفس کا علاج کرانا چاہئے تاکہ وہ حسن خلق کے اس اعلیٰ درجے پر فائز ہوسکے جو مقرّبین اور صدّیقین کو حاصل ہے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے اخلاق کی تہذیب و تحسین

جاننا چاہیے کہ بچوں کی تعلیم اور ان کی اخلاقی تربیت ایک اہم فریضہ ہے بچہ والدین کے پاس اللہ کی امانت ہوتا ہے' اس امانت کی حفاظت ضروری ہے' اور یہ حفاظت اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اسے ضائع ہونے سے بچایا جائے' بچے کا دل صاف ستھرا' رواج کے عیوب سے پاک' سادہ و معصوم' اور ایک قیمتی موتی کی طرح نازک اور گراں قیمت ہوتا ہے' نہ اس کی سطح پر کوئی نقش ہوتا ہے' نہ اس کے آئینے میں کوئی تصویر ہوتی ہے اس کی سطح پر جو نقش بھی کردیا جائے وہ اسے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے مثلاً اگر اسے خیر کی تعلیم دی جائے' اور نیک اعمال کا عادی بنایا جائے تو اس کی نشوونما خیر اور نیک اعمال پر ہوگی' وہ خود بھی دین و دنیا کی سعادتیں سمیٹے گا اور اس کے والدین اور معلّمین بھی اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے' اسی طرح اگر اسے برائی کا عادی بنایا جائے اور جانوروں کی طرح اس سے لاپروائی برتی جائے نہ اسے کوئی اچھی بات بتلائی جائے نہ کسی خیر کی طرف رہنمائی کی جائے تو وہ شر کا عادی ہوجائے گا' خود بھی دنیا و آخرت کی شقاوتیں سمیٹے گا اور والدین بھی اپنی غفلت کی سزا بھگتیں گے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (پ۲۸ ر۱۹ آیت ۶)

اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھروالوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔

جب ماں باپ اپنے بچوں کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں تو آخرت کی آگ سے بچانا بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے' آخرت کی آگ سے حفاظت کا طریقہ یہ نہیں کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا جائے' اس کے لیے ضروری ہے کہ بچے کو ادب سکھلایا جائے' اسکے اخلاق کی تہذیب و تحسین کی جائے' اسے بُری صحبت سے دور رکھا جائے' لذّت کوشی' آرام طلبی' اور تزئین و آرائش کی خواہش کو اس کی نظر میں حقیر بنانے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ جادۂ حق پر گامزن رہے' اور ابدی ہلاکت سے محفوظ رہے۔

بچے کی تربیت روزِ اوّل ہی سے ضروری ہے' چنانچہ اس کی پرورش اور رضاعت کے لیے کوئی ایسی عورت متعیّن کی جائے جو نیک اور دیندار ہو' اور حلال رزق کھاتی ہو کیونکہ حرام غذا سے پیدا ہونے والے دودھ میں برکت نہیں ہوتی' حرام غذا سے پرورش پانے والا بچہ بڑا ہو کر خُبث اور بدی کی طرف مائل ہوتا ہے' جب بچے میں قوتِ تمیز اور شعور پیدا ہوجائے تو اس کی نگہداشت کی ضرورت پہلے سے بڑھ جاتی ہے' تمیز اور شعور کی ابتدا اس وقت ہوتی ہے جب بچے میں حیا کا جوہر ظاہر ہوجائے' بچہ بعض افعال حیا کے باعث چھوڑ دیتا ہے' بعض امور کو بعض کی بہ نسبت بُرا جانتا ہے' اور بُرے افعال سے حیا کرنے لگتے ہے' بچے میں حیا کا ظہور اللہ تعالیٰ کی ایک اہم ترین نعمت ہے' اور ایک ایسی بشارت ہے جو اخلاق کے اعتدال اور قلب کے تزکیہ پر دلالت کرتی ہے' اور اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ بچہ بڑا ہو کر عقل میں کمال اور شعور میں پختگی حاصل کرے گا' حیادار بچے سے اِعراض برتنا مناسب نہیں ہے' بلکہ اس کی حیاء کو اس کی تعلیم و تربیت کے باب میں مُعین و مددگار سمجھنا چاہیے۔

ابتداء سے بچے کی تربیت کا طریقہ : بچے پر سب سے زیادہ غلبہ کھانے کی خواہش کا ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے بچے کو کھانے کے آداب سکھلائے جائیں' اور اسے بتلایا جائے کہ کھانا دائیں ہاتھ سے کھائے' کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہے' اپنے سامنے سے کھائے' اگر کچھ لوگ ساتھ کھا رہے ہوں تو ان سے پہلے کھانا شروع نہ کرے' کھانے کو گھور کر نہ دیکھے' نہ کسی کو کھاتے ہوئے گھورے' کھانے میں جلدی نہ کرے' اچھی طرح چبا کر کھائے' پے بہ پے لقمے نہ کھائے' اپنے ہاتھ ضرورت سے زیادہ نہ بھرے' نہ کپڑے خراب کرے۔ بچے کو کبھی کبھی روکھی روٹی بھی کھلانی چاہیے تاکہ کسی وقت سالن موجود نہ ہو تو پریشانی نہ اُٹھانی پڑے' بچے کے سامنے بسیار خوری کی مذمت کرنی چاہیے اور اسے بتلانا چاہیے کہ زیادہ کھانا بہائم کا شیوہ ہے' اچھے بچے زیادہ نہیں کھاتے' بچے کے سامنے ان بچوں کی تحسین کرتے رہنا چاہیے جو زیور ادب سے آراستہ ہیں' اور کم خور ہیں بچے کو اس کی تلقین بھی کرنی چاہیے کہ وہ کھانے کے معاملے میں ایثار سے کام لے' کم پر قناعت کرنے کی عادت ڈالے' کھانے کی

زیادہ پروانہ کرے' کھانا جیسا بھی ہو صبر و شکر سے کھائے' لڑکے کو سفید کپڑے پہننے کی عادت ڈالنی چاہیے' اسے بتلا دینا چاہیے کہ رنگین شوخ اور بھڑک دار کپڑے عورتیں پہنتی ہیں' مردوں کو اس طرح کا لباس زیب نہیں دیتا' جو لڑکے زنانہ لباس میں ملبوس نظر آئیں اپنے بچے کے سامنے ان کی برائی کرنی چاہیے اور ان کے لباس کی مذمت کرنی چاہیے' اپنے بچے کو ان لڑکوں کی صحبت و ہم نشینی سے بچائے جنہیں آرام طلبی کی عادت ہو' اور بھڑکیلے ریشمی کپڑے پہننے کا شوق ہو' ایسے لوگوں سے بھی اپنے بچے کو ملنے نہ دے جو اس کے دل میں اس طرح کے شوق کو تحریک دینے کا باعث بنیں۔

اگر ابتدا ہی سے بچے کی نگہداشت نہ کی جائے' اور اس کی اصلاح و تربیت پر خاص طور پر توجہ نہ دی جائے تو اس میں بے شمار برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں' اور جھوٹ حسد' چوری' چغل خوری' یاوہ گوئی' بے ہودہ ہنسی مذاق' اور لڑنے جھگڑنے کی عادتیں اپنا قبضہ جما لیتی ہیں۔ اس ابتدائی تربیت کا تعلق گھر سے ہے' اس کے بعد بچے کو مکتب میں بھیجنا چاہیے' تاکہ وہ کسی نیک اور ماہر استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر سکے' اور اس سے قرآن کریم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم' اکابر اولیاء اللہ کے واقعات' احوال اور حکایات کا علم حاصل کرے تاکہ اس کے دل میں صلحاء کی محبت پیدا ہو جائے' اور وہ ان کے نقش قدم پر چلنے لگے' بچے کو عشق و محبت کے فرسودہ مضامین پر مشتمل اشعار نہ پڑھنے دینے چاہئیں بلکہ ان لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھنے دینا چاہیے جو اس شاعری پر ظرافت اور خوش مذاقی کا ملمع کرتے ہیں' اور اسے فن سمجھتے ہیں' یہ فحش اور رکیک شاعری دلوں میں فساد کا بیج بوتی ہے' اور شر کے تخم کی آبیاری کرتی ہے۔ اگر بچہ کوئی قابل تعریف کام کرے مثلاً امتحان میں کامیاب ہو' یا کسی کے ساتھ حسن سلوک کرے' یا دیانت داری کی کسی آزمائش میں پورا اترے تو اسے انعام بھی دینا چاہیے' اس سے بچے میں اچھے اچھے کام کرنے کے جذبے کو تحریک ملتی ہے' انعام کے ساتھ لوگوں میں بچے کی تعریف بھی کرنی چاہیے' بعض اوقات قیمتی سے قیمتی انعام بھی اتنا مؤثر نہیں ہوتا' جتنا مؤثر تعریف کا ایک لفظ ہو جاتا ہے اگر بچے سے اتفاقاً کوئی غلطی سرزد ہو جائے اور جانتا ہو کہ یہ غلطی اس کی عادت نہیں ہے بلکہ بچپن کے تقاضے سے ایسا ہو گیا ہے تو چشم پوشی سے کام لینا چاہیے' اور دوسرے لوگوں کے سامنے بھی اس کے راز سے پردہ نہ اٹھانا چاہیے' خاص طور پر اس وقت جب بچہ اپنی غلطی خود چھپانا چاہتا ہو' جاننے کے باوجود بھی انجان بنا رہے' بچے کو اگر یہ بات معلوم ہو جائے کہ غلطی سے واقف ہونے کے باوجود مجھے کچھ نہیں کہا گیا تو وہ اسے اپنی عادت بنا لیتا ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ بری حرکتوں پر جری ہو جاتا ہے' لیکن اگر وہ اس غلطی کا اعادہ کرے تو اب خاموش رہنے کی اجازت نہیں' بچے کو تنہائی میں تنبیہہ کرے اور اسے سختی سے تاکید کرے کہ وہ آئندہ اس غلطی کا مرتکب نہ ہو' لوگوں کے سامنے کچھ نہ کہے' اور نہ بہت زیادہ سخت سست کہے' بعض اوقات ملامت کی زیادتی سے خوف کم ہو جاتا ہے' نصیحت کا اثر باقی نہیں رہتا' اور منکرات کی سنگینی کا احساس دل سے زائل ہو جاتا ہے' باپ کو اپنے بیٹے سے اتنا بے تکلف نہ ہونا چاہیے کہ وہ اس کی کسی بات کو اہمیت ہی نہ دے کلام کی ہیبت باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ بچے کو ہر وقت ملامت اور عتاب کا ہدف نہ بنائے رکھے' بچوں کے دلوں میں باپ کا ادب اور خوف اتنا ہونا چاہیے کہ ماں انہیں باپ کے حوالے سے ڈرا سکے' اور انہیں منکرات سے باز رکھ سکے۔

بچے کو دن میں سونے سے منع کرنا چاہیے' کیونکہ دن میں سونے سے جسم میں سستی پیدا ہوتی ہے' اور عمل کی قوت میں اضمحلال آ جاتا ہے' البتہ رات میں سونے سے ہرگز منع نہ کرے' بچوں کو نرم اور گداز بستروں پر سلانے کی بجائے سخت اور کھردرے بستر پر سونے کی عادت ڈالنی چاہیے تاکہ آرام طلبی پیدا نہ ہو' اور اعضاء سخت رہیں' اس کے جسم کو فربہ کرنے کی کوشش نہ کرے' کیوں کہ فربہ بدن آدمی عیش پسند ہوتا ہے' بستر' لباس اور کھانے میں سادگی ملحوظ رہنی چاہیے۔ جو کام وہ چھپ کر کرنا چاہے اس سے روکے کیونکہ بچہ وہی کام چھپ کر کرتا ہے جسے وہ اپنے خیال میں برا تصور کرتا ہے۔ اگر اسے چھپ کر کام کرنے کی آزادی دی گئی اور کوئی روک ٹوک نہ کی گئی تو وہ برے افعال کا عادی ہو جائے گا' دن کے کسی حصے میں اسے چلنے پھرنے اور ورزش کرنے کی مہلت بھی دینی چاہیے تاکہ سستی غالب نہ ہو۔ بچے کو سمجھانا چاہیے کہ وہ اپنے اعضاء نہ کھولے' دوڑ کر نہ چلے' اگر اس کا باپ کسی

خاص چیز کا مالک ہو تو اپنے ہم عصروں میں اس پر فخر نہ کرے چاہے وہ چیز کھانے پینے سے متعلق ہو' یا پہننے اوڑھنے سے یا پڑھنے لکھنے سے بچے کو انکساری' تواضع' رُفقاء کے اکرام اور ہر شخص کے ساتھ مہربانی سے پیش آنے کا عادی بنانا چاہیے بچے سے کہا جائے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی کوئی چیز نہ لے اگر بچہ امیرزادہ ہو تو اسے سمجھانا چاہیے کہ تمہاری شان دینے میں ہے لینے میں نہیں ہے۔ کسی سے کچھ لینا ذلت کی بات ہے' اگر غریب ہے تو کہنا چاہیے کہ کسی سے کچھ لینا خودداری کے خلاف ہے' اور کُتّے کا شیوہ ہے' کتّا ہی ایک لقمہ کی خاطر دُم ہلاتا پھرتا ہے۔ بچوں کو سونے چاندی کی محبت اور طمع سے منع کرنا چاہیے' اور ان چیزوں سے اس طرح ڈرانا چاہیے جس طرح سانپ بچھو سے ڈرایا جاتا ہے کیونکہ ان کا ضرر زیادہ ہے' اس ضرر میں صرف بچوں ہی کی تخصیص نہیں ہے' بلکہ بڑوں کا بھی یہی حال ہے۔

بچوں کو یہ عادت ڈالنی چاہیے کہ وہ بیٹھنے کی جگہوں پر تھوکنے سے گریز کریں' دوسروں کے سامنے جمائی نہ لیں' کسی کی طرف پشت نہ کریں' مجلس میں ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں نہ رکھیں' نہ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھیں' نہ ہاتھ کو تکیہ بنائیں' یہ سب امور سُستی کی علامتیں ہیں' بچوں کو بیٹھنے کا طریقہ بتلا دینا چاہیے' زیادہ بولنے سے بھی منع کرنا چاہیے اور بتلانا چاہیے کہ زیادہ بولنا بے شرمی پر دلالت کرتا ہے' اور یہ کمینوں کی عادت ہے' بچوں کو قسمیں بھی نہ کھانے دی جائیں خواہ وہ جھوٹی ہوں یا سچی' ایسا نہ ہو کہ بچہ کم عمری میں قسمیں کھانے کا عادی بن جائے اور آخر عمر تک بات بات میں قسمیں کھاتا رہے' بچوں سے کہنا چاہیے کہ وہ مجلس میں کلام کی ابتدا نہ کریں' بلکہ بہتر یہ ہے کہ ان کی گفتگو صرف جواب ہو سوال نہ ہو' اور جواب بھی سوال کے مطابق ہو۔ جب کوئی بڑا بول رہا ہو تو اس کی بات غور سے سنیں' بڑا مجلس میں آجائے تو اپنی جگہ سے اُٹھ جائیں' آنے والے کو جگہ دیں اور اس کے سامنے ادب سے بیٹھیں' بچوں کو فحش کلامی' لعن طعن اور سبّ وشتم سے روکنا چاہیے اور ان لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھنے دینا چاہیے جن کی زبانیں اس طرح کی غلیظ باتوں سے آلودہ رہتی ہیں' بُرے ہم نشینوں کی بری عادتیں بچوں پر بہت جلد اثر انداز ہوتی ہیں۔ بچوں کی تربیت میں اصل یہی ہے کہ انہیں بُری صحبت سے بچانا چاہیے۔

بچوں کو سمجھایا جائے کہ وہ استاذ کے مارنے پر زیادہ شور وغل نہ کریں' نہ سفارشی تلاش کریں' بلکہ صبر کریں' صبر کرنا ہی بہادروں اور مَردوں کا شیوہ ہے' واویلا کرنا عورتوں کی عادت ہے' پڑھائی سے فراغت کے بعد بچہ اگر کھیلنے کا خواہشمند ہو تو اسے منع نہ کیا جائے' بشرطیکہ وہ کھیل عمدہ ہو' اور کھیلنے والے کو کوئی اخلاقی یا جسمانی ضرر نہ پہنچاتا ہو' کُتب کی تھکن کھیل سے دور ہو جاتی ہے' لیکن اتنا بھی کھیلنے نہ دیا جائے کہ کھیل کی تھکن غالب آجائے اور پڑھنے کے قابل نہ رہے' بچے کو کھیل سے روکنا اور ہمہ وقت پڑھائی میں لگائے رکھنا اس کی صحت کے لیے سخت نقصان دہ ہے اس سے بچے کا دل مُردہ ہو جاتا ہے' ذکاوت متأثر ہوتی ہے' اور اسے زندگی بدمزہ معلوم ہونے لگتی ہے' وہ کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اس دائمی مصروفیت (تعلیم) سے نجات حاصل کرلے۔

بچے کو اپنے ماں' باپ' اساتذہ' تربیت کرنے والوں اور بڑوں کی اطاعت اور تعلیم کا عادی بھی بنانا چاہیے' خواہ وہ بڑے اپنے ہوں یا اجنبی ہوں اسے بتلانا چاہیے کہ بڑوں کا احترام ضروری ہے' جب وہ موجود ہوں تو کھیلنا بند کردے جب بچہ سمجھدار ہو جائے تو پاکی اور نماز کے بارے میں اس سے چشم پوشی نہ کرے' رمضان کے کچھ روزے بھی ضرور رکھوائے' ریشمی کپڑے اور سونے چاندی کے زیورات پہننے سے منع کرے' شریعت کے ان احکام سے اسے مطلع کرتا رہے جن کی اسے ضرورت پیش آئے۔ اسے چوری' حرام خوری' خیانت' جھوٹ اور فواحش سے ڈرائے' اگر بچہ کی تربیت ان بنیادوں پر ہوئی تو بلوغ کے قریب اسے ان امور کے اَسرار بھی بتلا دینے چاہئیں کہ غذا کی حیثیت دوا کی سی ہے' کھانے سے آدمی کا مقصود یہ ہونا چاہیے کہ اس کے ذریعہ اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنے پر قوت حاصل ہو' دنیا بے حقیقت چیز ہے' موت پر اس کی تمام لذتیں اور نعمتیں فنا ہو جاتی ہیں' دنیا صرف ایک گذر گاہ ہے' آدمی کا مستقل ٹھکانہ آخرت ہے' موت ہر لحہ انسان کی تاک میں ہے' عقلمند وہی ہے جو دنیا کی گذر گاہ سے آخرت کے مستقل قیام کے لیے توشہ حاصل کرلے۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑے مرتبے پر فائز ہو' اسے وسیع تر جنّات ملیں۔ اگر

بچے کی نشوونما صالح بنیادوں پر ہوئی ہوگی تو بڑے ہونے پر یہ تمام حقائق اس کے دل پر اثر انداز ہوں گے اور اس طرح راسخ ہو جائیں گے جس طرح پتھر پر حروف نقش ہو جاتے ہیں لیکن اگر تربیت اس کے برعکس ہوئی' بچپن ہی سے وہ کھیل کود' فواحش و منکرات' بے شرمی اور بے ہودگی' حرص و ہوس' زیبائش و آرائش کا عادی رہا تو وہ ان حقائق کو قبول نہ کرسکے گا۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ بچوں کی تربیت ابتدا ہی سے بہت ضروری ہے' بچے کا جوہر قلب ہر طرح کے اثرات قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے' خیر اور شر دونوں اس پر یکساں طور پر اثر انداز ہوسکتے ہیں' اب یہ ماں باپ پر منحصر ہے کہ وہ اس کے دل کو خیر کے لیے وقف کریں' یا شر کی نذر کردیں' حدیث شریف میں ہے:۔

کل مولود یولد علی الفطرة فابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ (۱)

ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے' اس کے ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی کردیتے ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ جب میں تین برس کا تھا تو رات کو جاگا کرتا تھا اور اپنے ماموں محمد بن سوار کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کرتا تھا' ایک دن میرے ماموں نے مجھ سے کہا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا جس نے تجھے پیدا کیا ہے' میں نے عرض کیا اس کا ذکر کیسے کروں؟ انہوں نے جواب دیا جب تو سونے کے لیے بستر پر لیٹے تو تین بار یہ کلمہ دل ہی دل میں کہہ لیا کر "اَللّٰہُ مَعِیْ' اَللّٰہُ نَاظِرٌ اِلَیَّ' اَللّٰہُ شَاهِدِیْ" (اللہ میرے ساتھ ہے' اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اللہ تعالیٰ میرا گواہ ہے) میں نے چند راتوں تک یہ ورد جاری رکھا' اور اپنے ماموں کو اس کی اطلاع دی' انہوں نے فرمایا اب یہ کلمہ سات مرتبہ کہا کر۔ چند دنوں کے بعد گیارہ مرتبہ کہنے کے لیے کہا' میں نے اس کلمے کی لذت و حلاوت اچھی طرح محسوس کی' ایک سال بعد ماموں نے مجھ سے کہا' اس کلمہ کو یاد رکھ' اور زندگی کی آخری سانس تک اس کا ورد کرتا رہ یہ تجھے یہ کلمہ دنیا و آخرت میں نفع دے گا۔ میں نے چند برس تک اس کا التزام کیا اور باطن میں اس کی حلاوت زیادہ پائی' ایک روز ماموں نے مجھ سے فرمایا: اے سہل! جس شخص کے ساتھ اللہ ہو' جس کی طرف اللہ دیکھتا ہو' جس کا گواہ اللہ ہو کیا وہ اللہ کی معصیت کرسکتا ہے' خبردار گناہ سے بچنا' بہرحال میں تنہائی میں اس ذکر کی پابندی کرتا رہا چند دنوں کے بعد مجھے مکتب میں بھیجا گیا تو میں نے اس ڈر سے کہ کہیں میرے ورد میں خلل نہ ہو گھر والوں سے کہا کہ پہلے استاذ صاحب سے یہ شرط کرلو کہ میں ایک گھنٹہ سے زیادہ مکتب میں نہیں رہوں گا۔ اس شرط کے ساتھ میں مکتب میں داخل ہوا' اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی' میں نے چھ یا سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا' میں بچپن ہی سے مسلسل روزے رکھنے کا عادی تھا' بارہ سال تک میں نے جو کی روٹی پر قناعت کی' جب میں تیرہ برس کو ہوا تو ایک سوال میرے دل میں آیا میں نے گھر والوں سے کہا کہ مجھے بصرہ جانے کی اجازت دیجئے تاکہ میں وہاں کے علماء سے اپنے سوال کا جواب دریافت کرسکوں' مجھے اجازت دی گئی' بصرے پہنچ کر میں نے وہاں کے علماء کے سامنے اپنا سوال رکھا' لیکن کسی نے بھی تسلی بخش جواب نہیں دیا' وہاں سے مایوس ہو کر میں عبادان گیا' عبادان میں ایک بزرگ ابو حبیب حمزہ بن ابی عبداللہ العبادانیؒ رہتے تھے' میں نے ان سے اپنے سوال کا جواب مانگا' انہوں نے تسلی بخش جواب دیا' میں کئی سال تک عبادان میں مقیم رہا' اور ابو عبداللہ عبادانی سے علم و ادب کی تحصیل میں مصروف رہا۔ عبادان سے تستر آیا اور اپنی غذا کے لیے یہ نظم کیا کہ ایک درہم کے جَو خرید کر پسواتا' اور ایک چھٹانک آٹے کی روٹی نمک ملائے بغیر سحر کے وقت کھالیتا' اس طرح ایک درہم مجھے ایک سال تک کے لیے کفایت کرجاتا۔ پھر میں نے تین روزے مسلسل رکھنے کا ارادہ کیا' اس کے بعد پانچ روزے مسلسل رکھے' پھر سات دن بعد افطار شروع کیا' پھر بیس راتیں بغیر کھائے پئے گذاریں' اس وقت میری عمر بیس سال تھی' پھر میں چند برس ادھر ادھر گھومتا رہا' پھر تستر واپس آیا' اللہ کا شکر ہے کہ میں رات بھر تہجد

(۱) یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے۔

کے لیے کھڑا رہتا تھا' احمد کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ انہوں نے زندگی بھر کبھی ٹمک چکھا ہو۔

اِرادت کی شرائط' مجاہدے کے مقدّمات اور راہِ سُلوک میں مرید کے تدریجی اِرتقا کی تفصیل

جاننا چاہیے کہ جو شخص دل سے آخرت کا یقینی مشاہدہ کرلیتا ہے' وہ آخرت کا ہو کر رہ جاتا ہے' اس کے لیے جدوجہد کرتا ہے' اسی کے لیے زادِراہ جمع کرتا ہے' اسی کی طرف جانے والے راستوں پر چلتا ہے' اس کی نظروں میں دنیا کی لذّتوں اور نعمتوں کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی' اگر کسی کے پاس موتی ہو' اور کسی قیمتی جوہر پر اس کے نظر پڑ جائے تو وہ موتی دل سے اُتر جاتا ہے اور وہ یہ خواہش کرتا ہے کہ کسی طرح میں اس موتی کے عوض یہ جوہر حاصل کرلوں' جو شخص نہ آخرت کا متمنّی ہو' اور نہ اللہ تعالیٰ کی لقاء کا طالب ہو وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان (ایمان سے یہاں مراد اخلاص اور قلب کی صداقت کے بغیر محض زبان سے شہادت کے کلمے اَدا کرنا نہیں ہے) نہ ہونے کی وجہ سے اس شخص کی طرح ہے جو معمولی موتی کو قیمتی جوہر سے افضل قرار دے' یہ حماقت وہی شخص کرسکتا ہے جس کی نظر فقط جوہر پر ہو' جوہر کی حقیقت پر نہ ہو' ظاہر ہے ایسا شخص اس معمولی موتی ہی کو بیش قیمت سمجھے گا' اس کی نظر میں جوہر کی کوئی اہمیت نہ ہوگی بہرحال اللہ کی طرف سُلوک کے بغیر پہنچنا ممکن نہیں ہے اور سُلوک (چلنا) ارادے کے بغیر نہیں ہوتا' ارادے کی راہ میں ایمان کا نہ ہونا سب سے بڑی رکاوٹ ہے' اور ایمان اس لیے مفقود ہوتا ہے کہ نہ مُذکِّر موجود ہیں' نہ مُرشد اور ہادی' اور نہ وہ علماء جو حق کا راستہ دکھلائیں' اور انسان کو بتلائیں کہ یہ دنیا حقیر ہے' اسے ثبات نہیں' آخرت ہی کی زندگی اہم ہے' اسے ہی دوام اور ثبات حاصل ہے' لوگ غفلت میں مبتلا ہیں' شہوات میں غرق ہیں' اور سود و زیاں سے بے نیاز خوابِ ناز میں مَست ہیں' ایسے علماء نہیں ملتے جو انہیں نیند سے جگادیں' شہوات سے دور کردیں' اور غفلت پر تنبیہ کریں۔ اگر کوئی شخص خواب غفلت سے بیدار بھی ہوجاتا ہے تو کفر و نفاق کے اندھیروں میں اسے راستہ نہیں ملتا' اور وہ اپنی جہالت کے باعث جگہ جگہ ٹھوکر کھا کر رہ جاتا ہے' علماء سے راستہ پوچھتا ہے تو وہ بتلا نہیں پاتے کیونکہ وہ خود ہوا و ہوس کے بندے اور خواہشات نفس کے اَسیر ہیں' ارادے کی کمزوری' راستے سے ناواقفیت' اور رہنماؤں کی گمراہی یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے راہِ خدا سالکین سے خالی ہے' جب مقصد نگاہوں سے اوجھل ہو' مقصد کی طرف رہنمائی کرنے والا غائب ہو' اور نفس پر ہوا و ہوس کا غلبہ ہو' اور طالب غفلت میں مبتلا ہو تو راستہ کس طرح طے گا' اگر مل بھی گیا اور کسی نے قدم اٹھا بھی لیے تو وہ منزل تک کیسے پہنچ پائے گا' جب کہ اسے چلنا نہیں آتا؟

<u>اِرادت کی شرائط</u> : اگر کوئی شخص زیرک ہو اور وہ اپنے طور پر' یا کسی کی ترغیب سے آخرت کا ارادہ کرے تو اسے قدم اٹھانے سے پہلے اِرادت کی شرائط معلوم کرلینی چاہئیں' ارادت سے پہلے ان شرائط کا بجالانا ضروری ہے۔

اِرادت کی اوّلین شرط یہ ہے کہ اپنے اور حق کے درمیان جو حجاب پائے اور جو رکاوٹ دیکھے اسے دور کرے' لوگ حق نگری سے اسی لیے محروم ہیں کہ درمیان میں بہت سے حجابات حائل ہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (پ ۲۲ ر ۱۸ آیت ۹)

اور ہم نے ایک آڑ اُن کے سامنے کردی اور ایک آڑ اُن کے پیچھے کردی جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو گھیر دیا سو وہ دیکھ نہیں سکتے۔

<u>حجاب کی قسمیں</u> : مرید اور حق کے درمیان یہ حجابات چار ہیں' مال' جاہ' تقلید اور معصیت۔ مال کا حجاب اس وقت زائل ہوتا ہے جب مرید کی ملکیت سے نکل جاتا ہے' اور بقدرِ ضرورت باقی رہتا ہے' اگر ضرورت سے زائد ایک درہم بھی مرید کے پاس رہے

گا اس کا دل اسی درہم کی طرف متوجہ رہے گا' اس کے دل پر درہم کی حکمرانی رہے گی اور وہ باری تعالیٰ کی طرف ملتفت نہ ہو سکے گا' جاہ کا حجاب اس طرح اٹھتا ہے کہ مرید جاہ و منصب کی جگہوں سے دور رہے' تواضع اور انکساری کو اپنی عادت بنالے' گمنامی کی زندگی کو ترجیح دے' شہرت کے اسباب سے لاتعلق بنا رہے' اور اس طرح کے کام کرے جن سے عام لوگوں میں اس کے خلاف نفرت پیدا ہو' تقلید کا حجاب اس طرح دور ہو گا کہ فقہ و کلام کے مختلف مذاہب کے لیے تعصب کی ذہنیت کو بالائے طاق رکھے صرف اس بات کی تصدیق کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' ان الفاظ کی صداقت کے عملی اظہار کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود سے قطع تعلق کرلے' خاص طور پر نفس کے معبود سے کہ اس معبود کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے' اس کے ہر ہر حکم کی تعمیل کی جاتی ہے' اور اس کے ہر اشارے پر سر تسلیم خم کیا جاتا ہے' اگر کلمۂ توحید کی اس طرح تصدیق کی گئی تو وہ تمام اعتقادات باطل ہو جائیں گے جو محض تقلید سے حاصل ہوئے ہیں' یہ صورت مجاہدے سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ مجادلے سے' اگر کسی شخص پر تعصب غالب ہو' اور وہ اپنے معتقدات کے خلاف کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ ہو تو یہ تقلید کی گرفت ہے' اس گرفت سے نکلنا بہت دشوار ہے۔ مرید ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ کسی خاص (فقہی) مذہب کا پابند ہو۔ بلکہ کسی بھی مذہب کا معتقد اور متبع ارادت کی راہ طے کر سکتا ہے۔ معصیت کا حجاب اس وقت تک دور نہیں ہوتا جب تک توبہ نہ کرے' مظالم سے باز رکھنے اور اعادہ نہ کرنے کا عزم نہ کرے' ماضی کے گناہوں پر ندامت ظاہر نہ کرے اور مظلوموں کو ان کا حق نہ دے' جو شخص گناہوں سے توبہ کئے بغیر مکاشفہ کے ذریعہ دین کے اسرار پر مطلع ہونے کا خواہشمند ہو وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص عربی زبان سیکھے بغیر قرآن کریم کے معانی اور مطالب سمجھنا چاہتا ہو' جب کہ قرآن پاک عربی زبان میں ہے' عربی زبان کا علم حاصل کئے بغیر قرآن کریم کی ایک آیت کے معنیٰ بھی نہیں سمجھے جاسکتے' چہ جائیکہ اس کے اسرار اور دقائق سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اسی طرح سلوک کی وادی میں قدم رکھنے سے پہلے شریعت کے ظاہر کی پابندی کرنا ضروری ہے' ظاہر شریعت کی مکمل اتباع کے نتیجے میں اسرار کے دروازے کھلتے ہیں' اور حقائق کے چشمے ابلتے ہیں۔

شیخ کامل کی ضرورت : ان چاروں شرائط کی اتباع کرنے والا اور مال و جاہ کی خواہش سے بچ کر چلنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص حدث کے بعد پاک ہو جاتا ہے' اور اعضاء وضو دھونے کے بعد نماز پڑھنے کا اہل ہو جاتا ہے لیکن نماز کی ادائیگی کے لیے یہ اہلیت کافی نہیں ہے' بلکہ بعض اوقات امام کی ضرورت بھی پیش آتی ہے جس کی اقتدا میں نماز ادا کی جاسکے' اسی طرح تنہا چار شرطوں پر عمل کرلینا کافی نہیں ہے بلکہ کسی استاذ یا شیخ کی ضرورت بھی ہے جو اس کی رہنمائی کرے سیدھے راستے پر چلائے' دین کا راستہ انتہائی پیچیدہ اور دشوار گذار ہے' اس کے چاروں طرف شیطانی راستوں کی کثرت ہے' اگر کوئی شخص نہ ملا تو یہ ممکن ہے کہ شیطان قیادت اور رہنمائی کے لیے سامنے آجائے اور سیدھے راستے سے ہٹا کر اپنے راستے پر چلانے کی کوشش کرے' خطرناک راستوں پر راہنما کے بغیر چلنے کا مطلب موت کا سفر ہے' جو لوگ اپنے آپ پر اس حد تک اعتماد کرتے ہیں اور تن تنہا چل پڑتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے راہ میں اُگنے والے پودے' ان کی زندگی مختصر ہوتی ہے' کسی بھی لمحہ ان کی زندگی کا چراغ گل ہو سکتا ہے' اگر کسی وجہ سے رہ بھی گئے تو پھل نہیں دے سکیں گے۔

ان چاروں شرطوں کے بعد جس چیز کی مرید کے لیے زیادہ اہمیت ہے وہ کسی ایسے شیخ کامل کا وجود ہے جس کی ذات اس کے لیے انتہائی قابلِ اعتماد ہو' جس طرح اندھا اپنے ہمراہی پر بھرپور اعتماد کرتا ہے' اور راستے کے ہر نشیب و فراز کی پروا کئے بغیر اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہتا ہے' یہی حال مرید کا ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کردے' اور جس طرح وہ کہتا ہے کرتا رہے' اور یہ یقین رکھے کہ اگر شیخ نے غلطی بھی کی تو مجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ وہ غلطی میرے حق میں مفید ثابت ہوگی' اور شیخ کی غلطی اس سے بہتر ہے کہ میں تن تنہا وادیٔ سلوک طے کروں' اور اتفاقاً صحیح راستے کا انتخاب کرلوں۔

مرشد کا فرض : جب کوئی مرید کسی شخص کو اپنا مرشد اور ہادی بنالے تو اس مرشد کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے مرید کو محفوظ پناہ گاہ

دے اور ایسے مضبوط قلعہ میں اس کی حفاظت کا بندوبست کرے جہاں رہزنوں اور ڈاکوؤں کے قدم نہ پہنچ سکیں۔ اس محفوظ پناہ گاہ اور مضبوط قلعے کی چار دیواریں ہیں خلوت' سکوت' بھوک اور بیداری۔ مرید کا مقصد اپنے قلب کی اصلاح ہے تاکہ ذات حق کا مشاہدہ ممکن ہو اور اس کا قرب میسّر آسکے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے مذکورہ بالا چار چیزیں ضروری ہیں۔ بھوک سے دل کا خون کم ہوتا ہے' اور اس میں سفیدی آجاتی ہے' یہی سفیدی دل کا نور ہے' بھوک سے دل کی چربی پگھل جاتی ہے اور اس میں رِقّت پیدا ہوجاتی ہے' رِقّت مکاشفہ کی کلید ہے اور سختی حجاب ہے' خون کی کمی سے دشمن (شیطان) کی راہیں تنگ ہوجاتی ہیں' کیوں کہ شہوات سے لبریز رگیں ہی اس کی گذرگاہیں ہیں اور وہ انہیں رگوں میں خون کی ساتھ ساتھ پورے جسم میں گردش کرتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریئین سے فرماتے ہیں: اپنے دلوں کو بھوکا رکھو شاید تم اپنے رب کا مشاہدہ کرلو۔ سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ ابدال چار چیزوں سے ابدال بنتے ہیں بھوک' بیداری' خاموشی اور عزلت نشینی سے۔ قلب کی نورانیت میں بھوک کی تاثیر ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے تجربے سے اس کا ثبوت ملتا ہے' کسر الشہوتین کے باب میں اس کی تفصیل آئے گی۔

بیداری سے بھی قلب میں صفائی' جلا اور نُور پیدا ہوتا ہے' بھوک کے نتیجے میں حاصل ہونے والے نُور پر جب اس نور کی زیادتی ہوتی ہے جو بیداری سے حاصل ہوا ہو تو دِل ایک روشن ستارے کی طرح' یا ایک شفاف آئینے کی طرح ہوجاتا ہے جس میں حق کا جمال جھلکتا ہے اور آخرت کے بلند درجات اور دنیا کی حقارت و ذلّت اور آفات کا مشاہدہ ہوتا ہے' اس مشاہدے کے بعد مرید کی نظر میں دنیا کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی' اور وہ آخرت کی طرف پوری طرح متوجہ ہوجاتا ہے۔ بیداری نیند ہی کا نتیجہ ہے اس لیے شکم سیر ہوکر جاگنا ناممکن ہے' نیند سے آدمی مردہ اور سخت ہوجاتا ہے لیکن اگر ضرورت کے مطابق ہو تو اس سے غیبی اَسرار منکشف ہوتے ہیں۔ ابدال کی صفات میں لکھا ہے کہ فاقہ ان کی غذا ہے' نیند غلبہ اور کلام بقدر ضرورت ہے حضرت ابراہیم الخواص فرماتے ہیں کہ ستر فیصد یقین اس امر پر متفق ہیں کہ زیادہ پانی پینے سے نیند زیادہ آتی ہے۔ سکوت سے عزلت آسان ہوجاتی ہے' لیکن عزلت نشین کو بہرحال ان لوگوں سے سابقہ پیش آتا ہے جو اس کے لیے کھانے پینے کا نظم کرتے ہیں اور اس کے امور کی نگرانی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بھی بقدرِ ضرورت کلام کرنا چاہیے کیوں کہ کلام سے آدمی کا دل مشغول ہوجاتا ہے' دل کو کلام سے رغبت یوں بھی زیادہ ہے کیوں کہ ذکر و فکر کی تھکن کلام سے زائل ہوجاتی ہے۔ بہرحال سکوت سے دل کو قوّت حاصل ہوتی ہے' سکوت ورَع و تقویٰ کا باعث ہے۔ خلوت کا فائدہ پورے طور پر اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آنکھ اور کان جو قلب کے دروازے ہیں بند کردیئے جائیں۔ اور قلب کی مصروفیت میں کوئی خلل انداز نہ ہو' جسم میں دل کی مثال ایسی ہے جیسے حوض کہ اس میں چاروں طرف سے گندہ پانی گرتا ہے' ریاضت کا مقصد یہ ہے کہ ان گندی نالیوں کو بند کردیا جائے اور حوض کو اتنا گہرا کھود دیا جائے کہ پانی کے لیے کسی خارجی وسیلے کی ضرورت باقی نہ رہے' بلکہ زمین کی تہہ سے خود بخود صاف شفاف پانی نکلتا رہے۔ حوض کو پانی میں خود کفیل بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اسے گندے پانی سے پوری طرح خالی کرلیا جائے' اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ اس میں گرنے والی تمام نالیاں بند ہوں' اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ نالیاں بھی کھلی رہیں اور حوض میں ہروقت پاک صاف اور تازہ پانی جمع رہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ قلب کی نالیاں حواس ہیں' حواس پر پابندی کی صورت یہی ہے کہ آدمی کسی تاریک مکان میں خلوت نشین ہوجائے اگر کوئی ایسا تاریک کمرہ میسّر نہ آسکے تو سر پر کپڑا ڈال کر ہی بیٹھ جایا کرے' خلوت میں آدمی حق کی آواز سنتا ہے' اور حضرت ربوبیت کے جلال کا مشاہدہ کرتا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی حالت میں حق کی آواز پہنچی تھی' اور خطاب ہوا تھا:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (پ۲۹ ر۱۳ آیت ۸)

اے کپڑے میں لپٹنے والے۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (پ۲۹ ر۱۵ آیت ۱)

اے کپڑے میں لپٹنے والے۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ یہ چاروں چیزیں بھوک' بیداری' سکوت اور خلوت مرید کی پناہ گاہ ہیں' اس کے لیے ڈھال کی حیثیت رکھتی ہیں' ان کے ذریعہ وہ رہزنوں اور راستے کے لٹیروں اور دشمنوں سے اپنی حفاظت کر سکتا ہے۔

سلوک کی ابتدا : ان تمام شرائط کی تکمیل کے بعد اب سلوک کی راہ میں قدم رکھے' اور یہ خیال رکھے کہ راہ میں بہت سی دشوار گذار گھاٹیاں ہوں گی جنہیں عبور کیے بغیر آگے بڑھنا مشکل ہوگا۔ اللہ کی راہ کی گھاٹیاں قلب کی ان صفات کے علاوہ دوسری نہیں ہیں جن سے دنیا کی رغبت پیدا ہوتی ہے ان میں سے بعض گھاٹیاں بڑی ہیں ان کا عبور کرنا مشکل ہے' اور بعض چھوٹی ہیں اور ان کا طے کرنا آسان ہے' ان گھاٹیوں کے طے کرنے میں ترتیب یہ ہے کہ پہلے آسان گھاٹی سے گذرے' پھر اس سے مشکل گھاٹی عبور کرے' پھر اس سے مشکل گھاٹی طے کرے۔ یہ صفات انہی علائق کے اسرار اور آثار ہیں جنہیں ارادات کی ابتدا میں قطع کیا تھا' یعنی مال' جاہ' مخلوق کی طرف التفات' اور معاصی۔ جس طرح ظاہر سے ان علائق کے آثار منقطع کیے گئے ہیں اسی طرح باطن سے بھی ان کا خاتمہ کردیا جائے۔ لیکن اس میں بڑے طویل مجاہدے کی ضرورت ہے۔ یہ بات ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ شہوات کی مخالفت ہی اصل مجاہدہ ہے۔ جب مرید کا دل شہوات سے خالی ہوجائے' اور دل میں شغل کے لیے مانع کوئی علاقہ باقی نہ رہے تو مرشد کو چاہیے کہ وہ مرید کے دل کی مسلسل نگرانی رکھے' اور اسے ظاہری اوراد کی کثرت سے روکے۔ بلکہ اس سے کہے کہ وہ صرف فرائض اور سنن پر اکتفا کرے' زیادہ سے زیادہ اسے ایک ایسا وظیفہ بتلادے جو تمام وظائف کا حاصل اور لبِ لباب ہو' یعنی جب دل غیر اللہ سے خالی ہوجائے تو اللہ کا ذکر کرادے' لیکن یہ ذکر اس وقت تک نہ کرائے جب تک اس کا دل دوسرے علائق کی طرف مائل اور ملتفت ہو' چنانچہ حضرت شبلیؒ اپنے مرید حصری سے فرمایا کرتے تھے کہ جس جمعہ کو تم میرے پاس آتے ہو اگر اس جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی خیال تمہارے دل میں گزرے تو تم میرے پاس مت آیا کرو اس طرح کا تجرد صدق ارادت اور محبت الٰہی کے غلبے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ دل غیر اللہ سے اسی وقت خالی ہوتا ہے جب اللہ کے علاوہ کوئی خیال دل میں نہ آئے اور ایسا عاشق صادق بن جائے کہ ایک فکر کے علاوہ کوئی دوسری فکر باقی نہ رہے۔ اگر کسی مرید کا حال یہ ہوجائے تو مرشد اسے گوشۂ تنہائی میں بیٹھنے کی اجازت دے' اور ایک آدمی مقرر کردے جو اس کے پاس حلال غذا پہنچا دیا کرے۔ غذا کا حلال ہونا بہت ضروری ہے' کیونکہ دین کی اصل یہی ہے کہ حلال غذا کھائے۔ گوشۂ تنہائی کی اجازت دینے کے بعد اسے کوئی ایسا ذکر بتلادے جس میں اس کا دل اور زبان دونوں مشغول رہیں' مثلاً اللہ' اللہ' سبحان اللہ' سبحان اللہ وغیرہ کلمات۔ اس ذکر پر وہ اتنی مُداومت کرے کہ زبان کی حرکت ساقط ہوجائے' اور ایسا معلوم ہو کہ تحریک کے بغیر زبان پر جاری ہے' یہ ورد جاری رہے یہاں تک کہ زبان کا رہا سہا اثر بھی ختم ہوجائے' اور دل میں صرف لفظ کی صورت باقی رہ جائے' ایک مرحلہ وہ آئے کہ دل سے لفظ کے حروف کی صورت بھی مٹ جائے اور اس کے معنیٰ کی حقیقت باقی رہ جائے' اس طرح کہ وہ معنیٰ دل کے ساتھ ہر وقت باقی رہیں' کبھی غائب نہ ہوں' اور نہ اس کی موجودگی میں کسی دوسرے معنیٰ کا خیال آئے۔ جب دل کسی چیز میں مشغول ہوتا ہے خواہ وہ کوئی بھی چیز ہو تو اس کے علاوہ چیز کی گنجائش باقی نہیں رہتی' چنانچہ اگر دل اللہ کے ذکر میں مشغول ہو اور وہی مقصود بھی ہے تو غیر ذکر سے یقیناً خالی ہوجائے گا۔ اس مرحلے میں پہنچنے کے بعد سالک کو اپنے قلب کی نگرانی اچھی طرح کرنی چاہیے' اور کوشش یہ کرنی چاہیے کہ کسی بھی طرح کا کوئی دوسرا تصور دل میں نہ آئے' نہ اپنی ذات سے متعلق اور نہ کسی دوسرے سے متعلق۔ اس لیے کہ اگر دل ذرا سی دیر کے لیے بھی کسی کی طرف ملتفت ہوا ذکر سے خالی ہوجائے گا' خواہ ایک ہی لحہ کے لیے خالی ہو دل کا ایک لحہ کے لیے خالی ہونا بھی بڑا نقصان ہے۔ اس طرح کے نقصان سے بچنا چاہیے۔ وسوسوں کے سلسلے میں تو دل کا حال یہ ہے کہ اگر خارجی وسوسوں سے نجات پاکر اس کلمہ کی طرف دل کو متوجہ کیا جو دل میں جاری ہے تو یہی کلمہ وسوسے کا سبب بن جائے گا کہ یہ کلمہ کیا ہے؟ اس کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس کی عبادت کس لیے کی جاتی ہے؟ یہ وسوسہ فکر کے دروازے کھول دے گا' اور شیطان نت نئے وسوسے لے کر اندر

آجائے گا۔ ان میں ایسے وسوسے بھی ہوں گے جو آدمی کو ایمان کی سلامتی سے کفر کی ہلاکت تک، اور سنت کی نور سے بدعت کی تاریکی تک پہنچا دیں گے، اگر سالک مُستعِد ہو اور ان وسوسوں کی آمد کے راستوں پر سخت نگرانی رکھتا ہو تو کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔

وسوسوں کی دو قسمیں : سالک کو جن وسوسوں سے سابقہ پڑتا ہے وہ دو طرح کے ہیں، کچھ وسوسے وہ ہیں جن کے بارے میں قطعیت کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ باری تعالیٰ ان سے منزّہ اور پاک ہے، لیکن شیطان یہ وسوسے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، اس طرح کے شیطانی طریقوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لگ جائے، اور تضرّع کرے اور اللہ کی پناہ چاہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (پ ۹ ر ۱۴ آیت ۲۰۰)

اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

نیز فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ (پ ۹ ر ۱۴ آیت ۲۰۱)

یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

دوسری قسم میں وہ وسوسے داخل ہیں جن میں تردّد اور شک ہوتا ہے، ان کے بارے میں قطعیّت کے ساتھ یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ باری تعالیٰ ان سے منزّہ ہیں، اس طرح کے وسوسے پیش آئیں تو سالک کو از خود کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے اپنے شیخ کی رائے دریافت کرنی چاہیے، یہی نہیں بلکہ شیخ سے اپنے دل کا ہر حال کہے، خواہ سُستی ہو، یا نشاط ہو، کسی چیز کی طرف التفات ہو، یا صدقِ ارادت ہو، غرضیکہ ہر کیفیت شیخ کو بتلا دینی چاہیے تاکہ وہ علاج تجویز کرسکے، ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ شیخ کے علاوہ اپنا حال کسی کو نہ بتلانا چاہیے شیخ کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنے مرید کے حالات پر گہری نظر رکھے اور اس کی ذہانت اور ذکاوت کے مطابق فیصلہ کرے اگر یہ دیکھے کہ فکر کی اجازت دینے سے مرید خود بخود امرِ حق پر متنبّہ ہو جائے گا تو اسے فکر میں لگا دے، اور یہ کہے کہ وہ اس فکر کا اِلتزام رکھے تاکہ باری تعالیٰ کی جانب سے وہ نور ظاہر ہو جس سے حقائق منکشف ہو جائیں لیکن اگر یہ خیال ہو کہ مرید اپنے ضُعفِ عقل کی بنا پر خود کوئی راستہ تلاش نہ کرسکے گا اور نہ از خود اس پر امرِ حق منکشف ہو گا تو اس کے شکوک کا اِزالہ کردے، اور وہ حقائق بتلا دے جن کا تحمّل کرسکے وعظ و نصیحت کرے اور اس کے معیار کو سامنے رکھ کر کچھ دلائل بھی دے، شیخ کو سمجھانے میں تشدّد سے کام نہ لینا چاہیئے، بلکہ جو کچھ کہنا ہو یا نصیحت کرنی ہو نرمی اور سہولت سے کرے۔ کیونکہ یہ راستہ نہایت دشوار گذار اور مہلک خطرات سے پر ہے۔ بعض مریدین ذکر و فکر کے شغل کے دوران فاسد خیالات کے ہجوم میں گھر جاتے ہیں، اور انہیں حقائق کے کشف پر قدرت نہیں رہتی، نتیجہ وہ لوگ بیکاری کی راہ چل پڑتے ہیں اور ہلاکت سے قریب ہو جاتے ہیں، یہ ایک عظیم تباہی ہے۔ جس شخص کا دل ذکرِ الٰہی کے لیے فارغ ہو، اور مانعِ ذکر علائق موجود نہ ہوں بعض اوقات وہ بھی اس طرح کے فاسد خیالات میں مبتلا ہو جاتا ہے، سالک خطرات سے پر کشتی کا مسافر ہے، اگر بچ کر نکل گیا تو دین کا بادشاہ ہے، نہ بچ سکا تو تباہ و برباد ہے۔ اسی لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

علیکم بدین العجائز (۱)
بڑھیوں کا دین اختیار کرو۔

مطلب یہ ہے کہ اصل ایمان اور ظاہری اعتقادات کی بطریق تقلید تصدیق کرنے کے بعد نیک اعمال میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔ اس کے خلاف عمل کرنے میں بہت سے خطرات ہیں اس لیے بعض لوگوں نے شیخ کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ فراست سے اپنے مرید کا حال دریافت کرے اگر وہ ذہین فطین نہ ہو' بلکہ ظاہری اعتقادات کا حامل ہو تو اسے ذکر و فکر میں مشغول کرنے کی بجائے ظاہری اعمال اور متواتر اوراد میں لگا دینا چاہیے یا ان لوگوں کی خدمت پر متعین کرنا چاہیے جو اپنے آپ کو ذکر و فکر کے لیے وقف کئے ہوئے ہیں تاکہ ان کی برکت اسے بھی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ جو شخص جہاد میں شریک نہ ہو سکے اسے مجاہدین کی خدمت کرنی چاہیے' مثلاً انہیں پانی پلائے' ان کے جانوروں کا دانہ پانی کرے اس خدمت کے عوض قیامت کے روز وہ بھی انشاء اللہ انہی مجاہدین کے زمرہ میں آئے گا' اگرچہ ان کے درجے کی انتہا تک نہ پہنچ سکے گا۔ بعض اوقات مسلسل ذکر و فکر میں لگے رہنے سے مرید پر خوش آئند احوال طاری ہوتے ہیں یا ان کے ہاتھوں کرامات ظاہر ہونے لگتی ہے' یہ احوال اور کرامات بعض کم ظرف مریدین کو عجب ریا اور خوشی میں مبتلا کر دیتی ہیں' یاد رہے کہ یہ کیفیتیں شغل کے لیے مانع ہیں' اگر مرید ان کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس کا نفس ان کیفیتوں میں مشغول ہو گیا تو اس سے راہِ سلوک میں خلل واقع ہو گا' بلکہ اس کا امکان ہے کہ سالک آگے نہ بڑھ سکے' مناسب یہ ہے کہ آدمی زندگی بھر اس پیاسے کا حال بنائے رکھے جسے سمندر کا پانی بھی سیراب نہ کر سکے۔

سالک کا رأس المال مخلوق سے قطع تعلق' اللہ سے وابستگی' اور خلوت ہے۔ بعض سیاح کہتے ہیں کہ میں نے ایک عزلت نشین ابدال کی خدمت میں عرض کیا کہ تحقیق کا راستہ کون سا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تحقیق کی راہ یہ ہے کہ تم دنیا میں اس طرح رہو جس طرح کسی جگہ مسافر رہتا ہے' ایک مرتبہ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیں جس سے میرا دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے۔ فرمایا: مخلوق کی طرف مت دیکھو' ان کی طرف دیکھنا ظلمت ہے' میں نے عرض کیا کہ یہ تو ضروری ہے فرمایا ان کا کلام نہ سنو' اس سے دل میں قساوت پیدا ہوتی ہے' میں نے کہا یہ بھی ضروری ہے' فرمایا ان کے ساتھ کوئی معاملہ نہ کرو' ان سے معاملہ وحشت ہے' میں نے کہا یہ بھی ضروری ہے' میں ان کے درمیان زندگی گزارتا ہوں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی معاملہ نہ ہو' فرمایا ان کے ساتھ مت رہو' ان کے ساتھ رہنا ہلاکت ہے' میں نے عرض کیا کہ یہ بیماری بھی جانے والی نہیں ہے' فرمایا: تم غافلوں کو دیکھتے ہو' جاہلوں کا کلام سنتے ہو' بیکاروں سے معاملات کرتے ہو' اور یہ چاہتے ہو کہ تمہارا دل ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے' ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

ریاضت کا انتہائی درجہ : ریاضت کی انتہا یہ ہی ہے کہ مرید اپنا دل ہر لمحہ ہر آن اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر پائے' اور یہ درجہ اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل غیر خدا سے خالی نہ ہو جائے' اور دل کا غیر خدا سے خالی ہونا طول مجاہدہ کے بغیر ممکن نہیں ہے' جب آدمی کے دل میں اللہ کی یاد کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں رہتی تو اس پر جلال حضرت ربوبیت منکشف ہوتا ہے' حق کی تجلی ہوتی ہے' اور وہ تمام لطائف قدسیہ ظاہر ہوتے ہیں جن کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال اگر کسی مرید پر اللہ کا خاص انعام ہو' اور مذکورہ بالا امور میں سے کوئی امر منکشف ہو جائے تو اس حال کی حفاظت کرے' اس درجہ پر فائز ہونے کے بعد بہت سے رہزن راستہ روکتے ہیں' ان میں سب سے بڑا رہزن یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کیفیات کو بطور پند و نصیحت بیان کرنے لگتا ہے' اور وعظ و

---

(۱) ابن الطاہر کتاب التذکرہ میں کہتے ہیں کہ اگرچہ الفاظ عام لوگوں کی زبانوں پر رائج ہیں لیکن مجھے صحیح یا ضعیف روایت سے اس کی کوئی اصل نہیں ملی' البتہ میں نے ابن عمرؓ سے محمد بن عبدالرحمٰن بن السلمان کی ایک روایت دیکھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "اذا کان فی آخر الزمان واختلف الاھواء فعلیکم بدین اھل البادی والنساء" یہ روایت ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں نقل کی ہے۔

تذکیر کے درپے ہو جاتا ہے۔ اس مشغلے میں نفس کو ناقابل بیان لذت حاصل ہوتی ہے۔ یہ لذت نہیں نشہ ہے' آدمی اپنے نفع نقصان کی پروا کیے بغیر اس مشغلے میں منہمک رہتا ہے یہی نہیں بلکہ اپنے وعظ کو مزید مؤثر اور قابل قبول بنانے کے لیے الفاظ کے انتخاب اور عبارت کی رنگ آمیزی میں لگ جاتا ہے' اور اپنے علمی پندار کو سکون پہنچانے کے لیے حکایات و امثال' اور قرآن و حدیث کے شواہد تلاش کرتا ہے' اور انہیں سامعین کے سامنے پیش کرتا ہے' بعض اوقات شیطان اس کے کان میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ تمہارا یہ عمل عظیم ہے' تمہاری تقریروں سے مُردہ دلوں کو زندگی مل رہی ہے' غفلتوں کے پردے سرک رہے ہیں' تم اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہو' تم کسی منفعت کی خاطر نہیں محض اخلاص اور صدق لانہ جذبے سے اللہ کی مخلوق کو دعوت خیر دیتے ہو۔ شیطان کا یہ فریب اس وقت کھلتا ہے جب سالک کے ہم عصروں میں سے کوئی اور بھی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتا ہو' اور وہ اپنی مقررانہ صلاحیتوں کی وجہ سے لوگوں میں مقبول بھی ہو' اب اگر سالک کے دل میں اس کے لیے جذبۂ حسد پیدا ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کی وعظ گوئی خالص لذت کی خاطر ہے' لوگوں کی بھلائی اور اجر و ثواب کے لیے نہیں ہے۔ اگر اس کا مقصد نیک ہوتا تو وہ ہرگز اپنے ہم عصر واعظ سے حسد نہ کرتا۔ بلکہ خوش ہوتا کہ اسے اس کام میں ایک اور شخص کی اعانت حاصل ہو گئی ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کو بے گور و کفن لاوارث لاش ملے' اور اس کی تکفین و تدفین کی ذمہ داری سر پر آپڑے اور ان حالات میں اسے کوئی ایسا شخص مل جائے جو اس کارِ خیر میں اس کا تعاون کرے تو یہ خوشی کا مقام ہوگا یا حسد کا۔ اسی طرح غافل لوگ مردے ہیں' اگرچہ ان کے جسم چلتے پھرتے اور حرکت کرتے نظر آتے ہیں' مگر فی الحقیقت روح سے خالی ہیں' علماء اور وعاظ مُردہ رُوحوں کو زندگی دیتے ہیں' اگر ایک واعظ کو دوسرے واعظ کی اعانت اور رفاقت میسّر آجائے تو یہ اس کے لیے راحت کا باعث ہے' نہ کہ کلفت کا۔ لیکن دنیا پرست علماء اور واعظین اسے راحت سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ بلکہ ایک دوسرے کی مملکت کی حدود میں مداخلت تصور کرتے ہیں۔ مرید کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے یہ شیطان کا جال ہے' جس کے ذریعہ وہ ان لوگوں پر شب خوں مارتا ہے جو معرفت کی وادی میں قدم رکھتے ہیں' اس جال میں لوگ اس لیے پھنس جاتے ہیں کہ انسانی طبیعت پر دنیا کی محبت غالب ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (پ ۳۰ ر ۱۲ آیت ۱۶)

بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو۔

یہ بھی فرمایا کہ طبائع پر شر کا غلبہ پہلے ہی سے ہے' سابقہ امتوں کی آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى (پ ۳۰ ر ۱۲ آیت ۱۸' ۱۹)

اور یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں۔

مرید کی ریاضت اور تربیت کا یہ ایک مختصر خاکہ ہے' تفصیلی پروگرام اگلے ابواب میں مذکور ہوگا۔ اور یہ بتلایا جائے گا کہ کسی صفت کا ازالہ کس طرح کیا جائے۔ اور کس صفت کو قلب میں کس طرح راسخ کیا جائے۔

انسانی صفات میں سب سے زیادہ غالب پیٹ' شرمگاہ اور زبان کی شہوت ہے اس کے بعد غضب ہے' جو ان شہوتوں کی حمایت کرتا ہے' ان شہوتوں سے مانوس ہونے کے بعد انسان کے دل میں دنیا کی محبت بڑھتی ہے' اور مال و جاہ کی خواہش پیدا ہوتی ہے' اس خواہش کے بطن سے کبر' عجب اور پندار کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں' اور آدمی ان میں کچھ اس طرح پھنستا ہے کہ نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا' دین کا صرف وہی پہلو پسند کرتا ہے جس میں ریاست اور جاہ و اقتدار کا سامان ہوتا ہے۔ معاملے کی اسی نزاکت کے پیش نظر ہم ان دونوں کتابوں کے اختتام پر مہلکات پر گفتگو کریں گے اور یہ گفتگو آٹھ کتابوں میں تمام ہوگی۔ اول: پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت' دوم: زبان کی آفات۔ سوم: غضب' حقد اور حسد۔ چہارم: دنیا کی مذمت اور اس کے فریب کی تفصیل۔ پنجم: مال کی محبت

اور بخل۔ ششم: ریاء اور حبِّ جاہ۔ ہفتم: کبر اور عجب۔ ہشتم: مواقع فریب۔ ان آٹھ کتابوں سے ہمارا وہ مقصد پورا ہو جائے گا جو احیاء العلوم جلد سوم میں ہمارے پیش نظر ہے۔ سابقہ دو کتابوں میں سے پہلی کتاب میں ہم نے قلب کی صفات کی شرح کی ہے' قلب ہی مہلکات اور منجیات کا معدن اور منبع ہے۔ دوسری کتاب میں تہذیب اخلاق کے طریقے اور قلب کے امراض کے لیے نسخہ ہائے شفا تجویز کیے گئے ہیں' یہ گفتگو اجمالی تھی۔ آنے والے ابواب میں ہم ان کی تفصیل بیان کریں گے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

کتاب کسر الشہوتین

شہوتِ شکم و فرج کو توڑنے کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ اولادِ آدم کے لیے سب سے زیادہ مہلک اور تباہ کن شہوتِ پیٹ کی شہوت ہے' اسی کی وجہ سے حضرت آدم و حوا علیہما السلام جنت سے نکالے گئے' اور اس دنیا میں بھیجے گئے' انھیں ایک خاص درخت کھانے سے منع کیا گیا تھا' مگر شہوت غالب آئی' اور انہوں نے وہ درخت کھالیا' اس نافرمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام برائیاں جو اب تک مستور تھیں کھل گئیں۔

شکم۔ تمام شہوات کا سرچشمہ : حقیقت یہ ہے کہ آدمی کا پیٹ ہی تمام شہوتوں کا سرچشمہ اور تمام آفتوں کا منبع اور معدن ہے۔ شہوتِ شکم سے شہوتِ جماع کو تحریک ملتی ہے' جب آدمی کا پیٹ بھرا ہوتا ہے تب ہی وہ یہ سوچتا ہے کہ بہت سی عورتیں نکاح میں ہوں۔ اور خوب صحبت کی لذّت حاصل کی جائے۔ کھانے اور نکاح کرنے کی شہوتیں جاہ و مال کی رغبت پیدا کرتی ہیں' جاہ و مال یہی دو چیزیں ایسی ہیں جو منکوحات اور مطعومات میں توسّع کا ذریعہ بنتی ہیں۔ مال کی کثرت' اور جاہ کی زیادتی سے آدمی میں رعونت' ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی خواہش اور اپنے سے بالاتر کے لیے حسد کے جذبات پیدا ہوتے ہیں' ان کے بطن سے ریا' مفاخرت' اور غرور جیسے عیوب پیدا ہوتے ہیں' کینہ' بغض اور عداوت کے جذبات کو تحریک ملتی ہے' پھر آدمی سرکشی نافرمانی' بغاوت اور تمرد پر کمر باندھ لیتا ہے' منکرات اور فواحش میں مبتلا ہو جاتا ہے' یہ سب معدہ کو خالی نہ رکھنے کے نتائج و ثمرات ہیں' یہ پیٹ بھر کھانا ملنے کا غرور اور نشہ ہے' اگر آدمی اپنے نفس کو بھوک سے ذلیل رکھتا' اور شیطان کی آمد و رفت کے راستوں پر پہرے بٹھا دیتا تو وہ ہرگز سرکشی اختیار نہ کرتا۔ بلکہ اللہ عزوجل کی اطاعت کرتا' کبر و ریا' اور نافرمانی و سرکشی کی راہ نہ چلتا' نہ دنیاوی لذات میں غرق ہوتا' نہ عاجلہ (دنیا) کو عقبیٰ (آخرت) پر ترجیح دینے کی غلطی کرتا' نہ دنیا کے مال و دولت پر اس طرح ٹوٹتا جس طرح کتے اپنے شکار پر جھپٹتے ہیں۔ بہرحال جب شہوتِ شکم کی آفت اتنی زیادہ خطرناک اور مہلک ہے تو اس کے خطرات سے اللہ کے بندوں کو آگاہ کرنا' اور ان سے بچنے کے طریقوں سے واقف کرانا ضروری ہے۔ یہی حال شہوتِ فرج کا ہے' اس لیے کہ فرج کی شہوت پیٹ کی شہوت کے تابع ہے ہم اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے اس گفتگو کو چند ابواب میں مکمل کریں گے۔ ان میں سے پہلے باب میں بھوک کی فضیلت اور شکم سیری کی مذمت بیان ہوگی' پھر اس کے بعد فوائد کا ذکر ہوگا' اس کے بعد کم خوری یا کھانے میں تاخیر کا ذریعہ پیٹ کی شہوت ختم کرنے کے طریقہ ریاضت کی تشریح کی جائے گی۔ بھوک کے سلسلے میں لوگوں کے احوال کا اختلاف بھی بیان کیا جائے گا' پھر شرمگاہ کی شہوت زیر بحث آئے گی' پھر یہ بیان کیا جائے گا کہ مرید کے لیے نکاح کرنا ضروری ہے یا نکاح نہ کرنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کے فضائل ذکر کیے جائیں گے جو پیٹ' شرمگاہ' اور آنکھ کے شہوات کے مخالف ہیں۔

پہلا باب

بھوک کی فضیلت اور شکم سیری کی مذمّت

روایات: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

جاھدوا انفسکم بالجوع والعطش فان الاجر فی ذالک کاجر للمجاھد فی سبیل اللّٰہ فانہ لیس من عمل احب الی اللّٰہ من جوع وعطش (۱)

اپنے نفسوں کے ساتھ بھوک اور پیاس کے ذریعہ مجاہدہ کرو' اس لیے کہ اس میں اتنا ہی اجر ہے جتنا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے لیے اجر ہے کیونکہ اللہ کے نزدیک بھوک اور پیاس سے زیادہ محبوب کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

لا یدخل ملکوت السموات من ملا بطنہ (۲)

آسمان کے فرشتے اس شخص کے پاس نہیں آتے جو اپنا پیٹ بھر لے۔

کسی شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! لوگوں میں افضل کون ہے؟ فرمایا:

من قل مطعمہ وضحکہ ورضی بما یستر عورتہ (۳)

جو کم کھاتا ہو' کم ہنستا ہو' اور اتنے لباس پر خوش رہتا ہو جس سے ستر چھپ جائے۔

اسی مضمون کی کچھ روایات یہ ہیں:۔

سید الاعمال الجوع وذل النفس لباس الصوف (۴)

سب سے بڑا عمل بھوک ہے' اور نفس کی ذلت اون کا لباس ہے۔

البسوا وکلوا واشربوا فی انصاف البطون فانہ جزء من النبوۃ (۵)

پہنو' اور کھاؤ پیو نصف پیٹ' اس لیے کہ یہ نبوت کا ایک حصہ ہے۔

الفکر نصف العبادۃ وقلۃ الطعام ھی العبادۃ (۶)

فکر نصف عبادت ہے' اور کم خوری (پوری) عبادت ہے۔

افضلکم عند اللّٰہ منزلۃ یوم القیامۃ اطولکم جوعا وتفکرا فی اللّٰہ سبحانہ وابغضکم عند اللّٰہ عزوجل یوم القیامۃ کل نوم اکول شروب (۷)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بلند مرتبہ وہ شخص ہوگا جو زیادہ بھوکا رہتا ہوگا' اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا زیادہ فکر کرتا ہو' اور قیامت کے روز اللہ کے نزدیک زیادہ برا وہ شخص ہوگا جو زیادہ سوتا ہو' زیادہ کھاتا ہو اور زیادہ پیتا ہو۔

روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا ضرورت بھی بھوکے رہ لیا کرتے تھے' اس کا مطلب یہ ہے کہ بھوکا رہنا آپ کو پسند تھا۔(۳) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

---

(۱) و (۲) ان دونوں روایتوں کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔ (۳) تا (۷) ان تمام روایات کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔ (۳) بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ اگر ہم شکم سیر ہونا چاہتے تو شکم سیر ہو لیتے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر ایثار کیا کرتے تھے۔

ان اللّٰہ تعالی یباھی الملائکۃ بمن قل مطعمہ وشربہ فی الدنیا' یقول اللّٰہ تعالی: انظروا الی عبدی ابتلیتہ بالطعام والشراب فی الدنیا فصبر' وترکھما' اشھدوا یا ملائکتی' مامن اکلۃ یدعھا الا ابدلتہ بھا درجات فی الجنۃ (ابن عدی فی الکامل(۱)

اللہ تعالی اس شخص پر جس کا دنیا میں کھانا پینا کم ہو فرشتوں میں فخر فرماتا ہے' اور فرشتوں سے کہتا ہے: میرے بندے کو دیکھو کہ میں نے اسے دنیا میں کھانے پینے کی آزمائش میں مبتلا کیا تو اس نے صبر کیا' اور انہیں میری خاطر چھوڑ دیا' اے فرشتو! گواہ رہنا' جو لقمہ بھی اس نے ترک کیا ہے میں اس کے عوض جنت میں درجات عطا کروں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لا تمیتوا القلب بکثرۃ الطعام والشراب فان القلب کالزرع یموت اذا اکثر علیہ الماء(۲)

دل کو کھانے پینے کی زیادتی سے مردہ مت کرو' اس لیے کہ دل کھیتی کی طرح ہے کہ جب کھیتی پر پانی زیادہ پڑ جاتا ہے تو وہ گل (مر) جاتی ہے۔

ماملا ابن آدم وعاء شرا من بطنہ' حسب ابن آدم لقیمات یقمن صلبہ' وان کان لا بدفاعلا فثلث لطعامہ' وثلث لشرابہ وثلث لنفسہ (ترمذی۔ مقدام)

ابن آدم نے کوئی برتن پیٹ سے زیادہ برا نہیں بھرا' ابن آدم کے لیے چند ایسے لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھ سکیں' اگر بھرنا ضروری ہی ہو تو پیٹ کے تین حصے کرنے چاہئیں' ایک حصہ کھانے کے لیے' ایک پانی کے لیے' اور ایک سانس لینے کے لیے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک طویل روایت میں بھوک کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان اقرب الناس من اللّٰہ عزوجل یوم القیامۃ من طال جوعہ وعطشہ وحزنہ فی الدنیا الاحفیاء الاتقیاء الذین ان شھدوا لم یعرفوا وان غابوا لم یفتقدوا تعرفھم بقاع الارض وتحف بھم ملائکۃ السماء نعم الناس بالدنیا ونعموا بطاعۃ اللّٰہ عزوجل افترش الناس الفرش الوثیرۃ' وافترشوا الجباہ والرکب' ضیع الناس فعل النبیین واخلاقھم وحفظوھا' ھم تبکی الارض اذا فقدتھم ویسخط الجبار علی کل بلدۃ لیس فیھا منھم احد لم یتکالبوا علی الدنیا تکالب الکلاب علی الجیف' اکلوا العلق ولبسوا الخرق شعثا غبرا یراھم الناس فیظنون ان بھم داء وما بھم داء' ویقال قد خولطوا فذھبت عقولھم وما ذھبت عقولھم' ولکن نظر القوم بقلوبھم الی امر اللّٰہ الذی اذھب عنھم الدنیا فھم عند اھل الدنیا یمشون بلا عقول عقلوا حین ذھبت عقول الناس' لھم الشرف فی الآخرۃ یا اسامۃ' اذا رایتھم فی بلدۃ فاعلم انھم امان لاھل تلک البلدۃ'

---

(۱) یہ روایت کتاب الصوم میں بھی گزر چکی ہے۔ (۲) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

ولا یعذب اللہ قوماھم فیھم الارض بھم فرحۃ والجبار عنھم راض اتخذھم لنفسک اخوانا عسی ان تنجوابھم وان استطعت ان یاتیک الموت وبطنک جائع وکبدک ظمان فافعل فانک تدری بذلک شرف المنازل وتحل مع النبیین وتفرح بقدوم روحک الملائکۃ ویصلی علیک الجبار (۱)

قیامت کے روز اللہ تعالی سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں زیادہ بھوکے اور پیاسے اور زیادہ غمگین رہے' یہ لوگ ایسے چھپے متقی ہیں کہ اگر موجود ہوں تو کوئی نہ جانے اور غائب ہوں تو کوئی تلاش نہ کرے لیکن زمین کا ذرہ ذرہ ان سے واقف ہے ملائکہ انہیں گھیرے رکھتے ہیں۔ یہی لوگ دنیا میں سب سے اچھے ہیں' اللہ تعالی کی اطاعت بھی اچھی طرح یہی لوگ کرتے ہیں۔ لوگ نرم بچھان انگیز بستر بچھاتے ہیں' اور وہ اپنی پیشانیاں اور گھٹنے ٹیکتے ہیں لوگوں نے انبیاء کا اسوہ اور ان کا اخلاق ضائع کردیا لیکن انہوں نے اس کی حفاظت کی جب یہ رخصت ہوجاتے ہیں تو زمین ان کے لیے روتی ہے' اور باری تعالی اس شہر پر غضب نازل فرماتے ہیں جس میں ان لوگوں میں سے کوئی موجود نہ ہو' یہ دنیا پر نہیں گرتے جس طرح کتے مردار پر گرا کرتے ہیں' یہ سد رمق کے بقدر کھاتے ہیں' پھٹے پرانے کپڑے پہنتے ہیں' پراگندہ حال رہتے ہیں' لوگ انہیں دیکھ کر یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ شاید یہ کسی مرض میں مبتلا ہیں' لیکن حقیقت میں انہیں کوئی بیماری نہیں ہوتی' بعض لوگ انہیں بے وقوف کہتے ہیں' حالانکہ وہ عقل رکھتے ہیں' لیکن (ان میں اس چیز کی عقل نہیں ہوتی) جس پر دنیا والوں کی نظر رہتی ہے اور جسے اللہ نے ان سے دور رکھا ہے' دنیا والے سمجھتے ہیں کہ شاید وہ عقل کے بغیر چل پھر رہے ہیں' حالانکہ جس وقت لوگوں کی عقلیں رخصت ہوجاتی ہیں ان کی عقلیں موجود رہتی ہیں' اے اسامہ! آخرت میں ایسے ہی لوگوں کے لیے شرف اور فضیلت ہے' جب تم انہیں کسی شہر میں دیکھو تو سمجھ لو کہ اہل شہر کے لیے پروانہ امن آگیا ہے۔ اللہ تعالی کسی ایسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جس میں یہ لوگ موجود ہوں' زمین ان سے خوش رہتی ہے' اور اللہ ان سے راضی رہتا ہے۔ انہیں تم اپنا بھائی بنالو شاید ان کے واسطے سے تمہیں بھی نجات مل جائے (اے اسامہ) اگر تم یہ کرسکو کہ جب تمہاری موت آئے تو تمہارا پیٹ بھوکا اور جگر پیاسا ہو تو ایسا کرو' اس کی وجہ سے تمہیں منازل آخرت کا شرف حاصل ہوگا۔ اور تم انبیاء کے ساتھ رہو گے' تمہاری روح کی آمد سے فرشتے خوش ہوں گے' اور اللہ تعالی تم پر رحمت نازل فرمائے گا۔

حضرت حسنؓ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

البسوا الصوف وشمروا و کلوا فی انصاف البطون تدخلوا فی ملکوت السماء (ابو منصور دیلمی بسند ضعیف)

اون پہنو' مستعد رہو' اور نصف پیٹ کھاؤ آسمان کے فرشتوں میں داخل ہوجاؤ گے۔

حضرت عیسی علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ اپنے معدوں کو بھوکا رکھو اور جسموں کو عریاں رکھو تاکہ تمہارے قلوب میں باری تعالی کے مشاہدے کی قوت پیدا ہوجائے' اسی طرح کی ایک روایت طاؤس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نقل کی ہے (۲)۔ تورات کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالی موٹے عالم کو پسند نہیں کرتا' اس لیے کہ موٹاپا غفلت اور بسیار خوری

---

(۱) یہ روایت خطیب نے کتاب الزہد میں سعید بن زید سے کچھ تقدیم و تاخیر و حذف و اضافہ کے ساتھ نقل کی ہے' ابن جوزی نے اسے الموضوعات میں نقل کیا ہے' اس میں ایک راوی عبداللہ بن جبلہ ہے جسے کذاب کہا جاتا ہے۔ (۲) یہ روایت مجھے نہیں ملی۔

پر دلالت کرتا ہے' اور یہ ایک بری عادت ہے' خاص طور پر علماء کے لیے' اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ موٹے قاری کو پسند نہیں کرتا۔ ایک مرسل روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم فضیقوا مجاریہ بالجوع والعطش(۱)

شیطان آدمی کی رگوں میں دوڑتا ہے' اس کے راستے بھوک اور پیاس کے ذریعہ تنگ کردو۔

ایک روایت میں ہے کہ شکم سیری پر کھانے سے برص کا مرض پیدا ہوتا ہے۔(۲) سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

المؤمن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعة امعاء (بخاری و مسلم۔ عمرؓ ابو ہریرہؓ)

مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کافر مؤمن کے مقابلے میں سات گنا زیادہ کھاتا ہے' یہاں آنت کو شہوت کے لیے بطور مجاز استعمال کیا گیا ہے' اس لیے کہ جس طرح آنتیں کھانا لیتی اور قبول کرتی ہیں اسی طرح شہوت بھی کھانا لیتی اور قبول کرتی ہے' اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مومن کے پیٹ میں آنتیں کم اور کافر کے زیادہ ہوتی ہیں۔ حضرت حسنؓ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ فرمایا کرتے تھے۔

ادیموا قرع باب الجنة یفتح لکم

جنت کا دروازہ ہمیشہ کھٹکھٹاتے رہو تمہارے لیے کھول دیا جائے گا۔

انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جنت کا دروازہ کس طرح کھٹکھٹائیں آپ نے فرمایا: بھوک اور پیاس سے۔(۳) ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابو جحیفہؓ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ڈکار لی' آپ نے ارشاد فرمایا:

اقصر من جشائک فان اطول الناس جوعا یوم القیامة اکثرھم شبعا فی الدنیا

اپنی ڈکار کم کرو' اس لیے کہ قیامت کے روز زیادہ بھوکا وہی ہوگا جو دنیا میں زیادہ شکم سیر ہوگا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا' میں بعض اوقات آپ پر بھوک کے آثار دیکھ کر رو پڑتی تھی' اور آپ کے بطنِ مبارک پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا کرتی تھی کہ میری جان آپ پر فدا ہو' آپ اتنا ضرور کھا لیا کریں جس سے طاقت آئے اور بھوک ختم ہو' آپ ارشاد فرماتے تھے: اے عائشہؓ! میرے اولوالعزم پیغمبر بھائیوں نے اس سے بھی کہیں زیادہ صبر آزما تکلیفوں پر صبر کیا ہے' جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے اور اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہوئے تو ان کو زبردست اجر و ثواب' اور بے پناہ عزت و تکریم ملی' مجھے شرم آتی ہے' ایسا نہ ہو کہ کل کو چند روزہ زندگی کی آسائش کی وجہ سے مجھے ان کے مقابلے کم تر درجہ ملے۔ میرے لیے چند دن صبر کی مشقت برداشت کرنا اس سے بہتر ہے کہ کل آخرت میں میرا حصہ کم ہو' اور مجھے اس کے علاوہ کوئی بات پسند نہیں کہ میں اپنے دوستوں اور بھائیوں کے ہمراہ رہوں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس گفتگو پر ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا تھا کہ آپ اپنے رب کریم سے جا ملے۔(۴) ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ آپ کی خدمت میں روٹی کا ٹکڑا لے

---

(۱) اس روایت کا پہلا ٹکڑا کتاب الصوم میں ابن ابی الدنیا کے حوالے سے گذر چکا ہے' یہ روایت اگرچہ مرسل ہے' لیکن اس میں دوسرے ٹکڑے کا اضافہ نہیں ہے۔ (۲) یہ روایت بھی مجھے نہیں ملی۔ (۳) بیہقی شعب الایمان من حدیث ابی جحیفہ اس کی اصل ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں ڈکار لی۔ اس میں ابو جحیفہ کا ذکر نہیں ہے۔ (۴) مجھے یہ روایت بھی نہیں ملی۔

کر حاضر ہوئیں' آپ نے پوچھا: اے فاطمہؓ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے روٹی پکائی تھی' میرے دل نے آپ کے بغیر کھانا گوارا نہیں کیا اس لیے یہ ٹکڑا لے کر آئی ہوں۔ آپ نے فرمایا: یہ پہلی غذا ہے جو تین روز کے بعد تیرے باپ کے منہ میں جارہی ہے(۱)۔ حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروالوں کو تین دن تک مسلسل گیہوں کی روٹی پیٹ بھر نہیں دی' یہاں تک کہ دنیا سے پردہ فرمایا۔(۲) ارشاد نبوی ہے:۔

ان اهل الجوع فى الدنيا هم اهل الشبع فى الاخرة وان ابغض الناس الى الله المتخمون الملاى وما ترك عبد اكلة يشتهيها الا كانت له درجة فى الجنة (طبرانی' ابونعیم۔ ابن عباسؓ)

دنیا میں بھوکے رہنے والے آخرت میں شکم سیر ہوں گے' اللہ کے نزدیک مبغوض ترین لوگ وہ ہوں گے جو بدہضمی کے شکار ہوں اور پیٹ بھرے ہوئے ہوں۔ جو بندہ ایک لقمہ خواہش کے باوجود چھوڑ دیتا ہے اس کے عوض اسے جنت میں ایک درجہ ملتا ہے۔

آثار : حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ پیٹ بھرنے سے بچو' اس لیے کہ یہ زندگی میں گرانی کا باعث' اور مرنے کے بعد تعفن کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ شقیق بلخیؒ فرماتے ہیں کہ عبادت ایک پیشہ ہے' اس کی دکان خلوت ہے اور سامان بھوک ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! جب معدہ بھرا ہوتا ہے تو فکر کی قوت سوجاتی ہے' حکمت گونگی ہوجاتی ہے' اعضاء عبادت میں سستی کرنے لگتے ہیں۔ فضیل بن عیاضؒ اپنے نفس سے دریافت فرماتے! اے نفس! تجھے کس چیز کا خوف ہے؟ کیا تو بھوک سے ڈرتا ہے' بھوک سے مت ڈر' کیوں کہ بھوک سے انسان ہلکا پھلکا رہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب بھوکے رہتے تھے' کہمس کہا کرتے تھے اے اللہ! تو نے مجھے بھوکا رکھا' ننگا رکھا تاریک راتوں میں روشنی سے محروم رکھا' کیسے کیسے حیلوں سے مجھے اس درجے تک پہنچایا۔ فتح موصلی کو جب بھوک ستاتی' اور مرض شدت اختیار کرتا تو ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوتے اے اللہ! تو نے مجھے بھوک اور مرض میں مبتلا کیا ہے' تو اپنے دوستوں کو اسی طرح کی آزمائشوں میں ڈالتا ہے' میں اس نعمت کا کس طرح شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھے عطا کی ہے' مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن واسع سے کہا: اے ابو عبداللہ! وہ شخص کتنا خوش قسمت ہے جس کے پاس غلے کی کچھ مقدار موجود ہو اور وہ نان شبینہ کے لئے کسی کا دست نگر نہ ہو۔ انہوں نے فرمایا: اے ابو یحیٰ! خوش قسمت وہ شخص ہے جو صبح و شام بھوکا رہے اور اللہ کی خوشنودی سے محروم نہ ہو۔ فضیل بن عیاضؒ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! تو نے مجھے اور میرے عیال کو بھوکا رکھا ہے اور مجھے رات کی تاریکیوں میں چراغ سے محروم کیا ہے' تیرا یہ رویہ اپنے دوستوں کے ساتھ رہتا ہے' مجھے یہ بڑا رتبہ کیسے ملے گا؟ یحیٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ راغبین کی بھوک تنبیہہ کے لیے' تائبین کی بھوک امتحان کے لیے' مجتہدین کی بزرگی کے لیے' صابرین کی سیاست کے لیے' اور زاہدین کی حکمت کے لیے ہوتی ہے' تورات میں ہے کہ لوگو! اللہ سے ڈرو' اور جب پیٹ بھرا ہو تو بھوکوں کو یاد کرو۔ ابو سلیمان کہتے ہیں کہ میں رات کو کھانا کھانے سے بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ صبح تک نماز میں مشغول رہوں' یہ بھی فرماتے تھے کہ بھوک اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا بیش بہا خزانہ ہے جو صرف محبوب بندوں کو عطا کیا جاتا ہے سہل بن عبداللہ تستری بیس بیس دن تک بھوکے رہتے' ان کی سال بھر کی غذا کے لیے ایک درہم کافی ہوجاتا' بھوک سے زیادہ کوئی شے ان کے یہاں عظیم نہیں تھی' فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز اس سے بہتر کوئی عمل نہ ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں زائد از ضرورت کھانا ترک کردیا جائے' یہ بھی فرماتے کہ عقلمندوں کے نزدیک بھوک سے زیادہ کوئی چیز دین و دنیا میں مفید نہیں ہے' فرماتے تھے کہ طالبانِ دین کے لیے کھانے سے زیادہ ضرر رساں چیز کوئی دوسری نہیں ہے' حکمت اور

---

(۱) یہ روایت حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں ضعیف سند سے نقل کی ہے۔ (۲) مسلم۔

علم کا منبع بھوک ہے اور معصیت و جہل کا سرچشمہ شکم سیری ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ عظیم تر عبادت خواہش نفس کی مخالفت میں حلال غذا ترک کرنا ہے۔ ایک حدیث میں تہائی پیٹ کو غذا کے لیے قرار دیا گیا ہے' اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جو شخص تہائی پیٹ سے زیادہ کھاتا ہے وہ اپنی نیکیاں کھاتا ہے۔(۱) ان سے درجے کی زیادتی کا حال پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس درجے کی فضیلت اس وقت تک حاصل نہ ہوگی جب تک کسی کے نزدیک غذا کا نہ کھانا کھانے کی بہ نسبت محبوب نہ ہو' نیز یہ کہ اگر ایک رات بھوکا رہے تو دو راتیں بھوکا رہنے کی دعا کرے۔ یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ ابدال ہوئے ہیں وہ صرف بھوک' بیداری' خاموشی اور خلوت کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ آسمان سے زمین پر آنے والی ہر نیکی کی جڑ بھوک ہے' اور آسمان و زمین کے مابین ہر برائی کی اصل شکم سیری ہے' فرمایا: جو شخص بھوکا رہتا ہے' اس سے وسوسے منقطع ہو جاتے ہیں بندے پر اللہ کی توجہ بھوک اور آزمائش کی بنا پر ہوتی ہے الا ماشاء اللہ' یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اس زمانے میں بھوک' بیداری' اور محنت کے ذریعہ اپنے نفس کو ذبح کئے بغیر نجات ملنی مشکل ہے' فرمایا: کہ جو لوگ پانی سیراب ہو کر پی لیتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ وہ معصیت سے محفوظ رہتے ہوں گے اگرچہ وہ اللہ کا شکر ہی کیوں نہ ادا کریں' جب پانی کا حال یہ ہے تو کھانے کا حال کیا ہوگا؟ ایک عقلمند سے پوچھا گیا کہ میں اپنے نفس کو کس طرح قید کروں؟ اس نے جواب دیا: بھوک پیاس کے ذریعہ قید کر' گمنامی' اور ترک عزت سے ذلیل کر' اسے آخرت والوں کے جوتوں سے روند' پڑھے لکھے لوگوں کا لباس ترک کرکے اس کا غرور ختم کر' اس کے متعلق ہمیشہ بدگمانی میں مبتلا رہ' اور ہمیشہ اس کی خواہش کے خلاف عمل کر۔ عبدالواحد بن زید قسم کھا کر یہ بات کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو صفاءِ قلب سے نوازا ہے' جنہیں پانی پر چلنے کی قدرت دی ہے' جن کے لیے زمین لپیٹی گئی ہے' جن کی کفالت کرتا ہے ان سب چیزوں کا سبب بھوک ہے۔ ابو طالب مکی کہتے ہیں کہ پیٹ کی مثال ایسی ہے جیسے ستار کہ وہ اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے' خالی لکڑی میں باریک باریک تار لگے رہتے ہیں' اس کی آواز کی خوبصورتی کا راز خفت اور سبک پن ہی تو ہے' یہی حال پیٹ کا ہے' اگر خالی ہو تو تلاوت بھی شیریں معلوم ہوتی ہے' شب بیداری اور کم خوابی پر مداومت بھی سہل ہوتی ہے۔ ابوبکر بن عبداللہ المزنی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کو محبوب رکھتا ہے' کم خواب' کم خور' کم راحت۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو ماہ تک مسلسل صبح کے وقت کچھ کھائے بغیر مصروف مناجات رہے' ایک دن اچانک دل میں روٹی کا خیال آیا' روٹی تو سامنے آگئی لیکن مناجات کا سلسلہ رک گیا' آپ رونے لگے' اتنے میں ایک بوڑھا ان کے پاس آیا آپ نے اس سے کہا کہ اے ولی اللہ! میں مصروفِ عبادت تھا' اچانک روٹی کا خیال آگیا' عبادت منقطع ہوگئی میرے لیے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری سابقہ حالت لوٹا دے۔ بوڑھے نے کہا کہ اے اللہ! جب سے میں نے تجھے پہچانا ہے اس دوران اگر کبھی مجھے روٹی کا خیال آیا ہو تو میری مغفرت مت کرنا' بلکہ جو کچھ بھی میرے سامنے آجاتا میں کسی فکر کے بغیر کھا لیتا۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کے شرف سے اس وقت نوازا جب انہوں نے چالیس دن تک کھانا چھوڑے رکھا۔

بھوک کے فوائد اور شکم سیری کے نقصانات

بھوک کے فضائل کے سلسلے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس عمل کے جس میں سراسر معدہ کو ایذا پہنچانا ہے اتنے فضائل کیوں ہیں' اگر اپنے آپ کو ایذا پہنچانا کوئی اچھا عمل ہے تو اس کی دوسری صورتیں بھی ہو سکتی ہیں مثلاً اپنے جسم پر لکڑی مارنا' اپنا گوشت کاٹنا' ناپسندیدہ چیزیں کھانا وغیرہ۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں کی اجازت نہیں دی گئی ہے' پھر معدہ کو ایذاء پہنچانا ہی اتنا

---

(۱) یہ روایت اسی باب میں گذر چکی ہے۔

اچھا عمل کیوں ٹھہرا کہ اسے تمام اعمال خیر کی بنیاد و اساس قرار دے دیا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بھوک کی نظیر دوا ہے' اگر کوئی شخص دوا سے صحت یاب ہو جائے اور یہ گمان کرنے لگے کہ مجھے اس کی تلخی اور کڑوے پن کی وجہ سے شفا ملی ہے اور اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرے کہ ہر تلخ اور کڑوی چیز نفع بخش ہو سکتی ہے چنانچہ تمام تلخ اور کڑوی چیزیں کھانے لگے تو اس سے کہا جائے گا کہ دوا کی تلخی شفاء میں مؤثر نہیں ہوتی' بلکہ اس میں ایک خاصیت ہے جسے صرف اطباء جانتے ہیں۔ یہی حال بھوک کا ہے اس کے نفع سے علماء واقف ہیں' جو شخص شریعت میں وارد بھوک کے فضائل کے اعتقاد رکھتے ہوئے بھوکا رہے گا وہ نفع اٹھائے گا خواہ بھوک کے نتیجے میں حاصل ہونے والے بھوک کے سبب سے واقف ہو یا نہ ہو۔ لیکن ہم ان لوگوں کے لیے جو درجہ اعتقاد سے درجہ علم تک پہنچنا چاہتے ہیں ان فوائد کی تشریح کریں گے۔ اہل ایمان کے درجات مختلف ہوتے ہی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (پ ۲۸ ر ۲ آیت ۱۱)

اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کرے گا۔

بھوک کے دس فائدے ہیں' ذیل میں ہر فائدے الگ الگ بیان کرتے ہیں:۔

پہلا فائدہ۔ صفائے قلب: صفائے قلب میں طبیعت کی روانی' اور بصیرت کا کمال بھی شامل ہے' شکم سیری سے غباوت پیدا ہوتی ہے' قلب کا نور ماند پڑ جاتا ہے' ذہن تاریک ہو جاتا ہے اور دماغ میں نشہ کی طرح کے بخارات پھیل جاتے ہیں' اور اس طرح احاطہ کر لیتے ہیں کہ فکر کی گنجائش نہیں رہتی' دل کسی بات کا جلد ادراک نہیں کرپاتا' اور سوچنے سمجھنے کی تمام تر قوتیں معدوم ہو جاتی ہیں' چنانچہ جو بچہ زیادہ کھاتا ہے اس کے حفظ کی قوت کم ہو جاتی ہے' اس کا ذہن فاسد ہو جاتا ہے اور ذہانت کی جگہ غباوت لے لیتی ہے۔ ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ بھوک اختیار کرو' بھوک سے نفس ذلیل ہوتا ہے' قلب میں گداز پیدا ہوتا ہے اور آسمانی علوم کے وارث بننے کی اہلیت پیدا ہوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

احيوا قلوبكم بقلة الضحك وقلة الشبع وطهروها بالجوع تصفو وترق (۱)

اپنے دلوں کو کم ہنسنے اور کم کھانے سے زندہ رکھو' اور بھوک سے پاک کرو' وہ صاف اور نرم رہیں گے۔

بھوک کی مثال رعد ہے' قناعت کی مثال بادل سے' اور حکمت کی مثال بارش سے دی جاتی ہے' مطلب یہ ہے کہ بھوک اور قناعت ہی سے حکمت حاصل ہوتی ہے' جس طرح بادل اور رعد کے نتیجے میں بارش پڑتی ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

من اجاع بطنه عظمت فكرته وفطن قلبه (۲)

جو شخص بھوکا رہتا ہے اس کی فکر عظیم اور قلب ذہین ہو جاتا ہے۔

ابن عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں:۔

من شبع ونام قسا قلبه (ثم قال) لكل شئى زكوة وزكاة البدن الجوع (۳)

جس شخص نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور سویا اس کا دل سخت ہوا (پھر فرمایا) ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہے اور بدن کی زکوٰۃ بھوک ہے۔

شبلیؒ کہتے ہیں کہ میں جس دن بھی اللہ کی خاطر بھوکا رہا میرے دل میں حکمت و عبرت کے ایسے دروا ہوئے جن سے میں پہلے کبھی

---

(۱) اس کی اصل مجھے نہیں ملی۔ (۲) اس کی اصل مجھے نہیں ملی۔ (۳) غالباً یہ روایت ابن ماجہ میں واقع حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت سے ماخوذ ہے لكل شئى زكوة وزكوة الجسد الصوم

آشنا نہیں ہوا تھا' واضح رہے کہ عبادت کا اصل مقصد اس فکر کا حصول ہے جو معرفت اور حقائق باری کے کشف تک پہنچادے' اور شکم سیری اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے' بھوک سے معرفت کے دروازے کھلتے ہیں' اور معرفت جنت کا دروازہ ہے' اس اعتبار سے بھوک جنت کے دروازے پر دستک کی حیثیت رکھتی ہے' اسی لیے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا تھا کہ اے بیٹے! جب معدہ پُر ہوتا ہے تو فکر کی قوت سوجاتی ہے' حکمت گونگی ہوجاتی ہے' اور اعضاء میں عبادت کی سکت باقی نہیں رہتی۔ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ بھوک ربڑ کی طرح ہے' جب بندہ بھوکا رہتا ہے تو قلب سے حکمت کی بارشیں ہوتی ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

نور الحکمة الجوع والتباعد من اللّٰہ عزوجل الشبع' والقربة الی اللّٰہ عزوجل حب المساکین والدنو منھم' لا تشبعوا فتطفوا نور الحکمة من قلوبکم' ومن بات فی خفة من الطعام بات الحور حولہ حتی یصبح (ابو منصور دیلمی۔ ابو ہریرہؓ)

حکمت کا نور بھوک ہے' اور اللہ تعالیٰ سے دوری (کا سبب) شکم سیری ہے' اللہ تعالیٰ کی قربت مساکین کی محبت اور ان سے قریب ہونا ہے' پیٹ بھر کر مت کھاؤ' اس سے تم اپنے دل سے حکمت کی شمع گل کردوگے' جو شخص ہلکا پیٹ ہوتا ہے اس کے ارد گرد صبح تک حوریں رہتی ہیں۔

دوسرا فائدہ۔ رقت قلب : بھوک سے قلب نرم ہوتا ہے' اور اس میں ذکر سے لذت حاصل کرنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے بسا اوقات حضور قلب کے ساتھ زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہوتا ہے لیکن نہ لذت ملتی ہے اور نہ دل متأثر ہوتا ہے گویا قلب اور ذکر کے درمیان حجاب ہوتا ہے جسے قساوت کہہ سکتے ہیں' بعض اوقات دل میں اتنی نرمی اور رقت پیدا ہوتی ہے کہ آدمی ذکر اور مناجات سے بے پناہ لذت حاصل کرتا ہے' اس حصول لذت کا زیادہ تر ظاہر سبب معدہ کا غذا سے خالی ہونا ہے۔ ابو سلیمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ اس وقت عبادت کتنی زیادہ لذیذ اور شیریں ہوگی جب میری پیٹھ پیٹ سے لگ جائے گی جنید فرماتے ہیں کہ بعض آدمی اپنے سینوں میں کھانے کی گنجائش رکھتے ہیں اور پھر مناجات کی حلاوت چاہتے ہیں' ابو سلیمان یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی بھوکا پیاسا ہوتا ہے تو اس کا قلب صاف اور نرم ہوتا ہے' اور جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو اس کا دل اندھا اور کثیف ہوتا ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ فکر کا سہل ہونا' اور معرفت کا حاصل ہونا ایک الگ چیز ہے' اور اس سے لذت پانا ایک الگ شئے ہے۔

تیسرا فائدہ۔ تواضع اور انکساری : بھوک کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تواضع اور انکساری پیدا ہوتی ہے' اتراہٹ اور خوشی کا خاتمہ ہوتا ہے' یہ دونوں چیزیں سرکشی اور باری تعالیٰ سے غفلت کا سرچشمہ ہیں نفس کسی چیز سے اتنا منکسر اور ذلیل نہیں ہوتا جتنا بھوک سے ہوتا ہے' آدمی بھوکا ہو تو اپنے رب کا نام لیتا ہے' اس کی اطاعت کرتا ہے' اور ذلیل و عاجز بنا رہتا ہے' بھوک کے وقت اس کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے' اور ایک ٹکڑا روٹی اور ایک گھونٹ پانی کے نہ ہونے کی وجہ سے زندگی تنگ ہوجاتی ہے' جب تک انسان اپنے نفس کی ذلت اور عجز کا مشاہدہ نہیں کرتا اس وقت تک اپنے مولیٰ کی عظمت اور قہر کا اعتراف نہیں کرتا' انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ ہمیشہ ذلت اور عجز کی آنکھوں سے اپنے نفس کا اور عزت و قدرت کی نگاہوں سے باری تعالیٰ کا مشاہدہ کرے ہمیشہ بھوکا رہے' اور باری تعالیٰ کا محتاج نظر آئے' اسی احتیاج اور اضطرار میں لذت پائے یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا اور اس کے خزانے رکھے گئے تو آپ نے فرمایا:۔

لا بل اجوع یوما واشبع یوما فاذا جعت صبرت و تضرعت واذا شبعت شکرت (ترمذی)

نہیں! بلکہ میں ایک دن بھوکا رہوں گا' اور ایک دن کھاؤں گا' جب بھوکا رہوں گا تو صبر کروں گا اور تضرع

کروں گا' اور جب شکم سیر ہوں گا تو اللہ کا شکر ادا کروں گا۔

پیٹ اور شرمگاہ دونوں دوزخ کے دروازے ہیں' اور ان کا راستہ شکم سیری سے ہو کر گذرتا ہے' ذلت اور انکساری جنت کے دروازے ہیں اور ان تک پہنچنے والا راستہ بھوک کا راستہ ہے' جو شخص دوزخ کا ایک دروازہ بند کرتا ہے وہ یقینی طور پر جنت کا دروازہ کھولتا ہے کیونکہ جنت و دوزخ مغرب و مشرق کی طرح ایک دوسرے کے متقابل ہیں' ان میں سے ایک سے قربت دوسرے سے دوری ہے۔

چوتھا فائدہ۔ عذاب الہی کی یاد اور اہل مصائب سے عبرت : اس کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ آدمی اللہ کے عذاب کو فراموش نہ کرے اور ان لوگوں کو یاد رکھے جو کسی مصیبت میں گرفتار ہیں' ہوتا یہ ہے کہ شکم سیر بھوک کو بھول جاتا ہے۔ عقلمند انسان وہی ہے جو کسی کو مصیبت میں گرفتار دیکھے تو آخرت کی مصیبت یاد کرے' پیاس سے یہ تصور کرے کہ قیامت کے روز میدان حشر میں لوگ پیاس سے بے چین ہوں گے' بھوک سے دوزخ والوں کی بھوک کا تصور کرے کہ جب انہیں بھوک پیاس لگے گی تو وہ خار دار درخت کھائیں گے اور پیپ اور خون پئیں گے' بندہ کی نگاہوں سے کسی بھی وقت آخرت کا عذاب اور اس کی تکالیف او جھل نہ رہنی چاہئیں' اس سے خوف الہی کو تحریک ملتی ہے' اور آدمی گناہوں سے اپنا دامن بچا بچا کر چلتا ہے جو شخص نہ ذلت کا شکار ہو' نہ مال کی تنگی کا شاکی ہو' نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو' اور نہ کسی مرض میں مبتلا ہو وہ عموماً آخرت کے عذاب سے غافل ہو جاتا ہے نہ اس کے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات رہتی ہے کہ کل قیامت کے دن مواخذہ ہوگا' اور نہ دل پر اللہ کا خوف غالب آتا ہے۔ اس لیے بندے کے حق میں بہتر یہی ہے کہ وہ کسی پریشانی اور مصیبت میں مبتلا رہے' یہ نہ ہو تو کم از کم پریشانی اور مصیبت اس کے مشاہدے میں رہے سب سے بڑی مصیبت اور باعث تکلیف پریشانی بھوک کی پریشانی ہے آدمی سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن بھوک برداشت نہیں کر سکتا۔ عذاب آخرت کی یاد کے علاوہ بھی بھوک کے بے شمار فوائد ہیں۔ انبیاء اور اولیاء اللہ کی آزمائش اور ابتلاء کا راز بھی یہی ہے کہ اس طرح کے مصائب سے آخرت کا استحضار رہتا ہے' اور آخرت کے مسلسل تصور سے درجات میں ترقی ہوتی ہے' حضرت یوسف علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں جب کہ مصر کے خزانوں کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں ہیں؟ فرمایا: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ شکم سیر ہو کر بھوکوں کو فراموش نہ کردوں بھوکوں اور غریبوں کو یاد رکھنا بھی بے شمار فوائد میں سے ایک اہم فائدہ ہے۔ اس سے دل میں لوگوں پر شفقت اور رحم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں' اور کھانا کھلانے کی خواہش ہوتی ہے شکم سیر بھوکے کی تکلیف کا کیا احساس کرے گا۔

پانچواں فائدہ۔ شہوات کا قلع قمع' اور نفس امارہ پر غلبہ : یہ سب سے اہم فائدہ ہے' تمام گناہوں کا ماخذ شہوتیں اور انسانی قوتیں ہیں' انہیں غذاؤں اور کھانوں سے مدد ملتی ہے' اگر غذا کم ہو تو شہوت کمزور ہوگی' اور قوت میں اضمحلال پیدا ہوگا' کمال سعادت یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس پر غالب ہو' اور کمال شقاوت یہ ہے کہ آدمی کا نفس اس پر غالب ہو' جس طرح سرکش گھوڑے کو آب و دانہ سے محروم رکھ کر قابو میں کیا جاتا ہے اسی طرح سرکش نفس کو بھوکا رکھ کر مغلوب کیا جا سکتا ہے' گھوڑا سرکش ہو' اور خوب کھاتا پیتا ہو تو اس کی سرکشی کم نہیں ہوتی بلکہ اور بڑھ جاتی ہے' یہی حال نفس کا ہے کہ اسے زیادہ غذائیں خاص طور پر مرغوب اور دل پسند غذائیں مزید سرکش اور نافرمان بنا دیتی ہیں۔ ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ آپ بہت کمزور ہیں' اور عمر کے نازک مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں اپنے جسم کی نگہداشت کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بھائی یہ جسم بہت جلد اترا جاتا ہے' ذرا سی باگ ڈھیلی ہو تو نت نئی شرارتیں کرنے لگتا ہے' میں اس کے (کھانے کی) نگہداشت اس لیے نہیں کرتا کہ کہیں یہ سرکش نہ ہو جائے' اور مجھے ہلاکت میں نہ ڈال دے۔ نفس کی وجہ سے کسی گناہ میں پڑنے سے بہتر یہ ہے کہ اس کے ساتھ سختی سے پیش آیا جائے اور ذرا نرمی نہ برتی جائے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا کسی

گناہ میں مبتلا ہوا' یا دل میں کسی گناہ کا خیال آیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلی بدعت شکم سیری کی صورت میں ظاہر ہوئی' جب لوگوں کے پیٹ بھرے ہوتے ہیں تو ان کے نفس سرکشی اختیار کرلیتے ہیں' اور ان کی باگ آخرت سے موڑ کر دنیا کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ یہ تنہا ایک فائدہ نہیں ہے' بلکہ اس ایک فائدے میں بے شمار فوائد مخفی ہیں' بلکہ اسے خزانہ فوائد کہنا زیادہ بہتر ہوگا' اس لیے بھوک کو بھی اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کہا گیا ہے۔ بھوک کا ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ اس سے نہ فرج کی شہوت رہتی ہے اور نہ کلام کی' بھوکے کا دل زیادہ بولنے کو نہیں چاہتا اس طرح وہ کلام کی لغویات جھوٹ' غیبت' فحش اور چغلی سے محفوظ رہتا ہے' پیٹ بھرے ہوئے کو مذاق سوجھتا ہے' ظاہر ہے وہ اپنے خوش طبعی کے ذوق کو لوگوں کی پگڑی اچھال کر ہی سکون پہنچائے گا۔ لوگ جہنم میں اپنی زبانوں کا بویا کاٹنے ہی کے لیے جائیں گے۔ زنا کی برائی واضح ہے' لیکن بھوکا آدمی اس کے شر سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ پیٹ بھرا ہو تو شہوت سر ابھارتی ہے' اور آدمی اپنی شرمگاہ پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ اگر تقویٰ فعل کے مانع آجائے تو آنکھ کے زنا سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے' اگر آنکھ بھی بند کرلے گا تو دل پر اختیار نہیں رہے گا' طرح طرح کے وسوسے ستائیں گے' اور گندے خیالات سے پیچھا چھڑانا دشوار ہو جائے گا بعض اوقات یہ خیالات مناجات اور نماز کا سکون درہم برہم کریں گے۔ ہم نے زبان اور شرم گاہ کی آفتیں بطور مثال ذکر کی ہیں' ورنہ تمام ساتوں اعضاء کے معاصی کا سبب وہی قوت ہے جو شکم سیر ہو کر کھانے سے حاصل ہوتی ہے' کسی دانشور کا قول ہے کہ جو شخص سیاست پر صبر کرے' اور سال بھر تک باسی روٹی پر قناعت کرے اور اس میں اپنی کوئی دل پسند چیز شامل نہ کرے اور آدھا پیٹ کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے عورتوں کا فکر دور کر دیتا ہے۔

چھٹا فائدہ۔ بیداری پر قوت : کم خوری سے آدمی میں بیدار رہنے کی قوت پیدا ہوتی ہے' جو شخص زیادہ کھائے گا لامحالہ زیادہ پانی پیئے گا' تو نیند زیادہ آئے گی' اسی لئے بعض مشائخ کھانے کے وقت اپنے مریدین سے کہا کرتے تھے کہ اے گروہ مریداں! زیادہ مت کھانا' زیادہ کھاؤ گے تو پانی زیادہ پیو گے اور پانی زیادہ پیو گے تو نیند زیادہ آئے گی' اور زیادہ سوؤ گے تو نقصان زیادہ اٹھاؤ گے۔ ستر صدیقین اس امر پر متفق ہیں کہ زیادہ پانی پینے سے نیند زیادہ آتی ہے اور زیادہ سونے سے عمر ضائع ہوتی ہے' تہجد کی نماز فوت ہوتی ہے' طبیعت میں بلاوت اور قلب میں قساوت پیدا ہوتی ہے۔ عمر نہایت بیش قیمت جوہر ہے' انسان کا اصل سرمایہ یہی عمر ہے' اسی سے وہ آخرت کے لئے تجارت کرتا ہے' نیند موت کے مشابہ ہے' اس کی کثرت سے عمر کا سرمایہ گھٹتا ہے' نماز تہجد کی فضیلت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا سونے سے یہ فضیلت بھی حاصل نہیں ہوتی اگر نیند کے غلبے کے باوجود تہجد کی نماز پڑھ لی تو اس کی حلاوت میسر نہیں آئے گی' پھر اگر شادی شدہ آدمی شکم سیر ہو کر سویا تو اسے احتلام ہو جائے گا' اس صورت میں نماز تہجد بھی فوت ہوگی' اور غسل کی ضرورت بھی پڑے گی' اب اگر (موسم سرما میں) ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا ہے تو اس میں اذیت ہے' اور بیمار ہونے کا اندیشہ ہے' حمام میں جاتا ہے تو بعض اوقات وہاں کے اخراجات برداشت کرنے کی قوت نہیں ہوتی' پھر بسا اوقات رات میں اٹھ کر نہانے کی ہمت نہیں ہوتی' تہجد تو جاتی ہے وتر سے بھی محروم رہ جاتا ہے' کیونکہ تہجد پڑھنے والے عموماً وتر کی تین رکعتیں مؤخر کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات حمام میں جانے سے کسی کی ستر پر نگاہ پڑ جاتی ہے' حمام کے اور بھی بے شمار خطرات ہیں' کتاب الطہارت میں ہم نے ان خطرات پر تنبیہہ بھی کی ہے۔ یہ تمام شکم سیری کے نقصانات ہیں' ابو سلیمان دارانی کے نزدیک احتلام ایک طرح کا عذاب ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ احتلام کی وجہ سے آدمی بہت سی عبادتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ بہرحال نیند سے بے شمار آفتیں جنم لیتی ہیں' اور شکم سیری سے نیند آتی ہے' اور بھوک سے نیند کا خاتمہ ہوتا ہے۔

ساتواں فائدہ۔ عبادت پر مواظبت کی سہولت : کھانا کثرت عبادت کی راہ میں رکاوٹ ہے' کیونکہ کھانے میں وقت ضرور لگے گا' بعض اوقات کھانے پینے کی اشیاء کی خریداری بھی کرنی پڑتی ہے' اور ضرورت پڑنے پر پکانے کی نوبت بھی آتی ہے' کھانے

کے بعد ہاتھ دھونے، خلال کرنے، اور کھانے کے درمیان اور بعد میں پانی پینے کے لئے بار بار آنے جانے میں کافی وقت صرف ہوتا ہے، اگر یہ تمام اوقات اللہ کے ذکر، مناجات اور دوسری عبادات میں صرف کئے جائیں تو کتنا زیادہ فائدہ ہو۔ سری کہتے ہیں کہ میں نے جرجانی کے کاندھے پر ایک تھیلا لٹکا ہوا دیکھا، جس میں ستو تھا اور وہ اسے سوکھا ہی پھانک رہے تھے، میں نے عرض کیا! آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ فرمایا! میں نے روٹی چبانے اور ستو پھانکنے میں وقت کا اندازہ لگایا تو روٹی میں ستر تسبیحات پڑھنے کے بقدر وقت زیادہ لگتا ہے، اس لئے میں نے چالیس برس سے روٹی کھانا بند کر رکھا ہے، صرف ستو پر اکتفا کرتا ہوں۔ غور کیجئے جرجانی کو اپنے وقت کی قیمت کا کس قدر احساس تھا، وہ اسے روٹی کھانے میں بھی ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے، زندگی کا ہر لمحہ ایک ایسا نفیس جوہر ہے جس کی وقت کے بازار میں کوئی قیمت متعین نہیں کی جاسکتی اسے ضائع کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس کے عوض آخرت میں باقی رہنے والا خزانہ خرید لیا جائے۔ یہ خرید و فروخت اپنے اوقات کو اللہ کے ذکر اور اس کی اطاعت میں صرف کرنے سے تمام ہوتی ہے۔ بسیار خوری سے ایک پریشانی یہ لاحق ہوتی ہے کہ آدمی ہر وقت باوضو نہیں رہ سکتا، اور نہ اپنا تمام وقت مسجد میں گزار سکتا ہے، کیونکہ بار بار پانی پینے اور پیشاب کرنے کے لیے مسجد سے باہر آنا پڑے گا۔ زیادہ کھانے والا روزے بھی سہولت سے نہیں رکھ سکتا، کیونکہ روزہ وہی شخص آسانی سے رکھ سکتا ہے جو بھوکا رہنے کا عادی ہو، روزہ، دائمی اعتکاف، دائمی طہارت، غذا کے حصول میں صرف ہونے والے اوقات کو عبادات میں لگانے کا عمل یہ وہ زبردست فائدے ہیں جنہیں صرف غافل ہی نظر انداز کر سکتے ہیں، ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کریم میں وارد ہے:۔

رَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا (پ ۱۱ ر ۶ آیت ۷)

وہ دنیوی زندگی پر راضی ہوگئے ہیں اور اس میں جی لگا بیٹھے ہیں۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ (پ ۲۱ ر ۴ آیت ۷)

یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔

حضرت ابو سلیمان دارانی نے شکم سیری کی چھ آفتیں ذکر کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص پیٹ بھر کر کھاتا ہے وہ چھ آفتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، مناجات کی حلاوت کھو دیتا ہے، حکمت کی باتیں یاد نہیں رکھ پاتا، دوسرے لوگوں کے لیے اس کے دل میں کوئی شفقت باقی نہیں رہتی، اس لیے کہ جب خود اس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے تو وہ دوسروں کے متعلق بھی یہی گمان کرتا ہے کہ ان کے پیٹ بھی بھرے ہوں گے، ایسے شخص کے لیے عبادت کرنا دشوار ہو جاتا ہے، شہوتیں بڑھ جاتی ہیں، سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ تمام مؤمنین مساجد کے ارد گرد چکر لگاتے ہیں اور شکم سیر حشوخانوں میں گھومتا پھرتا ہے۔

<u>آٹھواں فائدہ۔ تندرستی</u> : کم کھانے سے آدمی تندرست رہتا ہے، بیشتر امراض بسیار خوری کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ زیادہ کھانے سے خراب اخلاط معدے اور رگوں میں جمع ہو جاتے ہیں، اور طرح طرح کے امراض کا سبب بنتے ہیں، آدمی بیمار ہو تو نہ وہ عبادت کر سکتا ہے اور نہ سکون کے ساتھ اللہ کا ذکر کر سکتا ہے، ہر وقت بے چین اور مضطرب رہتا ہے، زندگی کا مزہ مکدر ہو جاتا ہے۔ مریض کو فصد، پچھنے لگوانے کی (موجودہ دور میں آپریشن کی) دوا اور ڈاکٹر کی ضرورت رہتی ہے، اور یہ ضرورت پیسے کے بغیر پوری نہیں ہوتی، زیادہ کھانے سے جسم اور ذہن دونوں پریشان اور مضمحل رہتے ہیں، اب ایک اور مصیبت یہ سامنے آئی ہے کہ پیسے کے بغیر ان کا علاج ممکن نہیں، پیسہ کہاں سے لائے؟ اگر صبر کرتا اور کم کھانے پر قناعت کرتا تو اتنی پریشانیاں کیوں اٹھاتا۔ روایت ہے کہ ہارون رشید نے ہندوستانی، رومی، عراقی اور حبشی طبیبوں کو بلا کر کہا کہ وہ کوئی ایسی دوا بتلائیں جسے استعمال کرنے کے بعد کبھی کوئی مرض پیدا نہ ہو، ہندوستانی طبیب نے سیاہ ہڑ تجویز کی، عراقی نے کہا کہ میرے نزدیک ترہ تیزک کے استعمال سے کوئی بیماری پیدا نہیں ہوتی، رومی طبیب نے گرم پانی کو تیر بہدف دوا قرار دیا، حبشی نے کہا کہ سیاہ ہڑ سے معدہ تنگ ہو جاتا ہے، یہ بھی ایک مرض ہے ترہ تیزک سے معدہ میں نرمی آتی ہے، یہ بھی بیماری ہے، اور گرم پانی سے معدہ کا عمل سست پڑ جاتا ہے، یہ بھی مرض

ہی ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ یہ تینوں دوائیں ہمارے اطباء کی تشکیل نہیں کرتیں تو پھر آپ کون سی دوا تجویز کرتے ہیں' طبیب نے جواب دیا کہ وہ دوا' جس کی موجودگی میں کسی بیماری کا امکان باقی نہیں رہتا یہ ہے کہ جب تک خواہش نہ ہو کھانا نہ کھاؤ' اور جب خواہش باقی ہو کھانے سے ہاتھ اٹھالو' انہوں نے اس دوا کی تصدیق کی۔ اہل کتاب کے ایک فلسفی کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا ذکر ہوا۔

ثلث طعام' وثلث شراب وثلث النفس (۱)

تہائی غذا' تہائی پانی اور تہائی سانس۔

یہ سن کر وہ فلسفی حیرت زدہ رہ گیا اور کہنے لگا کہ غذا کے سلسلے میں اس سے زیادہ صحیح اور مفید بات کوئی دوسری نہیں ہو سکتی' بے شک یہ کسی حکیم کا قول ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

البطنة اصل الداء والحمية اصل الدواء' وعودوا کل جسم ما اعتاد (۲)

اصل بیماری شکم سیری ہے' اور اصل دوا پرہیز ہے۔ ہر جسم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جس کا وہ عادی ہو۔

ہمارے خیال میں اگر اس طبیب کو یہ حدیث سنائی جاتی تو وہ اور زیادہ تعجب کرتا۔ ابن سالم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص گیہوں کی روٹی ادب کے ساتھ کھائے تو کبھی بیمار نہ پڑے' ان سے پوچھا گیا کہ ادب کے ساتھ کھانے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا! بھوک کے بعد کھانا' اور پیٹ بھرنے سے پہلے ہاتھ روک لینا' بعض ماہر اطباء نے بسیار خوری کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ سب سے زیادہ نفع بخش چیز جو آدمی اپنے پیٹ میں داخل کرے انار ہے' اور سب سے زیادہ نقصان دہ چیز جو وہ اپنے معدے میں پہنچائے نمک ہے' لیکن تھوڑا نمک کھانا زیادہ انار کھانے کے مقابلے میں مفید ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔

تصوموا تصحوا (طبرانی اوسط۔ ابو ہریرہ)

روزہ رکھو تندرست رہو گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ روزہ رکھنے میں' بھوکا رہنے میں' اور کم کھانے میں جسموں کی شفا بھی ہے' اور دلوں کا علاج بھی۔ جسم بیمار رہتے ہیں تو دل سرکشی اور نافرمانی پر مائل نہیں ہوتے۔

<u>نواں فائدہ۔ اخراجات میں کمی</u> : جو شخص کم کھائے گا اسے مال کی تھوڑی مقدار بھی کفایت کر جائے گی' بسیار خوری کی تمام تر جدوجہد کا مرکز' اور مطمح نظر پیٹ ہوتا ہے' وہ پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے طرح طرح کے حیلے اور تدبیریں کرتا ہے' دربدر رسوائیاں سمیٹتا پھرتا ہے حلال ذرائع کافی نہیں ہوتے تو حرام ذرائع اختیار کرتا ہے' حرام ذرائع سے کمانے میں گناہ ہے' اور حلال طریقے سے کمانے میں ذلت ہے' پریشانی اور مصیبت ہے' اس لئے کہ کمائی بغیر طمع کے نہیں ہوتی جس کی طرف نظر اٹھتی ہے اس میں طمع پوشیدہ رہتی ہے' طمع انتہائی ذلت ہے۔ مؤمن وہ ہے جس کے اخراجات کم ہوں' ایک مرد دانا فرماتے ہیں کہ میں اکثر اپنی ضرورتیں اس طرح پوری کرتا ہوں کہ انہیں چھوڑ دیتا ہوں' ایسا کرنے سے دل کو بڑا سکون ملتا ہے۔ ایک حکیم کہتے ہیں کہ جب اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے کسی سے قرض لینے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں تو اپنے نفس سے قرض لے لیتا ہوں' وہ اس طرح کہ اس کو ترک خواہش پر آمادہ کر لیتا ہوں' میرا نفس مجھے خوب قرض دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم ابن ادہم اپنے ساتھیوں سے کھانے پینے کی چیزوں کی قیمتیں دریافت کیا کرتے تھے' اگر وہ گراں بتاتے تو فرماتے کہ انہیں ترک کر کے ارزاں کر لو۔ حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ کھانے والا تین حال میں برا ہے' اگر عبادت گذاروں میں سے ہے تو زیادہ کھا کر سستی کرے گا' پیشہ ور ہے تو مشکلات سے دامن نہ بچا سکے گا' اگر اسے کچھ آمد ہوتی ہے تو وہ اپنے دل سے انصاف نہ کرے گا۔ بہرحال دنیا کی حرص ہی تباہی کا اصل سبب

(۱) یہ حدیث پہلے گذر چکی ہے۔ (۲) اس کی سند نہیں ملی۔

ہے اور دنیا کی حرص پیٹ اور شرمگاہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے' اور شرمگاہ کی شہوت کا اصل باعث پیٹ ہے' اگر آدمی کم کھائے تو نہ شرمگاہ کی شہوت رہے اور نہ دنیا کی طمع پیدا ہو' دنیا کی ہوس دوزخ کا دروازہ ہے' یہ بند ہو جائے تو جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے' چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ادیموا قرع باب الجنة بالجوع۔

بھوک کے ذریعہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہو

جو شخص ایک چپاتی پر قناعت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے وہ تمام شہوات میں قناعت کر سکتا ہے' اسی قناعت میں جسم و ضمیر کی آزادی بھی ہے' لوگوں سے استغناء بھی ہے' راحت بھی ہے۔ اللہ کی عبادت کے لئے فراغت بھی ہے' اور آخرت کی تجارت بھی ہے' ایسا شخص قرآن کریم کی اس آیات کا مصداق ہے:۔(۱)

لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (پ ۱۸ ر ۱۱ آیت ۳۷)

نہ انھیں اللہ کی یاد سے خرید غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ فروخت۔

یہ لوگ اللہ کے ذکر سے اس لئے غفلت نہیں کرتے ہیں کہ وہ دنیاوی امور میں بے نیاز ہیں' جنھیں دنیا کی ضرورت ہے وہ بے شک غافل ہیں۔

دسواں فائدہ۔ صدقہ و خیرات : کم کھانے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جو کھانا بچ جائے اسے یتیموں اور مسکینوں کو صدقہ کیا جاسکتا ہے۔ صدقہ و خیرات کرنے والا شخص قیامت کے روز اپنے صدقہ کے سائے میں ہو گا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے (۲)۔ زیادہ کھانے سے کیا حاصل؟ جتنا کھائے گا پاخانہ بن جائے گا اور کوڑے کے خزانہ میں جمع ہو جائے گا جب کہ وہ کھانا اللہ کے خزانے میں جمع ہو گا جو صدقہ کیا گیا ہو۔ انسان کا وہی مال باقی رہتا ہے جو اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا جائے' اس کے علاوہ جو کچھ خرچ کیا جائے گا فنا ہو جائے گا' خواہ کھایا جائے' یا پہنا جائے حضرت حسن بصریؒ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی:۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا۔ (پ ۲۲ ر ۷ آیت ۷۲)

ہم نے یہ امانت آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی سو انھوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا تھا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمے لے لیا وہ ظالم ہے جاہل ہے۔

اور فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے ان ساتوں آسمانوں سے جو ستاروں سے مزین ہیں امانت کا بار اٹھانے کے لئے کہا اور فرمایا کہ کیا تم اس "امانت" میں جو کچھ ہے اسے اٹھانے کے لئے تیار ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ اس "امانت" میں کیا ہے' فرمایا: اگر برا کرے تو سزا پائے اور اچھا کرے تو جزا پائے" آسمان نے عرض کیا کہ ہم اس امانت کا بار سنبھالنے سے قاصر ہیں' پھر یہ امانت زمین پر ڈالی گئی' اس نے بھی انکار کر دیا' بلند و بالا پہاڑوں سے دریافت کیا گیا انھوں نے بھی اپنے عجز و قصور کا اظہار کرنے ہی میں عافیت سمجھی' لیکن جب انسان سے پوچھا گیا تو اس نے یہ ذمہ داری قبول کر لی' کیونکہ وہ اپنے نفس پر ظالم اور امرالہی کی حکمتوں سے ناواقف تھا' خدا کی قسم! اب انسان کے ظلم اور جہل کا مشاہدہ ہو رہا ہے' لوگ مال کے عوض ایمان فروخت کر دیتے ہیں' ہزاروں لاکھوں کما کر گھروں کو وسیع اور قبروں کو تنگ کرتے ہیں' جانوروں کو موٹا اور دین کو دبلا کرتے ہیں۔ صبح و شام بادشاہوں کے دروازوں پر جا کر اپنے اوپر ظلم ڈھاتے ہیں' کسی کے دل میں مال کی خواہش مچل رہی ہے' کسی کے دل میں جاہ کی آرزو ہے' کوئی کھانے کی فرمائشیں لئے پھرتا ہے' نہ حلال کی تمیز ہے اور نہ حرام کا احساس' جب بدہضمی اور ہیضہ کی نوبت آتی ہے تو نوکروں سے ہاضم دواؤں کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

---

(۱) یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے۔ (۲) مستدرک حاکم میں عقبہ بن عامر کی روایت "کل امرئ فی ظل صدقة"

اس بے وقوف سے کوئی پوچھے کہ تو کھانا ہضم کرنا چاہتا ہے یا دین ہضم کر گیا ہے' وہ یتیم بچے' وہ مساکین اور وہ بیوائیں کہاں گئیں جن کی خبر گیری تجھ پر فرض تھی' تو اپنے کھانوں اور ذائقوں کے چکر میں انھیں بھول گیا۔ اس تفصیل سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ کھانا اتنا کھایا جائے جتنی ضرورت ہو' باقی خیرات کر دیا جائے' تاکہ وہ کھانا ذخیرۂ آخرت بنے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موٹے آدمی کو دیکھا' اور اس کی توند پر انگلی رکھ کر ارشاد فرمایا کہ اگر یہ کھانا تیرے پیٹ کے بجائے غیر کے پیٹ میں ہوتا تو تیرے حق میں زیادہ اچھا تھا'(۱) مطلب یہ ہے کہ اگر تو زائد کھانا کسی غریب کو کھلا دیتا تو تیری آخرت کے لئے ذخیرہ بن جاتا۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ ان کے پاس اتنا تھوڑا کھانا ہوتا کہ اگر خود کھا لیتے تب بھی ناکافی رہتا' لیکن وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ کھانا تنہا نہیں کھائیں گے' بلکہ دوسروں کو بھی اللہ کے لئے اس میں شریک کریں گے۔

بھوک کے یہ دس فائدے ہیں' ان میں ہر فائدہ بے شمار فوائد کا حامل ہے' ان تمام فوائد کا ماحصل یہ ہے کہ بھوک آخرت کا خزانہ ہے۔ اسی لئے بعض اکابرین نے فرمایا کہ بھوک آخرت کی کنجی اور زہد کا دروازہ ہے' اور شکم سیری دنیا کی کنجی اور طمع کا دروازہ ہے' یہ مضمون ان روایات سے بھی واضح طور پر ثابت ہو چکا ہے جو بھوک کی فضیلت اور شکم سیری کی مذمت میں نقل کی گئی ہیں' ان فوائد سے واقف ہونے کے بعد روایات کے مضامین اور معانی کا علم یقین اور بصیرت پر مبنی ہوگا' اگر کوئی شخص ان فوائد کا علم نہ رکھتا ہو اور بھوک کو افضل سمجھتا ہو تو اسے تقلیدی ایمان کا درجہ حاصل ہوگا۔

پیٹ کی شہوت ختم کرنے کا طریقہ

مرید کو اپنی غذا کے سلسلے میں چار وظائف مقرر کر لینے چاہئیں۔ اول غذا کی مقدار' دوم غذا کا وقت' سوم غذا کی جنس' چہارم یہ کہ غذا ہر حال میں حلال ہو' کیونکہ حرام غذا کھا کر عبادت کرنا ایسا ہے جیسے کوئی سمندر کی لہروں میں مکان تعمیر کرے۔ کتاب الحلال و الحرام میں ہم ورع کے وہ درجات ذکر کر چکے ہیں جن کی رعایت ضروری ہے۔

غذا کی مقدار: پہلا وظیفہ یہ ہے کہ غذا کی مقدار کم ہو' غذا کی مقدار کم کرنے کے سلسلے میں جو ریاضت کی جائے اس میں تدریج ملحوظ رہنی چاہیے' زیادہ کھانے کا عادی اگر ایک دم کثرت کے قلت پر آجائے گا تو یہ بات اس کے لئے انتہائی نقصان دہ ہو گی' اس کا مزاج یہ تبدیلی برداشت نہ کر سکے گا' ضعف پیدا ہو گا' اور مشقتیں بڑھیں گی۔ اس لئے کھانے کا عادی بننے کے لئے تدریج کی ضرورت ہے' اور تدریج یہ ہے کہ اپنے روز مرّہ کے کھانے سے تھوڑا تھوڑا روز گھٹائے۔ مثلاً" اگر کوئی شخص دو روٹی کھاتا ہے' اور اب وہ ایک روٹی پر قناعت کرنا چاہتا ہے تو اسے اس مقدار پر ایک ماہ میں آنا چاہئیے' اب اس کے دو طریقے ہیں' یا تو ایک روٹی کو وزن کر لے اور ہر روز ایک متعینہ مقدار اس میں سے گھٹا دیا کرے' یا اس کے تیس لقمے کرے اور ہر روز ایک لقمہ کم کر دیا کرے' اس طرح ایک روٹی کا عادی ہو جائے گا' نہ معدے کو نقصان پہنچے گا اور نہ ظاہری حالت متاثر ہوگی۔

غذا کے چار درجے: غذا کی مقدار کے چار درجے ہیں' ان میں اعلیٰ ترین درجہ یہ ہے کہ صرف اتنا کھانا کھائے جس کے بغیر چارہ نہ ہو' یعنی جسے کھائے بغیر زندہ نہ رہ سکے' اسے سد رمق کی مقدار کہہ سکتے ہیں' یہ صدیقین کا درجہ ہے۔ سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین چیزوں سے عبادت لیتا ہے' زندگی' عقل اور قوت سے۔ اگر بندہ کو ان تین میں سے پہلی دو یعنی حیات اور عقل کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو تو اسے کھانا چاہئیے' روزے سے ہو تو افطار کر لینا چاہئیے' کھانے کی چیز موجود نہ ہو تو طلب و جستجو کرنی چاہئیے لیکن اگر ان دونوں کا خوف نہ ہو بلکہ صرف یہ اندیشہ ہو کہ نہ کھانے سے قوت باقی نہیں رہے گی تو اس کی پروا نہ کرنی

---

(۱) احمد' حاکم' بیہقی' جعدۃ الشجعی۔

چاہیئے' خواہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو جائے' یہ بھی خیال نہ کرے کہ کمزور ہو گیا تو بیٹھ کر نماز پڑھنی پڑے گی۔ اسے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ بھوک کی وجہ سے حاصل ہونے والے ضعف کی حالت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ زیادہ نہ کھائے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ سہل تستریؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ ابتداء میں آپ کی غذا کیا تھی' انھوں نے کہا کہ سال بھر میں میرے تین درہم خرچ ہوا کرتے تھے' ایک درہم سے میں انگور کا شیرہ خرید لیا کرتا تھا' ایک کا آٹا اور ایک کا گھی۔ پھر تینوں کو ملا کر تین سو ساٹھ لڈو بنا لیا کرتا تھا' ہر روز رات کو ایک لڈو لیتا اور اسی سے افطار کرتا' دریافت کیا اب کیا حال ہے؟ فرمایا: نہ اب کوئی حد مقرر ہے اور نہ وقت کی تعیین ہے۔ بعض راہبین کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنی غذا ساڑھے تین ماشہ کی مقدار مقرر کرلی تھی۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ ریاضت کے ذریعہ اپنے آپ کو نصف مُد یعنی سوا پاؤ کھانے کا عادی بنالے' اکثر لوگوں کی نسبت یہ مقدار اس تہائی پیٹ کے برابر ہے جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے' البتہ یہ مقدار لقیمات (لقمے کی جمع) سے زائد ہے' کیونکہ جمع سالم کا یہ وزن قلت کے لئے بولا جاتا ہے' اور اس کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے' یہ عادت حضرت عمرؓ کی تھی وہ سات یا نو لقمے کھایا کرتے تھے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ ایک مُد یعنی ڈھائی پاؤ کھائے اکثر لوگوں کے لئے یہ مقدار تہائی پیٹ سے زیادہ ہے' بلکہ دو تہائی پیٹ کے یہ قدر ہے' ایک تہائی پانی کے لئے باقی رہ جاتا ہے' ذکر کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا' بعض روایات میں ثلث النفس (ایک تہائی سانس کے لئے) کے بجائے ثلث للذکر (ایک تہائی ذکر کے لئے) کے لفظ آئے ہیں' چوتھا درجہ یہ ہے کہ ایک مُد سے بڑھ کر ایک سیر تک کھائے' ایک سیر سے زیادہ کھانا اسراف میں داخل ہے' اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی ہے:۔

وَلَا تُسْرِفُوا۔

اور فضول خرچی مت کرو۔

یہ حکم اکثری تو کہا جاسکتا ہے' کلی نہیں' کیونکہ غذا کی مقدار کی ضرورت عمر' پیشے اور حالت کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ یہاں ایک اور درجہ بھی ہے' اس میں کوئی مقدار تو متعین نہیں ہے' لیکن غلطی کا امکان ضرور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب بھی خواہش ہو تب کھانا کھائے اور ابھی خواہش باقی ہو کہ ہاتھ روک لے' لیکن غالب گمان یہ ہے کہ جس نے اپنی غذا کی مقدار (ایک روٹی یا دو روٹی وغیرہ) متعین نہیں کی ہے وہ بھی بھوک کی حد مقرر نہیں کر سکتا' اور جھوٹی اشتہاء سے بھی اشتباہ ہو سکتی ہے۔ سچی بھوک کی چند علامات ذکر کی گئی ہیں' ان میں سے ایک علامت یہ ہے کہ اس کا دل سالن کی خواہش نہ کرے' بلکہ روٹی سے پیٹ بھر لے' اگر خشک روٹی سے پیٹ نہ بھر سکتا ہو تو اسے سچی بھوک نہیں کہا جاسکتا' ایک علامت یہ ذکر کی گئی ہے کہ بھوکا آدمی تھوک کر دیکھے اگر اس کے تھوک پر مکھی نہ بیٹھے تو کہا جائے گا کہ اسے بھوک لگ رہی ہے' کیونکہ مکھی اس لئے نہیں بیٹھی کہ تھوک میں چکنائی باقی نہیں رہی' اور یہ معدے کے خالی ہونے کی علامت ہے' لیکن ان علامتوں کے ذریعہ بھوک کا پتا لگانا دشوار ہے' مرید کو چاہیئے کہ وہ اپنے لئے غذا کی کوئی ایسی مقدار متعین کرلے جس سے عبادت میں کوئی خلل واقع نہ ہو' پھر اس مقدار کی پابندی کرے گو اس سے زیادہ کھانے کی خواہش ہو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کھانے کی مقدار متعین کرنے کا عمل اشخاص و احوال کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ البتہ صحابہ میں ایک جماعت کا معمول تھا کہ وہ ہفتے میں ایک صاع گیہوں کھایا کرتے تھے' اگر گیہوں کے بجائے خرما کھاتے تو اس کی مقدار ڈیڑھ صاع ہوتی' ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے' اگر حساب کیا جائے تو روزانہ غذا کی مقدار نصف مُد سے کچھ زیادہ بنتی ہے' اور خرما کی مقدار اس لئے زائد رہتی تھی کہ اس میں گٹھلی نکل جاتی ہے' یہ مقدار اسی درجے کے قریب ہے جس کے مطابق غذا کی مقدار تہائی پیٹ کے برابر ہونی چاہیے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں جناب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک ہفتے میں ایک صاع جَو کھایا کرتا تھا' اور مرتے دم تک میں اسی مقدار پر رہوں گا' اس میں اضافہ نہیں کروں گا' کیونکہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:۔

اقربکم منی مجلسا یوم القیامة واحبکم الی من مات علی ما ھو علیہ الیوم۔
قیامت کے روز میرے قریب تر اور مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہوگا جو اسی حال پر رہے گا جس پر اب ہے۔(۱)

حضرت ابوذر غفاریؓ بعض صحابہ کا حال دیکھتے تو اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے کہ تم نے اپنا ڈھنگ بدل ڈالا ہے' تم جَو کو چھاننے لگے ہو' پتلی روٹی (چپاتی) پکوانے لگے ہو' ایک وقت میں دو دو سالن استعمال کرتے ہو' طرح طرح کے کھانے تمہارے دستر خوان پر چنے جانے لگے ہیں' لباس میں بھی تنوع آگیا ہے صبح کا لباس اور ہے اور شام کا اور۔ یہ باتیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کہاں تھیں۔ اہل صُفّہ کی یومیہ غذا ڈیڑھ پاؤ خرما تھی' اس مقدار میں گٹھلی بھی داخل ہے۔(۲) حضرت حسن بصری فرمایا کرتے تھے کہ مؤمن بھیڑ کی طرح ہے اسے ایک مٹھی سڑے ہوئے خرما یا ایک مٹھی ستو کی اور ایک گھونٹ پانی کی مقدار کافی ہو جاتی ہے' اور منافق کی مثال ایسی ہے جیسے درندہ کھائے چلا جاتا ہے نہ اس کے پیٹ میں پڑوسی کے لئے کوئی گنجائش ہے اور نہ وہ کسی بھائی کے لئے کچھ چھوڑنے پر آمادہ ہے۔ سہل تستریؒ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا خالص خون ہوتی تب بھی مؤمن کی غذا حلال ہی ہوتی' کیونکہ مؤمن وہی ہے جو ضرورت کے وقت کھائے اور سدِ رمق سے زیادہ نہ کھائے۔

غذا کا وقت : دوسرا یہ ہے کہ غذا کتنی دیر میں کھائی جائے۔ اس میں بھی چار درجے ہیں' اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ کم سے کم تین دن کا وقفہ رکھے' بہت سے مریدین نے اس سلسلے میں اتنی ریاضت کی تیس تیس چالیس چالیس دن بغیر کھائے گذار دیئے' ایسے لوگوں میں محمد بن عمرو القرنی' عبدالرحمٰن بن ابراہیم' ابراہیم تیمی' حجاج بن فرافصہ' اور ابراہیم بن احمد الخواص وغیرہ اکابرین سلف قابل ذکر ہیں' حضرت ابوبکر صدیقؓ چھ دن تک بھوکے رہا کرتے تھے' عبداللہ بن الزبیرؓ نے سات دن کی مدت مقرر کر رکھی تھی' ابن عباسؓ کے رفیق ابوالجوزاء بھی سات دن بعد کھاتے تھے' ثوریؒ اور ابراہیم بن ادہم نے تین تین دن کے وقفے سے کھانے کا معمول بنا رکھا تھا' یہ سب حضرات آخرت کے طریق پر بھوک سے مدد لیا کرتے تھے' ایک عالم فرماتے ہیں کہ جو شخص چالیس دن تک اللہ کے لئے بھوکا رہے اس پر ملکوت کی قدرت یعنی بعض اسرارِ الٰہی منکشف ہو جاتے ہیں۔ اسی گروہ کے ایک بزرگ کسی راہب کے پاس گئے' اور اسے اسلام لانے کی ترغیب دی' اسے بتلایا کہ حق صرف اسلام میں ہے' تم جس مذہب پر کاربند ہو اس کی حقانیت ختم ہو چکی ہے' راہب نے کہا کہ ہمارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام چالیس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے' اتنے طویل عرصے تک بھوکا پیاسا رہنا ایک زبردست معجزہ ہے' جس کا صدور کسی پیغمبر یا صدیق ہی سے ممکن ہے۔ بزرگ نے کہا کہ اگر تو اپنا دین چھوڑنے اور اسلام قبول کرنے کا وعدہ کرے تو میں پچاس دن کا روزہ رکھ سکتا ہوں' راہب نے اس کا وعدہ کیا بزرگ نے ان کے پاس رہ کر ساٹھ دن کا طویل عرصہ بغیر کھائے پیئے گذار دیا' راہب نے بے پناہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں اس غلط فہمی میں تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے اور ان کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے اس کا ظہور ممکن ہی نہیں ہے' بہرحال اب اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں اور تمہارا مذہب اختیار کرتا ہوں۔ یہ ایک عظیم درجہ ہے' اور اس درجے تک وہی شخص پہنچ سکتا ہے جو تمام علائق و عادات سے قطع تعلق کر کے مشاہدات اور مکاشفات میں اس طرح مستغرق ہو کہ بھوک اور دیگر ضروریات زندگی سے بے نیاز ہو جائے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ دو روز سے تین روز تک کا وقفہ رکھے' یہ امر عادت سے خارج نہیں' بلکہ عین ممکن ہے' معمولی مجاہدے اور تھوڑی سی کوشش سے آدمی اس درجے تک پہنچ سکتا ہے' تیسرا درجہ یہ ہے کہ رات دن میں ایک بار کھائے' اس درجے سے تجاوز کرنا اسراف میں داخل ہے' اور ہمیشہ شکم سیر رہنا کہ کبھی بھوک کا احساس نہ ہو عیش کوش اور سہولت پسند لوگوں کا شیوہ ہے'

---

(۱) احمد نے کتاب الزہد میں' اور ابونعیم نے حلیہ میں (احبکم الی" کے استثناء کے ساتھ۔ (۲) حاکم بروایت طلحہ بصری۔

اور خلاف سنت ہے۔ حضرت ابو سعید الخدری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر صبح کو کھانا تناول فرما لیتے تو شام کو نہ کھاتے اور شام کو کھالیتے تو صبح کا کھانا ترک فرمادیتے۔(۱) اکابر کا بھی یہی معمول تھا کہ دن رات میں ایک بار کھانا کھایا کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا:۔

ایاک والسرف فان اکلتین فی کل یوم من سرف واکلة واحدة فی کل یومین اقتار' واکلة فی کل یوم قوام بین ذالک وھو المحمود فی کتاب اللہ عز وجل۔ (بیہقی۔ عائشہ)

اے عائشہ! اپنے آپ کو فضول خرچی سے بچا' ایک دن میں دو مرتبہ کھانا اسراف ہے' اور دو دن میں ایک بار کھانا کمی کا درجہ ہے اور ایک دن میں ایک مرتبہ کھانا دونوں (افراط و تفریط) کے درمیان ہے' اور کتاب اللہ میں بھی اسے پسند کیا گیا ہے۔

جو شخص دن میں ایک مرتبہ کھانے پر اکتفا کرنا چاہے اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ طلوع فجر سے پہلے سحر کے وقت کھائے' تاکہ رات کو بھوکا رہنے سے تہجد کے لئے اٹھنا سہل ہو جائے اور دن کو بھوکا رہنے سے روزہ ہو جائے' معدے کے خالی رہنے سے دل میں رقت' اور فکر میں یکسوئی رہے گی' نفس پُر سکون رہے گا' اور متعینہ وقت سے پہلے غذا کا تقاضا نہیں کرے گا عاصم ابن کلیب اپنے والد سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہلکا پھلکا تہجد نہیں پڑھتے تھے جیسا تم پڑھتے ہو' بلکہ آپ اتنا کھڑے ہوتے کہ پاؤں مبارک ورم کر جاتے تھے' آپ روزہ وصال نہ رکھتے تھے بلکہ سحر کے وقت روزہ افطار کیا کرتے تھے۔(۲) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزے کو سحر میں ملا دیا کرتے تھے۔(۳) اگر کسی شخص کا دل مغرب کے بعد کھانے کی خواہش کرے تو اسے اپنے یومیہ کھانے کے دو حصے کر لینے چاہئیں' ایک حصہ مغرب کے بعد کھالے اور ایک سحر میں۔ مغرب کے بعد کھانے سے یہ فائدہ ہو گا کہ دل کھانے کی طرف ملتفت نہیں رہے گا اور تہجد کی نماز سکون سے پڑھی جاسکے گی' سحر کے وقت کھانے سے دن میں بھوک زیادہ نہیں لگے گی۔ ایک دن روزہ رکھنے اور دوسرے دن افطار کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسا کرنا ہو تو روزہ کے دن سحر میں کھالے اور افطار کے دن ظہر کے وقت۔ غذا کا وقت مقرر کرنے کا یہ تفصیلی طریقہ ہے۔

غذا کی جنس : تیسرے وظیفے کا تعلق غذا کی جنس سے ہے' اس سلسلے میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ سب سے اچھی غذا گیہوں کا آٹا ہے' اگر چھان کر استعمال کرے تو یہ آسائش میں داخل ہے' اوسط غذا جو کا چھنا ہوا آٹا ہے' اور ادنیٰ بغیر چھنا ہوا ہے عمدہ سالن گوشت اور مٹھائی ہے' اور اوسط چکنائی کا شوربا جس میں گوشت نہ ہو' اور ادنیٰ سالن نمک اور سرکہ ہے۔ سالکین آخرت کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ کبھی سالن استعمال نہیں کرتے تھے' بلکہ ہر اس لذیذ کھانے سے احتراز کرتے تھے' جس کی نفس خواہش کرتا ہو' کیونکہ لذیذ کھانوں سے دل میں کبر' شیخی اور سختی پیدا ہوتی ہے' دنیا کی لذتیں دل میں گھر کرلیتی ہیں' اور وہ ان لذتوں کا اتنا عادی ہو جاتا ہے کہ پھر اسے موت کا خیال بھی برا لگنے لگتا ہے' دیدار الٰہی کا شوق بھی باقی نہیں رہتا' اس کے حق میں دنیا ہی جنت بن جاتی ہے' موت کو وہ قید خانہ تصور کرتا ہے۔ اگر نفس کو شہوات سے روکا جائے تو اسے دنیا کی زندگی قید معلوم ہونے لگتی ہے' اور وہ یہ چاہنے لگتا ہے کہ کسی طرح اس قید خانے سے نجات مل جائے اور آخرت کی لذتیں نصیب ہوں۔ یحییٰ ابن معاذ نے اپنے اس قول سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اے گروہ صدیقین جنت الفردوس کے ولیمے کے لئے اپنے آپ کو بھوکا رکھو' جتنی بھوک زیادہ

---

(۱) مجھے اس روایت کی سند نہیں ملی۔ (۲) نسائی نے یہ روایت اختصار کے ساتھ نقل کی ہے۔ (۳) یہ روایت نقلی مجھے نہیں ملی بلکہ بخاری میں حضرت ابو سعید الخدری سے یہ ارشاد منقول ہے (فایکم اراد ان یواصل فلیواصل حتی السحر۔")

ہوگی کھانے کی اسی قدر اشتہاء بڑھے گی۔ شکم سیری کی جس قدر آفات ہم نے لکھی ہیں وہ تمام دل پسند اور لذیذ چیزوں کے کھانے سے پیدا ہوتی ہے' اس لئے اگر مباح شہوات ترک کردی جائیں تو اس میں بڑا ثواب ہے' اور نہ ترک کی جائیں تو خطرہ زیادہ رہتا ہے' اسی بناء پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

شرار امتی الذین یاکلون مخ الحنطة

میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو گیہوں کا مغز کھاتے ہیں۔(۱)

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ گیہوں کا مغز (میدہ) کھانا حرام ہے' بلکہ وہ مباح ہے' اگر کبھی کبھی کھالیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں' اگرچہ اس پر مداومت کرنا بھی گناہ نہیں ہے' لیکن مستقل کھانے سے نفس کو اس لذت کی عادت پڑ جائے گی' اور وہ اس کے حصول کے لیے جدوجہد کرے گا' یہ جدوجہد اسے معاصی کی طرف بھی لے جاسکتی ہے' اس اعتبار سے یہ لوگ برے قرار دیئے گئے' کیونکہ میدے کا مسلسل استعمال انھیں ایسے امور میں مبتلا کرتا ہے جن کا انجام معاصی ہو' چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

شرار امتی الذین غذوا بالنعیم ونبتت علیہ اجسامھم وانما ھمتھم الوان الطعام وانواع اللباس' ویتشدقون فی الکلام (ابو نعیم۔ عائشہؓ)

میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو دولت سے پرورش پاتے ہیں' اسی پر ان کے جسم پروان چڑھتے ہیں' ان کا مطمح نظر انواع واقسام کے کھانے' اور طرح طرح کے لباس ہوتے ہیں اور وہ بولنے میں باچھیں پھاڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: تم قبر کے رہنے والے ہو' اس تصور ہی سے تم بہت سی شہوتوں سے رک جاؤ گے۔ بزرگان امت لذیذ کھانوں کے استعمال اور اپنے نفسوں کو ان کھانوں کا عادی بنانے سے ڈرتے تھے' اور یہ سمجھتے تھے کہ لذات کی محبت بدبختی کی علامت ہے' اور ان سے رکنا عین سعادت اور خوش بختی ہے۔ روایت ہے کہ وہب بن منبہؒ نے فرمایا کہ چوتھے آسمان پر دو فرشتوں کی ملاقات ہوئی' ایک نے دوسرے سے پوچھا: کہاں سے آرہے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے حکم دیا گیا تھا کہ سمندر سے فلاں مچھلی نکال لوں' فلاں یہودی نے اس کی تمنا کی تھی' اللہ اس پر لعنت کرے' پہلے فرشتے نے کہا کہ مجھے بھی ایک ایسا تیل گرا دینے کا حکم ہوا تھا جس کی فلاں عابد نے خواہش کی تھی' اس سے معلوم ہوا کہ اسباب شہوات کا آسانی سے حاصل ہو جانا خیر کی نشانی نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے شہد سے میٹھا کیا ہوا ٹھنڈا پانی پینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ مجھے اس کے حساب سے دور رکھو۔

نفس کی مخالفت' اور شہوات ولذات کے اجتناب سے بڑی کوئی عبادت نہیں ہے' جیسا کہ کتاب ریاضۃ النفس میں اس عنوان پر سیر حاصل بحث کی جاچکی ہے۔ نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیمار تھے' انھیں تازہ مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی' تمام شہر میں مچھلی تلاش کرائی گئی' بڑی مشکل سے ایک جگہ ملی' اور وہ بھی ڈیڑھ درہم کی انتہائی گراں قیمت ہم لوگوں نے خرید کر اور پکا کر روٹی کے ساتھ پیش کی' اتنے میں سائل آیا' آپ نے خادم سے کہا کہ یہ مچھلی روٹی میں لپیٹ کر سائل کو دے دو' خادم نے عرض کیا کہ آپ بہت دنوں سے تازہ مچھلی کھانا چاہتے تھے' بڑی مشکل سے یہ مچھلی ہاتھ لگی ہے' ہم نے ڈیڑھ درہم دے کر خریدی ہے اور بڑی محنت سے اس کا سالن تیار کیا ہے' آپ سائل کو دیئے دیتے ہیں' اگر حکم ہو تو سائل کو مچھلی کے بجائے ڈیڑھ درہم دیدیں'

---

(۱) مجھے اس روایت کی سند نہیں ملی۔

فرمایا: نہیں! یہ مچھلی روٹی میں لپیٹ کر سائل کو دیدو' خادم نے سائل سے کہا کہ اگر تجھے ایک درہم دے دیا جائے تو کیا تو یہ مچھلی چھوڑ جائے گا' اس نے رضامندی ظاہر کی' خادم نے سائل کو ایک درہم دے دیا' اور ابن عمرؓ سے عرض کیا کہ سائل ایک درہم لینے پر رضامند ہے آپ نے فرمایا: اب اس سے ایک درہم بھی مت لو' اور مچھلی بھی اسے دیدو۔ اس لئے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:-

ایما امری اشتھی شھوۃ فرد شھوتہ و آثر بھا علی نفسہ غفر اللہ لہ۔
(ابن حبان)

جس شخص نے کوئی خواہش کی' پھر اسے رد کردیا' اور اس کو اپنے نفس کی ضد پر جانے دیا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے۔

ایک حدیث میں ہے:-

اذا اسددت کلب الجوع برغیف و کوز من الماء القراح فعلی الدنیا و اھلھا الدمار۔ (ابو منصور۔ ابو ہریرہؓ)

جب تو بھوک کے کتے کو ایک روٹی اور خالص پانی کے پیالے سے روک دے تو دنیا اور اہل دنیا کے لیے خرابی ہے۔

اس حدیث میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے مقصد بھوک کے ضرر اور پیاس کی تکلیف کا ازالہ ہے' نہ کہ دنیاوی لذتوں سے عیش کرنا۔ حضرت عمرؓ کو خبر پہنچی کہ یزید بن ابی سفیان طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں' انھوں نے یزید کے خادم کو ہدایت کی کہ جب رات کو کھانا آجائے تو مجھے اطلاع کردینا' خادم نے ایسا ہی کیا' آپ یزید کے گھر تشریف لے گئے' اس وقت دسترخوان پر ثرید اور گوشت موجود تھا' آپ نے بھی کھانا کھایا' جب ثرید سے فارغ ہوئے تو بھنا ہوا گوشت لایا گیا' یزید نے ہاتھ بڑھایا' لیکن حضرت عمر بیٹھے رہے' اور فرمایا کہ اے یزید بن ابی سفیان! کیا ایک غذا کے بعد دوسری غذا بھی ہوتی ہے' بخدا اگر تم سلف کی سنت چھوڑ دو گے تو ان کے راستے سے بھی منحرف ہو جاؤ گے' یسار بن عمیر کہتے ہیں کہ میں نے کبھی حضرت عمر کے لئے آٹا نہیں چھانا' اگر چھانا بھی ہے تو ان کی مرضی کے خلاف چھانا ہے' اور ان کی ناراضگی مول لی ہے' یہ بھی روایت ہے کہ عتبہ غلام آٹا گوندھ کر دھوپ میں رکھ دیتے تھے اور جب وہ سوکھ جاتا تو اسے کھالیتے۔ فرماتے تھے کہ دنیا میں روٹی کے ایک ٹکڑے اور نمک پر زندگی گذارنی چاہیے تاکہ آخرت میں بھنا ہوا گوشت اور بہترین کھانا میسر آئے' آپ دھوپ میں رکھے ہوئے گھڑے کا پانی پیتے' آپ کی لونڈی کہتی کہ اگر آٹا مجھے دے دیا کریں تو میں پکا دیا کروں اور پانی سائے میں رکھ دیا کروں تاکہ ٹھنڈا ہو جایا کرے' آپ فرماتے کہ مقصد بھوک کے کتے کو روکنا ہے' وہ اس طرح بھی رک جاتا ہے' شقیق ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے سوق اللیل میں میری ملاقات ابراہیم بن ادہم سے اس جگہ ہوئی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی' میں نے دیکھا کہ وہ راستے کے ایک کنارے بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں میں بھی ان کے پاس جا بیٹھا' اور پوچھنے لگا: اے ابو اسحاق! رونے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: کچھ نہیں خیریت ہے! میں نے دریافت کیا' اس کا بھی انھوں نے یہی جواب دیا' تیسری مرتبہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں وجہ بتلا دوں تو تم کسی سے کہو گے تو نہیں' میں نے عرض کیا: آپ مطمئن رہیں' میں کسی سے نہیں کہوں گا' فرمایا: تیس سال سے میرا دل حریرہ کھانے کے لئے بے چین ہے' میں اسے زبردستی روکے ہوئے تھا' رات ایسا ہوا کہ میں بیٹھا ہوا اونگھ رہا تھا اتنے میں ایک نوجوان نظر آیا' اس کی ہاتھ میں سبز رنگ کا پیالہ تھا' جس سے بھاپ اڑ رہی تھی اور حریرے کی خوشبو مہک رہی تھی' میں نے اپنے نفس کو اس کی طرف متوجہ ہونے سے روکا۔ پھر اس نے پیالہ میرے قریب کردیا اور کہنے لگا کہ اے ابراہیم! کھاؤ' میں نے کہا کہ میں نے اسے اللہ کے لئے چھوڑ رکھا ہے' اس لئے کھانے سے معذور ہوں' اس نے کہا اگر خدا کھلانا چاہے تو کھالینا چاہیے' مجھے اس کا جواب نہ بن پڑا اور

رونے لگا' اس نے پھر کھانے کے لئے اصرار کیا' میں نے کہا ہمیں یہ حکم ہے کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کر کھانا کہاں سے آیا ہے اس وقت تک نہ کھانا چاہئے' اس نے جواب دیا کھاؤ' یہ تمہارے ہی لئے آیا ہے' مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اے خضر! یہ پیالہ لے جاؤ اور ابراہیم بن ادہم کو کھلاؤ' کیونکہ اس نے مدتوں سے نفس کو روک رکھا ہے' اب اللہ نے اس پر رحم فرمایا ہے۔ اے ابراہیم! میں نے فرشتوں سے سنا ہے کہ جسے اللہ کی عنایت سے کچھ ملے اور وہ لینے سے انکار کردے تو اسے طلب کرنے پر بھی نہیں دیا جائے گا' میں نے کہا! اگر یہ بات ہے تو میں تمہارے سامنے ہوں' اس کا عقدہ اللہ ہی کھولے گا۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ ایک اور نوجوان آیا' اور کہنے لگا کہ اے خضر! آپ ہی حریرہ اس کے منہ میں ڈال دیں' چنانچہ حضرت خضر مجھے کھلاتے رہے' یہاں تک کہ مجھے گہری نیند آگئی' جب بیدار ہوا تو حریرہ کا ذائقہ محسوس ہوا' شقیق کہتے ہیں کہ جب ابراہیم نے یہ واقعہ سنایا تو میں نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا' اسے بوسہ دیا اور یہ کہنے لگا! اے اللہ! جو لوگ اپنی شہوتوں سے صحیح معنیٰ میں باز رہتے ہیں تو انہیں ان کی پسندیدہ چیزیں عطا کرتا ہے' تو ان کے دلوں میں یقین ڈالتا ہے' ان کے دلوں کو محبت کی دوا سے شفا دیتا ہے' اے اللہ! اپنے بندے شقیق پر بھی نظر کرم فرما۔ پھر میں نے ابراہیم کا ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا! اے اللہ اس ہاتھ کی برکت سے' اس ہاتھ والے کے طفیل میں' اور اس انعام کے صدقے میں جو تو نے ان پر فرمایا ہے اپنے عاجز و مسکین بندے پر کرم فرما' یہ تیرے فضل و احسان اور رحمت و کرم کا محتاج ہے' اگرچہ اس کا مستحق نہیں ہے۔ اس کے بعد ابراہیم ابن ادہم اٹھ کر چل دیئے اور حرم شریف میں داخل ہو گئے۔

مالک ابن دینار سے مروی ہے کہ وہ چالیس برس تک دودھ پینے کی آرزو کرتے رہے' لیکن نہیں پیا۔ ایک روز ان کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں' لوگوں نے کھانے کے لئے اصرار کیا' آپ نے فرمایا! تم ہی کھاؤ' میں نے چالیس برس سے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں کہ ایک بار ابو سلیمان دارانی نے گرم اور نمکین روٹی کھانے کی خواہش ظاہر کی' میں نے روٹی پکوا کر آپ کی خدمت میں پیش کی' آپ نے ایک لقمہ لیا' اور دانتوں سے کتر کر چھوڑ دیا' اور رو کر کہنے لگے الہا! طویل جدوجہد اور محنت کے بعد تو نے میری آرزو بہت جلد پوری کی' اب صدق دل سے توبہ کرتا ہوں' اور اس طرح کی خواہشات نہ کرنے کا عزم مصمم کرتا ہوں' احمد کہتے ہیں اس کے بعد آپ نے کبھی نمک نہیں چکھا۔ مالک بن ضیغم کہتے ہیں کہ میں بصرہ کے بازار سے گزر رہا تھا کہ میری نظر ایک سبزی پر پڑی' میرے دل نے یہ خواہش کی کہ کاش آج رات میں یہ سبزی کھاؤں' بعد میں مجھے اس خواہش پر ندامت ہوئی اور میں نے یہ عہد کیا کہ اب چالیس روز تک میں یہ سبزی نہ کھاؤں گا۔ مالک بن دینار بصرے میں پچاس برس تک رہے لیکن نہ انہوں نے وہاں کی کھجوریں کھائیں اور نہ خرما کھائے' ایک مرتبہ اہل بصرہ سے فرمایا! اے بصرہ والو! میں تم میں پچاس برس رہا ہوں' اس دوران میں نے تمہاری تر و خشک کھجوروں سے کوئی سروکار نہ رکھا' اس کے باوجود نہ مجھ میں کوئی کمی آئی ہے اور نہ تم میں کچھ زیادتی پیدا ہوئی ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ میں نے پچاس برس سے دنیا سے اپنا تعلق منقطع کر رکھا ہے۔ چالیس برس گزرے کہ میں نے دودھ کا ایک گھونٹ بھی حلق سے نیچے نہیں اتارا۔ حماد بن ابی حنیفہ کہتے ہیں کہ میں داؤد طائی کے پاس آیا' وہ اپنے حجرے کا دروازہ بند کئے ہوئے کسی سے کہہ رہے تھے کہ تو نے روٹی کی خواہش کی میں نے تجھے روٹی کھلائی' اب تو خرما کھانا چاہتا ہے' بخدا میں تیری یہ آرزو پوری نہیں کروں گا۔ جب وہ باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ ان کا خطاب اپنے نفس سے تھا۔ ابو حازم ایک دن بازار سے گزر رہے تھے کہ میوے پر نظر پڑی' دل نے میوہ کھانے پر اکسایا' بیٹے سے کہا کہ یہ میوہ جو کٹا ہوا اور ایک طرف کو رکھا ہے اس میں سے ہمارے لیے خرید لاؤ' شاید جنت میں بغیر کٹے اور غیر ممنوع میوے نصیب ہو جائیں' جب بیٹا خرید لایا تو اپنے نفس کو خوب لعنت ملامت کی کہ تو نے خریدنے کے لیے کہا' دیکھتے ہی کھانے کی آرزو ظاہر کی' اور اسے خریدنے پر مجبور کیا۔ بخدا میں تجھے ہرگز کھانے نہیں دوں گا۔ راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے وہ میوہ نہیں کھایا اور یتیموں کو دے دیا۔ موسیٰ اشج کہتے ہیں کہ میرا دل بیس برس سے نمک کی خواہش رکھتا ہے۔ احمد بن ابی خلیفہ کہتے ہیں کہ میرا دل بیس برس سے پیٹ بھر کر پانی پینا چاہتا ہے' لیکن میں نے اسے کبھی سیراب نہیں کیا' اس کی تشنگی باقی رکھی۔ عتبہ الغلام سات برس تک گوشت کھانے پر مصر رہے ایک دن انہوں نے

گوشت کا ایک پارچہ لیا' اسے آگ پر بھونا' اور روٹی میں لپیٹ کر رکھ دیا۔ اتنے میں ایک یتیم بچہ آیا' انہوں نے وہ روٹی اسے دیدی' اور رونے لگے' اس وقت ان کی زبان اس آیت کا ورد کر رہی تھی:۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا۔ (پ ۲۹ ر ۱۹ آیت ۸)

اور وہ لوگ محض خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد انہوں نے کبھی گوشت نہیں کھایا۔ ایک مرتبہ ان کے دل میں کھجوریں کھانے کی خواہش ہوئی' تھوڑی سی کھجوریں خریدیں اور یہ ارادہ کیا کہ رات میں ان ہی سے افطار کریں گے' اس رات اتنی تیز آندھی چلی اور اتنا زبردست طوفان آیا کہ لوگ گھبرا اٹھے' انہوں نے اس آندھی اور طوفان کے عذاب کو اپنے نفس کے قصور کی سزا تصور کیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگے: اے نفس! یہ سب کچھ تیری جرأت کی وجہ سے ہوا ہے' تو نے ہی مجھے کھجوریں خریدنے پر اکسایا تھا' لوگ اس مصیبت میں تیرے گناہ کی وجہ سے گرفتار ہوئے' خبردار! اب انہیں ہاتھ مت لگانا۔ داؤد طائی نے نصف پیسے کی سبزی اور ایک پیسے کا سرکہ خریدا' اور اپنے اس فعل پر اس قدر نادم ہوئے کہ تمام رات نفس کو ملعون کرتے رہے اور آخرت کے حساب سے ڈراتے رہے' ایک دن عتبہ غلام نے عبدالواحد بن زید سے کہا کہ فلاں شخص اپنے نفس کا وہ درجہ بتلاتا ہے کہ میں اپنے نفس کو اس درجے سے محروم پاتا ہوں' عبدالواحد نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ تم روٹی کے ساتھ کھجور بھی کھاتے ہو' اور وہ صرف روٹی پر قناعت کرتا ہے۔ عتبہ نے کہا کہ اگر میں بھی روٹی پر اکتفا کرنے لگوں تو کیا مجھے بھی یہ درجہ حاصل ہو جائے گا' فرمایا: یقیناً" یہ سن کر عتبہ رونے لگے' لوگوں نے کہا کیا: کھجور نہ کھانے کا غم ہے' عبدالواحد نے لوگوں سے کہا کہ انہیں کچھ نہ کہو' یہ جو ارادہ کرتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں' جعفر بن نصیر کہتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ نے مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لیے انجیر خرید کر لاؤں' میں نے حکم کی تعمیل کی' انہوں نے افطار کے وقت ایک انجیر منہ میں رکھا اور فوراً ہی نکال بھی لیا' اور مجھ سے کہنے لگے کہ انہیں میرے سامنے سے ہٹالو' میں نے عرض کیا کہ آپ نے لانے کا حکم دیا تھا' تناول فرمائیں' فرمایا: غیب سے یہ آواز آرہی ہے کہ تو نے ہماری خاطر یہ سب چیزیں ترک کیں ہیں' اب کیوں کھا رہا ہے؟۔ صالح مری کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سلمی سے عرض کیا کہ میں آپ کے لیے ایک چیز بھیجنا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ اسے قبول فرمالیں' انہوں نے وعدہ کر لیا' میں نے اپنے لڑکے کے ذریعہ گھی' شہد اور ستّو کا شربت بھیجا' اور پہنچانے والے کو ہدایت کی کہ جب تک وہ یہ شربت نوش نہ فرمالیں اس وقت تک واپس مت آنا' انہوں نے حسب وعدہ شربت پی لیا۔ میں نے دوسرے روز بھی شربت بھیجنے کی جرأت کی' لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا' میں نے عرض کیا جناب آپ نے میرا تحفہ واپس فرما دیا ہے مجھے اس کا افسوس ہے انہوں نے فرمایا: تمہیں اس کا برا نہ ماننا چاہیئے' میں نے پہلی بار یہ شربت پی لیا تھا' دوسری بار کوشش کے باوجود نہ پی سکا' جب میں نے پینے کا ارادہ کیا تو مجھے یہ آیت یاد آگئی:۔

يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ (پ ۱۳ ر ۱۵ آیت ۱۷)

جس کو گھونٹ گھونٹ کر پیئے گا اور گلے سے آسانی کے ساتھ نہ اتار سکے گا۔

صالح کہتے ہیں کہ میں ان کا یہ جواب سن کر رو پڑا اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ میں الگ راستے پر ہوں' آپ الگ راستے پر ہیں' سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ میرا دل تیس سال سے انگور کے شیرے سے روٹی کھانے کے لئے کہتا ہے لیکن میں نے اس کا کہنا نہیں مانا۔ ابوبکر جلا کہتے ہیں کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کا نفس اس سے دس دن تک بھوکا رہنے اور دس دن کے بعد من پسند چیز کھانے کے لئے کہتا ہے' وہ شخص اپنے نفس کے اس فریب میں نہیں آتا' اور اس سے کہتا ہے کہ میں دس روز کا فاقہ نہیں چاہتا تو اپنی خواہش ترک کر دے۔ ایک بزرگ نے اپنے کسی دوست کو کھانے پر مدعو کیا' کھانا سامنے آیا تو اس شخص نے روٹیاں الٹ پلٹ کیں تاکہ کھانے کے لئے کوئی اچھی سی روٹی منتخب کر سکے' بزرگ نے انہیں اس حرکت سے منع کیا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ جو روٹی تم نے چھوڑی ہے اس میں کس قدر حکمتیں پوشیدہ ہیں' اور کتنے کاریگروں کے ہاتھوں سے گذر کر یہ روٹی تم تک پہنچی

ہے' پہلے پانی برسا' پانی سے زمین سیراب ہوئی' بہائم تازہ دم ہوئے' بہت سے لوگوں نے ایک ایک دانے کے ساتھ محنت کی' اور اس مرحلے تک پہنچایا' اب تم اس روٹی سے اعراض کررہے ہو' اور خوب ترکی تلاش میں سرگرداں ہو۔ حدیث شریف میں ہے:۔

لا یستدیر الرغیف و یوضع بین یدیک حتّٰی یعمل فیه ثلا ثمائة و ستون صانعا اولهم میکائیل علیه السلام الذی یکیل الماء من خزائن الرحمة ثم الملائکة تزجی السحاب و الشمس و القمر و الا فلاک و ملٰئکة الهواء و دواب الارض و آخرهم الخباز' وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها۔ (۱)

روٹی گول ہو کر تمہارے سامنے اس وقت تک نہیں آتی جب تک اس میں تین سو ساٹھ کاریگروں کا عمل جاری نہیں ہوتا' ان میں سرفہرست میکائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ کی رحمت کے خزانوں میں سے پانی ناپتے ہیں' پھر وہ ملائکہ ہیں جو بادل' سورج' چاند اور ستاروں کو ہنکاتے ہیں' ہوا کے فرشتے اور زمین کے چوپائے ہیں اور آخر میں نان بائی ہے' اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرنے بیٹھو تو شمار نہ کرسکو۔

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم جرعی سے زُہد کی تعریف دریافت کی' انھوں نے مجھ سے پوچھا زہد کے سلسلے میں تم نے اب تک کیا سنا ہے' میں نے چند اقوال ذکر کئے' وہ خاموش رہے' میں عرض کیا: آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا نیا در کھو! پیٹ بندے کی دنیا ہے' تم پیٹ پر جتنی قدرت رکھو گے اسی قدر تمہیں زہد حاصل ہو گا' اور پیٹ تم پر جس قدر غالب ہو گا اسی قدر تم زہد سے بے بہرہ رہو گے۔ ایک بار بشر بن حارث بیمار ہوئے' اور عبدالرحمٰن طبیب سے وہ غذا دریافت کرنے کے لئے گئے جو ان کے مرض میں مفید ہو اور مزاج کے مطابق ہو' طبیب نے کہا میں غذا تو تجویز کردوں گا لیکن تم استعمال نہیں کرو گے انھوں نے کہا آپ تجویز تو کریں' طبیب نے سکنجبین' سیب کا عرق' اور شوربا تجویز کیا' بشر ابن حارث نے پوچھا کہ سکنجبین سے کم تر' اور نفع میں اس کے برابر بھی کوئی چیز ہے' طبیب نے لاعلمی ظاہر کی' فرمایا: میں جانتا ہوں' وہ سرکہ کے ساتھ کاسنی ہے' اس کے بعد انھوں نے سیب کا بدل دریافت کیا' طبیب کے لاعلمی ظاہر کرنے پر انھوں نے بتلایا کہ شامی لوبیا وہی کام کرتا ہے جو آپ سیب سے لینا چاہتے ہیں' یہی سوال و جواب شوربے کے سلسلے میں ہوئے' بشر نے بتلایا کہ گائے کے گھی سے بگھار دیا ہوا چنے کا پانی شوربے کی طرح مفید ہے' عبدالرحمٰن طبیب نے کہا آپ طب مجھ سے زیادہ جانتے ہیں' بلاوجہ دریافت کررہے ہیں۔

ان حکایات و اقوال سے پتا چلتا ہے کہ حضرات اولیاء اللہ انہی فوائد کے حصول کے لئے شکم سیری سے ڈرتے تھے اور خواہشات نفس کی اتباع کو ناپسند کرتے تھے' اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے خیال میں حلال ذرائع سے رزق کا میسر آنا قریب قریب ناممکن ہو گیا تھا اس لئے وہ صرف قدر ضرورت پر اکتفا کرتے تھے اور من پسند چیزیں ضرورت میں داخل نہیں ہیں۔ چنانچہ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ نمک بھی شہوات ہے' اس لئے کہ وہ روٹی سے زائد ایک چیز ہے' روٹی کے علاوہ جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب شہوات میں داخل ہیں کیونکہ ضرورت تنہا روٹی سے بھی پوری ہوجاتی ہے۔ روٹی کے علاوہ ہر چیز کو شہوت سمجھنا اور اس سے دور رہنا انتہائی درجے کی بات ہے' اگر کسی سے یہ ممکن نہ ہو تو اتنا ضرور کرے کہ اپنے نفس سے غافل نہ ہو' اور شہوات میں اس قدر مستغرق نہ ہو کہ جو دل چاہے کھائے اور جو جی میں آئے کرے۔ اس لئے پابندی سے گوشت کھانے کو منع کیا گیا ہے' چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص چالیس روز تک گوشت نہ کھائے وہ بد خلق ہو جاتا ہے' اور جو مسلسل چالیس روز تک گوشت استعمال کرے وہ سخت دل ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ پابندی سے گوشت کھانے میں شراب کا نشہ ہوتا ہے' اگر کوئی شخص بھوکا بھی ہو' اور جماع کی خواہش بھی رکھتا ہو تو اسے اپنے نفس کی دونوں خواہشیں پوری نہ کرنی چاہئیں' اس طرح

---

(۱) مجھے اس روایت کی سند نہیں ملی۔

نفس قوی ہو جائے گا بعض اوقات نفس کھانے کا مطالبہ اس لئے بھی کرتا ہے کہ جماع کے لئے نشاط اور توانائی پیدا ہو جائے، شکم سیر ہو کر سونا بھی اچھی بات نہیں ہے، اس سے بیک وقت دو غفلتیں جمع ہو جاتی ہیں، اور یہ دو غفلتیں جسم کی سستی اور قلب کی سختی کا باعث بنتی ہیں اگر کسی وجہ سے شکم سیر ہو کر کھالے تو بطور شکر نماز پڑھے یا ذکر اللہ میں مشغول ہو، چنانچہ حدیث شریف میں ہے:۔

اذیبوا طعامکم بالصلاۃ والذکر ولا تناموا علیہ فتقسو قلوبکم۔

(طبرانی، ابن السنی۔ عائشہؓ)

نماز اور ذکر کے ذریعہ اپنا کھانا ہضم کرلو کھانا کھا کر مت سوؤ اس طرح تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔

اور اس ذکر و عبادت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ چار رکعات پڑھے، یا سو مرتبہ سبحان اللہ کہے یا کھانے کے بعد تھوڑی سی تلاوت ہی کرلیا کرے۔ چنانچہ سفیان ثوری اگر رات کو پیٹ بھر کر کھالیتے تو وہ تمام رات نماز میں گزارتے، دن کو پیٹ بھر کھالیتے تو تمام دن ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے اور فرماتے کہ حبشی کا پیٹ بھو، اور اس سے محنت لو، کبھی فرماتے کہ گدھے کا پیٹ بھرو اور اس پر بوجھ لادو، اگر کبھی کوئی اچھی غذا، یا پھل فروٹ کھائے تو اس وقت روٹی نہ کھانی چاہیئے، بلکہ اس من پسند کھانے اور پھل فروٹ کے عوض روٹی ترک کر دینی چاہیئے تاکہ عادت اور شہوت دونوں یکجا نہ ہوں۔ سہل تستریؒ نے ابن سالم کے ہاتھ میں روٹی اور کھجور دیکھی، فرمایا پہلے کھجور کھالو، اگر پیٹ بھر جائے تو اسی پر قناعت کرو گنجائش رہ جائے تو ضرورت کے بقدر روٹی لے لو، اگر عمدہ اور سادہ سالن دونوں طرح کے کھانے موجود ہوں تو پہلے اچھا کھانا کھالے کیونکہ اچھے کھانے سے پیٹ بھرنے کے بعد دل سادہ کھانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ لیکن سادہ کھانے کے بعد دل اچھے کھانے کی طرف ضرور لپکتا ہے، اور بعض اوقات آدمی بلا ضرورت بھی کھا لیتا ہے۔ بعض اکابر اپنے مریدین کو نصیحت فرماتے کہ من پسند چیزیں مت کھاؤ، اگر کھاؤ تو ان کی جستجو مت کرو، اگر جستجو کرو تو ان سے محبت رکھو۔ مخصوص کھانے تلاش کرنا اور دسترخوان پر بیٹھ کر روٹی کا انتخاب کرنا شہوت میں داخل ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ عراق سے ہمارے پاس روٹی سے زیادہ کوئی عمدہ غذا نہیں آتی تھی، غور کیجئے کہ ابن عمر نے روٹی کو بہترین غذا قرار دیا۔ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ مباحات کی شہوت اور اتباع سے بھی بچنا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ ہم یہاں شہوتیں پوری کرلیں اور قیامت کے روز ہم سے کہا جائے:۔

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا

(پ ۲۶ ر ۲ آیت ۲۰)

تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے۔

آدمی دنیا میں اپنے نفس کے ساتھ جس قدر مجاہدہ کرے گا، اور جتنی شہوات ترک کرے گا آخرت میں اسی قدر آرام حاصل کرے گا، اور اسی قدر لذات اور شہوات سے مستفید ہو گا۔ ایک بزرگ کا جی چاول کی روٹی اور مچھلی کھانے کو چاہا انھوں نے دل کی بات ماننے سے انکار کر دیا، اس کا اصرار بڑھا ان کا انکار بڑھا، یہ کشمکش بیس برس تک جاری رہی۔ یہاں تک وہ بزرگ وفات پا گئے، بعد میں ایک صاحب دل نے انھیں خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اللہ نے مجھے جن بیش بہا انعامات اور بے پایاں الطاف سے نوازا ہے میں ان کے بیان و اظہار سے قاصر ہوں، سب سے پہلے مجھے مچھلی اور چاول کی روٹی دی گئی اور کہا گیا کہ آج تو اپنی ہر خواہش پوری کر سکتا ہے جو دل چاہے بلا حساب بلا روک ٹوک کھا لے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ

(پ ۲۹ ر ۵ آیت ۲۴)

کھاؤ اور پیو مزے کے ساتھ ان اعمال کے صلے میں جو تم نے گزشتہ ایام میں کئے ہیں۔

ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ سال بھر تک دن میں روزہ رکھنے اور رات میں قیام کرنے سے بہتر کسی شہوت کا ترک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بھوک کے حکم اور اس کی فضیلت میں اختلاف رائے اور لوگوں کے احوال کا اختلاف

جاننا چاہئے کہ تمام امور اور اخلاق میں اعتدال اور درجہ وسطی مطلوب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:-

خیر الامور اوساطها(۱)

بہترین امور درمیانی ہوتے ہیں۔

طرفین یعنی افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں' بھوک کی فضیلت پر جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ بھوک میں افراط مطلوب ہے' حالانکہ قطعاً ایسا نہیں ہے۔ بلکہ شریعت کے حکیمانہ اسرار اس نوعیت کے ہیں کہ جن امور میں طبیعت انتہا کی طالب ہوتی ہے اور ان میں کچھ فساد ہوتا ہے تو ان امور سے مبالغہ کے ساتھ منع کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جاہل بھی یہ سمجھ لے کہ شریعت کا مقصود طبیعت کے خلاف عمل کرانا ہے' صرف عالم یہ بات سمجھتا ہے کہ منع میں مبالغہ سے مقصود اعتدال ہے' کیونکہ وہ یہ بات جانتا ہے کہ طبع پر شکم سیری غالب ہے اور اس سلسلے میں لوگ درجہ تفریط تک پہنچے ہوئے ہیں' مناسب یہی ہے کہ بھوک کے زیادہ سے زیادہ فضائل بیان کئے جائیں' اور شکم سیری سے مبالغے کے ساتھ روکا جائے تاکہ طبیعت اعتدال پر آئے' طبع کو بالکلیہ ختم کرنا ممکن نہیں ہے' البتہ اسے اعتدال پر لانا ممکن ہے' چنانچہ اگر کوئی خلاف طبع اسراف کرے تو شریعت اس کے عمل کی بھی مذمت کرتی ہے' مثلاً شب بیداری اور روزے کے بے شمار فضائل احادیث میں وارد ہیں' لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں' اور تمام رات جاگتے ہیں تو انہیں منع فرمایا۔(۲) آپ کے منع فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس سلسلے میں انتہا پسندی سے کام نہ لیں بلکہ اعتدال پر آجائیں۔

اس اصولی گفتگو کے بعد یہ بات جان لینی چاہئے کہ کھانے کے سلسلے میں افضل اور معتدل طریقہ یہ ہے کہ اتنا کھائے جس سے نہ معدے میں ثقل پیدا ہو' اور نہ بھوک کی تکلیف محسوس ہو' کھانے کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کی زندگی باقی رہے اور اس کے جسم میں عبادت کے لیے قوت بہم رہے' معدے کی گرانی بھی عبادت کے لیے مانع ہے اور معدے کا خالی ہونا بھی دل کو مشغول کرتا ہے' کھانا اتنا کھانا چاہئے کہ بھوک کی تکلیف بھی مٹ جائے اور غذا کا اثر بھی معلوم نہ ہو' اس طرح کھانے سے آدمی فرشتوں کے مشابہ ہوجاتا ہے کیونکہ وہ غذا کی گرانی اور بھوک کی تکلیف دونوں سے ماوراء ہیں' ان کی اقتداء ہی انسان کو اس درجہ کمال تک پہنچا سکتی ہے جو اس کی تخلیق کا مقصد ہے اس درجہ اعتدال کے ایک طرف شکم سیری ہے اور دوسری جانب بھوک ہے' یہ دونوں ہی مہلک ہیں' ان دونوں سے بچ کر اعتدال کی راہ اختیار کرنے ہی میں زندگی کی بقا ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے چیونٹی کو گرم حلقہ کے درمیان چھوڑ دیا جائے وہ جس طرف سے بھاگے گی موت اس کے سامنے آئے گی کیونکہ حلقہ چاروں طرف سے گرم ہے' اس کی ہلکی سی آنچ بھی اس ننھی سی جان کو ختم کرسکتی ہے' لیکن اگر وہ حلقے کے مرکز میں پڑی رہے اور ادھر ادھر نہ جائے تو آگ سے دور رہے گی اور اپنی زندگی کو محفوظ رکھ سکے گی۔ یہی حال انسان کا ہے کہ شہوات اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں' فرشتے شہوات سے بہت دور ہیں' اس صورت میں ان سے مشابہت اختیار کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ شہوات سے دوری اختیار کی جائے' اور کیونکہ درجہ اعتدال تمام اطراف سے برابر کی دوری پر واقع ہے اس لیے وہی مطلوب ہے' جیسا کہ خیر الامور ا

---

(۱) یہ روایت پہلے بھی گزری ہے۔ (۲) یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔

اوساط تھا ہے اس کا ثبوت ملتا ہے، اور آیت کریمہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا (پ ۸ ر ۱۰ آیت ۳۱)

کھاؤ اور پیو اور حد سے مت نکلو۔

بھوک اور شکم سیری میں اعتدال : جب تک انسان کو بھوک کی تکلیف اور شکم سیری کی گرانی محسوس ہوتی رہے گی، عبادت میں دل جمعی حاصل نہیں ہوگی، عبادت اور فکر کو آسان بنانے کے لیے اور عمل پر یکساں قدرت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ نہ انسان بھوکا رہے اور نہ شکم سیر ہو۔ لیکن کیونکہ انسان کا نفس ابتدا میں سرکش، شہوات کا شائق، اور حد اعتدال سے دور ہوتا ہے اس لیے اسے افراط و تفریط کے درمیانی نقطے پر لانے میں دشواری ہوتی ہے۔ اولاً منع کرنے میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے، مثلاً بھوک اور شکم سیری کے درمیانی درجے پر لانے کے لیے پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ نفس کو بھوکا رکھ کر خوب تکلیف پہنچائی جائے، جس طرح سرکش گھوڑے کو قابو میں رکھنے کے لیے اولاً بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہے اور بہت زیادہ مارا پیٹا جاتا ہے۔ اس مرحلے سے گذرنے کے بعد گھوڑا قابو میں آجاتا ہے، اور اپنے مالک کی مرضی کا پابند ہو جاتا ہے، گھوڑا اپنی سرکشی چھوڑ دے اور قابو میں آجائے تو اسے بھوکا پیاسا رکھنے اور دیگر جسمانی اذیتیں پہنچانے کی ضرورت نہیں رہتی، مرشد بھی اپنے مریدین کے ساتھ یہی سلوک کرتا ہے اور انہیں ایسے کام بتلاتا ہے جنہیں وہ خود نہیں کرتا، مثلاً انہیں بھوکا رہنے اور شہوات ترک کرنے کے لیے کہتا ہے حالانکہ نہ خود بھوکا رہتا ہے اور نہ شہوات سے کلی طور پر لاتعلق رہتا ہے بلکہ بعض اوقات غذا کے بعد فواکہ (پھل فروٹ) سے بھی شوق کرلیتا ہے اور دیگر لذات و شہوات سے حظ اٹھالیتا ہے کیونکہ اس کا نفس مرتاض ہے، اب اسے مزید ریاضت اور تربیت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن کیونکہ نفس پر عام حالات میں حرص، شہوت، سرکشی، اور عبادت سے تساہل کا غلبہ رہتا ہے اس لیے اس کے لیے زیادہ بہتر بھوک ہے، تاکہ وہ اس کی تکلیف محسوس کرتا رہے، اور منکسر ہو جائے اور انکسار سے درجہ اعتدال پر آئے، یعنی غذا میں میانہ روی اختیار کرے۔ راہِ آخرت کے سالکین میں صرف دو ہی شخص بھوکا رہنے سے باز رہتے ہیں، ایک صدیق، اور دوسرا فریب خوردہ احمق۔ صدیق کو بھوکا رہنے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ اس کا نفس صراط مستقیم پر گامزن ہے، اور حق کے طرف چلنے میں وہ بھوک کے کوڑے کھانے سے بے نیاز ہے، احمق اس لیے بھوکا نہیں رہتا کہ وہ اپنے بارے میں گمان رکھتا ہے کہ وہ صدیق ہے، اور اس کا نفس کسی ریاضت یا تادیب کا محتاج نہیں ہے۔ یہ فریب عظیم ہے۔ اور بیشتر لوگ اسی فریب میں مبتلا نظر آتے ہیں، نفس کی مکمل تادیب مشکل ہی سے ہوتی ہے، عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ لوگ صدیقین کے احوال کا اپنے نفسوں پر انطباق کرنے لگتے ہیں، خواہ وہ انطباق صحیح ہو یا غلط۔ اور صدیقین کی طرح خود بھی اسباب سے بے نیازی برتنے لگتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بیمار کسی تندرست آدمی کو کوئی چیز کھاتے ہوئے دیکھے اور یہ جانے بغیر کہ وہ چیز صحت مند کے لیے مفید اور بیمار کے لیے مضر ہے خود بھی کھانے بیٹھ جائے، اس بیمار کے متعلق کہا جائے گا کہ وہ نادان ہے اور ہلاکت کی طرف جا رہا ہے۔

غذا مقصود نہیں مجاہدہ مقصود ہے : یہ حقیقت ہے کہ غذا میں جنس، وقت اور مقدار کی تخصیص بذات خود مقصود نہیں ہے، بلکہ یہ سرکش اور نافرمان نفس کے خلاف ایک مجاہدہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ مقدار، وقت اور جنس مقرر نہ تھی، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی آپ اس قدر روزے رکھتے کہ ہم یہ خیال کرنے لگتے کہ اب افطار نہ کریں گے، اور کبھی اس قدر افطار کرتے کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب روزہ نہیں رکھیں گے (بخاری و مسلم)۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کے پاس تشریف لے جاتے اور ان سے دریافت کرتے کہ کیا تمہارے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے اگر گھر کے لوگ عرض کرتے جی ہاں! ہے تو آپ تناول کرلیتے ورنہ فرماتے کہ میں روزے سے ہوں (ابوداؤد، ترمذی، نسائی بروایت عائشہؓ) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ کے سامنے کوئی چیز پیش ہوتی تو آپ فرماتے میرا ارادہ روزہ رکھنے کا تھا (بیہقی) چنانچہ

ایک روز آپ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں روزے سے ہوں' اتنے میں کہیں سے حیس آیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے پاس حیس آیا ہوا ہے' اگر آپ فرمائیں تو حاضر کروں' آپ نے فرمایا میں تو روزہ رکھنا چاہتا تھا' تاہم لے آؤ (مسلم)

اکابرین سلف کے مجاہدے : حضرت سہل تستری سے کسی نے دریافت کیا کہ شروع میں آپ کے مجاہدے کی کیا کیفیت تھی' انہوں نے مختلف قسم کی پر مشقت ریاضتوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ایک مدت تک بیری کے پتے کھا کر دن گذارے ہیں' تین برس تک انجیر کا آٹا استعمال کیا ہے' پھر تین برس کے لیے تین درہم مقرر کرلئے' ایک سال میں ایک درہم کی غذا کھا لیتا تھا۔ پوچھا گیا اب کیا حال ہے؟ فرمایا: اب نہ حد مقرر ہے اور نہ وقت' حد اور وقت کے مقرر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بعد میں بہت زیادہ کھانے لگے تھے' بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ اب میں اپنے کھانے کی کوئی مقدار متعین نہیں کرتا اور نہ وقت مقرر کرتا ہوں' بلکہ جس وقت مناسب سمجھتا ہوں اور جتنی غذا مناسب سمجھتا ہوں لے لیتا ہوں۔ حضرت معروف کرخی کے پاس لوگ عمدہ عمدہ کھانے بھیجتے' آپ کھا لیا کرتے' کسی نے کہا کہ آپ عمدہ کھانے کھا لیتے ہیں' آپ کے بھائی بشیر نہیں کھاتے' انہوں نے جواب دیا کہ میرے بھائی بشیر کو ورع نے روک رکھا ہے اور مجھے معرفت نے وسعت بخشی ہے' میں اللہ کا مہمان ہوں' جیسا کھانا وہ مجھے کھلاتا ہے کھا لیتا ہوں' جب بھوکا رکھتا ہے صبر کرتا ہوں' نہ مجھے اعتراض کا حق ہے نہ انکار کی جرأت اور نہ طلب کا یارا۔ ایک مرتبہ ابراہیم بن ادہم نے اپنے کسی بھائی کو چند درہم مکھن' شہد اور روٹی خریدنے کے لیے دیئے' کسی نے کہا اے ابو اسحاق! یہ چیزیں آپ کھائیں گے؟ انہوں نے فرمایا: کیوں نہیں! ارے احمق! جب ہمیں ملتا ہے تو مردوں کی طرح کھاتے ہیں' اور نہیں ملتا تو مردوں کی طرح صبر کرتے ہیں ایک دن ابراہیم بن ادہم نے انواع واقسام کے کھانے تیار کرائے' اور کچھ لوگوں کی دعوت کی' مدعوئین میں سفیان ثوری' اور اوزاعی بھی تھے' سفیان نے کہا اے ابو اسحق! کیا آپ اسراف سے نہیں ڈرتے' فرمایا: اسراف کھانے میں نہیں ہوتا' اسراف لباس اور ساز و سامان میں ہوتا ہے۔

بزرگوں کے احوال کا اختلاف : جس شخص کا علم تقلیدی اور سمعی ہوتا ہے وہ یہ مختلف احوال دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتا ہے' ایک طرف ابراہیم بن ادہم کا توسع ہے' دوسری طرف مالک بن دینار کا یہ ارشاد اس کے پیش نظر ہے کہ بیس سال سے میرے گھر میں نمک داخل نہیں ہوا' ایک طرف سری سقطی ہیں جن کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ چالیس سال تک انگور کے شیرے سے روٹی کھانے کے لیے ترستے رہے' وہ یہ پوچھتا ہے کہ ان بزرگوں کے حالات اس قدر مختلف کیوں ہیں؟ حق تو ایک ہی ہے' ان میں سے ایک یقیناً غلطی پر تھا۔ لیکن جس شخص کے دل پر علم کے اسرار منکشف ہو گئے ہوں' اور جس کے لیے فہم و بصیرت کے دروازے کھول دیئے گئے ہوں وہ ان سب کو حق پر سمجھتا ہے' اس کے خیال میں انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے حال اور وقت کے مناسب تھا۔ اس اختلاف کی حقیقت پر مطلع ہونے کے بعد احتیاط پسند آدمی اپنے تئیں یہ سمجھتا ہے کہ میں معرفت کی اس بلندی پر نہیں پہنچا جس پر مثلاً ابراہیم ابن ادہم تھے' میرے لیے زیادہ بہتر مالک بن دینار اور سری سقطی کا راستہ ہے' میرا نفس یقیناً ان کے نفوس سے زیادہ حق کا مطیع اور فرمانبردار نہیں ہو سکتا' فریب خوردہ شخص سمجھتا ہے کہ میرے لیے معروف کرخی اور ابراہیم ادہم کا طریق مفید ہے' میرا نفس ان دونوں کے نفوس سے زیادہ کیا نافرمان ہوگا' مجھے انہی کی اقتدا کرنی چاہیئے' اور اپنے آپ کو خدا کا مہمان سمجھ کر ہر اعتراض سے یکسو ہو جانا چاہیئے۔ پھر اگر کوئی شخص اس "فریب خوردہ بزرگ" کی تعظیم کرنے میں یا اس کے حقوق کی بجا آوری میں ادنیٰ درجے کی کوتاہی کا مرتکب بھی ہو جائے تو قیامت بپا ہو جاتی ہے' اور ایسے شخص کو بد دین' ملحد اور دوسرے خطابات سے نوازا جاتا ہے۔ احمقوں کی باگ دوڑ شیطانوں کے ہاتھ میں ہے وہ جدھر چاہیں موڑ دیتے ہیں۔ غذا کے استعمال' اور من پسند چیزوں کے کھانے کے سلسلے میں کسی مقدار کی پابندی کرنا صرف ان لوگوں کو زیب دیتا ہے جنہیں ولایت اور نبوت کا نور میسر ہو' اور وہ جس حالت میں بھی ہوں خواہ انقباض کی ہو یا استرسال کی ان کے اور باری تعالیٰ کے مابین کوئی علامت ہو' اور یہ اسی وقت

ہو سکتا ہے جب کہ نفس خواہشات اور عادات کی قید سے نکل جائے' یہاں تک کہ وہ کھائے بھی تو کوئی نیت نہ ہو' نہ کھائے تب بھی نیت سے خالی نہ ہو' اس صورت میں اس کا کھانا اور نہ کھانا دونوں اللہ کے لیے ہوں گے۔ حضرت عمر بن الخطاب کی احتیاط پسندی دیکھئے انہیں معلوم تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد پسند تھا اور آپ اسے کھاتے بھی تھے (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ) اس کے باوجود آپ نے اپنے نفس کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس پر قیاس نہیں کیا' بلکہ جب شہد کا ٹھنڈا مشروب آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو ہاتھ میں پیالہ لے کر فرمایا اگر پی لوں تو اس کی لذت چند لمحوں میں ختم ہو جائے گی' لیکن اس کا مواخذہ باقی رہے گا' میرے پاس سے یہ مشروب لے جاؤ' مجھے آخرت کے حساب سے بچاؤ۔

مرشد کو یہ اسرار اپنے مرید کے سامنے بیان نہ کرنے چاہئیں' بلکہ اس سے کہنا چاہئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ بھوکا رہے' اسے اعتدال کی تعلیم دینا اس لیے مناسب نہیں کہ وہ اعتدال سے کسی قدر منحرف ضرور ہو گا' اسے تو انتہائی درجے کی بھوک کی ہدایت کرنی چاہئے' تاکہ اس کے لیے اعتدال پر آنا سہل ہو جائے' مرید کو یہ بھی نہ بتلانا چاہئے کہ عارف کامل کو ریاضت اور نفس کی تادیب کی ضرورت باقی نہیں رہتی' اگر یہ بتلایا گیا تو شیطان اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے گا کہ تم معرفت کے اعلیٰ درجے تک پہنچ چکے ہو' اور تمہارے شیخ و مرشد کے ارشاد کے بموجب اب تمہیں کسی ریاضت کی ضرورت نہیں ہے' حضرت ابراہیم خواص کا دستور یہ تھا کہ جو ریاضت مرید کو بتلاتے خود بھی وہی کرتے' تاکہ وہ یہ نہ سوچے کہ شیخ صاحب خود تو اس پر عمل کرتے نہیں اور مجھے تلقین کرتے ہیں' ایسا نہ ہو کہ وہ ریاضت سے متنفر ہو جائے' مرشد کو بعض اوقات اپنے درجہ سے نزول بھی کرنا پڑتا ہے' جیسے کشتی سکھانے والے پہلوان کیا کرتے ہیں کہ وہ محض مشق و تمرین کی خاطر اور اپنے شاگردوں کو داؤ پیچ سکھلانے کے لیے کمزور پڑ جاتے ہیں' اور آسانی سے شکست کھا جاتے ہیں' نفس کی ریاضت کے لیے جسم کی ریاضت کے مقابلے میں زیادہ نرمی اور تلطف کی ضرورت ہے۔ ریاضت آزمائش کا میدان ہے' انبیاء اور اولیاء سب ہی اس آزمائش سے گزرتے ہیں' اس لیے احتیاط ہر حال میں ضروری ہے' حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ ان کے صاحبزادے عبداللہ ہر روز گوشت روٹی کھاتے ہیں' یہ سن کر انہوں نے دُرّہ اٹھالیا' اور فرمایا: نالائق! ایک دن گوشت روٹی کھا' ایک دن دودھ سے روٹی کھا' ایک دن گھی سے کھا' ایک دن تیل سے کھا' ایک دن نمک سے کھا' اور کسی دن روکھی بھی کھا۔ معلوم ہوا کہ اسی کا نام اعتدال ہے۔ گوشت اور دوسری شہوات پر مواظبت کرنا افراط و اسراف میں داخل ہے۔ اور بالکلیہ ترک کر دینا تفریط ہے' کبھی کھانا اور کبھی نہ کھانا اعتدال ہے۔

کم خوری اور ترک شہوات کی آفتیں

جاننا چاہئے کہ تارک شہوات دو آفتوں کا نشانہ بنتا ہے' یہ آفتیں من پسند چیزیں کھانے کی آفتوں سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ ایک آفت یہ ہے کہ نفس بعض شہوات نہیں چھوڑ سکتا۔ سالک تو چھوڑنا چاہتا ہے لیکن نفس اس کی اجازت نہیں دیتا' نفس کی خواہش پوری کرنے کے لیے بعض اوقات سالک یہ کرتا ہے کہ لوگوں سے چھپ کر وہ چیز کھا لیتا ہے' یہ شرک خفی ہے' ایک عالم سے کسی زاہد کا حال دریافت کیا گیا وہ خاموش رہے' سائل نے پوچھا کیا آپ ان کے زہد میں کچھ کمی محسوس کرتے ہیں' عالم نے جواب دیا کہ وہ تنہائی میں ایسی چیزیں کھاتا ہے جو مجمع میں نہیں کھاتا' یہ ایک بڑی آفت ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو جائے تو اپنی خواہش ظاہر کر دینی چاہئے' صدق حال اسی اظہار کو کہتے ہیں' صدق حال مجاہدے کا عوض ہے جو اعمال کی شامت سے ضائع چلا گیا' لیکن نقص کو مخفی رکھنے اور کمال کو ظاہر کرنے میں دو برابر کے نقصانات ہیں' جیسا کہ جھوٹ بولنا اور اس کا اخفاء کرنا دو جھوٹ ہیں' اور یہ جھوٹا ڈبل ناراضگی کا مستحق ہے' جب تک صدق دل سے توبہ نہیں کرتا یہ ناراضگی دور نہیں ہوتی' منافقین کو سخت تر عذاب میں مبتلا کئے جانے کی وجہ یہ بھی ہے' جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (پ ۵ ر ۱۷ آیت ۱۴۵)
بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے۔

اس لیے کہ کافر اگر کفر کرے اور اسے ظاہر کردے تو یہ تنہا کفر ہے' اور کفر کرے' اور اسے پوشیدہ رکھے تو یہ دوسرا کفر ہے' ایسے شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ اس نے باری تعالیٰ کی نظر کو حقیر جانا اور مخلوق کی نظروں کو اہمیت دی' یعنی دل میں کفر رکھا حالانکہ اللہ تعالیٰ دل کے حال پر مطلع ہیں' اور ظاہر سے کفر مٹایا' جب کہ باطن کا اعتبار ہے' ظاہر کی کوئی اہمیت نہیں عارفین شہوات بلکہ معاصی میں مبتلا کیے جاتے ہیں' لیکن ریا' فریب' اور اخفاء عیب میں مبتلا نہیں کیے جاتے' بلکہ معرفت کا کمال تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے شہوتیں ترک کردے اور ظاہر یہ کرتا رہے کہ وہ شہوت میں مبتلا ہے' یہ اظہار اس لیے کرے تاکہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہو جائے' ایک بزرگ من پسند چیزیں خرید کر گھر میں نمایاں جگہ پر رکھ دیتے' تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ یہ چیزیں کھاتے ہیں' حالانکہ وہ غذا کھایا کرتے تھے' یہ اظہار اپنے حال کے سلسلے میں لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیے تھا تاکہ لوگ بزرگ سمجھ کر ان کی طرف رجوع نہ کریں' کمال زہد یہی ہے کہ زہد میں زہد کے خلاف کرے یعنی ظاہر یہ کرے کہ وہ زاہد نہیں ہے' بلکہ مبتلائے شہوات ہے' یہ صدیقین کا عمل ہے' جس طرح منافق نے دو کذب جمع کیے ہیں اسی طرح صدیق بھی دو صدقوں کا جامع ہے' اس نے اپنے نفس پر ڈبل بوجھ ڈالا ہے' اور دو مرتبہ جام صبر پیا ہے' ایک مرتبہ اس وقت جب اس نے من پسند چیز کو خیرباد کہا اور دوسری بار اس وقت جب لوگوں نے اس کے ظاہر حال کو ہدف طعن بنایا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے:

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ (پ ۲۰ ر ۹ آیت ۵۴)
ان لوگوں کو دوہرا ثواب ملے گا۔

ان لوگوں کا حال اس شخص کے مشابہ ہے جسے کوئی چیز سب کے سامنے دی جائے وہ اس وقت تو قبول کرلے لیکن چھپا کر واپس کردے۔ اس کو دو وجہ سے تکلیف ہوگی' اول اس لیے کہ اسے سب کے سامنے وہ چیز دے کر ذلیل کیا گیا' دوم اس لیے کہ اس نے وہ چیز چھپا کر واپس کردی جب کہ وہ اس کا ضرورت مند بھی تھا۔ سالک کو اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو اسے اپنے عیب کے اعلان اور شہوت کے اظہار میں اجتناب نہ کرنا چاہئے' اور شیطان کے اس فریب میں نہ آنا چاہئے کہ اگر میں نے اپنے عیوب ظاہر کردیے تو لوگ ان عیوب میں بھی میری اقتدا کریں گے' اس لیے لوگوں کی اصلاح کی خاطر بہتر یہ ہے کہ میں اپنا حال مخفی رکھوں۔ سالک کو سمجھ لینا چاہئے کہ دوسرے کی اصلاح سے زیادہ اہم اپنی اصلاح ہے۔ دوسروں کی اصلاح کے نقطۂ نظر سے اپنا حال مخفی رکھنے والے شخص کا مقصد ریا ہے' وہ دوسروں کی اصلاح کے بہانے شیطان کی اتباع میں مصروف ہے' حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے اعراض کے خوف سے اپنے عیوب ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ نہ اسے اپنی اصلاح مقصود ہے اور نہ غیر کی اصلاح۔

دوسری آفت یہ ہے کہ سالک ترک شہوات پر عملاً قادر تو ہے' لیکن اسے زاہد مشہور ہونے کا شوق ہے اور وہ اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ لوگ اسے عفیف کہیں۔ یہ سالک ایک ضعیف شہوت (کھانے کی شہوت) کا تارک ضرور ہے لیکن اس سے زیادہ بڑی شہوت میں مبتلا ہے اور وہ ہے شہرت کی طلب اور عزت و جاہ کی خواہش۔ یہ ایک شہوت خفیہ ہے' مبتلا بہ کو بہت دیر میں اپنے مبتلا ہونے کا احساس ہوتا ہے' اس شہوت کا ختم کرنا کھانے کی شہوت ختم کرنے کے مقابلے میں زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ اگر کوئی شخص ریا کاری سے دور ہے اور کھانے کی شہوت میں مبتلا ہے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو کھانے کی شہوت کا تارک اور حب جاہ میں مبتلا ہے' ابو سلیمان کہتے ہیں کہ جب تیرے سامنے کوئی ایسی غذا آئے جسے تو نے ترک کر رکھا ہے تو اس میں تھوڑا سا کھالے' البتہ نفس کی خواہش (زیادہ کھانے کی) پوری مت کر' اس طرح نفس کی دونوں شہوتیں ختم ہوں گی' کھانے کی شہوت بھی' اور شہرت کی شہوت بھی۔ جعفر بن محمد صادق کہتے ہیں کہ جب میرے سامنے کوئی اچھی اور من پسند چیز پیش کی جاتی ہے تو میں اپنے نفس پر ڈالتا ہوں' اگر میں یہ دیکھتا ہوں کہ وہ ظاہر میں کھانے کی طرف مائل ہے تو میں اسے کھلا دیتا ہوں' منع کرنے سے بہتر کھلانا ہے۔ اگر وہ

اندرونی طور پر خواہش رکھتا ہے اور ظاہر یہ کرتا ہے کہ میں اس کا تارک ہوں تو میں اسے وہ چیز نہیں کھلاتا۔ اس سے نفس کو سزا دینے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ کھانے کی شہوت کا تارک اور ریاء کی شہوت کا مرتکب ایسا ہے جیسے کوئی شخص بچھو سے بھاگ کر سانپ کے پہلو میں پناہ لے۔ حالانکہ سانپ اس کے لیے زیادہ خطرناک ہے اسی طرح ریا کھانے کی خواہش سے زیادہ نقصان دہ ہے۔

شرم گاہ کی شہوت

جاننا چاہئے کہ انسان کے اندر جماع کی شہوت دو فائدوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ انسان جماع کی لذت پر آخرت کی لذتوں کو قیاس کرسکے۔ اگر یہ لذت دیرپا ہوتی تو جسم کی لذتوں میں سب سے زیادہ قوی ہوتی' جیسا کہ آگ کی تکلیف جسم کی تمام تکلیفوں سے زیادہ سخت ہے۔ لوگوں کو ابدی سعادت حاصل کرنے کے لیے ترغیب و ترہیب کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت مکمل طور پر اسی وقت پوری ہوتی ہے جب کسی محسوس تکلیف یا محسوس اور ادراک کئے جانے والی لذت کو اس کا ذریعہ بنایا جائے' جماع کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ انسانی نسل باقی رہے۔ یہ دو فائدے ہیں لیکن اس میں ایسی بڑی آفتیں بھی موجود ہیں کہ اگر آدمی اپنے آپ پر قابو نہ رکھے اور اس شہوت کو اعتدال میں نہ کرے تو ان آفتوں کی وجہ سے دنیا بھی کھودے اور دین بھی ضائع کردے۔
قرآن کریم کی اس آیت میں:۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ (پ ۳ ر ۸ آیت ۲۸۶)

اے ہمارے رب اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالئے۔

بعض علماء نے اس چیز سے جس کی طاقت نہ ہو شہوت جماع کی شدت مراد لی ہے۔ اور قرآن کریم کی اس آیت:۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ (پ ۳۰ ر ۳۸ آیت ۳۰)

(اور پناہ مانگتا ہوں) اندھیری رات کے شر سے جب وہ رات آجائے۔

کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس میں آلہ تناسل کے کھڑے ہونے سے پناہ مانگی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عباس کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔(۱) اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد دخول کے وقت آلہ تناسل کا کھڑا ہونا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جب آدمی اپنے جوش کی معراج پر ہو تو اس کی دو تہائی عقل رخصت ہوجاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے۔

اعوذبک من شر سمعی وبصری وقلبی ومنیی

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کان اپنی آنکھ' اپنے دل اور اپنی منی کے شر سے۔

عورتوں کے متعلق یہ ارشاد نبوی بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

النساء حبائل الشيطان ولولا هذه الشهوة لما كان للنساء سلطنة على الرجال (الاصفہانی فی الترغیب والترہیب۔ خالد بن زید الجہنی)

عورتیں شیطان کے جال ہیں' اگر یہ شہوت نہ ہوتی تو عورتوں کو مردوں پر قابو نہ ہوتا۔

روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی مجلس میں تشریف فرماتے کہ ابلیس آیا' اس کے سر پر ایک ٹوپی تھی جس میں بہت

---

(۱) مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔

سے رنگ چمک رہے تھے' آپ کی مجلس میں پہنچنے کے بعد اس نے وہ ٹوپی اتار کر رکھ دی اور سلام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں ابلیس ہوں' آپ نے فرمایا اللہ تجھے موت دے تو یہاں کس لیے آیا ہے؟ اس نے کہا آپ اللہ کے نزدیک عظیم مرتبے اور منصب پر فائز ہیں اس لیے میں آپ کو سلام کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں' حضرت موسیٰ نے دریافت کیا تو نے مختلف رنگوں کی ٹوپی کیوں اوڑھ رکھی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ اس ٹوپی کے ذریعہ میں بنی نوع انسان کے دلوں کو اچکتا ہوں اور انہیں فریب دیتا ہوں' حضرت موسیٰ نے پوچھا کہ انسان کے کس عمل کی بنا پر تو اسے زیر کرلیتا ہے؟ جواب دیا: جب اس کے دل میں کبر پیدا ہوجاتا ہے' اپنے کم عمل کو بہت سمجھتا ہے اور اپنے گناہوں کو بھول جاتا ہے۔ میں تین باتوں سے آپ کو خبردار کرتا ہوں۔ ایک یہ کہ کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں مت رہنا۔ جب کوئی شخص کسی اجنبیہ کے ساتھ تنہا ہوتا ہے تو میں انہیں فتنے میں مبتلا کرنے کے لیے خود پہنچتا ہوں' اپنے کسی چیلے کو نہیں بھیجتا۔ دوسری بات یہ کہ جو عہد کریں اسے پورا کریں تیسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقے کے لیے جو رقم علیحدہ کریں اسے فوراً تقسیم کردیں' ایسے مواقع پر بھی میں پہنچنے میں جلدی کرتا ہوں اور اس طرح کے حیلے اختیار کرتا ہوں کہ وہ آدمی اپنی نیت بدل دے اور خیرات نہ کرے۔ اس کے بعد شیطان یہ کہتا ہوا چلا گیا افسوس! موسیٰ کو وہ باتیں معلوم ہوگئیں جن میں آدمی مبتلا ہوجاتا ہے۔ حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ ماضی میں جتنے بھی انبیاء و رسل مبعوث ہوئے ہیں ان سب کے متعلق شیطان کو یہی خوش فہمی رہی کہ میں انہیں عورتوں کے ذریعہ ہلاکت میں مبتلا کردوں گا۔ میرے نزدیک بھی عورتوں سے بڑھ کر کوئی چیز خطرناک نہیں ہے۔ اسی لیے میں مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے صرف دو گھروں میں جاتا ہوں۔ ایک اپنے گھر' اور ایک اپنی بیٹی کے گھر جمعہ کے دن نہانے دھونے کے لیے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ شیطان عورت سے کہتا ہے تو میرا آدھا لشکر ہے' تو میرا تیر ہے' جب میں یہ تیر چلاتا ہوں تو نشانے سے خطا نہیں کرتا' تو میری رازدار ہے' تو میرا قاصد اور پیغامبر ہے۔ شیطان کا آدھا لشکر شہوت ہے اور آدھا لشکر غضب ہے وہ ان ہی دو لشکروں کے ذریعہ دلوں کو فتح کرتا ہے' اور شہوت میں بھی عظیم تر عورت کی شہوت ہے۔

شرم گاہ کی شہوت کے تین درجات : کھانے کی شہوت کی طرح اس شہوت کے بھی تین درجے ہیں۔ افراط۔ تفریط اور اعتدال۔ افراط یہ ہے کہ شہوت عقل پر غالب آجائے' اور مرد کے سامنے عورتوں سے تلذذ حاصل کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد ہی باقی نہ رہے۔ اسے عورتوں کی صحبت میں لگا کر راہِ آخرت سے بیگانہ کردے اور دین پر غالب ہو کر منکرات میں مبتلا کردے۔ شہوت میں افراط سے بہت سی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ باہ کو قوت دینے والی دواؤں کی فکر ہوتی ہے' جس طرح بعض لوگ کھانا ہضم کرنے کے لیے چورن تلاش کرتے ہیں' یا ایسی دوائیں استعمال کرتے ہیں جن سے معدہ مضبوط ہو اور کھانے کی اشتہا پیدا ہو۔ اس شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی درندوں اور سانپوں میں گھر جائے اور جب وہ غافل ہو کر اسے فرار کا موقع دیں تو وہ انہیں کسی حیلے سے جگادے اور مشتعل کردے تاکہ وہ اس پر حملہ آور ہوں اور جب وہ غافل ہو کر اسے فرار کا موقع دیں تو وہ انہیں کسی حیلے سے جگادے اور مشتعل کردے تاکہ وہ اس پر حملہ آور ہوں اور جب وہ اپنی عادت کے مطابق حملہ کر بیٹھیں تو بچنے کی تدبیر کرے۔ غذا اور جماع دونوں کی شہوتیں درندوں اور سانپوں کی طرح موذی اور مہلک ہیں' اگر ان سے بچنا ممکن ہو تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیے' مقوّی اور ہاضم دواؤں اور چورنوں کے ذریعہ ان دونوں شہوتوں کو جگانا اور مشتعل کرنا خود اپنی ہلاکت کو دعوت دینا ہے' اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ باہ کو تقویت دینے والی دواؤں کو برا کہتے ہیں حالانکہ ایک حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ میں نے جبرئیل سے ضعف باہ کی شکایت کی' انہوں نے ہریسہ تجویز کیا۔(۱) اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نو عورتیں تھیں' ان سب کو جماع کے نقطۂ نظر سے مطمئن کرنا آپ

---

(۱) یہ روایت موضوع ہے اس کی تخریج عقیلی نے کتاب الضعفاء میں' اور طبرانی نے اوسط میں کی ہے' حذیفہ اس کے راوی ہیں۔

پر واجب تھا' کیونکہ ان کے لیے آپ سے طلاق لے کر غیر سے نکاح کرنا حرام تھا۔ آپ نے اسی لیے قوت چاہی تھی کہ اپنی تمام منکوحہ ازواج کی ضرورت پوری فرمائیں۔ شہوت میں افراط کی وجہ سے بعض گمراہوں کو عشق و محبت میں بھی گرفتار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے لوگ یہ نہیں جانتے کہ جماع کا مقصد تلذّذ نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہے۔ وہ اس کے اصل مقصد سے ناواقف ہیں' اور اس بہیمانہ قوت میں جانوروں پر بھی سبقت لے گئے ہیں' پھر عاشق ایک مخصوص اور متعین فرد کے علاوہ اپنی شہوت کہیں پوری نہیں کر سکتا' وہ یہی سمجھتا ہے کہ مجھے اسی سے جماع کر کے سکون مل سکتا ہے' اس مقصد کے لیے وہ ہر طرح کی ذلت برداشت کرتا ہے' رسوائی مول لیتا ہے' حتیٰ کہ غلامی بھی قبول کر لیتا ہے' اپنی عقل و بصیرت کی لاش شہوت کے قدموں میں ڈال دیتا ہے حالانکہ انسان اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ دوسری تمام مخلوقات اس کی اطاعت کریں' اس کی تخلیق اس لیے نہیں ہوئی کہ وہ شہوت کا خادم بن جائے' اور اس کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے' عشق شہوت کے افراط ہی کا دوسرا نام ہے' یہ ایسے دل کا مرض ہے جسے کوئی کام نہ ہو' جس کے سامنے کوئی مقصد نہ ہو' شہوت کی شدت سے ابتدا ہی میں بچا جاسکتا ہے' اس طرح کہ اگر کسی اجنبیہ پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ نہ دیکھے' اور اپنی فکر میں مشغول رہے شہوت مستحکم ہونے کے بعد مشکل ہی سے ختم ہوتی ہے۔ یہی حال مال' جاہ' زمین جائداد' اور اولاد کی محبت کا ہے کہ ان کی محبت بھی راسخ ہونے کے بعد جلدی سے زائل نہیں ہوتی' یہاں تک تیتر بازی' چوسر بازی اور شطرنج وغیرہ کھیلوں سے دلچسپی بھی اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ انسان ان کے سامنے دین و دنیا کی کسی چیز کو اہمیت نہیں دیتا' یہ چیزیں اسے ہر وقت بے چین اور مضطرب کیے رہتی ہیں۔ جو شخص عشق کی آگ کو ابتدا ہی میں ٹھنڈی کر دیتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص یہ چاہے کہ گھوڑا دروازے میں داخل نہ ہو' چنانچہ جب بھی وہ دروازے کی جانب رخ کرے اس کی باگ پکڑ کر کھینچ لے' اور عشق کے شعلے بھڑکنے کے بعد انہیں ٹھنڈا کرنے والے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گھوڑے کو اولاً دروازے میں داخل ہونے دے اور جب وہ داخل ہو جائے تو پیچھے سے دم پکڑ کر کھینچنا شروع کر دے اس صورت میں کیا گھوڑا سرکشی نہیں کرے گا؟ ان دونوں باتوں میں سہولت اور دشواری کے اعتبار سے کتنا فرق ہے؟ اس لیے احتیاط ابتدا ہی میں کرنی بہتر ہے۔ مرض جب سنگین ہو جاتا ہے تو اس کے علاج میں بڑی محنت اور جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ بعض اوقات یہ علاج اتنا سخت مذموم ہے۔ اور یہ بھی مذموم ہے کہ آدمی میں شہوت باقی ہی نہ رہے اور نامرد بن جائے' ان دونوں کے درمیان درجۂ اعتدال ہے وہی محمود ہے۔ اعتدال یہ ہے کہ آدمی شہوت کے تابع نہ ہو' بلکہ شہوت عقل و شرع کے تابع ہو' ان کی ہدایات پر عمل کرے شہوت کی زیادتی بھوک اور نکاح کے ذریعہ ختم کی جاتی ہے' ارشاد نبوی ہے:۔

يامعشر الشباب من استطاع منكم النكاح فليتزوج' فمن لم يستطع فعليه الصيام فانه له وجاء(۱)

نوجوانو! تم میں سے جو شخص نکاح کر سکتا ہو اسے نکاح کرنا چاہیے' اور جسے اس کی قدرت نہ ہو اسے روزہ رکھنا چاہیے اس لیے کہ روزہ اس کے حق میں خصی ہونا ہے۔

مرید کے لیے نکاح کرنا بہتر ہے یا نکاح نہ کرنا بہتر ہے

مرید کو اپنے سلوک کی ابتدا میں نکاح کر کے نفس کو مشغول نہ کرنا چاہیے' اس لیے کہ ازدواجی زندگی راہِ سلوک میں آگے بڑھنے سے روک سکتی ہے' آدمی نکاح کرے گا تو لامحالہ بیوی سے انسیت بھی ہوگی' اور جو شخص غیر اللہ سے مانوس ہو گا وہ اللہ سے مانوس نہیں ہو سکے گا' بلکہ جس قدر غیر اللہ سے قریب ہو گا اسی قدر اللہ تعالیٰ سے دور ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح

---

(۱) یہ روایت کتاب النکاح میں گزر چکی ہے۔

کی کثرت سے دھوکے میں نہ آنا چاہیے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس درجہ غالب تھی کہ دنیا کی تمام چیزیں مل کر بھی اسے ختم یا کم نہیں کر سکتی تھیں۔ (یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے) ملائکہ کو لوہاروں سے کیا نسبت؟ کہاں ذرہ کہاں آفتاب؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے' اللہ کی محبت میں آپ کے استغراق کی یہ کیفیت تھی کہ دل میں ہروقت ایک جوش رہتا۔ اور کبھی یہ جوش اتنی شدت اختیار کرتا کہ دل کے پھٹنے کا اندیشہ ہوجاتا۔ اسی عالم میں آپ اپنی رانوں پر ہاتھ مارتے اور حضرت عائشہؓ سے فرماتے۔ اے عائشہ! کوئی بات کرو۔(۱) وجہ یہی تھی کہ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا جذبہ اتنا شدید ہوتا کہ بعض اوقات آپ اپنے کو اس کا تحمل کرنے سے قاصر پاتے۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کو طبعی انس تھا' جب کہ دوسروں سے عارضی انس ہوا کرتا تھا' اور وہ بھی اس لیے تاکہ بدن کو کچھ راحت مل جائے' آپ راحت کے لیے لوگوں میں بیٹھتے لیکن جب صبر نہ آتا تو تنگی محسوس فرماتے اور ارشاد فرماتے ارحنا بھا یا بلال(۲) (اے بلال نماز سے ہم کو راحت دو) اور آپ نماز میں مشغول ہوجاتے' نماز میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔(۳) اگر کوئی کمزور اعتقاد کا حامل شخص اپنے آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس کرنے بیٹھ جائے تو یہ اس کی حماقت کا ثبوت ہے۔ وہ فریب کا شکار ہے' معمولی عقلیں اسرار و رموز کے ادراک نہیں کرپاتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابتدا میں مرید کو تجرد کی زندگی ہی اختیار کرنی چاہیئے۔ چنانچہ ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ میں نے کسی مرید کو نکاح کرنے کے بعد' اور دنیا کی طرف مائل ہونے کے بعد اپنی سابقہ حالت پر برقرار نہیں دیکھا۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو چیز بھی اللہ سے باز رکھے خواہ وہ مال ہو' بیوی ہو یا اولاد ہو منحوس ہے کسی نے پوچھا کہ آپ کیوں فلاں عورت سے انس کرنے لگے (یعنی نکاح کر بیٹھے) فرمایا خدا نہ کرے میں اس سے انس کروں' غیر اللہ سے انس کرنا اللہ سے دور ہونا ہے۔

تجرّد کی حد : لیکن تجرّد اسی وقت تک مناسب ہے جب تک شہوت کمزور ہو' لیکن جب شہوت میں شدت پیدا ہوجائے تو اوّلاً یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ دیر تک بھوکا رہ کر اور مسلسل روزے رکھ کر اس شدّت کو ختم کردیا جائے' لیکن اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو' اور کوشش کے باوجود شہوت کی شدت ختم نہ ہوتی ہو تو نکاح کرلینا بہتر ہے تاکہ شہوت کا جوش سرد پڑ جائے اور طبیعت پر سکون ہوجائے۔ اور اس شدت کا معیار یہ ہے کہ آنکھ کو دیکھنے سے باز نہ رکھ سکتا ہو' اگرچہ شرمگاہ کی حفاظت پر قادر ہو' اس لیے کہ اگر آنکھ کو محفوظ نہ رکھ سکے گا تو فکر میں دلجمعی پیدا نہیں ہوگی' آنکھ کے مشاہدات دل کے تصورات اور خیالات کو درہم برہم کریں گے۔ پھر آنکھ کا دیکھنا بھی زنا ہے اور صغیرہ گناہوں میں سرفہرست ہے۔ صغیرہ سے کبیرہ بھی ہوجاتا ہے' اگر اس پر اصرار کیا جائے۔ جو شخص اپنی آنکھ کی حفاظت نہ کرسکے وہ اپنے دین کی کیا حفاظت کرے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے دیکھنے سے بچو اس سے دل میں شہوت کا بیج پڑ جاتا ہے اور آدمی فتنے میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام صرف نظر کے باعث فتنے میں مبتلا ہوئے' اسی لیے انہوں نے اپنے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ نصیحت فرمائی کہ اے بیٹے! شیر اور سانپ کے پیچھے چلے جانا لیکن عورت کے پیچھے مت چلنا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا زنا کی ابتدا کیسے ہوتی ہے؟ فرمایا: دیکھنے سے اور تمنا کرنے سے۔ فضیل فرماتے ہیں کہ شیطان نے دیکھنے کو اپنی پرانی کمان اور خطا نہ کرنے والا تیر قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات حسب ذیل ہیں:۔

النظرة سهام مسموم من سهام ابليس فمن تركها خوفا من الله تعالىٰ اعطاه الله تعالىٰ ايمانا يجد حلاوته في قلبه(۴)

---

(۱) مجھے اس روایت کی اصل نہیں ملی۔ (۲) یہ روایت کتاب الصلوٰۃ میں گذر چکی ہے۔ (۳) یہ روایت بھی گذر چکی ہے۔ (۴) یہ حدیث پہلے بھی گذر چکی ہے۔

دیکھنا ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے جو شخص خدا کے خوف سے نظربازی ترک کرے گا اسے اللہ تعالیٰ ایسا ایمان عطا کرے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء (بخاری و مسلم۔ اسامہ بن زیدؓ)

میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔

اتقوا فتنۃ الدنیا و فتنۃ النساء فان اول فتنۃ بنی اسرائیل کانت من قبل النساء (مسلم۔ ابوسعید الخدریؓ)

دنیا اور عورتوں کے فتنے سے بچو' اس لیے کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں ہی کا برپا کیا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (پ ۱۸ ر ۱۰ آیت ۳۰)

آپ مسلمانوں مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

لکل ابن آدم خط من الزنا فالعینان تزنیان وزناھما النظر' والیدان تزنیان وزناھما البطش' والرجلان تزنیان وزناھما المشی' والفم یزنی' وزناہ القبلۃ' والقلب یھم او یتمنی' ویصدق ذلک الفرج او یکذبہ (مسلم بیہقی۔ ابوہریرۃؓ بخاری نحوہ۔ ابن عباسؓ)

ہر آدمی کو زنا سے کچھ نہ کچھ واسطہ پڑتا ہے' اس لیے کہ آنکھیں زنا کرتی ہیں' اور ان کا زنا دیکھنا ہے' دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا پکڑنا ہے' دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں' اور ان کا زنا چلنا ہے' منہ زنا کرتا ہے اور اس کا زنا بوسہ ہے' دل ارادہ اور آرزو کرتا ہے اور شرمگاہ اس ارادے کی تائید کرتی ہے یا تکذیب کردیتی ہے۔

حضرت امّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نابینا صحابی ابن امّ مکتومؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں باریابی کی اجازت چاہی' اس وقت آپ کے پاس میں اور میمونہ بیٹھی ہوئی تھیں' آپ نے فرمایا: پردہ کرلو۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ تو نابینا ہے؟ فرمایا: اس سے کیا فرق پڑتا ہے' تم تو انہیں دیکھ سکتی ہو (ابوداؤد' نسائی' ترمذی) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے نابینا مردوں کے ساتھ بیٹھنا بھی جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ عام تقاریب میں اس طرح کا رواج ہے کہ نابینا مردوں سے عورتیں پردہ نہیں کرتیں' اسی طرح نابینا کے لیے کسی عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا بھی حرام ہے' عورتوں کو مردوں سے بات چیت کرنے اور انہیں دیکھنے کی اجازت محض ضرورت کی وجہ سے دی گئی ہے' بلا ضرورت کسی عورت کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ کسی مرد سے بولے یا اس پر نظر ڈالے۔

<u>نو عمر لڑکوں سے دلچسپی</u> : اگر کوئی مرد عورتوں کو دیکھنے سے اپنی آنکھوں کو محفوظ رکھنے پر قادر ہے لیکن نو عمر لڑکوں کو دیکھنے سے آنکھوں کی حفاظت نہیں کرسکتا' اسے بھی نکاح کرلینا چاہئے۔ اس لیے کہ لڑکوں کا شر عورتوں کے شر سے زیادہ ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کی طرف میلان ہو بھی گیا تو وہ اسے نکاح کے ذریعہ حاصل کرسکتا ہے' اور جائز طریقے پر اپنی شہوت پوری کرسکتا ہے لیکن لڑکے سے شہوت پوری کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس کی طرف شہوت کی نظر سے دیکھنا بھی حرام ہے' نو عمر حسین لڑکے بڑے فتنہ ہیں' بعض کمزور ایمان کے دل ان کی طرف مائل ہوجاتے ہیں' اور ان کے چہروں میں اپنے لیے کشش پاتے ہیں' داڑھی والے چہروں کی بہ نسبت بغیر داڑھی کے چہروں کو دیکھنا پسند کرتے ہیں' یہ سب امور فتنہ ہیں' ان سے بچنا چاہیے۔

اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جہاں تک خوبصورتی اور بدصورتی کا سوال ہے ہر ذی حس ان دونوں میں فرق کرتا ہے۔ اور لڑکوں کے چہرے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں' اس صورت میں ان سے نگاہوں کو محفوظ رکھنا کس طرح ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تمیز سے ہمارا مقصد صرف آنکھ کی تمیز نہیں ہے بلکہ حسین اور قبیح چہروں کے درمیان تمیز کا عمل ایسا ہونا چاہئے جیسے کوئی شخص سر سبز درخت اور خزاں رسیدہ درخت میں یا صاف پانی اور گدلے پانی میں یا پھولوں سے بوجھل ٹہنی اور پتیوں سے عاری شاخ میں فرق کرتا ہے' ظاہر ہے اسے سرسبز درخت' صاف پانی اور پھولوں سے بوجھل ٹہنی ہی پسند ہوگی' اسی کی طرف وہ اپنی طبیعت اور قلب کو مائل پائے گا۔ لیکن یہ میلان اور پسندیدگی شہوت سے خالی ہوگی' یہی وجہ ہے کہ اس کے دل میں پھولوں اور کلیوں کو چھونے اور انہیں بوسہ دینے کی خواہش ہوتی ہے اور نہ صاف پانی کو چومنے کو دل چاہتا ہے یہی حال خوبصورت چہروں کا ہے کہ اگر قبیح چہروں کے مقابل میں وہ اچھے معلوم ہوں اور انہیں دیکھنے کو دل چاہے اور شہوت کا کوئی جذبہ نہ ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر دل میں اسے دیکھ کر قریب ہونے اور بوس و کنار کرنے کی خواہش ہو تو یہ نظروہ نظر نہیں کہلائے گی جو اچھی چیز کو اچھی اور بری چیز کو بری سمجھتی ہے بلکہ یہ شہوت کی نظر کہلائے گی' اور شہوت کی نظر حرام ہے۔ لوگ اسے معمولی سمجھ کر نظرانداز کردیتے ہیں' اور یہ نظربازی انہیں غیر شعوری اور غیر محسوس طریقے پر گناہوں میں آلودہ کردیتی ہے' ایک تابعی بزرگ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں عابد و زاہد نوجوان کو امرد کی ہم نشینی سے جتنا نقصان پہنچ سکتا ہے اتنا نقصان درندے سے بھی نہیں پہنچ سکتا۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شہوت کے جذبے سے امرد کے پاؤں کی ایک انگلی یا دو انگلیوں سے بھی کھیلے گا لوطی قرار پائے گا۔ بعض اکابرین سلف سے منقول ہے کہ اس امت میں تین قسم کے لوطی ہوں گے' ایک قسم صرف دیکھنے والوں کی ہوگی' دوسری قسم میں عمل کرنے والے ہوں گے۔

نظر کی آفت : اس سے معلوم ہوا کہ نظر کی آفت بڑی زبردست ہے۔ اس لیے اگر کوئی مرید اپنی نظر نیچی رکھنے' فکر کو منضبط اور مجتمع رکھنے سے قاصر ہوجائے تو اسے نکاح کے ذریعہ اپنی شہوت دور کرلینی چاہئے' اس لیے کہ بعض لوگوں میں شہوت کی شدت بھوکا رہنے سے زائل نہیں ہوتی۔ ایک بزرگ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ارادت و سلوک کی ابتدا میں مجھ پر شہوت کا غلبہ ہوا' میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کی' اس کے غلبے سے نجات پانے کی درخواست کی' رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھ سے میری کیفیت دریافت کررہا ہے' میں نے اسے اپنے حال سے آگاہ کیا' اس نے مجھے اپنے قریب بلایا' اور میرے سینے پر ہاتھ رکھا' میں نے اس کے ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے دل میں' اور اپنے تمام بدن میں محسوس کی' صبح اٹھا تو وہ کیفیت ختم ہوچکی تھی جس میں مبتلا تھا' اسی طرح ایک سال گذر گیا اس کے بعد پھر شہوت کا غلبہ ہوا' اس مرتبہ بھی میں نے اللہ رب العزت کی پناہ مانگی' اور نجات چاہی' چنانچہ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب میرے پاس آئے ہیں' اور مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا تم اس کیفیت سے نجات پانا چاہتے ہو' میں نے کہا: ہاں' انہوں نے کہا: لیکن اس کے لیے میں تمہارا سر قلم کروں گا' میں اپنی حالت سے اس قدر بیزار تھا کہ میں نے اپنا سر کٹوانا منظور کرلیا۔ چنانچہ انہوں نے نور کی تلوار نکالی' اور میرا سر اڑا دیا۔ صبح آنکھ کھلی تو وہ کیفیت باقی نہیں رہی تھی۔ ایک سال تک ٹھیک رہا۔ اس کے بعد پھر وہی کیفیت ہوئی کہ اس مرتبہ کچھ زیادہ ہی شدت سے حملہ ہوا آہ وزاری کی' توبہ و استغفار کیا' خواب میں دیکھا کہ ایک صاحب میرے سینے اور پہلو کے درمیان کھڑے ہوئے مجھ سے مخاطب ہیں کہ تو کب تک اپنی شہوت کے خاتمے کی درخواست کرتا رہے گا جب کہ اللہ کو ایسا کرنا منظور نہیں ہے' میں نے صبح کو بیدار ہونے کے بعد نکاح کیا۔ اس طرح مجھے شہوت کی مصیبت سے رہائی نصیب ہوئی' اب الحمد للہ میں صاحب اولاد ہوں۔

مرید کا مقصد نکاح : مرید نکاح بھی کرے تو اس کے پیش نظر ارادت ضرور ہونی چاہئے یعنی نکاح کی نیت اچھی ہو' اچھے اخلاق اور اچھا کردار پیش نظر ہو' اور نکاح کرنے کے بعد واجب حقوق کی ادائیگی کا عزم ہو' اور اس عزم کو عملی جامہ بھی پہنانا ہو۔ کتابیہ

النکاح میں ہم نکاح کے مقاصد پر روشنی ڈال چکے ہیں' یہاں اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ارادہ و نیت میں سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ کسی دیندار اور غریب عورت سے شادی کرے' مالدار عورت کا خواہشمند نہ ہو۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مالدار عورت سے نکاح کرنے میں پانچ خرابیاں ہیں۔

اول مہر کی زیادتی' دوم رخصت میں تاخیر' سوم خدمت سے اعراض' چہارم اخراجات کی کثرت' پنجم اگر طلاق دینا چاہے تو مال کی حرص مانع بنے۔ مفلس عورت میں ان میں سے کوئی خرابی نہیں پائی جاتی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ عورت مرد سے چار چیزوں میں کم ہو ورنہ وہ اسے حقیر سمجھے گی' وہ چار چیزیں یہ ہیں عمر' قد' مال اور حسب' اور چار چیزوں میں مرد سے زیادہ ہو خوب صورتی' ادب' پرہیزگاری اور خوش اخلاقی میں۔ نکاح کو دائم قائم رکھنے میں صدق ارادہ کی علامت خوش خلقی ہی ہے۔ ایک مرید نے نکاح کیا' اور اپنی بیوی کی اس قدر خدمت کی کہ وہ خود شرمسار ہوگئی' اور اپنے والد سے بطور شکایت کہنے لگی کہ میں اس شخص کے بارے میں انتہائی حیرت زدہ ہوں' مجھے اس کے گھر میں رہتے ہوئے اتنے برس گزر گئے لیکن اس عرصے میں میں نے جب بھی بیت الخلاء جانے کا ارادہ کیا اس نے مجھ سے پہلے وہاں پانی پہنچانے کی کوشش کی۔ ایک بزرگ نے ایک خوبصورت عورت سے نکاح کا پیغام دیا' جب شادی کے دن قریب آئے اس عورت کے چیچک نکل آئی' اور اس کا چہرہ بدنما ہوگیا' عورت کے والدین اور گھر والے اس خیال سے بہت پریشان ہوئے کہ اب ان کی بیٹی ناپسند کردی جائے گی اور یہ شادی نہ ہوسکے گی' ان بزرگ کو اس بیماری کی اطلاع ملی تو انہوں نے آنکھوں کی بیماری کا بہانہ کیا اور جان بوجھ کر اندھے بن گئے' شادی ہوئی' وہ مرد خدا بیس برس تک نابینا بنے رہے' بیس برس کے بعد جب بیوی کا انتقال ہوا تو آنکھیں کھول دیں دوستوں اور پڑوسیوں نے حیرت ظاہر کی اور پوچھا اتنے عرصے تک کس لیے اندھے بنے رہے جواب دیا اس لیے تاکہ میری بیوی کے گھر والے پریشان نہ ہوں' اور انہیں یہ خیال تکلیف نہ دے کہ میں بیوی کا بدنما چہرہ دیکھ کر اسے طلاق دے دوں گا۔ لوگ اس جواب سے حیرت زدہ رہ گئے' اور کہنے لگے کہ اب ایسے لوگ کہاں؟ یہ تو پچھلے لوگوں کا اخلاق تھا۔ ایک صوفی نے ایک بداخلاق عورت سے نکاح کیا' اور اس کی ہر اذیت پر صبر کرتے رہے' لوگوں نے کہا بھی کہ آپ ایسی عورت کو ہرگز اپنے نکاح میں نہ رکھیں طلاق دے کر سکون پائیں' فرمایا: میں اسے اس لیے طلاق نہیں دیتا کہ کہیں وہ ایسے شخص کے نکاح میں نہ چلی جائے جو اس کی بد خلقی پر صبر نہ کرسکے اور اذیت پائے' میں تو صبر کر ہی لیتا ہوں۔

بہرحال اگر مرید نکاح کرے تو اس کا یہی حال اور طرز عمل ہونا چاہئے' ورنہ اگر ترک نکاح پر قادر ہو تو بہتر یہی ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ نکاح کی فضیلت اور راہ آخرت کے سلوک میں جمع نہ کرسکے' اور یہ سمجھے کہ نکاح کرنا اس کے لیے راہ سلوک میں مانع بن جائے گا۔ جیسا کہ محمد بن سلیمان ہاشمی سے روایت ہے کہ ان کے یہاں اسی ہزار درہم کا اناج ہر روز آیا کرتا تھا' انہوں نے بصرے کے لوگوں اور علماء کو لکھا کہ وہ کسی عورت سے شادی کرنے کے خواہشمند ہیں' سب نے حضرت رابعہ عدویہ بصریہ پر اتفاق کیا کہ وہ ان کے لیے بیوی کی حیثیت سے انتہائی موزوں رہیں گی چنانچہ سلیمان ہاشمی نے ان لوگوں کا مشورہ قبول کرتے ہوئے حضرت رابعہ بصریہ کو حسب ذیل مکتوب روانہ کیا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حمد و صلاۃ کے بعد۔ اللہ تعالیٰ مجھے ہر روز اسی ہزار درہم کے غلے کا مالک بنادیتے ہیں' بہت جلد یہ مقدار اسی ہزار سے بڑھ کر ایک لاکھ درہم ہوجائے گی' اگر تم منظور کرو تو یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔"

حضرت رابعہ نے اس خط کا یہ جواب تحریر فرمایا۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' امابعد۔ دنیا سے زہد اختیار کرنے میں دل اور جسم دونوں کے لیے راحت ہے' اور دنیا میں رغبت سے غم و آلام ہاتھ آتے ہیں' مجھے آپ کا خط ملا ہے' اس کے جواب میں یہ عرض کرتی ہوں کہ آپ میرا رقعہ ملنے کے بعد فوری طور پر اپنے توشے کی فکر کریں' اور آخرت کی تیاری کریں اور اپنے نفس کے خود وصی ہوں تاکہ دوسروں کو میراث تقسیم کرنے میں وصی کی ضرورت پیش نہ آئے' تمام عمر روزہ رکھئے' موت کے وقت افطار کیجئے' جہاں تک میری کیفیت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس قدر مال عطا کیا ہے اگر اس سے ہزار گنا زیادہ بھی مجھے میسر ہو تو میں خوش نہ ہوں' کیونکہ مجھے یہ منظور نہیں کہ میں ایک لمحے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے غافل ہوں۔" اس خط میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ

کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مشغول کرنے والی ہر چیز خسارہ کا باعث ہے' اس لیے مرید کو اپنے حال اور کیفیت قلب کو پیش نظر رکھنا چاہیے' اگر اسے مجرد رہنا اچھا معلوم ہو تو مجرد ہی رہے' اور مجرد رہنے سے عاجز ہو تو نکاح کر لینا بہتر ہے۔

خواہش نکاح کا علاج : نکاح کی خواہش مرید کے لیے ایک مرض ہے' اور اس مرض کے تین علاج ہیں بھوکا رہنا' نگاہیں نیچی رکھنا' اور کسی ایسے کام میں مشغول ہونا جو قلب پر غالب آجائے اور اس کی موجودگی میں کوئی دوسری خواہش پیدا نہ ہو۔ اگر ان تینوں دواؤں سے کام نہ چلے تو سمجھو کہ یہ مرض نکاح ہی سے دور ہو سکتا ہے' یہی وجہ ہے کہ اکابرین سلف نکاح میں عجلت کرتے اور اپنی لڑکیوں کی شادی جلد سے جلد کرنے کی کوشش کرتے۔ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ شیطان کسی شخص سے مایوس نہیں ہوا' اگر کوئی ایسا سخت جان ملا بھی تو اسے عورتوں کا جال پھینک کر مغلوب کر لیا۔ حضرت سعید بن المسیب کی عمر جس وقت چوراسی برس کی ہو گئی' ایک آنکھ کی بینائی جاتی رہی اور دوسری آنکھ کو بھی رتوندے کی شکایت لاحق ہوئی اس وقت بھی یہی کہا کرتے تھے کہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ عورتوں سے ہے۔ عبداللہ بن وداعہ کہتے ہیں میں حضرت سعید بن المسیب کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا' چند روز اس معمول میں فرق آیا' اس غیر حاضری کے بعد مجلس میں پہنچا تو انھوں نے چند روز تک نہ آنے کا سبب دریافت کیا' میں نے عرض کیا کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے نہ آسکا' فرمایا تم نے ہمیں اطلاع نہ کی ہم بھی تعزیت کے لئے آتے' اٹھنے کا ارادہ کیا تو فرمانے لگے کیا دوسری بیوی آگئی ہے کہ اتنی جلدی جانا چاہتے ہو میں نے عرض کیا! حضرت میں غریب آدمی ہوں مجھے کون اپنی بیٹی دے گا؟ فرمایا! میں دوں گا میں نے حیرت سے کہا کیا آپ دیں گے؟ فرمایا: ہاں کیا میں جھوٹ کہتا ہوں؟ اسی وقت خطبہ پڑھا اور دو تین درہم مہر پر اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دیا۔ میں مجلس سے اس عالم میں اٹھا کہ خوشی کی وجہ سے میرے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے اور میں یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ کیا کروں اسی حالت میں اپنے گھر پہنچا' چراغ جلایا' اور سوچنے لگا کہ نکاح تو ہو گیا اب کس سے مانگوں کس سے قرض ادھار لوں؟ مغرب کی نماز پڑھی' پھر گھر واپس ہوا' اس دن میرا روزہ بھی تھا' گھر میں اس وقت تیل روٹی موجود تھی' وہی لے کر بیٹھ گیا' اسی وقت دروازہ پر دستک ہوئی' میں نے پوچھا کون؟ جواب آیا! سعید۔ میں سوچنے لگا یہ کون سعید ہو سکتے ہیں' مجھے سعید بن المسیب کا خیال بھی نہ آیا اس لئے کہ انھوں نے بیس سال سے مسجد کے علاوہ کہیں آنا جانا ترک کر رکھا تھا' دروازہ کھول کر دیکھا تو سعید بن المسیب کھڑے ہوئے تھے' میں نے سوچا شاید آپ کسی ضرورت سے تشریف لائے ہوں' عرض کیا کہ آپ نے مجھے کیوں نہ بلا لیا۔ فرمایا! میں نے آج اپنی بیٹی سے تمہارا نکاح کیا ہے' اس لئے مجھے یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ تم تنہا رات گذارو' میں تمہاری بیوی کو لے کر آیا ہوں' دیکھا تو ایک عورت آپ کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی' آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کے اندر داخل کیا' وہ شرم کی وجہ سے اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکی اور گر پڑی' میں نے اسے اٹھایا' اور اچھی طرح دروازہ بند کیا' چراغ کے پاس روٹی رکھی ہوئی تھی اسے اندھیرے میں رکھا تاکہ بیوی کی نظر نہ پڑے' اب فکر ہوئی کیا کروں' گھر کی چھت پر چڑھا اور محلہ والوں کو آوازیں دے کر جمع کیا' جب وہ سب آگئے تو میں نے ان سے کہا کہ آج سعید بن المسیب نے اپنی بیٹی مجھ سے منسوب کر دی ہے۔ انھوں نے حیرت سے پوچھا کہ کیا تمہاری بیوی گھر میں موجود ہے' میں نے کہا ہاں! محلے کی عورتیں یہ سن کر میرے گھر آگئیں' اتنے میں میری والدہ کو بھی پتا چل گیا وہ بھی آئیں اور مجھ سے کہنے لگیں خبردار اگر تو تین دن سے پہلے اس کے قریب گیا' ہم اس عرصے میں سب ٹھیک کر لیں گے' تین دن بعد میں نے دیکھا کہ وہ ایک حسین و جمیل لڑکی ہے' قرآن پاک کی حافظہ ہے' دینی مسائل کا بہترین علم رکھتی ہے اور شوہر کے حقوق سے خوب واقف ہے ایک مہینے کے بعد میں نے حاضری دی' وہ اس وقت باہر مجلس میں تھے' میں نے سلام کیا' انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کوئی بات نہیں کی' جب سب لوگ چلے گئے تو مجھ سے دریافت کیا کہ اس انسان (بیوی) کا کیا حال ہے' میں نے عرض کیا الحمد للہ سب ٹھیک ہے۔ اس کا حال ایسا ہے کہ دوست خوش ہوں اور دشمن حسد کریں۔ فرمایا اگر کوئی ناگوار بات پیش آئے تو ڈنڈے سے خبر لینا۔ جب میں گھر واپس آیا تو انھوں نے بیس ہزار درہم مجھے بھجوائے' عبداللہ کہتے ہیں کہ یہ لڑکی جو حضرت سعید بن المسیب نے میرے نکاح میں دی تھی وہی تھی جس سے

عبدالملک بن مروان نے اپنے ولی عہد بیٹے ولید کے لئے پیغام دیا تھا' اور آپ نے یہ پیغام مسترد کر دیا تھا' اور جس کی سزا آپ کو یہ ملی تھی کہ ایک مرتبہ عبدالملک نے کسی ناکردہ گناہ کو وجہ قرار دے کر سردی کے موسم میں سو کوڑے لگوائے تھے' ٹھنڈے پانی کا ایک گھڑا ان کے جسم پر ڈالا تھا' اور کمبل کا کرتہ پہنایا تھا۔ حضرت سعید بن المسیب کا شب زفاف میں لڑکی کو پہنچانے میں جلدی کرنا کمال احتیاط اور دینداری کی دلیل ہے اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ شہوت کی مصیبت بڑی ہے' اور اس کی آگ کو نکاح کے ذریعہ ٹھنڈا کرنے ہی میں عافیت ہے۔

شرمگاہ اور آنکھ کے زنا سے بچنے والے کی فضیلت

شرمگاہ کے زنا سے بچنے والے کی فضیلت : جاننا چاہئے کہ انسان پر تمام شہوتوں میں سب سے زیادہ شرمگاہ کی شہوت غالب ہے' اور یہ ہیجان کے وقت عقل کی سب سے زیادہ نافرمان بھی ہے' علاوہ ازیں اس فعل بد کے نتائج شرمناک حد تک برے ہیں۔ اس کے ارتکاب سے شرم آتی ہے' اور ڈر محسوس ہوتا ہے اکثر لوگ جو اس فعل کے مرتکب نہیں ہوتے اس کی وجہ یا تو ان کا عجز ہے یا خوف ہے یا شرم ہے یا اپنے جسم کی حفاظت ہے' ان میں سے کوئی بھی وجہ ایسی نہیں ہے جس پر ثواب ملے اس لیے کہ ان وجوہات کی بنا پر زنا سے رکنا نفس کے ایک حظ پر دوسرے حظ کو ترجیح دینا ہے جو اگرچہ گناہ سے بہتر ہے' لیکن فی نفسہ وہ حظ قابل ثواب ہرگز نہیں ہے' تاہم ان موانع میں ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ آدمی گناہ سے بچ جاتا ہے' خواہ کسی وجہ سے بھی بچے' فضیلت اور ثواب اس بچنے میں ہے جس کا محرک اللہ کا خوف ہو' اور یہ خوف اس صورت میں ہو جب کہ فعل کے ارتکاب پر مکمل قدرت بھی میسر ہو' اور تمام اسباب مہیا ہوں' کسی قسم کا کوئی مانع موجود نہ ہو' خاص طور پر اس وقت جب کہ شہوت صادق بھی پائی جائے' یہ درجہ صدیقین کا ہے اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من عشق فعف فکتم فمات فھو شھید (حکم۔ تاریخ۔ ابن عباسؓ)

جس شخص کو عشق ہوا اور اس نے پاکدامنی اختیار کی' اپنے عشق کو چھپایا پھر مرگیا وہ شہید ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سوا کہیں سایہ نہ ہو گا' ان سات میں ایک وہ شخص ہے جسے کوئی حسین اور عزت دار عورت اپنی طرف بلائے اور وہ یہ کہہ کر اس کی دعوت رد کر دے اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ (میں اللہ سے جو تمام جہان کا رب ہے ڈرتا ہوں) (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ) حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے انہوں نے اپنی قدرت اور زلیخا کی خواہش اور اصرار کے باوجود گناہ کی طرف قدم نہیں بڑھایا' قرآن پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کے اس اعلیٰ کردار کی تحسین کی گئی ہے۔ آپ پاکدامنی اور عفت کے باب میں سب کے امام اور پیشوا ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت سلیمان بن یسار بہت حسین اور خوبرو تھے' ایک عورت ان کے گھر آئی' اور مباشرت کی خواہش ظاہر کی' انہوں نے انکار کر دیا' اور دوڑتے ہوئے اپنے گھر سے نکل گئے' وہ عورت وہیں رہ گئی سلیمان کہتے ہیں کہ اس رات میں نے خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کی' میں نے ان سے پوچھا کیا آپ ہی یوسف علیہ السلام ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں میں ہی وہ یوسف ہوں جس نے ارادہ کیا تھا۔ اور کیا تو وہ سلیمان ہے جس نے ارادہ بھی نہ کیا۔ اس قول سے حضرت یوسف علیہ السلام نے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا اور اس کے حوالے سے سلیمان کی تعریف کی۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (پ ۱۲ ر ۱۳ آیت ۲۴)

اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب واقعہ ان کا یہ ہے کہ وہ مدینہ منورہ سے حج کے لیے روانہ ہوئے' ان کے ساتھ ایک رفیق بھی تھا' ان دونوں نے ابواء پہنچ کر قیام کیا' رفیق نے تھیلا لیا' اور خریداری کے لیے بازار چلا گیا' سلیمان خیمے میں بیٹھے رہے۔ ایک

بدوی عورت کی نگاہ ان کے خوبرو چہرے پر پڑی تو دل و جان عاشق ہو گئی' آپ ایک پہاڑ کے دامن میں مقیم تھے' وہ عورت پہاڑ کی چوٹی پر تھی' ان کو دیکھ کر نیچے اتری' اور خیمے میں پہنچ کر رک گئی' اس کے چہرے پر نقاب تھا اور ہاتھوں میں دستانے تھے' جب اس نے نقاب اٹھایا تو ایسا محسوس ہوا جیسے بدلی سے چاند نکل آیا ہو' وہ انتہائی حسین و جمیل عورت تھی' اس عورت نے کہا مجھے کچھ دیجئے۔ سلیمان نے سوچا شاید وہ کھانے کی کوئی چیز مانگ رہی ہے' اٹھے اور دستر خوان کا بچا ہوا کھانا اٹھا کر اسے دینا چاہا۔ اس نے کہا کہ میں روٹی نہیں مانگتی مجھے تو وہ امر مطلوب ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے سلیمان نے کہا تجھے شیطان ملعون بہکا کر یہاں لایا ہے' اس کے بعد اپنے گھٹنوں میں سر دے کر زور زور سے رونے لگے' اس عورت نے انہیں اس طرح روتے ہوئے دیکھا تو شرمندہ ہو کر چلی گئی' رفیق سفر بازار سے واپس ہوا تو اس نے دیکھا کہ روتے روتے سلیمان کی آنکھیں ورما گئی ہیں' رونے کی وجہ دریافت کی' فرمایا: مجھے اپنی بچی یاد آگئی تھی' اس نے بے یقینی سے کہا کہ اس سے پہلے کبھی آپ کو اپنی بچی یاد نہیں آئی' یہ آج اچانک کیا ہوا' غرض جب رفیق نے حقیقت جاننے پر بہت زیادہ اصرار کیا تو آپ نے بدوی عورت کا قصہ سنا دیا۔ وہ شخص قصہ سن کر رونے لگا' آپ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو' عرض کیا: اس لیے روتا ہوں کہ اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو اس عورت کا مطالبہ رد نہ کرپاتا اور گناہ میں مبتلا ہو جاتا۔ تھوڑی دیر تک دونوں روتے رہے سفر دوبارہ شروع ہوا' جب مکہ مکرمہ پہنچے' اور طواف و سعی کے بعد حجر اسود کے قریب آئے تو سلیمان اپنے کپڑے سمیٹ کر بیٹھ گئے' بیٹھے بیٹھے نیند آگئی' خواب میں دیکھتے ہیں کہ ایک خوبصورت دراز قامت مرد ہے' اس کے جسم سے خوشبوئیں پھوٹ رہی ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا: آپ کون ہیں؟ اس مرد جوان نے بتلایا کہ میں یوسف ہوں۔ عرض کیا یوسف صدیق۔ فرمایا ہاں وہی۔ عرض کیا کہ زلیخا کے ساتھ آپ کا حال عجیب ہے' فرمایا: ابواء والی عورت کے ساتھ تمہارا حال اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ واقعہ سنا ہے کہ زمانہ ماضی میں تین آدمی کسی منزل کے لیے مصروف سفر تھے رات ہو گئی' ایک غار میں قیام کیا' اتفاق سے ایک پتھر ایسا گرا کہ غار کا دہانہ بند ہو گیا اور وہ تینوں آدمی اندر رہ گئے' پتھر ہٹانے کی جدوجہد کی مگر کامیاب نہیں ہوئے' تینوں نے اس امر پر اتفاق کیا کہ اب اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ ہم باری تعالیٰ سے دعا کریں' اور اپنے کسی نیک عمل کے حوالے سے نجات کے طلب گار ہوں۔ ایک نے جناب باری میں عرض کیا: الٰہا! تو جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے اور ضعیف تھے' شام کو میں اپنے بچوں اور جانوروں کو کھلانے سے پہلے انہیں کھانا کھلایا کرتا تھا' ایک روز اتفاق سے مجھے بازار میں دیر ہو گئی' گھر آیا اور جانوروں کا دودھ دوہا اور دودھ لے کر ماں باپ کے پاس پہنچا وہ دونوں سو چکے تھے' میں نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا' اور رات بھر دودھ لئے کھڑا رہا۔ بچے پاؤں میں لوٹتے رہے اور بھوک کی وجہ سے مضطرب رہے' مگر میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ بچوں کو کھلادوں اور والدین بھوکے رہیں' صبح کو بیدار ہونے کے بعد جب انہوں نے دودھ پی لیا تب میرے بچوں نے اپنا پیٹ بھرا' اے اللہ! اگر تو یہ جانتا ہے کہ میں نے محض تیری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا تھا تو اس پتھر کو غار کے دہانے سے ہٹا کر ہمیں نجات عطا کر۔ اس دعا سے وہ پتھر ذرا سا سرک گیا' لیکن اتنا راستہ نہیں ہوا کہ وہ باہر نکل سکیں۔ دوسرے شخص نے کہا: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں اپنی چچا زاد بہن پر عاشق تھا اور اس سے وصال کا متمنی تھا' ایک روز میں نے اس سے اپنی خواہش کا اظہار بھی کیا' لیکن اس نے میری بات نہ مانی' اتفاق سے ہمارے وطن میں قحط سالی ہوئی' جب میری محبوبہ اس تکلیف میں مبتلا ہوئی تو امداد کی طالب بن کر میرے پاس آئی میں نے اسے ایک سو بیس اشرفیاں دیں بشرطیکہ وہ میری خواہش پوری کردے اس نے حامی بھرلی لیکن جب میں نے صحبت کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا کہ مجھے بے آبرو نہ کر خدا سے ڈر' میں خوف زدہ ہو گیا اور اسے جانے دیا' اس سے اشرفیاں بھی واپس نہیں لیں' جب وہ واپس ہوئی تب بھی اس کی محبت میرے دل میں اسی طرح جاگزیں تھی۔ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیری رضامندی کے لیے ایسا کیا تو ہمیں اس قید سے نجات دے اس دعا سے وہ پتھر اپنی جگہ سے سرک گیا' لیکن اتنا نہیں سرکا کہ وہ غار سے باہر نکل

سکیں' تیسرے نے کہا۔ رب العالمین! میں نے چند مزدور کرائے پر حاصل کیے تھے' اور ان سب کو ان کی اجرت دے دی تھی' صرف ایک شخص ایسا باقی رہ گیا تھا جو اپنی اجرت لیے بغیر چلا گیا تھا' میں نے اس کی اجرت کی رقم تجارت میں لگا دی تھی تجارت کو ترقی ہوئی اور اس کی رقم بڑھتی چلی گئی' یہاں تک کہ اس کا بہت سا مال میرے پاس جمع ہو گیا' ایک مدت کے بعد وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے بندۂ خدا! میری اجرت دے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ سب اونٹ گائیں' بکریاں اور غلام تیری اجرت ہیں' اس نے کہا: کیا تو مجھ سے مذاق کرتا ہے؟ میں نے کہا یہ مذاق نہیں ہے تو اپنا مال لے اور جہاں چاہے لے جا چنانچہ وہ اپنے تمام جانور اور غلام ہنکا کر لے گیا' اے اللہ! اگر میں نے یہ نیک کام تیری رضامندی حاصل کرنے کے لیے کیا ہو تو ہمیں اس غار سے نکلنے کی توفیق دے اور اس پتھر کو ہٹا دے۔ تیسرے شخص کی دعا کے بعد وہ پتھر غار کے دہانے سے ہٹ گیا اور وہ لوگ باہر نکل آئے۔(۱)

آنکھ کے زنا سے بچنے والے کی فضیلت: یہ حال اس شخص کا ہے جو قدرت کے باوجود شرمگاہ کے زنا سے اپنی حفاظت کرے' اسی کے قریب وہ شخص بھی ہے جس نے اپنی آنکھ کو زنا سے بچایا۔ خیال رہے کہ زنا کا آغاز آنکھ سے ہوتا ہے۔ اس کی حفاظت زیادہ اہم ہے۔ لیکن کیونکہ آنکھ کو دیکھنے سے روکنا مشکل ہے اس لیے لوگوں نے اس سے غفلت برتنی شروع کر دی ہے' اور اسے سہل سمجھنے لگے ہیں' اس کے گناہ کو اہم نہیں سمجھتے' حالانکہ تمام آفات کا مبدأ نظر ہے۔ پہلی نظر اگر اس میں کسی مقصد و ارادہ کو دخل نہ ہو معاف ہے' اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا' لیکن دوبارہ دیکھنے پر مؤاخذہ ہوگا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لک الاولی وعلیک الثانیة (ابوداؤد' ترمذی۔ بریدہ)

تیری لئے پہلی دفعہ دیکھنا جائز ہے' اور دوسری دفعہ دیکھنا قابل مؤاخذہ ہے۔

علاء بن زیاد فرماتے ہیں کہ کسی عورت کی چادر پر اپنی نگاہ نہ ڈال۔ اس لیے کہ نظر دل میں شہوت کا بیج بو دیتی ہے' بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی حسین لڑکے یا عورت کو دوبارہ نہ دیکھے۔ ایک دفعہ اگر نظر پڑ جائے' اور دوبارہ دیکھنے پر طبیعت راغب ہو تو اپنے دل میں یہ خیال راسخ کر لے کہ دوبارہ دیکھنا حماقت ہے۔ کیونکہ یہ عمل دو حال سے خالی نہیں ہے' یا تو وہ صورت اچھی معلوم ہوگی' اس صورت میں نفس شہوت کا مقتضی ہوگا' اور شہوت پوری نہیں ہوگی' سوائے حسرت اور محرومی کے کچھ ہاتھ نہ لگے گا یا وہ صورت بری معلوم ہوگی' اس صورت میں وہ مقصد ہی فوت ہو جائے گا جس کے لیے دوبارہ دیکھا تھا' یعنی لذت کا حصول۔ بری صورت دیکھنے سے لطف آئے گا نہیں' اور نامۂ اعمال میں معصیت کا اضافہ ہو جائے گا۔ اسے کہتے ہیں گناہ بے لذت۔ بہرحال دوبارہ دیکھنے میں یا حسرت ملے گی یا لذت سے محرومی نصیب ہوگی' یہ دونوں ہی امر بیکار ہیں اور معصیت کا باعث ہیں۔ لیکن اگر آنکھوں کی حفاظت کی جائے اور انہیں دیکھنے سے باز رکھا جائے تو دل بہت سی آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر نظر سے خطا ہو جائے اور قدرت کے باوجود زنا سے محفوظ رہے تو یہ بھی کمال توفیق ہے' اور انتہائی قوت کا متدعی ہے' ابوبکر بن عبداللہ المزنی کہتے ہیں کہ ایک قصائی اپنے کسی پڑوسی کی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو گیا لڑکی کے گھر والوں نے اپنے کسی کام سے لڑکی کو ایک دوسری بستی میں بھیجا' قصائی کو علم ہوا تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا' اور راستے میں روک کر اسے گناہ پر آمادہ کیا' لڑکی نے کہا ایسا نہ کر' میرے دل میں تیرے لیے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے جتنی تیرے دل میں میرے لیے ہے' لیکن میں اللہ سے ڈرتی ہوں' عاشق نے کہا: تو اللہ سے ڈرے اور میں نہ ڈروں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اس نے توبہ کی' اور واپس لوٹ گیا' راستے میں اسے پیاس لگی' اور اتنی شدت سے لگی کہ موت قریب نظر آنے لگی۔ اتنے میں بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے کسی نبی کا قاصد آیا' اور اس کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں پیاسا ہوں۔ قاصد نے کہا آؤ ہم دونوں مل کر دعا کریں کہ اس گاؤں تک پہنچنے کے عرصے میں ہم پر ابر کا سایہ

---

(۱) یہ واقعہ بخاری نے نقل کیا ہے۔

رہے۔ قصائی نے کہا میرے پاس کوئی نیک عمل نہیں ہے جس کے واسطے سے دعا مانگوں اس لیے تم دعا مانگو' قاصد نے کہا: بہتر! میں دعا کرتا ہوں' تم آمین کہنا۔ قاصد نے دعا شروع کی وہ شخص آمین کہتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک ابر کا ٹکڑا ان دونوں پر سایہ فگن ہو گیا' انہوں نے سفر شروع کیا' منزل پر پہنچنے کے بعد جب وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ابر کا ٹکڑا قصائی کے ساتھ ساتھ چلا قاصد نے اس سے کہا کہ تیرا خیال یہ تھا کہ تیرے پاس کوئی نیک عمل نہیں ہے' اسی لیے میں نے دعا کی تھی اور تو نے آمین کہی تھی' اب میں یہ دیکھتا ہوں کہ ابر کا وہ ٹکڑا جو ہم دونوں پر سایہ کیے ہوئے تھا تیرے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ مجھے اپنے بارے میں صحیح صحیح بتلا۔ قصائی نے اپنی توبہ کا واقعہ سنایا' قاصد نے کہا کہ اللہ کے نزدیک تائب کی جو قدر و قیمت ہے وہ کسی دوسرے کی نہیں ہے۔ ایک مشہور بزرگ احمد بن سعید اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہمارے یہاں کوفہ میں ایک نوجوان رہتا تھا' جو انتہائی عبادت گذار تھا اور ہمہ وقت جامع مسجد میں پڑا رہتا تھا' ساتھ ہی وہ انتہائی دراز قامت' خوبصورت اور خوب سیرت بھی تھا' ایک حسین عورت نے اسے دیکھا تو پہلی ہی نظر میں فریفتہ ہو گئی' ایک مدت تک عشق کی چنگاری اس کے دل میں سلگتی رہی' لیکن اسے اپنی محبت کے اظہار کا موقع نہ ملا۔ ایک روز وہ نوجوان مسجد جا رہا تھا' وہ عورت آئی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی' اور کہنے لگی: نوجوان! پہلے میری بات سن لو' اس کے بعد جو دل میں آئے وہ کرو۔ لیکن نوجوان نے کوئی جواب نہیں دیا' اور چلتا رہا' یہاں تک کہ مسجد میں پہنچ گیا' واپسی میں وہ عورت پھر راستے میں کھڑی نظر آئی' جب نوجوان قریب پہنچا تو اس نے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی' نوجوان نے کہا کہ یہ تہمت کی جگہ ہے' میں نہیں چاہتا کہ کوئی شخص مجھے تمہارے ساتھ کھڑا ہوا دیکھ کر تہمت لگائے اس لیے میرا راستہ نہ روکو اور مجھے جانے دو' اس نے کہا خدا کی قسم! میں یہاں اس لیے نہیں کھڑی ہوئی کہ مجھے تمہاری حیثیت کا علم نہیں ہے' یا میں یہ نہیں جانتی کہ یہ تہمت کی جگہ ہے' خدا نہ کرے لوگوں کو میرے متعلق بدگمان ہونے کا موقع ملے' لیکن مجھے اس معاملے میں بذاتِ خود تم سے ملاقات پر اس امر نے اکسایا ہے کہ لوگ تھوڑی سی بات کو زیادہ کر لیتے ہیں' اور تم جیسے عبادت گذار لوگ آئینے کی طرح ہیں کہ معمولی سا غبار بھی اس کی صفائی کو متاثر کر دیتا ہے' میں تو سو بات کی ایک بات یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میرے دل و جان اور تمام اعضاء تم پر فدا ہیں' اور اللہ ہی ہے جو میرے اور تمہارے معاملے میں کوئی فیصلہ فرمائے۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ نوجوان عورت کی یہ تقریر سن کر خاموشی کے ساتھ کوئی جواب دیے بغیر گھر چلے گئے' گھر پہنچ کر نماز پڑھنی چاہی' لیکن نماز میں دل نہیں لگا' اور سمجھ میں نہ آیا کیا کریں' مجبوراً قلم کاغذ سنبھالا' اور اس عورت کے نام ایک پرچہ لکھا' پرچہ لکھ کر گھر سے باہر آئے' دیکھا وہ عورت اسی طرح راہ میں کھڑی ہوئی ہے' انہوں نے پرچہ اس کی طرف پھینک دیا' اور خود تیزی سے گھر میں داخل ہو گئے' پرچے کا مضمون یہ تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! اے عورت! تجھے یہ بات جان لینی چاہئے کہ جب بندہ اپنے خدا کی نافرمانی کرتا ہے تو در گذر سے کام لیتا ہے جب وہ دوبارہ اسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تب بھی وہ پردہ پوشی فرماتا ہے' لیکن جب وہ اسی معصیت کو اپنا مشغلہ اور پیشہ بنا لیتا ہے تو پھر ایسا غضب نازل فرماتا ہے کہ زمین و آسمان' شجر و حجر اور چوپائے کانپ اٹھتے ہیں' کون ہے جو اس کی ناراضگی کا تحمل کر سکے۔ جو کچھ تو نے کہا ہے اگر وہ غلط ہے تو اس دن کو یاد کر کہ آسمان گلے ہوئے تانبے کی طرح ہو گا اور زمین دھنی ہوئی روئی کی طرح' اور تمام لوگ جبّار عظیم کے آگے سربسجود ہوں گے' خدا کی قسم! میرا اپنا حال یہ ہے کہ میں اپنے نفس کی اصلاح سے عاجز ہوں' اس صورت میں دوسرے کی اصلاح کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے اور اگر تیرا کہنا سچ ہے تو میں تجھے ایک ایسے طبیب کا پتا بتلائے دیتا ہوں جو تمام زخموں اور مرضوں کا شافی اور تسلی بخش علاج کرتا ہے۔ وہ طبیب اللہ ہے' جو تمام جہانوں کا رب ہے' اس کے حضور میں اپنی درخواست پیش کر' اس سے اپنی مطلب برآوری چاہ' میں تیرے لیے کچھ نہیں کر سکتا' بس یہ آیت تلاوت کرتا ہوں:

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ ۚ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۚ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ۔ (پ ۲۴ ر ۷ آیت

۱۸-۱۹)

اور آپ ان کو ایک قریب آنے والے مصیبت کے دن سے ڈرا دیجئے جس وقت کلیجے منہ کو آجاویں گے' اور (غم سے) گھٹ گھٹ جائیں گے' (اس روز) ظالموں کا نہ کوئی دلی دوست اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جس کا کہا مانا جائے وہ آنکھوں کی چوری کو جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

چند روز کے بعد وہ عورت پھر راستے میں کھڑی نظر آئی' انہوں نے اسے دیکھ کر واپس لوٹنے کا ارادہ کیا' لیکن ملاقات ہوگئی' یہ کہہ کر خوب روئی' اور کہنے لگی کہ میں خدا سے۔ جس کے ہاتھ میں تمہارا دل ہے۔ یہ دعا کرتی ہوں کہ وہ تمہارے سلسلے میں در پیش میری مشکل آسان فرمادے' اس کے بعد نصیحت اور وصیت کرنے کے لیے کہا' نوجوان نے کہا: میں صرف یہ نصیحت کرتا ہوں خود کو اپنے نفس سے محفوظ رکھنا اور اس آیت کو ہمہ وقت ذہن میں رکھنا:

هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (پ ۷، ر ۱۲ آیت ۶۰)

اور وہ ایسا ہے کہ رات میں تمہاری روح کو قبض کر دیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو جانتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ یہ نصیحت سن کر وہ عورت بہت زیادہ روئی' دیر تک روتی رہی' جب افاقہ ہوا اپنے گھر پہنچی اور کچھ عرصے عبادت میں مشغول رہ کر مرگئی' وہ نوجوان اسے یاد کرکے رویا کرتا تھا' لوگ کہتے کہ اب رونے سے کیا حاصل' تم نے تو اسے اپنی طرف سے مایوس کر دیا تھا' وہ جواب دیتا کہ میں نے پہلے ہی روز اس کی خواہش نفس کو ذبح کر دیا تھا اور اپنے اس عمل کے سلسلے میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ عمل ذخیرہ آخرت ہوگا' لیکن اب ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ ذخیرہ واپس نہ ہوجائے۔

کتاب آفات اللسان

زبان کی آفتوں کا بیان

زبان۔ ایک عظیم نعمت: زبان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک نعمت اور لطائف صنائع میں سے ایک لطیفہ ہے' اس کا حجم اگرچہ مختصر ہے' لیکن اس کی اطاعت بھی زیادہ ہے' اور گناہ بھی بڑا ہے۔ یہ ایمان اور کفر دونوں حقیقتوں کا اظہار زبان ہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ان میں اول الذکر غایت اطاعت ہے' اور ثانی الذکر انتہائی درجے کی معصیت ہے۔ ہر چیز خواہ وہ موجود ہو یا معدوم' خالق ہو یا مخلوق' خیالی ہو یا حقیقی' ظنی ہو یا وہمی زبان پر آتی ہے' اور زبان ہر چیز کے متعلق نفی یا اثبات کرتی ہے۔ علم کے دائرے میں جتنی بھی چیزیں ہیں خواہ وہ حق ہوں یا باطل ہوں سب کی سب زبان ہی کے ذریعہ بیان کی جاتی ہیں' یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو زبان کو دوسرے تمام اعضاء سے ممتاز کرتی ہے' آنکھ کی رسائی صرف رنگوں اور شکلوں تک ہے' کانوں کے دائرہ اختیار میں صرف آوازیں ہیں' ہاتھ صرف ان چیزوں تک دراز ہوسکتے ہیں جن کا جسمانی وجود ہو' یہی حال تمام اعضا کا ہے ان میں صرف زبان ہی ایسا عضو ہے جس کا دائرہ اختیار انتہائی وسیع ہے جس طرح زبان خیر کے میدان میں دوڑ سکتی ہے اسی طرح شر کے میدان میں بھی اسے کوئی شکست دینے والا نہیں۔ اس لیے زبان پر قابو رکھنا نہایت ضروری ہے' جو شخص زبان پر قابو نہیں رکھتا شیطان اس سے نہ جانے کیا کچھ کہلوا لیتا ہے اور اسے برے انجام کی طرف لے جاتا ہے' حدیث شریف میں ہے۔

ولا يكب الناس في النار على مناخرهم الا حصائد السنتهم

لوگ اپنی زبانوں کا بویا کاٹنے ہی کے لیے دوزخ میں ناک کے بل اوندھے ڈالے جاتے ہیں۔

زبان کے شر سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو اسے شریعت کی لگام پہنائے' اور سنّت کی زنجیریں ڈال دے' اور صرف اس

وقت آزاد کرے جب کوئی ایسی بات کرنی ہو جو دین و دنیا کے لئے مفید ہو' اور اسے ہر ایسی بات سے روکے جس کی ابتدا یا انتہا سے برُے انجام کی توقع ہو۔

تاہم یہ بات معلوم کرنا کہ کونسی بات اچھی ہے اور کون سی بات بری' کہاں زبان کو بولنے کے لیے آزاد کرنا بہتر ہے اور کہاں بُرا ہے' انتہائی دشوار ہے۔ اور معلوم بھی ہو جائے تو اس پر عمل کرنا اس سے زیادہ مشکل ہے۔ انسان کے اعضاء میں سب سے زیادہ نافرمانیاں زبان سے سرزد ہوتی ہیں' اس لیے کہ اسے حرکت دینے میں نہ کوئی وقت ہے اور نہ تعب و تھکن۔ لوگ زبان کی آفات سے بچنے میں تساہل برتتے ہیں' اور اس کے شر کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کردیتے ہیں' حالانکہ یہ شیطان کا مؤثر ترین ہتھیار ہے' اس کے ذریعہ وہ اللہ کے بندوں کو شکست دیتا ہے اور انہیں گمراہی کے راستے میں چلنے پر مجبور کردیتا ہے۔ آنے والے صفحات میں ہم ' بتوفیق ایزدی ' زبان کی تمام آفتیں الگ الگ بیان کریں گے' اور پوری تفصیل کے ساتھ ہر آفت کی حدود' اسباب' اور نتائج پر گفتگو کریں گے' نیز اس سے بچنے کی تدابیر بھی ذکر کریں گے' اور اس کی مذمت میں جتنے اخبار و آثار وارد ہوئے ہیں انہیں بھی بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ کل بیس آفات ہیں' آفات کے بیان سے پہلے ہم زبان کے خطرات اور خاموشی کے فضائل بیان کرتے ہیں۔

زبان کا خطرۂ عظیم اور خاموشی کی فضیلت

جاننا چاہئے کہ زبان کا خطرہ عظیم ہے' اور اس سے بچنے کا واحد راستہ خاموشی ہے' اسی لیے شریعت نے خاموشی کی مدح کی ہے' اور اپنے متبعین کو خاموش رہنے کی ترغیب دی ہے' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من صمت نجا (ترمذی۔ عبداللہ بن عمرؓ)

جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔

الصمت حکم وقاعلہ قلیل (ابو منصور دیلمی۔ ابن عمرؓ)

خاموشی حکمت ہے' (لیکن) اس کے کرنے والے (خاموش رہنے والے) کم ہیں۔

عبداللہ بن سفیان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے اسلام کے متعلق کوئی ایسی بات بتلایئے کہ آپ کے بعد کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے آپ نے فرمایا:۔

قل آمنت باللہ ثم استقم

یہ کہہ میں اللہ پر ایمان لایا' اس کے بعد اس ایمان پر ثابت قدم رہ

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کس چیز سے اجتناب کروں۔ آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا (ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' مسلم) عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: نجات کا راستہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا:

امسک علیک لسانک ولیسعک بیتک وابک علی خطیئتک (ترمذی)

اپنی زبان پر قابو رکھو' اور تیرا گھر تجھے کافی ہونا چاہئے (یعنی گھر سے باہر مت نکل) اور اپنی غلطی پر (ندامت کر) آنسو بہا۔

سہل بن سعد الساعدی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

من یتکفل لی بما بین لحییہ ورجلیہ اتکفل لہ الجنۃ (بخاری)

جو شخص مجھے اپنے دونوں کانوں کے درمیان کی چیز یعنی زبان اور دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیز یعنی شرمگاہ سے بچنے کی ضمانت دے میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔

من وقی شر قبقبہ وذبذبہ ولقلقہ فقد وقی الشر کلہ (ابو منصور دیلمی۔ انس)
جو شخص اپنے پیٹ، اپنی شرمگاہ اور اپنی زبان کے شر سے محفوظ رہا وہ ہر طرح کے شر سے محفوظ رہا۔
یہی تین اعضاء ایسے ہیں جن کی شہوتوں کے باعث عام طور پر لوگ ہلاکت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہم نے پیٹ اور شرمگاہ کی شہوتوں کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد زبان کی آفتیں بیان کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سی چیز ہے جس کے باعث لوگ جنت میں داخل ہوں گے، فرمایا:

تقوی اللہ وحسن الخلق
اللہ کا خوف، اور خوش خلقی۔

عرض کیا گیا کہ وہ چیز بھی بتلا دیجئے جس کی بنا پر لوگ دوزخ میں جائیں گے، فرمایا:

الاجوفان الفم والفرج (ترمذی، ابن ماجہ۔ ابو ہریرہؓ)
دو کھوکھلی چیزوں منہ اور شرمگاہ کے باعث۔

اس حدیث میں منہ سے مراد زبان کی آفات بھی ہو سکتی ہیں، کیونکہ منہ زبان کا محل ہے، اور اس سے پیٹ بھی مراد ہو سکتا ہے، کیونکہ منہ ہی پیٹ بھرنے کا ذریعہ اور راستہ ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! جو کچھ ہم بولتے ہیں اس پر بھی مواخذہ ہوگا، آپ نے فرمایا:

ثکلتک امک یا ابن جبل، وهل یکب الناس فی النار علی مناخرهم الاحصائد السنتهم (ترمذی، ابن ماجہ، حاکم)
اے ابن جبل! تیری ماں تجھے روئے، دوزخ میں لوگ اپنی زبانوں کا بویا کاٹنے کے لیے اوندھے ڈالے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ ثقفیؓ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! کوئی بات ایسی ارشاد فرمایئے جس پر میں زندگی بھر عمل پیرا رہوں، آپ نے فرمایا:

قل ربی اللہ ثم استقم
اللہ کو اپنا رب کہہ پھر اس قول پر ثابت قدم رہ۔

صحابیؓ نے عرض کیا کہ آپ میرے متعلق سب سے زیادہ کس چیز سے خائف ہیں؟ آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا: اس سے (نسائی) حضرت معاذ بن جبلؓ نے افضل ترین عمل کے متعلق پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں اپنی زبان مبارک باہر نکالی اور اس پر انگلی رکھ کر اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ خاموشی افضل ہے (طبرانی، ابن ابی الدنیا)۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یستقیم ایمان العبد حتی یستقیم قلبہ ولا یستقیم قلبہ حتی یستقیم لسانہ ولا یدخل الجنۃ رجل لا یامن جارہ (ابن ابی الدنیا۔ خرائطی)
بندے کا ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک اس کا قلب درست نہ ہو، اور اس کا قلب اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک اس کی زبان صحیح نہ ہو، اور جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کے شر سے مامون نہ ہو۔

ایک حدیث میں ہے۔

من سرہ ان یسلم فلیلزم الصمت (بیہقی، ابن ابی الدنیا۔ انس)

جسے سلامتی پسند ہو اسے خاموشی اختیار کرنی چاہئے۔

حضرت سعید بن جبیرؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

اذا اصبح ابن آدم اصبحت الاعضاء کلھا تذکر اللسان ای تقول اتق اللہ فینا فانک ان استقمت استقمنا وان اعوججت اعوججنا (ترمذی۔ ابو سعید الخدریؓ)

جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان سے کہتے ہیں کہ ہمارے سلسلے میں اللہ سے ڈرنا' اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے' اور تو ٹیڑھی ہوئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

حضرت عمر ابن خطابؓ نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی زبان ہاتھ سے باہر کھینچ رہے ہیں' انہوں نے عرض کیا: اے خلیفۂ رسول! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اس نے مجھے بہت تنگ کیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لیس شئی من الجسد الا یشکو الی اللہ اللسان علی حدتہ (ابن ابی الدنیا' ابو یعلی' دار قطنی)

جسم کا ہر عضو اللہ رب العزت سے زبان کی تیزی کی شکایت کرتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ وہ کوہ صفا پر تلبیہ کہہ رہے تھے اور اپنی زبان کو اس طرح خطاب کر رہے تھے:۔

یالسان قل خیرا تغنم واسکت عن شر تسلم

اے زبان اچھی بات کہہ نفع اٹھائے گی' اور شر سے چپ رہ سلامت رہے گی۔

عرض کیا گیا: اے ابو عبد الرحمٰنؓ! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں' آپ کا قول ہے یا آپ نے کسی سے سنا ہے' انہوں نے فرمایا کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان کے متعلق یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:۔

ان اکثر خطایا بنی آدم فی لسانہ (طبرانی۔ بیہقی)

انسان کی اکثر غلطیوں کا منبع زبان ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من کف لسانہ ستر اللہ عورتہ ومن ملک غضبہ وقاہ اللہ عذابہ ومن اعتذر الی اللہ قبل اللہ عذرہ (ابن ابی الدنیا)

جو شخص اپنی زبان کو (بولنے سے) روکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیب کی پردہ پوشی فرماتے ہیں' اور جو شخص اپنے غصے پر قابو رکھتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے محفوظ رکھتے ہیں اور جو شخص اللہ کے سامنے عذر پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول فرماتے ہیں

روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمائیں! آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اعبد اللہ کانک تراہ وعد نفسک فی الموتی وان شئت انباتک بما ھو املک لک من ھذا کلہ (واشار بیدہ الی لسانہ) (ابن ابی الدنیا۔ طبرانی)

اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اپنے نفس کو مردوں میں شمار کر' اور اگر تو کہے تو میں ایسی بات بتلاؤں جو ان تمام سے زیادہ مفید ہو' اور ہاتھ سے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔

صفوان بن سلیمؓ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

الا اخبرکم بایسر العبادۃ واھونھا علی البدن الصمت وحسن الخلق (ابن ابی

الدنیا۔ ابوذرؓ ابو الدرداءؓ)
کیا میں تمہیں ایسی عبادت نہ بتلاؤں جو بہت سہل اور بدن کے لیے بہت آسان ہے (وہ عبادت ہے) خاموشی اور خوش خلقی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا او يسكت (بخاری و مسلم)

جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے خیر کی بات کہنی چاہئے یا خاموش رہنا چاہئے۔

حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:۔

رحم الله عبدا تكلم فغنم او سكت فسلم (بیہقی۔ انسؓ)

اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو بولے تو نفع اٹھائے اور خاموش رہے تو سلامتی پائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ کوئی ایسا عمل بتلائیں جس سے جنت حاصل ہو' فرمایا کبھی بولنا مت' سائل نے عرض کیا: یہ تو ممکن نہیں ہے' انہوں نے فرمایا: اگر بولنا ہی ضروری ہو تو خیر کے علاوہ کچھ مت بولنا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں اگر بولنا چاندی ہے تو چپ رہنا سونا ہے۔ ایک اعرابی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیں جس سے جنت ملے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اطعم الجائع واسق الظمان وامر بالمعروف وانه عن المنكر فان لم تطق فكف لسانك الا من خير (ابن ابی الدنیا)

بھوکے کو کھانا کھلا' پیاسے کو پانی پلا' اچھی بات کا حکم کر' بری سے منع کر' اگر تو ایسا نہ کر سکے تو زبان کو خیر کے علاوہ کوئی بات کہنے سے روک۔

ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

اخزن لسانك الا من خير فانك بذلك تغلب الشيطان (طبرانی' ابن حبان۔ ابوذرؓ)

اپنی زبان کو خیر کے علاوہ ہر بات سے روک تو اس کے باعث شیطان پر غالب رہے گا۔

ارشادِ نبوی ہے:۔

ان الله عند لسان كل قائل فليتق الله امرو على ما يقول

اللہ ہر بولنے والے کے پاس ہے' اس لیے ہر شخص کو اپنی بات پر اللہ سے ڈرنا چاہئے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اذا رأيتم المؤمن صموتا وقورا فادنوا منه فانه يلقن الحكمة (ابن ماجہ۔ ابو خلادؓ)

جب تم مسلمان کو خاموش اور باوقار دیکھو تو اس کے قریب ہو جاؤ' اس لیے کہ وہ حکمت کی تلقین کرتا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

الناس ثلاثة غانم وسالم وشاحب فالغانم الذى يذكر الله تعالى والسالم الساكت' والشاحب الذى يخوض فى الباطل (طبرانی' ابو یعلی۔ ابو سعید الخدریؓ)

لوگ تین طرح کے ہیں' غانم' سالم' شاحب غانم وہ ہے جو اللہ کا ذکر کرتا ہو' سالم چپ رہنے والا ہے اور شاحب وہ شخص ہے جو باطل میں مشغول ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ان لسان المؤمن وراء قلبه فاذا اراد ان یتکلم بشئی تدبر بقلبه ثم امضاہ بلسانه و ان لسان المنافق امام قلبه فاذا ھم بشئی امضاہ بلسانه ولم یتدبر بقلبه(۱)

مؤمن کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے' جب وہ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اپنے دل سے سوچتا ہے پھر زبان سے ادا کرتا ہے' اور منافق کی زبان دل کے سامنے ہوتی ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے زبان سے کہہ دیتا ہے دل میں نہیں سوچتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: عبادت کے دس جزء ہیں' ان میں سے نو کا تعلق خاموشی سے ہے' اور ایک جزء کا تعلق لوگوں سے راہ فرار اختیار کرنے سے ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من کثر کلامه کثر سقطه ومن کثر سقطه کثرت ذنوبه ومن کثرت ذنوبه کانت النار اولی به (ابو نعیم' ابو حاتم' بیہقی۔ موقوفاً علی عمر بن الخطابؓ)

جس کا کلام زیادہ ہوتا ہے اس کی لغزشیں زیادہ ہوتی ہیں اور جس کی لغزشیں زیادہ ہوتی ہیں اس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں وہ آگ کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی زبان کو بولنے سے روکنے کے لیے منہ میں کنکر ڈال لیا کرتے تھے' نیز وہ اپنی زبان کی طرف اشارہ کرکے فرماتے کہ اسی نے مجھے اس حال تک پہنچایا ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں زبان کے علاوہ کوئی چیز لمبی قید کی محتاج نہیں ہے۔ طاؤس فرمایا کرتے تھے کہ میری زبان درندہ ہے' اگر میں اسے آزاد چھوڑ دوں تو یہ مجھے کھا جائے' وہب بن منبہ حکمت آل داؤد میں فرماتے ہیں کہ عقلمند پر واجب ہے کہ وہ اپنے زمانے کی معرفت رکھنے والا' اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا' اور اپنی وضع پر رہنے والا ہو' حسن کہتے ہیں کہ جو شخص اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرتا اسے دین کی سمجھ نہیں ہے' اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ خط تحریر فرمایا۔ "امّا بعد! جو شخص موت کو بہت یاد کرتا ہے وہ دنیا کی تھوڑی چیز پر قانع ہے' جو شخص کلام کو بھی عمل شمار کرتا ہے وہ غیر مفید کلام نہیں کرتا ایک بزرگ فرماتے ہیں خاموشی آدمی کے لیے دو فضیلتیں جمع کردیتی ہے' ایک دین کی سلامتی' دوسرے مخاطب کے کلام کی سمجھ۔ محمد بن واسع نے مالک بن دینار سے کہا: اے ابو یحییٰ! زبان کی حفاظت درہم و دینار کی حفاظت سے افضل ہے۔ یونس بن عبید فرماتے ہیں کہ جس شخص کی زبان اپنے دائرے میں رہتی ہے اس کے سب کام ٹھیک رہتے ہیں' حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں کہ چند لوگ حضرت معاویہؓ کی مجلس میں تبادلہ خیالات کررہے تھا' احنف بن قیس ان لوگوں کی گفتگو خاموشی سے سن رہے تھے' حضرت معاویہؓ نے دریافت کیا اے ابوالبحر! کیا بات ہے آپ گفتگو میں حصہ نہیں لے رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھے خدا کا خوف ہے اور سچ بولوں تو آپ کا اندیشہ ہے ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ فارس' روم' ہندوستان اور چین کے بادشاہوں کی ملاقات ہوئی' ان میں سے ایک نے کہا کہ میں بات کہہ کر نادم ہوتا ہوں' چپ رہ کر نادم نہیں ہوتا' دوسرے نے کہا کہ جب میں کوئی لفظ زبان سے نکالتا ہوں اس کے اختیار میں ہوجاتا ہوں وہ میرے اختیار میں نہیں رہتا' اور جب تک وہ لفظ زبان سے نہیں نکالتا اس وقت تک وہ میرے اختیار میں رہتا ہے' تیسرے نے کہا مجھے ایسے بولنے والے پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ اگر اس کا کلام اس پر واپس ہو تو اسے نقصان پہنچائے اور واپس نہ ہو تب بھی کوئی نفع نہ ہو' چوتھے نے کہا کہ ان کہی بات ہٹانے پر قدرت رکھتا ہوں لیکن جو بات زبان سے نکل جائے اسے لوٹانے پر قادر نہیں ہوں۔ منصور بن المعتزؒ نے چالیس برس ایسے گذارے کے عشاء کے بعد سے صبح تک ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا۔ ربیع بن خثیم نے بیس برس تک دنیاوی گفتگو نہیں کی' صبح اُٹھ کر وہ قلم کاغذ اپنے پاس رکھ لیتے اور جو کچھ بولتے اسے لکھ لیتے پھر شام کو اس کا محاسبہ کرتے۔

---

(۱) مجھے یہ روایت مرفوع نہیں ملی' البتہ غزالی نے اسے حضرت حسن بصریؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

خاموشی کے افضل ہونے کی وجہ: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خاموشی اس قدر افضل کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بولنے میں بے شمار آفات ہیں، غلطی، جھوٹ، غیبت، چغلخوری، ریاء، نفاق، فحش گوئی، خود نمائی، خود ستائی، خصومت، لغو گوئی، تعریف، بات بڑھانا گھٹانا، ایذا دہی، اور پردہ دری جیسے عیوب کا تعلق زبان ہی سے ہے۔ زبان کو حرکت دینے میں نہ کوئی تکلیف ہے اور نہ تھکن۔ بلکہ بولنے میں لذت ملتی ہے، خود طبیعت بھی بولنے پر اُکساتی ہے، اور شیطان بھی کچوکا لگاتا رہتا ہے، جو لوگ بولنے کے عادی ہیں وہ بہت کم موقع بے موقع بولنے سے اپنی زبان کو روک سکتے ہیں ورنہ عموماً یہ نہیں دیکھتے کہ ہمیں کہاں بولنا ہے اور کہاں خاموش رہنا ہے، بلکہ ہر قسم کے نتائج سے بے پرواہ ہو کر بولے چلے جاتے ہیں۔ یہ بات علماء ہی سمجھ سکتے ہیں، بہرحال بولنے میں خطرات ہیں اور خاموشی میں ہر خطرے سے حفاظت ہے، اسی لیے اس کی فضیلت بھی زیادہ ہے۔ خاموشی کے بے شمار فائدے ہیں، ہمت مجتمع رہتی ہے خیالات میں انتشار نہیں ہوتا، وقار بنا رہتا ہے، فکر، ذکر اور عبادت کے لیے فراغت رہتی ہے، دنیا میں بولنے کے غلط نتائج سے، اور آخرت میں اس کے محاسبے سے نجات ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (پ۲۶ ر۱۶ آیت ۱۸)

وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔

خاموش رہنے کی فضیلت پر ایک بہترین دلیل یہ ہے کہ کلام کی چار قسمیں ہیں ایک وہ جس میں صرف ضرر ہے، دوسری وہ جس میں صرف نفع ہے۔ تیسری وہ جس میں نفع بھی ہے اور ضرر بھی، اور چوتھی وہ جس میں نہ نفع ہے اور نہ ضرر۔ جہاں تک کلام کی اس قسم کا تعلق ہے جس میں صرف ضرر ہے اس سے بچنا اور خاموش رہنا ضروری ہے، یہی حکم اس کلام کا ہے جس میں ضرر اور نفع دونوں ہوں بشرطیکہ ضرر نفع سے زیادہ ہو، تیسری قسم جس میں نہ نفع ہو اور نہ ضرر لغو اور بیکار ہے اس کلام سے بھی سکوت ضروری ہے، کیونکہ اس طرح کے کلام میں مشغول ہونا محض اپنا وقت ضائع کرنا ہے اور وقت کی اضاعت سب سے بڑا نقصان ہے۔ اب صرف چوتھی قسم رہ جاتی ہے۔ اس طرح کلام کے تین حصے ختم ہو جاتے ہیں صرف ایک حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اور اس میں بھی خطرات اور اندیشے موجود ہیں۔ بعض دفعہ ریاء، تصنع، غیبت، خود ستائی، اور دوسرے عیوب کلام میں اس طرح گھس آتے ہیں کہ بولنے والے کو احساس بھی نہیں ہوتا، اس لیے مفید کلام کرنے والا بھی گویا خطرات سے کھیلنے والا ہے۔ جو شخص زبان سے تعلق رکھنے والی آفتوں کی باریکیاں سمجھ لے گا وہ اس اعتراف پر مجبور ہو گا کہ اس سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔

من صمت نجا

جو شخص چپ رہا اس نے نجات پائی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کلمات اور حکمت کے گراں بہا جواہر سے نوازا گیا تھا آپ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اپنے دامن میں معانی اور حکمتوں کا اتھاہ سمندر رکھتا ہے، اس بحرِ ناپیدا کنار کی تہ سے موتی چن کر نکالنے کا کام مخصوص علماء کا ہے، ہر کسی کے بس کی بات نہیں کہ وہ کلامِ نبوت کی حکمتوں کو سمجھ سکے۔

پہلی آفت۔ لایعنی کلام: بہتر بات یہ ہے کہ آدمی اپنے الفاظ کی ان تمام آفات سے حفاظت کرے جو ابھی ہم نے ذکر کی ہیں یعنی غیبت، چغلخوری، جھوٹ، اور خصومت وغیرہ۔ اور صرف وہ بات کہے جو جائز ہو، اور جس میں نہ بولنے والے کے لیے کوئی ضرر ہو، اور نہ کسی مسلمان بھائی کے لیے۔ جائز اور ضرر نہ دینے والی بعض باتیں ایسی بھی زبان سے نکل جاتی ہیں جن کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ لایعنی اور بے فائدہ باتیں ہیں، ان میں وقت کا ضیاع بھی ہے، اور آخرت کا محاسبہ بھی ہے، اور بہتر کے عوض کمتر کو حاصل کرنے کا عمل بھی ہے، کیونکہ اگر متکلم بولنے کے بجائے اپنے قلب و دماغ کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں فکر کرنے کی

طرف مائل کرتا تو یہ اس کے حق میں زیادہ بہتر ہوتا' بہت ممکن تھا کہ اس فکر کے نتیجے میں اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے دروازے کھل جاتے' اور قلب کو انشراح نصیب ہو جاتا۔ نیز بولنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی تہلیل' تسبیح' اور تمجید ہی کرلیتا تو یہ اس کے حق میں زیادہ مفید ہوتا۔ کتنے الفاظ ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زبان سے ادا ہو جائے تو جنت میں ایک محل تیار ہو' جو شخص خزانہ حاصل کر سکتا ہو اگر وہ پتھر جمع کرنے بیٹھ جائے تو اسے بدبختی کے علاوہ کیا کہا جائے گا' یہ اس شخص کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر ترک کر کے کسی لایعنی اور بے فائدہ مگر مباح کام میں مشغول ہو جائے اگرچہ وہ گنہگار نہیں ہے لیکن یہی نقصان کیا کم ہے کہ اسے نفع عظیم حاصل نہیں ہو سکا' اور جس کام میں وہ مصروف ہے اس سے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

فان المؤمن لا یکون صمته الا فکرا و نظر ہ الا عبرة و نطقه الا ذکر (۱)

مؤمن کی خاموشی فکر' اور اس کی نظر عبرت اور اس کا کلام ذکر الٰہی ہوتا ہے۔

بندے کا اصل سرمایہ اس کے اوقات ہی تو ہیں' اگر اس نے اپنے اوقات لایعنی کاموں میں صرف کئے اور اس سرمایہ کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر کے نہ رکھا تو سوائے نقصان کے اور کیا ہاتھ لگے گا' اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه (ترمذی' ابن ماجہ۔ ابو ہریرہؓ)

آدمی کے اسلام کے اچھا ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی کام ترک کردے۔

بلکہ ایک حدیث اس سے بھی زیادہ سخت مضمون پر مشتمل ہے' حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں احد کی جنگ میں ہم میں سے ایک نوجوان شہید ہو گیا' ہم نے دیکھا کہ اس نوجوان کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے' یہ پتھر اس نے بھوک کی وجہ سے باندھ رکھے تھے' اس کی ماں نے اپنے شہید بیٹے کے چہرے سے مٹی جھاڑی اور کہنے لگی بیٹا! جنت مبارک ہو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

وما یدریک لعله کان یتکلم فیما لا یعنیه و یمنع ما لا یضره (ترمذی مختصراً)

تجھے کیا پتا؟ شاید وہ لایعنی بات کرتا ہو اور جو چیز اسے نقصان نہ دیتی ہو وہ (دوسروں کو) نہ دیتا ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک روز کعبؓ نظر نہیں آئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق دریافت فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا وہ بیمار ہیں' آپ ان کی عیادت کے لیے چلے' جب آپ ان کے پاس پہنچے تو ارشاد فرمایا ابشر یا کعب (اے کعب تجھے خوش خبری ہو) ان کی والدہ نے زبان نبوت سے یہ جملہ سنا تو خوش ہو کر بیٹے سے کہنے لگیں۔ اے کعب! تجھے جنت مبارک ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

من هذه المتالیة علی الله

یہ کون عورت ہے جو خدا پر حکم کرتی ہے۔

کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میری والدہ ہیں' آپ نے فرمایا:

وما یدریک یا ام کعب' لعل کعبا قال ما لا یغنیه او منع ما لا یغنیه (ابن ابی الدنیا۔ کعب بن عجرہؓ)

---

(۱) مجھے اس روایت کی اصل نہیں ملی' مگر محمد بن زکریا نے ابن عائشہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اس مضمون کا خطبہ دیا ان اللّٰه امرنی ان یکون نطقی ذکرا و صمتی فکرا و نظری عبرة لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔

کعب کی ماں تجھے کیا معلوم؟ شاید کعب نے بلا ضرورت کلام کیا ہو یا غیر مفید چیز سے منع کیا ہو۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت کلام کرنے والا بھی محاسبے سے نہیں بچے گا' اور جس کے ذمے کچھ حساب ہوتا ہے اسے سیدھے جنت میں جانے کی سعادت نصیب نہیں ہوتی' محاسبہ بھی تو عذاب ہی کی ایک صورت ہے' اس عذاب سے چھٹکارہ پاکر ہی جنت میں جانا نصیب ہوگا۔ محمد بن کعبؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز ارشاد فرمایا کہ آج سب سے پہلے جو شخص اس دروازے سے داخل ہوگا وہ جنت میں جائے گا' سب سے پہلے حضرت عبد اللہ بن سلام اس دروازے سے اندر آئے' کچھ لوگ ان کے پاس گئے اور جو کچھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا تھا انہیں بتلایا۔ اور دریافت کیا وہ کون سا مضبوط عمل ہے جس کی بنا پر تمہارے جنت میں جانے کی توقع ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ایک کمزور آدمی ہوں' میرے پاس مضبوط عمل کہاں؟ تاہم میں اپنے اس عمل کی وجہ سے پر امید ہوں کہ میں اپنے سینے کو محفوظ رکھتا ہوں' اور غیر ضروری کلام نہیں کرتا۔ (ابن ابی الدنیا۔ مرسلاً) حضرت ابوذرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تجھے ایسا عمل نہ بتلا دوں جو جسم کے لیے ہلکا ہو اور میزان کے لیے بھاری ہو' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ضرور بتلائیں۔ فرمایا:۔

هو الصمت' وحسن الخلق وترکما لا یعنیک (ابن ابی الدنیا۔ سند منقطع)

وہ عمل خاموشی' خوش اخلاقی' اور غیر ضروری (کام یا کلام) کا ترک کرنا ہے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا ہے' فرمایا کرتے تھے کہ پانچ چیزیں مجھے موقوفہ دراہم سے بھی زیادہ محبوب ہیں' ایک یہ کہ بے فائدہ کلام نہ کیا جائے کیونکہ وہ غیر ضروری اور زائد ہوتا ہے اور اس سے گناہ کا خوف لگا رہتا ہے۔ دوسری یہ کہ اگر مفید کلام بھی کیا جائے تو پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اس کلام کا موقع بھی ہے یا نہیں' کیونکہ بعض اوقات بے موقع مفید کلام بھی تکلیف کا باعث ہوتا ہے' تیسری یہ کہ بُردبار اور بے وقوف دونوں سے بحث و تکرار نہ کی جائے' کیونکہ بُردبار سے بحث کرنے کا مطلب غصہ دلانا ہے اور بے وقوف سے بحث کرکے ایذا اُٹھانا ہے' چوتھی یہ کہ اپنے کسی غیر موجود بھائی کا ذکر اس طرح کیا جائے جس طرح اس کی زبان سے خود اپنا ذکر کرانا مقصود ہو' اور اس کی ان غلطیوں سے درگذر کیا جائے جو غلطیاں خود اس سے درگذر کرانی مقصود ہوں اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو اپنے لیے اس سے مطلوب ہو' پانچویں یہ کہ جو عمل بھی کرے اس یقین کے ساتھ کرے کہ اگر میرا یہ عمل اچھا ہوا تو اس کی جزا ملے گی' اور بُرا ہوا تو اس کی سزا ملے گی۔ حضرت لقمان حکیمؒ سے کسی نے ان کی حکمت دریافت کی' انہوں نے جواب دیا کہ جو چیز خود معلوم ہو جائے میں اس کے متعلق سوال نہیں کرتا' اور بلا ضرورت کلام نہیں کرتا۔ مورق عجلیؒ کہتے ہیں کہ میں بیس برس سے ایک ایسی چیز کی تلاش میں ہوں جس کے حصول پر قدرت نہیں رکھتا' لیکن اس کے باوجود میں نے اس کی تلاش ختم نہیں کی' لوگوں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے' فرمایا: غیر مفید کلام سے سکوت۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے بے فائدہ کام میں مت لگو' اپنے دشمن سے دور رہو' اور اپنے دوست سے بچو' اِلّا یہ کہ وہ امین ہو' اور امین وہی شخص ہو سکتا ہے جس کے دل میں خوفِ خدا ہو گنہ گار کی صحبت میں مت بیٹھو' تم بھی اس کے اثرات قبول کرلوگے' اسے اپنے راز سے آگاہ مت کرو' اپنے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ لو جو اللہ سے ڈرتے ہوں۔

بے فائدہ کلام کی تعریف: بے فائدہ کلام اس کلام کو کہتے ہیں کہ اگر تم خاموش رہو تو نہ کوئی گناہ لازم آئے' اور نہ فی الوقت یا بعد میں کسی وقت اس کی وجہ سے کسی نقصان کا اندیشہ ہو' اس کلام کی مثال یہ ہے کہ تم کسی مجلس میں بیٹھ کر اپنے سفر کے قصے سناؤ اور لوگوں کو بتلاؤ کہ میں نے بلند و بالا پہاڑ اور رواں دواں نہریں دیکھی ہیں' خوش ذائقہ کھانے کھائے ہیں' طرح طرح کی چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے' فلاں فلاں بزرگوں اور مشائخ سے ملاقاتیں کی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ امور ہیں کہ اگر تم انہیں بیان بھی نہ کرو تب بھی کوئی گناہ نہیں ہے' اور نہ کسی قسم کا نقصان ہے۔ یہ بھی اس صورت میں ہے جب کہ تمام واقعات بلا کم و کاست صحیح صحیح بیان

کیے جائیں' نہ ان میں کسی قسم کی کمی ہو' نہ زیادتی' نہ کسی شخص کی غیبت ہو' اور نہ کسی مخلوق کی مذمت' نہ خود ستائی ہو اور نہ اظہار تفاخر' اس احتیاط کے باوجود یہی کہا جائے گا کہ تم نے اپنے سفر کا حال بیان کرکے وقت ضائع کیا ہے' پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ تم اتنی احتیاط رکھ سکو گے یا نہیں یا دانستہ طور پر ان آفات میں سے کسی آفت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ یہی حکم کسی شخص سے غیر ضروری بات پوچھنے کا ہے' اس طرح کا سوال کرنا بھی وقت ضائع کرنے کے مرادف ہے' بلکہ سوال میں زیادہ قباحت ہے' کیونکہ سوال کرکے تم نے اپنے مخاطب کو جواب پر مجبور کیا ہے' اور اس کا وقت بھی ضائع کیا ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ سوال کرنے میں کوئی آفت نہ ہو' ورنہ اکثر سوالات میں آفات پوشیدہ ہوتی ہیں' مثلاً تم کسی سے یہ پوچھو کہ کیا تم روزے سے ہو' اور وہ اثبات میں جواب دے تو کہا جائے گا کہ اس نے اپنے جواب سے عبادت کا اظہار کیا ہے' ممکن ہے وہ اس اظہار سے ریاء کا شکار ہو جائے' اگر ریا کا شکار نہ بھی ہو تب بھی اس کی خفیہ عبادت کھلی عبادت میں بدل جائے گی' جب کہ چھپ کر عبادت کرنا افضل ہے اور اگر اس نے نفی میں جواب دیا تو یہ جھوٹ ہوگا' جواب نہ دیا خاموش رہا تو اس سے سوال کرنے والے کی تحقیر لازم آئے گی' اور اسے تکلیف ہوگی' اور اگر کوئی حیلہ ایسا کیا کہ جواب نہ دینا پڑے تو خواہ مخواہ کی ذہنی الجھن ہوگی' اس طرح ایک غیر ضروری سوال سے ان چار آفات میں سے ایک آفت ضرور لازم آئے گی' جھوٹ' تحقیر مسلم' اور ذہنی الجھن۔ اسی طرح گناہوں کا حال بھی نہ پوچھنا چاہئے اور نہ کوئی ایسی پوشیدہ بات دریافت کرنی چاہئے جسے بتلانے میں شرم آئے' کسی سے یہ پوچھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ فلاں شخص نے تم سے کیا کہا' یا فلاں شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے' کسی مسافر سے یہ نہ معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کہاں سے آیا ہے' بعض اوقات اپنے شہر کا نام بتلانا اس کی مصلحت کے منافی ہوتا ہے' سچ کہتا ہے تو مصلحت فوت ہوتی ہے' ورنہ جھوٹ بولنا پڑتا ہے۔ اسی طرح کسی عالم سے ایسا مسئلہ دریافت نہ کرو جس کی تمہیں ضرورت نہ ہو' بعض اوقات مسئول (وہ شخص جس سے سوال کیا جائے) جواب نہ دینے میں اپنی توہین محسوس کرتا ہے اور وہ علم و بصیرت کے بغیر مسئلہ بتلا کر اپنے آپ بھی گمراہ ہوتا ہے اور تمہیں بھی غلط راستے پر ڈال دیتا ہے۔ غیر مفید کلام میں اس طرح کے سوالات داخل نہیں ہیں' کیوں کہ ان میں گناہ یا ضرر موجود ہے' غیر مفید کلام سے ہمارا مقصد اس مثال سے واضح ہوگا کہ حضرت لقمان حکیم' حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے' وہ اس وقت زرہ بنا رہے تھے' انہوں نے اس سے پہلے زرہ نہ دیکھی تھی اس لیے انہیں لوہے کا لباس دیکھ کر حیرت ہوئی' اور انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے اس کے متعلق دریافت کرنے کا ارادہ کیا' لیکن حکمت مانع آئی' اور خاموش رہے' جب زرہ تیار ہوگئی تو حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے پہن کر دیکھا اور فرمایا لڑائی کے لیے زرہ کتنا عمدہ لباس ہے' لقمان حکیم نے دل میں کہا خاموشی ہی بڑی حکمت ہے' لیکن اس راز کو سمجھنے والے اور سمجھ کر عمل کرنے والے بہت کم ہیں' یہاں انہیں سوال کے بغیر ہی زرہ کا علم ہوگیا اور پوچھنے کی ضرورت نہ رہی۔ اس طرح کے سوالات میں اگر ضرر' کسی کی اہانت' مبالغہ آمیزی' ریاء اور جھوٹ وغیرہ عیوب نہ ہوں تو وہ غیر مفید کلام میں داخل ہیں اور ان کا ترک کرنا حسن اسلام کی دلیل ہے۔

بے فائدہ کلام کے اسباب : بے فائدہ کلام کئی اسباب کی بنا پر کیا جاتا ہے' کبھی اس لیے کہ متکلم کو غیر ضروری بات پوچھنے کی حرص ہوتی ہے' کبھی اس لیے کہ بات پھیلانا اس کی عادت ہوتی ہے' یا وہ تفصیلی بات کرکے مخاطب کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتا' کبھی اس لیے کہ مخاطب سے محبت ہوتی ہے' اور لمبی بات کرکے زیادہ دیر تک اسے مخاطب بنائے رکھنے کی خواہش ہوتی ہے' کبھی دل بہلانے کے لیے قصے کہانیاں کہی جاتی ہیں' ان سب کا علاج یہ ہے کہ موت کو اپنے سامنے تصور کرے اور یہ سوچے کہ مجھ سے ہر لفظ کا محاسبہ کیا جائے گا' میرے سانس رأس المال ہیں' اور زبان جال ہے' جس کے ذریعہ میں جنت کی حوریں پھانس سکتا ہوں' اپنا اصل سرمایہ ضائع کرنا اور اتنے قیمتی جال کو بیکار پڑے رہنے دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ یہ بے فائدہ کلام کرنے کے مرض کا علمی علاج ہے' عملی علاج یہ ہے کہ گوشہ تنہائی اختیار کرے' یا اپنے منہ میں کنکر رکھ لے' یا اپنی زبان کو کبھی کبھی مفید کلام سے روک لیا کرے تاکہ غیر مفید کلام نہ کرنے کی عادت ہو جائے' تاہم اس شخص کے لیے جسے گوشہ تنہائی کے بجائے مل جل کر رہنا زیادہ پسند ہو'

زبان کو روکنا بہت مشکل ہے۔

دوسری آفت۔ زیادہ بولنا : زیادہ بولنا بھی ناپسندیدہ عمل ہے۔ اس میں بے فائدہ کلام بھی شامل ہیں' اور وہ کلام بھی جو مفید تو ہو لیکن قدر ضرورت سے زائد ہو جائے۔ مفید کلام مختصر بھی ہو سکتا ہے' اگر کوئی شخص اختصار پر قدرت رکھنے کے باوجود ایک لفظ کی جگہ دو لفظ بولے تو یہ کہا جائے گا کہ وہ فضول گو ہے خواہ اس تکرار سے تقریر یا تاکید مقصود ہو' یہ فضول گوئی بھی ممنوع ہے' اگرچہ اس میں کوئی گناہ یا ضرر نہیں ہے عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں انہیں فضول گوئی سے نفرت تھی' ان کے نزدیک کتاب اللہ' سنت رسول اللہ' امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دنیا کی شدید ضرورتوں سے تعلق رکھنے والی کلام کے علاوہ ہر کلام زائد شمار ہوتا تھا۔ کیا اس بات سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ ہر انسان کے دائیں بائیں کراماً کاتبین بیٹھے ہوئے اچھے اور برے اعمال نامے ترتیب دے رہے ہیں' ارشاد ربانی ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (پ ۲۶ ر ۱۶ آیت ۱۸)

اور وہ کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔

کیا تمہیں اس بات سے شرم نہیں آتی کہ جب میدان حشر میں تمہارا اعمال نامہ کھلے گا تو اس میں بے شمار باتیں ایسی ہوں گی کہ نہ ان کا تعلق دین سے ہوگا اور نہ دنیا سے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ لوگ مجھ سے ایسے سوالات کرتے ہیں کہ جس طرح پیاسے کو ٹھنڈا پانی لذیذ لگتا ہے اسی طرح مجھے ان کا جواب دینے میں مزہ آتا ہے' لیکن میں اس ڈر سے خاموش رہ جاتا ہوں کہ کہیں میرا کلام زائد نہ ہو جائے۔ مطرف فرماتے ہیں کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کا لحاظ رکھنا چاہیے اور کسی ایسی جگہ اس کا ذکر کرنا چاہیے جہاں اہانت کا شائبہ بھی پایا جائے' مثلاً کتے یا گدھے کو دیکھ کر یوں کہنا "اے اللہ! اسے ہٹا دے" مناسب نہیں ہے۔

زائد کلام کا حصر : یہ بتلانا بہت مشکل ہے کہ کون سا کلام زائد اور غیر ضروری ہے' کیوں کہ اس کا حصر نہیں ہے' البتہ قرآن کریم میں مفید اور ضروری کلام کا حصر کر دیا گیا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (پ ۵ ر ۱۴ آیت ۱۱۴) عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

طوبى لمن امسك الفضل من لسانه وانفق الفضل من ماله (بغوی' ابن قانع' بیہقی۔ رکب المصری)

اس شخص کے لیے خوشخبری ہو جو اپنا زائد کلام روکے اور زائد مال خرچ کرے۔

لیکن افسوس عملاً لوگوں نے اس حدیث کا مفہوم بدل ڈالا ہے۔ اب لوگ زائد مال جمع کرتے ہیں' اور زبان کو زائد کلام سے نہیں روکتے۔ مطرف ابن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں بنو عامر کے چند افراد کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمارے باپ ہیں' ہمارے آقا ہیں' آپ ہم سے افضل ہیں' آپ ہمارے محسن ہیں' آپ عظیم ہیں' آپ ایسے ہیں' آپ ویسے ہیں' آپ نے ان لوگوں سے فرمایا:۔

قولوا قولكم ولا يستهوينكم الشيطان (ابن ابی الدنیا' ابوداؤد' نسائی)

اپنی بات (ضرور) کہو (لیکن اس کا خیال رکھو) کہ شیطان تمہیں سرگشتہ نہ کر دے۔

مطلب یہ ہے کہ جب آدمی کسی کی تعریف کرتا ہے تو ہزار احتیاط کے باوجود کوئی نہ کوئی بات زبان سے ایسی نکل ہی جاتی ہے جو

خلاف واقعہ ہو یا اس میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے' اگر تعریف سچی بھی ہو تب بھی یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں شیطان غیر ضروری کلمات زبان سے ادا نہ کرادے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں تمہیں زائد کلام سے ڈرتا ہوں' آدمی کے لیے اتنا کلام کافی ہے جو ضرورت پوری کردے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آدمی کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنے بچے کو خاموش کرنے کے لیے کہہ دے کہ میں تیرے لیے فلاں چیز خرید کر لاؤں گا اور خریدنے کی نیت نہ ہو تو اسے جھوٹ لکھا جائے گا۔ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ اے انسان! تیرا نامۂ اعمال پھیلا ہوا ہے' اور اس پر دو فرشتے تیرے اعمال لکھنے کے لیے متعین ہیں' اب یہ تیری مرضی پر منحصر ہے جو چاہے کر' کم کر یا زیادہ' ہر عمل لکھا جائے گا' اور قیامت میں یہ نامۂ اعمال تیرے حق میں یا تیرے خلاف بڑا ثبوت ہوگا۔ روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ایک جن کو کہیں بھیجا' اور کچھ جنوں کو اس کے پیچھے روانہ کیا تاکہ جو کچھ وہ کرے اور جہاں کہیں وہ جائے اس کی اطلاع دیں' انہوں نے آکر بتلایا کہ یہ جن بازار گیا' وہاں پہنچ کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا' پھر نیچے انسانوں کو دیکھ کر گردن ہلائی اور آگے بڑھ گیا' حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی اس حرکت پر تعجب ہوا' آپ نے اس کی وجہ دریافت کی' جن نے جواب دیا کہ مجھے فرشتوں پر حیرت ہوئی کہ وہ انسانوں کے سروں پر بیٹھ کر کتنی جلدی جلدی ان کے اعمال کا حال لکھ رہے ہیں' پھر انسان پر تعجب ہوا کہ وہ کتنی جلدی بہک جاتا ہے۔ ابراہیم تیمیؒ کہتے ہیں کہ مؤمن بولنے سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ بولنا اس کے حق میں مفید ہے یا مضر' اگر مفید ہو تو بولتا ہے ورنہ چپ رہتا ہے۔ اور فاجر بے سوچے سمجھے بولتا ہے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں جو زیادہ بولتا ہے وہ جھوٹا ہوتا ہے' جس کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے اس کے گناہ بھی زیادہ ہوتے ہیں اور جس کے اخلاق خراب ہوتے ہیں وہ اپنے نفس کو تکلیف پہنچاتا ہے' عمرو بن دینار روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لب کشائی کی' اور دیر تک بولا۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تیرے منہ میں کتنے پردے ہیں؟ اس نے عرض کیا صرف زبان اور دانت ہیں' آپ نے فرمایا: اس میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جو تجھے بولنے سے روک دے؟ (ابن ابی الدنیا۔ مرسلاً)۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ بات آپ نے اس شخص سے فرمائی جس نے آپ کی تعریف میں کلام کو طول دیا تھا' اس موقعہ پر آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ کسی شخص کو زبان کی فضول گوئی سے بڑے شر میں مبتلا نہیں کیا گیا۔ ایک دانشور کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو مجلس میں بیٹھ کر بولنا اچھا لگے تو اسے خاموشی اختیار کرنی چاہئے' اور اگر چپ رہنا اچھا لگے تو بولنا چاہئے' زید ابن ابی حبیبؒ کہتے ہیں: عالم کا فتنہ یہ ہے کہ اسے سننے سے زیادہ بولنے میں تحریف و تلبیس' اور تزئین وغیرہ کے خطرات ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کے لیے جس عضو کو پاک کرنا زیادہ ضروری ہے زبان ہے۔ حضرت ابوالدرداء نے ایک زبان دراز عورت کے متعلق فرمایا کہ اگر یہ بولنے کی صلاحیت سے محروم ہوتی تو یہ اس کے حق میں بہتر تھا۔ ابراہیم ابن ادہم کہتے ہیں کہ آدمی مال اور کلام کی زیادتی سے تباہ ہوتا ہے۔

<u>تیسری آفت۔ باطل کا ذکر</u> : باطل سے وہ کلام مراد ہے جس کا تعلق معاصی سے ہو' مثلاً عورتوں کے حسن و جمال اور عشق و محبت کے قصے سنانا' فسق و فجور کی مجلسوں کا حال بیان کرنا' مالداروں کی عیاشی کا ذکر کرنا' بادشاہوں کے اعمال بد کا ذکر کرنا' یہ سب امور باطل ہیں' اور ان میں مشغول ہونا حرام ہے' غیر ضروری کلام حرام نہیں ہے صرف غیر مستحب اور ناپسندیدہ ہے' اسی طرح زیادہ بولنا بھی حرام نہیں ہے' یہ بھی ناپسندیدہ عمل ہے' لیکن باطل کلام میں حرمت پائی جاتی ہے' تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ غیر ضروری موضوع پر زیادہ بولنے والا بھٹکنے اور باطل میں پڑ جانے کے قریب رہتا ہے۔ تفریحی گفتگو آج کے دور کا خاص مشغلہ ہے' اکثر لوگ اس مشغلے کے لیے مجلسیں ترتیب دیتے ہیں' اور ان مجلسوں کا موضوع باطل ہوتا ہے' کسی کا مذاق اُڑایا جاتا ہے' کسی کے عیوب ظاہر کئے جاتے ہیں' کسی میں عیوب تلاش کئے جاتے ہیں' کسی کے خلاف سازشیں کی جاتی ہیں۔ غرضیکہ کوئی مجلس معصیت سے خالی نہیں ہوتی۔ باطل کی انواع اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا حصر کرنا ممکن نہیں ہے' ان سے نجات حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی دینی مہمات اور دنیاوی ضروریات سے متعلق گفتگو پر اکتفا کرے۔ باطل امور کا ذکر ایک خطرناک آفت ہے' اس

آفت کا شکار ہونے والا عموماً تباہ و برباد ہو جاتا ہے' اگرچہ وہ اس ذکر کو معمولی سمجھتا ہے اور اس کے خطرات کا احساس نہیں کرتا' لیکن قیامت کے روز اس پر یہ انکشاف ہوگا کہ وہ جس معصیت کو معمولی سمجھ رہا تھا وہ اس کے لیے کتنی تباہی لے کر آئی ہے' حضرت بلال بن الحرثؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں:۔

ان الرّجل یتکلم بالکلمة من رضوان اللّٰہ مایظن ان تبلغ بہ مابلغت فیکتب اللّٰہ بہا رضوانہ الی یوم القیام وان الرجل یتکلم بالکلمة من سخط اللّٰہ مایظن ان تبلغ بہ مابلغت فیکتب اللّٰہ علیہ بہا سخطہ الی یوم القیامة (ابن ماجہ' ترمذی)

آدمی اللہ کو خوش کرنے والا ایک لفظ کہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سے کوئی بڑی خوشنودی حاصل نہیں ہوگی' لیکن اللہ تعالیٰ اس لفظ کی وجہ سے قیامت تک کے لیے اپنی رضامندی لکھ دیتے ہیں' کبھی آدمی اللہ کو ناراض کرنے والا ایک لفظ بولتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ زیادہ ناراض نہیں ہوں گے لیکن اللہ عزّوجل اس ایک لفظ کی وجہ سے قیامت تک اپنی ناراضگی لکھ دیتے ہیں۔

حضرت علقمہؓ فرمایا کرتے تھے کہ بلال بن الحرث کی اس حدیث نے مجھے بہت سی باتوں سے روک دیا۔ ایک حدیث میں ہے:۔

ان الرجل یتکلم بالکلمة یضحک بہا جلساءہ یہوی بہا ابعد من الثریا (۱)

آدمی اپنے ہم نشینوں کو ہنسانے کے لیے ایک لفظ بولتا ہے اور اس کی وجہ سے (دوزخ میں) ثریا سے زیادہ دُور جا پڑتا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آدمی بعض اوقات لاپروائی میں ایسی بات کہہ دیتا ہے جس کی سزا اسے دوزخ کی صورت میں ملتی ہے اور کبھی ایسی بات کہہ دیتا ہے کہ جنت کا اعلیٰ درجہ نصیب ہوتا ہے ایک حدیث میں ہے:۔

اعظم الناس خطایا یوم القیامة أکثر ہم خوضا فی الباطل (ابن ابی الدنیا مرسلاً طبرانی موقوفاً علی ابن مسعودؓ)

قیامت کے دن سب سے زیادہ خطاکار وہ لوگ ہوں گے جو باطل میں زیادہ مشغول رہتے ہوں گے۔

قرآن کریم کی یہ دو آیتیں بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتی ہیں:۔

وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ (پ۲۹ ر۱۶ آیت ۴۵)

اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی (اس) مشغلے میں رہا کرتے تھے۔

فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ (پ۵ ر۱۷ آیت ۱۴۰)

ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کردیں کہ اس حالت میں تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے۔

حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ گناہ ان لوگوں کے اعمال ناموں میں درج ہوں گے جو اللہ کی معصیت میں زیادہ کلام کرتے ہوں گے۔ ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ ایک انصاری صحابیؓ جب اس طرح کا باطل کلام کرنے والوں کی مجلس سے گذرتے تو ان سے فرماتے وضو کرلو' اس لیے کہ تمہاری بعض باتیں حدث سے بھی زیادہ بُری ہیں یہ ہے باطل کلام

---

(۱) ابن ابی الدنیا۔ ابوہریرہؓ' اسی مضمون کی ایک روایت بخاری و مسلم اور ترمذی میں ہے' الفاظ یہ ہیں: ان الرجل یتکلم بالکلمة لا یری بہا باسا یہوی بہا سبعین خریفا فی النار"

کی تفصیل۔ یہ غیبت، چغلخوری، اور بدگوئی سے الگ ایک قسم ہے، باطل کلام ان ممنوعہ امور کا ذکر کرنا ہے جن کا سابق میں وجود ہوچکا ہو اور کوئی دینی ضرورت ان کے ذکر کا باعث نہ ہو، اسی میں بدعات اور فاسد مذاہب کی حکایت، اور صحابہؓ کے باہمی اختلافات کا ذکر بھی داخل ہے۔

چوتھی آفت۔ بات کاٹنا اور جھگڑا کرنا: بات کاٹنے سے منع کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لا تمار اخاک ولا تمازحہ ولا تعدہ موعدا فتخلفہ (ترمذی۔ ابن عباسؓ)

اپنے بھائی کی بات مت کاٹ، اور نہ اس سے مذاق (ناشائستہ) کر اور نہ اس سے کوئی ایسا وعدہ کر جسے تو پورا نہ کرے۔

ذروا المراء فانہ لا تفہم حکمتہ ولا تؤمن فتنتہ (طبرانی۔ ابو الدرداءؓ)

بات کاٹنی چھوڑ دو، کیونکہ نہ اس (عمل) کی حکمت سمجھی جاتی ہے اور نہ اس کے فتنے سے محفوظ رہا جاتا ہے۔

من ترک المراء وھو محق بنی لہ بیت فی اعلی الجنۃ ومن ترک المراء وھو مبطل بنی لہ بیت فی ربض الجنۃ (۱)

جو شخص حق پر ہونے کے باوجود بات کاٹنی چھوڑ دے اس کے لیے جنت کے اعلیٰ درجے میں ایک گھر بنایا جائے گا، اور جو شخص باطل پر ہو کر بات کاٹنی چھوڑے اس کے لیے جنت کے وسط میں گھر بنایا جائے گا۔

عن ام سلمۃ قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول ما عہد الی ربی بعد عبادۃ الاوثان وشرب الخمر ملاحاۃ الرجال (ابن ابی الدنیا، طبرانی، بیہقی)

اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بتوں کی پوجا اور شراب نوشی (سے بچنے کے عہد) کے بعد سب سے پہلا عہد جو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے لیا وہ لوگوں کے ساتھ جھگڑا (نہ) کرنا ہے۔

ما ضل قوم بعد ان ھداھم اللہ الا اوتوا الجدل (ترمذی۔ ابو امامہؓ)

اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے نوازے جانے کے بعد جو قوم بھی گمراہ ہوئی (اس وجہ سے ہوئی) کہ انہیں جھگڑوں میں مبتلا کردیا گیا۔

لا یستکمل عبد حقیقۃ الایمان حتیٰ یدع المراء وان کان محقا (۲)

بندے کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بات کاٹنا نہ چھوڑ دے اگرچہ حق پر کیوں نہ ہو۔

ست من کن فیہ بلغ حقیقۃ الایمان الصیام فی الصیف، وضرب اعداء اللہ بالسیف وتعجیل الصلاۃ فی الیوم الدجن والصبر علی المصیبات واسباغ الوضوء علی المکارہ وترک المراء وھو صادق (ابو منصور دیلمی۔ ابو مالک اشعریؓ)

چھ خصلتیں جس شخص میں موجود ہوں وہ حقیقی ایمان کے درجے تک پہنچ جاتا ہے گرمی کے زمانے میں روزے رکھنا، تلوار سے اللہ کے دشمنوں کی گردنیں اُڑانا، برسات کے دنوں میں نماز میں جلدی کرنا، مصیبتوں پر صبر کرنا دل نہ چاہنے کے باوجود پورا وضو کرنا، اور سچا ہونے کے باوجود بات نہ کاٹنا۔

---

(۱) یہ روایت کتاب العلم میں گزر چکی ہے۔ (۲) ابن ابی الدنیا۔ ابو ہریرہؓ۔ مسند احمد میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے۔ "لا یومن العبد حتیٰ یترک الکذب فی المزاحۃ والمراء وان کان صادقا"

حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ کسی سے قرآن کے باب میں جھگڑا مت کرنا، تم لوگوں کے سامنے اس کی تاب نہ لا سکو گے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا رہنا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ دینی مسائل میں جھگڑا پیدا کرنے والا شخص ثابت قدم اور مستقل مزاج نہیں ہوتا، وہ اکثر بدلتا رہتا ہے، مسلم بن یسار کہتے ہیں کہ قطع کلامی سے بچو، عالم کی جہالت کا لمحہ وہی ہے جس میں وہ کسی دوسرے کی بات کاٹتا ہے، اور اسی وقت شیطان اس کی لغزش کا متمنی رہتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہدایت کی روشنی پانے کے بعد جو قومیں گمراہی میں مبتلا ہوئیں وہ صرف جھگڑوں کی وجہ سے ہوئیں، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ دین میں جھگڑوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ بھی فرمایا کہ بات کاٹنے اور جھگڑا کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے، اور سینوں میں کینے کا بیج پڑ جاتا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی اے بیٹے! علماء سے مت جھگڑنا، ورنہ ان کے دلوں میں تیرے لئے نفرت پیدا ہو جائے گی، بلال بن سعد کہتے ہیں کہ جب کسی کو خود رائے، جھگڑالو، اور اپنی بات پر مصر دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کے لئے آخرت کا خسارہ مقدر ہو چکا ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ معمولی معمولی چیزوں میں بھی اختلاف سے بچو، مثلاً اگر میں اپنے بھائی سے انار کے ذائقے کے بارے میں جھگڑوں، وہ کہے انار میٹھا ہے، میں کہوں کہ کھٹا ہے تو یہی بات ہمارے باہمی اختلاف کی بنیاد بن جائے گی، اور وہ حاکم وقت کے یہاں میری برائی کرے گا، انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ تم جس سے چاہے دوستی کے رشتے استوار کر سکتے ہو، لیکن ذرا سا جھگڑا اس دوستی کو خاک میں ملا سکتا ہے، اور تمہاری زندگی کا مزہ مکدر کر سکتا ہے، ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں اپنے دوستوں سے جھگڑا نہیں کرتا کیونکہ یا تو وہ جھوٹے ٹھہریں گے یا انہیں غصہ آئے گا حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ لڑنا جھگڑنا آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے کافی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تکفیر کل لحاء رکعتان (طبرانی۔ ابو امامہؓ)

ہر جھگڑنے والے کا کفارہ دو (۲) رکعتیں ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ نہ تین باتوں کے لئے علم حاصل کرو، اور نہ تین باتوں کی وجہ سے اس کی تحصیل ترک کرو۔ وہ تین باتیں جن کیلئے علم حاصل نہ کرنا چاہیے یہ ہیں، جھگڑا (بحث) فخر و ریا اور وہ تین باتیں جن کی وجہ سے تعلیم ترک نہ کرنی چاہیے یہ ہیں! طلب علم میں شرم، علم کے باب میں زہد، اور جہالت پر رضامندی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں جو جھوٹ زیادہ بولتا ہے اس کا حسن ختم ہو جاتا ہے، جو لوگوں کے ساتھ کج بحثی کرتا ہے اس کا وقار مجروح ہو جاتا ہے، جسے تفکرات زیادہ لاحق رہتے ہیں بیمار ہو جاتا ہے، جس کے اخلاق خراب ہوتے ہیں وہ خود اپنے آپ کو مبتلائے عذاب کرتا ہے۔ میمون بن مہران سے کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے کہ آپ کسی کو عداوت کی وجہ سے نہیں چھوڑتے (بلکہ اگر چھوڑتے بھی ہیں تو اس کی وجہ اور ہوتی ہے) انہوں نے فرمایا اس لئے کہ میں نہ کسی سے جھگڑتا ہوں، نہ کسی سے دل لگی کرتا ہوں۔

بات کاٹنے کی تعریف : کج بحثی اور جھگڑے کی برائی میں بے شمار روایات اور آثار وارد ہیں، کہاں تک نقل کئے جائیں۔ بطور نمونہ کچھ روایات اور کچھ آثار و اقوال ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ کسی کی بات کاٹنے کے لئے احادیث میں "مراء" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، مراء کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص پر اس کے کلام میں نقص نکال کر اعتراض کیا جائے خواہ یہ نقص صاحب کلام کے الفاظ میں ہو یا معنیٰ میں یا اس کے ارادہ و نیت میں۔ اس سلسلے میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جو کلام بھی تم سنو اگر حق ہو تو اس کی تصدیق کر دو اور باطل ہو تو چپ رہو بشرطیکہ کلام دین سے متعلق نہ ہو، لفظوں میں نقص اس طرح نکالا جاتا ہے مثلاً متکلم سے کہا جائے کہ نحو، یا لغت کے خلاف بول رہے ہو مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر کے اپنے کلام کے نظم اور اس کی ترتیب بگاڑ رہے ہو، کلام میں اس طرح کی غلطیاں مختلف اسباب کی بنا پر ہوتی ہی رہتی ہیں۔ بعض لوگ زبان سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتے، بعض لوگ بولنا کچھ چاہتے ہیں اور زبان سے کچھ نکل جاتا ہے، عبارت میں غلطی کی وجہ کچھ بھی ہو اس پر نکتہ چینی کرنے کا جواز نہیں ہے۔ معنیٰ کو اعتراض کا ہدف یہ کہہ کر بنایا جاتا ہے کہ تم نے فلاں بات غلط کہی ہے، تم نے فلاں رائے میں غلطی کی ہے، تمہارا خیال صحیح نہیں

ہے وغیرہ وغیرہ۔ قصد و نیت پر نکتہ چینی اس طرح کی جاتی ہے کہ یہ بات جو تم کہہ رہے ہو اگرچہ حقیقت پر مبنی ہے لیکن اس سے تمہارا مقصد حقیقت کا اظہار نہیں ہے' بلکہ تمہاری غرض کچھ اور ہے۔ بلکہ اس طرح کے مواقع پر خاموش رہنا واجب ہے۔ لیکن اگر سوال کا مقصد حصول علم اور استفادہ ہو' عناد' بغض اور نکتہ چینی کا موقع تلاش کرنا نہ ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' جدال کا حاصل یہ ہے کہ فریق مخالف کو خاموش کردیا جائے' اس کی جہالت اور قصور و عجز کا اعلان کیا جائے تاکہ وہ رُسوا ہو اور لوگ اس کا مذاق اُڑائیں' اس کی علامت یہ ہے کہ اگر فریق مخالف کو تنبیہ کرنا حق کی خاطر ہو تو اس کے لئے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنے کی بجائے وہ طریقہ اپنایا جائے جس میں اس کی توہین ہو اور اپنی فضیلت کا اظہار ہو۔

جدال اور مراء سے بچنے کا طریقہ : ان دونوں سے بچنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ آدمی مباحات سے بھی خاموش رہے۔ یہ دونوں عیوب دراصل اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنے مخالف کی تحقیر اور اپنی برتری مقصود ہوتی ہے۔ دوسرے کی تحقیر کا جذبہ اور اپنی برتری کی خواہش نفس کی دو ایسی شہوتیں ہیں جن پر قابو پانا بڑا سخت ہے۔ اپنی برتری کا اظہار خودستائی کی قبیل سے ہے' اور خودستائی اپنے آپ کو بڑا اور بلند و اعلیٰ سمجھنے کا رد عمل ہے' جب کہ کبریائی اور عظمت رب کریم کی صفات ہیں اور اسی کو زیب دیتی ہیں۔ اسی طرح کسی کو ناقص اور کم تر سمجھنا بہیمانہ طبیعت کا مقتضیٰ ہے' اس لیے کہ درندہ بھی دوسرے کو چیرپھاڑنا' اور اسے زخمی کرنا پسند کرتا ہے' یہ دونوں صفتیں اِنتہائی مذموم اور مہلک ہیں' مراء اور جدال سے ان دونوں صفتوں کو تقویت ملتی ہے۔ جو شخص بھی کج بحثی اور نکتہ چینی میں مشغول رہے گا وہ اپنی دونوں تباہ کن صفتوں کو نشو و نما پانے کے لیے ان کی مطلوب غذا فراہم کرتا رہے گا۔ مراء اور جدال دونوں ہی حدِ کراہت سے متجاوز ہیں بلکہ معصیت ہیں اگر ان سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہو' جہاں تک کج بحثی' اور نکتہ چینی کا تعلق ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان سے اذیت نہیں ہوتی' جس سے بحث و تکرار کی جاتی ہے وہ مشتعل بھی ہوجاتا ہے' اور کبھی کبھی اسی اُسلوب میں جواب بھی دینے کی کوشش کرتا ہے' اس طرح دونوں ایک دوسرے کے لیے معترض اور معترض علیہ بن جاتے ہیں اور اس طرح باہم دست و گریباں ہوتے ہیں جس طرح کتے لڑتے ہیں ہر فریق یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کو اتنی زک پہنچائی جائے اور اتنا رُسوا کیا جائے کہ وہ سر نہ اُٹھاسکے یا اسے ایسا دنداں شکن جواب دیا جائے کہ سننے والے اس کی کم علمی کے قائل ہوجائیں۔ یہ ایک مرض ہے۔ اور اس کا علاج یہ ہے کہ اس کبر کا قلع قمع کیا جائے جس سے اپنی برتری کا احساس ہوتا ہے اور اس کے اظہار کی جرأت ہوتی ہے' اسی طرح اس بہیمانہ جذبے کو کچلا جائے جس سے دوسرے کو حقیر سمجھنے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے' اس علاج کی تفصیل کبر اور خود پسندی کی مذمت کے بیان میں مذکور ہوگی۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ ہر مرض کا علاج اس کے اسباب دُور کرنے ہی سے ممکن ہے مراء اور جدال کے اسباب کبر و غرور اور بہیمانہ اوصاف ہیں۔ جب تک ان اوصاف کا اِزالہ نہ ہوگا یہ مرض دور نہیں ہوگا۔ کوئی کام مسلسل کیا جائے تو وہ عادت اور طبیعت ثانیہ بن جاتا ہے' پھر اس سے نجات پانا مشکل ہوجاتا ہے' حضرت امام ابو حنیفہؒ نے داؤد طائی سے ان کی عزلت نشینی کی وجہ دریافت کی' انہوں نے کہا میں اس لیے عزلت میں بیٹھتا ہوں تاکہ جدال نہ کرنے کا مجاہدہ کروں' امام صاحب نے فرمایا کہ یہ مجاہدہ کہاں ہوا' مجاہدہ تو یہ ہے کہ مجلسوں میں جاؤ' لوگوں کی سنو اور خاموش رہو' داؤد طائی کہتے ہیں کہ میں نے اس پر عمل کیا' مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس مجاہدے سے سخت کوئی مجاہدہ نہیں ہوسکتا۔ حقیقت بھی یہی ہے' کسی کی زبان سے غلط بات سن کر خاموش رہنا بڑا مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ خاص طور پر اس صورت میں جب کہ وہ اس غلطی کی تصحیح پر قادر بھی ہو' اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو حق پر ہونے کے باوجود قطع کلام نہ کرتا ہو جنت کے اعلیٰ درجے کی بشارت دی ہے' کیونکہ حق کا علم رکھتے ہوئے باطل پر خاموش رہنا نفس پر بڑا شاق گذرتا ہے۔ خاص طور پر مذاہب اور عقائد کے باب میں حق بات ظاہر کرنے کی خواہش زیادہ غالب ہوتی ہے' بحث کرنا طبیعت میں تو پہلے ہی سے داخل ہے' پھر جب وہ یہ سوچتا ہے کہ فلاں عقیدہ ظاہر کرنے میں ثواب ہے تو دل ثواب کی حرص کرتا ہے اس طرح شرع اور طبع دونوں بحث پر اس کی معاونت کرتے ہیں' حالانکہ اس طرح کی بحثوں کو ثواب کا ذریعہ سمجھنا بجائے خود خطا

ہے' انسان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اہلِ قبلہ کو کچھ کہنے سے زبان کو باز رکھے' اگر کوئی بدعت میں مبتلا نظر آئے تو اسے نرمی کے ساتھ تنہائی میں نصیحت کرے' مناظرانہ تقریروں سے وہ یہ سمجھے گا کہ جس طرح ہر مذہب اور عقیدے کے لوگ اپنے اپنے مذہب اور عقیدے کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے تقریر کرتے ہیں اور اپنی حریف کو خاموش کردینے ہی میں تمام تر کامیابی سمجھتے ہیں اسی طرح یہ بھی کررہا ہے' یہ خیال اس کے دل میں بدعت کو اچھی طرح راسخ کردے گا' اگر یہ دیکھے کہ نصیحت کا اس کے دل میں اثر نہیں ہو رہا ہے اور یہ کہ اس کے دل میں قبولِ حق کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے تو اپنے نفس میں مشغول ہوجائے اسے اپنے حال پر چھوڑ دے' سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

رحم اللّٰہ من کف لسانہ عن اھل القیلۃ الا باحسن مایقدر علیہ (ابن ابی الدنیا۔ ہشام بن عروہؓ)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اس اچھے قول کے علاوہ جس پر وہ قدرت رکھتا ہو اہلِ قبلہ سے اپنی زبان کو روکے۔

ہشام بن عروہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سات مرتبہ فرمائی۔ جو شخص مجادلے کا عادی ہو اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہوں' اسے احترام اور عزت کی نگاہوں سے دیکھتے ہوں تو یہ مہلکات اس کے دل میں اچھی طرح راسخ اور قوی ہوجاتے ہیں' پھر ان سے چھٹکارہ آسان نہیں رہتا۔ چنانچہ اگر کسی کے دل میں غضب' کبر' ریا' جاہ پسندی' اور برتری کی خواہش جیسی صفات جمع ہوجائیں تو ان کے خلاف مجاہدہ بہت مشکل ہوجاتا ہے' ان میں سے کوئی صفت ایسی نہیں جس کے خلاف جُداگانہ مجاہدہ بھی دُشوار نہ ہو' پھر یہ سب یکجا ہوجائیں تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے خلاف جدوجہد کرنا کتنا دُشوار ہوگا۔

پانچویں آفت۔ خصومت : خصومت بھی ایک مذموم صفت ہے' یہ جدال اور مراء سے الگ ایک صفت ہے کیونکہ مراء کہتے ہیں کسی کے کلام میں نقص پیدا کرکے طعن کرنا اس طرح کہ اس طعن اور اظہارِ نقص سے متکلم کی تحقیر اور اہانت اور اپنی ذہانت و ذکاوت کے اعلان کے علاوہ کوئی اور غرض وابستہ نہ ہو' اور جدال ان بحثوں کو کہتے ہیں جن کا تعلق مذاہب اور عقائد سے ہو۔ خصومت میں بھی جدال پایا جاتا ہے لیکن اس جدال سے مقصود کسی کے مال یا حق پر قبضہ کرنا ہوتا ہے۔ خصومت میں کبھی اعتراض ہوتا ہے اور کبھی اعتراض نہیں ہوتا' جب کہ مراء اور جدال میں اعتراض ضرور ہوتا ہے۔ روایات و آثار میں خصومت کی مذمت وارد ہے' حضرت عائشہؓ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں:۔

ان ابغض الرجال الی اللّٰہ الالد الخصام (بخاری)

اللہ کے نزدیک آدمیوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جو بہت زیادہ جھگڑالو اور خصومت پسند ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من جادل فی خصومۃ بغیر علم لم یزل فی سخط اللّٰہ حتّٰی ینزع (ابن ابی الدنیا' الاصفہانی)

جو شخص علم کے بغیر کسی خصومت میں جھگڑا کرے گا وہ ہمیشہ اللہ کے غضب میں رہے گا یہاں تک کہ اس جھگڑے سے الگ ہوجائے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ خصومت سے بچو' اس لیے کہ خصومت دین کو تباہ و برباد کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ متقی اور پرہیزگار آدمی جھگڑا نہیں کرتے۔ ابن قتیبہؒ کہتے ہیں کہ میں ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا' بشر ابن عبداللہ بن ابی بکرۃ ادھر سے گزرے تو مجھے وہاں بیٹھا دیکھ کر پوچھنے لگے! یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ میں نے عرض کیا ایک خصومت کی وجہ سے جو میرے اور میرے چچازاد بھائی کے درمیان چل رہی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ تیرے باپ کا مجھ پر ایک احسان ہے میں اس کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں یاد رکھ خصومت سے

زیادہ بری چیز کوئی دوسری نہیں ہے یہ دین کو ضائع کرتی ہے، جبین شرافت کو داغدار کرتی ہے، اس سے زندگی کا لطف ختم ہوجاتا ہے اور دل ذکر و فکر میں لگنے کی بجائے خصومت کی الجھنوں میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ قتیبہ کہتے ہیں کہ میں بشر ابن عبداللہ کی یہ نصیحت سُن کر جانے کے لیے کھڑا ہوا، میرے حریف نے کہا کہاں چلے؟ میں نے جواب دیا کہ اب میں تجھ سے خصومت نہیں کروں گا، اس نے کہا کہ خصومت ترک کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ تونے میرا حق تسلیم کرلیا ہے، میں نے کہا نہیں، حق تو تسلیم نہیں کیا، البتہ میں حصول کے مقابلے میں عزت نفس کی حفاظت کرنا زیادہ ضروری سمجھتا ہوں، اس نے کہا اگر یہی بات ہے تو میں بھی اپنی ضد چھوڑتا ہوں، اور یہ چیز تجھے دیتا ہوں، اور یہ تیرا حق ہے، اور اب میں اس کا مدّعی نہیں ہوں۔

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر کسی انسان کا دوسرے پر کوئی حق ہو، اور وہ اسے دینے پر رضامند نہ ہو تو اسے حاصل کرنے کے لیے خصومت ضرور کرنی چاہیے، خواہ ظالم کتنا ہی ظلم کیوں نہ کرے۔ آپ خصومت کو مطلقاً برا کہہ رہے ہیں، بتلایئے اپنے حق کے لیے خصومت کرنے کا کیا حکم ہے، اور آپ اس کی مذمت کس طرح کرسکتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر خصومت کی مذمت نہیں کرتے، بلکہ مذموم صرف وہ خصومت ہے جو باطل پر مبنی ہو، یا بغیر علم کے کی جائے، جیسے وکیل یہ جانے بغیر کہ حق کس کی طرف ہے کسی ایک فریق کی طرف سے لڑا کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ خصومت بھی مذموم ہے جس میں اپنا حق طلب کیا جائے، لیکن جس قدر حق واجب ہے اس پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ زیادہ سے زیادہ دشمنی اور عداوت کا مظاہرہ کیا جائے، مقصد اپنا حق حاصل کرنا نہ ہو بلکہ مخالف کو ایذا پہنچانا ہو، وہ خصومت بھی مذموم ہے جس میں ایذا دینے والے الفاظ استعمال کئے جائیں، حالانکہ اپنا حق ظاہر کرنے اور اپنی دلیل کو مضبوط بنانے کے لیے ان الفاظ کی ضرورت نہ ہو، وہ خصومت بھی مذموم ہے جو بظاہر اپنا حق حاصل کرنے کے لیے ہو، لیکن حقیقت میں اس کے ذریعہ حریف کی تذلیل اور توہین مقصود ہو، اور اس کا محرک محض بغض و عناد ہو، بعض لوگ اپنے گندے مقاصد چھپاتے ہیں، اور بعض لوگ اس کا برملا اعتراف بھی کرلیتے ہیں کہ ان کا مقصد حق حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اپنے حریف کو نیچا دکھانا ہے، میرا حق اتنا معمولی ہے کہ اگر اسے حاصل بھی کرلوں تو کوئی خاص فائدہ نہ ہو بلکہ اگر اسے کسی کنویں میں بھی پھینک دوں یا آگ کی نذر کردوں تب بھی مجھے کوئی پروا نہ ہو، اس طرح کی تمام خصومتیں انتہائی مذموم ہیں، ہاں اگر مظلوم اپنے دعویٰ کو شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق مدلل کرے، نہ اس میں دشمنی ہو، نہ مبالغہ ہو، نہ عناد کا جذبہ ہو، اور نہ تکلیف پہنچانے کا مقصد ہو تو اس کا یہ عمل حرام نہیں ہے، لیکن یہ بھی اس صورت میں ہے جب کہ خصومت کے بغیر اپنا حق حاصل کرنا ممکن نہ رہے، اگر کوئی شخص لڑے بغیر اپنا حق لے سکتا ہو تو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ خصومت کا راستہ اختیار نہ کرے، اس لئے کہ خصومت میں زبان کو حد اعتدال پر قائم رکھنا مشکل ہے، خصومت سے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے، اور غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، اور جب آدمی مشتعل ہو تو اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ شریعت کی پابندی کرے گا، خصومت میں ایک مرحلہ وہ بھی آتا ہے جب وجہ خصومت ذہنوں سے نکل جاتی ہے، اور دونوں فریقوں کے سامنے صرف ایک مقصد رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ اپنے مخالف کو شکست دیں، اس کے لیے وہ ہر حربہ استعمال کرتے ہیں، ایک دوسرے کو تکلیف دے کر خوش ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کی عزت کے تار و پود بکھیر دیتے ہیں، خصومت کی ابتدا کرنے والا ان تمام محرمات کا مرتکب ہوتا ہے، اگر کسی شخص نے بہت زیادہ احتیاط بھی کی تو یہ ممکن ہے کہ وہ ان محرمات سے بچا رہے، لیکن اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ دل کو پر سکون رکھ سکے، جب تک خصومت چلتی رہے گی دل پریشان رہے گا، یہاں تک کہ نماز میں بھی یہی خیال آئے گا کہ کسی طرح حریف پر غالب آجاؤں۔ خصومت سے فتنہ و شر کو شہ ملتی ہے، یہی حال مراء اور جدال کا ہے ان دونوں سے بھی شر جنم لیتا ہے، بہتر یہی ہے کہ شر کے دروازے بند رہیں، صرف ضرورت کے وقت کھولے جائیں تاکہ زبان اور دل دونوں خصومت کے لوازم اور اثرات سے محفوظ رہیں، اور یہ امر انتہائی مشکل ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جو شخص اپنے حق کے لیے شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ خصومت کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہوتا، لیکن تارک اولیٰ ضرور ہوتا ہے بشرطیکہ اس کے پاس مال کی اتنی مقدار موجود ہو کہ وہ اپنے حق سے بے نیاز رہ

سکے۔

خصومت، مراء اور جدال کا ادنیٰ شر یہ ہے کہ آپس میں اچھی طرح بات کرنے کی روایت ختم ہو جاتی ہیں، حالانکہ حسن کلام حسنِ معاشرت کا جزء ہے، اور قابلِ ثواب عمل ہے، حسنِ کلام کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ مخاطب کی رائے سے اتفاق کرے، خصومت، مراء اور جدال میں تو سخت کلامی ہوتی ہے، ایک دوسرے کو احمق اور جاہل ٹھہرایا جاتا ہے، ان حالات میں خوش کلامی کی توقع ہی فضول ہے، حالانکہ خوش کلامی کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

یمکنکم من الجنۃ طیب الکلام واطعام الطعام۔ (طبرانی۔ جابرؓ)

تمہیں جنت میں خوش کلامی سے اور کھانا کھلانے سے جگہ ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (پ ا ر ۱۰ آیت ۸۳)

اور لوگوں سے بات اچھی طرح کہنا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی شخص تمہیں سلام کرے تو جواب میں تم بھی سلام کرو اگرچہ وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اِذَا حُیِّیتُم بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوا بِاَحْسَنَ مِنْهَا (پ ۵ ر ۸ آیت ۸۶)

اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو تم اس سے اچھے الفاظ میں سلام کیا کرو۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر فرعون بھی مجھ سے کوئی اچھی بات کرے تو میں اسے بھی اچھا ہی جواب دوں، حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان فی الجنۃ لغرفا یری ظاہرھا من باطنھا وباطنھا من ظاہرھا اعدھا اللہ تعالٰی لمن اطعم الطعام والان الکلام (ترمذی)

جنت میں ایسے مکانات (بھی) ہیں جن کے باہر سے اندر کا منظر اور اندر سے باہر کا منظر صاف نظر آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ مکانات ان لوگوں کے لیے تیار کیے ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں اور گفتگو میں نرمی اختیار کرتے ہیں۔

مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قریب سے ایک خنزیر گذرا، آپ نے اس سے کہا: سلامتی کے ساتھ گذر جا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اس ناپاک جانور سے ایسا فرماتے ہیں، آپ نے جواب دیا: مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میری زبان برائی کی عادی ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

الکلمۃ الطیبۃ صدقۃ (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

اچھا لفظ (بولنا بھی) صدقہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

اتقوا النار ولو بشق تمرۃ فان لم تجدوا فبکلمۃ طیبۃ (بخاری و مسلم۔ عدی بن حاتم)

آگ سے بچو اگرچہ چھوارے کا ایک ٹکڑا دے کر، یہ نہ ملے تو کوئی اچھا لفظ بول کر۔

حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ نیکی ایک آسان عمل ہے اور وہ یہ کہ خندہ پیشانی سے پیش آؤ، اور نرم گفتگو کرو، کسی دانشور کا قول ہے کہ نرم گفتگو دلوں سے کینے کا میل دھو دیتی ہے۔ ایک عقلمند کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کلام سے ناراض نہیں ہوتا بشرطیکہ اس کے پاس بیٹھنے والا خوش رہے۔ بہرحال اچھی گفتگو کرنے میں بخل سے کام نہ لینا چاہیے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں نیکو

کاروں کا ثواب عطا کردے..... یہ تمام گفتگو خوش کلامی کے متعلق ہے' اور خوش کلامی خصومت' مراء اور جدال کی ضد ہے' ان تینوں میں جو کلام کیا جاتا ہے وہ ناپسندیدہ' تکلیف دہ' اشتعال انگیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خوش کلامی سے پیش آنے اور بد کلامی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

چھٹی آفت۔ فصاحت کلام کے لیے تصنع : اکثر مدعیان خطابت کی عادت ہے کہ وہ کلام کو خوب بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں' تمہیدات اور مقدمات گھڑتے ہیں اور اسے سجع و قافیہ سے آراستہ کرتے ہیں۔ یہ تکلف اور تصنع مذموم ہے اور حدیث میں ہے۔

انا واتقیاء امتی براء من التکلف

میں اور میری اُمت کے متقی تکلف سے دور ہیں۔

ایک روایت کی بموجب آپ نے ارشاد فرمایا :۔

ان ابغضکم الی و ابعدکم منی مجلسا الثر ثارون المتفیھقون المتشدقون فی الکلام (احمد' ترمذی۔ ابو ثعلبہ)

تم میں سے میرے نزدیک زیادہ بُرے' اور نشست میں مجھ سے بعید تر وہ لوگ ہیں جو بکواس کرنے والے' زیادہ بولنے والے اور کلام میں تصنع اختیار کرنے والے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ روایت کرتی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

شرار امتی الذین غذو بالنعیم یاکلون الوان الطعام ویلبسون الوان الثیاب و یتشدقون فی الکلام۔ (ابن ابی الدنیا۔ بیہقی فی الشعب)

میری امت میں بدترین لوگ وہ ہیں جو ناز و نعم میں پلے ہیں' طرح طرح کے کھانے کھاتے ہیں' طرح طرح کے لباس پہنتے ہیں اور کلام میں تصنع اختیار کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا :۔

واھلک المتنطعون (مسلم۔ ابن مسعودؓ)

خبردار! مبالغہ کرنے والے ہلاک ہوئے۔

یہ کلمہ آپ نے تین بار ارشاد فرمایا : متنطع کے معنی ہیں مبالغہ کرنا اور کسی بات کی گہرائی تک جانا۔ حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ کلام میں پھیلانا اور طوالت اختیار کرنا شیطانی عمل ہے۔ عمرو بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد کے پاس کسی ضرورت سے آئے اور ضرورت کے اظہار سے پہلے ایک طویل تمہید باندھی۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا اس سے پہلے تو کبھی تم نے اتنی لمبی تمہید نہیں باندھی' آج کیا ہوا؟ میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔

یاتی علی الناس زمان یتخللون الکلام بالسنتھم کما تتخلل البقر الکلا بالسنتھا۔ (احمد)

ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگوں کلام کو اپنی زبانوں سے اس طرح اُلٹ پلٹ کریں گے جس طرح گائے گھاس کو اپنی زبان سے اُلٹ پلٹ کرتی ہے۔

گویا حضرت سعد نے اپنے بیٹے کی اس حرکت کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا کہ انہوں نے بلاضرورت کلام کو طول دیا اور مقصد کے اظہار کے لیے ایک ایسی تمہید باندھی جو اس موقع پر غیر ضروری تھی اور جس کے بغیر مقصد پورا ہو سکتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تصنع مذموم ہے' وہ قافیہ بندی بھی اسی حکم میں ہے جو عادت سے خارج ہو۔ اسی طرح عام بول چال میں سجع بندی بھی پسندیدہ

نہیں ہے' چنانچہ ایک جنین (پیٹ کے بچے) کے ضائع جانے پر جب آپ نے مجرمین سے بطور تاوان غلام آزاد کرنے کے لئے کہا تو ان میں سے ایک شخص بولا :-

کیف ندی من لا شرب ولا اکل ولا صاح ولا استهل' ومثل ذلک بطل

ہم ایسے بچے کا خون بہا کیسے دیں جس نے نہ پیا' نہ کھایا' جو نہ چیخا' نہ چلایا' ایسا خون بہا معاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کیا جاہلوں کی سی تک بندی کرتے ہو' آپ کو یہ سجع پسند نہ آئی کیونکہ اس میں بے تکلفی کو دخل نہ تھا' بلکہ تصنع اور بغاوت کا اثر نمایاں تھا۔ کلام ایسا کرنا چاہئے جو مخاطب کی سمجھ میں آجائے' کلام کا مقصد ہی دوسرے کو سمجھانا ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے لغو ہے اور تکلف میں داخل ہے' شریعت نے اس طرح کے تکلفات کی مذمت کی ہے۔ البتہ اس حکم سے وہ قافیہ بندی مستثنیٰ ہے جو خطبوں میں مروج ہے بشرطیکہ اس میں افراط و مبالغہ نہ ہو' خطیب اور واعظ کا مقصد وعظ و تذکیر سے یہ ہوتا ہے کہ سننے والوں کے دلوں میں آتش شوق بھڑکے اور اچھے اعمال کے جذبے کو تحریک ملے' اس سلسلے میں الفاظ کی اثر انگیزی سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن عام بول چال میں نہ وزن کی ضرورت ہے نہ قافیے کی نہ تشبیہ اور استعارے کی۔ اس لیے روز مرہ کی گفتگو میں خطبہ کا انداز اختیار کرنا سراسر جہالت ہے' اس تصنع کا محرک ریا ہے اور اس آفت میں مبتلا شخص یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی فصاحت و بلاغت سے مرعوب ہوں اور اس کی تعریف و تحسین کریں۔

ساتویں آفت۔ فحش گوئی اور سبّ و شتم : یہ بھی مذموم اور ممنوع ہے' فحش گوئی اور سب و شتم کا منبع و مصدر خبث باطنی اور دنائت ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

ایاکم والفحش فان اللہ تعالیٰ لا یحب الفحش ولا التفحش (نسائی' حاکم۔ ابن عمرؓ)

فحش گوئی سے بچو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو فحش گوئی اور بے ہودگی پسند نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار اور مشرکین کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا جو بدر کی جنگ میں مارے گئے تھے اور فرمایا :-

لا تسبوا ھؤلاء فانہ لا یخلص الیھم شئی مما تقولون و تؤذون الاحیاء الا ان البذاء لوم۔ (ابن ابی الدنیا۔ محمد بن علی الباقر مرسلاً' نسائی۔ ابن عباسؓ)

انہیں گالی مت دو اس لیے کہ جو تم کہتے ہو وہ ان تک نہیں پہنچتا البتہ تم زندوں کو تکلیف پہنچاتے ہو' خبردار! برا کہنا کمینگی ہے۔

ایک روایت میں ہے :-

لیس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی (ترمذی۔ ابن مسعودؓ)

عیب لگانے والا' لعنت کرنے والا' فحش کہنے والا اور زبان دراز آدمی مؤمن نہیں ہوتا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

الجنة حرام علی کل فاحش یدخلها (ابن ابی الدنیا۔ عبداللہ بن عمرؓ)

ہر فحش گو پر جنت کا داخلہ حرام ہے۔

ایک طویل حدیث میں ہے :-

اربعة یؤذون اھل النار فی النار علی مابھم من الاذی یسعون من الحمیم و الجحیم یدعون بالویل والثبور' رجل یسیل فوہ قیحا و دما فیقال لہ ما بال الا

بعد قد آذانا علی ما بنا من الاذی فیقول ان الابعد کان ینظر الی کل کلمۃ قذع خبیثۃ فیستلذھا کما یستلذ الرفث (ابن ابی الدنیا۔ علی بن رافع)

چار آدمی دوزخ میں رہ کر اہل دوزخ کو تکلیف پہنچائیں گے اس کے باوجود کہ وہ خود پہلے ہی سے تکلیف میں ہوں گے یعنی کھولتے پانی اور آگ میں دوڑتے ہوں گے اور اپنی خرابی و بربادی کا رونا رو رہے ہوں گے۔ ان چار میں سے ایک شخص ایسا ہوگا اس کے منہ سے پیپ اور خون بہتا ہوگا' اہل دوزخ اس سے پوچھیں گے اے راندۂ درگاہ تیرا کیا حال ہے' تو نے ہماری تکلیف میں اضافہ کردیا ہے' وہ کہے گا کہ یہ ٹھکرایا ہوا ہر گندے اور خبیث لفظ سے اس طرح لطف اندوز ہوتا ہے جس طرح جماع سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔

ایک بار حضرت عائشہؓ سے آپ نے ارشاد فرمایا :۔

یا عائشۃ لو کان الفحش رجلا لکان رجل سوء (ابن ابی الدنیا)

اے عائشہ اگر فحش گوئی کسی آدمی کی صورت میں ہوتی تو وہ آدمی بڑا خراب ہوتا۔

ایک روایت میں ہے :۔

البذاء والبیان شعبتان من شعب النفاق (ترمذی' حاکم۔ ابو امامہ)

فحش گوئی اور بیان دونوں نفاق کے شعبے ہیں۔

یہاں بیان سے ان امور کا بیان کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے جنہیں ظاہر نہ کرنا چاہیے۔ وضاحت کرنے میں اس حد تک مبالغہ کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے کہ تکلف کی حدود سے متجاوز ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی تفصیل بیان کرنا ہو کیونکہ عوام کو ان امور کی اجمالی تعلیم دینا کافی ہے' مبالغہ کرنا مناسب نہیں کیونکہ مبالغہ سے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور وسوسوں کو تحریک ملتی ہے' جب کہ مختصر بات کہنے میں نہ وقت ضائع ہوتا ہے اور نہ سننے والے کو قبول کرنے میں تردّد ہوتا ہے کیونکہ لفظ بیان کو حدیث شریف میں بذاء یعنی یاوہ گوئی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اس لیے غالب احتمال یہ ہے کہ اس سے بے شرمی کی باتوں کا اظہار و اعلان مراد ہے' اس طرح کے امور میں چشم پوشی اور صرف نظر سے کام لینا چاہیے نہ کہ کشف و اظہار سے۔ ایک روایت میں ہے :۔

ان اللہ لا یحب الفاحش المتفحش الصیاح فی الاسواق (ابن ابی الدنیا۔ جابرؓ طبرانی۔ اسامۃ بن زیدؓ)

اللہ تعالیٰ فحش گو' بے ہودہ گو اور بازاروں میں چلّانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور میرے والد میرے سامنے بیٹھے تھے' اس موقع پر آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

ان الفحش والتفاحش لیسا من الاسلام فی شئی وان احسن الناس اسلاما احسنھم اخلاقا (احمد۔ ابن ابی الدنیا)

فحاشی اور بے ہودگی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے' لوگوں میں اچھا مسلمان وہ ہے جو ان میں اچھے اخلاق کا حامل ہو۔

ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں' ہم نے سنا ہے کہ فحش گو قیامت کے دن کتے کی صورت میں اٹھے گا یا اس کے پیٹ میں ہو کر آئے گا۔ احنف بن قیسؓ کہتے ہیں کیا میں تمہیں انتہائی خطرناک مرض سے آگاہ نہ کردوں' فحش گوئی اور بد خلقی۔

فحش گوئی کی تعریف : یہاں تک فحش گوئی کی مذمت میں احادیث اور الفاظ نقل کیے گئے ہیں اب اس کی تعریف ملاحظہ فرمائیں

قبیح امور کو صریح الفاظ میں ذکر کرنا فحش گوئی ہے۔ مثلاً شرمگاہ کا نام لیا جائے' فحاشی عام طور پر جماع اور اس کے متعلقہ امور ہی سے متعلق ہے' مفسدہ پرداز اور بد کردار لوگوں نے اس سلسلے میں صریح اور فحش عبارتیں وضع کر رکھی ہیں' وہ ان عبارتوں کو کسی جھجک اور شرم کے بغیر استعمال کرتے ہیں' جب کہ نیکو کار اور خوش اطوار لوگ ان عبارتوں کے استعمال سے بچتے ہیں' بلکہ اس طرح کے امور میں اشاروں اور کنایوں سے بات کرتے ہیں' اور صریح الفاظ کے بجائے اشاراتی الفاظ استعمال کرتے ہیں' حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ حیا والا ہے' کریم ہے' وہ گناہوں کو معاف کرتا ہے' اور کنائے میں بیان کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں لمس سے جماع کی تعبیر کی گئی ہے' دخول' لمس' اور صحبت وغیرہ الفاظ جماع کے کنایات ہیں' ان میں فحاشی نہیں ہے' لوگوں نے تو جماع پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس فعل کی تعبیر کے لیے ایسے ایسے کلمات اور الفاظ وضع کرلیے کہ جنہیں سن کر شرم آتی ہے' اور ناگواری کا احساس ہوتا ہے' ان میں بھی بعض الفاظ کچھ کم فحش ہیں اور بعض زیادہ۔ اس سلسلے میں ہر ملک اور ہر علاقے کی عادت جداگانہ ہے' بہرحال کم درجے کے الفاظ مکروہ ہیں' اور انتہائی درجے کے حرام' ان دونوں کے درمیان جو الفاظ ہیں وہ بھی تردد سے خالی نہیں ہیں۔ اور الفاظ میں فحش جماع ہی کی ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ بد طینت افراد غیر جماع میں بھی فحش بکتے ہیں' مثلاً پیشاب پاخانے کے لیے اگر یہی الفاظ استعمال کئے جائیں تو یہ گو موت کی بہ نسبت بہتر ہیں' اس طرح کی چیزیں بھی مخفی رکھی جاتی ہیں اور جو چیزیں بھی مخفی رکھی جائیں انہیں ذکر کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے اس لیے پاخانے پیشاب کا ذکر بھی صریح الفاظ میں نہیں ہونا چاہیے۔ عورتوں کا ذکر بھی صریح نہ ہونا چاہیے بلکہ کنایوں اور اشاروں میں ذکر کرنا چاہئے' مثلاً یہ نہ کہے تیری بیوی نے کہا' بلکہ یہ کہ گھر میں کہا گیا' پردے کے پیچھے سے آواز آئی' یا بچے کی ماں نے یہ کہا وغیرہ' عورتوں کا صریح ذکر بھی فحش کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کو کوئی عیب مثلاً برص' جذام یا بواسیر وغیرہ کا مرض لاحق ہو اس کا ذکر صراحتاً نہ کرے' بلکہ کنایۃً کرے یعنی یہ ہے کہ فلاں شخص جسے سخت بیماری ہے' صراحت سے بیان کرنا فحش ہے' اور زبان کی آفت میں داخل ہے' علاء بن ہارون کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اپنی زبان کی بہت حفاظت کرتے تھے' ایک مرتبہ ان کی بغل میں پھوڑا نکلا' ہم لوگ ان کی عیادت کے لیے گئے' اور معلوم کیا کہ یہ تکلیف کس جگہ ہے' انہوں نے جواب دیا ہاتھ کے اندرونی حصے میں۔ معلوم ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو بغل کا صریح ذکر بھی پسند نہیں تھا۔

فحش گوئی کا محرک عادت بھی ہوتا ہے' اور اہل فسق کی صحبت بھی۔ کیوں کہ کمینوں اور فسق و فجور میں مبتلا لوگوں کو سب و شتم کی عادت ہوتی ہے' ان کی اس عادت سے وہ لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں جو ان کی صحبت اختیار کرتے ہیں۔ ایک اعرابی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا:۔

علیک بتقوی اللہ وان امرؤ عیرک بشئی تعلمہ فیک فلا تعیرہ بشئی تعلمہ فیہ یکن وبالہ علیہ واجرہ لک ولا تسبن شیئا (احمد' طبرانی۔ ابو جری الہجیمی)

خدا سے ڈرتا رہ' اگر کوئی شخص تجھ میں کوئی بات دیکھے اور اس پر تجھے عار دلائے تو تو اس میں کوئی بات دیکھ کر اسے عار نہ دلانا' اس کے اوپر وبال رہے گا اور تجھے اجر ملے گا' نہ کسی چیز کو گالی دے۔

اعرابی کہتے ہیں کہ میں نے اس نصیحت کے بعد کبھی کسی چیز کو برا نہیں کہا۔ عیاض بن حمار نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک شخص جو رتبے میں مجھ سے کم ہے مجھے گالی دیتا ہے' اگر میں اس سے بدلہ لے لوں تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

المستبان شیطانان یتکاذبان ویتهاتران (ابوداؤد طیالسی' احمد)

دونوں گالی دینے والے دو شیطان ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کو جھٹلاتے ہیں اور ایک دوسرے پر تہمت تراشتے ہیں۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

سباب المؤمن فسوق و قتاله کفر (بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ)
مؤمن کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔
ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں:۔
المتسابان ما قالا فعلی البادی منهما حتیٰ یعتدی المظلوم (مسلم۔ ابوہریرہؓ)
گالی دینے والے جو کچھ کہتے ہیں وہ اسی پر پڑتا ہے جو ان دونوں میں سے ابتدا کرتا ہے جب تک کہ مظلوم حد سے تجاوز نہ کرے۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے' آپ نے فرمایا: ہاں! اور وہ اس طرح کہ ایک شخص دوسرے کے باپ کو گالی دے اور دوسرا جواب میں اس کے باپ کو گالی دے۔ (احمد' ابو یعلی' طبرانی۔ ابن عباسؓ)

آٹھویں آفت۔ لعنت کرنا : لعنت خواہ انسان کے لیے ہو یا حیوان کے لیے جماد کے لیے مذموم ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔
لا یکون المؤمن لعانا (ترمذی۔ ابن عمرؓ)
مؤمن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔
ایک حدیث میں ہے:۔
لا تلاعنوا بلعن اللّٰہ ولا بغضبه ولا بجهنم (ابوداؤد' ترمذی۔ سمرۃ بن جندب)
آپس میں ایک دوسرے پر لعنت نہ کرو' نہ خدا کی نہ اس کے غضب کی اور نہ جہنم کی۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں جس قوم نے ایک دوسرے پر لعنت کی وہ عذاب الٰہی کی مستحق ہوئی' حضرت عمران بن حصینؓ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور انصار کی ایک عورت بھی اونٹنی پر سوار سفر کررہی تھی' راستے میں اونٹنی نے کچھ تنگ کیا تو عورت بولی کم بخت! تجھ پر خدا کی لعنت ہو' آپ نے ارشاد فرمایا:۔
خذوا ما علیها واعروها فانها ملعونة
اس کا بوجھ اتارو اور اسے ننگا کردو اس لیے کہ اب یہ ملعون ہوگئی ہے۔

راوی عمران بن حصین کہتے ہیں کہ وہ اونٹنی آج بھی میری نظروں کے سامنے اس طرح پھر رہی ہے جس طرح لوگوں میں پھرا کرتی تھی اور لوگ اس کے ملعون ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کہتے تھے' نہ کوئی اس پر سفر کرتا تھا اور نہ بوجھ لادتا تھا (مسلم) حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص زمین پر لعنت کرتا ہے تو وہ کہتی ہے اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو ہم میں زیادہ نافرمان ہے۔ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سنا کہ وہ اپنے کسی غلام کو لعنت کررہے ہیں آپ نے ان سے فرمایا: اے ابوبکر کیا صدیق بھی لعنت کیا کرتے ہیں ہرگز نہیں! ربِ کعبہ کی قسم ہرگز نہیں حضرت ابوبکرؓ نے اسی وقت غلام کو آزاد کردیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اب میں کبھی ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ (ابن ابی الدنیا) ایک روایت میں ہے:۔
ان اللعانین لا یکونون شفعاء ولا شهداء یوم القیامة (مسلم۔ ابوالدرداءؓ)
لعنت کرنے والے نہ قیامت کے دن سفارشی ہوں گے اور نہ گواہ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اپنے اونٹ پر سوار جارہا تھا' اس نے اپنے اونٹ کو لعنت کی' آپ نے اس شخص سے فرمایا: اے بندہ خدا! اس لعنت زدہ اونٹ پر سوار ہوکر ہمارے ساتھ مت چل (ابن ابی الدنیا)

آپ کا یہ فرمانا کہ ہمارے ساتھ مت چل اس شخص کو لعنت سے منع کرنے کے لیے تھا۔

لعنت کی تعریف : لعنت کے معنی ہیں اللہ سے ہٹانا اور دُور کرنا۔ اس لفظ کو اس شخص کے لیے استعمال کرنا درست ہوگا جس میں خدا سے دور کرنے والی صفت موجود ہو جیسے کفر اور ظلم۔ اس صورت میں یہ کہنا جائز ہے۔ ظلم کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو' کفر کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو' اس سلسلے میں شریعت کے بیان کردہ الفاظ کی اتباع کرنی چاہیے' کیوں کہ لعنت میں خطرہ ہے' یہ ایک نازک مرحلہ ہے' اس میں اللہ پر یہ حکم لگاتا ہے کہ اس نے ملعون کو اپنی قربت سے محروم کردیا ہے' یہ امر غیب ہے۔ جس پر اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا مطلع نہیں ہوتا' یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ فرمادیں تو وہ مطلع ہوسکتے ہیں۔

لعنت کے اسباب اور درجات : وہ صفات جو کسی پر لعنت کے متقضی ہیں تین ہیں' کفر' بدعت' اور فسق' ان میں سے ہر ایک صفت میں تین درجے ہیں' ایک درجہ یہ ہے کہ عام وصف کے حوالے سے لعنت کی جائے مثلاً یہ کہا جائے "اللہ کی لعنت ہو کافروں پر' بدعتیوں پر' فساق پر" دوسرا درجہ یہ ہے کہ وصف میں کچھ تخصیص کرکے لعنت بھیجے' مثلاً یہ کہے "اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر' قدریہ مجوس اور روافض پر' یا اللہ کی لعنت ہو زنا کرنے والوں پر' ظلم کرنے والوں پر' سود کھانے والوں پر۔" یہ دونوں درجے جائز ہیں' البتہ بدعت کے باب میں احتیاط ضروری ہے کیونکہ بدعت کی معرفت آسان نہیں ہے اور حدیث شریف میں کوئی لفظ اس کے متعلق وارد نہیں ہے' اس لیے عوام کو مبتدعین پر لعن طعن کرنے سے روکنا چاہیے' کیونکہ ان کی بے احتیاطی سے فساد اور نزاع کا خطرہ پیدا ہوجائے گا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ کسی متعین و مخصوص شخص پر لعنت کی جائے۔ اس میں خطرہ ہے' مثلاً اگر زید کافر یا بدعتی یا فاسق ہے تو اس کا وصف ذکر کرکے ان کا نام لے کر لعنت کرنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً فرعون اور ابوجہل پر ان کا نام لے کر لعنت کی جائے' کیونکہ شریعت سے ثابت ہے کہ یہ دونوں کفر ہی پر مرے تھے' لیکن کسی زندہ شخص کو ملعون کہنا اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو صحیح نہیں ہے' کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ مرنے سے پہلے تائب ہوجائے اور اسلام قبول کرلے' اور اللہ کی قربت پاکر مرے' اس صورت میں اس پر یہ حکم لگانا کیسے صحیح ہوگا کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور رہے۔ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کی موجودہ حالت یعنی کفر کی وجہ سے لعنت کی جاسکتی ہے جس طرح مسلمان کے لیے اس کی موجودہ حالت یعنی اسلام کی وجہ سے رحمۃ اللہ کہنا درست ہے حالانکہ جس طرح کافر کا موت سے پہلے مسلمان ہونا ممکن ہے اسی طرح مسلمان کا مرتد ہونا بھی ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی مسلمان کے لیے دعائے رحمت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اسلام پر ثابت قدم رکھے جو رحمت کا سبب ہے کیوں کہ دعا سوال ہے' اور کفر کا سوال کرنا بھی کفر ہے' البتہ یہ کہنا جائز ہے کہ اگر فلاں شخص کفر پر مرے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو' اور مسلمان ہوجائے تو لعنت نہیں۔ یہ بھی خالی از خطر نہیں۔ کیونکہ یہ شبہ بہرحال موجود ہے کہ وہ اسلام قبول کرتا ہے' یا کفر پر جما رہتا ہے غیب کے حال سے تو اللہ ہی واقف ہے' اس لیے لعنت نہ کرنے ہی میں عافیت ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جب کافر کے سلسلے میں اس قدر احتیاط ہے تو بدعتی اور فاسق کے سلسلے میں کیا کچھ احتیاط نہ ہوگی' ان پر تو نام لے کر لعنت کرنی ہی نہیں چاہیے۔ کیونکہ آدمی کے احوال ہمیشہ یکساں نہیں رہتے' کیا معلوم اس کا انجام کیا ہوگا؟ یہ بات تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی وحی کے ذریعہ جان سکتے تھے کہ فلاں شخص کس حالت پر مرے گا؟ یہ وجہ ہے کہ جن لوگوں کے انجام سے آپ باخبر تھے ان کا نام لے کر لعنت کرنا حدیث سے ثابت ہے مثلاً ایک روایت میں یہ بددعا ہے۔

اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِاَبِیْ جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ وَعُتْبَۃَ بْنِ رَبِیْعَۃَ (بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ)

اے اللہ! ابوجہل ابن ہشام اور عتبہ ابن ربیعہ کو اپنے قہر میں جکڑ لیجئے۔

آپ نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو جنگ بدر میں کفر پر مارے گئے' کیوں کہ ان کا انجام معلوم تھا لیکن جب آپ نے ان لوگوں پر لعنت کی جنہوں نے بئر معونہ کے باشندوں کو قتل کیا تھا تو آپ کو اس سے منع کردیا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (۱) (پ ۴ ر ۴ آیت ۲۸)

آپ کو کوئی دخل نہیں یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ ان پر یا تو متوجہ ہو جائیں یا ان کو کوئی سزا دے دیں کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں۔

یعنی شاید وہ مسلمان ہو جائیں تم ان کے متعلق کیسے جانتے ہو کہ وہ ملعون ہی رہیں گے خلاصہ یہ ہے کہ اگر ہمیں کسی خاص آدمی کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کفر پر مرا ہے تو ہمارے لیے اس پر لعنت کرنا جائز ہے بشرطیکہ ہماری لعنت سے کسی مسلمان کو ایذا نہ ہوتی ہو' اگر ایذا ہوتی ہو تو لعنت کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف تشریف لے جا رہے تھے' راستے میں کسی مقام پر آپ نے ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے حضرت ابوبکرؓ سے دریافت کیا کہ یہ کس شخص کی قبر ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ یہ سعید ابن العاص کی قبر ہے جو انتہائی گناہ گار اور اللہ رسول کا نافرمان تھا عمرو بن سعید وہاں موجود تھے' انہیں اپنے باپ کی اہانت پر سخت غصہ آیا' انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ قبر اس شخص کی ہے جو ابوبکر کے باپ ابو قحافہ سے زیادہ بہادر اور سخاوت پیشہ تھے حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ملاحظہ فرمائیں یہ شخص مجھ سے کس طرح خطاب کر رہا ہے؟ آپ نے عمرو بن سعید کو منع کیا جب وہ چلے گئے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: اے ابوبکر! جب کفار کا ذکر کیا کرو تو عمومی صیغہ استعمال کرو' کسی خاص آدمی کا نام مت لو' تخصیص کرو گے تو بیٹے اپنے آباء و اجداد کے لیے غضبناک ہو جائیں گے (ابو داؤد المراسیل) نعیمان شراب پیا کرتے تھا' بارہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ان پر حد بھی جاری کی گئی' لیکن وہ باز نہیں آیا' ایک روز کسی صحابی نے کہا نعیمان پر اللہ کی لعنت ہو اکثر پکڑ کر لایا جاتا ہے' آپ نے ارشاد فرمایا:

لاتكن عونا للشيطان على اخيك (۲)

اپنے بھائی کے خلاف شیطان کا مددگار مت ہو۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

لاتقل هذا فانه يحب الله ورسوله

ایسا نہ کہو' اس لیے کہ نعیمان اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی معین فاسق کی لعنت جائز نہیں کیونکہ اس میں بڑا فساد اور خطرہ ہے' اس لیے نام لے کر اور تخصیص کے ساتھ لعنت نہ کرنی چاہیے' بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ کسی گناہ میں مبتلا دیکھ کر شیطان پر لعنت بھیج دینی چاہیے کیونکہ گناہوں پر وہی اکساتا ہے اسے لعنت کرنے میں کوئی خطرہ بھی نہیں ہے۔

رہا یہ سوال کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں' اس نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا تھا یا قتل کی اجازت دی تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قتل اور اجازت قتل دونوں یقینی طور پر ثابت نہیں ہیں' اس لیے یہ کہنا بھی صحیح نہ ہوگا کہ یزید نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا ہے یا ان کے قتل کی اجازت دی ہے چہ جائیکہ اس پر لعنت کی جائے کیونکہ کسی مسلمان کی طرف بلا تحقیق کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابن ملجم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو قتل کیا ہے یا ابو لؤلؤہ نے حضرت عمر بن الخطاب کو قتل کیا ہے' اس لیے کہ ابن ملجم اور ابو لؤلؤہ کا قاتل ہونا متواتر روایات سے ثابت ہے۔ کسی مسلمان کی طرف بلا تحقیق کفر اور فسق کی نسبت کرنا درست نہیں جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

---

(۱) بخاری و مسلم۔ انسؓ (۲) یہ روایت ابن عبدالبر نے استیعاب میں مرسل نقل کی ہے' بخاری نے بھی عمر فاروقؓ اور ابو ہریرہؓ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن ایک میں عبداللہ بن حمار کا نام ہے اور ایک میں کسی کا نام نہیں۔

لا یرمی رجل رجلا بالکفر ولا یرمیہ بالفسق الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک (بخاری و مسلم۔ ابوذرؓ)

اگر کوئی شخص کسی کو کافر کہے یا فاسق ہونے کا الزام دے اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کفر و فسق کی تہمت اسی پر لوٹ جائے گی۔

ایک حدیث میں ہے:

ماشھد رجل علی رجل بالکفر الا باء بہ احدھما ان کان کافرا فھو کما قال وان لم یکن کافرا فقد کفر بتکفیرہ ایاہ (ابو منصور دیلمی۔ ابو سعید الخدریؓ)

ایک شخص دوسرے شخص پر کفر کی گواہی دیتا ہے تو وہ کفران دونوں میں سے ایک پر لوٹتا ہے اگر وہ واقع میں کافر ہے تو جیسا کہا ویسا ہی ہے اور اگر کافر نہیں ہے تو گواہی دینے والا اس کی تکفیر کی وجہ سے کافر ہو گا۔

یہ اس وقت ہے جب کسی مسلمان کو مسلمان جان کر کافر کہا لیکن اگر کسی شخص کو اس کی بدعت کی وجہ سے کافر کہا تو گنہ گار ہو گا کافر نہیں ہو گا۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہے کہ مجھ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں تجھے مسلمان کو گالی دینے سے اور انصاف پرور امام کی نافرمانی کرنے سے منع کرتا ہوں۔ (ابو نعیم فی الحلیہ) اور مردہ لوگوں کے متعلق کچھ کہنا تو انتہائی بُرا ہے۔ مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا' انہوں نے مجھ سے پوچھا فلاں شخص کا کیا حال ہے اللہ اس پر لعنت کرے' میں نے عرض کیا وہ مرگیا ہے' فرمایا اللہ اس پر رحمت نازل فرمائے' میں نے عرض کیا اس کی کیا وجہ ہے' ابھی تو آپ لعنت کر رہی تھیں اب رحمت کی دعا کرنے لگیں؟ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لا تسبوا الاموات فانہم قد افضوا الی ما قدموا (بخاری' والقص عند ابن المبارک)

مردوں کو گالی مت دو اس لیے کہ وہ اپنے کیے کو پہنچ گئے ہیں۔

ایک روایت ہے:

لا تسبوا الاموات فتوذوا بہ الاحیاء (ترمذی۔ مغیرہ بن شعبہؓ)

مُردوں کو بُرا مت کہو' اس سے زندوں کو تکلیف ہوگی۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

ایھا الناس احفظوا فی اصحابی واخوانی واصھاری ولا تسبوا ایھا الناس اذا مات المیت فاذکروا منہ خیرا (۱)

اے لوگو! میرے رفقاء میرے بھائیوں اور دامادوں کے سلسلے میں اپنی زبان کی حفاظت کرو اور انہیں گالی مت دو' اے لوگو جب مرنے والا مرجائے تو اس کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرو۔

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یزید پر قاتل حسینؓ ہونے کی حیثیت سے لعنت کرنا جائز نہیں ہے' اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کسی کا نام لئے بغیر محض یہ کہنا درست ہے یا نہیں کہ اللہ حسینؓ کے قاتل پر لعنت کرے' اس کا جواب یہ ہے کہ قاتل حسین پر لعنت

---

(۱) ابو منصور دیلمی نے عیاض انصاری سے نقل کیا ہے احفظونی فی اصحاب واصھاری بخاری و مسلم میں ابو سعید اور ابو ہریرہ کی روایت ہے "لا تسبوا اصحابی" ابو داؤد اور ترمذی میں ابن عمرؓ کی حدیث ہے "اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویھم" نسائی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے "لا تذکروا موتاکم الا بخیر"

کرنا جائز ہے لیکن یہ کہہ دینا بہتر ہے کہ اگر قاتل توبہ سے پہلے مرا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو کیونکہ یہ احتمال بہرحال موجود ہے کہ اس نے توبہ کرلی ہو' چنانچہ وحشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کردیا تھا' لیکن جب وہ اسلام لائے تو حالت کفر کے تمام گناہ ساقط ہو گئے' اب اس قتل کی وجہ سے ان پر لعن کرنا صحیح نہ ہوگا قتل اگرچہ کبیرہ گناہ ہے لیکن اس کا مرتکب کافر نہیں ہوتا' اس لیے کسی قاتل کو ملعون کہنے سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ تائب ہوا تھا یا نہیں' اگر اس نے توبہ کرلی تو ملعون کہنا صحیح نہیں ہے' اگر لعن کرنا ضروری ہی ہے تو توبہ کی قید کے ساتھ کرے تاکہ کسی خطرہ کا احتمال باقی نہ رہے۔ خطرات سے خالی تو سکوت ہی ہے یہی بہتر بھی ہے۔ ہم نے یہ تفصیل اس لیے کی کہ لوگ لعنت کے باب میں اپنی زبان کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں' اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ہمارا لعن کرنا شرعی حدود میں ہے یا نہیں' حدیث شریف کے مطابق مؤمن لعنت کرنے والا نہیں ہوتا' اس شخص کے سوا جو کفر پر مرگیا ہو کسی پر لعنت نہ کرنی چاہیے' اگر غیر کافر پر لعنت کرے تو مخصوص و معین افراد کا نام نہ لے بلکہ عام اوصاف ذکر کرے اور ان کے حاملین کو اللہ کی لعنت کا مستحق قرار دے لعنت کرنے سے بہتر اللہ کا ذکر ہے' اللہ کا ذکر نہ کرے تو چپ ہی رہے کی ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ ہم ابن عون کی مجلس میں تھے بلال بن ابی بُردہ کا ذکر ہوا تو لوگ اس کی مذمت کرنے لگے' اور اس پر زبان طعن دراز کرنے لگے' ابن عون خاموشی سے سنتے رہے' لوگوں نے کہا ہم اس کی مذمت اس لیے کررہے ہیں کہ اس نے آپ کے ساتھ بُرا سلوک کیا تھا' انہوں نے کہا قیامت کے روز میرے نامۂ اعمال میں دو کلمے ہوں گے' ایک لا الٰہ الا اللہ اور دوسرا یہ کہ فلاں فلاں شخص کو لعنت کی' مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میرے اعمال نامے میں لعنت کی بجائے لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہو۔ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے کچھ نصیحت فرمائیں' آپ نے فرمایا:۔

اوصیک ان لا تکون لعانا (احمد' طبرانی)

میں تجھے اس کی وصیت کرتا ہوں کہ کثرت سے لعنت نہ کیا کر۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ کثرت سے لعن طعن کرنے والا شخص اللہ کو سخت ناپسند ہے کسی بزرگ نے لعنت کو قتل مؤمن کے برابر کہا ہے۔ اس قول کے راوی حماد بن زید نے فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ یہ قول مرفوع حدیث ہے تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ چنانچہ ابو قتادہ سے اسی مضمون کی ایک حدیث منقول ہے فرمایا:۔

من لعن مؤمنا فھو مثل ان یقتلہ (بخاری مسلم۔ ثابت بن ضحاکؓ) جو شخص کسی مؤمن کو لعنت کرے وہ ایسا ہے جیسے اس کو قتل کرے۔

کسی شخص کے لیے بددعا کرنا بھی لعنت کے قریب ہے' کسی ظالم کے لیے بھی یہ کہنا اچھا نہیں کہ اللہ اسے بیمار کردے یا بیماری سے صحت نہ دے یا اسے موت دے دے وغیرہ' حدیث شریف میں ہے:

ان المظلوم لیدعو علی الظالم حتی یکافئہ ثم یبقی للظالم عندہ فضلۃ یوم القیامۃ (۱)

مظلوم ظالم کے لیے بددعا کرکے اپنا بدلہ لے لیتا ہے پھر ظالم کے لیے قیامت کے روز کچھ زیادتی باقی رہ جاتی ہے۔

نویں آفت۔ راگ اور شاعری: کتاب السماع میں ہم اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرچکے ہیں کہ کون سا راگ ہے اور کون سا راگ حرام حلال ہے اب ہم اس بحث کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے۔ جہاں تک شاعری کا تعلق ہے اچھی شاعری اچھی اور بُری شاعری بُری ہے۔ البتہ شاعری کے لیے اپنے کو وقف کردینا اور اسے اپنا مشغلہ بنالینا اچھا نہیں ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

---

(۱) مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔ البتہ ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: "من دعا علی من ظلمہ فقد انتصر۔"

لان یمتلی جوف احدکم قیحا حتی یریہ خیر لہ من ان یمتلی شعرا (مسلم' سعد بن ابی وقاص' بخاری۔ ابن عمرؓ)

تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے اور وہ اسے خراب کردے یہ اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھر جائے۔

مسروق سے کسی نے کوئی شعر دریافت کیا' آپ کو یہ بات بری لگی' سائل نے عرض کیا: بھلا اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے۔ فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرے اعمال نامے میں شعر موجود ہوں۔ کسی بزرگ سے ایک شعر پوچھا گیا' انہوں نے فرمایا شعر کوئی چھوڑو' اللہ کا ذکر کرو۔ بہرحال نہ شعر کہنا حرام ہے اور نہ شعر سننا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں کوئی بات شرعی حدود سے متجاوز نہ ہو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان من الشعر لحکمۃ (۱)

بلاشبہ بعض اشعار حکمت سے پر ہوتے ہیں۔

شعر عموماً مدح وذم کے مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں' اور ان میں جھوٹ کی بڑی گنجائش ہے' تاہم نہ مطلق ہجو ناپسندیدہ ہے اور نہ مطلق مدح مکروہ۔ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ سے ہجو بیان کرنے کے لیے کہا (بخاری ومسلم۔ براء بن عازبؓ)۔ مدح میں مبالغہ بھی کرسکتے ہیں اس باب میں توسع ہے' اگرچہ مبالغہ میں کذب کی آمیزش بھی ہو مثلاً اس طرح کے اشعار جھوٹ کی وجہ سے حرام نہیں کہے جاسکتے۔

ولو لم یکن فی کفہ غیر روحہ لجاد بہا فلیتق اللہ سائلہ

(اگر اس کے پاس روح کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تو وہ اسے ہی لٹا دیتا' مانگنے والے کو بھی اللہ سے ڈرنا چاہیئے)

اگر ممدوح سخی نہیں ہے تو یہ شعر کذب محض ہے' لیکن اگر وہ واقعۃً سخی ہے تو یہ مبالغہ مباح ہوگا اور اسے شعر کا حسن قرار دیا جائے گا کیونکہ اس سے حقیقت مقصود نہیں ہوتی بلکہ ممدوح کی انتہائی سخاوت کا بیان مقصود ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بارہا ایسے شعر پڑھے گئے جن میں اس نوع کا مبالغہ ملتا ہے لیکن آپ نے منع نہیں فرمایا' حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک روز میں چرخہ کات رہی تھی اور آپ اپنا جوتا سی رہے تھے میں نے نگاہ اٹھا کر آپ کی طرف دیکھا تو آپ کی پیشانی پر پسینے کے قطرات سورج کی روشنی میں ستاروں کی طرح جھلملا رہے تھے' میں اس حسین منظر پر حیرت زدہ رہ گئی' آپ نے مجھے حیرت سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو دریافت کیا اے عائشہؓ! کس بات پر حیرت کررہی ہو' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی پیشانی پر پسینے کے قطرات ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں' اگر ابوکبیر ہذلی آپ کو دیکھ لیتا تو اپنے اشعار کا صحیح مصداق آپ کو قرار دیتا' آپ نے دریافت کیا: ابوکبیر ہذلی کیا کہتا ہے میں نے یہ دونوں شعر پڑھ کر سنائے۔

ومبرأ من کل غبر حیضۃ وفساد مرضع وداء مغیل

واذا نظرت الی اسرۃ وجہہ برقت کبرق العارض المتہلل (۲)

(وہ (ممدوح) حیض کی کدورت سے دودھ پلانے کی خرابی سے اور اس کے ہر مرض سے پاک ہے' جب میں اس کے چہرے کے خطوط دیکھتا ہوں تو وہ ایسے دمکتے ہیں جیسے بادلوں میں بجلی چمکتی ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سنے تو اپنا کام چھوڑا اور میری پیشانی پہ بوسہ دیا اور فرمایا:

جزاک اللہ خیرا یا عائشۃ ما سررت منی کسروری منک (بیہقی۔ دلائل النبوۃ)

---

(۱) یہ روایت کتاب العلم اور کتاب السماع میں بھی گذر چکی ہے۔ (۲) یہ اشعار دیوان حماسہ سے نقل کیے ہیں۔

اللہ تجھے جزائے خیر دے اے عائشہ' تو مجھ سے اتنی خوش نہ ہوئی ہوگی جتنا میں تجھ سے خوش ہوا ہوں۔

غزوۂ حنین کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم فرمایا' عباس بن مرواس کو چار اونٹ ملے' انہیں شکایت ہوئی کیونکہ دوسروں کے مقابلے میں انہیں کم عطا کیا گیا تھا' انہوں نے اپنی شکایت کا اظہار شعر کی زبان میں کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا ان کی شکایت کا ازالہ کرکے زبان بند کردو' حضرت ابوبکر صدیق انہیں اپنے ساتھ لے گئے' انہوں نے سو اونٹ پسند کئے اور خوشی خوشی واپس آئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ اب بھی کوئی شعر کہا ہے؟ وہ معذرت کرنے لگے' اور کہنے لگے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں شعر میری زبان پر اس طرح رینگتے ہیں جس طرح چیونٹی رینگتی ہے' آپ زیر لب مسکرائے اور ارشاد فرمایا جب تک اونٹ بلبلاتے رہیں گے عرب شاعری ترک نہیں کریں گے۔ (۱)

دسویں آفت۔ مزاح : یہ بھی ممنوع اور ناپسندیدہ ہے' لیکن اگر تھوڑی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لاتمار اخاک ولاتمازحہ (ترمذی)

نہ اپنے بھائی کی بات کاٹ اور نہ اس سے مذاق کر۔

اس سلسلے میں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ بات کاٹنے سے منع کرنے کی وجہ تو سمجھ میں آتی ہے' اس میں واقعتہ متکلم کی توہین ہے' اور اسے اذیت میں مبتلا کرنا ہے' لیکن مزاح میں نہ کسی کی اہانت ہے اور نہ اسے اذیت پہنچانا ہے' یہ دل لگی اور خوش دلی کی علامت ہے پھر اس سے کیوں منع کیا جاتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دل لگی میں مبالغہ کرنا یا اس پر مداومت کرنا بھی ممنوع ہے' مداومت کا مطلب یہ ہوا کہ دل ہمیشہ کھیل اور ہزل میں مشغول رہے' کھیل اگرچہ مباح ہے لیکن اس پر مواظبت کرنا ممنوع ہے' افراط اور مبالغہ کرنے سے ہنسی زیادہ آتی ہے' اور زیادہ ہنسنے سے آدمی کا دل مردہ ہوجاتا ہے اور اس کی ہیبت ختم ہوجاتی ہے بعض اوقات دلوں میں کینہ پیدا ہوجاتا ہے' اور اگر ہنسی میں یہ عیوب نہ ہوں تو ہنسنا برا نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انی لامازح ولااقول الاحقا (۲)

میں دل لگی ضرور کرتا ہوں لیکن سچ کے علاوہ کچھ نہیں کہتا۔

لیکن یہ آپ ہی کی شان تھی کہ خوش طبعی اور دل لگی کے مواقع پر بھی زبان سے کلمۂ حق ہی نکلتا' دوسرے لوگ خواہ وہ زہد و تقویٰ کے کتنے ہی اعلیٰ درجے پر فائز کیوں نہ ہوں مذاق کے کوچے میں قدم رکھنے کے بعد کذب سے اپنا دامن بچانے پر قادر نہیں رہتے ان کا مقصد لوگوں کو ہنسانا ہوتا ہے خواہ کسی طرح بھی ہنسائیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔

ان الرجل یتکلم بالکلمۃ یضحک بھا جلساءہ یھوی بھا فی النار ابعد من الثریا (۳)

آدمی اپنے ہم نشینوں کو ہنسانے کے لیے ایک بات کہتا ہے اور اس کی وجہ سے جہنم میں ثریا سے بھی دور جا پڑتا ہے۔

---

(۱) یہ روایت رافع بن خدیج سے مسلم میں منقول ہے (۲) یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔
(۳) یہ روایت بھی پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو زیادہ ہنستا ہے اس کا رُعب ختم ہو جاتا ہے جو دل لگی کرتا ہے لوگ اس کی تعظیم نہیں کرتے' جو ایک کام زیادہ کرتا ہے وہ اسی کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے جو زیادہ بولتا ہے وہ اکثر غلطیاں کرتا ہے' اور جو زیادہ غلطی کرتا ہے اس میں حیا کم ہو جاتی ہے اور جس کی حیا کم ہو جاتی ہے اس میں خوف خدا باقی نہیں رہتا' اس کا دل مُردہ ہو جاتا ہے علاوہ ازیں ہنسنا آخرت سے غفلت پر بھی دلالت کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لو تعلمون ما اعلم لبکیتم کثیرا ولضحکتم قلیلا (بخاری ومسلم۔ انس)

اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔

ایک شخص نے اپنے بھائی سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ دوزخ میں جانا پڑے گا اس نے کہا ہاں معلوم ہے' پوچھا! کیا یہ بھی معلوم ہے کہ دوزخ سے نکلنا بھی ہو گا یا نہیں؟ اس نے کہا یہ معلوم نہیں' دریافت کیا: پھر کس بات پر اتنا ہنستے ہو کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد کسی نے اسے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا' یہاں تک کہ انتقال ہو گیا۔ یوسف ابن اسباط کہتے ہیں کہ حسن بصری تیس سال تک نہیں ہنسے' کہا جاتا ہے کہ عطاء السلمی نے چالیس سال کا طویل عرصہ بغیر ہنسے گزارا' وہیب بن الورد نے کچھ لوگوں کو عید الفطر کے موقع پر ہنستے ہوئے دیکھ کر کہا ، اگر اللہ نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے تو یہ شکر گزاروں کا شیوہ نہیں ہے' اور اگر ان کی مغفرت نہیں ہوئی تو یہ ڈرنے والوں کی شان نہیں۔ عبداللہ بن ابی یعلیٰؒ کسی کو ہنستا ہوا دیکھ کر فرمایا کرتے تھے' میاں! ہنستے ہو' کیا پتا تمہارا کفن دُھل کر آگیا ہو' یعنی موت قریب آگئی ہو' ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو شخص گناہ کر کے ہنستا ہے وہ روتا ہوا دوزخ میں جائے گا محمد بن واسع نے کسی شخص سے پوچھا کہ اگر تم جنت میں کسی کو روتا ہوا دیکھو تو کیا تمہیں حیرت نہ ہو گی' اس نے کہا: یقیناً ہو گی بھلا جنت بھی کوئی رونے کی جگہ ہے فرمایا اس سے زیادہ حیرت اور تعجب اس شخص پر ہونا چاہیے جو دنیا میں ہنستا ہے بھلا دنیا بھی ہنسنے کی جگہ ہے' یہاں یہ بتلا دینا ضروری ہے کہ ہنسی وہ مذموم ہے جس میں آواز ہو' تبسّم (بلا آواز کے مسکرانا) ممنوع نہیں ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مسکرایا کرتے تھے۔ (۱) قاسم مولی معاویہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی سرخ اونٹ پر سوار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور سلام کیا' جب بھی وہ کچھ پوچھنے کی غرض سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب جانے کا ارادہ کرتا' اونٹ بھڑک جاتا' اور اسے دور لے جاتا' صحابہؓ کرام یہ دیکھ کر ہنستے رہے' بالآخر وہ دیہاتی اونٹ کو قابو میں نہ کر سکا اور گر کر ہلاک ہو گیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اونٹ نے اپنے سوار کو گرا کر ہلاک کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: وہ تو مر گیا لیکن اس کے خون سے تمہارے منہ بھرے ہوئے ہیں (ابن المبارک فی الزہد مرسلاً)۔ جس ہنسی سے وقار متأثر ہو' یا رُعب ختم ہو جائے وہ بھی ممنوع ہے' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں جو ہنسی کرتا ہے وہ ہلکا ہو جاتا ہے' محمد بن المنکدر کہتے ہیں کہ مجھ سے میری والدہ نے کہا اے بیٹے! بچوں کے ساتھ ہنسی مت کر' وہ تمہاری عزت نہیں کریں گے' سعید بن العاصؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اے بیٹے شریف آدمی سے ہنسی مت کر وہ تجھ سے متنفر ہو جائے گا' اور نہ کمینے سے ہنسی کر وہ تجھ پر جری ہو جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں' خدا سے ڈرو' مزاح سے بچو' اس لیے کہ مزاح سے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے اور وہ برائی کی طرف لے جاتا ہے قرآن کریم کو اپنی گفتگو کا موضوع بناؤ' اسی کے لیے مجلسیں قائم کرو' اگر یہ بات گراں گذرے تو اچھی باتیں کرو' اچھے لوگوں کا ذکر کرو۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے مزاح کو مزاح کیوں کہتے ہیں' انہوں نے کہا: نہیں' فرمایا یہ اَزاح سے ہے' جس کے معنی ہیں دُور کرنا' کیونکہ ہنسی سے آدمی حق سے دُور ہو جاتا ہے اس لیے اس کا نام مزاح رکھ دیا گیا۔ بعض بزرگوں کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے کہ شئی کے کچھ ثمرات ہوتے ہیں مزاح کا ثمر عداوت ہے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ مزاح سے عقل سلب ہو جاتی ہے اور دوست جدا ہو جاتے ہیں۔

---

(۱) یہ روایت بھی پچھلے ابواب میں گذر چکی ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح : یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے رُفقاء و اصحاب سے مزاح منقول ہے، لیکن آپ کے مزاح کو ہمارے مزاح پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اگر واقعتہً کوئی شخص اس مزاح پر قادر ہو جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور جس پر آپ کے اصحاب کاربند رہے تو یہ مذموم ہے اور نہ غیر پسندیدہ، بلکہ ایک درجے میں مسنون اور مستحب ہے۔ آپ کا مزاح یہ تھا کہ نہ اس میں جھوٹ کی آمیزش تھی، نہ کوئی ایسی بات تھی جس سے دوسروں کو ایذا ہوتی ہو، نہ اس میں مبالغہ تھا، بلکہ آپ شاذ و نادر ہی مزاح فرمایا کرتے تھے، اگر کوئی شخص مزاح کی ان تمام شرائط کو عملی طور پر قبول کر سکتا ہو تو اسے مزاح کی اجازت ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ آدمی مزاح کو پیشہ بنالے، اور اسے روز و شب کے مشغلے کے طور پر اپنائے رکھے، اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے حجت پکڑے، اور یہ سمجھے کہ میں آپ کی اتباع کر رہا ہوں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص دن بھر حبشیوں کا کھیل تماشا دیکھتا رہے اور ان کے ساتھ لگا پھرے پھر یہ دعویٰ کرنے لگے کہ میرا عمل صحیح ہے، اور دلیل یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے روز حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کا کھیل تماشا دیکھنے کی اجازت دی تھی۔ (۱) یہ استدلال غلط ہے، یہ بات یاد رہے کہ صغیرہ گناہ اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے اور جائز عمل صغیرہ بن جاتا ہے۔ اس سے غفلت نہ برتنی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح حضرت ابو ہریرہؓ کی اس روایت کی روشنی میں دیکھئے، فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہم سے دل لگی فرماتے ہیں، فرمایا: ہاں! لیکن میں اس میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں (ترمذی) عطاء کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مزاح بھی فرماتے تھے، فرمایا: ہاں! اس نے آپ کے مزاح کی کیفیت دریافت کی، فرمایا: آپ کا مزاح یہ تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنی ازواج مطہراتؓ میں سے کسی کو کپڑا عطا کیا، اور فرمایا اسے پہنو، اللہ کا شکر ادا کرو، اور اس کا دلہنوں کے دامن کی طرح دامن بناؤ۔ (۲) حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ دل لگی فرمایا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ اکثر تبسم فرمایا کرتے تھے۔ (۳، ۴) مروی ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے اس سے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی، وہ عورت یہ سن کر رونے لگی، آپ نے فرمایا کہ بھئی تم اس روز بوڑھی نہیں رہو گی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ (۵)

إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا (پ ۲۷ ر ۱۴ آیت ۳۵-۳۶)

ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے۔ یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں۔

زید ابن اسلم روایت کرتے ہیں کہ اُمّ ایمن نامی ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور کہنے لگی یا رسول اللہ! میرے شوہر آپ کو بلاتے ہیں، آپ نے فرمایا: تیرے شوہر وہی تو ہیں جن کی آنکھ میں سفیدی ہے؟ اس نے عرض کیا بخدا ان کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں اس کی آنکھ میں سفیدی ہے، اس نے عرض کیا خدا کی قسم اس کی آنکھ میں سفیدی نہیں ہے، فرمایا: ہر شخص کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے۔ (۶) ایک عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ مجھے سواری کے لیے اونٹ عطا کریں، آپ نے فرمایا: میں تیری سواری کے لیے اونٹ کا بچہ دوں گا۔ وہ کہنے لگی، بچہ میرا بوجھ کہاں اُٹھا سکے گا مجھے تو اونٹ دیجئے۔ آپ نے فرمایا کوئی اونٹ ایسا نہیں ہوتا جو اونٹ کا بچہ نہ ہو، (ابوداؤد، ترمذی۔ حسن) یہ تھا آپ کا مزاح، صاف ستھرا اور پاکیزہ۔ ہر طرح کی کدورتوں سے خالی۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ کے ایک لڑکا تھا جس کا نام ابو عمیر تھا، اس نے ایک

---

(۱) یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے۔ (۲) مجھے اس روایت کی اصل نہیں ملی۔ (۳، ۴) یہ روایتیں گذر چکی ہیں۔

(۵) شمائل ترمذی میں حضرت حسن کی مرسل روایت۔ (۶) یہ روایت زبیر بن بکار نے کتاب الفکاہۃ والمزاح میں نقل کی ہے اور ابن ابی الدنیا نے عبدۃ السہم الفہری سے کچھ اختلاف کے ساتھ نقل کی ہے۔

مینا پال رکھی تھی جس سے وہ کھیلا کرتا تھا' آپ جب ابو طلحہؓ کے گھر تشریف لے جاتے اس بچے سے دریافت کرتے یا ابا عمیر مافعل النغیر (اے ابو عمیر! مینا کیا ہوئی)۔ (بخاری و مسلم) حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں جنگ بدر میں آپ کے ساتھ تھی' ایک روز آپ نے مجھ سے فرمایا اے عائشہ آؤ دوڑ لگائیں دیکھیں کون آگے نکلتا ہے۔ میں نے اپنا دوپٹہ مضبوط باندھ لیا' اور زمین پر ایک نشان لگا کر کھڑی ہو گئی' ہم دونوں دوڑے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے' اور فرمایا یہ ذی المجاز کا بدلہ ہے' ذی المجاز کے واقعہ کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے یہ بتلایا کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میں ذی المجاز میں تھی' میرے والد نے مجھے ایک چیز دے کر بھیجا تھا' آپ نے مجھ سے وہ چیز مانگی' میں نے انکار کردیا' اور بھاگ گئی' آپ میرے پیچھے دوڑے لیکن مجھے پکڑ نہ سکے۔ (۱) ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ پہلی بار جب میں آپ کے ساتھ دوڑی تو آگے نکل گئی لیکن جب میں فربہ ہو گئی اور ہم دونوں میں دوڑ ہوئی تو آپ آگے نکل گئے (نسائی ابن ماجہ)۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے' اور سودہ بنت زمعہؓ بھی موجود تھیں' میں نے حریرہ تیار کیا' اور آپ کے پاس لے کر آئی' اور سودہؓ سے کہا کھاؤ' وہ کہنے لگیں مجھے حریرہ پسند نہیں ہے' میں نے کہا کھاؤ ورنہ میں تمہارے منھ پر مل دوں گی' وہ کہنے لگیں میں چکھوں گی بھی نہیں' میں نے پلیٹ میں سے حریرہ لیا اور ان کے منھ پر مل دیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم دونوں کے درمیان بیٹھے تھے' آپ نے اپنا پاؤں پھیلا لیا تاکہ سودہ بھی مجھ سے بدلہ لے سکیں' چنانچہ انہوں نے بھی پلیٹ میں سے حریرہ لیا اور میرے منھ پر مل دیا آپ اس منظر کو دیکھ کر مسکراتے رہے (ابو یعلیٰ' زبیر بن بکار) روایت ہے کہ ضحاک بن سفیان کلابی نہایت بدصورت آدمی تھے' جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پر بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو کہنے لگے کہ میری دو بیویاں ہیں جو اس سُرخ عورت (حضرت عائشہؓ) سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں' اگر آپ حکم دیں تو ان میں سے ایک آپ کے لیے آزاد کردوں۔ یاد رہے یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ عائشہ ان کی یہ بات سن رہی تھیں۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم زیادہ خوبصورت ہو یا تمہاری دونوں بیویاں زیادہ حسین ہیں' ضحاک نے جواب دیا میں زیادہ خوبصورت ہوں آپ حضرت عائشہ کا سوال اور ضحاک کا جواب سن کر مسکرا دیئے کیوں کہ وہ بدصورت کے باوجود خود کو حسین کہہ رہے تھے۔ (۲) علقمہ ابو سلمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن کو اپنی زبان مبارک دکھا دکھا کر ہنسا رہے تھے' یہ منظر دیکھ کر عیینہ بن بدر الفزاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! بخدا میں اپنے بیٹوں کو کبھی پیار نہیں کرتا' وہ جوان بھی ہو جاتے ہیں اور ان کے داڑھی بھی نکل آتی ہے' آپ نے ارشاد فرمایا:

من لایرحم لایرحم (۳)

جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی چھیڑ چھاڑ' اور ہنسی مذاق کے واقعات منقول ہیں' خاص طور پر بچوں' اور عورتوں کے ساتھ کیونکہ ان کے دل کمزور ہوتے ہیں' ہنسی سے آپ کا مقصد ان کے ضعف کا علاج تھا' نہ کہ محض خوش طبعی اور دل لگی۔ ایک مرتبہ حضرت صُہیبؓ خرما کھا رہے اور ان کی ایک آنکھ میں تکلیف تھی' آپ نے ان سے فرمایا: صہیب! تم خرما کھا رہے ہو' حالانکہ تمہاری آنکھ دکھ رہی ہے' انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں دوسری داڑھ سے کھا رہا ہوں۔ آپ ان کا یہ جواب سن کر اتنا ہنسے کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہو گئیں (ابن ماجہ۔ صہیبؓ)۔ روایت ہے خوات ابن جبیر انصاری مکہ معظمہ کی طرف جانے

---

(۱) اس کی اصل مجھے نہیں ملی' حضرت عائشہ غزوۂ بدر میں آپ کے ہمراہ نہیں تھیں۔ (۲) زبیر بن بکار نے عبداللہ بن حسن سے مرسل نقل کی ہے اور دار قطنی نے بھی حضرت ابو ہریرہ سے اسی طرح کی ایک روایت نقل کی ہے۔ (۳) ابو یعلیٰ۔ لیکن اس میں عیینہ بن بدر کا قول نہیں ہے' مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بھی اسی مضمون پر مشتمل ہے۔

والے راستے پر بنو کعب کی کچھ خواتین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے تو ان سے دریافت کیا کہ تم یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو' انہوں نے عرض کیا' میرا اونٹ سرکش ہے' میں ان عورتوں سے اس کے لیے رسی بٹوا رہا ہوں' جب آپ واپس تشریف لائے تب بھی وہ صحابی اس جگہ موجود تھے' آپ نے فرمایا: اے ابو عبداللہ! کیا تمہارے اونٹ نے سرکشی نہیں چھوڑی' خوات کہتے ہیں کہ میں خاموش رہا' اور شرم سے پانی پانی ہوگیا' اس واقعہ کے بعد جب بھی میں آپ کو دیکھتا شرم کی وجہ سے راستہ بدل دیتا' پھر میں مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا' ایک روز میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا' اتنے میں آپ تشریف لے آئے' میں نے نماز کو طول دینا چاہا' آپ میرے قریب تشریف لائے اور فرمایا' نماز کو طول نہ دو' میں تمہارا منتظر ہوں' نماز سے فارغ ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: اے ابو عبداللہ! کیا تمہارے اونٹ نے سرکشی نہیں چھوڑی۔ آپ کی زبان سے یہ ارشاد سن کر میں خاموش رہا' اور مجھ پر ندامت اتنی زیادہ غالب آئی کہ میں آپ کو دیکھ کر حسب سابق راہ فرار اختیار کرنے لگا' تاکہ آپ کی نظر مجھ پر نہ پڑے' ایک روز آپ سے میرا سامنا اس حال میں ہوا کہ آپ گدھے پر سوار تھے' اور آپ کے دونوں پاؤں ایک جانب رکاب پر رکھے ہوئے تھے' مجھے دیکھ کر آپ نے پھر وہی جملہ ارشاد فرمایا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب سے مشرف بہ اسلام ہوا ہوں اونٹ نے سرکشی چھوڑ دی ہے آپ نے فرمایا: اللہ اکبر' اللہ اکبر' اے اللہ اس شخص کو ہدایت عطا کر' راوی کہتے ہیں کہ اللہ نے انہیں حسنِ اسلام سے نوازا' اور ہدایت کی راہ دکھلائی (طبرانی کبیر۔ زید بن اسلم) نعیمان الانصاری ایک خوش طبع اور ہنس مکھ آدمی تھے' ایک زمانے میں شراب بھی پیا کرتے تھے' شراب پی کر پکڑے جاتے تو لوگ انہیں آپ کی خدمت میں لے کر آتے' آپ انہیں جوتے لگاتے اور صحابہ بھی اپنے جوتوں سے مارتے' ایک روز کسی صحابی نے انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا خدا تجھ پر لعنت کرے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو لعنت سے منع کیا اور فرمایا اسے ایسی بات نہ کہو' یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے' ان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ مدینہ منورہ کے بازاروں میں جب بھی کوئی چیز بکنے کے لیے آتی' یا کوئی خوانچہ فروش ان کی طرف نکل آتا تو وہ آپ کے لیے ضرور خریدتے اور یہ کہہ کر پیش خدمت کرتے کہ یا رسول اللہ! یہ میری طرف سے آپ کے لیے ہدیہ ہے' اس کے بعد جب دکاندار اپنے پیسوں کے تقاضے کے لیے آتا تو اسے بھی آپ کے پاس لے آتے' اور عرض کرتے یا رسول اللہ فلاں چیز کی قیمت دے دیجئے' آپ فرماتے بھی وہ چیز تو تم نے ہمیں ہدیہ کی تھی' عرض کرتے اس وقت میرے پاس پیسے نہیں تھے' اور میری خواہش تھی کہ آپ وہ چیز ضرور تناول فرمائیں۔ آپ مسکرا کر قیمت ادا فرما دیتے۔ بہرحال اس طرح کی خوش طبعیاں مباح ہیں۔ لیکن ان پر مداومت کرنا برا ہے۔

<u>گیارہویں آفت۔ استہزاء</u> : کسی کا مذاق اڑانا بھی پسندیدہ عمل نہیں ہے' کیوں کہ اس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہے' باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ (پ ۲۶ ر ۱۳ آیت ۱۱)

اے ایمان والو نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ ان (ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک بہتر ہوں) اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

تمسخر کے معنی ہیں اہانت و تحقیر کے ارادہ سے کسی کے عیب اس طرح بیان کرنا کہ سننے والے کو ہنسی آئے' تمسخر قول سے بھی ہو سکتا ہے' اشارے کنائے سے بھی' اور اس کے فعل کی نقل کرنے سے بھی۔ اگر پس پشت ہو تو یہ غیبت ہے اور سامنے ہو تو تمسخر و استہزاء ہے' اگرچہ یہ غیبت نہیں ہے' لیکن غیبت سے کسی طرح کم بھی نہیں ہے' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک آدمی کی نقل اتاری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

والله ما احب انی حاکیت انسانا ولی کذا و کذا (ابوداؤد۔ ترمذی)

اللہ کی قسم مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی انسان کی نقل اُتاروں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ صغیرہ سے مراد مؤمن کے تمسخر پر تبسم اور کبیرہ سے مراد تمسخر پر قہقہہ ہے۔

يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا (پ ۱۵ ر ۱۸ آیت ۴۹)

ہائے ہماری کم بختی اس نامۂ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کیے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ (چھوڑا)۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ مؤمن کا مذاق اُڑانا' اور اس کے کسی عیب و نقص پر ہنسنا گناہ میں داخل ہے' عبداللہ بن زمعہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تقریر کے دوران ان لوگوں کو نصیحت فرماتے سُنا ہے جو کسی شخص کو ریح خارج ہونے کی آواز پر ہنستے تھے' آپ نے فرمایا تھا۔

علام يضحك احدكم مما يفعل (بخاری و مسلم)

تم اس بات پر کیوں ہنستے ہو جس میں خود مبتلا ہو۔

ایک روایت میں ان لوگوں کے انجام کی اطلاع دی گئی ہے جو دنیا میں لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

ان المستهزئين بالناس يفتح لاحدهم باب من الجنة فيقال لهم هلم فيجيئى بكربه وغمه فاذا جاء اغلق دونه ثم ليفتح له باب آخر' فيقال له هلم هلم فيجيئى بكربه وغمه فاذا اتاه اغلق دونه' فما يزال كذلك حتى ان الرجل ليفتح له الباب فيقال له هلم هلم فلا ياتيه- (ابن ابى الدنيا عن الحسن مرسلاً)

لوگوں کا مذاق اڑانے والوں کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا' اور ان سے کہا جائے گا آؤ' جب وہ اپنے مصائب و آلام کے ساتھ دروازے کے قریب آئیں گے دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پھر دوسرا دروازہ کھولا جائے گا اور کہا جائے گا آؤ آؤ' وہ اپنے آلام و مصائب کے ساتھ اس دروازے تک آئیں گے' اور دروازہ بند کر دیا جائے' اسی طرح ہوتا رہے گا ایک مرحلہ وہ بھی آئے گا کہ جب ان سے کہا جائے گا آؤ آؤ تو وہ آئیں گے نہیں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

من عير اخاه بذنب قد تاب منه لم يمت حتى يعمله (ترمذی)

جو شخص اپنے بھائی کو ایسے گناہ پر عار دلائے گا جس سے اس نے توبہ کر لی ہو تو وہ (عار دلانے والا) اس گناہ میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں مرے گا۔

ان سب روایات کا ماحصل یہی ہے کہ دوسروں کی اہانت و تحقیر کرنا' اور ان کا مذاق اُڑانا جائز نہیں آیتِ کریمہ میں اس کی وجہ بھی بیان کر دی گئی کہ تم جن لوگوں پر ہنستے ہو' اور انہیں بُرا سمجھتے ہو ہو سکتا ہے وہ تم سے اچھے ہوں' کسی پر ہنسنا اس صورت میں منع ہے جب کہ اس کو اذیت ہوتی ہو' لیکن اگر کوئی شخص اپنے اوپر ہنسنے سے خوش ہوتا ہو تو یہ مزاح میں داخل ہے' مزاح کی تفصیل گزشتہ صفحات میں کی جا چکی ہے' یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ صرف وہ استہزاء حرام و ممنوع ہے جس سے کسی کو اذیت ہوتی ہو' مثلاً کسی کی زبان سے گفتگو کے دوران کوئی غلط جملہ یا لفظ نکل جائے اس پر ہنسنا' یا کسی کے لہجے کی نقل اُتارنا' یا کسی بدخط آدمی سے

کہنا کہ تم کتنا اچھا لکھتے ہو، کسی دراز قامت، پستہ قد پر، موٹے، یا بد وضع یا ٹیڑھے آدمی پر ہنسنا، یا کسی کے نقصان پر ہنسنا، اس طرح کے استہزاء و تمسخر سے منع کیا گیا ہے۔

بارہویں آفت۔ افشائے راز : کسی کا راز ظاہر کرنا بھی منع ہے کیونکہ اس میں بھی ایذا ہوتی ہے، اور دوستوں اور شناساؤں کی حق تلفی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اذا حدث الرجل الحدیث ثم التفت فھی امانۃ (ابوداؤد، ترمذی۔ جابرؓ)

جب آدمی کوئی بات کہے اور چلا جائے تو یہ امانت ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔ الحدیث بینکم امانۃ (ابن ابی الدنیا۔ ابن شہاب مرسلاً)

تمہاری باہمی گفتگو امانت ہے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ کسی بھائی کی وہ بات جسے وہ راز رکھنا چاہے ظاہر کردینا بھی خیانت ہے مروی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ولید بن عتبہ سے کوئی بات کہی، انہوں نے اپنے والد کے پاس جاکر کہا اباجان! امیر المؤمنین نے مجھ سے ایک بات کہی ہے، اور میرے خیال میں جو بات مجھ سے کہی گئی وہ آپ پر ضرور ظاہر ہوگی۔ انہوں نے کہا بیٹے! امیر المؤمنین کی بات مجھ سے بیان مت کرو، اس لیے کہ جب تک آدمی راز چھپائے رہتا ہے وہ اس کے اختیار میں رہتا ہے، اور جب ظاہر کردیتا ہے تو دوسرے کے قابو میں چلا جاتا ہے۔ ولید نے کہا: کیا باپ اور بیٹے کے درمیان بھی یہی بات ہے، انہوں نے جواب دیا اگرچہ باپ اور بیٹے کے درمیان ایسی بات نہیں ہے تاہم میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہاری زبان افشائے راز پر کھلے، ولید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ سے اس واقعے کا ذکر کیا انہوں نے مجھ سے فرمایا: تیرے باپ نے تجھے خطاء کی غلامی سے آزاد کردیا ہے۔ بہر حال کسی کا راز ظاہر کرنا خیانت ہے، اور یہ حرام ہے اگر اس میں کسی کا ضرر ہوتا ہو، اگر ضرر نہ ہو تب بھی کمینگی کی علامت ہے۔ اس موضوع پر ہم کتاب الصحبۃ میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں، دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تیرہویں آفت۔ جھوٹا وعدہ : جاننا چاہیئے کہ زبان وعدہ کرنے میں سبقت کرتی ہے، پھر بعض اوقات نفس زبان کے وعدے کا پاس نہیں رکھتا، اور اسے وفا کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، اس صورت میں وعدہ خلافی ہوتی ہے۔ یہ امر نفاق کی علامت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (پ ۶ ر ۵ آیت ۱) اے ایمان والو عہد کو پورا کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ کو عطیہ قرار دیا ہے (۱) جس طرح عطیہ واپس نہیں لیا جاتا اس طرح وعدہ کرکے اس کے خلاف کرنا بھی صحیح نہیں ہے، ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ الوأی مثل الدین او افضل (ابن ابی الدنیا، ابو منصور دیلمی)

وعدہ کرنا قرض دینے کے برابر یا اس سے افضل ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس وصف کا خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ وہ وعدے کے پکے تھے، مشہور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کسی شخص سے کہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ شخص بھول گیا، جب کہ انہیں وعدہ یاد رہا اور وہ اس شخص کی آمد کے انتظار میں بائیس روز تک اس جگہ ٹھہرے رہے جہاں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ قریش کے ایک شخص نے میری بیٹی کے لیے شادی کا پیغام دیا تھا اور میں نے نیم رضامندی ظاہر بھی کردی تھی، بخدا میں تہائی نفاق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضری نہیں دوں گا اس لیے تم گواہ رہو کہ میں نے اپنی بیٹی کی شادی اس شخص سے کردی۔ عبداللہ بن ابی الخنساء کہتے ہیں کہ میں نے قبل از نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز خریدی تھی، اور اس کی کچھ قیمت میرے ذمہ باقی رہ گئی تھی میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ آپ یہیں ٹھہریں

(۱) یہ روایت طبرانی نے اوسط میں قباث بن اشیم سے، ابو نعیم نے حلیہ میں ابن مسعودؓ سے ابن ابی الدنیا نے کتاب الصمت اور خرائطی نے مکارم الاخلاق میں حسن سے مرسلاً نقل کی ہے۔

میں باقی رقم لے کر آتا ہوں' لیکن میں اس دن بھول گیا' دوسرے دن بھی مجھے اس کا خیال نہ آیا' تیسرے دن وہاں پہنچا تو آپ اسی جگہ موجود تھے' مجھے دیکھ کر آپ نے فرمایا بھائی! تم نے تو ہمیں مشقت میں ڈال دیا' میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں ہوں (ابوداؤد) ابراہیم ابن اَدہم سے کسی شخص نے پوچھا اگر کوئی شخص کسی سے ملنے کا وعدہ کرلے اور اس کا وقت بھی مقرر کردے پھروہ شخص نہ آئے تو اس کا کتنی دیر انتظار کیا جائے' آپ نے فرمایا جب تک آنے والی نماز کا وقت نہ آجائے منتظر رہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی وعدہ کرتے تو لفظ شاید استعمال فرماتے۔ (۱) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جب کسی سے وعدہ کرتے انشاء اللہ ضرور کہتے۔ یہی بہتر بھی ہے' پھر اس کے ساتھ ایفائے وعدہ کا پختہ ارادہ بھی ہو تو ایفا کرنا ضروری ہے' اِلاّ یہ کہ کوئی عذر پیش آجائے۔ اگر وعدہ کے وقت پورا نہ کرنے کا ارادہ ہو تو یہ نفاق ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ثلاث من کن فیہ فھو منافق وان صام وصلی وزعم انہ مسلم اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف' واذا ائتمن خان (بخاری ومسلم)

تین باتیں جس میں ہوں وہ منافق ہے' اگرچہ وہ روزے رکھے نماز پڑھے اور یہ دعویٰ کرے کہ میں مسلمان ہوں' ایک یہ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے' وعدہ کرے تو پورا نہ کرے' اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کرتے ہیں:۔

اربع من کن فیہ کان منافقا ومن کانت خلۃ من النفاق حتی یدعھا اذا حدث کذب' واذا وعد اخلف' واذا عاھد غدر' واذا خاصم فجر (بخاری ومسلم)

جس شخص میں چار باتیں ہوں وہ منافق کامل ہے' اور جس میں ان چاروں میں سے ایک ہو اس میں اسی قدر نفاق ہوگا یہاں تک کہ وہ اسے ترک کردے' ایک یہ کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے' وعدہ کرے تو خلاف کرے' عہد کرے تو فریب دے' جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔

یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو وعدہ کرنے کے باوجود پورا نہ کرنے کی نیت رکھتا ہو' مگر جس شخص کی یہ نیت ہو کہ وہ وعدہ پورا کرے گا پھر کوئی عذر مانع بن جائے اور وہ وعدہ پورا نہ کرسکے تو اس وعید میں داخل نہیں ہوگا' اور اسے منافق نہیں کہا جائے گا' اگرچہ صورت نفاق ہی کی ہے' اس لیے جس طرح اصل نفاق سے بچنا ضروری ہے اسی طرح نفاق کی صورت اور اس کے شائبے سے احتراز کرنا بھی ضروری ہے کسی ضرورت کے بغیر اپنے نفس کو وعدہ وفا نہ کرنے کے سلسلے میں معذور نہ سمجھنا چاہیے۔ روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثم ابن التیہان سے ایک غلام عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا' اسی دوران آپ کے پاس تین غلام لائے گئے' آپ نے دو غلام کسی کو عطا کردیئے' ایک غلام باقی رہ گیا' اتنے میں حضرت فاطمہ ایک غلام کی درخواست لے کر آئیں اور کہنے لگیں کہ کیا آپ میرے ہاتھوں پر چکّی کے نشانات نہیں دیکھ رہے ہیں' آپ کو ابوالہیثم سے کیا ہوا وعدہ یاد آگیا' آپ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا: اگر میں تمہیں غلام دے دوں تو یہ ابوالہیثم کے ساتھ وعدہ خلافی ہوگی' چنانچہ آپ نے وعدہ پورا کیا' اور حضرت فاطمہؓ کو اپنی قربت اور ان کے ضعف و ضرورت کے باوجود نظرانداز فرمایا۔ (۲) ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ حنین کے موقع پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن کا مال غنیمت مجاہدین میں تقسیم فرمارہے تھے' اچانک ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے مجھ سے ایک وعدہ فرمایا تھا' آپ نے فرمایا تو صحیح کہتا ہے' جو تیرا دل چاہے وہ لے لے' اس شخص نے چرواہے کے ساتھ اسّی بھیڑیں پسند کیں وہ اس کو عطا کردی گئیں' اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: تو نے بہت معمولی چیز طلب کی ہے' تجھ سے زیادہ دُور اندیش تو وہ بوڑھی عورت تھی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ

(۱) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔ (۲) ابوالہیثم کا قصہ ترمذی کے حوالے سے کتاب الاکل میں گذر چکا ہے لیکن اس میں حضرت فاطمہ کا ذکر نہیں ہے۔

السلام کی ہڈیوں کا پتا بتلایا تھا اور اس کا انعام یہ مانگا تھا کہ میں جنت میں آپ کے ساتھ جنت میں داخل ہوں' لوگوں نے اس شخص کے سوال کو اتنا حقیر اور معمولی سمجھا کہ اسّی بھیڑیں اور چرواہے کی مثال بخل کی علامت بن گئی' اور یہ واقعہ ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا چنانچہ کہا جانے لگا۔

اشح من صاحب الثمانین والراعی (ابن حبان' حاکم۔ ابو موسیٰ)

اسّی بھیڑوں اور ان کے چرواہے کے مالک سے زیادہ بخیل۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وعدہ خلافی کی تعریف بھی بیان فرمادی ہے' ارشاد ہے۔

لیس الخلف ان یعد الرجل وفی نیتہ ان یفی (ابو داؤد' ترمذی۔ زید ابن ارقم)

وعدہ خلافی یہ نہیں ہے کہ آدمی وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ وعدہ پورا کرے گا۔

یہ روایت ان الفاظ میں بھی منقول ہے۔

اذا وعد الرجل اخاہ وفی نیتہ ان یفی فلم یجد فلا اثم علیہ

جب آدمی کسی سے وعدہ کرے اور یہ نیت ہو کہ وہ وعدہ وفا کرے گا اور کسی وجہ سے وفا نہ کرسکے تو اس پر گناہ نہیں ہے۔

چودھویں آفت۔ جھوٹ بولنا اور قسم کھانا: یہ بھی بدترین عیب اور عظیم گناہ ہے' اسماعیل ابن واسط کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تقریر کرتے ہوئے سنا' انہوں نے فرمایا کہ ہجرت کے پہلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان اسی جگہ قیام فرماتے جہاں میں کھڑا ہوں۔ اتنا کہہ کر حضرت ابوبکرؓ رونے لگے پھر یہ حدیث بیان فرمائی۔

ایاکم والکذب فانہ مع الفجور وھما فی النار وعلیکم بالصدق فانہ مع البر وھما فی الجنۃ (ابن ماجہ۔ نسائی)

جھوٹ سے بچو' اس لیے کہ وہ بدکاری کے ساتھ ہے' اور جھوٹ و بدکاری دونوں جہنم میں ہیں' سچ اختیار کرو' اس لیے کہ یہ نیکی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں جنت میں ہیں۔

ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان الکذب باب من ابواب النفاق (ابن عدی)

جھوٹ نفاق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر و باطن' قول و فعل اور مدخل و مخرج کے اختلاف کو نفاق کہتے ہیں اور اس اختلاف و نفاق کی بنیاد جھوٹ پر ہوتی ہے' ایک حدیث میں ارشاد فرمایا۔

کبرت خیانۃ ان تحدث اخاک حدیثا ولک بہ مصدق وانت لہ بہ کاذب (بخاری فی الادب المفرد' ابوداؤد' سفیان بن اسیدؓ)

بڑی خیانت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی سے کوئی ایسی بات کہے جسے وہ سچ سمجھتا ہو اور حال یہ ہو کہ تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

لا یزال العبد یکذب ویتحری الکذب حتی یکتب عند اللہ کذابا (بخاری و مسلم)

بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے' اور جھوٹ کی جستجو میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو شخصوں کے پاس سے ہوا یہ دونوں ایک بکری کی خرید و فروخت میں مشغول تھے ان میں سے ایک قسم کھا کر کہہ رہا تھا کہ میں اس قیمت پر فروخت نہیں کروں گا' دو سرا قسم کھا کر کہتا تھا کہ میں اس قیمت پر نہیں خریدوں گا' اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ ان میں سے ایک نے وہ بکری خرید لی ہے آپ نے ارشاد فرمایا ان میں سے ایک پر گناہ اور کفارہ ہے (۱)۔ ایک روایت میں جھوٹ کی یہ سزا بیان کی گئی ہے۔

الکذب ینقص الرزق (۲) جھوٹ سے رزق کم ہوتا ہے

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا التجار ھم الفجار (تاجر ہی فاجر ہوتے ہیں) صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! تاجروں کو فاجر کیوں فرمایا گیا' کیا اللہ نے بیع کو حلال نہیں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

نعم ولکنھم یحلفون ویأثمون ویحدثون فیکذبون (احمد' حاکم' بیہقی۔ عبدالرحمٰن بن شبل)

ہاں! لیکن تاجر (جھوٹے حلف اٹھاتے ہیں اور گناہ کماتے ہیں' بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

ثلاث نفر لا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ ولا ینظر الیھم المنان بعطیتہ والمنفق سلعتہ بالحلف الفاجر والمسبل ازارہ (مسلم۔ ابوذرؓ)

تین آدمی ایسے ہیں جن سے قیامت کے روز نہ اللہ تعالیٰ بات کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا ایک وہ جو دے کر احسان جتلائے' دو سرا وہ جو قسم کھا کر اپنا مال بیچے تیسرا وہ جو اپنا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکائے۔

ارشاد نبوی ہے:۔

ماحلف حالف باللہ فادخل فیھا مثل جناح بعوضۃ الا کانت نکتۃ فی قلبہ الی یوم القیامۃ (ترمذی' حاکم۔ عبداللہ ابن انیس)

کوئی قسم کھانے والا قسم کھا کر کوئی بات کہے اور اس میں مچھر کے برابر (جھوٹ) داخل کردے تو یہ (جھوٹ) اس کے دل پر قیامت تک کے لیے ایک (سیاہ) داغ بن جائے گا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

ثلاث یحبھم اللہ رجل کان فی فئۃ فنصب نحرہ حتی یقتل او یفتح اللہ علیہ وعلی اصحابہ' ورجل کان لہ جار سوء یوذیہ فصبر علی اذاہ حتی یفرق بینھما موت او ظعن' ورجل کان معہ قوم فی سفر او سری فاطالوا السری حتی اعجبھم ان یمسوا الارض فنزلوا فتنحی یصلی حتی یوقظ اصحابہ للرحیل' وثلاثۃ یشناھم اللہ التاجر او البیاع الحلاف' والفقیر المختال والبخیل المنان (احمد)

تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔ ایک وہ شخص جو جنگ میں اپنا سینہ تان کر کھڑا ہو جائے یہاں تک کہ قتل کردیا جائے یا اللہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو فتح دے دے' دو سرا وہ شخص جس کا پڑوسی برا ہو اسے ایذا دیتا ہو' اور وہ اس کے ایذا پر صبر کرتا ہو یہاں تک کہ ان دونوں میں موت یا سفر کی وجہ سے جدائی واقع ہو جائے' تیسرا وہ شخص جو کسی سفر میں قافلے کے ساتھ ہو اور وہ لوگ اتنا چلیں کہ ان کے دل میں زمین پر لیٹنے

---

(۱) یہ روایت ابو الفتح ازدی نے کتاب الاسماء المفردہ میں تارخ حضرمی کے حوالے سے نقل کی ہے' بعینہ یہی حدیث ہم نے امالی ابن سمعون میں بھی روایت کی ہے۔ (۲) ابو ہریرہؓ کی روایت ابو الشیخ کی کتاب طبقات الاصبھانیین میں

کی خواہش پیدا ہو' وہ لوگ اُتریں' اور یہ شخص ایک گوشہ میں نماز پڑھنے لگے (اور اتنی دیر تک پڑھے کہ) اپنے ساتھیوں کو روانگی کے لیے بیدار کرے' تین آدمیوں کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے' ایک زیادہ قسمیں کھانے والا تاجر' دوسرا متکبر فقیر' اور تیسرا احسان جتانے والا بخیل۔

ان مضامین پر مشتمل کچھ روایات حسب ذیل ہیں:

قال ویل للذی یحدث فیکذب لیضحک بہ القوم ویل لہ ویل لہ (ابوداؤد' ترمذی' نسائی۔ بہزا بن حکیم عن أبیہ عن جدہ)

فرمایا: اس شخص کے لیے ہلاکت ہو جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولے اس کے لیے ہلاکت ہو' اس کے لیے بربادی ہو۔

قال: رأیت کان رجلا جاءنی فقال لی قم فقمت معہ فاذا انا برجلین احدھما قائم والاخر جالس بید القائم کلوب من حدید یلقمہ فی شدق الجالس فیجذبہ حتی یبلغ کاھلہ ثم یجذبہ فیلقمہ الجانب الاخر فیمدہ' فاذا مدہ رجع الاخر کما کان' فقلت للذی اقامنی ما ھذا فقال ھذا رجل کذاب یعذب فی قبرہ الی یوم القیامۃ (بخاری۔ سمرۃ بن جندب)

فرمایا: میں نے دیکھا گویا ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھ سے کہنے لگا چلو' میں اس کے ساتھ چل پڑا' اتنے میں میں نے دو آدمیوں کو دیکھا' ان میں سے ایک کھڑا ہوا تھا اور دوسرا بیٹھا ہوا تھا کھڑے ہوئے شخص کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہے جسے وہ بیٹھے ہوئے شخص کے باچھ میں ڈال کر اتنا چیرتا ہے کہ وہ اس کے کاندھوں تک آجاتی ہے پھر اس گرز کو کھینچ لیتا ہے اور باچھ کی دوسری جانب میں ڈال کر ایسا ہی کرتا ہے' جب وہ اسے کھینچتا ہے تو پہلی باچھ اپنی اصل حالت پر آجاتی ہے' میں نے اس شخص سے جس نے مجھے چلنے کے لیے کہا تھا پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ جھوٹا شخص ہے اسے قیامت تک قبر میں اسی طرح عذاب دیا جاتا رہے گا۔

عبداللہ ابن جراد کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مؤمن زنا کرتا ہے؟ فرمایا ہاں کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے' میں نے پوچھا کیا وہ جھوٹ بولتا ہے؟ فرمایا: نہیں! اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ (پ ۱۴ ر ۲۰ آیت ۱۰۵)

پس جھوٹ افتراء کرنے والے تو یہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَفَرْجِيْ مِنَ الزِّنَا وَلِسَانِيْ مِنَ الْكِذْبِ (۱)

قال: ثلاث لا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم شیخ زان وملک کذاب وعائل مستکبر (مسلم۔ ابوہریرہ)

اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے میری شرمگاہ کو زنا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے پاک کر۔ فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں جن سے نہ اللہ تعالیٰ بات کرے گا' نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا' ایک زنا

---

(۱) اس کے راوی ابن سعید کے بجائے ام معبد ہیں' جیسا خطیب نے اپنی تاریخ میں نقل کی ہے لیکن اس میں یہ لفظ نہیں ہے "وفرجی من الزنا" اور اس لفظ کا اضافہ ہے "وعملی من الریاء وعینی من الخیانۃ"

کرنے والا بوڑھا دوسرا جھوٹ بولنے والا بادشاہ اور تیسرا متکبر فقیر۔

عبداللہ ابن عامر فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے میں اس وقت چھوٹا تھا اس لیے کھیلنے چلا گیا' میری والدہ نے کہا اے عبداللہ! یہاں آؤ میں تجھے ایک چیز دوں گی' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تم کیا چیز دینا چاہتی تھیں' انہوں نے عرض کیا: کھجور' فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتیں تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (ابوداؤد)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لو افاء اللہ علی نعما عدد هذا الحصی لقسمتها بينكم ثم لا تجدونی بخيلا ولا كذابا ولا جبانا (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان کنکریوں کے برابر نعمتیں عطا فرمائے تو میں وہ سب تم لوگوں میں تقسیم کرڈالوں' پھر تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے' نہ جھوٹا اور نہ بزدل۔

ایک مرتبہ آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے' اس حالت میں یہ ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں وہ گناہ بتلاؤں جو کبیرہ گناہوں میں بھی بڑے ہیں' اس کے بعد آپ نے فرمایا: شرک باللہ' اور نافرمانی والدین پھر آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: جھوٹ بھی کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ ہے۔ (بخاری و مسلم۔ ابوبکرۃ)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان العبد ليكذب الكذبة فيتباعد الملك عنه مسيرة ميل من نتن ما جاء به (ترمذی)

بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو سے (متنفر ہو کر) ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تقبلوا الی بست اتقبل لكم بالجنة فقالوا وما من قال اذا حدث احدكم فلا يكذب واذا وعد فلا يخلف' واذا ائتمن فلا يخن وغضوا ابصاركم واحفظوا فروجكم وكفوا ايديكم (مستدرک حاکم۔ خرائطی مکارم الاخلاق)

میری چھ باتیں مان لو میں تمہارے لیے جنت کا وعدہ کرتا ہوں' صحابہ نے عرض کیا: وہ چھ باتیں کیا ہیں' فرمایا: جب بات کہو تو جھوٹ نہ بولو' وعدہ کرو تو خلاف نہ کرو' امانت میں خیانت نہ کرو' نگاہیں نیچی رکھو' اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو' اور ہاتھوں کو (ایذا سے) روکو۔

وقال: ان للشيطان كحلا ولعوقا ونشوقا اما لعوقه فالكذب' واما نشوقه فالغضب واما كحله فالنوم (طبرانی' ابو نعیم۔ انس)

اور فرمایا: شیطان کے لیے ایک سرمہ' ایک چٹنی اور ایک خوشبو ہے' اس کی چٹنی جھوٹ ہے' اس کی خوشبو غصہ ہے' اور اس کا سرمہ نیند ہے۔

ایک روز حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ جس جگہ میں آج کھڑا ہوا ہوں اسی جگہ کھڑے ہو کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ نصیحت فرمائی تھی:

احسنوا الی اصحابی ثم الذين يلونهم ثم يفشو الكذب حتى يحلف الرجل على اليمين ولم يستحلف ويشهد ولم يستشهد (ترمذی' نسائی۔ ابن عمرؓ)

میرے اصحاب کے ساتھ اچھا سلوک کرو' پھر ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے بعد ہیں۔ پھر جھوٹ پھیل جائے گا یہاں تک کہ ایک شخص حلف لے گا حالانکہ اس سے حلف نہیں لیا جائے گا گواہی دے گا حالانکہ اس سے گواہی نہ مانگی جائے گی۔

وقال: من حدث عنی بحدیث وھو یری انہ کذب فھو احد الکاذبین (مسلم۔ سمرۃ بن جندبؓ)
اور فرمایا جو شخص مجھ سے کوئی حدیث بیان کرے اور جانتا ہو کہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں ایک ہے۔

وقال: من حلف علی یمین مآثم لیقتطع بھا مال امری مسلم بغیر حق لقی اللہ عزوجل وھو علیہ غضبان (بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ)
اور فرمایا جو شخص کسی مسلمان کا مال ناحق ہتھیانے کے لیے گناہ پر قسم کھائے وہ باری تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ وہ اس سے ناراض ہوں گے۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے گواہ کی گواہی قبول کرنے سے انکار کردیا تھا جس نے ایک بات جھوٹی کہی تھی (ابن ابی الدنیا فی الصمت۔ موسیٰ ابن شیبہؒ) ایک روایت میں ہے:

کل خصلۃ یطبع او یطوی علیھا المسلم الا الخیانۃ والکذب (۱)
مسلمان کی طبیعت میں خیانت اور جھوٹ کے علاوہ ہر خصلت ہو سکتی ہے۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ سے زیادہ کوئی عادت ناپسند نہیں تھی' چنانچہ آپ کو اگر کسی صحابی کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ دروغ گو ہے تو آپ کے دل میں کدورت بیٹھ جاتی اور اس وقت تک آپ کا دل صاف نہ ہوتا جب تک یہ معلوم نہ ہو جاتا کہ اس نے اللہ سے اپنے گناہ کی نئے سرے سے توبہ نہیں کرلی ہے۔ (مسند احمد) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے پروردگار! تیرے بندوں پر عمل کے اعتبار سے کون اچھا ہے؟ جواب آیا وہ بندہ جس کی زبان جھوٹ نہ بولتی ہو' جس کے دل میں بدکاری کا خیال نہ آتا ہو' اور جس کی شرمگاہ زنا میں مبتلا نہ ہوتی ہو۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جھوٹ مت بولنا اگرچہ جھوٹ چڑیا کے گوشت کی طرح لذیذ ہوتا ہے' لیکن ذرا سے جھوٹ کی برائی متکلم کو ہلاک کردیتی ہے' سچائی کی تعریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد منقول ہے:

اربع اذا کن فیک فلا یضرک مافاتک من الدنیا صدق الحدیث' وحفظ الامانۃ' وحسن خلق وعفۃ طعمۃ (خرائطی۔ عبداللہ بن عمرؓ)
اگر چار چیزیں تجھ میں ہوں تو تجھے دنیا کی حاصل نہ ہونے والی چیزوں سے نقصان نہیں ہوگا' راست گفتاری' امانت کی حفاظت' خوش خلقی' اور لقمۂ حلال۔

حضرت معاذؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصیحت فرمائی۔

اوصیک بتقوی اللہ' بصدق الحدیث' و اداء الامانۃ' والوفاء بالعھد' وبذل الطعام' وخفض الجناح (ابونعیم فی الحلیۃ)
میں تجھے اللہ سے ڈرنے' سچ بولنے' امانت ادا کرنے' عہد پورا کرنے' کھانا کھلانے اور تواضع سے پیش آنے کی نصیحت کرتا ہوں۔

آثار: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ جھوٹی بات ہے' اور بدترین ندامت قیامت کے روز کی ندامت ہے' حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے پاجامہ باندھنا شروع کیا (یعنی شعور پیدا ہوا) کبھی جھوٹ نہیں بولا' حضرت عمر ابن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ جب تک ملاقات نہیں ہوتی ہمیں تم میں سب سے اچھا وہ معلوم ہوتا ہے جس کا نام سب سے اچھا ہو' پھر جب ملاقات ہو جاتی ہے تو وہ اچھا لگتا ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو' اور جب آزما لیتے ہیں تو پھر وہ

---

(۱) یہ روایت ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ابو امامہ سے' ابن عدی نے اپنے مقدمۂ کامل میں سعد ابن ابی وقاصؓ' ابن عمرؓ اور ابو امامہؓ سے نقل کی ہے۔ ابن ابی الدنیا نے بھی کتاب الصمت میں سعد سے مرفوع و موقوف دونوں طرح تخریج کی ہے۔

اچھا معلوم ہوتا ہے جو صدق و امانت میں سب سے آگے ہو۔ میمون بن ابی شبیب کہتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا ایک خط لکھ رہا تھا' اچانک ایک لفظ پر میرا قلم رُک گیا' اسے لکھتا ہوں تو خط عمدہ ہو جاتا ہے لیکن جھوٹ سے دامن نہیں بچا پاتا' میں نے سوچا کہ اس لفظ کو ترک کروں' اور وہ لفظ لکھوں جو صداقت کا آئینہ دار ہو اسی وقت گھر کی طرف سے آواز آئی۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (پ ۱۳ ر ۱۶ آیت ۲۷)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات (کلمۂ طیبہ کی برکت) سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے۔

شعبی کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم جھوٹ اور بخل میں سے کون دوزخ کی زیادہ گہرائی تک لے جائے گا' ابن السماک کہتے ہیں کہ میرے خیال میں مجھے جھوٹ نہ بولنے میں کوئی ثواب نہیں ملے گا کیوں کہ میں دنیا کی حیثیت اور غیرت کی خاطر جھوٹ نہیں بولتا۔ خالد ابن صبیح سے کسی نے پوچھا کیا ایک جھوٹ بولنے والے کو بھی کاذب (جھوٹا) کہا جائے گا انہوں نے جواب دیا ہاں وہ بھی جھوٹا ہی ہے۔ مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ واعظ کا وعظ اس کے عمل کی ترازو میں رکھا جائے گا اگر وہ اس کے عمل کے مطابق ہوا تو خیر ورنہ واعظ کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جائیں گے' جب بھی کٹیں گے دوسرے پیدا ہو جائیں گے' یہ عذاب مسلسل ہوتا رہے گا یہ بھی فرمایا کہ آدمی کے دل میں جھوٹ اور سچ کی کشمکش اور نزاع جاری رہتا ہے' یہاں تک کہ ایک دوسرے پر غالب آجاتا ہے اور اسے اپنی مملکت سے باہر کر دیتا ہے' ایک مرتبہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے ولید بن عبدالملک سے کوئی بات کہی ولید نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو عمرؒ نے جواب دیا خدا کی قسم جب سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ جھوٹ بری چیز ہے میں نے جھوٹ نہیں بولا۔

کن مواقع پر جھوٹ بولنا جائز ہے : جاننا چاہیے کہ جھوٹ اپنی ذات کی وجہ سے حرام نہیں ہے' بلکہ اس لیے حرام ہے کہ اس سے مخاطب کو یا دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے' سب سے کم درجہ کا نقصان یہ ہے کہ وہ ایک ایسی چیز کا اعتقاد کر لیتا ہے جس کا حقیقت میں وجود نہیں ہوتا' اور امر واقعی سے جاہل رہ جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی حقیقت سے ناواقف رہنے ہی میں منفعت اور مصلحت ہوتی ہے' اس صورت میں جھوٹ کی اجازت ہے' بلکہ بعض اوقات جھوٹ بولنا واجب ہے میمون ابن مہران کہتے ہیں کہ بعض مواقع پر جھوٹ بولنا سچ بولنے سے بہتر ہے مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی کے پیچھے تلوار لے کر دوڑے اسے قتل کرنا چاہے وہ قتل کے خوف سے تمہارے یہاں کسی جگہ چھپ جائے اور دوسرا شخص تم سے یہ معلوم کرے کہ کیا تم نے فلاں شخص کو کہیں دیکھا ہے' اس صورت میں کیا تم یہ نہیں کہو گے کہ مجھے نہیں معلوم' تم اسے اس کے چھپنے کی جگہ سے آگاہ نہیں کرو گے' ایسا کرنا تم پر واجب ہوگا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کلام مقاصد کے وسیلے کی حیثیت رکھتا ہے اگر کسی اچھے مقصد تک پہنچنا جھوٹ اور سچ دونوں ذریعوں سے ممکن ہو تو جھوٹ بولنا حرام ہے' اور اگر صرف جھوٹ ہی کے ذریعہ ممکن ہو تو جھوٹ بولنا مباح ہے اگر وہ مقصد مباح ہو' اور واجب ہے اگر وہ مقصد واجب ہو' چنانچہ مسلمان کے خون کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ اس لیے اگر سچ بولنے سے مسلمان کی جان ضائع جاتی ہے تو جھوٹ بولنا واجب ہے اسی طرح اگر جنگ میں دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے میں اور مظلوم کے دل سے خوف وہراس دور کرنے میں جھوٹ کے بغیر چارہ نہ ہو تو جھوٹ بولنا مباح ہے' لیکن اس سے بھی حتی الامکان بچنا چاہیے' کیونکہ بعض اوقات آدمی کی زبان ضروری جھوٹ سے تجاوز کر کے غیر ضروری جھوٹ تک تجاوز کر جاتی ہے۔ اس صورت میں جھوٹ صرف اس حد تک جائز ہوگا جہاں اس کی ضرورت تھی' اور جو بات ضرورت سے زائد تھی وہ حرام ہوگی۔ استثناء پر یہ روایات دلالت کرتی ہیں حضرت اُمّ کلثومؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تین مواقع کے علاوہ کبھی جھوٹ کی اجازت دیتے ہوئے نہیں سنا' ایک دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے' دوسرے جنگ میں' تیسرے میاں بیوی کی باہمی گفتگو کے دوران (مسلم) ان سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لیس بکذاب من اصلح بین اثنین' فقال خیرا او نمی خیرا (بخاری و مسلم)

دو شخصوں کے درمیان اچھی بات کہہ کے' اور خیر کا ذکر کر کے صلح کرانے والا جھوٹا نہیں ہے۔

اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کل الکذاب یکتب علی ابن آدم الا رجل کذب بین مسلمین لیصلح بینھما (احمد' ترمذی مختصرا)

انسان کا ہر جھوٹ لکھا جاتا ہے لیکن اس شخص کا جھوٹ نہیں لکھا جاتا جو دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولے۔

ابو کاہل روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں کے درمیان تیز کلامی ہوئی' یہاں تک کہ وہ لڑنے کے لیے تیار ہو گئے' ان میں سے ایک کی ملاقات مجھ سے ہوئی تو میں نے اس سے کہا تم فلاں شخص سے لڑنا چاہتے ہو حالانکہ وہ تمہاری تعریف کیا کرتا ہے' یہی بات میں نے دوسرے فریق سے کہی' اس طرح دونوں نے صلح کرلی' میں نے دل میں سوچا کہ میری کوشش سے ان دونوں کے درمیان صلح ہو گئی لیکن میں خود جھوٹ بول کر تباہ و برباد ہو گیا' میں نے اس واقعے کی اطلاع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی' آپ نے فرمایا:

یا اباکاھل اصلح بین الناس ولو بالکذب (طبرانی)

اے ابو کاہل لوگوں کے درمیان صلح کراؤ' خواہ جھوٹ ہی بولنا پڑے۔

عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اپنی بیوی سے جھوٹ بول لیا کروں؟ آپ نے فرمایا جھوٹ میں خیر نہیں ہے' اس نے پوچھا وعدہ کرلیا کروں؟ آپ نے فرمایا وعدہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (ابن عبدالبر فی التمہید' صفوان بن سلیم عن عطاء بن یسار مرسلاً)

عہد عمرؓ کا قصہ ہے' ابن ابی عذرہ الدؤلی نام کا ایک شخص کثرت سے نکاح کرتا تھا اور ان سے خلع کرلیا کرتا تھا' اس کی اس عادت کا لوگوں میں بڑا چرچا ہوا' حضرت عمرؓ تک یہ بات پہنچی تو انہیں بھی اچھی معلوم نہیں ہوئی' جب اسے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ میری اس عادت سے خفا ہیں تو حضرت زید ابن ارقم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لایا' اور اپنی بیوی سے کہنے لگا میں تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تو مجھ سے نفرت کرتی ہے' اس عورت نے کہا قسم دے کر مت پوچھ' اس نے اصرار کیا' عورت نے اعتراف کیا کہ میں واقعتہً تجھے دل سے ناپسند کرتی ہوں۔ زید ابن ارقم یہ گفتگو سنتے رہے' پھر یہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے' ابن ابی عذرہ نے عرض کیا کہ آپ سب لوگ مجھ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ میں اپنی بیویوں پر ظلم کرتا ہوں' اور انہیں طلاق دے دیتا ہوں' آپ زید ابن ارقم سے معلوم کریں آپ نے زید ابن ارقم سے دریافت کیا' انہوں نے پورا واقعہ سنایا' عورت کی طلبی ہوئی وہ اور اس کی پھوپھی دونوں حاضر ہوئیں' آپ نے پوچھا کیا تو نے ہی اپنے شوہر سے ایسی بات کہی ہے' اس نے کہا میں نے ایسا کہا ہے' اور اب میں اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتی ہوں۔ دراصل میرے شوہر نے مجھے قسم دے کر یہ بات معلوم کی تھی' میں جھوٹ بولنے کی ہمت نہ کرسکی' اور سچی بات کہہ دی کیا میں جھوٹ بول دیا کروں' آپ نے فرمایا ہاں جھوٹ بول دیا کرو۔ تم اگر اپنے شوہروں کو پسند نہ کرو تو اس کا اظہار نہ کیا کرو کیوں کہ گھر کی سلامتی میاں بیوی کی محبت میں منحصر ہے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اسلام اور احسان کے سائے میں زندگی گزاریں۔

نواس ابن سمعان کلابی سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مالی اراکم تتھافتون فی الکذب تھافت الفراش فی النار' کل الکذب یکتب علی ابن آدم لا محال الا ان یکذب الرجل فی الحرب' فان الحرب خدعہ او یکون بین الرجلین شحناء فیصلح بینھما او یحدث امراتہ یرضیھا (ابوبکر

بن لال فی مکارم الاخلاق)

یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں جھوٹ پر اس طرح گرتے ہوئے دیکھتا ہوں جس طرح پروانہ آگ پر گرتا ہے'
ابن آدم کے نامۂ اعمال میں ہر جھوٹ یقینی طور پر لکھا جائے گا الا یہ کہ کوئی شخص جنگ میں جھوٹ بولے۔
اس لیے کہ جنگ دھوکا ہے یا دو آدمیوں میں کینہ ہو اور وہ جھوٹ بول کر ان میں صلح کرادے' یا اپنی بیوی کو
خوش کرنے کے لیے جھوٹ کہہ دے۔

ثوبان فرماتے ہیں کہ ہر جھوٹ گناہ ہے' ہاں اگر اس میں کسی مسلمان کا فائدہ مضمر ہو یا اس سے ضرر دُور ہوتا ہو تو گناہ نہیں ہے' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کوئی جھوٹی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے سے بہتر میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے آسمان سے نیچے گرا دیا جائے' البتہ جنگ میں جھوٹ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جنگ میں فریب ہوتا ہی ہے۔ بہرحال یہ تین مواقع ہیں جہاں جھوٹ بولنے کی صریح اجازت منقول ہے۔ وہ مواقع بھی انہی کے ساتھ مربوط ہوسکتے ہیں جن سے اس کی یا کسی دوسرے کے صحیح مقاصد اور شرعی مصالح متعلق ہوں۔ مثلاً اگر کوئی ظالم پکڑ لے اور مال کا پتا دریافت کرے تو لاعلمی ظاہر کرنا جائز ہے' اسی طرح اگر حاکم وقت بُلا کر اس جرم کے بارے میں جاننا چاہے جو چھپ کر کیا گیا ہے تو اس سے بھی انکار کردینا جائز ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من ارتکب شیئا من هذه القاذورات فلیستتر بستر اللّٰہ (۱) (حاکم۔ ابن عمرؓ)
جو شخص ان برائیوں (زنا' چوری وغیرہ) کا مرتکب ہوجائے اسے ان برائیوں کو مخفی رکھنا چاہیے۔

یہ ممانعت اس لیے وارد ہوئی کہ برائی کا اظہار کرنا بھی برائی ہے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اپنی جان' مال اور آبرو کی حفاظت کی خاطر جھوٹ بولنا جائز ہے۔

دوسروں کے مقاصد کے لیے جھوٹ کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کا راز جاننا چاہے تو یہ کہہ دے میں نہیں جانتا' یا دو شخصوں میں جھوٹ بول کر صلح کرادے' یا اپنی بیویوں میں یہ حکمت عملی اپنائے کہ ہر ایک سے بے پایاں محبت کا اظہار کرے' خواہ دل میں ان کی محبت زیادہ نہ ہو' یا بیوی کو خوش کرنے کے لیے کسی ایسی چیز کا وعدہ کرلے جس کا مہیا کرنا دائرۂ مقدرت سے خارج ہو' یا کسی ایسے شخص سے جس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہ محبت کے اظہار اور مستقبل میں کسی کوتاہی کے امکان سے انکار کے بغیر خوش نہ ہوگا عذر کردے' لیکن کیونکہ جھوٹ بُری چیز ہے' اگر ان مواقع پر سچ بولنے سے کوئی خرابی لازم آتی ہو تو دونوں برائیوں میں موازنہ کرنا چاہیے' اگر جھوٹ کی برائی زیادہ ہے تو سچ بولنا واجب ہے سچ بولنے کی برائی زیادہ ہے تو جھوٹ بولے۔ بعض اوقات دونوں امر اتنے مساوی ہوجاتے ہیں کہ کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اس صورت میں سچ بولنا زیادہ بہتر ہے' اس لیے کہ جھوٹ کسی اہم ضرورت کے لیے مباح کیا گیا ہے' اگر اس ضرورت کے اہم ہونے ہی میں تردد ہو تو حرمت اپنی جگہ باقی رہے گی' اور اصل۔ تحریم۔ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ مقاصد کے درجات انتہائی دقیق ہیں ہر شخص کے لیے ان کا ادراک کرنا ممکن نہیں ہے' اس لیے جہاں تک ممکن ہو اس سے بچنا ہی اچھا ہے۔ اگر کوئی ضرورت بھی وابستہ ہو تب بھی جھوٹ ترک کردینا چاہیے' البتہ اگر جھوٹ کا تعلق کسی دوسرے کی ضرورت سے ہو تو اس کے حق کا تقاضا یہ ہے کہ جھوٹ بولا جائے تاکہ اسے نقصان نہ ہو۔ عام طور پر لوگ اپنے شخصی مفادات کے لیے جھوٹ بولتے ہیں' تاکہ مال زیادہ ہو' جاہ و منصب ملے' اور ان امور میں وسعت ہو جن کا نہ ملنا بھی مُضر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ بعض عورتیں محض اپنی سوتنوں کو جلانے کے لیے خاوند کی طرف بعض جھوٹی باتیں منسوب کردیتی ہیں' مثلاً یہ کہ مجھے اتنا زیور دیا ہے' مجھے فلاں لباس بنا کر دیا ہے' میرے لیے فلاں چیز لے کر آئے ہیں' یہ سب باتیں حرام ہیں' حضرت اسماءؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے ایک عورت کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کرتے ہوئے سنا ہے کہ میری

---

(۱) روایت کے الفاظ یہ ہیں اجتنبوا هذه القاذورات التی نهی اللّٰہ عنها فمن الم بشیء منها فلیستتر بستر اللّٰہ۔

ایک سوت ہے اور میں اس کو جلانے کے لیے یہ کہہ دیتی ہوں کہ مجھے شوہر نے فلاں فلاں چیزیں دی ہیں' حالانکہ یہ جھوٹ ہوتا ہے کیا مجھے اس جھوٹ سے نقصان ہوگا" آپ نے فرمایا:۔

المتشبع بمالم یعط کلابس ثوبی زور (بخاری و مسلم۔ ابوبکر الصدیق)

جسے کوئی چیز نہیں دی گئی اور وہ یہ ظاہر کرے کہ مجھے دی گئی ہے وہ جھوٹ کے کپڑے پہننے والے جیسا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

من تطعم بمالا یطعم وقال لی ولیس لہ واعطیت ولم یعط کان کلابس ثوبی زور یوم القیامۃ (۱)

جو شخص اپنی غذا وہ ظاہر کرے جو اس نے کھائی نہ ہو' اور کہے میرے پاس یہ چیز ہے اور اس کے پاس وہ چیز نہ ہو' یا یہ کہے مجھے فلاں چیز ملی ہے اور وہ چیز اسے نہ ملی ہو تو وہ قیامت کے روز ایسا ہوگا جیسے فریب کا لباس پہننے والا۔

اسی میں عالم کا وہ فتویٰ بھی داخل ہے جس کی اسے تحقیق نہ ہو' اور وہ حدیث بھی داخل ہے جس کے مستند ہونے کی تصدیق نہ ہو' کیوں کہ اس کا مقصد اپنے علم و فضل اور اپنی برتری کا اظہار ہوتا ہے اس لیے وہ لَا اَدْرِیْ (میں نہیں جانتا) کہنے میں اپنی توہین سمجھتا ہے' بلا تحقیق فتویٰ دینا اور حدیث بیان کرنا حرام ہے۔

بچوں کے ساتھ جھوٹ بولنے کا حکم بھی وہی ہے جو عورتوں کے ساتھ بولنے کا ہے' اگر بچہ ترغیب وعدے اور جھوٹے ڈراوے کے بغیر پڑھنے نہیں جاتا تو اس سے جھوٹا وعدہ کرلینا یا اس سے جھوٹی ترغیب دینا یا جھوٹ موٹ ڈرا دینا جائز ہے۔ ہم نے پچھلے صفحات میں ایک حدیث نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کے وعدے اور بہلاوی جھوٹ کے دائرے میں آتے ہیں' یہ حدیث اپنی جگہ صحیح ہے' اور ہماری وضاحت بھی درست ہے' اس لیے کہ جائز جھوٹ بھی نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور اس کا محاسبہ بھی ہوگا کہ جھوٹ بولنے کا مقصد صحیح تھا یا نہیں۔ بہرحال اگر مقصد بچے کی اصلاح ہو تو اس طرح کا جھوٹ مباح ہے۔ لیکن اس میں دھوکا بہت ہوتا ہے' کیوں کہ بعض اوقات نفسانی اغراض محرک بن جاتی ہیں' اور وہ جھوٹ بولنے پر مجبور کرتی ہیں' بظاہر یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ میں اصلاح کی خاطر جھوٹ بول رہا ہوں۔ لیکن حقیقت میں اپنی کسی خواہش کی تکمیل مقصود ہوتی ہے' اس لیے یہ جھوٹ لکھا جائے گا' اور اس پر مواخذہ ہوگا۔

جو شخص جھوٹ بولتا ہے اس کے لیے اجتہاد کرنا ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ جس مقصد کے لیے جھوٹ بول رہا ہے وہ شرعی نقطۂ نظر سے سچ سے زیادہ اہم ہے یا نہیں۔ یہ ایک پرخطر اور نازک ترین مرحلہ ہے' بسا اوقات انسان کی محدود عقل صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر رہ جاتی ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ جھوٹ ترک کرے سچ بولے۔ اِلّا یہ کہ کسی موقع پر جھوٹ بولنا ہی واجب ہو' مثلاً یہ کہ جھوٹ بولے بغیر جان نہ بچتی ہو' یا کسی گناہ کے ارتکاب کا اندیشہ ہو۔

ترغیب و ترہیب کے لیے احادیث گھڑنا صحیح نہیں: بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اعمال کے فضائل اور معاصی کی برائی کو کثرت کے ساتھ ظاہر کرنے کے لیے احادیث گھڑنا صحیح ہے' وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مقصود کی سلامتی اور اہمیت کے پیش نظر اس کی اجازت ہے' یہ ایک واضح غلطی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار (بخاری و مسلم)

جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ گھڑے اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالینا چاہیے۔

اس روایت پر عمل نہ کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی' ترغیب و ترہیب کے لیے احادیث گھڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے' قرآن

(۱) مجھے یہ روایت ان الفاظ میں نہیں ملی۔

کریم کی بے شمار آیات اور لاتعداد روایات اس ضرورت کو پورا کرتی ہیں' بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صحیح روایات اتنی بار سنی جاچکی ہیں اور بیان کی جاچکی ہیں کہ اب ان میں وہ اثر باقی نہیں رہا ہے جس کی ضرورت ہے' لوگوں کی اصلاح کے لیے نئے نئے مضامین بیان کرنے کی ضرورت ہے' یہ ایک لغو اور باطل خیال ہے' اللہ تعالیٰ پر اور اس کے نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا سے بڑھ کر کوئی دوسری معصیت نہیں ہو سکتی' دوسروں کو معصیت سے بچانے کے لیے خود معصیت میں مبتلا ہونا نہ عقل کے نزدیک مستحسن ہے اور نہ شرع کی نظر میں پسندیدہ۔ دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس معصیت سے بچائے۔

کنایتہً بھی جھوٹ نہ بولنا چاہیے : سلف سے منقول ہے کہ کنایتہً جھوٹ بولنا کذب کے دائرے میں نہیں آتا' حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ اگر آدمی کنایتہً جھوٹ کہہ دے تو جھوٹ سے بچ جاتا ہے' حضرت عبداللہ ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی اسی طرح کے اقوال روایت کئے گئے ہیں۔ ان تمام بزرگوں کا مقصود یہ ہے کہ اگر انسان جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جائے تو اسے کنایتہً جھوٹ بول دینا چاہیے اگر یہ کنایہ کفایت کر جائے۔ اگر ضرورت اور مجبوری نہ ہو تو نہ صراحت جائز ہے اور نہ کنایہ۔ تاہم کنایہ میں نرمی ہے۔

کنایہ کی مثال یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ مطرف زیاد کے پاس گئے' اس نے پوچھا اتنے دنوں میں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے ایک مرض کا بہانہ کیا اور کہنے لگے جب سے میں آپ کے پاس سے گیا ہوں کروٹ بھی نہیں لی اِلّا یہ کہ اللہ نے چاہا ہو کہ میں کروٹ لوں۔ ابراہیم ابن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمہارے حوالے سے کوئی غلط بات کہے اور تم اس کی تکذیب نہ کرنا چاہو تو یہ کہہ دیا کرو ان اللہ تعالیٰ لیعلم ماقلت من ذلک من شئی (اللہ جانتا ہے جو کچھ میں نے اس سلسلے میں کہا) یا (اللہ جانتا ہے میں نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کیا) اس صورت میں حرفِ "ما" سامع کے نزدیک نفی کے لیے' اور اس شخص کے نزدیک جس نے تمہاری طرف غلط بات منسوب کی ہے ابہام کے لیے ہوگی۔ معاذ بن جبلؓ حضرت عمرؓ کے عامل تھے جب وہ گھر واپس آئے تو ان کی اہلیہ نے پوچھا تم بھی اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ لے کر آئے ہو یا نہیں؟ دوسرے عمال تو لے کر آتے ہیں' انہوں نے کہا میں کچھ نہیں لایا' میرے ساتھ ایک نگراں موجود تھا' ان کی بیوی یہ سن کر متعجب ہوئیں' اور کہنے لگیں عجیب بات ہے' تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی امین تھے' اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں بھی امین رہے ان دونوں نے تم پر کبھی کوئی نگراں مقرر نہیں کیا' حضرت عمرؓ نے ایسا یوں کیا' یہ بات انہوں نے دوسری عورتوں سے بھی کہی' اس کا اس قدر چرچا ہوا کہ کسی نے حضرت عمرؓ سے بھی جاکر یہ کہہ دیا' آپ نے حضرت معاذ کو بلایا اور پوچھا میں نے تمہارے ساتھ کس شخص کو نگراں بنا کر بھیجا تھا؟ حضرت معاذ نے کہا کہ میری بیوی نے دوسرے عمال کے حوالے سے کہا تھا کہ وہ اپنے گھر تحفے تحائف لے کر آتے ہیں تم کیوں نہیں لائے' میں نے اس کے جواب میں یہی کہہ دیا کہ میرے ساتھ ایک نگراں تھا' میرا مطلب یہ تھا کہ باری تعالیٰ میرے نگراں تھے اور میرا ہر عمل ان کے سامنے تھا' یہ سن کر حضرت عمرؓ مسکرائے' اور انہیں کچھ دے کر کہا یہ لے جاؤ اور اپنی بیوی کو راضی کرو۔ نخعیؒ اپنی بیٹی سے کبھی یہ نہ کہتے کہ میں تجھے مٹھائی لے کر دوں گا' بلکہ یہ کہتے اگر میں تجھے مٹھائی لا دوں۔ کیوں کہ بعض اوقات وہ مٹھائی خرید نہ پاتے تھے' اسی طرح اگر کسی وقت گھر سے نکلنا مقصود نہ ہوتا اور کوئی آواز دیتا تو لونڈی سے فرماتے کہ اس سے کہہ دو مسجد میں جاکر تلاش کرے' یہ مت کہنا گھر میں نہیں ہیں ورنہ جھوٹ ہو جائے گا۔ شعبیؒ ایسے موقعوں پر ایک دائرہ کھینچ دیتے اور خادم سے کہتے کہ اس دائرے میں ہاتھ رکھ کہ کہہ دے یہاں نہیں ہیں۔ کنایتہً جھوٹ بولنا بھی ضرورت کے وقت مباح ہے' بلا ضرورت نہ بولنا چاہیے۔ کیوں کہ اس سے دوسرا شخص خلاف واقعہ بات سمجھتا ہے' اگرچہ یہ لفظوں میں جھوٹ نہیں ہے' لیکن فی الجملہ مکروہ ہے' جیسا کہ عبداللہ ابن عتبہ سے مروی ہے کہ میں اپنے والد کے ساتھ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی خدمت میں حاضر ہوا' میرا لباس دیکھ کر لوگ کہنے لگے کیا یہ لباس تمہیں امیرالمومنین نے عطا کیا ہے' میں نے کہا اللہ امیرالمومنین کو جزائے خیر دے' میرے والد نے کہا بیٹے جھوٹ سے بچ' حالانکہ یہ محض دعا تھی' جھوٹ نہ تھا اس کے باوجود میرے والد نے منع کیا' کیوں کہ لوگ اس جواب سے یہی سمجھتے کہ یہ لباس امیرالمومنین کا عطا کردہ ہے' حالانکہ حقیقت اس کے خلاف تھی' اس صورت میں کوئی

بات ایسی کہنا جس سے لوگوں کے خیال کی تصدیق ہو محض نام و نمود اور مفاخرت کے لیے ہوتی۔ البتہ کنایات معمولی مقاصد کے لیے مباح ہیں جیسے کسی شخص کا دل خوش کرنے کے لیے مزاح کرلیا جائے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھیا سے فرمایا کہ بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔ ایک عورت سے فرمایا تیرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے' ایک عورت سے کہ ہم تجھے سواری کے لیے اونٹ کا بچہ دیں گے' صریح جھوٹ کی مثال میں نعیمان انصاریؓ کا یہ واقعہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایک اندھے کو حضرت عثمانؓ کے پاس لے جاکر کھڑا کردیا اور اس کو بھکانے کے لیے کہہ دیا کہ یہ نعیمان انصاری ہیں' یا جیسا کہ آج کل لوگ پاگلوں سے دل لگی کیا کرتے ہیں کہ فلاں عورت تجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے یہ صحیح ہے کہ اس طرح کے جھوٹ سے بشرطیکہ مقصود ایذا نہ ہو' خوش طبعی اور دل لگی ہو۔ متکلم کو فاسق نہیں کہا جائے گا لیکن اس کے ایمان کا درجہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یکمل للمرء الایمان حتٰی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ وحتٰی یجتنب الکذب فی مزاحہ (ابن عبدالبر فی الاستیعاب۔ ابو طیکۃ الذماریؒ)

آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جب تک مزاح میں جھوٹ سے اجتناب نہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "آدمی بعض مرتبہ ایسی بات کہتا ہے کہ لوگ اس پر ہنسیں اور وہ اس کے باعث دوزخ میں ثریا سے بھی دور جا پڑتا ہے" ان ہی لوگوں کے حق میں ہے جو مزاح میں غیبت کرتے ہیں' اور دوسروں کو اذیت پہنچاتے ہیں' مطلق مزاح مراد نہیں ہے۔

ایک اور جھوٹ جس سے آدمی فاسق نہیں ہوتا وہ ہے جس سے مبالغہ مقصود ہو' مثلاً یہ کہنا کہ میں نے تجھے سو بار بلایا' یا ہزار بار فلاں بات کہی' خواہ بلانے والے نے سو بار نہ بلایا ہو یا کہنے والے نے ہزار بار وہ بات نہ کہی ہو لیکن اسے جھوٹا نہیں کہا جائے گا' کیوں کہ اس طرح کے مواقع پر عدد کی تکثیر شمار کے لیے نہیں ہوتی بلکہ مبالغے کے لیے ہوتی ہے' اب اگر کسی شخص نے محض ایک بار بلایا' یا ایک مرتبہ کچھ کہا تو یہ جھوٹ ہوگا' ہاں اگر چند بار بلایا' یا کئی مرتبہ کچھ کہا تو کوئی گناہ نہ ہوگا' اگرچہ وہ تعداد سو یا ہزار تک نہ پہنچی ہو' مبالغہ بھی خطرات سے خالی نہیں ہے' بعض مرتبہ آدمی مبالغہ سے گذر کر کذب کی حدود میں داخل ہو جاتا ہے' ایک اور جھوٹ جسے لوگ عادتاً بولتے ہیں اور اسے جھوٹ بھی نہیں سمجھتے یہ ہے کہ جب ان سے کھانا کھانے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں بھوک نہیں ہے۔ حالانکہ بھوک ہوتی ہے ایسا کہنا ممنوع و حرام ہے بشرطیکہ اس میں کوئی صحیح غرض نہ ہو۔ مجاہدؒ حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے فرمایا کہ میں اس رات حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھی جس رات میں نے انہیں سجایا سنوارا تھا' ہم کچھ عورتیں انہیں لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں' خدا کی قسم اس وقت آپ کے پاس سامان ضیافت کے طور پر ایک پیالہ دودھ کے علاوہ کچھ نہ تھا' آپ نے دودھ نوش فرمایا' اور بچا ہوا دودھ حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھایا' وہ پیالہ پکڑتے ہوئے شرمائیں' ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مت ہٹاؤ' اور لے لو' انہوں نے شرماتے ہوئے پیالہ لے لیا' اور کچھ دودھ پیا' آپ نے فرمایا باقی دودھ اپنی ساتھ والیوں کو دے دو' ہم نے عرض کیا ہمیں بھوک نہیں ہے' آپ نے فرمایا تم بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کسی چیز کو ہمارا دل چاہتا ہو اور ہم یہ کہہ دیں کہ خواہش نہیں ہے کیا ایسا کہنا جھوٹ ہوگا' آپ نے فرمایا:

ان الکذب لیکتب کذبا حتٰی تکتب الکذیبۃ کذیبۃ (ابن ابی الدنیا' طبرانی کبیر)

جھوٹ جھوٹ ہی لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ تھوڑا جھوٹ تھوڑا ہی لکھا جاتا ہے۔

بزرگان امت اس طرح کے جھوٹ میں بھی تسامح سے بچتے تھے' لیث ابن سعد کہتے ہیں کہ حضرت سعید ابن المسیب کی آنکھوں میں کیچڑ رہا کرتا تھا' اور کبھی آنکھوں سے باہر ارد گرد کی جلد پر بھی پھیل جاتا تھا' لوگ کہتے آپ یہ کیچڑ ہاتھ سے صاف

کرلیں' فرماتے کیسے کرلوں' طبیب سے کیے ہوئے وعدہ کا کیا ہوگا' اس نے مجھ سے کہا تھا کہ آنکھوں کو ہاتھ مت لگانا' میں نے وعدہ کرلیا تھا' اب میں اس کی خلاف ورزی کیسے کروں۔ اہل ورع اپنی زبان کی اسی طرح حفاظت کیا کرتے تھے' جو شخص حفاظت میں کوتاہی کرے گا اس کی زبان اس کے اختیار کی حدود سے نکل جائے گی' اور اس طرح جھوٹ بولے گی کہ وہ احساس بھی نہ کرسکے گا۔ خوات تیمی کہتے ہیں کہ ربیع ابن خیثم کی ایک بہن ان کے بیٹے کی عیادت کے لیے آئیں' اور پوچھنے لگیں بیٹے! کیا حال ہے؟ ربیع لیٹے ہوئے تھے' اٹھ کر بیٹھ گئے اور بہن سے پوچھا کیا تو نے اسے دودھ پلایا ہے' انہوں نے کہا نہیں' فرمایا: پھر تمہارا بیٹا کس طرح ہوا' تمہیں اے بھتیجے! کہنا چاہیے تھا' لوگوں کی یہ بھی عادت ہے کہ جو بات انہیں معلوم نہیں ہوتی اس کے متعلق کہہ دیتے ہیں خدا جانتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ بڑا گناہ ہے کہ بندہ جس بات کو نہ جانتا ہو اسے کہہ دے خدا جانتا ہے بعض لوگ جھوٹے خواب بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے حالانکہ اس کا گناہ بھی عظیم ہوتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان من اعظم الفریۃ ان یدعی الرجل الی غیر ابیہ او یری فی عینیہ فی المنام مالم یر' او یقول علی مالم اقل (بخاری۔ واثلۃ بن الاسقع)

بڑا بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب ہو' یا جو بات خواب میں نہ دیکھی ہو اسے دیکھی ہوئی ظاہر کرے یا مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی۔

ایک روایت میں ہے۔

من کذب فی حلم کان یوم القیامۃ ان یعقد بین شعیر تین ولیس بعاقد بینھما (بخاری۔ ابن عباسؓ)

جو شخص خواب کے سلسلے میں جھوٹ بولے اسے قیامت کے روز جو کے دو دانوں میں گرہ ڈالنے پر مجبور کیا جائے گا اور وہ گرہ نہ ڈال سکے گا۔

پندرہویں آفت :

غیبت

غیبت کی مذمت شرعی دلائل سے : اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں غیبت کی مذمت کی ہے' اور اسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ
(پ ۲۶ ر ۱۴ آیت ۱۲)

اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ (مسلم۔ ابوہریرہؓ)

کل مسلمان' اس کا خون' اس کا مال' اس کی آبرو مسلمان پر حرام ہے۔

غیبت سے مسلمان کی آبرو پر حرف آتا ہے' ایک حدیث میں ہے:۔

لاتحاسدوا ولاتباغضوا ولا یغتب بعضکم بعضا وکونوا عباد اللہ اخوانا
(بخاری ومسلم (۱)۔ ابوہریرہؓ انسؓ)

(۱) مگر اس روایت میں ولا یغتب بعضکم الخ نہیں ہے۔

نہ آپس میں حسد کرو' نہ باہم بغض رکھو' اور نہ تم میں سے بعض بعض کی غیبت کریں' اور اللہ کے بندے بھائی ہو جاؤ۔

حضرت جابرؓ اور حضرت ابو سعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ایاکم والغیبۃ فان الغیبۃ اشد من الزنا (ابن ابی الدنیا فی الصمت' ابن حبان فی الضعفاء)

غیبت سے بچو' اس لیے کہ غیبت زنا سے سخت تر ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی زنا کر کے توبہ کرے' اور اللہ اپنی رحمت سے معاف فرمادے تو اس گناہ سے نجات پاجاتا ہے لیکن غیبت کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کردے جس کی غیبت کی گئی ہو' حضرت انسؓ راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مررت لیلۃ اسری بی علی اقوام یخمشون وجوھھم باظافیرھم' فقلت یا جبرئیل! من ھولاء' قال: ھولاء الذین یغتابون الناس ویقعون فی اعراضھم (ابو داؤد مسنداً و مرسلاً)

معراج کی رات میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا جو اپنے چہروں کو ناخنوں سے نوچ کھسوٹ رہے تھے میں نے حضرت جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں' انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور ان کی آبرو سے کھیلتے ہیں۔

سلیم ابن جابر کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی' اور عرض کیا' مجھے کوئی ایسی بہترین بات بتلایئے جس سے فائدہ اٹھا سکوں' آپ نے فرمایا:۔

لا تحقرن من المعروف شیئا ولو ان تصب من دلوک فی اناء المستقی' وان تلقی اخاک ببشر حسن' وان ادبر فلا تغتابنہ (احمد بن ابی الدنیا۔ واللفظ لہ)

کسی اچھی بات کو حقیر مت سمجھنا' گو اتنی ہی کیوں نہ ہو کہ اپنے ڈول سے پیاسے کے برتن میں پانی ڈال دو' اور اپنے بھائی سے خندہ روئی سے ملو' اور جب وہ غائب ہو تو اس کی غیبت نہ کرو۔

حضرت براء بن عازبؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بلند آواز میں خطبہ ارشاد فرمایا کہ گھروں میں موجود عورتوں نے بھی سنا' آپ نے فرمایا:۔

یا معشر من آمن بلسانہ ولم یؤمن بقلبہ' لا تغتابوا المسلمین' ولا تتبعوا عوراتھم فانہ من تتبع عورۃ اخیہ تتبع اللہ عورتہ ومن تتبع اللہ عورتہ یفضحہ فی جوف بیتہ (ابن ابی الدنیا' ابوداؤد۔ ابو برزۃؓ)

اے ان لوگوں کے گروہ جو زبان سے ایمان لائے اور دل سے یقین نہیں کیا مسلمانوں کی غیبت نہ کرو' اور نہ ان کے عیوب کے درپے ہو' جو شخص اپنے بھائی کی عیب جوئی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عیب کے درپے ہوتا ہے' اور جس شخص کے عیب کے درپے اللہ ہوتا ہے اس کے گھر کے اندر رسوا کرتا ہے۔

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ جو شخص غیبت سے توبہ کر کے مرے گا وہ جنت میں سب کے بعد داخل ہوگا' اور جو توبہ کئے بغیر مرے گا وہ سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کا حکم دیا' اور ارشاد فرمایا کہ جب تک میں اجازت نہ دوں کوئی شخص افطار نہ کرے چنانچہ لوگوں نے روزہ رکھا' شام ہوئی لوگ ایک ایک کر کے آتے اور افطار کرنے کی اجازت لے کر واپس ہو جاتے' ایک

شخص نے آخر عرض کیا: یا رسول اللہ! میری دو لڑکیوں نے بھی دن بھر روزہ رکھا تھا' وہ آپ کے پاس آنے سے شرماتی ہیں' اگر اجازت ہو تو وہ بھی افطار کرلیں' آپ نے اس سے اعراض فرمایا' اس نے پھر اجازت مانگی' آپ نے فرمایا' وہ روزے سے نہیں تھیں بھلا کوئی شخص دن بھر لوگوں کا گوشت کھا کر بھی روزے سے رہ سکتا ہے؟ تو ان سے کہہ کہ اگر وہ روزے سے تھیں تو قے کریں' انہوں نے قے کی' اور ہر ایک کے منہ سے جما ہوا خون نکلا' وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور اس واقعے کی اطلاع دی' آپ نے فرمایا:-

والذی نفسی بیدہ لو بقیتا فی بطونهما لاکلتهما النار (ابن ابی الدنیا- ابن مردویہ)

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر یہ لوتھڑے ان کے پیٹوں میں رہ جاتے تو انہیں دوزخ کی آگ کھاتی۔

ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ جب آپ نے اعراض فرمایا تو وہ شخص واپس چلا گیا' کچھ دیر بعد وہ دوبارہ آیا' اور عرض کیا بخدا وہ دونوں (بھوک کی وجہ سے) مرنے کے قریب ہیں' آپ نے حکم دیا: انہیں میرے پاس لے کر آؤ' وہ دونوں حاضر ہوئیں' آپ نے ایک پیالہ منگایا اور ایک لڑکی سے فرمایا اس میں قے کر' اس نے قے کی' پیالہ خون اور پیپ سے بھر گیا' اس کے بعد دوسری سے قے کرائی اس نے بھی خون اور پیپ کی قے کی' آپ نے ارشاد فرمایا:

ان هاتین صامتا عما احل اللہ لهما وافطرتا علی ما حرم اللہ علیهما جلست احداهما الی الاخری فجعلتا تاکلان لحوم الناس (احمد- عبید مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

ان دونوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں سے روزہ رکھا' اور حرام کی ہوئی چیزوں سے افطار کیا' ایک دوسرے کے پاس بیٹھ گئی' اور دونوں لوگوں کا گوشت کھانے لگیں۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:-

ان الدرهم یصیبه الرجل من الربا اعظم عند اللہ فی الخطیئته من ست وثلاثین زینته یزینها الرجل واربی الربا عرض الرجل المسلم (ابن ابی الدنیا)

سُود کا وہ درہم جسے آدمی حاصل کرتا ہے اللہ کے نزدیک گناہ ہونے میں چھتیس زنا سے بڑھ کر ہے اور سود سے بھی بڑھ کر مسلمان کی آبرو ہے۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' ہمارا گذر دو ایسی قبروں پر ہوا جن کے مُردوں کو عذاب ہو رہا تھا' آپ نے ارشاد فرمایا:-

انهما یعذبان' وما یعذبان فی کبیر' اما احدهما فکان یغتاب الناس' واما الآخر فکان لا یستنزہ من بوله

ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے۔ اور یہ عذاب (بظاہر) کسی بڑے گناہ کے نتیجے میں نہیں دیا جارہا ہے' ان میں سے ایک تو لوگوں کی غیبت کیا کرتا تھا' اور دوسرا اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔

اس کے بعد آپ نے کھجور کی ایک یا دو تر شاخیں منگوائیں' انہیں توڑا' اور حکم دیا کہ یہ شاخیں ان کی قبروں میں گاڑ دی جائیں' نیز فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔ (۱) روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعزؓ کو زنا کی سزا میں سنگسار کرایا تو ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس کو کتّے کی طرح اسی جگہ مار ڈالا' (واپسی میں وہ دونوں آپ کے ساتھ تھے) راہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک مردار پر ہوا آپ نے دونوں سے فرمایا اس کا

(۱) ابن ابی الدنیا' یہ روایت حضرت عبداللہ ابن عباس سے صحیحین میں بھی منقول ہے لیکن انہوں نے غیبت کی بجائے نمیمہ کا لفظ ذکر کیا ہے اسی مضمون کی روایت مسند احمد اور طبرانی میں ابوبکرؓ سے مروی ہے۔

گوشت نوچ کر کھاؤ' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مردہ جانور کا گوشت نوچ کر کھائیں؟ آپ نے فرمایا: ماعز کے متعلق تم نے جو بات کہی تھی وہ اس مُردار سے بھی زیادہ بُری تھی (ابوداؤد- نسائی- ابوہریرہ) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین خندہ روئی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے' کسی کی غیبت نہ کرتے' اور غیبت نہ کرنے کو افضل عمل سمجھتے' اس کے برعکس منافقین کی عادت یہ تھی کہ وہ بظاہر اچھی طرح ملتے لیکن ایک دوسرے کی برائی بھی کرتے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھائے گا' قیامت کے روز بھی اسے اس کا گوشت کھانے کے لیے دیا جائے گا' اور کہا جائے گا تو اسے زندہ کھاتا تھا' اب مُردہ بھی کھا۔ وہ اسے کھائے گا' اور چیخے گا چلائے گا (۱)۔ یہ قول مرفوع کیا گیا ہے۔ روایت ہے کہ دو آدمی مسجد کے دروازے پر نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے' ایک مخنث جس نے اپنی حرکت چھوڑ دی تھی ادھر سے گزرا' وہ دونوں آدمی کہنے لگے اس میں مخنث ہونے کا اثر اب بھی موجود ہے' اتنے میں جماعت کھڑی ہو گئی' وہ دونوں اندر جا کر نماز پڑھنے لگے' نماز کے دوران انہیں خیال ہوا کہ مخنث کے متعلق انہیں ایسی بات نہ کہنی چاہیے تھی' نماز کے بعد وہ لوگ حضرت عطاءؒ کے پاس آئے' واقعہ بیان کیا' آپ نے انہیں دوبارہ وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم دیا' اور یہ بھی فرمایا کہ اگر وہ روزے سے تھے تو اس کی بھی قضا کریں۔ آیت کریمہ:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (پ ۳۰ ر ۲۹ آیت ۱)

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو۔

کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ ہُمَزَہ سے مراد وہ شخص ہے جو دوسروں پر طعن کرتا ہے اور لُمَزَہ سے مراد غیبت کرنے والا ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ عذاب قبر کے تین حصے ہیں ایک تہائی غیبت کی وجہ سے ہے' ایک تہائی چغلخوری کے باعث ہے' اور ایک تہائی پیشاب سے نہ بچنے کی بنا پر۔ حضرت حسن فرماتے ہیں' غیبت آدمی کے دین پر اتنی تیزی سے اثر انداز ہوتی ہے کہ آکلہ (کینسر) مرض بھی اتنی تیزی سے جسم پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ہم نے اکابرین سلف کو دیکھا ہے وہ لوگ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کو عبادت نہیں سمجھتے تھے' بلکہ لوگوں کی بے آبروئی سے بچنے کو عبادت سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب تم اپنے کسی دوست کے عیوب بیان کرنے کا ارادہ کرو تو اپنے عیوب یاد کرلو۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں بعض آدمی دوسروں کی آنکھ کا تنکا دیکھ لیتے ہیں اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھتے۔ حضرت حسن بنی نوع انسان سے خطاب فرمایا کرتے تھے' اے ابن آدم! تو اس وقت تک ایمان کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتا جب تک کہ لوگوں کو اس عیب کی وجہ سے بُرا کہنا ترک نہیں کرے گا جو تیرے اندر موجود ہے' اور اولاً اس کی اصلاح نہیں کرے گا' پھر جب تو اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول ہو جائے گا تو تیرے لیے یہ مشغلہ کافی ہو گا' تجھے دوسروں کے عیوب پر نظر ڈالنے کی فرصت ہی نہیں رہے گی۔ اللہ کے محبوب ترین بندے ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے چند حواریوں کے ساتھ مُردار کُتّے کے قریب سے گزرے' کسی نے کہا اس کُتّے میں کتنی بدبو ہے' آپ نے فرمایا اس کے دانت کتنے سفید ہیں' گویا آپ نے انہیں کُتّے کی غیبت کرنے سے منع فرمایا' اور اس بات پر تنبیہہ کی کہ وہ اللہ کی مخلوق کے محاسن کا ذکر کیا کریں۔ علی ابن الحسینؓ نے ایک شخص کو کسی کی غیبت کرتے ہوئے سُنا تو اس سے فرمایا: غیبت سے بچ' یہ ان لوگوں کا سالن ہے جو بظاہر انسان ہیں لیکن اپنے طور طریقوں کی بنا پر کُتّے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کا ذکر کیا کرو' اس میں شفا ہے لوگوں کا ذکر مت کیا کرو' اس میں بیماری ہے۔ ہم اللہ سے حسن توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

غیبت کے معنیٰ اور اس کی حدود: غیبت کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کا اس طرح ذکر کیا جائے کہ اگر وہ سنے تو بُرا جانے' خواہ اس ذکر کا تعلق اس کے جسمانی نقص سے ہو' یا اخلاقی عیب سے ہو' خواہ اس کے قول کو ہدف بنایا جائے یا اس کے فعل کو' خواہ اس کے نام میں کیڑے نکالے جائیں یا نسب میں' اس کے دین' اس کی دنیا' یہاں تک کہ کپڑے اور جانور کے بارے میں بھی وہ

(۱) ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسے مرفوع اور موقوف دونوں طرح نقل کیا ہے۔

الفاظ استعمال کرنا جو اسے ناگوار گذریں غیبت ہے۔ بدن کا عیب یہ ہے کہ کسی کو چندھا بھینگا گنجا پستہ قد لمبا کالا یا زرد رو کہا جائے یا کسی ایسے وصف سے متصف کیا جائے جس کا جسم میں موجود ہونا اچھا نہ ہو نسب کے سلسلے میں عیب اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ کسی کے باپ کو غلام ہندی فاسق خسیس موچی یا کسی مکروہ پیشے والا بتلایا جائے اخلاقی عیب اس طرح کہ فلاں شخص بد مزاج ہے بخیل ہے متکبر ریاکار اور بہت جلد غصہ ہو جانے والا بزدل کمزور عاجز و درماندہ یا ایسی ہی کسی اخلاقی برائی میں مبتلا ہے۔ ان افعال میں جن کا تعلق دین سے ہے اس طرح عیب لگایا جاسکتا ہے کہ وہ چور ہے یا جھوٹا ہے مے نوش بے ایمان ظالم نماز روزہ اور دیگر عبادات میں سستی کرنے والا رکوع و سجود اچھی طرح ادا نہ کرنے والا یا اپنے روزہ کو غیبت اور بدگوئی سے محفوظ نہ رکھنے والا ہے۔ دنیا سے تعلق رکھنے والے افعال میں عیب اس طرح کہ وہ بے ادب ہے لوگوں کے ساتھ اچھی طرح پیش نہیں آتا دوسرے کا کوئی حق تسلیم نہیں کرتا دوسروں پر اپنا حق سمجھتا ہے زیادہ بولتا ہے زیادہ کھاتا ہے زیادہ سوتا ہے غیر وقت میں سوتا ہے جہاں نہیں بیٹھنا چاہیے وہاں بیٹھتا ہے کپڑوں میں عیب اس طرح لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی آستینیں چوڑی ہیں اس کا دامن وسیع ہے اس کے کپڑے گندے اور میلے ہیں۔

ایک غلط استدلال اور اس کا جواب: بعض لوگ کہتے ہیں کہ دین کے سلسلے میں کسی کو کچھ کہنا غیبت نہیں ہے کیوں کہ یہ اس چیز کی مذمت ہے جس کی اللہ نے مذمت کی ہے ایک شخص گنہگار ہے اگر اسے اس کے گناہ کی وجہ سے برا کہہ دیا جائے تو اس میں کیا خرابی ہے۔ دلیل میں یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ایسی عورت کا تذکرہ کیا گیا جو بہت زیادہ نیک تھی اور کثرت سے روزے رکھا کرتی تھی لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف بھی پہنچایا کرتی تھی آپ نے فرمایا یہ عورت دوزخ میں جائے گی (ابن حبان حاکم۔ ابو ہریرہ) اسی طرح آپ کے سامنے ایک عورت کے بخل کا ذکر ہوا آپ نے فرمایا اگر وہ بخیل ہے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے (خرائطی مکارم الاخلاق۔ ابو جعفر محمد بن علی مرسلاً)۔ یہ استدلال غلط ہے کیوں کہ صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان الفاظ میں لوگوں کا ذکر برائی یا اہانت کی غرض سے نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا مقصد مسائل اور احکام سے واقفیت حاصل کرنا ہوتا تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک کے علاوہ اس کی کس جگہ ضرورت نہ تھی اس کی دلیل کہ ان امور کا ذکر غیبت میں داخل ہے یا نہیں علمائے امت کا اجماع ہے غیبت کا ماحصل یہ ہے کہ کسی آدمی کے متعلق ایسی بات کہنا کہ اگر وہ سنے تو برا مانے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کی یہی تعریف فرمائی ہے چنانچہ اگر کوئی شخص کسی کا اس طرح ذکر کرے تو وہ غیبت کا مرتکب کہلائے گا اپنے رب کا نافرمان قرار پائے گا اور اپنے بھائی کا گوشت کھانے والا ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت فرمایا: جانتے ہو غیبت کسے کہتے ہیں؟ عرض کیا گیا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں فرمایا:

ذکرک اخاک بما یکرھہ

اپنے بھائی کی ناپسندیدہ بات کا ذکر کرنا (غیبت ہے)۔

صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر وہ بات اس شخص میں موجود ہو فرمایا: اگر موجود ہو تو غیبت ہے ورنہ تہمت ہے (مسلم۔ ابو ہریرہ)۔ حضرت معاذ ابن جبل روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کسی شخص کا ذکر ہوا صحابہ نے عرض کیا وہ تو بڑا عاجز ہے آپ نے ارشاد فرمایا: تم نے اس کی غیبت کی ہے؟ عرض کیا ہم جھوٹ نہیں کہہ رہے ہیں یہ عیب واقعتہً اس میں موجود ہے فرمایا: یہی تو غیبت ہے اگر تم ایسی بات کہتے جو اس میں موجود نہیں ہے تو اس پر تہمت لگاتے (طبرانی بسند ضعیف)۔ حضرت ابو حذیفہ حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی عورت کو ٹھگنی (پستہ قد) کہا آپ نے فرمایا: یہ کہہ کر تم نے اس کی غیبت کی ہے (احمد واصلہ عند ابی داؤد والترمذی) حضرت حسن فرماتے ہیں کہ کسی دوسرے کا ذکر تین طرح سے کیا جاتا ہے غیبت بہتان اور افک۔ ان تینوں کے متعلق قرآنی ہدایات موجود

ہیں' غیبت کسی ایسی بات کا ذکر کرنا ہے جو اس میں موجود ہے' اور بہتان وہ بات بیان کرنا ہے جو اس میں موجود نہیں ہے' اور افک وہ بات بیان کرنا ہے جو تم نے کسی سے سنی ہو' ابن سیرین نے کسی شخص کا ذکر کرتے ہوئے بے خیالی میں کہہ دیا وہ کالا آدمی' پھر متنبہ ہوا تو فرمایا: اللہ معاف کرے غالباً میں نے اس کی غیبت کی ہے' ایک مرتبہ ابراہیم نخعی کا ذکر ہوا ان کے ایک آنکھ تھی تو اعور (یک چشم) کہنے کے بجائے آنکھ پر ہاتھ رکھ لیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں' کسی کی غیبت نہ کرو ایک مرتبہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی عورت کے متعلق یہ کہہ دیا کہ وہ طویل دامن والی ہے' آپ نے فرمایا: تھوکو' تھوکو' میں نے تھوکا گوشت کا لوتھڑا نکلا۔ (ابن ابی الدنیا۔ ابن مردویہ)۔

غیبت صرف زبان ہی سے نہیں ہوتی

غیبت صرف زبانی ذکر ہی کو نہیں کہتے' بلکہ ہر وہ عمل غیبت میں داخل ہے جس سے تمہارے بھائی کا عیب کسی دوسرے پر ظاہر ہو جائے' خواہ اشارے سے کنائے سے' کسی واضح یا غیر واضح حرکت سے۔ غیبت کے سلسلے میں تصریح' ابہام' قول' فعل' رمز و اشارہ سب حرام اور ناجائز ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک عورت آئی' جب وہ واپس چلی گئی تو میں نے یہ بتلانے کے لیے کہ وہ پستہ قد تھی ہاتھ سے اشارہ کیا' آپ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! تم نے اس کی غیبت کی ہے (ابن ابی الدنیا' ابن مردویہ۔ حسان بن مخارق) یہی حکم نقل کا ہے مثلاً کسی لنگڑے کی چال کی نقل کی جائے بلکہ نقل اُتارنا غیبت سے بھی بدتر ہے' اس لیے کہ نقل سے اس شخص کی مکمل تصویر ذہن میں آجاتی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے کسی عورت کی نقل اُتاری تو آپ نے فرمایا:- مایسرنی انی حاکیت کذا وکذا (۱)

مجھے کسی کی نقل اُتارنا اچھی نہیں لگتی۔

غیبت لکھ کر بھی ہو سکتی ہے' کیوں کہ کتابت بھی زبان کی طرح اظہار کا ایک اہم وسیلہ ہے' کوئی مصنف اپنی کتاب میں کسی متعین شخص کا نام لے کر ذکر کرے اور اس کے عیوب بتلائے تو یہ بھی غیبت میں داخل ہے الّا یہ کہ کوئی عذر ہو' جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل مذکور ہوگی' البتہ یہ کہنا کہ کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں' بعض لوگ ایسا کرتے ہیں غیبت نہیں ہے' کیوں کہ غیبت نام ہے کسی متعین شخص سے تعرض کرنے کا' خواہ وہ مُردہ ہو' یا زندہ۔ اسی طرح یہ کہنا بھی غیبت ہے کہ وہ شخص جو آج ہمارے پاس سے گذرا تھا' یا جسے ہم نے دیکھا تھا' بشرطیکہ یہ حوالہ مخاطب کو شخص متعین سے واقف کرادے کیوں کہ معین شخص کا سمجھانا ہی ممنوع ہے' نہ کہ وہ بات جو سمجھائی جارہی ہے' چنانچہ اگر مخاطب اس حوالے سے یہ نہ سمجھے کہ متکلم کی مراد کس شخص سے ہے تو یہ غیبت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی شخص کی کوئی بات ناگوار گذرتی تو یہ نہ فرماتے کہ فلاں شخص ایسا کرتا ہے بلکہ یوں فرماتے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں (ابوداؤد۔ عائشہؓ)

علمائے کرام کی غیبت : بدترین غیبت ریاکار "علماء" کی غیبت ہے' کیوں کہ وہ اچھے بن کر اپنا مقصود ظاہر کردیتے ہیں' اور لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ غیبت نہیں کرتے' حالانکہ وہ جہالت میں مبتلا ہیں' انہیں معلوم نہیں کہ وہ بیک وقت دو دو گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں' ایک غیبت' دوسرا ریا' چنانچہ جب ان کے سامنے کسی شخص کا ذکر ہوتا ہے تو وہ یہ کہتے ہیں: اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں بادشاہوں کے درباروں میں آنے جانے کی آزمائش میں مبتلا نہیں کیا' یا یہ کہ دنیا کی طلب کے لیے ذلت سے بچایا' یا بطور دعا یہ کہتے ہیں خدا ہمیں اس بے شرمی اور رسوائی سے بچائے' ان کا مقصد دوسرے کا عیب ظاہر کرنا ہے' لیکن اس کے لیے کبھی شکر کا صیغہ اختیار کرتے ہیں' اور کبھی دعا کا اُسلوب اپناتے ہیں' لیکن نہ دعا مقصود ہے اور نہ شکر بعض اوقات غیبت سے

---

(۱) یہ روایت گیارہویں آفت کے ضمن میں بیان کی جاچکی ہے۔

کسی شخص کی پہلے تعریف کرتے ہیں' مثلاً یہ کہ فلاں شخص کتنا اچھا ہے' کس قدر عبادت کرتا ہے' لیکن ایک بد خصلت میں مبتلا ہے' اور وہی کیا ہم سب ہی اس خصلت میں مبتلا ہیں اور وہ یہ کہ اس میں صبر اور قناعت کا عنصر بہت کم ہے۔ دیکھئے بظاہر اس میں اپنی مذمت موجود ہے لیکن مقصد ہرگز اپنے نفس کی مذمت نہیں ہے بلکہ دوسرے کا عیب ظاہر کرنا ہے' البتہ اس کے لیے ایسا پیرایہ یہاں اختیار کیا ہے کہ مخاطب کہنے والے کی کسر نفسی اور خلوص کا قائل ہو جائے' اور اسے بھی صلحاء میں شمار کرے یہ شخص تین گناہوں کو جامع ہے' غیبت' ریا' اور تزکیۂ نفس یعنی وہ خود کو نیک لوگوں میں شمار کرتا ہے اور نادانی کی بناء پر یہ سمجھتا ہے کہ میں غیبت سے پاک ہوں' شیطان ایسے ہی لوگوں کو آسانی سے شکار کرتا ہے' یہ لوگ صحیح علم سے محروم ہوتے ہیں' اور نفس انھیں مسلسل فریب دیتا رہتا ہے بعض اوقات جب اہل مجلس کسی شخص کا عیب سننے کے لیے متوجہ نہیں ہوتے تو کہتے ہیں سبحان اللہ کس قدر عجیب بات ہے یہاں اللہ کا نام عظمت و تقدیس کے اظہار و اعتراف کے لیے نہیں لیا جاتا بلکہ اپنے باطنی خبث کے اظہار کے لیے لیا جاتا ہے کبھی غیبت کے لیے یہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں کہ ہم اپنے دوست کی فلاں حالت کی بناء پر سخت رنجیدہ اور غمگین ہیں' اللہ تعالیٰ اسے راحت دے' یہ غم خواری اور دعا ترحم کے جذبے سے نہیں ہوتی' بلکہ محض اپنی برتری کا اظہار مقصود ہوتا ہے' اگر واقعتہً دعا مقصود ہوتی تو نماز کے بعد تنہائی میں کرتے نہ کہ مجلس میں' اسی طرح اگر واقعتہً انہیں رنج ہوا ہوتا تو وہ اس واقعہ کا اظہار ان لوگوں کے سامنے کیوں کرتے جو اس سے ناواقف تھے' کبھی اس طرح کہتے ہیں کہ فلاں شخص بے چارا بڑی مصیبت میں گرفتار ہے' اللہ ہمیں اور اسے توبہ کرنے کی توفیق بخشے۔ بظاہر یہ دعا ہے' لیکن اللہ باطنی خبث پر مطلع ہے' وہ جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا بھرا ہوا ہے لیکن وہ اپنی جہالت کے باعث یہ نہیں سمجھتے کہ وہ اس دعا سے ثواب کی بجائے عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں' غیبت سننا اور اس پر تعجب کا اظہار کرنا بھی غیبت ہے' کیونکہ سننے سے اور اس پر تعجب ظاہر کرنے سے غیبت کرنے والے کو غیبت پر شہ ملتی ہے' مثال کے طور پر کسی کی برائی سن کر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ بھائی تم نے آج عجیب بات بتلائی ہے' ہم تو اسے ایسا نہیں سمجھتے تھے' ہم اسے آج تک اچھا ہی سمجھتے رہے' اللہ تعالیٰ ہمیں اس عیب سے محفوظ رکھے' یہ تبصرہ گویا غیبت کرنے والے کی تصدیق ہے' اور غیبت کی تصدیق بھی غیبت ہی ہے' بلکہ غیبت سن کر چپ رہنے والا بھی غیبت کرنے والے کا شریک سمجھا جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:۔

المستمع احد المغتابين (۱)

سننے والا دو غیبت کرنے والوں میں سے ایک ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ میں سے ایک نے دوسرے سے کسی شخص کا ذکر کیا کہ وہ بہت زیادہ سونے والا ہے اس کے بعد ان دونوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روٹی کھانے کے لیے سالن مانگا' آپ نے فرمایا سالن تو تم لے چکے ہو' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے کب لیا؟ آپ نے فرمایا: بلکہ تم اپنے مسلمان بھائی کا گوشت کھا چکے ہو (۲) دیکھئے آپ نے ان دونوں حضرات کو غیبت کا مجرم ٹھہرایا' حالانکہ غیبت ایک نے کی تھی دوسرا محض سننے والا تھا' اسی طرح ماعزؓ کے رجم کے واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے جن دو آدمیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا تھا کہ وہ کتے کی طرح مارا گیا تو آپ نے کوڑے پر پڑے ہوئے مردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان دونوں سے فرمایا تھا اسے نوچو' اس کا گوشت کھاؤ (۳)۔ حالانکہ کہنے والا ایک تھا' آپ نے دونوں کو شریک کیا' اس سے معلوم ہوا کہ سننے والا بھی غیبت کے گناہ میں شریک ہے' ہاں اگر وہ زبان سے منع کردے' یا زبان

---

(۱) طبرانی بروایت ابن عمرؓ لیکن الفاظ یہ ہے "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الغيبة وعن الاستماع الى الغيبة" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے اور غیبت سننے سے منع فرمایا ہے۔ (۲) ابو العباس دغولی نے کتاب الادب میں بروایت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ مرسلاً نقل کی ہے۔ (۳) یہ روایت پچھلے صفحات میں گذری ہے۔

سے منع کرنے کا حوصلہ اور قوت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے' یا اس مجلس سے اٹھ جائے' یا غیبت کرنے والے کو دوسری باتوں میں لگالے' ان صورتوں میں سننے والے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا' لیکن اگر زبان سے منع کیا' اور دل میں سننے کی خواہش رہی تو یہ نفاق ہے' اعتبار دل کا ہے' گناہ سے اسی وقت محفوظ رہے گا جب دل سے برا سمجھے گا' پھر منع کرنے میں بھی ہاتھ یا ابرو اور آنکھ کے اشارے سے منع کرنا کافی نہیں ہے کیوں کہ اس سے اس شخص کی توہین ہوتی ہے جس کی غیبت کی جاری ہے' بلکہ صراحت کے ساتھ منع کرنا اور مذکور کا دفاع کرنا ضروری ہے' ارشاد نبوی ہے:۔

من اذل عنده مؤمن فلم ينصره وهو يقدر على نصره اذله الله يوم القيامة على رؤس الخلائق (طبرانی۔ سہل بن حنیفؓ)

جس شخص کے سامنے کسی مؤمن کی تذلیل کی جائے اور وہ اس کی مدد کرنے پر قدرت رکھنے کے باوجود مدد نہ کرے قیامت کے روز اسے لوگوں کے سامنے ذلیل کیا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے:۔

من رد عن عرض اخيه بالغيب كان حقا على الله ان يرد عن عرضه يوم القيامة (ابن ابی الدنیا۔ ابو الدرداءؓ)

جو شخص اپنے بھائی کی عزت کا اس کے پس پشت دفاع کرے اللہ پر واجب ہے کہ وہ قیامت کے روز اس کی حفاظت فرمائے۔

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

من ذب عن عرض أخيه بالغيب كان حقا على الله ان يعتقه من النار (احمد' طبرانی۔ اسماء بنت یزیدؓ)

جو شخص پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کی عزت کا دفاع کرے اللہ پر اسے دوزخ سے آزاد کرنا واجب ہے۔

غیبت کے وقت مسلمان کی نصرت و دفاع کے فضائل سے متعلق بے شمار روایات موجود ہیں' ان میں سے بہت سی روایات ہم آداب صحبت اور حقوق مسلمین کے ابواب میں بیان کرچکے ہیں۔

غیبت کے اسباب

غیبت کے اسباب بے شمار ہیں' لیکن بحیثیت مجموعی وہ گیارہ اسباب کے ضمن میں آجاتے ہیں' ان میں سے آٹھ کا تعلق عوام سے ہے' اور تین خواص کے ساتھ مخصوص ہیں۔

عوام سے متعلق آٹھ اسباب

پہلا سبب۔ کینہ و غضب : یعنی کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جو دل میں غصہ کی آگ بھڑکا دے' جب دل میں غصہ کی آگ بھڑکتی ہے تو وہ غصہ دلانے والے کے عیوب کے ذکر ہی سے ٹھنڈی ہوتی ہے' خواہ خود کرے یا دوسرے کریں' اس کی تحریک طبیعت کے تقاضے سے ہوتی ہے' بشرطیکہ کوئی دینی مانع موجود نہ ہو' بعض اوقات آدمی بظاہر غصے پر قابو پالیتا ہے' لیکن دل میں کینہ باقی رہتا ہے' کینہ غصے سے بدتر ہے' کیوں کہ دل میں کینہ رہنے سے ہمیشہ کے لیے برا کہنے کی بنیاد پڑتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ کینہ اور غضب دونوں ہی غیبت کے سبب ہیں۔

دوسرا سبب۔ موافقت : یعنی دوستوں اور ہم نشینوں کی تائید و تصدیق کرنا اور ان کی دیکھا دیکھی خود بھی غیبت میں لگ جانا

اور غیبت پر ان کی معاونت و موافقت کرنا' چنانچہ جب اہل مجلس کسی شخص کی عزت سے کھیلتے ہیں' اور اس کا مضحکہ اُڑاتے ہیں تو وہ یہ سمجھتا ہے اگر میں نے اس کا انکار کیا' اور ان سے اتفاق نہ کیا یا گفتگو کا موضوع بدلا یا مجلس سے اُٹھ کر چلا گیا تو یہ لوگ ناراض ہوں گے' اور مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے' اسی خیال سے وہ ان کی تائید کرتا ہے' اور اسے حسن معاشرت اور ملنساری کی اہم بنیاد تصور کرتا ہے' کبھی اس کے رفقاء غیظ و غضب کی حالت میں کسی کو برا کہتے ہیں تو وہ خود بھی ان کی چاپلوسی کرنے کے لیے اپنے اوپر غصہ طاری کرلیتا ہے' اور خود بھی برا بھلا کہنے لگتا ہے اور اپنے اس عمل سے یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں خوشی' غم' پریشانی' اور فارغ البالی ہر حالت میں دوستوں کے ساتھ ہوں۔

تیسرا سبب۔ احتیاط اور سبقت : کبھی کسی شخص کو یہ گمان ہوتا ہے کہ فلاں شخص میری تاک میں ہے وہ فلاں بڑے آدمی کے یہاں میری برائی کرے گا' یا میرے بارے میں ہرزہ سرائی کرے گا یا فلاں معاملے میں میرے خلاف شہادت دے گا' وہ ان اندیشوں کے پیش نظر خود ہی سبقت کرتا ہے' اور اس کی برائی شروع کردیتا ہے' اور اس کو ہدف تنقید بناتا ہے' تاکہ جو بات وہ کہنے والا ہے اس کا اثر زائل ہوجائے' اور جو گواہی وہ دینے والا ہے اس کا اعتبار ساقط ہوجائے' یا اس کے متعلق اولاً صحیح بات کہے' جب لوگوں میں یہ مشہور ہوجائے کہ فلاں شخص کے متعلق اس کی اطلاعات صحیح ہوتی ہیں تو اس کے متعلق جھوٹی باتیں اور افواہیں پھیلانی شروع کردے' اور یہ کہے کہ جھوٹ بولنا میری سرشت نہیں ہے' میں نے اس کے متعلق پہلے جو کچھ کہا وہ سچ نکلا' اسی طرح یہ باتیں بھی سچی ہیں' اس پیش بندی اور احتیاط سے وہ یقیناً محفوظ رہ جائے گا' کیوں کہ دوسرا شخص اول تو اس کی برائی کرنے کی جرأت نہ کرے گا' اور اگر اس نے جرأت کی بھی تو اس کی ہرزہ سرائی کو اہمیت نہ دی جائے گی' اور لوگ یقین ہی نہ کریں گے۔

چوتھا سبب۔ براءت : کبھی کسی برائی سے اپنی براءت مقصود ہوتی ہے' اس صورت میں دوسرے شخص کا حوالہ دے کر وہ یہ کہتا ہے کہ تنہا میں نے ہی یہ کام نہیں کیا بلکہ فلاں شخص بھی کرچکا ہے' یا وہ بھی میرے ساتھ شریک تھا' حالانکہ اگر براءت ہی مقصود تھی تو اپنا عذر بیان کرنا چاہیے تھا' دوسرے کا حوالہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ لیکن کیوں کہ دوسرے کے ذکر سے اپنا موقف مضبوط ہوتا ہے اس لیے دوسرے کو بھی شامل کرلیا۔

پانچواں سبب۔ مفاخرت اور بڑائی کا اظہار : وہ اس طرح کہ دوسرے شخص میں عیب نکال کر اپنی برتری ظاہر کرے مثلاً یہ کہے کہ فلاں شخص جاہل ہے' اس کی سمجھ ناقص ہے' اس کا کلام کمزور اور لچر ہے' اس تنقید سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب پر اپنی فضیلت کا اظہار کرے اور یہ ثابت کرے کہ میں اس کے مقابلے میں زیادہ علم رکھتا ہوں' مجھے فہم کی قوت میسر ہے' اور میری گفتگو عمدہ ہے' اور یہ تنقید اس لیے ہوتی ہے کہ کہیں لوگ میری طرح اس کی بھی تعظیم نہ کرنے لگیں' اور معاشرے میں اسے بھی نمایاں مقام نہ حاصل ہوجائے۔

چھٹا سبب۔ حسد : کبھی جذبہ حسد غیبت پر ابھارتا ہے' یہ دیکھ کر کہ لوگ محسود کی بے حد تعریف کرتے ہیں اس سے محبت کرتے ہیں' اور اس کا اعزاز و اکرام کرتے ہیں اس سے برداشت نہیں ہوتا اور وہ یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اس سے یہ نعمت سلب کرلی جائے لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں' اور اس کی عزت باقی نہ رہے' یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے وہ محسود کے عیب ظاہر کرتا ہے' حسد کینہ اور غضب کے علاوہ ایک جذبہ ہے' غضب اور کینہ اس وقت ہوتا ہے جب دوسرا شخص کچھ زیادتی کرتا ہے' دراصل یہ دونوں جذبے انتقام کا مظہر ہیں' حسد میں یہ بات نہیں ہے' بعض دفعہ آدمی اپنے محسن دوست اور مونس رفیق سے بھی حسد کرنے لگتا ہے۔

ساتواں سبب۔ دل لگی : یعنی دوسرے کے عیب اس لیے کیے جاتے ہیں کہ محفل میں دل چسپی کی فضا پیدا ہو' اور اہل مجلس

کو ہنسنے ہنسانے کا موقع ملے' اور اچھا وقت گذرے۔

آٹھواں سبب۔ تحقیر: کبھی اس لیے برائی کی جاتی ہے کہ دوسرے شخص کی تحقیر و تذلیل ہو' یہ متکبّرین کا شیوہ ہے' اس میں موجودگی' اور غیر موجودگی کی بھی قید نہیں ہے' بعض لوگ سامنے بیٹھے ہوئے آدمی ہی کو اپنی تنقید اور مذاق کا ہدف بنا لیتے ہیں' یہ نہیں سوچتے کہ اس طرح کس قدر رُسوائی ہوگی' نیز اگر وہ اس کی جگہ ہوتے تو خود ان کا کیا حشر ہوتا۔

خواص کے ساتھ مخصوص اسباب: یہ تین سبب انتہائی غامض اور دشوار ہیں' یہ محض شر ہوتے ہیں لیکن شیطان ان پر خیر کا ملمع کر دیتا ہے' یا ان میں خیر ہوتا ہے لیکن شیطان ان میں شر کی آمیزش کر دیتا ہے۔

پہلا سبب۔ تعجب: کبھی کسی دیندار سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے تو وہ تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں اس کے عمل پر حیرت ہے' اسے تو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا' یہ صحیح ہے کہ دیندار آدمی کی غلطی تعجب کا باعث ہوتی ہے' لیکن کہنے والے کو نام لینے کے بجائے صرف تعجب ظاہر کرنا چاہیے تھا' شیطان نے نام لینے پر اکسا کر اس دینی جذبے کو غیبت میں بدل دیا' اور کہنے والے کو معصیت میں مبتلا کر دیا' اور اسی طرح کسی شخص کے متعلق یہ کہنا بھی غیبت میں داخل ہے کہ فلاں شخص پر حیرت ہے کہ وہ کیسی بدصورت عورت سے محبت کرتا ہے' یا پڑھا لکھا ہو کر کس طرح فلاں جاہل کے پاس آتا جاتا ہے۔

دوسرا سبب۔ جذبہ شفقت: یعنی کسی شخص کی حالت پر غم زدہ ہو جائے' اور اسے امر معیوب میں مبتلا دیکھ کر یہ کہے کہ فلاں شخص کی موجودہ حالت نے مجھے مضطرب کر رکھا ہے' مجھے اس کی حالت پر افسوس ہے' افسوس کا دعویٰ صحیح ہے' اور یہ جذبہ بھی قابل قدر ہے' لیکن نام لینا غضب ہو گیا' اور ایک اچھا جذبہ غیبت کا سبب بن گیا' مسلمان کی خطاؤں پر غم کرنا اور اس کے لیے اپنے دل میں رحم کا جذبہ محسوس کرنا بہت اچھی بات ہے لیکن شیطان نام لینے پر اکسا کر اس اچھی بات میں بھی شر کی آمیزش کر دیتا ہے۔

تیسرا سبب۔ اللہ کے لیے غصہ: کسی شخص کو غیر شریفانہ حرکت میں مبتلا دیکھ کر' یا اس کے متعلق کوئی غلط بات سن کر ایمانی حمیت کے تقاضے سے غصہ آتا ہے' اگر غصہ آیا' اور نام لے کر اس کا اظہار کیا تو یہ عمل بھی ثواب سے محرومی کا سبب بن جائے گا' بلکہ اُلٹا غیبت کا سبب بن جائے گا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے غصہ کرنا اچھا ہے' لیکن یہ خیال ضرور رہنا چاہیے کہ اگر کسی مخصوص شخص پر خفگی ظاہر کرنی ہو تو اس طرح کرنی چاہیے کہ دوسرے شخص کو اس کی اطلاع نہ ہو' یا نام لینا ضروری ہو تو پھر خفگی کا اظہار نہ کرنا چاہیئے' یہ وہ باریکیاں ہیں کہ عوام تو کیا علماء بھی۔ جو خواص کہلاتے ہیں۔ ان سے واقف نہیں ہو پاتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ تعجب' شفقت' اور خفگی اگر اللہ کے لیے ہو تو نام لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے یہ ایک غلط گمان ہے' غیبت کے باب میں جہاں جہاں اجازت دی گئی ہے وہاں بھی نام لینے کی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آئے گی۔ عامر بن واثلہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص کسی قوم کے پاس سے گذرا' انہیں سلام کیا' جب وہ آگے بڑھ گیا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں اس شخص سے اللہ کے لیے نفرت کرتا ہوں' لوگوں نے اس کی یہ بات پسند نہ کی' اور اس سے کہہ دیا کہ ہم اسے بتلائیں گے کہ فلاں شخص تمہارے متعلق یہ کہتا ہے' چنانچہ ایک شخص پیچھے پیچھے گیا اور اسے واقعے کی خبر دی وہ شخص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے متعلق اس کا قول نقل کیا اور درخواست کی کہ اسے طلب فرمائیں' آپ نے اسے بُلا کر دریافت کیا' اس نے عرض کیا یقیناً میں نے یہ بات کہی ہے' آپ نے دریافت فرمایا: تم اس سے کیوں نفرت کرتے ہو' اس نے عرض کیا: یہ میرا پڑوسی ہے' اور میں اس کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں' یہ شخص فرض نماز کے علاوہ کبھی نماز نہیں پڑھتا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس شخص سے یہ دریافت فرمائیں کہ کیا میں نے کبھی فرض نماز پڑھنے میں تاخیر کی ہے' یا اچھی طرح وضو کیا ہے' یا رکوع و سجود ٹھیک طریقے پر ادا نہیں کیے

ہیں؟ آپ نے اس سے دریافت فرمایا' اس نے عرض کیا یہ بات تو ہے' یہ شخص نماز میں تاخیر نہیں کرتا' وضو اچھی طرح کرتا ہے' اور رکوع و سجود اطمینان سے ادا کرتا ہے' لیکن میں نے اس شخص کو رمضان کے علاوہ کبھی روزے رکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھا' اس مہینے میں تو نیک و بد سبھی روزے رکھ لیتے ہیں' اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے دریافت کیجئے کیا کبھی میں نے رمضان میں افطار کیا ہے یا ماہ رمضان کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے آپ نے دریافت فرمایا' اس نے اعتراف کیا کہ واقعتہ یہ شخص رمضان میں پابندی سے روزے رکھتا ہے اور اس ماہ کے حقوق پورے طور پر ادا کرتا ہے لیکن میں نے دیکھا ہے کہ یہ شخص نہ کسی سائل کو کچھ دیتا ہے اور نہ کسی غریب کو' میں نے زکوٰۃ کے علاوہ جسے اچھے برے سب لوگ ادا کرتے ہیں اس شخص کو راہ خدا میں کچھ خرچ کرتے ہوئے نہیں دیکھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس سے پوچھیں کہ کیا کبھی میں نے زکوٰۃ ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے یا طالب زکوٰۃ کو ٹالنے کی کوشش کی ہے آپ نے اس سے دریافت فرمایا: اس نے عرض کیا: ایسا تو ہے' یہ زکوٰۃ بروقت ادا کرتا ہے' اور کبھی کوتاہی نہیں کرتا' آپ نے فرمایا: یہاں سے اٹھو' شاید یہ شخص تم سے اچھا ہو۔ (اور تم اسے برا کہتے ہو)۔

غیبت کا علاج

علم و عمل کا معجون : تمام اخلاق فاسد اور عادات رذیلہ کا علاج علم و عمل کے معجون سے ہوتا ہے یعنی نہ تنہا علم سے ان امراض کا علاج ممکن ہے' اور نہ محض عمل سے۔ پھر ہر مرض کی دوا اس کے سبب کے مخالف ہوتی ہے' چنانچہ اگر مرض کی بنیاد حرارت ہے تو علاج برودت سے ہوگا' اور برودت ہے تو حرارت سے۔ اولاً ہمیں غیبت کے اسباب و عوامل کا پتہ چلانا چاہیے۔ اور پچھلے صفحات میں اس موضوع پر کافی کچھ لکھا جاچکا ہے۔

زبان کو غیبت سے روکنے کے دو طریقے ہیں' ایک اجمالی' اور دوسرا تفصیلی۔

اجمالی طریقۂ علاج : اجمالی طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس حقیقت پر یقین رکھے کہ غیبت کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتا ہے' جیسا کہ روایات و آثار سے اس حقیقت پر شہادت ملتی ہے' نیز یہ کہ غیبت کی وجہ سے قیامت کے روز نیکیاں ضائع ہوجائیں گی' کیوں کہ غیبت آدمی کی نیکیوں کو اس شخص کی طرف منتقل کردیتی ہے جس کی اس نے غیبت کی ہے' اگر اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں نہ ہوں تو دوسرے کی برائیاں اس کی برائیوں میں اضافہ کردیتی ہیں' علاوہ ازیں انسان اپنے بھائی کی غیبت کرکے مردار کھانے والے سے مشابہ ہوجاتا ہے' یہ کتنی بڑی رسوائی ہے' اگر کسی شخص کے اعمال نامے میں نیکیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی۔ لیکن برائیوں کا پلڑا بھاری اور جھکا ہوا ہے تو یہ شخص دوزخ میں جائے گا۔ فرض کیجئے ایک شخص کے دونوں پلڑے برابر ہیں' سوء اتفاق سے اس شخص کے ایک گناہ نے توازن بگاڑ دیا جس کی اس نے غیبت کی تھی' اور گناہوں کے پلڑے کو جھکا کر دوزخ کا مستحق بنا دیا۔ سب سے کم درجہ تو یہ ہے کہ نیکیوں کا ثواب کم ملے یعنی جب سوال' جواب' حساب و کتاب' اور مواخذہ و مطالبہ ہوچکے اور کچھ نیکیاں باقی رہ جائیں تو اتنا ثواب نہ ملے جتنا غیبت کا گناہ نہ ہونے کی صورت میں ملتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ما النار فی الیبس باسرع من الغیبة فی حسنات العبد (۱)

(۱) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

خشک چیزوں میں آگ اتنی تیزی سے اثر نہیں کرتی جتنی تیزی سے غیبت آدمی کی نیکیوں میں اثر کرتی ہے۔

کسی شخص نے حضرت حسن سے کہا: میں نے سنا ہے کہ آپ میری غیبت کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا میری نظر میں تمہاری یہ حیثیت نہیں ہے کہ اپنی نیکیاں تمہارے حوالے کردوں۔ بہرحال جب آدمی ان روایات پر نظر ڈالے گا' اور ان وعیدوں پر غور کرے گا جو غیبت کے سلسلے میں وارد ہیں تو مارے خوف کے اس کی زبان غیبت پر آمادہ نہیں ہوگی' یہ تدبیر بھی مفید ثابت ہوسکتی ہے کہ آدمی غیبت کرنے سے پہلے اپنے باطن پر بھی نگاہ ڈالے۔ شاید کوئی ایسا ہی عیب اپنے اندر بھی مل جائے' اگر ایسا ہو تو دوسرے کی غیبت کرکے گناہ کمانے کے بجائے اس کے ازالے کی فکر کرے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کو یاد کرے۔

طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس (بزار۔ انس)

اس شخص کے لیے خوشخبری ہو جسے (اس کا) عیب لوگوں کے عیوب (پر تنقید کرنے) سے روک دے۔

اگر کسی شخص کو اپنے باطن میں عیب نظر آئے تو پہلے اپنے نفس کی مذمت کرے اسے برا بھلا کہے' دوسروں کو برا کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ کتنی شرم کی بات ہے کہ اپنے نفس کو تو کچھ نہ کہا جائے اور دوسروں کو دل کھول کر برا کہا جائے۔ اسے سوچنا چاہیے کہ جس طرح وہ اپنا عیب دور نہیں کرسکا اسی طرح دوسرے بھی نہ کرسکے ہوں گے' یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ عیب اختیاری ہو' اور اگر پیدائشی ہو تو اس کی مذمت کرنا خالق کی مذمت کرنا ہے' جیسا کہ ایک شخص نے کسی مرد دانا سے کہا او بد صورت! اس نے جواب دیا: بھائی! اگر خوبصورتی اور بدصورتی میرے اختیار میں ہوتی تو میں اپنا چہرہ اچھا بناتا۔ اور اگر اپنے نفس میں کوئی عیب نہ پائے تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے گناہ سے بچنے کی توفیق سے نوازا' غیبت میں۔ جو برائیوں میں بڑی برائی ہے۔ مبتلا نہ کیا' مردار کا گوشت کھانے سے زیادہ برا عمل کون سا ہوگا؟ دیکھا جائے تو کوئی شخص بھی عیب سے خالی نہیں' بے عیب ذات صرف اللہ کی ہے' کسی شخص کا یہ سمجھنا کہ وہ ہر طرح کے عیوب سے پاک ہے سراسر جہالت اور احمقانہ خیال ہے' یہ خود ایک بڑا عیب ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بے عیب خیال کرے۔ غیبت سے بچنے کے سلسلے میں یہ امر بھی مفید ہوسکتا ہے کہ آدمی اپنے پر دوسروں کو قیاس کرے' یعنی یہ سوچے کہ جس طرح مجھے اپنی غیبت سے تکلیف ہوتی ہے' اسی طرح دوسرے کو بھی میری غیبت سے تکلیف ہوگی' جس طرح میں اپنے غیبت پر راضی نہیں ہوں اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی غیبت پر کیا راضی ہوں گے؟

تفصیلی طریقۂ علاج : تفصیلی طریقۂ علاج یہ ہے کہ ان اسباب پر نظر ڈالے جن سے غیبت پر تحریک ہوتی ہے' ہر مرض کا علاج اس کے سبب کا خاتمہ کرکے ہی ممکن ہے' غیبت کے اسباب اور محرکات ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں' چنانچہ اگر غیبت کا سبب غضب ہو تو اس کا علاج اس طرح کرنا چاہیئے کہ اگر میں نے غصہ کیا' اور اس پر قابو نہ پایا تو خدا تعالیٰ غیبت کی وجہ سے مجھ پر ناراض ہوں گے' اس لیے کہ اس نے مجھے غیبت سے منع کیا ہے اور میں نے غیبت کرکے اس کی نافرمانی کی ہے' اور اس کے حکم کو غیر اہم تصور کیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

ان لجہنم بابا لا یدخل منہ الا من شفی غیضہ بمعصیۃ اللہ تعالیٰ (بزار' ابن ابی الدنیا' بیہقی' نسائی۔ ابن عباس)

دوزخ کا ایک دروازہ ایسا ہوگا جس میں صرف وہی شخص داخل ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنا غصہ نکالا ہو۔

ایک حدیث میں ہے:۔

من اتقی ربہ کل لسانہ ولم یشف غیضہ (ابو منصور دیلمی۔ سہل بن سعد)

جو شخص اپنے رب سے ڈرتا ہے اس کی زبان بند ہوتی ہے اور وہ اپنا غصہ نہیں نکالتا۔

ارشاد نبویؐ ہے:۔

من کظم غیضا وھو یقدر علی ان یمضیه دعاه اللّٰه تعالٰی یوم القیام علی رؤس الخلائق حتٰی یخیر مفی ای الحور شاء (ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ۔ معاذ بن انسؓ)

جو شخص غصہ نکالنے پر قدرت رکھنے کے باوجود پی جائے قیامت کے دن اسے اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے سامنے بلائیں گے اور اسے اپنی پسندیدہ حور منتخب کرنے کا اختیار دیں گے۔

بعض انبیاءؑ پر نازل ہونے والے صحیفوں میں لکھا ہے "اے ابن آدم! اپنے غصے کے وقت مجھے یاد کرلیا کر' میں اپنے غصہ کے وقت تجھے یاد کروں گا اور تجھے ان لوگوں کے ساتھ تباہ نہیں کروں گا جو میرے غصے سے تباہ ہونے والے ہیں۔"

غیبت کا دوسرا سبب موافقت ہے' یعنی بعض لوگ اپنے دوستوں کی ہاں میں ہاں ملانے کے لیے کسی کی غیبت کرنے لگتے ہیں اگر غیبت کا سبب موافقت ہو تو سوچنا چاہیئے کہ اگر میں نے مخلوق کی رضامندی حاصل کر بھی لی تو مجھے کیا فائدہ ہوگا' اس صورت میں جب کہ باری تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے' کون بے وقوف یہ چاہے گا کہ غیر کی خوشنودی کے لیے میں اپنے آقا کو ناراض کردوں' ہاں اگر غصہ اللہ کے لیے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے' لیکن اس میں بھی اس بات کا خیال رکھے کہ جس شخص پر خفا ہو اس کے متعلق کوئی غلط لفظ زبان سے نہ نکالے' بلکہ اگر اس کے رُفقاء کسی شخص کی برائی میں مشغول ہوں ان پر بھی اللہ کے لیے خفا ہونا چاہیئے کیونکہ انھوں نے بدترین گناہ غیبت کا ارتکاب کرکے باری تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔

غیبت کا تیسرا سبب "تنزیہہ نفس" ہے' یعنی گناہ کی دوسرے کی طرف نسبت کرکے اپنی براءت کرنا اور اپنے نفس کی پاکی بیان کرنا' اس موقع پر سوچنا چاہیئے کہ باری تعالیٰ کی ناراضگی کے سامنے لوگوں کی ناراضگی کوئی معنی نہیں رکھتی' پھر غیبت سے باری تعالیٰ کی ناراضگی تو یقینی ہے لیکن ان لوگوں کی خوشنودی یقینی نہیں ہے جن کے سامنے اپنے نفس کی براءت مقصود ہے' نیز یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ جن لوگوں کی طرف گناہ کی نسبت کی جارہی ہے لوگ انہیں بُرا تصور بھی کریں گے یا نہیں' دنیا کی سرخروئی ظنی اور وہمی ہے' ملے یا نہ ملے لیکن آخرت کی رسوائی اور ذلّت اور خسارہ قطعی اور یقینی ہے جو غیبت کے نتیجے میں مل کر رہے گی' کتنی بڑی جہالت اور نادانی ہے کہ لوگوں کی رضا حاصل کرنے کے لیے جس کا حاصل ہونا ضروری نہیں ہے۔ باری تعالیٰ کی ناراضگی خرید لی جائے۔ یہ عذر کرنا بھی سراسر جہالت ہے کہ اگر میں نے حرام مال کھالیا تو کیا ہوا فلاں "بڑا شخص" یا فلاں "بڑا عالم" بھی تو کھاتا ہے' میں نے سلطان کا عطیہ قبول کرلیا تو کیا آفت آگئی فلاں "بزرگ" بھی تو شاہی عطایا قبول کرتے ہیں۔ اس طرح کے عذر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم ان لوگوں کی اقتدا کرنا چاہتے ہو جن کی اقتدا جائز نہیں ہے۔ اقتدا صرف ان لوگوں کی درست ہے جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے پابند اور اس کے احکام کے متبع ہیں جو لوگ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوں ان کی اتباع ہرگز جائز نہیں' خواہ وہ دنیا کے کسی بھی اعلیٰ منصب پر فائز کیوں نہ ہوں' اگر کوئی شخص آگ میں جل رہا ہو اور تم اس سے بچنے پر قادر ہو تو کیا جان بوجھ کر اس کے ساتھ آگ میں جل جاؤ گے؟ ہرگز نہیں! اگر تم نے ایسا کیا اور اس کی اتباع میں خود بھی جل مرے تو یہ انتہائی احمقانہ حرکت ہوگی۔ پھر عذر کرنے میں اور دوسروں کا حوالہ دے کر اپنی براءت کرنے میں دو گناہ ہیں' ایک غیبت کا گناہ' اور دوسرے اس عذر کا گناہ' اور عذرِ گناہ بدتر از گناہ ہوتا ہے' ایسا شخص انتہائی کم عقل اور کور باطن ہے کہ بلاوجہ اپنے نامۂ اعمال میں دو گناہوں کا اضافہ کر بیٹھا' اس کی مثال اس بکری کی سی ہے جو اپنے نر کو پہاڑ کی چوٹی سے گرتا ہوا دیکھ کر خود بھی چھلانگ لگا دے۔ اور اپنے گرنے کی وجہ بشرطیکہ وہ زندہ رہ جائے اور اسے قوتِ گویائی بھی مل جائے۔ یہ بیان کرے کہ بکرا کیوں کہ مجھ سے زیادہ عقلمند ہے وہ گرا تو میں بھی گر پڑی' تم اس کی مضحکہ خیز دلیل پر اپنی ہنسی نہ روک سکو گے' اور اس کی جہالت پر ماتم کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے لیکن خود اپنا نفس بکری کے نقشِ قدم پر چلے تو نہ تم اس کی حماقت پر ہنسو گے اور نہ اس کی جہالت پر ماتم کرو گے۔

اگر غیبت کا سبب دوسروں پر اپنی برتری کا اظہار ہو تو اس کا علاج اس فکر سے کرے کہ باری تعالیٰ کے نزدیک میرا جو کچھ مرتبہ تھا

وہ تو اس غیبت سے باقی نہ رہا۔ اب اگر دوسروں کی غیبت کرنے سے مجھے کچھ دُنیاوی اعزاز و اکرام مل بھی گیا تو اس کی حیثیت ہی کیا ہے' پھر اس کا ملنا یقینی بھی تو نہیں ہے' کیا معلوم لوگ میرا اعتبار کریں یا نہ کریں' اگر اعتبار نہ کیا تو رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جائے گی' اور لوگ جھوٹا سمجھیں گے۔

حسد کی وجہ سے غیبت کرنے میں دوہرا عذاب ہے' ایک عذاب تو حسد کی وجہ سے کہ وہ دنیا کی نعمتوں پر حسد کر رہا ہے' حالانکہ یہ نعمتیں زوال پذیر ہیں حسد سے اس شخص کا کچھ نہیں بگڑتا جسے نعمتیں میسر ہیں' خود وہی جسمانی اور ذہنی عذاب میں گرفتار رہتا ہے' پھر حاسد نے اسی عذاب پر قناعت نہیں کی' بلکہ اس کے ساتھ آخرت کے عذاب کا بھی اضافہ کرلیا' یعنی اس کی غیبت بھی شروع کردی جس سے وہ جلن محسوس کرتا ہے' اس میں دنیا کا بھی نقصان ہے اور دین کا بھی' یہ شخص خَسِرَ الدُّنیا والآخرۃ کا مصداق ہے' ارادہ یہ کیا تھا کہ دوسرے شخص کو نقصان پہنچاؤں' لیکن خود نقصان اٹھا بیٹھا' اور بجائے نفع کمانے کے اپنا راسُ المال (نیکیاں) بھی اس کی جھولی میں ڈال دیں' اپنا دشمن اور اس کا دوست بن گیا یاد رکھو غیبت اس شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی جس کی تم غیبت کرتے ہو بلکہ خود تمہیں نقصان پہنچاتی ہے' تمہاری نیکیاں اس کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں' اور اس کی برائیاں تمہارے حصے میں آجاتی ہیں' تم نے حسد کی خباثت کے ساتھ حماقت بھی بلالی ہے پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ تمہارا حسد محسود کو نقصان ہی پہنچائے گا' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہارے حسد سے اس کی شہرت و عظمت میں کمی ہونے کے بجائے زیادتی ہوجائے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:-

واذا اراد اللّٰہ نشر فضیلۃ طویت اتاح لھا لسان حسود

(جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے فضائل پھیلانے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حسد کرنے والی زبان (شخص) مہیا کردیتا ہے جو اس پر حسد کرتا ہے اور اس کی نیک نامی کا سبب بنتی ہے)۔

اگر غیبت کا محرک اِستہزاء ہے تو یہ بات سمجھنی چاہیے کہ دوسرے کو لوگوں کے نزدیک رُسوا کرکے اور اسی طنز و تضحیک کا نشانہ بنا کر تم خود اللہ کے یہاں رسوائی مول لے رہے ہو' اگر تم اپنے انجام پر نظر ڈالو' اور دیکھو کہ قیامت کے دن کتنی زبردست ذلّت اور رُسوائی اُٹھانی پڑے گی' ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھائے تم دوزخ کی طرف قدم بڑھا رہے ہوں گے جن کی دنیا میں ہنسی اڑائی تھی' اگر تم اس انداز سے سوچو گے تو یقیناً دل میں اللہ کا خوف پیدا ہوگا' اور کسی کا مضحکہ اُڑانے کی جرأت نہ ہوگی' تم اس کے زیادہ مستحق ہو کہ تمہاری ہنسی اڑائی جائے' اور تمہاری بے وقوفی پر قہقہے لگائیں جائیں تم نے دنیا میں ایک شخص کی ہنسی اُڑائی' اور چند لوگوں کے مجمع میں اسے رُسوا کیا' لیکن اپنے آپ کو قیامت کے دن کی ذلّت کے حوالے کردیا' انسان اور فرشتوں کا ایک جم غفیر ہوگا اور سب اس کی حماقتوں پر ہنسیں گے' مذاق اڑائیں گے' اور سب کے سامنے اسے دوزخ کی طرف دھکیلا جائے گا جس طرح گدھے کو ہنکایا جاتا ہے' وہ شخص الگ خوش ہوگا' جس کی اس نے غیبت کی تھی اور اپنی فتح پر نازاں ہوگا' اور اللہ کا شکر ادا کرے گا کہ اگرچہ میں دنیا میں انتقام نہ لے سکا' لیکن آج میری پیاس بجھ گئی۔

کسی شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر رحم کھانا اگرچہ ایک مستحسن جذبہ ہے لیکن شیطان تمہاری اس نیکی سے حسد کرتا ہے' وہ تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش کرے گا اور تمہاری زبان سے کوئی ایسا لفظ نکلوادے گا جس کی سزا میں تمہاری نیکیاں اس شخص کی طرف منتقل ہوجائیں گی جس پر تم نے رحم کھایا تھا' اس طرح اس کے نقصان کی تلافی ہوجائے گی' لیکن تم خود ایک ایسے نقصان میں مبتلا ہوجاؤ گے جس کی کوئی تلافی نہیں ہے' اور خود "قابل رحم" بن جاؤ گے۔

اللہ کے لیے غصہ کرنے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ کسی شخص کی غیبت کی جائے جب تم کسی شخص پر اللہ کے لیے خفا ہوتے ہو تو شیطان تمہیں اجر و ثواب سے محروم کرنے کے لیے غیبت میں لگا رہتا ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ تم اس ثواب کے مستحق قرار پاؤ جو اللہ کے لیے غصہ کرنے کے نتیجے میں ملنے والا ہے۔ یہی حال تعجب کا ہے' اگر تم کسی کے حال پر تعجب کرتے کرتے غیبت میں لگ جاؤ تو

دوسرا تمہارے تعجب کا مستحق نہیں ہے' بلکہ تمہیں خود اپنے نفس پر تعجب کرنا چاہیے کہ دوسرے کے دین یا دنیا پر تعجب کرتے کرتے اپنا دین ضائع کر بیٹھے' اور دنیا میں بھی عذاب کے مستحق ٹھہرے' کیوں کہ جس طرح تم نے تعجب کے بہانے دوسرے کے پوشیدہ عیوب سے پردہ اٹھایا ہے اور اسے بر سرعام کیا ہے اسی طرح تمہارے عیوب بھی ظاہر کئے جائیں گے اور تمہیں بھی رسوا کیا جائے گا۔ ان سب امراض کا علاج علم و معرفت ہے۔ جس شخص کا ایمان قوی ہوتا ہے اور جو شخص اللہ کی حقیقی معرفت رکھتا ہے اس کی زبان غیبت سے محفوظ رہتی ہے۔

دل سے غیبت کرنے کی حرمت

سوءِ ظن (بدگمانی) : بد زبانی کی طرح بدگمانی بھی حرام ہے یعنی جس طرح یہ جائز نہیں کہ تم اپنی زبان سے کسی دوسرے کے عیوب بیان کرو اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ تمہارے دل میں کسی کے متعلق غلط خیال آئے یا اس کی طرف سے بدگمان ہو' بدگمانی سے ہماری مراد یہ ہے کہ کسی شخص کو قصداً برا نہ سمجھنا چاہیے' البتہ خواطر اور حدیث نفس کے طور پر اگر کسی کی برائی کا خیال دل میں آجائے تو یہ معاف ہے' بلکہ شک بھی معاف ہے' ممنوع ظن ہے' اور ظن نام ہے دل کے میلان اور قصد کا۔ اسی ظن کی مخالفت قرآن کریم میں وارد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (پ ۲۶ ر ۱۴ آیت ۱۱)

اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو' کیوں کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں۔

سوءِ ظن کی حرمت کی وجہ : یہ ہے کہ دلوں کے اسرار سے علاّم الغیوب (اللہ تعالیٰ) کے علاوہ کوئی واقف نہیں ہے' اس لیے کسی بندے کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کے متعلق اپنے دل میں غلط خیال جمائے' ہاں اگر برائی اس طرح ظاہر ہو جائے کہ نہ انکار کی گنجائش باقی رہے اور نہ تاویل و توجیہ کی' اس صورت میں بلاشبہ اپنے علم و مشاہدے کے مطابق کسی غلط خیال کا دل میں آنا اور راسخ ہونا ممکن ہے' لیکن جس برائی کا نہ تم نے مشاہدہ کیا ہے اور نہ اس کے متعلق کچھ سنا ہے اس کا دل میں آنا شیطان کا کام ہے' شیطان ہی اس طرح کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے اس کی تکذیب کرنی چاہیے' کیوں کہ فاسق کی خبر معتبر نہیں ہوتی' اور شیطان تو فاسقوں کا بھی سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ (پ ۲۶ ر ۱۳ آیت ۶)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو' کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچاؤ۔

معلوم ہوا کہ شیطان کی خبر کی تصدیق کرنا جائز نہیں ہے' اور اگر کوئی دلیل ایسی موجود ہو جس سے یہ اعتقاد فاسد ٹھہرتا ہو' یا خلاف کا احتمال نکلتا ہو تب تو بطریق اولیٰ اس کی تصدیق کرنا جائز نہیں اگرچہ فاسق کا جھوٹ بولنا یقینی نہیں ہے' بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی خبر سچی ہو' لیکن بلا تحقیق اس کی تصدیق کرنا جائز نہ ہوگا' یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص پر محض اس لیے حد جاری نہیں کی جاسکتی کہ اس کے منہ سے شراب کی بو آرہی ہے' اس لیے کہ یہ ممکن ہے اس نے شراب سے کلی کی ہو' یا غرارہ کیا ہو' پی نہ ہو' یا کسی نے زبردستی اس کے منہ سے لگادی ہو' یہ سب علامتیں محتمل ہیں' اس لیے محض ان علامتوں کی بنا پر کسی شخص کے متعلق یہ سوچنا کہ اس نے شراب پی ہے مسلمان کے ساتھ بدگمانی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ان اللہ حرم من المسلم دمہ و مالہ وان یظن بہ ظن السوء (بیہقی۔ ابن عباس)
اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون اور مال حرام کیا ہے اور یہ بھی حرام کیا ہے کہ اس کے متعلق برا گمان رکھا جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن دلائل سے کسی مسلمان کا خون اور مال جائز ہوتا ہے انہی دلائل سے اس کے بارے میں بدگمانی کرنا بھی جائز ہوگا' اور وہ دلائل ہیں آنکھ سے مشاہدہ یا کسی ثقہ کی شہادت۔

بدگمانی کا علاج : اگر یہ دلائل موجود نہ ہوں' اور دل میں کسی کے بارے میں بدگمانی راہ پائے تو اس کے ازالے کی تدبیر کرنی چاہیے اور نفس کو سمجھانا چاہیے کہ اس شخص کا حال تجھ پر مخفی ہے' جس واقعے کو بنیاد بنا کر تو بدگمان ہو رہا ہے اس میں شر اور خیر دونوں ہی کا احتمال ہے' یہ کیا ضروری ہے کہ تو خیر کے احتمال کو چھوڑ کر شر کے احتمال کو ترجیح دے۔
یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کے دل میں شکوک پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں' اور طرح طرح کے خیالات بھی سر اٹھاتے ہیں' ان شکوک اور خیالات کے ہجوم میں یہ بات کس طرح معلوم ہو کہ فلاں خیال سوء ظن ہے' اور فلاں خیال سوء ظن نہیں ہے۔ بلکہ شک یا حدیث نفس ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سوء ظن علامت سے پہچانا جاتا ہے' اور وہ علامت یہ ہے کہ تمہارا دل اس شخص سے بدل جائے جس کے بارے میں بدگمان ہو' مثلاً پہلے اس سے محبت کرتے تھے اب نفرت کرنے لگو' یا اس کی خاطر داری اور تعظیم کرنے میں پہلا سا نشاط اور مسرت باقی نہ رہے قلب کی اس تبدیلی سے سمجھنا چاہیے کہ میں فلاں شخص سے بدگمان ہوں۔
حدیث شریف میں سوء ظن کا کیا خوب علاج بیان فرمایا گیا ہے ارشاد ہے:

ثلاث فی المؤمن ولہ منہن مخرج' فمخرجہ من سوء الظن ان لا یحققہ
(طبرانی۔ حارثہ بن النعمان)
تین باتیں مؤمن میں ہوتی ہیں' اور اس کے لیے ان سے نکلنے کی صورت بھی ہے' چنانچہ سوء ظن سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ اسے دل میں راسخ نہ کرے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی غلط گمان دل میں آبھی جائے تو نہ اسے ٹھہرنے یا جمنے کا موقع دے' اور نہ اعضاء کے ذریعہ اس کا اظہار کرے۔ قلب میں جمنے کی صورت تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے کراہت یا نفرت کرنے لگے' اور ظاہری اعضاء کے ذریعہ بدگمانی ظاہر کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان سے دل کے ظن کے مطابق اعمال صادر ہونے لگیں' بہر حال شیطان معمولی سی بات کو بہانہ بنا کر دل میں لوگوں کی طرف سے برائی ڈالتا ہے' اور ساتھ ہی یہ بھی باور کرا دیتا ہے کہ ہم کتنے عاقل و دانا ہیں کہ برائی کا کتنی جلد ادراک کر لیتے ہیں واقعتہً مؤمن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے' حالانکہ حقیقت میں وہ شخص اللہ کے نور سے نہیں بلکہ شیطان کے فریب کی تاریکی میں دیکھتا ہے۔ البتہ اگر تمہیں کوئی معتبر آدمی کسی بات کی اطلاع دے اور تمہارا گمان اس کی تصدیق کی طرف مائل ہو تو اس میں تم معذور ہو' اس لیے کہ اگر تم نے اس کی تکذیب کی تو یہ بات اس ثقہ شخص کے سلسلے میں بدگمانی کا مظہر ہوگی جس نے تمہیں خبر دی ہے' اور جو اپنی ثقاہت کی بنا پر تصدیق کا مستحق ہے نہ کہ تکذیب کا۔ یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ ایک شخص کے متعلق اچھا گمان باقی رکھنے کے لیے دوسرے سے بدگمان ہو جاؤ' تاہم یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ خبر دینے والے کی اس شخص سے کوئی دشمنی تو نہیں ہے جس کے متعلق اس نے خبر دی ہے' یا وہ اس سے حسد تو نہیں رکھتا' اگر ایسا ہے تو اس کی خبر پر تہمت کا شبہ ہو سکتا ہے' چنانچہ اس تہمت کی وجہ سے شریعت نے ثقہ باپ کی شہادت بیٹے کے حق میں قبول نہیں کی ہے' دشمن کی شہادت مسترد کیے جانے کی وجہ بھی یہی ہے۔ (۱) اگر کبھی ایسی صورت حال پیش آئے تو تمہیں توقف کرنا چاہیے نہ اسے جھوٹا سمجھنا

---

(۱) ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی حدیث۔

چاہیے اور نہ سچا قرار دینا چاہیے بلکہ یہ سوچنا چاہیئے کہ جس شخص کے بارے میں اس نے مجھے خبر دی ہے اس کا حال مجھ پر پہلے بھی مخفی تھا اور اب بھی مخفی ہے۔

بعض لوگ بظاہر ثقہ ہوتے ہیں' اور دونوں میں کوئی عداوت یا حسد کا جذبہ بھی نہیں ہوتا لیکن وہ عادتاً لوگوں سے تعرض کرتے ہیں اور ان کے عیوب بیان کرکے خوش ہوتے ہیں' یہ لوگ بظاہر ثقہ اور عادل ہیں' لیکن حقیقت میں ایسے نہیں ہیں' غیبت کرنے والا فاسق ہوتا ہے جس شخص کو غیبت کرنے کی عادت ہو اس کی شہادت قبول نہ کرنی چاہیے' لیکن آج کل لوگ غیبت کو کچھ بڑا عیب نہیں سمجھتے' اور اس باب میں اتنے سہل انگار ہوگئے کہ عادی غیبت کرنے والوں کی شہادتیں بھی قبول کرلیتے ہیں' اور خود بھی ایک دوسرے کی برائی کرتے رہتے ہیں' اور انجام کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے۔ اگر تم کسی مسلمان سے بدظن ہو جاؤ تو اس کی خاطر داری اور تعظیم میں زیادتی کرو اور اس کی لیے خیر کی دعا مانگو' اس طرح تمہارا دل صاف ہو جائے گا' اور شیطان بھی مایوس ہو کر تم سے ہاتھ اُٹھالے گا' پھر وہ تمہارے دل میں کسی کے لیے غلط گمان ڈالنے کی کوشش نہیں کرے گا اس خوف سے کہ کہیں تم اس کے لیے دعائے خیر نہ کرنے لگو' اور اس کی زیادہ تعظیم نہ کرنے لگو' اگر کسی دلیل۔ مشاہدے یا معتبر شہادت۔ کے ذریعہ کسی مسلمان کی برائی تمہارے علم میں آئے تو یہ مناسب نہیں کہ شیطان کے بہکانے میں آکر اس کی غیبت کرنے لگو' بلکہ اسے اس طرح نصیحت کرو کہ دوسرے واقف نہ ہوسکیں' یا نصیحت کرو تو خوش ہونے یا اترانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہمیں فلاں شخص کا عیب معلوم ہوگیا' اور اللہ نے ہمیں ناصح اور واعظ کے منصب سے نوازا' اور دوسروں کو راستہ بتلانے کی توفیق بخشی' نہ اپنی عظمت کا خیال دل میں آنا چاہیے اور نہ دوسرے کی حقارت کا' بلکہ جس طرح تم اپنے کسی نقصان پر مطلع ہوکر مضطرب ہو جاتے ہو اسی طرح تمہیں اس کے حال پر رنجیدہ ہونا چاہیے نیت یہ ہونی چاہیے کہ وہ عیب اس شخص میں باقی نہ رہے' کوشش یہ کرے کہ وہ از خود سنبھل جائے تمہاری نصیحت کا محتاج ہی نہ ہو' یا دوسرے نصیحت کریں اور تمہارے بغیر راہ راست پر آجائے اگر تم نے اس طریقے پر عمل کیا تو تمہیں ایک کے بجائے تین اجر ملیں گے' ایک نصیحت کرنے پر' دوسرا اجر اس شخص کے حال پر غم کرنے کی وجہ سے' اور تیسرا اس لیے کہ تم نے دین پر اس کی اعانت کی ہے۔

سُوءِ ظن کے پہلو سے تجسّس جنم لیتا ہے' اس لیے کہ دل محض کسی خیال پر قانع نہیں ہوتا بلکہ وہ مزید تحقیق کرتا ہے' اور تحقیق کے لیے تجسّس میں مشغول ہوتا ہے' قرآن کریم میں تجسّس سے بھی منع فرمایا گیا ہے' حکم ہے وَلَا تَجَسَّسُوا (اور کسی کا بھید نہ ٹٹولو)۔ قرآن کریم کی ایک ہی آیت میں غیبت' سُوءِ ظن اور تجسّس سے منع کیا گیا ہی' تجسّس کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص کے عیوب پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے اس کے حالات دریافت کئے جائیں' اور اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھی جائے تاکہ وہ عیوب منکشف ہوجائیں' حالانکہ اگر وہ پوشیدہ رہتے تو اس کے دل اور دین دونو کے لے بہتر ہوتے جاسوسی کی حقیقت اور اسکا شرعی حکم اَمر بالمعروف کے باب میں گذر چکا ہے۔

غیبت کے باب میں رُخصت کے مواقع

اگر کسی شخص کی غیبت کرنے میں کوئی صحیح دینی مصلحت پوشیدہ ہو' اور وہ مقصد اس کے بغیر حاصل نہ ہوتا ہو تو غیبت کرنا گناہ نہیں ہے' اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعض مواقع پر شریعت نے غیبت کی اجازت بھی دی ہے۔ یہ کل چھ مواقع ہیں۔

اول ظلم کی دادرسی کے لیے : مثال کے طور پر کوئی مظلوم حاکم سے یہ شکایت کرے کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے میرے ساتھ خیانت کی ہے یا مجھ سے رشوت لی ہے' تو یہ غیبت نہیں ہے' لیکن اگر وہ مظلوم نہیں تو یہ شکایت غیبت سمجھی جائے گی' اور اس کا گناہ ہوگا' مظلوم کے لیے اجازت کی وجہ یہ ہے کہ وہ حاکم کو صحیح واقعہ بتلائے بغیر اپنا حق حاصل نہیں کرسکتا' رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان لصاحب الحق مقالا (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

حق والا بولا ہی کرتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

مطل الغنی ظلم (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

مال وار کا ادائے حق میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔

فرمایا:۔

لی الواجد یحل عقوبتہ و عرضہ (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ۔ شرید)

مالدار کا قرض ادا نہ کرنا اس کی عقوبت اور آبرو کو جائز کردیتا ہے۔

دوم منکر کے ازالے' اور معصیت دور کرنے پر مدد حاصل کرنے کے لیے: جیسا کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ اور بعض روایات کے مطابق حضرت طلحہؓ کے پاس سے گذرے اور انہیں سلام کیا' لیکن انہوں نے جواب نہیں دیا' آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے ان کی شکایت کی' حضرت ابوبکرؓ بذات خود تشریف لائے اور ان دونوں میں صلح کرائی' صحابہ کے نزدیک اس طرح کی شکایتیں غیبت میں داخل نہیں تھیں کیونکہ ان سے مصالحت مقصود ہوتی تھی' اسی طرح جب حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع پہنچی کہ ابوجندل ملک شام میں شراب نوشی کرتے ہیں تو آپ نے انہیں ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ' حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ (شروع کرتا ہوں اللہ رحمن رحیم کے نام سے' حم' کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہوا ہے جو زبردست ہے' خبردار ہے' گناہ بخشنے والا ہے' توبہ قبول کرنے والا ہے' اور سخت عذاب دینے والا ہے۔" ابوجندل کے پاس جب یہ خط پہنچا تو انہوں نے فوراً ہی توبہ کی' اور شراب نوشی ترک کردی ظاہر ہے ابوجندل کی شراب نوشی کی خبر کسی دوسرے شخص نے حضرت عمرؓ کو دی تھی' نہ اس کا مقصد غیبت کرنا تھا' اور نہ حضرت عمرؓ ہی نے اس کی حالت بیان کرنے کو غیبت تصور کیا' بلکہ خبر دینے والے نے یہ سوچا تھا کہ اگر اس کی شکایت حضرت عمرؓ سے کردی جائے تو زیادہ بہتر ہے' وہ نصیحت کریں گے' اور ان کی نصیحت میری نصیحت سے زیادہ مؤثر ہوگی' یہی ہوا بھی کہ حضرت عمرؓ کے ایک مختصر سے مکتوب نے انہیں توبہ کرنے پر مجبور کردیا۔

سوم فتویٰ حاصل کرنے کے لیے: مثلاً کسی مفتی یا عالم سے جاکر یہ دریافت کرنا کہ مجھ پر میرے باپ' بھائی یا بیوی نے یہ ظلم کیا ہے' میرے لیے شریعت کا کیا حکم ہے' بہتر تو یہ ہے کہ استفتاء میں کنائے سے کام لے' یعنی اس طرح دریافت کرے کہ اگر کسی شخص پر اس کا باپ بھائی یا بیوی ظلم کرے تو اسے کیا کرنا چاہیئے' تاہم ان مواقع پر صراحت اور تعیین بھی گناہ نہیں ہے جیسا کہ ہند بنت عتبہؓ کی روایت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے شوہر سفیان کی شکایت لے کر آئیں اور کہنے لگیں کہ میرا شوہر ایک بخیل آدمی ہے' وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے اور بچوں کے لیے کافی ہو' کیا میں اس کے علم و اطلاع کے بغیر اس کے مال میں سے کچھ لے سکتی ہوں' آپ نے فرمایا جس قدر تجھے اور تیرے بچوں کو کافی ہو اتنا لے لیا کر (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ) دیکھئے ہند بنت عتبہ نے اپنے اوپر اور بچوں پر ہونے والی زیادتی کی شکایت کی' اور شوہر کے نام کی بھی صراحت کردی' لیکن آپ نے اسے ڈانٹا نہیں کیونکہ اس کا مقصد غیبت کرنا نہیں تھا بلکہ شرعی مسئلہ دریافت کرنا تھا۔

چہارم مسلمان کو شر سے بچانے کے لیے: مثلاً تم کسی فقیہ کو بدعت کی طرف مائل دیکھو' یا کسی شخص کو فسق میں مبتلا دیکھو اور یہ اندیشہ ہو کہ اس کی بدعت اور اس کا فسق کسی دوسرے مسلمان کی طرف تعدی کرجائے گا' اس صورت میں تمہارے لیے

جائز ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کو فقیہ کی بدعت اور فاسق کے فسق سے آگاہ کردو' اس غرض کے علاوہ کسی دوسری غرض کے لیے آگاہ کرنا جائز نہیں ہے' یہ بڑے دھوکے کا مقام ہے' کبھی جذبہ حسد بھی آدمی کو دوسرے کی برائی کرنے پر اُکساتا ہے' اور شیطان اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ وہ محض مخلوق پر شفقت اور معاصی سے ان کی حفاظت کے لیے بدعتی کی بدعت اور فاسق کے فسق سے مطلع کررہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو نوکر رکھنا چاہے اور تم اس نوکر کے کسی عیب۔ مثلاً چوری کی عادت سے واقف ہو تو مالک کو ضرور مطلع کردینا چاہیئے' اگرچہ اس میں نوکر کا ضرر ہے' لیکن مالک کا مفاد مقدم ہے' اسی طرح اگر قاضی وغیرہ تم سے کسی گواہ کے متعلق کچھ دریافت کریں اور تم اس کی کسی بات سے واقف ہو تو بیان کردینی چاہیے' کیونکہ مقدمے میں انصاف کا دار ومدار گواہوں کی گواہی پر ہوتا ہے' اگر تم سچ نہ بولے تو کیا عجب ہے کہ کسی دوسرے کے خلاف فیصلہ ہوجائے اور وہ اپنے جائز حق سے محروم ہوجائے' یہی حکم اس شخص کا ہے جو تم سے شادی بیاہ' یا امانت وغیرہ رکھنے کے باب میں مشورہ مانگے' تمہارا فرض ہے کہ اسے صحیح مشورہ دو' اگرچہ مشورہ دینے میں کسی دوسرے کا عیب ہی کیوں نہ بیان کرنا پڑے' کیونکہ اظہار عیب سے تمہارا مقصد مشورہ لینے والے کی خیر خواہی ہے نہ کہ اس شخص کی برائی لیکن اگر یہ خیال ہو کہ مشورہ لینے والا تمہارے محض منع کردینے سے رُک جائے گا' اور متعلقہ شخص کا عیب یا منع کرنے کی وجہ جاننے کی خواہش نہیں کرے گا تو صرف منع کردو' عیب پر مطلع نہ کرو' البتہ اگر یہ یقین ہو کہ وجہ دریافت کئے بغیر وہ میرا مشورہ نہیں مانے گا تو ہر بات صاف صاف بتلا دینی چاہیے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اترعون عن ذکر الفاجر' اهتکوه متی یعرفه الناس اذکروه بما فیه یحذره الناس (طبرانی' ابن حبان۔ بہزبن حکیم)

کیا تم بدکار آدمی کا ذکر کرنے سے ڈرتے ہو' اس کی ہتک کرو تاکہ لوگ اسے پہچان لیں' اور اس کی برائیوں کا تذکرہ کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔

اکابرین سلف فرماتے ہیں کہ تین آدمیوں کی برائی کرنا غیبت نہیں ہے' ایک ظالم حاکم' دوسرا بدعتی تیسرا کھلا فاسق۔

پنجم عُرفیت کی وجہ سے : اگر کسی شخص کا کوئی عیب معروف ہوگیا ہو' اور لوگ اسے اسی عیب کے حوالے سے بلاتے ہوں مثلاً اندھا' کانا' لنگڑا وغیرہ اس صورت میں تم بھی اگر اسی نام سے بلاؤ یا غائبانہ میں اس کا نام لو تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے چنانچہ حدیث کی کتابوں میں اس طرح کی اسناد منقول ہیں روی ابو الزناد عن الاعرج و سلیمان عن الاعمش یعنی ابو الزناد نے اعرج (لنگڑے) سے روایت کی ہے' اور سلیمان نے اَعمش (چندھے) سے۔ علماء نے اس کی اجازت پہچان کی وجہ سے دی ہے' خود وہ لوگ بھی جن کے نام اسی طرح کے عیوب پر دلالت کرتے ہیں ان ناموں سے شہرت پانے کے بعد بُرا نہیں مناتے' البتہ اگر ان کے ناموں کا کوئی متبادل مل جائے یا کسی دوسرے لفظ کے ذریعہ ان کا تعارف کرانا ممکن ہو تو یہ زیادہ اچھی بات ہے' اسی لیے بعض لوگ اعمیٰ (اندھے) کو بصیر (بینا) کہتے ہیں' تاکہ نقص پر دلالت کرنے والے نام کا بدل ہوسکے۔

ششم کُھلے فسق کی وجہ سے : اسی طرح اگر کوئی شخص کھلم کھلا فسق کا ارتکاب کرتا ہے مثلاً مخنث' شراب خور' یا لوگوں سے ڈانڈ اور رشوتیں وصول کرنے والے لوگوں کی برائیاں عموماً لوگوں پر عیاں رہتی ہیں بلکہ بعض لوگ ان برائیوں کے مظاہر میں بھی کوئی عیب نہیں سمجھتے' اور نہ ان عیوب کی اپنی طرف نسبت پر بُرا مناتے ہیں' ایسے لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من القی جلباب الحیاء عن وجهه فلا غیبة له (ابن عدی۔ انس)

جو شخص اپنے چہرے سے حیا کا نقاب اتار پھینکے اس (کی برائی) کا ذکر کرنا غیبت نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں فاجر کے لیے کوئی عزت و احترام نہیں‘ فاجر سے مراد انہوں نے وہ شخص لیا ہے جو علی الاعلان فسق و فجور میں مبتلا رہتا ہو‘ چھپ کر کرنے والے کا یہ حکم نہیں ہے۔ اس کی عزت و احترام کی پاسداری اور رعایت ہونی چاہیے‘ صلت ابن طریف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ اپنے فسق کا مظاہرہ و اعلان کرنے والے فاسق کی برائی کرنا غیبت ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا: غیبت نہیں ہے‘ اور نہ ایسے آدمی کے لیے کوئی عزت و احترام ہے۔ حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ تین آدمیوں کی برائی کا ذکر غیبت نہیں ہے شہوت پرست‘ فاسق مُعلِن‘ اور ظالم حکمران۔ کیوں کہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں سامنے کرتے ہیں‘ بلکہ بعض اوقات اپنی حرکتوں پر نازاں بھی ہوتے ہیں‘ اگر ان کا ذکر کیا جائے تو وہ ناپسند کیوں کریں گے‘ جب کہ خود انہیں اپنی برائیاں پسند ہیں‘ البتہ کسی ایسے فعل کا ذکر کرنا غیبت ہے جسے وہ چھپ کر کرتے ہوں‘ عوفؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین کی مجلس میں حجاج بن یوسف کی برائی کی‘ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ حاکم عادل ہے‘ جس طرح وہ حجاج سے اس کے مظالم کا بدلہ لے گا اسی طرح وہ ان لوگوں سے بھی بدلہ لے گا جو اس کی غیبت کرتے ہیں‘ جب تم قیامت کے روز اللہ سے ملوگے تو تمہارا یہ چھوٹا سا گناہ حجاج کے بڑے گناہوں کے مقابلے میں سخت تر عذاب کا باعث بن سکتا ہے۔

غیبت کا کفارہ

<u>معاف کرانا دعائے خیر کرنا</u> : غیبت کرنے والے پر واجب ہے کہ وہ اپنے فعل پر نادم ہو‘ تأسف کا اظہار کرے‘ اور توبہ کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حق سے بریٔ الذمہ ہو جائے‘ پھر اس شخص سے معاف کرائے جس کی غیبت کی ہے‘ صرف زبان سے معافی کی درخواست کرنا کافی نہیں ہے بلکہ دل کا متأسف اور غمگین و نادم ہونا بھی ضروری ہے اس لیے کہ ریاکار بظاہر اپنا قصور معاف کراتا ہے‘ لیکن دل میں ذرہ برابر بھی ندامت نہیں ہوتی‘ اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے متقی پرہیزگار سمجھیں‘ یہ ایک دوسری معصیت ہے غیبت کا گناہ تو ذمے تھا ہی کہ اب ریاکاری کا گناہ بھی سر پر پڑ گیا۔ حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ غیبت کا گناہ معاف کرانا ضروری نہیں ہے‘ بلکہ اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کرنی کافی ہے جس کی غیبت کی ہو‘ انہوں نے حضرت انس ابن مالک کی اس روایت سے استدلال کیا ہے:

کفّارۃ من اغتبتہ ان تستغفر لہ (ابن ابی الدنیا)

جس کی تم نے غیبت کی ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کے لیے دعائے مغفرت کرو۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ کسی کا گوشت کھانے کا کفارہ یہ ہے کہ اس کی ثنا کی جائے اور اس کے لیے دعائے خیر کی جائے‘ عطاء بن ابی رباح سے پوچھا گیا کہ غیبت سے توبہ کرنے کا کیا طریقہ ہے‘ انہوں نے جواب دیا اس طرح کہ تم اس شخص کے پاس جاؤ جس کی غیبت کی ہو‘ اور اس سے کہو کہ میں نے تمہارے متعلق جھوٹ کہا‘ تم پر ظلم کیا‘ اور تمہیں تکلیف پہنچائی‘ اگر تم چاہو تو اپنا حق وصول کر لو اور چاہو تو معاف کر دو‘ یہی طریقہ زیادہ صحیح ہے بعض لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں کہ آبرو مال کی طرح نہیں ہے کہ اس میں معاف کرانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک کمزور اور بے بنیاد قول ہے کسی کی آبرو پر حرف اٹھانا کوئی معمولی بات نہیں ہے‘ اس میں حد قذف واجب ہے‘ اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اگر کسی نے مسلمان کی آبرو کو نقصان پہنچایا اور معافی نہ مانگی تو اس پر مواخذہ ہوگا اور نیکیاں لے کر یا گناہ دے کر بدلہ چکایا جائے گا‘ ارشادِ نبوی ہے:

من کانت لأخیہ عندہ مظلمۃ فی عرض او مال فلیستحللھا منہ من قبل ان یأتی یوم لیس ھناک دینار ولا درھم انما یؤخذ من حسناتہ فان لم تکن لہ حسنات أخذ من سیئات صاحبہ فزیدت علی سیئاتہ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جس شخص کے ذمے اس کے بھائی کا کوئی حق ہو خواہ آبرو مال میں اسے وہ حق اس دن کے آنے سے پہلے معاف کرالینا چاہیئے جس دن نہ کوئی دینار ہوگا اور نہ درہم (کہ ان سے بدلہ چکا دیا جائے بلکہ بدلہ چکانے کے لیے) اس کی نیکیاں لے لی جائیں گی' اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اسکے ساتھی کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے ساتھی کے گناہ لے کر اسکے گناہوں میں اضافہ کردیا جائے گا۔

حضرت عائشہؓ نے ایک عورت سے جس نے کسی عورت کو طویل دامن والی کہہ دیا تھا فرمایا کہ اس سے اپنا قصور معاف کراؤ تم نے اس کی غیبت کی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ معاف کرانا ضروری ہے بشرطیکہ یہ ممکن ہو' لیکن اگر وہ شخص مرگیا ہو یا مفقودالخبر ہوگیا ہو تب بلاشبہ اسکے لیے بکثرت دعائے خیر کرنی چاہیئے' اور نیک کاموں کا ثواب اسے پہنچانا چاہیئے۔

کیا معاف کرنا ضروری ہے؟ : یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے شخص پر معاف کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ معاف کرنا واجب نہیں ہے' بلکہ یہ تبرع ہے اور تبرع مستحسن ہوتا ہے جواب نہیں ہوتا۔ معاف کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی خوب تعریف کرے' اس سے قریب ہو' اور زیادہ وقت اس کے ساتھ گزارے تاکہ اس کا دل صاف ہوجائے' اور قصور معاف کردے' اگر اس کا دل صاف نہیں ہوا اور وہ قصور معاف کرنے پر رضامند نہ ہو تب بھی معافی کے لیے یہ تگ ودو' اور دوستی اور قربت حاصل کرنے کے لیے یہ کوشش رائگاں نہیں جائے گی' بلکہ اس کا ثواب ملے گا' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیبت کے مقابلے میں یہ عمل نیکی بن جائے' بعض بزرگان دین معاف نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت سعید ابن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر ظلم کرتا ہے اسے معاف نہیں کرتا' حضرت ابن سیرین فرمایا کرتے تھے کہ غیبت اللہ نے حرام کی ہے' میں معاف کرکے اسے حلال کیوں کروں؟ اب اگر کوئی یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "وینبغی ان یستحلھا" (اور معاف کردینا چاہیئے) کہ کیا معنی ہیں' کیا اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی کوئی چیز حلال کی جاسکتی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ تحلیل کے یہاں یہ معنی نہیں کہ حرام کو حلال کردے بلکہ یہ معنی ہیں کہ اگر اس پر کسی نے ظلم کیا ہو تو اسے معاف کردے ابن سیرین نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ غیبت ناجائز ہے' اللہ نے اسے حرام قرار دیا ہے میں غیبت کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا' یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص میری غیبت کرے تو میں اسے معاف نہیں کرسکتا۔ ایک حدیث میں ہے:

ایعجزا احدکم ان یکون کابی ضمضم کان اذا خرج من بیتہ قال: اللّٰھم انی تصدقت بعرضی علی الناس (بزار' ابن السنی۔ انس)

کیا تم ابو ضمضم جیسا بننے سے عاجز ہو' جب وہ اپنے گھر سے نکلتا تھا تو یہ کہتا تھا: اے اللہ! میں نے لوگوں پر اپنی آبرو صدقہ کردی ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آبرو صدقہ کرنے کے کیا معنی ہے' نیز جو شخص آبرو صدقہ کردے کیا اسے برا بھلا کہنا جائز ہے' اگر یہ صدقہ نافذ نہیں ہوا تو حدیث میں موجود ترغیب کے کیا معنی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آبرو صدقہ کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ برا کہنا جائز ہوگیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں قیامت کے روز اس سے غیبت کا بدلہ نہیں لوں گا۔ یہ کہنے سے نہ ایسے شخص کی غیبت کرنی جائز ہے' اور نہ غیبت کرنے والا گناہ سے بریّ الذمہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ وجوب سے پہلے عفو ہے' اور جب قصور ہی سرزد نہیں ہوا تو اس کی معافی کے کیا معنی؟ البتہ اسے وعدۂ عفو کہہ سکتے ہیں کہ اگر فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا تو قیامت کے روز اس ظلم کا انتقام نہیں لوں گا' لیکن اگر وہ وعدے سے پھر جائے' اور حق کا مطالبہ کرنے لگے تو دوسرے حقوق کی طرح اسے یہ حق بھی دیا جائے گا۔ بلکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اپنے اوپر زنا کا الزام لگانے کی اجازت دیتا ہوں' اور کوئی شخص اس پر زنا کی تہمت لگائے تو اس طرح کہنے سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ آخرت کے حقوق بھی دنیا کے حقوق کی طرح ہیں۔

معاف کرنا افضل ہے : اس میں شک نہیں کہ معاف کردینا افضل ہے۔ چنانچہ حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کے

دن اقوامِ عالم باری تعالیٰ کے حضور گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے ہوں گے تو ندا آئے گی کہ وہ شخص اٹھے جس کا اجر اللہ جل شانہ پر باقی ہو' اس وقت صرف وہ لوگ اٹھیں گے جنہوں نے دنیا میں لوگوں کا قصور معاف کیا ہوگا۔ اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (پ۹ ر۱۴ آیت ۱۹۹)

سرسری برتاؤ کو قبول کرلیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت فرمایا کہ عفو کیا چیز ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کردو' جو تم سے لاتعلقی اختیار کرے اس سے خود ملو' اور جو تمہیں نہ دے اسے دو (۱)۔ ایک شخص نے حضرت حسنؓ سے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے' انہوں نے کچھ کھجوریں ایک طباق میں رکھ کر غیبت کرنے والے کے پاس بھیجیں' اور اس سے کہلوایا کہ میں نے سنا ہے تم نے اپنی کچھ نیکیاں مجھے ہدیہ کی ہیں' میں ان کا پورا بدلہ تو نہیں چکا سکتا' جو کچھ مجھ سے بن پڑا ہے حاضر ہے' جو نہ کرسکا اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

سولھویں آفت:۔ چغلخوری : ارشادِ ربانی ہے:۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ (پ۲۹ ر۳ آیت ۱۰-۱۱)

اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت (جھوٹی) قسمیں کھانے والا ہو' بے وقعت ہو' طعنے دینے والا ہو' اور چغلیاں لگاتا پھرتا ہو۔

ایک آیت کے بعد ارشاد فرمایا:۔

عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ (پ۲۹ ر۳ آیت ۱۰-۱۱)

سخت مزاج ہو اور ان (سب) کے علاوہ حرامزادہ بھی ہو۔

حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ زنیم سے وہ ولدُ الزنا مراد ہے جو بات نہ چھپائے اس تشریح سے انہوں نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو بات نہ چھپا سکے اور چغلخوری میں مبتلا ہو وہ ولدُ الزنا ہے' اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (پ۳۰ ر۲۹ آیت ۱)

بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو۔

اس آیت میں بعض لوگوں نے ہمزۃ سے چغلخور مراد لیے ہیں' ایک آیت میں ہے:۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (پ۳۰ ر۳۶ آیت ۴)

(جو) لکڑیاں لاد کر لاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ وہ حمالۃ الحدیث (بات کو ادھر اُدھر کرنے والی) یعنی چغلخور تھی' نیز ارشاد فرمایا:۔

فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا (پ۲۸ ر۲۰ آیت ۱۰)

سو ان دونوں عورتوں نے ان دونوں بندوں کا حق ضائع کیا تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلے میں ذرا کام نہ آسکے۔

یہ آیت حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ اوّلُ الذکر پیغمبر کی بیوی اپنی قوم کے غیر فطری حرکات میں مبتلا لوگوں کو بتلا دیا کرتی تھی کہ آج اس کے شوہر کے یہاں مہمان آئے ہیں' اور ثانیُ الذکر کی بیوی لوگوں سے کہتی تھی کہ میرے شوہر پاگل اور دیوانے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

---

(۱) یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے۔

لا یدخل الجنۃ نمام (بخاری و مسلم۔ ابو حذیفہؓ)
چغلخور جنت میں نہیں جائے گا۔

ایک روایت میں نمام کے بجائے قتات کا لفظ ہے، لیکن اس کے معنی بھی وہی ہیں جو نمام کے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

احبکم الی اللّٰہ احاسنکم اخلاقا الموطئون اکنافا یالفون ویؤلفون وان ابغضکم الی اللّٰہ المشاؤن بالنمیمۃ المفرقون بین الاخوان الملتمسون للبراء العثرات (طبرانی اوسط)

اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں سب سے اچھے ہیں، جن کے پہلو نرم ہیں، جو محبت کرتے ہیں، اور جن سے محبت کی جاتی ہے۔ اور تم میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ لوگ وہ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں بھائیوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں اور معصوم لوگوں کی لغزشیں ڈھونڈتے ہیں۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا میں تمہیں شر پسند لوگوں سے آگاہ نہ کروں؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آگاہ فرمائیں وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا:۔

المشاؤن بالنمیمۃ المفسدون بین الاحبۃ الباغون للبراء العیب (احمد۔ ابو مالک اشعریؓ)

چغلی کرنے والے، دوستوں کے درمیان فساد پیدا کرنے والے، اور بے عیبوں کے عیب تلاش کرنے والے۔

حضرت ابو الدرداءؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

من اشار علی مسلم بکلمۃ یشینہ بھا بغیر حق شانہ اللّٰہ بھا فی النار فی القیامۃ (ابن ابی الدنیا، طبرانی مکارم الاخلاق)

جو شخص کسی مسلمان پر عیب لگانے کے لیے ایک لفظ سے اشارہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسی لفظ سے قیامت کے دن دوزخ میں عیب لگائے گا۔

حضرت ابو الدرداءؓ ہی کی روایت کے الفاظ ہیں:۔

ایما رجل اشاع علی رجل کلمۃ ھو منھا بری یشینہ بھا فی الدنیا کان حقا علی اللّٰہ ان یذیبہ بھا یوم القیامۃ فی النار (ابن ابی الدنیا موقوفاً علی ابی الدرداءؓ)

جو شخص دنیا میں کسی شخص پر عیب لگانے کے لیے ایسی بات کہے گا جس سے وہ بری ہے اللہ پر واجب ہوگا کہ قیامت کے دن اسے دوزخ کی آگ میں پگھلائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں:۔

من شھد علی مسلم بشھادۃ لیس لھا باھل فلیتبوا مقعدہ من النار (احمد، ابن ابی الدنیا)

جس شخص نے کسی شخص کے خلاف جھوٹی گواہی دی اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لینا چاہیئے۔

کہا جاتا ہے کہ قبر کا ایک تہائی عذاب چغلی کی وجہ سے ہوگا، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان اللّٰہ لما خلق الجنة قال لها تکلمی فقالت سعد من دخلنی فقال الجبار جلّ جلاله وعزتی وجلالی لا یسکن فیک ثمانیة نفر من الناس لا یسکنک مدمن خمر' ولا مصر علی الزنا ولا قتات وهو النمام ولا دیوث ولا شرطی ولا مخنث ولا قاطع رحم ولا الذی یقول علی عهد اللّٰہ ان لم افعل کذا وکذا ثم لم یف به (۱)

اللہ تعالیٰ نے جب جنت کو پیدا کیا تو اس سے فرمایا کچھ بول! اس نے کہا جو شخص میرے اندر داخل ہوگا وہ خوش نصیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری عزت و جلال کی قسم آٹھ طرح کے لوگ تیرے اندر نہیں رہیں گے' عادی شراب نوش' زنا پر اصرار کرنے والا' چغلخور' دیّوث' (ظالم) سپاہی' مخنّث' قاطع رحم' اور وہ شخص جو خدا کی قسم کھا کر کوئی وعدہ کرے اور پھر اسے پورا نہ کرے۔

کعب الاحبارؓ سے روایت ہے کہ جب بنی اسرائیل پر قحط سالی کا عذاب نازل ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے متعدد مرتبہ کی دعا مانگی لیکن بارش نہیں ہوئی' اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ اے موسیٰ! تمہاری اور تمہارے رُفقاء کی دعا اس لیے قبول نہیں ہوتی کہ تم لوگوں میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو چغلی پر اصرار کرتا ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: بارالہا! مجھے بتلایئے وہ شخص کون ہے تاکہ میں اسے اپنے درمیان سے نکال باہر کروں' وحی آئی کہ اے موسیٰ کیا یہ مناسب ہوگا کہ میں تمہیں غیبت کرنے سے منع کروں اور خود غیبت کروں' ان سب نے توبہ کی' تب بارش ہوئی' اور اس عذاب سے چھٹکارا ملا۔ ایک شخص کسی دانشوَر سے علم حاصل کرنے کے لیے سات سو کوس چل کر آیا' اور کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس اس علم کی خاطر آیا ہوں جس سے اللہ نے تمہیں نوازا ہے' مجھے بتلائیں کہ آسمان سے زیادہ بھاری زمین سے زیادہ وسیع پتھر سے زیادہ سخت' دوزخ سے زیادہ گرم' زمہریر سے زیادہ ٹھنڈی' سمندر سے زیادہ بے نیاز اور یتیم سے زیادہ ذلیل کون سی چیز ہے' دانشور نے جواب دیا کسی بے گناہ پر تہمت لگانا آسمانوں سے زیادہ بھاری ہے' حق زمین سے زیادہ وسیع ہے' کافر کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہے' حرص و ہوَس کی تپش دوزخ کی آگ کی تپش سے زیادہ ہے' کسی عزیز سے ضرورت کا پورا نہ ہونا زمہریر سے زیادہ ٹھنڈا ہے' قناعت پسند دل سمندر سے زیادہ بے نیاز ہے' اور چغلخور یتیم سے زیادہ ذلیل و خوار ہے اگر اس کی چغلی ظاہر ہو جائے۔

چُغلخوری کی تعریف اور اس کا علاج

عام طور پر چغلی کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ کسی کا قول اس شخص سے نقل کردے جس کے بارے میں کہا گیا ہو' مثلاً یہ کہہ دے کہ فلاں شخص تمہارے بارے میں یہ کہہ رہا تھا' لیکن چغلی کی حقیقت اسی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کی تعریف یہ ہے کہ جس چیز کا ظاہر کرنا برا ہو اسے ظاہر کردے' خواہ اسے بُرا لگے جس نے کہا' یا اسے جس کے بارے میں کہا گیا یا کسی تیسرے شخص کو' پھر یہ ضروری نہیں کہ اس کا اظہار زبان ہی سے ہو' بلکہ کتابت اور رَمز و کنایہ بھی زبان ہی کے قائم مقام ہیں' پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اس چغلی کا تعلق کلام سے ہو یا عمل سے ہو' یا منقول عنہ کے کسی عیب اور نقص سے' غرض کہ چغلی ناپسندیدہ بات کے اظہار کا نام ہے۔ بہرحال جب کسی کی نظر لوگوں کی ناپسندیدہ بات یا مکروہ احوال پر پڑے تو اسے سکوت کرنا چاہیے' البتہ اگر کسی مسلمان کا فائدہ یا کسی گناہ کا ازالہ مقصود ہو تو بولنا چاہیے' مثلاً اگر یہ دیکھے کہ کوئی شخص کسی کا مال ناحق لے رہا ہے تو اس کے حق کی رعایت و

---

(۱) مجھے یہ روایت ان الفاظ میں نہیں ملی' البتہ اس حدیث کے مضامین مختلف الفاظ میں منقول ہیں۔ مثلاً مسند احمد میں ہے کہ جنت میں والدین کا نافرمان اور دیوث داخل نہیں ہوگا' نسائی میں عبداللہ ابن عمروؓ کی روایت ہے کہ جنت میں احسان جتلانے والا نافرمان اور عادی شراب نوش داخل نہیں ہوگا بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ جنت میں چغلخور داخل نہیں ہوگا' ان ہی دونوں کتابوں میں جبیر ابن مطعم کی حدیث ہے کہ جنت میں قطع رحمی کرنے والا داخل نہیں ہوگا۔

حفاظت کی خاطر گواہی دینی چاہیئے اور بتلا دینا چاہیئے کہ فلاں شخص نے تمہارا مال لیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص خود اپنا ہی مال چھپا رہا ہو تو اسے ظاہر کرنا چغلی ہے، اور اگر کسی کا عیب ظاہر کیا تو اس میں دو گناہ ہوں گے ایک چغلی کا اور دوسرا غیبت کا۔

چغلی کے محرکات : چغلی کا محرک یا تو محکی عنہ (جس کی بات نقل کی جائے) کو نقصان پہنچانے کا ارادہ ہوتا ہے، یا محکی لہٗ (جس سے بات نقل کی جائے) سے محبت کا اظہار مقصود ہوتا ہے، یا محض دل لگی، اور لغویات میں پڑنے کی عادت چغلی کھانے پر اکساتی ہے، اگر کسی شخص کے سامنے چغلی ہو، اور یہ کہا جائے کہ فلاں شخص تمہارے بارے میں یہ کہتا ہے، تمہارے خلاف یہ کام کر رہا ہے، یا تمہیں نقصان پہنچانے کی سازش کر رہا ہے یا تمہارے دشمن کا دوست ہے، یا تمہیں برباد کرنے کے درپے ہے وغیرہ وغیرہ، اس صورت میں اس شخص کو چاہیے کہ وہ ان چھ باتوں پر عمل کرے اولاً یہ کہ اس کا اعتبار نہ کرے کیونکہ چغلخور فاسق ہوتا ہے، اس کی شہادت بھی قابل قبول نہیں ہوتی، ارشاد ربانی ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ (پ ۲۶ ر ۱۳ آیت ۶)

اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچا دو۔

ثانیاً یہ کہ اسے چغلی کھانے سے منع کرے، نصیحت کرے اور اس کے عمل کی برائی واضح کرے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:۔

وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ (پ ۲۱ ر ۱۱ آیت ۱۷)

اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر، اور برے کاموں سے منع کیا کر۔

ثالثاً یہ کہ اس سے اللہ کے واسطے بغض رکھے، کیوں کہ وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ہے، اور ایسے شخص سے نفرت کرنا واجب ہے جس سے اللہ نفرت کرے، رابعاً یہ کہ اس کے کہنے سے اپنے غیر موجود بھائی کے متعلق بدگمان نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (پ ۲۶ ر ۱۴ آیت ۱۲)

بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

خامساً یہ کہ جو کچھ اس کے سامنے نقل کیا جائے اسے سن کر مزید معلومات کی جستجو نہ کرے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے: ارشاد ہے:۔

وَلَا تَجَسَّسُوا (پ ۲۶ ر ۱۴ آیت ۱۲)

اور سراغ مت لگایا کرو۔

سادساً یہ کہ جس بات سے چغلخور کو منع کرے اس میں خود مبتلا نہ ہو یعنی اس کی چغلی کسی دوسرے سے نقل نہ کرے مثلاً کسی سے یہ کہنا کہ فلاں شخص نے مجھ سے فلاں آدمی کے بارے میں ایسا کہا ہے حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا، اور کسی دوسرے کے متعلق کچھ کہنے لگا، آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ہم تمہارے اس بیان کی تحقیق کریں، اگر جھوٹ ہوا تو تم اس آیت کے مصداق ٹھہرو گے: "إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا" اور سچ ہوا تو اس آیت کے مصداق ہو گے "هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ" تیسری صورت یہ ہے کہ ہم تمہیں معاف کر دیں۔ اس شخص نے عرض کیا: امیر المؤمنین! مجھے معاف فرمائیں، مجھ سے غلطی ہوئی، میں آئندہ اس غلطی کا اعادہ نہیں کروں گا، روایت ہے کہ کسی دانشور کے پاس اس کا کوئی دوست بغرض ملاقات آیا اور کسی دوسرے دوست کے متعلق کچھ کہنے لگا، دانشور نے اس سے کہا تم اتنے دنوں میں آئے اور آتے ہی تین جرم کر بیٹھے، پہلا یہ کہ تم نے میرے دوست سے بغض پیدا کر دیا، دوسرا یہ کہ میرے مطمئن اور خالی دل و دماغ کو اضطراب اور بے چینی سے بھر دیا، تیسرا یہ کہ اپنی دیانتداری کو مجروح کر دیا۔ سلیمان ابن عبد الملک بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا، زہری بھی

وہاں موجود تھے' سلیمان نے آنے والے سے کہا میں نے سنا ہے کہ تو نے میرے متعلق بد زبانی کی ہے اور مجھ پر فلاں فلاں تہمت لگائی ہے' اس نے کہا یہ غلط ہے' نہ میں نے بد زبانی کی ہے اور نہ آپ پر کوئی تہمت لگائی ہے' سلیمان نے کہا جس شخص نے مجھے اس کی اطلاع دی ہے وہ انتہائی سچا ہے' زہری نے فرمایا چغلخور سچا ہو ہی نہیں سکتا سلیمان نے اس قول کی تصدیق کی' اور اس شخص کو سلامتی کے ساتھ رخصت کیا۔ حسنؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص تم سے کسی کی چغلی کھاتا ہے وہ کسی دوسرے سے تمہاری چغلی کھائے گا۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ چغلخور اس قابل ہی نہیں ہوتا کہ اس کا اعتبار کیا جائے یا اسے سچا تصور کیا جائے کیوں کہ وہ جھوٹ' غیبت' غدر' خیانت' فریب' نفاق' حسد اور تفریق بین المسلمین جیسے سنگین گناہوں کا مرتکب ہے۔ وہ اسی سلسلے کو ختم کرنے کے درپے رہتا ہے جسے متصل رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ (پ ۱۳ ر ۹ آیت ۲۵)

اور خدا تعالیٰ نے جن علاقوں کے قائم رکھنے کا حکم فرمایا ہے ان کو قطع کرتے ہیں اور زمین (یعنی دنیا میں) فساد کرتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (پ ۲۵ ر ۵ آیت ۴۲)

الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں۔

چغلخور بھی ایسے ہی لوگوں کے زمرے میں شامل ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ان من شرار الناس من اتقاه الناس لشره (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ)

بد ترین آدمی وہ ہے جس سے لوگ اس کے شر کی وجہ سے ڈریں۔

چغلخور بھی شر کا داعی ہوتا ہے' وہ خیر کا پیغامبر نہیں ہوتا۔ ایک حدیث میں ہے:۔

لا یدخل الجنة قاطع (بخاری و مسلم۔ جبیر بن مطعمؓ)

قطع کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

بعض لوگوں کے نزدیک قاطع سے مراد وہ شخص ہے جو دو دوستوں کے درمیان ایک سے دوسرے کی چغلی کر کے تفریق پیدا کرے' اور بعض کے نزدیک وہ شخص مراد ہے جو قطع رحمی کرے' ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے کسی کی چغلی کی' آپ نے اس سے فرمایا کہ ہم تیری بات کی تحقیق کریں گے' اگر سچ ہوئی تو تجھ سے ناراض ہوں گے' جھوٹ نکلی تو تجھے سزا دیں گے اور اگر تو معاف کرانا چاہے تو معاف کر دیں گے' اس نے عرض کیا: امیر المومنین! مجھے معاف فرما دیجئے' محمد ابن کعب القرظی سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ کون سی خصلت مومن کو اس کے مرتبے سے نیچے گرا دیتی ہے' انہوں نے جواب دیا: زیادہ بولنا' راز افشاء کرنا' اور ہر کسی کی بات پر اعتماد کر لینا۔ ایک شخص نے عبد اللہ ابن عامر سے۔ جس زمانے میں وہ امیر تھے۔ دریافت کیا کہ کیا واقعۃً آپ کو یہ بتلایا گیا ہے کہ میں نے کسی جگہ آپ کی برائی کی ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو مجھے اس شخص کا نام بتلائیں جس نے یہ جھوٹ میری طرف منسوب کیا ہے۔ عبد اللہ ابن عامر نے جواب دیا کہ مجھے اپنے آپ کو گالی دینا پسند نہیں ہے' میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں نے اس شخص کی بات کا اعتبار نہیں کیا' اور نہ اس کے کہنے سے تمہارے ساتھ اپنا تعلق ختم کیا۔ کسی بزرگ کے سامنے چغلی کا ذکر ہوا' انہوں نے فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ہر شخص سے سچ کی توقع رکھتے ہیں لیکن چغلخور کے جھوٹ پر اعتبار کر لیتے ہیں' حضرت مصعب ابن الزبیرؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ چغلی کرنے کی بہ نسبت چغلی کا اعتبار کر لینا زیادہ برا ہے' اس لیے کہ چغلی میں صرف حکایت ہے' لیکن اعتبار کرنے میں اس کی تصدیق بھی ہے' اور آئندہ کے لیے چغلی کرنے کی

اجازت بھی' اس لیے چغل خور سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیئے فرض کیجئے چغلخور اپنی چغلی میں سچا بھی ہے تب بھی وہ کمینگی سے خالی نہیں' اس لیے کہ اس نے دوسرے کی عزت کی پاسداری نہیں کی' اور پردہ پوشی پر کاربند نہیں ہوا۔ ایک حدیث میں ہے:

الساعی بالناس الی الناس لغیر رشدة (حاکم۔ ابو موسیٰ)
لوگوں سے لوگوں کی چغلی کھانے والا حرامی ہے۔

ایک شخص سلیمان ابن الملک کے پاس آیا' اور اس نے زیاد الاعجم کی چغلی کی سلیمان نے مصالحت کی غرض سے دونوں کو طلب کیا' زیاد نے اس شخص سے مخاطب ہو کر دو شعر پڑھے۔

فانت امرؤ ما ائتمنتک خالیا فخنت واما قلت قولا بلا علم
فأنت من الأمر الذی کان بیننا بمنزلة بین الخیانة والاثم

(تو ایک ایسا شخص ہے کہ جو چیز میں نے تیرے پاس امانت رکھوائی تو نے اس میں خیانت کی' اور بلا علم کے ایک بات کہہ دی' تو اس معاملے میں جو ہمارے مابین تھا خیانت اور گناہ کے درمیان ہے' یعنی تو نے امانت میں خیانت کر کے گناہ کا اِرتکاب کیا ہے)۔

ایک شخص نے عمرو ابن عبید سے کہا کہ اسواری اپنے قصوں میں تمہارا ذکر ہمیشہ برے الفاظ میں کیا کرتا ہے' عمرو نے کہا حیرت کی بات ہے' نہ تم نے اس کے حق کی رعایت کی جس کی بات تم مجھ سے نقل کر رہے ہو اور نہ میرے حق کا لحاظ کیا کہ مجھے دوست کے بارے میں ایسی خبر دی جو مجھے اچھی نہیں لگی' خیر اگر یہ بات ایسی ہی ہے جیسی تو کہہ رہا ہے تو اس سے کہہ دے کہ موت ہم دونوں کو اپنی آغوش میں لے لے گی' جو ہم دونوں کو ڈھانپ لے گی' اور قیامت کے دن ہم دونوں جمع ہوں گے' اللہ ہی میرے اور تیرے درمیان فیصلہ کرے گا' بلاشبہ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ کسی چغلخور نے صاحب ابن عباد کو ایک پرچہ تحریر کیا کہ جو یتیم آپ کے زیرِ تربیت ہے اس کے پاس خاصا مال موجود ہے' اگر وہ مال خزانے میں داخل ہو جائے تو بہتر ہے انہوں نے پرچے کی پشت پر جواب لکھا کہ چغلی بہت بُری چیز ہے اگرچہ درست ہی کیوں نہ ہو' اگر تو نے یہ پرچہ محض خیر خواہی کے ارادے سے لکھا ہے تو اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والا ثواب تیرے لیے اس نقصان کے مقابلے میں کم ہے جو چغلی کی وجہ سے تیرے حصے میں آیا' تیری نصیحت ہمیں قبول نہیں ہے' اگر تو بوڑھا نہ ہوتا تو میں تجھے وہ سزا دیتا جو اس جرم کے مطابق ہوتا ہے' اے ملعون عیب جوئی اور اِلزام تراشی سے پرہیز کر' اللہ ہی غیبت کا جاننے والا ہے' اللہ مرنے والے پر رحم فرمائے یتیم کو بہتر عوض دے اور مال میں اضافہ فرمائے اور چغلخور پر لعنت کرے۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ میں تجھے چند عادتیں اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں' اگر تو نے ان عادتوں کو اپنایا تو تجھے بلندی اور سرداری ملے گی' اور اس وقت تک حاصل رہے گی جب تک تو ان عادتوں پر کاربند رہے گا۔ ہر قریب و بعید کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آ' ہر شریف سے اپنی جہالت پوشیدہ رکھ لوگوں کی حرمت کی حفاظت کر' اَقارب سے صلہ رحمی کر اور ان کے خلاف کسی چغلخور کی چغلی مت سن' انہیں بھڑکانے والوں کے شر' اور فساد برپا کرنے والوں کی سازش سے مامون رکھ' اس شخص کو اپنا بھائی اور دوست سمجھ کر جب جُدا ہو جائے تو نہ تیری بُرائی کرے اور نہ تو اس کی برائی کرے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چغلی' کذب' حسد' اور نفاق سے بنی ہے' اور یہی تینوں خصلتیں ذلّت کے اَرکان ہیں۔ ایک بزرگ نے کتنی عمدہ بات کہی ہے کہ اگر چغلخور اپنے قول میں سچا بھی ہے تو درحقیقت وہی شخص تمہیں گالی دے رہا ہے' وہ شخص حقیقتاً قابلِ رحم ہے جس کی طرف اس نے اپنے قول کی نسبت کی ہے کہ اس بیچارے کو تمہارے سامنے بُرا کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ چغلخور کا شر بڑا ہے' اس سے بچنا چاہیئے' حماد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا غلام بیچتے وقت خریدار کو بتلایا کہ اس میں چغلی لگانے کے علاوہ کوئی دوسرا عیب نہیں ہے۔ خریدار نے خرید لینے پر رضامندی ظاہر کی' چند روز ہی گذرے تھے کہ غلام نے اپنے آقا کی بیوی سے کہا کہ تیرے شوہر کو تجھ سے محبت نہیں ہے' یہ ممکن ہے کہ وہ تجھے طلاق دے کر

دوسری شادی کرلے' اگر تو اسے اپنے محبت کا اسیر کرنا چاہتی ہے تو استرا لے اور جب وہ سو جائے تو اس کی گدّی سے چند بال اُتار کر مجھے دے دے' میں اس پر منتر پڑھوں گا' اس عمل سے وہ تیری دام محبت میں گرفتار ہو جائے گا' بیوی کو بھڑکانے کے بعد شوہر سے کہا کہ تیری بیوی نے ایک دوست بنا لیا ہے اور اب وہ تجھے قتل کرنا چاہتی ہے میری بات کا یقین نہ آئے تو آج سو کر دیکھ لو' وہ تمہیں سوتے میں قتل کردے گی' بہتر یہ ہے کہ آج سونا مت' بلکہ اس طرح لیٹ جانا جیسے سو رہے ہو پھر دیکھنا وہ کیا کرتی ہے' شوہر نے اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے سونے کا ڈھونگ رچایا' عورت نے یہ یقین کرنے کے بعد کہ وہ غفلت کی نیند سو گیا ہے اُسترا لیا' اور گدّی کے بال اُتارنے کے لیے آگے بڑھی' شوہر نے ایک دم آنکھیں کھول دیں' اُسترا دیکھ کر اسے یقین ہو گیا اور انہوں نے انتقام کے طور پر شوہر کو مار ڈالا' نتیجہ یہ ہوا کہ میاں بیوی دونوں کے قبیلے آپس میں لڑ پڑے اور جنگ کی آگ بھڑک اُٹھی۔

سترہویں آفت۔ دورُخا پن (نفاق) : کلام کا نفاق بھی بہت بڑا عیب ہے' دورُخی زبان رکھنے والا شخص دو دشمنوں کی دشمنی سے خوب فائدہ اُٹھاتا ہے جس سے ملتا ہے اسے ہی اپنے خلوص اور حمایت کا یقین دلاتا ہے' اور دوسرے فریق کو بُرا کہتا ہے۔ ایسا شاذ ہی ہوتا ہے کہ ایک شخص دو مخالفوں سے ملے اور ان دونوں کے موافق بات کہنے سے بچا رہے یہ عینِ نفاق ہے' حضرت عمار ابن یاسرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من کان لہ وجھان فی الدنیا کان لہ لسانان من نار یوم القیامۃ (بخاری الادب المفرد)

جس شخص کے دنیا میں دو چہرے ہوں گے قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔

حضرت ابوہریرہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

تجدون من شر عباد اللہ یوم القیامۃ ذاالوجھین الذی یأتی ھؤلاء بحدیث وھؤلاء بحدیث (بخاری و مسلم' ابن ابی الدنیا۔ واللفظ لہ)

قیامت کے روز اللہ کے بندوں میں سے نہایت بُرا دورُخے شخص کو پاؤ گے کہ ان سے کچھ کہتا تھا اور ان سے کچھ۔

ایک روایت میں "بحدیث" کی جگہ "بوجہ" وارد ہے حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ دورُخا شخص اللہ کے نزدیک امین نہیں ہوتا۔ مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے توراۃ میں پڑھا کہ اس شخص کی امانت باقی نہیں رہتی جو اپنے ساتھی سے دورُخی بات کہے' اللہ تعالیٰ ایسے منہ کو ہلاک کرے جس سے دورخی باتیں نکلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

أبغض خلیق اللہ الی اللہ یوم القیامۃ الکذابون والمستکبرون و الذین یکثرون بغضاء لإخوانھم فی صدورھم فاذا لقوھم تملقوالھم و الذین اذا دعوا الی اللہ و رسولہ کانوا ابطاء و اذا دعوا الی الشیطان وامرہ کانوا سراعا (۱)

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک اس کی اپنی مخلوق میں سب سے بُرے لوگ وہ ہوں گے جو جھوٹ بولتے ہیں' تکبر کرتے ہیں' اور جو لوگ اپنے بھائیوں کے لئے دلوں میں کینہ رکھتے ہیں کہ جب ان سے ملتے ہیں تو ان کی چاپلوسی کرتے ہیں اور وہ لوگ کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے وہ دیر کرنے والے ہوں اور شیطان اور اس کے کام کی دعوت دی جائے تو وہ جلدی کرنے والے ہوں۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص لوگوں نے دریافت کیا امعۃ کسے کہتے ہیں فرمایا وہ شخص جو ہوائے رُخ پر ہے کہ جدھر ہوا دیکھی اُدھر ہو لیا۔ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ دو شخصوں سے دو رُخی ملاقات کرنا نفاق ہے۔ نفاق کی

---

(۱) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

بے شمار علامتیں ہیں' ان میں سے ایک علامت دورُخا پن بھی ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں کسی صحابی کی وفات ہوئی تو حضرت حذیفہؓ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا کہ ایک صحابی رسول وفات پاگئے اور آپ نے ان کے جنازے کی نماز میں شرکت نہیں کی؟ انہوں نے کہا امیر المؤمنین! یہ شخص ان ہی (منافقین) میں سے تھا۔ آپ نے پوچھا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ میں تو ان میں سے نہیں ہوں' انہوں نے فرمایا: نہیں! بخدا نہیں! لیکن تمہارے بعد مجھے ان سے خطرہ ہے۔

دورُخے پن کی تعریف : اگر ایک شخص دو شخصوں سے ملے' اور ہر ایک سے اچھی طرح پیش آئے' اور جو بات کہے سچی کہے تو اس سے نہ وہ دورُخا کہلائے گا اور نہ اسے منافق قرار دیا جائے گا۔ اس لیے کہ دو دشمنوں سے سچ بول کر دوستی رکھنا ممکن ہے' اگرچہ اس طرح کی دوستی پائدار نہیں ہوتی' اور نہ اُخوت کی حد تک وسیع ہوتی ہے کیونکہ حقیقی دوستی کا تقاضا تو یہ ہے کہ دوست کے دشمن سے دشمنی رکھی جائے جیسا کہ ہم نے آداب صحبت و اخوت کے باب میں بیان کیا ہے' البتہ اگر کسی نے ان دونوں کا کلام ایک دوسرے سے نقل کیا تو وہ دورُخا کہلائے گا' اور دورُخا پن چغلی سے زیادہ خطرناک ہے' اس لیے کہ چغلخور تو ایک شخص کی بات نقل کر کے فتنہ برپا کرتا ہے' یہاں تو دونوں کی طرف بات ایک دوسرے سے کہی جاتی ہے۔ پھر دورُخے پن میں ایک دوسرے کا کلام نقل کرنا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ہر فریق کی اپنے مخالف کی دشمنی پر تحسین کرے اور اسے اپنی حمایت کا یقین دلائے تو یہ بھی دورُخا پن ہے۔ اسی طرح ایک شخص کی موجودگی میں اس کی تعریف کرے' اور جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس کی بُرائی شروع کرے یہ بھی دورُخا پن ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آدمی سکوت اختیار کرے یا دو فریقوں میں سے اس کی تعریف کرے جو حق پر ہو' اور یہ تعریف اس کے منہ پر اور پیٹھ پیچھے یکساں ہونی چاہئے' بلکہ دشمن کے سامنے بھی ہونی چاہئے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے لوگوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے اُمراء و حُکّام کی مجلسوں میں جا کر وہ باتیں کرتے ہیں جو باہر نکل کر نہیں کرتے' ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم اسے نِفاق کہا کرتے تھے (طبرانی) اگر کوئی شخص اُمراء اور حُکّام کے یہاں آمد و رفت رکھنے سے مستغنی ہو' پھر خواہ مخواہ چلا جائے اور ان کے خوف سے حق بات نہ کہے بلکہ ان کی خوشامد اور جھوٹی تعریف کرنے بیٹھ جائے تو یہ نفاق ہے' اس لیے کہ اس نے خود اپنے آپ کو اس دروغ گوئی پر مجبور کیا ہے' اگر وہ تھوڑے پر قانع ہوتا تو اسے ان کے درباروں میں جانے کی ضرورت نہیں تھی' وہ جاہ اور مال کے حصول کے لیے گیا اور جھوٹی تعریف کرنے پر مجبور ہوا' یہ کھلا نفاق ہے۔ یہی معنیٰ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے:

حب المال والجاه ينبتان في القلب النفاق كما ينبت الماء البقل (ابو منصور دیلمی۔ ابو ہریرہؓ)

مال اور جاہ کی محبت دل میں نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزہ اُگاتا ہے۔

ہاں اگر کوئی شخص ان امیروں اور حاکموں کے پاس کسی اَشد ضرورت کے تحت گیا' اور خوف کی وجہ سے ان کی تعریف کی تو معذور ہے' کیوں کہ شر سے بچنا جائز ہے' حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ ہم بعض ایسے لوگوں کے لیے مسکرا دیتے ہیں جن پر ہمارے دل لعنت کرتے ہیں' حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت مانگی' آپ نے لوگوں سے فرمایا اسے آنے دو' آنے والا شخص معاشرے کا بدترین فرد تھا' لیکن آپ نے اس سے نرم لہجے میں گفتگو فرمائی' اس کے جانے کے بعد میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! یہ شخص اس نرمی کا مستحق نہ تھا' آپ تو اس کے متعلق کچھ اور فرماتے تھے' آپ نے فرمایا:

یا عائشة ان شر الناس الذی یکرم اتقاء شره (بخاری و مسلم)

اے عائشہؓ! بدترین آدمی وہ ہے جس کی تعظیم اس کے خوف سے بچنے کے لیے کی جائے۔

لیکن یہ اجازت بھی متوجہ ہونے ہنسنے اور مسکرانے کے سلسلے میں ہے' جہاں تک مدح و ثنا کا تعلق ہے یہ جائز نہیں' یہ صریح جھوٹ ہے' اور صریح جھوٹ بولنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کوئی ضرورت اس پر مجبور نہ کرے جیسا کہ جھوٹ کے بیان میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔ بلکہ اُمراء و حُکّام کی کسی ناجائز بات کی تصدیق اور ان کے باطل کلام پر سر ہلا کر تائید کرنا بھی جائز نہیں ہے' اگر ایسا کرے گا تو منافق ہوگا' بلکہ جرأت ہو تو ناجائز کام یا باطل کلام سے روک دینا چاہیئے' اس پر قادر نہ ہو تو چپ رہے لیکن دل سے بُرا سمجھے۔

<u>اٹھارہویں آفت۔ مدح</u>: بعض موقعوں پر مدح (تعریف) بھی جائز نہیں' جہاں تک ہجو کا سوال ہے' اس کا حکم غیبت کے بیان میں گذر چکا ہے اب مدح کا حکم بیان کیا جاتا ہے' مدح میں چھ آفتیں ہیں' ان میں سے چار کا تعلق مدح کرنے والے سے ہے اور دو کا تعلق اس شخص سے ہے جس کی مدح کی جائے۔

<u>مدح کرنے والے سے متعلق چار آفتیں</u>: پہلی آفت یہ ہے کہ کبھی وہ تعریف کرنے میں اس قدر افراط کرتا ہے کہ جھوٹ ہو جاتا ہے خالد ابن معدان کہتے ہیں کہ جو شخص کسی کی تعریف میں ایسی بات کرے جو ممدوح میں نہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس حال میں اُٹھائے گا کہ اس کی زبان لڑکھڑاتی ہوگی' دوسری آفت یہ ہے کہ کبھی تعریف میں ریا بھی شامل ہو جاتی ہے' یعنی تعریف اگرچہ سچی ہوتی ہے لیکن مادح اس تعریف سے ممدوح کے تئیں اپنی محبت ظاہر کرنا چاہتا ہے حالانکہ اس کے دل میں محبت نہیں ہوتی' یا وہ ممدوح کی ان تمام خوبیوں کا دل سے معترف نہیں ہوتا جن کا وہ محض نمائشی محبت کے لئے اظہار کرتا ہے' اس طرح وہ ریاکار اور منافق ہو جاتا ہے۔ تیسری آفت یہ ہے کہ بعض اوقات وہ ایسی باتیں بیان کرتا ہے جن کی نہ اسے تحقیق ہوتی ہے' اور نہ علم و اطلاع' روایت ہے کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی کی تعریف کی' آپ نے اس سے فرمایا:۔

ویحک قطعت عنق صاحبک' لو سمعها ماافلح ثم قال ان کان احدکم لا بد مادحا اخاه' فلیقل احسب فلانا ولا ازکی علی اللہ احدا حسیبہ اللہ ان کان یری انہ کذلک۔ (بخاری و مسلم۔ ابوبکرہؓ)

کم بخت تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی' اگر وہ سُنے گا تو فلاح نہ پائے گا' پھر فرمایا: اگر تمہارے لئے اپنے بھائی کی تعریف کرنا ضروری ہی ہو تو اس طرح کہو میں فلاں کو ایسا سمجھتا ہوں' اللہ کے یہاں اس کے تزکیہ کا حکم نہیں کرتا' اس کا جاننے والا اللہ ہے (یہ تعریف بھی اس وقت کرے) جب یہ جانے کہ وہ ایسا ہے۔

اس آفت کا تعلق ان مطلق اوصاف کی مدح سے ہے جو دلائل سے معلوم ہوتے ہیں' مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شخص متقی ہے' پرہیزگار' زاہد' اور خیرات کرنے والا ہے' ظاہر ہے کہ یہ اوصاف مخفی رہتے ہیں' اور ان کا تعلق آدمی کے باطن سے ہے' جس کی معرفت کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے' البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ میں نے اسے تہجد پڑھتے ہوئے دیکھا ہے' یا حج کرتے ہوئے اور صدقہ دیتے ہوئے دیکھا ہے' کیوں کہ یہ امور یقینی اور مشاہد ہیں' کسی کو یقینی طور پر عادل یا راضی برقضا قرار دینا بھی درست نہیں' کیوں کہ عدالت اور رضا دونوں باطن سے متعلق ہیں' اور باطنی آزمائش کے بغیر ان کا علم ہونا ممکن نہیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو کسی دوسرے کی تعریف کرتے ہوئے سُنا تو اس سے پوچھا: کیا تو نے اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں! آپ نے پوچھا! کیا تو اس کی صبح و شام کا پڑوسی ہے؟ اس نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا' حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم میرے خیال میں تو اسے نہیں جانتا' علم و تحقیق کے بغیر تعریف کر رہا ہے' کسی آدمی کے اوصاف سفر' معاملات اور ہر وقت کی قربت سے نمایاں ہوتے ہیں' جب کہ نہ تو اس کے اسفار کا رفیق ہے نہ ہمسایہ ہے اور نہ تو نے اس سے خرید و فروخت کے معاملات کئے ہیں' پھر کس بنا پر اس کی تعریف کر رہا ہے؟ چوتھی آفت یہ ہے کہ مدح کرنے والا اپنی مدح سے ظالم اور فاسق ممدوح کے خوش ہونے کا

موقع دیتا ہے جب کہ یہ ناجائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ان اللّٰہ تعالٰی یغضب اذا مدح الفاسق۔ (ابن ابی الدنیا، بیہقی۔ انسؓ)

جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے اللہ تعالٰی ناراض ہوتے ہیں۔

حضرت حسنؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی ظالم کو درازیٔ عمر کی دعا دی اس نے گویا اس خواہش کا اظہار کیا کہ اللہ کی زمین میں اس کی نافرمانی کا سلسلہ دراز ہے، ظالم اور فاسق مذمت اور ہجو کا مستحق ہے تاکہ غمگین ہو اور اپنے ظلم و فسق سے باز آئے، وہ تعریف کا مستحق نہیں ہے۔

ممدوح سے متعلق دو آفتیں : پہلی آفت یہ ہے کہ تعریف و ستائش سے اس کے دل میں کبر اور عجب پیدا ہوتا ہے، یہ دونوں صفتیں ہلاک کرنے والی ہیں، حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت عمرؓ لوگوں کے حلقے میں دُرّہ لئے بیٹھے تھے، اتنے میں جارود ابن المنذر آئے، حاضرین میں سے کسی نے کہا یہ ربیعہ قوم کے سردار ہیں، حضرت عمرؓ اور مجلس میں موجود لوگوں نے بھی یہ جملہ سنا اور جارود ابن المنذر نے بھی، جب وہ قریب آئے تو آپ نے انھیں آہستہ سے کوڑا لگایا انھوں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟ فرمایا: کیا تو نے سنا نہیں فلاں شخص تیرے بارے میں کیا کہہ رہا تھا عرض کیا: جی ہاں سنا ہے، فرمایا: مجھے یہ خوف ہوا کہ یہ بات سن کر کہیں تو مغرور نہ ہو جائے۔

دوسری آفت یہ ہے کہ دوسرے کی تعریف سے خوش ہوگا، اور یہ غلط فہمی دل میں راسخ ہو جائے گی کہ میں اچھا ہوں اسی لئے لوگ میری تعریف کرتے ہیں، یہ خوش فہمی اسے عمل میں سست بنا دے گی، اور خود پسندی کے مرض میں مبتلا کر دے گی، اور دل میں یہ احساس پیدا کرے گی کہ اب عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لئے مذکورہ بالا روایت کے مطابق تعریف کرنے والے سے کیا فرمایا گیا کہ تو نے اپنے دوست کی تعریف کر کے اچھا سلوک نہیں کیا بلکہ اس کی گردن کاٹ دی، اگر وہ سنے گا تو فلاح نہ پائے گا۔ اسی طرح کی ایک حدیث میں ہے:۔

اذا مدحت اخاک فی وجهه فکانما مررت علی حلقه موسی رمیضا۔ (ابن المبارک فی الزہد والدقائق۔ یحیٰی بن جابر مرسلاً)

جب تو نے اپنے بھائی کی تعریف اس کے منہ پر کی تو گویا اس کی گردن پر تیز اُسترا پھیر دیا۔

ایک شخص سے جس نے کسی کی تعریف کی تھی یہ فرمایا:۔

عقرت الرجل عقرک اللّٰہ (۱)

تو نے اس شخص کو ذبح کر دیا خدا تجھے ہلاک کرے۔

مطرف فرماتے ہیں کہ جب بھی میں نے کسی کی زبان سے اپنی تعریف سنی میں اپنی نظروں میں گر گیا، اور میرا نفس میرے نزدیک ذلیل ہو گیا، زیادہ ابن ابی مسلم کا قول ہے کہ جو شخص بھی اپنی تعریف یا مدح سنتا ہے شیطان اسے فخر اور شیخی میں مبتلا کرتا ہے، لیکن مؤمن اس سے محفوظ رہتا ہے۔ ابن المبارک فرماتے ہیں کہ مطرف اور زیادہ دونوں کے قول صحیح ہیں، البتہ زیادہ نے جو کچھ کہا وہ عوام کے قلب کی تصویر ہے اور مطرف کا قول خواص کے قلب کی حقیقت ہے، یعنی عوام اپنی تعریف سے مغرور ہو جاتے ہیں، اور خواص متواضع۔ ...... ایک حدیث میں ہے:۔

لو مشی رجل الی رجل بسکین مرهف کان خیرا له من ان یثنی علیه فی وجهه۔ (۲)

---

(۱) اس روایت کی اصل مجھے نہیں ملی۔ (۲) یہ روایت مجھے نہیں ملی۔

اگر کوئی آدمی کسی آدمی کی طرف تیز چھری لے کر جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ اس۔ کے منہ پر اس کی تعریف کرے۔

حضرت عمرؓ مدح کو ذبح کہا کرتے تھے' کیوں کہ جس طرح مذبوح عمل سے رُک جاتا ہے اسی طرح ممدوح بھی عمل میں سُستی کرنے لگتا ہے' یا اس لئے کہ مدح سے خودپسندی اور کبر پیدا ہوتے ہیں اور یہ دونوں دو مہلک بیماریاں ہیں' ان بیماریوں سے انسانی روح ہلاک ہو جاتی ہے جس طرح ذبح سے جسم ہلاک ہو جاتا ہے۔

مدح کی اجازت : اگر مدح مذکورہ بالا آفات سے محفوظ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' بلکہ اس طرح کی تعریف مستحب ہے' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کرامؓ کی تعریف فرمائی' مثلاً فرمایا:۔

لو وزن ایمان ابی بکر بایمان العالم رجح۔ (۱)

اگر ابوبکر کا ایمان تمام دنیا کے ایمان سے تولا جائے تو ان کا ایمان ہی بھاری ٹھہرے۔

حضرت عمر ابن الخطاب کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

لو لم ابعث بعثت یا عمر۔ (۲) (ابن منصور دیلمی۔ ابوہریرہؓ)

اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو اے عمر تم پیغمبر ہوتے۔

اس سے بڑھ کر کیا تعریف ہو سکتی ہے' آپ کو نورِ بصیرت سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی اس لئے آپ نے اس کا انکشاف فرمایا' نیز یہ حضرات صحابہ کرامؓ اتنا اعلیٰ ظرف رکھتے تھے اور اتنے اونچے کردار کے مالک تھے کہ اس طرح کی تعریف سے ان کے دل میں فخر و مباہات' اور عُجب و کبر کے جذبات پیدا نہیں ہوتے تھے' بلکہ وہ باری تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور مزید تواضع و انکساری اختیار فرماتے' اسی لئے اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنا اچھی بات نہیں ہے' کیوں کہ اس میں فخر پایا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:۔

انا سید ولد آدم ولا فخر۔ (ترمذی' ابن ماجہ۔ ابوسعید الخدریؓ)

میں اولادِ آدم کا سردار ہوں' اور یہ کوئی شیخی کی بات نہیں۔

یعنی یہ بات میں بطور تفاخر نہیں کہہ رہا ہوں جیسا کہ دوسرے لوگ اپنی خوبیاں گِنا کر فخر کیا کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افتخار تو اللہ کی قربت کی وجہ سے تھا' نہ کہ اس لئے کہ آپ بنی نوع انسان کے سرادر تھے یا آپ کی تخلیق ان سب سے پہلے ہوئی' یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے یہاں مقبول اور معتمد ہو تو وہ بادشاہ کے دربار میں اپنی مقبولیت اور اعتماد پر فخر کرتا ہے نہ کہ اس بات پر کہ وہ بعض رعایا پر فوقیت رکھتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہو گی کہ احادیث میں مدح کی مذمّت کیوں فرمائی گئی' اور بعض مواقع پر اس کی اجازت و ترغیب کیوں دی گئی' ایک روایت میں ہے کہ جب کچھ لوگوں نے کسی مُردہ شخص کی تعریف کی تو آپ نے ارشاد فرمایا وجبت (یعنی جنت واجب ہو گئی) (بخاری و مسلم۔ انسؓ) اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کا ذکرِ خیر کے ساتھ ہی کرنا چاہئیے خاص طور پر مردہ لوگوں کا۔ کیوں کہ مؤمنوں کی شہادت سے اس کے درجے بلند ہوتے ہیں' مجاہد فرماتے ہیں کہ بنی آدم کے ساتھ فرشتے لگے رہتے ہیں۔

---

(۱) یہ روایت کتاب العلم میں گذر چکی ہے۔ (۲) یہ روایت منکر ہے البتہ اس سلسلے کی ترمذی کی یہ روایت صحیح اور مشہور ہے "لو کان بعدی نبی لکان عمر"

جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کا ذکرِ خیر کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اللہ تجھے بھی ایسا ہی کرے' اور جب اس کا ذکر برائی سے کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے انسان! تیرے عیب پوشیدہ ہیں' اسی پر بس کر اور اللہ کا شکر ادا کر کہ اس نے تیرے عیب ظاہر کر کے تجھے رُسوا نہیں فرمایا۔

ممدوح کی ذمہ داری: ممدوح کو چاہیئے کہ وہ اپنی تعریف پر نازاں نہ ہو' اور کبر و عُجب کا ہلکا سا غبار بھی اپنے دل کی سطح پر نہ پڑنے دے۔ اور یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ تعریف کے وقت یہ سوچے کہ دنیا سے رخصت ہونے کی گھڑی انتہائی نازک اور خطرناک ہے' ریا اور اعمال کی بے شمار آفتیں تاک میں ہیں' ذرا سی دیر میں نیکیاں خاک میں مل سکتی ہیں' ممدوح کو اپنے ان عیوب کا جائزہ لینا چاہیئے جن سے تعریف کرنے والا واقف نہیں ہے' اگر وہ ان عیوب سے واقف ہوتا تو ہرگز تعریف نہ کرتا۔ اپنی تعریف خاموشی سے سن لینا مناسب نہیں ہے' بلکہ تعریف کرنے والے کو ذلیل کر کے اپنی ناگواری ظاہر کرے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

احثوا التراب فی وجوہ المادحین۔ (مسلم۔ مقداد)

تعریف کرنے والوں کے چہروں پر خاک ڈالو۔

سفیان ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس سے واقف ہے اسے تعریف ضرر نہیں پہنچاتی۔ کسی شخص نے ایک بزرگ کی تعریف کی انھوں نے کہا: اے اللہ! یہ لوگ مجھے نہیں جانتے تو اچھی طرح جانتا ہے میں یکساں ہوں۔ ایک بزرگ نے اپنی تعریف سن کر باری تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا: اے اللہ! تیرا بندہ تیری ناراضگی کے ذریعہ میری قربت چاہتا ہے' میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں اس کی اس حرکت سے ناخوش ہوں۔ حضرت علیؓ کی کسی نے تعریف کی' آپ نے فرمایا: اے اللہ! میرے جن گناہوں سے یہ لوگ واقف نہیں انھیں معاف فرما' جو اچھائیاں میری طرف منسوب کرتے ہیں ان پر مواخذہ مت کر' اور جیسا یہ مجھے سمجھتے ہیں ایسا ہی کر دے' ایک شخص نے حضرت عمرؓ کی تعریف کی' آپ نے اس سے فرمایا: کیا تو مجھے اور اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتا ہے' ایک شخص نے جو پیٹھ پیچھے برائیاں کیا کرتا تھا حضرت علیؓ کی ان کے سامنے تعریف کی' آپ نے اس سے فرمایا جو بات تیری زبان پر ہے میں اس سے کم ہوں' اور جو تیرے دل میں ہے اس سے بڑھ کر ہوں۔

اُنیسویں آفت۔ کلام کی غلطیوں سے غفلت: کلام کے اثناء میں دقیق غلطیوں سے غفلت برتنا بھی بڑی آفت ہے خاص طور پر ان باتوں میں جن کا تعلق باری تعالیٰ کی ذات و صفات سے ہو اور دین سے مرتبط اور متعلق ہوں' اور دین سے متعلق الفاظ کو صحیح طریقے پر علماء اور فصحاء ہی ادا کر سکتے ہیں' علم اور فصاحت سے محروم لوگوں کا کلام لغزشوں سے خالی نہیں ہوتا' البتہ متکلم کی جہالت کی باعث اللہ تعالیٰ ایسی لغزشیں معاف فرما دیتا ہے۔ اس طرح کی غلطیوں کی مثال حضرت حذیفہؓ کی یہ روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یقل احدکم ماشاء اللہ وشئت' ولکن لیقل ماشاء اللہ ثم شئت (ابوداؤد' نسائی)

تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ اور میں چاہوں بلکہ یوں کہے جو اللہ نے چاہا پھر میں

نے چاہا۔

یہ کہنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ مطلق عطف میں غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے کا عمل پایا جاتا ہے، اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ارادہ و خواہش میں یہ دونوں برابر ہیں، یہ بات احترام اور ادب کے منافی ہے، بلکہ پہلے باری تعالیٰ کی مشیت بیان کرے، پھر اپنا ارادہ و خواہش۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور گفتگو کے دوران کہنے لگا جو اللہ اور اس کا رسول چاہے۔ آپ نے فرمایا:۔

اجعلتنی للّٰہ عدیلا بل ماشاء اللّٰہ وحدہ۔ (نسائی، ابن ماجہ)

کیا تو مجھے اللہ کا شریک بناتا ہے بلکہ (یوں کہہ) جو اللہ وحدہٗ لاشریک چاہے۔

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ پڑھا اور یہ کہا۔

من یطع اللّٰہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصہما فقد غوی

جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ راہ یاب ہوا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا۔

آپ نے فرمایا تثنیہ کے ضمیر "ھما" مت لا، یہ عین برابری اور مشارکت پر دلالت کرتی ہے بلکہ اس طرح کہہ "وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ"۔ ابراہیم ابن ادہم اس طرح کہنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے کہ اللہ کی پناہ اور تیری پناہ، بلکہ اگر کوئی کہنا چاہے تو یوں کہے اللہ کی پناہ پھر تیری پناہ۔ بعض لوگ یہ کہنا برا جانتے تھے کہ اے اللہ! ہمیں دوزخ سے آزاد کر، اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ آزاد کرنا دوزخ میں داخل کرنے کے بعد ہوگا، اس لئے کیا ضروری ہے کہ ہم یہ الفاظ بولیں، یوں کیوں نہ کہیں اے اللہ! ہمیں دوزخ سے بچا، ایک شخص نے یہ دعا کی "اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر جنہیں قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی"، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ مؤمنین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی ضرورت نہیں ہوگی، بلکہ آپ کی شفاعت اُمّت کے گنہگاروں کے لئے ہوگی، ابراہیم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کو گدھا یا سؤر کہہ کر پکارے گا تو قیامت کے روز باری تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ بتا کیا میں نے اسے گدھا بنایا تھا، کیا میں نے اسے خنزیر بنا کر پیدا کیا تھا؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تم میں سے بعض آدمی ایسا شرک کرتے ہیں کہ کتے تک کو شریک بنا دیتے ہیں، یعنی یوں کہتے ہیں کہ اگر یہ کتا نہ ہوتا تو آج رات ہمارے گھر میں چوری ہو گئی ہوتی۔ حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان اللّٰہ تعالیٰ ینہاکم ان تحلفوا بآبائکم من کان حالفا فلیحلف باللّٰہ او لیصمت۔ (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ اپنے آباء کے نام کی قسم کھاؤ، جس شخص کو قسم کھانی ہو اسے اللہ کی قسم کھانی چاہئے یا خاموش رہنا چاہئے۔

حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے اس ارشاد مبارک کو سننے کے بعد کبھی آباء و اجداد کے نام کی قسم نہیں کھائی۔ ایک روایت میں ہے:۔

لا تسموا العنب کرما انما الکرم الرجل المسلم۔ (بخاری و مسلم)

وائل ابن حجر)۔

انگور کو کرم مت کہو کرم تو مسلمان آدمی ہے

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا یقولن احدکم عبدی ولا امتی کلکم عبید اللہ و کل نساء کم اماء اللہ ولیقل غلامی و جاریتی و فتای و فتاتی ولا یقول المملوک ربی ولا ربتی ولیقل سیدی و سیدتی فکلکم عبید اللہ والرب اللہ سبحانہ و تعالی۔ (بخاری و مسلم)

تم میں سے ہرگز یہ نہ کہے کہ یہ میرا بندہ ہے' یہ میری لونڈی ہے' تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری تمام عورتیں اسی کی لونڈیاں ہیں' بلکہ یہ کہا کرو یہ میرا غلام ہے' یہ میری باندی ہے' یا میرا چھوکرا ہے اور میری چھوکری ہے' غلام بھی اپنے آقا کو ربّ یا ربّتہ (پرورش کرنے والا) نہ کہے' بلکہ آقا یہ سردار کہے' اس لئے کہ تم سب اللہ کے بندے ہو' اور پالنے والا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لا تقولوا للفاسق سیدنا فانہ ان یکن سیدکم فقد اسخطتم ربکم (ابوداؤد۔ بریدہؓ)

فاسق کو اپنا سردار مت کہو' اگر وہ تمہارا سردار ہوا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کر دیا

ایک حدیث میں ہے:۔

من قال انا بریء من الاسلام فان کان صادقا فھو کما قال و ان کان کاذبا فلن یرجع الی الاسلام سالما۔ (نسائی' ابن ماجہ۔ بریدہؓ)

جو شخص یہ کہے میں اسلام سے بری ہوں' اگر وہ سچا ہے تو ایسا ہی ہو گا جیسا اس نے کہا' اور جھوٹا ہے تو اسلام کی طرف اس کی واپسی سلامتی نہ ہو گی۔

یہ چند مثالیں' ان سے کلام کی ان غلطیوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جن پر عام آدمی کی نظر نہیں جاتی' حالانکہ ان پر مؤاخذہ ہوتا ہے' ان غلطیوں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے' اب تک ہم نے زبان کی جن آفتوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ زبان کو آزاد رکھنے میں سلامتی نہیں ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک حکمت سے پر ہے:۔

من صمت نجا (ترمذی)

جو چُپ رہا اس نے نجات پائی۔

اس لئے کہ یہ تمام آفتیں مہلک ہیں' اور نفس کو خطرات میں ڈالنے والی ہیں' آدمی چپ رہ کر ہی ان ہلاکتوں اور خطروں سے بچ سکتا ہے' بولنے میں خطرہ ہی خطرہ ہے' اِلّا یہ کہ فصاحت' علم' تقویٰ' اور مُراقبہ کی صلاحیت رکھتا ہو' بعض اوقات آدمی بچاؤ کے ان تمام ذرائع کے باوجود اپنا بچاؤ نہیں کرپاتا۔ اس لئے چپ نہ رہ سکے تو کم بولنا بہتر ہے' اگرچہ کم بولنے میں بھی خطرات سے مفر نہیں ہے۔

بیسویں آفت۔ عام لوگوں کے سوالات : یہ بھی بڑی آفت ہے کہ عوامُ النّاس اللہ تعالیٰ کی صفات

کے بارے میں طرح طرح کے سوالات کرتے ہیں اور اس کے کلام اور حروف و الفاظ کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ حادث ہیں یا قدیم' حالانکہ عوام کا حق صرف اتنا ہے کہ وہ قرآن کریم کے احکام کی تعمیل کریں' لیکن کیونکہ عمل نفس پر شاق گذرتا ہے' اور فضول بحثوں میں کام و ذہن کو لذت محسوس ہوتی ہے اس لئے وہ لوگ بھی علم کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے نظر آتے ہیں جنھیں اس سے ادنیٰ درجے کی مناسبت نہیں ہے' شیطان انھیں اُکساتا ہے اور یہ باور کراتا ہے کہ تم عالم ہو' صاحب فضل و کمال ہو' تمہاری ایک رائے ہے' تمہیں اپنی رائے ظاہر کرنی چاہئے' بعض اوقات وہ ان خود ساختہ "عالموں" کو زبان سے ایسی باتیں نکلوا دیتا ہے جو صریح کفر ہوتی ہیں' اور انھیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کیا بک گئے ہیں' عامی کے لئے کبیرہ گناہ کے اِرتکاب کی بہ نسبت علمی بحثیں کرنا زیادہ خطرناک ہے' خاص طور پر وہ بحثیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے ہو' ان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ جو کچھ قرآن کریم میں نازل ہوا ہے اس پر بلا چوں وچرا ایمان لائیں' اور عبادات میں مشغول ہوں' عبادت سے تعلق رکھنے والے امور کے سلسلے میں ان کا پوچھنا بے ادبی ہے' اس سے وہ باری تعالیٰ کی ناراضگی کے مستحق قرار پاتے ہیں' اور کفر کے خطرے میں پڑتے ہیں' یہ ایسا ہی ہے جیسے چرواہے اور جانوروں کے رکھوالے بادشاہوں کی سیاست اور حکومت کی اَسرار کے بارے میں سوالات کرنے لگیں' ظاہر ہے ایسے لوگوں کو اس جسارت کی سزا دی جائے گی' اور انھیں اپنے دائرے میں محدود رہنے کا پابند بنایا جائے گا۔ کسی ایسے دقیق علمی مبحث پر گفتگو کرنے والا بھی عامی کی طرح ہے جسے اس کا ذہن سمجھنے سے قاصر ہو' اگرچہ وہ دوسرے مباحث پر اچھی گفتگو کیوں نہ کرتا ہو۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا:۔

ذرونی ما ترکتکم فانما ھلک من کان قبلکم بکثرۃ سؤالھم واختلافھم علی انبیاءھم مانھیتکم عنہ فاجتنبوہ وماامرتکم بہ فاتوا بہ ما استطعتم۔ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

جو بات میں نے تمہیں نہیں' بتلائی اسے مجھ ہی تک رہنے دو' کیوں کہ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے ہیں کہ وہ بکثرت سوال کیا کرتے تھے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کیا کرتے تھے' میں نے تمہیں جس چیز سے منع کیا ہے اس سے رکو' اور جس چیز کا حکم دیا اسے جتنا تم سے ہو سکے بجالاؤ۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز صحابہؓ نے آپ سے بہت زیادہ سوالات کئے' آپ سوالات کی کثرت سے ناخوش ہوئے' اور اسی حالت میں منبر پر تشریف لا کر لوگوں سے فرمایا: پوچھو' خوب پوچھو' جو سوال تم کرو گے میں اس کا جواب دوں گا' ایک شخص نے کھڑے ہو کر دریافت کیا: یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذیفہ ہے' اس کے بعد دو نوجوان کھڑے ہوئے اور انھوں نے بھی اپنے باپ کے متعلق پوچھا' آپ نے فرمایا: تمہارا باپ وہ ہے جس کی طرف تمہاری نسبت کی جاتی ہے' پھر ایک شخص اُٹھا اور اس نے دریافت کیا میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں؟ آپ نے فرمایا: دوزخ میں' جب لوگوں نے آپ کی ناراضگی محسوس کی تو خاموش ہو گئے اور کسی نے کوئی سوال نہیں کیا' سوالات کا سلسلہ منقطع ہوا حضرت عمرؓ اُٹھے اور اُنھوں نے اعلان کیا: رَضِینَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا (ہم اس پر راضی ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اسلام ہمارا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ

وسلم ہمارے نبی ہیں) آپ نے فرمایا: اے عمر! تو بیٹھ جا' اللہ تجھ پر رحم کرے' جیسا کہ مجھے معلوم ہے تجھے توفیق ارزانی ہے (بخاری و مسلم مختصراً - ابو موسیٰؓ) ایک حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحث کرنے مال ضائع کرنے اور کثرت سے سوالات کرنے سے منع فرمایا ہے (بخاری و مسلم- مغیرہ بن شعبہؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

یوشک الناس یتساءلون حتّٰی یقولوا قد خلق اللّٰہ الخلق' فمن خلق اللّٰہ؟ فاذا قالوا ذلک فقولوا قل ھو اللّٰہ احد اللّٰہ الصمد حتّٰی تختموا السورۃ ثم لیتفل احدکم عن یسارہ ثلاثا و یستعذبا للّٰہ من الشیطان الرجیم - (بخاری و مسلم- ابو ہریرہؓ)

مجھے ایسا لگتا ہے کہ لوگ سوالات کرتے کرتے یہ کہنے لگیں گے کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے اگر لوگ یہ پوچھیں تو انھیں بتلاؤ کہ اللہ ایک ہے' اللہ بے نیاز ہے (پوری سورۂ اخلاص سناؤ) پھر تم میں سے ایک بائیں طرف تھوک دے اور شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آیت تلاعن (۱) اور بلا ضرورت سوال نہ کرنا چاہیئے' حضرت خضر نے اپنے ساتھ لے جانے سے پہلے حضرت موسیٰ پر یہ بات واضح کردی تھی کہ وہ اپنے طور پر کچھ نہ پوچھیں یہاں تک کہ میں خود ہی ذکر نہ کردوں۔ جب انھوں نے کشتی میں سوراخ کردینے پر تعجب ظاہر کرتے ہوئے اس کی وجہ معلوم کی تو حضرت خضر نے ان کا وعدہ یاد دلایا حضرت موسیٰ نے معذرت کی' تین مرتبہ ایسا ہی ہوا' بالآخر حضرت خضر نے علیحدگی کا اعلان کردیا۔

دین کے اسرار اور غامض امور کے بارے میں عوام کا کچھ دریافت کرنا عظیم ترین آفت ہے اس سے فتنے پیدا ہوسکتے ہیں' اس لئے عوام کو اس طرح کے سوالات سے روکنا اور منع کرنا واجب ہے' قرآنی الفاظ و حروف کے قدیم یا حادث ہونے کے سلسلے میں ان کا بحث کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کے فرمان پر عمل کرنے کے بجائے اس کاغذ پر غور کرنے لگے جس پر وہ فرمان لکھا ہوا ہے' یا ان الفاظ کی ترکیب پر بحث کرنے بیٹھ جائے جن سے حکم عبارت ہے۔ اس کا کام صرف عمل کرنا تھا' عمل اس نے کیا نہیں' اور ایک ایسے کام میں مصروف ہوگیا جو اس سے مطلوب نہیں ہے' ایسا شخص یقیناً" سزا کا مستحق ہوگا۔

کتاب ذم الغضب والحقد والحسد

غضب' کینہ اور حسد کی برائی کا بیان

غضب آگ کا ایک دہکتا ہوا شعلہ ہے' یہ وہ آگ ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی:-

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ- (پ ۳۰ ر ۲۹ آیت ۶-۷)

---

(۱) یہ آیت سورۂ نور میں ہے اس میں ان لوگوں کی سزا بیان کی گئی ہے جو اپنی منکوحہ بیویوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور ان کے پاس بجز دعویٰ کے کوئی گواہ نہیں ہوتا۔

وہ اللہ کی آگ ہے جو (اللہ کے حکم سے) سُلگائی گئی جو دلوں تک جا پہنچے گی۔

یہ آگ دل کی تہہ میں اسی طرح چھپی رہتی ہے جس طرح چنگاریاں راکھ میں دبی رہتی ہیں جس طرح چقماق لگتے ہی (یا آج کے دور میں ماچس کی تیلی رگڑتے ہی) آگ ظاہر ہو جاتی ہے اسی طرح کبر کے چقماق کی ایک معمولی رگڑ سے غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے' ارباب بصیرت اور اہل مکاشفہ نے نور یقین سے اس حقیقت کا ادراک کیا ہے کہ انسان کی ایک رگ کا سلسلہ شیطان لعین تک دراز ہے' جس شخص کو شدید غصہ آتا ہے وہ شیطان سے اپنی قربت کا مدعی ہے' کیونکہ شیطان ہی ہے جس نے انسان کے مقابلے میں بڑی رعونت سے کہا تھا۔

خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ۔ (پ ۸ ر ۹ آیت ۲)

آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو آپ نے خاک سے پیدا کیا۔

مٹی کی شان یہ ہے کہ وہ سکون اور وقار سے رہے' اور آگ کی شان یہ ہے کہ بھڑکے' اور متحرک ہو' چنانچہ اگر آدمی مغلوب الغضب ہو تو یہ سمجھ لو کہ اس کی تخلیق میں مٹی کا عنصر کم اور آگ کا عنصر زیادہ ہے' حقد اور حسد دونوں غضب کے نتیجے ہیں' اور یہ دونوں ہی حقیقتیں انتہائی تباہ کن ہیں' انھیں سے ہلاکتیں پھیلتی ہیں' انھیں سے فساد اور شورش برپا ہوتا ہے' دل انکا مسکن اور منبع ہے' یہ وہ گوشت کا لوتھڑا ہے کہ اگر صحیح ہو تو جسم کا تمام نظام صحیح طور پر چلے اور خراب ہو تو جسم کا تمام نظام فیل ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ تینوں ہی چیزیں تباہ کرنے والی ہیں۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ راہ طریقت کے سالکین کو ان کی ہلاکت آفرینیوں سے آگاہ کر دیا جائے' تاکہ وہ ان سے بچ کر چلیں' اگر ان کے دلوں میں کہیں یہ بد خصلتیں اپنی جڑیں پکڑے ہوئے ہیں تو انھیں اکھاڑ پھینکیں' ان کا علاج کریں' برائی سے آگاہ کر دینا اس لئے ضروری ہے کہ جو برائی سے واقف نہیں ہوتا وہ عموماً اس میں مبتلا ہو جاتا ہے' محض شر سے واقف ہونا بھی کافی نہیں ہوتا جب تک اس سے بچنے کی تدابیر معلوم نہ ہوں۔

اس کتاب کے سولہ ابواب میں ہم غضب' حقد' اور حسد کی آفات بیان کریں گے اور ان آفات سے بچنے کی تدبیروں پر گفتگو کریں گے۔

پہلا باب

غضب کی مذمت

قرآن وحدیث سے غضب کی مذمت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔ (پ ۲۶ ر ۱۱ آیت ۲۶)

جب کہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مؤمنین کو اپنی طرف سے تحمل عطا کیا۔

اس آیت میں کفار کی مذمت کی گئی ہے' کیوں کہ انھوں نے امر باطل پر غیرت کی تھی اور غیرت غصہ کا مظہر

ہوا کرتی ہے' مؤمنین کی تعریف فرمائی گئی' اس لئے کہ انھوں نے مخالفین کے غصے کے سامنے سکینت و وقار کا مظاہرہ کیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی مختصر سا عمل بتلا دیجئے' فرمایا غصہ نہ کیا کر' اس نے دوبارہ یہی درخواست کی' آپ نے پھر یہی جواب دیا (بخاری) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے مختصر سی بات بتلا دیجئے تاکہ میں اس پر عمل کر سکوں' فرمایا: غصہ مت کیا کر' میں نے پھر یہی درخواست کی' آپ نے دوبارہ بھی غصہ نہ کرنے کا حکم دیا (ابو یعلی) آپ ہی کی روایت ہے کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اللہ کے غصے سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہوں' آپ نے فرمایا غصہ نہ کر کے (طبرانی' ابن عبدالبر) حضرت عبداللہ مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تم کس شخص کو پہلوان اور طاقتور سمجھتے ہو ہم نے عرض کیا: اس شخص کو جسے لوگ کشتی میں شکست نہ دے سکیں' فرمایا: یہ بات نہیں' طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو (مسلم)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من کف غضبہ ستر اللہ عورتہ۔ (ابن ابی الدنیا)

جو شخص اپنا غصہ پیتا ہے اللہ اس کے عیب چھپاتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کسی شخص کو نصیحت کی کہ زیادہ غصہ کرنے سے بچو' کیوں کہ زیادہ غصہ کرنے سے بربار آدمی کا دل ہلکا ہو جاتا ہے' ارشاد باری ہے:۔

وَسَيِّدًا وَّحَصُورًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (پ ۳ر ۱۲ آیت ۳۹)

اور مقتدا ہوں گے' اپنے نفس کو (لذات سے) بہت روکنے والے ہوں گے۔

حضرت عکرمہؓ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ سیّد سے مراد وہ شخص ہے جو غصے سے مغلوب نہ ہو' حضرت ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے جس سے میں جنت میں جاؤں' فرمایا لا تغضب (طبرانی) غصہ نہ کیا کر۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام نے حضرت عیسٰی علیہ السلام سے کہا کہ غصہ نہ کیا کرو' انھوں نے فرمایا میں انسان ہوں' بالکلیہ غصہ نہ کرنا میرے بس میں نہیں ہے' فرمایا: اچھا مال نہ جمع کرنا' فرمایا: ہاں! یہ ممکن ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

الغضب یفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل۔ (طبرانی' بیہقی۔ بہز ابن حکیم عن ابیہ عن جدہ)

غصہ ایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوہ سے شہد خراب ہو جاتا ہے۔

ایک روایت میں ہے:۔

ما غضب احد الا اشفی علی جھنم۔ (بزار' ابن عدی۔ ابن عباس)

جس شخص نے بھی غصہ کیا وہ جہنم کے کنارے سے جا لگا۔

ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ کون سی چیز سخت تر ہے' ارشاد فرمایا: غضب اللہ (غضب الٰہی) اس نے پوچھا کہ میں اللہ کے غضب سے کس طرح بچ سکتا ہوں' فرمایا: لا تغضب (غصہ نہ کیا کر) (احمد۔ ابن عمرؓ)

آثار : حضرت حسن فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! جب تو غصے میں اُچھلتا ہے تو تیرے دوزخ میں گرنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے' ذُوالقرنین کے بارے میں بتلایا جاتا ہے کہ ان کی ملاقات ایک فرشتے سے ہوئی' انہوں نے فرشتے سے کہا مجھے کوئی ایسی بات بتلاؤ جو میرے علم میں اضافہ کی موجب ہو اور جس سے میرے ایمان و یقین کی روشنی بڑھے' فرشتے نے کہا' غصہ نہ کیا کرو' اس لئے کہ شیطان غصے ہی کی حالت میں آدمی پر زیادہ قابو پاتا ہے' غصہ آئے تو اسے پی جاؤ' اور اپنے آپ کو پر سکون کرلیا کرو' جلد بازی سے بھی بچو' اس لئے کہ آدمی جلدی کرتا ہے تو بسا اوقات غلطی کر جاتا ہے' ہر قریب و بعید آدمی کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کرو' جابر اور سرکش نہ بنو' وہب ابن منبہؒ سے مروی ہے کہ ایک راہب اپنے معبد میں عبادت کر رہا تھا' شیطان نے اسے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن ناکام رہا۔ اس کے پاس آیا' اور دروازے پر دستک دے کر کہا کہ دروازہ کھولو لیکن راہب نے کوئی جواب نہیں دیا شیطان نے پھر دروازہ کھولنے کے لئے کہا' اندر خاموشی رہی' شیطان نے کہا کہ دروازہ کھولو ورنہ میں واپس چلا جاؤں گا اور تم پچھتاؤ گے میں سچ بول رہا ہوں اور تم سے ملنے آیا ہوں' راہب نے کہا اگر تم سچے ہو تو میں کیا کروں' تم ہی نے تو ہمیں عبادت اور ریاضت کا حکم دیا ہے' اور قیامت کے دن ملنے کا وعدہ کیا ہے' اب اگر تم وقت سے پہلے آگئے ہو تم ہم کیا کریں' شیطن بڑا عاجز ہوا' اور بولا کہ میں شیطان ہوں' میرا ارادہ تمہیں گمراہ کرنے کا تھا' لیکن میں اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا' تاہم اگر تم کچھ پوچھنا چاہو تو پوچھ لو' میں جواب دینے کے لئے تیار ہوں' راہب نے پوچھا کہ کیا تو مجھے یہ بتلا سکتا ہے کہ انسان کی کون سی عادت تجھے اس پر قابو دینے میں زیادہ مدد کرتی ہے' اس نے کہا: غصہ کی گرمی' انسان غصہ کی آگ میں جلتا ہے تو ہم اسے اس طرح اُلٹ پُلٹ کرتے ہیں جس طرح بچے گیند لڑھکاتے ہیں۔ خیثمہؒ کے بہ قول شیطان کا دعویٰ یہ ہے کہ ابن آدم مجھ پر غالب آہی نہیں سکتا' جب وہ خوش ہوتا ہے تو میں اس کے دل میں رہتا ہوں' اور جب غضب ناک ہوتا ہے تو میں اس کے دماغ میں جا بستا ہوں' جعفر ابن محمدؒ کہتے ہیں کہ غصہ تمام برائیوں کی کنجی ہے۔ کسی انصاری صحابی کا قول ہے کہ گرم مزاجی بیوقوفی کی نشانی ہے' اور غصہ کا نتیجہ ہے' جو شخص جہالت پر رضا مند ہے اسے بُردباری کی ضرورت نہیں ہے' حلم زینت و منفعت ہے' اور احمق کے جواب میں خاموش رہنا ہی اس کا جواب ہے۔

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس کہا کرتا ہے کہ میں ابن آدم سے عاجز نہیں آسکا' خاص طور پر یہ تین آدمی تو مجھے عاجز کر ہی نہیں سکتے' ایک وہ شخص جو نشہ کرتا ہے' جب وہ نشہ کرتا ہے تو ہم اس کی باگ تھام لیتے ہیں' اور جدھر چاہے ہانک لیتے ہیں' وہ ہماری مرضی پر چلتا ہے' دوسرا وہ شخص جو غصہ کرتا ہے' غصہ کی حالت میں انسان اچھے برے کی تمیز کھو دیتا ہے' جو بات جانتا وہ کہتا ہے اور جو کام نہیں کرنا چاہیے وہ کرتا ہے۔ تیسرا بخیل' بخیل کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اس میں ہم بخل کی ترغیب دیتے رہتے ہیں' اور جو نہیں ہوتا اس کے حصول کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔ کسی عقلمند سے کہا گیا کہ فلاں شخص کو اپنے آپ پر بڑا قابو ہے' اس نے کہا تب نہ اسے شہوت زیر کرے گی' نہ وہ خواہش نفس سے شکست کھائے گا' اور نہ غصے سے مغلوب ہو گا۔ ایک بزرگ نے فرمایا: غصہ سے بچو' اس کا نتیجہ سوائے اِعتذار کی ذلت کے کچھ نہیں ہے۔ عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کے غصے کے بغیر حِلم کا اور طمع کے بغیر امانت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے اپنے عامل کو لکھا کہ غصے کے وقت کسی کو سزا مت دینا' جب تمہیں کسی پر غصہ آئے تو اسے قید کر دو' پھر جب غصہ فرو ہو جائے تو جرم کی مطابق سزا دو' اور سزا میں بھی پندرہ کوڑوں سے تجاوز نہ کرو۔ علی

ابن زیدؒ کہتے ہیں کہ ایک قریشی نے آپ کے ساتھ بد کلامی کی' آپ دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے' پھر فرمایا: تمہاری خواہش یہ تھی کہ سلطان مجھے حکومت کی عزت کے حوالے سے بھڑکائے اور میں تمہارے ساتھ وہ سلوک کروں جو تم کل میرے ساتھ کرو گے۔ کسی بزرگ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے بیٹے! غصہ کے وقت عقل باقی نہیں رہتی' سب سے کم غصہ انھیں آتا ہے جو سب سے زیادہ عقلمند ہوتے ہیں' غصہ اگر دنیا کے واسطے ہو تو مکرو فریب ہے اور آخرت کے لئے ہو تو بردباری اور دانائی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ غصہ عقل کا دشمن ہے' حضرت عمرؓ اپنی تقریروں میں فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے وہ شخص فلاح پائے گا جو طمع' خواہش نفس' اور غصے سے محفوظ ہو' ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص شہوت اور غضب کا مطیع ہوتا ہے یہ دونوں بد خصلتیں اسے جہنم کی طرف دھکیل کرلے جاتی ہیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی علامت یہ ہے کہ وہ دین میں پختہ ہو' اس کا دل نور یقین سے روشن ہو' علم کے ساتھ حلم کے زیور سے بھی آراستہ ہو' نرمی کے ساتھ دانائی رکھتا ہو' حقوق کی اچھی طرح ادائیگی کرتا ہو' مالداری میں میانہ رو ہو' تنگدستی میں صبر میں قناعت کا پیکر ہو' مقدرت کے وقت احسان کرتا ہو مصائب میں صبر سے کام لیتا ہو' غصہ اور شہوت اس پر غالب نہ ہوں' جاہلانہ حمیت اور عصبیت کے زیر اثر نہ ہو' اس کا پیٹ اس کے لئے رسوائی کا باعث نہ ہو' حرص و طمع کے ہاتھوں اپنے وقار کو مجروح نہ کرتا ہو' نیت صحیح رکھتا ہو' مظلوم کی مدد کرنے والا' ضعیف پر رحم کرنے والا ہو' نہ بخیل ہو' نہ فضول خرچ ہو' اپنے اوپر ظلم کرنے والے کو معاف کر دیتا ہو' جاہل کی غلطی پر مواخذہ کرتا ہو' اس کا نفس اگرچہ اس کے ہاتھوں تنگ ہو' لیکن لوگ اس سے راحت و آرام میں ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ سے کسی نے کہا کہ ایک جملے میں حسن خلق کی تعریف کیجئے' انھوں نے فرمایا: غصہ نہ کرنا۔ کسی پیغمبر نے اپنے متبعین سے فرمایا: جو شخص غصہ نہ کرنے کا یقین دلائے گا اور اپنے وعدے پر عمل کرے گا وہ میرے ساتھ جنت میں جائے گا' اور میرے بعد میرا جانشین ہو گا' ایک جوان نے عرض کیا میں اس کا وعدہ کرتا ہوں' انھوں نے دوبارہ فرمایا' جوان نے دوبارہ بھی یہی کہا' بالآخر وہ اپنے وعدے پر قائم رہا' اور پیغمبر کی وفات کے بعد ان کا خلیفہ بنا' ان کا نام ذوالکفل ہے' یہ نام اسی لئے رکھا گیا کہ انھوں نے غصہ نہ کرنے کی ضمانت دی تھی' اور اپنا وعدہ پورا کیا تھا۔ وہب ابن منبہؒ فرماتے ہیں کہ کفر کے چار رکن ہیں۔ غضب' شہوت' حماقت اور لالچ۔

غضب کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے حیوان کی تخلیق کچھ اس طرح فرمائی ہے کہ وہ اپنے داخلی اور خارجی اسباب کی بناء پر فنا ہو جاتا ہے' لیکن اسی کے ساتھ اسے ایک ایسی چیز بھی عطا کی ہے جو ایک مدت تک۔ جو اس نے مقرر کردی ہے۔ اسے فنا ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ داخلی اسباب تو یہ ہیں کہ اللہ نے انسان کی ترکیب حرارت اور رطوبت سے کی ہے' اور ان دونوں میں عداوت اور تضاد پیدا کیا ہے' حرارت ہمیشہ رطوبت کو تحلیل اور خشک کرتی رہتی ہے' اور اس کے بخارات بناتی رہتی ہے' یہاں تک کہ اس کے اجزاء بھاپ بن کر اڑ جاتے ہیں' چنانچہ اگر رطوبت کو غذا کی امداد حاصل نہ ہو' اور جتنی رطوبت خشک اور تحلیل ہو کر ضائع ہوئی ہے اس کی تلافی نہ ہو تو حیوان فنا ہو جائے۔ اللہ نے حیوان کے جسم کے موافق غذا پیدا کی ہے' اور حیوان میں اس کی اشتہا بھی پیدا کردی ہے تاکہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق غذا کھایا کرے اور نقصان کا تدارک کرلیا کرے۔

خارجی اسباب ہلاکت کی شکل میں موجود ہیں جیسے تلوار' خنجر اور دوسرے ہتھیار وغیرہ۔ اس کے لیے اللہ نے انسان کے اندر ایک قوت پیدا کی ہے جس سے وہ اپنا دفاع کرتا ہے اور ان ہلاکت سے خود کو محفوظ رکھتا ہے۔ اللہ نے قوت غضب کی تخلیق آگ سے کی ہے' جب بھی اس کی مرضی کے خلاف کوئی بات پیش آتی ہے' یا اسے اس کے کسی مقصد سے روکا جاتا ہے تو وہ آگ بھڑک

اٹھتی ہے' اور وہ شعلہ اتنا تیز ہوجاتا ہے کہ دل کا خون جوش مارنے لگتا ہے اور وہ گرم خون تمام رگوں میں اوپر کی طرف پھیل جاتا ہے جس طرح آگ کی لپٹیں اوپر کی طرف اٹھتی ہیں' یا جس طرح ہانڈی کا ابال اوپر کی طرف اٹھتا ہے آدمی کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں' اور کیونکہ چہرے کی جلد نرم اور صاف ہوتی ہے اس لیے خون کی یہ سرخی ظاہر ہوجاتی ہے جس طرح شیشے کی اندر کی چیز کا علم ہوجاتا ہے' یہ حالت اس وقت ہوتی ہے جب اپنے سے کم مرتبہ آدمی پر غصہ آئے' اور یہ جانتا ہو کہ اس شخص پر میں قادر ہوں' اگر غصہ اپنے سے بلند مرتبہ شخص پر آئے اور اس سے انتقام نہ لے سکتا ہو تو اس صورت میں خون پھیلنے کے بجائے ظاہری جلد سے جوف قلب میں اکٹھا ہوجاتا ہے اور حزن والم کا باعث بنتا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں انسان کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے اور اگر غصہ کسی برابر کے شخص پر آئے تو یہ دونوں کیفیتیں ظاہر ہوتی ہیں' کبھی چہرہ سرخ ہوجاتا ہے اور کبھی زرد' یہ اضطراب کی صورت ہوتی ہے۔

غضب کا مرکز قلب ہے : بہرحال قوت غضب کا محل قلب ہے' اور اس کے معنی ہیں انتقام کے لیے دل کے خون کا جوش کرنا یہ قوت مؤذی اور مہلک چیزوں سے تعرض کرتی ہے وقوع سے پہلے دفاع کے لیے اور وقوع کے بعد انتقام اور دل کی تسلی کے لیے' اس قوت کی غذا انتقام ہے' یہی اس کی لذت ہے' انتقام کے بغیر اسے سکون نہیں ملتا۔

قوت غضب کے تین درجے : اس قوت میں لوگ ابتدائے آفرینش سے تین درجوں پر ہیں' تفریط' افراط' اور اعتدال۔

درجہ تفریط: یہ ہے کہ آدمی کے اندر یہ قوت باقی نہ رہے یا کمزور پڑ جائے یہ مذموم ہے' ایسے شخص کو بے غیرت کہا جاتا ہے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو غصہ دلانے کے باوجود غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے' معلوم ہوا کہ جس شخص کے اندر غیرت وحمیت سرے سے موجود ہی نہ ہو وہ انتہائی ناقص ہے' اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء کی تعریف میں ارشاد فرمایا:

أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ (پ۲۶ ر۱۲ آیت ۲۹)

وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں۔

ایک آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا۔

جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (پ۱۰ ر۱۶ آیت ۷۳)

کفار سے اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔

شدت وغلظت حمیت وغضب ہی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں۔

درجہ افراط : یہ ہے کہ آدمی کے مزاج پر غصہ غالب ہو' اور غصے کے سامنے نہ اسے عقل کی سیاست سے سروکار ہو اور نہ دین کی اطاعت سے' جب اسے غصہ آئے تو فکر و نظر بصیرت و آگہی' اور اختیار و ارادہ کچھ باقی نہ رہے' بلکہ مضطر کی طرح ہوجائے۔ بعض لوگوں پر غصہ ان کی فطری مزاج کی بنا پر غالب آتا ہے اور بعض لوگ عادت کی بنا پر غضب سے مغلوب ہوتے ہیں چنانچہ بہت سے آدمی ہر وقت غصہ پر آمادہ نظر آتے ہیں' یہاں تک کہ ان کی صورتوں سے ایسا لگتا ہے کہ وہ غصے میں ہیں' پھر قلب کے مزاج کی گرمی غصہ کے اظہار پر ان کی مدد کرتی ہے' غصہ کو حدیث شریف میں آگ قرار دیا گیا ہے۔(۱) البتہ سرد مزاج آدمی کو غصہ کم آتا ہے' آتا بھی ہے تو بہت جلد فرو ہوجاتا ہے۔ عادی اسباب یہ ہیں کہ کوئی شخص ایسے لوگوں میں اٹھے بیٹھے جو ہر وقت غصے میں

---

(۱) جیسا کہ ترمذی میں حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایت ہے الغضب جمرة فی قلب ابن آدم اور ابوداؤد میں عطیہ السعدی کی حدیث ہے ان الغضب من الشیطان وان الشیطان خلق من النار"

بھرے رہتے ہوں' اور غضب کے بندے اور اطاعت گذار ہوں' اور فخریہ کہتے ہوں کہ ہم یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتے کہ کوئی ہمیں برا کہے' اور نہ ہم اپنے کام میں کسی کی مداخلت پسند کرتے ہیں' وہ اپنی اس ہر برائی پر فخر کرتے ہیں' حالانکہ حقیقت میں اس طرح وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ نہ ہم عقل و شعور رکھتے ہیں' اور نہ حلم اور بردباری۔ وہ شخص ان کی یہ جاہلانہ باتیں سنتا ہے اور اپنی کم عقلی کی بنا پر انہیں اپنے دل میں جگہ دیتا ہے' اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ غصہ کرنا اچھی چیز ہے' مجھے بھی ان لوگوں کی طرح غصہ کرنا چاہئے' بہرحال اوّلاً وہ زبردستی غصہ دکھاتا ہے' یہ زبردستی عادت بن جاتی ہے' اور جب غصہ کی آگ بھڑکتی ہے تو غصہ کرنے والا اس کی آگ میں جل جاتا ہے نہ اس میں کسی کی نصیحت سننے کی صلاحیت باقی رہتی ہے اور نہ اپنی رائے پر عمل کرنے کی قدرت' بلکہ جب کوئی نصیحت کرتا ہے تو اس سے وہ اور زیادہ غضب ناک ہوجاتا ہے' اور جب اپنی بصیرت و عقل کی روشنی میں جائزہ لینا چاہتا ہے تو غصے کی آگ کا دھواں اس کا احاطہ کرلیتا ہے اور وہ روشنی ماند پڑ جاتی ہے فکر کا معدن دماغ ہے' شدّتِ غضب کے وقت دل میں خون جوش کھاتا ہے اور اس کے نتیجے میں سیاہ رنگ کا کثیف دھواں دل سے نکل کر دماغ کی طرف اٹھتا ہے' اور معدنِ فکر پر قبضہ کرلیتا ہے' اور کبھی معادنِ حس کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے' اس صورت میں اس کی بینائی جاتی رہتی ہے' وہ کھلی آنکھوں کے باوجود کچھ نہیں دیکھ پاتا' دنیا اس کی نگاہوں میں تاریک ہوجاتی ہے' اس حال میں دل و دماغ کی حالت اس غار کے مشابہ ہوجاتی ہے جس میں آگ جلائی جائے اور اس کے ماحول میں دھواں بھر جائے اور اردگرد کی فضا گرم ہوجائے' ایسی حالت میں اگر کوئی چراغ روشن کیا جائے تو اسکی روشنی مدھم رہے گی اور وہ دھویں سے لبریز ماحول کو منور نہیں کرسکے گی' نہ کوئی اس میں قدم رکھ سکے گا' نہ آواز ٹھیک سے سنی جاسکے گی' اور نہ صورت اچھی طرح نظر آئے گی' اور نہ کوئی شخص غار کے اندر جاکر یا باہر سے اس آگ کو بجھانے پر قادر ہوگا' بلکہ اس وقت تک صبر کرنا پڑے گا جب تک وہ آگ ان تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر نہ کردے جن میں جلنے کی صلاحیت ہے' یہی حال غضب سے قلب اور دماغ کا ہوتا ہے بعض دفعہ یہ آگ اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ قلب کی تمام رطوبت کو۔ جس پر اس کی زندگی کا مدار ہوتا ہے۔ خشک کردیتی ہے' چنانچہ غصہ کرنے والا خود اپنے غصے کی آگ میں جل کر ہلاک ہوجاتا ہے' جس طرح غار کی آگ اس کی دیواروں کو منہدم کردیتی ہے' کیونکہ وہ آگ اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ غار کی اطراف و جوانب اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اسی طرح قلب غصے کی آگ میں جل کر خاکستر بن جاتا ہے' اور اس میں حقیقی زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہتی' صحیح بات یہ ہے کہ طوفان برد و باراں میں سمندر کے سینے پر ہچکولے کھاتی ہوئی کشتی اس نفس کے مقابلے میں زیادہ اچھے حال میں ہوتی ہے اور اس کی سلامتی کی زیادہ امید ہوتی ہے جو غصے کی آگ میں جل رہا ہو' اس لیے کہ کشتی میں تو وہ شخص موجود ہے جو اسے پرسکون رکھنے کی تدبیر کرسکتا ہے' اور اسے سرکش موجوں کی زد سے بچا کر ساحل تک پہنچا سکتا ہے' لیکن قلب وہ تو خود جسم کے سفینے کا ملاح اور ناخدا ہے' جب وہ خود ہی غضب کی آگ میں جل رہا ہو تو جسم کی کشتی کی کس طرح حفاظت کرسکے گا' اور اسے کنارے تک پہنچانے کی کیا تدبیر کرسکے گا۔

غضب کے ظاہری آثار: ظاہری جسم پر غضب کے یہ آثار مرتب ہوتے ہیں کہ رنگ متغیر ہوجاتا ہے' جسم جلنے لگتا ہے اور اعضاء کے عمل میں ترتیب و توازن باقی نہیں رہتا' زبان لڑکھڑانے لگتی ہے' یہاں تک کہ منہ سے جھاگ بہنے لگتے ہیں' آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں' ناک پھولنے پچکنے لگتی ہے' اور چہرے کی ہیئت بدل جاتی ہے' اگر غصے والا غصے کے وقت اپنی صورت دیکھ لے تو خود اپنی نظروں میں گر جائے اور اپنی بدصورتی پر اسے اس قدر شرم محسوس ہو کہ سارا غصہ کافور ہوجائے' اسے سوچنا چاہئے کہ جب غصے کا ظاہر جسم پر اس قدر اثر پڑا ہے اور چہرے کی ہیئت ہی بگڑ گئی ہے باطن پر کس قدر اثر پڑا ہوگا اور اس کی ہیئت کتنی بگڑی ہوگی ظاہر باطن کا عنوان اور آئینہ ہوتا ہے پہلے باطن بگڑتا ہے' پھر اس کے بگاڑ کا اثر ظاہر کی طرف تجاوز کرتا ہے' ظاہر کا تغیر باطن کے تغیر کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

زبان پر غصے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی گالیاں بکنے لگتا ہے' اور ایسے گندے الفاظ استعمال کرتا ہے کہ حساس اور باشعور لوگ

انہیں سنیں تو شرم سے پانی پانی ہو جائیں بلکہ وہ خود انہیں زبان سے نکال کر شرمائے بشرطیکہ غصے میں نہ ہو' یا غصہ باقی نہ رہے اور اس وقت کی حالت یاد آئے جب غصے میں تھا اور اول فول بک رہا تھا' اس فحش کلامی کے ساتھ الفاظ کی ادائیگی نہیں کرپاتا نہ جملوں میں ترتیب قائم رکھ پاتا ہے بلکہ بیشتر الفاظ ایسے بولتا ہے جن کے کوئی معنیٰ ہی نہیں ہوتے۔

اعضاء پر غصے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب زبانی غصہ کافی نہیں ہوتا' اور انتقام کی آگ شدت اختیار کرلیتی ہے تو مار پیٹ اور نوچ کھسوٹ پر اتر آتا ہے' کبھی غصے میں پاگل ہو کر اس شخص کو قتل کردیتا ہے یا زخمی کردیتا ہے جس پر غصہ آئے' یا اس کے عجز اور اپنی طاقت کی بنا پر راہِ فرار اختیار کرلے تو پھر وہ شخص اپنا غصہ خود اپنے آپ پر اتارتا ہے' کپڑے پھاڑ لیتا ہے' سینہ کوبی کرتا ہے' دیواروں سے سر ٹکراتا ہے خود کو زخمی کرلیتا ہے اور کبھی کبھی خود کشی بھی کر بیٹھتا ہے کبھی غصے کی وجہ سے اس کی حالت یہ ہوتی ہے جیسے شراب کے نشے میں ہو' کبھی شدتِ غضب سے حواس مختل ہو جاتے ہیں اور دل و دماغ اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں' ہوش باقی نہیں رہتا' کبھی یہ غصہ جمادات اور حیوانات پر اتارتا ہے مثلاً برتن توڑ دیتا ہے' دسترخوان سے کھانا اٹھا کر پھینک دیتا ہے' اور پاگلوں کی سی حرکت کرتا ہے بے زبان جانوروں کو گالیاں دیتا ہے' اور انہیں اس طرح مخاطب کرتا ہے جس طرح سمجھدار کو مخاطب کرتے ہیں' ایسی حالت میں اگر کوئی جانور اسے لات یا سینگ مار دیتا ہے تو خود بھی یہی حرکت کرتا ہے۔

قلب پر غصے کا ایک اثر یہ پڑتا ہے کہ اس کے لیے دل میں کینہ اور حسد پیدا ہو جاتا ہے اور اسے ایذا پہنچانے کے درپے ہوتا ہے اس کے غم سے خوش اور اس کی خوشی سے غمگین ہوتا ہے' اس کے راز آشکار کرنے میں دل چسپی لیتا ہے' اس کی اہانت کرتا ہے' مذاق اڑاتا ہے' اور ہر طرح تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ ہیں حد سے بڑھے ہوئے غصے کے نتائج و ثمرات ضعفِ غضب بھی کوئی اچھی چیز نہیں ہے' اس کا ثمرہ بے غیرتی ہے' یعنی جو بات آدمی اپنے گھر والوں مثلاً بیوی بچوں کو غلط دیکھے اس پر خفا نہ ہو' کمینوں کی طرف سے ذلت اٹھائے' اور رسوا ہو' یہ بھی مذموم ہے' کیوں کہ بیوی کے سلسلے میں بے غیرت ہونا مخنث ہونے کی علامت ہے' غیرت۔ اگر حد اعتدال میں ہو' اور مناسب حدود میں ہو۔ جائز اور پسندیدہ چیز ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان سعدا لغیور وانا اغیر من سعد وان اللہ اغیر منی (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

سعد غیرت مند ہے' میں سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں' اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔

غیرت نسب کی حفاظت کے لیے پیدا کی گئی ہے' اگر لوگ اس سے غفلت برتنے لگیں تو نسب مخلوط ہو جائیں یہ امتیاز باقی نہ رہے کہ کون کس کی اولاد ہے' کس خاندان سے ہے' اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جس قوم کے مردوں میں غیرت نہ رہے اس کی عورتیں محفوظ نہیں رہتیں' منکرات دیکھ کر خاموش رہنا بھی ضعفِ غضب کی علامت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خیر امتی احداھا (طبرانی' بیہقی۔ علیؓ)

میری امت کے بہترین لوگ وہ ہیں جو (دین میں) سخت ہوں۔

ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ (پ ۱۸ر ۷ آیت ۲)

اور تم لوگوں کا ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئیے۔

بلکہ جس شخص میں غصہ نہ ہو وہ اپنے نفس کی اچھی طرح تربیت بھی نہیں کرسکتا' اس لیے کہ ریاضت اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک غضب کو شہوت پر مسلط نہ کیا جائے یہاں تک کہ اگر نفس شہوات کی طرف مائل ہو تو اس پر غضب ناک ہو' اور اسے شہوت میں مبتلا ہونے سے روکے۔

<u>درجۂ اعتدال</u> : اس سے معلوم ہوا کہ غضب کا نہ ہونا بھی مذموم ہے' اور وہ غضب پسندیدہ ہے جو عقل اور دین کے تابع ہو' یعنی

جہاں حمیت کی ضرورت ہو وہاں غصہ آئے' اور جہاں حلم کا موقع ہو وہاں غصہ نہ آئے' غصے کو اعتدال کی حدود میں رکھنا ہی وہ استقامت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلف قرار دیا ہے' اور یہ وہ درجہ اعتدال ہے جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے:۔

خیر الامور اوساطها (بیہقی)

بہترین امور درمیانی ہوتے ہیں۔

جس شخص کو غصہ نہ آئے' بلکہ ان مواقع پر بھی اس کی رگِ حمیت نہ پھڑکے جہاں بزدل سے بزدل بھی جری ہو جاتے ہیں' ایسے شخص کو اپنے نفس کا علاج کرنا چاہیئے تاکہ اس میں غضب پیدا ہو جائے اسی طرح اس شخص کو بھی علاج کی ضرورت ہے جس کا غصہ حد سے بڑھا ہوا ہو' حتی کہ تہور اور شجاعت میں فرق نہ کرتا ہو' مطلب یہ ہے کہ غصہ خواہ افراط میں ہو یا تفریط میں قابل علاج ہے' عمدہ حالت یہ ہے کہ درمیانی درجے پر آجائے جسے قرآن کے الفاظ میں صراط مستقیم کہتے ہیں' اگرچہ صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے' لیکن جو اس تک نہ پہنچ سکے اسے مایوس ہونے کے بجائے قریب تر ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے' ارشاد باری ہے:۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (پ ۵ ر ۱۶ آیت ۲۹)

اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمہارا کتنا بھی جی چاہے تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کر دو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو۔

چنانچہ یہ ضروری نہیں کہ جو شخص ہر کام اچھا نہ کر سکے وہ ہر کام برا کرے' بعض برائیاں بعض دوسری برائیوں کے مقابلے میں ہلکی ہوتی ہیں' اور بعض خیر بعض کے مقابلے میں اعلیٰ و ارفع ہوتے ہیں۔ اس لیے جس قدر ممکن ہو خیر سے قریب رہے اور شر سے اجتناب کرے توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

کیا ریاضت سے غضب کا ازالہ ممکن ہے؟

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ غضب کا بالکلیہ ازالہ ممکن ہے' اور ریاضت کے ذریعہ اس کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے' کچھ لوگوں کی رائے اس کے برعکس ہے' وہ یہ کہتے ہیں کہ غضب ایک ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے' یہ ان لوگوں کی رائے ہے جو خلق کو خلق یعنی عادات کو بھی تخلیق سمجھتے ہیں کہ جس طرح آدمی اپنے اعضاء کے پیدائشی عیوب دور کرنے پر قادر نہیں ہے اسی طرح وہ اپنی عادات بھی تبدیل نہیں کر سکتا یہ دونوں رائیں کمزور اور لچر ہیں۔

حق کیا ہے؟ : حق بات وہ ہے جو ہم ذکر کرنے والے ہیں' اور وہ یہ ہے کہ جب تک آدمی کسی چیز کو پسند یا ناپسند کرتا رہے گا اس وقت تک غیظ و غضب سے خالی نہیں رہ سکتا' اور جب تک کوئی چیز اس کے مزاج کے مخالف یا موافق رہے گی اس وقت تک پسندیدگی یا ناپسندیدگی کے اظہار کا سلسلہ جاری رہے گا ناپسندیدگی غضب ہی کا ردّ عمل ہے' چنانچہ اگر اس کی کوئی محبوب اور پسندیدہ چیز چھین لی جائے یا اسے ضرر پہنچایا جائے تو غصہ ضرور آئے گا۔

محبوب کی قسمیں : آدمی کو جن چیزوں سے محبت ہوتی ہے ان کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم : میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو سب کے لیے ضروری ہیں' مثلاً غذا' مکان' لباس' صحت وغیرہ۔ چنانچہ اگر کوئی مار پیٹ

کے ذریعہ بدن کو نقصان پہنچائے یا اسے زخمی کرے تو اس پر غصہ آنا چاہیے' کیوں کہ بدن کی حفاظت ضروری ہے' اسی طرح اگر کوئی شخص کپڑے اتار کر ننگا کرنا چاہے' یا اس مکان سے باہر نکالنا چاہے جس میں وہ رہائش پذیر ہے' یا وہ پانی گرا دینے کا ارادہ کرے جو پیاس بجھانے کے لیے رکھ چھوڑا ہے' ان سب چیزوں کی حفاظت کے لیے غصہ کرنا بھی ضروری ہے' یہ چیزیں ضروریات میں داخل ہیں' کوئی شخص بھی ان کا ضائع جانا پسند نہیں کر سکتا' جو شخص بھی ان سے تعرض کرے گا یا انہیں ضائع کرے گا وہ متعلقہ افراد کے غضب کا نشانہ ضرور بنے گا۔

دوسری قسم : میں وہ چیزیں داخل ہیں جو مخلوق میں سے کسی کے لیے بھی ضروری نہیں ہیں' مثلاً جاہ و منصب' مال کی کثرت' غلام یا باندیاں' اور سواریاں۔ یہ چیزیں فی الحقیقت ضروری نہیں ہیں' لیکن لوگوں نے اپنی عادت اور جہل کی بنا پر انہیں ضروری سمجھ لیا ہے اور اس حد تک انہیں محبوب بھی رکھتے ہیں کہ اگر کوئی چیز ان میں سے ضائع ہو جائے یا حاصل نہ ہو تو ان کے رنج و غم کا عالم دیدنی ہوتا ہے' حد یہ کہ سونا اور چاندی بھی انہیں اس قدر محبوب ہیں کہ انہیں جمع کرتے ہیں' اور جو انہیں چرا لیتا ہے اس پر غصہ کرتے ہیں' خواہ ان سے بے نیاز اور مستغنی ہی کیوں نہ ہوں لیکن لالچ انہیں زیادہ سے زیادہ جمع کرنے پر اکساتا ہے' اس قسم سے تعلق رکھنے والی چیزوں سے محبت کا کلی طور پر مفقود ہونا ممکن ہے' چنانچہ اگر کسی شخص کے پاس ضرورت سے زائد مکان ہو اور کوئی ظالم اسے گرا دے تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس پر غصہ نہ آئے' اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ دیدۂ بینا رکھتا ہو' اور دنیا کی زائد از ضرورت چیزوں سے اسے رغبت نہ ہو' چنانچہ ان کے ضائع جانے پر غصہ نہ کرے' اگر اسے ان کے وجود سے محبت ہوتی تو یقیناً غصہ کرتا۔ عام طور پر لوگ ایسی ہی غیر ضروری چیزوں کے ضائع ہونے یا نہ ملنے پر غصہ کرتے ہیں جیسے منصب' شہرت' مجلس میں اچھی نشست' علم میں فخر و مباہات۔ جن لوگوں پر ان چیزوں کی محبت غالب ہوتی ہے انہیں اس شخص پر غصہ ضرور آتا ہے جو اس سلسلے میں ان کی مزاحمت کرے' مثلاً اسے مجلس میں اچھی جگہ نہ بٹھلائے' یا اس کی شہرت کو داغدار کرے' یا اسے کوئی اعزاز نہ ملنے دے' جن لوگوں کو ان چیزوں کی خواہش نہیں ہوتی وہ پروا بھی نہیں کرتے خواہ انہیں جوتوں میں جگہ دی جائے' یا صدر نشین بنا دیا جائے' ایسی ہی فاسد عادتوں سے لوگوں کی محبتیں بڑھ گئی ہیں' ان ہی کی وجہ سے غصہ بھی زیادہ آتا ہے' جن کے ارادے اور خواہشیں زیادہ ہوتی ہیں اتنا ہی ان میں نقص زیادہ ہوتا ہے' کیوں کہ حاجت بجائے خود ایک نقصان کی صفت ہے' جاہل آدمی ہمیشہ اپنی حاجتیں بڑھانے کی فکر اور جدوجہد کرتا ہے' وہ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ حاجتیں اور خواہشیں نہیں بڑھا رہا ہے بلکہ غم و حزن کے اسباب میں اضافہ کر رہا ہے' بعض جُہّال خراب عادتوں کی بدولت اور برے ہم نشینوں کے اثر سے اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ اگر انہیں ان کے کسی عیب کے سلسلے میں کوئی طعنہ دینا چاہے تو وہ برا مناتے ہیں' اور ناراضگی ظاہر کرتے ہیں' مثلاً اگر کسی جاہل سے یہ کہا جائے کہ تو کبوتر بازی میں ماہر نہیں ہے یا شطرنج کا کھیل اچھی طرح نہیں جانتا' یا زیادہ شراب پی نہیں سکتا' یا زیادہ کھانے پر قادر نہیں ہے تو یہ طعنہ اسے برداشت نہیں ہوتا اور غصے سے پھٹ پڑتا ہے' اس طرح کے امور پر غصہ کرنا ضروری نہیں ہے کیوں کہ ان سے محبت کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔

تیسری قسم : میں وہ امور داخل ہیں جو بعض لوگوں کے حق میں ضروری ہیں اور بعض لوگوں کے حق میں ضروری نہیں ہیں' مثلاً کتاب عالم کے لیے انتہائی ضروری ہے' اسی لیے وہ کتابوں سے محبت کرتا ہے' اگر کوئی شخص اس کی کتاب پھاڑ ڈالے یا جلا ڈالے یا غرق کر دے تو اس پر ناراض ہوتا ہے' یہی حال کاریگر کے لیے ان آلات کا ہے جن سے وہ اپنے پیشے میں مدد لیتا ہے' اور جن کے بغیر وہ اپنا رزق نہیں کما سکتا' یاد رہے جو چیز کسی ضرورت کا ذریعہ ہوتی ہے وہ بھی ضرورت بن جاتی ہے۔ بہرحال اس کا اختلاف افراد و اشخاص پر مبنی ہے' ضروری نہیں کہ جو چیز ایک شخص کے لیے ضروری اور محبوب ہو وہ دوسرے کے لیے بھی ضروری اور محبوب ہو۔ "ضروری محبت" وہ ہے جس کی طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من اصبح امنا فی سربہ معافی فی بدنہ ولہ قوت یومہ فکانما حیزت لہ الدنیا بحذافیرھا (ترمذی' ابن ماجہ۔ عبید اللہ ابن محصن)

جو شخص اپنے گھر میں مامون ہو' بدن سے صحت مند ہو' اور اسے اس دن کی روزی میسر ہو وہ ایسا ہے گویا اسے تمام دنیا حاصل ہے۔

جو شخص حقائقِ امور سے واقف ہو' اور ان تینوں قسموں کو سمجھتا ہو' اس کے متعلق یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ ان تینوں کے علاوہ امور میں غصہ نہ کرے' بہرحال یہ تین قسمیں ہیں' اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ ان قسموں پر ریاضت کا کیا اثر ہوگا؟

پہلی قسم پر ریاضت کے اثرات: ریاضت اس لیے نہیں ہوتی کہ غصہ بالکل ہی منہدم ہوجائے' بلکہ اس لیے ہوتی ہے کہ دل غضب کا مطیع نہ رہے' اور بظاہر اس کا استعمال اسی حد تک کرے جو شریعت اور عقل دونوں کے نزدیک پسندیدہ ہو' یہ بات مجاہدے اور کوشش سے اس طرح ممکن ہے کہ کچھ عرصے حلم اور تحمل میں تکلّف سے کام لے' یہاں تک کہ برداشت اور بردباری اس کی عادت ثانیہ بن جائے' دل سے غصہ کا بالکلیہ خاتمہ طبیعت کا تقاضا نہیں ہے' اور نہ یہ ممکن ہے' البتہ اس کی شدّت ختم کرنا اور اس کا زور کم کرنا ممکن ہے تاکہ باطن میں ہیجان نہ ہو' اور ظاہر میں اس کا اتنا اثر پیدا ہوجائے کہ چہرہ دیکھ کر کوئی یہ نہ سمجھ پائے کہ اس وقت غصے میں ہے' اگرچہ یہ مجاہدہ سخت ہے' لیکن ناممکن نہیں ہے' اگر کوئی مسلسل کوشش کرتا رہے تو ناکامی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ یہی حکم تیسری قسم کا ہے' کیونکہ بعض چیزیں بعض کے حق میں اتنی ہی ضروری ہوتی ہیں جتنی پہلی قسم کی چیزیں گویا یہ دونوں ایک ہی قسم ہیں' اور دونوں پر ریاضت کا اثر یکساں ہے۔

دوسری قسم کی چیزوں پر آنے والے غصے کا مکمل خاتمہ ریاضت کے ذریعہ ممکن ہے' اس طرح کہ آدمی ان چیزوں کی محبت دل سے نکال دے' اور یہ باور کرے کہ اس کا وطن قبر ہے' اس کا ٹھکانہ آخرت ہے' اور یہ کہ دنیا ایک پل ہے جس سے گذر کر آخرت کے ٹھکانے تک پہنچنا ہے' یا ایک منزل ہے جس پر چند گھڑیوں کے لئے ٹھہر کر اور آنے والے سفر اور اگلی منزل جو مستقل منزل ہے۔ کے لیے توشہ لے کر آگے بڑھنا ہے' اس کے علاوہ جو کچھ ہے وبال ہے' نہ قبر میں کام آئے گا اور نہ آخرت میں اسے دنیا کی چیزوں سے بے رغبتی اختیار کرنی چاہیئے اور دل سے ان کی محبت نکال دینی چاہیئے' اگر کسی آدمی کو اپنے کتے سے الفت نہ ہو تو دوسرے کے مارنے پر اسے کبھی غصہ نہ آئے گا' اس سے معلوم ہوا کہ غصہ محبت کے تابع ہے۔ اس قسم میں ریاضت کا مقصود یہ ہے کہ غضب قطعی طور پر ختم ہوجائے۔ لیکن ایسا ہونا بہت مشکل ہے البتہ غصہ کمزور پڑجانا' یا اس کے موجب پر عمل نہ کرنا سہل ہے' اگر ایسا ہو تو اسے بھی غنیمت سمجھنا چاہیئے۔

یہاں ایک اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ پہلی قسم یعنی ضروری اشیاء کے ضائع جانے سے صرف غصہ ہی نہیں آتا' بلکہ بعض اوقات رنج بھی ہوتا ہے کبھی غصہ بالکل نہیں آتا صرف رنج ہوتا ہے' مثلاً کسی شخص کے پاس وسیلہ رزق کے نام پر صرف ایک بکری ہو اور وہ مرجائے تو اسے کسی پر غصہ نہ آئے گا' اگرچہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جسے وہ ہرگز پسند نہیں کرتا' لیکن وہ اس پر غضب ناک ہونے کے بجائے صرف ملول ہوتا ہے' اور ہر ناپسندیدہ عمل کا ردّ عمل غضب نہیں ہے' چنانچہ آدمی فصد کھلوانے یا پچھنے لگوانے کے عمل سے تکلیف ضرور محسوس کرتا ہے لیکن اسے فصد کھولنے والے یا پچھنے لگانے والے پر غصہ نہیں آتا' جس شخص پر توحید غالب ہوتی ہے' اور وہ ہر چیز کو اللہ کا عطیہ اور اس کے قبضۂ قدرت میں سمجھتا ہے وہ مخلوق پر غصہ نہیں کرتا' اس لیے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ مخلوق کو خود کوئی اختیار نہیں وہ اللہ کے قبضۂ قدرت میں مسخر ہے جس طرح قلم لکھنے والے کے ہاتھ میں مسخر ہوتا ہے' اگر بادشاہ کسی کی گردن مارنے کا حکم جاری کردے تو وہ قلم پر خفا نہیں ہوتا' اس طرح موحدِ حقیقی بکری ذبح کرنے والے پر ہرگز خفا نہ ہوگا' اور نہ اس کی موت پر برہم ہوگا' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ذبح اور موت دونوں کا تعلق اللہ سے ہے' بندے کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غلبۂ توحید سے بھی غضب کا خاتمہ ہوتا ہے' اور خدا کے ساتھ حسن ظن بھی اس سلسلے میں

مؤثر ہوتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی طرف سے ہوتا ہے' اور اللہ اس کے حق میں جو کچھ کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے خواہ وہ بھوکا پیاسا رکھے' یا زخمی کرائے' یا کسی کے ذریعہ قتل کرادے' اس اعتقاد کے بعد غصے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی' جیسے خون نکالنے والے اور پچھنے لگانے والے پر غصہ نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات ممکن تو ہے لیکن توحید کا اس قدر غلبہ دیرپا نہیں ہوتا' بلکہ بجلی سی چمکتی ہے' اور کچھ لمحوں کے لیے دل کی یہ حالت ہوجاتی ہے' لیکن یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتی' بلکہ دل وسیلوں کی طرف ملتفت ہوتا ہی رہتا ہے' یہ طبیعت کا تقاضا ہے' اس سے مفر ممکن نہیں ہے' اگر کسی انسان کے لیے اس حالت کا دوام مقصود ہوتا تو سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوتا' حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی آپ اس قدر غصہ فرماتے ہیں کہ آپ کے رخسار مبارک سرخ ہوجاتے۔ (۱)
ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

اللّٰھم انا بشر اغضب کم یغضب البشر فایما مسلم میتہ او لعنتہ او ضربتہ فاجعلھامنی صلاۃ علیموز کاۃ وقربۃ تقربہبھاالیک یوم القیامۃ (۲)

اے اللہ! میں آدمی ہوں' آدمی کی طرح مجھے بھی غصہ آتا ہے' اگر میں نے کسی مسلمان کو گالی دی ہو' یا اس پر لعنت بھیجی ہو' یا اسے مارا ہو تو میری طرف سے ان باتوں کو اس کے لیے رحمت کردے' تزکیہ کا سبب بنا دے اور تقرب کا باعث کردے جس کے ذریعہ قیامت کے دن اسے تیرا تقرب حاصل ہو۔

عبداللہ ابن عمرو ابن العاص روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ جو کچھ آپ غصے اور خوشی کی حالت میں ارشاد فرماتے ہیں میں اسے لکھ لیتا ہوں (کیا میرا یہ عمل درست ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا:۔

أکتب فوالذی بعثنی بالحق نبیا مایخرج منہ إلا حق (وأشار إلی لسانہ)
(ابوداؤد)

لکھ لیا کرو' اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا اس سے (زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے غصہ نہیں آتا' بلکہ یہ فرمایا کہ غصہ مجھے حق سے منحرف نہیں کرتا یعنی میں غضب کے موجبات اور تقاضوں پر عمل نہیں کرتا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کو کسی بات پر غصہ آیا' آپ نے ان سے فرمایا:۔

مالک وجاءک شیطانک

تجھے کیا ہوا ہے تیرا شیطان تیرے پاس آیا ہے۔

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ کا شیطان نہیں ہے' آپ نے ارشاد فرمایا:۔

بلی! ولکن دعوت اللّٰہ فاعاننی علیہ فاسلم فلا یأمرنی إلا بالخیر (مسلم۔ عائشہؓ)

کیوں نہیں! مگر میں نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے مجھے اس پر مدد عطا فرمائی' وہ مسلمان ہوگیا' مجھے خیر کے علاوہ کچھ نہیں کہتا۔

آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا شیطان نہیں ہے' بلکہ شیطان کی موجودگی کا اعتراف فرمایا' اور ساتھ ہی یہ وضاحت بھی فرمادی

---

(۱) مسلم میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جب آپ خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں' آواز بلند ہوجاتی اور غصہ تیز ہوجاتا۔ (۲) مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں "اغضب کما یغضب البشر" اسی طرح "ضربتہ" کی جگہ "جلدتہ" کا لفظ ہے۔

کہ وہ میرا مطیع ہے یہاں شیطان سے مراد شیطانُ الغضب (غصے کا شیطان) ہے' یعنی غصہ موجود ہے لیکن وہ مجھے برائی پر نہیں اکساتا' حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے لیے غصہ نہ فرماتے جب آپ کو حق کی خاطر غصہ آتا تو کسی کو خبر نہ ہوتی تھی' اور نہ کوئی چیز آپ کے غصہ کی تاب لاسکتی تھی' یہاں تک کہ حق کا انتقام لے لیں۔ (ترمذی فی الشمائل) اس میں شک نہیں کہ آپ کا غصہ حق کے لیے ہوتا تھا' لیکن اس میں بھی فی الجملہ وسائل ہی کی طرف التفات تھا' لیکن یہ غصہ اللہ کے لئے تھا' چنانچہ جو شخص اپنی کسی دینی ضرورت' یا دنیوی حاجت (جیسے روٹی پانی وغیرہ) چھیننے والے پر غصہ کرے اس کا غصہ اللہ کے لیے ہوگا' اس طرح کے غصے کا اس سے جدا ہونا ممکن ہی نہیں ہے' البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کسی ضروری چیز کے لیے اس لیے غصہ نہ ہو کہ اس کی نظر اس سے زیادہ ضروری چیز پر تھی' اس سے زیادہ ضروری چیز کی مشغولیت نے ضروری چیز کے لیے غصہ کرنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رکھی' کیوں کہ قلب اگر کسی کام میں مشغول و مستغرق ہوتا ہے تو دوسرے کام کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی۔ حضرت سلمان الفارسیؓ کا قلب آخرت میں مشغول تھا' یہی وجہ ہے کہ جب کسی نے انہیں گالی دی تو انہیں غصہ نہیں آیا' نہ آپ نے اس کا جواب دیا بلکہ یہ فرمایا اگر میرے اعمال کا وزن کم ہے تو میں اس سے زیادہ برا ہوں جتنا یہ کہتا ہے اور اگر ان میں وزن ہے تو مجھے کوئی تکلیف نہیں اس لیے اس کی گالی سے میرے اعمال کا وزن کچھ اور بڑھے گا۔ ربیع ابن خثیم کو کسی نے گالی دی تو آپ نے اس سے فرمایا : اے شخص! تیرا کلام اللہ نے سنا ہے جنت کے اس طرف ایک گھاٹی ہے' اگر میں نے اسے عبور کرلیا تو تیرے قول سے مجھے کچھ ضرر نہ ہوگا اور عبور نہ کرسکا تو میں اس سے بھی زیادہ برا ہوں جتنا تو مجھے سمجھتا ہے۔ ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ کو برا کہا' آپ نے اپنے نفس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے تیرے جس قدر عیب چھپا رکھے ہیں وہ بہت ہیں' آپ کو برائی کرنے والے پر غصہ اس لیے نہیں آیا کہ آپ کی نظر اپنے نفس کی کوتاہیوں اور عیوب پر تھی اور آپ اللہ کے ڈر میں مشغول تھے' اگر کسی نے انہیں عیب لگایا تو اس سے متأثر نہیں ہوئے وہ اپنی جلالتِ شان کے باعث دیدۂ بینا رکھتے تھے اور اپنے نفس پر ان کی گہری نظر تھی' مالک ابن دینار کی بیوی نے انہیں ریا کار کہا آپ نے خفا ہونے کے بجائے اس سے کہا کہ مجھے تو نے ہی پہچانا ہے' گویا وہ اپنے نفس کو ریا کی آفت سے دور رکھنے میں مشغول تھے' اور اسے یہ باور کراتے تھے کہ تو ریاکار ہے' یہی وجہ ہے کہ جب ان کی طرف ریا کی نسبت کی گئی تو وہ برافروختہ نہیں ہوئے۔ ایک شخص نے حضرت شعبی کو برا کہا' آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اللہ میری مغفرت فرمائے اور جھوٹے ہو تو تمہاری مغفرت فرمائے۔

یہ تمام اقوال اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ ان حضرات نے مہماتِ دین میں اپنے قلوب کی مشغولیت کے باعث غصہ نہیں کیا' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے دلوں میں گالی کا اثر ہوا ہو' لیکن وہ اس کی طرف اس لیے ملتفت نہ ہوئے ہوں کہ وہ ان امور میں مشغول تھے جن کا ان کے دلوں پر غلبہ تھا۔ یہ ممکن ہے کہ دل مہمات میں اس قدر مشغول ہو کہ غصہ کی بات پر غصہ نہ کرے۔

غلبۂ توحید' اور قلب کی مشغولیت کے علاوہ ایک تیسرا سبب اور بھی ہے جو غصہ کے لیے مانع بن جاتا ہے یعنی اس کی موجودگی میں بھی غصہ نہیں آتا' اور وہ سبب اس امر کا اعتقاد ہے کہ اللہ کو غصہ نہ کرنا پسند ہے' اللہ سے اس کی شدّتِ محبت اس کے غصے کی آگ کو ٹھنڈا کردیتی ہے' یہ بھی محال نہیں ہے۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ غضب کی آگ سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے' اور وہ یہ ہے کہ دل سے دنیا بالکل نکل جائے' اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ سالک کو دنیا کی آفات کا علم ہو' دنیا کی مذمت کا بیان آنے والا ہے' وہاں ان آفات پر روشنی ڈالی جائے گی' یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ جس شخص کا دل دنیا کی محبت سے خالی ہوتا ہے وہ غصہ کے بیشتر اسباب سے محفوظ ہوجاتا ہے' جو اسباب مکمل طور پر ختم نہیں ہوتے انہیں کمزور کیا جاسکتا ہے' ان کے کمزور پڑنے پر غصہ بھی کمزور پڑسکتا ہے' ہم اللہ سے حسنِ توفیق کے خواہاں ہیں۔

غضب کے اسباب

یہ بات اچھی طرح معلوم ہوچکی ہے کہ کسی مرض کے علاج کی صورت یہ ہے کہ اس کا مادّہ ختم کردیا جائے' اور اس کے اسباب زائل کردیئے جائیں' حضرت یحییٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ کون سی چیز سخت تر ہے؟ فرمایا: تمہارا غصہ پوچھا: غصہ کس لیے آتا ہے' اور وہ کون سے اسباب ہوتے ہیں جن سے یہ نشوونما پاتا ہے؟ فرمایا: تکبر' عزت پسندی' اور حمیت' اور وہ اسباب جو غصے میں شدّت پیدا کرتے ہیں یہ ہیں۔ کبر' مزاح' لغوگوئی' عار دلانا' بات کاٹنا' ضد کرنا' مال وجاہ کی حرص وغیرہ۔ یہ سب فاسد اخلاق کے دائرے میں آتے ہیں' اور شرعاً مذموم ہیں' ان اسباب کی موجودگی میں غضب سے چھٹکارا پانا ممکن نہیں ہے' اس لیے یہ ضروری ہے کہ اگر کسی شخص میں ان اسباب میں سے کوئی ایک سبب یا تمام اسباب موجود ہوں تو ان کی اضداد سے ان کا ازالہ کیا جائے۔ چنانچہ تکبر کو تواضع سے' عجب کو اپنے نفس کی مذمت سے ختم کرے' اور فخر کو اس اعتقاد سے زائل کرے کہ وہ بھی آدمی ہے' دوسرے بندوں کی طرح اللہ کا بندہ ہے' لوگ اصل میں ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں' بعد میں جدا جدا ہوگئے اور تفریق کی دیواریں حائل ہوگئیں' لیکن آدمیت میں سب برابر ہیں' فخر فضائل پر ہوتا ہے عجب و کبر اور فخر رذائل کی جڑ اور اساس ہیں' اگر تم ان رذائل سے خالی نہیں ہو تو تمہیں دوسروں پر ہرگز برتری حاصل نہیں ہے' تمہیں فخر زیب نہیں دیتا' جن لوگوں پر تم فخر کرتے ہو وہ تم سے کس بات میں کم ہیں' جس طرح تمہارے ناک کان آنکھ ہیں اسی طرح وہ بھی یہ اعضاء رکھتے ہیں' وہ بھی اسی باپ کی اولاد ہیں جس کی تم اولاد ہو' مزاح اس طرح دور کرے کہ مہمات دین میں مصروف ہوجائے تاکہ عمر بھر فرصت ہی نہ ملے لغویات سے اس طرح بچے کہ فضائل' اخلاق حسنہ اور علوم دینیہ کی تحصیل میں مصروف رہے' اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہی چیزیں آخرت کی سعادت تک پہنچانے والی ہیں۔ استہزاء کے سلسلے میں یہ خیال رکھے کہ جس طرح میں لوگوں کو مذاق کا نشانہ بننے میں تکلیف محسوس کرتا ہوں' اسی طرح وہ بھی میرے استہزاء سے پریشان ہوتے ہوں گے' اس لیے کسی کا مذاق نہ اڑانا چاہیئے' عیب لگانے کی عادت اس طرح ترک کی جاسکتی ہے کہ بری بات زبان سے نہ نکالے' ورنہ مخاطب بھی زبان رکھتا ہے' ممکن ہے وہ کچھ زیادہ ہی تلخ بات کہہ دے' شدّتِ حرص کا ازالہ قدرِ ضرورت پر قناعت کے ذریعہ ممکن ہے' استغناء ہی میں عزت ہے' حاجت میں ذلّت و رسوائی ہے۔

ان تمام اخلاق میں سے کسی بھی خلق کا علاج آسان نہیں ہے' بلکہ اس میں ریاضت اور مشقت برداشت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ریاضت کا حاصل یہ ہے کہ اوّلاً ان تمام اخلاقِ فاسدہ اور عاداتِ رذیلہ کی آفات سے واقفیت حاصل کرے' تاکہ دل ان سے متنفر ہوجائے' اور ان کی قباحت روز روشن کی طرح عیاں ہوجائے' پھر ان اخلاق کے مخالف اخلاق پر عمل شروع کرے' اور اتنی مدت تک پابندی سے عمل کرتا رہا ہے جب تک وہ اخلاق عادت نہ بن جائیں' اور نفس پر گراں نہ رہیں غضب سے نجات پانے کے لیے نفس کا ان رذائل سے پاک و صاف ہونا نہایت ضروری ہے' کیونکہ یہی عادات کا منبع ہیں' ان ہی سے غضب جنم لیتا ہے' اور ان ہی سے نشوونما پاتا ہے۔

جاہلوں کو غصہ ایک اور سبب سے بھی آتا ہے وہ بیچارے اپنی جہالت اور ناواقفیت کی بناء پر یہ سمجھتے ہیں کہ غصہ کرنا مردانگی اور بہادری ہے' جو لوگ غصہ نہیں کرتے وہ حقیقت میں مرد کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے' وہ لوگ غصہ کو عزّتِ نفس' بلند ہمتی اور خود داری سے تعبیر کرتے ہیں' اور اچھے اچھے نام دیتے ہیں' یہاں تک کہ نفس اس کی طرف مائل ہوجاتا ہے اور اسے اچھا سمجھنے لگتا ہے' کبھی غضب کو ان واقعات سے تقویت حاصل ہوتی ہے جو اکابر سے منقول ہیں' اور جن میں ان کے شدّتِ غضب کی تصور کشی کی گئی ہے' کیوں کہ دلوں میں اکابر کی تقلید کا شوق' اور ان سے مشابہت اختیار کرنے کی خواہش ہوتی ہے اس لیے خواہ مخواہ غصہ دکھاتے ہیں' بعض اوقات سنجیدگی سے مشتعل ہوجاتے ہیں' اور اسے اکابر کا اسوہ سمجھتے ہیں۔

غصہ کو عزّتِ نفس، اور بہادری کا نام دینا جہل ہے، بلکہ یہ دل کے مرض، اور عقل کے نقص کی علامت ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مریض کو صحت مند کے مقابلے میں زیادہ غصہ آتا ہے، کیوں کہ وہ ضعیفُ القلب ہے، اسی طرح عورت کو مرد کے مقابلے میں، اور بچہ کو بڑے آدمی کے مقابلے میں، اور بوڑھے کو جوان کے مقابلے میں زیادہ غصہ آتا ہے، بد اخلاق اور بد کردار آدمی بھی خوش اخلاق اور نیکو کار کے مقابلے میں زیادہ غصے کا شکار بنتا ہے، چنانچہ کمینہ شخص ایک لقمے کی خاطر، اور بخیل ایک دانے کے لیے غضب ناک ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں وہ صرف غیروں ہی سے ناروا سلوک نہیں کرتے بلکہ اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو، جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔

لیس الشدید بالصرع انما الشدید الذی یملک نفسہ عند الغضب (۱)

پچھاڑنے سے آدمی طاقتور نہیں ہوتا، بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو۔

ان جہلاء کا علاج اس طرح کیا جانا چاہیئے کہ انہیں بزرگوں کی رواداری، حلم، اور عفو و احسان کے واقعات سنائے جائیں، اور یہ بتلایا جائے کہ وہ غصہ پی جایا کرتے تھے، اس طرح کے واقعات انبیاء، اولیاء، حکماء، علماء، اور اچھے بادشاہوں سے منقول ہیں اور ان کے مخالف واقعات کرد، ترک جاہلوں اور بے وقوفوں سے منقول ہیں۔

ہیجان کے بعد غصے کا علاج

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ تھا کہ غضب کے اسباب دور کر دینے چاہیئے، اور اس کا مادّہ ہی ختم کر دینا چاہیئے تاکہ کبھی غلط طریقے پر غصہ نہ آئے، یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر کسی کو غصہ آجائے تو کیا کرے؟ آیا اس کے موجب پر عمل کرے یا مستقل مزاجی کا ثبوت دے اور نفس کو غضب کے موجب پر عمل کرنے سے روک دے؟ ظاہر ہے کہ غضب کے موجب پر عمل نہ کرنا ہی عقلندی کا تقاضا ہے، یہ بھی ایک زبردست مجاہدہ ہے، اور علم و عمل دونوں ہی سے اس مجاہدے کی تکمیل ہوتی ہے۔

علم کے ذریعہ جوش غضب کا خاتمہ: علم کا حاصل یہ چھ امور ہیں۔

ایک یہ کہ ان اخبار و روایات میں غور و فکر کرے جو کظم غیظ، عفو، حلم اور تحمل کی فضیلت میں وارد ہیں، اور جو چند صفحات کے بعد ہمارے مطالعے میں آنے والی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو فضائل روایات میں مذکور ہوں گے دل میں ان کے حصول کی خواہش پیدا ہوگی، اور یہ خواہش اسے انتقام لینے سے روکے گی اور غصے کی آگ کو ٹھنڈا کر دے گی، مالک ابن اوس ابن الحدثان روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو کسی شخص پر غصہ آیا اور آپ نے حکم دیا کہ اس کے کوڑے لگائے جائیں، اس نے عرض کیا: امیرالمؤمنین! یہ آیت ملاحظہ فرمائیں۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (پ ۹ ر ۱۴ آیت ۱۹۹)

سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اس آیت کو بار بار پڑھتے تھے اور اس کے معانی پر غور کرتے تھے، یہ ان کا معمول تھا، قرآن کریم کے معانی و مطالب پر بے پناہ عبور کے باوجود آپ نے تدبّر فی القرآن کا سلسلہ جاری رکھا، چنانچہ اس آیت نے بھی انہیں دعوتِ فکر دی، نتیجہ یہ نکلا کہ اس شخص کی سزا موقوف ہوئی اور اسے رہائی ملی، حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے کسی شخص کو مارنے کا حکم دیا، اچانک انہیں یہ آیت یاد آگئی۔

---

(۱) یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (پ ۴ ر ۵ آیت ۳۴)
اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے۔

غلام سے فرمایا اس شخص کو چھوڑ دو۔

دوسرا یہ کہ اپنے نفس کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔ اور اسے بتلائے کہ اللہ مجھ پر اس سے کہیں زیادہ قدرت و اختیار رکھتا ہے جتنا میں اس شخص پر رکھتا ہوں' اگر میں نے اس پر اپنا غصہ نکالنے کی کوشش کی تو ہو سکتا ہے کہ قیامت کے روز میں اللہ عزّوجل کے غصے سے محفوظ نہ رہ سکوں' جب کہ مجھے عفو و درگذر کی ضرورت زیادہ ہو گی' بعض قدیم آسمانی کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ نے وحی نازل فرمائی "اے انسان! جب تجھے غصہ آیا کرے تو مجھے یاد کر لیا کر' میں اپنے غصے کے وقت تجھے یاد کروں گا اور ان لوگوں میں شامل نہیں کروں گا جن کی قسمت میں ہلاکت لکھی جا چکی ہے۔" ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خادم کو کسی ضرورت سے بھیجا اس نے واپسی میں تاخیر کی' جب وہ واپس آیا تو آپ نے فرمایا:۔

لولا القصاص لاوجعتک (ابو یعلی۔ ام سلمہؓ)
اگر بدلہ نہ ہوتا تو تجھے سزا دیتا۔

یعنی اگر قیامت کے دن بدلے کا خوف نہ ہوتا تو میں تجھے اس تاخیر اور غیر ذمہ دارانہ حرکت پر سزا ضرور دیتا' کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں کے ساتھ حکماء ضرور رہا کرتے تھے' جب بھی کسی بادشاہ کو غصہ آتا اس کا مصاحب حکیم ایک پرچہ سامنے رکھ دیتا جس میں لکھا ہوتا "غریب پر رحم کر' موت سے ڈر' اور آخرت کو یاد کر۔" بادشاہ یہ تحریر پڑھتا اور پُر سکون ہو جاتا۔

تیسرا یہ کہ اپنے آپ کو عداوت و انتقام کے عواقب اور اس دشمنی کے نتیجے میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات سے ڈرائے' کہ میں جس شخص پر غصہ کروں گا وہ میرا مخالف ہو جائے گا' اور مجھے تکلیف پہنچانے کی کوشش کرے گا' لیکن دنیا و مصائب اور مشکلات کے پیش نظر غصہ نہ آنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے' کیوں کہ اس میں دنیوی زندگی کو خوشگوار رکھنے کی شہوت اور خواہش پائی جاتی ہے' یقیناً اخروی عمل نہیں ہے بلکہ شہوت کو غضب پر مسلط کرنا ہے' جس طرح غضب ایک برائی ہے اسی طرح شہوت بھی برائی ہے اس لیے دنیا کی خاطر غصہ دبانے میں کچھ ثواب نہیں ملے گا' اگر دنیا کی کوئی پریشانی علم و عمل کے لیے قلب و جسم کی فراغت کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہو تو اسے دور کرنے میں یقیناً ثواب ہو گا۔

چوتھا یہ کہ جس وقت غصہ آ رہا ہو اس وقت اپنی بدروئی کا تصور کرے کہ جس طرح غصے کے وقت لوگوں کے چہرے بگڑ جاتے ہیں' اسی طرح میرا چہرہ بھی بگڑ گیا ہو گا' اس طرح غضب کی برائی دل میں پیدا ہو گی' یہ بھی سوچے کہ غصہ کرنے والا آدمی پاگل کتے اور خونخوار درندے کے مشابہ ہوتا ہے جب کہ حلیم و بردبار اور غصہ نہ کرنے والا انسان اپنے ان اوصاف میں انبیاء' اولیاء' اور حکماء کے مشابہ ہوتا ہے اس موقع پر اپنے نفس کو یہ اختیار دے کہ آیا وہ کتوں' درندوں' اور کمینوں کے مشابہ بننا چاہتا ہے' یا انبیاء اور علماء کے' اگر نفس میں شرافت و ایمان کا ذرہ برابر عنصر بھی موجود ہے تو وہ یقیناً علماء اور انبیاء ہی کی اقتدا کی طرف مائل ہو گا' کتوں سے مشابہت ہر گز اسے پسند نہ ہو گی۔

پانچواں امر یہ ہے کہ اس سبب پر غور کرے جو انتقام کی طرف داعی ہے' اور جس کی وجہ سے غصہ پینا مشکل نظر آتا ہے ظاہر ہے کوئی وجہ ضرور ہو گی' غصہ بلاوجہ نہیں آیا کرتا' مثلاً یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ شیطان انتقام لینے پر اکساتا ہے اور اس طرح کے خیالات دل میں ڈالتا ہے کہ اگر تو نے غصہ پی لیا اور انتقام نہ لیا تو لوگ تجھے عاجز اور شکست خوردہ قرار دیں گے' تیری تذلیل و توہین کریں گے' اور تجھے حقیر سمجھنے لگیں گے' اگر یہ وجہ ہو تو اپنے نفس سے کہے کہ تجھے دنیا کی ذلت اور رسوائی پسند نہیں' اور اس سے بچنے کے لیے انتقام لینے پر آمادہ ہے' لیکن یہ نہیں سوچتا کہ قیامت کے دن کتنی زبردست رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا' ایک شخص آئے اور ہاتھ پکڑ کر اپنا بدلہ لے لے گا تو کچھ بھی نہ کر سکے گا' تو لوگوں کی نظروں میں حقیر ہونے سے ڈرتا ہے' لیکن تجھے انبیاء' اولیاء اور

ملائکہ کی نظروں میں حقیر ہونے کا خوف نہیں۔ غصہ اللہ کے لیے پینا چاہیے، تجھے انسانوں سے کیا غرض، کیا ذلت و عزت ان کے ہاتھ میں ہے، اگر کوئی تجھ پر ظلم بھی کرے تب بھی انتقام نہ لے، اس کا یہ ظلم قیامت کے دن اس کے حق میں زبردست ذلت کا باعث بنے گا، کیا تجھے قیامت کے دن کھڑا ہونا پسند نہیں کہ جب یہ اعلان کیا جائے گا جس کا اجر اللہ پر ہو وہ کھڑا ہو جائے تو وہ لوگ کھڑے ہوں گے جنہوں نے ظالموں کو معاف کیا ہو گا۔ چھٹا یہ کہ اس طرح سوچے، میرا غصہ دراصل اس بات کی علامت ہے کہ فلاں کام میری مرضی اور خواہش کے مطابق کیوں نہیں ہوا، اللہ کی مرضی اور منشاء کے مطابق کیوں ہوا، یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میری مراد اللہ کی مراد سے اعلیٰ ہو، ہو گا وہی جو اللہ چاہے گا میری اس ناراضگی اور مشتعل مزاجی کا نتیجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں نکل سکتا کہ میں اس کی سزا بھگتوں اور اللہ کے عظیم تر غضب کا نشانہ بنوں۔

عمل کے ذریعہ جوش غضب کا خاتمہ : اگر غصہ آئے تو زبان سے کہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے وقت اسی طرح کہنے کا حکم دیا ہے (بخاری و مسلم۔ سلیمان ابن صرد)۔ جب حضرت عائشہؓ غصہ ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ناک پکڑ کر فرماتے، اے عویش! اس طرح کہو۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَاَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِيْ وَاَجِرْنِيْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ (ابن السنی فی الیوم واللیلۃ)

اے اللہ! محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار! میری خطا معاف کر، میرے دل کا غصہ دور کر، اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے بچا۔

غصہ کے وقت یہ دعا کرنی مستحب ہے۔ اگر اس کے بعد بھی غصہ نہ جائے تو اپنی مجلس بدل دے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہوا ہو تو لیٹ جائے، اور زمین سے قریب تر ہو جائے جس سے اس کی تخلیق عمل میں آئی ہے، اس سے نفس میں تواضع پیدا ہو گی، بیٹھنے اور لیٹنے میں اس کے علاوہ ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ دل پر سکون ہو جائے، کیوں کہ غضب کا سبب حرارت ہوتا ہے، اور حرارت کا سبب حرکت، اگر حرکت باقی نہ رہے تو حرارت ختم ہو جائے گی اور اس طرح غصہ بھی زائل ہو جائے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ان الغضب جمرة توقد فی القلب، الم تروا الی انتفاخ اوداجه، وحمرة عينيه، فاذا وجد احدكم من ذلك شيئا فان كان قائما فليجلس وان كان جالسا فلينم (ترمذی، بیہقی۔ ابو سعیدؓ)

غضب ایک چنگاری ہے جو دل میں سلگتی رہتی ہے، کیا دیکھتے نہیں ہو کہ غصہ والے کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، اگر تم میں سے کسی کا یہ حال ہو اور وہ کھڑا ہوا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہوا ہو تو لیٹ جائے۔

اگر اس تدبیر سے بھی غصہ زائل نہ ہو تو ٹھنڈے پانی سے وضو یا غسل کرنا چاہیے، کیونکہ پانی ہی سے آگ بجھتی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔

اذا غضب احدكم فليتوضا بالماء، فانما الغضب من النار (ابوداؤد۔ عطیۃ السعدیؓ)

اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے پانی سے وضو کر لینا چاہیے کیونکہ غصہ آگ سے پیدا ہوتا ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

ان الغضب من الشیطان وان الشیطان خلق من النار وانما تطفا النار بالماء فاذا غضب احدکم فلیتوضا (حوالہ سابق)

غصہ شیطان کی طرف سے ہے' اور شیطان آگ سے بنا ہے' اور آگ پانی سے بجھتی ہے' اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے وضو کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

اذا غضبت فاسکت (احمد' ابن ابی الدنیا۔ لیث ابن سلیم)

جب تمہیں غصہ آئے تو خاموش ہو جایا کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ اگر کسی وقت آپ کو غصہ آتا اور آپ غصہ کے وقت کھڑے ہوتے تو بیٹھ جاتے اور بیٹھے ہوتے لیٹ جاتے' اس طرح آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا (ابن ابی الدنیا) حضرت ابو سعید الخدریؓ نقل کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

الا ان الغضب حمرة فی قلب ابن آدم الا ترون الی حمرة عینیه وانتفاخ اوداجه فمن وجد من ذلک شیئا فلیلصق خده بالارض (ترمذی)

خبردار! غصہ ابن آدم کے دل میں ایک چنگاری ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ غصہ کرنے والے کی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں' اور گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں' جب یہ صورت پیش آئے اسے اپنا رخسار زمین سے چپکا لینا چاہیئے۔

اس میں سجدے کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ سجدے ہی میں آدمی اپنے اعلیٰ اعضاء (رخسار اور پیشانی) ادنیٰ جگہ (مٹی) پر رکھتا ہے' اس موقع پر سجدے کے حکم میں مصلحت یہ ہے کہ دل میں تواضع اور انکساری پیدا ہو' اور کبر و غرور اور برتری کا وہ احساس جاتا رہے جس سے غصہ کو تحریک ملتی ہے۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمر کو غصہ آیا' آپ نے پانی منگایا' اور ناک میں ڈال کر باہر نکالا پھر فرمایا غصہ شیطان کی طرف سے آتا ہے' اور یہ عمل اس کا علاج ہے' عروۃ ابن محمد فرماتے ہیں کہ جب مجھے یمن کا حاکم مقرر کیا گیا تو میرے والد نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تو حاکم بنایا گیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! انہوں نے فرمایا: جب تجھے غصہ آیا کرے تو اپنے اوپر آسمان کو اور نیچے زمین کو دیکھ لیا کرو' پھر اس کے خالق کی عظمت بجالایا کرو' یعنی سجدہ کیا کرو' اس سے غصہ فرو ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ نے کسی شخص کو غصہ میں "لال عورت کا جنا" کہہ دیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اے ابو ذرؓ! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم نے اپنے بھائی کو ماں کی گالی دی ہے' انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! یا رسول اللہ! اس کے بعد وہ اپنے بھائی کو راضی کرنے کے لیے چلے' اتنے میں اس شخص نے سبقت کی جسے انہوں نے گالی دی تھی' اور سلام کیا' ابوذرؓ نے یہ واقعہ آپ کو سنایا' آپ نے فرمایا:۔

یا اباذر ارفع راسک' فانظر' ثم اعلم انک لست بافضل من احمر فیها والا اسود الا ان تفعله بعمل: (ثم قال) اذا غضبت فان کنت قائما فاقعد وان کنت قاعدا فاتکی وان کنت متکئا فاضطجع (ابن ابی الدنیا)

اے ابوذرؓ اپنا سر اٹھا کر دیکھ' پھر یہ جان لے کہ تو زمین میں کس سرخ یا کالے سے افضل نہیں ہے جب تک کوئی ایسا عمل نہ ہو جس کی وجہ سے تجھے فضیلت ملے (پھر فرمایا) جب تجھے غصہ آئے اور تو کھڑا ہو تو بیٹھ جایا کر' بیٹھا ہوا ہو تو ٹیک لگالیا کر' اور ٹیک لگائے ہوئے ہو تو لیٹ جایا کر۔

معتمر ابن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ سابقہ امتوں میں ایک شخص تھا جسے غصہ بہت آیا کرتا تھا' اس نے تین نصیحت نامے تیار کئے' اور تین مختلف افراد کو دے دیئے' ایک سے کہا جب مجھے غصہ آئے تو یہ تحریر دکھا دینا' دوسرے سے کہا کہ جب میرا کچھ غصہ جاتا رہے تو یہ تحریر دے دینا' اور تیسرے سے کہا کہ جب میرا غصہ پورے طور پر ختم ہو جائے تو یہ تحریر پیش کر دینا۔ چنانچہ ایک دن جب اسے شدید غصہ آیا تو پہلے شخص نے ایک پرچہ اس کے سامنے رکھ دیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ تو اس پر کیوں خفا ہے' تو اس کا معبود نہیں' بلکہ انسان ہے' عنقریب ایسا ہو گا کہ تیرے ٹکڑے خود تجھے کھالیں گے' یہ پرچہ پڑھ کر اس کا غصہ قدرے کم ہو گیا تو دوسرے شخص نے اپنا پرچہ سامنے رکھ دیا اس میں تحریر تھا زمین والوں پر رحم کر' تجھ پر آسمان والا رحم کرے گا' جب غصہ جاتا رہا تو تیسرے شخص نے یہ تحریر آگے بڑھائی لوگوں کے ساتھ حق کا معاملہ کر' اسی طرح ان کی اصلاح ہو سکے گی۔ خلیفۂ مہدی کو کسی شخص پر غصہ آیا' شیب نے اس سے کہا کہ اللہ کے لیے اتنا غصہ نہ کرنا چاہیئے جتنا اس نے اپنے نفس کے لیے کیا ہے' خلیفہ نے کہا اسے چھوڑ دو۔

غصہ پینے کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے مدح کے ذیل میں ارشاد فرمایا:۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ (پ ۴ ر ۵ آیت ۳۴)

اور غصہ کے ضبط کرنے والے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من كف غضبه كف الله عنه عذابه ومن اعتذر الى ربه قبل الله عذره ومن خزن حسناته ستر الله عورته (طبرانی' بیہقی۔ انسؓ)

جو شخص اپنے غصے کو روکے گا اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روکے گا' اور جو اپنے رب کے سامنے عذر کرے گا اللہ اس کا عذر قبول فرمائے گا' اور جو اپنی زبان کو لگام دے گا اللہ اس کے عیب چھپائے گا۔

اشدكم من غلب نفسه عنه الغضب واحلمكم من عفا عند القدرة (ابن ابی الدنیا۔ عبدالرحمٰن ابن عجلان)

تم میں سخت تر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر غالب آئے اور تم میں زیادہ بُردبار وہ ہے جو قدرت کے باوجود معاف کر دے۔

من كظم غيظا ولو شاء ان يمضيه امضاه ملاء الله قلبه يوم القيامة رضاء (وفی روای) ملاء الله قلبه امنا وايمانا (۱)

جو شخص ایسے وقت میں غصہ دبالے کہ اگر اسے نکالنا چاہتا تو نکال لیتا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا دل رضا سے بھر دیں گے (ایک روایت میں ہے) کہ اللہ تعالیٰ اس کا دل امن اور ایمان سے بھر دیں گے۔

ماجرع عبد جرعة اعظم اجرا من جرعة غيظ كظمها ابتغاء وجه الله تعالى (ابن ماجہ۔ ابن عمرؓ)

---

(۱) پہلی روایت ابن ابی الدنیا میں ابن عمرؓ سے اور دوسری روایت ابن حبان اور ابوداؤد میں کسی صحابی کے بیٹے سے جنہوں نے اپنے والد سے' انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

کسی بندے نے کوئی ایسا گھونٹ نہیں پیا جس میں زیادہ ثواب ہو غصے کے اس گھونٹ کی بہ نسبت جسے اس نے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے پیا ہو۔

ان لجھنم بابا لا یدخلہ الا من شفی غیظہ بمعصیۃ اللہ تعالیٰ (۱)

جہنم کا ایک دروازہ ہے اس سے صرف وہ شخص داخل ہوگا جس نے اللہ کی معصیت میں اپنا غصہ نکالا ہو۔

ما من جرعۃ احب الی اللہ تعالیٰ من جرعۃ غیظ کظمھا عبد وما کظمھا عبد الا ملا اللہ قلبہ ایمانا (ابن ابی الدنیا۔ ابن عباسؓ)

اللہ کے نزدیک غصے کے اس گھونٹ سے بڑھ کر کوئی گھونٹ محبوب نہیں جسے کسی بندے نے پیا ہو' اور جب کوئی بندۂ غصہ پیتا ہے تو اللہ اس کا دل ایمان سے بھر دیتا ہے۔

من کظم غیظا وھو قادر علی ان ینفذہ دعاہ اللہ علی روس الخلائق ویخیرہ من ای الحور شاء (۲)

جو شخص اپنا غصہ نافذ کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود پی جائے اللہ تعالیٰ اسے بر سرِ عام بلائیں گے اور اسے اختیار دیں گے کہ وہ جو حور چاہے لے لے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ غصہ نہیں کرتا' جو اللہ کا خوف رکھتا ہے وہ اپنی مرضیات کا پابند نہیں ہوتا' اگر قیامت نہ ہوتی تو آج حالات وہ نہ ہوتے جو تم دیکھ رہے ہو' حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: اے بیٹے! مانگ کر اپنی شرم کا سودا مت کر' اپنی رسوائی کے سبب غصہ مت کر' اپنی قدر خود جان کہ یہ خود شناسی زندگی میں کام دے گی۔ ایوب کہتے ہیں کہ ایک لمحے کی بردباری بہت سے فتنوں کو دبا دیتی ہے۔ سفیان ثوریؒ' ابو خزیمہ یربوعیؒ اور فضیل ابن عیاضؒ کسی جگہ جمع ہو کر زہد پر گفتگو کر رہے تھے' ان سب کا اتفاق تھا کہ غصے کے وقت تحمل سے کام لینا' اور پریشانی کے وقت صبر کرنا بہترین اعمال ہیں۔ کسی شخص نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ نہ آپ عدل کرتے ہیں' اور نہ کسی کو کچھ دیتے ہیں' یہ بات سن کر حضرت عمرؓ کو اتنا غصہ آیا کہ چہرے پر اس کی علامات نظر آنے لگیں' ایک شخص نے عرض کیا: امیر المومنین! کیا آپ نے یہ آیت تلاوت نہیں کی:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (پ ۹ ر ۱۴ آیت ۱۹۹)

سرسری برتاؤ کو قبول کر لیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کر دیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہو جایا کیجئے۔

یہ شخص جاہلین میں سے ہے' اسے معاف فرمائیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تو نے سچ کہا' اور گویا ایک آگ سی تھی جسے تو نے اس آیت کے چھینٹوں سے ٹھنڈا کر دیا۔ محمد ابن کعبؓ کہتے ہیں کہ جس شخص کے اندر تین باتیں ہوں اس کا ایمان مکمل ہوتا ہے' ایک یہ کہ جب خوش ہو تو کسی غلط کام پر خوش نہ ہو' دوسرے یہ کہ جب غصہ ہو تو حق سے تجاوز نہ کرے' تیسرے یہ کہ قدرت کے باوجود وہ چیز نہ لے جو اس کی اپنی نہ ہو' ایک شخص سلمان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ فرمایا: غصہ مت کیا کر' اس نے عرض کیا کہ میں اس پر قادر نہیں ہوں فرمایا اگر غصہ آئے تو اپنی زبان اور ہاتھ کو روک لیا کر۔

حلم کے فضائل

حلم غصہ پینے سے بھی افضل ہے' اس لیے کہ غصہ پینے کے معنی ہیں بتکلّف حلم کرنا' یعنی غصہ وہی پئے گا جسے غصہ آئے گا' یہ

---

(۱) یہ روایت زبان کی آفات کے بیان میں گذر چکی ہے۔ (۲) یہ روایت سابقہ کتاب میں گزر گئی ہے۔

ایک دشوار گذار مرحلہ اور سخت ترین مجاہدہ ہے لیکن مسلسل عمل سے بتکلف حلم کرنے کی ضرورت نہ رہے گی' بلکہ وہ آہستہ آہستہ غصہ نہ کرنے کا عادی ہوجائے گا' اگر غصہ آیا بھی تو اسے پینے میں دشواری محسوس نہیں کرے گا' یہی فطری حلم ہے اس حلم کے معنیٰ ہیں کہ آدمی کامل العقل ہے' اس پر عقل غالب ہے' اور غضب کی قوت بھی عقل ہی کے تابع ہے' اس سے معلوم ہوا کہ غصہ پینا حلم کی ابتدائی مرحلہ ہے' اور حقیقی و طبعی حلم اس کی انتہا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم ومن يتخير الخير يعطه ومن يتوق الشر يلقه (طبرانی' دار قطنی۔ ابوالدرداءؓ)

علم سیکھنے سے آتا ہے' اور حلم بتکلف حلیم بننے سے' جو قصداً خیر کرے اسے خیر دیا جائے گا' اور جو شر سے بچے وہ اس سے محفوظ رہے گا۔

حدیث شریف میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح علم حاصل کرنے کا طریقہ تعلیم سیکھنا ہے اسی طرح حلیم بننے کا طریقہ بتکلف اور زبردستی حلم کرنا' اور برداشت سے کام لینا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اطلبوا العلم واطلبوا مع العلم السكينة والحلم' لينوا لمن تعلمون ولمن تتعلمون منه' ولا تكونوا من جبابرة العلماء' فيغلب جهلكم علمكم (ابن السني في رياضة المتعلمين)

علم حاصل کرو' اور علم کے ساتھ وقار اور حلم بھی تلاش کرو' اور اپنے شاگرد اور استاذ کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ' خود سر عالم مت ہو کہ تمہارے جہل تمہارے علم پر غالب آجائے۔

اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ تکبر اور رعونت سے غصہ پیدا ہوتا ہے' اور یہی اوصاف حلم اور نرمی سے روکتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں دعا فرمایا کرتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِیْ بِالْعِلْمِ' وَزَيِّنِّیْ بِالْحِلْمِ' وَاَكْرِمْنِیْ بِالتَّقْوٰی' وَجَمِّلْنِیْ بِالْعَافِيَةِ (۱)

اے اللہ! مجھے علم سے مالدار کر' حلم سے زینت دے' تقویٰ سے عزت دے' اور صحت سے جمال عطا کر۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ابتغوا الرفعة عند الله' قالوا وماهي يا رسول الله! قال تصل من قطعك' وتعطي من حرمك' وتحلم عمن جهل عليك (حاکم' بیہقی)

عظمت اللہ کے پاس تلاش کرو' لوگوں نے عرض کیا وہ کیا باتیں ہیں جن سے اللہ کے یہاں بلند مرتبہ ملتا ہے' فرمایا جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے ملو' جو تمہیں محروم رکھے اسے دو' اور جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آئے تم اس کے ساتھ بردباری سے پیش آؤ۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا:۔

خمس من سنن المرسلين' الحياء' والحلم والحجامة والسواک والتعطر (حکیم ترمذی فی نوادر الاصول۔ ملیح ابن عبد اللہ)

---

(۱) مجھے اس روایت کی اصل نہیں ملی۔

پانچ باتیں انبیاء کی سنت ہیں' حیاء' حلم' پچھنے لگوانا' مسواک کرنا' اور عطر لگانا۔
حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان الرجل المسلم لیدرک بالحلم درجۃ الصائم القائم وانہ لیکتب جبارا عنیداو مایملک الا اھل بیتہ (طبرانی اوسط)

مسلمان آدمی حلم سے روزہ دار اور عابد شب بیدار کا درجہ پاتا ہے' اور وہی جابر و ظالم بھی لکھا جاتا ہے حالانکہ اپنے گھر والوں کے سوا کسی کا مالک نہیں ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی حلم کرتا ہے تو اس کا نام عابدوں کی فہرست میں شامل کرلیا جاتا ہے' اور غصہ دکھاتا ہے۔ خواہ اپنے گھر والوں پر ہی کیوں نہ دکھاتا ہو۔ تو ظالموں جابروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے کچھ رشتہ دار ہیں' میں ان سے ملتا ہوں' لیکن وہ مجھ سے نہیں ملتے' میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں وہ مجھے تکلیف پہنچاتے ہیں' میں ان کی اشتعال انگیزیوں پر تحمل سے کام لیتا ہوں وہ جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

ان کان کما تقول فکانما تسفھم المل ولا یزال معک من اللہ ظھیر مادمت علی ذلک المل (مسلم)

اگر بات ایسی ہی ہے جیسی تم کہہ رہے ہو تو گویا تم ان کے پیٹوں میں (اپنی عطا اور احسان سے) آگ بھرتے ہو' اور جب تک یہ تکلیف برداشت کرتے رہو گے تمہارے ساتھ ایک معاون فرشتہ موجود رہے گا۔

ایک مسلمان نے بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی "اے اللہ! میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے میں صدقہ کرسکوں' بس میں اتنا کرسکتا ہوں کہ جس شخص نے مجھے تکلیف پہنچائی ہو میں اسے معاف کردوں اور یہی اس کے حق میں صدقہ بن جائے" اللہ عزوجل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ اس دعا کی وجہ سے میں نے اسے بخش دیا۔ (۱) ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کوئی ابو ضمضم جیسا نہیں ہوسکتا' صحابہ نے عرض کیا ابو ضمضم کون ہے اور اس کی کیا خاص بات ہے جس کی وجہ سے ہم اس جیسے نہیں' فرمایا وہ پچھلی امتوں میں ایک شخص گذرا ہے' صبح اٹھنے کے بعد یہ دعا کرتا تھا کہ اے اللہ میں آج اپنی آبرو ان لوگوں پر صدقہ کرتا ہوں جو مجھ پر ظلم کریں۔ قرآن کریم میں وارد لفظ ربانیین کے معنیٰ مفسرین نے یہ بیان کئے ہیں کہ اس سے اہل علم اور حلیم مراد ہیں۔ حضرت حسنؓ قرآن کریم کی اس آیت "وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا" (اور جب ان سے جاہل بات کریں تو وہ کہیں سلام) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے حلیم مراد ہیں کہ اگر ان سے کوئی جاہلانہ رویہ اختیار کرے تو وہ اس کا جواب نہیں دیتے' بلکہ اعراض کرتے ہیں' اور اپنی راہ لگتے ہیں۔ عطاء ابن ابی رباح نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے بھی حلیم مراد ہیں' يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (زمین پر چلتے ہیں نرمی سے)۔ ابن حبیب آیت کریمہ "وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِيْنَ" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ کہل سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں انتہائی درجے کا حلم ہو' مجاہدؒ نے آیت کریمہ "وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا" کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کی ایذا پر صبر کریں اور انہیں معاف کردیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا منقول ہے:۔

اَللّٰهُمَّ لَا يُدْرِكُنِيْ وَلَا اُدْرِكُهُ زَمَانٌ لَا يَتَّبِعُوْنَ فِيْهِ الْعَلِيْمَ وَلَا يَسْتَحْيُوْنَ فِيْهِ مِنَ الْحَلِيْمِ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الْعَجَمِ وَاَلْسِنَتُهُمْ اَلْسِنَةُ الْعَرَبِ (احمد۔ سہل ابن سعد)

---

(۱) ابو نعیم فی الصحابۃ والبیہقی فی الشعب من روایۃ عبد المجید بن ابی عیس بن جبیر عن ابیہ عن جدہ۔

اے اللہ! نہ وہ زمانہ مجھے پائے اور نہ میں اسے پاؤں جس میں لوگ علم والے کی اتباع نہ کریں' اور حلم والے سے حیا نہ کریں ان کے دل عجمیوں کے دل ہوں' اور ان کی زبانیں عرب کی زبانیں ہوں۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

لیلینی منکم ذوالاحلام والنھی' ثم الذین یلونھم' ثم الذین یلونھم' ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم وایاکم وھیشات الاسواق (ابوداؤد' ترمذی' مسلم۔ ابن مسعودؓ)

تم میں سے میرے قریب وہ لوگ رہیں جو حلم اور عقل رکھتے ہیں' پھر وہ جو ان کے قریب ہیں' اختلاف مت کرو' ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے' اور بازاروں کے جھگڑوں سے خود کو بچاؤ۔

ایک مرتبہ اشج سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' اپنی سواری کے جانور کو کھونٹے سے باندھا' اپنے دونوں کپڑے اتارے اور جادانی سے دو عمدہ کپڑے نکالے' اور انہیں زیب تن کیا' یہ سب کچھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا' پھر وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے ہوئے آپ کی جانب بڑھے' آپ نے ان سے فرمایا: اے اشج! تمہارے اندر دو عادتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ دو عادتیں کون سی ہیں؟ فرمایا: حلم اور وقار عرض کیا یہ دونوں عادتیں میں نے بتکلّف اختیار کی ہیں یا اللہ ہی نے مجھے ایسا پیدا کیا ہے؟ فرمایا: اللہ ہی نے تیرے اندر یہ دو عادتیں پیدا کی ہیں' انہوں نے کہا: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے شروع ہی سے میرے اندر یہ دو عادتیں پیدا فرمائیں جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہیں (بخاری و مسلم) ایک حدیث میں ہے:۔

ان اللّٰہ یحب الحلیم الحی الغنی المتعفف ابا العیال التقی' ویبغض الفاحش البذی السائل الملحف الغبی (طبرانی)

اللہ تعالیٰ حلیم' حیادار' پاکدامن مالدار' اور عیال دار متقی کو دوست رکھتا ہے اور بے ہودہ فحش گو' زبان دراز سائل اور غبی سے نفرت کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ثلاث من لم تکن فیہ واحدۃ منھن فلا تعتدوا بشئی من عملہ' تقوی تحجزہ عن معاصی اللّٰہ عزوجل وحلم یکف بہ السفیہ' وخلق یعیش بہ فی الناس (طبرانی۔ ام سلمہؓ)

تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کسی میں ان میں سے ایک بھی نہ ہو تو اس کے عمل کا کچھ اعتبار نہ کرو' تقویٰ جو اسے اللہ کی نافرمانی سے روکے' حلم جس کے ذریعہ بے وقوف کو روکے' اور اخلاق جس کے سہارے لوگوں میں زندگی گذارے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اذا جمع اللّٰہ الخلائق یوم القیامۃ نادمناد این اھل الفضل فیقوم ناس وھم یسیر' فینطلقون سراعا الی الجنۃ فتتلقاھم الملائکۃ فیقولون لھم انا نراکم سراعا الی الجنۃ فیقولون نحن اھل الفضل' فیقولون لھم ما کان فضلکم' فیقولون کنا اذا ظلمنا صبرنا' واذا اسیئی الینا عفونا واذا جھل علینا حلمنا' فیقال لھم ادخلوا الجنۃ فنعم اجر العاملین (بیہقی۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مخلوق کو جمع کرے گا تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ اہل فضل کون ہیں' کچھ لوگ جو تعداد میں کم ہوں گے۔ اٹھیں گے اور تیزی سے جنت کی طرف دوڑیں گے انہیں فرشتے ملیں گے' اور ان سے کہیں گے کہ ہم تمہیں تیزی سے جنت کی جانب جاتے ہوئے دیکھ رہے ہیں' وہ کہیں گے کہ ہم اہل فضل ہیں فرشتے پوچھیں گے تمہارا فضل کیا تھا' وہ جواب دیں گے کہ جب ہم پر ظلم کیا جاتا تھا تو ہم صبر کرتے تھے اور جب ہمیں تکلیف پہنچائی جاتی تھی تو ہم معاف کردیتے تھے' اور جب ہم سے جاہلانہ برتاؤ کیا جاتا تھا ہم تحمل سے کام لیتے تھے' ان سے کہا جائے گا کہ جنت میں جاؤ' جنت عمل کرنے والوں کا بہترین اجر ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں علم حاصل کرو' اور علم کے لیے حلم اور وقار سیکھو' حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ خیر یہ نہیں ہے کہ تمہارے پاس مال زیادہ ہو' یا اولاد زیادہ ہو' بلکہ خیر یہ ہے کہ تمہارے پاس علم اور حلم کی کثرت ہو' اور لوگوں پر اللہ کی عبادت کا حوالہ دے کر فخر نہ کرو' اگر تم کوئی اچھا عمل کرو تو اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے نیک عمل کی توفیق بخشی' اگر کوئی گناہ کرو تو اللہ کی مغفرت چاہو' حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ علم سیکھو' اور اسے حلم اور وقار سے سجاؤ' اکثم ابن صیفیؒ فرماتے ہیں کہ عقل کا ستون حلم ہے' اور تمام امور کی بنیاد صبر ہے' حضرت ابو الدرداءؓ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے پچھلے لوگوں کو ایسے پتے کی مانند پایا جس میں کوئی کانٹا نہیں تھا' لیکن اب لوگ ایسے کانٹے کی طرح ہیں جس کے ساتھ کوئی پتہ نہیں ہے' اگر تم ان پر نقد کرو تو وہ مقابلے کے لیے مستعد نظر آتے ہیں' ان کے منھ نہ لگو تو وہ تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتے' لوگوں نے دریافت کیا ایسے لوگوں کے ساتھ ہمارا رویہ کیا ہونا چاہیئے' انہوں نے جواب دیا جو تمہاری اہانت کرے تو اس کو جواب نہ دو' اور اس کا معاملہ اس دن کے لیے اٹھا رکھو جس دن نیکیوں کی زیادہ ضرورت ہوگی' حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حلیم کو پہلا اجر یہ ملتا ہے کہ سب لوگ جاہل دشمن کے خلاف اس کے معاون و مددگار بن جاتے ہیں حضرت معاویہؓ کا قول ہے کہ آدمی اس وقت تک باشعور اور صاحب رائے کہلانے کا مستحق نہیں ہے جب تک اس کا حلم جہل پر اور صبر خواہش پر غالب نہ آجائے' اور یہ بات علم کی قوت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی' حضرت معاویہؓ نے عمرو ابن الاہتم سے دریافت کیا کہ کس شخص کو بہادر کہہ سکتے ہیں' انہوں نے جواب دیا: اس شخص کو جو اپنی جہالت کو حلم سے دور کرسکے' دریافت کیا گیا لوگوں میں زیادہ سخی کون ہے؟ فرمایا وہ شخص جو اپنی دنیا کو اپنے دین کی بہتری کے لیے خرچ کرڈالے۔ ابن مالکؒ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ (پ ۲۴ ر ۱۹ آیت ۳۴-۳۵)

پھر آپ میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہوجائے گا جیسا کوئی دلی دوست ہوتا ہے' اور یہ بات انہیں لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے مستقل (مزاج) ہیں' اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہے۔

کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جسے اس کا بھائی گالی دے تو وہ یہ کہے کہ اگر تو سچا ہے تو اللہ مجھے بخشے اور تو جھوٹا ہے تو تجھے بخشے' ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ والوں کے سامنے ان کی ایک پسندیدہ شخصیت کو برا کہا' انہوں نے حلم کیا' اور مجھے کچھ نہ کہا' ان کے اس طرز عمل کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں ایک مدت تک ان کا سامنا نہ کرسکا۔ حضرت معاویہؓ نے عرابتہ ابن اوس سے دریافت کیا کہ تم اپنی قوم پر سرداری کس طرح کرتے ہو' انہوں نے جواب دیا: امیر المؤمنین! میں اپنی قوم کے جاہلوں سے حلم کرتا ہوں' سائلوں کو دیتا ہوں' ان کی ضرورتیں پوری کرنے کی کوشش کرتا ہوں' اگر کوئی میرے برابر کام کرے گا وہ میرے برابر ہوگا' اور جو مجھ سے زیادہ کام کرے گا وہ مجھ سے افضل ہوگا' اور جو مجھ سے کم کرے گا میں اس سے بہتر رہوں گا۔ ایک

شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو برا بھلا کہنا شروع کیا' آپ خاموش رہے جب وہ اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا آپ نے عکرمہ سے فرمایا: اے عکرمہ! اس سے پوچھو کہ اگر اسے کسی چیز کی ضرورت ہو ہم اسے دیں گے' یہ سن کر وہ شخص اس قدر شرمندہ ہوا کہ سر نہ اٹھا سکا ایک شخص نے حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ سے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم فاسق ہو' آپ نے فرمایا تیری گواہی مقبول نہیں ہے' حضرت علی ابن الحسینؓ سے مروی ہے کہ کسی نے انہیں گالی دی' آپ نے اپنی چادر اس کی طرف پھینک دی' اور اسے سو درہم دینے کا حکم دیا' بعض لوگوں نے کہا کہ انہوں نے اس طرح پانچ عمدہ خصلتیں جمع فرمائیں' حلم' ایذا دور کرنا' اس شخص کو اللہ سے دور کرنے والی بات سے بچانا' اس شخص کو ندامت اور توبہ پر اکسانا' اور برائی کے بعد اس کی تعریف کرنا۔ دنیا کی ایک معمولی چیز کے ذریعہ انہوں نے یہ پانچ باتیں حاصل کیں' ایک شخص نے امام جعفر ابن محمدؒ سے عرض کیا کہ میرے اور قوم کے درمیان کچھ جھگڑا چل رہا ہے' میری خواہش تو یہ ہے کہ میں جھگڑا ختم کرنے کے لیے اپنا حق چھوڑ دوں' لیکن لوگ کہتے ہیں کہ پیچھے ہٹنا ذلت ہے' امام جعفر نے فرمایا ظالم ذلیل ہوتا ہے' حلیم ذلیل نہیں ہوتا۔ خلیل ابن محمد کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایذا پہنچائے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے تو اس کے دل میں ایک ایسا امر پیدا ہوگا جو اسے برائی سے باز رکھے گا۔ احنف ابن قیسؒ فرماتے ہیں میں حلیم نہیں ہوں' البتہ بتکلف حلیم بنتا ہوں' وہب ابن منبہؒ کہتے ہیں جو شخص رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے جو خاموش رہتا ہے سلامتی پاتا ہے' جو جہالت کرتا ہے وہ غالب ہوتا ہے جو جلدی کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے' جو شر کا حریص ہوتا ہے وہ سلامت نہیں رہتا' جو ریاکاری ترک نہیں کرتا وہ گالیاں سنتا ہے' جو شر کو برا نہیں سمجھتا وہ گناہوں میں ملوث ہوجاتا ہے اور جو شر کو ناپسند کرتا ہے وہ محفوظ رہتا ہے' جو اللہ کے احکام کی اتباع کرتا ہے وہ مأمون رہتا ہے' جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ بے خوف رہتا ہے جو اللہ کو دوست رکھتا ہے اس کی سب عزت کرتے ہیں' جو اللہ سے نہیں مانگتا وہ محتاج ہوتا ہے جو اس کے عذاب سے نہیں ڈرتا وہ ذلت اٹھاتا ہے' اور جو اس سے مدد مانگتا ہے وہ فتح حاصل کرتا ہے۔ ایک شخص نے مالک ابن دینار سے کہا میں نے سنا ہے کہ آپ نے میرا ذکر برائی کے ساتھ کیا ہے' انہوں نے فرمایا اگر یہ بات سچ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مجھے اپنی ذات سے بھی زیادہ عزیز ہو' اس لیے کہ میں نے برائی کرکے اپنی نیکیاں تمہیں ہدیہ کردی ہیں' ایک عالم کہتے ہیں کہ حلم عقل سے اعلیٰ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام حلیم ہے' عقیل نہیں۔ ایک شخص نے کسی دانشور سے کہا کہ میں تجھے ایسی گالی دوں گا جو قبر تک تیرے ساتھ جائے گی' دانشور نے جواب دیا میرے ساتھ نہیں تیرے ساتھ جائے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کچھ یہودیوں کے پاس سے گذرے' انہوں نے آپ کو برا کہا' آپ نے ان کے حق میں کلماتِ خیر کہے' لوگوں نے عرض کیا وہ تو آپ کو برا کہہ رہے ہیں اور آپ ان کے حق میں کلمہ خیر کہتے ہیں؟ فرمایا ہر شخص وہ خرچ کرتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے' حضرت لقمان فرماتے ہیں تین آدمی تین باتوں کے وقت پہچانے جاتے ہیں بردبار غصے کے وقت' بہادر جنگ کے موقع پر' اور بھائی ضرورت پڑنے پر۔ کسی دانشور کے یہاں اس کا ایک دوست آیا' دانشور نے کھانا پیش کیا' اس کی بیوی انتہائی بدمزاج اور زبان دراز عورت تھی' وہ آئی' شوہر کو خوب برا بھلا کہا' اور دسترخوان اٹھا کر چلتی بنی' مہمان کو اس حرکت پر شدید غصہ آیا اور وہ ناراض ہو کر چل دیا' میزبان پیچھے پیچھے گیا' اور اس کا راستہ روک کر کہا کہ تمہیں یاد ہے ہم ایک روز تمہارے دسترخوان پر کھانا کھارہے تھے' اتنے میں ایک مرغی آئی اور کھانا خراب کر گئی کیا ہم میں سے کوئی خفا ہوا تھا اور ناراض ہو کر چلا گیا تھا؟ دوست نے جواب دیا ہاں مجھے یاد ہے' دانشور نے کہا: ایسا ہی یہ واقعہ ہے' یہ سن کر دوست ہنس دیا اور خفگی جاتی رہی' اور کہنے لگا کسی عاقل و دانا کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے حلم ہر تکلیف کا علاج ہے' ایک شخص نے کسی عقلمند کے پاؤں میں ٹھوکر لگائی' اسے تکلیف ضرور ہوئی' لیکن اس نے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا' لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی' کہنے لگا میں نے یہ سمجھا گویا کسی پتھر سے ٹھوکر لگی ہے' کیا پتھر پر بھی غصہ اتارا جاتا ہے' محمود الوراق کہتے ہیں۔

سالزم نفسی الصفح عن کل مذنب وان کثرت منہ علی الجرائم

وما الناس الا واحد من ثلاثۃ شریف و مشروف و مثل مقاوم

فاما الذی فوقی فاعرف قدرہ   واتبع فیہ الحق والحق لازم
واما الذی دونی فان قال سنت عن   اجابتہ عرض وان لام ملائم
واما الذی مثلی فان زل اوھفا   تفضلت ان الفضل بالحلم حاکم

(میں ہر خطا کار کو معاف کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اگرچہ مجھ پر اس کے جرائم زیادہ ہی کیوں نہ ہوں' لوگ تین طرح کے ہیں شریف' رذیل' اور برابر۔ جو مجھ سے اعلیٰ ہے میں اس کی قدر پہچانتا ہوں اور اس کے سلسلے میں حق کی اتباع کرتا ہوں' اور حق پر عمل کرنا ضروری ہے' جو مجھ سے کم تر ہے اگر وہ کچھ کہتا ہے تو میں اس کا جواب نہ دے کر اپنی عزت بچاتا ہوں اگرچہ ملامت کرنے والے ملامت کیوں نہ کریں' اور جو لوگ میرے برابر ہیں اگر وہ کوئی لغزش کرتے ہیں تو میں حسنِ سلوک کرتا ہوں کیوں کہ حلم کا برتاؤ ہی اصل ہے)۔

کلام کی وہ مقدار جو انتقام و تشفی کے لیے جائز ہے

ظلم کے بدلے میں ظلم کرنا جائز نہیں ہے' نہ برائی کا بدلہ سے دینا جائز ہے' مثلاً اگر کسی شخص نے تمہاری غیبت کی ہے تو یہ ہر گز جائز نہیں ہے کہ تم بھی غیبت کر کے اس کا بدلہ لو اسی طرح تجسس کا تجسس سے' گالی کا گالی سے جواب دینا بھی جائز نہیں' تمام معاصی کا یہی حکم ہے' البتہ قصاص اور تاوان جائز ہے' لیکن اسی قدر جس کی شریعت نے اجازت دی ہے' اور فقہ کی کتابوں میں ہم نے اس کی وضاحت بھی کی ہے' برائی کا جواب برائی سے دینے کی ممانعت اس حدیث میں وارد ہے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

ان امرو یمر کبما فیک فلا تعیر ہبما فیہ (احمد۔ جابر ابن مسلم)
اگر کوئی تجھے تیرے کسی عیب سے عار دلائے تو تو اس کے کسی عیب سے عار مت دلا۔

ایک حدیث میں ہے:- المتسابان شیطانان یتھاتران (۱)
دونوں گالی دینے والے شیطان ہیں کہ ایک دوسرے پر جھوٹ بکتے ہیں۔

ایک شخص نے حضرت ابو بکر الصدیق کو برا بھلا کہا' آپ خاموش سنتے رہے' جب وہ چپ ہوا تو آپ نے انتقام کے طور پر کچھ کہنے کا ارادہ کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جوابی کاروائی پسند نہیں آئی' اور آپ اٹھ کر چل دیئے۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب وہ شخص مجھے برا کہہ رہا تھا آپ خاموش تھے اور جب میں نے کچھ کہنا چاہا آپ اٹھ کھڑے ہوئے' آپ نے ارشاد فرمایا:- لان الملک کان یجیب عنک لما تکلمت ذھب الملک وجاء الشیطان فلم اکن لاجلس فی مجلس فیہ الشیطان (ابوداؤد۔ ابوہریرہ)
اس لیے کہ فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا' جب تم نے بولنا شروع کیا فرشتہ چلا گیا اور شیطان آگیا' میں ایسی مجلس میں نہیں بیٹھ سکتا جس میں شیطان موجود ہو۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جواب میں وہ بات کہنا جائز ہے' جس میں جھوٹ شامل نہ ہو حدیث میں احتیاط کے خیال سے منع کیا گیا ہے' افضل یہی ہے کہ جواب سے احتراز کرے' کیا پتا جوش انتقام میں کوئی غلط بات زبان سے نکل جائے' البتہ اس شرط کے ساتھ جواب دینے والا گنہگار نہ ہوگا۔ مثلاً وہ اس طرح کے الفاظ ہو سکتے ہیں' تم کون ہو؟ کیا تم فلاں شخص کی اولاد نہیں ہو؟ جیسا کہ حضرت سعدؓ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے کہا تھا کہ کیا تم بنو ہزیل میں سے نہیں ہو؟ انہوں نے جواب میں کہا تھا کہ کیا تم بنو اُمیہ میں سے نہیں ہو؟ احمق کہنا بھی درست ہے' کیوں کہ مطرف کے بقول ہر شخص اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں احمق ہی ہے' یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص زیادہ احمق ہو' اور کوئی کم۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک طویل روایت میں یہ جملہ موجود ہے۔

(۱) یہ دونوں روایتیں پہلے بھی گذر چکی ہیں۔

حتّٰی تری الناس کلھم حمقی فی ذات اللہ تعالیٰ (۱)
یہاں تک کہ تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں احمق دیکھے۔

اسی طرح جاہل کہنا بھی درست ہے' کیوں کہ شاید ہی کوئی آدمی ایسا ہو جس میں کسی طرح کی جہالت نہ پائی جاتی ہو' اور جہالت کا یہ ثبوت کیا کم ہے کہ اس نے ایذا پہنچائی ہے' بہر حال جاہل کہنا بچ بات سے ایذا پہنچانا ہو گا' اسی طرح بد اخلاق' بے شرم' عیب جو' اور عیب بین جیسے الفاظ بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں' بشرطیکہ یہ باتیں اس میں موجود ہوں' اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اگر تم حیا دار ہوتے تو ہر گز یہ بات نہ کرتے' یا یہ کہنا کہ تم اپنی اس حرکت سے میری نگاہوں میں ذلیل ہو گئے ہو' یا یہ کہنا کہ اللہ تمہیں رسوا کرے' تم سے میرا انتقام لے۔ چغلی' غیبت' جھوٹ اور گالی بالاتفاق حرام ہیں' چنانچہ روایت ہے کہ حضرت خالد ابن ولید اور حضرت سعد کے درمیان کسی بات پر جھگڑا چل رہا تھا' ایک شخص نے حضرت سعدؓ کے سامنے حضرت خالد کی برائی کی' آپ نے اسے روک دیا۔ اور فرمایا جھگڑا ابھی ہمارے دین پر اثر انداز نہیں ہوا ہے۔ یعنی ابھی یہ حالت نہیں ہوئی ہے کہ ہم ایک دوسرے کی برائی کر کے گناہ گار ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ برائی کرنا تو کیا برائی سننا بھی ٹھیک نہیں ہے۔

اس امر کی دلیل کہ انتقام میں ایسی بات کہنا جو جھوٹ اور حرام نہ ہو جائز ہے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ تمام ازواج مطہراتؓ نے حضرت فاطمہؓ کو آپ کی خدمت میں بھیجا' وہ حاضر ہوئیں' اور عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے آپ کی ازواج نے یہ درخواست لے کر بھیجا ہے کہ بنت ابی قحافہ (عائشہؓ) کو بھی ہمارے برابر سمجھیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت آرام فرما رہے تھے' آپ نے حضرت فاطمہؓ سے پوچھا: بیٹی کیا تم بھی اسے چاہو گی جسے میں چاہتا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تم عائشہؓ سے محبت کرو' وہ ازواج مطہرات کے پاس واپس آئیں اور واقعہ بیان کیا' ازواج مطہرات نے کہا تم نے تو کچھ بھی نہ کیا' اس کے بعد حضرت زینب بنت جحش کو بھیجا گیا' عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زینب محبت میں میری برابری کی دعویدار تھیں' وہ آئیں' اور کہنے لگیں ابو بکر کی بیٹی ایسی ہے' ابو بکر کی بیٹی ویسی ہے' میں خاموش سنتی رہی' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کی منتظر رہی' چنانچہ آپ نے مجھے بھی اجازت دی' اور میں نے بھی انہیں خوب سنایا یہاں تک کہ میرا تالو خشک ہو گیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دیکھ لیا ابو بکر کی بیٹی کو' تم کلام میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں (مسلم) حضرت عائشہؓ نے جواب میں گالی نہیں دی تھی' بلکہ جو بات سچی تھی وہی کہی تھی' اور حق کے ساتھ مقابلہ کیا تھا' ارشاد نبوی ہے۔

المتسابان ماقالا فعلی البادی منھما حتّٰی یعتدی المظلوم
آپس میں گالی دینے والے دو آدمی جو کچھ بھی کہیں وہ ان میں سے شروع کرنے والے پر ہے یہاں تک کہ مظلوم حد سے نہ بڑھ جائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مظلوم کو انتقام لینے کا حق حاصل ہے' بشرطیکہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے' بہر حال اکابرین سلف نے اتنی ہی مقدار میں ایذا پہنچانے کی اجازت دی ہے جتنی اسے پہنچی ہو' لیکن اس میں بھی ترک کرنا افضل ہے' اس لیے کہ زیادتی کا امکان ہے' اور قدر واجب پر اکتفا کرنا ناممکن نظر آتا ہے' ہمارے خیال میں جواب شروع کرنے سے بہتر اصل جواب سے خاموش رہنا ہے' کیوں کہ اس سلسلے میں حدود شرع سے واقف ہونا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

غضب کے سلسلے میں لوگوں کی مختلف حالتیں : پھر غضب کے سلسلے میں بھی لوگوں کی مختلف حالتیں ہیں' بہت سے وہ ہیں جو غصہ ضبط کرنے پر قادر نہیں ہوتے لیکن جلد ہی اپنی اصل حالت پر واپس آجاتے ہیں' بعض لوگ غصہ ظاہر نہیں کرتے لیکن دل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کینہ رکھ لیتے ہیں۔ غور کیا جائے تو غضب کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں' اول گھاس کی طرح جو جلد آگ پکڑ لیتی ہے' اور جلد بجھ جاتی ہے' دوم پتھر کے کوئلے کی طرح کہ دیر میں سلگے اور دیر میں بجھے سوم تر لکڑی کی طرح کہ دیر میں

(۱) یہ روایت کتاب العلم میں گذری ہے۔

سُلگے اور جلد بجھ جائے' یہ حالت بہت اچھی ہے' بشرطیکہ خالص بے غیرتی نہ ہو' چہارم وہ جو جلد بھڑک اٹھیں اور دیر میں بجھیں' اس قسم کے لوگ انتہائی برے ہوتے ہیں' حدیث شریف میں ہے۔

المؤمن سريع الغضب سريع الرضا (۱)

مومن کو جلد غصہ آتا ہے اور جلد راضی ہو جاتا ہے۔

بالکل غصہ نہ آنا بھی کوئی اچھی بات نہیں ہے' امام شافعیؒ کا مقولہ ہے کہ جسے غصہ دلانے کے باوجود غصہ نہ آئے وہ گدھا ہے' اور جو خوشامد کرنے کے باوجود راضی نہ ہو وہ شیطان ہے' حضرت ابو سعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

الا ان بنی آدم خلقوا علی طبقات شتی فمنهم بطی الغضب' سريع الفی و منهم سريع اغضب سريع الفی' فتلک بتلک' ومنهم سريع الغضب بطی الفئی الا وان خيرهم البطی الغضب السريع الفی وشرهم السريع الغضب البطی الفی (۲)

یاد رکھو آدمی مختلف طبقات پر پیدا کیے گئے بعض وہ ہیں جنہیں دیر میں غصہ آتا ہے اور جلد رجوع کر لیتے ہیں' بعض وہ ہیں جنہیں جلد غصہ آتا ہے اور جلد رجوع کرتے ہیں' اس طرح ایک بات کا تدارک دوسری سے ہو جاتا ہے' بعض وہ ہیں جنہیں جلد غصہ آتا ہے اور دیر میں رجوع کرتے ہیں یاد رکھو ان میں بہتر وہ ہے جسے جلد غصہ آئے اور جلد رجوع کر لے اور بدتر وہ ہے جسے دیر میں غصہ آئے اور دیر میں رجوع کرے۔

اور جب یہ بات ثابت ہوئی کہ غصہ انسان کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتا ہے تو بادشاہوں اور حکمرانوں کے لیے ضروری ہوا کہ وہ کسی کو غصہ میں سزا نہ دیں' کیوں کہ بسا اوقات آدمی قدر واجب سے تجاوز کر جاتا ہے' نیز غصہ اتارنا بھی ایک طرح کا حظِ نفس ہے' کیوں کہ غصے کی حالت میں آدمی پرسکون نہیں ہوتا جب تک کسی کو اپنے غصے کا نشانہ نہیں بنا لیتا' حالانکہ ہونا یہ چاہیئے کہ اس کا غصہ اور انتقام دونوں اللہ کے لیے ہوں' نہ کہ اپنے نفس کے لیے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ شراب پی کر نشے میں بدمست ہے' آپ نے اسے سزا دینے کا ارادہ کیا' لیکن اس نے آپ کو گالی دے دی' آپ نے سزا دینے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور واپس چلے آئے' لوگوں نے عرض کیا امیر المؤمنین! اس نے آپ کو گالی دی' اس کے باوجود آپ نے اسے معاف کر دیا؟ آپ نے فرمایا: اس کی گالی سے مجھے غصہ آگیا تھا میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ غصے کی حالت میں اس پر خفگی کا اظہار کروں' اور نہ یہ اچھا تھا کہ اپنی حمیّت وغیرت کے لیے میں کسی مسلمان کو ماروں' حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص سے جس نے انہیں خفا کر دیا تھا فرمایا اگر تیری وجہ سے مجھے غصہ نہ آتا تو میں تجھے سزا دیتا۔

کینے کی حقیقت اور نتائج' عفو و نرمی کی فضیلت

جب آدمی کو غصہ آتا ہے' اور وہ انتقام لینے سے اپنے عجز کی بنا پر اسے پینے پر مجبور ہوتا ہے تو یہی غصہ اس کے دل میں کینے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ کینے کے معنی یہ ہیں کہ دل میں ہمیشہ کے لیے کسی سے نفرت اور بغض پیدا ہو جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

المؤمن ليس بحقود (۳)

مؤمن کینہ پرور نہیں ہوتا۔

کینہ غصہ کا نتیجہ ہے' اور کینے کے حسب ذیل نتائج و ثمرات ہیں۔

(۱) یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے۔ (۲) یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے۔ (۳) یہ روایت کتاب العلم میں گذر چکی ہے۔

پہلا ثمرہ حسد' اور اس کے معنیٰ ہیں کہ کینے سے تمہارے دل میں یہ خواہش ہو کہ اس کے پاس جو کچھ دولت و نعمت ہے وہ چھن جائے' اگر اسے کوئی نعمت حاصل ہو اس سے تم تکلیف محسوس کرو' اور اس پر کوئی مصیبت پڑے تو تم خوش ہو یہ منافقین کا فعل ہے' عنقریب اس کی مذمت بیان کی جائے گی۔ دوسرا ثمرہ یہ ہے کہ دل میں حسد کی زیادتی ہو یعنی اس کی مصیبتوں پر ہنسو اور مذاق اڑاؤ۔ تیسرا ثمرہ یہ ہے کہ تم اسے چھوڑ بیٹھو' اور قطع تعلق کرلو' اگرچہ وہ ملنے کا خواہشمند ہو اور اس نیت سے تمہارے پاس آئے۔ چوتھا ثمرہ یہ ہے کہ تم اس کی اہانت اور تذلیل کرو۔ پانچواں ثمرہ یہ ہے کہ تم اس کے بارے میں وہ باتیں کہو جن کا کہنا جائز نہیں مثلاً جھوٹ بولو' غیبت کرو' اس کا راز فاش کرو' عیب لگاؤ' چھٹا ثمرہ یہ ہے کہ توہین اور استہزاء کے خیال سے تم اس کی نقل اتارو' ساتواں ثمرہ یہ ہے کہ اسے جسمانی ایذا پہنچاؤ یعنی مارو پیٹو' آٹھواں ثمرہ یہ ہے کہ تم اس کا حق ادا نہ کرو اگر اس کا تم پر قرض ہو تو اسے ادا نہ کرو' صلہ رحمی نہ کرو' مغصوبہ چیز واپس نہ کرو۔ یہ سب نتائج و ثمرات حرام ہیں' کینے کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ تم ان مذکورہ بالا آٹھ آفتوں سے بچو۔ اور کینے کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کے مرتکب نہ ہو' البتہ دل میں اسے گراں سمجھو' اور برا جانو' جس طرح پہلے بشاشت اور خوش دلی کے ساتھ باتیں کیا کرتے تھے اس طرح نہ کرو نہ اس کی ضرورتوں کا خیال رکھو' نہ اس کے ساتھ کسی مجلس میں بیٹھو' نہ اس کے ساتھ مل کر اللہ کا ذکر کرو' نہ اس کے نفع میں معاون بنو' نہ اس کے لیے دعا کرو' نہ اس کی تعریف کرو' نہ اسے عمل خیر پر اکساؤ' نہ ہمدردی اور غم خواری کرو' لیکن یہ انتہائی معمولی کینہ بھی دین میں تمہارے درجے میں کمی کا باعث بنے گا' اور تمہارے اور فضل عظیم اور ثواب جزیل کے مابین رکاوٹ بن جائے گا' اگرچہ تم اس کینے سے اللہ کے عذاب کے مستحق نہیں ہوگے' چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار مسطح کے بارے میں قسم کھائی تھی کہ میں اسے کچھ نہیں دوں گا' کیوں کہ وہ بھی حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے میں شریک تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (پ ۱۸ ر ۹ آیت ۲۲)

اور جو لوگ تم میں بزرگی اور وسعت والے ہیں' وہ اہل قرابت کو' اور مساکین کو' اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھا بیٹھیں اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگذر کریں کیا تم یہ بات نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردے بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

یہ آیت سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا: بلاشبہ ہم اللہ کی مغفرت چاہتے ہیں' اس کے بعد آپ نے مسطح کے ساتھ وہی سلوک کرنا شروع کردیا جو پہلے کیا کرتے تھے (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ) بہتر یہ ہے کہ کینے کی وجہ سے اپنا رویہ تبدیل نہ کرے بلکہ ہوسکے تو نفس کے مجاہدے کے لیے اور شیطان کو شکست دینے کے ارادے سے مزید حسن سلوک کرے یہ عمل صدیقین کا مرتبہ اور مؤمنین کے افضل اعمال میں سے ہے کیونکہ کینہ پرور کے تین حال ہیں' ایک یہ کہ جس سے کینہ رکھتا ہو اس کا حق پورے طور پر کسی کمی و زیادتی کے بغیر ادا کرے یہ عدل ہے' دوسرا یہ ہے کہ عفو' احسان اور صلہ رحمی کے ساتھ پیش آئے یہ فضل ہے' تیسرا یہ ہے کہ جو چیز اپنا حق نہ ہو وہ ظلماً چھین لے یہ جور ہے' یہ آخری درجہ رذیلوں اور کمینوں کا ہے' دوسرا صدیقین کا ہے' اور تیسرا نیکوکاروں کا انتہائی درجہ ہے۔

عفو و احسان کے فضائل

عفو کے معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی اپنا حق ساقط کرے یعنی قصاص' بدلہ یا تاوان نہ لے' عفو' حلم اور کظم غیظ سے علیحدہ ایک صفت ہے۔ اس لیے ہم نے اسے مستقل طور پر ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (پ ۹ ر ۱۴ آیت ۱۹۹)

سرسری برتاؤ کو قبول کرلیا کیجئے اور نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے اور جاہلوں سے ایک کنارہ ہوجایا کیجئے۔

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (پ ۲ ر ۱۵ آیت ۲۳۷)
اور تمہارا معاف کر دینا تقوی سے زیادہ قریب ہے۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔
ثلاث والذی نفسی بیدہ لو کنت حلافا لحلفت علیھن' مانقص مال من صدقۃ فتصدقوا ولا عفا رجل عن مظلمۃ یبتغی بھا وجہ اللہ الا زادہ اللہ بھا عزا یوم القیامۃ' ولا فتح رجل علی نفسہ باب مسالۃ الا فتح اللہ علیہ باب فقر (ترمذی۔ ابو کبشۃ الانصاری' ابو داؤد' مسلم نحوہ۔ ابو ہریرہؓ)
تین باتیں ایسی ہیں کہ بخدا اگر میں حلف اٹھانے والا ہوتا تو ان پر حلف اٹھالیتا ایک یہ کہ صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا اس لیے صدقہ کیا کرو' دوسری یہ کہ اگر کوئی شخص اللہ کی رضا کے لیے اپنا حق معاف کردے تو قیامت کے دن اللہ اسے عزت سے نوازے گا' تیسری یہ کہ جو شخص اپنے اوپر سوال کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر تنگی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔
ایک حدیث میں ہے:۔
التواضع لا یزید العبد الا رفعۃ فتواضعوا یرفعکم اللہ' والعفو لا یزید العبد الا عزا فاعفوا یعزکم اللہ' والصدقۃ لا تزید المال الا کثرۃ فتصدقوا یرحمکم اللہ (اصفہانی الترغیب والترھیب' ابو منصور دیلمی۔ انسؓ)
تواضع آدمی کو بلندی عطا کرتی ہے اس لیے تواضع اختیار کرو اللہ تمہیں بلندی عطا کرے گا' عفو سے آدمی کی عزت بڑھتی ہے اس لیے معاف کردیا کرو اللہ تمہیں عزت دے گا' صدقہ سے مال میں اضافہ ہوتا ہے اس لیے صدقہ کرو اللہ تم پر رحم کرے گا۔
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حق کی خاطر انتقام لیتے ہوئے نہیں دیکھا' ہاں جب کوئی شخص اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا تو سب سے زیادہ غصہ آپ کو آیا کرتا تھا' اگر کبھی آپ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ نے وہ بات پسند فرمائی جو دونوں میں آسان ہوتی' بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا (شمائل ترمذی' مسلم نحوہ)۔ حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' یہ بات یاد نہیں رہی کہ پہلے میں نے آپ کا ہاتھ پکڑا' یا آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا' آپ نے مجھ سے فرمایا:۔
یا عقبۃ! الا اخبرک بافضل اخلاق اھل الدنیا والآخرۃ صل من قطعک وتعطی من حرمک' وتعفو عمن ظلمک (ابن ابی الدنیا' طبرانی' بیہقی)
اے عقبہ! کیا میں تجھے اہل دنیا و اہل آخرت کے افضل ترین اخلاق نہ بتلاؤں جو تجھ سے نہ ملے اس سے مل' جو تجھے محروم کرے اسے دے' اور جو تجھ پر ظلم کرے اسے معاف کر۔
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا:۔
یارب ای عبادک اعز علیک' قال الذی اذا قدر عفا (خرائطی مکارم الاخلاق۔ ابو ہریرہؓ)
اے اللہ! تجھے کون سا بندہ عزیز تر ہے' اللہ نے فرمایا: وہ شخص جو بدلہ لینے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کردے۔

یہی سوال حضرت ابو الدرداءؓ سے کیا گیا' انہوں نے جواب دیا: وہ بندہ اللہ کو زیادہ محبوب ہے جو انتقام کی طاقت رکھنے کے باوجود عفو و درگذر سے کام لے تم بھی معاف کردیا کرو اللہ تمہیں محبوب رکھے گا۔ ایک شخص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے حق کے سلسلے میں کسی شخص کی شکایت کی' آپ نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا' ارادہ یہ تھا کہ مُدعا علیہ کو بلوا کر اس کا حق دلوا دیا جائے' اس سے پہلے آپ نے فرمایا:۔

ان المظلومین هم المفلحون یوم القیامة

قیامت کے روز مظلومین ہی فلاح پائیں گے۔

وہ شخص یہ سن کر واپس چلا گیا اور اس نے اپنا حق لینے سے انکار کردیا (ابن ابی الدنیا۔ ابو صالح الحنفی مرسلاً)۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اذا بعث اللہ الخلائق یوم القیامة نادی مناد من تحت العرش ثلاثه اصوات یا معشر الموحدین ان اللہ قد عفا عنکم فلیعف بعضکم عن بعض (۱)

جب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام مخلوق کو اٹھائے گا تو عرش کے نیچے سے ندا دینے والا تین بار اعلان کرے گا' اے فرزندان توحید اللہ نے تمہیں معاف کردیا ہے تم بھی ایک دوسرے کو معاف کردو۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو اولاً طواف کعبہ کیا' دو رکعت نماز پڑھی پھر کعبے کے اندر تشریف لائے اور دروازے کی چوکھٹ پکڑ کر لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا کہہ رہے ہو اور کیا سوچ رہے ہو' لوگوں نے عرض کیا ہم آپ کو بھائی بھتیجا' حلیم اور رحیم سمجھتے ہیں' حاضرین نے یہ بات تین مرتبہ کہی' آپ نے فرمایا میں وہ بات کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی:۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

کوئی الزام نہیں تم پر آج' اللہ تمہیں معاف کرے' وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ لوگ یہ اعلان سن کر اس طرح نکل پڑے جیسے قبروں سے اٹھے ہوں' اور اسلام میں داخل ہوگئے (ابن الجوزی فی کتاب الوفاء) سہیل ابن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے آپ نے باب کعبہ پر اپنے ہاتھ رکھ کر یہ خطاب فرمایا "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ یکتا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنا وعدہ پورا کیا' اپنے بندے کو فتح دی' اور دشمن کے لشکروں کو تنہا شکست دی' اس کے بعد قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے گروہِ قریش! تم میرے بارے میں کیا کہہ رہے ہو' اور کیا گمان رکھتے ہو' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم اچھا کہہ رہے ہیں' اور اچھا گمان رکھتے ہیں' آپ ہمارے شریف بھائی اور مہربان بھتیجے ہیں' آپ نے فرمایا: میں اس وقت وہ بات کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہی تھی' اس کے بعد آپ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔" (۲) ایک روایت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جب لوگ قیامت کے میدان میں کھڑے ہوں گے تو ایک اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ جس شخص کا اللہ پر اجر ہو وہ جنت میں داخل ہوجائے' دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ پر اجر ہے' فرمایا: اللہ کے وہ بندے جو لوگوں کو معاف کردیتے ہیں' یہ اعلان سن کر ہزاروں لوگ کھڑے ہوں گے' اور کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوجائیں گے (طبرانی' مکارم الاخلاق) حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

---

(۱) یہ روایت ابو سعید احمد بن ابراہیم المقری نے کتاب التبصرہ والتذکرہ میں اور طبرانی نے اوسط میں قدرے مختلف الفاظ میں نقل کی ہے۔

(۲) یہ روایت اس طریق سے مجھے نہیں ملی۔

لا ینبغی لوالی امر ان یوتی بحد الا اقامہ واللہ عفو یحب العفو ثم قرا ولیعفوا ولیصفحوا (احمد' حاکم)

کسی حاکم کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے سامنے حد کرنا (کوئی معاملہ) پیش ہو اور وہ قائم نہ کرے' پھر آپ نے یہ تلاوت کی "چاہیے کہ معاف کریں اور درگذر کریں۔

حضرت جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ثلاث من جاء بھن مع ایمان دخل من ای ابواب الجنۃ شاء وزوج من الحور العین حیث شاء من ادی دینا خفیا وقرا فی دبر کل صلاۃ "قل ھو اللہ احد" عشر مرات وعفا عن قاتلہ' قال ابو بکر: او احداھن یا رسول اللہ قال: او احداھن (طبرانی اوسط فی الدعاء)

تین باتیں ایسی ہیں کہ اگر کوئی ایمان کے ساتھ ان پر عمل کرے جنت میں جس دروازے سے چاہے گا داخل ہوگا اور جس حور سے چاہے گا شادی کرے گا' ایک یہ کہ پوشیدہ قرض ادا کردے دوسرے یہ کہ ہر نماز کے بعد دس بار سورۂ اخلاص پڑھے' تیسرے یہ کہ اپنے قاتل کا خون معاف کردے' حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا خواہ ایک پر عمل کرے' آپ نے فرمایا: خواہ ایک ہی پر عمل کرے۔

حضرت ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھ پر ظلم کرتا ہے میں اس پر رحم کرتا ہوں' رحم کرنا عفو سے الگ ایک چیز ہے اور اس کا الگ اجر ہے اسے احسان کہتے ہیں' یعنی مظلوم محض اس لیے ظالم سے بدلہ نہ لے بلکہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے کہ وہ باری تعالیٰ کی نافرمانی کرکے قیامت کے روز اس کے سزا اور مواخذے کا مستحق ہوگیا ہے' اب یہ ہماری شفقت اور رحم و کرم کا مستحق ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو بدلہ دینا چاہتے ہیں تو اس پر کسی ظلم کرنے والے کو متعین کردیتے ہیں' وہ ظلم سہتے ہیں' اور مظلوم بن کر ظالم کی ساری نیکیاں سمیٹ لیتے ہیں۔ ایک شخص حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کے پاس آیا اور کسی کی شکایت کرنے لگا' آپ نے اس سے کہا کہ قیامت کے روز تو اللہ سے اس حال میں ملے کہ یہ ظلم تیرے ساتھ ہو اس سے بہتر ہے کہ تو اس حال میں ملے جب کہ تو نے اپنے ظلم کا بدلہ لے لیا ہو' یزید ابن میسرہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی مظلوم ظالم کے لیے بددعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فلاں شخص تجھے بددعائیں دے رہا ہے' تو چاہے تو ہم اس کی دعا قبول کرلیں اور چاہے تو تم دونوں کا معاملہ قیامت تک کے لیے موخر کردیں' اور اس وقت تم دونوں کو اپنے دامنِ عفو میں جگہ دیں مسلم ابن یسار نے ایک شخص سے جو ظالم کو بددعا دے رہا تھا کہا کہ ظالم کو اس کے ظلم کے حوالے کر' اس لیے کہ تیری بددعا سے زیادہ موثر خود اس کا ظلم ہے وہ اسے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے کافی ہوگا بشرطیکہ کسی عمل سے اس نے اپنے ظلم کا تدارک نہ کرلیا ہو' توقع تو یہی ہے کہ وہ اپنے ظلم کا تدارک نہیں کرے گا۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے' فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ قیامت کے دن اللہ عزّ و جل کسی منادی کرنے والے کو حکم دیں گے' اور وہ یہ اعلان کرے گا کہ جس شخص کی کوئی چیز اللہ کے پاس ہو وہ اٹھے اور اپنی چیز حاصل کرلے' یہ اعلان سن کر معاف کرنے والے اٹھیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے عفو کا بدلہ عطا کریں گے

ہشام ابن محمد کہتے ہیں کہ نعمان ابن منذر کے پاس دو آدمی لائے گئے' ان میں سے ایک شخص نے بڑا جرم کیا تھا آپ نے اسے معاف کردیا' دوسرے کا جرم معمولی تھا اسے سزا دی' اور یہ شعر پڑھے۔

تعفو الملوک عن العظیم من الذنوب بفضلھا
ولقد تعاقب فی الیسیر ولیس ذاک لجھلھا
الا لیعرف حلمھا ویخاف شدۃ دخلھا

(ترجمہ- بادشاہ اپنے کرم سے بڑے قصور معاف کردیتے ہیں اور معمولی کوتاہیوں پر سزا دیتے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ جاہل و نادان ہیں' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے تاکہ لوگوں میں ان کے حلم کی شہرت ہو' اور ساتھ ہی ان کے رعب کا خوف بھی عام ہو)

مبارک ابن فضالہ کہتے ہیں سوار ابن عبداللہ اہل بصرہ کے ایک وفد کے ہمراہ ابو جعفر کے پاس گئے' وہ خود روایت کرتے ہیں کہ میں اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص کو پکڑ کر لایا گیا' ابو جعفر نے اسے قتل کرنیکی سزا دی' میں نے کہا کیا تم میری موجودگی میں ایک مسلمان کو قتل کرارہے ہو' اگر اجازت ہو تو میں ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جو میں نے حضرت حسنؒ سے سنی ہیں' انہوں نے کہا وہ کونسی حدیث ہے' سناؤ میں نے کہا: حضرت حسنؒ نے مجھ سے بیان کیا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک ایسے میدان میں جمع فرمائیں گے جہاں وہ پکارنے والے کی آواز سن سکیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے' اس موقع پر اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے گا کہ جس شخص کا اللہ پر کچھ حق ہو وہ کھڑا ہو' اس اعلان کے جواب میں صرف وہ لوگ کھڑے ہوں گے جنہوں نے معاف کیا ہوگا' ابو جعفر نے پوچھا کیا واقعی تم نے یہ حدیث حسن سے سنی ہے' میں نے کہا واللہ میں نے یہ حدیث حسن سے سنی ہے- یہ سن کر ابو جعفر نے مجرم کو رہا کرنے کا حکم دیا- حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ ظلم کے جواب میں صبرو تحمل سے کام لو' یہاں تک کہ تمہیں بدلہ لینے کا موقع مل جائے تو معاف کردو' اور احسان کرو' روایت ہے کہ ایک راہب ہشام ابن عبدالملک کے پاس آیا' ہشام نے اس سے پوچھا کہ ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں؟ اس نے کہا نبی تو نہیں تھے' البتہ انہیں چار خصلتیں عطا کی گئی تھیں' ایک یہ کہ جب انتقام پر قدرت ہوتی تو معاف کردیتے' دوسری یہ کہ وعدہ پورا کرتے' تیسری یہ کہ جب بولتے سچ بولتے' چوتھی یہ کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑتے- ایک بزرگ کہتے ہیں حلیم وہ نہیں ہے جو ظلم برداشت کرے اور جب موقع ملے بدلہ لے لے' بلکہ حلیم وہ ہے جو ظلم برداشت کرے' اور موقع ملنے پر معاف کردے' زیاد کہتے ہیں کہ قابو پانے سے کینہ اور حسد ختم ہوجاتا ہے' ہشام ابن عبدالملک کے پاس ایک آدمی گرفتار کرکے لایا گیا' اس کی کوئی شکایت انہیں ملی تھی' اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہا' ہشام نے اس سے کہا ایک تو جرم کیا دوسرے زبان چلا رہا ہے' اس نے عرض کیا: امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا (پ ۱۴ ر ۲۱ آیت ۱۱۱)

جس روز ہر شخص اپنی طرف داری میں گفتگو کرے گا۔

کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے سامنے تو مجادلہ کریں' اور آپ کے سامنے خاموش رہیں؟ ہشام نے کہا: کیوں نہیں! بدبخت بولتا رہ- روایت ہے کہ ایک چور حضرت عمار ابن یاسرؓ کے خیمے میں گھس گیا' لوگوں نے کہا اس کا ہاتھ کاٹ دیجئے' یہ ہمارا دشمن ہے' حضرت عمار نے فرمایا: نہیں! بلکہ میں اس کی پردہ پوشی کروں گا' شاید اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت میری پردہ پوشی فرمائے' حضرت ابن مسعودؓ بازار میں کچھ خرید و فروخت کررہے تھے' کسی چیز کی قیمت ادا کرنے کے لیے انہوں نے عمامہ میں سے درہم نکالنے چاہے تو معلوم ہوا کہ کسی نے کھول لئے ہیں' انہوں نے کہا ابھی چند لمحے پہلے درہم موجود تھے' حاضرین نے چور کو برا بھلا کہنا شروع کیا' کسی نے یہ بددعا کی کہ اے اللہ اس چور کا جس نے درہم چرائے ہیں ہاتھ کاٹ دیجئے' کسی نے کہا اس کا انجام خراب ہو' کسی نے کہا وہ ہلاک و رسوا ہو- حضرت عبداللہؓ ابن مسعود نے فرمایا: بھائی! اگر اس نے کسی ضرورت سے مجبور ہوکر چوری کی ہے تو اللہ ان دراہم میں برکت عطا فرمائے' اور اگر اس پر جرأت نے اکسایا ہے تو اللہ کرے یہ گناہ اس کا آخری گناہ ہو- فضیل ابن عیاض کہتے ہیں کہ ایک خراسانی شخص سے زیادہ میں نے کسی کو زاہد نہیں دیکھا' وہ شخص میرے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھا ہوا تھا پھر وہ طواف کرنے لگا' اتنے میں کسی نے اس کے دینار چرالئے' اسے اطلاع ہوئی تو رونے لگا' میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا کیا تم مال ضائع جانے پر آنسو بہارہے ہو' اس نے کہا: نہیں! بلکہ مجھے قیامت کا خیال آگیا اور چشم تصور سے میں نے دیکھا کہ میں اور چور دونوں باری تعالیٰ کے سامنے حاضر ہیں' اور چور کے پاس بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں ہے' بس اس کی کس پرسی کا حال یاد کرکے میری آنکھیں بھر آئیں۔

مالک ابن دینار کہتے ہیں کہ ہم رات کے وقت حکم ابن ایوب کے گھر آئے' وہ ان دنوں بصرہ کے امیر تھے' حضرت حسنؒ جو خائف سے نظر آرہے تھے۔ ہمارے ہمراہ تھے' ہم سب امیر کے پاس پہنچے' حضرت حسنؒ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قصہ چھیڑ دیا کہ انہوں نے اپنے بھائی کو فروخت کردیا تھا اور اندھے کنویں میں ڈال دیا تھا' ان کی اس حرکت سے حضرت یعقوبؑ کو کس قدر تکلیف پہنچی' پھر عورتوں کی ان سازشوں کا حال بیان کیا جو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف کیں تھیں' یہاں تک کہ انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں' لیکن اللہ نے اپنا فضل فرمایا' اور دشمنوں کی دشمنی کے باوجود انہیں دولت' عزت اور حکومت ملی' زمین کے خزانوں کی کنجیاں ان کے قبضے میں آئیں۔ مگر ان کے دل میں انتقام کا خیال تک نہ آیا' جب ان کے بھائی جو دشمن تھے۔ ان کے پاس آئے تو انہوں نے پچھلی تمام کوتاہیوں اور خطائیں معاف کردیں۔ اور فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ الخ۔ یہ واقعہ بیان کرنے سے حسنؒ کا مقصود یہ تھا کہ جس طرح حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو معاف کردیا تم بھی اپنے ساتھیوں کو معاف کردیا کرو' حکم ابن ایوب نے قصہ سن کر کہا میں بھی یہی کہتا ہوں لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اور اگر میرے پاس بدن کے کپڑوں کے علاوہ کچھ ہوتا تو تمہیں اس میں چھپالیتا۔ ابن المقفع نے اپنے کسی دوست کو ایک سفارشی خط لکھا کہ فلاں شخص اپنی خطاء پر نادم تمہارے دامنِ عفو کا طلب گار ہے' اور تمہاری چشم عنایت کا منتظر ہے' یاد رہے جتنا جرم سنگین ہوتا ہے اتنا ہی عفو عظیم ہوتا' عبدالملک ابن مروان کے پاس ابن الاشعث کے قیدی لائے گئے تو اس نے رجاء ابن حیوۃ سے پوچھا اب کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: اللہ نے تمہیں تمہاری پسند کے مطابق کامیابی دی ہے' اب تم اس کی پسند کے مطابق عفو و درگذر کا معاملہ کرو' یہ سن کر مروان نے قیدیوں کو رہا کردیا۔ زیاد نے ایک خارجی کو گرفتار کیا' اتفاقاً وہ چھوٹ کر فرار ہوگیا' زیاد نے اس کے بھائی کو پکڑ لیا' اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بھائی کو حاضر کرے' اس نے لاعلمی ظاہر کی اور کہنے لگا اگر میں آپ کو امیرالمؤمنین کا حکم دکھادوں تو کیا آپ مجھے رہا کردیں گے' زیاد نے کہا: یقیناً' دکھاؤ' کہاں ہے وہ حکم اس نے کہا میں عزیز حکم کا حکم نامہ پیش کرتا ہوں' اس پر دو گواہوں ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کی تصدیق ہے' اس میں لکھا ہوا تھا۔

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (پ ۲۷ ر ۷ آیت ۳۶-۳۸)

کیا اس کو اس مضمون کی خبر نہیں پہنچی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے و نیز ابراہیم کے جنہوں نے احکام کی پوری بجا آوری کی کہ کوئی شخص کسی کا گناہ اپنے اوپر نہیں لے سکتا۔

زیاد نے خدام سے کہا اسے جانے دو' اس کے پاس رہائی کی معقول وجہ موجود ہے کہا جاتا ہے کہ انجیل میں لکھا ہوا ہے "جو شخص ظلم کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے وہ گویا شیطان کو شکست دیتا ہے۔"

نرمی کے فضائل:

نرمی ایک عمدہ صفت ہے اس کے مقابلے میں تیزی اور درشتی ہے' اور یہ دونوں وصف غصے اور بد مزاجی کے باعث ظہور میں آتے ہیں' جب کہ نرمی حسنِ خلق اور سلامتِ مزاجی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے' کبھی تیزی غضب سے پیدا ہوتی ہے' اور کبھی حرص کی شدّت' اور اس کے غلبے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے' شدّتِ حرص کے وقت آدمی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے' اور مستقل مزاجی باقی نہیں رہتی' لیکن نرمی بہرحال حسنِ خلق کا ثمرہ ہے' اور حسنِ خلق اس وقت حاصل ہوتا ہے جب غضب اور شہوت کی قوتوں کو معتدل رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں نرمی کی بہت زیادہ تعریف کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:۔

یا عائشة انه من اعطی حظه من الرفق فقد اعطی حظه من خیر الدنیا والآخرة ومن حرم حظه من الرفق فقد حرم حظه من خیر الدنیا والآخرة (احمد' عقیلی' کتاب الضعفاء' عبدالرحمٰن ابن ابی بکر الملیکی)

اے عائشہؓ! جو شخص نرمی سے بہرہ ور ہوا وہ دنیا و آخرت کی بھلائی سے بہرہ ور ہوا۔ اور جو شخص نرمی سے محروم ہوا' وہ دنیا و آخرت کی بھلائی سے محروم ہوا۔

اذا احب اللّٰہ اهل بیت ادخل علیهم الرفق (احمد' بیهقی۔ عائشۃ)

جب اللہ تعالیٰ کسی گھر کے مکینوں سے محبت رکھتا ہے تو ان میں نرمی پیدا کر دیتا ہے۔

ان اللّٰہ لیعطی علی الرفق مالا یعطی علی الخرق واذا احب اللّٰہ عبدا اعطاہ الرفق مامن اهل بیت یحرمون الرفق الاحرموا محب اللّٰہ تعالیٰ (طبرانی کبیر۔ جریر)

اللہ تعالیٰ نرمی پر اتنا دیتا ہے کہ جہالت پر اتنا نہیں دیتا' اور جب اللہ کسی بندے کو محبوب رکھتا ہے تو اسے نرمی عطا فرماتا ہے' اور جس گھر کے لوگ نرمی سے محروم ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھی محروم ہوتے ہیں۔

ان اللّٰہ رفیق یحب الرفق' ویعطی علیه مالا یعطی علی العنف (مسلم۔ عائشہؓ)

اللہ مہربان ہے' نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر اتنا دیتا ہے جتنا سختی پر نہیں دیتا۔

یا عائشۃ ارفقی فان اللّٰہ اذا اراد باهل بیت کرامۃ دلهم علی باب الرفق (احمد۔ عائشہؓ)

اے عائشہ! نرمی اختیار کرو اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی گھرانے کی عزت چاہتا ہے اسے نرمی کا راستہ دکھلا دیتا ہے۔

من یحرم الرفق یحرم الخیر کله (مسلم۔ جریر)

جو نرمی سے محروم رہا وہ ہر خیر سے محروم رہا۔

ایما والی ولی فرفق ولا رفق اللّٰہ تعالیٰ به یوم القیمۃ (مسلم۔ عائشہؓ)

جو شخص حاکم بنا اور اس نے رعایا کے ساتھ نرمی برتی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائیں گے۔

تدرون من یحرم علی النار یوم القیمۃ کل هین سهل قریب (ترمذی۔ ابن مسعودؓ)

تم جانتے ہو قیامت کے دن آگ کس پر حرام ہوگی۔ جو دوسروں پر بار نہ ہو نرم خو ہو۔ نرم مزاج اور لوگوں سے میل جول رکھنے والا ہو۔

الرفق یمن والخرق شؤم (طبرانی اوسط۔ ابن مسعودؓ)

نرمی برکت ہے اور درشتی نحوست ہے۔

التانی من اللّٰہ والعجلۃ من الشیطان (ابویعلی۔ انسؓ۔ ترمذی۔ سهیل ابن سعدؓ)

تاخیر اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ نے تمام مسلمانوں کے لیے آپ میں برکت دی ہے (یعنی سب لوگ آپ سے فیض حاصل کر رہے ہیں) کوئی برکت میرے لیے مخصوص فرمائیے آپ نے دو یا تین مرتبہ الحمد للہ کہا پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے تین مرتبہ دریافت فرمایا! کیا تو ہی نصیحت کا

طالب ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا:۔

اذا اردت امرا فتدبر عاقبتہ فان کان رشد افامضہ وان کان سوی ذلک فانتہ (ابن المبارک فی الزہد والرقائق۔ ابوجعفر)

جب تم کوئی کام کرنے کا ارادہ کرو تو اس کا انجام پہلے سوچ لو اگر انجام بخیر ہو تو اسے کر گزرو اور اس کے علاوہ ہو تو رک جاؤ۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک شوخ اونٹ پر سفر کر رہی تھی اور اسے دائیں بائیں پھرا رہی تھی آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا:۔

یا عائشۃ علیک بالرفق فانہ لایدخل فی شئی الا زانہ ولا ینزع من شئی الا شانہ (مسلم شریف)

اے عائشہ! نرمی اختیار کرو اس لیے کہ یہ ایسی صفت ہے کہ جس چیز میں برتو اسے زینت دے اور جس میں نہ ہو اسے عیب دار کرے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کو اطلاع ہوئی کہ ان کی رعایا کے کچھ لوگ اپنے حکام سے نالاں ہیں آپ نے انہیں (حکام و رعایا) دونوں کو طلب فرمایا' اور حمد و ثناء کے بعد ان سے فرمایا اے لوگو! اے رعایا! تم پر ہمارے کچھ حقوق ہیں' اور وہ یہ ہیں کہ غائبانہ میں ہماری خیر خواہی کرو' عمل خیر پر ہماری مدد کرو' اے حاکمو! رعایا کے تم پر کچھ حقوق ہیں' یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اللہ کے نزدیک امام کے علم اور نرمی سے زیادہ کوئی چیز محبوب و عزیز نہیں ہے۔ اور امام کے جہل اور اس کی درشتی اور سخت گیری سے زیادہ کوئی چیز اللہ کو ناپسندیدہ اور ۔ بری نہیں ہے' یہ بات بھی یاد رکھو کہ جو شخص اپنے ماتحتوں کے آرام و راحت کا خیال رکھتا ہے' وہ اپنے آقا کی طرف سے راحت و آرام پاتا ہے' وہب ابن منبہؒ کہتے ہیں نرمی علم کا ثنی ہے' ایک روایت میں جو مرفوع اور موقوف دونوں طرح نقل کی گئی ہے ارشاد ہے کہ علم مؤمن کا دوست' حلم اس کا وزیر' عقل اس کی رہ نما' عمل اس کا نگراں' رفق اس کا باپ' اور نرمی اس کا بھائی اور صبر اس کی فوج کا امیر ہے۔ (۱) ایک بزرگ کہتے ہیں' کتنا عمدہ ہے وہ ایمان جسے نرمی سے سنوارا گیا ہو' علم اور حلم میں جس قدر ربط اور مناسبت ہے وہ کہیں نہیں پائی جاتی' حضرت عمرو ابن العاص نے اپنے صاحبزادے عبد اللہؓ سے دریافت کیا: رفق کیا چیز ہے؟ انہوں نے جواب دیا: رفق یہ ہے کہ اگر آدمی حاکم ہو تو اپنے ماتحت عاملوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرے' انہوں نے پوچھا: درشتی کیا چیز ہے؟ امام سے یا ایسے لوگوں سے دشمنی رکھنا جو تمہیں نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہوں۔ حضرت سفیان ثوریؒ نے اپنے رفقاء سے پوچھا جانتے ہو رفق کیا چیز ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ابو محمد! آپ ہی بتلائیں' فرمایا: ہر امر کو اس کے موقع محل میں رکھنے کا نام رفق ہے' ضرورت ہو تو سختی برتے' موقع ہو تو نرمی اختیار کرے' تلوار کا موقع ہو تلوار اٹھائے' کوڑے کی ضرورت ہو کوڑا استعمال کرے' اس سے معلوم ہوا کہ مزاج میں نرمی اور سختی کو آمیزش ہونی چاہیئے' نہ صرف سختی مفید ہے اور نہ صرف نرمی کافی ہے۔ پسندیدہ بات اعتدال ہے' نرمی اور سختی کا درمیانہ درجہ۔ جیسا کہ تمام اخلاق میں اعتدال ہی کو ترجیح دی گئی ہے۔ لیکن کیونکہ طبائع عنف اور حدت کی طرف زیادہ مائل ہیں اس لیے لوگوں کو نرمی اور سہولت کی طرف راغب کرنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس طرح یہ ممکن ہے کہ وہ حد اعتدال پر آجائیں یہی وجہ ہے کہ شریعت نے نرمی کی بڑی تعریف کی ہے' سختی کی زیادہ تعریف نہیں کی' حالانکہ سختی اپنی جگہ اچھی چیز ہے' جیسا کہ نرمی اپنی جگہ ایک عمدہ وصف ہے لیکن جس جگہ سختی ضروری ہوتی ہے وہاں حق خواہش نفسانی میں لپٹا ہوتا ہے۔ اور یہ بات کھجور اور شہد کی لذت سے زیادہ لذیذ ہے تقریباً اسی طرح کا قول حضرت عمر ابن

---

(۱) یہ روایت ابو الشیخ نے کتاب الثواب و فضائل الاعمال میں حضرت انسؓ سے اور قضاعی نے مسند الشہاب میں حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابو ہریرہ سے نقل کی ہے۔

عبدالعزیز سے منقول ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عمرو ابن العاص نے حضرت معاویہ کو ایک خط لکھا جس میں کسی کام کی تاخیر پر ملامت کی' حضرت معاویہؓ نے انہیں جواب میں لکھا کہ امور خیر میں تأمل اور غور و فکر سے کام لینا رشد کی علامت ہے اور رشید وہی ہوتا ہے جو جلد بازی سے اجتناب کرنے والا ہو' اور محروم وہ ہے جو وقار اور سنجیدگی سے محروم ہو' مستقل مزاج کامیابی سے ہم کنار ہوتا ہے' اور جلد باز ٹھوکر کھاتا ہے' جس شخص میں نرمی نہیں ہوتی وہ سخت مزاجی سے نقصان اٹھاتا ہے' اور جو شخص تجربات سے نفع نہیں اٹھاتا وہ بلندی تک نہیں پہنچ پاتا حضرت ابو عون انصاری کہتے ہیں' بعض لوگ سخت الفاظ بول جاتے ہیں' حالانکہ ان ہی کے ساتھ بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو ان کے مقابلے میں ہلکے ہوں۔ ابو حمزہ کوفی فرماتے ہیں کہ تمہیں صرف اتنے خدمت گزار اور نوکر رکھنے چاہئیں جن کی اشد ضرورت ہو' اس لیے کہ ہر انسان کے پیچھے ایک شیطان لگا رہتا ہے (زیادہ شیطان جمع کرنے سے فائدہ؟) یاد رکھو اپنے خدمت گزاروں سے تم نرمی کے ذریعہ جتنا کام لے سکتے ہو' سختی سے اتنا کام نہیں لے سکتے' حضرت حسنؓ فرماتے ہیں مؤمن بُردبار' سنجیدہ اور باوقار ہوتا ہے' رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح نہیں ہوتا کہ جو ہاتھ لگا اٹھایا۔ یہ وہ چند اقوال ہیں جو اہل علم سے نرمی کی فضیلت کے سلسلے میں منقول ہیں' حقیقت بھی یہی ہے کہ نرمی ایک عمدہ صفت ہے' اور اکثر حالات میں اسی کی ضرورت زیادہ رہتی ہے' سختی کی ضرورت گاہے گاہے پیش آتی ہے' انسان کامل وہی ہے جو نرمی اور سختی کے مواقع میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور ہر امر کو اس کا حق دیتا ہو بصیرت و شعور سے محروم شخص یہ فرق ہی نہیں کرپاتا' بالآخر اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ وہ کہاں سختی کرے اور کہاں نرمی سے پیش آئے۔

حسد کی مذمّت' اس کی حقیقت' اسباب علاج' اور ضرورت علاج

حسد کی مذمّت کا بیان : حسد بھی کینے کا نتیجہ اور اسی کی قبیل کا ایک جذبہ ہے' بلکہ کہنا چاہیے کہ حسد کینے کی شاخ ہے' اور کینہ غضب کی فرع ہے' پھر حسد سے اتنی شاخیں پھوٹتی ہیں کہ حدِ شمار میں نہیں آسکتیں' حسد کی مذمت میں بھی خاص طور پر بہت سی روایات وارد ہیں' چنانچہ ارشاد نبوی ہے:۔

الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب (ابوداؤد۔ ابوھریرہؓ۔ ابن ماجہ۔ انسؓ)

حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتی ہے۔ جس طرح آگ لکڑی کو کھالیتی ہے۔

ایک حدیث میں حسد اور اس کی نتائج و اسباب سے منع فرمایا گیا' ارشاد ہے۔

لا تحاسدوا ولا تقاطعوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا (بخاری و مسلم)

آپس میں حسد نہ کرو' نہ ایک دوسرے سے ملنا چھوڑو' نہ باہم بغض رکھو' نہ ایک دوسرے سے منھ پھیرو' اور اللہ کے بندے بھائی ہوجاؤ۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے' آپ نے فرمایا: ابھی اس راستے سے تمہارے سامنے ایک جنتی آئے گا' اتنے میں ایک انصاری صحابی نمودار ہوئے' ان کے بائیں ہاتھ میں جوتے تھے' اور داڑھی کے بالوں میں سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا' انہوں نے ہم لوگوں کو سلام کیا' دوسرے روز بھی آپ نے اسی طرح فرمایا' اور یہی صحابی سامنے آئے۔ تیسرے دن بھی یہی واقعہ ہوا۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے ان انصاری صحابی کا پیچھا کیا اور ان سے کہا کہ میرے اور میرے والد کے درمیان کچھ اختلاف ہوگیا اور میں نے قسم کھالی ہے کہ میں تین دن تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا۔ آپ اجازت دیں تو میں یہ تین راتیں آپ کے پاس گزار لوں' انہوں نے کہا: کوئی بات نہیں راوی کہتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص نے تین راتیں ان کے گھر گذاریں' انہوں نے دیکھا کہ

وہ رات کو تھوڑی دیر کے لیے بھی نماز کے لیے نہیں اٹھتے تھے' البتہ جب کروٹ بدلتے اللہ کا نام لیتے' اور صبح کی نماز تک بستر ہی پر لیٹے رہتے' تاہم اس عرصے میں' میں نے ان کی زبان سے خیر کے علاوہ کچھ نہیں سنا' جب تین دن گزر گئے' اور مجھے ان کے اعمال کے معمولی ہونے کا یقین ہو گیا تو میں نے ان سے کہا! اللہ کے بندے! میرے اور والد کے درمیان نہ ناراضگی تھی اور نہ چھوٹ چھٹاؤ تھا' میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے متعلق ایسا کہتے ہوئے سنا تھا اس لیے یہ خواہش ہوئی کہ تمہارے وہ اعمال تو دیکھوں جن کی بنا پر تمہیں دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دی گئی ہے' ان تین دنوں میں' میں نے تو تمہیں کچھ زیادہ عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا' پھر تم اس درجے تک کس طرح پہنچے انہوں نے جواب دیا! میرے اعمال تو بس یہی ہیں جو تم نے دیکھے ہیں' جب میں جانے لگا تو انہوں نے آواز دے کر مجھے بلایا اور کہنے لگے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے لیے کدورت محسوس نہیں کرتا' اور نہ کسی سے اس لیے حسد کرتا ہوں کہ اللہ نے اسے نعمت عطا کی ہے' عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ تمہاری ان ہی خوبیوں نے تمہیں اس درجے تک پہنچایا ہے' اور یہ باتیں ہمارے دائرۂ طاقت سے باہر ہیں (احمد)

ایک حدیث میں ہے:۔

ثلاث لا ينجو منهن احد الظن والطيرة والحسد' وساحدثكم بالمخرج من ذلك اذا ظننت فلا تحقق واذا تطيرت فامض واذا حسدت فلا تبغ (ابن ابی الدنیا۔ ابوہریرہؓ)

تین باتیں ایسی ہیں جن سے کوئی خالی نہیں ہے ظن' بد فالی' اور حسد۔ میں تمہیں ان سے نجات کا طریقہ بتلاتا ہوں' جب کوئی گمان دل میں آئے تو اسے صحیح نہ سمجھو' جب بد فالی ہو تو اپنے کام میں لگے رہو' اور جب حسد پیدا ہو تو خواہش نہ کرو۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

ثلاث لا ينجو منهن احد' وقل من ينجو (ابن ابی الدنیا۔ عبدالرحمٰن ابن معاوی مرسلاً)

تین باتیں ایسی ہیں جن سے کوئی خالی نہیں ہوتا اور بہت کم لوگ اس سے خالی ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں نجات کا امکان ثابت کیا گیا ہے' یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ ان تین باتوں سے خالی ہوں' لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوگی۔ ایک حدیث میں فرمایا:۔

دب اليكم داء الامم قبلكم الحسد' والبغضاء' والبغض هي الحالقة لا اقول حالقة الشعر' ولكن حالقة الدين' والذى نفس محمد بيده لا تدخلون الجنة حتى تؤمنوا ولن تؤمنوا حتى تحابوا الا انبئكم بما يثبت ذلك لكم افشاء السلام بينكم (ترمذی۔ مولی الزبیر عن الزبیرؓ)

تم میں تم سے پہلے کی امتوں کی بیماری' سرایت کر گئی ہے' حسد اور بغض' اور بغض مونڈنے والی چیز ہے' میرا مطلب یہ نہیں کہ وہ بال مونڈنے والی ہے بلکہ دین کو مونڈنے والی ہے' اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو گے یہاں تک کہ ایمان لے آؤ' اور ایمان نہیں لاؤ گے یہاں تک کہ باہم محبت کرو' کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتلادوں' جس سے دوستی کی بنیاد مضبوط ہو اور وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کو رواج دو۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

كاد الفقر ان يكون كفرا وكاد الحسد يغلب القدر (ابو مسلم الكبشی' بیهقی-انس)

قریب ہے کہ فقر کفر ہو جائے اور حسد تقدیر پر غالب آجائے۔

اس سلسلے کی کچھ روایات یہ ہیں۔

انه سيصيب امتى داء الامم قالوا وما داء الامم' قال الاشر والبطر والتكاثر والتنافس فى الدنيا' والتباعد والتحاسد۔ حتٰى يكون البغيج ثم الهرج (ابن ابی الدنیا' طبرانی-ابو ہریرہ)

میری امت کو عنقریب قوموں کی بیماری لگ جائے گی صحابہ نے عرض کیا: قوموں کی بیماری کیا ہے؟ فرمایا! تکبر اترانا' مال کی کثرت کا اظہار' دنیاوی اسباب میں مقابلہ آرائی ایک دوسرے سے بعد' باہم حسد کرنا یہاں تک کہ سرکشی ہو گی پھر فتنہ پھیلے گا۔

لا تظهر الشماته لاخيك فيعافيه الله ويبتليك (ترمذی- واثلة ابن الاسقع)

اپنے بھائی کی مصیبت پر خوش مت ہو' اللہ تعالیٰ اسے نجات دے دے گا' اور تجھے مبتلا کردے گا۔

اخوف ما اخاف على امتى ان يكثر فيهم المال فيتحاسدون ويقتتلون (ابن ابی الدنیا-ابو عامر الاشعری)

مجھے اپنی امت پر زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ ان میں مال زیادہ ہو جائے اور آپس میں حسد کرکے کشت و خون کریں۔

استعينوا على قضاء الحوائج بالكتمان فان كل ذى نعمه محسود (ابن ابی الدنیا-طبرانی)

اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے خفیہ مدد چاہو کیونکہ ہر نعمت والے پر حسد کیا جاتا ہے۔

ان لنعم الله اعداء فقيل: ومن هم فقال الذين يحسدون الناس على ما اتاهم الله من فضله (طبرانی اوسط-ابن عباس)

اللہ کی نعمتوں کے دشمن ہیں' عرض کیا گیا وہ کون لوگ ہیں' فرمایا وہ لوگ جو لوگوں سے ان نعمتوں کی وجہ سے جلتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے عطا کی ہیں۔

ستة يدخلون النار قبل الحساب بسنة قيل يا رسول الله! من هم: قال الامراء بالجور' والعرب بالعصبية والدهاقين بالتكبر والتجار بالخيانة واهل الرستاق بالجهالة والعلماء بالحسد (ابو منصور دیلمی-ابن عمر)

چھ آدمی حساب و کتاب سے ایک سال پہلے دوزخ میں جائیں گے' عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں' فرمایا: امراء ظلم کی وجہ سے عرب عصبیت کی وجہ سے' دہقان تکبر کی وجہ سے تاجر خیانت کی وجہ سے' روستائی جہالت کی وجہ سے علماء حسد کی وجہ سے۔

روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب باری تعالیٰ سے باتیں کرنے کے لیے طور پر گئے تو ایک آدمی کو عرش کے سایہ میں دیکھا' آپ کو اس شخص کے رتبے پر رشک آیا اور جناب باری میں عرض کیا کہ مجھے اس کا نام بتلایئے' ارشاد ہوا کہ نام کیا بتلائیں ہم تمہیں اس کے اعمال بتلاتے ہیں' وہ کسی سے حسد نہیں کرتا تھا' اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کرتا تھا' اور چغل خوری نہیں کرتا

تھا، حضرت زکریا علیہم السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حاسد میری نعمت کا دشمن ہے، میرے فیصلہ پر ناراض ہے، میری تقسیم سے ناخوش ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں، پہلا گناہ حسد کا گناہ تھا کہ ابلیس کو حضرت آدم علیہ السلام کے شرف اور رتبے سے حسد ہوا اور اس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔ اس معصیت پر اسے جذبہ حسد ہی نے اکسایا، روایت ہے کہ عون ابن عبداللہ فضل بن مہلب کے پاس آئے، وہ اس وقت واسط کے حاکم تھے، عون نے ان سے کہا کہ میں تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا: وہ کیا؟ فرمایا: کبر سے بچنا، اس لیے کہ یہ پہلا گناہ ہے جس کا باری تعالیٰ کی معصیت میں ارتکاب کیا گیا، اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ (پ ار ۴ آیت ۳۴)

اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو اور (جنوں کو بھی) کہ سجدہ میں گر جاؤ آدم کے لیے سو سب سجدے میں گر پڑے سوائے ابلیس کے۔

دوسرے یہ کہ حرص سے بچنا کیونکہ حرص ہی کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلنا پڑا، اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں اور زمین سے زیادہ وسیع و کشادہ جنت میں ٹھکانہ دیا تھا، اور صرف ایک درخت کے علاوہ ہر چیز کھانے کی اجازت دی تھی، لیکن انہوں نے اسی شجرِ ممنوعہ کا پھل کھایا، اس کی سزا یہ ملی کہ جنت سے نکالے گئے اور دنیا میں بھیج دیئے گئے، یہاں انہوں نے یہ دو آیتیں پڑھیں۔

اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب تم میں بعض بعض کے دشمن ہیں۔

تیسرے یہ کہ حسد سے دور رہنا کیوں کہ حسد ہی کی بنا پر ابن آدم (قابیل) نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کردیا تھا، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ (پ ۶ ر ۹ آیت ۲۷)

اور آپ ان اہل کتاب کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنائیے جب کہ دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی وہ دوسرا کہنے لگا کہ میں تجھے ضرور قتل کردوں گا۔

نیز جب صحابہ کرام کا تذکرہ ہو خاموشی اختیار کرنا، تقدیر اور ستاروں کی چال کا تذکرہ ہو تو چپ رہنا بکر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک شخص بادشاہ کے پاس جاتا اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر یہ جملہ کہا کرتا کہ محسن کے ساتھ اس کے احسان کے جواب میں اچھا سلوک کرو، بدی کرنے والے کے لیے تو خود اس کی بدی کافی ہے، ایک شخص کو اس کی جرأت اور بادشاہ کے یہاں اس کے مرتبے اور منزلت پر رشک آیا، اور اس نے بادشاہ سے چغلی کی کہ فلاں شخص جو آپ کے سامنے کھڑا ہو کر یہ جملہ کہا کرتا ہے آپ سے نفرت کرتا ہے، اور یوں کہتا ہے کہ بادشاہ گندہ دہن ہے، بادشاہ نے اس سے پوچھا اس کی تصدیق کی کیا صورت ہے، چغل خور نے کہا جب وہ دربار میں آپ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ جملہ کہتا ہے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیتا ہے تاکہ آپ کے منہ کی بدبو اسے پریشان نہ کرے، بادشاہ نے کہا ہم اس کا امتحان لیں گے، اگر وہ ایسا ہی ہے جیسا تو نے کہا تو اسے دردناک سزا دیں گے۔ ایک طرف چغلخور نے بادشاہ کو بھڑکایا، دوسری طرف اس حق گو کو ایسا کھانا کھلایا جس میں لہسن زیادہ تھا، حسب معمول دربار میں پہنچا بادشاہ نے اسے قریب بلایا، اس نے اس خیال سے کہ کہیں بادشاہ سلامت میرے منہ کی بو نہ سونگھ لیں، اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا، اس کی حرکت سے

بادشاہ کو چغلخور کی بات پر یقین آگیا' اسی وقت اپنے ایک عامل کو ایک خط لکھا کہ جب یہ شخص تیرے پاس میرا خط لے کر پہنچے تو اسے قتل کردے' اور اس کی کھال میں بھُس بھر کر ہمیں بھیج دے' اس نے خط لے لیا' راستے میں وہی چغل خور اسے ملا' اس نے دریافت کیا کہ یہ تم کیا لے جارہے ہو؟ اس نے جواب دیا یہ بادشاہ سلامت کا خط ہے فلاں عامل کے نام اس میں میرے لیے انعام کی سفارش کی گئی ہے چغل خور کو لالچ آیا اور اس نے درخواست کی کہ یہ خط مجھے دے دو' تمہارے بجائے میں یہ انعام حاصل کرلوں گا' اس شخص نے بادشاہ کا خط اس کے حوالے کردیا چغل خور اسے لے کر عامل کے پاس پہنچا' اس نے خط پڑھ کر اسے بتلایا کہ اس میں تجھے قتل کرنے اور تیری کھال میں بھُس بھر کے بھیجنے کا حکم ہے۔ اب اس کی آنکھیں کھلیں اس نے کہا یہ خط میرے لیے نہیں ہے' تم بادشاہ سے رجوع کرسکتے ہو۔ عامل نے اس کی ایک نہ سنی اور بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی' ادھر وہ شخص اپنی عادت کے مطابق دربار میں پہنچا بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی' خط کے متعلق استفسار کیا۔ اس نے عرض کیا کہ فلاں درباری نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں بادشاہ کا خط اسے ہبہ کردوں' میں نے اسے دے دیا تھا' بادشاہ نے اسے خط کا مضمون بتلایا اور کہا کہ اس شخص نے کہا تھا کہ تو مجھ سے نفرت کرتا ہے نیز یہ کہ میں گندہ دہن ہوں۔ چنانچہ میں نے آزمائش کے لیے تجھے اپنے قریب بلایا تھا اور تو نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا تھا اس نے اس الزام کی تردید کی اور لہسن آمیز کھانے کا واقعہ سنایا' اور بتلایا کہ میں نے اپنے منھ پر اس لیے ہاتھ رکھ لیا تھا کہ کہیں میرے منھ کی بدبو آپ کو پریشان نہ کرے بادشاہ نے کہا تم اپنی جگہ بیٹھو' اس نے اپنے کیے کی سزا پالی تم سچ کہا کرتے ہو کہ بدی کرنے والے کے لیے اس کی بدی کافی ہے' ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ میں نے دنیا کی کسی چیز کے لیے کسی سے حسد نہیں کیا' اس لیے کہ اگر وہ جنتی ہے تو میں دنیا کے معاملے میں اس پر کیا حسد کروں' جنت میں دنیا کی حقیقت ہی کیا ہے اور اگر وہ دوزخی ہے تو دنیا کے معاملات میں اس پر حسد کرنا بیکار ہی ہے اس کا انجام دوزخ ہے' ایسے شخص پر کیا حسد کیا جائے۔ ایک شخص نے حضرت حسنؒ سے پوچھا کیا مؤمن بھی حاسد ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: تم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا حال بھول گئے' مؤمن حسد کرتا ہے لیکن اسے چاہیے کہ اپنے حاسدانہ خیالات کو اپنے سینے ہی میں مخفی رکھے اس لیے کہ جب تک زبان اور ہاتھ سے ظلم و زیادتی نہ ہوگی کچھ نقصان نہ ہوگا حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ جو بندہ موت کا بکثرت ذکر کرتا ہے اسکی خوشی کم ہوجاتی ہے' اس کے دل میں کسی کے لیے حسد نہیں رہتا۔ حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں کہ میں حاسد کے علاوہ سب کو خوش کرسکتا ہوں کیوں کہ حاسد زوال نعمت سے کم پہ راضی ہی نہیں ہوسکتا' اسی لیے کسی شاعر نے کہا ہے

كل العداوة قد ترجى اماتتها الا عداوة من عاداك من حسد

(ہر عداوت کے خاتمے کی توقع کی جاسکتی ہے سوائے اس شخص کی عداوت کے جو حسد کی وجہ سے تمہارا دشمن ہو)

ایک دانا کا قول ہے کہ حسد وہ زخم ہے جو کبھی بھرتا نہیں ہے' اور جو کچھ حاسد پر گزرتا ہے اس کی سزا کے لیے وہ کافی ہے' ایک اعرابی کہتا ہے کہ میں نے حاسد کے علاوہ کسی ظالم کو مظلوم کے مشابہ نہیں دیکھا' وہ تمہاری نعمتوں کو اپنے لیے مصیبتیں سمجھتا ہے' حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: اے انسان! اپنے بھائی سے حسد مت رکھ' اگر اللہ نے اسے اس کے فضائل کی بنا پر عطا کیا ہے تجھے اس شخص سے حسد نہ کرنا چاہیئے جسے اللہ نے عزت دی ہو' اور اگر وہ ایسا نہیں ہے پھر تجھے جلنے کی کیا ضرورت ہے اس کا ٹھکانا تو جہنم ہے ہی۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ حاسد اپنے ہم نشین سے ذلت' فرشتوں سے لعنت' مخلوق سے غم و غصہ' بوقت نزع سختی اور خوف' اور قیامت کے دن عذاب کے علاوہ کچھ نہیں پاتا۔

حسد کی حقیقت' اس کا حکم' اقسام اور درجات

<u>حسد کی تعریف</u> : جاننا چاہیئے کہ حسد صرف نعمت اور عطائے خداوندی پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر جب کوئی انعام فرماتا ہے تو اس کے بھائی کی دو حالتیں ہوتی ہیں' ایک یہ کہ وہ اس نعمت کو ناپسند کرتا ہے' اور اس کے زوال کی خواہش کرتا ہے' یہ حالت حسد ہے۔ اس تفصیل کی رو سے حسد کی تعریف یہ ہوئی نعمت کو ناپسند کرنا اور اس کے زوال کی خواہش کرنا۔ دوسری

حالت یہ ہے کہ نہ وہ اس نعمت کے زوال کی خواہش کرتا ہے' اور نہ اس کے وجود کو باقی رہنے کو برا جانتا ہے۔ لیکن یہ ضرور چاہتا ہے کہ اسے بھی ایسی ہی نعمت مل جائے' اس کا نام غبطہ یا منافست ہے کبھی منافست حسد کے معنیٰ میں' اور حسد منافست کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کا مفہوم ادا کرتے ہیں' فہم معنیٰ کے بعد الفاظ کی کوئی اہمیت بھی نہیں رہ جاتی' اس لیے ایک دوسرے پر ان کے اطلاق میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ان المومن یغبط والمنافق یحسد (۱) مؤمن غبطہ کرتا ہے' اور منافق حسد کرتا ہے۔

حسد ہر حال میں حرام ہے' البتہ اگر کوئی ایسی نعمت ہو جو کسی فاجر یا کافر کو مل گئی ہو' اور وہ اس کی مدد سے فتنہ و فساد برپا کرتا ہو' لوگوں کے درمیان تفریق ڈالتا ہو مخلوق کو ایذا پہنچاتا ہو ایسی کسی نعمت پر تمہارا اظہار ناپسندیدگی' اور اس کے زوال کی آرزو کرنا بجا ہے کیونکہ اس صورت میں تمہاری ناپسندیدگی اور زوال کی خواہش اس لیے نہیں ہوگی کہ وہ چیز نعمت ہے بلکہ اس لیے ہوگی کہ وہ اس نعمت کو فتنہ و فساد کا ذریعہ بنائے ہوئے ہے' اگر اس کے فتنہ و فساد کا خوف نہ ہو تو تمہیں اس کی نعمتوں سے دکھ بھی نہیں ہوگا' اور نہ تم یہ چاہو گے کہ وہ نعمتیں اس سے چھین لی جائیں۔

حسد کی حرمت کے دلائل: حسد کی حرمت پر وہ روایات دلالت کرتی ہیں جو ہم نے نقل کی ہیں' علاوہ ازیں کسی کی نعمت کو برا سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کے اس فیصلے کو برا سمجھتے ہو کہ اس نے بعض چیزوں میں اپنے کچھ بندوں کو دوسروں پر فضیلت دی ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اسے کراہت و ناپسندیدگی کے عذر کی بنیاد بھی نہیں بنایا جاسکتا اور نہ شریعت اس کی اجازت دے سکتی ہے کہ تم الٰہی احکام میں دخل دو اور انہیں اپنی خواہشات کے معیار پر جانچو۔ اس سے بڑھ کر اور کون سا گناہ ہوگا کہ تم اپنے مسلمان بھائی کو راحت میں نہیں دیکھ سکتے' اس کی دولت تمہاری آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتی ہے' حالانکہ تمہیں اس سے کوئی نقصان نہیں ہے' قرآن پاک میں بھی حسد کی زبردست مذمت کی گئی ہے' ارشاد ہے۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (پ ۴ ر ۳ آیت ۱۲۰)

اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کے لیے موجب رنج ہوتی ہے اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔

یہ خوشی شماتت کے باعث تھی' شماتت کے معنیٰ ہیں کسی کی مصیبت پر خوش ہونا' اس صورت میں شماتت و حسد ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ (پ ۱ ر ۱۳ آیت ۱۱۹)

ان اہل کتاب میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو ہمارے ایمان لانے کے پیچھے پھر کافر کردیں محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود ان کے دلوں میں ہی (جوش مارتا) ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اہل کتاب کی یہ خواہش کہ تم پھر سے کافر ہوجاؤ' اور ایمان سے انحراف کرلو حسد کی وجہ سے ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (پ ۵ ر ۹ آیت ۸۹)

وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی کافر بن جاؤ جس میں تم اور وہ سب ایک طرح کے ہوجاؤ۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کے بھائیوں کے حسد کا واقعہ قرآن میں مذکور ہے' ان کے دل کی بات ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ

(۱) مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی' البتہ یہ فضیل ابن عیاض کا قول ہے۔

مُّبِيْنٍ اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِاطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ (پ ۱۲ ر ۲ آیت ۸-۹)

وہ وقت قابل ذکر ہے جب کہ ان کے بھائیوں نے کہا کہ یوسف اور ان کا (حقیقی) بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں' حالانکہ ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں' واقعی ہمارے باپ کھلی غلطی میں ہیں' یا تو یوسف کو قتل کرڈالو' یا کسی جگہ ڈال آؤ تو پھر تمہارے باپ کا رخ خالص تمہاری طرف ہو جائے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو یہ بات اچھی معلوم نہ ہوئی کہ ان کے والد صرف یوسف سے محبت کرتے ہیں اس لیے انہوں نے ارادہ کیا کہ حضرت یوسف سے یہ نعمت چھین جائے اور وہ اپنے باپ کی نگاہوں سے دور چلے جائیں تاکہ ہمیں ہمارا کھویا ہوا مقام واپس مل جائے ارشاد فرمایا:۔

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا (پ ۲۸ ر ۴ آیت ۹)

اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے یہ (انصار) اپنے دلوں میں کوئی رشک نہیں پاتے۔

یعنی وہ لوگ دوسروں کی نعمتیں دیکھ کر تنگ دل اور افسردہ نہیں ہوتے' اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو حسد نہیں کرتے' انکار کے پیرائے میں فرمایا گیا۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (پ ۵ ر ۵ آیت ۵۵)

یا دوسرے آدمیوں سے ان چیزوں پر جلتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔

آیت کریمہ "اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ" میں بغیاً سے مراد حسد ہے' اسی طرح اس آیت میں بھی:

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ (پ ۲۵ ر ۳ آیت ۱۴)

اور وہ لوگ بعد اس کے کہ ان کے پاس علم پہنچ چکا تھا۔ آپس کی ضد اضدی سے باہم متفرق ہو گئے۔

یعنی اللہ نے انہیں علم اس لیے عطا کیا تھا کہ ان میں اتحاد پیدا ہو' اور وہ اطاعت الٰہی پر یکجا ہو جائیں' ان کے دل ایک دوسرے سے مانوس ہوں' اس کے برعکس انہوں نے اپنے درمیان حسد اور تفرق کی دیواریں کھڑی کرلیں' ہر شخص اقتدار اور حکومت کا دعوے دار بن بیٹھا اور ہر شخص یہ خواہش کرنے لگا کہ لوگ اُسی کی بات سنیں' اُسی کی بات مانیں' حضرت عبداللہ ابن عباس روایت فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود جب کسی قوم سے جنگ کرتے تو اس طرح دعا مانگتے "اے اللہ اس پیغمبر کے طفیل میں جسے بھیجنے کا تو نے وعدہ کیا ہے' اس کتاب کے طفیل میں جسے تو نازل کرنے والا ہے ہمیں فتح دے" چنانچہ اس دعاء کی برکت سے انہیں فتح ہوتی تھی۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت نبی تشریف لائے تو یہودیوں نے پیغمبرانہ علامات سے آپ کو پہچانا' لیکن پہچاننے کے باوجود انکار کیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ

حالانکہ اس سے پہلے وہ خود بیان کیا کرتے تھے کفار سے پھر جب وہ چیز آپہنچی جس کو وہ پہچانتے ہیں تو اس کا صاف انکار کر بیٹھے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔

اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا (۱) (پ ۱ ر ۱۱ آیت ۸۹-۹۰)

کہ کفر کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالیٰ نے نازل فرمائی محض حسد کی وجہ سے۔

یہاں بھی بغیاً کے معنی ہیں حسد۔ حضرت صفیہ بنت حیی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک روز

---

(۱) ابن اسحاق فی السیرۃ عن عکرمہ سعید ابن جبیر عن ابن عباس۔

میرے والد اور چچا آپ کے پاس سے اپنے گھر واپس گئے تو میرے والد نے چچا سے پوچھا تو ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلسلے میں کیا کہتے ہو' انہوں نے کہا میرے خیال میں یہ وہی نبی ہیں جن کی آمد کی بشارت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی' والد نے کہا' اب تمہارا کیا موقف ہو گا' کہنے لگے میں تو زندگی بھر ان کی دشمنی پر کمربستہ رہوں گا۔ (۱)

منافست حرام نہیں ہے' بلکہ یہ بعض حالات میں واجب اور بعض میں مستحب اور بعض میں مباح ہے' کبھی منافست کے معنیٰ میں حسد' اور حسد کے لیے منافست کا لفظ بھی بولا جاتا ہے جیسا کہ قثم ابن عباس سے منقول ہے کہ میں نے اور فضل نے یہ ارادہ کیا کہ ہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ درخواست کریں کہ ہمیں صدقات کی وصولیابی پر مقرر کردیا جائے حضرت علیؓ نے ہم سے کہا کہ تم یہ درخواست لے کر ہرگز نہ جاؤ' تمہاری درخواست منظور نہ ہوگی' ہم نے ان سے کہا کہ تم منافست (حسد) کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سے تمہاری شادی کی بخدا ہم نے اس وقت بھی منافست (حسد) نہیں کی۔ منافست نفاست سے مشتق ہے اور اس کی اباحت پر قرآن کریم کی یہ آیات دلالت کرتی ہیں۔

وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ (پ ۳۰ر ۸ آیت ۲۶)

اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنی چاہیے۔

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ (پ ۲۷ر ۱۹ آیت ۲۱)

تم اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف دوڑو۔

اس لیے کہ مسابقت وہاں ہوتی ہے جہاں کسی چیز کے ضائع ہو جانے کا خوف ہو' یہ ایسا ہے جیسے دو غلام اپنے آقا کی خدمت میں اس لیے سبقت کریں کہ کہیں دوسرا اس سے پہلے نہ پہنچ جائے اور آقا کے دل میں جگہ بنالے۔ حدیث شریف میں بھی منافست کے جواز کی صراحت موجود ہے۔

ارشاد ہے۔

لا حسد الا فی اثنین' رجل آتاہ اللہ مالا فسلطه علی هلکته فی الحق' ورجل آتاہ اللہ علما فهو یعمل به ویعلمه الناس (بخاری ومسلم۔ ابن عمرؓ)

حسد صرف دو شخصوں میں ہے' ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا ہے' اور پھر اسے راہ حق میں خرچ کرنے پر مسلط کردیا ہے' اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے علم عطا کیا ہے' وہ اس پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو تعلیم دیتا ہے۔

ابو کبشۃ الانصاری کی حدیث میں اس مضمون کی تفصیل ہے۔ فرمایا:۔

مثل هذه الامة مثل اربعة رجل آتاہ اللہ مالا وعلما فهو یعمل بعلمه فی ماله ورجل آتاہ اللہ علما ولم یؤته مالا فیقول: رب لو ان لی مالا مثل مال فلان لکنت اعمل فیه بمثل عمله فهما فی الاجر سواء

اس امت کی مثال ان چار آدمیوں جیسی ہے ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال اور علم دونوں عطا کیے ہوں اور وہ اپنے مال میں اپنے علم پر عمل کرتا ہو' اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے علم دیا ہو مال نہ دیا ہو اور وہ یہ کہتا ہو' اے اللہ! اگر میرے پاس فلاں شخص کی طرح مال ہوتا تو میں اسی طرح راہ خدا میں خیرات کرتا جیسے وہ کرتا ہے' یہ دونوں شخص اجر و ثواب میں برابر ہیں۔

دوسرے شخص نے مال کی خواہش کی ہے' اس کی خواہش نہیں کہ فلاں شخص سے مال چھین لیا جائے اور مجھے دے دیا جائے' اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

---

(۱) ابن اسحاق فی السیرۃ

ورجل اٰتاہ اللّٰہ مالا ولم یؤتہ علما فھو ینفقہ فی معاصی اللّٰہ' ورجل لم یؤتہ علما ولم یؤتہ مالا فیقول لو ان لی مثل مال فلان لکنت انفقہ فی مثل ماانفقہ فیہ من المعاصی فھما فی العذر سواء (ابن ماجہ' ترمذی)

ایک شخص جسے اللہ نے مال دیا ہو' علم نہ دیا ہو اور وہ اسے اللہ کی معصیت میں خرچ کرتا ہو' ایک وہ شخص جسے اللہ نے نہ علم دیا ہو' اور نہ مال' اور وہ کہتا ہو کہ اگر میرے پاس بھی اتنا ہی مال ہوتا جتنا فلاں کے پاس ہے تو میں اپنا مال اسی طرح معاصی میں خرچ کرتا جس طرح وہ کرتا ہے یہ دونوں شخص گناہ میں برابر ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چوتھے شخص کی اس لیے مذمت نہیں فرمائی کہ وہ مال کی آرزو رکھتا ہے بلکہ اس لیے فرمائی کہ وہ مال پاکر اسی طرح معاصی میں خرچ کرنا چاہتا ہے' جیسا تیسرا شخص کررہا ہے' بہرحال کسی کی نعمت دیکھ کر پانے کی خواہش کرنا کوئی غلط بات نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ یہ نہ چاہتا ہو کہ مذکورہ نعمت اس کے پاس نہ رہے۔ اس روایت سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ حسد اور منافست کبھی کبھی ایک دوسرے کے لیے بولے جاتے ہیں چنانچہ حدیث میں لفظ حسد ہے اور اس سے مراد منافست ہے۔

مسلمان کو کس نعمت پر غبطہ کرنا چاہیئے: اگر کسی مسلمان کو کوئی ایسی نعمت حاصل ہے جس کا حاصل کرنا شرعاً واجب ہو جیسے ایمان' نماز' زکوٰۃ وغیرہ تو اس طرح کی نعمتوں میں غبطہ کرنا یعنی یہ چاہنا کہ یہ نعمتیں مجھے بھی حاصل ہوجائیں واجب ہے اس لیے کہ ان نعمتوں میں غبطہ نہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ معصیت پر راضی ہے' اور معصیت پر راضی ہونا حرام ہے' اور اگر وہ نعمت فضائل سے تعلق رکھتی ہو جیسے اچھے کاموں میں مال خرچ کرنا' اور صدقہ وخیرات کرنا' اس میں منافست مندوب اور مستحب ہے' اور اگر کوئی نعمت ایسی ہے جس سے بہرہ ور ہونا جائز ہو تو اس میں منافست مباح ہے منافست کے جواز کا مبنیٰ یہ امر ہے کہ آدمی دوسرے کی برابری اور نعمت میں شرکت چاہے اور وہ اس نعمت کو برا نہ سمجھتا ہو گویا یہاں دو باتیں ہیں' ایک اس شخص کا اکرام جسے نعمت میسّر ہے اور دوسرے غیر کا نقص اور پیچھے رہ جانا جہاں تک صاحب نعمت کی برابری چاہنے کا سوال ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے' البتہ مباحات میں دوسروں کی برابری کی خواہش سے فضائل میں ضرور کمی آتی ہے' کیونکہ اس طرح کی باتیں زہد توکّل اور رضا کے خلاف ہیں اور اعلیٰ مقامات کی راہ میں رکاوٹ ہیں تاہم نافرمانی کا باعث نہیں ہیں۔

یہاں ایک اہم اور قابل توجہ نکتہ ہے' اور وہ یہ ہے کہ جب آدمی اپنی خواہش کے مطابق کسی نعمت کے حصول سے مایوس ہوجاتا ہے' اور یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح اس کا یہ نقص دولت سے محرومی دور ہوجائے' اور یہ نقص دو ہی طریقوں سے دور ہوسکتا ہے' یا تو اس جیسی نعمت مل جائے' یا دوسرے شخص کے پاس بھی وہ نعمت باقی نہ رہے جب ایک راستہ مسدود ہوجاتا ہے تو لامحالہ دوسرا راستہ اختیار کیا جاتا ہے' چنانچہ جب دوسرے شخص کے پاس بھی وہ نعمت باقی نہیں رہتی تب اسے سکون ملتا ہے کیونکہ اس کی نعمت کے زوال سے اسے برابری مل جاتی ہے' یہ ایک ایسی بات ہے جس سے بہت کم دل خالی ہوں گے' اگر کبھی کسی نعمت پر غبطہ کرنے کی نوبت پیش آئے تو نفس سے دریافت کرے کہ اگر دوسرے شخص کی نعمت کا مجھے اختیار مل جائے تو میں کیا کروں' اگر جواب یہ ہو کہ مجھے اختیار مل جائے تو میں یہ نعمت اس سے چھین لوں اور اپنی طرح اسے بھی محروم کردوں' جاننا چاہیئے کہ یہ خواہش حسد ہے' اور اگر یہ خیال ہو کہ میں قدرت واختیار کے باوجود دوسرے کو اس کی نعمت سے محروم نہ کرسکوں گا' البتہ میں یہ ضرور چاہوں گا کہ ایسی ہی نعمت مجھے بھی میسّر ہوجائے' یہ غبطہ ہے اور اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے' کیونکہ نہ اس کا دین اسے دوسرے کو نعمت سے محروم کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ عقل ہی کا یہ فیصلہ ہے' غالباً اس حدیث شریف میں یہی نکتہ مراد ہے۔

ثلاث لا ینفعک المؤمن عنھن الحسد والظن والطیرۃ

تین چیزیں ایسی ہیں کہ مؤمن ان سے خالی نہیں ہوتا' حسد' ظن اور بدفالی۔

اور حسد کے علاج کے ضمن میں ارشاد فرمایا:۔

اذا حسدت فلا تبغ
اگر حسد ہو تو خواہش مت کر۔

اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اگر تیرے دل میں کوئی خیال گزرے بھی تو اس کے مطابق عمل نہ کر شاید ہی کوئی ایسا انسان ہو جو کسی دوسرے کے برابر بننا چاہے اور اس کی خواہش پوری نہ ہو پھر وہ یہ نہ چاہے کہ دوسرے کے پاس بھی یہ نعمت باقی نہ رہے' بلکہ اس کا خیال آتا ہی ہے' ورنہ اس پر ہمیشہ فوقیت رہے گی' اس طرح کی منافست حرام حسد کے برابر ہے' اس صورت میں احتیاط ضروری ہے' کیونکہ یہ خطرے کا محل ہے' اکثر آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے سے اعلیٰ لوگوں کے برابر ہو جائے کبھی کبھی وہ اس خواہش کی بنا پر حسد بھی کرنے لگتا ہے بشرطیکہ ایمان میں راسخ اور تقویٰ میں کامل نہ ہو' اس طرح کی منافست ہرگز جائز نہیں ہے' خواہ دینی امور میں ہو یا دنیاوی امور میں' تاہم اگر یہ خیال دل میں گزر جائے اور اس کے مطابق عمل نہ ہو تو امید یہی ہے کہ معاف کردیا جائے گا کیوں کہ عمل نہ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شرع کی عائد کردہ پابندی اور عقل کے فیصلے پر عمل پیرا ہے دل کے خیالات کا پابند نہیں ہے شاید اس کا یہ عمل ہی ان توہمات اور خیالات کا کفارہ بن جائے۔

حسد کے مراتب: اب تک حسد کی حقیقت اور اس کا حکم بیان کیا گیا ہے' اب اس کے مراتب کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں' حسد کے مراتب ہیں' پہلا مرتبہ یہ ہے کہ دوسرے شخص سے نعمت کا زوال چاہے' خواہ وہ نعمت اسے حاصل نہ ہو' اس طرح کے حسد میں انتہائی درجہ کے خبیث لوگ مبتلا ہوتے ہیں دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ دوسرے سے نعمت کا زوال اس لیے چاہے کہ وہ نعمت اسے مل جائے' جیسے کوئی شخص خوب صورت عورت' عالیشان مکان اور جاہ و منصب کا خواہشمند ہو' اس صورت میں وہ نعمت کا طلب گار ہو' دوسرے سے چھن جانے کا خواہش مند نہیں ہے تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ شخص کسی مخصوص نعمت کا طلب گار نہ ہو بلکہ اس جیسی نعمت چاہتا ہو چنانچہ جب وہ اس جیسی نعمت کے حصول سے عاجز ہو جائے تو یہ خواہش کرے کہ دوسرے کے پاس بھی یہ نعمت باقی نہ رہے تاکہ دونوں برابر ہو جائیں چوتھا درجہ یہ ہے کہ وہ اس جیسی نعمت چاہتا ہو' لیکن نہ ملنے کی صورت میں یہ خواہش بھی نہ رکھتا ہو کہ دوسرا بھی اس سے محروم ہو جائے یہ آخری درجہ قابل معافی ہے' اگر دنیاوی امور کے سلسلے میں ہو' اور مستحب ہے اگر دینی امور میں ہو تیسرے درجہ میں خیر و شر دونوں ہی پہلو ہیں۔ دوسرا درجہ تیسرے سے ہلکا ہے' پہلا درجہ ہر حال میں مذموم ہے' کسی شخص سے نعمت کا زوال نہ چاہنا اچھا ہے' لیکن یہ بات اچھی نہیں ہے کہ جو نعمت دوسرے کے پاس ہے اسے اپنا بنانا چاہے۔ ارشاد باری ہے۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (پ ۵ ر ۲ آیت ۳۲)

اور تم ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔

منافقت اور حسد کے اسباب

منافست کا سبب تو اس چیز کی محبت ہے جس میں منافست کی جائے' اگر وہ امرِ دینی ہے تو اس کا سبب اللہ کی محبت اور اس اطاعت و رضا کے حصول کا جذبہ ہے' اور امرِ دنیوی ہے تو اس کا سبب دنیاوی مباحات کا حصول اور ان سے لذت اٹھانے کی خواہش ہے' اس وقت ہمیں حسد کے اسباب و محرکات سے غرض ہے یوں تو حسد کے بے شمار اسباب ہیں' لیکن بحیثیت مجموعی انہیں سات اسباب میں منحصر سمجھا جاسکتا ہے۔ اول عداوت دوم عزت کی خواہش' سوم کبر' چہارم تعجب' پنجم مقاصد کے فوت ہونے کا خوف' ششم ریاست و جاہ کی محبت' ہفتم خبثِ باطن اور بخلِ نفس۔ کیونکہ آدمی کسی دوسرے کے پاس نعمت اس لیے بھی نہیں دیکھنا چاہتا کہ صاحبِ نعمت اس کا دشمن ہے اور دشمن کی راحت کسی کو نہیں بھاتی یہ برابر کے لوگوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ بعض خسیس اور پس ماندہ لوگ بادشاہوں سے جلتے ہیں' اور ان کی نعمت اقتدار کا زوال چاہتے ہیں' اس لیے کہ کبھی بادشاہوں سے براہِ راست انہیں تکلیف پہنچتی ہے۔ اور کبھی ان لوگوں کو جنہیں ان سے محبت ہے کبھی صاحبِ نعمت کی خود پسندی مفاخرت اور نعمت کی بنا پر غرور دوسرے کے لیے ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے اور وہ یہ نہیں چاہتا کہ صاحبِ نعمت اس پر برتری پائے اس لیے وہ حسد

کرنے لگتا ہے تاکہ وہ نعمت اس سے چھن جائے اور دونوں برابر ہو جائیں یہی معنی ہیں تعزز کے کبھی حاسد کے دل میں محسود کے لیے غرور ہوتا ہے اور وہ محسود کی نعمت کی وجہ سے اپنے کبر کا اظہار نہیں کرپاتا' کبھی نعمت عظیم ہوتی ہے اور منصب اتنا بلند و برتر ہوتا ہے کہ محسود کے پاس اس نعمت اور منصب کا موجود ہونا حاسد کے لیے حیرت کا باعث بن جاتا ہے' یہی مراد ہے تعجب سے' کبھی یہ خوف ہوتا ہے کہ محسود اپنی نعمت کے بناء پر اس کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائے' کبھی وہ ریاست و اقتدار کی طلب میں ناکامی پر دوسروں سے جلتا ہے' بعض اوقات ان میں سے کوئی سبب بھی موجود نہیں ہوتا' بلکہ آدمی محض اپنے باطنی خبث اور نفسانی بخل کی بناء پر دوسروں سے بخل کرتا ہے' اب اس باب کی تفصیل سنیئے۔

پہلا سبب۔ بغض و عداوت : حسد کا یہ سبب دوسرے اسباب کی بہ نسبت سخت تر ہے' ہر وہ شخص جسے اذیت دی جائے یا اس کے مقاصد میں خلل ڈال دیا جائے تو اذیت دینے والے اور مقاصد کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرنے والے کا مخالف ہو جاتا ہے اور دل سے اسے برا جانتا ہے اور کینہ و غضب اسے انتقام پر اکساتا ہے' اگر خود انتقام نہیں لے پاتا تو یہ چاہتا ہے کہ زمانہ ہی اس سے انتقام لے لے۔ حد یہ ہے کہ اگر دشمن کو کوئی پریشانی لاحق ہو جائے یا اس پر کسی طرح کی کوئی مصیبت آپڑے تو وہ اسے اپنی بزرگی اور باری تعالیٰ کے یہاں اپنے درجات کی بلندی اور قربت سے تعبیر کرتا ہے' اور اگر دشمن کو اس کی خواہش کے علی الرغم کوئی نعمت مل جائے یا کوئی منصب حاصل ہو جائے تو سمجھتا ہے کہ شاید میں بارگاہ ایزدی میں مقبول نہیں ہوں تب ہی تو مجھے ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا' دشمن کو فتح ہوئی' حاصل یہ ہے کہ حسد اور دشمنی ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں' تقویٰ اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کے حسد کو دل میں جگہ نہ دے' اور اسے برا سمجھے' یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی انسان سے نفرت ہونے کے باوجود اس کی خوشی اور غم دونوں برابر ہوں' حسد ایک مہلک بیماری ہے' کفار کے سلسلے میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (پ ۴ ر ۳ آیت ۱۱۹)

اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں' مارے غیظ کے آپ کہہ دیجئے کہ تم مر رہو اپنے غصے میں بے شک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو۔

مزید فرمایا۔

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا (پ ۴ ر ۳ آیت ۱۲۰)

اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کے لیے موجب رنج ہوتی ہے' اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا۔

وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ (پ ۴ ر ۳ آیت ۱۱۸)

تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں واقعی بغض ان کے منھ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے۔

دشمنی کی وجہ سے جو حسد ہوتا ہے وہ عموماً کشت و خون اور جنگ و قتال پر منتج ہوتا ہے' تمام عمر محسود کی نعمت ضائع کرنے کی تدبیروں میں صرف ہو جاتی ہے چغلی' اہانت مسلم' اور غیبت جیسی برائیوں کا ارتکاب کرنا۔

دوسرا سبب تعزز : کبھی حسد اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اپنے برابر والے کی عزت اور برتری گوارا نہیں ہوتی' یعنی حاسد یہ نہیں

چاہتا کہ اس کی برابر حیثیت رکھنے والا کوئی شخص کسی نعمت کے حصول کے بعد اس پر اپنی بڑائی ظاہر کرے۔ مثلاً کوئی برابر والا اگر کسی منصب پر فائز ہو جاتا ہے یا مال پالیتا ہے یا علم حاصل کرلیتا ہے تو حاسد کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ محسود کہیں اپنی اس نعمت کی بنا پر فخرو تکبّر نہ کرنے لگے وہ اگرچہ خود تکبّر نہیں کرنا چاہتا' لیکن اسے یہ بھی گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا اس پر تکبّر کرے' وہ اس کی برابر اور مساوات پر تو راضی ہے' لیکن اس کی برتری پر رضامند نہیں ہے۔

تیسرا سبب۔ کبر : کبھی حسد کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حاسد دوسرے کو ذلیل و حقیر سمجھتا ہے' اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرا اس سے دَب کر رہے' اس کی خدمت کرے اور ہروقت تعمیل حکم کے لیے مستعد نظر آئے اب اگر اتفاقاً اسے کوئی نعمت مل جائے تو حاسد کو یہ خوف ستاتا ہے کہ کہیں وہ شخص نعمت پاکر بدل نہ جائے' اور اس کی خدمت کرنے یا حکم ماننے سے انکار نہ کردے یا برابری کا دعویٰ کر بیٹھے یا اپنی برتری کا اعلان کردے' اب میں اس پر متکبّر ہوں' پھر وہ مجھ پر متکبّر ہوجائے گا' یہ خوف اسے حسد پر مجبور کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفّار کے حسد کی یہی دو وجہیں تھیں' یعنی تعزز اور تکبّر۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ یتیم لڑکا ہمارا' سردار کیسے بن سکتا ہے' اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس کے آگے سر جھکادیں' قرآن کریم نے ان کے خیالات کی ان الفاظ میں تعبیر فرمائی۔ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (پ۲۵ ر۹ آیت ۳۱)

یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

یعنی اگر آپ بڑے آدمی ہوتے تو ہمیں آپ کی اتباع کرنے میں کوئی عار نہ تھا' اس طرح قریش انتہائی حقارت کے ساتھ یہ کہا کرتے تھے۔ اَهٰۤؤُلَاۤءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (پ۷ ر۱۲ آیت ۵۳)

یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے اللہ تعالیٰ نے ان پر زیادہ فضل کیا ہے' کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے۔

چوتھا سبب تعجب : کسی کو بلند مرتبے پر یا اچھی حالت میں دیکھ کر متعجب ہونا بھی حسد کا باعث بن جاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا (پ۱۸ ر۳ آیت ۴۷)

نہیں ہو تم مگر آدمی ہماری طرح چنانچہ وہ کہنے لگے کہ کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں ایمان لے آویں۔

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (پ۱۸ ر۳ آیت ۳۴)

اور اگر تم اپنے جیسے ایک آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بے شک تم گھاٹے میں ہو۔

ان تمام آیات میں بیان کیا گیا ہے کہ پچھلی امتوں نے اپنی انبیاء کی دعوت محض اس لیے ٹھکرادی کہ انہیں اپنے ہی جیسے انسانوں کے نبی بننے پر حیرت تھی اس حیرت نے انہیں انبیاء سے حسد کرنے پر مجبور کیا' اور وہ خواہش کرنے لگے ان کے پاس یہ عظیم نعمت باقی نہ رہے' وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں ان ہی جیسے افراد ان پر فائق نہ ہوجائیں انبیاء سے ان کی قوموں نے جو حسد کیا اس کا سبب یہی تعجب تھا' طلب ریاست' تعزز' تکبّر یا عداوت وغیرہ اسباب نہیں تھے چنانچہ وہ لوگ برملا کہا کرتے تھے۔

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (پ۱۵ ر۱۱ آیت ۹۴)

کیا اللہ تعالیٰ نے آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰۤئِكَةُ (پ۱۹ ر۱ آیت ۲۱)

ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے تعجب کو اس طرح ظاہر فرمایا۔

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْكُمْ (پ ۸ ر ۱۵ آیت ۳۳)
کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آگئی۔

پانچواں سبب' مقصود کا فوت ہونا : یہ سب ان دو آدمیوں کے ساتھ مخصوص ہے جو ایک ہی مقصد کے لیے کوشاں ہوں' چنانچہ ایک دوسرے سے ہر اس نعمت میں حسد کرتا ہے جو اس مقصد کی تکمیل میں معاون ثابت ہو سکتی ہو' اسی قبیل سے سوکنوں کا حسد ہے کہ وہ زوجیت کے مقاصد کی بدمی ہوتی ہیں' والدین کے دل میں جگہ بنانے کے لیے دو بھائیوں کی مزاحمت اور ایک دوسرے سے حسد بھی اسی سبب سے متعلق ہے' کیونکہ مال کا حصول اور عزت والدین کی خوشنودی میں مضمر ہوتی ہے' اور ہر ایک چاہتا ہے کہ وہ ان کی خوشنودی حاصل کرکے تنہا ان کے مال کا مالک بن جائے' یہی حال ایک استاذ کے دو شاگردوں کا ہے کہ ان میں سے ہر شاگرد کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ استاذ کی زیادہ سے زیادہ خدمت و اطاعت کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ فیض پالے بادشاہ کے مصاحبین اور حاشیہ نشینوں کی باہمی نفرت اور بغض بھی اسی لیے ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر شخص بادشاہ کی قربت کو جاہ و مال کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہتا ہے' ایک شہر کے چند واعظین بھی اسی لیے ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر واعظ اہل شہر میں تنہا مقبول ہونا چاہتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ سکے۔

چھٹا سبب۔ جاہ و اقتدار کی خواہش : کبھی جاہ و اقتدار کی خواہش کی بنا پر حسد کیا جاتا ہے مثلاً کوئی شخص کسی فن میں بے مثال ہو' اور وہ یہ چاہتا ہو کہ کوئی دوسرا یہ فن حاصل نہ کرپائے' تاکہ میں بہ طور سکۂ رائج الوقت مقبول رہوں لوگ میری تعریف کریں' میری خوشامد پر مجبور ہوں' مجھے یکتائے زمانہ اور فرید وقت جیسے خطابات سے یاد کریں' اس شخص کا تعریف اور مقبولیت کے علاوہ کوئی دوسرا مادی مقصد نہیں ہوتا' یعنی وہ یہ نہیں چاہتا کہ میں اپنے فن کے ذریعہ دولت سمیٹوں' یا کوئی دوسرا مقصد حاصل کروں' پس طبعاً وہ خوشامد پسند ہوتا ہے' اور یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس فن میں اس کے دست نگر رہیں چنانچہ اگر کوئی دوسرا اس فن میں کچھ شدبد پیدا کرتا ہے تو اسے جلن ہوتی ہے اور اس کی شہرت اور برابری سے اسے تکلیف پہنچتی ہے' اور وہ دل سے اس کی موت کا خواہاں ہوتا ہے' اور اس نعمت کے زوال کی تمنا کرتا ہے جس میں دوسرے شخص نے شرکت کرکے اس کی انفرادیت ختم کی ہے' مثلاً بہادری' علم' عبادت' ہنر' خوب صورتی' اور دولت وغیرہ چیزیں کہ اگر کسی کے پاس ہوں تو وہ ان پر فخر کرتا ہے اور تنہا ان کا مالک ہو تو فخر اور سرور کا عالم پوچھنا ہی کیا ہے' اس سبب میں نہ عداوت کارفرما ہوتی ہے' نہ تعزز' نہ محسود پر تکبر اور نہ مقاصد کے فوت ہونے کا خوف بس صرف یہ خواہش ہوتی ہے کہ انفرادیت کا جو مقام اسے ملا ہوا ہے وہ باقی رہے' یہ خواہش اس خواہش کے علاوہ ہے جو لوگوں کے دلوں میں جگہ بنانے کے لیے علماء کیا کرتے ہیں تاکہ ریاست کے علاوہ بھی ان کے مقاصد پورے ہوسکیں علماء یہود نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا اسی لیے انکار کیا تھا کہ اگر انہوں نے اتباع کی تو ان کا علم منسوخ ہو جائے گا اور معاشرے میں ان کی کوئی وقعت یا مقام باقی نہیں رہے گا۔

ساتواں سبب۔ خباثت نفس : نفس کی خباثت' اور خیر کے سلسلے میں دل کا بخیل ہونا بھی حسد کا بڑا سبب ہے' تمہیں ایسے لوگ آسانی سے مل جائیں گے جنہیں نہ ریاست کی آرزو ہوگی' نہ تکبر ہوگا' نہ مال کی طلب ہوگی' نہ کچھ مقاصد ہوں گے جن کے ضائع جانے کا خوف ہو' اس کے باوجود جب ان کے سامنے کسی شخص کا حال بیان کیا جائے گا اور ان کے علم میں یہ بات آئے گی کہ وہ فلاں نعمت خداوندی سے بہرہ ور ہے تو ان کے سینے پر سانپ لوٹیں گے اور جب انہیں بتلایا جائے گا فلاں شخص آج کل پریشانیوں سے گذر رہا ہے اسے اپنے مقاصد میں ناکامی ہوئی ہے' یا وہ اقتصادی تنگی کا شکار ہے یہ سنکر ان بدباطن لوگوں کو دلی مسرت ہوگی' ان لوگوں کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شخص کبھی فلاح نہ پائے وہ دوسروں پر باری تعالیٰ کے انعامات کی بارش دیکھ کر اس طرح مضطرب اور بے چین ہوتے ہیں گویا وہ انعامات ان کے خزانہ خاص سے چھین کر دیئے گئے ہوں کہا جاتا ہے کہ بخیل وہ شخص ہے جو اپنے مال

میں بخل کرے اور شحیح وہ ہے جو دوسروں کے مال میں بخیل ہو' یہ لوگ گویا اللہ کی نعمت میں بخل کرتے ہیں اور ان لوگوں سے جلتے ہیں جن سے نہ انہیں کوئی دشمنی ہے' اور نہ ان کے مابین کسی قسم کا کوئی ربط ہے' اس حسد کا ظاہری سبب خباثت نفس کے علاوہ دوسرا نہیں ہے' یہ اس طبعی رذالت کا ردِ عمل ہے جو جبلت بن چکی ہے اس کا علاج انتہائی دشوار ہے کیونکہ اس کے علاوہ حسد کے جتنے بھی اسباب ہیں وہ عارضی ہوتے ہیں' اور ان کا ازالہ ممکن نہیں ہے' جبکہ یہ فطری خبث ہے' کسی عارضی سبب کی راہ سے نہیں ہے' اس لیے اس کا ازالہ مشکل ہے۔

یہ چند اسباب ہیں جن سے حسد پیدا ہوتا ہے کبھی ایک ہی شخص میں یہ تمام اسباب یا ان میں سے بعض بیک وقت پائے جاتے ہیں' اس صورت میں اس کا حسد بھی بڑا ہوتا ہے' اور قوت میں اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ کوشش اور خواہش کے باوجود اسے دل میں مخفی نہیں رکھ پاتا بلکہ کھلی دشمنی پر اتر آتا ہے اکثر حاسدانہ مزاج رکھنے والوں کا یہی حال ہے کہ وہ کسی ایک سبب کی بنا پر حسد نہیں کرتے بلکہ ان میں ایک سے زیادہ سبب موجود ہوتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر وقت کشت و خون کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔

برابر کا درجہ رکھنے والوں' بھائیوں' اور عزیزوں میں

حسد کی کثرت اور غیروں میں اس کی کمی کے اسباب

جاننا چاہیئے کہ حسد ان لوگوں میں زیادہ ہوتا ہے جن میں مذکورہ اسباب زیادہ ہوتے ہیں اور ان لوگوں میں قوی ہوتا ہے' جن میں مذکورہ اسباب میں سے کئی جمع ہوجاتے ہیں' اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص اس لیے حسد کرتا ہو کہ اسے دوسرے کا متکبر ہونا پسند نہیں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خود متکبر ہو اور اس لیے حاسدانہ رویّہ رکھتا ہو' یا اس سے دشمنی ہو' اور اس کے باعث حسد کرتا ہو' یہ اسباب ان لوگوں میں زیادہ ہوتے ہیں جن کے آپس میں روابط اور تعلقات ہوں اور ان تعلقات کی بنا پر وہ مجالس اور تقریبات میں اکٹھے ہوتے ہوں' یا ایک ہی جیسے مقاصد کے لیے جدوجہد کرتے ہوں' چنانچہ اگر ایک شخص دوسرے کا اس کے کسی مقصد میں مخالف ہوجاتا ہے تو یہ مخالفت اس کے دل میں کینہ پیدا کردیتی ہے اور وہ یہ چاہنے لگتا ہے کہ میں اس شخص سے انتقام لوں' اور جس طرح اس نے میرے مقاصد کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کی ہیں اسی طرح میں بھی اس کے مقاصد پورے نہ ہونے دوں' پھر جہاں ایک سبب حسد کا پیدا ہوا دوسرے اسباب خود بخود پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں' دو مختلف شہروں میں رہنے والے دو آدمیوں میں کیوں کہ کوئی رابطہ نہیں ہوتا اس لیے وہ ایک دوسرے سے حسد بھی نہیں کرتے' بلکہ اگر دو مختلف محلوں میں رہتے ہوں تب بھی حسد کم ہی ہوتا ہے' البتہ اگر وہ مکان بازار' مدرسے اور مسجد میں ایک دوسرے سے قریب رہتے ہوں اور ایک ہی جیسے مقاصد رکھتے ہوں تو ان کے مقاصد ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے' اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں بغض اور نفرت کے شعلے بھڑکیں گے' ان سے حسد کے اسباب پیدا ہوں گے' اسی لیے تم دیکھو گے کہ عالم عالم سے حسد کرتا ہے نہ کہ عابد سے' اور عابد عابد سے جلتا ہے نہ کہ عالم سے' تاجر سے تاجر حسد کرتا ہے' بلکہ موچی موچی سے جلتا ہے' بزّاز سے نہیں جلتا۔ اگر جلتا بھی ہے تو اس کی وجہ پیشے میں اتحاد کے علاوہ کوئی دوسری ہوتی ہے' اس لیے کہ بزّاز کی غرض موچی کی غرض سے مختلف ہوتی ہے' مثلاً کپڑا بیچنے والے کا مقصد مال کی کثرت ہے' اس کے لیے اسے زیادہ سے گاہکوں کی ضرورت ہے' یہ گاہک اس کے حریف کے یہاں تو پہنچ سکتے ہیں موچی کے یہاں نہیں جاسکتے' قاعدے میں اسے اپنے مقابل بزّاز سے جلنا چاہیئے' پھر وہ بزّاز جو ایک دوسرے کے قریب ہوں زیادہ حسد کرتے ہیں ان کپڑا فروشوں کی بہ نسبت جو دور رہتے ہیں' اسی لیے بہادر بہادر سے جلتا ہے' عالم سے نہیں جلتا' کیوں کہ اس کا مقصد بہادری میں شہرت حاصل کرنا ہے نہ کہ علم میں' ظاہر ہے کہ عالم بہادری میں اس کا مزاحم نہیں ہوسکتا' اسی طرح عالم عالم سے جلتا ہے' بہادر سے نہیں جلتا' پھر واعظ اپنے مقابل واعظ سے زیادہ حسد کرتا ہے' بہ نسبت طبیب اور فقیہ کے' کیوں کہ واعظ کے مقاصد طبیب اور فقیہ سے مختلف ہوتے ہیں' ان میں اگر کوئی قدر مشترک ہے تو وہ علم کی ہے' بھائی اپنے حقیقی بھائی' یا چچازاد سے غیروں کی بہ نسبت زیادہ حسد کرتا ہے' عورت' ساس' نندوں کے مقابلے میں اپنی سوتن سے زیادہ حسد کرتی ہے' بہرحال ان تمام محاسدات کی

اصل عداوت ہے' اور عداوت کی بنیاد کسی ایک مقصد پر آپس کی مزاحمت سے پڑتی ہے' اور ایک غرض پر مزاحم وہی لوگ ہوتے ہیں جن میں باہم کوئی مناسبت ہو' ہاں اگر کوئی ایسا شخص ہو جو ہر پہلو سے اور ہر جگہ شہرت کا بھوکا ہو وہ یقیناً ہر شخص سے حسد کرے گا' کیونکہ ہر شخص اسے اپنے مقاصد کا مخالف نظر آئے گا۔

غور کیا جائے تو حسد کے یہ تمام اسباب دنیا کی محبت سے عبارت ہیں' اس لیے کہ دنیا ہی ایک ایسی چیز ہے جو اپنے شریکوں اور محبت کرنے والوں کو کافی نہیں رہتی' کتنی بھی وسیع کیوں نہ ہو جائے اہل دنیا اس کی تنگی کا شکوہ کرتے رہتے ہیں' اس کے برعکس آخرت میں کوئی تنگی نہیں ہے' اس کی چیزوں میں بڑی گنجائش اور وسعت ہے' آخرت کی مثال علم کی سی ہے' کہ اس کا دائرہ بے حد وسیع ہے اگر لاکھوں آدمی ایک بات کا علم حاصل کرلیں تب بھی وہ کم نہیں ہوتی اور ہر شخص اپنے معلوم سے پورا پورا نفع اٹھاتا ہے اور پوری پوری لذت پاتا ہے چنانچہ جو شخص اللہ کی معرفت' اس کی صفات' ملائکہ' انبیاء' آسمانوں' اور زمین کے ملکوت کی معرفت رکھتا ہے وہ اس معرفت میں کسی دوسرے سے حسد نہیں کرتا' اگر اس دوسرے کو بھی معرفت میسّر ہو جائے' اس لیے کہ معرفت میں تنگی نہیں ہوتی' خواہ عارفین کتنے ہی کیوں نہ ہو جائیں' بلکہ صحیح معرفت رکھنے والوں کا حال تو یہ ہے کہ جتنے عارفین زیادہ ہوتے ہیں اتنی ہی انہیں لذت ملتی ہے اس لیے علمائے دین کے درمیان کبھی حسد نہیں ہوتا' کیونکہ ان کا مقصد اللہ عزوجل کی معرفت ہے اور معرفت الٰہی ایک ناپید اکنار سمندر ہے اس میں تنگی نہیں ہے' ہر غوطہ خور اپنی جدوجہد کے بہ قدر اس کی تہ سے موتی نکال سکتا ہے۔ وہ اس معرفت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنا چاہتے ہیں' اور اس میں بھی کوئی تنگی نہیں ہے کہ چند لوگوں کو مل جائے تو دوسرے محروم رہ جائیں گے' اللہ کے یہاں سب سے زیادہ لذیذ نعمت اس کے دیدار کی نعمت ہے نہ اس میں کوئی رکاوٹ ہوگی' اور نہ مزاحمت' بلکہ سب لوگ یکساں طور پر اس کی دیدار کی لذت پائیں گے' بلکہ دیدار کرنے والوں کی کثرت سے دیدار کی لذت دوبالا ہی ہوگی' البتہ جب علماء کی مطمح نظر یہ ہو گا کہ وہ علم سے مال اور جاہ حاصل کریں تو ایک دوسرے سے حسد ضرور کریں گے' کیوں کہ مال اعیان اور اجسام سے تعلق رکھتا ہے جب ایک کے ہاتھ میں آئے گا دوسرے کا ہاتھ ضرور خالی ہو گا' اور جاہ کے معنیٰ ہیں قلوب کا مالک بننا جب ایک شخص کا دل کسی عالم کی تعظیم اور عقیدت سے لبریز ہو گا دوسرے عالم کی عقیدت و احترام سے منحرف ضرور ہو گا' اگر عقیدت ہوئی بھی تو زیادہ نہ ہوگی' یہ بات یقیناً حسد کا باعث ہوگی' علم اور مال میں فرق یہ ہے کہ مال جب تک ایک کے ہاتھ سے نہیں نکلتا دوسرے کے ہاتھ میں نہیں پہنچتا' جب کہ علم عالم کے دل میں راسخ رہتا ہے' اور تعلیم و تدریس سے ختم نہیں ہوتا' بلکہ ختم ہوئے بغیر شاگردوں کے دلوں میں منتقل ہو جاتا ہے پھر مال کا تعلق کیوں کہ اجسام و اعیان سے ہے جو ایک حد پر جاکر منتہی ہو جاتے ہیں' اگر انسان تمام روئے زمین کا مالک بن جائے تو کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہے گی جس کا وہ مالک ہو سکے' اس کے برخلاف علم کی کوئی حد اور انتہاء نہیں ہے اور نہ اس کا احاطہ و استیعاب ممکن ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو اللہ عزوجل کی جلالت شان' عظمت والوہیت' اور آسمان و زمین کے ملکوت میں غور و فکر کرنے کا عادی بنا لیتا ہے' اس کے نزدیک یہ فکر ہی اتنی لذت کا حامل بن جاتا ہے کہ کوئی دوسری لذت اس کا مقابلہ نہیں کرپاتی' اسی لیے اس کے دل میں کسی کے لیے حسد نہیں ہوتا' خواہ دوسرا شخص معرفت کے اس درجے پر فائز ہو جس درجے پر وہ خود ہے' لیکن خود اس کی لذت سے کیا کم ہو گا؟ کچھ بھی نہیں۔ اسے تو کچھ زیادہ ہی انسیت حاصل ہوگی' عجائبِ ملکوت میں فکر کرنے والوں کو جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ ان لوگوں کی لذت سے بڑھ کر ہوتی ہے جو ظاہر کی آنکھوں سے جنت کے باغات اور پھل پھولوں کا مشاہدہ کریں گے عارف کی جنت تو معرفت الٰہی ہے' یہ جنت کبھی فنا نہیں ہوتی' عارف ہمیشہ اس کے سبز و شاداب درختوں سے خوش ذائقہ پھل توڑتا رہتا ہے اور اپنی روح کی غذا بہم پہنچاتا رہتا ہے یہ وہ پھل ہیں جن کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا۔

لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ (پ ۲۷ ر ۱۴ آیت ۳۳) جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان کی روک ٹوک ہوگی۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ (پ ۲۹ ر ۵ آیت ۲۳) اس کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔

اگر عارف اپنی ظاہری آنکھیں بند کرلے تو وہ روح سے جنت کا مشاہدہ کرتا ہے' اور اس کے باغات کی سیر کرتا ہے' اس صورت میں اگر عارفین کی کثرت فرض کرلی جائے تو ان میں حسد پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا' ان کا حال تو اس آیت کریمہ کا آئینہ دار ہوگا۔ وَنَزَعْنَا مَافِي صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِيْنَ (پ ۱۴ ر ۴ آیت ۴۷)
اور ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ سب دور کردیں گے کہ سب بھائی بھائی کی طرح رہیں گے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے۔

یہ حالت تو دنیا کی ہے' اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب آخرت میں پردہ اٹھالیا جائے اور محبوب کے مشاہدے کی سعادت حاصل ہوگی تو کیا حال ہوگا' اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں حسد نام کی کوئی برائی نہیں ہوگی' نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا میں جو لوگ اہل جنت ہیں وہ یہاں بھی حسد نہیں کرتے' کیوں کہ جنت میں کسی طرح تنگی نہیں ہے' اور نہ کوئی رکاوٹ ہے' جنت سے اللہ کی معرفت حاصل ہوگی اور اللہ کی معرفت میں کوئی شخص دوسرے کا مزاحم نہیں بن سکتا' پھر کیا ضرورت ہے کہ اہل جنت حسد کریں' نہ انہیں دنیا میں حسد کرنے کی ضرورت ہے' اور نہ آخرت میں۔

حسد ایک ایسی مذموم صفت ہے جس کی وجہ سے آدمی اعلیٰ علیین سے اسفل السافلین میں جاگرتا ہے شیطان لعین کے واقعے پر نظر ڈالو کہ اس نے حضرت آدم کے بلند مقام سے جل کر سجدہ کرنے سے انکار کردیا تھا' اور اللہ کی نافرمانی کی تھی' اس کے نتیجے میں ابدی ذلت اور دائمی رسوائی کے علاوہ کیا ملا؟

اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حسد صرف ان اغراض میں ہوتا ہے جو محدود ہوتی ہیں' اور جو ایک کو مل جائیں تو دوسرا ان سے محروم رہتا ہے' اس لیے تم دیکھتے ہو کہ لوگ آسمان کی زینت سے لطف اندوز ہونے میں ایک دوسرے سے حسد نہیں کرتے' بلکہ باغات کی سیر میں حسد کرتے ہیں' حالاں کہ باغات اس وسیع و کشادہ زمین کا ایک معمولی حصہ ہیں' اور زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود آسمان کے مقابلے میں انتہائی معمولی اور حقیر ہے' لیکن کیوں کہ آسمان اتنا کشادہ ہے کہ ساری دنیا کے لوگ بیک وقت اسے دیکھنے لگیں تب بھی وہ سب کو کفایت کرجائے' اور ہر شخص اپنے مشاہدے کی قوت کے بقدر لطف اندوز ہو۔

اگر تم بصیرت رکھتے ہو' اپنے نفس پر مشفق و مہربان ہو تو تمہیں ایسی نعمت حاصل کرنی چاہیئے جس میں کوئی زحمت نہ ہو' اور ایسی لذت کے طالب رہو جسے فنا نہ ہو' اور ایسی لذت کی حامل نعمت اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات' اس کے افعال اور آسمان و زمین کے عجائب ملکوت کی معرفت ہی سے مل سکتی ہے' اگر تمہیں معرفتِ الٰہی کی خواہش نہیں ہے اور نہ تم اس کی لذت سے آشنا ہونا چاہتے ہو' معرفتِ الٰہی میں تمہاری رغبت ضعیف ہے تو اس سلسلے میں تم معذور ہو اس لیے کہ نامرد کو جماع کی لذت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اور ناسمجھ بچے کو ملک و اقتدار کی خواہش نہیں ہوتی' اس لیے کہ ان لذتوں کا ادراک مرد کرسکتے ہیں' بچے اور مخنث نہیں کرسکتے' اسی طرح معرفتِ الٰہی کی لذت کا ادراک بھی صرف وہ لوگ کرسکتے ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔
رِجَالٌ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (پ ۱۸ ر ۱۱ آیت ۳۷)
جن کو اللہ کی یاد سے نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔

شوق کا مرحلہ ذائقہ چکھنے کے بعد ہے' جس شخص نے ذائقہ ہی نہیں چکھا وہ معرفت کا طالب نہ ہوگا اور جو معرفت کا طالب نہ ہوگا اسے اس کی لذت کا ادراک نہ ہوگا' اور جو ادراک نہیں کرے گا وہ محرومین کے ساتھ اسفل السافلین میں جاگرے گا' ارشاد ربانی ہے۔ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (پ ۲۵ ر ۱۰ آیت ۳۶)
اور جو شخص اللہ کی نصیحت سے اندھا بن جاوے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کردیتے ہیں۔

حسد کا ازالہ کرنے والی دواء

حسد دل کی عظیم ترین بیماریوں میں سے ایک ہے' اور دلوں کے امراض کا علاج علم و عمل ہی کے ذریعہ ممکن ہے' حسد کے مرض

کے لیے علم نافع تمہارا یہ جاننا ہے کہ حسد دنیا میں بھی نقصان دہ ہے اور آخرت میں بھی مضر ہے' لیکن یہ ضرر صرف حسد کرنے والے کو ہوگا جس سے حسد کرو گے اس کا کچھ بھی نہیں بگڑے گا' نہ اس کی دنیا تباہ ہوگی اور نہ دین برباد ہوگا' بلکہ وہ تمہارے حسد سے نفع اٹھائے گا۔ اگر تم بصیرت کے ساتھ یہ بات جان لوگے اور اپنے نفس کے دشمن اور دشمن کے دوست نہیں ہوگے تو تم یقیناً حسد سے گریز کرو گے۔

حسد کا دینی ضرر : حسد کا دینی ضرر یہ ہے کہ تم اس کے ذریعہ اللہ عزوجل کی ناراضگی مول لیتے ہو' اور ان نعمتوں پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرتے ہو جو اس نے اپنے بندوں پر تقسیم کی ہیں' اور اس کے عدل و انصاف پر انگلی اٹھاتے ہو جو اس نے اپنی مملکت میں اپنی مخفی حکمتوں کے ذریعہ قائم کیا ہے' یہ ایک سنگین جرم ہے' توحید اور ایمان کی حدود میں اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا گناہ نہیں ہو سکتا' اس کے علاوہ تم نے حسد کرکے ایک مسلمان کا برا چاہا ہے جب کہ تمہیں اس کی خیر خواہی کرنی چاہیے تھی' تم نے انبیاء و اولیاء کے گروہ سے دوری اختیار کی' یہ لوگ بندگانِ خدا کے دوست اور ان کے خیر خواہ ہوتے ہیں' تم نے ابلیس اور کفار کا اشتراک قبول کیا' کیونکہ شیطان اور مشرکین اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتے کہ مسلمان مصیبتوں کے شکار ہوں' اور وہ تمام نعمتیں ضائع ہو جائیں جو انہیں حاصل ہیں' حسد قلب کا خبث ہے یہ دل کی نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھالیتی ہے اور اسے اس طرح فنا کردیتا ہے جس طرح رات دن کو نگل لیتی ہے۔

حسد کا دنیاوی نقصان : دنیا میں حسد کا نقصان یہ ہے کہ تم مسلسل تکلیف میں مبتلا رہتے ہو جب بھی تمہارے محسود پہ نعمت نازل ہوتی ہے تمہارے سینے پر سانپ لوٹتے ہیں جب بھی وہ راحت میں نظر آتا ہے تمہارا خون کھولنے لگتا ہے اور تم اس کی نعمتوں اور راحتوں کے ازالے کی تدبیریں کرنے لگتے ہو' اور جب کچھ بن نہیں پڑتا تو غم والم اور حسرت و ندامت کی تصویر بن جاتے ہو' اس طرح حسد کرکے تم اپنے لیے مصیبتیں اور پریشانیاں سمیٹنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتے' جب کہ محسود کا کچھ نہیں بگڑتا' بالفرض اگر تمہیں بعث بعدَ الموت' اور قیامت کے دن حساب و کتاب اور جزا و سزا کا یقین نہیں ہے تب بھی عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ تم حسد سے بچو کیوں کہ اس سے دل کے غم اور تکلیف کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا' اور اگر آخرت کے عذاب شدید کا یقین ہے تب تو بدرجہ اولیٰ بچنا چاہیئے صاحبِ عقل سے یہ بات کچھ عجیب سی لگتی ہے کہ وہ کسی مادی نفع کے بغیر ہی باری تعالیٰ کی ناراضگی مول لے لے' حسد سے نفع تو کیا ہو سکتا ہے' الٹا نقصان ہی اٹھانا پڑتا ہے' اور دل کے لیے مسلسل عذاب اور تکلیف سمیٹنی پڑتی ہے' دنیا اور دین دونوں تباہ ہوتے ہیں' ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا۔

پھر جس سے تم حسد کرتے ہو' اس کے حال پر نظر ڈالو کیا تمہارا حسد اسے کچھ نقصان پہنچاتا ہے؟ غور کرو گے تو اس کا جواب نفی میں ملے گا' نہ اس کی دنیا تباہ ہوگی' اور نہ دین ضائع ہوگا' اس لیے کہ جو نعمتیں اسے میسر ہیں وہ تمہارے حسد کرنے سے ضائع تو جا نہیں سکتیں بلکہ اس وقت تک باقی رہیں گی جو اللہ نے مقدر فرمادیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ (پ ۱۳ ر ۸ آیت ۸)

اور ہر چیز اللہ کے نزدیک ایک خاص انداز سے مقرر ہے۔

لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (پ ۱۳ ر ۲ آیت ۳۸) ہر زمانے کے مناسب احکام ہیں۔

کسی نبی نے بارگاہِ ایزدی میں ایک ایسی عورت کی شکایت کی جو مخلوق پر حکومت کرتی تھی اور ان پر مظالم ڈھاتی تھی' ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہم نے ازل میں مقدر کردیا ہے اس میں تغیر کا کوئی امکان نہیں ہے' جو اقبال اور نعمت اسے ملی ہے وہ مل کر رہے گی' صبر کرو تاکہ وہ مدت گذر جائے جو اس کے لیے مقدر ہے' اور اس کے راستے سے ہٹ جاؤ۔ معلوم ہوا کہ نعمت حسد سے زائل نہیں ہوتی اور جب زائل نہیں ہوتی تو محسود کو تمہارے حسد سے کچھ نقصان نہیں پہنچا' اور اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ محسود کی نعمت میرے حسد سے زائل ہو سکتی ہے تو یہ انتہائی جہالت کی بات ہے اور اپنے نفس کے ساتھ دشمنی ہے' اس طرح گویا تم اپنے نفس کے لیے حسد

کی مصیبت خرید رہے ہو' یقیناً تمہارا بھی کوئی نہ کوئی دشمن ضرور ہوگا جو تم سے حسد کرے گا' اگر حسد سے نعمت زائل ہوجایا کرے تو تمہارے پاس بھی اللہ کی نعمت نہ رہے گی' بلکہ ہر شخص محروم ہوجائے گا' حد یہ ہے کہ ایمان کی نعمت بھی سلب ہوجائے گی' کیوں کہ کفار مؤمنین کے ایمان ہی سے تو جلتے ہیں' جیساکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم (پ ار ۱۳ آیت ۱۰۹)

ان اہل کتاب میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کرڈالیں محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود ان کے دلوں میں جوش مارتا ہے۔

چنانچہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میرے حسد کی وجہ سے دوسرے کی نعمت سلب ہوجائے وہ گویا یہ چاہتا ہے کہ کفار کے حسد کی وجہ سے ایمان کی نعمت سمیت میری تمام نعمتیں چھن جائیں' اور اگر تمہاری یہ خواہش ہو کہ میرے حسد کی وجہ سے تمام مخلوق کی نعمتیں سلب ہوجائیں' اور دوسرے کے حسد کی وجہ سے میری نعمت زائل نہ ہو' یہ خواہش بھی سراسر جہالت ہے' اس لیے کہ تمام احمق' حاسدین یہی چاہیں گے کہ ان کے محسود نعمت سے محروم ہوجائیں اور خود ان کی نعمتیں باقی رہیں ظاہر ہے کہ تم میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے جس کی وجہ سے تمہیں فوقیت دی جائے اللہ کی یہ نعمت کتنی عظیم ہے کہ کسی کے حسد سے نعمت زائل نہیں ہوتی' اس پر تمہیں اللہ کا شکرادا کرنا چاہیئے' لیکن افسوس تم اپنے عمل سے اس نعمت کی ناقدری کرتے ہو۔

جہاں تک محسود کے نفع کی بات ہے وہ بالکل واضح ہے' اسے دنیا میں بھی نفع پہنچتا ہے اور آخرت میں بھی پہنچے گا۔ دین کا نفع یہ ہے کہ وہ تمہارے حسد کی وجہ سے مظلوم بن گیا ہے خاص طور پر اس وقت تمہارا حسد دل سے نکل کر زبان پر آجاتا ہے یا عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے' یعنی جب اس کی برائی کرتے ہو' اس کی آبرو پر انگلی اٹھاتے ہو' اس کی غیبت کرتے ہو' اسے گالیاں دیتے ہو' یا زدوکوب کرتے ہو۔ یہ سب وہ ہدایا تحائف ہیں جو تم محسود کی خدمت میں پیش کرتے ہو' یعنی اپنی نیکیاں اس کے سپرد کردیتے ہو' یہاں تک کہ جب تم اپنے محسود سے قیامت کے دن ملاقات کروگے تو تمہارے دامن میں حسرتوں اور محرومیوں کے سوا کچھ نہ ہوگا' یعنی وہاں بھی تم نعمتوں سے محروم رہوگے جس طرح دنیا میں رہے' تم نے اس کی نعمت کے زوال کی خواہش کی تھی' وہ اپنی جگہ باقی رہی' مزید نعمت اسے یہ ملی کہ تمہاری نیکیاں اس کے اعمال نامے کی زینت بن گئیں' اس کے حصے میں نعمتیں آئیں اور تمہارے حصے میں شقاوتیں۔

دنیا میں محسود کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے دشمن ناکام و نامراد رہتے ہیں' عموماً لوگوں کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ میرے دشمنوں کو تکلیف اور رنج پہنچے' اور ہمارے حساد خود اپنے حسد کی آگ میں جل کر خاک ہوجائیں' تمہارے حسد سے ان کی یہ خواہش پوری ہوتی ہے' وہ اپنی نعمتوں کے مزے لوٹتے ہیں اور تم حسرت و غم میں مبتلا رہتے ہو' تم خود ان کی مراد پوری کرنے کا سبب بنے ہو اس لیے تمہارا دشمن تمہاری موت کا طلب گار نہیں ہوتا' بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تم طویل عمر پاؤ اور زندگی بھر حسد کی آگ میں سلگتے رہو' تم اس پر اللہ کے انعامات و عطایا کی بارش دیکھو' اور تمہارا دل زخموں سے چور ہوجائے' اسی لیے کہا گیا ہے۔

لا مات اعداؤک بل خلدوا — حتی یروا فیک الذی یکمد
لا زلت محسودا علی نعمة — فانما الکامل من یحسد

(تیرے دشمن مریں نہیں بلکہ ہمیشہ رہیں' تاکہ وہ تجھ میں وہ بات دیکھتے رہیں جو انہیں غمگین کرتی ہے' خدا کرے تیری نعمتوں پر ہمیشہ حسد کیا جائے' مرد کامل وہی ہوتا ہے جس سے لوگ جلتے ہیں)

تمہارا دشمن تمہارے غم اور حسد سے جتنا خوش ہوتا ہے اتنا وہ اپنی نعمتوں اور راحتوں سے خوش نہیں ہوتا' اگر اسے معلوم ہوجائے کہ اب تم حسد کے عذاب اور اس کی تکلیف سے نجات پاگئے ہو تو یہ بات اس کے لیے انتہائی رنج کی موجب ہوگی' اس

سے معلوم ہوا کہ تم حسد کی جس آگ میں جلتے ہو' اور تمہارا دل جس خلش سے بے چین رہتا ہے وہ تمہارے دشمن کی عین خواہش ہے' اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حاسد اپنے نفس کا دشمن اور اپنے دشمن کا دوست ہوتا ہے' اس لیے کہ وہ ایسا کام کرتا ہے جس میں اس کی دنیا کا نقصان بھی ہے اور آخرت کا ضرر بھی۔ اور جس سے اس کا دشمن دنیا میں بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور آخرت میں بھی اٹھائے گا' حاسد کو کیا ملا؟ وہ خالق مخلوق سب کے سامنے برا ٹھہرا' وہ اپنے حال اور مال ہر اعتبار سے بدبخت ہوا' محسود کی نعمت باقی رہی' حاسد کے چاہنے نہ چاہنے سے اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

پھر تم نے اپنے دشمن کی مراد ہی پوری نہیں کی ہے' بلکہ دشمنِ انسانیت ابلیس کو بھی خوش ہونے کا موقع دیا ہے' اس لیے کہ جب وہ تمہیں علم' تقویٰ' اور جاہ و مال کی ان نعمتوں سے محروم دیکھتا ہے جن کو تمہارے دشمنوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے تو وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں تم اس سے محبت نہ کرنے لگو اور اس محبت کی وجہ سے ثواب میں شریک نہ بن جاؤ اس لیے کہ جو شخص مسلمانوں کے خیر سے محبت رکھتا ہے وہ خیر میں شریک سمجھا جاتا ہے' چنانچہ اسی لیے اہلِ دین سے محبت کرنی چاہیئے' اگرچہ اس محبت سے اکابر کے درجے تک نہیں پہنچا جاسکتا' البتہ محبت کرنے کا ثواب ضرور مل جاتا ہے' اس لیے ابلیس کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں تم اللہ کے کسی بندے پر اس کے انعامات سے محبت نہ کرنے لگو' اور محبت کا ثواب حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو جاؤ' چنانچہ وہ یہ چاہتا ہے کہ جس طرح تم خیر سے محروم ہو اسی طرح خیر کی محبت سے محروم ہو جاؤ' ایک اعرابی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! فلاں شخص نیکو کاروں کی جماعت سے محبت کرتا ہے' حالانکہ وہ ان میں سے نہیں ہے' آپ نے جواب دیا:

المرء مع من احب (بخاری و مسلم۔ ابن مسعود)

آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرے۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے' اسی دوران ایک اعرابی کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ آپ نے اس شخص سے دریافت کیا: تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا: میں نے نماز روزے تو بہت نہیں کیے البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں' آپ نے فرمایا:

انت مع من احببت

تو اس کے ساتھ ہے جس سے تو محبت کرتا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس دن مسلمان جتنے خوش ہوئے اتنے کسی دن نہیں ہوئے' کیونکہ ان کا بڑا مقصد ہی اللہ اور رسول اللہ کی محبت تھا' ہم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے بھی محبت کرتے ہیں' حالانکہ ان کے نقشِ قدم پر نہیں چلتے' امید یہی ہے کہ اس محبت کی بناء پر ہم ان کے ساتھ ہوں گے (بخاری و مسلم۔ انسؓ) حضرت ابوموسیٰ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں شخص نماز روزے تو نہیں کرتا۔ البتہ نمازیوں اور روزہ داروں سے محبت کرتا ہے' آپ نے فرمایا:

ھو مع من احب (بخاری و مسلم)

وہ اس کے ساتھ ہے جسے چاہے۔

ایک شخص نے حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ سے کہا کہ پہلے زمانے میں یہ بات مشہور تھی کہ اگر تم عالم بن سکتے ہو تو تمہیں عالم بننا چاہیئے' عالم نہیں بن سکتے تو متعلم بن کر رہو' متعلم نہیں بن سکتے تو اہل علم سے محبت کرو' ان سے محبت نہیں کرسکتے تو کم سے کم اتنا ضرور کرو کہ ان سے نفرت مت رکھو' حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے بڑی راہ نکال دی ہے۔

اب دیکھو ابلیس نے تم سے کیسے حسد کیا ہے' پہلے تو تمہیں خیر کی محبت کے ثواب سے محروم کیا' پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا' بلکہ تمہارے دل میں بھائی سے نفرت پیدا کی' اور تمہیں اس نفرت کے اظہار پر اکسایا' یہاں تک کہ تم گناہ گار ہوئے' حاسد کے گناہ میں

کیا شک ہے' ہو سکتا ہے تم کسی عالم سے حسد کرو' اور تمہاری خواہش ہو کہ وہ دین میں کوئی غلطی کر بیٹھے تاکہ اس کی عزت و مقبولیت خاک میں مل جائے یا وہ گونگا ہو جائے' تاکہ علم کی کوئی بات اس کی زبان سے نہ نکلے یا اتنا بیمار پڑے کہ پڑھانے کے قابل نہ رہے' اس سے بڑھ کر کیا گناہ ہو سکتا ہے؟ ہاں اگر کوئی شخص عالم کے درجے تک نہ پہنچنے کی وجہ سے غمگین ہو تو گناہ' اور عذاب آخرت سے محفوظ رہے گا۔ حدیث شریف میں ہے:۔

اهل الجنة ثلاثة المحسن' والمحب له' والكاف عنه (۱)

اہل جنت تین طرح کے آدمی ہیں' ایک احسان کرنے والا' دوسرا اس سے محبت کرنے والا تیسرا اس سے تکلیف وہ چیز روکنے والا۔

یعنی اس سے حسد کر کے اذیت نہ پہنچانے والا غور کرو' تمہیں ابلیس نے ان تینوں قسموں سے کس طرح دور کر دیا اب تم اہل جنت میں سے بھی نہیں رہے' تم پر ابلیس کا حسد اثر انداز ہو گیا ہے' وہ تمہارے دشمن پر تو کیا اثر انداز ہوتا تم خود اس کا نشانہ بن گئے' اے حاسد! اگر تجھ پر نیند یا بیداری کی حالت میں تیرا حال منکشف ہو تو تو دیکھے گا کہ تیرے ہاتھ میں تیر ہے' اور رخ دشمن کی طرف ہے تو نے اسے ہلاک کرنے کے ارادہ سے تیر چھوڑا لیکن وہ دشمن تک پہنچنے کے بجائے تیری طرف لوٹا اور تیری داہنی آنکھ میں پیوست ہو گیا' غضب ناک ہو کر دوبارہ تیر چلایا تو وہ بائیں آنکھ میں لگا' تیسری بار چلایا تو وہ سر میں آکر لگا' اور اسے زخمی کر گیا' جب بھی تیر چلاتا ہے خود اس کا کوئی عضو نشانہ بنتا ہے دشمن اپنی جگہ محفوظ ہے' اور اس کے انجام پر ہنستا ہے خوشی سے تالیاں پیٹتا ہے' یہ ہے محسود اور حاسد کا حال' حاسد کا حال تیر انداز سے بھی برا ہے' اس لیے کہ تیر سے صرف آنکھوں کا یا ظاہری اعضاء کا نقصان ہوتا ہے جو اگر اس وقت ضائع نہ ہوتیں تو موت سے ضائع ہوتیں حسد سے گناہوں کے تیر لگتے ہیں اور گناہ کا اثر اخروی زندگی میں بھی باقی رہتا ہے' کیا عجب ہے کہ یہ گناہ غضب الٰہی اور دوزخ میں داخلے کا موجب بن جائے' دنیا میں آنکھ ضائع ہو جائے' یہ اس سے بہتر ہے کہ آنکھ باقی رہے' اور اس کی وجہ سے دوزخ کی آگ میں جلنا پڑے اور آگ کے شعلے اس آنکھ کو جلا کر خاکستر کر دیں غور کیجئے اللہ تعالیٰ حاسد سے کس طرح انتقام لیتا ہے' اس کی خواہش تو یہ تھی کہ محسود سے نعمت زائل ہو جائے' محسود کی نعمت تو ختم نہیں ہوئی خود اس سے نعمت چھین لی گئی' گناہ سے بچنا' اور رنج و غم سے محفوظ رہنا بھی تو نعمت ہے' قرآن پاک میں ہے کہ برائی کرنے والوں کی برائی خود ان ہی پر لوٹتی ہے۔

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ (پ ۲۲ ر ۱۷ آیت ۴۳)

اور بری تدبیروں کا وبال (حقیقی) ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حاسد دشمن کے لیے جس بات کی تمنا کرتا ہے خود اسی میں مبتلا ہو جاتا ہے' ایسا بہت کم ہوتا ہی کہ جو شخص دوسرے کی برائی چاہے خود اس میں مبتلا نہ ہو' چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کے لیے جس چیز کی تمنا کی وہ مجھ پر ضرور پڑی' یہاں تک کہ اگر میں ان کے لیے قتل کی تمنا کرتی ہوں تو قتل ہو جاتی۔

یہ نفسِ حسد گناہ ہے' اس سے ان چیزوں کا خیال کرنا چاہیئے جو حسد کے باعث پیدا ہوتی ہیں جیسے اختلاف' انکار حق' دشمن سے انتقام لینے کے لیے فواحش کے سلسلے میں زبان اور ہاتھ کی آزادی' یہ وہ بیماری ہے جس میں پچھلی امتیں ہلاک ہوئی ہیں۔

حسد کے علمی علاج کی تفصیل یہ تھی' اگر انسان صاف ذہن اور حضور قلب کے ساتھ علاج کے علمی طریقوں پر غور کرے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی رہے' عقلمند کے لیے صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ حسد حاسد کے لیے مہلک' محسود کے لیے باعث مسرت رب کریم کے غضب کا سبب اور اس کی زندگی کے مزہ کو مکدر کرنے والا ہے۔

<u>حسد کا عملی علاج</u> : حسد کا عملی علاج یہ ہے کہ جو کچھ حسد چاہے اس کے خلاف کرے خواہ وہ بات قولی ہو یا فعلی چنانچہ اگر جذبہ

(۱) اس کی اصل مجھے نہیں ملی۔

حسد اس سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ محسود کی مذمت کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی زبان کو اس کی مدح و تعریف کا مکلف بنائے اگر حسد دشمن سے تکبر کرنے پر آمادہ کرے تو اپنے نفس کو اس کے سامنے متواضع رکھے اور دشمن سے معذرت کرنے کا التزام کرے' اگر عطاؤ انعام سے روکے تو اس میں زیادتی کرے' اگر اس میں تکلف سے بھی کام لیا' اور دل پر جبر کرنا پڑا تب بھی کوئی مضائقہ نہیں' محسود کو معلوم ہوگا تو وہ خوش ہوگا اور محبت کرنے لگے گا' اور جب اس کی طرف سے محبت ہوگی تو حاسد بھی محبت کرنے پر مجبور ہوگا' باہمی محبت سے موافقت پیدا ہوگی اور اتفاق ہی سے حسد کا مادہ ختم ہوتا ہے' تواضع' تعریف اور نعمت پر اظہارِ مسرّت سے منعم علیہ کا دل کھیچ آتا ہے وہ غلام بن جاتا ہے اور مہربانی سے پیش آنے لگتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح اچھا سلوک کرے جیسا اس نے کیا ہے پھر یہ احسان اوّل احسان کرنے والے کی طرف لوٹتا ہے اور اس کے دل کو خوش کرتا ہے پہلے اس نے احسان کرنے میں تکلف سے کام لیا تھا اب وہ اس کی عادت اور مزاج بن جائے گا' تمہیں شیطان کا یہ فریب اس راستے سے ہٹانے میں موثر نہ ہونا چاہیئے کہ اگر تم نے محسود کے سامنے تواضع کی' اور اس کی تعریف کی تو وہ تمہیں عاجز' ذلیل' منافق یا خوف زدہ تصور کرے گا' شیطان اسی طرح فریب دے کر انسان کو ہلاک کرتا ہے' دشمن کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا خواہ وہ طبعی طور پر ہو یا بہ تکلف عداوت کے مادّے کو ختم کردیتا ہے' اور جانبین کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ حسد کی تکلیف وعذاب سے راحت پاتے ہیں۔

یہ حسد کی دوائیں ہیں' ان کے نفع سے انکار نہیں کیا جاسکتا' البتہ دلوں کے لیے ان کا ذائقہ تلخ ہے' لیکن تلخ دوا ہی زیادہ نفع بخش اور مفید ہوتی ہے' جو شخص دوا کی تلخی پر صبر نہیں کرتا وہ شفاء کی حلاوت نہیں پاتا' اس تلخی کا برداشت کرنا اس وقت آسان معلوم ہوگا جب وہ علاج کے علمی اور عملی طریقوں پر غور کرلے گا اور یہ سمجھے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر راضی رہنا' اس کے ثواب کا طالب بننا ہی عین سعادت ہے' یہ سوچنا کہ عالم میں کوئی چیز میرے خلاف نہ ہونی چاہیئے اور یہ کہ کسی چیز کا خلاف ہونا نفس کی عزت کے منافی ہے سراسر جہالت ہے اگر یہ بات دل میں راسخ ہوگئی تو اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ اپنے دشمنوں کی موت کا خواہاں ہوگا تاکہ مخالفت کا نام بھی باقی نہ رہے' اور یہ چاہے گا کہ کوئی بھی چیز میرے منشاء و مراد کے خلاف نہ ہو' سب کام میری خواہش کے مطابق ہوں' حالانکہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے بالآخر اپنی ناکامی پر دشمنوں سے حسد کرے گا اور انجام میں رسوائی اور ذلت ہاتھ آئے گی' اس ذلت سے بچنے کے دو طریقے ہیں' ایک یہ کہ جو تم چاہو وہ ہوجائے اور دوسرا یہ کہ جو کچھ ہو وہ تمہاری خواہش بن جائے پہلا طریقہ اپنے اختیار میں نہیں ہے' اور نہ اس میں تکلف اور مجاہدے کی گنجائش ہے' البتہ دوسرے طریقے میں مجاہدے سے کام چل سکتا ہے' اور مشق و ریاضت کے ذریعہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ آدمی کا دل ارادہ و خواہش سے خالی ہوجائے اور خود کو مشیتِ ایزدی کے تابع کرے' اس طریقے کا حاصل کرنا عاقل و دانا کے لیے ضروری ہے

یہ اجمالی علاج ہے جہاں تک تفصیلی علاج کا تعلق ہے وہ انشاء اللہ آنے والے صفحات میں مذکور ہوگا حسد کے جتنے اسباب بیان کئے گئے ہیں وہ سب مستقل بیماریاں ہیں اور شریعت میں ہر سبب کا علاج موجود ہے' ہر سبب کا علاج انشاء اللہ اپنے اپنے موقع پر بیان کیا جائے گا کیونکہ حسد کا مادّہ یہی امراض ہیں' اور کوئی بھی مرض اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک اس کا مادہ باقی ہے' البتہ جو شخص علم و عملی طریقۂ علاج اپنائے گا اس سے مرض کی شدّت میں کمی ضرور آئے گی اور طبیعت میں کچھ نہ کچھ سکون ضرور پیدا ہوگا' لیکن کچھ دنوں کے بعد مادہ پھر زور پکڑے گا اور اس مرتبہ قابو پانا سخت مشقت کا باعث بن جائے گا' مثلاً اگر ایک شخص جاہ کا طالب ہے اور اس شخص سے حسد کرتا ہے جسے جاہ میسّر ہے جو لوگوں کے دلوں میں اپنا مرتبہ و مقام رکھتا ہے محسود کی جاہ و منزلت اسے بے چین کرتی رہے گی تاوقتیکہ اس سے یہ نعمت زائل نہ ہوجائے اور خود اسے حاصل نہ ہوجائے' یہ بے چینی زبان اور ہاتھ کے ذریعہ ظاہر بھی ہوگی' اگر اظہار پر قابو پا بھی لیا تو یہ ممکن نہیں کہ دل میں حسد نہ رہے' جب تک اس حسد کے سبب یعنی جاہ کا علاج نہ ہوگا دل میں محسود کے لیے غلط جذبات باقی رہیں گے۔

حسد کی وہ مقدار جس کا دل سے دور کرنا واجب ہے

ایذا دینے والے سے نفرت کرنا طبعی تقاضا ہے' اگر تمہیں کوئی ایذا پہنچائے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ تم اس پر اظہار ناراضگی نہ کرو' یا دل سے اسے برا نہ مانو' یا اس پر کوئی نعمت نازل ہو اور تم برا نہ سمجھو' تمہارے نزدیک اس کی بری حالت اور اچھی حالت دونوں یکساں نہیں ہو سکتیں بلکہ تم اپنے دل میں ان دونوں حالتوں کے درمیان فرق محسوس کرنے پر مجبور ہو' شیطان اسی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر تمہیں حسد کی طرف کھینچتا ہے' اب اگر شیطان مؤثر ثابت ہو گیا اور تم اپنے قول یا فعل سے حسد کرنے لگے تو گنہ گار ٹھہرو گے' اور اگر اپنے ظاہر کو حسد سے بالکلیہ دور رکھا لیکن دل سے یہ چاہتا رہے کہ کسی طرح اس کی نعمت زائل ہو جائے' اور تم نے اپنی اس خواہش کو برا بھی نہیں جانا تب بھی گنہگار ہو گئے اس لیے کہ حسد قلب کی صفت ہے' صفت فعل نہیں ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

لَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا (پ ۲۸ ر ۴ آیت ۹)

اور نہیں پاتے اپنے دلوں میں تنگی اس چیز سے جو انہیں ملی۔

ایک جگہ فرمایا۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً (پ ۵ ر ۹ آیت ۸۹)

چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ ہوئے پھر سب برابر ہو جاؤ۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ (پ ۴ ر ۳ آیت ۴۰)

اگر تمہیں کچھ بھلائی ملے تو ان کو بری لگے۔

غیبت اور جھوٹ کی طرح حسد کی بنا پر جو اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ عین حسد نہیں ہوتے بلکہ حسد کا محل قلب ہی ہوتا ہے نہ کہ اعضاء و جوارح' البتہ دل کا حسد ان امور میں سے نہیں ہے جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو اور جن کا معاف کرانا ضروری ہو' بلکہ یہ تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معصیت ہے۔ معاف کرانا ان مواقع پر واجب ہے جہاں اسباب کا ظہور اعضاءِ ظاہری پر ہو' اب اگر تم ظاہری اعضاء پر حسد کو ظاہر نہ ہونے دو اور نفس کو بھی اس کی حالت کی بنا پر برا سمجھو کہ وہ خواہ مخواہ دوسرے کی نعمت کا زوال چاہتا ہے گویا تم اپنی طبیعت کے اس رجحان کو برا سمجھتے ہو' اور دوسرے کی نعمت کا زوال چاہنے کی بنا پر نفس کی مذمت کرتے ہو یہ مذمت عقل کی جہت سے ہے' اس صورت میں تم اپنا فرض پورا کر چکے ہو' باقی جو کچھ ہے وہ تمہارے اختیار میں نہیں ہے' طبیعت کا اس طرح بدل دینا کہ اس کے نزدیک اچھا کرنے اور برا کرنے والے دونوں ایک ہو جائیں اور دشمنوں کی خوشی اور غم یکساں معلوم ہو انسانی طاقت سے باہر ہے بشرطیکہ آدمی دنیاوی لذات میں غرق رہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس طرح ڈوبا رہے کا جس طرح شراب پینے والا اپنی شرب میں غرق رہتا ہے اور اسے ماسوا کا ہوش باقی نہیں رہتا تو اس کے قلب کی حالت بلاشبہ ایسی ہو جائے گی کہ وہ بندوں کے احوال کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو گا بلکہ سب کی طرف ایک ہی آنکھ سے دیکھے گا اور وہ آنکھ ہو گی رحمت کی آنکھ سب کو اللہ کو بندہ سمجھے گا' ان کے تمام اعمال و افعال کا منبع باری تعالیٰ کو قرار دے گا' اور اس حقیقت کا یقین رکھے گا کہ کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں مسخر ہے اس کی مرضی و منشاء کے بغیر ایک مکھی بھی پر نہیں ہلا سکتی' یہ حالت اگر کسی کو میسر بھی ہوتی ہے تو دائمی نہیں ہوتی بجلی کی طرح چمکتی ہے' قلب پھر اپنی اپنی اصلی حالت میں واپس آجاتا ہے' دشمن (شیطان اسے ورغلانے لگتا ہے' اس کے دل میں وسوسے ڈالنے لگتا ہے' چنانچہ اگر کسی نے شیطان کی ان حرکتوں کو برا سمجھا اور عقل کے تقاضے سے قلب کے اس میلان پر کراہت ظاہر کی تو گویا اس نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب تک حسد اعضاء پر ظاہر نہیں ہوتا تب تک کوئی گناہ نہیں ہوتا حضرت حسن سے کسی نے حسد کے

بارے میں سوال کیا' تو آپ نے فرمایا اسے دل میں پوشیدہ رکھنا چاہیے اگر پوشیدہ رہے گا تو کوئی ضرر نہیں ہوگا' بعض لوگوں نے اس روایت کو ان سے موقوفاً اور بعض نے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلاثة لا یخلو منهن مؤمن وله منهن مخرج فمخرجه من الحسد ان لا یبغی (۱)

تین باتیں ایسی ہیں جن سے کوئی مؤمن خالی نہیں ہوتا اور اس کے لیے ان باتوں سے نکلنے کا راستہ بھی ہے حسد سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ خواہش نہ کرے۔

بہتر یہی ہے کہ اس سے مراد وہی لیا جائے جو اوپر مذکور ہوا یعنی وہ حسد جسے آدمی دین اور عقل کے تقاضے سے برا سمجھتا ہو اور طبیعت کی خواہش کو ناپسند کرتا ہو۔ یہ کراہت اسے خواہش اور ایذائے سے روکتی ہے ورنہ روایت میں جو تفصیلات مذکور ہیں ان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر حسد کرنے والا گنہگار ہے پھر حسد قلب کے وصف کا نام ہے' فعل کا نام نہیں ہے' چنانچہ جو شخص مسلمان کی برائی چاہے گا وہ حاسد ٹھہرے گا' اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ اس حسد کے بارے میں اختلاف ہے جو دل میں ہو اور اعضاء پر اس کا ظہور نہ ہوا ہو آیا وہ گناہ کا سبب بنے گا یا نہیں؟ بظاہر آیات اور احادیث سے یہی پتا چلتا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کا دل سے برا چاہتا ہے اور اپنے اس عمل کو بھی برا نہیں سمجھتا وہ اس قابل نہیں ہے کہ اسے معاف کردیا جائے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دشمنوں کے ساتھ آدمی کی تین حالتیں ہوتی ہیں' ایک یہ کہ اپنی طبیعت سے مجبور ہو کر ان کا برا چاہے لیکن عقل یہ کہتی ہے کہ کسی مسلمان کا برا چاہنا اچھا نہیں ہے' دل قابل مذمت ہے کہ وہ اس طرح کے رسوا کن خیالات کا مرجع بنا ہوا ہے' اور وہ یہ بھی چاہتا ہو کہ کسی طرح دل کی یہ حالت باقی نہ رہے' وہ کسی سے حسد نہ کرے' اور کسی کا برا نہ چاہے' حسد کی یہ قسم معاف ہے' اس لیے کہ آدمی کے اختیار میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے' دوسری حالت یہ ہے کہ دل میں یہ خواہش ہو کہ دشمن کی نعمت زائل ہو جائے' اسے تکلیف پہنچے تو خوش ہو' اور اعضاء کے ذریعہ یا زبان کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی کرے تو یہ حسد قطعاً ممنوع ہے' تیسری حالت ان دونوں حالتوں کے بین بین ہے' یعنی دل میں حسد ہو' اور عقل اسے مکروہ بھی نہ سمجھتی ہو' اور نہ دین کے زور سے اس پر نکیر ہو' البتہ اعضاء حسد کی اطاعت سے محروم ہوں' یہ تیسری حالت مختلف فیہ ہے' ظاہر بات یہی ہے کہ اس حسد سے بھی آدمی گنہگار ہوتا ہے۔

کتاب ذم الدنیا

دنیا کی مذمت کا بیان

دنیا اللہ کی دشمن ہے' اللہ کے دوستوں اور دشمنوں کی بھی دشمن ہے' اللہ کی دشمن اس لیے ہے کہ اس کے بندوں کو راہ راست پر چلنے نہیں دیتی' یہی وجہ ہے کہ جب سے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے اس کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ اللہ کے دوستوں کی اس لیے دشمن ہے کہ ان کے سامنے آرائش اور زیبائش کر کے نکلتی ہے' انہیں اپنی رونق اور شادابی سے لبھاتی ہے تاکہ کسی طرح وہ اس کے دام فریب میں آجائیں دنیا کے پھیلائے ہوئے جال سے نکلنے کے لیے انہیں صبر کے کڑوے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ دشمنانِ خدا سے اس کی دشمنی یہ ہے کہ اس نے انہیں اپنے فریب کے جال میں پھنسالیا اور انہیں سبز باغ دکھا کر اپنے قریب کرلیا یہاں تک کہ وہ اس کی گرفت میں آگئے اور اس پر اعتماد کر بیٹھے' تو انہیں ذلت میں مبتلا کردیا' دنیا میں ذلت سے بچ گئے تو آخرت کی رسوائی اور ندامت سے چھٹکارہ نہ پاسکیں گے' اور ابدالآباد کی سعادت سے محروم ہوں گے دنیا سے رخصت ہوں گے تو اس کی جدائی کا داغ ان کے سینوں پر ہوگا اور جب آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے تو با حسرت و غم مدد مدد چلائیں گے لیکن دنیا مدد کے لیے نہیں آئے گی بلکہ ان سے کہا جائے گا:

اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (پ ۱۷ر ۶ آیت ۱۰۸)

---

(۱) یہ روایت ابھی گزری ہے۔

اسی میں راندے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

وہ لوگ اس آیت کریمہ کی مصداق ہوں گے۔

أُولٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ (پ ارہ ۱ آیت ۸۶)

یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی کے عوض میں خرید لیا ہے' سو تو نہ ان کی سزا میں تخفیف کی جائے گی اور نہ کوئی ان کی طرف داری کرپائے گا۔

جب دنیا کے شروفتن کا عالم یہ ہے کہ نہ یہ خدا کی دوست ہے' اور نہ اس کے دوستوں کی' حد یہ کہ اس کے دشمنوں کی بھی دوست نہیں' تو ضروری ہوا کہ ہم اس کی حقیقت سے واقف ہوں اور یہ جانیں کہ اس کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے جب کہ یہ خالق کی بھی دشمن ہے اور مخلوق کی بھی' پھر یہ بھی دیکھیں کہ دنیا کس طرح دھوکا دیتی ہے' اور شر پھیلانے کے کیا طریقے اختیار کرتی ہے' اس لیے کہ جب تک ہمیں شر کے مداخل کا علم نہ ہوگا ہم اس سے بچ نہ سکیں گے بلکہ کیا عجب ہے کہ اس میں مبتلا ہو جائیں۔ پیش نظر ابواب میں اولاً دنیا کی مذمت پر مشتمل آیات' احادیث اور آثار نقل کئے جائیں گے پھر اس کی حقیقت بیان کی جائے گی اور اسے مثالوں سے واضح کیا جائے گا پھر ان دنیاوی اعمال کی تفصیل کی جائے گی جن میں مشغول ہو کر لوگ یادِ خدا سے غافل ہو جاتے ہیں پھر دنیا کی رغبت کا علاج بتایا جائے گا' انشاء اللہ۔

دنیا کی مذمت : قرآن کریم میں بے شمار مواقع پر دنیا کی مذمت کی گئی ہے' اور مخاطبین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ دنیا سے اعراض کریں اور ربّ کریم کی طرف رجوع ہو جائیں' انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو دنیا سے منحرف کرکے آخرت کے راستے پر چلائیں' اس لیے دنیا کی مذمت پر قرآن کریم کی آیات سے استشہاد کرنے کی بہ ظاہر کوئی ضرورت نہیں ہے' اس سلسلے میں چند روایات لکھی جاتی ہیں۔ روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردہ بکری کے پاس سے گذرے' اور فرمایا:

اترون هذه الشاة هينة على اهلها قالوا من هوانها القوها قال والذى نفسى بيده للدنيا اهون على الله من هذه الشاة على اهلها ولو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوض ماسقى كافرا منها شرب ماء (ابن ماجه۔ حاکم۔ سهل ابن سعد)

تمہارا خیال میں یہ بکری اپنے مالک کے نزدیک ذلیل ہے یا نہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: ذلیل ہے' اس کی ذلت ہی کی وجہ سے انہوں نے اسے یہاں پھینک دیا ہے' انہوں نے کہا! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے دنیا اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل ہے جتنی یہ بکری اپنے مالک کے نزدیک حقیر ہے' اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس میں سے کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

ایک حدیث میں ہے۔

الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر (بخاری و مسلم۔ ابو هريرة)

دنیا مؤمن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔

ایک روایت میں ارشاد فرمایا۔

الدنيا ملعونة' ملعون مافيها الا ما كان الله منها (ترمذی' ابن ماجه۔ ابو هريرة)

دنیا معلون ہے' اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے' بجز اس کے جو اللہ کے لیے ہو'

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من احب دنیاہ اضر بآخرتہ ومن احب آخرتہ اضر بدنیاہ (احمد، بزار، طبرانی۔ حاکم)

جو اپنی دنیا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچاتا ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

حب الدنیا راس کل خطیئۃ (ابن ابی الدنیا، بیہقی مرسلاً)

دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔

زید ابن ارقمؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ تھے آپ نے پانی منگوایا، لوگوں نے شہد کا شربت پیش کردیا، جب وہ شربت کا پیالہ منہ کے قریب لے گئے تو بے اختیار رونے لگے، انہیں روتا ہوا دیکھ کر رفقاء بھی رونے لگے رفقاء تو کچھ دیر رو کر چپ ہو گئے لیکن آپ روتے ہی رہے رفقاء کو خیال ہوا کہ شاید ہم نے رونے کا سبب دریافت نہ کرسکیں گے، راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ نے اپنی آنکھیں پونچھیں، ہم نے دریافت کیا: اے خلیفۂ رسولؐ! آپ کو کس چیز نے اتنا رونے پر مجبور کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، میں نے دیکھا کہ آپ اپنے جسم مبارک سے کسی چیز کو ہٹا رہے ہیں لیکن وہ چیز نظر نہیں آرہی تھی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ اپنے جسم مبارک سے کیا چیز ہٹا رہے ہیں، آپ نے فرمایا:

ھذہ الدنیا مثلت لی فقلت لھا الیک عنی ثم رجعت فقالت انک ان افلت منی لم یفلت منی من بعدک (بزار، حاکم، بیہقی۔ ابن ابی الدنیا)

یہ دنیا مجسّم ہو کر میرے سامنے آئی، میں نے اس سے کہا مجھ سے دور رہ، وہ پھر آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ اگر آپ مجھ سے بچے رہیں گے تو آپ کے بعد والے لوگ تو نہیں بچیں گے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

یا عجبا کل العجب للمصدق بدار الخلود وھو یسعی لدار الغرور (ابن ابی الدنیا، ابو جریر مرسلاً)

بڑا تعجب اس شخص پر ہوتا ہے جو دائمی گھر (آخرت) کی تصدیق کرنے کے باوجود دنیا کے لیے کوشاں ہو۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کوڑی پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے ارشاد فرمایا "ھلموا الی الدنیا" آؤ دیکھو دنیا کیسی ہوتی ہے آپ نے اس کوڑی سے ایک سڑا ہوا کپڑا اور گلی سڑی ہڈیاں لیں، اور فرمایا: "ھذہ الدنیا" یہ ہے دنیا (ابن ابی الدنیا، بیہقی، ابن میمون اللخمی مرسلاً) اس حدیث میں اس حقیقت پر تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ دنیا کی زینت بھی ان کپڑوں کی طرح جلد بوسیدہ ہوجائے گی اور جو جسم دنیا میں پرورش پاتے ہیں وہ بھی ان ہڈیوں کی طرح گل سڑ جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ مستخلفکم فیھا فناظر کیف تعملون ان بنی اسرائیل لما بسطت لھم الدنیا ومھدت تاھوا فی الحلیۃ والنساء والطیب والثیاب (۱)

دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بنا تا ہے تاکہ دیکھے کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو،

---

(۱) یہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید الخدری سے منقول ہے البتہ اس میں یہ قول نہیں ہے "ان بنی اسرائیل" اس روایت کا پہلا جز متفق علیہ ہے ابن ابی الدنیا نے حسن سے مرسلاً آخری جز بھی نقل کیا ہے۔

بنی اسرائیل کے لیے جب دنیا وسیع ہوئی تو وہ زیور' عورتوں' خوشبو اور کپڑوں کے سلسلے میں حیران رہ گئے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دنیا کو اپنا مالک مت بناؤ وہ تمہیں اپنا غلام بنالے گی' اپنا خزانہ اس کے پاس امانت رکھو جو ضائع نہ کرے اور تمہارے مال کی حفاظت کرے' دنیا کا خزانہ رکھنے والوں کو ہروقت چوری کا خوف رہتا ہے جس کا خزانہ خدا کے پاس ہے اسے کسی طرح کا خوف نہیں ہے' ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: اے حواریو! میں نے تمہارے لیے دنیا کو اوندھے منھ کردیا ہے تم میرے بعد اسے اٹھانہ دینا' دنیا کی خباثت میں سے یہ بات ہے کہ آدمی دنیا کی خاطر خدا کی نافرمانی کرتا ہے حالانکہ جب تک دنیا نہیں چھٹتی آخرت نہیں ملتی' اگر تم آخرت چاہتے ہو تو دنیا کو گذرگاہ سمجھ کر رہو اسے آباد مت کرو' اور یہ بات جان رکھو کہ ہر گناہ کی جڑ دنیا کی محبت ہے' بعض اوقات ایک ساعت کی شہوت طویل مدت کے لیے غم کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ بھی آپ ہی کا ارشاد ہے کہ تمہارے لیے دنیا اوندھے منھ پڑی ہے اور تم اس کی پشت پر بیٹھے ہوئے ہو۔ دنیا کے سلسلے میں تم سے بادشاہ اور عورتیں مقابلہ نہ کریں' تم بادشاہوں سے ان کی دنیا کے لیے جھگڑا مت کرو' جب تم ان کی دنیا سے غرض نہ رکھو گے وہ تمہارے درپے نہ ہوں گے' اور عورتوں سے نماز روزے کے ذریعہ بچو' یہ بھی فرمایا: دنیا طالب بھی ہے اور مطلوب بھی' آخرت کے طالب کو دنیا تلاش کرتی ہے تاکہ وہ اس میں اپنا رزق مکمل کرلیں اور دنیا کے طالب کو آخرت بلاتی ہے حتیٰ کہ موت آجائے' اور اس کی گردن پر سوار ہوجائے۔ موسیٰ بن یسار کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ عزوجل لم یخلق خلقا ابغض الیہ من الدنیا وانہ خلقھا لم ینظر الیھا
(ابن ابی الدنیا' بیہقی۔ مرسلاً)

اللہ تعالیٰ نے دنیا سے زیادہ مبغوض کوئی دوسری مخلوق پیدا نہیں فرمائی اور جب سے اسے پیدا کیا ہے اس کی طرف نظر نہیں فرمائی۔

روایت ہے کہ سلیمان ابن داؤد علیہما السلام اپنے لشکر کے ہمراہ کسی عابد کے پاس تشریف لے گئے' آپ کے دائیں اور بائیں جن و انس صفیں بنائے ہوئے تھے' اور پرندے اوپر سے سایہ کررہے تھے' عابد نے عرض کیا: اے ابن داؤد! اللہ نے آپ کو بڑی سلطنت عطا فرمائی ہے' حضرت سلیمان نے فرمایا: مومن کے اعمال میں ایک تسبیح اس تمام دنیا سے بہتر ہے جو ابن داؤد کو عطا کی گئی ہے اس لیے کہ جو کچھ ابن داؤد کے پاس ہے وہ ضائع ہونے والا ہے اور تسبیح باقی رہنے والی ہے ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الھاکم التکاثر یقول ابن آدم مالی مالی وھل لک من مالک الاما اکلت فافنیت اولبست فابلیت او تصدقت فابقیت (مسلم۔ عبداللہ ابن الشخیر)

غفلت میں رکھا تم کو زیادتی کی حرص نے' ابن آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال ہے حالانکہ تیرا اسی قدر ہے جتنا تو نے کھاکر ضائع کردیا' یا پہن کر پرانا کردیا صدقہ کرکے باقی رکھ چھوڑا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

الدنیا دار من لا دار لہ' ومال من لا مال لہ ولھا یجمع من لا عقل لہ' وعلیھا یعادی من لا علم لہ' وعلیھا یحسد من لا فقہ لہ ولھا یسعی من لا یقین لہ (احمد۔ عائشۃ مختصراً)

دنیا اس کا گھر ہے جس کے پاس گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کے پاس مال نہ ہو' دنیا کے لیے وہ جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو اور اس پر وہ جھگڑتا ہے جس کو علم نہ ہو اور وہ اس پر حسد کرتا ہے جس کو سمجھ نہ ہو اور

اس کے لیے وہ کوشاں رہتا ہے جسے یقین نہ ہو۔

ایک حدیث میں ہے۔

من اصبح والدنیا اکبر همه فلیس من الله فی شئ والزم الله قلبه اربع خصال هما لا ینقطع عنه ابدا وشغلا لا یتفرغ منه ابدا وفقرا لا یبلغ غناه ابدا۔ واملا لا یبلغ منتهاه ابدا (طبرانی اوسط۔ ابوذرؓ ابن ابی الدنیا۔ انسؓ)

جس شخص کا حال یہ ہو کہ دنیا ہی اس کا بڑا مقصد بن جائے وہ شخص اللہ تعالیٰ سے کسی چیز میں نہیں ہے اور اللہ اس کے دل کو چار عادتیں لازم کردیتا ہے رنج کہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا، شغل کہ اس سے کبھی فراغت نہیں ہوتی، فقر کہ کبھی مالداری کو نہیں پہنچتا یعنی دنیا دار کی حاجتیں کبھی ختم نہیں ہوتیں، اور امل کہ کبھی اس کی انتہاء کو نہیں پہنچتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا اے ابو ہریرہؓ کیا میں تجھے دنیا اور اس کی تمام چیزیں دکھاؤں؟ میں نے عرض کیا: ضرور دکھلائیں یا رسول اللہ! آپ نے میرا ہاتھ پکڑا، اور مجھے مدینے کی ایک وادی میں لے گئے وہاں ایک کوڑی تھی جس میں کھوپڑیاں، نجاستیں، ہڈیاں اور گندے چیتھڑے پڑے ہوئے تھے، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:۔ هذه الالرؤس كانت تحرص وتامل كاملكم ثم هي اليوم عظام بلا جلد ثم هي صائرة رمادا وهذه العذرات هي الوان اطعمهم من حيث اكتسبوها ثم قذفوها في بطونهم فاصبحت والناس يتحامونها وهذه الخرق البالي كانت رياشهم ولباسهم فاصبحت والرياح تصفقها وهذه العظام عظام دوابهم التي كانوا ينتجعون عليها اطراف البلاد فمن كان باكيا على الدنيا فليبك قال فما برحنا حتى اشتد بكاءنا (۱)

یہ سر ایسے ہی حرص کرتے تھے جیسے تم کرتے ہو، اور ایسے ہی امیدیں کرتے تھے جیسے تم کرتے ہو پھر وہ آج بغیر کھال کی ہڈیاں بن گئے ہیں پھر راکھ ہو جائیں گے، اور یہ وہ نجاستیں ہیں جو ان کے انواع واقسام کے کھانے تھے نہ جانے کہاں کہاں سے کمائے تھے پھر ان کھانوں کو انہوں نے اپنے پیٹوں میں انڈیلا اور آج ان کی یہ حالت ہوگئی کہ لوگ ان سے بچتے ہیں، اور یہ بوسیدہ چیتھڑے ان کا لباس تھے آج یہ ہوا سے مارے مارے پھرتے ہیں، اور یہ ہڈیاں ان کے جانوروں کی ہڈیاں ہیں جن پر سوار ہو کر وہ شہر شہر گھوما کرتے تھے جو شخص دنیا پر رو سکے روئے، ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب تک ہم خوب نہ رولئے وہاں سے نہ ہٹے،

روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اتارا تو ان سے فرمایا ابن للخراب ولد للفنا! (ویران ہونے کے لیے تعمیر کر اور فنا ہونے کے لیے بچے پیدا کر) داؤد ابن ہلال کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے "اے دنیا! تو نیک لوگوں کی نظر میں بڑی ذلیل ہے جن کے لیے تو بن سنور کر نکلتی ہے میں نے ان کے دلوں میں تیری طرف سے نفرت پیدا کردی ہے اور وہ تجھ سے اعراض کرتے ہیں کوئی مخلوق میں نے تجھ سے زیادہ ذلیل پیدا نہیں کی تیری ہر حالت ذلیل ہے تو فنا ہونے والی ہے جس روز میں نے تجھے پیدا کیا تھا اسی روز یہ فیصلہ کردیا تھا کہ تو کبھی کسی کے پاس نہ رہے گی نہ کوئی تیرے پاس رہے گا، اگرچہ کوئی دنیا دار کتنا ہی بخیل کیوں نہ ہو، خوش خبری ان نیکوکاروں کے لیے ہے جن کے دل میری رضا اور جن کے ضمیر صدق واستقامت سے پُر ہیں خوش خبری ہو ایسے لوگوں کے لیے ان کی جزاء میرے پاس یہ ہوگی کہ جب وہ اپنی قبروں سے

(۱) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

نکل کر میری طرف چلیں گے تو ایک نور ان کے آگے آگے ہوگا' اور ملائکہ انہیں اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہوں گے یہاں تک کہ جس قدر وہ مجھ سے رحمت کی امید رکھتے تھے میں انہیں عطا کروں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

الدنیا موقوف بین السماء والارض منذ خلقها اللہ تعالی لم ینظر الیہا وتقول یوم القیمۃ یارب اجعلنی لادنی اولیاءک الیوم نصیبا فیقول اسکتی یالا شئ انی لم ارضک لہم فی الدنیا ارضاک لہم الیوم (۱)

دنیا زمین و آسمان کی درمیان موقوف ہے اور جب سے اللہ نے اسے پیدا فرمایا اس کی طرف نظر نہیں فرمائی قیامت کے روز دنیا عرض کرے گی اے اللہ! اپنے کسی مقرب ولی کو مجھ میں سے کوئی حصہ عطا فرما' اللہ تعالی فرمائیں گے چپ رہ رذیل' جب میں نے تجھے دنیا میں ان کے لیے پسند نہیں کیا تو کیا آج پسند کرلوں گا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق روایات میں مذکور ہے کہ جب انہوں نے ممنوعہ پھل کھالیا تو ان کے معدے میں کچھ گڑ بڑ ہوئی جنت کی دوسری غذاؤں میں یہ بات نہ تھی اس لیے اس درخت کے کھانے سے منع کردیا گیا تھا غرض یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام قضاء حاجت کے لیے جنت میں گھومنے لگے' ایک فرشتہ کو اللہ نے حکم دیا کہ ان سے پوچھو وہ کیا چاہتے ہیں' حضرت آدم نے جواب دیا میں اپنے پیٹ سے یہ چیز نکالنا چاہتا ہوں' فرشتے سے کہا گیا کہ ان سے کہو وہ اپنی ضرورت کہاں پوری کرنا چاہتے ہیں' کیا فرش' تخت' نہروں اور درختوں کے سائے میں؟ یہاں کون سی جگہ ایسی ہے جو اس ضرورت کے لیے مناسب ہو' اس لیے دنیا میں جاؤ' ایک حدیث میں ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لیجیئن اقوام یوم القیامۃ واعمالہم کجبال تہامۃ فیؤمر بہم الی النار' قالوا! یا رسول اللہ! مصلین' قال: نعم! کانوا یصلون ویصومون ویأخذون ہنۃ من اللیل فاذا عرض لہم شئ من الدنیا وثبوا علیہ (ابو نعیم فی الحلی۔ سالم مولی ابی حذیفۃ)

قیامت کے دن کچھ لوگ ایسے آئیں گے کہ ان کے اعمال وادئ تہامہ کے پہاڑوں جیسے ہوں گے' انہیں دوزخ میں لے جانے کا حکم ہوگا' صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وہ نماز پڑھنے والے ہوں گے' آپ نے فرمایا: ہاں وہ نماز پڑھتے تھے اور روزہ رکھتے تھے اور رات کا کچھ حصہ بھی جاگ کر گزارتے تھے لیکن ان میں یہ بات تھی کہ جب ان کے سامنے دنیا کی کوئی چیز پیش کی جاتی تھی تو وہ اس پر کود پڑتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض خطبوں میں ارشاد فرمایا:

المؤمن بین مخافتین' بین اجل قد مضی لا یدری ما اللہ صانع فیہ وبین اجل قد بقی لا یدری ما اللہ قاض فیہ' فلیتزود العبد من نفسہ لنفسہ ومن دنیاہ لآخرتہ ومن حیاتہ لموتہ ومن شبابہ لہرمہ فان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ والذی نفسی بیدہ ما بعد الموت من مستعتب ولا بعد الدنیا من دار الا الجنۃ او النار (بیہقی فی الشعب عن الحسن مرسلاً)

مؤمن دو خوف کے درمیان ہے' وہ نہیں جانتا کہ اس مدت کے درمیان جو گزر چکی ہے اللہ اس کے ساتھ کیا کرے گا اور اس مدت کے درمیان جو باقی ہے وہ نہیں جانتا اللہ اس کے بارے میں کیا حکم جاری کرے گا' بندے کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کے لیے اپنے نفس سے اپنی آخرت کے لیے اپنی دنیا سے اپنی موت کے لیے

(۱) اس روایت کا کچھ حصہ بعض احادیث میں گزر چکا ہے باقی روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

اپنی زندگی سے اور اپنے بڑھاپے کے لیے اپنی جوانی سے توشہ لے لے کیوں کہ دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے' اور تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو' اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے موت کے بعد معافی چاہنے کی کوئی جگہ نہیں ہے اور نہ دنیا کے بعد جنت اور دوزخ کے علاوہ کوئی گھر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مؤمن کے دل میں دنیا و آخرت کی محبت جمع نہیں ہو سکتی' جس طرح کسی ایک برتن میں آگ اور پانی کا اجتماع نہیں ہو سکتا روایت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے طویلُ العُمر پیغمبر! آپ نے دنیا کو کیسی پایا؟ انہوں نے جواب دیا: ایک ایسے گھر کی مانند جس کی دو دروازے ہوں' ایک سے اندر داخل ہوا اور دوسرے سے باہر نکل گیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے درخواست کی کہ آپ اپنے لیے مکان بنوا لیجئے' فرمایا: ہمیں پچھلے لوگوں کے کھنڈر کافی ہیں' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

احذروا الدنیا فانها اسحر من هاروت و ماروت (ابن ابی الدنیا' بیهقی۔ ابو درداء الرهاوی مرسلاً)

دنیا سے بچو کہ وہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادوگر ہے۔

حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ ایک روز سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

هل منکم من یرید ان یذهب الله عنکم العمی و یجعله بصیرا الا انه من رغب فی الدنیا وطال امله یها اعمی الله قلبه علی قدر ذلک ومن زهد فی الدنیا وقصر فیها امله اعطاه الله علما بغیر تعلم وهدی بغیر هدایۃ الا انه سیکون بعدکم قوم لا یستقیم لهم الملک الا بالقتل والتجبر' ولا الغنی الا بالفخر والبخل' ولا المحب الا باتباع الهوی' الا فمن ادرک ذلک الزمان منکم فصبر علی الفقر و هو یقدر علی الغنی' وصبر علی البغضاء وهو یقدر علی المحب' وصبر علی الذل وهو یقدر علی العز لا یرید بذلک الا وجه الله تعالی اعطاه الله ثواب خمسین صدیقا (ابن ابی الدنیا۔ بیهقی مرسلاً)

کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کا اندھا پن دور کردے اور اسے بینا بنادے' یاد رکھو' جو شخص دنیا میں رغبت رکھتا ہے اور اس کی امیدیں طولانی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اسی امید و رغبت کے بقدر اسے اندھا کرے گا' اور جو شخص دنیا سے اعراض کرتا ہے اور اس کی امیدیں مختصر ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اسے کسی کے سکھلائے بغیر علم' اور کسی کے بتلائے بغیر ہدایت عطا کرے گا' یاد رکھو تمہارے بعد کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ جن کی سلطنت بغیر قتل اور تشدد کے اور مالداری بغیر فخر اور بخل کے' اور محبت بغیر اتباعِ خواہشات کے نہیں ہوتی' یاد رکھو۔ جسے یہ زمانہ ملا' اور اس نے مالداری پر قدرت رکھنے کے باوجود فقر پر صبر کیا' محبت پر قدرت رکھنے کے باوجود دشمنی پر صبر کیا' عزت پر قدرت رکھنے کے باوجود ذلت پر صبر کیا اور اس سے باری تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے علاوہ کوئی اور مقصد نہ تھا اللہ تعالیٰ اسے پچاس صدّیقین کا ثواب عطا کرے گا۔

روایت ہے کہ ایک روز بارش' بجلی کی کڑک اور چمک کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی' اور وہ کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگے جہاں کچھ دیر ٹھہر کر پناہ حاصل کر سکیں' اتفاقاً ان کی نظر ایک خیمہ پر پڑی جو کافی فاصلے پر تھا وہاں پہنچے خیمے میں پہلے ہی سے ایک عورت موجود تھی' اسے دیکھ کر وہاں سے ہٹ گئے ایک غار میں جانے کا ارادہ کیا تو دیکھا اس میں شیر موجود

ہے' آپ نے اس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اے اللہ! سب کا ٹھکانہ ہے میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ تمہارا ٹھکانہ میری رحمت میں ہے' قیامت کے دن سو ایسی حوروں سے تمہاری شادی کروں گا جنہیں میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے' اور چار ہزار برس تک تمہارے ولیمے کی دعوت کھلاؤں گا' جن میں سے ایک دن دنیا کی تمام عمر کے برابر ہوگا اور ایک منادی کرنے والے کو حکم دوں گا کہ وہ یہ اعلان کرے کہ جو دنیا کے زاہد ہیں وہ چلیں اور عیسیٰ ابن مریم کے ولیمے میں شامل ہوں۔ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا ارشاد ہے کہ دنیا والے پر حیرت ہے وہ موت کے یقین کے باوجود دنیا کے فریب میں آجاتا ہے اور سب کچھ چھوڑ کر مر جاتا ہے' دنیا اسے رسوا کرتی ہے اور وہ اس سے بے خوف رہتا ہے' اس پر بھروسا کرتا ہے' بڑی بدبختی ہے ان دھوکا کھانے والوں کی جنہیں دنیا وہی دکھاتی ہے جسے وہ ناپسند کرتے ہیں وہ ان کی محبوب چیزوں سے جدا کرتی ہے حسرت ہوتی ہے ان لوگوں پر دنیا جن کا مقصد ہے گناہ جن کا عمل ہے' وہ اپنے گناہوں کی بنا پر کس قدر رسوا ہوں گے' روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰ! ظالموں کے اس گھر میں تیرا کیا کام ہے' یہ تیرا گھر ہرگز نہیں ہے' اسے اپنے فکر و خیال کا مرکز نہ بنا' اپنا دل اس سے ہٹا لے' اپنی عقل اس سے دور کرلے یہ میرا گھر ہے' البتہ جو شخص اس میں نیک عمل کرے گا اس کے لیے یہ اچھا گھر ہوگا میں ظالم کی تاک میں ہوں' یہاں تک کہ اس سے مظلوم کا بدلہ لے لوں' روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدۃ ابن الجراح کو بحرین کے سفر پر بھیجا یہ صحابی وہاں سے لوٹے تو اپنے ساتھ کچھ مال لے کر آئے' انصار صحابہ نے ابوعبیدہ کی واپسی کے بارے میں سنا اور انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھ مال لائے ہیں' یہ سب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز میں شریک ہوئے' جب آپ نماز سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے جانے لگے تو یہ حضرات آپ کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے' آپ انہیں دیکھ کر مسکرائے' پھر فرمایا:۔

انا اظنکم سمعتم ان اباعبیدة قدم بشئی' قالوا اجل یارسول اللہ! قال: فابشروا واملوا ما یسرکم فواللہ ماالفقر اخشی علیکم ولکنی اخشی علیکم ان تنبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی ماکان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا فتھلککم کما اھلکتھم (بخاری و مسلم۔ عمرو بن عوف بدری)

میرے خیال سے تم نے یہ سنا ہے کہ ابوعبیدہ کوئی چیز لے کر آئے ہیں' صحابہ نے عرض کیا! جی ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: تمہیں خوشخبری ہو کہ اللہ نے تم سے تکلیف دفع کی اللہ کی قسم میں تم سے اس بات سے خوفزدہ نہیں ہوں کہ تم محتاج ہو جاؤ گے مگر اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر دنیا اسی طرح وسیع نہ ہو جائے جیسی تم سے پہلے لوگوں پر تھی اور تم بھی ان ہی کی طرح منافست نہ کرنے لگو اور دنیا تمہیں اسی طرح ہلاک نہ کردے جس طرح انہیں کیا۔

حضرت ابوسعید الخدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان اکثر مااخاف علیکم مایخرج اللہ لکم من برکات الارض' فقیل: مابرکات الارض قال: زھرة الدنیا۔ (بخاری و مسلم)

زیادہ تر میں تم پر اس چیز سے خوف کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ برکات ارض میں سے تمہارے لیے نکالے گا' عرض کیا گیا' برکاتِ ارض کیا چیزیں ہیں؟ فرمایا دنیا کی تروتازگی۔

ایک حدیث میں ہے:۔

لاتشغلوا قلوبکم بذکر الدنیا (بیہقی۔ محمد ابن النضر الحارثی مرسلاً) اپنے دلوں کو دنیا کے ذکر میں مشغول مت کرو۔

غور کیجئے' اس حدیث میں دنیا کے ذکر سے بھی منع فرمادیا' چہ جائیکہ اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کی جائے' حضرت عمار ابن سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گذر ایک ایسے گاؤں سے ہوا جس کے باشندے اپنے مکانوں کے صحن میں یا گاؤں کے راستوں میں مرے پڑے تھے' حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب سے ہلاک ہوئے ہیں' اگر کسی اور سبب سے ہلاک ہوتے تو ایک دوسرے کو دفن ضرور کرتے' انہوں نے عرض کیا: یا روح اللہ! اگر ہمیں ان کے حالات معلوم ہوجاتے تو اچھا تھا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا' ارشاد ہوا کہ رات کے وقت خود گاؤں والوں سے دریافت کرلینا' رات ہوئی تو آپ ایک پہاڑی پر چڑھے اور بآواز بلند پوچھا' اے گاؤں کے لوگو! تم پر کیا گزری ہے' کسی نے جواب دیا کہ ہم رات کو اچھی طرح سوئے تھے' صبح ہوئی تو دوزخ میں پڑے ہوئے تھے' حضرت عیسیٰ نے دریافت کیا ایسا کیوں ہوا؟ اس نے جواب دیا: دنیا سے محبت اور اہل معاصی کی اطاعت کی بنا پر ہمیں یہ سزا ملی' آپ نے دریافت فرمایا: دنیا سے تمہیں کس قدر محبت تھی؟ اس نے جواب دیا جس قدر بچے کو اپنی ماں سے ہوتی ہے کہ جب وہ سامنے ہوتی ہے تو خوش ہوتا ہے اور نگاہوں سے دور ہوتی ہے تو رونے لگتا ہے آپ نے پوچھا! تمہارے باقی ساتھیوں کا کیا حال ہے' وہ کیوں خاموش ہیں؟ اس نے کہا کہ ان کے منہ میں سخت مزاج اور سخت گیر فرشتوں نے آگ کی لگامیں ڈال دی ہیں' آپ نے پوچھا! اگر ایسا ہے تو تم کیوں بول رہے ہو' کیا تمہارے منہ میں لگام نہیں ڈالی گئی' اس شخص نے جواب دیا' میں ان لوگوں میں رہتا ضرور تھا' لیکن ان کے نقش قدم پر نہیں چلتا تھا' جب ان پر عذاب نازل ہوا تو میں بھی نہ بچ سکا' اب حال یہ ہے کہ میں دوزخ کے کنارے پر لٹکا ہوا ہوں' معلوم نہیں اس میں گرجاؤں گا یا بچ جاؤں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین کو نصیحت فرمائی کہ نمک سے جو کی روٹی کھانا' ٹاٹ پہننا اور زمین پر سونا دنیا و آخرت کی سلامتی کے ساتھ بہت کچھ ہے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اونٹنی تھی عضبا' کوئی دوسری اونٹنی اس سے زیادہ تیز رفتار نہ تھی' ایک روز ایک اعرابی اپنی اونٹنی لے کر آیا وہ آپ کی اونٹنی سے آگے نکل گئی' صحابہ کو یہ بات ناگوار گزری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انه حق على الله ان لا يرفع شيئا من الدنيا الا وضعه (بخاری)

اللہ پر حق ہے کہ وہ دنیا کی ہر اس چیز کو جسے سربلند کرے گرادے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص سمندر کی لہروں پر عمارت نہیں بنا سکتا دنیا بھی سمندر کی لہروں کی طرح ہے' اسے اپنا ٹھکانہ نہ سمجھو' حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے بعض رفقاء نے درخواست کی ہمیں کوئی ایسی نصیحت فرمائی' جس پر عمل کرکے ہم اللہ کی محبت کے مستحق ہوسکیں' فرمایا دنیا سے محبت کرنا چھوڑ دو' باری تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے' حضرت ابوالدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لو تعلمون ما اعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا ولهانت عليكم الدنيا ولاثرتم الآخرة (١)

اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں تو کم ہنسو اور زیادہ روؤ' اور تمہارے نزدیک دنیا ذلیل ہوجائے اور تم آخرت کو ترجیح دو۔

اس کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ نے اپنی طرف سے یہ بات کہی کہ اگر وہ باتیں جو میں جانتا ہوں تم جان لو تو روتے چلاتے پہاڑوں کی طرف جانکلو' اور اپنا مال و دولت سب کچھ چھوڑ بھاگو اور بغیر اشد ضرورت کے اسے استعمال نہ کرو' لیکن تمہارے دلوں سے آخرت مفقود ہوچکی ہے اور دنیاوی مال و متاع کا لالچ ہروقت موجود رہتا ہے' تم جو عمل کرتے ہو دنیا کی خاطر کرتے ہو اور ایسے بن

(۱) طبرانی' لیکن اس نے یہ قول نقل نہیں کیا ولهانت الخ البتہ یہ الفاظ زیادہ کئے ہیں ولخرجتم الى الصعدات ترمذی' اور ابن ماجہ نے حضرت ابوذر کی روایت سے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے وما تلذذتم بالنساء على الفرش حدیث کا ابتدائی حصہ حضرت انسؓ سے بخاری و مسلم میں ہے۔

گئے ہو جیسے کچھ جانتے ہی نہیں ہو' تم میں سے بعض چوپایوں سے بھی گئے گذرے ہیں کہ کوئی بھی بدی کرنے سے پہلے وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس کا انجام کیا ہوگا' تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ نہ تم آپس میں محبت کرتے ہو اور نہ ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے ہو' حالانکہ تم سب دینی اخوت کے رشتے میں منسلک ہو' تمہارے باطنی خبث نے تمہارے مقاصد میں اختلاف پیدا کیا ہے' اور تمہاری راہیں الگ الگ کردی ہیں' اگر تم نیکی پر اتفاق کرلیتے تو آپس میں محبت کرتے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ دنیاوی امور میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے ہو لیکن آخرت کے کاموں میں ایک دوسرے کے خیر خواہ نہیں ہو' تم جس سے محبت کرتے ہو آخرت پر اس کی مدد نہیں کرتے' یہ سب ایمان کے ضعف کی علامات ہیں' اگر تم آخرت کے خیر و شر کا دل سے یقین رکھتے جس طرح دنیا کا یقین رکھتے ہو تو آخرت کی جستجو کرتے' اسی سے سب کام بنتے ہیں اگر تم یہ کہو کہ ہم عاجلہ (دنیا) سے محبت کرتے ہیں آجلہ (آخرت) کے مقابلے میں' کیوں کہ دنیا نگاہوں کے سامنے ہے اور آخرت اُوجھل ہے موجود سے محبت کی جاتی ہے غائب سے محبت نہیں کی جاتی' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں تم دنیا کی آجل (آنے والی) چیزوں کے لیے عاجل (موجود) کو چھوڑ دیتے ہو' تم محنت و مشقت کرتے ہو' اور جو چیزیں تمہارے سامنے نہیں ہیں' اور جن کے ملنے کی امیدیں موہوم ہیں ان کے لیے طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتے ہو' پریشانیاں اُٹھاتے ہو' تم اچھے لوگ نہیں ہو' جس چیز سے تمہارے ایمان کا کمال معلوم ہوتا اس پر تمہیں یقین نہیں ہے' اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں شک کرتے ہو تو ہمارے پاس آؤ' ہم تمہیں بتلائیں اور نور ایمان کے ذریعہ وہ حقائق دکھلائیں جن سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ بخدا تم ناقصُ العقل نہیں ہو کہ ہم تمہیں معذور سمجھیں' دنیاوی معاملات میں تمہاری رائے پختہ' اور تمہیں ذرا سی دنیا مل جائے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے' دنیا کی کوئی معمولی سے معمولی چیز بھی فوت ہو جائے تو تمہارے رنج و غم کا عالم دیدنی ہوتا ہے' تمہارے چہرے دلوں کے غماز بن جاتے ہیں تمہاری زبانیں دل کی ترجمانی کرتی ہیں' تم اس کو مصیبت کہتے ہو' اور سوگ کی محفلیں منعقد کرتے ہو' تم میں سے اکثر لوگوں نے دین کو خیرباد کہہ دیا ہے' لیکن نہ دل ملول ہیں اور نہ چہروں سے غم کا پتا چلتا ہے عجیب بے حسی ہے' مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ پاک تم سے ناراض ہے جب تم آپس میں ملتے ہو تو بتکلف خوشی کا اظہار کرتے ہو محض اس ڈر سے کہ اگر ہم تُرش روئی سے پیش آئے تو دوسرا بھی اسی طرح پیش آئے گا تمہاری باتیں کوڑی کی خودرَو گھاس کی طرح ہیں' تم موت کو بھولے ہوئے ہو' میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے راحت دے دے' (جدا کردے) اور مجھے اس سے ملادے جن کی دید کا میں مشتاق ہوں اگر وہ زندہ ہوتے تو تمہاری یہ حرکتیں ہرگز برداشت نہ کرتے' اگر تمہارے اندر خیر کا کوئی عنصر موجود ہے تو میں نے ایک ایک بات کھول کر بیان کردی ہے' جو کچھ اللہ کے پاس ہے اگر تم اسے پانا چاہو تو اس کا طریقہ کچھ مشکل نہیں ہے' میں اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے اعانت و امداد کا طالب ہوں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے ارشاد فرمایا کہ دین کی سلامتی کے ساتھ کم تر دنیا پر راضی ہو جاؤ جس طرح اہل دنیا دنیا کی سلامتی کے ساتھ دین کے معمولی حصے پر راضی ہیں' اور اسی مضمون کے یہ دو شعر ہیں۔

اری رجالا بادنی الدین قد قنعوا ۔۔۔ وما اراھم رضوا فی العیش بالدون

فاستغن بالدین عن دنیا الملوک کما ۔۔۔ استغنی الملوک بدنیاھم عن الدین

(ترجمہ) میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ ادنیٰ دین پر قناعت کر بیٹھے ہیں حالانکہ وہ زندگی گذارنے میں پستی پر راضی نہیں ہوتے' دین کے ساتھ تو بادشاہوں کی دنیا سے اسی طرح مستغنی ہو جا جس طرح بادشاہ اپنی دنیا کے ساتھ دین سے مستغنی ہیں)

ایک روایت میں ہے۔

لتأتینکم بعدی دنیا تاکل ایمانکم کما تاکل النار الحطب

میرے بعد ایک ایسی دنیا آئے گی جو تمہارے ایمان کو اس طرح کھالے گی جس طرح آگ لکڑی کو کھالیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰ! دنیا سے محبت نہ کرنا' ورنہ اس سے بڑا گناہ میرے نزدیک کوئی دوسرا نہ

ہوگا' حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے پاس سے گزرے' وہ رو رہا تھا' جب آپ واپس ہوئے تب بھی اسے روتے ہوئے پایا' آپ نے باری تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا: الٰہا! تیرا یہ بندہ خوف سے رو رہا ہے' وحی آئی کہ اے ابن عمرانؑ! اگر یہ شخص آنسوؤں کے ساتھ اپنا مغز بھی بہادے گا یا اتنی دیر ہاتھ اٹھائے رکھے گا کہ شل ہوجائیں تب بھی میں اس کی مغفرت نہ کروں گا کیونکہ یہ دنیا کی محبت میں مبتلا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے اندر چھ خصلتیں جمع کرلیں اس نے جنت حاصل کرنے اور دوزخ سے بچنے کے سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا' پہلی خصلت یہ ہے کہ اللہ کو پہچان کر اس کی اطاعت کی دوسری یہ کہ شیطان کو پہچان کر اس کی نافرمانی کی' تیسری یہ کہ حق کو پہچان کر اس کی اتباع کی چوتھی یہ کہ باطل کو پہچان کر اس سے اجتناب کیا پانچویں یہ کہ دنیا کو پہچان کر اس کو ٹھکرایا' چھٹی یہ کہ آخرت کو پہچان کر اس کی جستجو کی' حضرت حسن فرماتے ہیں: اللہ ان لوگوں پر رحم کرے جن کے پاس دنیا امانت تھی کہ اسے اس کے مستحقین کے سپرد کردیا اور خود ہلکے پھلکے ہوکر دل دیئے۔ ان ہی کا قول ہے کہ جو شخص تم سے دین کے سلسلے میں مقابلہ کرے تم بھی اس کے ساتھ مقابلہ کرو' اور جو دنیا کے سلسلے میں مقابلہ کرے تم اسے اس کے منھ پر دے مارو' حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ اے بیٹے! دنیا ایک گہرا سمندر ہے' اس میں بہت سے لوگ ڈوب چکے ہیں' اس میں خوفِ خدا کی کشتی پر سفر کرو' ایمان کو ہم سفر بناؤ' اور توکّل کو بادبان قرار دو' اس طرح شاید تم غرق ہونے سے بچ جاؤ۔ یوں تو مجھے تمہارے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں کہ میں اس آیتِ کریمہ پر اکثر اوقات غور کیا کرتا ہوں۔ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَاِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا (پ۱۵ر۱۳ آیت ۸-۹)

ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لیے باعث رونق بنایا تھا کہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھے عمل کون کرتا ہے اور ہم زمین پر کی تمام چیزوں کو ایک صاف میدان کردیں گے۔

دانشور کہتے ہیں کہ انسان کو دنیا میں جو چیزیں ملتی ہیں پہلے بھی ان کا کوئی نہ کوئی مالک ہوتا ہے' اور بعد میں بھی دنیا میں اس کے لیے اتنا ہی ہے کہ صبح و شام کھا پی لیا بس' روٹی کے چند ٹکڑوں کے لیے ہلاک مت ہو' دنیا سے آنکھیں بند کرے اور آخرت پر افطار کر' اور یہ بات یاد رکھ کہ دنیا کا رأس المال خواہش نفس ہے' اس کا نفع آگ ہے' کسی راہب سے دریافت کیا گیا کہ تم زمانے کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ زمانہ جسموں کو پرانا کرتا ہے' امیدوں کی تجدید کرتا ہے' موت کو قریب کرتا ہے' اور آرزوں کو دور کرتا ہے پوچھا گیا کہ دنیا والوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جواب دیا کہ جو دنیا پانے میں کامیاب ہوا اس نے مشقت مول لی اور جس کو دنیا نہیں ملی اس نے رنج اٹھایا کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ومن یحمد الدنیا العیش یسرہ فسوف لعمری عن قلیل یلومہا
اذا ادبرت کانت علی المرء حسرۃ وان اقبلت کانت کثیرا ھمومہا

(ترجمہ) خوش کن زندگی کے لیے دنیا کی کون ستائش کرے' یہ تو ہر حال میں قابلِ مذمت ہے اگر نہ ملے تو آدمی کو حسرت ہوتی ہے اور مل جائے تو تفکرات بے شمار ہوتے ہیں)

ایک دانشور کہتے ہیں کہ دنیا تھی میں نہ تھا' دنیا رہے گی میں نہ رہوں گا' پھر میں کیوں اس سے دل لگاؤں' اس کی زندگی تلخ ہے' اس کی صفائی کدورت آمیز ہے' اس کے رہنے والے ہر وقت خطرے کے منتظر خوف زدہ ہیں' یہ خوف انہیں زوالِ نعمت کا ہے یا نزولِ مصیبت کا یا موت کا' کسی کا قول ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ وہ ہر شخص کو بقدرِ استحقاق نہیں نوازتی' کسی کو کم دیتی ہے اور کسی کو زیادہ' حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں پر نظر ڈالو گویا وہ باری تعالیٰ کے غیظ و غضب کا نشانہ ہیں اسی لیے تو نااہلوں کو دی گئیں ہیں' حضرت سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص دنیا کو محبت سے طلب کرتا ہے اسے اس کی خواہش کے

بہ قدر بھی نہیں ملتی' اور جو آخرت کا محبت سے طلب گار ہوتا ہے اسے ان کے ارادہ و خواہش سے زیادہ ملتی ہے' نہ اس کی کوئی انتہا ہے اور نہ اس کی کوئی حد ہے' ایک شخص نے ابو حازم سے کہا کہ مجھے دنیا سے محبت ہے' حالانکہ میں یہ جانتا ہوں کہ مجھے اس میں رہنا نہیں ہے' آپ نے فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کیا ہے اس میں یہ دیکھ لیا کرو کہ حلال ذرائع سے حاصل ہوا ہے یا نہیں' پھر اس حلال مال کو جائز مواقع پر خرچ کیا کرو' تمہیں دنیا کی محبت نقصان نہیں پہنچائے گی' ابو حازم نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اگر دنیا کی محبت ہی پر مؤاخذہ ہونے لگے تو آدمی سخت دشواریوں میں پڑ جائے گا اور دنیا سے بیزار ہو کر اس قید خانے سے بار نکلنے (موت) کی آرزو کرنے لگے گا' یحییٰ ابن معاذؓ فرماتے ہیں کہ دنیا شیطان کی دکان ہے تو اس کی دکان میں سے کوئی چیز نہ چرا' ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے پیچھے لگ جائے' فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں اگر دنیا سونے کی ہوتی تب بھی اسے فنا ہونا تھا' اور آخرت سنگریزوں کی ہوتی تب بھی اسے باقی رہنا تھا' ہم نے فنا ہونے والے سنگریزوں کو باقی رہنے والے سونے پر ترجیح دی ہے۔ ابو حازم فرماتے ہیں دنیا سے بچو مجھے معلوم ہوا ہے کہ قیامت کے روز ان لوگوں کو کھڑا کیا جائے گا جو دنیا کو عظیم سمجھتے تھے اور کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی حقیر کردہ چیزوں کی تعظیم کی' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہر انسان مہمان ہے اور جو مال و دولت اس کے پاس ہے وہ امانت ہے مہمان چلا جائے گا اور امانت مالک کے پاس لوٹ جائے گی اس مضمون کو شعر کا جامہ پہنایا گیا ہے۔

وما المال والاهلون الا ودائع ولا بد يوما ان ترد الودائع

(ترجمہ) مال اور اولاد سب امانتیں ہیں' ایک نہ ایک دن امانتوں کو واپس لوٹانا ہی ہوگا)

حضرت رابعہ بصریہ کی خدمت میں ان کے کچھ ملنے والے پہنچے' اور دنیا کی برائی کرنے لگے' آپ نے انہیں خاموش رہنے کا حکم دیا اور فرمایا اگر تمہارے دلوں میں دنیا کی برتری کا احساس نہ ہوتا تو تم ہرگز اس کا ذکر نہ کرتے قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی چیز سے محبت رکھتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے حضرت ابراہیم ابن ادہم سے ان کا حال دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب میں یہ دو شعر پڑھے۔

نرقع دنيانا بتمزيق ديننا فلا ديننا يبقى ولا ما نرقع

فطوبى لعبد اثر الله ربه وجاد بدنياه لما يتوقع

(ترجمہ) ہم اپنے دین کو پھاڑ کر دنیا کو سیتے ہیں نہ ہمارا دین باقی رہے گا اور نہ دنیا خوشخبری ہو اس بندے کے لیے جس نے اپنے رب کو اختیار کیا اور متوقع چیز (ثواب آخرت) کے لیے اپنی دنیا تج دی)

اسی مضمون کے یہ دو شعر ہیں۔

ارى طالب الدنيا وان طال عمره ونال من الدنيا سرورا وانعما

كبان بنى بنيانه فاقامه فلما استوى ما قد بناه تهدما

(طالب دنیا کو اگرچہ وہ طویل العمر ہی کیوں نہ ہو اور دنیا کی نعمتیں اور خوشیاں کیوں نہ پالے میں اس شخص کی طرح سمجھتا ہوں جو ایک عمارت کھڑی کرتا ہے اور وہ کھڑی ہونے کے بعد گر پڑتی ہے) اسی سلسلے کے یہ دو شعر پڑھئے۔

هب الدنيا تساق اليك عفوا اليس مصير ذاك الى انتقال

وما دنياك الا مثل فئ اظلك ثم آذن بالزوال

(فرض کرو دنیا تمہیں خود بخود مل جاتی ہے لیکن کیا اس کا انجام یہ نہیں ہے کہ وہ تمہارے پاس سے کسی دوسرے کے پاس منتقل ہوگی' تمہاری دنیا کی مثال اس سائے کی سی ہے جو تمہیں سایہ دیتا ہے اور پھر زائل ہونے کا اعلان کر دیتا ہے)

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اگر تم نے اپنی دنیا آخرت کے عوض فروخت کی تو تمہیں دنیا و آخرت دونوں میں نفع ہوگا' اور اگر آخرت دنیا کے عوض فروخت کی تو دونوں میں نقصان ہوگا' مطرف ابن الشخیر کہتے ہیں کہ بادشاہوں کی شان و شوکت' اور ان کے گدیلوں کی نرمی پر نظر مت کرو بلکہ یہ دیکھو کہ وہ کتنی جلد رخصت ہو جاتے ہیں اور ان کا انجام کتنا خراب ہوتا

ہے' حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تین جُز بنائے ہیں ایک جُز مؤمن کے لیے ایک جُز منافق کے لیے' اور ایک جُز کافر کے لیے۔ مؤمن اس دنیا سے راہِ آخرت کے لیے توشہ لیتا ہے' منافق ظاہری آرائش پر توجہ دیتا ہے' اور کافر دنیا میں کامیابی حاصل کرتا ہے۔ کسی کا مقولہ ہے کہ دنیا مردار ہے' اگر کوئی دنیا چاہے تو اسے کتوں کی معاشرت پر صبر کرلینا چاہیے' ایک شاعر کہتا ہے۔

یاخاطب الدنیا الی نفسها تنح عن خطبتها تسلم

ان التی تخطب غدارة قریب العرس من الماتم

(دنیا کو اپنے نکاح کا پیغام دینے والے! اسے پیغامِ نکاح نہ دے' محفوظ رہے گا جس سے تو نکاح کرنا چاہتا ہے وہ سراپا فریب ہے' یہ شادی کی تقریب محفلِ سوگ میں بدلنے والی ہے)

حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ دنیا کی ذلّت کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی دنیا ہی کے سلسلے میں ہوتی ہے' اور رضائے الٰہی دنیا ترک کرکے ہی حاصل ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

اذا امتحن الدنیا اللبیب تکشفت لہ عن عدو فی ثیاب صدیق

(اگر کوئی عقلمند دنیا کی آزمائش کرے تو اسے یہ دنیا دوست کے لباس میں دشمن نظر آئے)

یہ چند شعر بھی دنیا کی مذمت پر مشتمل ہیں۔

یا راقد اللیل مسرورا باولہ ان الحوادث قد یطرقن اسحارا

افنی القرون اللتی کانت منعمة کر الجدیدین اقبالا وادبارا

کم قد ابادت صروف الدھر من ملک قد کان فی الدھر نفاعا وضرارا

یا من یعانق دنیا لا بقاء لھا یمسی ویصبح فی دنیاہ سفارا

ھلا ترکت من الدنیا معانقة حتی تعانق فی الفردوس ابکارا

ان کنت تبغی جنان الخلد تسکنھا فینبغی لک ان لا تامن النارا

(ترجمہ۔ اے سرِ شام خوش خوش سو جانے والے کبھی حادثے صبح کے وقت دستک دیا کرتے ہیں' خوش حال زمانوں کو عروج و زوال کے چکر نے فنا کردیا ہے' زمانے کے حوادث نے کتنے ہی بادشاہوں کو ہلاک کیا ہے جو زمانے میں نفع و نقصان کے مالک سمجھے جاتے تھے' اے وہ شخص جو ناپائیدار دنیا سے گلے مل رہا ہے تو اپنی دنیا میں خالی ہاتھ رہ جائے گا کیا تو جنّت الفردوس میں حوروں سے گلے ملنے کی خاطر دنیا سے معانقہ ترک نہیں کرے گا اگر تو رہنے کے لیے دائمی جنت کا طالب ہے تو تجھے آگ سے بے خوف نہ رہنا چاہیئے)۔

حضرت ابو امامۃ الباہلیؓ روایت کرتے ہیں کہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابلیس کے پاس اس کے چیلے آئے اور کہنے لگے کہ ایک نئے نبی مبعوث ہوئے ہیں' اور ایک نئی امّت ظہور میں آئی ہے' ابلیس نے دریافت کیا کہ کیا وہ لوگ دنیا سے محبت رکھتے ہیں شیاطین نے جواب دیا' ہاں ان کے دلوں میں دنیاوی مال و متاع کی محبت ہے ابلیس نے کہا تب مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے' اگر وہ بت پرستی نہ کریں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں میں صبح و شام انہیں تین باتیں سکھلاؤں گا' ایک کسی کا مال ناحق لینا' دوسرے اسے بے موقع صرف کرنا' تیسرے ان مواقع پر خرچ نہ کرنا جہاں خرچ کرنا واجب ہے' اور مال کی محبت ہی شر کا اصل منبع ہے۔ ایک شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے دنیا کے بارے میں کچھ بتائیں آپ نے ارشاد فرمایا: میں ایسے مکان کی کیا تعریف کروں جس میں صحت مند بیمار ہوجاتا ہے' جو محفوظ رہتا ہے وہ ندامت اُٹھاتا ہے جو محتاج ہوتا ہے وہ غم کرتا ہے اور جو اس میں بے نیازی سے کام لیتا ہے وہ آزمائش میں مبتلا ہوجاتا ہے اس کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب ہے اور مشتبہ میں عقاب ہے' ایک مرتبہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: مختصر بتلاؤں یا مفصل عرض کیا گیا مختصر

بتلائیے' فرمایا' دنیا کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب ہے' حضرت مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ اس جادو گرنی (دنیا) سے بچو' یہ علماء کے دلوں پر بھی جادو کردیتی ہے' سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ جب آخرت دل میں ہوتی ہے تو دنیا اس کا مقابلہ کرتی ہے اور جب دنیا دل میں ہوتی ہے تو آخرت اس مقابلے میں نہیں آتی' کیونکہ دنیا کمینی ہے اور آخرت شریف ہے' شریف کمینے کے منھ نہیں لگتا' یہ قول بڑی شدت کا حامل ہے' ہمارے خیال میں سیار ابن الحکم کا قول زیادہ صحیح ہے' وہ کہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت دل میں جمع ہوتے ہیں' ان میں سے جو غالب آجاتی ہے' دوسری اس کے تابع ہوجاتی ہے مالک ابن دینار کہتے ہیں جتنا تم دنیا کے لیے غم کروگے اتنا ہی آخرت کا فکر کم ہوگا اور جتنا تمہیں آخرت کا فکر ہوگا اتنا ہی دنیا کا غم کروگے اتنا ہی آخرت کا فکر کم ہوگا اور جتنا تمہیں آخرت کا فکر ہوگا اتنا ہی دنیا کا غم ہوگا' یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد سے اقتباس کیا گیا ہے کہ دنیا اور آخرت دو سوتنیں ہیں' جس قدر ایک راضی ہوگی اسی قدر دوسری ناخوش ہوگی حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جن کی نگاہوں میں دنیا کی وقعت اس مٹی سے زیادہ نہیں تھی جن پر تم چلتے ہو' انہیں یہ پروا نہیں تھی کہ دنیا طلوع ہوگئی ہے یا غروب یا کدھر سے آئی تھی اور کدھر چلی گئی' ایک شخص نے حضرت حسن سے دریافت کیا کہ آپ کا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جسے اللہ نے مال عطا کیا اور وہ اس مال میں سے راہ خدا میں بھی خرچ کرتا ہے اور عزیز رشتہ داروں کو بھی دیتا ہے' آیا اس مال کے ذریعہ وہ خود بھی خوشحالی سے بسر کرسکتا ہے' آپ نے فرمایا اگر اسے تمام دنیا بھی مل جائے تب بھی اسے بقدرِ کفایت لینا چاہیئے اور باقی مال اس دن کے لیے اٹھا رکھنا چاہیئے جب اس کی زیادہ ضرورت ہوگی حضرت فضیل ابن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمام دنیا مجھے حلال طریقے سے مل جائے اور آخرت میں محاسبہ کا خوف بھی نہ ہو تب بھی میں اس سے اتنی نفرت کروں جتنی تم سڑے ہوئے مردہ جانور سے کرتے ہو' اور اس سے بچ کر چلتے ہو کہ کہیں اس کی نجاست سے تمہارے کپڑے آلودہ نہ ہوجائیں۔

روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ شام تشریف لے گئے تو حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ ایک اونٹنی پر سوار ہوکر استقبال کے لیے آئے جب حضرت عمرؓ ابو عبیدہ کے مکان پر تشریف لائے تو انھوں نے وہاں صرف تین چیزیں دیکھیں' تلوار' ڈھال اور اونٹنی' حضرت عمرؓ نے فرمایا بھائی کچھ اور سامان بنوالو' انھوں نے جواب دیا: سامان سے بجز تن آسانی کے اور کیا ملے گا۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں دنیا کو بدن کے واسطے حاصل کر اور آخرت کو دل کے واسطے لے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں پہلے بنو اسرائیل رحمٰن کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن جب ان کے دلوں پر دنیا کی محبت غالب آئی تو انھوں نے بتوں کی پرستش شروع کردی' وہب کہتے ہیں کہ میں نے بعض آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ دنیا عقلمندوں کے لئے غنیمت اور جاہلوں کے لئے غفلت ہے جاہل دنیا کو پہچانتے نہیں ہیں کہ اگر پھنس جائیں تو اس سے چھٹکارہ پاسکیں' پھر واپسی کی تمنا کرتے ہیں' واپسی کس طرح ممکن ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ اے بیٹے! جب سے تو پیدا ہوا ہے دنیا پیچھے ہٹ رہی ہے اور آخرت سامنے آرہی ہے اپنے آپ کو ایسی جگہ پہنچا جو منزل کے قریب تر ہو۔ سعید ابن مسعود کہتے ہیں کہ جب تو کسی کو دیکھے کہ اس کی دنیا بڑھ رہی ہے اور دین کم ہو رہا ہے اور وہ اس پر راضی بھی ہے تو وہ شخص بڑے خسارے میں ہے' اپنی زندگی سے کھیل رہا ہے اور اس کا ذرا احساس نہیں ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے بر سر منبر ارشاد فرمایا: خدا کی قسم جس چیز میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم زہد کیا کرتے تھے اس میں تم کو زیادہ راغب پاتا ہوں' بخدا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے تین دن کبھی نہیں گزرے جن میں آپ کی آمدنی قرض سے بڑھ گئی ہو (حاکم' احمد' ابن حبان) حضرت حسنؓ نے اس آیتِ کریمہ کی تلاوت کی۔

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا (پ ۲۲ ر ۱۳ آیت ۵)

تمہیں دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے۔

اسکے بعد فرمایا: تمہیں معلوم ہے یہ کس کا قول ہے؟ یہ اس ذات کا قول ہے جس نے دنیا کو پیدا کیا ہے اور وہ اپنے مخلوق کے حال

سے خوب واقف ہے' دنیا کے مشاغل سے بچو دنیا کے مشاغل بہت ہیں جب بھی کوئی شخص کسی ایک شغل کی دروازہ کھولتا ہے دس دروازے خود بخود کھل جاتے ہیں' ایک مرتبہ فرمایا' بیچارہ انسان کتنا قابلِ رحم ہے' وہ ایک ایسے گھر پر راضی ہے جس کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عذاب ہے' اگر حلال چیزیں استعمال کریگا' قیامت کے دن حساب دیگا' حرام چیزیں استعمال کرے گا عذاب پائیگا۔ اپنے مال کو خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو کم جانتا ہے اور اعمال کو خواہ کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں زیادہ جانتا ہے' دین میں کوئی خلل پیدا ہو جائے تو خوش ہوتا ہے' دنیا میں کوئی مصیبت پیش آجائے تو پریشان ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت حسنؓ نے حضرت عبدالعزیز کو خط لکھا۔ مضمون یہ تھا' سلام کے بعد۔ اپنے آپ کو ایسا تصوّر کرو گویا تمہیں موت نے گرفت میں لے لیا ہے او تم مُردوں میں شمار ہونے لگے ہو "حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا السلام علیکم اپنے آپ کو یوں سمجھو کہ دنیا میں کبھی تھے ہی نہیں ہمیشہ آخرت میں رہے۔" حضرت فضیل ابن عیاض کا قول ہے کہ دنیا میں آنا آسان ہے لیکن اس سے نکلنا مشکل ہے' ایک بزرگ نے فرمایا' ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو موت کی حقانیت پر یقین رکھنے کے باوجود خوش ہوتے ہیں' ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو یہ جانتے ہیں کہ دوزخ حق ہے اس کے باوجود ہنستے مسکراتے ہیں' اور دنیا کے انقلابات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود اس سے دل لگاتے ہیں اور تقدیر پر ایمان رکھنے کے باوجود مصائب سے دل برداشتہ ہوتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں نجران کا ایک شخص آیا اس کی عمر دو سو برس تھی' آپ نے اس پوچھا کہ تم نے یہ لمبا عرصہ کس طرح گذارا' اس نے جواب دیا کچھ برس مصیبتوں کی نذر ہو گئے' کچھ آرام و راحت سے گزر گئے' ایک دن گزرا' دوسرا آیا۔ ایک رات ختم ہوئی دوسری آئی' یہ چکر یوں ہی چلتا رہا' پیدا ہونے والے پیدا ہوئے مرنے والے مرے' اگر پیدائش کا سلسلہ رک جائے تو دنیا باقی نہ رہے اور موت کا سلسلہ بند ہو جائے تو دنیا میں آبادی کی گنجائش نہ رہے آپ نے اس سے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو؟ اس نے عرض کیا آپ مجھے میرا ماضی واپس دے سکتے ہیں' یا آنے والی موت کو روک سکتے ہیں' حضرت معاویہؓ نے جواب دیا' نہیں! یہ دونوں باتیں میرے بس سے باہر ہیں' اس نے کہا تب مجھے آپ سے کچھ مانگنے کی ضرورت نہیں ہے داؤد طائی کہتے ہیں کہ اے ابن آدم تو اپنی آرزو کی تکمیل سے خوش ہوتا ہے' یہ نہیں جانتا کہ عمر ضائع کرکے یہ آرزو ملی ہے' پھر نیک عمل کرنے میں ٹال مٹول کرتا ہے گویا اس کا نفع تجھے نہیں کسی اور کو ہو گا' بشر کہتے ہیں کہ جو شخص دنیا چاہتا ہے وہ گویا یہ چاہتا ہے کہ میں قیامت کے دن باری تعالیٰ کے سامنے دیر تک ٹھہرا رہوں' مطلب یہ ہے کہ جتنی دیر تک دنیا میں ٹھہرو گے اتنی ہی دیر تک حساب کے مرحلے سے گزرنا پڑے گا۔ ابو حازم فرماتے ہیں کہ آدمی کا دم تین حسرتوں کے ساتھ نکلتا ہے ایک یہ کہ آخرت کے لئے نیکیاں ذخیرہ نہیں کیں' ایک عابد سے کسی نے دریافت کیا تم مالدار ہو گئے' عابد نے جواب دیا مالدار تو وہ ہے جو دنیا کی غلامی سے آزاد ہو۔ حضرت سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ دنیا کی شہوتوں سے صرف وہ لوگ صبر کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں آخرت کا کوئی شغل نہ ہو مالک ابن دینار کہتے ہیں کہ ہم سب نے دنیا کی محبت پر اتفاق کر لیا' نہ ایک دوسرے کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور نہ برائی سے روکتے ہیں' ہمیں اللہ تعالیٰ اس کوتاہی پر معاف نہیں کرے گا' معلوم نہیں کیا عذاب دیا جائے گا ابو حازم کہتے ہیں کہ تھوڑی سی دنیا بہت سی آخرت سے مشغول کر دیتی ہے' حضرت حسن ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا کو ذلیل سمجھو' دنیا ان ہی لوگوں کے لئے خوشگوار ہے جو اسے ذلیل سمجھتے ہیں' انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے دنیا کی کم نعمتیں دیتے ہیں اور جو بندہ اللہ کے یہاں ذلیل ہوتا ہے اس پر دنیا وسیع کر دی جاتی ہے' ایک بزرگ ان الفاظ میں دعا کرتے تھے "اے آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکنے والے تو مجھے دنیا سے روک دے' محمد ابن المنکدر فرماتے ہیں فرض کرو کہ ایک شخص تمام عمر روزے رکھتا ہے' رات بھر نماز پڑھتا ہے' اپنا مال صدقہ کرتا ہے' اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے' اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہے' لیکن قیامت کے روز جب وہ اپنے رب کے سامنے لایا جائیگا تو کہا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے اس چیز کو بڑا جانا جسے اللہ نے حقیر بنایا تھا' اور اس چیز کو حقیر سمجھا جسے اللہ نے عظیم کیا تھا' اب بتلاؤ اس کا حشر کیا ہو گا۔ نیز یہ بھی دیکھو کہ ہم میں کون ہے جو ایسا نہیں ہے' بلکہ اکثر تو ایسے ہیں کہ ان کے نزدیک دنیا بھی عظیم ہے اور سر پر گناہوں کا بوجھ بھی ہے۔

حضرت ابو حازم فرماتے ہیں دنیا اور آخرت دونوں کی مشقت زیادہ ہے' آخرت کی اس لئے کہ تمہیں وہاں کوئی معین و مددگار نہیں ملے گا' اور دنیا کی اس لئے کہ جس کام کو تم ہاتھ لگاتے ہو اسے پہلے ہی کوئی فاسق و بدکار کرچکا ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد فرماتے ہیں دنیا آسمان و زمین کے درمیان اسطرح معلق ہے جس طرح پرانی مشک لٹکی رہتی ہے' اللہ نے جب سے اسے پیدا کیا ہے اور جب تک فنا کرے گا وہ یہی پکارتی رہتی ہے الٰہی تو مجھے برا کیوں جانتا ہے' ارشاد ہوتا ہے او ذلیل! چپ رہ' حضرت عبداللہ ابن المبارک فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت اور گناہ دل کو اتنا پراگندہ کردیتے ہیں کہ اس خیر کی رہ گزر باقی ہی نہیں رہتی' وہب ابن منبہؒ فرماتے ہیں کہ جس کا دل دنیا کی کسی چیز سے خوش ہوتا ہے وہ حکمت سے چوک جاتا ہے اور جو اپنی خواہشات کو پاؤں تلے رکھتا ہے' شیطان اسکے سائے سے بھی گھبراتا ہے' غالب وہی ہے جس کا علم اس کی نفسانیت پر غالب آجائے حضرت بشرؒ سے کسی نے عرض کیا کہ فلاں آدمی کا انتقال ہوگیا ہے' فرمایا: دنیا جمع کی' اور خود کو ضائع کرکے آخرت کی طرف چلدیا' عرض کیا گیا کہ وہ شخص تو بڑا پارسا تھا' فرمایا: دنیا کی محبت کے ساتھ نیکیوں کا کیا فائدہ؟ ایک بزرگ کا قول ہے کہ دنیا سے ہمیں اتنی محبت اسے دشمن تصوّر کرنے کے باوجود ہے' اگر اسے اپنا دوست سمجھتے تو نہ جانے اس کی محبت میں کیا حال کرتے' ایک دانا سے پوچھا گیا کہ دنیا کس کے لئے؟ اس نے جواب دیا اس شخص کے لئے ہے جو اسے چھوڑ دے' کسی نے پوچھا اور آخرت کس کے لئے ہے؟ اس نے کہا طلبگار آخرت کے لئے' ایک دانشور کا قول ہے کہ دنیا اُجڑا ہوا گھر ہے' اور اسے وہ دل اُجاڑ رہے ہیں جو اس کی محبت سے معمور ہیں' اور جنت آباد گھر ہے' اور اسے وہ بسا رہے ہیں جن کے دلوں میں اس کی طلب اور پانے کی خواہش ہے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ اپنی حق گوئی کے لئے مشہور تھے' ایک مرتبہ انھوں نے اپنے ایک دینی بھائی کو نصیحت کی اور اسے یہ کہہ کر اللہ کے عذاب سے ڈرایا کہ دنیا لغزشوں کی جگہ ہے' یہاں ذلّت کے سوا کچھ نہیں ہے' اس کی آبادی ایک دن بربادی سے ہم کنار ہوگی' اس کے رہنے والوں کا ٹھکانہ قبر ہے' جتنے لوگ جمع ہیں وہ سب ایک نہ ایک دن جُدا ضرور ہوں گے' اس کی مالداری بالآخر فقر میں بدل جائے گی اس کی کثرتِ تنگدستی کا باعث ہے' اور تنگدستی فراخی کا سبب ہے' اس لئے ہمہ تن اللہ کی طرف متوجّہ رہو' جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس پر قناعت کرو اس دارِ فنا کو بقا پر ترجیح مت دو' تمہاری زندگی ڈھلتا سایہ اور گرتی ہوئی دیوار ہے' عمل زیادہ کرو' امیدیں کم رکھو حضرت ابراہیم ابن ادہم نے ایک شخص سے پوچھا تمہیں نیند میں چاندی کا سکّہ ملے' یہ اچھا ہے یا جاگنے کی حالت میں سونے کا سکّہ ملے یہ زیادہ بہتر ہے' ابراہیم ابن ادہم نے فرمایا' یہ بات تم نے جھوٹ کہی ہے' اس لئے کہ تم دنیا میں جن چیزوں سے محبت کرتے ہو وہ گویا خواب کی محبت ہے' اور آخرت کی جن چیزوں سے محبت نہیں کرتے تو گویا بیداری کی چیزوں سے محبت نہیں کرتے' اسمٰعیل ابن عیاش کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے دنیا کا نام خنزیر رکھ چھوڑا تھا' اگر انھیں اس سے زیادہ خراب نام ملتا تو وہ نام رکھدیتے' حضرت کعبؓ فرماتے تھے کہ دنیا تمہیں اتنی محبوب ہوگی کہ تم دنیا اور اہلِ دنیا کی عبادت کرنے لگو گے' حضرت یحییٰ ابن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ عقلمند تین ہیں ایک وہ جو دنیا کو چھوڑ دے اس سے پہلے کہ دنیا اسے چھوڑ دے' دوسرا وہ جو قبر میں جانے سے پہلے اپنی قبر بنالے' تیسرا وہ جو خالق کے دربار میں حاضر ہونے سے پہلے اسے راضی کرلے۔ یہ بھی فرمایا کہ دنیا اس قدر منحوس ہے کہ محض اس کی تمنا ہی اللہ کی اطاعت سے روک دیتی ہے' چہ جائے کہ اس میں انہماک ہو' ابو بکر ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس مقصد سے دنیا طلب کرے کہ دنیا کی حاجت باقی نہ رہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص آگ کو سوکھی ہوئی گھاس سے بجھانا چاہے۔ بندار کہتے ہیں کہ جب دنیا دار زُہد کے سلسلے میں گفتگو کریں تو سمجھ لو شیطان نے انھیں مذاق کا نشانہ بنایا ہے۔ یہ بھی ان ہی کا قول ہے کہ جو شخص دنیا کی حرص کریگا اسے حرص کی آگ جھلسا دے گی' یہاں تک کہ راکھ ہو جائیگا اور جو شخص آخرت کی حرص کرے گا وہ اس کی حرارت سے پگھل کر ڈھلا ہوا سونا بن جائیگا' اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ ہوگا وہ توحید کے انوار سے ایک قیمتی جوہر فرد بن جائیگا' حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ دنیا میں چھ چیزیں ہوتی ہیں کھانا' پینا' لباس' سواری' نکاح' اور خوشبو' سب کھانوں میں عمدہ شہد ہے' اور یہ ایک مکھی کا لعاب ہے' مشروبات میں سب سے اعلیٰ

مشروب پانی ہے، جس میں نیک و بد سب برابر ہیں' لباس میں عمدہ ریشم ہے جسے ایک حقیر کیڑا بناتا ہے' بہترین سواری گھوڑا ہے اس پر بیٹھ کر لوگ لڑتے ہیں اور مارے جاتے ہیں نکاح میں اہم چیز عورت سے صحبت ہے اور صحبت کے معنی ہیں پیشاب گاہ کا پیشاب گاہ میں جانا' عورت اپنے اچھے اعضاء کو سنوارتی ہے لیکن اس کی بُری چیز کی طلب ہوتی ہے' سونگھنے کی چیزوں میں عمدہ مشک ہے' اور یہ ایک جانور کا جما ہوا خون ہے۔

دنیا کی مذمت پر مشتمل مواعظ اور نصیحتیں

ایک بزرگ فرماتے ہیں اے لوگو! آہستہ عمل کرو' اللہ سے ڈرتے رہو' آرزو سے فریب مت کھاؤ' موت کو نہ بھولو' اور دنیا کا سہارا مت پکڑو اس لیے کہ دنیا غدار ہے' دھوکہ باز ہے' پہلے مغالطے دیتی ہے' پھر آرزوؤں کے جال میں پھنساتی ہے' طالبانِ دنیا کے لیے اس کی زیب و زینت ایسی ہے جیسے دُلہن کا سجا ہوا چہرہ کہ سب کی نگاہیں اسی پر پڑتی ہیں اور اس کی چمک دمک سے خیرہ ہو جاتی ہیں تمام دل اس دنیا پر فریفتہ ہیں تمام جانیں اس پر عاشق ہیں کتنے ہی عاشقوں کو اس نے اپنی نگاہ غلط انداز سے قتل کر دیا ہے اور کتنے ہی طالبان کو رُسوا اور ذلیل کرتی ہے' دنیا کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھو' اس میں ہلاکتیں ہی ہلاکتیں ہیں خود اس کے خالق نے اس کی مذمت کی ہے اس کا نیا پُرانا ہو جاتا ہے اس کی ملک فنا ہو جاتی ہے' اس کا عزت دار رُسوا ہوتا ہے اس کا زیادہ کم ہے اس کی محبت مرجاتی ہے اس کا خیر باقی نہیں رہتا' اللہ تمہارے حال پر رحم کرے خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور بے ہوشی کا لبادہ اُتار کر پھینک دو اس سے پہلے لوگ تمہارے بارے میں کہیں کہ فلاں شخص بیمار ہے اور سخت مرض میں گرفتار ہے' اور یہ اعلان کریں کہ کوئی دوا بتلانے والا ہے' کوئی طبیب ہے جو اس کے مرض کا علاج کر دے' پھر تمہارے لیے اطباء بلائے جائیں گے' اور تمہاری صحت سے مایوس ہو جائیں گے' پھر یہ مشہور ہوگا کہ فلاں شخص لبِ گور ہے' اور اپنے مال میں وصیت کر رہا ہے پھر یہ مشہور ہوگا کہ اس کی زبان بند ہو گئی ہے اب وہ بول نہیں پا رہا ہے نہ اب عزیزوں کو پہچانتا ہے اور نہ دوستوں اور پڑوسیوں کو اس وقت تمہاری پیشانی عرق آلود ہوگی سینہ دھونکنی کی طرح پھولتا پچکتا ہوگا' تمہاری پلکیں بند ہوں گی اور موت کے سلسلے میں تمہارے شکوک یقین میں بدل رہے ہوں گے' زبان قوتِ گویائی سے محروم ہوگی تم سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارا بیٹا ہے' یہ تمہارا بھائی ہے لیکن تم کوئی جواب نہ دے سکو گے تمہاری زبان پر خاموشی کی مہر لگ جائے گی پھر موت آکر اپنا کام کرے گی تمہاری روح تمہارے جسدِ خاکی کا ساتھ چھوڑ کر آسمان کی طرف پرواز کر جائے گی' تمہارے احباب و اقارب جمع ہوں گے' کفن سیا جائے گا' غسل دیا جائے گا تدفین کے انتظامات ہوں گے' تمہاری موت کے ساتھ ہی عیادت کرنے والوں کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا' تمہارے دشمن سکھ کا سانس لیں گے' تمہارے گھر والے اس مال کی تقسیم میں مصروف ہو جائیں گے جو تم نے ان کے لیے چھوڑا ہوگا' اور تم تنہا اپنے اعمال کے اسیر بن کر رہ جاؤ گے۔

ایک بزرگ نے کسی بادشاہ سے کہا کہ دنیا کی دشمنی اور مذمت کے زیادہ مستحق وہ لوگ ہیں جنہیں کثرت سے دولت ملی ہے اور جن کی تمام حاجتیں پوری ہوئی ہیں کیونکہ ایسے ہی لوگوں کو یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں ہمارا مال کسی آفت کا شکار نہ ہو جائے یا ہمارے اقتدار کی بنیادیں وقت کے زلزلوں سے نہ ہل جائیں یا ہمارے جسمانی اعضاء کسی مرض یا حادثے کا نشانہ بن جائیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنا مال و متاع دوستوں سے بھی چھپا چھپا کر رکھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی مذمت زیادہ تر ایسے ہی شخص کو زیب دیتی ہے جسے دنیا میسر ہو کیونکہ یہی ہر طرف سے خطرات میں گھرا ہوا ہے یہ وہ آفت ہے کہ اگر لے لیتی ہے تو واپس نہیں کرتی' کبھی ایک کو ہنساتی ہے اور کبھی اس پر ہنستی ہے کبھی کسی کے لیے روتی ہے اور کبھی کسی کو رونے پر مجبور کر دیتی ہے کسی کو فراخی سے نوازتی ہے تو بہت جلد واپسی کے لیے ہاتھ بھی پھیلا دیتی ہے آج اپنے ساتھی کے سر پر تاج رکھ رہی ہے کل اسے خاک میں ملا دے گی اسے کسی کے عروج کی پرواہ نہیں کسی کے زوال کا خیال نہیں' کسی کا سب کچھ چھن جائے تب بھی یہ خوش ہے اور چھن کر واپس مل جائے

تب بھی راضی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے حضرت عمر ابن العزیزؒ کو لکھا کہ دنیا سفر کی منزل ہے قیامگاہ نہیں ہے' حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بطور سزا بھیجا گیا تھا' اس لیے اس سے بچو اے امیرالمؤمنین! اسے ترک کردینا ہی آخرت کا توشہ ہے' اور اس میں تنگ دستی اور عسرت سے زندگی گزارنا ہی مالداری ہے وہ ہر لمحہ ہر آن قتل کرتی رہتی ہے جو اس کی عزت کرتا ہے اسے ذلیل کرتی ہے جو جمع کرتا ہے اسے محتاج بناتی ہے یہ ایسے زہر کی طرح ہے جسے کوئی لاعلمی میں کھالے اور موت کی آغوش میں پہنچ جائے دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو جس طرح کوئی شخص اپنے زخموں کا علاج کیا کرتا ہے یعنی وہ تمام احتیاط اور پرہیز لازم پکڑے رہو جو علاج کے دوران مریض کے لیے ضروری ہیں اس خوف سے کہ کہیں بے احتیاطی مرض کی سنگینی کا باعث نہ بن جائے مریض کو چاہیئے کہ مرض کی طوالت سے بچنے کے خاطر دوا کی تلخی اور تیزی برداشت کرے' اس ناپائیدار' غدار' مکار اور فریب کار دنیا سے بچو' اس نے فریب کو زینت سے چھپا رکھا ہے' وہ لوگوں کو اپنے حسن کے جال میں پھانستی ہے اور اپنے پانے کی آرزو میں مبتلا کردیتی ہے پھر اس کے عشاق اس کی فتنہ سامانیوں اور حشر خیزیوں کا ایسا شکار بنتے ہیں کہ انہیں ذرا ہوش نہیں رہتا اپنے انجام سے بے پرواہ اسی کے ہو رہتے ہیں وہ ایک ایسی خوبصورت دلہن کی طرح ہے جس کا حسن نگاہوں کو خیرہ کردیتا ہے دل اس کی دید کے مشتاق ہوتے ہیں اور اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب و بے چین نظر آتے ہیں' لیکن وہ اپنے تمام عاشقوں کے لیے موت کا پیغام ہوتی ہے جو اس کی قربت پالیتا ہے ہلاکت اس کا مقدر بن جاتی ہے' افسوس! اب لوگ گذرے ہوئے زمانے سے عبرت نہیں پکڑتے' اور نہ حاضر غائب سے سبق حاصل کرتے ہیں اللہ کو پہچاننے والے بھی دنیا کے سلسلے میں کسی نصیحت کا اثر نہیں لیتے' بہت سے عاشق ایسے ہیں کہ جہاں انہیں دنیا ملی وہ مغرور ہوجاتے ہیں اور سرکشی پر کمر باندھ لیتے ہیں' آخرت کو بھول جاتے ہیں اور اپنے آپ کو اتنا منہمک کردیتے ہیں کہ ان کے قدم لغزش سے نہیں بچتے' جب ہوش آتا ہے تب ندامت ہوتی ہے اور حسرت دامنِ دل کھینچتی ہے لیکن یہ سکرات موت کا وقت ہوتا ہے' ایک طرف موت کی شدت ہے' دوسری طرف ندامت اور حسرت کی تکلیف۔ جو شخص دنیا کی طرف راغب رہتا ہے وہ اپنا مطلوب حاصل نہیں کرپاتا اور نہ اپنے نفس کو مشقت سے آرام دے پاتا ہے' وہ بغیر توشہ لیے اور بلا تیاری کے پہونچتا ہے امیرالمؤمنین! اس سے بچئے جب آپ اس میں زیادہ خوش ہوں تو زیادہ محتاط رہیں کیونکہ دنیا والے جب کسی خوشی کے سلسلے میں دنیا پہ اطمینان کرلیتے ہیں تو وہ اسے تکلیف میں مبتلا کرتی ہے' اس میں خوش رہنے والا فریب خوردہ ہے جو شخص آج نفع اٹھا رہا ہے وہ کل نقصان اٹھائے گا' دنیاوی زندگی کی وسعت مصیبتوں کی پیغامبر ہے' اور بقاء کا انجام فنا ہے' اس کی ہر خوشی غم سے عبارت ہے جو اس سے دور چلا جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا' اور نہ اس میں رہتے ہوئے کوئی یہ جانتا ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے کہ اس کا انتظار کرے' اس کی آرزوئیں جھوٹی اور امیدیں باطل ہیں اس کی صفائی میں کدورت ہے اور اس کی زندگی مصیبت ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان یہاں رہ کر دو خطروں کی زد میں ہے ایک خطرہ نعمتوں کے ضائع جانے کا ہے اور دوسرا خطرہ مصیبت کا بالفرض اگر اللہ عزوجل نے دنیا کے بارے میں کوئی خبر نہ دی ہوتی' اور اس کی حقیقت آشکارا کرنے کے لیے مثالیں نہ بیان کی ہوتیں تب بھی سوتے ہوئے کو جگانے اور غافل کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے بہت کافی تھی' لیکن اللہ نے اپنے بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا بلکہ ان کے پاس ڈرانے دھمکانے والے بھیجے' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک اس فانی دنیا کی کوئی قدر نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جب سے اسے پیدا کیا اسے دیکھا تک نہیں آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا کے خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں۔ اگر آپ قبول فرمالیتے تو ایک مچھر کے پر کے برابر بھی آپ کا مرتبہ کم نہ ہوتا' لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار فرمادیا۔ (۱)

(۱) یہ روایت حضرت حسن بصری کی خط و کتابت کے ذکر کے ساتھ ابن ابی الدنیا نے مرسلاً نقل کی ہے اور احمد طبرانی نے ابو موہبہ اور ترمذی نے ابو امامہ سے روایت کی ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اس کی ناپسندیدہ چیز کو اختیار کرنا یا جو چیز اللہ کے نزدیک حقیر ہے اسے عزت دینا اور اس کی قدر کرنا مناسب نہ سمجھا' اللہ نے نیکو کاروں سے دنیا کو آزمائش کے لیے دور رکھا ہے' اور اپنے دشمنوں پر دنیا کو اس لیے وسیع کیا ہے تاکہ وہ فریب میں مبتلا رہیں چنانچہ جس شخص کو کچھ دنیا میسّر ہو جاتی ہے وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اللہ کے یہاں میری بڑی منزلت اور توقیر ہے' اس شخص کو وہ معاملہ یاد نہیں رہتا جو اللہ نے اپنے محبوب و مقبول سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا کہ آپ نے بھوک سے بے حال ہو کر اپنے بطن مبارک پر پتھر باندھ لیے تھے (بخاری۔ جابر) ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ جب مالداری کو آتا ہوا دیکھو تو یہ سمجھو کہ کوئی گناہ کیا تھا جس کی سزا دنیا میں مل رہی ہے' اور جب فقر کو آتا ہوا دیکھو تو اسے صلحاء کا شعار سمجھو اور اس کا خندہ پیشانی سے استقبال کرو۔ اور اگر چاہو تو کلمتہ اللہ روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اقتداء بھی کر سکتے ہو وہ فرمایا کرتے تھے میرا سالن بھوک ہے میرا شعار خوف ہے میرا لباس اون ہے سردی میں میری حرارت کا ذریعہ آفتاب ہے اندھیرے میں روشنی چاند سے حاصل کرتا ہوں میری سواری میرے دونوں پاؤں ہیں' میرا کھانا اور میوہ زمین کی گھاس اور پودے ہیں' رات کو خالی ہاتھ سوتا ہوں اور صبح کو خالی ہاتھ اٹھتا ہوں' دنیا میں مجھ سے زیادہ مالدار اور غنی کوئی دوسرا نہیں ہے' وہب ابن منبہؒ کہتے ہیں کہ جب اللہ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو یہ فرمایا کہ تم اس کے دنیاوی لباس اور ظاہری شان و شوکت سے مرعوب مت ہونا' اس کی تقدیر میرے ہاتھ میں ہے نہ وہ میرے حکم کے بغیر بولتا ہے نہ آنکھیں بند کرتا ہے نہ سانس لیتا ہے اور تم اس کی زیب و زینت اور مال و متاع سے تعجب میں مت پڑنا اس لیے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ دنیا ہی کی دولت' زینت اور نمائش ہے' تم چاہو تو میں تمہیں بھی اتنا ہی آراستہ پیراستہ کردوں کہ تمہیں دیکھ کر فرعون بھی اپنی عاجزی اور مسکنت کا اظہار کرنے لگے۔ اور یہ کہے کہ واقعتہً اتنی زیب و زینت میرے بس سے باہر ہے لیکن میں تمہارے لیے اس بات کو پسند نہیں کرتا بلکہ تمہیں اس دنیا سے دور رکھنا چاہتا ہوں میں اپنے دوستوں کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ کرتا ہوں دنیا کی نعمتوں سے میں انہیں اس طرح دور رکھتا ہوں جس طرح کوئی شفیق چرواہا اپنی بکریوں کو ان چراگاہوں سے دور رکھتا ہے جہاں ان کی ہلاکت کا خوف ہو' یا کوئی مشفق ساربان اپنے اونٹوں کو خارش زدہ اونٹوں سے بچاتا ہے ایسا اس لیے نہیں کہ وہ میری نگاہوں میں ذلیل و خوار ہیں بلکہ اس لیے کہ آخرت کے جو انعامات میں نے مقرر کر رکھے ہیں وہ انہیں پورے طور پر حاصل کرلیں میرے دوست میرے لئے ذلت' خوف' خشوع اور تقویٰ سے زینت اختیار کرتے ہیں' یہ اوصاف ان کے دلوں میں بھی راسخ ہوتے ہیں اور ان کے ظاہر پر بھی ان کا اثر نمایاں ہوتا ہے یہ اوصاف انکے لباس ہیں جنہیں وہ پہنتے ہیں' ان کی کملیاں ہیں جنہیں وہ اوڑھتے ہیں یہی اوصاف ان کا ضمیر ہیں جس سے وہ محسوس کرتے ہیں' ان کا ذریعۂ نجات ہیں' ان کی امید ہیں' ان کی عظمت اور بزرگی ہیں' جب تم ان سے ملو تو اِنکساری سے پیش آؤ' ان کا احترام کرو' اپنے دل اور زبان سے متواضع رہو اور یہ بات جان لو کہ جو میرے دوست کو تکلیف پہنچاتا ہے وہ گویا مجھے دعوت جنگ دیتا ہے یقیناً ایسا شخص قیامت کے دن میرے انتقام کی زد میں ہوگا۔

ایک روز حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا: یاد رکھو' ایک روز تم موت کی آغوش میں چلے جاؤ گے اور پھر قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے اس دن تمہاری نجات کا مدار اعمال پر ہوگا اچھے ہوں گے تو تمہیں ثواب ملے گا' دنیا کی زندگی پر مت اِتراؤ' اسے مصائب گھیرے ہوئے ہیں' اسے فنا ہونا ہے یہ دنیا خیانت اور دھوکے سے عبارت ہے' جو کچھ اس میں ہے وہ زوال پذیر ہے وہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ منتقل ہوتی رہتی ہے' اس کے حالات یکساں نہیں رہتے' اس کے باشندے اس کے شر سے مامون نہیں ہیں' جب آدمی کو کوئی خوشی حاصل ہوتی ہے اچانک غم آدباتا ہے' اس کے حالات بدلتے رہتے ہیں اس میں نہ زندگی پائیدار ہے اور نہ کوئی خوشی دائمی ہر شخص نشانے کی زد میں ہے' موت اپنے تیروں سے اس کا جسم چھلنی کردے گی موت ہر ذی نفس کا مقدر ہے اے اللہ کے بندو! آج دنیا میں تمہارا ایسا حال ہے جیسا تم سے پہلے لوگوں کا تھا' جو عمر میں تم سے طویل طاقت

میں تم سے زیادہ تھے جن کے مکانات بلند و بالا و پُرشکوہ تھے اور جن کی آبادیاں زبردست تھیں لیکن طویل انقلاب سے ان کی آوازیں دب کر رہ گئیں ان کے جسم بوسیدہ ہو گئے ان کی بستیاں اُلٹ گئی اور آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہو گئیں' کہاں ان کی رہائش کی لیے عالیشان حویلیاں تھیں' اور راحت کے لیے مسہریاں گاؤ تکیئے اور فرش مخملیں تھے' اور کہاں قبر کا پُروحشت گوشہ' پتھریلی زمین' اور خاک کے تودے ہیں ان کی قبروں کی جگہیں ایک دوسرے سے قریب ہیں لیکن رہنے والے ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں نہ ان کو آبادی سے اُنسیت ہے اور نہ وہ بھائیوں اور پڑوسیوں کی طرح رہتے ہیں اگرچہ ان میں مکان کی قربت ہے لیکن دلوں کے فاصلے برقرار ہیں ان میں وصل کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ مصیبتوں نے انہیں پیس ڈالا ہے خاک نے ان کے نرم و نازک جسموں کو روند ڈالا ہے' اور پُرعیش زندگی گزارنے کے بعد اب وہ موت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں' نہ لب کھولنے کی سکت ہے اور نہ جسم ہلانے کی قدرت اب خاک تلے زندگی گزار رہے ہیں' دنیا سے ایسے گئے کہ پھر واپس نہ ہوئے۔ ارشادِ ربّانی ہے۔

كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (پ۱۸ ر۶ آیت ۱۰۰)

ہرگز ایسا نہیں ہوگا' یہ اس کی ایک بات ہی بات ہے۔ جس کو یہ کہے جا رہا ہے۔ اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ (موت) آنے والی ہے قیامت کے دن تک۔

تمہارا حشر بھی ایسا ہی ہوگا' جیسا ان کا ہُوا ہے وہی وحشت ہوگی وہی تنہائی کا عالم ہوگا' اسی خاک میں تم گلو گے جس میں وہ گل رہے ہیں' وہی خواب گاہ تمہاری ہوگی جس میں وہ آج سو رہے ہیں وہی ٹھکانہ ہوگا غور کرو' تمہارا کیا حال ہوگا' جب یہ حالات تمہارے سامنے پیش آئیں گے اور تم قبروں سے نکالے جاؤ گے' اور تمہارے سینوں کے راز ظاہر ہوں گے' اور جب تم برتر و عظیم شہنشاہ کے روبرو کھڑے ہو کر اپنے گناہوں کا اعتراف و اقرار کرو گے' خوف سے تمہارے دل پھٹ جائیں گے' سارے پردے اور حجابات اُٹھا دیئے جائیں گے' اور تمہارے تمام پوشیدہ عیوب اور سربستہ راز روزِ روشن کی طرح عیاں ہوں گے' اس دن ہر شخص اپنے کئے کا نتیجہ دیکھے گا' نیکی کا ثواب اور بدی کا عذاب پائے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى (پ ۲۷ ر ۶ آیت ۳۱)

انجام کار یہ کہ بُرا کام کرنے والوں کے بُرے کام کے عوض میں جزا دے گا اور نیک کام کرنے والوں کو ان نیک کاموں کے عوض میں جزا دے گا۔

ایک جگہ فرمایا:۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا۔

(پ ۱۵ ر ۱۸ آیت ۴۹)

اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہے اس سے ڈرتے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری کم بختی اس نامۂ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب دیکھا ہوا موجود پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اپنی کتاب کا عامل اور اپنے احباب کا متبع بنائے تاکہ ہم سب اس کے فضل و کرم سے آخرت میں بہتر ٹھکانہ پائیں' بلاشبہ وہ ہی لائق تعریف اور بزرگی والا ہے۔

ایک دانشور کہتے ہیں کہ زمانہ تیر انداز ہے روز و شب تیر ہیں' اور لوگ ان تیروں کا نشانہ ہیں زمانہ ہر روز اپنے تیر چلاتا ہے'

یہاں تک کہ اس کا تھیلا تیروں سے خالی ہو جاتا ہے اس صورت میں آدمی کب تک سلامت رہ سکتا ہے کہ دن تیزی سے گزر رہے ہوں اور راتیں بسُرعت تمام بسر ہو رہی ہوں، یعنی یکے بعد دیگرے تیر چل رہے ہوں اگر تمہیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ زمانے نے تمہارے اندر کیا کیا نقائص پیدا کئے ہیں تو تم ہر آنے والے دن سے وحشت کرنے لگو' اور ایک ایک لمحہ تم پر بوجھ بن جائے لیکن اللہ کی تدبیر ہر تدبیر سے بالا تر ہے یہی وجہ ہے کہ آدمی کبھی ان تغیّرات کو محسوس نہیں کرتا' جو رات دن کے چکّر سے اس کے اندر پیدا ہوتے ہیں حالاں کہ وہ ایلوے سے بھی زیادہ کڑوی ہے' بشرطیکہ کوئی باشعور اور عاقل و دانا آدمی ان لذات کا ذائقہ چکھے' دنیا کے اندر اتنے عیوب ہیں کہ کوئی بیان کرنے والا بھی انہیں بیان نہیں کر سکتا جو عجائب دنیا میں رونما ہوتے ہیں وہ اتنے زیادہ ہیں کہ کسی واعظ سے ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا' اے اللہ! ہمیں راہِ راست پر چلا۔

ایک صاحبِ بصیرت انسان سے جو دنیا کی رگ رگ سے واقف تھے پوچھا گیا کہ دنیا کب تک باقی رہے گی' انہوں نے جواب دیا کہ دنیا اس وقت کا نام ہے جس میں تم آنکھ کھولتے ہو اس لیے کہ جو وقت گذر چکا ہے وہ اب آنے والا نہیں ہے' اور جو آنے والا ہے اس کے بارے میں تم نہیں جانتے کہ وہ تمہیں ملے گا یا نہیں' دن آتا ہے اور چلا جاتا ہے' رات اس کے ماتم میں سیاہ پوش رہتی ہے' غرضیکہ لمحہ منٹ بن کر اور منٹ گھنٹے بن کر گزرتے چلے جاتے ہیں ساتھ ہی انسان پر حادثات کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے' اور یہ حادثات اس کے اندر برابر نقص و تغیّر پیدا کرتے رہتے ہیں خواہ وہ محسوس کرے یا نہ کرے زمانہ صرف شیرازہ بکھیرتا ہے' وہ جماعتوں میں تفریق ڈالتا ہے' وہ دولت کو گردش دیتا ہے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہنچاتا ہے' اس کی آرزوئیں طویل ہیں' اور عمر مختصر ہے سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے ایک دن خطبے کے دوران ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم ایک ایسے کام کے لیے پیدا کئے گئے ہو کہ اگر اس کی تصدیق کرو تو بے وقوف ٹھہرو اور تکذیب کرو تو ہلاک ہو' تم ہمیشہ رہنے کے لیے پیدا کئے گئے ہو لیکن یہاں نہیں' بلکہ دوسرے عالم میں جا کر' اے بندگانِ خدا! اب تم ایسی جگہ ہو جہاں کا کھانا گلے میں اَٹکتا ہے' اور پانی سے اُچھو لگتا ہے' کوئی نعمت ایسی نہیں ہے جو تمہیں مکمل خوشی دے سکے' کسی نعمت سے خوش ہوتے ہو تو دوسری نعمت کی جدائی کا غم برداشت کرنا پڑتا ہے' اس کے لیے کچھ اعمال کا توشہ لے لو جس کی طرف تمہیں سفر کرنا ہے اور جس میں تمہیں ہر حال میں رہنا ہے' اتنا کہہ کر آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور آپ منبر سے نیچے اُتر آئے۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا: میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے اور دنیا کو چھوڑنے کی وصیّت کرتا ہوں' یہ دنیا تمہیں چھوڑ دے گی اگرچہ تم اسے چھوڑنا پسند نہ کرو یہ تمہارے جسموں کو پُرانا کر دے گی' حالانکہ تم اسے نئی اور سجی سجائی دیکھنا چاہتے ہو' تمہاری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آدمی کسی سفر میں راستہ طے کر رہا ہو' اس راستے کو ختم ہونا ہے' یا پہاڑ پر چڑھ رہا ہو کسی نہ کسی بلندی پر وہ پہاڑ ختم ہوتا ہے' دنیا کا بھی یہی حال ہے' جو شخص دنیا کے سفر پر آگے بڑھ رہا ہے اسے کسی نہ کسی منزل پر پہنچ کر رکنا ہے' موت کا قاصد اس کے پیچھے پیچھے رواں ہے' اس کی تکلیف سے پریشان نہ ہونا چاہیئے' اسے ختم ہونا ہے نہ اس کے مال و منال اور نعمتوں سے خوش ہونا چاہیئے' ان پر زوال طاری ہونے والا ہے' مجھے طالبِ دنیا پر تعجب ہوتا ہے کہ موت اس کی جستجو میں ہے اور وہ غافل ہے' وہ غافل ہو تو ہو لیکن اس سے غفلت نہیں برتی جائے گی۔

محمد ابن حسینؒ فرماتے ہیں کہ جب علم و فضل اور ادب و معرفت کے حاملین کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو حقیر سمجھا ہے اور اسے اپنے دوستوں کے لیے پسند نہیں فرمایا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دنیا سے متنفر رہے ہیں اور اپنے رُفقاء کو بھی دنیا میں لگنے سے منع فرمایا ہے تو ان حضرات نے میانہ روی اختیار کی جو زائد بچا اسے آخرت کا توشہ بنا کر رکھا' صرف اتنا لیا جو کفایت کر جائے اور عیش کوشی کے تمام وسائل ترک کر دیئے لباس میں صرف اس بات کی رعایت کی کہ وہ ساتر عورت ہو۔ غذا میں معمولی کھانا کھایا اور وہ بھی اتنا جس سے بھوک ختم ہو۔ اور اعضاء اپنا وظیفہ ادا کرنے کے قابل رہیں' انہوں نے دنیا کو اس

نقطۂ نظر سے دیکھا کہ وہ فنا ہو جانے والی ہے' اور آخرت کو اس خیال سے دیکھا کہ وہ باقی رہنے والی ہے' انہوں نے دنیا سے آخرت کے لیے توشہ لیا جس طرح مسافر سفر کی اگلی منزلوں کے لیے توشہ لیتا ہے' انہوں نے دنیا کی تخریب کی' اور اس کے کھنڈرات پر اپنی آخرت کے محل کھڑے کئے' وہ آخرت کو اپنے دلوں سے محسوس کرتے تھے' اور یہ جانتے تھے کہ عنقریب اپنی ظاہری آنکھوں سے بھی ہمیں اس کا مشاہدہ کرلینا ہے' ان لوگوں نے کچھ دنوں کی مشقت سے ابدی راحت خریدی' یہ سب مولائے کریم کی توفیق خاص سے ہوا کہ انہوں نے وہ بات پسند کی جو ان کے رب کو پسند تھی اور وہ بات ناپسند کی جو ان کے رب کو ناپسند تھی۔

دُنیا کی حقیقت مثالوں کی روشنی میں

جاننا چاہیئے کہ دنیا بہت جلد فنا ہو جانے والی ہے' اگرچہ وہ بقا کی وعدہ کرتی ہے' لیکن اپنا وعدہ وفا نہیں کرتی' تم اسے ٹھہرا ہوا پاتے ہو لیکن وہ بڑی تیزی سے چل رہی ہے اور ہوا کی مانند آگے کی طرف رواں دواں ہے' دیکھنے والا اس کی حرکت اور رفتار محسوس نہیں کرتا' اور اسے اپنی جگہ منجمد سمجھ کر مطمئن ہو جاتا ہے لیکن جو لوگ ماہ و سال کی گردش سے واقف ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا ٹھہری ہوئی نہیں ہے بلکہ بڑی سُرعت سے اپنی آخری منزل کی طرف دوڑ رہی ہے۔

<u>تیز رفتاری میں دنیا کی مثال</u> : اس سلسلے میں دنیا کو سایہ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ وہ بھی بظاہر حرکت کرتا معلوم نہیں ہوتا' مگر حقیقت میں متحرک رہتا ہے' اگرچہ اس کی حرکت آنکھ سے محسوس نہیں ہوتی بلکہ عقل سے سمجھ میں آتی ہے' حضرت حسن بصریؒ کے سامنے دنیا کا ذکر ہوا تو آپ نے یہ شعر پڑھا۔

احلام نوم او کظل زائل ان اللبیب بمثلها لا یخدع

(دنیا خواب ہے یا ڈھلتا ہوا سایہ ہے' عقل مند آدمی اس طرح کی چیزوں سے فریب نہیں کھاتا۔

یا اهل لذات دنیا لا بقاء لها ان اغترارا بظل زائل حمق

(اے دنیوی لذّات میں مست لوگو! انہیں بقا نہیں ہے' ڈھلتے سائے سے دھوکا کھانا سراسر حماقت ہے)

یہ شعر حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی طرف منسوب ہے۔ روایت ہے کہ ایک اعرابی کسی قوم کے یہاں مہمان ہوا' انہوں نے کھانا پیش کیا' کھانے کے بعد وہ شخص ایک خیمے کے سائے میں سو گیا' انہوں نے خیمہ اکھاڑ لیا' اسے دھوپ لگی تو اٹھ کھڑا ہوا اور یہ شعر پڑھا۔

الا انما الدنیا کظل ثنیة ولا بد یوما ان ظلک زائل

(آگاہ رہو کہ دنیا پہاڑوں کے سائے کے علاوہ کچھ نہیں ہے' ایک نہ ایک دن تمہارا سایہ بھی زائل ہو کر رہے گا)
ایک شعر ہے۔

وان امرء دنیاه اکبر همه لمستمسک منها بحبل غرور

(جو شخص دنیا کو اپنا سب کچھ سمجھے ہوئے ہے وہ گویا دھوکے اور فریب میں مبتلا ہے)

<u>خواب سے دنیا کی مشابہت</u> : دنیا کیوں کہ اپنے خیالات سے آدمی کو دھوکا دیتی ہے' لیکن جب وہ ان خیالات کے افسوں سے آزاد ہوتا ہے تو کچھ پاس نہیں رہتا' اس اعتبار سے دنیا کی مثال خواب کی سی ہے' نیند میں آدمی بہت کچھ دیکھتا ہے لیکن صبح آنکھ کھلتی ہے تو کچھ پاس نہیں ہوتا' حدیث شریف میں ہے۔

الدنیا حلم واهلها علیها مجازون ومعاقبون (۱)

(۱) مجھے اس روایت کی سند نہیں ملی۔

دنیا ایک خواب ہے' اور دنیا والوں کو اس پر جزا و سزا دی جائے گی۔

یونس ابن عبید کہتے ہیں کہ میں دنیا میں اپنے وجود کو اس سونے والے سے تشبیہ دیا کرتا ہوں جو خواب میں ناخوشگوار منظر دیکھے' اور پھر اچانک اس کی آنکھ کھل جائے' اسی طرح لوگ سوئے ہوئے ہیں' جب موت آئے گی تب نیند سے جاگیں گے اس وقت ان کے ہاتھ خالی ہوں گے' دنیا جس پر ان کا تکیہ تھا' اور جس سے وہ خوش ہوا کرتے تھے کچھ کام نہ آئے گی' ایک عاقل سے دریافت کیا گیا کہ دنیا کس چیز سے زیادہ مشابہ ہے' اس نے جواب دیا سونے والے کے خواب سے۔

دنیا کی عداوت اہل دنیا کے ساتھ : دنیا کے مزاج میں بظاہر نرمی ہے لیکن وہ نرمی اور مہربانی کے ذریعہ اپنے عاشق کو ہلاکت میں مبتلا کردیتی ہے' اس اعتبار سے دنیا اس عورت کی طرح ہے جو شادی کے خواہش مندوں کے سامنے بن سنور کر آئے' اور وہ جب اس کے دام حسن میں گرفتار ہو کر اس کی زنجیروں میں مقید ہوجائیں تو انہیں ذبح کردے' روایت ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مکاشفہ ہوا' انہوں نے دنیا کو ایک بڑھیا کے روپ میں دیکھا' جو بنی ٹھنی اور بجی سنوری ہوئی تھی' حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اس سے دریافت کیا کہ تو نے کتنے بیاہ رچائے ہیں' اس نے جواب دیا' بے شمار۔ آپ نے پوچھا کیا تیرے وہ سب شوہر مرگئے' یا انہوں نے تجھے طلاق دے دی' اس نے جواب دیا: نہیں بلکہ میں نے انہیں قتل کردیا۔ آپ نے فرمایا' تیرے باقی شوہر کس قدر بدبخت ہیں کہ وہ تیرے سابقہ شوہروں کی حالت زار سے سبق نہیں لیتے' وہ جانتے ہیں کہ تو نے انہیں چن چن کر ہلاک کردیا ہے اس کے باوجود وہ تجھ سے نہیں ڈرتے۔

دُنیا کے ظاہر و باطن کا تضاد : جاننا چاہیئے کہ دنیا کا ظاہر آراستہ اور باطن انتہائی بُرا ہے وہ ایک ایسی بڑھیا کے مشابہ ہے جو عمدہ لباس پہن کر اور چہرے پر نقاب لگا کر اپنے جسم کو چھپالے اور لوگ اسے خوبصورت اور جواں سال عورت سمجھ کر اس کے پیچھے ہولیں' اگر وہ اس کے باطن پر مطلع ہوں اور چہرے سے نقاب اُلٹ کر دیکھیں تو شرم سے زمین میں گڑ جائیں اس کا پیچھا کرنے پر نادم ہوں اور اپنی بد عقلی کا ماتم کریں کہ حقیقت پر غور نہیں کیا اور ظاہر سے دھوکا کھاگئے علاء ابن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت نے جس کی کھال سکڑی ہوئی اور گوشت ڈھلا ہوا ہے' بہترین لباس پہن رکھا ہے' اور زیورات سے اپنا چہرہ اور دوسرے اعضاء آراستہ کئے ہوئے ہیں' لوگ اس کے اِرد گرد بھیڑ لگائے ہوئے ہیں مجھ ان لوگوں کا یہ والہانہ انداز دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی میں نے اس بڑھیا سے پوچھا تو کون ہے' اس نے کہا کیا تم مجھے نہیں جانتے' میں دنیا ہوں' میں نے کہا میں تیرے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں' اس نے کہا اگر تم میرے شر سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو مال و دولت کو بُرا سمجھو' ابو بکر ابن عیاش کہتے ہیں کہ میں نے بغداد آنے سے قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک انتہائی بد صورت بوڑھی کھوسٹ عورت ہے اور تالیاں بجاتی جارہی ہے لوگ اس کے پیچھے پیچھے تالیاں بجاتے اور رقص کرتے پھر رہے ہیں' جب وہ میرے سامنے آئی تو میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ اگر تو مجھے مل جائے تو میں تیرا بھی یہی حال کردوں جیسا کہ اس کا کیا ہے یہ خواب سنا کر ابو بکر رونے لگے' فضیل ابن عیاض حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کرتے ہیں قیامت کے روز دنیا ایک بدصورت بڑھیا کے روپ میں آئے گی' اس کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور دانت آگے کی طرف نکلے ہوئے ہوں گے' لوگوں سے دریافت کیا جائے گا کہ تم اس عورت سے واقف ہو' وہ عرض کریں گے خدا نہ کرے ہم اس سے واقف ہوں' ان سے کہا جائے گا یہ دنیا ہے جس کی خاطر تم نے عداوتیں مول لیں' قطع رحمی کی' ایک دوسرے سے حسد کیا دلوں میں بغض و عناد کی پرورش کی اور دھوکے کھائے اس کے بعد اس بڑھیا کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا' وہ کہے گی: یا اللہ! میرے متبعین اور میرے عشاق کہاں ہیں؟ حکم ہوگا' ان کو بھی اس کے پاس پھینک دو' فضیل فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ ایک عورت چوراہے پر کھڑی ہے وہ خوب زیب و زینت کئے ہوئے ہے لیکن جوں ہی کوئی آدمی اس کے قریب سے گذرتا ہے وہ اسے زخمی کردیتی ہے' جب وہ پشت پھرتی ہے تو بڑی حسین اور خوب صورت نظر آتی ہے' اور جب

چہرا سامنے کرتی ہے تو انتہائی بُری اور مکروہ صورت بڑھیا نظر آتی ہے' میں نے اسے دیکھ کر کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں' اس نے کہا' بخدا تو اس وقت تک مجھ سے نہیں بچ سکتا جب تک درہم کو ناپسند نہیں کرے گا' میں نے کہا تو کون ہے اس نے کہا میں دنیا ہوں۔

دُنیا سے انسان کے گذرنے کی مثال : جاننا چاہیئے کہ دنیا کے تعلق سے انسان کی تین حالتیں ہیں ایک اس سے پہلے کی حالت جب تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے یعنی اَزل سے پیدائش تک کی حالت دوسری حالت اَبد اور اَزل کے درمیان کی حالت ہے' یہ تمہاری زندگی کے دن ہیں جو تم دنیا میں گذارتے ہو' اب چند روز زندگی کی طوالت پر نظر ڈالو اور اس اَزل و اَبد کی نسبت سے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ یہ زندگی بھی اتنی طویل نہیں ہے جیسے کسی طویل سفر کی منزل کا قیام ہوتا ہے' اسی لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مالی و للدنیا وانما مثلی و مثل الدنیا کمثل راکب سار فی یوم صائف فرفعت لہ شجرۃ فقال تحت ظلھا ساعۃ ثم راح و ترکھا (ترمذی' ابن ماجہ' حاکم' ابن مسعودؓ)

مجھے دنیا سے کیا واسطہ میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی سوار گرمی کے دن میں چلے اور راہ میں اس کو کوئی درخت ملے اور وہ اس کے سائے میں تھوڑی دیر آرام کرے پھر چل دے اور اسے چھوڑ جائے

جو دنیا کو اس نقطۂ نظر سے دیکھے گا وہ کبھی اس پر بھروسا نہیں کرے گا اور نہ یہ پروا کریں گے کہ اس کے دن تنگی اور پریشانی میں گزرے ہیں' یا عیش اور فارغ البالی کے ساتھ گذرے ہیں بلکہ وہ اینٹ پر اینٹ بھی نہیں رکھے گا چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر نہ کبھی اینٹ پر اینٹ رکھی اور نہ لکڑی پر لکڑی (یعنی نہ اینٹ کا مکان بنوایا اور نہ لکڑی کا) (ابن حبان' طبرانی عائشہؓ) بعض صحابہ کو پختہ مکان بناتے ہوئے دیکھ کر ارشاد فرمایا:۔

اری الامر اعجل من ھذا (ابوداؤد' ترمذی۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

میں امر (موت) کو اس سے جلد تر دیکھ رہا ہوں۔

آپ نے پختہ مکان بنوانے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا' اور دنیاوی زندگی کی ناپائیداری کے اظہار کے لیے فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے مکان بن کر تیار نہ ہو اور موت آجائے' اسی حقیقت کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے کہ دنیا ایک پُل ہے اسے عبور کرو' آباد نہ کرو' یہ دنیاوی زندگی کی ایک واضح ترین مثال ہے' اس لیے کہ دنیا کی زندگی وا قعتہً آخرت تک پہنچنے کے لیے ایک پُل ہے' اس کا ایک ستون مَہد ہے اور دوسرا ستون لحد ہے' اور ان دونوں کے درمیان محدود مسافت ہے' بعض لوگوں نے اس پل کا نصف فاصلہ طے کر لیا ہے اور بعض نے ایک تہائی اور بعض نے دو تہائی اور بعض کا صرف ایک قدم اٹھانا باقی رہ گیا ہے' اور وہ اس سے غافل ہے کہ اس کا اگلا قدم موت کی آغوش میں پہنچانے والا ہے بہر حال کچھ بھی ہو انسان کے لیے اس پُل کو عبور کرنا ضروری ہے' پُل پر تعمیر کرنا' اور اسے سجانا انتہائی جہالت اور حماقت کی بات ہے۔

دنیا میں داخل ہونا آسان اور نکلنا مشکل ہے : دنیا بظاہر بڑی نرم اور سہل لگتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں خوض کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس طرح اس میں داخل ہونا آسان ہے اسی طرح اس سے نکلنا بھی آسان ہو گا لیکن یہ غلط ہے دنیا میں مشغول ہونا آسان ہے لیکن اس سے سلامتی کے ساتھ نکلنا بڑا مشکل ہے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے حضرت سلمان الفارسیؓ کو اس کی مثال لکھ کر بھیجی تھی کہ دنیا سانپ کی طرح ہے کہ اس کی جلد انتہائی نرم اور گداز ہوتی ہے لیکن اس کا زہر انتہائی قاتل اور مہلک ہوتا ہے اگر تمہیں دنیا کی کوئی چیز پسند آجائے تو اس سے منہ موڑ لو اس لیے کہ وہ تمہارے ساتھ زیادہ دیر تک رہنے والی نہیں ہے' تم

جانتے ہو کہ یہ دنیا ایک نہ ایک دن جدا ہو کر رہے گی پھر اس کی فکر کیوں کرتے ہو جب تم اس میں زیادہ خوش ہو تو زیادہ احتیاط کرو' اس لیے کہ جب کوئی اس کی خوشی سے مطمئن ہو جاتا ہے تو اسے ناقابل برداشت اذیّت پہنچاتی ہے۔

دنیا میں پڑ کر اس کی آفتوں سے محفوظ رہنا : دنیا میں پڑ کر اس کی آفتوں سے محفوظ رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

انما مثل صاحب الدنیا کالماشی فی الماء هل یستطیع الذی یمشی فی الماءان لا تبتل قدماه (ابن ابی الدنیا' بیهقی۔انس)

دنیا والے کی مثال ایسی ہے جیسے پانی میں چلنے والا' کیا پانی میں چلنے والے کے لیے یہ ممکن ہے کہ اس کے پاؤں نہ بھیگیں۔

اس حدیث کی روشنی میں ان لوگوں کی جہالت واضح ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے جسم دنیاوی لذتوں میں مشغول ہوتے ہیں دل نہیں ہمارے دل پاک ہیں اور دلوں کا کوئی تعلق ان جسموں سے نہیں ہے' یہ ایک شیطانی دھوکا ہے اس لیے کہ اگر انہیں ان لذتوں سے دور کر دیا جائے تو وہ ان کے فراق میں غمگین ہو جاتے ہیں' اگر ان لذتوں کا دلوں سے کوئی علاقہ نہیں ہے تو پھر اس غم کے کیا معنیٰ ہیں۔ جس طرح پانی پر چلنے کا مطلب یہ ہے کہ قدم ضرور تر ہوں گے اسی طرح دنیا کی لذات میں پڑنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ دل ضرور متأثر ہو گا' اور ان لذات کی آلودگی کا اثر دل تک ضرور پہنچے گا' بلکہ دل میں اگر دنیا کا ذرا سا بھی خیال ہوتا ہے تب بھی آدمی عبادت کی حلاوت سے محروم ہو جاتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے: میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جس طرح بیمار کو کھانے میں لُطف نہیں آتا اسی طرح دنیا والے کو عبادت میں حلاوت محسوس نہیں ہوتی' یہ بھی تم سے سچ کہتا ہوں کہ جس طرح گھوڑا اگر اس پر سواری چھوڑ دی جائے سرکش ہو جاتا ہے اور اس کا مزاج بگڑ جاتا ہے' اسی طرح آدمی کا دل ہے اگر اسے موت کے ذکر اور عبادت کی مشقت سے نرم نہ کیا جائے تو اس میں قساوت اور سختی پیدا ہو جاتی ہے یہ بھی سچ ہے کہ جب تک مشکیزہ پھٹتا اور سوکھتا نہیں ہے اس وقت تک شہد بھرنے کے قابل رہتا ہے' اسی طرح جب تک دل شہوات سے نہیں پھٹتے' طمع و حرص سے آلودہ نہیں ہوتے اور لذات سے سخت نہیں ہوتے' اس وقت تک حکمت و معرفت سے لبریز رہتے ہیں' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

انما بقی بلاء و فتنة وانما مثل عمل احدکم کمثل الوعاء اذا طاب اعلاه طاب اسفله واذا خبث اعلاه خبث اسفله (ابن ماجه۔معاویة)

دنیا میں صرف مصیبت اور فتنہ رہ گیا ہے اور تم میں سے ہر ایک کے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے برتن کہ اگر اس کا ظاہر اچھا ہو گا تو باطن بھی اچھا ہو گا ظاہر برا ہو گا تو باطن بھی بُرا ہو گا'

باقی دنیا کی مثال : جو دنیا باقی رہ گئی ہے اس کی مثال حضرت انسؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مثل هذه الدنیا مثل ثوب شق من اوله الی آخره متعلقا بخیط فی آخره فیوشک ذلک الخیط ان ینقطع (ابن حبان۔بیهقی)

اس دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کپڑا کہ شروع سے آخر تک پھٹ جائے اور صرف ایک دھاگا لٹکا رہ جائے قریب ہے کہ وہ دھاگا بھی ٹوٹ جائے۔

دنیا کا ایک علاقہ دوسرے سے متعلق ہے : دنیا کا کوئی علاقہ ایسا نہیں ہے جو دوسرے علاقے کا سبب نہ ہو' چنانچہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ طالب دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر کا پانی پینے والا کہ جتنا وہ پانی پیتا ہے اتنی ہی پیاس بڑھتی ہے یہاں تک کہ پانی پیتے پیتے ہلاک ہو جاتا ہے۔

دنیا کا آغاز اچھا اور انجام خراب: دنیا کی ابتدا اچھی ہے' لیکن اس کا آخر اچھا نہیں خراب ہے' دنیا کی شہوتیں دل کو اسی طرح اچھی لگتی ہیں جس طرح معدہ کو لذیذ کھانے اچھے لگتے ہیں بندہ موت کے وقت اپنے دل میں ان شہوتوں کی کراہت خبث اور بو محسوس کرے گا جس طرح معدہ میں پہنچنے کے بعد عمدہ کھانے بھی غلاظت میں تبدیل ہو جاتے ہیں جس طرح کھانا خواہ کتنا ہی نفیس' لذیذ اور چربی دار کیوں نہ ہو اسے گندگی میں بدلنا ہے اور اس سے بدبو پیدا ہوتی ہے' اسی طرح ہر شہوت خواہ وہ دل کو کتنی ہی اچھی کیوں نہ لگتی ہو مرنے کے وقت اس میں سخت بو پیدا ہو جائے گی' اور اس وقت اس کی اذیت محسوس ہوگی' بلکہ ہم دنیا میں اس حقیقت کا رات دن مشاہدہ کرتے ہیں کہ جس شخص کا گھربار چھن جائے' یا مال ضائع ہو جائے' یا بیوی بچے گم ہو جائیں تو وہ ان کی جُدائی کا اس قدر غم محسوس کرتا ہے جتنی ان سے محبت ہوتی ہے' اسی طرح شہوت جس قدر دل میں راسخ ہوگی اسی قدر موت کے وقت اس کی جدائی کی تکلیف ہوگی' کیونکہ موت کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ جو کچھ تمہیں دنیا میں حاصل ہے وہ باقی نہ رہے۔ روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضحاک ابن سفیان الکلابی سے فرمایا کہ تم اپنی غذا میں نمک مرچ ڈال کر کھاتے ہو' پھر اس پر دودھ اور پانی پیتے ہو' تم جانتے ہو کہ اس غذا کا کیا بن جاتا ہے ضحاک نے عرض کیا: وہ چیز بن جاتی ہے جس سے آپ واقف ہیں' آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اس چیز سے تشبیہ دی ہے جس میں انسان کا کھانا پانی تبدیل ہو جاتا ہے (طبرانی' احمد) ابی ابن کعبؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان الدنیا ضربت مثلا لابن آدم فانظر ما یخرج من ابن ادم وان قزحه وملحه الا یصىر (طبرانی۔ ابن حبان)

بے شک دنیا آدمی کے لیے مثال ہے' آدمی کے پیٹ سے جو نکلتا ہے اسے دیکھو خواہ وہ (اپنی غذا) میں نمک مرچ ڈال کر کھائے۔

ایک حدیث میں ہے۔

ان اللہ ضرب الدنیا لمطعم ابن ادم مثلا وضرب مطعم ابن آدم للدنیا مثلا وان قزحه وملحه (۱)

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ابنِ آدم کی غذا کے لیے مثال بنایا ہے اور ابنِ آدم کی غذا کو دنیا کے لیے اگرچہ وہ اس میں نمک مرچ ملالے۔

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ میں دیکھتا ہوں لوگ کھانوں میں مزیدار مصالحے ڈالتے ہیں' اور انہیں خوشبوؤں سے معطر کرتے ہیں' پھر انہیں وہاں پھینک دیتے ہیں جہاں تم دیکھتے ہو' ارشاد ربانی ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ (پ۳۰ ر۵ آیت ۲۴)

سو انسان کو چاہیئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں غذا سے مراد اس کی انتہا اور نتیجہ ہے' ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں' لیکن شرم آتی ہے' آپ نے فرمایا: شرمانے کی ضرورت نہیں پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ آدمی کو پاخانہ کرکے اسے دیکھنا بھی چاہیئے فرمایا! ہاں فرشتہ کہتا ہے دیکھ اپنی غذا کے انجام کو۔

---

(۱) اس کا پہلا جز' غریب ہے اور دوسرا جز ابھی گذرا ہے۔

دیکھ اس کھانے کو جس میں تو نے بخل کیا تھا' بشر بن کعب "لوگوں سے فرماتے کہ چلو میں تمہیں دنیا دکھلاؤں۔ اس کے بعد انہیں کسی کوڑی پر لے جاکر کھڑا کر دیتے کہ دیکھو یہ ہیں تمہارے پھل' مُرغ' شہد اور گھی۔

آخرت کی نسبت سے دُنیا کی مثال: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

ما الدنیا فی الآخرۃ الا کمثل ما یجعل احدکم اصبعه فی الیم فلینظر بم یرجع الیه (مسلم مستورد ابن شداء)

آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈال کر نکالے اور یہ دیکھے کہ اس پر کتنا پانی لگا ہے۔

دنیا میں اِنہماک اور آخرت سے غفلت کی مثال: آخرت سے اہلِ دنیا کی غفلت کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قوم کشتی پر سفر کرتی ہوئی کسی جزیرے کے نواح میں پہنچے' اور ملاح ان سے کہے کہ اُترو اور اپنی ضروریات سے فارغ ہو لو' ساتھ ہی انہیں یہ بھی بتلادے کہ اس جگہ زیادہ دیر تک ٹھہرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں جگہ خطرناک ہے اگر تم نے عجلت نہ کی تو کشتی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائے گی' اب لوگ جزیرے پر اُترتے ہیں اور ادھر اُدھر منتشر ہو جاتے ہیں ان میں سے کچھ اپنی ضروریات پوری کرنے کے بعد فوراً واپس آجاتے ہیں اور انہیں کشتی میں وسیع تر' مناسبِ حال اور منشاء کے مطابق جگہ مل جاتی ہے بعض لوگ جزیرے میں ٹھہر جاتے ہیں' انہیں جزیرے کے دل کش مناظر' اس کے دلآویز پھول' شاندار باغات' پرندوں کے خوب صورت نغمے' قیمتی پتھر' اور معادن اچھے تو لگتے ہیں لیکن کشتی کھلنے کا خوف انہیں زیادہ دیر ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتا' مجبوراً وہ واپس چلے آتے ہیں' لیکن کشتی میں اچھی جگہیں پہلے ہی سے دوسروں کے قبضے میں جا چکی ہوتی ہیں' انہیں تنگ جگہ ملتی ہے وہ اسی پر بیٹھ جاتے ہیں' کچھ لوگ واپس تو ہوئے' لیکن انہیں جزیرے کے قیمتی پتھر خوب صورت پھول' اور خوش ذائقہ پھل اتنے پسند آئے کہ انہیں چھوڑ کر آنا اچھا نہ لگا' وہ کچھ چیزیں اپنے ساتھ سمیٹ کر لے آئے' کشتی میں جگہ پہلے ہی تنگ تھی' جو چیزیں وہ لے کر آئے تھے انہیں رکھنے کی جگہ کہاں سے آتی مجبوراً سر پر لے کر بیٹھ رہے' اور دل میں نادم بھی ہوتے رہے کہ ناحق لے کر آئے' کچھ لوگوں کی نگاہیں ان رنگین مناظر اور قیمتی جواہر سے اس قدر خیرہ ہوئیں اور ان کے دل ان کی حسن و جمال سے اس قدر مسحور ہوئے کہ کشتی ہی کو بھلا بیٹھے' اور جزیرے کے اندر اتنی دور تک چلے گئے کہ ملاح کی آواز بھی ان تک نہ پہنچ سکی یوں بھی وہ پھل کھانے پھول سونگھنے' اور باغوں کی سیر کرنے میں اتنے مشغول تھے کہ اگر ملاح کی آواز ان تک پہنچ بھی جاتی تو وہ سن نہ پاتے' اور سن لیتے تو توجہ نہ دے پاتے' اگرچہ ان کے دلوں میں درندوں کا خوف بھی تھا اور وہ یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ اس جزیرے میں مصیبتیں بھی نازل ہوں گی' پریشانیاں اور دشواریاں بھی پیش آئیں گی' دامن تار تار کرنے والے کانٹے بھی ملیں گے' اور بدن زخم زخم کرنے والے درخت بھی وحشتیں بھی ہوں گی اور ہولناک آوازوں سے بھی دل لرزیں گے پھر ہم واپس بھی جانا چاہیں گے تو نہ جا سکیں گے' اسی سوچ میں تھے کہ کشتی والوں کی آواز آئی جلد از جلد کھانے پینے کی چیزوں اور زور جواہر سے لد کر پہنچے تو کشتی لنگر اٹھا چکی تھی' یہ لوگ کنارے ہی پر مایوس کھڑے رہ گئے' اور خوف دہشت سے مر گئے' کچھ لوگ ملاح کی آواز نہ سن سکے' ان میں سے بعض درندوں کی خوراک بن گئے اور بعض حیران و پریشان پھرتے پھرتے موت کی آغوش میں چلے گئے' بعض دلدل میں پھنس کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے' بعض کو سانپوں نے ڈس لیا اب کشتی والوں کا حال سنئے' جو لوگ کچھ سامان اٹھا کر کشتی میں سوار ہوئے تھے' وہ یہ سامان سر پر لادے بیٹھے رہے کشتی میں بیٹھنے کی جگہ بھی کم تھی چہ جائیکہ وہ غیر ضروری سامان رکھتے سفر طویل تھا' ان چیزوں کا انجام یہ ہوا کہ پھول مرجھا گئے' پھل سڑ گئے' اور جواہر نے رنگ بدل دیا' بدبو سے دماغ پھٹنے لگا سمجھ میں نہ آیا کیا کریں' اس سامان کو بحفاظت کس طرح لے جائیں کوئی تدبیر نہ بن پڑی تو سمندر کی نذر کر دیا' لیکن اس بدبو کا طبیعت پر اتنا اثر تھا کہ گھر تک پہنچنا مشکل ہو گیا' گھر پہنچتے ہی بیمار پڑ گئے' جو لوگ کشتی میں دیر سے پہنچے تھے وہ اگرچہ سفر کے دوران جگہ کی تنگی کے باعث کچھ پریشان ضرور رہے' لیکن وطن تک صحیح و سالم پہنچ گئے' بروقت پہنچ کر جگہ حاصل کرنے والے سفر

میں بھی سکون سے رہے' اور گھر بھی بحفاظت پہنچے۔ یہ ان دنیا والوں کی مثال ہے جو عارض لذتوں میں مشغول ہیں' اور کتنا مرکز اور مستقر بھلا بیٹھے ہیں' نہ انہیں اپنے انجام کی خبر ہے اور نہ عاقبت کا ہوش' کتنے بُرے ہیں وہ لوگ جو سیم و زر سمیٹ کر اپنے آپ کو عاقل و دانا سمجھتے ہیں' حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ دنیاوی زیب و زینت کی چیزیں ہیں موت کے وقت ان میں سے کوئی چیز بھی ساتھ نہ ہوگی بلکہ اُلٹا وبال جان و مصیبت بن جائے گی' اس وقت بھی کچھ کم مصیبت نہیں ہے ہروقت اس کے ضائع جانے کا خوف ستاتا ہے اور کمی کا رنج دل کو رونے پر مجبور کرتا ہے۔ بجز ان لوگوں کے جو اللہ کی پناہ و حفاظت میں ہیں' اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔

دنیا سے مخلوق کے دھوکا کھانے اور ایمان میں کمزور ہونے کی مثال : حضرت حسنؒ کہتے ہیں مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے ارشاد فرمایا:۔

انما مثلی و مثلکم و مثل الدنیا کمثل قوم سلکوا مفازة غبراء حتّٰی اذا لم یدروا ما سلکوا منها اکثر او ما بقی انفدوا الزاد و حسروا الظهر و بقوا بین ظهرا فی المفازة ولا زاد ولا حولة فایقنوا بالهلکة فبینما هم کذلک اذ خرج علیهم رجل فی حل تقطر راسه فقالوا هذا قریب عهد بریف فلما انتهی الیهم قال: یا هؤلاء فقالوا: یا هذا فقال: علام انتم فقالوا علی ماتری فقال! ادائیتم ان هدیتکم الی ماء رواء و ریاض خضر ما تعملون' قالوا لا نعصیک شیئا؟ قال: عهودکم و مواثیقکم باللّٰه فاعطوه عهودهم و مواثیقهم باللّٰه لا یعصونه شیئا؟ قال: فاوردهم ماء رواء و ریاضا خضرا فمکث فیهم ماشاء اللّٰه' ثم قال: یا هولاء قالوا! یا هذا قال الرحیل' قالوا! والی این؟ قال الی ماء لیس کمائکم والی ریاض لیست کریاضکم فقال اکثرهم واللّٰه ماوجدناهذا حتّٰی ظننا انالن نجده وما نضع بعیش خیر من هذا وقالت طائف وهم اقلهم الم تعطوا هذا الرجل عهودکم و مواثیقکم باللّٰه ان لا تعصوه شیئا وقد صدقکم فی اول حدیثه فو اللّٰه لیصدقنکم فی آخره فراح فیمن اتبعه و تخلف بقیتهم فبدرهم عدو فاصبحوا بین اسیر وقتیل

(ابن ابی الدنیا' احمد' بزار' طبرانی ابن عباس)

میری تمہاری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ ریگستان کا سفر کریں اور اتنا چلیں کہ یہ پتا نہ رہے کہ جتنا راستہ طے کرچکے ہیں وہ زیادہ تھا یا جتنا راستہ باقی رہ گیا ہے وہ زیادہ ہے' ان کا زادِ راہ ختم ہوگیا ہمت جواب دے گئی زادِ راہ اور سواری سے محروم اسی جنگل میں پڑے رہے' انہیں یقین ہوگیا کہ بس اب ہلاکت کی گھڑی قریب ہے' اتنے میں ایک شخص اچھے لباس میں آتا ہوا نظر آیا' اس کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا' انہیں خیال ہوا کہ یہ شخص کسی زرخیز علاقے سے چل کر آیا ہے' اور وہ جگہ یقیناً یہاں سے قریب ہے جب وہ ان کے پاس پہنچا تو اس نے کہا کیا حال ہے' انہوں نے کہا تم دیکھ ہی رہے ہو ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں' آنے والے نے کہا اگر میں تمہیں میٹھے پانی اور شاداب باغیچوں تک لیجاؤں تو تم کیا کرو گے' انہوں نے کہا کہ ہم تیری اطاعت کریں گے' اس نے کہا اللہ کی قسم کے ساتھ ان وعدوں کو پختہ کرو' انہوں نے اللہ کی قسم کھائی کہ وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گے وہ انہیں حسب وعدہ پانی کے شیریں چشموں اور سرسبز و شاداب باغوں میں لے آیا' اور چند روز ان کے ساتھ رہا' پھر اس نے کہا اے لوگو! انہوں نے کہا' کہو کیا کہتے ہو' اس نے کہا! سفر

کرنا ہے' انہوں نے پوچھا کدھر جانا ہے؟ اس نے کہا ایسے پانی کی طرف جو تمہارے اس پانی سے زیادہ شیریں اور ایسے باغوں کی طرف جو تمہارے ان باغوں سے زیادہ ہرے بھرے ہیں' اکثر لوگوں نے جواب دیا کہ جو کچھ ہمیں یہاں میسر ہے' شاید اس سے زیادہ نہ مل سکے اور جس عیش کی زندگی ہم گذار رہے ہیں' شاید اس سے اچھی نہ گزار سکیں اس لیے ہم تمہارے ساتھ نہیں جائیں گے' کچھ لوگوں نے کہا کیا تم نے اللہ کی قسم کھا کر اس کی نافرمانی نہ کرنے کا عہد نہیں کیا تھا' اب اس عہد کو پورا کرو اس نے اپنا پہلا وعدہ بھی سچا کر دکھایا تھا اور وہ یہ وعدہ بھی پورا کرے گا' یہ لوگ اس کے ساتھ چلے گئے' اور وہ رہ گئے' صبح کو دشمن نے یلغار کی' کچھ قتل ہوگئے اور کچھ قیدی بن گئے۔

اس حدیث میں اُمّت کے دو طبقوں کا ذکر ہے ایک اطاعت گذار' اور دوسرا نافرمان آنے والا شخص خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' دنیا وہ بے آب و گیاہ صحرا ہے' جہاں قافلے کے لوگ تھک ہار کر لیٹ گئے تھے' اور وہ شیریں چشمے اور شاداب باغات آخرت کے چشمے اور باغات ہیں۔

<u>دنیاوی لذّات میں اِنہماک اور ان سے مُفارقت پر تکلیف کی مثال</u> : جن لوگوں کو دنیا کا مال و متاع میسّر ہے ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گھر بنائے اور اسے خوب سجائے پھر اپنی قوم کو اس گھر میں آنے کی دعوت دے' لوگ ایک ایک کر کے آئیں جب ایک گھر میں قدم رکھے تو صاحب خانہ اس کی خدمت میں پھولوں اور خوشبوؤں سے لبریز سونے کا ایک طباق پیش کرے تاکہ وہ سونگھ لے اور آنے والے کے لیے چھوڑ کر آگے بڑھ جائے' لیکن آنے والا شخص غلطی سے یہ سمجھے کہ میزبان نے یہ طباق مجھے ہدیہ کر دیا ہے' اور اب میں اس کا مالک ہوں' اسی طرح اسے طباق اور خوشبوؤں سے دِلی تعلق ہو جائے لیکن جب وہ طباق اس سے واپس لیا جائے تب اسے احساس ہو کہ یہ پھول اور خوشبو میں سونگھنے اور لُطف اندوز ہونے کے لیے دی گئیں تھیں نہ کہ مالک بننے کے لیے تکلیف اور یاس و حُزن کا عالم دیدنی تھا' یہ غلطی اس سے اس لیے ہوئی کہ وہ میزبانی کی ان رسموں سے واقف نہیں تھا' اس کے برعکس جب وہ شخص آیا جو ان آداب سے واقف تھا اس نے طباق لیا لطف اندوز ہوا اور میزبان کا شکریہ ادا کیا اور خوش دِلی اور شرح صدر کے ساتھ واپس بڑھا دیا' یہی حال ان لوگوں کا ہے جو دنیا کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی سنتِ قدیمہ سے واقف ہیں کہ یہ دنیا ایک مہمان خانہ ہے اور گزرنے والوں کے لیے وقف ہے تاکہ وہ یہاں ٹھہر کر اگلی منزل کے لیے توشہ لے لیں' یعنی جس طرح مسافر مہمان خانے سے نفع اٹھاتا ہے اسی طرح وہ بھی دنیا سے نفع اٹھائیں' یہ نہیں کہ اسے اپنا مستقل ٹھکانہ سمجھ بیٹھیں اور اس سے اتنا دل لگالیں کہ جب جدائی کا وقت آئے تو جانا دُشوار ہو جائے۔

یہ دنیا اس کی مصیبتوں اور آفتوں کی مثال ہے ہم خدائے عزّوجلّ سے حسن مدد کے خواہاں ہیں۔

بندے کے حق میں دُنیا کی حقیقت اور ماہیت

یاد رہے کہ صرف دنیا کی مذمت کا علم حاصل کر لینا ہی کافی نہیں ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ مذموم دنیا کون سی ہے؟ کس دنیا سے بچنا چاہیئے اور کس دنیا سے نہ بچنا چاہیئے؟ اس اعتبار سے مذموم دنیا اور قابلِ اجتناب دنیا کا تعیّن ضروری ہوا کیونکہ یہی رہروان حق کی دشمن اور راہ حق کی راہزن ہے جاننا چاہیئے کہ دنیا و آخرت تمہارے دل کی دو حالتوں کا نام ہے۔ حالت قریبہ اور حالت بعیدہ۔ پہلی حالت یعنی موت سے پہلے کی حالت کا نام دنیا ہے اور دوسری حالت یعنی موت کے بعد والی حالت کا نام آخرت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن چیزوں سے موت سے پہلے آدمی کی غرض' خواہش اور لذّت وابستہ رہتی ہے وہ اس کے حق میں دنیا ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر وہ چیز جس کی طرف تمہاری رغبت ہو یا تم اس سے لذّت پاتے ہو وہ بری ہے بلکہ ان چیزوں کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم : میں وہ چیزیں داخل ہیں جو آخرت میں تمہارے ساتھ رہیں گی اور موت کے بعد ان کا ثمرہ ظاہر ہوگا اور یہ صرف دو چیزیں ہیں۔ علم اور عمل' علم سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات' افعال' ملائکہ آسمانی کتب' انبیاء' آسمان و زمین کے ملکوت کی معرفت اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا علم ہے اور عمل سے مراد خاص اللہ کی خوشنودی کے لیے کی گئی عبادت ہے۔ بعض مرتبہ عالم علم سے اتنا مانوس ہوجاتا ہے کہ وہ اس کے نزدیک لذیذ ترین چیز بن جاتی ہے۔ وہ اس لذت پر کسی دوسری لذت کو ترجیح ہی نہیں دیتا۔ علم کی خاطر کھانا' پینا اور سونا سب بھول جاتا ہے۔ شادی بیاہ نہیں کرتا کیونکہ اسے جو لذت علم میں ملتی ہے۔ وہ ان چیزوں میں نہیں ملتی ہے لیکن جب ہم مذموم دنیا کا ذکر کرتے ہیں تو اسے شمار نہیں کرتے بلکہ اسے آخرت میں شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح عابد عبادت سے اتنا مانوس ہوجاتا ہے اور اس میں اتنا لطف اور مزہ پاتا ہے کہ اگر اسے عبادت کرنے سے روک دیا جائے تو شاید یہ اس کے لیے بدترین سزا ہو۔ چنانچہ ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ میں موت سے محض اس لیے ڈرتا ہوں کہ یہ میرے اور نماز تہجد کے درمیان حائل ہوجائے گی۔ ایک بزرگ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے قبر میں بھی نماز' رکوع اور سجود کی قوت عطا فرمانا' وہ یہ دعا اس لیے کرتے تھے کہ نماز ان کے نزدیک لذتِ عاجلہ (سردست حاصل ہوجانیوالے لذت) بن گئی تھی۔ اس طرح کی لذات پر دنیا کا اطلاق اس اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ دنوں سے مشتق ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں قریب ہونا اور یہ لذات بھی قریب ہی میں موت سے پہلے حاصل ہوتی ہیں لیکن ہم انہیں مذموم دنیا میں شامل نہیں کرسکتے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

حبب الی من دنیاکم ثلاث النساء والطیب و قرۃ عینی فی الصلوٰۃ

(نسائی' حاکم' انسؓ)

مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں محبوب ہیں۔ عورتیں' خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

اس حدیث میں نماز کو بھی دنیا کی لذتوں میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ لذائذ کا تعلق محسوسات و مشاہدات سے ہے اور نماز بھی ایک حسی اور مشاہد عمل ہے اور رکوع و سجود کی حرکت سے حاصل ہونے والی لذت دنیاوی لذت ہے لیکن کیونکہ یہ مذموم دنیا نہیں ہے اس لیے ہم اس سے تعرض نہیں کرتے۔

دوسری قسم : میں اس کی بالکل متضاد لذات اور حظوط ہیں یعنی جن کا آخرت میں کوئی ثمر یا نتیجہ نہ ہو' جیسے گناہوں سے لذت حاصل کرنا یا زائد از ضرورت مباحات سے لطف اندوز ہونا جو رفاہیت اور رعونت کے دائرے میں آتی ہوں۔ جیسے سونے چاندی کے ڈھیر' گھوڑے' چوپائے' غلام' باندیاں' محلات' قیمتی کپڑے اور لذیذ کھانے وغیرہ۔ بندے کا ان تمام چیزوں سے حظ اٹھانا دنیائے مذموم ہے۔ یہ ایک لمبی بحث ہے کہ ان میں سے کون سی چیز زائد از ضرورت ہے اور کون سی ضرورت کے بقدر ہے۔ روایات میں تو یہاں تک ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت ابو الدرداء کو حمص کا گورنر مقرر کیا۔ انہوں نے وہاں ایک پاخانہ تعمیر کرایا جس پر دو درہم خرچ آئے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے انہیں لکھا کہ فارس اور روم کی عمارتوں میں وہ چیز موجود تھی جو تم کو کافی ہوتی۔ تم نے دنیا آباد کی' حالانکہ اللہ نے اس کی فنا کا ارادہ کر رکھا ہے۔ جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو تم اپنے اہل و عیال سمیت دمشق چلے جانا۔ چنانچہ حضرت ابو الدرداء دمشق چلے گئے اور زندگی بھر وہیں مقیم رہے۔ غور کیجئے حضرت عمرؓ نے دو درہم سے تعمیر کئے گئے پاخانے کو بھی دنیا کی فضولیات میں شمار کیا۔

تیسری قسم : میں وہ لذات ہیں جو نہ خالص دنیاوی ہیں اور نہ اُخروی' بلکہ ان سے اعمال آخرت پر مدد ملتی ہے۔ جیسے بہ قدر قوت غذا اور بہ قدر عورت لباس کا استعمال اس میں ہر وہ لذت شامل ہے جو انسان اپنی بقا کے لیے یا علم و عمل تک پہنچنے کی خاطر

صحت و تندرستی پانے کے لیے حاصل کرے۔ یہ لذات پہلی قسم کی لذات کی طرح نہیں ہیں بلکہ ان سے پہلی قسم پر اعانت ہوتی ہے اور یہ اس تک پہنچنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ چنانچہ اگر انسان علم و عمل میں مشغول ہونے کے لیے کھانا کھائے تو اس کا یہ عمل دنیا نہیں ہے اور نہ وہ اس عمل کی وجہ سے دُنیادار کہلانے کا مستحق ہے۔ ہاں اگر کھانے کا محرک حظ عاجل ہے تو یہ دُنیاوی لذت ہوگی اور اس اعتبار سے دوسری قسم میں شامل ہوگی۔

موت کے بعد بندے کیساتھ باقی رہنے والی چیزیں : موت کے بعد بندے کے ساتھ صرف تین چیزیں باقی رہتی ہیں۔ دنیا کی آلودگیوں سے دل کا صاف ہونا' اللہ کے ذکر سے اُنسیت اور اللہ سے محبت' قلب کی طہارت اور پاکیزگی' اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت اور اس پر مُداومت سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ کی محبت معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور معرفتِ الٰہی دوام فکر سے یہ تینوں صفات ہی موت کے بعد انسان کی نجات اور سعادت کا ذریعہ ہیں۔

دنیا کی شہوتوں سے قلب کی طہارت اس لیے نجات دہندہ ہے کہ عذاب اور آدمی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

ان اعمال العبد تناضل عنه فاذا جاء العذاب من قبل رجليه جاء قيام اللّيل يدفع عنه واذا جاء من جهة يديه جاءت الصدقة تدفع عنه۔

(الحدیث / طبرانی' عبدالرحمٰن ابن سمرة)

بندے کے اعمال اس کی طرف سے لڑیں گے مثلاً جب عذاب پاؤں کی طرف سے آئے گا تو تہجد اس کو روکے گی اور جب ہاتھوں کی طرف سے آئے گا تو صدقہ اس کو روکے گا۔

اُنس مع اللہ اور محبتِ الٰہی سعادت کی کنجیاں ہیں۔ یہ دونوں بندے کو باری تعالیٰ کے دیدار اور ملاقات کی لذت سے ہمکنار کرتے ہیں اور یہ سعادت مرنے کے بعد فوراً حاصل ہو جاتی ہے اور دیدارِ الٰہی کے وقت تک جو جنت میں داخل ہو گا یہی حال رہتا ہے۔ قبر جنت کا خوبصورت باغیچہ بن جاتی ہے اور کیوں نہ بن جائے کہ صاحب قبر کا صرف ایک ہی محبوب تھا' دنیا میں تھا تو محبوب کی زیارت نہیں کر سکتا تھا کچھ رکاوٹیں تھیں۔ موت سے یہ رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ قید زندگی سے آزاد ہو گیا۔ محبوب اور اس کے درمیان جو دنیا کی دیوار حائل تھی وہ دور ہو گئی۔ اب وہ آخرت میں خوشی خوشی رکاوٹوں اور آفتوں سے مامون ہو کر قدم رکھے گا۔ طالبِ دنیا کو قبر میں عذاب ہوتا ہے کیوں نہ ہو؟ اس کا محبوب صرف ایک تھا اور وہ تھی دنیا۔ یہ محبوب اس سے چھین لیا گیا اور اس کے اور محبوب کے درمیان قبر کی دیوار حائل ہو گئی اور محبوب تک پہنچانے والے تمام راستے مسدُود ہو گئے۔ کسی شاعر کا شعر ہے۔

ما حال من كان له واحد غيب عنه ذلک الواحد

(ترجمہ) اس شخص کا کیا حال ہو گا جس کا ایک ہی محبوب ہو اور وہی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ موت عدم (فنا ہونے) کا نام نہیں ہے بلکہ موت سے آدمی کی محبوب چیزیں چھٹ جاتی ہیں اور وہ باری تعالیٰ کے حضور پیش ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ راہِ آخرت کا مسافر وہی ہے جو ہمیشہ ذکر فکر میں مشغول رہتا ہو اور ان اعمال پر کاربند ہو جن سے دنیا کی شہوتیں اور خواہشات ختم ہو جائیں اور وہ تمام لذّاتِ دُنیوی سے کنارہ کش ہو جائے اور یہ تمام باتیں صحت اور تندرستی کے بغیر ممکن نہیں ہیں اور تندرستی غذا لباس اور مسکین سے حاصل ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کا حصول اسباب پر موقوف ہے چنانچہ جو شخص ضرورت کے بقدر لباس' غذا اور مسکن حاصل کرے وہ دُنیادار کہلانے کا مستحق نہیں ہے بلکہ دنیا اس کے حق میں آخرت کی کھیتی ہوگی لیکن اگر اس نے ان چیزوں کو حظِ نفس کے لیے یا عیش کوشی کی غرض سے حاصل کیا تو دُنیادار ہو گا اور ان لوگوں میں شمار کیا جائے گا جو دنیاوی لذتوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

دُنیاوی لذّات میں رَغبت کی قسمیں : تاہم دنیاوی لذّتوں میں رغبت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کی رغبت رکھنے والا

آخرت کے عذاب کا نشانہ بنتا ہے اس کا نام حرام ہے اور دوسری وہ جو رغبت رکھنے والے کو آخرت کے اعلیٰ درجات تک نہ پہنچنے دے بلکہ اسے طویل محاسبے میں مبتلا کردے۔ اس کا نام حلال ہے۔ اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ میدان قیامت میں حساب کے لیے دیر تک ٹھہرنا بھی عذاب ہی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

فمن نوقش الحساب عذب (بخاری و مسلم' عائشہؓ)

جس سے حساب میں جرح کی جاتی ہے اسے پہنچتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔

حلالها حساب و حرامها عذاب (ابن ابی الدنیا' بیہقی' علی ابن ابی طالب موقوفاً)

دنیا کا حلال حساب ہے اور حرام عذاب ہے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا :

حلالها عذاب الا انه اخف من عذاب الحرام

دنیا کا حلال بھی عذاب ہے مگر یہ کہ حرام کے عذاب کی بہ نسبت ہلکا ہے۔

بلکہ اگر حساب و کتاب نہ ہو' محض نفس کی حقیر اور فانی لذات و خواہشات کی وجہ سے جنت کے اعلیٰ درجات میں کمی اور دل کا بلند درجات سے محرومی پر ملول ہونا بھی کسی عذاب سے کم نہیں ہے۔ اپنی اس حالت کو تم دنیا کی حالت پر قیاس کرسکتے ہو۔ جب تم اپنے ہم عصر اور ہم مرتبہ لوگوں کو کسی میدان میں آگے بڑھتے ہوئے دیکھتے ہو تو کس قدر حسرت ہوتی ہے اور قلب اپنی پسماندگی پر کتنا پریشان ہوتا ہے حالانکہ تم یہ بات جانتے ہو کہ یہ دنیاوی رتبے اور نعمتیں عارضی ہیں۔ ان میں کدورتیں ہیں۔ انہیں دوام اور بقا نہیں ہے۔ غور کرو' جب تم دنیا کی نعمتوں کے نہ ملنے پر اتنے ملول خاطر اور افسردہ ہوتے ہو تو اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے ہمسر آخرت کے میدان میں گوئے سبقت لے جائیں گے اور تم اس سعادت عظمیٰ سے محروم رہ جاؤ گے۔ جس کی عظمت کا اظہار الفاظ کے ذریعے ممکن نہیں۔ بہرحال جو شخص دنیا کی زندگی میں کسی لذت سے بہرور ہوگا خواہ کسی پرندے کی خوش آوازی سے یا گل و گلزار کے خوبصورت مناظر سے یا میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے ایک گھونٹ سے آخرت میں اس کا حصہ کم ضرور ہوجائے گا۔ یہی معنیٰ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کے جو آپ نے حضرت عمر ابن الخطابؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا تھا اور اشارہ ٹھنڈے پانی کی طرف تھا۔

هذا من النعيم الذي يسأل عنه (۱)

یہ ان نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

آخرت میں سوال کا جواب دینے میں ذلت' خوف' خطرہ' مشقت اور انتظار ہے اور یہ سب اُمور حظ آخرت میں کمی کرتے ہیں اسی لیے جب حضرت عمرؓ کو پیاس لگی اور آپ کے سامنے شہد سے میٹھا کیا ہوا ٹھنڈا پانی پیش کیا گیا تو آپ دیر تک پیالہ ہاتھوں میں لیے رہے اور اسے اِدھر اُدھر گھماتے رہے۔ پھر لانے والے کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔

اعزلوا عنى حسابها

مجھ سے اس کا حساب دور کردو۔

حاصل یہ ہے کہ دنیا کا قلیل و کثیر اور حرام و حلال سب ملعون ہیں۔ صرف اس مقدار کو اس حکم سے خارج کیا جاسکتا ہے جو اللہ کے خوف پر آدمی کی اعانت کرے۔ اس لیے کہ اتنی مقدار دنیا نہیں کہلائے گی۔ جس شخص کی معرفت جتنی قوی اور مضبوط ہوگی

---

(۱) یہ روایت کتاب الاطعمہ میں گزری ہے۔

اتنا ہی وہ دنیا کی نعمتوں سے کنارہ کش رہے گا۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سونے کے ارادے سے لیٹتے ہوئے اپنا سر ایک پتھر پر رکھ لیا تھا۔ ابلیس نے کسی انسان کی صورت میں نمودار ہو کر کہا کہ آپ دنیا کی طرف راغب ہو گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ پتھر نکال کر پھینک دیا۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام باوجودیکہ انہیں دنیا کی سلطنت اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں حاصل تھیں لیکن خود جَو کی روٹی کھاتے تھے اور دوسروں کو لذیذ کھانے اور بہترین غذائیں کھلایا کرتے تھے۔ انہوں نے اس طرح اپنے نفس کو قابو میں رکھا تھا حالانکہ یہ ایک صبر آزما کام تھا کیونکہ کھانوں پر قدرت رکھتے ہوئے صبر کرنا ایک زبردست مجاہدہ اور مشقت ہے اور کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا کی نعمتیں دور رکھی تھیں۔ چنانچہ آپ کئی کئی روز بھوکے رہا کرتے تھے۔ (ترمذی' ابن ماجہ' ابن عباس) بعض اوقات بھوک کی شدّت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ (۱)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاءُ اللہ پر مسلسل سختیوں اور آزمائشوں کی وجہ بھی یہی ہے کہ آخرت میں ان کا حصہ زیادہ سے زیادہ ہو اور دنیا کی کسی لذّت کی وجہ سے آخرت میں سے ان کا حصہ کم نہ ہو۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شفیق باپ اپنے بیٹے کو لذیذ پھل کھانے سے روک دے اور اسے پچھنے لگوا۔ ئے اور فاسد خون نکلوانے پر مجبور کرے۔ ایسا وہ اپنے بخل یا سخت دلی کی بنا پر نہیں کرتا بلکہ بیٹے کی بھلائی کی خاطر اپنی شفقت و محبت سے مجبور ہو کر کرتا ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ جو چیز خاص اللہ کے لیے ہے وہ دنیا نہیں ہے اور جو اللہ کے لیے نہیں ہے وہ دنیا ہے۔

دنیا کی تین قسمیں : یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جو خاص اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اشیاء کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم میں وہ چیزیں شامل ہیں جن کا اللہ کے واسطے ہونا مقصود ہی نہیں ہو سکتا۔ جیسے معاصی' ممنوعہ امور اور مباحات میں انواع و اقسام کی نعمتیں۔ یہ سب چیزیں خالص دنیا ہیں۔ صورتاً بھی اور معنیً بھی دوسری قسم میں وہ چیزیں ہیں جو بظاہر اللہ کے لیے ہو سکتی ہیں لیکن ان میں غیر اللہ کو بھی داخل کیا جا سکتا ہے۔ یہ تین چیزیں ہیں فکر' ذکر اور شہوات سے دور رہنا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ان تینوں باتوں پر خفیہ طور پر عمل کرے اور حکمِ الٰہی اور خوف آخرت کے علاوہ کوئی ان کا محرّک یا داعی نہ ہو تو یہ اللہ کے لیے ہی دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر فکر سے غرض یہ ہو کہ علم حاصل کر کے لوگوں پر اپنی برتری اور تفوّق ظاہر کرے گا' ان میں قبولیت حاصل کرے گا یا ذکر اس لیے کرے کہ لوگ اسے عارف باللہ کہیں یا مال کی اور صحت کی حفاظت اور خلق خدا میں عابد و زاہد مشہور ہونے کے لیے شہوات سے باز رہے۔ اگر ذکر' فکر اور ترک شہوت کے یہ مقاصد ہوں تو یہ حقیقت میں دنیا کے عمل شمار ہوں گے۔ اگرچہ اپنے ظاہر سے یہ اللہ کے ساتھ مخصوص عمل محسوس ہوتے ہیں۔ تیسری قسم میں وہ چیزیں شامل ہیں جو بظاہر حظِ نفس کے لیے مخصوص لگتی ہیں لیکن معنیً اللہ کے لیے ہو سکتی ہیں جیسے غذا' نکاح اور وہ تمام امور جن سے اس کی اور اس کے اہل و عیال کی بقاء وابستہ ہے۔ اگر غذا و نکاح سے واقعتاً حظِ نفس مقصود ہے تو یہ بھی دنیاوی عمل ہے اور اگر ان سے تقویٰ پر مدد حاصل کرنا ہے تو یہ معنیً اللہ کے لیے مخصوص ہیں۔ خواہ ان کا ظاہر انہیں دنیاوی عمل قرار دیتا ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

من طلب الدنیا حلالا مکاثرا مفاخرا لقی اللہ وھو علیہ غضبان' و من طلبھا استعفافا عن المسألۃ و صیانۃ لنفسہ جاء یوم القیامۃ و وجھہ کالقمر لیلۃ البدر۔ (ابو نعیم فی الحلیۃ' بیہقی' ابو ہریرہؓ)

جو شخص دنیا کو بطریق حلال' زائد از ضرورت اظہارِ مفاخرت کے لیے حاصل کرے وہ قیامت کے دن

---

(۱) یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس پر ناراض ہوگا اور جو شخص مانگنے کی ذلّت سے بچنے کے لیے اور اپنے نفس کی حفاظت کی خاطر دنیا طلب کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہوا ہوگا۔

غور کرو' مقصد اور ارادے کے اختلاف سے حکم کتنا مختلف ہوگیا۔ اس تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ دنیا اسی حظ کا نام ہے جو دنیا کی زندگی میں حاصل ہوجائے اور جس کا آخرت کی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو اسی کو ہوائے نفسانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (پ ۳۰' ر ۴' آیت ۴۰-۴۱)

اور ہوائے نفس کا مجموعہ یہ پانچ امور ہیں جو باری تعالیٰ نے اس آیت میں جمع فرمادیے ہیں۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ۔
(پ ۲۷' ر ۱۹' آیت ۲۰)

دُنیوی حیات محض لہو و لعب اور (ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اَموال و اَولاد میں ایک دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا۔

اور وہ چیزیں جن سے یہ پانچ چیزیں حاصل ہوتی ہیں سات ہیں۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔
(پ ۳' ر ۱۰' آیت ۱۴)

خوشنما معلوم ہوتی ہے (اکثر) لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں' بیٹے ہوئے لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے نمبر لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی (لیکن) یہ سب چیزیں ہیں دُنیوی زندگانی کی۔

یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ جو چیز اللہ کے لیے ہے وہ دنیا نہیں ہے اور ضرورت کے بقدر غذا اور ناگزیر لباس اور رہائش کی جگہ بھی اللہ کے لیے ہے۔ اگر ان سے اللہ کی رضا مقصود ہو اور ان میں سے زائد از ضرورت لینا تنعّم ہے جو اللہ کے واسطے نہیں ہے۔ تنعّم اور ضرورت کے درمیان ایک درجہ ہے جسے حاجت کہتے ہیں۔ اس کے دو طرف ہیں۔ حاجت کی ایک طرف وہ ہے جو حد ضرورت سے قریب ہو اس سے کچھ ضرر نہیں ہوتا' اس لیے کہ ٹھیک حدِ ضرورت پر رہنا غیر ممکن ہے اور ایک طرف تنعّم کے قریب قریب ہے اس سے بچنا چاہیئے۔ ان دونوں طرفوں کے درمیان متشابہ درجات ہیں۔ آدمی کو احتیاط سے کام لینا چاہیئے ورنہ ممکن ہے وہ بے احتیاطی کی وجہ سے تنعّم میں مبتلا ہوجائے۔ پرہیز میں احتیاط سے کام لینا' تقویٰ میں مضبوط رہنا اور حدِ ضرورت سے قریب تر رہنے کی کوشش کرنا انبیاء اور اولیاء کی اقتدا کی کوشش کرنے کے مترادف ہے کیونکہ یہ حضرات اپنے نفوس کو حدِ ضرورت پر رکھتے تھے حتیٰ کہ حضرت اویس القرنیؓ کے بارے میں ان کے گھر والوں کا یہ خیال ہوگیا تھا کہ وہ پاگل اور دیوانے ہوگئے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے آپ پر زندگی تنگ کرلی تھی۔ گھر والوں نے ان کے لیے گھر کے دروازے پر ایک کمرہ بنوادیا تھا جس میں وہ رہا کرتے تھے۔ سال دو سال اور کبھی تین تین سال بعد وہ گھر آیا کرتے تھے۔ وہ بھی اس طرح کہ کوئی انہیں دیکھ نہ پاتا۔ عشاء کے بعد آتے اور فجر کی اَذان سے پہلے واپس ہوجاتے۔ ان کی غذا یہ تھی کہ وہ کھجور کی گٹھلیاں چن لیا کرتے تھے۔ اگر کوئی سوکھا چھوارا مل جاتا تو اسے افطار کے لیے رکھ لیتے۔ اگر کبھی سدِّ رمق کے بقدر سوکھے سڑے چھوارے مل جاتے تو باقی گٹھلیاں فقراء پر صدقہ کردیتے' کبھی اتنے چھوارے نہ ملتے تو گٹھلیاں فروخت کرکے کوئی چیز خرید کر کھالیتے۔ ان کا لباس یہ تھا کہ کوڑیوں سے پھٹے پرانے کپڑے

اور چیتھڑے تلاش کرتے انہیں فرات کے پانی سے دھوتے اور ایک دوسرے پر رکھ کر لباس تیار کرتے' اسے پہنتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ راہ چلتے بچے انہیں پتھر مارتے اور انہیں پاگل پاگل کہہ کر چھیڑتے۔ وہ بچوں سے کہتے اگر مارنا اتنا ہی ضروری ہے تو چھوٹی چھوٹی کنکریاں مارو' تاکہ خون نہ نکلے' ایسا نہ ہو کہ پتھر مارنے سے خون نکل آئے اور مجھے نماز کی جلدی ہو اور بروقت پانی نہ ملے۔ یہ حضرت اویس قرنیؓ کا اُسوۂ عمل تھا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بڑی تعظیم فرمائی ہے۔ ایک روایت ہے۔

انی لاجد نفس الرّحمٰن من جانب الیمن (۱)

مجھے یمن کی جانب سے بوئے محبت آتی ہے۔

جب حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے جو لوگ عراق کے رہنے والے ہوں وہ کھڑے ہو جائیں۔ عراق کے باشندے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا صرف وہ لوگ کھڑے رہیں جو کوفہ کے ہیں باقی سب لوگ بیٹھ جائیں۔ اہل کوفہ کے علاوہ سب لوگ بیٹھ گئے۔ اس کے بعد فرمایا قبیلہ مراد کے علاوہ سب لوگ بیٹھ جائیں۔ چنانچہ قبیلہ مراد کے لوگ کھڑے رہے باقی تمام افراد بیٹھ گئے۔ اس کے بعد فرمایا تم میں جو لوگ قرن کے رہنے والے ہوں وہ کھڑے رہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ کھڑے رہنے والوں میں صرف ایک شخص رہ گیا۔ آپ نے اس شخص سے پوچھا کیا تو قرنی ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا تو اویس قرنی ابن عامر قرنی سے واقف ہے؟ اس نے عرض کیا' جی ہاں! میں انہیں جانتا ہوں لیکن ان سے آپ کو کیا واسطہ؟ بخدا ہمارے قبیلے میں ان سے زیادہ احمق اور دیوانہ' وحشی اور ذلیل کوئی دوسرا نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر رونے لگے اور فرمایا میں نے ان کے متعلق اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا ہے۔ میں نے وہ کہا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یدخل فی شفاعتہ مثل ربیعۃ و مضر (جزء ابن السماک' ابو امامۃ)

اس کی شفاعت سے ربیعہ و مضر قبیلوں کے برابر لوگ جنت میں جائیں گے۔

ہرم ابن حبان کہتے ہیں کہ جب میں نے حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ بات سنی تو کوفہ کی طرف چلا۔ میرا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ اُوَیس القرنی کو تلاش کروں گا اور ان سے کچھ پوچھوں گا۔ بہرحال میں ان کے پاس اس وقت پہنچا جب وہ دوپہر کے وقت نہرِ فرات کے کنارے بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے اور اپنے کپڑے دھو رہے تھے۔ میں نے ان اوصاف کی مدد سے انہیں پہچان لیا جو لوگوں سے سن رکھے تھے۔ وہ ایک لحیم شحیم شخص تھے' ان کا رنگ شدید گندمی تھا' سر مُنڈا ہوا تھا' داڑھی گھنی تھی' کچھ عجیب مضطرب و پریشان نظر آرہے تھے۔ انتہائی کریہہ المنظر تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن انہوں نے مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا۔ میں نے کہا اے اُوَیس اللہ تم پر رحم فرمائے اور تمہاری مغفرت کرے تمہارا کیا حال ہے؟ میری پرسش احوال سے ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔ وہ بھی روئے اور میں بھی رویا۔ اس کے بعد فرمایا' اے ابن حبان! اللہ تجھے زندہ رکھے' تو کیسا ہے اور یہاں کیا لینے آیا ہے اور تجھے میرا پتا کس نے بتلایا ہے؟ میں نے کہا تمہاری طرف اللہ تعالیٰ نے میری رہنمائی کی ہے۔ انہوں نے کہا لا الٰہ الا اللہ' سبحان اللہ' ان کان وعد ربنا لمفعولا (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اللہ پاک ہے' بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونے والا ہے) راوی کہتے ہیں کہ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ انہوں نے مجھے پہچان لیا جبکہ اس سے پہلے نہ میں نے انہیں دیکھا تھا اور نہ انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو میرا اور میرے والد کا نام کیسے معلوم ہوا؟ کہ میں نے آج سے پہلے آپ کو نہیں دیکھا تک نہیں تھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے علیم و خبیر نے خبر دی ہے۔ جب میرے نفس نے تیرے نفس سے گفتگو کی تو میری روح نے تیری روح کو

---

(۱) یہ روایت کتاب العقائد میں بھی گذری ہے۔

پہچان لیا۔ جس طرح جسموں کے لیے نفوس ہیں اسی طرح ارواح کے لیے بھی نفوس ہیں۔ مؤمنین ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ کبھی ملے نہ ہوں۔ نیز ایک دوسرے سے شناسائی رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں اگرچہ ایک کا گھر دوسرے سے دور ہو اور ان کے درمیان کئی منزلوں کا بُعد ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا مجھے کوئی ایسی حدیث سنایئے جو آپ نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی اور نہ مجھے ان کی خدمت میں رہنے کا اِتّفاق ہوا ہے البتہ میں نے ایسے افراد دیکھے ہیں جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب رہی ہے اور ان ہی لوگوں سے میں نے آپ کے اِرشادات سنے ہیں۔ جس طرح تم نے سنے ہیں' میں اپنے آپ پر حدیث بیانی کا دروازہ نہیں کھولنا چاہتا اور نہ یہ چاہتا کہ لوگ مجھے محدث مفتی یا قاضی کہیں۔ اے ہرم ابن حبان! میرا دل لوگوں سے مستغنی اور بے نیاز ہے۔ میں نے عرض کیا کوئی آیت پڑھئے۔ آپ کی زبان مبارک سے وہی سن لوں۔ میرے لیے دعا فرمایئے اور مجھ کو ایسی نصیحت فرمایئے جسے میں یاد رکھوں اور آئندہ کی زندگی میں اس پر عمل کروں۔ مجھے آپ سے اللہ کے لیے شدید محبت ہوگئی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میری یہ بات سن کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور مجھے نہر فرات کے کنارے پر لے گئے اور فرمایا۔

اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم

میں اللہ سمیع و علیم کی پناہ چاہتا ہوں مردود شیطان سے۔

پھر روئے اور کہنے لگے۔

الحق قول ربی واصدق الحدیث حدیثہ واصدق الکلام کلامہ۔

میرے رب کا قول سچا ہے سب سے سچی اس کی بات ہے اور سب سے سچا کلام اس کا کلام ہے۔

اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (پ ۲۵' ر ۱۵' آیت ۳۸-۳۹)

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کو اس طور پر نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں (بلکہ) ہم نے ان دونوں کو کسی حکمت ہی سے بنایا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

یہ آیت انہوں نے اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ تک پڑھی۔ اس کے بعد ایک زبردست آہ بھری۔ میں یہ سمجھا کہ شاید بے ہوش ہوگئے ہیں۔ پھر کہنے لگے! اے ابن حبان' تیرے والد ابن حبان انتقال کر گئے ہیں تو بھی عنقریب مرنے والا ہے۔ مرنے کے بعد تیرا ٹھکانہ دوزخ ہوگا یا جنت ہوگا' تیرے باپ آدم بھی مرگئے۔ تیری ماں حوا کا انتقال بھی ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی انتقال کیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی بھی وفات ہوئی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ بھی اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ حضرت داوٗدؑ خلیفۃ اللہ بھی موت کی آغوش میں پہنچے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی رخصت ہوئے۔ میرے دوست اور مخلص ساتھی حضرت عمر فاروقؓ بھی چلے گئے۔ پھر ہائے عمرؓ! ہائے عمرؓ! کہہ کر رونے چلانے لگے۔ میں نے عرض کیا : اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ عمرؓ ابھی حیات ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے اللہ نے ان کی وفات کی خبر دی ہے اور میرا دل بھی یہی کہتا ہے کہ اب عمر زندہ نہیں ہیں اور وہ ہی کیا میں اور تم بھی گویا مُردوں ہی میں ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے درود شریف پڑھا۔ پھر آہستہ آہستہ کچھ دعائیں کیں۔ اس کے بعد کہنے لگے اے ہرم ابن حبان! تجھے میری نصیحت یہی ہے کہ اللہ کی کتاب اور نیکوکار مؤمنوں کے طریقے پر کاربند رہنا۔ مجھے تیری اور اپنے مرنے کی خبر مل چکی ہے۔ موت کو ہر وقت یاد رکھنا۔ ایک لمحے کے لیے بھی اس سے غافل نہ ہونا۔ جب تو اپنی قوم میں واپس پہنچے تو انہیں موت سے خوف دلانا۔ تمام اُمّت کا

خیر خواہ بن کر زندہ رہنا۔ خبردار! جماعت سے جدا نہ ہونا' اگر اس سے ایک بالشت بھی دور ہو گئے تو دین سے دور ہو جاؤ گے اور تمہیں پتا بھی نہ چلے گا۔ پتا اس وقت چلے گا جب قیامت کے روز تمہارا سفر دوزخ کے دروازے پر پہنچ کر ختم ہو گا۔ اپنے لیے بھی دعا کر اور میرے لیے بھی دعا مانگ۔ اس کے بعد انہوں نے یہ دعا کی اے اللہ یہ شخص دعویٰ کرتا ہے کہ اسے مجھ سے تیری خاطر محبت ہے اور اس نے تیرے ہی لیے مجھ سے ملاقات کی ہے۔ اسے جنت میں مجھ سے ملانا اور دار السلام میں میرے پاس بھیجنا۔ جب تک یہ دنیا میں رہے اس کے جان و مال کی حفاظت کرنا۔ اسے دنیا کی تھوڑی سی چیز پر راضی رکھنا۔ تو نے جس قدر اسے دنیا عطا کی ہے اسے اس کے لیے آسان بنا دینا۔ اسے اپنی نعمتوں پر شکر کی توفیق عطا کرنا اور اسے میری طرف سے جزائے خیر دینا۔ پھر فرمایا : اے ہرام ابن حیان! اب جاؤ' میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ تم پر اللہ کی سلامتی' رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں' آج کے بعد کبھی تم سے ملاقات نہ ہو گی۔ تم مجھے تلاش کرو گے میں نہیں ملوں گا۔ مجھے شہرت پسند نہیں ہے' میں تنہائی پسند ہوں۔ میں جب تک ان لوگوں کے ساتھ ہوں غم و فکر میں مبتلا رہوں گا۔ اگرچہ میں تمہیں دیکھ نہ سکوں گا لیکن تم میرے دل میں رہو گے۔ مجھے یاد رکھنا اور میرے لیے دعا کرتے رہنا۔ میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا اور تمہارے لیے دعائیں کروں گا۔ انشاء اللہ' اب تم یہاں سے جاؤ' میں بھی چلتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے ان کا ساتھ دینا چاہا تو انہوں نے روک دیا۔ کچھ دیر روئے میں بھی رویا۔ پھر وہ آگے چل دیئے' میں انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ کسی گلی میں داخل ہو گئے۔ اس کے بعد بارہا میں نے لوگوں سے ان کے متعلق دریافت کیا لیکن کوئی شخص بھی کچھ نہ بتلا سکا۔

یہ تھا ان لوگوں کی سیرت کا ایک نمونہ جو آخرت کے راہرو اور دنیا کی زندگی سے منحرف ہیں۔ دنیا کے بارے میں اب تک جو کچھ بیان کیا گیا اور انبیاء و اولیاء کے سیرت و کردار کی تفصیل کے ضمن میں جو کچھ گذرا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ہے دنیا ہے۔ سوائے ان چیزوں کے جو خاص اللہ کے لیے ہوں اور دنیا کی ضد آخرت ہے اور آخرت ہر اس عمل پر ہر اس چیز کا نام ہے جس سے اللہ کی مرضی کا قصد ہو۔ چنانچہ دنیا کی وہ مقدار جو اللہ کی اطاعت پر قوت حاصل کرنے کے لیے حاصل کی جائے وہ دنیا نہیں ہے۔ یہ بات ہم ایک فقہی مثال کے ذریعہ بیان کئے دیتے ہیں۔ اگر کوئی حاجی یہ قسم کھالے کہ وہ حج کے سفر میں سوائے حج کے کسی اور کام میں مشغول نہ ہو گا پھر وہ اپنے سامان کی حفاظت اور سواری کے گھاس دانے یا ضرورت سفر کے بندوبست میں مشغول سمجھا جائے گا کیونکہ یہ اعمال حج ہی سے متعلق ہیں۔ اسی طرح بدن نفس کی سواری ہے جس کے ذریعہ انسان اپنی عمر کی مسافت طے کرنے میں مشغول ہے۔ بدن کی نگرانی اور اس کے کھانے پینے کا نظم کرنا۔ اس سفر کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کے بغیر شاید ہی یہ سفر بخیر و خوبی تمام ہو لیکن بدن کی بس اس قدر نگرانی کافی ہے جس سے چلنے کی قدرت باقی رہے۔ یہ نہیں ہے کہ اس کی لذتوں اور آسائشوں کا خیال رکھے اور عیش کے اسباب پیدا کرے۔ اس طرح وہ آخرت سے منحرف سمجھا جائے گا۔ ڈر ہے کہ ایسے آدمی کا دل سخت نہ ہو جائے۔ طنافسی کہتے ہیں کہ میں مسجد حرام کے باب بنی شیبہ پر سات دن تک بھوکا پیاسا پڑا رہا۔ آٹھویں رات کو میں نے نیم بیداری کی حالت میں ایک آواز سنی۔ کوئی شخص کہہ رہا تھا کہ جو شخص دنیا میں سے اپنی ضرورت سے زیادہ لے گا اللہ تعالیٰ اس کا دل سیاہ کر دے گا۔ اس کی بصیرت سلب کر لے گا۔ یہ ہے دنیا کی حقیقت۔ اس پر اچھی طرح غور کر لینا چاہیئے اور جان لینا چاہیئے کہ یہ تمہاری دوست ہے یا دشمن۔

دُنیا کی حقیقت اور ان اَشغال کا بیان جن میں ڈوب کر انسان اپنے نفس کو خالق کائنات کو اور موت کو بُھول جاتا ہے

جاننا چاہیئے کہ دُنیا ان موجود اشیاء کا نام ہے جن سے انسان حظ اُٹھاتا ہے اور جن کی اصلاح میں مشغول ہے۔ یہ تین امور

ہیں۔ کبھی ایسا لگتا ہے کہ ان میں سے ایک کا نام دنیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ تینوں کے مجموعے کو دنیا کہتے ہیں۔ جو چیزیں موجود ہیں اور جن سے دنیا عبارت ہے۔ زمین اور اس کے اوپر کی چیزیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (پ ۱۵، رکوع ۱۳، آیت ۷)

ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لیے باعثِ رونق بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے۔

زمین تو انسان کے لیے بستر مسکن اور مستقر ہے اور زمین کے اوپر جو کچھ چیزیں ہیں وہ اس کا لباس، کھانا، پینا اور جماع ہیں۔ زمین پر جتنی چیزیں ہیں انہیں تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ معدنیات، نباتات، حیوانات۔ نباتات سے آدمی غذا اور دوا حاصل کرتا ہے۔ معدنیات سے آلات اور برتن بناتا ہے۔ جیسے تانبے اور لوہے سے بنائے جاتے ہیں یا انہیں نقد رکھتا ہے جیسے سونے چاندی کے سکے ڈھالے جاتے ہیں یا زیور بنائے جاتے ہیں۔ حیوانات کی دو قسمیں ہیں، انسان اور بہائم۔ بہائم گوشت، سواری اور زینت کے لیے مطلوب ہیں۔ انسان سے کبھی خدمت مقصود ہوتی ہے جیسے غلاموں سے لی جاتی ہے کبھی صحبت مقصود ہوتی ہے جیسے بیویوں اور لونڈیوں سے کی جاتی ہے اور کبھی دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یعنی جاہ و طلب اور خواہش ہوتی ہے۔ یہ ہیں وہ چیزیں جنہیں دنیا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک آیت میں جمع فرمادیا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ۔ (پ ۳، ر ۱۰، آیت ۱۴)

خوشنما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی (مثلاً) عورتیں ہوئیں، بیٹے، لگے ہوئے ڈھیر سونے اور چاندی کے، نمبر لگے ہوئے گھوڑے ہوئے (یا دوسرے) مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی۔

اس آیت کریمہ میں نساء اور بنین سے مراد انسان ہے۔ ذہب و فضہ سے مراد معادن جواہر وغیرہ ہیں۔ الخیل المسومۃ و الانعام سے مراد بہائم اور حیوانات ہیں اور الحرث سے مراد نباتات ہیں۔

بندے کے ساتھ دُنیا کی چیزوں کا تعلق: بندے کے ساتھ دنیا کی چیزوں کے دو علاقے ہیں۔ ایک علاقہ دل کے ساتھ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی ان سے محبت کرتا ہے، ان سے حظ اٹھاتا ہے، اپنے فکر کو ان کے حصول میں مشغول رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا دل اسیر بن جاتا ہے پھر اس علاقے میں قلب کی وہ تمام صفات داخل ہو جاتی ہیں جن کا دنیا سے تعلق ہے جیسے کبر، بخل، حسد، ریا، جاہ پسندی، بد ظنی، مداہنت، تعریف پسندی، شیخی اور برتری کا احساس اس علاقے کو باطنی دنیا کہتے ہیں اور ظاہری دنیا ان چیزوں کا نام ہے جن کا ابھی ذکر ہوا۔ ان اشیاء کا بندے کے ساتھ دوسرا علاقہ جسمانی ہوتا ہے یعنی جسم کو ان چیزوں کی اصلاح میں مشغول کرنا تاکہ وہ اپنی اور غیر کے حظ اُٹھانے کے قابل ہو سکیں۔ اس میں وہ تمام صنعتیں اور پیشے آجاتے ہیں جن میں لوگ مشغول ہیں۔ لوگ ان ہی دو علاقوں قلب کے علاقۂ محبت اور بدن کے علاقۂ شغل کی وجہ سے اپنے نفسوں کو اور اپنے مقاصد زندگی کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ اگر وہ اپنے آپ کو اپنے رب کو پہچان لیں اور دنیا کی تخلیق کی حکمت اور راز سے واقف ہو جائیں تو اس بات کو سمجھنے لگیں کہ یہ اعیان جنہیں ہم نے دُنیا کہا ہے، اس جانور کے چارہ کے طور پر پیدا کئے گئے ہیں جو تمہیں سوار کر کے راہِ آخرت پر گامزن ہے۔ اس جانور سے مراد بدن ہے، بدن کھانے، پانی، لباس اور مسکن کے بغیر زندہ نہیں رہتا۔ جس طرح حج کے سفر میں اونٹ بغیر گھاس، دانے اور پانی کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ دنیا میں آخر انسان اپنے نفس اور اپنے مقصد زندگی کو فراموش کر بیٹھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی حاجی راستے کو منزلوں پر ٹھہر جائے اور اونٹنی کو خوب کھلائے پلائے۔ اس کی اچھی طرح نگہداشت کرے۔ اسے نہلائے دُھلائے، طرح طرح کے کپڑے پہنائے، طرح طرح کی گھاس اکٹھی کرے، کبھی اس کے لیے ٹھنڈے پانی کا بندوبست کرنے بیٹھ جائے، اس طرح یقیناً قافلہ آگے بڑھ جائے گا اور یہ اونٹ کا قیدی پیچھے رہ جائے گا۔ وہ اونٹ کی خدمت میں اس قدر مصروف ہے

کہ نہ اسے اپنے مقصدِ سفر کا احساس رہا ہے اور نہ یہ خیال رہا ہے کہ اگر قافلہ آگے بڑھ گیا تو وہ کس طرح اپنا سفر جاری رکھ سکے گا۔ یہ پُر وَحشت جنگل اس کی قبر بن جائے گا۔ درندے نہ اسے چھوڑیں گے اور نہ اس کی اونٹنی کو۔ عقل مند حاجی کے پیش نظر صرف اس کا مقصد ہوتا ہے وہ اونٹنی کی جس قدر خدمت کرے گا وہ بھی اسی مقصد کا ایک حصہ اور اس کی تکمیل کا ذریعہ ہوگی۔ وہ اپنے سواری کے جانور کی خدمت میں صرف اس قدر مشغول ہوگا جس سے اس کی طاقت باقی رہے اور وہ اپنے سوار کو منزل تک پہنچا سکے۔ یہی حال راہِ آخرت کے عقل مند مسافر کا ہے۔ وہ بدن کی صرف اتنی خدمت کرتا ہے جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح آدمی بلا ضرورت بیتُ الخلاء نہیں جاتا' اسی طرح وہ بھی بلا ضرورت بدن کی خدمت نہیں کرتا اور ہمارے خیال میں پیٹ کے اندر کھانا ڈالنے اور پیٹ سے کھانا باہر نکالنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ دونوں ہی بدن کی ضرورتیں ہیں۔ جس طرح کھانا بلا ضرورت باہر نہیں نکالا جاتا' اسی طرح بلا ضرورت داخل نہیں کرنا چاہیئے۔ انسان کو جو چیز اللہ سے اور یوم آخرت سے زیادہ بے نیاز کرتی ہے وہ پیٹ ہے۔ اس لیے کہ غذا زیادہ ضروری ہے۔ لباس اور مسکن کا معاملہ اتنا مشکل نہیں جتنا پیٹ کا ہے۔ آدمی کھلے آسمان کے نیچے ننگا رہ سکتا ہے لیکن بھوکا پیاسا نہیں رہ سکتا۔

اگر لوگ یہ جان لیں کہ ان چیزوں کی حاجت کا سبب کیا ہے تو وہ صرف مقدارِ ضرورت پر اکتفا کریں۔ جو لوگ دُنیاوی اشغال میں مستغرق ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی حقیقت اور حکمت سے واقف نہیں ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ دنیا میں ان کے خطوط کس قدر ہیں۔ وہ اپنی جہالت اور غفلت کے باعث دنیا کے اشغال میں اس طرح پھنس گئے ہیں کہ انہیں اپنے مقاصد بھی یاد نہیں رہے۔ بس صرف وہ کام یاد رہ گئے ہیں جن میں مشغول ہیں۔

اب ہم دنیا کے اشغال کی وضاحت کرتے ہیں اور ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ ان اشغال کی ضرورت کیوں محسوس کرتے ہیں اور پھر کس طرح وہ ان کاموں میں مشغول ہو کر اپنے مقاصد بھول جاتے ہیں۔

انسان کی تین ضرورتیں : دنیاوی اشغال وہ تمام صنعتیں اور پیشے ہیں جن میں لوگ ہمہ تن معروف ہیں اور ان اشغال کے کثرت کی وجہ یہ ہے کہ انسان تین چیزوں کا محتاج ہے۔ غذا' لباس اور مکان۔ غذا زندہ رہنے کے لیے' لباس گرمی اور سردی دور کرنے کے لیے اور مکان گرمی اور سردی دور کرنے اور بارش سے بچنے کے لیے اور اس لیے بھی تاکہ بیوی بچے اور مال و متاع محفوظ رہیں۔ اللہ عزّ و جل نے ان تینوں میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں بنائی جس میں انسان کی صنعت کو کچھ دخل نہ ہو۔ البتہ بہائم کے لیے یہ بات ہے۔ مثلاً بہائم گھاس پھوس کھاتے ہیں' یہ غذا انہیں پکانی نہیں پڑتی' پھر گرمی اور سردی ان کے جسموں پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس لیے نہ انہیں لباس کی ضرورت ہے اور نہ مکان کی۔ لباس ان کی کھال اور بال ہیں اور مکان ان کے جنگل اور صحرا ہیں۔ وہ کھلے آسمان کے نیچے زندگی گذار سکتے ہیں۔ انسان ایسا نہیں ہے۔ اسے اپنی ضروریات زندگی کے لیے پانچ بنیادی صنعتوں اور پیشوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ زراعت' چرانا اقتناص (شکار وغیرہ کے ذریعے غذا حاصل کرنا) بننا اور عمارت بنانا۔ تعمیر مکان کے لیے ہے بننا اور اس کے متعلقات مثلاً کاتنا اور سینا پرونا۔ لباس کے لیے ہیں' چرانا بہائم کی سواری اور ان کا گوشت کھانے کے لیے ہے۔ زراعت کھانے کے لیے ہے اور اقتناص سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو شکار' معدن اور گھاس' لکڑی وغیرہ پیدا فرمائی ہے وہ حاصل کرنا۔

پیشوں کی تقسیم : کاشتکار غلّہ پیدا کرتا ہے' چرواہا جانوروں کی حفاظت کرتا ہے اور ان سے بچے حاصل کرتا ہے۔ مُقتنِص ایسی چیزیں حاصل کرتا ہے جو آدمی کی صنعت کے بغیر از خود وجود میں آتی ہیں۔ اس میں بہت سے فنون اور صنعتیں داخل ہیں۔ پھر ان میں سے ہر فن کے لیے آلات کی ضرورت ہے۔ یہ آلات یا تو نباتات (لکڑی وغیرہ) سے بنائے جاتے ہیں یا معاون (لوہے وغیرہ) سے بنائے جاتے ہیں یا حیوانات کی کھالوں سے بنائے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے تین صنعتوں کی ضرورت اور ہوئی بڑھئی گری' آہنگری

اور چرم دوزی۔ یہ تینوں پیشے اور فن آلات سازی سے متعلق ہیں۔ بڑھئی سے ہماری مراد ہر وہ کاریگر ہے جو معدنیات کا کام کرے۔ خواہ وہ معدن لوہا ہو یا تانبا یا سونا وغیرہ' چرم دوز سے بھی ہر وہ کاریگر مراد ہے جو حیوانات کے چمڑے اور اس کے دیگر اجزاء کا کام کرے۔ یہ اصل فنون اور پیشے ہیں۔

انسان کی تخلیق اور اجتماعیت : پھر انسان کی تخلیق کچھ اس طرح سے ہوئی ہے کہ وہ تنہا زندگی نہیں گذار سکتا بلکہ وہ اپنی جنس کے دوسرے افراد کے ساتھ اجتماعیت پر مجبور ہے۔ اس کے دو سبب ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ وہ جنس انسان کی بقا کے لیے نسل بڑھانے کا محتاج ہے اور یہ ضرورت مرد عورت کے ملاپ اور ازدواجی زندگی کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ آدمی تنہا سب کام کرنے پر قادر نہیں ہے۔ کھانے' پینے' لباس اور اولاد کی تربیت وغیرہ امور کے سلسلے میں وہ دوسروں کے تعاون کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ مرد و عورت کے ملاپ سے بچے پیدا ہوں گے اور ایک شخص تنہا بچوں کی حفاظت و تربیت سے لے کر ان کے غذا و لباس کی فراہمی تک تمام ذمہ داریوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ پھر گھر میں بیوی بچوں کی اجتماعیت ہی کافی نہیں ہے بلکہ زندگی گذارنے کے لیے ضروری ہے کہ بہت سے افراد ہوں تاکہ ہر شخص ایک مخصوص صنعت اختیار کرے' ایک شخص کاشت کاری کے تمام کام تن تنہا انجام نہیں دے سکتا کیونکہ کاشتکاری کے لیے آلات کی ضرورت ہے اور آلات کی تیاری آہن گر اور بڑھئی کے بغیر نہیں ہو سکتی اور غلے سے غذا کی تیاری کے لیے آٹا پیسنے والے اور روٹی پکانے والے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح کوئی شخص تنہا لباس بھی تیار نہیں کر سکتا کیونکہ اولاً اسے روئی کی کاشت کرنی ہوگی' پھر بنائی اور سلائی کے آلات تیار کرنا ہوں گے۔ آلات بے شمار ہیں' تنہا ایک آدمی یہ تمام آلات تیار نہیں کر سکتا۔ اس طرح انسان کا تنہا زندہ رہنا ممکن ہی نہیں ہے بلکہ اجتماع انتہائی ضروری ہے۔ پھر اگر یہ اجتماع کسی صحرا میں ہو اور لوگ ننگی زمین کے اوپر اور کھلے آسمان کے نیچے بود و باش اختیار کرلیں تو گرمی' سردی اور بارش سے تکلیف اٹھائیں گے۔ چوروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں پریشان رہیں گے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ مکانات بنائے جائیں اور ہر خاندان کا اپنا الگ مکان ہو۔ جس میں وہ اپنے مال و متاع کے ساتھ محفوظ زندگی گذار سکے۔ گرمی' سردی اور بارش سے بچ سکے اور اپنے وسائل معاش کی حفاظت کر سکے۔ پھر کیونکہ چور ڈاکو وغیرہ پختہ مکانوں میں بھی گھس جاتے ہیں اور ان کے مکینوں کو پریشان کرتے ہیں۔ ان کا مال و اسباب لوٹ لیتے ہیں' اس لیے ضرورت ہوئی کہ اونچی چار دیواری تعمیر کی جائے جو تمام مکانوں کو محیط ہو۔ اس ضرورت کے لیے شہروں اور بستیوں کی بنیاد پڑی۔ پھر جب لوگ گھروں اور شہروں میں اکٹھے ہوئے ان میں باہم معاملات کی ابتدا ہوئی تو ان میں جھگڑے بھی پیدا ہوئے۔ اختلافات نے بھی جنم لیا کیونکہ شوہر کو بیوی پر بالاتری اور ولایت حاصل ہوتی ہے' باپ کو اپنی اولاد پر۔ کیونکہ اولاد ضعیف ہے۔ اسے زندگی گذارنے کے لیے ماں باپ کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر عاقل پر ریاست اور ولایت سے خصومت پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف جانوروں پر ولایت کے کہ اس سے جھگڑے پیدا نہیں ہوتے کیونکہ ان میں مخاصمت کی قوت ہی نہیں ہوتی۔ اگرچہ ان پر ظلم ہی کیوں نہ ڈھایا جائے جبکہ عورت اپنے اوپر ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف سینہ سپر ہو جاتی ہے اور شوہر سے جھگڑا کر بیٹھتی ہے۔ اولاد والدین سے جھگڑ لیتے ہیں۔ یہ تو گھر کا حال ہوا' اہلِ شہر بھی باہم معاملات کرتے ہیں اور ان معاملات کے نتیجے میں اختلاف و نزاع کا بھی سامنا کرتے ہیں۔ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ لڑ جھگڑ کر ہلاک ہو جائیں۔ یہی صورتحال چرواہوں اور کاشت کاروں کا ہے اگر وہ مشترک چراگاہوں' کھیتوں' نہروں اور کنوؤں سے استفادہ کریں اور ان کے مقاصد پورے نہ ہوں تو ان میں اختلاف کا رونما ہونا یقینی ہے پھر بعض لوگ ضُعف' بیماری' بڑھاپے یا دوسرے اسباب کی وجہ سے زراعت یا صنعت سے عاجز ہوتے ہیں۔ اب اگر ایسے لوگوں کو یونہی بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے تو وہ ضائع ہو جائیں۔ اگر اس کی خبر گیری کی ذمہ داری سب پر ڈال دی جائے۔ تب بھی بات نہ بنے اور اگر بلا کسی وجہ کے کسی خاص شخص پر ڈال دی جائے تو وہ کیوں یہ ذمہ داری اٹھائے۔ ان وجوہات و عوارض کی وجہ سے دوسری بہت سی صنعتیں پیدا ہوئیں۔ ان میں سے ایک فنِ پیمائش ہے۔ اس سے زمین کی مقدار معلوم ہوتی ہے۔ یہ فن اس لیے ضروری ہوا تاکہ نزاع کے وقت صحیح طور پر

ہوسکے اور ہر شخص کو اس کا حق مل سکے۔ ایک فن سپہ گری ہے' اس فن کے جاننے والے یعنی سپاہی تلوار کی مدد سے شہر کی حفاظت کرتے ہیں۔ اہل شہر کو چوروں اور دشمنوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ ایک فن حکومت ہے۔ اس کی مدد سے شہریوں کے باہمی جھگڑے طے کیے جاتے ہیں۔ ایک فن فقہ ہے۔ یعنی ان شرعی احکام و قوانین سے واقف ہونا جن سے مخلوق کی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کیا جاسکے اور لوگوں کو حدودُاللہ سے واقف کرایا جاسکے تاکہ وہ معاملات میں حدودُاللہ سے تجاوز نہ کرپائیں اور جھگڑوں میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ فنون شہری سیاست سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان فنون میں صرف وہی مخصوص لوگ مشغول ہوسکتے ہیں جو علم' تمیز اور ہدایت وغیرہ صفات رکھتے ہوں۔

ظاہر ہے اگر یہ لوگ ان فنون میں مشغول ہوں تو وہ دوسرے کام نہیں کرسکتے۔ انہیں معاش کی ضرورت ہے اور اہل شہر کو ان کی ضرورت ہے۔ اس لیے اگر بالفرض تمام اہل شہر جنگ میں مشغول ہوجائیں تو تمام صنعتیں معطّل ہو کر رہ جائیں۔ اسی طرح اگر تمام سپاہی طلب رزق کے لیے صنعتوں اور پیشوں میں لگ جائیں تو شہر غیر محفوظ ہوجائے اور اہل شہر کی زندگی ہر وقت خطرات سے گھری رہے۔ اس طرح یہ ضرورت پیش آئی کہ ایسے لوگوں کی معاش اور رزق پر وہ اموال خرچ کئے جائیں جن کا کوئی مالک نہ ہو یا دشمنوں میں لوٹا ہوا مال ان کے مصارف کے لیے خاص کیا جائے۔ ان اگر یہ اہل دیانت اور اصحاب شہر کو اپنے مال سے ان کی مدد کرنی پڑے گی تاکہ وہ شہر کی حفاظت کی صورت میں ان کی مدد کرسکے۔ اس طرح خراج کی ضرورت پیش آئی۔ خراج کے پہلو سے بہت سی ضرورتیں جنم لیتی ہیں۔ مثلاً ایک ضرورت تو یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص ہونا چاہیئے جو کاشت کاروں اور مالداروں پر انصاف کے ساتھ خراج کی رقم مقرر کرسکے۔ اسی کے ساتھ ایک ایسے شخص کی بھی ضرورت ہے جو خراج کی رقم وصول کرسکے۔ ایک خزانچی کی بھی ضرورت ہے۔ جس کے پاس خراج میں آیا ہوا مال محفوظ رہے۔ ایک تقسیم کنندہ کا ہونا بھی ناگزیر ہے۔ یہ ایسے امور ہیں کہ اگر بہت سے لوگ بیک وقت ان میں مشغول ہوجائیں تو کوئی نظم باقی نہ رہے۔ اس لحاظ سے ایک آدمی متعیّن کرے اور ہر شخص کو اس کے لائق کام سپرد کرے۔ نیز خراج وصول کرنے' خراج تقسیم کرنے' سپاہیوں کو جنگ میں استعمال کرنے' انہیں اسلحہ دینے' جنگ کی سمتیں متعیّن کرنے' فوج کا سالار مقرر کرنے میں انصاف سے کام لے۔ سلطنت کے لیے سیکڑوں افراد متعیّن ہوتے ہیں۔ مثلاً بادشاہ کے محافظ' اس کے دفتر میں کام کرنے والے محرّر' خزانچی' حساب داں' وصول کنندگان اور دوسرے کارکن۔ یہ سب بھی معاش کے محتاج ہیں اور اپنی متعلقہ ذمہ داریوں کی موجودگی میں دوسرے پیشے اختیار نہیں کرسکتے۔ ان کے لیے بھی مال کی ضرورت ہے۔ یہ مال ٹیکسوں وغیرہ کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی صنعتوں میں تین قسم کے ہیں۔ اوّل کاشت کار' چرواہے اور پیشہ ور' دوم اہل سیف' سوم وہ لوگ جو پہلی قسم کے لوگوں سے لے کر دوسری قسم کے لوگوں کو دیتے ہیں۔

دُنیا کی ضرورتیں لامحدود ہیں : غور کرو' غذا' لباس اور مکان کی ضرورت نے کتنی ضرورتیں پیدا کیں' دنیا کے باقی امور کا بھی یہی حال ہے کہ ایک دروازہ کھلتا ہے تو اس کی وجہ سے متعدد دوسرے دروازے خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں' اور یہ سلسلہ کسی حد پر جاکر منتہی نہیں ہوتا گویا دنیا ایک دوزخ ہے جس کی گہرائی کی کوئی حد نہیں۔ جب آدمی دنیا کے ایک گڑھے میں گرتا ہے تو اس سے نکل نہیں پاتا کہ دوسرے میں گر جاتا ہے دوسرے سے تیسرے میں جا گرتا ہے۔

یہ تمام صنعتیں اور پیشے اموال اور آلات کے بغیر مکمل نہیں ہوتے مال ان چیزوں کا نام ہے جو زمین پر موجود ہیں' اور لوگ ان سے نفع حاصل کرتے ہیں ان میں اعلیٰ غذائیں ہیں پھر مکانات ہیں جن میں انسان تھک ہار کر آرام کرتا ہے پھر وہ جگہیں ہیں جہاں رزق کمایا جاتا ہے جیسے دکانیں' بازار' کھیت وغیرہ پھر لباس ہے' پھر گھر کا سازوسامان ہے' پھر آلات ہیں اور آلات کے آلات ہیں' بعض اوقات آلات حیوان ہوتے ہیں جیسے کتا شکار کا آلہ ہے' گائے کاشتکاری کا آلہ ہے' گھوڑا جنگ و سفر میں سواری کا آلہ ہے یہیں سے خرید و فروخت کی ضرورت جنم لیتی ہے فرض کیجئے ایک کسان کسی ایسے گاؤں میں رہتا ہے جہاں کاشتکاری کے آلات نہیں

ہیں لوہار اور بڑھئی دوسرے گاؤں میں رہتے ہیں وہاں کاشتکاری ممکن نہیں ہے قدرتی طور پر کاشتکار آلات کے لیے ان دونوں کا محتاج ہے اور یہ دونوں غلّہ کے لیے کاشتکار کے محتاج ہیں' اب یہ ہو سکتا ہے کہ کاشتکار کچھ غلّہ لوہار اور بڑھئی کو دے دے' اور یہ دونوں غلّے کے عوض آلات کاشتکار کو دے دیں' لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی احتمال ہے کہ جب کاشتکار کو مثلاً آلات کی ضرورت نہ ہو لوہار اور بڑھئی غلّے کے محتاج ہوں' اور جب وہ غلّے کی ضرورت نہ رکھتے ہوں کاشتکار کو آلات کی ضرورت ہو' اس طرح کسی کی ضرورت بھی وقت پر پوری نہیں ہو سکتی' اس مشکل کا حل نکالنے کے لیے ایسی دکانیں بنائیں گئیں جن میں ہر قسم کے آلات ہر وقت فروخت ہوا کریں' اور منڈیاں بنائی گئیں' جہاں کسان اپنا غلّہ لا کر جمع کر دیں' اور منڈیوں کے تاجران کا غلّہ خرید لیں' اب کسانوں کو اگر آلات کی ضرورت ہے تو انہیں یہ فکر ہے کہ غلّہ فروخت ہو گا تو آلات خرید سکیں گے' اس طرح دوسرے پیشے والوں کو یہ غم نہیں ہے کہ ہم کاشتکار کے پاس آلات لے کر جائیں اور غلّے کے بدلے میں فروخت کرنا چاہیں اور وہ خریدنے سے انکار کر دیں تو ہمیں غلّہ نہیں ملے گا ہر چیز کی دکانیں ہر وقت کھلی ہیں اور ضرورت کے وقت ہر شخص خرید و فروخت کر سکتا ہے' البتہ تاجر کاشتکاروں سے سستے داموں غلّہ خرید کر جمع کر لیتے ہیں اور ضرورت مندوں کو نفع سے فروخت کرتے ہیں' اس نفع کے لیے بازار قائم ہوئے دکانیں کھلیں صرف غلّے ہی کا نہیں بلکہ تمام اجناس کا یہی حال ہے۔

سفر کی ضرورت اور ابتدا : پھر گاؤں اور شہر کے درمیان آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوا کیوں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ تمام چیزیں ایک ہی شہر میں مل جائیں' گاؤں میں غلّہ ہے' آلات نہیں' شہر میں آلات ہیں غلہ نہیں بعض لوگوں نے یہی پیشہ اختیار کر لیا کہ وہ شہر والوں کو ان کی ضرورت کی چیزیں اور گاؤں والوں کو ان کی ضرورت کی چیزیں فراہم کرنے لگے' ان کا مقصد صرف حصولِ زر ہوتا ہے دوسروں کی غرض کے لیے رات دن سفر کرتے ہیں اپنی چیزوں کو اِدھر سے اُدھر منتقل کرتے ہیں' جو کچھ مال ملتا ہے وہ ایک روز چھن جاتا ہے کبھی کوئی راہزن لوٹ لیتا ہے اور کبھی کوئی ظالم حاکم چھین لیتا ہے لیکن اللہ نے ان کی اس غفلت اور جہالت ہی میں دنیا کا نظام اور بندوں کی مصلحت پوشیدہ رکھ دی وہ مال ضائع جانے کے خوف اور اس کے انجام سے بے پروا ہو کر بڑی محنت اور جانفشانی سے مال اِدھر سے اُدھر لے جانے میں مصروف ہوتے ہیں' حقیقت یہی ہے کہ دنیا کا نظام بندوں کی غفلت' جہالت اور حماقت سے قائم ہے' اگر تمام اہلِ دنیا کو عقلِ رسا اور دیدہ بینا مل جائے اور وہ مال کی بے بضاعتی کا ادراک کر بیٹھیں تو کسی بھی شخص کو حصول و جمع کی خواہش نہ رہے اور ہر شخص دنیا سے متنفر ہو جائے اور جب دنیا کی خواہش باقی نہ رہے تو دنیا کا نظام ہی کیسے چل پائے گا' سب لوگ تباہ ہو جائیں گے۔

بار بَرداری کے جانوروں کی ضرورت : پھر یہ مال و متاع جو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کیا جاتا ہے انسان اسے اٹھا کر لے جانے پر قادر نہیں ہے' بلکہ بار برداری کے جانوروں کی ضرورت ناگزیر ہے' بعض اوقات صاحبِ مال کے پاس جانور نہیں ہوتا' ضرورت پڑنے پر اسے دوسرے سے معاملہ کرنا پڑتا ہے' اور جانور کرایہ پر لینا پڑتا ہے یہ معاملہ اجارہ کہلاتا ہے اجارہ بھی معیشت کا ایک اہم ذریعہ ہے پھر خرید فروخت کے ان معاملات کی وجہ سے نقدی کی ضرورت بھی پیش آئی کیوں کہ جو شخص کپڑے کے عوض غلّہ خریدنا چاہتا ہے اسے کیسے معلوم ہو گا کہ کتنے کپڑے کے عوض کس قدر کپڑا آئے گا' مختلف اجناس میں معاملات رائج ہیں جیسے غلّے کے بدلے میں کپڑا اور کپڑے کے بدلے میں غلّہ فروخت ہوتا ہے ان میں کوئی مناسبت نہیں ہے جس سے مقدار معلوم ہو سکے اس لیے ضروری ہوا کہ بائع اور مُشتری کے درمیان ایک عادلانہ مقدار متعین ہو جو ایک چیز کو دوسری کے برابر کر دے' اور یہ عدل ایسی چیزوں میں سے ہو جو مالیت رکھتے ہوں اور ان میں دیر تک رہنے کی صلاحیت ہو' کیوں کہ اس کی ضرورت ہمیشہ رہے گی اب ایسے اَعیان میں معدنیات کو زیادہ دیر تک باقی رہنے والا پایا' اس لیے سونے چاندی اور تانبے کو برابری کے لیے مقرّر کر لیا' پھر ان معدنیات سے سکّے ڈھالنے اور ان پر ٹھپّہ لگانے کی ضرورت پیش آئی تو ٹکسال اور صرّاف مقرّر ہوئے' اس طرح ایک کام سے

دوسرا کام اور ایک شغل سے دوسرا شغل پیدا ہوا' اور یہ سلسلہ آج بھی اسی طرح دراز ہے۔

چوری اور گداگری : یہ مخلوق کے اشغال اور ان کے معاش کے ذرائع ہیں' کوئی بھی پیشہ یا فن کیوں نہ ہو ابتدا میں اسے سیکھنا ہی پڑتا ہے بعض لوگ بچپن میں غفلت کرجاتے ہیں' اور کوئی ہنر نہیں سیکھ پاتے بڑے ہو کر جب ان پر رزق کمانے کی ذمہ داری پڑتی ہے تو وہ اپنے بچپن کی غفلت کی وجہ سے عاجز نظر آتے ہیں لیکن پیٹ کی آگ بجھانا ضروری ہے مجبوراً ایسا آدمی دو میں سے ایک راستہ اختیار کرتا ہے چوری کا یا گداگری کا اب تو یہ دونوں پیشے بن گئے ہیں ان کا حاصل یہی ہے کہ دوسروں کی کمائی پر ہاتھ صاف کریں اور اپنے پیٹ کی دوزخ بھریں' اگرچہ لوگ اپنی ہر امکانی کوشش مال کی حفاظت کے لیے صرف کردیتے ہیں لیکن چوروں نے بھی حفاظتی انتظامات سے نمٹنے کے حیلے تلاش کرلئے ہیں اور گداگر بھی فنی تدابیر پر عمل پیرا نظر آتے ہیں کبھی بہت سے چور گروہ بنا کر ایک دوسرے کے تعاون سے ڈاکہ ڈالتے ہیں کمزور چور دیواروں میں نقب لگا کر یا چھتوں میں شگاف کرکے کمند لگا کر مکانوں میں گھستے ہیں کچھ اٹھائی گیرے اور جیب کترے بن جاتے ہیں۔ گداگروں نے بھی طرح طرح کے حیلے نکال لیے ہیں' اس خیال سے کہ لوگ صحیح اعضاء رکھنے والے اور ہٹے کٹے فقیروں کو کچھ نہیں دیتے وہ اپنی اور اپنے بچوں کی آنکھیں پھوڑ دیتے ہیں اور اعضاء کاٹ دیتے ہیں تاکہ لوگ ترس کھائیں اور زیادہ سے زیادہ جیبیں خالی کریں بعض چالاک فطرت لوگ معذوری کا بہانا کرلیتے ہیں دیدہ بینا رکھتے ہوئے بھی اندھے بن جاتے ہیں' جسم پر پٹیاں باندھ لیتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں بیچارے جُذام یا کسی سنگین بیماری میں مبتلا ہیں بعض اپنے آپ کو دیوانہ یا فالج زدہ ظاہر کرتے ہیں' حالانکہ فی الحقیقت وہ اچھے خاصے ہوتے ہیں ان کی دماغی حالت بھی صحیح ہوتی ہے اور جسمانی بھی' بعض لوگ مسخرے بن جاتے ہیں اور طرح طرح کی حرکتیں کرکے مشاہدین کو ہنساتے ہیں اور دیکھنے والے ان کی احمقانہ حرکتوں سے خود بھی احمق بن جاتے ہیں اور انہیں اپنا مال دے ڈالتے ہیں کچھ لوگ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے حیرت میں ڈال دیتے ہیں مثلاً خوش آوازی سے اشعار سنا کر' یا مسجّع عبارت پڑھ کر موزوں اشعار کا اثر دلوں میں زیادہ ہوتا ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ ان میں مذہبی تعصّب کی جھلک بھی ہو' جیسے حضرات صحابہؓ اور اہل بیت کے مناقب پر مشتمل اشعار' عشق مجازی اور باطل محبت کے قصّوں پر مشتمل اشعار بھی دل کو لبھاتے ہیں جیسا کہ بہت سے گداگر ڈھول بجا بجا کر اس طرح کے فرضی گیت الاپتے پھرتے ہیں' اسی دائرے میں وہ لوگ آتے ہیں جو تعویذات اور دوا کے نام پر گھاس فروخت کردیتے ہیں اور خریدنے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں دوا خرید رہا ہوں بچے اور جاہل اس طرح کے لوگوں کے فریب میں زیادہ آتے ہیں قرعہ اور فال کے ذریعہ پیشین گوئیاں کرنے والے بھی اسی شمار میں ہیں' نیز اسی جنس میں وہ لوگ بھی ہیں جو بر سر منبر وعظ کہتے ہیں اور وعظ و تقریر ان کی دینی یا علمی غرض نہیں ہوتی بلکہ دوسروں کا مال لینا اور عوام کے دلوں کو اپنی طرف متوجّہ کرنا مقصود ہوتا ہے' بہرحال گداگری کی اتنی قسمیں ہیں کہ انہی شمار بھی نہیں کیا جاسکتا اور یہ سب معیشت کے لیے فکر دقیق سے مستنبط ہوئی ہیں۔

یہ ہیں مخلوق کے اشغال' کسب' اور اعمال معیشت' لوگ رات دن ان ہی اعمال میں لگے رہتے ہیں ہر شخص پر پیسہ کمانے کی دُھن سوار ہے اور مال کو اپنا مقصد زندگی بنائے ہوئے ہے' وہ اپنے اس کام میں اتنا منہمک ہے کہ نہ اسے اپنی وجود کا احساس رہا ہے نہ اپنے مقصد زندگی کا خیال رہا ہے اور نہ مرنے کے بعد کی زندگی کا خیال رہا ہے تمام لوگ دنیا کے لیے سرگرداں ہیں' اور حیران و پریشان پھر رہے ہیں ان کی کمزور عقلوں اور ناپختہ دماغوں پر دنیائے اشغال کی کدورت اتنی زیادہ راسخ ہوگئی ہے کہ ان کے خیالات بھی فساد سے محفوظ نہیں رہے۔

دنیا میں منہمک لوگوں کی قسمیں : دنیا میں منہمک لوگوں کے خیالات میں مطابقت نہیں ہے' اور نہ سب کا مقصود ایک ہے' کسی کا نقطۂ نظر کچھ ہے' کسی کا خیال کچھ ہے چنانچہ ایک گروہ ایسا ہے جس میں شامل لوگوں کی آنکھوں پر غفلت اور جہالت کے دبیز پردے پڑ گئے ہیں' اور ان کی آنکھوں میں یہ صلاحیت ہی باقی نہیں رہی کہ اپنے انجام پر نظر ڈال سکیں ان کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں چند

روز دنیا میں رہنا ہے اس لیے محنت کرنی چاہئے تاکہ رزق کما سکیں اور کھا سکیں' اور کھا کر قوت حاصل کر سکیں تاکہ پھر رزق کمانے پر قدرت پا سکیں یعنی وہ کمانے کے لیے کھاتے ہیں' اور کھانے کے لیے کماتے ہیں' یہ کاشتکاروں' پیشہ وروں اور ان لوگوں کا نقطۂ نظر ہے جنہیں نہ دنیا کی آرائش میسّر ہے اور نہ دین میں ان کا کوئی مقام ہے' وہ دن میں اس لیے خون پسینہ ایک کرتے ہیں تاکہ رات کو پیٹ بھر کر کھا سکیں اور رات کو اس لیے کماتے ہیں تاکہ دن میں ہیں محنت کرنے کے قابل ہو سکیں۔ یہ ایک ایسا سفر اور ایک ایسی گردش ہے جو صرف موت پر ختم ہوگی۔

کچھ لوگ اپنی تخلیق کا مقصد سمجھنے کا دعوٰی کرتے ہیں' ان کہنا یہ ہے کہ شریعت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان محض عمل کرتا رہے اور دنیا میں کسی لذت سے بہرہ ور نہ ہو' بلکہ سعادت یہ ہے کہ آدمی اپنے بطن اور فرج کی شہوتیں پوری کرلے' یہ لوگ بھی اپنے نفسوں کو فراموش کر بیٹھے اور عورتوں کی صحبت اور لذیذ کھانوں میں اس طرح پڑے کہ انہیں کچھ یاد نہ رہا' جانوروں کی طرح زندگی گذارنے لگے' اور اس پر دعوٰی یہ کہ یہ شہوتیں اصل مقصود ہیں' ایسے ہی لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد اور آخرت کے تصوّر سے غافل ہیں۔

کچھ لوگوں نے یہ خیال کیا کہ اصل سعادت مال کی اور خزانوں کی کثرت میں ہے چنانچہ انہوں نے مال جمع کرنے میں رات کی نیند برباد کی اور دن کا سکون کھویا طویل ترین اَسفار کئے' اور راستے کی ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا' مال کی خاطر ہر طرح کے کام کئے' خواہ ان میں کتنی ہی مشقت اور رسوائی کیوں نہ ہو' وہ محض کمانے اور جمع کرنے میں لگے رہے حد یہ ہے کہ انہوں نے ضرورت سے زائد کھانا بھی رَوا نہ رکھا ان کا بخل اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتا تھا کہ وہ کچھ خرچ کریں' اور ان کے جمع شدہ سرمائے میں کمی واقع ہو' گویا مال جمع کرنا ان کے لیے ذریعہ لذّت بن گیا' اور وہ زندگی کی آخری سانس تک اسی لذّت کوشی میں مشغول رہے موت آئی تو وہ تمام خزانہ یا زیر زمین مدفون رہ گیا' یا ان لوگوں کے ہاتھ لگا جنہوں نے شہوت و لذّت کی راہ میں تمام دولت لُٹادی جمع کرنے والے کو سوائے مشقت کے کچھ ہاتھ نہ آیا' وبال الگ رہا' لذّت صرف کھانے والے کو حاصل ہوئی' حیرت ہے کہ لوگ بخیلوں کے انجام کو دیکھتے ہیں لیکن کوئی پروا نہیں کرتے۔

کچھ لوگوں نے سوچا سعادت یہ ہے کہ آدمی کی تعریف ہو' ہر شخص اس کے لباس کی عمدگی اور ظاہر کی نظافت و زیبائش کی داد دے' ایسے لوگ بھی رات دن پیسہ کمانے میں لگے رہتے ہیں لیکن وہ کھانے پینے میں تنگی برتتے ہیں' اور تمام مال اچھا لباس اور عمدہ سواری حاصل کرنے میں خرچ کردیتے ہیں گھر کے دروازوں اور بیرونی دیواروں کو رنگ و روغن سے اس قدر چمکاتے ہیں کہ نگاہیں خیرہ ہوجائیں اور دیکھنے والے کہیں کہ اس گھر کا مالک کتنا مالدار ہے' یہ تعریف ہی ان کی لذّت اور نشہ ہے اور اسی لذّت کے لیے وہ رات دن مال کماتے ہیں' یہ نہیں دیکھتے کہ محنت سے کمایا ہوا مال کہاں خرچ ہو رہا ہے۔

کچھ لوگوں کو خیال ہوا کہ حقیقی سعادت یہ ہے کہ جاہ و منصَب ملے' سب لوگ احترام کریں اور تواضع و انکساری سے پیش آئیں' اور ان کے مُطیع بن کر رہیں لوگوں کی اطاعت حاصل کرنے کے لیے منصَب اور جاہ کی ضرورت تھی' چنانچہ اس کوشش میں لگ گئے کہ حکومت میں ہمارا بھی حصہ ہو۔ اور ہمارے فیصلے بھی نافذ ہوں' چند افراد پر حکومت اور ان کی اطاعت ہی ایسے لوگوں کا مقصد ہے' اور یہ بات اکثر غافلوں میں موجود ہے کہ لوگوں کی اطاعت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں' ان کی اطاعت نے انہیں اللہ کی اطاعت' عبادت' اور آخرت کے تصوّر سے بے پروا بنا دیا ہے۔

یہ چند قسمیں ہوئیں' ان کے علاوہ بھی کچھ فرقے ہیں' جن کی تعداد ستّر سے بھی زائد ہے یہ تمام فرقے خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے گمراہ کرتے ہیں' اس گمراہی کر طرف ان کے میلان کی اصل وجہ یہی ہے کہ وہ دنیاوی زندگی میں اچھا کھانا' اچھا لباس اور اچھا مکان چاہتے ہیں کھانے' لباس' اور مکان کی ضرورت سے انکار نہیں لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ ان تینوں چیزوں کی کتنی مقدار کافی ہے' مقدار سے زیادہ کی ضرورت اور خواہش نے انہیں اتنا آگے بڑھایا کہ دنیا ہی ان کا مقصد زندگی بن کر

رہ گئی' اور اس مقصد کے پیچھے وہ اس طرح دوڑے کہ انجام بھی بھول گئے' جو لوگ اسباب زندگی' روٹی' کپڑا اور مکان کی ضرورت کو سمجھتے ہیں اور ان چیزوں کے اصل مقصد سے واقف ہیں وہ کسی کام میں اتنے منہمک نہیں ہوتے کہ اپنی تخلیق کا مقصد فراموش کر بیٹھیں' جو کام بھی وہ کرتے ہیں اس کے مقصد کا علم رکھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس میں ان کا حصہ کتنا ہے ظاہر ہے کہ کسب معاش کا مقصد غذا اور لباس کے ذریعہ بدن کی حفاظت ہے' تاکہ بدن ہلاک نہ ہو اور جس مقصد "عبادت" کے لیے اس کی تخلیق عمل میں آئی ہے وہ پورا ہو' جو لوگ دنیا میں سے اپنا حصہ کم لیتے ہیں وہ تمام اشغال سے بے نیاز ہو کر آخرت کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان کے دلوں پر اللہ کی یاد اور موت کا فکر غالب رہتا ہے اور وہ ہر لمحہ آنے والی زندگی کے لیے مستعد رہتے ہیں' اور جو لوگ ضرورت سے تجاوز کر جاتے ہیں دنیا کے اعمال و اشغال انہیں چین سے نہیں رہنے دیتے' ایک شغل کے پہلو سے دوسرا شغل جنم لیتا ہے' اور یہ سلسلہ لامتناہی بن جاتا ہے' اشغال کی کثرت سے تفکرات بڑھتے ہیں' اور دل و دماغ اُلجھنوں میں گرفتار رہتے ہیں ایسا شخص جس کا دل ہر وقت دنیا میں مشغول ہو' اور جس کے دماغ پر دنیا چھائی رہتی ہو وہ اللہ کو کیسے یاد کر سکتا ہے؟ یہ دنیا میں انہماک رکھنے والوں کا حال ہے۔

جو لوگ اس حقیقت کا ادراک رکھتے ہیں وہ دنیا سے اعراض کرتے ہیں لیکن شیطان ان سے حسد کرتا ہے اور انہیں اعراض کرنے میں بھی گمراہ کر دیتا ہے چنانچہ دنیا سے اعراض کرنے والوں کے بھی کئی گروہ بن گئے ایک گروہ کا خیال ہوا کہ دنیا محنت و مشقت کی جگہ ہے اور آخرت سعادت کا گھر ہے' جو آخرت میں پہنچا سعادت سے ہم کنار ہوا خواہ اس نے دنیا میں عبادت کی ہو یا عبادت نہ کی ہو' اسی بنا پر انہوں نے یہ سمجھا کہ صحیح راستہ یہ ہے کہ دنیا کی مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے آدمی اپنے نفس کو ہلاک کر ڈالے چنانچہ ہندوؤں کے ایک فرقے کے لوگ آگ میں گر کر اپنے آپ کو موت کے آغوش میں پہنچا دیتے ہیں' اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح جل کر مرنے سے ہمیں دنیا کی مصائب و آلام سے نجات مل جاتی ہے ایک گروہ کا خیال ہے کہ خود کشی سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ پہلے بشری صفات کا خاتمہ کرنا ضروری ہے' اُخروی سعادت غضب اور شہوت کو قطعی طور پر نفس سے جدا کرنے میں ہے' اس گروہ کے افراد نے اپنے انسانی اور فطری اوصاف کو نیست و نابود کرنے کے لیے سخت ترین مجاہدے کئے بعض لوگوں نے نفس پر اتنی سختی کی کہ ریاضت کے دوران مر گئے بعض لوگوں کی عقلیں خبط ہو گئیں اور حواس مختل ہو گئے بعض بیمار پڑ گئے اور ریاضت نہ کر سکے بعض لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ ریاضت کے باوجود بشری صفات کا قلع قمع کرنے سے عاجز ہیں تو یہ سمجھنے لگے کہ شریعت کے احکام پر عمل کرنا محال ہے اور یہ کہ شریعت سراسر دھوکا ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے' اس طرح یہ لوگ الحاد اور لامذہبیت کی طرف مائل ہو گئے' ایک گروہ کا خیال ہوا کہ یہ تمام عبادتیں اللہ کے لیے کی جاتی ہیں اور اللہ ان سے بے نیاز ہے نہ کسی گناہ گار کی نافرمانی اس کی جلالتِ شان میں کمی کرتی ہے اور نہ کسی نیکو کار کی عبادت سے اس کی عظمت و تقدس میں اضافہ ہوتا ہے' یہ لوگ اپنی شہوتوں کی طرف لوٹ گئے اور اباحیت (ہر چیز جائز ہے) کے راستے پر چلنے لگے' انہوں نے شریعت اور احکامِ شریعت کی بساط اُلٹ کر رکھ دی' اور اس گمان فاسد میں مبتلا ہو گئے کہ ہماری اباحیت پسندی صفائے توحید کی دلیل ہے' کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت سے مستغنی ہے' ایک گروہ نے یہ خیال کیا کہ عبادت سے مجاہدہ مقصود ہے' تاکہ بندہ اس مجاہدہ عبادت کے ذریعہ معرفتِ الٰہی تک پہنچ سکے' معرفت حاصل ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ مقصد پورا ہو گیا' اب مزید کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں' اس طرح یہ لوگ مجاہدہ اور عبادت چھوڑ بیٹھے' اور یہ دعویٰ کرنے لگے کہ اللہ کی معرفت نے ہمیں مکلفات کی قیود سے آزاد کر دیا ہے۔ صرف عوام شرعی احکام پر عمل کرنے کے پابند ہیں اس طرح کے گمراہ فرقے بھی بے شمار ہیں' اور ان کے باطل عقائد اتنے زیادہ ہیں کہ انہیں احاطہ تحریر میں لانا بھی بڑا دشوار ہے ان فرقوں میں صرف وہ فرقہ نجات پائے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سنت پر عمل پیرا ہو گا' یعنی نہ دنیا کو کلی طور پر چھوڑے گا اور نہ شہوات کو بالکلیہ ختم کرے گا' دنیا میں سے اتنا حصہ لے گا جو راہ آخرت کے لیے توشہ بن سکے اور وہ شہوتیں چھوڑے گا جو شرعی اطاعت

کے دائرے سے خارج ہوں' صحیح العقیدہ مؤمن کو نہ ہر شہوت کی اتباع کرنی چاہئے اور نہ ہر شہوت کو چھوڑنا چاہئے۔ بلکہ اعتدال کی راہ اپنانی چاہئے نہ دنیا کی ہر شئی چھوڑنی چاہئے اور نہ دنیا کی ہر شئی حاصل کرنی چاہئے' بلکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کا مقصد سمجھ کر اس مقصد کی حفاظت کرنی چاہئے چنانچہ وہ اتنی غذا لے جس سے عبادت پر قوت میسّر آسکے' اور اتنا مکان حاصل کرے جو اسے چوروں' اور سرد و گرم موسم کی سختیوں سے محفوظ رکھ سکے' اور اتنا کپڑا لے جو بدن ڈھانپ سکے' اور بدلتے ہوئے موسموں کا ساتھ دے سکے تاکہ جب دل بدن کے شغل سے فارغ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو سکے۔ اور تمام عمر ذکر و فکر میں مشغول رہ سکے' اور ساتھ ہی اپنی شہوات کا نگراں بھی رہے تاکہ وہ ورع و تقویٰ کے حدود سے تجاوز نہ کر سکیں' یہ تمام اُمور فرقۂ ناجیہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتداء سے علم میں آتی ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی امّت کے بہتر فرقوں میں سے ایک کو نجات یافتہ قرار دیا تو صحابہ نے دریافت کیا کہ وہ کون لوگ ہیں' آپ نے فرمایا وہ اہل سنّت و الجماعت ہیں' عرض کیا گیا۔ اہل سنّت و الجماعت کون ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو میرے اور میرے اصحاب کے راستے پر ہیں' یہ لوگ راہِ اعتدال پر گامزن تھے' اور اس واضح و روشن راستے پر چلنے والے تھے جس کی تفصیل ہم سابقہ سطور میں کر چکے ہیں وہ لوگ دنیا کو دنیا کے لیے نہیں بلکہ دین کے لیے حاصل کرتے تھے' نہ وہ راہبانہ زندگی اختیار کرتے تھے اور نہ ہندو انتہا پسندوں کے طریقوں پر دنیاوی علائق سے لاتعلق ہو جاتے تھے' ان کے معاملات میں نہ افراط تھا اور نہ تفریط تھی بلکہ افراط و تفریط کے درمیان کی راہ ان کی راہ تھی اعتدال ہی اللہ کو محبوب ہے۔

کتابُ ذمّ البخل وحبّ المال

بخل اور مال سے محبت کرنے کی مذمّت کا بیان

دنیا کے فتنے : جاننا چاہئے کہ دنیا کے فتنے انتہائی وسیع' شاخ در شاخ اور لاتعداد ہیں' لیکن ان میں سب سے بڑا فتنہ مال ہے' کوئی شخص مال سے بے نیاز نہیں رہ سکتا' اور اگر مال حاصل ہو جائے تو اس کی آفات سے محفوظ رہنا بھی بڑا دشوار ہے مال سے محروم ہونا فقر ہے جو کبھی کبھی کفر تک پہونچا دیتا ہے' اور مالدار ہونا سرکشی کا باعث ہے' جس کا انجام خسارے اور نقصان کے علاوہ کچھ نہیں ہے' خلاصہ یہ کہ مال میں فوائد بھی ہیں اور آفات بھی' اس کے فوائد مُنجیات میں داخل ہیں اور آفات مُہلکات میں' مال کے دو پہلو ہیں خیر اور شر اور ان دونوں پہلوؤں میں امتیاز کرنا اتنا مشکل کام ہے جسے صرف وہی علماء انجام دے سکتے ہیں جو علم میں رسوخ اور دین کی گہری بصیرت رکھتے ہوں' نہ کہ رسمی عالم اور فریب خوردہ ارباب دین' اس لیے جداگانہ طور پر مال کے فتنے کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے' اس لیے کہ پچھلے باب میں جو کچھ بیان کیا گیا اس کا تعلق دنیا کی مذمت سے تھا نہ کہ خاص مال سے۔ ہر حظ عاجل کو دنیا کہتے ہیں' اس اعتبار سے مال بھی دنیا کا ایک جز ہے' تنہا مال کو دنیا نہیں کہا جا سکتا' دنیا کا ایک جز جاہ ہے' ایک جز پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت ہے' ایک جز غضب سے مغلوب ہونا ہے' ایک جز حسد ہے' ایک کبر اور تعلّی ہے اس طرح کے بہت سے اجزاء اور حصے ہیں جن سے آدمی حظ اٹھاتا ہے۔

مال کا فتنہ : اس کتاب میں ہم صرف مال کو بحث کا موضوع بنائیں گے' اس لیے کہ اس میں انسان کے لیے زیادہ آفات اور نقصانات ہیں' اگر مال نہ ہو تو آدمی میں فقر کا وصف پیدا ہو جاتا ہے اور مال ہو تو مالداری کا وصف پیدا ہو جاتا ہے اور یہ دونوں ہی حالتیں امتحان اور آزمائش کی حالتیں ہیں' پھر مال سے محروم شخص کے اندر بھی دو وصف پیدا ہوتے ہیں قناعت اور حرص ان میں سے ایک مذموم اور دوسرا پسندیدہ ہے' پھر حریص کے بھی دو وصف ہیں ایک یہ کہ آدمی دوسرے کے مال پر نظر رکھے' اور ان پر

قابض ہونے کا خواہشمند ہو' دوسرا یہ کہ مال حاصل کرنے کی خواہش اسے تجارت' ملازمت یا کسی صنعت میں لگائے' طمع بدترین وصف ہے' مالدار کے بھی دو وصف ہیں بخل اور شح کی وجہ سے مال روکنا' اور خرچ کرنا' ان میں بھی ایک وصف مذموم اور دوسرا محمود ہے خرچ کرنے والے کے بھی دو وصف ہیں فضول خرچی اور میانہ روی' ان میں میانہ روی محمود ہے' یہ سب باتیں متشابہ اور دقیق ہیں اس لیے ان کی وضاحت کرنا نہایت ضروری ہے' ہم چودہ ابواب میں ان امور کی وضاحت کریں گے پہلے مال کی مذمت کی جائے گی' پھر اس کی مدح کی جائے گی' پھر مال کے فوائد اور آفات کی تفصیل پیش کی جائے گی' پھر حرص و طمع کی مذمت کا بیان ہوگا' اس کے بعد حرص و طمع کا علاج ذکر کیا جائے گا پھر سخاوت پر روشنی ڈالی جائے گی اور اہل سخاوت کے واقعات بیان کئے جائیں گے پھر بخل کی مذمت کی جائے گی اور بخیلوں کے واقعات نقل کئے جائیں گے' اس کے بعد ایثار اور اس کے فضائل بیان ہوں گے' سخاوت و بخل میں شرعی حدود پر روشنی ڈالی جائے گی بخل کے علاج کا طریقہ بیان کیا جائے گا' پھر مال کے سلسلے میں مجموعی ذمّہ داریوں کا بیان ہوگا' آخر میں مالداری کی مذمت اور مفلسی کی مدح کی جائے گی۔

مال کی مذمت اور اس سے محبت رکھنے کی کراہت

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (پ ۲۸ ر ۱۴ آیت ۹)

اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں' اور جو ایسا کرے گا ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ (پ ۲۸ ر ۱۶ آیت ۱۵)

تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بس ایک آزمائش ہیں اور اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جس نے اللہ کے اجر و ثواب اور بلندی درجات کے مقابلے میں مال و اولاد کو ترجیح دی اس نے سخت نقصان اٹھایا' ایک آیت میں ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ (پ ۱۲ ر ۲ آیت ۱۵)

جو شخص (اپنے اعمالِ خیر کے عوض) محض حیاتِ دُنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال (کی جزا) ان کو دنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لیے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَىٰ (پ ۳۰ ر ۲۱ آیت ۷۶)

آدمی (حد آدمیت سے) نکل جاتا ہے اس وجہ سے کہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔

ارشاد فرمایا۔

أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ (پ ۳۰ ر ۲۷ آیت ۱)

تمہیں مال کی کثرت نے غافل کردیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

حب المال والشرف ينبتان النفاق في القلب كما ينبت الماء البقل (۱)
مال اور شرف کی محبت دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی گھاس اگاتا ہے۔
ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔

ماذئبان ضاريان ارسلا في زريبة غنم باكثرا فسادا فيها من حب الشرف والمال والجاه في دين الرجل المسلم (۲)
بکریوں کے گلے میں اگر دو خونخوار بھیڑیئے چھوڑ دیئے جائیں تو وہ اس میں اتنا فساد برپا نہیں کرتے جتنا فساد مرد مسلمان کے دین میں شرف' مال اور جاہ کی محبت سے پیدا ہوتا ہے۔
ارشاد فرمایا۔

هلك المكثرون الا من قال به في عباد الله هكذا وهكذا وقليل ماهم (۳)
زیادہ مال والے ہلاک ہو گئے مگر وہ شخص جو کہہ گیا ہو مال کو اللہ کے بندوں میں ایسے اور ویسے اور ایسے لوگ کم ہیں۔

ایک مرتبہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی امت کے برے لوگ کون ہیں' فرمایا: مالدار ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی امت کے عیش کوشوں اور عشرت پسندوں کے متعلق ارشاد فرمایا(۴)

سيأتي بعدكم قوم يأكلون اطايب الدنيا والوانها ويركبون وينكحون اجمل النساء والوانها ويلبسون اجمل الثياب والوانها لهم بطون من القليل لا تشبع وانفس بالكثير لا تقنع عاكفين على الدنيا يغدون ويروحون اليها اتخذوها الهة من دون الههم وربادون ربهم الى امرينتهون ولهواهم يتبعون فعزيمة من محمد بن عبد الله لمن ادركه ذلك الزمان من عقب عقبكم وخلف خلفكم ان لا يسلم عليهم ولا يعود مرضاهم ولا يتبع جنائزهم ولا يوقر كبيرهم فمن فعل ذلك فقد اعان على هدم الاسلام
تمہارے بعد عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو طرح طرح کی خوش ذائقہ غذائیں کھائیں گے عمدہ عمدہ گھوڑوں پر سواری کریں گے' حسین و جمیل عورتوں سے نکاح کریں گے' اور انواع و اقسام کے خوبصورت لباس زیب تن کریں گے' ان کے پیٹ تھوڑے سے پُر نہ ہوں گے' اور ان کے نفس زیادہ پر قناعت نہیں کریں گے' وہ دنیا کے ہو کر رہ جائیں گے اسی میں لگ کر صبح و شام کریں گے' اپنے معبود حقیقی کے بجائے دنیا ہی کو اپنا معبود اور اپنے ربّ حقیقی کے بجائے اسی کو اپنا رب بنائیں گے' اسی پر ان کی انتہا ہوگی وہ لوگ اپنے خواہش کے تبع ہوں گے تمہارے بعد اور ان کے پیچھے آنے والے لوگوں میں سے جس شخص کو ایسا زمانہ

---

(۱) مجھے ان الفاظ میں یہ روایت نہیں ملی۔ (۲) ترمذی' نسائی میں کعب ابن مالک کی روایت۔ لیکن ان دونوں کتابوں میں ضاریان کی جگہ جائعان ہے' لفظ زریبة نہیں ہے' الجاہ کے بجائے اشرف ہے۔ (۳) بخاری و مسلم بروایت ابوذر اس کے الفاظ یہ ہیں "هم الاخسرون" ابوذر نے دریافت کیا وہ کون ہیں فرمایا "الاكثرون اموالا الا من قال هكذا" طبرانی نے ابن ابزی سے اسی طرح نقل کی ہے جس طرح کتاب میں ہے صرف لفظ عباد اللہ نہیں ہے۔
(۴) مجھے ان الفاظ میں یہ روایت نہیں ملی' البتہ طبرانی اوسط اور شعب بیہقی میں عبداللہ بن جعفر کی حدیث ہے "شرار امتى الذين ولدوا في النعيم وغذوا به يأكلون من الطعام الوانا"

ملے اسے محمد ابن عبداللہ کی قسم ہے کہ وہ انہیں سلام کرے نہ ان کے مریضوں کی عیادت کرے' نہ ان کے جنازوں کی مشائعت کرے' اور نہ ان کے بڑے کی تعظیم کرے' اگر کسی نے ان (مذکورہ بالا کاموں) میں سے کوئی کام کیا تو اس نے اسلام کی (پرشکوہ عمارت) کو ڈھانے پر مدد کی۔

ایک حدیث میں ہے۔

دعوا الدنیا لاھلھا من اخذ من الدنیا فوق یکفیہ اکذ حتفہ وھو لا یشعر (بزار انسؓ)

دنیا کو اہل دنیا کے لیے چھوڑ دو' جس نے دنیا میں سے قدرِ کفایت سے زائد لیا اس نے گویا غیر شعوری طور پر اپنی موت کا پروانہ حاصل کیا۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

یقول ابن ادم مالی مالی وھل لک من مالک الا ما اکلت فافنیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت (مسلم۔ عبداللہ ابن الشخیر۔ ابوھریرۃ)

انسان یوں کہتا ہے' میرا مال میرا مال' اور کیا تیرے مال میں سے تیرا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے جو تو نے کھا کر ضائع کردیا اور پہن کر بوسیدہ کردیا۔

ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ مجھے موت پسند نہیں ہے' آپ نے دریافت فرمایا: کیا تیرے پاس مال ہے؟ عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا اس مال کو آگے روانہ کردے (یعنی آخرت کے لیے راہ خدا میں خرچ کردے) اس لیے کہ مؤمن کا دل اپنے مال کے ساتھ رہتا ہے' اگر آگے پہنچا دے گا تو یوں چاہے گا کہ میں بھی آگے چلا جاؤں اور پیچھے رہے گا تو یوں چاہے گا کہ میں بھی پیچھے رہ جاؤں گا۔ (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اخلاء بنی آدم ثلاثۃ واحد یتبعہ الی قبض روحہ والثانی الی قبرہ والثالث الی محشرہ فالذی یتبعہ الی قبض روحہ فھو مالہ' فالذی یتبعہ الی قبرہ فھو اھلہ والذی یتبعہ الی محشرہ فھو عملہ (طبرانیؒ کبیر' و اوسطہ احمد نعمان بن بشیر)

آدمی کے تین دوست ہیں' ایک اس کی رُوح قبض ہونے تک ساتھ رہتا ہے' دوسرا اس کی قبر تک ساتھ دیتا ہے اور تیسرا محشر تک ساتھ دیتا ہے' روح قبض ہونے تک ساتھ دینے والا دوست مال ہے' قبر تک ساتھ دینے والا دوست اہل و عیال ہیں' اور حشر تک ساتھ دینے والا دوست اس کا عمل ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حواریین نے عرض کیا کہ آپ پانی پر چلتے ہیں ہم نہیں چل پاتے اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: درہم و دینار کی تمہارے نزدیک قدر و قیمت کیا ہے؟ عرض کیا کہ ہم انہیں اچھا سمجھتے ہیں' فرمایا: میرے نزدیک یہ دونوں اور سنگریزے دونوں برابر ہیں۔ حضرت سلمان الفارسیؓ نے حضرت ابوالدرداء کو ایک خط لکھا کہ اے بھائی! جس دنیا کا تم شکر ادا نہ کرسکو اسے جمع مت کرو' اس لیے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ ارشاد سنا ہے۔

یجاء بصاحب الدنیا الذی اطاع اللہ فیھا و مالہ بین یدیہ کلما تکفا بہ الصراط

---

(۱) مجھے اس روایت کا علم نہیں۔

قال له' ماله امض فقد ادیت حق اللّٰه فی' ثم یجا بصاحب الدنیا الذی لم یطع اللّٰہ فیھا و مالہ بین کتفیه کلما تکفأ به الصراط قال له ماله ویلک الا ادیت حق اللّٰہ فی فما یزال کذلک حتی یدعوا بالویل والثبور (۱)

جس دنیا والے نے دنیا کے سلسلے میں اللہ کی اطاعت کی ہوگی وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا اور اس کا مال اس کے سامنے ہوگا جب وہ پل صراط پر سے اِدھر اُدھر کو جھکے گا اس کا مال اس سے کہے گا گذر جا' تو نے مجھ میں اللہ کا حق ادا کردیا ہے' پھر اس دنیا والے کو لایا جائے گا جس نے دنیا کے سلسلے میں اللہ کی اطاعت نہیں کی ہوگی اور اس کا مال اس کے سامنے ہوگا' جب وہ پل صراط پر سے ادھر اُدھر کو جھکے گا اس کا مال کہے گا' کمبخت کیا تو نے مجھ میں اللہ کا حق ادا نہیں کیا' یہ صورت حال اسی طرح رہے گی یہاں تک کہ ہلاکت و بربادی کو آواز دے گا۔

کتاب الزہد میں ہم نے مالداری کی مذمت اور فقر کی تعریف میں آیات و روایات نقل کی ہیں ان سب سے مال کی مذمت ہی تو مقصود ہے یہاں ان کا اِعادہ نہیں کرنا چاہتے دنیا کی مذمت پر مشتمل روایات بھی مال ہی کی مذمت کرتی ہیں کیوں کہ مال دنیا کا رکن اعظم ہے یہاں ہم صرف وہ روایات درج کرنا چاہتے ہیں جو زبان رسالت علی صاحبہا الصلوۃ والتسلیم سے بطورِ خاص مال کی مذمت میں نکلی ہیں۔

اذا مات العبد قالت الملائکۃ ما قدم وقال الناس ما خلف (بیہقی۔ ابوھریرۃؓ)

جب بندہ مرجاتا ہے تو ملائکہ کہتے ہیں مرحوم نے آگے کیا بھیجا اور لوگ پوچھتے ہیں کیا چھوڑا۔

ایک حدیث میں ہے۔

لا تتخذوا الضیعۃ فتحبوا الدنیا (ترمذی' حاکم' ابن مسعود)

جائداد نہ بناؤ ورنہ تمہیں دنیا سے محبت ہوجائے گی۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابو الدرداءؓ کی برائی کی اور انہیں اذیت پہنچائی انہوں نے اسے یہ دعا دی' اے اللہ! اسے تندرست رکھ' اس کی عمر بڑھا' اور اس کے مال میں اضافہ کر غور کیجئے تندرستی اور طول عمر کے بعد مال کی کثرت کو انہوں نے کتنی بڑی مصیبت تصوّر کیا تبھی تو اپنے دشمن کو اس دعا سے نوازا' کیونکہ مال کی کثرت عموماً سرکشی میں مبتلا کردیتی ہے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ اپنی ہتھیلی پر ایک درہم رکھا اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تو جب تک میرے ہاتھ سے نکلے گا نہیں مجھے نفع نہیں پہنچائے گا' ایک مرتبہ حضرت عمر ابن الخطابؓ نے امّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ کی خدمت میں کچھ روپے بھیجے انہوں نے پوچھا! یہ کیسے روپے ہیں' لوگوں نے بتلایا یہ حضرت عمر کا عطیہ ہے جو انہوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے انہوں نے فرمایا اللہ مغفرت کرے' پھر انہوں نے ایک پردہ اُتارا اسے پھاڑ کر تھیلیاں بنائیں اور وہ تمام روپے اپنے اعزّہ و اَقربا کو بھجوا دیئے' اس کے بعد یہ دعا مانگی! اے اللہ! آج کے بعد مجھے کبھی عمرؓ کا عطیہ نہ ملے' چنانچہ ازواج مطہراتؓ میں آپ کے پردہ فرمانے کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب ہی فوت ہوئیں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں! بخدا جو شخص مال کی عزت کرتا ہے اللہ اسے ذلیل کرتا ہے' کہا جاتا ہے کہ جب دینار و درہم بنے تو شیطان انہیں اوپر لے گیا' انہیں اپنی پیشانی پر رکھا اور بوسہ دیا اور کہنے لگا جو تمہیں چاہے گا وہ حقیقت میں میرا بندہ ہوگا' حضرت سمیط ابن عجلانؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ دراہم و دنانیر منافقین کی لگامیں ہیں ان لگاموں کے

---

(۱) یہ حضرت سلمان الفارسی کی روایت نہیں ہے بلکہ حضرت ابو الدرداءؓ کی حدیث ہے یہ غلط ثانی الذکر نے اول الذکر کو تحریر کیا تھا۔

ذریعے انہیں کھینچ کر دوزخ میں لے جایا جاتا ہے' حضرت یحییٰ ابن معاذ فرماتے ہیں کہ درہم بچھو کی طرح ہے اگر تم اس کے کاٹے کی جھاڑ پھونک نہیں کرسکتے تو اسے مت لو اس لیے کہ اگر اس نے تمہارے ڈنک مار دیا تو اس کا زہریلا مادہ تمہیں ہلاک کردے گا' دریافت کیا گیا کہ درہم کی جھاڑ پھونک کیا ہے' فرمایا حلال جگہ سے لینا اور حق پر خرچ کرنا' علاء ابن زیاد کہتے ہیں کہ میرے سامنے دنیا مجسّم ہو کر آئی وہ ہر طرح کی زینت سے آراستہ تھی' میں نے کہا میں تیرے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں' اس نے کہا اگر تجھے میرے شر سے محفوظ رہنا ہو تو دراہم و دینار کو بُرا سمجھ' یہ اس لیے کہا کہ دراہم و دینار ہی تمام دنیا ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ دنیا کی تمام چیزیں حاصل کی جاسکتی ہیں' جس نے ان دونوں سے صبر کیا اس نے گویا تمام دنیا سے صبر کیا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

انی وجدت فلا تظنوا غیرہ ان التورع عند ھذا الدرھم
فاذا قدرت علیہ ثم ترکتہ فاعلم بان تقاک تقوی المسلم

(میں تو ایسا سمجھتا ہوں اور تم بھی ایسا ہی سمجھو کہ تقویٰ کی صحیح پہچان مال سے ہوتی ہے اگر تم اس پر قدرت رکھنے کے باوجود اسے چھوڑ دو تو یہ سمجھو کہ تمہارا تقویٰ مسلمان کا تقویٰ ہے)

اسی مضمون کے یہ اشعار ہیں۔

لا یغرنک من المرء قمیص رقعہ او ازار فوق عظیم الساق منہ رفعہ
او جبین لاح فیہ اثر قد خلعہ ارہ الدرھم تعرف حبہ او ورعہ

(تمہیں کسی شخص کے پیوند زدہ کپڑوں اور پنڈلی کے اوپر تک اُٹھے ہوئے پاجامے اور پیشانی پر پڑے ہوئے نشان سجدہ سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے' اسے درہم دکھلاؤ تب مال سے اس کی محبت یا مال سے اس کا پرہیز سامنے آئے گا)

مسلمہ ابن عبدالملک کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی خدمت میں اس وقت پہونچے جب وہ موت کی کش مکش میں گرفتار تھے' انہوں نے کہا: امیرالمؤمنین! آپ نے ایسا کام کیا ہے جو آپ سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا' آپ نے اپنی اولاد چھوڑ دی ہے نہ ان کے پاس دراہم ہیں نہ دنانیر ہیں۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ کے تیرہ بچے تھے انہوں نے کہا مجھے اُٹھا کر بٹھا دو' لوگوں نے انہیں اٹھا کر بٹھا دیا فرمایا: میں نے اولاد کے لیے کچھ نہیں چھوڑا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے ان کا حق دَاب رکھا ہے' البتہ میں نے دوسروں کا حق انہیں نہیں دیا' میری اولاد میں دو ہی طرح کے بیٹے ہوسکتے ہیں' ایک اللہ کا مطیع و فرماں بردار' اگر ایسا ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے کیوں کہ

وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ

اور وہ والی ہے نیکو کاروں کا۔

دوسرا اللہ کا نافرمان گنہ گار' اگر ایسا ہے تو مجھے اس کی کیا پروا ہوسکتی ہے روایت ہے کہ محمد ابن کعب القرظیؒ کو کہیں سے بہت سا مال ہاتھ لگا' کسی نے انہیں مشورہ دیا کہ مال اپنے بیٹے کے لیے جمع رکھیے' انہوں نے جواب دیا نہیں میں یہ مال اپنے لیے ذخیرہ کروں گا اور اللہ کو اپنے بیٹے کے لیے چھوڑ جاؤں گا' ایک شخص نے ابو عبدربّ سے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ تم خود تو برائی کا بوجھ اٹھا کر آخرت کی طرف جاؤ اور اپنی اولاد کے لیے خیر چھوڑ کر مرو' یہ سن کر ابو عبدربّ نے اپنے مال میں سے ایک لاکھ درہم راہ حق میں خرچ کیے' یحییٰ ابن معاذ کہتے ہیں کہ موت کے وقت دو مصیبتیں ایسی ہوتی ہیں کہ نہ پہلے لوگوں نے سنی ہیں اور نہ پچھلے لوگوں نے سنی ہیں' دریافت کیا گیا وہ کون سی دو مصیبتیں ہیں' فرمایا: ایک یہ کہ اس سے پورا مال لیا جائے گا' دوسری یہ کہ اسے پورے مال کا حساب دینا پڑے گا۔

مال کی تعریف، اور اس کی مدح وذم میں تطبیق

مال کی تعریف : اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ مال کے لیے لفظ خیر استعمال کیا ہے مثلاً فرمایا۔

اِنْ تَرَکَ خَیْرًا

اگر اس نے کوئی خیر (مال) چھوڑا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

نعم المال الصالح للرجال الصالح (احمد، طبرانی، عمرو ابن العاص)

کیا اچھی ہے نیک آدمی کے لیے نیک کمائی

قرآن و حدیث سے مال کی تعریف ثابت ہے صدقہ اور حج کے ثواب میں جو کچھ مذکور ہوا اس سے بھی مال کی تعریف ہوتی ہے کیونکہ مال کے بغیر نہ آدمی صدقہ کا ثواب کما سکتا ہے اور نہ خانۂ کعبہ کی زیارت کرکے اپنے نامۂ اعمال کو روشن کر سکتا ہے قرآن کریم میں ہے۔

وَیَسْتَخْرِجَا کَنْزَھُمَا رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ (پ۱۶ ر۱ آیت ۸۲)

اور تیرے رب کی مہربانی سے وہ اپنا دفینہ نکال لیں۔

اسی طرح یہ آیت بھی مال کی تعریف میں ہے جس میں بطور احسان ارشاد فرمایا گیا۔

وَیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْھٰرًا (پ۲۹ ر۹ آیت ۱۲)

اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لیے باغ لگادے گا اور تمہارے لیے نہریں بہادے گا۔

ارشادِ نبوی ہے۔

کاد الفقر ان یکون کفرا (بیہقی۔ انس)

قریب ہے کہ فقر کفر ہو جائے۔

تطبیق کی صورت : اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت نے کہیں ان کی مذمت کی ہے، اور اسے شیطان کا حربہ اور تمام گناہوں اور برائیوں کا منبع قرار دیا ہے کہیں مال کی تعریف کی ہے اور اسے متعدد عبادات کے حصول کا ذریعہ بتایا ہے، آخر ان متضاد آیات و روایات میں تطبیق کس طرح ہوگی؟ ہمارے خیال میں مال کے مدح وذم میں تطبیق کا طریقہ اس وقت تک سمجھ میں آنا مشکل ہے جب تک مال کی حکمت، مقصد، اور آفات و نقصانات سے واقفیت نہ ہو اس کے بعد ہی یہ حقیقت آشکارا ہو سکتی ہے کہ مال ایک وجہ سے بہتر اور ایک وجہ سے بدتر ہے بہتر ہونے کی وجہ سے محمود ہے، اور بدتر ہونے کی وجہ سے مذموم، کیونکہ مال نہ محض شر ہے اور نہ محض خیر ہے بلکہ وہ خیر و شر دونوں کا سبب اور دونوں کے حصول کا ذریعہ ہے، جس کی یہ صفت ہو اس کی یقینی طور پر کبھی تعریف کی جائے گی اور کبھی مذمت کی جائے گی صرف عقل مند آدمی ہی سمجھ سکتا ہے کہ جو مال قابلِ تعریف ہے وہ قابلِ مذمت نہیں ہے، اور جو مال قابلِ مذمت ہے وہ قابلِ تعریف نہیں ہے۔ احیاء العلوم جلد چہارم کے کتاب الشکر میں ہم نے خیرات اور نعمتوں کے درجات کی تفصیل کی ہے، یہ تفصیل وہاں دیکھ لینی چاہئے، اس وقت صرف اتنا بیان کرنا مقصود ہے کہ داناؤں اور نورِ بصیرت رکھنے والوں کا مقصد آخرت کی سعادت ہے، آخرت ایک پائیدار اور ناقابلِ زوال نعمت ہے، بزرگ اور زیرک ہی اس نعمت کے حصول کا قصد کرتے ہیں، چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی نے عرض کیا۔

من اکرم الناس واکیسھم فقال اکثرھم للموت ذکرا واشدھم له استعدادا (ابن ابی الدنیا۔ ابن ماجہ۔ ابن عمرؓ)

لوگوں میں بزرگ تر اور زیادہ ہشیار کون ہے فرمایا' موت کا بکثرت ذکر کرنے والا اور اس کے لیے زیادہ تیاری کرنے والا۔

اُخروی سعادت کے ذرائع حصول : دنیا میں آخرت کی سعادت تین ذریعوں کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتی' اول نفسی فضائل جیسے علم' اور خوش خلقی' دوم بدنی فضائل جیسے صحت اور تندرستی سوم بدن سے خارج فضائل جیسے مال اور اسباب دنیا' ان وسائل میں اعلیٰ تر وسیلہ فضائل نفسی ہے' دوسرے درجہ میں بدنی فضائل کا وسیلہ ہے بالکل آخری درجہ میں وہ فضائل ہیں جو نفس و بدن دونوں سے خارج ہوں' ان میں مال بھی شامل ہے' درہم و دینار سب سے کم حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ یہ دونوں انسان کے خادم ہیں' جب کہ اس کا کوئی خادم نہیں دوسری چیزوں کے لیے ان کی خواہش کی جاتی ہے خود ان کی ذات مقصود نہیں رہتی' اس لیے کہ نفس ہی ایک ایسا جوہر لطیف ہے جس کی سعادت مطلوب ہے' وہ علم' معرفت' اور مکارم اخلاق کی خدمت کرتا ہے یہ اوصاف نفس کی صفاتِ ذاتیہ میں داخل ہو جائیں پھر بدن حواس اور اعضاء کے ذریعہ نفس کی خدمت ہے اور غذا اور لباس بدن کی خدمت کرتے ہیں' یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ کھانے سے بدن کو باقی رکھنا اور نکاح سے نسل کو برقرار رکھنا مقصود ہے اور بدن سے نفس کی تکمیل "تزکیہ' اور علم و اخلاق کے پھولوں سے اس کا چمن مہکانا مقصود ہے' جو شخص اس ترتیب سے واقف ہو گا وہ مال کی حیثیت سے اچھی طرح واقف ہو گا اور اس کے خیر ہونے کے سبب پر بھی مطلع ہو گا' مال نفس کے لیے ضروری ہے' اور نفس ہی اصل جوہر ہے جو شخص کسی چیز کا فائدہ سمجھ کر' اس کی غایت اور مقصد سے واقف ہو کر اس کا استعمال کرے اور ہمیشہ اس کی غایت اور مقصود کو پیش نظر رکھے تو یہ استعمال اس کے حق میں بہتر اور مفید ہے مال جس طرح کسی صحیح مقصد کا وسیلہ ہو سکتا ہے اسی طرح وہ فاسد مقاصد کا بھی ذریعہ بن سکتا ہے' اور یہ وہ مقاصد ہیں جو سعادت اُخروی سے ٹکراتے ہیں اور علم و عمل کی راہوں پر بندشیں لگاتے ہیں' اس طرح مال محمود بھی ہُوا اور مذموم بھی محمود اس وقت جب کہ اس کی نسبت محمود مقاصد کی طرف ہو' اور مذموم اس وقت جبکہ اس کی نسبت مذموم مقاصد کی طرف ہو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص دنیا کو قدرت کفایت سے زائد مال لیتا ہے وہ گویا غیر شعوری طور پر اپنی موت کی آواز دیتا ہے اور کیونکہ انسانی طبائع شہوتوں کی طرف میلان رکھتی ہیں اور ان کی اتباع میں لذت پاتی ہیں اور شہوتیں راہ حق سے روکنے والی ہیں' اور مال ان شہوتوں کے حصول کا بڑا ذریعہ ہے' اس لیے قدر کفایت سے زائد مال لینا خطرے سے خالی نہیں ہے' اسی لیے انبیائے کرام نے مال کے شر سے پناہ مانگی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا منقول ہے۔

اللّٰھم اجعل قُوتَ آلِ محمد کفافا (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

اے اللہ! تو آل محمدؐ کی روزی بقدر کفایت کر۔

غور کیجئے آپ نے دنیا میں سے صرف اتنا مانگا جو خیر محض ہو' آپ سے ایک دعا یہ منقول ہے۔

اللّٰھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین (ترمذی۔ انسؓ)

اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ مسکینی کی حالت میں موت دے اور مساکین کے زُمرے میں اُٹھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ربّ کریم کے حضور یہ دعا کی تھی۔

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ (پ ۱۳ ر ۱۸ آیت ۳۵)

اور مجھے اور میرے خاص بندوں کو بتوں سے بچائیے۔

اصنام سے انہوں نے یہی دو پتھر مراد لیے سونا' اور چاندی' اس لیے کہ منصبِ نبوت اس بات سے پاک ہے کہ کوئی نبی پتھروں کو اپنا معبود سمجھنے لگے' جب کہ نبوت سے پہلے بچپن میں بھی نبی کو بتوں کی پوجا سے دور رکھا جاتا ہے' سونے چاندی کی عبادت سے مراد یہ ہے کہ دل میں ان کی محبت ہو اور آدمی ان کی وجہ سے دھوکا کھا جائے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

تعس عبدالدینار' تعس عبدالدرھم تعس ولا انتقش' واذا شیک فلا انتعش
(۱) (بخاری۔ابوھریرۃ)

ہلاک ہو بندۂ دینار' ہلاک ہو بندۂ درہم گرے اور نہ اٹھے اور جب اس کے کانٹا لگے تو نکال نہ سکے۔

مطلب یہ ہے کہ بندۂ درہم و دینار کی کہیں سے کوئی مدد نہیں ہوگی' وہ گر جائے گا تو اسے کوئی اٹھانے والا نہ ہوگا اور کانٹا چبھے گا تو اس میں اتنی سکت بھی نہیں ہوگی کہ کانٹا ہی نکال لے' اس حدیث میں مال سے محبت کرنے والے کو اس کا عابد اور پرستار قرار دیا ہے' کسی بھی پتھر کا عابد بتوں کا پجاری ہے بلکہ جو شخص بھی غیراللہ کی پرستش کرتا ہے وہ گویا بتوں کی پرستش کرتا ہے' وہ مشرک ہے تاہم شرک کی دو قسمیں ہیں خفی اور جلی' شرکِ خفی ہیشہ ہیشہ کے لیے دوزخ میں رہنے کا موجب نہیں ہے مؤمن اس سے کم ہی خالی ہوتے ہیں شرکِ خفی چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے' شرکِ جلی کا مرتکب ہیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا ہم شرکِ جلی و خفی دونوں سے اللہ رب العزت کی پناہ چاہتے ہیں۔

مال کے نقصانات اور فوائد

مال میں سانپ کی طرح زہر بھی ہے اور تریاق بھی' تریاق اس کے فوائد ہیں' اور زہر اس کے نقصانات جو شخص اس کے فوائد و نقصانات دونوں سے واقف ہوگا اسی کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اس زہر سے بچ سکے اور اس کے تریاق سے فائدہ اٹھا سکے'

مال کے فوائد : دینی بھی ہیں اور دنیوی بھی' دنیاوی فوائد بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لیے کہ وہ اتنے متعارف و مشہور ہیں کہ سب لوگ واقف ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو حصول مال کے لیے ہلاکت و تباہی میں کیوں پڑتے' البتہ دینی فوائد قابل ذکر ہیں۔

مال کے دینی فوائد : تین طرح کے ہیں اول یہ کہ مال اپنے اوپر خرچ کرے' خواہ عبادت میں یا عبادت پر مدد حاصل کرنے کے لیے عبادت میں اس طرح کہ مثلاً حج یا جہاد میں خرچ کرے' کیونکہ یہ دونوں عبادتیں بغیر مال کے ادا نہیں کی جاسکتیں حالانکہ یہ اصول عبادات میں سے ہے مفلس ان کی فضیلت حاصل نہیں کرپاتا' عبادت پر استعانت میں اس طرح کہ غذا' لباس' رہائش اور نکاح پر خرچ کرے' اس لیے کہ یہ بنیادی ضرورتیں ہیں اور جب تک یہ پوری نہیں ہوتیں دل ان میں مشغول رہتا ہے اور دین کے لیے فارغ نہیں ہوپاتا' اور یہ قاعدہ ہے کہ جن چیزوں کے بغیر عبادت پر قوت حاصل نہیں ہوتی' وہ بھی عبادت ہیں' اس لیے دین پر مدد حاصل کرنے کے لیے دنیا کی بقدر کفایت حاصل کرنا دینی فائدوں میں سے ہے' لیکن اس میں تنعّم اور ضرورت سے زائد مقدار شامل نہیں ہے اسے دنیاوی حظوظ میں شمار کریں گے' دوم وہ مال جو دوسروں پر خرچ کیا جائے اس کی چار قسمیں ہیں صدقہ' مروّت کے طور پر' آبرو کی حفاظت کے لیے اور خدمت کی اُجرت کے بطور' جہاں تک صدقہ کا تعلق ہے اس کا ثواب کسی پر مخفی نہیں ہے' یہ ایک ایسا نیک عمل ہے جس سے ربّ العزت کے غیظ و غضب کی آگ ٹھنڈی ہوتی ہے گذشتہ ابواب میں صدقے کے فضائل بیان کئے جاچکے ہیں' مروّت سے ہماری مراد یہ ہے کہ مال داروں اور شریفوں کی دعوت و ضیافت اور انہیں تحفے تحائف دینے میں مال خرچ کرنا اسے صدقہ نہیں کہیں گے' کیونکہ صدقہ محتاج کو دیا جاتا ہے' لیکن مروّت کے طور پر خرچ کرنا بھی دینی فائدوں میں

(۱) لیکن اس میں انتقش نہیں ہے بلکہ تعس وانتکس الفاظ بخاری میں تعلیق اور ابن ماجہ و حاکم میں موصولاً منقول ہے۔

سے ہے' کیوں کہ اس طرح آدمی بھائی اور دوست بنالیتا ہے اور سخاوت کی صفت سے متصف ہو کر سخاوت پیشہ لوگوں کے زمرے میں شامل ہوپاتا ہے کیونکہ آدمی اس وقت تک سخی کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا' جب تک وہ لوگوں کے ساتھ احسان اور مروّت کا سلوک نہ کرے' یہ عمل بھی بڑے اجرو ثواب کا باعث ہے چنانچہ ہدایا دینے اور دعوتیں کرنے کے متعلق بے شمار روایات موجود ہیں' اور ان میں کہیں یہ قید نہیں کہ ہدیہ صرف ضرورت مندوں کو دیا جائے یا دعوت صرف ان لوگوں کی کی جائے جو مفلس ہوں یا جن کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہو' آبرو بچانے کی غرض سے خرچ کرنا بھی دینی منفعت سے خالی نہیں ہے مثلاً کسی ایسے شاعر کو کچھ دے دیا جائے جو ہجو کہتا ہو' اور مجلسوں میں مذاق کا نشانہ بناتا ہو اسی طرح کمینوں کی زبان بند کرنے کے لیے اور ان کے شر سے بچنے کے لیے مال خرچ کرنا' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ماوقی بہ المرء عرضہ کتب لہ بہ صدقۃ (ابو یعلی۔ جابرؓ)

جس چیز سے آدمی اپنی عزت بچائے وہ اس کے لیے صدقہ لکھی جاتی ہے۔

عزت بچانے کے لیے مال خرچ کرنا یوں بھی ثواب کا باعث ہے کہ اس سے غیبت کرنے والا غیبت کے گناہ سے محفوظ رہتا ہے' اور اس کے کلام سے فتنہ نہیں پھیلتا' مسلمان عداوت کا شکار نہیں ہوتے' اور جس کی غیبت کی جائے وہ بھی انتقام کے جذبے سے مجبور ہو کر ایسا جواب نہیں دیتا' جو حدودِ شریعت سے متجاوز ہو' استخدام (خدمت لینے) پر اجرت دینا بھی اجرو ثواب سے خالی نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے اسباب کی فراہمی میں جن اعمال کا محتاج ہے وہ بے شمار ہیں اگر تنہا انہیں کرنے لگے تو وقت الگ ضائع ہو' اور راہِ آخرت پر چلنا دشوار ہو جائے اور ذکر و فکر کی فرصت نہ ملے' حالانکہ سالکین کا اعلیٰ مقام یہی ذکر و فکر ہے۔ ظاہر ہے جس کے پاس مال نہ ہوگا وہ اپنے تمام کام تنہا کرے گا' مثلاً غلّہ خریدنا' اسے پیسنا' پکانا' گھر صاف کرنا یہاں تک جن کتابوں کی ضرورت ہو ان کے نسخے تیار کرنا' وہ تمام کام جو دوسرے سے کرائے جاسکتے ہیں تنہا انجام دے گا یہ زبردست خسارہ ہے دولت مند اس خسارے سے محفوظ رہتا ہے اگر کوئی دولت مند ایسے جزئی کام بھی خود کرنے لگے تو وہ عمل' علم اور ذکر و فکر سے یقیناً دور رہے گا' سوم یہ کہ وہ مال کسی متعین آدمی پر خرچ نہ ہو' بلکہ اس سے عام فائدہ حاصل ہو' جیسے مساجد' پل' مسافر خانے' شفا خانے' مدارس تعمیر کرانا' یا خیر کے کاموں کے لیے زمین' جائداد وقف کردینا یہ ایسے اخراجات ہیں جو آدمی کو مرنے کے بعد بھی نفع پہنچاتے ہیں اور اللہ کے نیک بندے ایسے لوگوں کے حق میں مدتوں دعائے خیر کرتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا خیر کا کام ہوگا ان دینی فوائد کے علاوہ مال سے دنیوی حظوظ بھی حاصل ہوتے ہیں مثلاً جس کے پاس مال ہو وہ فقر کی ذلت اور مفلسی کے عیب سے محفوظ رہتا ہے' لوگ اس کی عزت کرتے ہیں اور اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں' اگر دولت مند پیسہ خرچ کرے تو اس سے حلقۂ احباب میں اضافہ ہوتا ہے لوگ اس سے برادرانہ روابط قائم کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور وقت پڑنے پر کام بھی آتے ہیں نیک اور مخلص مالداروں کا لوگ دل سے احترام کرتے ہیں۔

مال کے نقصانات : مال کے نقصانات بھی دو طرح کے ہیں دینی اور دنیوی' دینی نقصانات تین طرح کے ہیں ایک یہ کہ مال آدمی کو گناہ کے راستے پر ڈال دیتا ہے کیونکہ شہوتیں آدمی کے دل پر مسلسل یلغار کرتی رہتی ہیں' بے مائیگی اور عجز کے ذریعہ ان شہوتوں سے تحفظ کیا جاسکتا ہے کیوں کہ جب آدمی کسی گناہ کے ارتکاب سے مایوس ہوتا ہے تو دل میں اس کا داعیہ پیدا نہیں ہوتا' اور جب یہ احساس ہوجاتا ہے کہ اب میں اس گناہ کا ارتکاب کرسکتا ہوں' تو یہ داعیہ ابھرتا ہے مال کا موجود ہونا بھی ایک طرح کی قدرت ہی ہے مال ہو تو آدمی کے دل میں گناہ کرنے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کی خواہش جنم لیتی ہے' اگر وہ اپنی خواہش پر عمل کرلے تو ہلاک ہوجائے اور صبر کرے تو تکلیف میں مبتلا ہو' اس لیے کہ قدرت رکھتے ہوئے صبر کرنا انتہائی دشوار ہے مالداری کا فتنہ مفلسی کے فتنے سے بڑا ہے' دوسرا نقصان یہ ہے کہ مال سے مباحات میں تنعّم تک نوبت پہنچتی ہے' اور یہ مال کے غلط استعمال کا پہلا درجہ ہے' کیوں کہ مالدار سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ جو کی روٹی کھائے اور موٹا کپڑا پہنے' اور تمام لذیذ کھانے ترک کردے جیسا

کہ حضرت سلیمان نے اپنی سلطنت و مملکت کی وسعت اور زمین کے خزانوں پر اپنی قدرت کے باوجود ایسا کیا تھا' لیکن ہر شخص ایسا نہیں کرسکتا' جسے مالی وسعت میسّر ہوگی وہ مباحات میں تنعّم ضرور اختیار کرے گا' یعنی اچھا کھائے گا' اچھا پہنے گا' اور نفس کو اسی کا عادی بنائے گا اور جب تنعّم میں اسے لذت ملنے لگے گی تو پھر اس سے رکنا ممکن نہ ہوگا بلکہ پھر تو یہ حال ہو جائے گا کہ اگر حلال آمدنی تنعّم کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہے گی تو مشکوک اور حرام ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہوگا مداہنت' جھوٹ' نفاق اور دوسرے فاسد اخلاق و عادات کو دل میں جگہ بنانے کا موقع دے گا تاکہ اس کی دنیا کا نظم اس کی اپنی پسند کے مطابق بنا رہے اور اس کے تنعّم میں کمی نہ آئے جس کے پاس مال زیادہ ہوتا ہے اسے لوگوں کی حاجت زیادہ ہوتی ہے اور جو لوگوں کا محتاج ہوتا ہے وہ اپنا کام نکالنے کے لیے منافقانہ رَوِش اختیار کرتا ہے اور ان کی رضا حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بھی گریز نہیں کرتا' اگر انسان پہلی آفت سے بچ جائے تو اس آفت سے بچنا مشکل ہے اور مخلوق کی احتیاج سے دوستی اور دشمنی پیدا ہوتی ہے اور اس سے حسد کینہ' ریا' کبر' جھوٹ' چغل خوری' غیبت اور ان تمام معاصی کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے جو دل و زبان کے ساتھ مخصوص ہیں' پھر یہ بھی امکان رہتا ہے کہ یہ معاصی دل و زبان سے تجاوز کرکے دوسرے اعضاء کی طرف بھی منتقل ہو جائیں' یہ سب مال ہی کی نحوستیں ہیں' تیسری آفت اور اس سے کوئی مالدار خالی نہیں یہ ہے کہ آدمی مال کی اصلاح اور حفاظت میں لگ کر اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے' اور جو چیز آدمی کو اللہ سے غافل کردے وہ ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں' اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ مال میں تین آفتیں ہیں ایک آفت تو یہ ہے کہ جائز طریقے سے نہ لے' کسی نے عرض کیا کہ اگر آمدنی حلال ہو؟ انہوں نے جواب دیا اس صورت میں وہ ناحق خرچ کریگا' یہ دوسری آفت ہے' کسی نے عرض کیا کہ اگر وہ حق میں خرچ کرے' فرمایا مال کی حفاظت اسے اللہ کی یاد سے غافل کردیگی' یہ تیسری اور بڑی آفت ہے' ذکر الٰہی سے غفلت ایک لاعلاج اور سنگین مرض ہے کیونکہ تمام عبادتوں کی غایت اور منشاء اللہ کا ذکر اور اس کی ذات و صفات میں فکر ہی تو ہے' اور ذکر و فکر کے لیے فارغ قلب کی ضرورت ہے' اگر کسی کے پاس زمین ہے تو وہ رات دن کھیتی کے جھگڑوں میں الجھا رہتا ہے' کبھی حساب کتاب کر رہا ہے' کبھی شرکاء سے برسرپیکار ہے' کبھی پانی اور حد بندی پر اختلافات کا شکار ہو رہا ہے' کبھی ان لوگوں سے جھگڑ رہا ہے جو بادشاہ کی طرف سے زمین کا خراج وصول کرنے پر مقرر ہیں۔ کبھی معماروں اور مزدوروں کے مسائل سے نبرد آزما ہے' تجارت پیشہ آدمی کو یہ غم ستائے رہتا ہے کہ اس کا شریک نفع میں برابر کا شریک ہے' لیکن کام میں برابر ہاتھ نہیں بٹاتا' کہیں شریک پر چوری اور خیانت کے الزامات تراشتا نظر آتا ہے' یہی حال جانوروں کے مالک کا ہے' بلکہ جتنے بھی اموال ہیں ان سب کے مالکان کا کم و بیش یہی حال ہے کہ وہ اللہ کے ذکر کے بجائے اپنے اموال میں مشغول ہیں' اور ان کی اصلاح و حفاظت کے بارے میں متفکر اور پریشان ہیں' سب سے کم شغل زمین کے گڑے ہوئے خزانے سے ہوتا ہے' لیکن مدفون خزانہ بھی دل کو بہت کچھ الجھا لیتا ہے' اس کے ضائع جانے' یا چوروں کے ہاتھ لگ جانے کے اندیشے دل میں سر ابھارتے ہیں تو ذکر و فکر میں طبیعت کو یکسوئی حاصل نہیں ہوپاتی' ہر لمحہ اس کی حفاظت کی فکر دامن گیر رہتی ہے' دنیا کے افکار اور ہنگامے لامحدود ہیں' ان کی کوئی انتہاء نہیں ہے' جس کے پاس ایک دن کی غذا ہے۔ وہ تمام افکارِ پریشاں سے دور اور ان ہنگاموں سے محفوظ ہیں۔ یہ ہیں مال کے دینی نقصانات۔ ان میں اسکا بھی اضافہ کرلیجئے کہ دولت مند مال حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ جدوجہد نہیں کرتے' پھر جب مال حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی حفاظت کے لیے کس طرح دل و جان سے بے قرار رہتے ہیں' حاسدوں کے حسد سے بچنا اس پر مستزاد ہے۔ ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں محنت و مشقت سے کمایا ہوا یہ مال ضائع نہ ہو جائے' اس سے معلوم ہوا کہ مال فی الحقیقت زہر ہے' تریاق صرف اسی صورت میں ہے جب کہ اسے گذر بسر کا ذریعہ سمجھا جائے' اور زائد از ضرورت مال اللہ کی راہ میں خیرات کردیا جائے۔

حرص و طمع کی مذمت' قناعت اور لوگوں سے توقعات نہ رکھنے کی تعریف

جاننا چاہیئے کہ مفلسی ایک عمدہ وصف ہے جیسا کہ ہم نے کتاب الفقر میں اس کی تفصیل کی ہے' لیکن تنہا فقر کوئی قابل تعریف

وصف نہیں، جب تک صاحب فقر میں قناعت نہ ہو، وہ مخلوق کے مال کی طمع نہ رکھتا ہو، ان کے مال کی طرف نظر نہ کرتا ہو، اور نہ مال کمانے کا حریص ہو، اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب کہ وہ بقدر ضرورت غذا، لباس اور مسکن پر قانع ہو، بلکہ ان میں بھی ادنیٰ چیز پر قناعت کرے، اپنی امید کو ایک روز یا ایک ماہ سے زائد نہ بڑھائے، اور نہ دل کو ایک مہینہ کے بعد کے مشغلے میں لگائے، کثرتِ شوق اور طولِ اَمل سے آدمی قناعت کی عزت سے محروم ہو جاتا ہے اور طمع و حرص کی گندگی سے آلودہ ہو جاتا ہے، طمع و حرص سے وہ دوسری برائیوں کے ارتکاب پر مجبور ہوتا ہے اور ایسے ایسے کام کرتا ہے جن سے جبینِ شرافت داغدار ہو، ویسے طمع و حرص اور قلتِ قناعت آدمی کی فطرت میں داخل ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

لو کان لابن آدم وادیان من ذهب لابتغی وراءهما ثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب (بخاری و مسلم۔ ابن عباسؓ و انسؓ)

اگر انسان کے لیے سونے کے دو جنگل ہوں تو وہ ان کے پیچھے تیسرے کی جستجو کرے، ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی سے بھر سکتا ہے اور جو شخص توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

ابو واقد اللیثی روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ ہمیں وحی کے احکام سکھلاتے، ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ارشاد فرمایا۔

انا انزلنا المال لاقام الصلوة وایتاء الزکاة ولو کان لابن آدم واد من ذهب لاحب ان یکون له ثانی ولو کان له الثانی احب ان یکون لهما ثالث ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب (احمد البیهقی فی الشعب)

ہم نے مال نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے اتارا ہے اگر ابن آدم کے پاس سونے کا ایک جنگل ہو تو وہ دوسرے کی خواہش کرے اور دوسرا مل جائے تو تیسرے کی خواہش کرے ابن آدم کا پیٹ صرف خاک ہی سے پُر ہوتا ہے اور جو توبہ کرتا ہے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ روایت فرماتے ہیں کہ سورۂ برأت کی طرح ایک سورت نازل ہوئی تھی بعد میں وہ اٹھالی گئی، مگر اس کی یہ آیت لوگوں کو یاد ہے۔

ان اللہ یؤید هذا الدین باقوام لا خلاق لهم ولو ان لابن آدم وادیین من مال لتمنی وادیا ثالثا ولا یملأ جوف ابن ادم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب (مسلم مع اختلاف، طبرانی)

اللہ تعالیٰ اس دین کی ایسے لوگوں سے تائید کرائے گا جن کو دین کا کوئی حصہ نصیب نہ ہوگا اور اگر ابن آدم کے پاس مال کے دو جنگل ہوں تو وہ یہ تمنا کرے کہ تیسرا جنگل بھی مل جائے، ابن آدم کا پیٹ مٹی ہی بھر سکتی ہے اللہ توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔

منهومان لا یشبعان منهوم العلم و منهوم المال (طبرانی۔ ابن مسعود)

دو حریص کبھی شکم سیر نہیں ہوتے، ایک علم کا حریص دوسرا مال کا حریص۔

ارشاد نبوی ہے۔

یهرم ابن آدم و یشب معه اثنتان الامل و حب المال (بخاری و مسلم۔ انسؓ)

انسان بوڑھا ہو جاتا ہے اور اس کی یہ دو خصلتیں جوان رہتی ہیں آرزو اور مال کی محبت۔

کیوں کہ مال کی محبت اور اس کی زیادتی کی خواہش انسان کی سرشت میں داخل ہے اس میں بھی شک نہیں کہ یہ ایک گمراہ کن اور مہلکِ عادت ہے' یہی وجہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قناعت کی تعریف فرمائی۔
ارشاد نبوی ہے۔

طوبی لمن ھدی للاسلام وکان عیشه کفافا وقنع به (ترمذی' نسائی۔ فضالہ ابن عبیدؓ)

اس کے لیے خوشخبری ہے جو اسلام کی ہدایت پائے اور اس کی معیشت بقدر کفایت ہو اور وہ اس پر قانع ہو۔
اس مضمون کی کچھ روایتیں یہ ہیں۔

مامن احد فقیر ولا غنی الا ودیوم القیام انه کان اوتی قوتا فی الدنیا (ابن ماجہ۔ انسؓ)

قیامت کے روز کوئی مال دار اور فقیر ایسا نہ ہوگا جس کو یہ تمنا نہ ہو کہ اسے دنیا میں گذر بسر کے بقدر دیا جاتا۔

لیس الغنی عن کثرۃ العرض انما الغنی غنی النفس (بخاری و مسلم۔ ابوھریرۃؓ)

مالداری سامان کی کثرت سے نہیں ہے' بلکہ مالداری نفس کی غنی ہونے کا نام ہے۔

الا ایھا الناس اجملوا فی الطلب فانه لیس لعبد الا ماکتب له ولن یذھب عبد من الدنیا حتّٰی یاتیه ماکتب له من الدنیا وھی راغمة (۱) (حاکم۔ جابرؓ)

خبردار! اے لوگو! خوش اسلوبی سے مانگو بندے کو اتنا ہی ملتا ہے جتنا اس کی تقدیر میں ہوتا ہے اور کوئی بندہ اس وقت تک دنیا سے نہیں جائے گا جب تک کہ اس کو جس قدر دنیا اس کی قسمت میں لکھی ہے مل نہ جائے در آں حالیکہ دنیا ذلیل ہو۔

روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ تیرے بندوں میں زیادہ غنی کون ہے؟ فرمایا جو کچھ میسّر ہے اس پر زیادہ قناعت کرنے والا' عرض کیا کہ زیادہ عادل کون ہے فرمایا وہ شخص جو اپنے نفس سے انصاف کرے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان روح القدس نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتّٰی تستکمل رزقها فاتقوا اللّٰه واجملوا فی الطلب (ابن ابی الدنیا۔ حاکم)

جبرئیل نے یہ بات میرے دل میں ڈالی ہے کہ کوئی ذی نفس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اپنا رزق پورا پورا نہ حاصل کرے گا' اس لیے اللہ سے ڈرو اور خوش اسلوبی سے مانگو۔

حضرت ابو ہریرۃؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ابو ہریرہ جب تجھے بھوک زیادہ ستائے تو تو ایک چپاتی کھالے اور ایک پیالہ پانی پی لے' دنیا پر لعنت بھیج یہ بھی حضرت ابو ہریرۃ کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کن ورعا تکن اعبد الناس وکن قنعا تکن اشکر الناس واحب للناس ماتحب لنفسک تکن مؤمنا (ابن ماجہ)

---

(۱) یہ روایت اسی باب کے پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے۔

ورع اختیار کر تو لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والا ہو جائے گا۔ قناعت پسند بن تو لوگوں میں سب سے زیادہ شکر کرنے والا بن جائے گا۔ اور لوگوں کے لیے وہی چیز پسند کر جو تو اپنے لیے پسند کرتا ہے ایسا کرنے سے تو مؤمن ہو جائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طمع کرنے سے منع فرمایا' چنانچہ حضرت ابوایوب الانصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے کوئی مختصر یعنی نصیحت فرما دیجئے' آپ نے اس سے فرمایا۔

اذا صلیت فصل صلاۃ مودع ولا تحدثن بحدیث تعتذر منہ غدا واجمع الیاس مما فی ایدی الناس (ابن ماجہ۔ حاکم نحوہ۔ سعد ابن ابی وقاصؓ)

جب تو نماز پڑھے تو رخصت ہونے والے کی نماز پڑھ اور کوئی ایسی بات نہ کر جس کی تجھے کل معذرت کرنی پڑے اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے مایوس رہ۔

حضرت عوف ابن مالک الاشجعی روایت کرتے ہیں کہ ہم نو' دس یا سات افراد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کے رسول سے بیعت نہیں کرو گے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم بیعت نہیں کر چکے؟ آپ نے فرمایا کیا تم اللہ کے رسول سے بیعت نہیں کرو گے' راوی کہتے ہیں کہ تعمیل حکم میں ہم نے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیئے اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی' ہم میں سے کسی نے عرض کیا' بیعت تو ہم کر چکے تھے' اب کس بات پر بیعت کریں گے؟ آپ نے فرمایا۔

ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وتصلوا الخمس وان تسمعوا وتطیعوا واسر کلمۃ خفیۃ ولا تسالوا الناس شیئا

اس بات پر کہ اللہ کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ' پانچوں وقت کی نماز پڑھو' دین کی بات سنو اور اطاعت کرو اس کے بعد کوئی بات آہستہ سے فرمائی' اور لوگوں سے کچھ نہ مانگو۔

راوی کہتے ہیں کہ ان بیعت کرنے والوں میں سے بعض نے آپ کی نصیحت پر اس قدر عمل کیا کہ اگر کسی کے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو وہ دوسرے سے ہرگز یہ نہ کہتا کہ مجھے اٹھا کر دو۔ (مسلم' ابوداؤد' ابن ماجہ)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طمع مفلسی ہے اور لوگوں سے ناامید ہونا مالداری ہے' یہ بھی فرمایا کہ جو آدمی لوگوں کے مال سے مایوس ہو جاتا ہے اسے کسی چیز کی پروا نہیں رہتی' کسی دانشور سے پوچھا گیا کہ مالداری کسے کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا' آرزوؤں کا کم ہونا' اور قدرِ کفایت پر راضی رہنا' اسی مضمون کو کسی نے شعر کا لباس پہنایا ہے۔

العیش ساعات تمر — وخطوب ایام تکر
اقنع بعیشک ترضہ — واترک ھواک تعیش حر
فرب حتف ساقہ — ذھب ویاقوت ودر

(ترجمہ) عیش کی چند ساعتیں ہیں جو گذر جاتی ہیں اور مصیبتوں کے بے شمار دن ہیں جو بار بار آتے ہیں' اپنی معیشت پر قناعت کرو خوش رہو گے خواہشات چھوڑو آزادانہ زندگی بسر کرو گے بہت سی موتیں سونے' یاقوت اور جواہر کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

محمد ابن الواسع خشک روٹی پانی سے بھگو کر کھا لیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جو اس رزق پر قناعت کرے گا وہ کسی کا محتاج نہ ہو گا' سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ تمہاری دنیا اس وقت تک بہتر ہے جب تک تم اس میں مبتلا نہ ہو اور جس چیز میں تم مبتلا ہو وہ اتنی ہی بہتر ہے جو تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک فرشتہ ہر روز یہ اعلان کرتا ہے اے ابن آدم! تھوڑی چیز بقدرِ کفایت ملنا اس سے بہتر ہے کہ زیادہ ملے لیکن تجھے سرکش بنا دے' سمیط ابن عجلان کہتے ہیں اے انسان! تیرا

پیٹ بالشت در بالشت ہے (چھوٹا ہے) اس کے باوجود یہ تیرے پورے جسم کو دوزخ میں ڈلوا دیتا ہے' ایک حکیم سے سوال کیا گیا کہ تیرا مال کیا ہے اس نے جواب دیا ظاہر میں بتکلف رہنا' باطن میں میانہ روی اختیار کرنا اور لوگوں کے مال سے مایوس رہنا روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے اے ابن آدم! اگر تمام دنیا بھی تیری ہو جائے تب بھی تجھے غذا کے علاوہ کچھ نہ ملے گا اگر میں تجھ کو غذا دوں' اور دنیا کا حساب کسی دوسرے کی گردن پر رکھ دوں تو یہ میرا تجھ پر زبردست احسان ہو گا' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنی کسی ضرورت کے لیے سوال کرے تو تھوڑا مانگے' اور کسی کے پاس جاکر یہ نہ کہے کہ تم ایسے ہو تم ویسے ہو' جس قدر تمہاری قسمت میں ہے وہ تمہیں مل کر رہے گا بنو امیہ کے کسی حکمراں نے ابو حازم کو لکھا کہ اگر آپ کوئی ضرورت رکھتے ہوں تو مجھے لکھ کر بھیج دیجئے' ابو حازم نے جواب دیا میں نے اپنی تمام ضرورتیں اپنے آقا کے سامنے رکھ دی ہیں جو وہ مجھے عطا کرتا ہے لے لیتا ہوں' اور جو نہیں دیتا اس سے قناعت کرتا ہوں' کسی دانا سے پوچھا گیا کہ عقلمند کو کس چیز سے زیادہ خوشی ہوتی ہے' اور کون سی چیز غم دور کرنے میں اس کی زیادہ معین ہے اس نے جواب دیا کہ عقل مند کو سب سے زیادہ خوشی اس نیک عمل سے ہوتی ہے جسے وہ آنے والی زندگی کے لیے آگے بھیج دیتا ہے اور غم دور کرنے پر سب سے زیادہ مدد قضائے پر راضی رہنے سے ملتی ہے ایک دانا کا قول ہے کہ سب سے زیادہ غم حاسدوں کو ہوتا ہے' اور سب سے زیادہ خوشی قناعت کرنے والوں کو میسر رہتی ہے اور اذیت پر سب سے زیادہ صبر حریص کرتا ہے سب سے ہلکی پھلکی زندگی اس کی ہوتی ہے جو دنیا کو زیادہ ٹھکرانے والا ہو اور سب سے زیادہ ندامت اس عالم کو اٹھانی پڑتی ہے جو راہ حق سے بھٹک جائے شاعر کہتا ہے۔

ارفہ ببال فتی امسی علی ثقۃ　　ان الذی قسم الارزاق یرزقہ
فالعرض منہ مصون لا یدنسہ　　والوجہ منہ جلید یمس یخلقہ
ان القناع من یحلل بساحتہا　　لم یلق فی دہرہ شیئا یورتہ

(ترجمہ) وہ جوان خوش ہے جسے یقین ہو کہ جس نے رزق تقسیم کئے ہیں وہی مجھے بھی رزق عطا کرے گا' اس کی آبرو محفوظ ہے وہ اسے داغ نہیں لگاتا' اور چمکتے دمکتے چہرے کو سوال کی ذلت سے بدنما نہیں کرتا' جس شخص کو قناعت میسر ہے وہ اپنی زندگی میں کسی ناپسندیدہ صورت حال سے دوچار نہیں ہو گا۔

اسی مضمون کے یہ چند شعر ہیں۔

حتی متی انا فی حل وترحال　　وطول سعی وادبار واقبال
ونازح الدار لا انفک مغتربا　　عن الاحبۃ لا یدرون ما حالی
بمشرق الارض طورا ثم بمغربہا　　لا یخطر الموت من حرصی علی بالی
ولو قنعت اتانی الرزق فی دعۃ　　ان القنوع الغنی لا بکثرۃ المال

ترجمہ۔ میں جب تک سفر و حضر طول جدوجہد' آمدورفت میں لگا رہوں گا وطن سے بیگانہ اور دوستوں سے دور رہوں وہ نہیں جانتے میں کس حال میں ہوں' میں کبھی زمین کے مشرقی حصہ میں ہوں اور کبھی مغربی حصے میں میری حرص کا عالم یہ ہے کہ موت کا تصور تک دل میں نہیں آتا' اگر میں قناعت کروں تو مجھے رزق مل جائے آدمی قناعت سے غنی ہوتا ہے نہ مال کی کثرت سے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا میں تمہیں یہ بتلاتا ہوں کہ اللہ کے مال میں سے میرے لیے کتنا حلال ہے دو جوڑے ایک سردی کے لیے اور گرمی کے لیے' حج و عمرے کے لیے سواری اور قریش کے دوسرے لوگوں کی طرح کھانا پینا نہ میں ان سے اعلیٰ غذا کھاتا ہوں اور نہ ادنیٰ بخدا! مجھے معلوم نہیں کہ میرے لیے یہ مال جائز بھی ہے یا نہیں گویا انہیں شبہ تھا کہ مال کی یہ مقدار قدرِ کفایت سے زیادہ تو نہیں ایک اعرابی نے اپنے بھائی کو حرص پر ملامت کی' اور کہا اے بھائی تو طالب بھی ہے اور مطلوب بھی جو تیرا طالب ہے اس سے تو نہ بچ سکے گا یعنی موت اور جس کا تو طالب ہے یعنی رزق کا وہ تجھے مل کر رہے گا یوں سمجھ کہ تیرا طالب (موت) اگرچہ نظروں سے

لو جمل ہے لیکن سامنے موجود ہے اور اب تو جس حال میں ہے اس میں ہرگز نہیں رہے گا تمہیں یہ غلط فہمی تو نہیں کہ حریص محروم نہیں رہتا اور زاہد کو رزق نہیں ملتا۔

اراک یزیدک الاثراء حرصا　　علی الدنیا کانک لا تموت
فھل لک غایۃ ان صرت یوم　　الیھا قلت حسبی قد رضیت

(ترجمہ۔ میں دیکھتا ہوں کہ مالداری نے دنیا کے سلسلے میں تیری حرص بڑھا دی ہے گویا اب تجھے مرنا ہی نہیں ہے کیا تیرے حرص کی کوئی انتہا بھی ہے' اگر کسی دن تجھے دنیا مل جائے تو کیا یہ کہہ سکتا ہے کہ بس میں اس پر راضی ہوں۔

شعبی کہتے ہیں کہ ایک شکاری نے ہزار داستان پکڑی اس نے پوچھا تم میرا کیا کرو گے؟ شکاری نے جواب دیا ذبح کرکے کھاؤں گا' ہزار داستان نے کہا کہ میرا یہ تھوڑا سا گوشت نہ تیری بھوک مٹائے گا نہ تجھے شکم سیر کرے گا البتہ میں تجھے تین باتیں ایسی بتلائے دیتی ہوں جو تیرے لیے میرے گوشت سے زیادہ مفید ثابت ہوں گی ایک بات میں ابھی بتلائے دیتی ہوں' دوسری اس وقت بتلاؤں گی جب تو مجھے آزاد کردے گا اور میں تیری قید سے نکل کر درخت پر جا بیٹھوں گی' اور تیسری اس وقت جب میں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤں گی' شکاری نے کہا اچھا پہلی بات بتلا' اس نے کہا گزری ہوئی بات پر افسوس مت کرنا' شکاری نے اسے آزاد کردیا' جب وہ اڑ کر درخت پر پہنچ گئی شکاری نے کہا اب دوسری بات بیان کر' اس نے کہا جو بات ناممکن ہو اس کا یقین مت کرنا' اتنا کہہ کر وہ درخت سے اڑی اور پہاڑ کی چوٹی پر جا بیٹھی' شکاری نے کہا اب تیسری بات بتلا۔ اس نے کہا اے بدبخت! اگر تو مجھے ذبح کرتا تو میرے معدے سے دو بیش قیمت موتی نکلتے ہر موتی کا وزن بیس مثقال ہوتا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر شکاری غم و غصے کی شدت سے اپنے ہونٹ کاٹ لیے' اور کہنے لگا مجھے تیسری بات بتلا چڑیا نے کہا تیسری بات کیسے بتلاؤں تو پہلی دو باتیں بھول گیا ہے' کیا میں نے تجھے یہ نہیں بتلایا تھا کہ جو گذر جائے اس پر افسوس مت کرنا' اور جو ناممکن ہو اس کا یقین مت کرنا' میرا گوشت خون اور پر سب مل کر بھی بیس مثقال کے برابر نہیں ہوسکتے چہ جائیکہ میرے پوٹے میں بیس بیس مثقال کے دو موتی ہوں' اتنا کہہ کر چڑیا اڑ گئی' یہ واقعہ انتہائی حریص اور طامع آدمی کی مثال ہے' وہ شدت حرص و طمع کی وجہ سے حق کے ادراک سے اپنی آنکھیں بند کرلیتا ہے' اور غیر ممکن کو ممکن تصور کر بیٹھتا ہے' ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ امید تیرے دل میں ایک رسّی کی طرح ہے جس سے دونوں پاؤں بندھے ہوئے ہیں' اپنے دل سے امید نکال دے پاؤں خود بخود قید سے آزاد ہوجائیں گے۔ ابو محمد الیزیدی کہتے ہیں کہ میں ہارون رشید کے پاس گیا' وہ ایک کاغذ پر نظریں جمائے ہوئے تھے' اس پر سونے کے پانی سے کچھ تحریر تھا مجھے دیکھ کر وہ مسکرائے' میں نے عرض کیا امیرالمؤمنین بڑے خوش نظر آرہے ہیں کیا کوئی کام کی بات ہاتھ لگی ہے انہوں نے کہا ہاں! بنو امیہ کے خزانوں میں سے مجھے یہ دو شعر ملے ہیں' تیسرے شعر کا میں نے اضافہ کیا ہے۔

اذا سد باب عنک من دون حاجۃ　　فدعہ لاخری ینفتح لک بابھا
فان قراب البطن یکفیک ملوءہ　　ویکفیک سوات الامور اجتنابھا
ولا تک مبذالا لعرضک واجتنب　　رکوب المعاصی یجتنبک عقابھا

عبداللہ بن سلامؓ نے حضرت کعب بن احبارؓ سے پوچھا کہ علماء کے دلوں سے علوم کس طرح نکل جاتے ہیں جب کہ وہ انہیں راسخ کرنے میں سخت ترین جدوجہد کرتے ہیں' انہوں نے جواب دیا طمع' نفس کی ہوس اور حاجتوں کی طلب سے علوم دلوں سے مٹ جاتے ہیں' فضیل نے عرض کیا جناب کعب احبارؓ کے قول کی وضاحت فرمائیں' انہوں نے کہا آدمی ایک چیز کی حرص کرتا ہے اور اسے پانے کے لیے اپنا دین ضائع کردیتا ہے اور نفس کی ہوس کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جہاں کوئی چیز پر نظر پڑی یہ خواہش ہوئی کہ اس کا مالک بن جاؤں' کسی چیز کا نہ ملنا اس کے لیے سخت تکلیف کا باعث ہوتا ہے' اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے کبھی کسی کے دروازے پر دستک دیتا ہے' کبھی کسی کا در کھٹکھٹاتا ہے جو شخص اس کی حاجت روائی کردیتا ہے گویا اس کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے جہاں

چاہے لے جائے، جس طرح چاہے کام لے، وہ سرنیازِ خم رکھتا ہے، راہ میں ملتا ہے تو سلام کرتا ہے بیمار پڑتا ہے تو عیادت کرتا ہے، لیکن نہ اس کا سلام اللہ کے لیے ہوتا ہے اور نہ عیادت اللہ کے لیے ہوتی ہے اس سے تو یہ بہتر تھا کہ تمہیں اس کی ضرورت ہی نہ پڑتی' اس کے بعد عبداللہ ابن سلام نے ارشاد فرمایا کہ کعب احبارؓ کا یہ قول تمہارے لیے سو مند حدیثوں سے بہتر ہے' کسی دانا کا قول ہے کہ انسان بھی عجیب چیز ہے اگر یہ اعلان کردیا جائے کہ اب تو ہمیشہ دنیا میں رہے گا اس وقت جتنی حرص اسے ہوگی اس سے زیادہ اب ہے' حالانکہ اب زندگی انتہائی مختصر اور عمر محدود ہے فنا ہونا یقینی ہے عبدالواحد بن زید کہتے ہیں کہ میں ایک راہب کے پاس سے گذرا میں نے پوچھا تمہیں کھانا کہاں سے ملتا ہے؟ اس نے جواب دیا جس ذات پاک نے دانتوں کی چکی بنائی ہے وہی اس میں دانے ڈالتا ہے۔

حرص و طمع کا علاج اور قناعت پیدا کرنے والی دوا

یہ دوا تین مفردات سے مرکب ہے' صبر' علم' اور عمل' اور ان کا مجموعہ پانچ امور ہیں' اول عمل یعنی معیشت میں اعتدال اور اخراجات میں کفایت جسے قناعت کی عزت مطلوب ہو اسے چاہیئے کہ جہاں تک ہوسکے اپنے نفس پر اخراجات کے دروازے بند کرے' اور صرف ضروریات پر خرچ کرے' اس لیے کہ جس کے اخراجات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے وہ قناعت کر ہی نہیں پاتا۔ اگر کوئی شخص تنہا ہے تو اسے لباس میں ایک موٹے کپڑے' اور غذا میں انتہائی معمولی غذا پر قناعت کرنی چاہیئے' ہوسکے تو سالن کم کردے' اور بغیر سالن کے کھانے کا عادی بنے' اگر عیال دار ہے تو اپنے گھر کے تمام افراد کو معمولی لباس اور کھانے کی ترغیب دے اور انہیں بھی اپنے ہی رنگ میں رنگنے کی کوشش کرے' کیوں کہ اتنی مقدار معیشت ذرا سی جدوجہد کے بعد حاصل کی جاسکتی ہے' اس میں طلب بھی کم ہوگی' اور زندگی بھی اعتدال کے ساتھ گزر جائے گی اور قناعت میں اصل یہی ہے' خرچ میں نرمی کرنے کا مطلب بھی یہی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان اللہ یحب الرفق فی الامر کلہ (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ)

اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرم روی کو پسند کرتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔

ماعال من اقتصد (احمد' طبرانی۔ ابن مسعودؓ)

میانہ رو مفلس نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ثلاث منجیات خشی اللہ فی السر والعلانیۃ والقصد فی الغنی والفقر والعدل فی الرضا والغضب (بزار' طبرانی' ابونعیم۔ انسؓ)

تین باتیں نجات دینے والی ہیں ظاہر و باطن میں اللہ کا خوف' مالداری اور مفلسی میں میانہ روی' خوشی اور ناراضگی میں انصاف۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوالدرداءؓ کو دیکھا کہ وہ زمین سے دانے چن رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ زندگی میں نرم روی آدمی کے فہم پر موقوف ہے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الاقتصاد و حسن السمت والھدی الصالح جزء من بضع و عشرین جزءا من النبوۃ (ابوداؤد' ابن عباس مع تقدیم و تاخیر)

میانہ روی، حسنِ وضع، اور نیک کرداری نبوت کے کچھ اوپر بیس جزؤں میں سے ایک جزء ہے۔

ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

التدبیر نصف المعیشۃ (ابو منصور دیلمی۔ انسؓ)

تدبیر نصف معیشت ہے۔

ارشاد نبوی ہے۔

من اقتصد اغناہ اللہ، ومن بذر افقرہ اللہ ومن ذکر اللہ عزوجل احبہ اللہ (بزار۔ طلحۃ ابن عبیداللہؓ)

جو شخص میانہ روی اختیار کرتا ہے اللہ اسے مالدار کرتا ہے جو فضول خرچی کرتا ہے اللہ اسے محتاج کردیتا ہے اور جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ اس سے محبت کرتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔ فرمایا:

اذا اردت امرا فعلیک بالتودۃ حتی یجعل اللہ لک فرجا ومخرجاۃ (ابن المبارک)

جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس میں عجلت سے کام نہ لو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی اور نکلنے کی صورت کردے۔

اور خرچ کرنے میں نرمی کرنا بھی اسی قبیل سے ہے اور انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔

دوم :۔ اگر فی الوقت بہ قدر کفایت موجود ہو تو مستقبل کے لیے زیادہ مضطرب اور بے چین نہ ہونا چاہیے، اگر آدمی اپنی امیدیں مختصر کردے اور اس اعتقاد کو راسخ کرلے کہ جو رزق مقدر ہے وہ مل کر رہے گا خواہ حرص ہو یا نہ ہو تو مستقبل کا فکر پریشان نہیں کرے گا حرص یا امید سے رزق حاصل نہیں ہوتا مؤمن کو اپنے خالق عزّوجل کے وعدہ رزق پر ایمان رکھنا چاہیے۔

ارشاد ربانی ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (پ ۱۲ ر ا آیت ۶)

اور کوئی جانور روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں جس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو۔

حرص شیطان کی خیثانہ کاروائیوں کا نتیجہ ہے، وہ معلون آدمی کو فقروفاقے سے ڈراتا ہے۔ اور اسے منکرات کی ترغیب دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ اگر تو نے مال جمع نہ کیا اور اشیاء ذخیرہ نہ کیں تو مستقبل میں پریشانیاں پیدا ہوں گی تو بیمار بھی پڑ سکتا ہے، تو عاجز بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں سوال کی ذلت اٹھانی پڑے گی اور کاسۂ گدائی لے کر در در بھٹکنا ہوگا، اس طرح آدمی مستقبل میں مشقت کے خوف سے زندگی بھر طلب زر کے لیے مشقت اٹھاتا رہتا ہے، اور شیطان اسے مصروف جدوجہد دیکھ کر ہنستا ہے کہ احمق مستقبل کے ڈر سے اپنی جان ہلکان کئے دے رہا ہے، اور اللہ کی یاد سے غافل ہے، اسے کیا پتہ کہ مستقبل کی جس پریشانی کا اسے اندیشہ ہے وہ واقع بھی ہوگی یا نہیں۔

ومن ینفق الساعات فی جمع مالہ مخافۃ فقر لذی فعل الفقر

حضرت خالدؓ کے دو بیٹے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا:

لا تیاسا من الرزق ما تھزھزت روسکما (ابن ماجہ۔ حبہ وسواء ابنا خالد)

اللہ کے رزق سے مایوس نہ ہو جب تک تمہارے سر (شانوں پر) حرکت کرتے رہیں گے رزق ملتا رہے گا۔

مطلب یہ ہے کہ زندگی کے کسی بھی لمحہ میں رزق سے ناامید مت ہونا، غور کرو کہ انسان کو اس کی ماں ننگ دھڑنگ جنتی ہے اس

کے باوجود اسے رزق ملتا ہے' ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے پاس سے گزرے وہ غمگین بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ان سے فرمایا۔

لاتکثر همک' مایقدر یکن وماترزق یاتک (ابونعیم۔ خالد ابن رافع)

زیادہ رنج نہ کرو' جو مقدّر ہے وہ ہو کر رہے گا جو رزق نصیب میں ہے وہ مل کر رہے گا۔

ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا۔

الا ایها الناس اجملوا فی الطلب فانه لیس لعبد الا ما کتب له ولن یذهب عبد من الدنیا حتی یاتیه ما کتب من الدنیا وهی راغمة

خبردار! اے لوگو! طلب میں اعتدال سے کام لو' اس لیے کہ بندے کو وہی ملے گا جو اس کی تقدیر میں لکھا ہے' اور بندہ اس وقت تک دنیا سے رخصت نہیں ہوگا جب تک اسے اتنی دنیا ذلیل و خوار ہو کر نہ مل جائے جتنی اس کی قسمت میں لکھی ہوئی ہے۔

انسان کے دل سے حرص اللہ کی تدبیر پر مکمل یقین کے ذریعہ ہی ختم ہو سکتی ہے اگر بندے کو یہ یقین ہو کہ اللہ نے رزق کی تقسیم میں جو تقدیر بنائی ہے اور جو تدبیر اختیار کی ہے وہ برحق ہے اور اگر میں طلب میں اجمال کروں گا تو میرے مقدّر کا رزق مل کر رہے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے دل سے حرص کی برائی دور نہ ہو بلکہ بندے کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ ایسی جگہ سے رزق بہم پہنچاتا ہے' جس کا گمان بھی نہیں ہوتا' جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (پ ۲۸ ر ۱۷ آیت ۳)

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور وہ اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

اگر کبھی ایسا ہو کہ وسیلے سے اسے رزق ملتا تھا وہ باقی رہے تو پریشان نہ ہونا چاہئے اور نہ قلب کو تشویش میں مبتلا کرنا چاہئے۔ ارشاد نبوی ہے۔

ابی اللّٰه ان یرزق عبده المؤمن الا من حیث لا یحتسب (ابن حبان۔ علیؓ)

اللہ کو یہی منظور ہے کہ اپنے بندے کو ایسی جگہ سے رزق پہنچائے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو' میں نے کسی ایسے شخص کو جو اللہ سے ڈرتا ہو محتاج نہیں دیکھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ متقی کو تمام ضرورتوں سے بے نیاز کر دیتا ہے یا اس کی ضرورت خود بخود پوری ہو جاتی ہے بلکہ وہ اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے' اور وہ اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتے ہیں' مفضل ضبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اعرابی سے پوچھا کہ تیرا ذریعۂ معاش کیا ہے؟ اس نے کہا حجاج کے نذرانے میرا ذریعۂ آمدنی ہیں' میں نے پوچھا جب وہ چلے جاتے ہیں تب کیا کرتے ہو' یہ سن کر وہ رونے لگا اور کہنے لگا اگر یہ معلوم ہوتا کہ رزق کہاں سے ملتا ہے اور کس طرح ملتا ہے تو یہ زندگی ہی نہ ہوتی' حضرت ابو حازمؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دنیا میں دو چیزیں ہیں ایک وہ جو میرے لیے ہے اسے میں وقت سے پہلے حاصل نہیں کر سکتا اگرچہ اسے حاصل کرنے کے لیے زمین و آسمان کی تمام قوتیں صرف کر دوں' دوسری وہ جو غیر کے لیے ہے' یہ نہ مجھے ماضی میں ملی اور نہ مستقبل میں ملنے کی توقع ہے' اس لیے کہ جو ذات میری چیز کو غیر سے محفوظ رکھتی ہے' وہی ذات غیر کی چیز کو

---

(۱) یہ روایت اسی باب کے پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے۔

مجھ سے محفوظ رکھتی ہے' پھر بھلا مجھے ان دونوں چیزوں کی خاطر جان دینے سے کیا فائدہ؟ یہ شیطان کے ان وسوسوں کا علاج ہے جو وہ انسان کے دل میں فقرو افلاس کے سلسلے میں برپا کرتا ہے اور اسے بیماری اور عجز کے حوالے سے ڈراتا اور خوفزدہ کرتا ہے' یہ دوائے معرفت ہے۔

سوم :- یہ بات جانے کہ قناعت میں شانِ بے نیازی کی عزت ہے' اور حرص میں سوال کی ذلت ہے' اگر اس عزت و ذلت کا صحیح اور واقعی ادراک ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ نفس قناعت کی طرف مائل نہ ہو اس میں کسی شک کی کیا گنجائش ہے کہ مزید کی ہوس اور زیادہ کی خواہش میں سوائے مشقت اور ذلت کے کیا ہے' اور قناعت میں صبر کی تکلیف کے علاوہ کیا ہے' اور اس تکلیف پر اللہ عزّ و جل کے علاوہ کوئی دوسرا مطلع نہیں ہوتا' اور اسی پر آخرت کا اجر و ثواب ہے جب کہ حرص و طمع انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہتے' ہر شخص سمجھ جاتا ہے کہ فلاں آدمی حریص اور لالچی ہے' اس رسوائی پر مستزاد یہ کہ آخرت کا وبال ہوتا ہے اور سزا بھگتنی پڑتی ہے' عزتِ نفس الگ جاتی ہے' حق کے اتباع پر قدرت باقی نہیں رہتی جس شخص میں حرص و طمع زیادہ ہوتی ہے وہ لوگوں کا زیادہ محتاج ہوتا ہے اپنی اس احتیاج کی بنا پر نہ وہ انہیں حق کی دعوت دے سکتا ہے نہ انہیں غلطی کرنے پر ٹوک سکتا ہے' مداہنت اس کا مزاج بن جاتی ہے' عیب' عیب نظر نہیں آتا' اگر عیب کو عیب سمجھ کر بھی لیتا ہے تو کہنے کی جرأت نہیں ہوتی خواہ مخواہ دین برباد ہوتا ہے' اور آخرت تباہ ہوتی ہے جو شخص پیٹ کی شہوت پر عزتِ نفس کو ترجیح نہ دے وہ انتہائی بے وقوف اور ناقصُ الایمان ہے۔

ارشاد نبوی ہے۔

عز المؤمن استغناءه عن الناس (طبرانی' حاکم۔ سہل ابن سعد)

مومن کی عزت لوگوں سے بے نیاز رہنے میں ہے۔

قناعت میں آزادی اور خود داری ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اگر تم کسی سے بے نیاز رہو گے تو اس کے برابر ہو گے اور حاجت مند ہو جاؤ گے تو اس کے قیدی بن جاؤ گے' اور احسان کرو گے تو اس کے قائد بن جاؤ گے۔

چہارم :- اس حقیقت پر غور کرے کہ یہود' نصاریٰ' ارذال' احمق' کرد اور بے دین کتنے مالدار ہیں۔ دوسری طرف' انبیاء اولیاء' خلفائے راشدین' اور صحابہ و تابعین کی سادہ زندگی ہے' ان دونوں گروہوں کا موازنہ کرے' ان کے واقعات سنے' ان کے حالات زندگی کا مطالعہ کرے' پھر عقل کو یہ اختیار دے کہ وہ کس گروہ کی مشابہت اختیار کرنا چاہتی ہے' ارذال کی یا انبیاء و صلحاء کی' امید یہی ہے کہ اس طریقۂ کار سے تنگی اور قناعت پر صبر کرنا آسان ہو جائے گا' مؤمن کو سوچنا چاہئے کہ کھانے میں تنعّم اختیار کرنا کوئی قابل تعریف بات نہیں گدھا اس سے کہیں زیادہ کھاتا ہے' جماع میں تنعّم اختیار کرنا بھی قابل تعریف نہیں' خنزیر اس سے کہیں زیادہ جماع کرلیتا ہے' لباس اور سواری کے جانوروں میں تنعّم اختیار کرنا بھی تعریف کے قابل نہیں اس لیے کہ یہود میں اس سے کہیں زیادہ لباسِ فاخر پہننے والے اور عمدہ سواری کرنے والے موجود ہیں اگر وہ قلیل پر قانع اور راضی ہو تو یہ بلا شبہ قابل تعریف ہے کیونکہ تھوڑے پر قناعت کرنا اور کم پر راضی رہنا انبیاء اور اولیاء کا اسوہ ہے۔

پنجم :- اس پر غور کرے کہ مال جمع کرنے میں خطرات ہی خطرات ہیں جیسا کہ مال کی آفات کے بیان میں ان خطرات کی تفصیل گذری پھر اس میں چوری لوٹ اور ضیاع الگ ہے' جب مال پاس ہوتا ہے تو یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ مال ضائع نہ ہو جائے اور جب ہاتھ خالی ہوتا ہے تو دل کو کسی طرح کا غم نہیں ہوتا' یہ بھی سوچے کہ مال کی وجہ سے میں جنت سے پانچسو برس دور رہوں گا' اور اگر میں نے قدر کفایت سے تجاوز کیا تو میں اغنیاء کے گروہ میں شامل ہو جاؤں گا اور فقراء کی فہرست سے خارج قرار دیا جاؤں گا' اور فقراء اغنیاء کے مقابلے میں پانچسو برس پہلے جنت میں جائیں گے' آدمی کو ہمیشہ اپنے سے ادنیٰ پر نظر رکھنی چاہئے اپنے سے اعلیٰ کو

نہ دیکھنا چاہیئے شیطان دنیا کے معاملے میں اعلیٰ کو نمونہ بنا کر پیش کرتا ہے اور اس طرح کہتا ہے کہ تو کیوں ست ہے' مالداروں کو دیکھ کس طرح مزے اڑاتے ہیں' لذیذ اور خوش ذائقہ کھانا کھاتے ہیں اور عمدہ عمدہ لباس پہنتے ہیں اور دین کے معاملہ میں ادنیٰ کو نمونہ بناتا ہے اور کہتا ہے تو کیوں اپنے آپ کو تنگی میں مبتلا کئے رہتا ہے فلاں شخص کو دیکھ کہ تجھ سے زیادہ علم رکھنے کے باوجود اللہ سے نہیں ڈرتا اور تو اللہ کے خوف سے ہروقت لرزہ براندام رہتا ہے تمام لوگ عیش کررہے ہیں تو ان سب سے جدا کیوں ہے حضرت ابو ذرؓ روایت کررہے ہیں کہ مجھے میرے خلیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ میں دنیا کے معاملات میں اپنے سے کمتر کی طرف دیکھوں برتر کی طرف نہ دیکھوں (ابن حبان) حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا نظر احدکم الی من فضله اللّٰہ علیه فی المال والخلق فلینظر الی من هم اسفل منه ممن فضل علیه (بخاری ومسلم)

جب تمہاری نظر کسی ایسے شخص پر پڑے جسے اللہ نے مال اور خلق میں برتری سے نوازا ہو تو تمہیں اس شخص کو دیکھنا چاہیئے جس پر تمہیں فوقیت حاصل ہے۔

یہ ہیں وہ پانچ امور جن کی مدد سے قناعت کا وصف پیدا کیا جاسکتا ہے ان میں بنیادی اہمیت صبر اور کوتاہ امیدی کو حاصل ہے' صبر کرے تو یہ یقین رکھے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی میں دائمی زندگی کی سعادتیں اور نعمتیں حاصل کرنے کے لیے صبر کرنا مقصود ہے' یہ ایسا ہی ہے جیسے مریض ہمیشہ صحت مند اور تندرست رہنے کے لیے دوا کی تلخی پر صبر کرتا ہے۔

سخاوت کی فضیلت

اگر آدمی کے پاس مال نہ ہو تو اسے قانع رہنا چاہیئے اور حرص سے بچنا چاہیئے اور اگر مال ہو تو ایثار پیشہ اور سخی ہونا چاہیئے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرے بخل سے دور رہے سخاوت انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ایک خلق ہے اور نجات کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ان الفاظ میں تعبیر فرمائی ہے۔

السخاء شجرة من شجر الجنة اغصانها متدلیته الی الارض' فمن اخذ بغصن منها قاده ذلک الغصن الی الجنة

(ابن حبان۔ عائشہ' ابن عدی' دار قطنی۔ ابوھریرۃؓ)

سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے' اس کی ٹہنیاں زمین تک لٹکی ہوئی ہیں جو اس میں سے ایک ٹہنی پکڑ لیتا ہے وہ ٹہنی اسے جنت میں کھینچ لے جاتی ہے۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

قال جبرئیل علیه السلام قال اللّٰہ تعالیٰ: ان هذا دین ارتضیته لنفسی ولن یصلحه الا السخاء وحسن الخلق فاکرموه بهما ما استطعتم

(دار قطنی فی المستجاد)

جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ یہ وہ دین ہے جسے میں نے اپنے لیے پسند کیا ہے یہ سخاوت اور حسن خلق ہی سے درست رہ سکتا ہے جہاں تک ہوسکے ان دونوں کے ذریعہ دین کا اکرام کرو۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ماجبل اللّٰہ تعالٰی ولیاالاعلی حسن الخلق والسخاء (دار قطنی فی المستجاد)

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو حُسنِ خلق اور سخاوت پر پیدا کیا ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہے کہ کسی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا افضل ترین عمل کون سا ہے آپ نے ارشاد فرمایا صبر اور چشم پوشی' (ابو یعلی ابن حبان) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

خلقان یحبھما اللّٰہ عزوجل وخلقان یبغضھما اللّٰہ عزوجل' فاما اللذان یحبھما اللّٰہ تعالٰی فحسن الخلق والسخاء واما اللذان یبغضھما اللّٰہ فسوء الخلق والبخل واذا اراد اللّٰہ بعبد خیر استعملہ فی قضاء حوائج الناس

(ابو منصور دیلمی)

دو عادتیں ایسی ہیں جنہیں اللہ پسند کرتا ہے اور دو عادتیں ایسی ہیں جو اللہ کو ناپسند ہیں جو عادتیں اللہ کو پسند ہیں وہ ہیں خوش خلقی اور سخاوت' اور جو ناپسند ہیں وہ ہیں بد خلقی اور بخل۔ جب اللہ کسی بندے سے خیر کا ارادہ کرتا ہے اس سے لوگوں کی ضرورتیں پوری کراتا ہے۔

مقدام ابن شریح اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا! یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجئے جو میرے جنت میں داخلے کا باعث ہو آپ نے ارشاد فرمایا' کھانا کھلانا' سلام کو رواج دینا' اور اچھا کلام کرنا' مغفرت کو واجب کرنے والی عادتیں ہیں (طبرانی) حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' سخاوت جنت میں ایک درخت ہے جو سخی ہوتا ہے وہ اس درخت کی ایک ٹہنی پکڑ لیتا ہے' اور یہ ٹہنی اسے اس وقت تک نہیں چھوڑتی جب تک وہ جنت میں داخل نہیں ہو جاتا۔ اور بخل دوزخ میں ایک درخت ہے جو شخص بخیل ہوتا ہے وہ اس درخت کی ایک ٹہنی پکڑ لیتا ہے' وہ ٹہنی اسے اس وقت تک نہیں چھوڑتی جب تک وہ دوزخ میں داخل نہیں ہو جاتا (دار قطنی فی المستجاد) حضرت ابو سعید الخدری سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث قدسی نقل کرتے ہیں کہ میرے رحم دل بندوں سے عطا کی درخواست کرو اور ان کے سائے میں زندگی بسر کرو' میں نے ان کے پہلوؤں میں رحمت رکھ دی ہے' سخت دلوں سے نہ مانگو اس لیے کہ میں نے ان پر غضب نازل کیا ہے (ابن حبان خرائطی) حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سخی کی غلطی سے درگزر کر دیا کرو اس لیے کہ جب وہ لغزش کرتا ہے اللہ اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے (طبرانی اوسط) حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت میں ہے۔ کھانا کھلانے والے کے پاس اتنی جلد رزق پہنچتا ہے کہ اتنی جلد اونٹ کی گردن پر چھری بھی مؤثر نہیں ہوتی' اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں کھانا کھلانے والے پر فخر کرتا ہے (ابن ماجہ انسؓ) ایک حدیث میں ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ سخی ہے' اللہ مکارم اخلاق کو پسند کرتا ہے اور برے اخلاق کو ناپسند کرتا ہے (خرائطی) حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بھی کسی نے کچھ مانگا' آپ نے اسے عطا فرمایا' ایک دن ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کچھ مانگا' آپ نے اسے اختیار دیا کہ وہ دو پہاڑوں کے درمیان کھڑی ہوئی صدقے کی بکریوں میں سے جتنی چاہے لے جائے' وہ شخص اپنی قوم میں واپس پہنچ کر کہنے لگا اے لوگو! اسلام قبول کر لو' اس لیے کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا دیتے ہیں کہ فاقے کا خوف نہیں رہتا (مسلم) حضرت ابن عمر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو خاص طور پر نعمتوں سے نوازتا ہے تاکہ دوسرے بندے نفع اٹھائیں' اگر کوئی شخص ان میں بخل کرتا ہے تو یہ نعمتیں اس سے لے کر دوسرے کی طرف منتقل کر دی جاتی ہیں (طبرانی کبیر و اوسط) ہلالی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو العنبر کے قیدی لائے گئے' آپ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا' صرف ایک شخص کو مستثنیٰ کر دیا' حضرت علی ابن ابی طالبؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! رب ایک ہے'

دین ایک ہے' اور گناہ ایک ہے پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے اس شخص کو مستثنیٰ کردیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ان سب کو قتل کردیجئے اور اس کو چھوڑ دیجئے' اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت کا شکر گزار ہے(۱)۔ ایک حدیث میں ہے فرمایا: ہر چیز کا ایک ثمر ہوتا ہے: حسنِ سلوک کا ثمر یہ ہے کہ آدمی کو جلد چھٹکارا مل جاتا ہے۔(۲) ارشاد نبوی ہے۔ "سخی کا کھانا دوا ہے اور بخیل کا کھانا بیماری ہے۔" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس کو اللہ زیادہ نعمت سے نوازتا ہے اسے لوگوں کی مشقت زیادہ برداشت کرنی پڑتی ہے جو شخص اس قدر مشقت کا متحمل نہ ہوسکے اس سے نعمت سلب کرلی جاتی ہے (ابن عدی) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ وہ کام زیادہ کرو جسے آگ نہ کھائے لوگوں نے عرض کیا وہ کام کیا ہے؟ فرمایا احسان' حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنت سخیوں کا گھر ہے (ابن عدی' دار قطنی) حضرت ابوہریرہؓ یہ ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں کہ سخی اللہ سے قریب ہوتا ہے لوگوں سے قریب ہوتا ہے جنت سے قریب ہوتا ہے اور دوزخ سے دور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے دور ہوتا ہے اور لوگوں سے دور ہوتا ہے' جنت سے دور ہوتا ہے اور دوزخ سے قریب ہوتا ہے' جاہل سخی اللہ کو عالم بخیل سے زیادہ محبوب ہے اور بدترین مرض بخل ہے (ترمذی' دار قطنی) ایک حدیث میں ہے ہر شخص کے ساتھ حسنِ سلوک کرو خواہ وہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو' اگر اہل پر احسان کرو گے تو اہل ہی پر ہوگا اور نا اہل پر کرو گے تو محسن شمار ہوگے (دار قطنی۔ جعفر ابن محمد عن ابیہ مرسلاً)

ایک حدیث میں ہے فرمایا: میری امت کے ابدال روزے نماز کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہوں گے' بلکہ سخائے نفس سلامتِ صدر' اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے جنت میں جائیں گے (دار قطنی فی المستجاد۔ انسؓ) حضرت ابو سعید الخدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے احسان کے لیے کئی صورتیں بنادی ہیں۔ ایک یہ کہ احسان انہیں محبوب ہے' دوسرے یہ کہ محسنین کی محبت مخلوق کے دل میں ڈال دی' تیسرے یہ کہ طالبینِ احسان کا رخ محسنوں کی طرف پھیر دیا۔ چوتھا یہ کہ دنیا ان کے لیے اتنی سہل کردی جیسے کسی بے آب و گیاہ زمین پر بادل پانی برساتا ہے' اور اس پانی سے زمین اور اہل زمین کو زندگی بخشتا ہے' (دار قطنی فی المستجاد) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

كل معروف صدقة والدال على الخير كفاعله والله يحب اغاثة اللهفان

(دار قطنی۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

ہر احسان صدقہ ہے' اور خیر کا بتلانے والا ایسا ہے جیسا خیر کا کرنے والا' اور اللہ کو فریاد رسی کرنا اچھا لگتا ہے۔

ایک روایت میں ہے۔

كل معروف فعلته الى غني او فقير صدقة (دار قطنی۔ ابو سعیدؓ جابرؓ)

ہر احسان خواہ تم کسی مالدار پر کرو یا فقیر پر صدقہ ہے۔

روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ سامری کو قتل نہ کرنا وہ سخی ہے۔ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس ابن سعد ابن عبادہ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا' جب جہاد ہوا تو قیس نے ان کے لیے اونٹوں کے نو گلے ذبح کئے' لشکروں والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی اس سخاوت و ایثار کا ذکر کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا سخاوت اس خاندان کی خصلت ہے۔ (دار قطنی۔ جابرؓ)

سخاوت کی فضیلت آثار کی روشنی میں : حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں: اگر تمہیں دنیا کی دولت مل رہی ہو

---

(۱) اس کی اصل مجھے نہیں ملی۔ (۲) اس روایت کی بھی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔

تو اس میں سے کچھ نہ کچھ خرچ کرتے رہا کرو' خرچ کرنے سے تمہاری دولت فنا نہیں ہوگی' اور نہ ملتی ہو تب بھی خرچ کیا کرو کیونکہ خرچ نہ کرنے سے باقی نہیں رہے گی۔ اس کے بعد انہوں نے یہ دو شعر پڑھے:

لا تبخلن بدنیا وھی مقبلة   فلیس ینقصھا التبذیر والسرف
وان تولت فاحری ان تجود بھا   فالحمد منھا اذا ما ادبرت خلف

(ترجمہ۔ جب دنیا آتی ہو تو بخل مت کر' کیونکہ اسراف اور فضول خرچی سے وہ کم نہیں ہوتی' اور اگر دنیا پشت پھیر رہی ہو تب تو بدرجہ اولیٰ سخاوت کرنی چاہیئے' اس لیے کہ جب وہ چلی جائے گی تو شکر اس کا قائم مقام ہوگا۔)

حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت حسن ابن علیؓ سے مروّت' رفعت' اور کرم کی تعریف دریافت کی' آپ نے فرمایا: مروّت یہ ہے کہ آدمی اپنے دین کی حفاظت کرے' اپنے نفس کو ڈرائے' اور اپنی ذمہ داری صحیح طور پر ادا کرے' اور اگر مکروہات اور منازعت میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آئے تو اسے بھی اچھی طرح انجام دے۔ رفعت یہ ہے کہ ہمسایہ کا دفاع کرے' اور صبر کے مواقع پر صبر سے کام لے۔ کرم یہ ہے کہ مانگے بغیر لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرے' وقت پر کھانا کھلائے' اور مال دے کر بھی سائل کے ساتھ رأفت و رحمت کا معاملہ کرے۔ ایک شخص نے حضرت موصوف کی خدمت میں ایک رقعہ پیش کیا' آپ نے فرمایا تیری حاجت پوری ہو جائے گی۔ کسی نے عرض کیا پہلے آپ یہ تو دیکھ لیتے کہ اس نے کیا لکھا ہے' اس کے بعد وعدہ فرماتے۔ فرمایا: جب تک میں اس کی درخواست پڑھتا وہ میرے سامنے ذلیل کھڑا رہتا' اور قیامت کے دن مجھ سے باز پرس ہوتی۔ ابن السماکؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ لوگ اپنے مال سے باندی غلام خریدتے ہیں' لیکن کسی آزاد انسان کو اپنے احسان سے زیر بار نہیں کرتے۔ ایک اعرابی سے کسی نے دریافت کیا تم کس شخص کو اپنا سربراہ مقرر کرنا پسند کرتے ہو' اس نے جواب دیا جو ہماری گالی برداشت کرے' ہمارے سائل کو دے' اور جاہل سے اعراض کرے۔ حضرت علی ابن الحسین کا مقولہ ہے جو شخص طالب کو دیتا ہو' وہ سخی نہیں ہے سخی وہ ہے کہ جو حقوق اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل طاعت کے سلسلے میں اس پر عائد کیے ہیں وہ انہیں پہلے ہی انجام دے لے' نہ کہ مانگنے اور توجہ دلانے کے بعد' اور دینے کے بعد یہ خواہش نہ رکھے کہ لینے والا اس کا شکریہ ادا کرے' اور یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب اسے اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب کا پورا پورا یقین ہو۔ حسن بصریؒ سے کسی نے دریافت کیا سخاوت کیا ہے؟ فرمایا: راہِ خدا میں مال خرچ کرنا' پوچھا احتیاط کسے کہتے ہیں؟ جواب دیا خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے کو۔ اس نے سوال کیا فضول خرچی کیا ہے؟ فرمایا: اقتدار کی محبت اور جاہ و منصب کی خواہش کے لیے خرچ کرنا' حضرت امام جعفر صادقؒ کا ارشاد ہے: مال عقل سے زیادہ معین نہیں ہے' جہل سے بڑی کوئی مصیبت نہیں ہے' مشورہ سے بڑھ کر کوئی چیز باعث تقویت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد رکھو کہ میں سخی کریم ہوں' کوئی بخیل میری قربت نہ پائے گا۔ بخل کفر ہے' اور اہلِ کفر کا ٹھکانہ جہنم ہے' اور سخاوت و کرم ایمان کی علامت ہے' اور اہلِ ایمان جنت میں جائیں گے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ بہت سے وہ لوگ سخاوت کی بنا پر جنت کے مستحق قرار پائیں گے جو ظاہر میں بدکار ہیں اور معیشت میں تنگ حال ہیں۔ احنف ابن قیسؒ نے ایک شخص کے ہاتھ میں روپیہ دیکھ کر پوچھا یہ کس کا ہے' اس نے کہا میرا ہے' فرمایا: تیرا اس وقت ہوگا جب یہ تیرے ہاتھ سے چلا جائے گا۔ اسی مضمون کا ایک شعر بھی ہے۔

انت للمال اذا امسکتہ   فاذا انفقتہ فالمال لک

(جب تک مال تیرے پاس ہے تو مال کے لیے ہے' اور جب تو نے اسے خرچ کر دیا مال تیرا ہو گیا)۔

واصل ابن عطاء کا نام غزال اس لیے رکھا گیا کہ وہ سوت کاتنے والوں کے پاس بیٹھا کرتے تھے' ان کا معمول تھا کہ جب کسی ضعیف عورت کو دیکھتے اسے کچھ نہ کچھ دے دیا کرتے تھے۔ اصمعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت حسن ابن علیؓ نے حضرت حسین ابن علیؓ کو لکھا: مال وہی بہتر ہے جس سے عزت کی حفاظت کی جائے۔ سفیان ابن عیینہؒ سے کسی نے دریافت کیا سخاوت کیا ہے؟ فرمایا: بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا اور مال دینا۔ یہ بھی فرمایا کہ میرے والد کو میرے دادا کے ترکے میں سے پچاس ہزار درہم ملے

تھے' انہوں نے یہ تمام درہم تھیلیوں میں بھر بھر کر بھائیوں کو دے دیئے' اور کہنے لگے کہ میں اپنے بھائیوں کے لیے جنت کی تمنا رکھتا ہوں کیا انہیں مال دینے میں بخل کروں؟ حسن بصری فرماتے ہیں کہ موجود مال کو خرچ کرنے میں پوری جدوجہد کرنا ہی سخاوت کا کمال ہے' کسی دانشور سے پوچھا گیا کہ تمہیں لوگوں میں کون شخص زیادہ محبوب ہے' اس نے جواب دیا جس نے مجھ پر زیادہ احسانات کئے ہوں؟ سائل نے کہا اگر کوئی شخص ایسا نہ ہو جس نے تم پر احسانات کئے ہوں؟ دانشور نے جواب دیا: وہ شخص زیادہ محبوب ہے، جس پر میں نے زیادہ احسانات کئے ہوں۔ عبدالعزیز ابن مروان کہتے ہیں اگر کوئی شخص مجھے اپنے اوپر احسان کرنے کی اجازت دے تو جس قدر میں اس پر احسان کروں گا اسے قدر اپنی ذات پر اس کا احسان سمجھوں گا اور اس کا اعتراف کروں گا۔ خلیفۂ مہدیؒ نے شبیب ابن شیبہؒ سے دریافت کیا کہ تم نے میرے گھر میں لوگوں کی کیا حالت دیکھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا' امیرالمومنین! جو لوگ آپ کی دہلیز پر اپنی مراد لے کر آتے ہیں وہ خوش خوش واپس جاتے ہیں۔ ایک شخص نے عبداللہ ابن جعفر کے سامنے یہ شعر پڑھے۔

ان الصنیعة تکون صنیعة — حتیٰ یصاب بھا طریق المصنع
فاذا اصطنعت صنیعة عمدبھا — للہ او لذوی القرابة او دع

(احسان اسی وقت احسان ہوتا ہے جب موقع پر ہو' اس لیے اگر تم احسان کرو تو خدا کی راہ میں دو یا اہل قرابت کو)۔

عبداللہ ابن جعفر نے کہا یہ دو شعر لوگوں کو بخل کی بیماری میں مبتلا کردیں گے' احسان تو بارش کی طرح برسنا چاہیئے اچھے لوگوں کو پہنچے گا تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ تو وہ اس کے مستحق تھے برے لوگوں کو پہنچے گا تو یہ میری شان کے لائق ہوگا۔

سخاوت پیشہ لوگوں کے واقعات

محمد ابن المنکدر امّ درہ سے نقل کرتے ہیں' یہ حضرت عائشہ کی خادمہ تھیں' کہتی ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے امّ المومنین حضرت عائشہ کی خدمت میں دو بوروں میں ایک لاکھ اسّی ہزار درہم بھر کر بھیجے' انہوں نے ایک طباق منگوایا اور وہ درہم لوگوں میں تقسیم کرنے شروع کردئے جب شام ہوئی تو ایک خادمہ سے فرمایا میری افطاری لاؤ' وہ ایک روٹی اور زیتون کا تیل لے کر آئی' میں نے عرض کیا آپ نے اتنے دراہم تقسیم کردئے کیا ہمارے افطار کے لیے آپ ایک درہم سے کچھ گوشت نہیں خرید سکتی تھیں؟ فرمایا: اگر تم مجھے یاد دلادیتیں تو میں خرید لیتی۔ اب تو تمام درہم ختم ہوگئے۔ ابان ابن عثمانؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباس کو نقصان پہونچانا چاہا۔ اور اس مقصد کے لیے اس نے تمام سردارانِ قریش کے پاس جاکر کہہ دیا کہ عبداللہ نے آج صبح کے کھانے پر تمام لوگوں کو مدعو کیا ہے۔ تمام سرداروں نے دعوت قبول کی' اور مقررہ وقت پر عبداللہ ابن عباس کے گھر میں جمع ہوگئے' یہاں تک کہ گھر میں تِل رکھنے کی جگہ بھی باقی نہیں رہی۔ انہوں نے آنے کا مقصد دریافت کیا۔ لوگوں نے بتلایا فلاں شخص کے ذریعے تمہاری دعوت ملی تھی' ہم کھانے کے لیے آئے ہیں' آپ نے یہ سن کر میوہ خریدا اور مہمانوں کے سامنے رکھ دیا' اور کچھ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ کھانا پکائیں' ابھی لوگ میوہ سے شغل کررہے تھے کہ دستر خوان بچھ گئے' اور کھانا چن دیا گیا' جب سب لوگ فارغ ہوگئے آپ نے اپنے منتظمین سے دریافت کیا کہ جتنا روپیہ آج کی دعوت پر خرچ ہوا ہے کیا ہم ہر روز اس قدر خرچ کرسکتے ہیں' انہوں نے کہا اتنا سرمایہ موجود ہے حکم دیا یہ دعوت ہر روز اسی طرح ہونی چاہیئے' تمام سرداروں سے کہہ دو کہ وہ صبح کا کھانا عبداللہ ابن عباس کے گھر کھایا کریں۔

مصعب ابن الزبیرؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ حج کے لیے تشریف لے گئے' واپسی میں مدینہ منورہ پہنچے' ان کی آمد کی خبر سن کر حضرت حسینؓ نے اپنے بھائی حضرت حسنؓ سے کہا کہ تم ان سے ملنے کے لیے نہ جانا اگر کہیں مل جائیں تو انہیں سلام نہ کرنا۔ جب وہ مدینہ منورہ سے رخصت ہوگئے تو حضرت حسنؓ نے فرمایا: معاویہ کا ہم پر ایک قرض ہے' ہم اس قرض کی ادائیگی کے لیے ان

سے ضرور ملیں گے۔ چنانچہ وہ ایک اونٹنی پر سوار ہو کر چلے' راستے میں کسی پڑاؤ پر ملاقات ہو گئی' حضرت حسنؓ نے اپنی آمد کی غرض سے آگاہ کیا۔ اسی دوران کچھ لوگ ایک اونٹنی ہنکاتے ہوئے لائے' اس پر اسی ہزار درہم لدے ہوئے تھے' اور وہ اتنے بوجھ کو متحمل نہیں ہو پا رہی تھی' حضرت معاویہ نے حکم دیا کہ یہ اونٹنی اور اس پر لدے ہوئے تمام دراہم حضرت حسنؓ کے گھر پہنچا دیئے جائیں۔ واقد ابن محمد الواقدی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے مامون کی خدمت میں ایک درخواست پیش کی' اس میں لکھا ہوا تھا کہ مجھ پر قرض بہت زیادہ ہو گیا ہے' اور اب میں قرض کی زیادتی کے باعث ہونے والی اذیت پر صبر نہیں کر سکتا۔ مامون نے اس درخواست کی پشت پر لکھا کہ تم میں بیک وقت دو خصلتیں جمع ہیں سخاوت' اور حیاء سخاوت کی خصلت نے تمہارے ہاتھ خالی کر دیئے ہیں' اور حیاء کے باعث تم نے اب تک اپنی پریشانیوں کو ہم سے مخفی رکھا۔ میں تمہیں ایک لاکھ درہم دیتا ہوں' اگر تمہارا دل چاہے تو اپنے ہاتھوں کو اور کشادہ کرو' اور لوگوں پر انعامات میں توسیع کرو' ورنہ غلطی خود تمہاری ہو گی' تم نے اس وقت جب کہ تم خلیفہ ہارون رشید کے طرف سے قاضی تھے مجھ سے یہ حدیث بیان کی تھی کہ محمد ابن اسحاق زہری سے' اور وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر ابن عوامؓ سے ارشاد فرمایا:

یا زبیر اعلم ان مفاتیح ارزاق العباد بازاء العرش' یبعث اللّٰہ عزّوجل الیٰ کل عبد بقدر نفقتہ' فمن کثر کثر لہ ومن قلل قلل لہ (طبرانی)

اے زبیر! یاد رکھو بندوں کے رزق کی کنجیاں عرش کے مقابل ہیں' اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے خرچ کے مطابق رزق عطا کرتا ہے' جو زیادہ خرچ کرتا ہے اسے زیادہ ملتا ہے' اور جو کم خرچ کرتا ہے اسے کم ملتا ہے۔

تم یہ بات مجھ سے زیادہ جانتے ہو' واقدی کہتے ہیں بخدا! مامون کا مجھے حدیث یاد دلانا اس مال سے بہتر تھا جو ایک لاکھ درہم کی صورت میں اس نے مجھے عطا کیا تھا۔

ایک شخص نے حضرت حسن ابن علیؓ سے کچھ مانگا' آپ نے ارشاد فرمایا' تم نے مجھ سے سوال کیا اس کا بہت بڑا حق ہے' لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا میں تمہیں کیا دوں' تم جس کے مستحق ہو وہ میری استطاعت سے باہر ہے' اللہ کی راہ میں بہت دینا بھی تھوڑا ہے' میری ملکیت میں اتنا سرمایہ موجود نہیں ہے جو تمہارا حق ادا کر سکے' البتہ اگر تم وہ تھوڑا بہت مال جو میرے پاس موجود ہے قبول کر لو تو میں تکلف و اہتمام اور مزید سرمایہ مہیا کرنے کی مشقت سے بچ جاؤں' سائل نے عرض کیا: اے ابن رسول! جو آپ دیں گے میں بصد شکر اسے قبول کروں گا' اور اگر آپ دینے سے انکار کریں گے تو میں آپ کو مجبور و معذور سمجھ کر اصرار کرنے سے گریز کروں گا' آپ نے اپنے مالی منتظم کو بلا کر دریافت کیا کہ اس وقت ہمارے پاس کتنا مال موجود ہے اس نے آمد و صرف کا حساب کیا' اور تین لاکھ درہم میں سے بچے ہوئے پچاس ہزار درہم لا کر پیش کر دیئے' آپ نے منتظم سے پوچھا پانچ سو درہم بھی تو تھے وہ کیا ہوئے' منتظم نے وہ بھی لا کر رکھ دیئے۔ آپ نے سائل سے فرمایا اب مزدور کو بلاؤ تاکہ وہ یہ مال تمہارے گھر پہنچا سکے' وہ مزدور لے کر آیا' آپ نے ان کی مزدوری ادا کرنے کے لیے سائل کو ایک چادر بھی عطا فرمائی۔ آپ کے متعلقین نے عرض کیا اب ہمارے پاس کچھ باقی نہیں رہا ہے' فرمایا مجھے یقین ہے کہ اس عمل کا بڑا اجر و ثواب ہو گا۔

بصرے کے چند قراء حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے' آپ ان دنوں بصرے کے حاکم تھے' انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پڑوس میں ایک شب زندہ دار عابد رہتے ہیں' ہم میں سے ہر شخص ان جیسا بننے کی تمنا رکھتا ہے' انہوں نے ایک مفلس شخص سے اپنی بیٹی کی شادی طے کر دی ہے' لیکن وہ اپنی غربت و افلاس کے باعث اس فریضے کی ادائیگی کے اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکیں گے' حضرت عبداللہ ابن عباسؓ یہ سن کر اٹھے اور ان سب کو اپنے گھر لے گئے' ایک صندوق کھولا' اس میں چھ تھیلیاں رکھی ہوئیں تھیں آپ نے قراء سے فرمایا کہ یہ تھیلیاں لے جاؤ' پھر فرمایا: ٹھہرو یہ کوئی اچھی بات نہ ہو گی کہ ہم ایک شخص کی عبادت میں خلل ڈالیں' چلو ہم چلتے ہیں ان کا ہاتھ بٹائیں گے کیا ہم اولیاء اللہ کی اتنی خدمت بھی نہیں کر سکتے۔ روایت ہے کہ

عبدالحمید ابن سعد کے دور حکومت میں مصر کو شدید خشک سالی سے دوچار ہونا پڑا' انہوں نے کہا: خدا کی قسم! میں شیطان کو اچھی طرح باور کرادوں گا کہ میں اس کا دشمن ہوں۔ جب تک قیمتیں اعتدال پر نہ آگئیں' اور ضروری اشیاء معمول کے مطابق نہ ملنے لگیں لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے رہے' یہاں تک کہ جب اپنے منصب سے معزول ہوئے تو ان کے ذمے مصر کے تاجروں کے دس لاکھ درہم باقی تھے' انہوں نے اپنی بیویوں کے تمام زیورات جن کی مالیت پانچ کروڑ تھی رہن رکھ دی' اور جب دس لاکھ درہم کے عوض یہ زیورات چھڑائے نہ جاسکے تو آپ نے تاجروں کو لکھا کہ وہ زیورات فروخت کرکے اپنی رقم وصول کرلیں' اور باقی رقم ان لوگوں کو دے دیں جنہیں میں اپنے دور حکومت میں کچھ نہ دے سکا۔ ابو طاہر ابن کثیر شیعہ تھا' کسی سائل نے اس سے حضرت علیؓ کا واسطہ دے کر کوئی باغ مانگا' اس نے کہا میں نے تجھے وہ باغ بھی دیا جو تو مانگ رہا ہے' اور اس کے پہلو میں واقع باغ بھی۔ یہ دوسرا باغ پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ وسیع اور سرسبز و شاداب تھا۔ ابو مرشد ایک سخاوت پیشہ شخص تھا' کسی شاعر نے اس کی مدح میں کچھ اشعار نظم کئے' اس نے شاعر سے کہا اس وقت میرے پاس تجھے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے' صرف ایک تدبیر ہے' اور وہ یہ کہ قاضی کی عدالت میں مجھ پر دس ہزار درہم کا دعویٰ کر' میں اقبالِ دعویٰ داخل کروں گا' اس جرم میں قاضی مجھے قید کردے گا' اور میرے گھر والے دس ہزار درہم دے کر مجھے آزاد کرالیں گے' شاعر نے ایسا ہی کیا۔ شام سے پہلے پہلے ابو مرشد کے اہل خاندان نے دس ہزار درہم ادا کرکے قید سے رہائی دلادی۔

معن ابن زائدہ جن دنوں عراقین کے گورنر کی حیثیت سے بصرے میں مقیم تھے ایک شاعر مدتوں ان کی خدمت میں باریابی کے لیے کوشاں رہا لیکن ملاقات نہ ہوسکی ایک روز اس نے کسی خادم سے کہا کہ جب امیر باغ میں تشریف لے جائیں مجھے بتلادینا' ایک دن معن ابن زائدہ باغ میں گئے' شاعر نے ایک لکڑی پر شعر کندہ کیا' اور اسے نہر میں ڈال دیا۔ معن ابن زائدہ نہر کے سرے پر کھڑے ہوئے تھے' جب وہ لکڑی قریب آئی تو آپ نے اسے اٹھالیا' اس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا۔

یاجود معن ناج معنا حاجتی فمالی الی معن سواک شفیع

(اے معن کی سخاوت تو ہی معن سے میری حاجت کہہ دے' تیرے علاوہ کوئی میرا سفارشی نہیں ہے)

معن نے اس شاعر کو بلایا جس نے شعر کے ذریعہ اپنے حاجت پیش کرنے کی جسارت کی' اور اسے ایک لاکھ درہم عطا کئے' شاعر یہ سوچ کر دوبارہ ان کے پاس نہیں آیا کہ کہیں وہ اپنی رقم واپس نہ لے لیں' تیسرے دن امیر کو اس شاعر کا خیال آیا' دریافت کرنے پر پتا چلا کہ وہ اسی دن سے غائب ہے جس دن اسے لاکھ درہم ملے تھے' معن نے کہا بخدا اس کا حق یہ تھا کہ ہم اسے اس وقت تک دیتے رہتے جب تک ہمارے گھر میں ایک درہم بھی باقی رہتا۔ ابوالحسن مدائنی نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور عبداللہ ابن جعفرؓ حج کے ارادے سے عازم سفر ہوئے' راستے میں بار برداری کے جانوروں سے بچھڑ گئے تو انہیں بھوک اور پیاس نے ستایا۔ اسی دوران ان کا گزر کسی بوڑھی عورت کے پاس سے ہوا۔ وہ اپنی کٹیا میں تنہا تھی۔ ان لوگوں نے بڑھیا سے پوچھا پینے کے لیے کچھ ہے؟ اس نے کہا: ہے۔ اور کٹیا کے ایک گوشے میں بندھی ہوئی بکری کی طرف اشارہ کردیا جو انتہائی لاغر تھی۔ مقصد یہ تھا کہ اس کا دودھ نکال کر پی لو۔ جب دودھ پی لیا تو بھوک کا خیال آیا' انہوں نے بڑھیا سے کھانے کے بارے میں پوچھا بڑھیا نے کہا: میرے پاس صرف یہ ایک بکری ہے جس سے تم اپنی بھوک مٹا سکتے ہو' اگر تم میں سے کوئی یہ بکری ذبح کردے تو میں اسے پکادوں گی۔ چنانچہ ان تینوں حضرات میں سے ایک نے بکری ذبح کی' بڑھیا نے ان کے لیے گوشت بھونا۔ ان حضرات نے کھانا کھایا' کچھ دیر آرام کیا' شام کے وقت رخصت ہونے لگے تو ان لوگوں نے بڑھیا سے کہا کہ ہم قریشی ہیں حج کے ارادے سے نکلے ہیں' اگر ہماری واپسی سلامتی کے ساتھ ہوئی تو تم ہمارے پاس آنا' ہم تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ رات کو بڑھیا کا شوہر واپس آیا تو اس نے مہمانوں کی آمد اور بکری کے ذبح کا قصہ سنایا' شوہر اس پر برہم ہوا اور کہنے لگا کم بخت تو نے اجنبی مسافروں کے لیے میری بکری ذبح کردی' پھر یہ بھی کہتی ہے کہ وہ قریشی تھے' راوی کہتے ہیں کہ عرصہ دراز کے بعد وہ دونوں کسی ضرورت سے مدینہ منورہ آئے' اور

وہیں رہنے لگے' انہوں نے اونٹ کی مینگنیوں کو ذریعۂ معاش بنایا' دن بھر سڑکوں سے اٹھاتے اور شام کو فروخت کردیتے ایک روز بڑھیا مدینہ کی گلیوں میں گھومتی پھر رہی تھی' حضرت حسنؓ اپنے گھر کے باہر تشریف فرما تھے' انہوں نے بڑھیا کو پہچان لیا' لیکن اس نے نہیں پہچانا۔ حضرت حسنؓ نے اپنے خادم کے ذریعے اسے بلایا' اور اس سے پوچھا کیا تو مجھے پہچانتی ہے' اس نے انکار کیا' انہوں نے فرمایا: میں وہ ہوں جو فلاں روز تیرا مہمان بنا تھا۔ بڑھیا نے کہا: میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں کیا تو وہی ہے؟ حضرت حسنؓ نے واقعہ یاد دلا کر اسے یقین دلایا اور خادم کو حکم دیا کہ وہ اس بڑھیا کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دے اور اسے اپنے ہمراہ حسینؓ کے پاس لے جائے' حضرت حسینؓ نے بڑھیا سے دریافت کیا میرے بھائی نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ بڑھیا نے کہا حسن نے مجھے ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار عطا کئے ہیں' حضرت حسین نے بھی بڑھیا کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار دیئے۔ اور اسے عبداللہ ابن جعفر کے پاس بھیج دیا۔ عبداللہ ابن جعفر نے پوچھا: تجھے حسن اور حسین نے کیا دیا ہے؟ بڑھیا نے بتلایا دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار۔ عبداللہ ابن جعفر نے اسے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار دیئے۔ اور کہا اگر تو پہلے میرے پاس آجاتی تو میں تجھے اتنا دیتا کہ وہ دونوں دے نہ پاتے۔ بڑھیا یہ چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار لے کر اپنے شوہر کے پاس پہنچی۔

ایک مرتبہ عبداللہ ابن عامر ابن کریز مسجد سے واپس گھر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک لڑکا ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا' عبداللہ ابن عامر نے پوچھا کیا تجھے مجھ سے کوئی کام ہے؟ اس نے عرض کیا: نہیں! بلکہ میں نے دیکھا آپ تنہا جا رہے ہیں' اس خیال سے آپ کے ساتھ ہو لیا کہ خدانخواستہ کوئی بری بات آپ کو پیش آئے تو میں اسے اپنے اوپر لوں اور آپ کی حفاظت کروں۔ عبداللہ ابن عامر اس لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور اسے ان توصیفی کلمات کے ساتھ ایک ہزار دینار عطا کئے کہ تیرے بڑوں نے تجھے حسنِ ادب کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔ کچھ لوگ طویل سفر کے بعد ایک مشہور سخی کی قبر پر پہنچے' اور رات کو وہاں قیام کیا۔ ان میں سے ایک نے صاحب قبر کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس سے کہہ رہا ہے اگر تم اپنے اونٹ کے عوض میرا گھوڑا لے لو تو میں تم لوگوں کی ضیافت کروں' اس شخص نے خواب میں اونٹ کے بدلے گھوڑا لینے پر رضامندی ظاہر کی' آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹ کی گردن سے خون بہہ رہا ہے' وہ جلدی سے اٹھا' اونٹ ذبح کیا' اور اس کا گوشت قافلے کے لوگوں میں تقسیم کردیا۔ جب یہ لوگ واپس ہوئے تو انہیں راستے میں چند سوار ملے جو اسی قافلے کی تلاش میں تھے۔ انہوں نے پوچھا کیا تم لوگوں میں اس نام کا شخص بھی ہے۔ ان لوگوں نے اسی شخص کا نام لیا جس نے اونٹ ذبح کیا تھا۔ اس نے کہا یہ میرا نام ہے' کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ تم نے فلاں مردہ شخص کو کچھ فروخت کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! لیکن یہ معاملہ خواب میں ہوا ہے' آنے والوں میں سے ایک نے کہا وہ میرے والد ہیں انہوں نے مجھے خواب میں حکم دیا ہے کہ میں یہ گھوڑا تم تک پہنچادوں۔

ایک قریشی اپنے تجارتی سفر سے واپس لوٹ رہا تھا کہ راہ میں اسے ایک عرب ملا۔ جسے مفلسی اور بیماری کی شدت نے اپاہج کردیا تھا۔ اس نے راہِ خدا میں کچھ دینے کی التجا کی' قریشی نے اپنے نوکر سے کہا کہ جو کچھ اخراجات سے باقی بچا ہو وہ سب اس سائل کو دے دو' نوکر نے چار ہزار درہم اس کی گود میں ڈال دیئے' اس نے انہیں اٹھانا چاہا لیکن ضعف کی وجہ سے اٹھا نہ سکا۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ پڑے' قریشی نے پوچھا کیا تم اس مال کو کم سمجھ رہے ہو' سائل نے کہا: نہیں! میں اس لیے رو رہا ہوں کہ زمین تمہارے کرم کو بھی کھا جائے گی۔ عبداللہ ابن عامر نے خالد ابن عقبہ ابن ابی معیط سے ان کا گھر نوے ہزار درہم میں خریدا' جب رات آئی تو عبداللہ ابن عامر نے سنا کہ خالد کے گھر والے آہ و بکا کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ سے ان کے رونے کی وجہ دریافت کی۔ گھر والوں نے بتلایا کہ انہیں اپنے اس گھر کی جدائی کا غم ہے۔ عبداللہ ابن عامر نے خالد کے گھر والوں کو بلایا اور کہا کہ یہ گھر بھی تمہارا ہے' اور نوے ہزار درہم بھی تم ہی رکھو۔ روایت ہے کہ ہارون رشید نے مالک ابن انسؒ کی خدمت میں پانچ سو دینار روانہ کئے' لیث ابن سعدؒ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ایک ہزار دینار پیش کئے' ہارون رشید نے لیث ابن سعد سے کہا کہ تم ہماری رعایا میں سے ہو پھر تم نے ہمارے پانچ سو دینار کے مقابلے میں ایک ہزار دینار بھیجنے کی جرأت کیسے کی؟ لیث

نے کہا! امیرالمؤمنین مجھے غلے کی تجارت سے روزانہ جو آمدنی ہوتی ہے وہ کم و بیش ایک ہزار دینار ہے۔ لہذا مجھے اس بات سے شرم آئی کہ میں اپنی ایک دن کی آمدنی سے کم پیش کروں لیث ابن سعد کی سخاوت مشہور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہزار دینار یومیہ آمدنی کے باوجود کبھی ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت نے لیث ابن سعدؒ سے تھوڑا سا شہد مانگا' انہوں نے اسے پورا مشکیزہ عطا کردیا' کسی نے عرض کیا کہ وہ تو تھوڑے پر قانع تھی' جواب دیا: اس نے اپنی ضرورت کے بقدر سوال کیا ہے' ہم نے ان نعمتوں کے مطابق عطا کیا ہے جو اللہ نے ہمیں دے رکھی ہیں۔ لیث ابن سعد ہر صبح اس وقت تک کسی سے کوئی بات نہ کرتے تھے جب تک تین سو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ نہ دے دیتے۔ اعمش کہتے ہیں کہ میری ایک بکری بیمار ہوگئی' خیثمہ ابن عبدالرحمٰن ہر روز صبح و شام اسے دیکھنے کے لیے آتے اور پوچھتے آیا اس نے گھاس کھائی ہے یا نہیں۔ نیز بچے بغیر دودھ کے کیسے صبر کرلیتے ہیں؟ چلتے وقت وہ میرے گدّے کے نیچے کچھ رکھ دیتے اور یہ کہہ کر رخصت ہوجاتے کہ جو کچھ ملے وہ لے لینا۔ بکری چند روز بیمار رہی' اس عرصے میں میرے پاس تین سو دینار جمع ہوگئے' میں یہ تمنا کرنے لگا کاش یہ بکری بیمار ہی رہے۔

عبدالملک ابن مروان نے اسماء ابن خارجہ سے کہا کہ مجھے تمہاری چند خصوصیات کا علم ہوا ہے' میں تمہاری زبان سے ان کی تفصیل سننا چاہتا ہوں۔ اسماء نے عرض کیا: امیرالمؤمنین! اگر آپ کسی دوسرے کی زبان سے سنیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ عبدالملک نے قسم دے کر اصرار کیا کہ تم خود ہی بتلاؤ۔ اسماء نے کہا: اے امیرالمؤمنین! میں نے کبھی اپنے ہم نشین کے سامنے پاؤں نہیں پھیلائے۔ اگر کبھی میں نے لوگوں کو کھانے پر مدعو کیا' اور انہوں نے اسے احسان سمجھا تو اس سے بڑا احسان میں نے اپنی ذات پر سمجھا کہ انہوں نے دعوت قبول کی' اگر میں نے کسی سائل کو کچھ دیا تو اسے زیادہ نہیں سمجھا' خواہ وہ کتنا ہی زیادہ رہا ہو۔ سعید ابن خالد نہایت فراخ دست سخی تھے' ان کے بارے میں مشہور تھا کہ اگر وہ سائل کو کچھ نہ دے پاتے تو اسے ایک دستاویز لکھ کر دیتے کہ جب بھی مجھے کہیں سے روپیہ ملے گا میں تجھے دے دوں گا۔ ایک روز یہ سلیمان ابن عبدالملک کے پاس آئے' سلیمان نے آنے کی وجہ دریافت کی کہنے لگے: مجھ پر تیس ہزار دینار کا قرض ہے سلیمان نے انہیں ساٹھ ہزار دینار عطا کئے۔ تیس ہزار قرض کی ادائیگی کے لیے' اور تیس ہزار عطاء کے طور پر۔ سلیمان نے یہ شعر پڑھا۔

انی سمعت مع الصباح منادیا   یامن یعین علی الفتی المعوان

(میں نے صبح ایک منادی کرنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا اے وہ شخص جو انتہائی مددگار جوان کی امداد کرے)۔

قیس ابن سعد عبادہ بیمار ہوئے۔ ان کے بہت سے احباب و اقارب عیادت کے لیے نہیں آئے' انہوں نے نہ آنے کی وجہ دریافت کی۔ لوگوں نے بتلایا کہ انہوں نے تم سے قرض لے کر رکھا ہے' ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے وہ شرمندہ ہیں' اور تمہارا سامنا کرنے سے کتراتے ہیں۔ قیس نے کہا: خدا اس مال کو ذلیل کرے یہ بھائیوں کو آپس میں ملنے بھی نہیں دیتا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ اعلان کرادیا کہ جس کے ذمے بھی قیس ابن سعد کا کچھ ہے وہ معاف ہے۔ یہ اعلان سن کر اتنی کثرت سے لوگ عیادت کے لیے آئے کہ ان کے گھر کی سیڑھی بھی ٹوٹ گئی۔

اسحاقؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مقروض کی تلاش میں کوفے کی مسجد اشعث میں نماز فجر ادا کی' نماز کے بعد کسی نے میرے سامنے کپڑوں کا ایک جوڑا اور جوتے لاکر رکھے' میں نے اس سے کہا میں اس مسجد کا نمازی نہیں ہوں۔ اتفاق سے یہاں آگیا ہوں۔ اس نے کہا کوئی حرج نہیں۔ کل رات اشعث ابن قیس کندی مدینہ منورہ سے کوفے تشریف لائے ہیں' انہوں نے حکم دیا ہے کہ ہر نمازی کو ایک جوڑا کپڑے اور جوتے دیئے جائیں۔

شیخ ابوسعید حرکوشی نیشاپوری کہتے ہیں کہ میں نے محمد ابن محمد الحافظ سے سنا' وہ مجاور مکہ شافعیؒ کے حوالے سے یہ واقعہ بیان کرتے تھے کہ مصر میں ایک شخص تھا جو فقراء اور ضرورت مندوں کے لیے چندہ کردیا کرتا تھا ایک روز ایک شخص اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے' اور میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے وہ شخص اپنی عادت کے مطابق اٹھا' اور

سائل کو ساتھ لے کر مختلف لوگوں کے پاس پہنچا مگر سب نے معذرت کردی۔ آخر میں وہ ایک قبر پر آکر بیٹھ گیا اور صاحب قبر سے کہنے لگا کہ تو زندگی میں بڑا سخی تھا' آج میں بہت سے لوگوں کے پاس اس شخص کی ضرورت لے کر پہنچا لیکن سب نے انکار کردیا۔ یہ کہہ کر اس نے ایک دینار نکالا اسے توڑا۔ نصف خود رکھا' اور نصف سائل کو بطور قرض دیا۔ رات میں اسی مرحوم سخی کی زیارت ہوئی جس کی قبر پر شکوہ لے کر گیا تھا' اس نے کہا تم آج مجھ سے مخاطب تھے' ہمیں جواب دینے کی اجازت نہیں' ورنہ میں اسی وقت تمہاری ضرورت پوری کردیتا۔ تم میرے گھر جاؤ' اور میرے بچوں سے کہو کہ وہ فلاں چولھے کے نیچے سے زمین کھودیں وہاں انہیں پانچ سو دینار ملیں گے تم وہ پانچ سو دینار لے کر سائل کو دے دینا۔ یہ شخص اس کے گھر گیا' اور خواب سنایا' گھر والوں نے زمین کھودی' واقعتہً وہاں پانچ سو دینار موجود تھے انہوں نے وہ تمام مال اسے لاکر دے دیا' اس نے کہا بھائی یہ تمہارا مال ہے' تم رکھو' میرے خواب کا کیا اعتبار؟ اس نے کہا: ہمارے باپ نے مرنے کے بعد بھی سخاوت جاری رکھی' کیا ہم زندگی میں بھی اس سے محروم رہیں؟ وہ شخص یہ مال لے کر سائل کے پاس پہنچا۔ اسے واقعہ سنایا۔ اور مال اس کے سامنے رکھ دیا۔ سائل نے ایک دینار لیا' اس کے دو ٹکڑے کئے' آدھا خود رکھا' آدھے سے قرض ادا کیا' اور باقی کے متعلق کہا یہ تمام دینار فقراء میں تقسیم کرادو۔ ابو سعید کہتے ہیں میں نہیں جانتا کہ ان میں بڑا سخی کون تھا۔ روایت ہے کہ امام شافعیؒ مرض الموت میں گرفتار ہوئے وہ اس وقت مصر میں تھے' انہوں نے وصیت کی کہ مرنے کے بعد میرے غسل کے لیے فلاں شخص کو بلایا جائے' جب ان کا انتقال ہوگیا تو اس شخص کو اطلاع دی گئی جس کے بارے میں وصیت فرمائی تھی' اس نے ان کی یادداشت کی کاپی منگوائی' اس میں لکھا ہوا تھا کہ مجھ پر ستر ہزار درہم کا قرض ہے۔ اس شخص نے وہ تمام قرض اپنے ذمے لیا' اور کہنے لگا میرے غسل دینے سے ان کی مراد یہی تھی کہ میں ان کے قرض کی "آلودگی" دور کردوں۔ ابو سعید واعظ حرکوشی کہتے ہیں کہ مصر آنے کے بعد میں نے اس شخص کا گھر تلاش کیا' کچھ لوگوں نے میری رہنمائی کی' میں نے اس کے پوتوں پڑپوتوں سے ملاقات کی' ان کی پیشانیاں شرافت کا مظہر تھیں' اور ان کے چہرے اس آیت کا مصداق تھے وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (اور ان کے باپ نیکو کار تھے) حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے حماد ابن ابی سلیمان کا یہ واقعہ معلوم ہوا ہے مجھے ان سے محبت ہوگئی ہے اور یہ محبت ہمیشہ رہے گی ایک روز وہ اپنے گدھے پر سوار چلے جارہے تھے' راستے میں ان کا گذر ایک درزی کے پاس سے ہوا' انہوں نے وہاں ٹھہر کر اپنا ٹوٹا ہوا تکمہ درست کرانے کا ارادہ کیا' درزی دوڑتا ہوا آیا' اور قسم دے کر کہنے لگا آپ سواری سے نہ اتریں میں اسی طرح آپ کا تکمہ سی دوں گا۔ چنانچہ درزی نے کھڑے کھڑے ان کا تکمہ سیا' انہوں نے دس دینار کی ایک تھیلی نکالی اور درزی کو معاوضے میں دے دی' ساتھ ہی معاوضے کی کمی پر معذرت بھی کی اس موقعہ پر امام شافعیؒ نے یہ دو شعر بھی پڑھے:

يالهف قلبى على مال اجود به علی المقلين من اهل المروآت
ان اعتذاری لمن جاء يسالنی ماليس عندی لمن احدی المصيبات

(مال دیکھ کر دل تڑپتا ہے کہ شریف مفلسوں پر سخاوت کروں' لیکن سائل سے معذرت کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں' کیونکہ میرے پاس اتنا مال نہیں کہ کسی کی مصیبت میں کام آسکے)۔

ربیع ابن سلیمان کہتے ہیں کہ ایک شخص نے امام شافعیؒ کی سواری کی رکاب پکڑی۔ آپ نے ربیع سے فرمایا اسے چار دینار دے دو' اور میری طرف سے معذرت بھی کردو کہ اس کی قدر افزائی کے مطابق سلوک نہ کرسکا۔ ربیع حمیدی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ صنعاء سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ان کے پاس دس ہزار دینار تھے' مکہ سے باہر انہوں نے اپنے قیام کے لیے خیمہ نصب کیا' اور صبح کی نماز پڑھنے کے بعد وہ تمام دینار اپنے سامنے ڈال کر بیٹھ گئے' اور ہر آنے والے کو مٹھی بھر بھر کر دینے لگے' ظہر کی نماز کے لیے اٹھے تو زمین پر ایک دینار بھی باقی نہیں رہا تھا۔ ابو ثور کہتے ہیں کہ جب امام شافعیؒ نے مکہ مکرمہ کے لیے رخت سفر باندھا تو ان کے پاس مال بہت تھا' تاہم امامؒ اپنی سخاوت اور دریا دلی کے باعث مال جمع کرنے کے عادی نہیں تھے' میں نے عرض کیا کہ اس

مال کے عوض آپ کوئی جائداد خرید لیں آپ کے بھی کام آئے گی' اور آپ کے بچوں کے بھی۔ سفر سے واپسی کے بعد میں نے مال کے بارے میں پوچھا' فرمایا: وہاں مجھے کوئی ایسی جائداد نہ مل سکی جسے میں خرید لیتا' مکہ کی اکثر جائیدادیں وقف ہیں۔ البتہ منیٰ میں میں نے ایک دار المسافرین تعمیر کرا دیا ہے۔ اس میں ہماری ساتھی حجاج قیام کیا کریں گے۔ اس کے بعد آپ نے یہ دو شعر پڑھے:

اری نفسی تتوق الی امور يقصر دون مبلغهن مالی
فنفسی لا تطاوعنی ببخل ومالی لا يبلغهن فعالی

(میرا دل بہت سے ایسے امور کی خواہش رکھتا ہے جن تک میرے مال کی رسائی نہیں' دل میرا بخل پر آمادہ نہیں اور میرا مال میرے افعال کا ساتھ نہیں دیتا)۔

محمد ابن عباد المہلبی کہتے ہیں کہ میرے والد مامون کے پاس گئے' مامون نے ان کے ساتھ ایک لاکھ درہم کا سلوک کیا' جب اس کے پاس سے چلے تو راستے میں وہ تمام مال خیرات کردیا۔ لوگوں نے مامون کو اس کی اطلاع دی۔ مامون نے اپنی شدید ناراضگی کا اظہار کیا' میرے والد نے کہا: امیر المؤمنین! موجود سے منع کرنا معبود کے ساتھ بدگمانی کے مترادف ہے۔ یہ سن کر مامون نے ایک لاکھ درہم اور دیئے۔ ایک شخص نے سعید ابن العاص کے سامنے دستِ سوال دراز کیا' آپ نے ایک لاکھ درہم عطا کئے' وہ شخص رونے لگا' آپ نے پوچھا کیا تم اس مال کو کم سمجھ کر رو رہے ہو۔ اس نے عرض کیا: نہیں! بلکہ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ زمین تم جیسے کریم النفس اور عالی حوصلہ انسان کو بھی کھالے گی۔ آپ نے مزید ایک لاکھ درہم دیئے۔ ابو تمام شاعر چند مدحیہ اشعار لے کر ابراہیم ابن **شکلہ** کے پاس پہنچا۔ وہ ان دنوں بیمار تھا۔ اس نے اشعار تو سنے لیکن خود کچھ مکافات نہ کرسکا۔ بلکہ اپنے دربان سے کہا کہ وہ اس کی شان کے مطابق کچھ دے کر رخصت کردیتے ہیں مرض سے صحت یاب ہونے کے بعد اس کا صلہ دوں گا۔ ابو تمام دو ماہ تک اس کی صحت یابی کا منتظر رہا۔ اس طویل اور صبر آزما وقفہ انتظار سے متوحش ہوکر اس نے یہ دو شعر لکھ کر ابراہیم کے پاس بھیجے۔

ان حراما قبول مدحتنا وترک ما نرتجی من الصفد
کما الدراهم والدنانير فی البيع حرام الا يدا بيد

(ہماری مدح قبول کرنا اور جس بخشش کے ہم امیدوار ہیں وہ نہ دینا حرام ہے' جس طرح درہم و دینار کی بیع اس ہاتھ لے اس ہاتھ دے کے طریقے کے علاوہ جائز نہیں)۔

ابراہیم ابن شکلہ نے یہ شعر پڑھے اور اپنے نوکر سے پوچھا یہ شاعر کب سے مقیم ہے نوکر نے کہا دو ماہ سے ابراہیم نے حکم دیا کہ اسے تیس ہزار درہم دیئے جائیں' اس کے بعد قلم کاغذ منگوایا اور یہ دو شعر لکھے۔

اعجلتنا فاتاک عاجل برنا قلا ولو امهلتنا لم نقلل
فخذ القليل وکن کانک لم تقل ونقول نحن کاننا لم نفعل

(تم نے ہم سے جلدی دینے کا تقاضہ کیا' اس لیے جلدی میں جو کچھ بن پڑا حاضر ہے اگر تم کچھ مہلت دیتے تو ہم اتنا کم ہرگز نہ دیتے' اب تو یہ تھوڑا مال قبول کرو' اور سمجھو گویا تم نے ہماری مدح میں کچھ نہیں کہا اور ہم یہ سمجھیں گی گویا ہم نے تمہیں کچھ نہیں دیا)۔

روایت ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے حضرت طلحہؓ پر پچاس ہزار درہم تھے ایک دن حضرت عثمانؓ مسجد میں پہنچے تو حضرت طلحہؓ نے ان سے کہا کہ میں نے پچاس ہزار درہم کا انتظام کرلیا ہے آپ اٹھوالیں' انہوں نے فرمایا: اے ابو محمد! یہ مال تمہارا ہے' اس سخاوت پر تمہارے تعاون کے لیے شکریہ جو تمہارا شیوہ ہے۔ سعدی بنت عوف کہتی ہیں کہ میں حضرت طلحہؓ کے پاس گئی' وہ کچھ گراں بار نظر آرہے تھے' میں نے وجہ دریافت کی۔ انہوں نے کہا میرے پاس کچھ مال جمع ہوگیا ہے۔ اس کی وجہ سے پریشان ہوں۔ میں نے عرض کیا: اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ اپنی قوم کے لوگوں کو بلاؤ' اور یہ مال ان میں تقسیم کردو' یہ سن کر طلحہ نے

اپنے خادم سے کہا کہ وہ قوم کو جمع کرے' لوگ آئے' اور اپنی اپنی قسمت کے مطابق مال لے کر رخصت ہوئے میں نے خادم سے پوچھا کتنا مال تھا۔ اس نے جواب دیا چار لاکھ درہم ایک اعرابی حضرت طلحہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنی قرابت داری کے وسیلے سے کچھ مانگا۔ آپ نے فرمایا: اس حوالے سے آج تک کسی نے کچھ نہیں مانگا۔ حضرت عثمانؓ نے میری ایک زمین کے تین لاکھ درہم لگائے ہیں۔ اگر تم چاہو تو یہ زمین لے لو' اور چاہو تو میں زمین ان کے ہاتھ فروخت کردوں' اور رقم تمہیں دے دوں۔ اس نے کہا مجھے مال کی ضرورت ہے' چنانچہ حضرت طلحہؓ نے زمین فروخت کردی اور اس کی قیمت اعرابی کو دے دی۔ ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ خوب روئے' لوگوں نے وجہ دریافت کی۔ فرمایا: سات روز سے میرے گھر میں کوئی مہمان نہیں آیا' مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے میری تذلیل نہ کی ہو۔ ایک شخص اپنے دوست کے پاس آیا' دروازے پر دستک دی' دوست نے آنے کی وجہ دریافت کی۔ آنے والے نے بتلایا کہ میں چار لاکھ درہم کا مقروض ہوں' اس نے چار لاکھ درہم تول کر اسے دے دیئے' اور گھر میں آکر رونے لگا' بیوی نے کہا اگر تمہیں یہ مال دینا اتنا ہی شاق گذرا ہے تو نہ دیتے۔ اس نے کہا میں اس مال کی جدائی پر اشکبار نہیں ہوں۔ بلکہ اس لیے روتا ہوں کہ میں نے اپنے دوست کی خبر گیری نہیں کی۔ اگر میں اس کے حالات پر نظر رکھتا تو اسے اپنی ضرورت لے کر میرے دروازے پر نہ آنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ ان پاکیزہ خصال لوگوں پر رحم فرمائے' اور ان سب کو اپنی مغفرت سے نوازے۔

بیان ذمّ البخل
بخل کی مذمّت کا بیان

قرآن وحدیث کی روشنی میں: ارشاد ربانی ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پ ۲۸ ر ۴ آیت ۹)

اور واقعی جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (پ ۴ ر ۹ آیت ۱۸۰)

اور ہرگز خیال نہ کریں ایسے لوگ جو ایسی چیز میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات کچھ ان کے لیے اچھی ہوگی بلکہ یہ بات ان کے لیے بہت ہی بری ہے' وہ لوگ قیامت کے روز طوق پہنادیے جائیں گے اس کا جس میں انہوں نے بخل کیا تھا۔

ایک موقع پر یہ ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (پ ۵ ر ۳ آیت ۳۷)

جو لوگ بخل کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہوں اور اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو اللہ نے ان کے اپنے فضل سے دی ہے۔ الخ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ایاکم والشح فانہ اهلک من کان قبلکم حملهم علی ان یسفکوا دماء هم ویستحلوا محارمهم (مسلم۔ جابرؓ۔ ابوداؤد' نسائی۔ عبداللہ ابن عمرؓ)

بخل سے بچو' اس لیے کہ تم سے پہلے لوگوں کو ان کی اس جسارت نے ہلاک کیا کہ وہ خونریزی اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو جائز قرار دیں۔

ایک حدیث میں فرمایا:۔

ایاکم والشح فانه دعا من کان قبلکم فسفکوا دماء هم ودعاهم فامتحلوا محارمهم ودعاهم فقطعوا ارحامهم (حاکم۔ ابوہریرہؓ)

بخل سے بچو' اس لیے کہ تم سے پہلے لوگوں کو اس نے خون بہانے' اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال سمجھنے اور قطع رحم کرنے کی دعوت دی۔

ارشاد فرمایا:۔

لا یدخل الجنة بخیل ولا خب ولا خائن ولا سیئ الملکة (احمد۔ ابوبکر)

جنت میں نہ بخیل جائے گا نہ مکار' نہ خائن اور نہ بد مزاج۔

ایک روایت میں ولا جبار (اور نہ ظالم) اور ایک روایت میں ولا منان (اور نہ احسان جتانے والا) کے الفاظ ہیں۔ یہ بھی فرمایا:۔

ثلاث مهلکات شح مطاع وهوی متبع واعجاب المرء بنفسه (۱)

تین چیزیں مہلک ہیں' وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے' وہ خواہشِ نفس جس کی اتباع کی جائے اور خود پسندی۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

ان الله یبغض ثلاثة الشیخ الزانی والبخیل المنان' والمعیل المختال (۱) (ترمذی' نسائی۔ ابوذرؓ)

اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کو ناپسند کرتا ہے' بوڑھے زانی کو' احسان جتلانے والے کو بخیل کو' اور متکبر فقیر کو۔

ارشاد فرمایا:۔

مثل المنفق والبخیل کمثل رجلین علیهما جبة من حدید من لدن ثدیهما الی تراقیهما فاما المنفق فلا ینفق شیئا الا سبغت او وفرت علی جلده حتی تخفی بنانه' واما البخیل فلا یرید ان ینفق شیئا الا قلصت ولزمت کل حلقة مکانها حتی اخذت بتراقیه فهو یوسعها ولا تتسع (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ)

خرچ کرنے والے اور بخیل کی مثال ایسی ہے جیسے دو آدمی لوہے کا کرتا پہنے ہوئے ہوں سینے سے ہنسلی کی ہڈیوں تک خرچ کرنے والا جب بھی کچھ خرچ کرتا ہے وہ کرتا اس کے جسم پر ڈھیلا ہو جاتا ہے اور اس کی کڑیاں پھیل جاتی ہیں' اور بخیل جب بھی خرچ کرنے میں کنجوس کرتا ہے وہ کرتا اس کے جسم پر سکڑ جاتا ہے اور ہر کڑی اپنی جگہ ٹھہر جاتی ہے' جب ہڈیاں چٹخنے لگتی ہیں تو وہ کرتے کو پھیلانے کی کوشش کرتا ہے لیکن پھیل نہیں پاتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:۔

---

(۱) یہ روایت کتب العلم میں گذر چکی ہے۔ (۲) مگر البخیل المنان کی جگہ الغنی المظلوم ہے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوْذُبِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلٰى أَرْذَلِ الْعُمُرِ (بخاری۔ سعدؓ)
اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ چاہتا ہوں' بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اور اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ کہ ذلیل زندگی کی طرف لوٹا دیا جاؤں۔

ایک حدیث میں ہے:۔

ایاکم والظلم' فان الظلم ظلمات یوم القیامة' وایاکم والفحش فان اللہ لا یحب الفاحش ولا المتفحش وایاکم والشح فانما اھلک من کان قبلکم الشح' امرھم بالکذب فکذبوا' وامرھم بالظلم فظلموا' وامرھم بالقطیعة فقطعوا (۱) (حاکم۔ عبداللہ ابن عمروؓ)

ظلم سے بچو' اس لیے کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کی صورت اختیار کرجائے گا اور فحش سے بچو' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ فاحش پسند ہے اور نہ متفحش' اور بخل سے بچو' اس لیے کہ تم سے پہلے کے لوگوں کو بخل ہی نے ہلاک کیا ہے اس نے انہیں جھوٹ کا حکم دیا انہوں نے جھوٹ بولا' اس نے ظلم کے لیے کہا انہوں نے ظلم کیا' اس نے قطع رحمی کا حکم دیا انہوں نے قطع رحمی کی۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں :

شر ما فی الرجل شح ھالع وجبن خالع (ابوداؤد۔ جابرؓ)
آدمی میں بدترین چیز انتہائی بخل' اور شدید بزدلی ہے۔

ایک شخص سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں شہید ہوا' عورتوں نے اس پر نوحہ کیا' ایک عورت رو کر کہنے لگی : آہ شہید! آپ نے اس سے فرمایا :

ومایدرک انہ شھید فلعلہ کان یتکلم فیما لا یعنیہ او یبخل فما لا ینقصہ (ابویعلی۔ ابوہریرہ)
تجھے کیا معلوم کہ مرنے والا شہید ہے ہوسکتا ہے وہ فضول گوئی میں مبتلا رہا ہو' یا اس نے ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو دینے سے کم نہ ہوتی ہو۔

حضرت جبیر ابن مطعمؓ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین سے واپسی پر ہم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے' راستے میں چند اعراب آپ کے گرد جمع ہوگئے' اور مانگنے لگے' انہوں نے اس سلسلے میں اتنا اصرار کیا کہ آپ کو مجبوراً ببول کے درختوں کے پیچھے پناہ لینی پڑی' اور آپ کے چادر خار دار شاخوں میں الجھ گئی' آپ نے کچھ دیر ٹھہر کر فرمایا:۔

اعطونی ردائی' فوالذی نفسی بیدہ لو کان لی عدد ھذہ العضاہ نعما لقسمتہ بینکم' ثم لا تجلونی بخیلا ولا کذابا ولا جبانا (بخاری)
میری چادر مجھے دے دو' اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میرے پاس ان کانٹوں کی تعداد کے مطابق بھی نعمتیں ہوں تو میں تم لوگوں میں تقسیم کردوں پھر نہ تم مجھے بخیل سمجھو' نہ جھوٹا اور نہ بزدل۔

حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک بار آپ نے مال تقسیم فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں کی بہ نسبت جن کو آپ نے مال عطا فرمایا ہے دوسرے لوگ زیادہ مستحق تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :

---

(۱) مگر حاکم کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں "امرھم بالکذب الخ" اس کے بجائے یہ الفاظ ہیں "وبالبخل فبخلوا وبالفجور ففجروا" مسلم میں جابر کی روایت بھی اسی مضمون کی حامل ہے۔

انهم یخیرون بین ان یسالونی بالفحش او یبخلونی ولست بباخل (مسلم)
انہیں اختیار ہے کہ وہ برا بھلا کہہ کر مجھ سے مانگ لیں یا مجھے بخیل کہیں' حالانکہ میں بخیل نہیں ہوں۔

حضرت ابو سعید الخدریؓ فرماتے ہیں کہ دو شخص سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ایک اونٹ کی قیمت مانگی' آپ نے دو دینار مرحمت فرمائے' باہر نکلے تو ان کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوئی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی اور ان کے سلوک کا شکریہ ادا کیا۔ حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان دو آدمیوں کا قول بھی نقل کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا :

لکن فلان اعطیته مابین عشرة الی مائة' ولم یقل ذلک' وان احدکم یسالنی فینطلق فی مسالته متابطها وهی نار' فقال عمر: فلم تعطیهم ماهو نار' فقال: یابون الا ان یسالونی ویابی الله لی البخل (احمد' ابو یعلی' بزار نحوه)

لیکن فلاں شخص کو میں نے دس اور سو کے درمیان دینار دیئے لیکن اس نے نہ تعریف کی نہ شکریہ ادا کیا۔ تم میں سے بعض مانگنے آتے ہیں' اور جب اپنی مانگ پوری کرالیتے ہیں تو آگ لے کر لوٹتے ہیں' حضرت عمرؓ نے عرض کیا آپ آگ دیتے ہی کیوں ہیں؟ فرمایا: وہ مانگنے سے باز نہیں آتے' اور اللہ میرے لیے بخل پسند نہیں فرماتا۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:۔

الجود من جود الله تعالٰی فجودوا یجد الله لکم' الا ان الله عزوجل خلق الجود فجعله فی صورة شجرة' وجعل راسه راسخا فی اصل شجرة طوبٰی' وشد اغصانها باغصان سدرة المنتهی ودلی بعض اغصانها الی الدنیا' فمن تعلق بغصن منها ادخله الجنة' الا ان السخاء من الایمان' والایمان فی الجنة وخلق البخل من مقته وجعل راسه راسخا فی اصل شجرة الزقوم ودلی بعض اغصانها الی الدنیا فمن تعلق بغصن منها ادخله النار' الا ان البخل من الکفر والکفر فی النار (مسند الفردوس)

سخاوت اللہ تعالٰی کی سخاوت کا پرتو ہے' تم سخاوت کرو' اللہ تم پر سخاوت فرمائے گا۔ اللہ نے سخاوت کو ایک درخت کی صورت میں پیدا کیا ہے' اس کی جڑ شجرۂ طوبٰی کی جڑ میں راسخ کی' اور اس کی ٹہنیوں کو سدرۃ المنتہٰی کی شاخوں سے باندھا' اور اس کی بعض شاخیں دنیا میں لٹکا دیں جو شخص ان میں سے ایک شاخ پکڑ لیتا ہے جنت میں داخل ہوجاتا ہے یاد رکھو سخاوت ایمان کا جزو ہے اور ایمان جنت میں جائے گا اور اللہ نے بخل کو اپنے غصے سے پیدا کیا ہے اور اس کی جڑ کو شجرۂ زقوم کی جڑ میں پیدا کیا ہے' اور اس کی کچھ شاخیں دنیا میں بھی لٹکا دی ہے۔ جو شخص اس کی کوئی شاخ پکڑ لیتا ہے دوزخ میں جاتا ہے یاد رکھو بخل کفر ہے' اور کفر کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

ایک روایت میں ہے:۔

السخاء شجرة تنبت فی الجنة فلا یلج الجنة الا سخی' والبخل شجرة تنبت فی النار' فلا یلج النار الا بخیل (مسند الفردوس۔ علیؓ)

سخاوت ایک درخت ہے جو جنت میں اگتا ہے' اس لیے جنت میں صرف سخی ہی داخل ہوگا' اور بخل ایک درخت ہے جو دوزخ میں پیدا ہوتا ہے اس لیے دوزخ میں صرف بخیل ہی جائے گا۔

روایات میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی حبان کے وفد سے پوچھا تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہمارا سردار جد ابن قیس ہے، لیکن اس میں کنجوسی کا مرض ہے، آپ نے فرمایا: بخل سے بڑھ کر کون سا مرض ہو سکتا ہے۔ تمہارا سردار جد ابن قیس نہیں بلکہ عمر ابن جموح ہے (طبرانی صغیر۔ کعب ابن مالکؓ) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک وفد کے ارکان نے آپ کے سوال کے جواب میں کہا ہمارا سردار جد ابن قیس ہے؟ آپ نے ان سے پوچھا تم کس بناء پر اسے اپنی سرداری کے لیے موزوں سمجھتے ہو، انہوں نے کہا وہ ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہے۔ لیکن وہ بخل کی تہمت سے بھی بری نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ تو بہت بڑا مرض ہے، بخل سے بڑھ کر اور کیا مرض ہو سکتا ہے، وہ تمہارا سردار بننے کا اہل نہیں ہے انہوں نے عرض کیا تب ہم کسے اپنا سردار منتخب کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارا سردار بشر ابن البراء ہے (حاکم۔ ابو ہریرہؓ) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان اللہ یبغض البخیل فی حیاتہ السخی عندموتہ (۱) (مسند الفردوس)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو اپنی زندگی میں بخیل ہو، اور موت کے وقت سخی ہو۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:۔

السخی الجھول احب الی اللہ من العابد البخیل (ترمذی)

جاہل سخی اللہ کے نزدیک بخیل عبادت گذار سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کرتے ہیں:۔

الشح والایمان لا یجتمعان فی قلب عبد (نسائی)

بخل اور ایمان بندے کے دل میں یکجا نہیں ہو سکتے۔

یہ بھی فرمایا:۔

خصلتان لا یجتمعان فی مؤمن البخل وسوء الخلق (ترمذی۔ ابو سعیدؓ)

دو خصلتیں مؤمن میں جمع نہیں ہو سکتی بخل اور بد اخلاقی۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

لا ینبغی لمؤمن ان یکون بخیلا ولا جبانا (۲)

مؤمن کے لے مناسب نہیں ہے کہ وہ بخیل یا بزدل ہو۔

ایک روایت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یقول قائلکم الشحیح اعذر من الظالم، وای ظلم اظلم عند اللہ من الشح، حلف اللہ تعالی بعزتہ وعظمتہ وجلالہ لا یدخل الجنۃ شحیح ولا بخیل (۳)

تم میں سے کہنے والا کہتا ہے بخیل ظالم کی بہ نسبت معذور ہے حالانکہ اللہ کے نزدیک بخل سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں اللہ نے اپنی عزت، عظمت اور جلالت کی قسم کھائی ہے کہ نہ جنت میں حریص جائے گا اور نہ بخیل۔

ایک روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے، آپ نے ایک شخص کو غلافِ کعبہ سے لپٹ کر یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اس گھر کے تقدس کے طفیل میرا گناہ معاف کر دیجئے۔ آپ نے اس سے دریافت کیا مجھے بتلا تیرا گناہ کیا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! میرا گناہ اتنا سنگین ہے کہ میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا: تیرا گناہ بڑا ہے یا

---

(۱) مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔ (۲) یہ روایت مجھے ان الفاظ میں نہیں ملی۔ (۳) یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ کہیں نہیں ملی البتہ ترمذی میں حضرت ابو بکرؓ کی روایت اس مضمون کی موجود ہے اور وہ ابھی نقل ہوئی ہے۔

یہ زمین؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا گناہ زمین سے بھی بڑا ہے' آپ نے پوچھا: کیا تیرا گناہ پہاڑوں سے بھی بڑھ کر ہے؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پہاڑوں سے بھی بڑھ کر' آپ نے فرمایا: تیرا گناہ بڑا ہے یا سمندر؟ اس نے عرض کیا: میرا گناہ سمندروں سے بھی بڑا ہے' آپ نے دریافت فرمایا: تیرا گناہ بڑا ہے یا آسمان؟ اس نے عرض کیا: میرا گناہ آسمانوں سے بھی بڑا ہے' آپ نے پوچھا: کیا تیرا گناہ عرش سے بھی بڑا ہے؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں! یا رسول اللہ۔ آپ نے دریافت فرمایا: تیرا گناہ بڑا ہے یا اللہ بڑا ہے؟ اس نے عرض کیا اللہ بلند تر اور اعلیٰ ہے۔ آپ نے فرمایا: تب پھر تو اپنا گناہ بیان کیوں نہیں کرتا۔ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ایک دولت مند آدمی ہوں۔ لیکن جب کوئی سائل میرے پاس آکر دستِ سوال دراز کرتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے آگ کا کوئی دہکتا ہوا شعلہ میری آنکھوں کے سامنے آگیا ہو' آپ نے فرمایا: مجھ سے دور رہو' اپنی آگ سے مجھے مت جلانا اس ذات کی قسم جس نے مجھے ہدایت اور کرامت کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر تو رکن اور مقام کے درمیان دس لاکھ برس تک نماز پڑھے اور پھر اتنا روئے کہ تیرے آنسوؤں سے نہریں بہہ پڑیں اور درخت سیراب ہوں اور پھر بخل کی حالت میں تیری موت ہو تو اللہ تعالیٰ تجھے اوندھے منہ دوزخ میں ڈالے گا۔ کیا تو نے اللہ رب العزت کا یہ ارشاد نہیں سنا:

وَمَنْ يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَفْسِهِ (۱) (پ۲۶ ر۸ آیت ۳۸)

جو شخص بخل کرتا ہے وہ اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔

بخل کی مذمت میں آثار : حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنتِ عدن پیدا کی تو اس سے ارشاد فرمایا تو آراستہ ہوجا' وہ آراستہ ہوئی' پھر فرمایا: اپنی نہریں ظاہر کر۔ اس نے چشمۂ سلسبیل' چشمۂ کافور' اور چشمۂ تسنیم ظاہر کئے' ان چشموں سے جنت میں شراب' شہد اور دودھ کی نہریں نکل کر بہیں' پھر فرمایا: اپنی کرسی' تخت' زیور' لباس اور حورِ عین ظاہر کر' اس نے حکم کی تعمیل کی' پھر فرمایا: اب کچھ بات کر جنتِ عدن نے کہا: مجھ میں رہنے والا شخص خوش نصیب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اپنی عزت کی قسم! میں بخیل کو جنت میں جگہ نہیں دوں گا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی ہمشیرہ امّ البنین کہتی ہیں بخیل پر لعنت ہے۔ اگر بخل لباس ہوتا تو میں کبھی اسے نہ پہنتی' اگر راستہ ہوتا کبھی اس پر نہ چلتی۔ طلحہ ابن عبیداللہؓ فرماتے ہیں کہ مال دینے میں ہمیں بھی وہی تکلیف پیش آتی ہے جو بخیلوں کو ہوتی ہے لیکن ہم لوگ صبر سے کام لیتے ہیں۔ محمد ابن المنکدرؒ کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی برائی چاہتا ہے اس کی باگ ڈور خود اس کے بروں کے سپرد کردیتا ہے' اور اس کی روزی بخیلوں میں دے دیتا ہے حضرت علیؓ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا: بہت جلد ایسا زمانہ آئے گا کہ خوش حال لوگ اپنے مال کو دانتوں میں دبا کر رکھیں گے حالانکہ انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہوگی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ (پ۲' ر۱۵' آیت ۲۳۷)

اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں شحّ بخل سے زیادہ سنگین مرض ہے' اس لیے کہ شحیح وہ ہوتا ہے جو دوسروں کے مال میں بھی بخل کرے' اور یہ چاہے کہ دوسرے کا مال بھی کسی کو نہ ملے' اپنا مال بھی روکتا ہے اور دوسرے کو دیتے ہوئے دیکھ کر بھی کڑھتا ہے اور بخیل وہ ہے جو اپنے مال میں بخل کرے۔ شعبیؒ فرماتے ہیں معلوم نہیں جھوٹ اور بخل میں سے کون سی خصلت دوزخ میں سب سے نیچے جائے گی کہتے ہیں کہ نوشیرواں کے پاس ہندوستان کا ایک دانشور' اور روم کا ایک فلسفی دونوں آئے' نوشیرواں نے دانشور سے کچھ کہنے کی درخواست کی' دانشور نے کہا: سب سے اچھا شخص وہ ہے جس میں سخاوت پائی جائے' غصے کے وقت باوقار ہو' جو بات کہے سوچ کر کہے' عظمت و عزت کے باوجود متواضع ہو' فلسفی نے کہا: جو بخیل ہوتا ہے اس کے مال کا وارث اس کا دشمن ہوتا ہے' ناشکرے کو اس کے مقاصد میں بہت کم کامیابی نصیب ہوتی ہے' جھوٹے قابل مذمت ہیں' چغل خور حقیر ہو کر مرتے ہیں'

(۱) یہ روایت بالکل بے اصل اور باطل محض ہے۔

جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر ظالم مسلط کردیا جاتا ہے۔ ارشاد باری ہے :

إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا (پ ۲۲ ر ۱۸ آیت ۸)

ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں۔

ضحاک اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اغلال سے بخل مراد ہے یعنی اللہ نے ان کے ہاتھوں کو نیکی کی راہ میں خرچ کرنے سے روک دیا' اب انہیں ہدایت کا راستہ نظر نہیں آتا۔ کعب کہتے ہیں کہ ہر صبح دو فرشتے باآواز بلند یہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! بخیل کا مال جلد تباہ کر' اور خرچ کرنے والے کے مال کا عوض جلد عطا فرما۔ اصمعیؒ کہتے ہیں میں نے ایک اعرابی کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ فلاں شخص میری نگاہوں میں حقیر ہوگیا کیونکہ دنیا اس کی نظروں میں عظیم ہے' اور کسی سائل کا سامنے آنا اسے ایسا لگتا ہے گویا ملک الموت آگیا ہو۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کوئی بخیل منصف نہیں ہو سکتا' کیونکہ وہ اپنے بخل کی وجہ سے اپنے حق سے زیادہ لے گا' یا زیادہ لینے کی کوشش کرے گا اس ڈر سے کہ کہیں میں نقصان میں نہ رہ جاؤں' جس کی حالت یہ ہو اس کی امانت داری پر اطمینان نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں سخی کبھی اپنا پورا حق نہیں لیتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ (پ ۲۸ ر ۱۹ آیت ۳)

تھوڑی سی بات تو بتلادی اور تھوڑی سی ٹال گئے۔

جاحظ کہتے ہیں کہ صرف تین لذتیں باقی رہ گئی ہیں بخیلوں کو برا کہنا' بھنا ہوا گوشت کھانا' اور خارش زدہ جسم کو کھجانا۔ بشر ابن الحرث کہتے ہیں کہ بخیل کو برا کہنا غیبت نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے فرمایا : اس صورت میں تو بخیل ہے۔ (۱) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت کی تعریف کی گئی کہ بڑی عبادت گذار ہے دن میں روزہ رکھتی ہے اور رات بھر نماز کے لیے قیام کرتی ہے' تاہم اس میں کچھ بخل بھی ہے' آپ نے فرمایا: تب اس میں اچھائی کی کون سی بات ہے۔ (۲) بشرؒ کہتے ہیں بخیل کی طرف دیکھنے سے دل سخت ہوجاتا ہے' اور بخیلوں سے ملنے میں تو اہل ایمان کے قلوب تکلیف محسوس کرتے ہیں یحییٰ ابن معاذؒ کہتے ہیں دلوں میں صرف سخیوں کی محبت ہوتی ہے اگرچہ وہ بدکار ہی کیوں نہ ہوں' اور بخیلوں سے نفرت ہوتی ہے اگرچہ وہ نیک ہی کیوں نہ ہوں۔ ابن المعتزؒ کہتے ہیں جو شخص اپنے مال میں زیادہ بخیل ہوتا ہے وہ اپنی عزت میں بڑا سخی ہوتا ہے۔ حضرت یحییٰ ابن ذکریا علیہما السلام نے ابلیس کو اس اصل صورت میں دیکھا۔ آپ نے اس سے پوچھا تجھے لوگوں میں سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ اور سب سے زیادہ کون مبغوض ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے سب سے زیادہ بخیل مؤمن پسند ہے اور سب سے زیادہ فاسق سخی ناپسند ہے' آپ نے اس کی وجہ دریافت کی اس نے کہا: اس لیے کہ بخیل اپنے بخل کی بنا پر مجھے گمراہ کرنے کی مشقت سے بچا دیتا ہے اور فاسق سخی کے بارے میں مجھے یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کی سخاوت قبول نہ کرلے' پھر وہ رخ پھیر کر یہ کہتا ہوا چل دیا کہ اگر یہ سوال یحییٰؑ نے کیا ہوتا تو میں جواب نہ دیتا۔

بخیلوں کے قصے

بصرے میں ایک مالدار بخیل رہتا تھا کسی پڑوسی نے اس کی دعوت کی' اور انڈوں کے ساتھ پکا ہوا قیمہ کھانے کے لیے پیش کیا' اس نے ضرورت سے زیادہ کھانا کھایا' اور بار بار پانی پیا' یہاں تک کہ پیٹ پھول گیا' اور اس قدر تکلیف ہوئی کہ موت کے فرشتے نظر آنے لگے' جب معاملہ سنگین صورت اختیار کرگیا حکیم کو بلایا گیا حکیم نے کہا اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں' تمہیں قے کردینی چاہئے بخیل نے کہا میں مرنے کے لیے آمادہ ہوں لیکن جو بہترین کھانا میں نے کھایا ہے اسے قے کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ ایک اعرابی کسی شخص کی تلاش میں آیا' وہ انجیر کھانے میں مشغول تھا' اعرابی کو دیکھ کر اس نے انجیر پر کپڑا ڈال دیا' اور اعرابی

---

(۱) احیاء العلوم کے نسخوں میں اسی طرح مذکور ہے' عراقی نے بھی اس کی تخریج نہیں کی اور نہ شارح احیاء العلوم نے اس کا ذکر کیا (۲) یہ روایت کتاب آفات اللسان میں گذر چکی ہے۔

سے کہا قرآن پاک میں سے کچھ پڑھو اس نے یہ آیت پڑھی: "وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ" اس شخص نے کہا تم نے اس آیت کا لفظ "وَالتِّينِ" کیوں نہیں پڑھا' وہ کہاں ہے؟ اعرابی نے جواب دیا وہ تمہاری چادر کے نیچے ہے (یاد رہے عربی میں انجیر کو تین کہتے ہیں) ایک شخص نے اپنے کسی بھائی کو مدعو کیا' اور شام تک روکے رکھا لیکن کھانے کے لیے کچھ نہیں دیا' یہاں تک کہ وہ شخص بھوک سے بے تاب ہو گیا' قریب تھا کہ وہ بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر جنونی حرکتیں کرنے لگتا میزبان نے ستار اٹھایا اور مہمان سے پوچھا تمہیں کون سی آواز پسند ہے' اس نے جواب دیا: دیگچی میں گوشت بھننے کی آواز محمد ابن یحییٰ برمکی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ انتہائی بخیل تھا اس کے ایک مخصوص قرابت دار سے کسی شخص نے اس کی دسترخوان کی کیفیت دریافت کی' اس نے جواب دیا' اس کا دسترخوان چار انگشت کا ہے' اور پیالے اتنے چھوٹے چھوٹے ہیں گویا خشخاش کے دانوں سے بنائے گئے ہیں' سائل نے پوچھا آخر اس دسترخوان پر کون کھاتا ہے' اس شخص نے کہا: مکھیاں ضرور کھاتی ہیں سائل نے کہا: آخر تم ابن یحییٰ برمکی کے مخصوصین میں سرفہرست ہو' اس کے باوجود تمہارے کپڑے بوسیدہ اور پھٹے ہوئے ہیں' اور تمہارے چہرے پر نا آسودگی نمایاں ہے۔ اس نے جواب دیا میرے کپڑے اس لیے پھٹے ہوئے ہیں کہ انہیں سینے کے لیے سوئی میسر نہیں ہے۔ اگر محمد ابن یحییٰ کو سوئیوں کا بھرا ہوا بغداد سے نوبت تک وسیع ایک محل مل جائے اور بالفرض حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام کو ہمراہ لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کی وہ قمیص سینے کے لیے ایک سوئی مانگنے کے لیے آجائیں جو پیچھے سے پھٹ گئی تھی تو وہ ہرگز نہ دے' مروان ابن حفصہ بھی اسی پائے کا بخیل تھا حد یہ کہ وہ اپنے اسی بخل کی وجہ سے گوشت نہیں کھاتا تھا۔ اگر کبھی گوشت کو بہت زیادہ دل چاہتا تو غلام سے کہتا کہ وہ جانور کا سر خرید لائے کسی نے اس سے پوچھا: آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ تم جب بھی کھاتے ہو سر کا گوشت کھاتے ہو؟ اس نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے سر کا نرخ معلوم ہے' نوکر اس کی قیمت میں خیانت نہیں کر سکتا اور نہ گوشت میں خیانت کر سکتا ہے' اگر عام گوشت ہو تو غلام پکاتے ہوئے ایک دو بوٹی کھا بھی سکتا ہے مجھے کیا پتا چلے گا' لیکن سر کو ہاتھ بھی لگائے گا مجھے پتا چل جائے گا۔ کیونکہ اس میں آنکھ' ناک' کان ہر چیز متعین ہے پھر اس میں بیک وقت کئی مزے ہیں' آنکھ کا مزہ الگ ہے' ناک کا ذائقہ جدا ہے' کان کی لذت مستقل ہے' گدی اور مغز کی الگ' سر منگانے کا فائدہ یہ بھی ہے کہ میں اسے بلا تکلف خادم کے سپرد کر دیتا ہوں اور پکانے کی مشقت سے بچ جاتا ہوں۔ ایک روز جب وہ خلیفۂ مہدی کے دربار میں جانے لگا اس کے گھر کی کسی عورت نے کہا اگر تمہیں خلیفۂ نے مال دیا تو مجھے کیا دو گے؟ اس نے کہا اگر مجھے ایک لاکھ درہم ملے تو تجھے ایک درہم دوں گا۔ خلیفۂ نے ساٹھ ہزار درہم دیئے' اس نے اسی اعتبار سے عورت کو درہم کے تین خمس دئے۔ ایک مرتبہ پکانے کے لیے ایک درہم کا گوشت خریدا۔ اتفاق سے کسی دوست نے دعوت کر دی۔ اس نے وہ گوشت اگلے وقت کے لیے رکھنے کے بجائے قصائی کو چوتھائی درہم کے نقصان سے واپس کر دیا۔ اور یہ کہا کہ مجھے فضول خرچی پسند نہیں ہے۔ حضرت اعمشؒ کا ایک پڑوسی نہایت بخیل تھا' اس کی خواہش تھی کہ کبھی اعمش میرے غریب خانے پر تشریف لائیں اور روٹی کا ایک ٹکڑا نمک سے تناول فرمالیں' وہ اپنی اس خواہش کا برابر اظہار کرتا رہتا' حضرت اعمشؒ معذرت فرمادیتے' آخر ایک دن جب اس نے اپنی دعوت کا اعادہ کیا آپ نے حامی بھرلی' کچھ بھوک بھی تھی' گھر پہنچے' صاحب خانہ نے روٹی کا ایک ٹکڑا اور نمک کی ڈلی سامنے لاکر رکھ دی' اتنے میں ایک فقیر نے صدا لگائی' میزبان نے کہا معاف کرو' اس نے دوبارہ مانگا' انہوں نے پھر معذرت کی جب اس نے تیسری بار اللہ کے نام پر کچھ دینے کے لیے کہا انہوں نے کہا بھاگ جاورنہ ڈنڈے سے خبر لوں گا۔ اعمشؒ نے سائل سے کہا بھائی خیریت چاہتے ہو تو آگے بڑھ جاؤ' میں نے ان سے زیادہ وعدے کا سچا دوسرا نہیں دیکھا' انہوں نے مجھے نمک سے روٹی کا ٹکڑا کھلانے کا وعدہ کیا تھا' بخدا انہوں نے اپنے وعدے کے مطابق یہی دو چیزیں میرے سامنے رکھی ہیں۔

ایثار کی حقیقت اور فضائل

سخاوت اور بخل کے بہت سے درجات ہیں ان میں ایثار کا درجہ نہایت بلند ہے ایثار کے معنی یہ ہیں کہ اپنی ضرورت کے باوجود

کسی دوسرے کو مال دے دینا۔ اور سخاوت یہ ہے کہ وہ مال کسی محتاج یا غیر محتاج کو ہبہ کردینا جس سے اپنی کوئی ضرورت وابستہ نہ ہو۔ ضرورت کے باوجود خرچ کرنا یقیناً ایک دشوار گذار مرحلہ ہے' اور بہت کم لوگ اس مرحلے سے کامیاب گذرتے ہیں جس طرح سخاوت اس درجے پر منتہی ہوتی ہے کہ آدمی اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں کو اپنا مال دے ڈالے اسی طرح بخل کا بھی انتہائی درجہ ہے اور وہ یہ کہ آدمی مال رکھنے کے باوجود اپنی ضرورت میں استعمال نہ کرے کتنے ہی بخیل ایسے ہیں جن کی تجوریاں دولت سے لبریز ہیں اور وہ بستر مرض پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرگئے' لیکن علاج پر ایک حبّہ بھی خرچ کرنے کی ہمت نہ کرسکے' دل کھانے کے لیے مچلتا ہے' لیکن خرچ کرنے کا حوصلہ نہیں' ہاں مفت مل جائے تو کھانے میں کوئی عار نہیں' ان دونوں شخصوں میں کتنا عظیم فرق ہے' اخلاق عطائے خداوندی ہے' جسے چاہتا ہے اس کا مستحق کردیتا ہے جسے چاہتا ہے اس نعمت سے محروم رکھتا ہے سخاوت میں ایثار کے بعد کوئی درجہ نہیں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے ایثار کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی:۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (پ ۲۸ ر ۴ آیت ۹)

اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

ايما امراء اشتهى شهوة فردشهوته واثر على نفسه غفرله (ابن حبان' ابوالشیخ۔ ابن عمرؓ)

جس شخص کو کوئی خواہش ہوئی' اور اس نے اپنی خواہش کو پس پشت ڈال کر ایثار کیا اس کی مغفرت ہوگی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تین دن متواتر پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا' یہاں تک کہ اس دنیا سے پردہ فرمالیا' اگر ہم چاہتے پیٹ بھر کھانا کھاسکتے تھے لیکن ہم نے دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دی (بیہقی) سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک شخص مہمان ہوا' گھر میں اس وقت مہمان کی خاطرداری کے لیے کچھ موجود نہیں تھا' اتنے میں ایک انصاری صحابی حاضر خدمت ہوئے اور وہ آپ کے مہمان کو اپنے گھر لے گئے' اور جو کھانا گھر میں موجود تھا وہ مہمان کے سامنے لاکر رکھ دیا' اور بیوی سے کہا وہ چراغ گل کردے تاکہ مہمان اندھیرے میں یہ سمجھے کہ میزبان بھی کھانے میں شریک ہے' حالانکہ میں صرف ہاتھ بڑھاتا رہوں گا کھاؤں گا نہیں' میزبان انصاریؓ نے ایسا ہی کیا' مہمان نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا' صبح ہوئی تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: رات تم لوگوں نے مہمان کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آیا۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ)

اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو۔

بہرحال سخاوت اللہ تعالیٰ کے اخلاق میں سے ایک خلق ہے' اور ایثار سخاوت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے جس پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فائز رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کے اس وصف کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی:۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (پ ۲۹' ر ۳' آیت ۴)

اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں۔

سہیل ابن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت سے یہ دعا کی۔ اے اللہ! مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے بعض درجات کا مشاہدہ کرادیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے موسیٰ تم اس مشاہدے کی تاب نہ لاسکو گے۔ تاہم میں تمہیں ان کے عظیم مراتب میں سے ایک مرتبہ عظیم کا مشاہدہ کراتا ہوں جس کے ذریعے میں نے انہیں تم پر اور اپنی تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے چنانچہ حضرت موسیٰ کی نگاہوں کے سامنے آسمانوں کے ملکوت کا حجاب اٹھالیا گیا' آپ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت کا مشاہدہ کیا' اور آپ کے قرب خداوندی اور منزلت کے انوار سے گویا نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ انہوں نے پوچھا : اے اللہ! محمد اس مرتبے تک کس طرح پہنچے؟ ارشاد فرمایا : ایک ایسے خُلق کی بناء پر جسے میں نے

صرف ان کے ساتھ مخصوص کیا ہے' اور وہ خلق ہے ایثار۔ اے موسیٰ! اگر کسی شخص نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی ایثار کیا مجھے اس کا محاسبہ کرتے ہوئے شرم آئے گی' اور میں اسے بلا حساب جنت میں جانے دوں گا جہاں اس کا دل چاہے گا رہے گا۔ روایت ہے کہ عبداللہ ابن جعفر اپنے کسی قطعۂ زمین کے معائنے کے لیے گئے' راستے میں کسی قوم کے باغ میں قیام کیا۔ اس میں ایک حبشی غلام کام کررہا تھا۔ اتنے میں اس غلام کا کھانا آیا' ساتھ ہی ایک کتا بھی باغ میں آگیا اور غلام کے قریب آکر بیٹھ گیا' غلام نے ایک روٹی کتے کے آگے ڈال دی' اس نے روٹی کھائی' غلام نے دوسری ڈال دی' اس نے وہ بھی کھائی' پھر تیسری روٹی بھی کتے کو کھلادی' یہاں تک کہ کھانا ختم ہوگیا' عبداللہ ابن جعفر یہ تمام منظر دیکھ رہے تھے' انہوں نے غلام سے پوچھا تیری یومیہ غذا کیا ہے تو اس نے جواب دیا اسی قدر جتنی آپ نے دیکھی۔ آپ نے حیرت سے کہا: پھر تو نے اپنا کھانا اس کتے کو کیوں کھلادیا۔ غلام نے کہا بات یہ ہے کہ یہ جگہ جہاں ہمارا باغ ہے کتوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ کتا کہیں دور دراز علاقے سے محض کھانے کے لالچ میں یہاں آیا کرتا ہے' مجھے اچھا نہیں لگتا کہ یہ بیچارہ بھوکا رہ جائے اور میں کھانا کھالوں۔ انہوں نے پوچھا: تب تم دن بھر کیا کروگے؟ اس نے کہا: فاقہ کروں گا۔ عبداللہ ابن جعفر نے دل میں کہا میں اسے سخاوت پر ملامت کررہا ہوں حالانکہ یہ مجھ سے زیادہ سخی ہے آپ نے اسی وقت مالک کو بلا کر وہ باغ' غلام اور باغ میں موجود تمام آلات و اسباب خرید لیے اور غلام کو آزاد کردیا۔ اور وہ باغ اسے ہبہ کردیا۔ حضرت عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک صحابی کو کسی نے ایک بکری کی سری ہدیہ میں بھیجی' ان صحابی نے یہ سوچا کہ میرا فلاں بھائی اس کا زیادہ ضرورت مند ہے انہوں نے وہ سری اس کو ہدیہ کردی' دوسرے نے تیسرے کو بھیج دی اسی طرح وہ سات آدمیوں تک پہنچی' اور آخر میں پہلے ہدیہ کرنے والے کے پاس آگئی۔ ہجرت کی رات حضرت علی کرم اللہ وجہہ قریش کو دھوکا دینے کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹے' اللہ نے حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام سے فرمایا کہ میں نے تم دونوں میں اخوت قائم کردی ہے۔ اور تم دونوں میں سے ایک کی عمر زیادہ کی ہے' اب یہ بات تمہیں بتلانی ہے کہ تم میں سے کس کی عمر زیادہ کی جائے؟ دونوں نے یہی چاہا کہ میری عمر زیادہ ہو' یعنی ایک دوسرے کے لیے ایثار کسی نے پسند نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: تم دونوں علی کے برابر بھی نہ ہوئے کہ میں نے ان کے اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اخوت قائم کردی تھی' وہ آج رات اپنی جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر فدا کرنے کے لیے ان کے بستر پر لیٹے ہیں' اور ان کی زندگی اپنی زندگی پر مقدم سمجھتے ہیں' اب تم زمین پر جاؤ اور دشمنوں سے علیؓ کی حفاظت کرو۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے سرہانے کھڑے ہوگئے اور حضرت میکائیل علیہ السلام آپ کے پیتانے کھڑے ہوگئے' حضرت جبرئیل فرماتے واہ' واہ ابوطالب کے بیٹے واہ' واہ آج تجھ سا کوئی نہیں' اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں میں تجھ پر فخر کرتے ہیں اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (پ۲' ر۹' آیت ۲۰۷)

اور بعض آدمی ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان تک صرف کرڈالتا ہے۔

ابوالحسن انطاکی کہتے ہیں کہ میرے پاس رَیّ کے قریب واقع ایک گاؤں سے تیس چالیس افراد آئے' ان کے پاس اتنا کھانا نہیں تھا کہ سب پیٹ بھر کر کھالیتے' اس لیے انہوں نے جو کچھ موجود تھا دسترخوان پر رکھا' اور چراغ گل کردیا' جب کھانے سے فارغ ہوئے تو دسترخوان پر کھانا جوں کا توں موجود تھا۔ ہر شخص نے دوسرے کے لیے ایثار کیا' اور اس طرح سب بھوکے رہ گئے' روایت ہے کہ شعبہ کے پاس ایک فقیر آیا' ان کے پاس دینے کے لیے کچھ نہ تھا' اس لیے چھت کی ایک لکڑی ہی اتار کر اسے دے دی تاکہ فقیر نامراد واپس نہ ہو' اور ساتھ ہی حاجت روائی نہ کرسکنے پر معذرت بھی پیش کی' حذیفہ العدوی کہتے ہیں غزوۂ یرموک میں مجھے اپنے زخمی چچازاد بھائی کی تلاش تھی' تاکہ انہیں پانی پلاسکوں' اور صورت حال یہ تھی کہ میرے پاس پانی کے چند قطرے موجود تھے۔ بالآخر وہ مجھے نظر آگئے' میں نے ان سے کہا لیجئے پانی پیجئے' اتنے میں قریب میں ہشام ابن العاص کی کراہ سنائی دی' یہ بھی جنگ میں زخمی ہوگئے تھے' میرے بھائی نے ان کی طرف اشارہ کردیا' ان کے پاس پانی لے کر پہنچا تو تیسرے زخمی کی آواز آئی' انہوں نے

ادھر اشارہ کردیا' جب میں ان کے پاس پہنچا تو وہ دم توڑ چکے تھے' ہشام کے پاس آیا تو ان کی روح بھی قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی تھی چچازاد بھائی کے پاس واپس آیا تو وہ بھی رخصت ہوچکے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت نازل کرے۔ عباس ابن دہقان کہتے ہیں کہ بشر ابن الحارث کے علاوہ کوئی دنیا سے ایسا نہیں نکلا جیسا وہ آیا تھا۔ ایک شخص اس وقت ضرورت لے کر ان کے پاس آیا جب وہ مرض الموت میں مبتلا تھے' انہوں نے اپنی قمیص اتار کر سائل کو دے دی' اور کسی دوسرے سے قمیص مستعار لے کر پہن لی' اسی قمیض میں انہوں نے وفات پائی۔ ایک صوفی اپنا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ہم چند لوگ طرسوس کے باب جہاد کی طرف روانہ ہوئے' شہر کا ایک کتا بھی ہمارے ساتھ ہولیا' دروازے سے باہر نکل کر ہم ایک جگہ بیٹھ گئے وہاں قریب ہی کسی جگہ ایک مردار پڑا ہوا تھا وہ کتا مردار کی بو پاکر شہر واپس گیا' اور اپنے ساتھ بیس پچیس کتوں کو لے کر آیا اور خود ایک طرف بیٹھ گیا وہ کتے اس مردار پر ٹوٹ پڑے' تھوڑے ہی دیر میں اس کا صفایا ہوگیا' صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں' جب تمام کتے کھا کر رخصت ہوگئے تو یہ کتا اٹھا اور ان ہڈیوں کو بھنبھوڑنے لگا۔

ہم نے کتاب الفقر و الزہد میں اولیاء اللہ کے حالات' اور ایثار کے سلسلے میں وارد اخبار و آثار ذکر کردیئے ہیں۔ اب یہاں اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔

سخاوت و بخل کی حدود اور حقیقت

شرعی شواہد سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ بخل مہلکات میں سے ہے لیکن یہاں یہ سوال رہ جاتا ہے کہ بخل کی تعریف کیا ہے۔ اپنے کس عمل سے انسان بخیل ہوجاتا ہے کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے کو بخی تصور نہ کرتا ہو' لیکن ممکن ہے کہ کوئی دوسرا اسے بخیل سمجھتا ہو۔ ایک شخص کے عمل کے بارے میں لوگوں کے خیالات مختلف ہوسکتے ہیں' کوئی اسے بخل کہہ سکتا ہے' کوئی اسے سخاوت کا نام دے سکتا ہے علاوہ ازیں کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے دل میں مال کی محبت نہ ہو' اور وہ اپنے لئے مال کا جمع و امساک نہ کرتا ہو' اگر صرف مال کی حفاظت کرنے اور اسے روکنے سے آدمی بخیل ہوجاتا ہے تو اس سے کوئی بشر بھی خالی نہیں ہے' اور اگر امساک سے آدمی بخیل نہیں ہوتا تو پھر بخل کے معنی کیا ہیں' بخل نام ہی امساک کا ہے۔ پھر وہ کون سا بخل ہے جسے مہلکات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ سوالات سخاوت کے بارے میں بھی اٹھتے ہیں' اس عمل کی کیا تعریف ہے جس سے آدمی سخاوت کے وصف سے متصف ہوجاتا ہے' اور اسکے ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے؟

<u>بخل کی تعریف</u> : بخل کی تعریف کے لیے متعدد تعبیرات اختیار کی گئیں ہیں بعض لوگوں کے خیال میں واجب حق ادا نہ کرنے کا نام بخل ہے' اس اعتبار سے وہ شخص بخیل نہ ہوگا جو اپنے ذمے واجب حقوق ادا کرتا رہے۔ لیکن یہ تعریف کافی نہیں ہے اس لیے کہ معاشرے میں اس شخص کو بالاتفاق بخیل کہا جاتا ہے جو قصائی سے گوشت یا نانبائی سے روٹی خرید کرلائے پھر اسے کچھ کم قیمت پر واپس کردے' اسی طرح وہ شخص بھی بخل سے مبّرا قرار نہیں پاتا جو اہل و عیال کو قاضی کا مقرر کردہ روزینہ دینے میں کوتاہی نہ کرے' لیکن اگر اس کے اہل و عیال مقرر مقدار سے زائد روٹی کا ٹکڑا طلب کریں یا اس کے مال میں سے ایک کھجور کھالیں تو وہ منع کرے۔ اسی طرح وہ شخص بھی بخیل کہلاتا ہے جو محض اس لیے کھانے پر کپڑا ڈال دے کہ آنے والا شریک ہوجائے گا حالانکہ۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ اس نے گوشت واپس کرکے یا اہل و عیال کو مقررہ مقدار سے زائد روزینہ نہ دے کر' یا روٹی لوٹا کر' یا کھانا چھپا کر واجب حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہو' پھر انہیں بخیل کیوں کہا جاتا ہے' بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ دینے میں گرانی محسوس ہو' یہ تعریف بھی صحیح نہیں ہے' اس لیے کہ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ ہر طرح کا عطیہ اس پر گراں گذرتا ہے۔ حالانکہ بہت سے بخیل ایسے بھی ہیں جو دانے دو دانے دے دیتے ہیں لیکن زیادہ دینے سے انہیں تکلیف ہوتی ہے' اور اگر یہ مطلب ہے کہ بعض عطایا سخت معلوم ہوتے ہیں تو یہ بات سخی میں بھی ہے کہ بعض عطایا دینے میں اسے کوئی گرانی نہیں ہوتی' لیکن بعض عطایا دینا بڑا دشوار ہوتا ہے' مثلاً وہ عطیہ جو سخی کے تمام مال' یا بیشتر مال کی جامع ہو اس بناء پر کسی

شخص کو بخیل نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح سخاوت کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں' کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ سخاوت بلا تامل ضرورت پوری کرنے' اور احسان جتائے بغیر دینے کا نام ہے بعض لوگوں کے نزدیک سخاوت ایسے عطیہ کو کہتے ہیں جو بغیر مانگے دیا گیا ہو اور اس تصوّر کے ساتھ دیا گیا ہو کہ میں نے تھوڑا دیا۔ ایک رائے یہ ہے کہ سائل کو دیکھ کر خوش ہونا' اور اپنی دہش سے مسرت پانا سخاوت ہے۔ بعض کے خیال میں مال کو اس تصوّر کے ساتھ دینا سخاوت ہے کہ مال اللہ کا ہے اور دینے والا بھی اللہ کا بندہ ہے اس لیے اللہ کا بندہ' اللہ کا مال فقر و افلاس کے ادنیٰ اندیشے کے بغیر دے رہا ہے۔ ایک تعریف کے مطابق اپنے مال میں سے کچھ دے دینا اور کچھ رکھ لینا سخاوت ہے' اور اپنا زیادہ مال دے دینا' اور کچھ مال اپنے لیے باقی رکھ لینا جُود ہے' اور خود مشقت برداشت کرلینا' لیکن دوسرے کو تکلیف نہ ہونے دینا ایثار ہے' اور کچھ خرچ نہ کرنا بخل ہے۔

بخل و سخاء کی حقیقت : بخل اور سخاوت کی تعریف میں یہ مختلف اقوال بیان کیے گئے ہیں لیکن ان میں ایک بھی قول ایسا نہیں ہے جو حقیقت کا پوری طرح احاطہ کرلے اس لیے ہم اس پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں۔

اللہ نے مال کو ایک حکمت اور ایک مقصد کے لیے پیدا کیا ہے' اور یہ کہ اس سے مخلوق کی ضروریات زندگی پوری ہوں۔ اب اگر کسی شخص کو مال مل جائے تو وہ اسے مخلوق کی ضروریات میں خرچ کرنے سے روک بھی سکتا ہے۔ اور ان مواقع پر بھی خرچ کرسکتا ہے جہاں خرچ کرنا ٹھیک نہیں ہے' اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس مال کو اعتدال کے ساتھ خرچ کرے جہاں خرچ کی ضرورت ہو وہاں خرچ کرے' اور جہاں امساک ضروری ہو وہاں خرچ کرکے مال ضائع نہ کرے اس سے معلوم ہوا کہ جہاں خرچ کرنا ضروری ہے وہاں مال روکنا بخل ہے' اور جہاں روکنا ضروری ہے وہاں مال خرچ کرنا اسراف ہے ان دونوں کے درمیان بھی ایک صورت ہے یہی صورت محمود ہے۔ سخاوت وجود اسی درمیانی صورت (اعتدال) کا نام ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک طرف تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخاوت کا حکم دیا جاتا ہے اور دوسری طرف یہ آیت نازل ہوتی ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (پ۱۵ ر۳ آیت ۲۹)

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن ہی سے باندھ لینا چاہئے اور نہ بالکل ہی کھول دینا چاہئے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (پ۱۹' ر۴' آیت ۶۷)

اور جب وہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اعتدال پر ہوتا ہے۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ جود اسراف و کمی' اور قبض و بسط کی درمیانی راہ کا نام ہے' اور وہ درمیانی راہ یہ ہے کہ آدمی اپنے خرچ و امساک کو مقدار واجب اور مواقع وجوب پر محوّل کرے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ خرچ کا فعل صرف اعضاء سے صادر نہ ہو بلکہ دل بھی راضی ہو' اور دینے میں نزاع نہ کرتا ہو۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے موقع وجوہ میں مال خرچ کیا' لیکن دل نے اس پر تنگی محسوس کی تو اسے سخی کہلانے کا حق نہیں ہے' بلکہ وہ متسخّی (بتکلف سخی بننے والا) ہے۔ اس کے دل کو مال کے ساتھ صرف اتنا علاقہ ہونا چاہیئے کہ وہ ضرورتوں میں کام آئے۔ اس کے علاوہ کوئی علاقہ نہ ہو۔

خرچ کی مقدار واجب : اس تفصیل سے پتا چلا کہ یہ بات واجب مقدار کی معرفت پر موقوف ہے' یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مقدار واجب کیا ہے جاننا چاہیئے کہ واجب دو طرح ہیں ایک وہ جو شریعت کی طرف سے واجب ہے اور دوسرا وہ جو عادت اور مروّت کی بناء پر واجب ہے صحیح معنیٰ میں سخی کہلانے کا مستحق ہے اور دوسرا وہ جو واجبات کی ادائیگی سے گریز کرے' اور نہ مروّت و عادت کی رو سے عائد واجبات سے۔ اگر اس نے ان میں سے کسی ایک واجب سے گریز کیا اسے بخیل کہا جائے گا۔ اور واجبِ شرع

ادا نہ کرنے والا شخص بخیل ہی نہیں بلکہ (بہت بڑا بخیل) ہے ' جیسے کوئی زکوٰۃ ادا نہ کرے ' اپنے اہل و عیال کو نفقہ نہ دے۔ یا زکوٰۃ اور نفقہ تو دے لیکن اس کے دل پر مال نکالنا شاق گذرتا ہو ' ایسا شخص طبعاً بخیل ہے۔ اس کا دینا سخاوت نہیں ہے بلکہ سخاوت کا مظاہر ہے۔ ایسا شخص بھی بخیل ہے جو اپنا خراب مال دے ' اچھا یا اوسط درجے کا مال دے کر اس کی طبیعت خوش نہ ہو۔

مروّت کی بنا پر واجب ہونے والا خرچ یہ ہے کہ معمولی چیز دینے میں تنگی نہ کرے ' ایسا کرنا ایک برائی ہے۔ اور یہ برائی احوال و اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً ایک چیز میں مالدار کی سخت گیری بری معلوم ہوتی ہے جب کہ اس چیز میں مفلس کی سخت گیری بری معلوم نہیں ہوتی۔ اسی طرح بعض چیزوں میں اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب اور خدام و ممالیک کے ساتھ سخت گیری بری معلوم ہوتی ہے ' حالانکہ اگر یہ سخت گیری اجنبیوں کے ساتھ روا رکھی جائے تو اسے کوئی برا نہیں سمجھتا ' اسی طرح پڑوسی کے ساتھ سخت گیری غیر پڑوسی کے ساتھ سخت گیری کے مقابلے میں زیادہ گراں گذرتی ہے۔ ضیافت میں سخت گیری جتنی بری لگتی ہے معاملات میں اتنی بری نہیں لگتی۔

سخت گیری کے مختلف احکام : خلاصہ یہ ہے کہ چار چیزوں کے اختلاف سے سخت گیری کے احکام بھی مختلف ہوتے ہیں ' ا۔ جس کام میں سخت گیری کی جائے جیسے ضیافت اور معاملات ۲۔ جس چیز میں تنگی کی جائے جیسے کھانا اور کپڑا اس لیے کہ کھانے کے معاملے میں سخت گیری دوسری چیزوں کی بہ نسبت زیادہ بری ہے ' اسی طرح کفن خریدنے ' قربانی کا جانور اور صدقے کی اشیاء خریدنے میں تنگی کرنا بقتا برا معلوم ہوتا ہے دوسری چیزوں کی خرید و فروخت میں اتنا برا نہیں لگتا۔ ۳۔ جس کے ساتھ تنگی کی جائے جیسے دوست ' بھائی ' قریبی رشتہ دار ' بیوی ' بچے یا غیر کے ساتھ جو تنگی کرے ' اس کے حالات کا اعتبار بھی کیا جائے گا آیا وہ بچہ ہے ' عورت ہے ' بوڑھا ہے ' جوان ہے ' عالم ہے یا جاہل ' مالدار ہے یا غریب۔

اس سے ثابت ہوا کہ بخیل اسے کہتے ہیں جو ایسی جگہ مال خرچ نہ کرے جہاں اسے شریعت یا مروّت کی رو سے خرچ کرنا چاہیے۔ اس کی کوئی مقدار متعین کرنا ممکن نہیں ہے۔

بخل کی دوسری تعریف : بخل کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ کسی ایسے مقصد کی خاطر مال خرچ نہ کرنا بخل ہے جو مال جمع کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ اس لیے کہ دین کی حفاظت مال کی حفاظت سے زیادہ اہم ہے۔ اس لحاظ سے زکوٰۃ اور اہل و عیال کا نفقہ ادا نہ کرنے والا بخیل ہے۔ مروّت کی حفاظت مال کی حفاظت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے جو شخص معمولی چیزوں میں تنگی کرے ' خاص طور پر ایسی چیزوں میں جن میں ایسے لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ تنگی کرنا مناسب نہیں وہ شخص اپنی مروّت کو مجروح کرتا ہے۔

بخل کا ایک اور درجہ : یہاں ایک اور درجہ رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص واجب شرعی بھی ادا کرتا ہے اور مروّت کے تقاضے بھی پورے کرتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ بہت سے مال کا مالک ہے۔ یہاں حفظِ مال بھی اہم ہے کہ آئندہ کام آئے گا۔ اور زمانے کے مصائب سے نبرد آزما ہونے میں معاون ثابت ہوگا ' اور آخرت کا اجر و ثواب حاصل کرنا بھی اہم ہے۔ آخرت کی اہمیت بہرحال زیادہ ہے ' اس لیے اگر کوئی مالدار آخرت میں اپنے درجات کی رفعت کے لیے خرچ نہ کرے وہ عقلمندوں کے نزدیک بخیل ہے ' اگرچہ عوام الناس اسے بخیل نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام لوگوں کی نظر صرف دنیاوی اغراض پر رہتی ہے اس لیے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ زمانے کی تلخیوں سے بچنے کے لیے مال کی حفاظت زیادہ اہم ہے بعض اوقات عام لوگوں پر بھی ایسے شخص کا بخل منکشف ہوجاتا ہے۔ مثلاً کوئی شکدست کسی مالدار کے پڑوس میں رہے اور وہ اپنے مال کی زکوٰۃ اسے نہ دے ' اور یہ کہہ دے کہ میں اپنی زکوٰۃ ادا کرچکا ہوں اور زکوٰۃ کے علاوہ مجھ پر کچھ واجب نہیں ہے یہ بات یقیناً بری ہے لیکن یہ برائی بھی مالدار کے مال کی مقدار ' اور محتاج کی ضرورت اور اس کی دینداری اور نیکی کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے۔ جو شخص شریعت اور مروّت کے واجبات ادا کرے وہ بخل سے بری ہوگا تاہم اسے الجود والسخاء کے وصف سے متصف نہیں کیا جائے گا۔ جب تک وہ یہ فضیلت ' اور بلند

درجات حاصل کرنے کے لیے واجبات سے زائد مال خرچ نہ کرے گا۔ اگر کسی شخص پر کوئی شرعی واجب نہ ہو اور وہ محض مروّت کے تقاضے سے خرچ کرنا چاہتا ہو، حالانکہ اگر وہ خرچ نہ کرے تو اسے ہدف ملامت بھی نہیں بننا پڑے گا، ایسا شخص اتنا ہی سخی ہے جتنی اس کے اندر خرچ کرنے کی خواہش ہے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ قلت و کثرت کے بے شمار درجات ہیں۔ اسی لیے بعض لوگ بعض سے زیادہ سخی ہوتے ہیں۔

بہرحال کسی کے ساتھ مروّت اور عادت کی رو سے اچھا سلوک کرنا ہے، بشرطیکہ وہ دل کی خوشی کے ساتھ ہو، کسی لالچ، خدمت کی توقع، بدلے، شکر، اور تعریف کی خاطر نہ ہو، جو شخص تعریف و توصیف کی خاطر کسی کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے وہ در اصل تاجر ہے سخی نہیں ہے، وہ اپنے مال سے تعریف خرید رہا ہے، تعریف کی لذت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، وہ اسی لذت کے حصول کے لیے مال خرچ کر رہا ہے، حالانکہ سخاوت بلا عوض خرچ کرنے کا نام ہے، انسانوں پر لفظ سخاوت کا اطلاق حقیقی نہیں ہے، مجازی ہے، اس لیے کہ وہ بلا مقصد خرچ نہیں کرتا۔ اگر اس کا بظاہر کوئی دنیاوی مقصد نہ بھی ہو تب بھی آخرت کے ثواب اور سخاوت کی فضیلت کا حصول، اور بخل کے رذائل سے نفس کی تطہیر اس کے مقاصد میں ضرور شامل ہوتی ہے۔ اور اسی لیے اسے سخی بھی کہا جاتا ہے، اگر مذمت کے خوف اور لوگوں کی ملامت کے اندیشے کی وجہ سے دے، یا جسے دیتا ہے اس سے نفع کا متمنی ہو تو اس خرچ کو جود یا سخاوت نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ وہ ان اسباب و محرکات کی بنا پر خرچ کرنے پر مجبور ہوا ہے، اس نے کسی اندرونی جذبے، یا دل کے داعیے سے خرچ نہیں کیا، اسے عوض لینے والا کہیں گے سخی نہیں کہیں گے۔ ایک عابدہ حبان ابن بلال کے پاس کھڑی ہوئی، وہ اپنے دوستوں میں بیٹھے ہوئے تھے اس نے ان سے پوچھا کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس سے میں کوئی مسئلہ دریافت کرسکوں۔ لوگوں نے کہا: ہاں جو چاہو حبان ابن بلال سے پوچھ سکتی ہو، عورت نے سوال کیا تم سخاوت کے کیا معنی لیتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ سخاوت کے معنی ہیں دینا، خرچ کرنا اور ایثار کرنا۔ اس نے کہا: یہ دنیا کی سخاوت ہے، دین کی سخاوت کیا ہے؟ انہوں نے کہا دین کی سخاوت یہ ہے کہ ہم خوش دلی کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور عبادت کی مشقت ہمارے دلوں اور جسموں پر گراں نہ گذرے، اس نے پوچھا کیا تم اپنی اس عبادت سے ثواب کی بھی نیت رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! کیوں نہیں! ہم ثواب کی نیت رکھتے ہیں عورت نے دریافت کیا: کیوں؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے ایک کے بدلے دس دینے کا وعدہ کیا ہے، عورت نے حیرت سے کہا: چہ خوب! ایک دے کر تم دس لینے کی خواہش رکھتے ہو، اور اسے سخاوت بھی کہتے ہو، انہوں نے دریافت کیا: تمہارے نزدیک سخاوت کا کیا مطلب ہے؟ اس نے کہا: میرے نزدیک سخاوت یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تمہیں اس میں لذت ملے، تمہارے دلوں پر گرانی نہ ہو، اور تم اپنی اس اطاعت پر کسی صلے یا اجر کی تمنا نہ رکھتے ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔ کیا تمہیں اس بات سے شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی حالت کا علم ہے، وہ یہ جانتا ہے کہ تم ایک کے عوض دس نیکیوں کے لالچ میں عبادت کر رہے ہو۔ یہ بات تو لین دینا بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص انہیں کچھ دے اور پھر اس کے صلے کی امید رکھے۔

ایک اور عابدہ خاتون کہتی ہیں کہ تمہارا خیال یہ ہے کہ سخاوت درہم و دینار سے ہوتی ہے۔ لوگوں نے پوچھا پھر سخاوت کس چیز سے کی جاتی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میرے نزدیک سخاوت جان سے کرنی چاہیے۔ محاسبی کے قول سے اس جملے کی تفصیل ہوتی ہے، انہوں نے فرمایا: دین میں سخاوت یہ ہے کہ شخص اللہ کے لیے اپنی جان داؤ پر لگادے، اور دین کی خاطر جان کی قربانی بری معلوم نہ ہو، دل کی سخاوت اسے جان کی قربانی پر مجبور کرے، لیکن وہ اپنے اس عمل پر کسی اجر کی خواہش نہ رکھے، نہ اس وقت، اور نہ آئندہ کسی موقع پر اگرچہ ثواب کی ضرورت ہی کیوں نہ ہو، مگر کمال سخاوت یہ ہے کہ ثواب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار پر چھوڑ دے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ وہ معاملہ کرے جس کی اسے امید بھی نہ ہو۔

بخل کا علاج : بخل مال کی محبت سے پیدا ہوتا ہے، اور مال کی محبت کے دو سبب ہیں۔

مال کی محبت کا پہلا سبب : شہوات کی محبت ہے کہ مال کے بغیر ان کا حصول ممکن نہیں ہے' اسی طولِ اَمل..... یعنی اپنی زیادتی عمر کی آرزو بھی داخل ہے' اس لیے کہ اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ایک دن بعد اس دار فانی سے کوچ کر جائے گا تو شاید بخل نہ کرے' اس لیے کہ وہ مقدار جو ایک دن' یا ایک ماہ' یا ایک سال کے لیے کافی ہو تھوڑی ہوتی ہے' اس کے علاوہ وہ اپنا باقی تمام سرمایہ خرچ کر سکتا ہے' بعض اوقات آدمی طولِ عمر کا متمنی نہیں ہوتا لیکن اولاد طولِ اَمل کے قائم مقام بن جاتی ہے' وہ ان کی بقا کے لیے اسی طرح جدوجہد کرتا ہے جس طرح خود اپنی ذات کی بقا کے لیے جدوجہد کرتا ہے' اسی لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

الولد مبخلة مجبنة مجهلة (ابن ماجہ۔ یعلی ابن مرة)

اولاد سے بخل' بزدلی اور جہالت پیدا ہوتی ہے۔

اور اگر اس پر فقر کا خوف اور رزق کی آمد پر بے اعتمادی زائد ہو جائے تو یہ بخل اور قوی ہو جاتا ہے۔

دوسرا سبب : یہ ہے کہ کوئی شخص نفسِ مال سے محبت رکھتا ہو۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس باقی تمام زندگی گذارنے کے لیے سرمایہ موجود ہے بشرطیکہ وہ معمول کے مطابق خرچ کریں' بلکہ اتنا سرمایہ ہے کہ خرچ کرنے کے باوجود باقی رہ جائے اولاد سے محروم ہیں دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں' لیکن زکوٰۃ نکالنے کو دل نہیں چاہتا' حد یہ ہے کہ اپنی بیماری کا علاج کرنے پر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی' بلکہ وہ دینار سے محبت کرنے والے اور درہم کے عشاق ہیں' اپنے پاس ان کے وجود' اور ان پر اپنی قدرت سے لطف اندوز ہوتے ہیں انہیں زیرِ زمین دفن کر دیتے ہیں حالانکہ وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ انہیں مرجانا ہے' اور موت کے بعد یہ تمام خزانہ ضائع ہو جائے گا یا دشمنوں کے ہاتھ لگے گا۔ اس کے باوجود نہ وہ اپنے آپ کو کھانے کی اجازت دیتے ہیں اور نہ اس میں سے ایک حبّہ بھی خرچ کرتے ہیں' یہ دل کا نہایت عظیم اور سنگین مرض ہے' اس مرض کا علاج انتہائی مشکل ہے' خاص طور پر بڑھاپے میں یہ ایک لاعلاج مرض کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال اس عاشق کی سی ہے جو اپنے محبوب کی طرف کسی کو اپنا سفیر بنا کر بھیجے اور پھر سفیر ہی سے محبت کرنے لگے' محبوب کو فراموش کر دے مال بھی سفیر کی حیثیت رکھتا ہے' اس کے ذریعہ آدمی اپنی ضرورتیں پوری کرتا ہے' اسی لیے لوگ مال کو محبوب رکھتے ہیں' اور اس سے لذت پاتے ہیں کیونکہ لذت کا باعث بھی لذیذ ہی ہوتا ہے پھر کبھی حاجتیں بھلا دی جاتی ہیں اور مال حقیقی محبوب ہو جاتا ہے یہ انتہائی گمراہی ہے۔ سونے اور پتھر میں فرق سمجھنے والا جاہل ہے' اِلّا یہ کہ سونے سے ضرورتیں پوری ہوتی ہیں ضرورت سے زائد بچنے والا مال پتھر کے برابر ہے۔

علاج کے مختلف طریقے : یہ ہیں بخل کے اسباب یہ بات معلوم ہے کہ ہر علّت کا علاج اس کے سبب کی ضد سے ہوا کرتا ہے چنانچہ شہوتوں کی محبت کا علاج کم پر قناعت' اور صبر کے ذریعہ ہوگا۔ اور طولِ امل کا علاج موت کے ذکر کی کثرت اور ہم عصروں کی موت' مال جمع کرنے میں ان کے تعب اور مرنے کے بعد جمع کردہ مال کے ضیاع کے مسلسل مشاہدے سے ہوگا۔ اولاد کی طرف دل کے میلان کا علاج اس اعتقاد سے ہوگا کہ جس طرح میرے خالق نے مجھے رزق عطا کیا ہے اسی طرح اولاد کے ساتھ بھی رزق پیدا ہوا ہے' کتنے بچے ایسے ہوتے ہیں جنہیں باپ سے وراثت میں کچھ نہیں ملتا لیکن وہ اس سے زیادہ خوش حال زندگی گذارتے ہیں' ایسے شخص کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنی اولاد کے لئے مال اس لیے چھوڑتا ہے کہ وہ ٹھیک رہیں لیکن دولت پاکر وہ شر کے راستے پر چل پڑتے ہیں' اگر کسی کی اولاد نیک صالح اور دل میں اللہ کا خوف رکھنے والی ہے تب اسے اللہ کافی ہے' اسے اپنے باپ کے ترکے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر فاسق و بدکار ہے تو اس کے لئے ترکے میں مال چھوڑ کر بدکاری اور فسق پر اس کی اعانت کرنا صحیح نہیں ہے۔ فسق پر اعانت کے باعث گنہگار وہ بھی ہوگا۔ دل کا علاج اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے کہ بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف اور بخیل کے لیے عذاب میں جو اخبار و احادیث وارد ہوئی ہیں ان پر نظر رکھے' اور انہیں اپنے مستقل غور و فکر کا

موضوع بنائے رہے۔ ایک مفید دوا یہ بھی ہے کہ بخیلوں کے احوال کا مطالعہ کرے' اس سے طبیعت میں ان سے نفرت پیدا ہوگی' اور ان کے فعل بخل کی برائی کا احساس جاگے گا۔ بخیل بھی دوسرے کے بخل کو اچھا نہیں سمجھتا۔ ان کے احوال کے مطالعے سے یہ نتیجہ نکالے کہ اگر میں نے بخل کیا تو دوسرے لوگ بھی مجھے اسی طرح برا سمجھیں گے' جس طرح میں بخیلوں کو برا سمجھتا ہوں۔ مال کے مقاصد تک اپنا دائرہ فکر وسیع کر کے بھی قلب کا علاج کیا جاسکتا ہے' یہ سوچے کہ مال کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ مال ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس طرح صرف اتنا مال خرچ کرنا چاہئے جتنی ضرورت ہو' باقی مال راہ خدا میں خرچ کر کے اپنے لیے ذخیرۂ آخرت کرنا چاہئے۔

یہ وہ دوائیں ہیں جن کا تعلق علم و معرفت سے ہے۔ اگر کوئی شخص چشم بصیرت سے یہ دیکھ لے کہ خرچ کرنا اس کے لیے دنیا میں بھی بہتر ہے اور آخرت میں بھی تو خرچ کی طرف خود بخود طبیعت راغب ہوگی' جس شخص کا دل خرچ کرنے پر مائل ہو اسے اپنے دل کے اوّلین آواز پر لبیک کہتے ہوئے خرچ کر دینا چاہئے اس لیے کہ شیطان فقر و افلاس سے ڈراتا ہے اور اعمال خیر سے روک دیتا ہے۔ ابوالحسن البوشنجی کا واقعہ ہے کہ انہوں نے بیت الخلاء سے اپنے شاگرد کو آواز دی' اور فرمایا کہ میرا کرتا اتار کر فلاں شخص کو دے دو' شاگرد نے عرض کیا کہ آپ بیت الخلاء سے نکلنے تک صبر بھی فرما سکتے ہیں' انہوں نے فرمایا میں اپنے نفس پر مطمئن نہیں ہوں' یہ بدل بھی سکتا ہے' میرے دل میں اسی وقت یہ خیال پیدا ہوا ہے کہ میں اپنا کرتا فلاں کو ہدیہ کر دوں' اس خیال کو اسی وقت عملی جامہ پہنا دینا مناسب ہے' کیا معلوم یہ خیال باقی رہے یا نہ رہے۔

بتکلف خرچ کرنے سے بخل کی صفت کا ازالہ: بخل کی صفت بتکلف خرچ کئے بغیر زائل نہیں ہوتی۔ جس طرح عشق اس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک سفر سے دوری پیدا نہیں ہوتی' اگرچہ معشوق کو چھوڑ کر جانا' اور اس سے جدا ہونا انتہائی شاق ہوتا ہے' لیکن اگر ایک مرتبہ یہ مشقت برداشت کرلی جائے تو دور رہ کر تسلیٔ قلب کا کچھ نہ کچھ سامان ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کو اپنا بخل زائل کرنا ہو اسے بتکلف اپنے مال سے مفارقت اختیار کرلینی چاہئے' خواہ مال خرچ کر کے' یا دریا میں ڈال کر۔ دریا میں بہا دینا جمع رکھنے سے بہتر ہے۔ بخل سے بچنے کی ایک عمدہ تدبیر یہ ہے کہ اپنے آپ کو فریب دے اور نفس کو باور کرائے کہ داد و دہش سے شہرت اور وقار حاصل ہوگا' لوگ سخی کہیں گے شروع میں اس کا یہ عمل ریاء کہلائے گا پھر یہ طبیعت کا وصف بن جائے گا' اور نام و نمود کی خواہش کے بغیر ہی دل یہ چاہے گا کہ مال خرچ کیا جائے یہ صحیح ہے کہ اس تدبیر سے بخل کی صفت تو زائل ہو جاتی ہے' لیکن دل ریا کی خباثت سے آلودہ ہو جاتا ہے لیکن ریا کا ازالہ اتنا مشکل نہیں جتنا مشکل بخل کا ازالہ ہے' اس لیے اگر بخل کا وصف باقی نہ رہے تو ریاء کی صفت دور کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ اصل میں نام و نمود' اور شہرت مال جانے کے بعد تسکین دل کا ایک سامان ہے' جس طرح چھوٹے بچوں کو دودھ چھڑانے کے بعد چڑیوں سے بہلایا جاتا ہے' تاکہ وہ کھیل میں منہمک ہو کر دودھ کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ پھر جب وہ دودھ سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں تو انہیں کھیل سے بھی دور کر دیا جاتا ہے۔ ان عادات خبیثہ کا بھی یہی حال ہے کہ ان میں سے ایک کو دوسری پر مسلط کر دیا جاتا ہے مثلاً شہوت کو غضب پر مسلط کر کے اس کی حدت کم کی جاتی ہے' اور غضب کو شہوت پر مسلط کر کے اس کی رعونت ختم کی جاتی ہے' لیکن یہ تدبیر صرف ایسے شخص کے حق میں مفید ہے جس کی طبیعت پر حبّ جاہ اور ریاء کے مقابلے میں بخل کی صفت زیادہ اثر انداز ہو' اس طرح قوی کو ضعیف سے بدلا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص اتنا ہی جاہ پسند ہے جتنا وہ مال کو محبوب رکھتا ہے تب بخل کو جاہ کے ذریعے ختم کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے' اس طرح ایک خبث ختم ہوگا' اور اسی درجے کا دوسرا خبث پیدا ہو جائے گا اس کی علامت کہ فلاں شخص پر بخل غالب ہے یا ریاء' یہ ہے کہ اس شخص کو ریاء کی خاطر خرچ کرنا شاق نہ گذرتا ہو۔ اگر ایسا ہے تو کہا جائے گا کہ اس پر ریا غالب ہے کیوں کہ وہ ریاء کے لیے مال جیسی محبوب چیز خرچ کرنے کے لیے تیار ہے۔ اور اگر ریاء کی خاطر خرچ کرنے میں طبیعت کو گرانی ہوتی ہو تو کہا جائے گا کہ اس پر بخل کا غلبہ ہے کیوں کہ وہ ریاء کے لیے مال خرچ کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔

ان اوصاف خبیثہ کو ایک دوسرے کے ذریعہ ختم کرنے کی مثال یہ ہے کہ میت کے اجزاء کیڑے بن جاتے ہیں' جب قبر میں کھانے کو کچھ باقی نہیں رہتا تو یہ کیڑے ہی ایک دوسرے کو کھاتے ہیں' یہاں تک کہ ان کی تعداد کم رہ جاتی ہے' اور آخر میں صرف دو بڑے بڑے کیڑے باقی رہ جاتے ہیں' جب کھانے کو کچھ نہیں ملتا تو وہ دونوں کیڑے ایک دوسرے پر حملہ کرتے ہیں' اور ان میں سے جو غالب آتا ہے وہ دوسرے کو کھالیتا ہے اور جب یہ خوراک بھی ختم ہو جاتی ہے تب غالب آنے والا کیڑا بھی بھوک سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صفات خبیثہ میں بھی ممکن ہے کہ ان میں جو صفت ضعیف ہو وہ قوی صفت کی غذا روک دی جائے۔ اور ان صفات کی غذا روکنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی مقتضا پر عمل نہ کیا جائے' اس طرح خود بخود وہ صفت کمزور ہو جائے گی اور بالآخر ختم ہو جائے گی' مثلاً بخل کا مقتضا یہ ہے کہ مال روکا جائے' اگر اس کے مقتضا کے خلاف مال خرچ کیا جائے خواہ ایسا کرنے میں کتنی ہی بڑی دشواری کیوں نہ پیش آئے' اور کتنی ہی تکلیف برداشت کرنی پڑے تو بخل کی صفت خود بخود مٹ جائے گی خرچ کرنے کو دل چاہے گا' اور طبیعت پر گرانی نہیں ہوگی'

بخل کا علمی اور عملی علاج :- خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بخل کا علاج علمی بھی ہے اور عملی بھی' علمی علاج یہ ہے کہ بخل کے نقصانات اور سخاوت کے فوائد کا علم حاصل کیا جائے' اور عملی علاج یہ ہے کہ طبیعت کو بتکلف خرچ کرنے پر آمادہ کیا جائے' کبھی کبھی بخل کا وصف اتنا قوی اور غالب ہوتا ہے کہ آدمی کو اندھا بہرا کر دیتا ہے' اور اسے بخل میں کوئی برائی کا وصف اتنا قوی اور غالب ہوتا ہے کہ آدمی کو اندھا بہرا کر دیتا ہے' اور اسے بخل میں کوئی برائی' اور سخاوت میں کوئی اچھائی نظر نہیں آتی' یعنی معرفت حاصل نہیں ہوتی' اور معرفت کے بغیر جو کہ عملی جذبے کو تحرک نہیں ہوتی' اس صورت میں یہ وصف ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہ جاتا ہے' جس طرح وہ مرض موت پر منتہی ہوتا ہے جس کی دوا کی پہچان نہ رہے' اور کوئی علاج کارگر نہ ہو۔

مشائخ کی عادات :- بخل کے علاج کے سلسلے میں بعض مشائخ صوفیاء کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے مریدین کو کسی خاص گوشے میں پڑے نہ رہنے دیتے بلکہ جب یہ دیکھتے کہ فلاں مرید اپنے گوشے میں پڑا پڑا یہ سمجھنے لگا ہے کہ میں اس جگہ کا مالک ہوں یا جو مال و متاع یہاں موجود ہے میرا ہے اسے اس کے مخصوص گوشے سے نکال کر کہیں اور بھیج دیتے' اور اس کا وہ مال و متاع بھی کسی دوسرے کے تصرف میں دے دیتے۔ اسی طرح اگر کسی مرید کو دیکھتے کہ نیا کپڑا پہن کر خوش ہے' یا عمدہ جائے نماز پاکر اسی کی طرف متوجہ ہے' تو وہ کپڑا یا جائے نماز اس کی ملکیت سے نکال کر دوسرے کو دے دیتے۔ اور کوئی ایسا پھٹا پرانا کپڑا اسے دے دیتے جس کی طرف طبیعت بالکل راغب نہ ہو' صوفیاء کا یہ طریقۂ علاج یقیناً نہایت مؤثر ہے' اس طرح دل دنیا کے مال و متاع سے دور رہ سکتا ہے۔ جو شخص یہ راہ نہیں چلتا وہ دنیا سے مانوس ہو جاتا ہے اور اس کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے اور دنیا کی ہر چیز کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے' اگر اس کے پاس ہزار چیزیں ہوتی ہیں وہ ان سب سے محبت کرتا ہے' ان میں سے ایک چیز بھی چوری ہو جاتی ہے تو وہ اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف محبوب کی جدائی پر ہوتی ہے' اور موت تو گویا اس کے لیے اپنے جلو میں ہزار مصیبتیں' اور ہزار محبوبوں کی جدائی کی تکلیف لے کر آتی ہے۔ کسی بادشاہ کا قصہ ہے کہ اس کے سامنے جواہر سے مرصع فیروزہ کا ایک ایسا خوبصورت پیالہ پیش کیا گیا جس کی نظیر روئے زمین پر نہیں تھی۔ بادشاہ یہ پیالہ دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اس نے اپنے حاشیۂ نشین اصحاب عقل میں سے کسی سے پوچھا کہ اس پیالے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اسے مصیبت یا فقر سمجھتا ہوں بادشاہ نے پوچھا: وہ کیسے؟ اس نے کہا: اگر یہ ٹوٹ جائے تو ایسا نقصان ہوگا جس کی تلافی ممکن نہیں' چوری ہو جائے تو تم اس کے محتاج ہو جاؤ گے۔ اور تمہیں اس کا ثانی نہیں ملے گا' جب تک یہ تمہارے پاس نہیں تھا تم مصیبت اور احتیاج دونوں سے محفوظ تھے' اتفاق سے ایک روز وہ پیالہ ٹوٹ گیا یا چوری ہو گیا تو بادشاہ کا غم قابل دید تھا' اس وقت حکیم کی بات یاد آئی' اور دل سے یہ آواز نکلی کاش یہ پیالہ میرے پاس نہ لایا گیا ہوتا۔

دنیا کے تمام مال و متاع کا یہی حال ہے دنیا اللہ کے دشمنوں کی دشمن ہے اس لیے کہ وہ انہیں دوزخ کی طرف ہنکاتی ہے' اور اللہ کے دوستوں کی بھی دشمن ہے اس لیے کہ انہیں دنیا پر صبر کرنے کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے' یہ اللہ کی بھی دشمن ہے کہ اس کے بندوں کو اس کے راستے پر چلنے سے روکتی ہے' خود اپنی دشمن بھی ہے کہ اپنے آپ کو کھاتی ہے' اور وہ اس طرح کہ مال کی حفاظت پاسبانوں سے ہوتی ہے' اور پاسبانوں کا نظم مال خرچ کرنے سے ہوتا ہے' گویا دنیا کی حفاظت میں دنیا جاتی ہے' یہاں تک کہ فنا ہوجائے' اور کچھ بھی باقی نہ رہے۔ جو شخص مال کی آفت سے واقف ہوتا ہے وہ اس سے مانوس نہیں ہوتا' اور نہ اس کے حصول پر خوشی مناتا ہے۔ اور نہ اس میں سے اپنی ضرورت سے زائد لیتا ہے اور جو شخص قدر ضرورت پر قانع ہوتا ہے وہ بخل نہیں کرتا کیوں کہ بقدر ضرورت مال روکنا بخل نہیں ہے' اور جس مال کی ضرورت نہیں وہ اس کی حفاظت کرکے اپنے نفس کو مشقت میں نہیں ڈالتا' بلکہ اسے خرچ کرڈالتا ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دجلہ کے کنارے کھڑا ہوا سے پانی دینے میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔

مال کے سلسلے میں انسان کے فرائض پر ایک نظر

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کرچکے ہیں کہ مال ایک اعتبار سے خیر ہے' اور ایک اعتبار سے شر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے سانپ کہ اس میں سے تریاق بھی نکلتا ہے' اور اس کا زہر جان لیوا بھی ہوتا ہے' مال میں تریاق بھی ہے' اور زہر بھی۔ اس کے زہر سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو اپنے فرائض پر نظر رکھے۔

پہلا فریضہ : یہ ہے کہ مال کے مقصود کا علم حاصل کرے' اور یہ جاننے کی کوشش کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کیوں پیدا کیا ہے' انسان مال کا محتاج کیوں ہے؟ یہ جاننے کے بعد آدمی اتنا ہی کمائے گا جتنا اسے اپنی ضروریات کے لیے کافی ہوگا' مقدارِ ضرورت سے زائد مال کی حفاظت نہ کرے گا' اور غیر مستحق کو اپنا مال نہ دے گا۔

دوسرا فریضہ : یہ ہے کہ آمدنی کے ذرائع پر نظر رکھے یعنی اس ذریعہ آمدنی سے اجتناب کرے جو خالص حرام ہو یا جس پر حرام کا غلبہ ہو جیسے بادشاہ کا مال۔ اسی طرح ان مکروہات سے بھی بچے جس سے جبینِ شرافت داغدار ہوتی ہو' جیسے وہ ہدیہ جس میں رشوت کا شائبہ ہو' یا وہ سوال جس میں رسوائی اور ذلت ہو۔

تیسرا فریضہ : یہ ہے کہ معیشت کی مقدار ملحوظ رہے۔ نہ ضرورت سے زیادہ حاصل کرے اور نہ ضرورت سے کم۔ ضرورت کا تعلق تین چیزوں سے ہے' روٹی' کپڑا اور مکان۔ ان میں سے ہر ایک کے تین درجے ہیں' ادنیٰ' اعلیٰ اور اوسط۔ جب تک آدمی قلت کی جانب مائل اور حد ضرورت سے قریب رہے گا' اور اس سے تجاوز کرے گا تو اتنے گہرے غار میں گرے گا جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ ہم نے کتاب الزہد میں ان درجات کی تفصیل بیان کی ہے۔

چوتھا فریضہ : یہ ہے کہ خرچ کے مواقع بھی نگاہ میں رہیں خرچ میں اعتدال ہو' نہ اسراف ہو' اور نہ حد سے زیادہ تنگی' جس طرح حلال طریقے پر کمایا ہے اسی طرح حلال طریقے پر خرچ کرے۔ جس طرح ناحق لینا گناہ ہے اسی طرح ناحق خرچ کرنا بھی گناہ ہے۔

پانچواں فریضہ : یہ ہے کہ مال لینے' دینے' روکنے اور خرچ کرنے میں اپنی نیت صحیح رکھے۔ جو مال لے اس سے عبادت پر استعانت کی نیت ہو' اور جو مال چھوڑے اس میں زہد کی نیت ہو' ایسا کرے گا تو مال کا وجود نقصان دہ نہیں ہوگا۔ اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص دنیا کے تمام خزانوں کا مالک بن جائے اور باری تعالیٰ کی رضاجوئی کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو تو اسے زاہد کہا جائے گا' اور اگر تمام مال خرچ کردے لیکن اللہ کی خوشنودی مقصود نہ ہو تو اسے زاہد نہیں کہا جائے گا۔ تمہاری تمام حرکات و سکنات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہونی چاہئیں یا وہ حرکات عبادت ہوں' یا ان سے عبادت پر مدد ملتی

ہو۔ عبادت سے بعید تر عمل دو ہیں کھانا' اور قضائے حاجت کرنا۔ لیکن یہ دونوں عمل عبادت پر آدمی کی مدد کرتے ہیں۔ اس لیے اگر کوئی شخص کھانے اور قضائے حاجت سے اچھی نیت رکھے تو یہ عمل بھی اس کے حق میں عبادت بن جائیں گے' ہر عمل میں تمہاری یہی نیت ہونی چاہئے' تم اپنے کسی معمولی سے مال کی حفاظت بھی کرو تو یہی سمجھ کر کرو کہ اس سے دین پر مدد ملتی ہے' کُرتا' پاجامہ' بستر' برتن کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے دین پر اعانت نہ ہوتی ہو' اور یہ تمام چیزیں زندگی کے لیے ضروری ہیں ضرورت سے زائد چیزوں کو اپنے پاس رکھنے کے بجائے یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ کے دوسرے بندے ان سے نفع حاصل کرلیں۔ اسی لیے اگر کوئی شخص اپنی ضرورت لے کر تمہارے پاس آئے' اور وہ چیز جس کا وہ طلب گار ہے تم سے زائد ہو تو تمہیں انکار نہ کرنا چاہئے۔

ان اصولوں پر کاربند رہنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو سانپ سے اس کا اصل' جو ہر تریاق نکال لے' اور اس کے زہر سے محفوظ رہے' ایسے شخص کو مال کی کثرت سے ضرر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ خصوصیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو دین میں کامل رسوخ رکھتا ہو' اور اس کا علم انتہائی اعلیٰ ہو۔ جو شخص مال جمع کرکے یہ خیال کرے کہ میں مالدار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح ہوں جس طرح وہ دولت رکھتے تھے اسی طرح میں بھی رکھتا ہوں ایسا شخص نادان بچے کے مشابہ ہے جو کسی ماہر فن سپیرے کو سانپ پر قابو پاتے ہوئے دیکھ کر خود بھی سانپ کو پکڑنے کی کوشش کرے اور یہ سوچے کہ جس طرح اس نے سانپ کو اپنے قابو میں کرلیا تھا اسی طرح میں بھی کرلوں گا یہ بچہ یقیناً ہلاک ہوگا۔ ان دونوں میں یہی فرق ہے کہ سانپ کا کاٹا ہوا معلوم ہوتا ہے' لیکن مال کے ہاتھوں قتل ہونے والا مقتول دکھائی نہیں دیتا۔ اس شعر میں دنیا کو سانپ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

هی دنیا کحیة تنفث السم وان کانت المجسة لانت

(یہ دنیا سانپ کی طرح زہر اُگلتی ہے اگرچہ چھونے میں نہایت نرم و نازک ہے)

جس طرح پہاڑوں کی چوٹیاں بسر کرنے' سمندروں کے سینے چیرنے' اور خاردار وادیاں طے کرنے میں کسی بینا کو نابینا کے مشابہ نہیں کہا جاسکتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ مال کو صحیح طور پر استعمال کرنے میں عام آدمی عالم کامل کے مشابہ ہو۔

مالداری کی مذمت اور فقر کی تعریف

مالداری افضل ہے یا فقر؟ اس سلسلے میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ شاکر مالدار کا رتبہ بلند ہے یا صابر غریب کا۔ ہم نے اس اختلاف کی تفصیل و تحقیق کتاب الزہد والفقر میں کی ہے' یہاں ہم صرف اتنا لکھتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی فقر افضل ہے' اس موقع پر ہم حالات کے اختلاف کا ذکر کرکے موضوع کو طول دینا نہیں چاہتے بلکہ فقر کی فضیلت میں ہم صرف وہ کلام نقل کرنا چاہتے ہیں جو حرث محاسبی نے اپنی کسی کتاب میں نقل کیا ہے' اس کے ذریعہ انہوں نے ان مالدار علماء پر رد کیا ہے جو مالدار صحابہ اور عبدالرحمٰن ابن عوف کی بے پناہ دولت کے حوالے سے خود کو اسی سطح پر دیکھتے ہیں۔ محاسبی کی شان یہ ہے کہ وہ علم معاملت پر عبور رکھنے والے بزرگ ہیں' اور اس میدان کے ہر نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہیں نفس کے عیوب' مال کی آفات' اور عبادت کے اسرار اپنی بحث کا موضوع بنانے والے تمام محقق علماء و مصنفین پر انہیں برتری حاصل ہے' ان کا کلام اس لائق ہے کہ اسے بہ لفظ نقل کیا جائے محاسبی نے علمائے سوء پر رد کرنے کے بعد لکھا کہ ہمیں یہ روایت ملی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے علمائے سوء کے متعلق ارشاد فرمایا "اے علمائے سوء! تم روزے رکھتے ہو' نمازیں پڑھتے ہو' صدقہ و خیرات کرتے ہو' لیکن جس بات کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ نہیں کرتے' اور جو نہیں کرتے دوسروں کو اس کی تلقین کرتے ہو۔ جو تم کررہے ہو وہ ایک برا عمل ہے' بظاہر زبان سے توبہ کرلیتے ہو' لیکن عمل نفس کی خواہشات پر کرتے ہو۔ تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ تمہارے ظاہری بدن صاف ستھرے ہوں اور دلوں میں گندگی بھری ہو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم چھلنی کی طرح مت بنو' جس میں سے آٹا نکل جاتا ہے' اور بھوسی باقی رہ جاتی ہے' اسی طرح تمہاری زبانوں سے علوم و معارف کے موتی نکلتے ہیں' لیکن باطن میں نجاستیں رہ جاتی ہیں۔ دنیا کے غلامو! وہ

شخص آخرت کیسے پائے گا جس کی دنیاوی شہوتوں' اور نفسانی خواہشوں کا سلسلہ منقطع نہ ہو۔ میں سچ کہتا ہوں' تمہارے قلوب تمہارے اعمال پر آنسو بہاتے ہیں۔ تم نے اپنی دنیا اپنی زبانوں کے نیچے رکھ دی ہے۔ اور اعمال قدموں کے تلے ڈال دئے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں تم نے اپنی آخرت تباہ و برباد کرلی ہے۔ تمہیں دنیا کی فلاح آخرت کی فلاح سے زیادہ محبوب ہے' تم سے زیادہ نقصان میں کون ہوگا؟ کاش تم اپنے انجام کی خرابی سے واقف ہوجاتے۔ تم کب تک اندھیروں میں چلنے والوں کو راستہ دکھلاؤ گے' اور خود سرگرداں رہو گے۔ ایسا لگتا ہے کہ تم دنیاداروں کو ترک دنیا کی اسی لیے تلقین کرتے ہو کہ ساری دنیا تمہاری ہوجائے۔ بس کرو بس کرو۔ جہاں تک جاچکے ہو اس سے آگے مت جاؤ۔ بھلا یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ گھر کی چھت پر قندیلیں روشن کردی جائیں اور اس کے کمرے' صحن اور نچلے حصے تاریکیوں میں ڈوبے رہیں۔ اسی طرح اگر تمہارے جسموں سے نور پھوٹتا رہے اور تمہارے دلوں میں اندھیرے پروان چڑھتے رہیں تو کیا اس سے کوئی فائدہ ہوگا۔ دنیا کے غلامو! نہ تم میں خوف خدا ہے' اور نہ بزرگی عجب نہیں کہ دنیا تمہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور اوندھے منہ ڈال دے' پھر تمہیں پیٹ کے بل گھسیٹتی پھرے' تمہارے گناہ تمہارے بال جکڑ لیں اور تمہیں پیچھے سے دھکا دیں۔ اور اس حالت میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں کہ نہ تمہارے بدن پر کپڑے ہوں' اور نہ کوئی شخص تمہارا ساتھی اور ہمدرد ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے بد عملیوں پر مشتمل فرد جرم سنائے اور تمہیں سزا دے جس کے تم مستحق ہو۔" اس کے بعد حرث الحاسبیؒ نے فرمایا: دوستو! یہ علماءِ سوء' انسانوں کے شیاطین ہیں' اور دنیا میں فتنہ و فساد برپا کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کے مال و متاع اور جاہ و رفعت کے حریص ہیں اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں' انہوں نے دین کو دنیا کی خاطر ذلیل کیا ہے۔ یہ دنیا میں بھی باعث ننگ و عار ہیں' اور آخرت میں بھی نقصان اٹھانے والے ہیں' ہاں اگر اللہ کریم ہی انہیں اپنے دامن عفو میں جگہ دے تو اور بات ہے۔ میں نے دنیاوی لذات میں مستغرق' اور اس کے عارضی مال و متاع کو ترجیح دینے والے شخص کو خوشی دیکھی ہے کہ وہ کدورت آمیز ہے۔ اس کو خوشی کے بطن سے بے شمار تفکرات' اور اندیشے اور طرح طرح کے گناہ جنم لیتے ہیں۔ اس شخص کا انجام بھی اچھا نہیں ہوتا۔ نہ اسے دنیا ملتی ہے' اور نہ دین سلامت رہتا ہے۔ وہ بالکل اس آیت کا مصداق ہوتا ہے۔

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ (پ ۱۷ ر ۹ آیت ۱۱)

دنیا و آخرت دونوں کو کھو بیٹھا یہی کھلا نقصان ہے۔

اس سے بڑی مصیبت اور اس سے زیادہ سنگین آفت اور کون سی ہوسکتی ہے کہ نہ دنیا ہاتھ آئے اور نہ دین باقی رہے۔ بھائیو! اللہ کی طرف دھیان دو' تمہیں شیطان اور اس کے دوستوں کے فریب میں نہ آنا چاہیے' یہ لوگ باطل دلائل پر اپنے خیالات کی بنیاد قائم کرتے ہیں' پہلے تو دنیا پر کتوں کی طرح جھپٹتے ہیں' اور پھر اعذار' اور دلائل تلاش کرتے ہیں' اور اس طرح کے دعوے کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی مال و دولت رکھتے تھے' یہ فریب خوردہ لوگ صحابہ کے مقدس ناموں کو اپنی بد عملی کے لیے دلیل بنالیتے ہیں تاکہ لوگ مال جمع کرنے میں انہیں معذور سمجھیں' بلکہ یہ تصور کریں کہ صحابہ کے اسوہ پر عمل کرنے والے صحیح معنی میں یہی مالدار علماء ہیں شیطان انہیں اپنے فریب کے جال میں پھنسائے ہوئے ہے' اگرچہ انہیں اس کا احساس نہیں ہے۔

صحابہ کی مالداری کو حجت بنانا صحیح نہیں : احمق! اللہ تجھے ہلاک کرے۔ تو عبدالرحمٰن ابن عوف کی مالداری کو دلیل بناتا ہے' یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے' جو تیری زبان سے الفاظ کی صورت اختیار کرتا ہے' اور تجھے ہلاکت میں ڈال دیتا ہے' تو جب دولت سمیٹنے کی اپنی خواہش کو صحابہ کے کردار کے آئینے میں دیکھتا ہے تو گویا تو یوں کہتا ہے کہ صحابہ کرام نے بھی زینت' اسراف' اور کثرت کے لیے مال جمع کیا تھا یہ ایک تہمت ہے جو تو ان قدسی صفت نفوس پر لگاتا ہے اور ایک ایسے امر عظیم کی طرف ان کی نسبت کرتا ہے جس سے وہ قطعی بری الذمہ تھے تیرا یہ گمان کہ حلال مال جمع کرنا افضل ہے دراصل سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء و مرسلین پر یہ اتہام ہے کہ انہوں نے مال جمع کرنے کی فضیلت حاصل نہیں کی' اور دنیا سے کنارہ کش رہ کر نعوذ باللہ وہ ایک خیر

کثیر، اور اجر عظیم سے محروم رہے، تمہارے اس گمان کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جاننے کے باوجود کہ مال جمع کرنا افضل ہے اپنی امت کو اس فضیلت سے محروم رکھا، اور انہیں مال جمع کرنے سے منع فرمایا۔(۱) تیرا یہ گمان باطل، اور لغو ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے نہایت شفیق تھے، وہ اسے کسی بھی فضیلت سے خواہ وہ کتنی ہی ادنیٰ کیوں نہ ہو محروم نہیں رکھ سکتے تھے اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نظر نہیں فرمائی کہ انہیں مال جمع کرنے سے منع کردیا، جب کہ مال جمع کرنے کی بڑی فضیلت ہے یا یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) اس سے واقف نہیں کہ مال جمع کرنے میں فضیلت ہے اس لیے مال جمع کرنے سے روک دیا، جب کہ تو مال کے خیر و فضل سے واقف ہے۔ گویا تو خیر کے مواقع اللہ تعالیٰ سے زیادہ جانتا ہے۔ اے گمراہ! اپنی عقل سے کام لے، شیطان تجھے صحابہ کی مالداری کا حوالہ دے کر دھوکے میں ڈالتا ہے۔ کم بخت! تجھے عبدالرحمٰن ابن عوف کے مال کی کثرت کو اپنے لیے دلیل بنانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ان کی خواہش تو یہ تھی کہ وہ مال و دولت سے محروم رہتے، انہیں صرف اتنا میسّر ہوتا جس سے وہ گذر بسر کرتے۔ مجھے یہ روایت معلوم ہوئی ہے کہ جب عبدالرحمٰن ابن عوف نے رحلت فرمائی تو کسی صحابی نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن نے جو مال چھوڑا ہے ہمیں اس کی وجہ سے ان پر کچھ خوف ہے، کعب نے فرمایا: سبحان اللہ! ان پر کیسا خوف؟ انہوں نے جائز طریقے سے کمایا، جائز طریقے پر خرچ کیا، اور جائز دولت ترکے میں چھوڑ دی۔ کعب کی یہ بات حضرت ابوذر تک پہنچی، وہ نہایت خفگی کے عالم میں گھر سے نکلے، اونٹ کے بالوں کی رسّی لی، اور کعب کو تلاش کرنے لگے، کسی نے کعب سے کہا کہ ابوذرؓ تمہاری تلاش میں ہیں، وہ بھاگ کر حضرت عثمان کے پیچھے پناہ لی، ابوذرؓ نے فرمایا: اے یہودی کے بیٹے! تیرے خیال میں عبدالرحمٰن کے ترکے کی وجہ سے ہمیں ان پر خوف نہ کرنا چاہیے حالانکہ ایک دن سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جبلِ اُحد کی طرف تشریف لے گئے، میں آپ کے ساتھ تھا آپ نے مجھے مخاطب فرمایا: اے ابوذرؓ! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا:

الاکثرون هم الاقلون یوم القیامة الا من قال هکذا و هکذا عن یمینه و شماله و قدامه و خلفه، و قلیل ماهم

زیادہ دولت مند ہی قیامت کے دن کم مایہ ہوں گے مگر جس نے کہا ایسا ویسا دائیں سے بائیں سے، آگے سے، پیچھے سے، اور ایسے لوگ کم ہوں گے۔

اس کے بعد آپ نے پھر میرا نام لے کر آواز دی، میں نے عرض کیا: فرمایئے! یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا:

مایسرنی ان لی مثل احد انفقه فی سبیل اللّٰه اموت یوم اموت، واترک منه قیراطین قلت اوقنطارین یا رسول اللّٰه! قال بل قیراطان ثم قال: یا اباذر انت ترید الاکثر وانا ارید الاقل (احمد، ابو یعلی مختصراً)

اگر میرے پاس اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے احد کے برابر خزانہ ہو، پھر جس دن میں مروں اور اس خزانے میں سے جَو کے دو دانوں کے برابر بھی کچھ چھوڑوں تو مجھے یہ بات اچھی نہیں لگے گی، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ دو ڈھیر؟ آپ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ دو جَو۔ اے ابوذرؓ تو زیادہ کہتا ہے، اور میں کم کہتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو یہ کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن کے ترکے میں کوئی خوف نہیں ہے تو جھوٹ کہتا ہے، اور جو شخص بھی ایسا کہے گا وہ جھوٹا ہے، راوی کہتے ہیں کہ کعب نے مارے ڈر کے ان کی تردید نہیں کی۔ ہمیں یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ

---

(۱) مال جمع کرنے سے ممانعت کی روایت ابن عدی نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے نقل کی ہے "مااوحی اللّٰه الی ان اجمع المال واکون من التاجرین"

ایک مرتبہ عبدالرحمٰن ابن عوف کے اونٹ یمن سے مدینہ منورہ آئے، مدینے کی گلیوں میں اونٹوں کی آمد سے بڑا شور برپا ہوا۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت فرمایا یہ شور کیسا ہے؟ کسی نے عرض کیا: عبدالرحمٰن ابن عوف کے اونٹ یمن سے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے صحیح فرمایا: حضرت عبدالرحمٰن کو حضرت عائشہ کے اس مختصر تبصرے کی اطلاع ہوئی وہ تفصیل جاننے کے لیے حاضر خدمت ہوئے حضرت عائشہ نے فرمایا: میں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:۔ انی رایت الجنة فرایت فقراء المهاجرين والمسلمين يدخلون سعيا ولم ار احدا من الاغنياء يدخلها الا عبدالرحمن ابن عوف يدخلها معهم حبوا (احمد۔ مختصراً)

میں نے جنت میں دیکھا کہ مہاجرین اور مسلمانوں کے غریب لوگ دوڑتے ہوئے جنت میں داخل ہو رہے ہیں، مالداروں میں مجھے عبدالرحمٰن ابن عوف کے علاوہ کوئی نظر نہیں آیا وہ ان کے ساتھ گھٹنوں کے بل سرک رہے تھے۔

عبدالرحمٰن ابن عوف نے اپنے تمام اونٹ اور ان پر لدا ہوا غلّہ راہ خدا میں خیرات کردیا اور ان کے نگراں غلاموں کو آزاد کردیا تاکہ وہ جنت میں غریبوں کی طرح دوڑ کر داخل ہو سکیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن ابن عوف سے ارشاد فرمایا:۔ اما انک اول من يدخل الجنة من اغنياء امتي وما كلت ان تدخلها الا حبوا (بزار۔ انس)

میری امت کے مالداروں میں تم سب سے پہلے جنت میں جاؤ گے لیکن شاید گھٹنوں کے بل سرک کر۔

اے بدبخت! اب بتلا کہ صحابہ کی مالداری کو دلیل بنانا کہاں تک صحیح ہے، یہ عبدالرحمٰن ابن عوف ہیں جن کے بڑے فضائل ہیں، جن کا تقویٰ معروف ہے، اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں بے پناہ دولت خرچ کی ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا فیض اٹھایا، اور زبانِ رسالت سے جنت کی خوشخبری حاصل کی (ترمذی، نسائی۔ ابوبکرؓ) اس کے باوجود کہ انہوں نے اپنا مال حلال طریقے سے کمایا، اور جائز طریقے پر خرچ کیا وہ اس کی وجہ سے قیامت کے دن کی ہولناکیوں میں گھرے رہیں گے، اور جنت میں اتنی سرعت اور تیزی کے ساتھ داخل نہ ہو سکیں گے جس تیزی اور سرعت کے ساتھ فقراء جائیں گے، عبدالرحمٰن ابن عوف جیسی عظیم شخصیت پر ہم جیسے لوگوں کو قیاس کرنا جو سرتاپا دنیا کے فتنوں میں غرق ہیں حیرت انگیز ہے، اے بدباطن! تو مشتبہات میں لوٹ لگاتا ہے، حرام نعمتوں کو غذا بناتا ہے، لوگوں کی نجاستوں پر گرتا ہے، شہوات، زیب و زینت اور طرح طرح کے مکروہات میں پڑا ہوا ہے، اور دنیا کے فتنوں میں گرفتار ہے اس کے باوجود عبدالرحمٰن ابن عوف کی مالداری کا حوالہ دیتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ اگر میں نے مال جمع کرلیا تو کیا ہوا صحابہ نے بھی تو جمع کیا تھا گویا تو اس دور میں، اپنی تمام تر خباثتوں کے باوجود ان کا نمونہ ہے۔ بے وقوف! یہ سب ابلیس کے وسوسے ہیں، وہ اپنے دوستوں کو اسی طرح کے شکوک میں الجھا کر گمراہ کرتا ہے، میں تمہیں بتلاؤں گا کہ سلف کیا تھے، اور تم کیا ہو؟ بعض صحابہ اپنے پاس مال رکھتے تھے تاکہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے، اور راہِ خدا میں خرچ کرسکیں۔ انہوں نے یہ مال جائز ذرائع سے حاصل کیا۔ حلال کھایا، میانہ روی سے خرچ کیا، اور اسے آخرت میں سرخروئی کا ذریعہ بنایا، انہوں نے کسی کا حق نہیں مارا، بخل نہیں کیا، انہوں نے بیشتر مال اللہ کی راہ میں صدقہ کیا، اور بعض لوگوں نے پورا مال ہی صدقہ کیا۔ دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت پر ترجیح دی، میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تو بھی ایسا ہی ہے۔ ظاہر ہے ایسا نہیں ہے، تجھے ان اکابرین سلف سے ادنیٰ مشابہت بھی نہیں ہے۔

صحابہ کیسے تھے؟ : اجلّہ صحابہؓ کا حال یہ تھا کہ وہ مسکنت کو محبوب رکھتے تھے فقر و فاقہ کے خوف سے مامون تھے، اپنے رزق کے بارے میں انہیں اللہ پر بھروسہ تھا، وہ اپنی قسمت پر خوش تھے، مصائب میں راضی رہتے، خوشحالی میں شکر ادا کرتے، تنگی میں صبر کرتے، راحت میں اللہ کی ثناء کرتے، اللہ کے لیے انکساری کرتے، کبر اور علو پسندی اور کثرت مال پر فخر سے ڈرتے۔ انہوں نے دنیا کا صرف اتنا حصہ لیا جو ان کے لیے مباح تھا، وہ مقدار حاجت پر راضی رہے، انہوں نے دنیا پر لات ماری، اس کی سختیوں پر صبر کیا،

اس کی تلخیوں کے جام پئے' اس کی آسائشوں اور نعمتوں کو ٹھکرایا' قسم کھا کرتا کیا تو ایسا ہی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جب دنیا ان کے در پر دستک دیتی تھی تو وہ خوف سے لرزنے لگتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے کوئی گناہ کیا ہے جس کی فوری سزا دنیا کی صورت میں دی جارہی ہے اور جب فقر آتا تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے' اور اسے صلحاء کا شعار سمجھ کر سینے سے لگاتے بعض صحابہ کے متعلق ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ اگر وہ صبح اٹھ کر اپنے گھر میں کوئی چیز دیکھتے تو غم سے بے حال ہو جاتے' اور کچھ نہ پاتے تو مسکرا کر صبح کرتے' اگر کوئی شخص اس پر حیرت ظاہر کرتا اور یہ کہتا کہ لوگ گھر میں دولت دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور تم غمگین ہو جاتے ہو تو وہ یہ جواب دیتے کہ میں اپنے عیال کے پاس کوئی چیز دیکھ کر اس لیے غمگین ہو جاتا ہوں کہ ہمارا گھرانا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے اسوہ پر کاربند نہیں ہے۔ بعض صحابہ کے بارے میں منقول ہے کہ اگر کبھی انہیں فارغ البالی میسر ہوتی تو ان کے غم و حزن کی حالت دیدنی ہوتی اور وہ یہ کہتے ہوئے نظر آتے کہ دنیا کو ہم سے کیا کام؟ اور اگر ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے' تنگی اور عسرت ان کے گھر میں قدم رکھتے تو وہ خوش ہوتے اور اسے اپنے حق میں فال نیک تصور کرتے اور کہتے کہ اب ہمارے رب نے ہم پر نظر کرم ڈالی ہے۔ یہ ہیں اکابرین سلف کے حالات و اوصاف۔ ان کی روشنی میں یہ فیصلہ اچھی طرح کیا جاسکتا ہے کہ غنیٰ افضل ہے یا فقر۔ اب تو قسم کھا کرتا کیا تیری حالت یہی ہے کیا تو ان اوصاف کا حامل ہے؟ تو ان مقدس لوگوں سے ذرا بھی مشابہت نہیں رکھتا۔

تم کیسے ہو؟ : اب میں تیری حالت بیان کروں گا' اور تیرے اوصاف پر روشنی ڈالوں گا جو اکابرین سلف کے حالات و اوصاف سے قطعی میل نہیں کھاتے تو مالداری میں سرکش بن جاتا ہے' خوشحالی میں اترانے لگتا ہے' فارغ البالی میں خوشی سے رقص کرتا ہے مسکنت سے تجھے نفرت ہے' حالانکہ مسکنت انبیاء مرسلین کے لیے سرمایہ افتخار تھی' تو ان کے سرمایہ افتخار سے نفرت کرتا ہے' تو افلاس کے ڈر سے مال جمع کرتا ہے' حالانکہ یہ باری تعالیٰ پر بدگمانی ہے' اور اس کے وعدے پر بے اعتقادی کی دلیل ہے' تیرے مہلک انجام پر تنہا یہی ایک امر شاہد عدل ہے تو مال محض اس لیے جمع کرتا ہے کہ دنیا کی نعمتیں' لذتیں' آسائشیں اور شہوتیں پوری ہوں۔ حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے:

شرار امتی الذین غذوا بالنعیم فربت علیہ اجسامھم (۱)

میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو نعمتوں سے غذا حاصل کرتے ہیں اور انہی پر ان کے جسم نمو پاتے ہیں۔

کسی عالم کا قول ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی نیکیاں تلاش کرتے ہوئے آئیں گے' ان سے کہا جائے گا۔

أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (پ ۲۶ ر ۲ آیت ۲۰)

تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیاوی زندگی میں حاصل کرچکے۔

خواب غفلت سے جاگو' تم دنیا کی نعمتوں کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم رہ گئے' کس قدر حسرت و افسوس کا مقام ہوگا' کتنی عظیم مصیبت ہوگی۔ تم مال اس لیے بھی جمع کرتے ہو تاکہ ایک دوسرے پر مال کی کثرت کی وجہ سے فخر کرسکو' اور خود کو برتر تصوّر کرو۔ حالانکہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جو دنیا کو تکاثر اور تفاخر کے لیے جمع کرتا ہے وہ اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا کہ اللہ اس پر غضب ناک ہوگا۔ لیکن افسوس! تجھے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی ذرا پرواہ نہیں ہے۔ تو اپنے حال میں مست' اور انجام سے بے نیاز ہے۔ تجھے دنیا میں رہنا جوار مولیٰ میں جانے سے زیادہ محبوب ہے۔ تو اللہ سے ملنا پسند نہیں کرتا' اللہ کو تجھ سے ملنا سخت ناپسند ہے دنیا کی کوئی چیز تجھے میسّر نہ ہو تو تیری حسرت کا عالم قابل دید ہوتا ہے۔ ہمیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت پہنچی ہے' آپ نے ارشاد فرمایا: جو دنیا کی کسی ایسی چیز پر افسوس کرتا ہے جو اسے نہیں ملتی وہ دوزخ کی آگ سے ایک ماہ اور بعض روایت کے مطابق ایک برس کی مسافت پر آجاتا ہے جب تو دنیا کے نہ ملنے والی چیزوں پر افسوس کرتا ہے تو تجھے یہ احساس نہیں ہوتا کہ میں اللہ کے عذاب سے کس قدر قریب ہو رہا ہوں تیری حالت تو یہ ہے کہ تو دنیا سمیٹنے کے لیے دین کی قیود سے آزاد ہو جائے'

(۱) یہ روایت کتاب ذم البخل کے شروع میں گذر چکی ہے۔

اور جب تجھے دنیا مل جائے تو خوشی سے جھوم اٹھے' حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

من احب الدنیا و سربھا ذھب خوف الآخرۃ من قلبہ

جو دنیا سے محبت کرتا ہے' اور اسے پاکر خوش ہوتا ہے اس کے دل سے آخرت کا خوف نکل جاتا ہے۔

ایک عالم ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا کی چیزوں کے نہ ملنے پر افسوس کرنے' اور ملنے پر خوش ہونے کا حساب ہوگا' تجھے محاسبے کا خوف نہیں' دنیا پانے کی تجھے کس قدر خوشی ہے' تیرے دل سے اللہ کا خوف جاتا رہا۔ تو دنیاوی امور میں جتنی دلچسپی لیتا ہے اتنی دلچسپی تجھے آخرت کے کاموں میں نہیں ہے گناہ کی مصیبت تیرے نزدیک اتنی بڑی نہیں ہوتی جتنی بڑی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ تجھے دنیا نہیں ملی۔ تو گناہوں سے اتنا خوف نہیں کھاتا جتنا خوف تجھے مال کے ضائع جانے کا ہوتا ہے۔ تو جاہ و منصب کے حصول کے لیے اپنا تمام سرمایہ خرچ کرسکتا ہے' لیکن کسی پریشان حال کی مدد نہیں کرسکتا۔ تو اپنی عزت و اکرام کے لیے مخلوق کو خوش کرسکتا ہے لیکن اللہ کو راضی رکھنے کے لیے تیرے پاس وقت نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دولت تیرے عیوب پر پردہ ڈال دیتی ہے' اور لوگ تیری نکتہ چینی نہیں کرتے' لیکن اللہ تو تیرے حال سے واقف ہے' مگر تجھے اللہ کے علم و اطلاع کی پروا ہی کب ہے؟ دنیا کی رسوائی تجھے گوارا نہیں' لیکن قیامت کے دن تجھے جس رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا اس کے لیے تو تیار ہے یہ بندے تجھے اللہ سے زیادہ محبوب ہیں' یہ جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کے باوجود تو عقلمندوں کے منھ آتا ہے' اور خود کو صلحاء کے زمرے میں شامل کرانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ تیرا باطن بے شمار نجاستوں سے آلودہ اور لاتعداد عیوب کا منبع ہے' لیکن تو اللہ کے نیک بندوں کے مال پر اپنے مال کو قیاس کرتا ہے افسوس! صد افسوس! تو سلفِ صالحین سے کس قدر دور ہے خدا کی قسم! وہ لوگ حلال چیزوں میں بھی اتنے زاہد تھے جتنے زاہد تم حرام چیزوں میں نہیں ہو' جس چیز کو تم بے ضرر تصوّر کرتے ہو وہ چیز ان کے نزدیک مہلک تھی۔ وہ چھوٹی سی غلطی سے اتنا ڈرتے تھے کہ تم گناہ کبیرہ سے بھی اتنا نہیں ڈرتے کاش تیرا حلال و طیّب مال ان کے مشتبہ جیسا ہوتا۔ کاش تو اپنے گناہوں سے اسی قدر ڈرتا جتنا وہ اپنی نیکیوں سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ رونہ کردی جائیں' کاش تیرا روزہ ان کے افطار ہی جیسا ہوتا۔ کاش عبادت کے لیے تیری مشقت اور مشغولیت ان کی راحت و آرام کے برابر ہوتی' کاش تیری نیکیاں ان کی ایک ہی نیکی کے برابر ہوتی۔ ایک صحابی کا یہ قول ہمیں پہنچا ہے کہ جس قدر دنیا صدیقین سے فوت ہوتی ہے اور دور رہتی ہے وہی ان کے حق میں غنیمت ہے۔ جو شخص ان اوصاف کا حامل نہ ہو وہ نہ دنیا میں ان جیسا ہے' اور نہ آخرت میں ان کا ساتھی ہوگا۔

غور کیجئے ان دونوں حریفوں میں کتنا زبردست فرق ہے۔ ایک فریق اجلّہ صحابہ کا ہے جو اللہ کے یہاں انتہائی بلندی اور عظمت رکھتے ہیں اور دوسرا فریق ان دنیا کے غلاموں کا ہے جو پستی کا شکار ہیں۔ اللہ ہی انہیں اپنے فضل و کرم سے معاف کرسکتا ہے۔

آج کے دولت مندو! تمہارا گمان یہ ہے کہ تم صحابہ کے اسوۂ پر چلتے ہوئے مال اس لیے جمع کرتے ہو تاکہ کسی سے مانگنا نہ پڑے' اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق ہو' بدبختو! کیا تم اپنے زمانے میں حلال مال پاتے ہو جیسا کہ انہیں حلال مال میسر ہوجاتا تھا؟ یا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال حاصل کرنے میں تم احتیاط سے کام لیتے ہو جس طرح وہ احتیاط کیا کرتے تھے؟ بعض صحابہ سے منقول ہے کہ ہم حلال کے ستر دروازے اس لیے چھوڑدیتے ہیں کہ کہیں کسی حرام دروازے میں نہ گھس جائیں' کیا تم اپنے آپ سے اس احتیاط کی توقع کرسکتے ہو' نہیں! رب کعبہ کی قسم! نہیں! یہ احتیاط تم جیسے لوگوں کے بس سے باہر ہے۔ یہ یقین رکھو کہ نیک کاموں کے لیے مال جمع کرنے کی خواہش شیطان کا ایک مکر ہے' وہ تمہیں نیکی کے نام پر گمراہ کرتا ہے اور جائز راستے دکھلا کر حرام اور مشتبہ راستوں پر لے جاتا ہے' سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

من اجترا علی الشبہات اوشک ان یقع فی الحرام (بخاری و مسلم۔ نعمان ابن بشیرؓ)

جو شخص مشتبہات پر جرأت کرتا ہے قریب ہے کہ وہ حرام میں جاپڑے۔

اے مغرور! کیا تو یہ بات نہیں جانتا کہ مشتبہ مال کما کر اللہ کی راہ میں خیرات کرنے سے بہتر یہ ہے کہ مشتبہات سے ڈرتا رہ تاکہ

اللہ کے یہاں مرتبہ بلند ہو۔ ایک صاحب علم کا قول ہے کہ حرام کے خوف سے ایک درہم چھوڑنا ہزار مشتبہ دینار صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ اس لیے کہ اس صدقے کے بارے میں یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ اسے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیّت ملے گی یا نہیں' جب کہ اللہ کے خوف سے حرام مال نہ لینا ایک ایسا عمل ہے جس کے اجر و ثواب میں کوئی شبہ نہیں ہے اگر تیرا خیال یہ ہے کہ میں بہت زیادہ متقی ہوں' شیطان مجھے فریب نہیں دے سکتا' اور نہ اس کے کہنے میں آکر مشتبہات میں مبتلا ہو سکتا ہوں۔ بلکہ حلال ذرائع ہی سے مال جمع کروں گا تاکہ اللہ کے راستے میں خرچ کروں۔ تب بھی ہم یہی کہیں گے کہ تقویٰ کا تقاضا یہ نہیں کہ تو مال جمع کرے' بلکہ متقی ہونے کی حیثیت سے تو تجھے مال حاصل نہ کرنا چاہیئے' قیامت کے حساب سے مفر کہاں؟ خواہ مال حرام ہو یا حلال۔ پھر اس کا حساب اپنے اوپر کیوں رکھا جائے۔ صحابہ کرام قیام کے سوال سے بہت زیادہ خوف کھاتے تھے۔ ایک صحابی کا ارشاد ہے کہ اگر میں جائز طریقے سے ایک ہزار دینار کماؤں' اور انہیں اللہ کے نام پر خیرات کروں' اور اس عمل سے میری عبادات میں بھی کوئی خلل واقع نہ ہو تب بھی میں یہ خیرات پسند نہ کروں۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی' فرمایا مفلس کو قیامت کے احتساب کا خوف نہیں ہوتا' اغنیاء اس دارو گیر کے مرحلے سے گذریں گے' ان سے پوچھا جائے گا کہ جو مال ان کے پاس تھا وہ انہیں کہاں سے ملا' کہاں خرچ کیا؟ متقی تو یہ لوگ تھے' انہیں آمدنی کے حلال ذرائع میسّر تھے' وہ چاہتے تو حلال دولت سے اپنا گھر بھر سکتے تھے' لیکن انہوں نے قیامت کے خوف سے مالدار بننا گوارا نہیں کیا۔ کیا تجھے یہ خوف نہیں کہ تیرا دل مال کی نجاست سے آلودہ ہو سکتا ہے۔ ہمیں بعض صحابہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ وراثت کا مال محض اس لیے نہ لیتے کہ کہیں اس سے دل میں فساد برپا نہ ہو جائے کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تیرا دل صحابہ کے دلوں سے زیادہ متقی ہے کہ کسی بھی حال میں حق سے تجاوز نہ کرے گا' اگر گمان ہے تو تجھے اپنے نفسِ امارہ کے سلسلے میں بڑی خوش فہمی ہے۔

ہماری نصیحت یہ ہے کہ قدرِ ضرور پر قناعت کر۔ اعمالِ خیر کے لیے مال جمع کرکے اپنے آپ کو حساب کے خطرے میں مت ڈال۔ حدیث شریف میں ہے:۔

من نوقش فی الحساب عذب (بخاری و مسلم۔ عائشہؓ)

جو حساب میں الجھایا جائے گا وہ عذاب دیا جائے گا۔

ایک روایت میں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

یؤتی برجل یوم القیامة وقد جمع مالا من حرام وانفقه فی حرام فیقال اذهبوا به الی النار' ویؤتی برجل قد جمع مالا من حلال وانفقه فی حلال فیقال له قف لعلک قصرت فی طلب هذا بشی مما فرضت علیک من صلاة لم تصلها لوقتها' وفرطت فی شئی من رکوعها وسجودها ووضوئها' فیقول لا یارب! اکسبت من حلال وانفقت فی حلال' ولم اضیع شیئا مما فرضت علی' فیقال لعلک اختلت فی هذا المال فی شئی من مرکب او ثوب باهیت به' فیقول لا یارب! لم اختل ولم اباه فی شئی' فیقال لعلک منعت حق احد امرتک ان تعطیه من ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل' فیقول لا یارب! اکسبت من حلال وانفقت فی حلال' ولم اضیع شیئا مما فرضت علی' ولم اختل' ولم اباه ولم اضیع حق احد امرتنی ان اعطیه' قال فیجیئی اولئک' فیخاصمونه' فیقولون یارب اعطیته واغنیته وجعلته بین اظهرنا وامرته ان یعطینا' فان کان اعطاهم وما ضیع مع ذلک شیئا من الفرائض

ولم یختل فی شئی فیقال: قف الآن هات شکر کل نعم انعمنہا علیک من اکلۃ او شربۃ او لذۃ' فلا یزال یسال (۱)

قیامت کے روز ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے حرام طریقے پر مال جمع کیا تھا اور حرام کاموں میں خرچ کیا تھا' حکم ہو گا کہ اسے دوزخ میں لے جاؤ' اور ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے جائز طریقے سے مال جمع کیا تھا' اور جائز کاموں میں خرچ کیا تھا' اس سے کہا جائے گا کہ ابھی ٹھہر' شاید تو نے مال حاصل کرنے کے سلسلے میں ان اوامر میں کوتاہی کی ہو جو تجھ پر فرض ہیں' مثلاً وقت پر نماز نہ پڑھی ہو گی' یا نماز کے رکوع و سجود اور وضوء میں کوتاہی کی ہو گی' وہ عرض کرے گا نہیں! یا اللہ! میں نے حلال طریقے سے مال کمایا' اور جائز طریقے پر خرچ کیا اور اپنے فرائض ضائع نہیں کئے' اس سے کہا جائے گا کہ شاید تو نے اس مال میں تکبر کیا ہو' مثلاً کسی سواری یا کپڑے پر فخر کیا ہو۔ وہ عرض کرے گا نہیں! یا اللہ! نہ میں نے تکبر کیا ہے' اور نہ کسی چیز میں فخر کیا ہے' اس سے کہا جائے گا کہ شاید عزیزوں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں میں سے کسی کا وہ حق ادا نہ کیا ہو جس کا میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ وہ عرض کرے گا: نہیں یا اللہ! میں نے حلال ذریعے سے کمایا اور حلال جگہ میں خرچ کیا' اور فرائض تلف نہیں کئے' نہ میں نے تکبر کیا نہ فخر کیا' اور نہ کسی کا وہ حق ضائع کیا جسے دینے کا تو نے مجھے حکم دیا ہے' فرمایا: پھر وہ سب (یتیم' مسکین وغیرہ) آئیں گے اور اس سے جھگڑا کریں گے اور کہیں گے اے اللہ! تو نے اسے دیا' اسے مالدار بنا دیا' اسے ہمارا مددگار کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ ہمیں دے' اگر اس نے انہیں دیا ہو گا' اور اس کے ساتھ کوئی فریضہ ضائع نہ کیا ہو گا' اور نہ کسی چیز میں کبر کیا ہو گا تو کہا جائے گا ابھی ٹھہر' اور ان تمام نعمتوں کا جو میں نے تجھے دیں شکر ادا کر' خواہ وہ کھانا ہو' پانی ہو' یا کوئی اور لذت ہو' اس سے اسی طرح پوچھ تاچھ کی جاتی رہے گی۔

جب اس شخص کو جس نے حلال طریقے سے مال کمایا' اور جائز طریقے سے خرچ کیا اور حقوق و فرائض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی حساب کے اس شدید مرحلے سے گزرنا پڑے گا تو ہم جیسے لوگوں کا کیا حال ہو گا جو سرتاپا دنیا کے فتنوں میں غرق ہیں' اس کے مشتبہات' شہوات اور زینت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اسی احتساب کے خوف سے اہلِ تقویٰ دنیا میں آلودہ نہیں ہوتے' اور اتنے مال پر قناعت کر لیتے ہیں جو ان کے گزر بسر کے لیے کافی ہو' اور مال کمانے کے بجائے دوسرے اچھے کاموں میں شب و روز گزارتے ہیں ان اکابرینِ سلف کے اسوہ پر عمل کر' اگر تو اس سے انکار کرتا ہے' اور اور یہ دعوٰی کرتا ہے کہ تو ورع و تقویٰ کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے' اور تو نے صرف حلال ذرائع سے مال جمع کیا ہے اور وہ بھی اس لیے کہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے' اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کر سکے' اور تو نے جو مال بھی خرچ کیا جائز موقع پر خرچ کیا ہے' نیز مال کی وجہ سے تیرے قلب کی کیفیت بھی متغیر نہیں ہوتی' تو مال کی وجہ سے کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اللہ کی ناراضگی کو دعوت دے' اگر تو ایسا ہے۔ حالانکہ واقعتًہ ایسا نہیں ہے۔ تو مقدارِ ضرورت پر اکتفا کر' اور مالداروں سے دور رہ۔ اس لیے کہ وہ قیامت کے روز محاسبہ کے لیے کھڑے ہوں گے' اور تو اپنے افلاس کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں جانے والے پہلے قافلے کا رکن ہو گا۔ تجھے حساب اور پوچھ گچھ کے لیے نہیں روکا جائے گا۔ حساب میں یا نجات ہے' یا آفت اور مصیبت ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

یدخل صعالیک المہاجرین قبل اغنیاءہم الجنۃ بخمسمائۃ عام (۲) (ترمذی۔ ابوسعیدؓ)

مہاجرین کے فقراء ان کے مالداروں سے پانچ سو برس قبل جنت میں جائیں گے۔

---

(۱) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔ (۲) روایات میں صعالیک کی جگہ فقراء ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

يدخل فقراء المؤمنين الجنة قبل اغنياء هم فياكلون ويتمتعون والآخرون جثاة على ركبهم فيقول: قبلكم طلبتي انتم حكام الناس وملوكهم فاروني ماذا صنعتم فيما اعطيتكم (۱)

مؤمنین کے فقراء ان کے مالداروں سے پہلے جنت میں جائیں گے وہ کھائیں گے' اور لطف اندوز ہوں گے' اور دوسرے گھٹنوں کے بل سرکتے ہوں گے' اللہ تعالیٰ کہیں گے' تم سے میرا ایک مطالبہ ہے' تم لوگوں کے حکّام اور بادشاہ تھے میں نے تمہیں جو کچھ عطا کیا تھا اس میں تم نے کیا کیا۔

ایک عالم فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں سُرخ اونٹوں کا مالک بنوں' اور اس قافلے میں شامل نہ ہوں جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں سب سے پہلے جنت میں قدم رکھے گا۔ اے لوگو! ان لوگوں کی طرف سبقت کرو جو ہلکے پھلکے نہایت آرام و سہولت سے انبیاء و مرسلین کے ساتھ جنت میں جائیں گے' پیچھے رہ جانے سے' اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قافلے سے دور رہنے سے اس طرح ڈرو جس طرح متقی ڈرتے ہیں' روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر کو پیاس لگی' انہوں نے پانی منگوایا' لوگ ان کے لیے شہد کا شربت لے کر آئے' آپ نے ایک گھونٹ پیا اور رونے لگے' خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رُلایا۔ پھر آنسو پونچھے اور کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ دوبارہ رونا آگیا' جب بہت زیادہ روئے تو لوگوں نے پوچھا کیا آپ اس شربت کی وجہ سے اتنا رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں! ایک روز میں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے گھر میں حاضر تھا' اتنے میں آپ نے اپنے پاس سے کسی چیز کو ہٹانا شروع کیا' آپ فرمارہے تھے' مجھ سے دور رہ' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' مجھے تو آپ کے پاس کوئی نظر نہیں آتا' پھر آپ کس سے مخاطب ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ دنیا اپنی گردن لمبی کرکے اور سر اٹھا کر میری طرف بڑھی' اس نے مجھ سے کہا اے محمد! مجھے لے لیجئے' میں نے جواب دیا مجھ سے دور رہ۔ اس نے کہا آپ چاہے مجھ سے محفوظ رہ جائیں لیکن آپ کے بعد آنے والے مجھ سے محفوظ نہ رہ سکیں گے' مجھے ڈر ہوا کہیں یہ دنیا شربت کی صورت بنا کر میرے پاس نہ آگئی ہو' اور مجھے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کرنا چاہتی ہو۔(۲) اے لوگو! اللہ کے یہ نیک بندے حلال شربت دیکھ کر اس خوف سے رونے لگتے تھے کہ کہیں یہ شربت انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ کردے۔ طرح طرح کی نعمتوں اور شہوتوں میں غرق ہے اور وہ تمام نعمتیں بھی حرام ذرائع سے حاصل کی گئی ہیں لیکن تجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انقطاع کا ذرا بھی خوف نہیں ہے۔ لعنت ہو تجھ پر' تیری جہالت کتنی بڑھی ہوئی ہے' کم بخت! اگر تو قیامت کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا تو تجھے اس قدر دہشت ناک مناظر کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے انبیاء اور ملائکہ نے بھی پناہ مانگی ہے۔ اگر تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوسکا تو تجھے آپ کے ساتھ ملنے کے لیے طویل فاصلہ طے کرنا پڑے گا' اگر تو نے زیادہ دولت حاصل کی تو تجھے سخت حساب سے دوچار ہونا پڑے گا' اگر تو نے کم پر قناعت نہیں کی تو تجھے ایک طویل مدّت تک قیامت کے میدان میں ٹھہرنا ہوگا اور نالہ و شیون کرنا ہوگا۔ اگر پیچھے رہ جانے والوں کی حالت پر راضی ہوا تو اصحابِ یمین اور رسولِ ربّ العالمین سے دور رہنا پڑے گا' اور جنت کی نعمتوں تک دیر میں پہنچے گا' اگر تو نے متقین کے احوال سے اختلاف کیا تو تجھے یوم حساب کی ہولناکیوں میں حساب و کتاب کے مرحلے سے گذرنا پڑے گا' ان باتوں پر غور کرلے۔

اگر تو اپنے آپ کو اکابرینِ سلف کی مثال سمجھتا ہے تو تجھے کم پر قناعت کرنی چاہیئے' جائز مال میں زُہد اختیار کرنا چاہیئے' اپنا مال زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیئے' اور ایثار پیشہ بننا چاہیئے' نہ تجھے فقر کا خوف ہو' نہ تو آنے والے کل کے لیے کچھ بچا کر

---

(۱) اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔ (۲) یہ روایت اس باب کے شروع میں گذری ہے۔

رکھے، مالداری، اور دولت کی ہوس سے تجھے نفرت ہو، فقر و مصیبت پر راضی ہو، قلت و مسکنت پر خوش ہو، ذلت و انکسار کو اچھا سمجھتا ہو، تکبّر اور علو پسندی کو بنظرِ کراہت دیکھتا ہو، اپنے معاملات میں مضبوط ہو، تیرا دل ہدایت سے نفرت نہ کرتا ہو، تونے اللہ کے عائد کردہ حقوق و واجبات میں اپنے نفس کا احتساب کرلیا ہو۔ اور اپنے تمام حالات کو اللہ کی رضا کے سانچے میں ڈھال لیا ہو، اس صورت میں تجھے حساب کے لیے کھڑا نہیں کیا جائے گا، اور واقعی تو متّقین کے زمرے میں داخل سمجھا جائے گا۔ ذرا غور کر کیا تجھے علم نہیں کہ مال کا شغل نہ رکھنے سے، اور قلب کو ذکر و فکر اور عبرت و موعظت کے لیے فارغ رکھنے سے دین کی زیادہ حفاظت ہوتی ہے، حساب آسان ہو جاتا ہے، باز پرس ہلکی ہوتی ہے، قیامت کی خوفناک آفات سے حفاظت ہوتی ہے، ثواب زیادہ ملتا ہے، اور اللہ کے نزدیک قدر و منزلت بڑھتی ہے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنے دامن میں دینار بھرے اور غریبوں میں تقسیم کردے اور دوسرا اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو اللہ کا ذکر کرنے والا افضل ہے۔ کسی صاحب علم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اچھے کاموں کے لیے مال جمع کرتا ہے، انہوں نے جواب دیا مال نہ جمع کرنا اس کے لیے زیادہ بہتر اور اس کے حق میں زیادہ مفید ہے اکابر تابعین میں کسی سے ان دو آدمیوں کے متعلق دریافت کیا گیا جن میں سے ایک حلال طریقے سے دنیا کماتا ہے اس سے صلۂ رحمی کرتا ہے اور اپنے لیے توشہ آخرت بناتا ہے اور دوسرا دنیا سے اجتناب کرتا ہے، نہ اسے حاصل کرتا ہے، اور نہ ملنے پر لیتا ہے، ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ انہوں نے جواب دیا واللہ ان دونوں میں زمین و آسمان اور مغرب و مشرق کی دوری ہے، دنیا سے اجتناب کرنے والا افضل ہے۔ یہ فضیلت ترکِ دنیا سے حاصل ہوتی ہے، اگر تو بھی مال چھوڑ دے تو تجھے بھی یہ فضیلت مل جائے گی۔

مال سے شغل نہ رکھنے میں دنیاوی فائدے بھی بے شمار ہیں، اس سے بدن کو راحت ہوتی ہے، آدمی محنت سے بچا رہتا ہے، زندگی سکون سے گذرتی ہے، دل مطمئن رہتا ہے، تفکرات دامن گیر نہیں ہوتے جب نیک کاموں کے لیے مال جمع کرنے سے افضل مال ترک کرنا ہے تو پھر تیرے پاس دنیا کمانے کے لیے کیا عذر رہ جاتا ہے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی اللہ کے ذکر میں مشغول ہو۔ اس طرح دنیا کی راحت بھی ملے گی، اور آخرت کی فضیلت بھی۔

اگر مال جمع کرنے میں تیرے لیے کوئی فضیلت بھی ہے تب بھی تجھے مکارمِ اخلاق میں مقتدائے کامل سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ پر عمل کرنا چاہیے۔ جن کے ذریعے اللہ نے تجھے رُشد و ہدایت سے نوازا ہے اور جس طرح انہوں نے اپنے لیے دنیا سے کنارہ کشی پسند فرمائی تھی اسی طرح تجھے بھی کنارہ کش رہنا چاہیے۔ یہ بات یاد رکھ کہ سعادت اور کامیابی دنیا سے کنارہ کش رہنے میں ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے رہ، اور جنّتُ المأویٰ کی طرف سبقت کر، ہمیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت پہنچی ہے، فرمایا:-

سادات المؤمنين في الجنة من اذا تغدى لم يجد عشاء واذا استقرض لم يجد قرضا' وليس له فضل كسوة الا ما يواريه' ولم يقدر على ان يكتسب ما يغنيه' يمسي مع ذلك' ويصبح راضيا عن ربه (۱) (طبرانی۔ ابوہریرہؓ)

جنت میں مؤمنین کے سردار وہ لوگ ہوں گے جو اگر دوپہر کا کھانا کھائیں تو انہیں رات کا کھانا نہ ملے۔ اور قرض مانگیں تو انہیں قرض نہ ملے، اور ان کے پاس سترڈھانپنے سے زیادہ کپڑا نہ ہو۔ اور اتنا نہ کماپاتے ہوں جو انہیں بے نیاز کردے اس کے باوجود وہ صبح و شام اپنے رب سے راضی رہتے ہوں۔

یہ لوگ قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق ہوں گے۔

---

(۱) روایت میں سادات المؤمنین کی سادات الفقراء ہے۔

فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا (پ ۵ ر ۶ آیت ۶۹)

تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔

اس نصیحت کے بعد بھی اگر تو نے مال جمع کیا تو تیرا یہ دعویٰ جھوٹا سمجھا جائے گا کہ تو اعمالِ خیر کے لیے مال جمع کرتا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ تو فقر کے خوف سے 'تنعّم' عیش و عشرت' زیب و زینت فخر و مباہات' کبر و ریاء اور شہرت و عزت کے لیے مال جمع کرتا ہے کم بخت' اللہ سے ڈر' اور اپنے دعوے پر شرمسار ہو' اگر تو مال اور دنیا کی محبت میں اتنا ہی پاگل اور دیوانہ ہے تو اس بات کا اعتراف کر کہ فضل اور خیر مقدارِ کفایت پر راضی رہنے اور زائد مال سے بچنے میں ہے۔ مال جمع کرتے وقت اپنے آپ کو حقیر سمجھ' اپنی برائی کا اقرار کر' اور حساب سے ڈرتا رہ' مال جمع کرنے کے لیے عذر اور دلیل تلاش کرنے کے بجائے یہ صورت تیرے لیے نجات اور فضل سے قریب تر ہے۔

بھائیو! یہ بات یاد رکھو کہ صحابہ کے زمانے میں حلال موجود تھا۔ اس کے باوجود وہ لوگ نہایت متقی' اور مباح چیزوں میں بھی زاہد تھے' ہم ایسے دور میں ہیں کہ اس میں حلال موجود' روزینہ اور ستر پوشی کے لیے لباس بھی حلال مہیا ہونا مشکل ہے۔ ایسے دور میں مال جمع کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں سب کو محفوظ رکھے۔ صحابہ جیسا تقویٰ' ان جیسا ورع اور زہد اور ان جیسی احتیاط ہم لوگوں میں کہاں ہو سکتی ہے' ان جیسے پاکیزہ قلوب پاکیزہ نیتیں ہمیں کہاں میسّر ہیں۔ پروردگارِ عالم کی قسم! ہم پر نفسانی عیوب' اور خواہشات چھائی ہیں اور قیامت کی حاضری قریب ہے' کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ہلکے پھلکے جنت میں داخل ہوں گے' ان دولت مندوں کو اس روز رنج و غم کا سامنا ہو گا جنہوں نے حرام حلال کی تمیز کئے بغیر مال جمع کیا' اور اس سے اپنے پیٹ کی دوزخ بھری' میں نے تمہیں نصیحت کرنے کا فرض انجام دے دیا ہے' اگر تم قبول کرو تو یہ تمہارے حق میں مفید ہو گا اگرچہ قبولِ حق کی صلاحیت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سب کو اپنی رحمت سے خیر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ حرث محاسبی کی یہ مفصّل تقریر اپنے موضوع پر نہایت کافی ہے۔ اس سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ فقر مالداری سے افضل ہے' مزید کچھ کہنا بیکار ہے حرث کی تقریر کی تائید ان تمام روایات سے ہو جاتی ہے جو ہم نے کتاب ذم الدنیا' اور کتاب الفقر و الزہد میں نقل کی ہیں' نیز اس روایت سے بھی جو ابو امامہ الباہلی سے منقول ہے' روایت کرتے ہیں کہ ثعلبہ ابن حاطب نے عرض کیا: یا رسول اللہ!

ادع اللہ ان یرزقنی مالا' قال: یا ثعلبۃ قلیل تؤدی شکرہ خیر من کثیر لا تطیقہ' قال یا رسول اللہ! ادع اللہ ان یرزقنی مالا' قال: یا ثعلبۃ! اما لک فی اسوۃ' اما ترضی ان تکون مثل نبی اللہ تعالیٰ' اما والذی نفسی بیدہ لو شئت ان تصیر ھذہ الجبال ذھبا و فضۃ لسارت' قال: والذی بعثک بالحق نبیا لئن دعوت اللہ ان یرزقنی مالا لاعطین کل ذی حق حقہ' ولا فعلن ولا فعلن' قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اللھم ارزق ثعلبۃ مالا

دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے ثعلبہ! تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کر سکے زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا تو شکر ادا نہ کر سکے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے' آپ نے فرمایا: اے ثعلبہ! کیا تیرے لیے میرے عمل میں اسوۂ نہیں ہے' کیا تو اللہ تعالیٰ کے نبی جیسا نہیں بننا چاہتا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میں یہ چاہوں کہ پہاڑ سونے چاندی کے

ہو کر میرے ساتھ چلیں تو یہ ہو سکتا ہے۔ ثعلبہ نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا اگر آپ میرے لیے دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے تو میں ہر حق والے کا حق ادا کروں گا' ضرور کروں گا' ضرور کروں گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! ثعلبہ کو مال عطا فرما۔

راوی کہتے ہیں کہ انہوں نے بکریاں خریدیں پھر وہ اس طرح بڑھیں جس طرح کیڑے بڑھتے اور پھیلتے ہیں۔ یہاں تک کہ مدینہ میں ان کے لیے جگہ تنگ ہوگئی اور اس نے مدینہ سے باہر ایک وادی میں سکونت اختیار کی۔ نقلِ مکانی کے بعد وہ مدینہ آکر صرف ظہر اور عصر کی باجماعت نمازوں میں شریک ہوتا اور باقی نمازیں تنہا ادا کرتا۔ پھر بکریاں اور بڑھیں وہ وادی بھی تنگ پڑگئی وہ کچھ اور دور جا کر بس گیا جماعت سے نماز جاتی رہی صرف جمعہ باقی رہ گیا۔ اللہ نے بکریوں میں اور برکت عطا فرمائی' اور وہ کیڑوں مکوڑوں کی طرح بڑھنے لگیں۔ اب جمعہ کی پابندی بھی ختم ہوگئی مدینہ کی خیر خبر بھی وہ ان قافلوں سے معلوم کرلیا کرتا جو مدینہ منورہ نماز جمعہ کے لیے آیا جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے بارے میں دریافت فرمایا: لوگوں نے اس کا حال بتلادیا۔ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا ویح ثعلب (ہلاکت ہے ثعلبہ کی) راوی کہتے ہیں کہ انہی دنوں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ (پ ۱۱ ر ۲ آیت ۱۰۳)

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے' جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک و صاف کردیں گے' اور ان کے لیے دعا کیجئے' بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجبِ اطمینان ہے۔

ثعلبہ کا عبرتناک واقعہ: اس آیت کے ساتھ ہی صدقات کے احکام نازل ہوئے' سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جُہینہ اور بنو سلیم سے ایک آدمی کو صدقات کی وصولی کے لیے مقرر فرمایا۔ اور انہیں صدقات کی وصولی کا حکم نامہ لکھ کر دیا' اور حکم دیا کہ وہ مسلمانوں میں جائیں اور ان کے مالوں کی زکوٰۃ وصول کریں۔ یہ بھی فرمایا کہ ثعلبہ ابن حاطب اور بنو سلیم کے فلاں شخص کے پاس بھی جائیں اور ان دونوں سے بھی زکوٰۃ لیں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ دونوں گئے پہلے ثعلبہ کے پاس پہنچے' اور اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا' اور اسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نامہ پڑھ کر سنایا' ثعلبہ نے کہا: یہ تو جزیہ ہے' یہ تو تاوان ہے' یہ تو جزیہ کی بہن ہے۔ اب تو چلتے پھرتے نظر آؤ' اور جہاں جارہے ہو جاؤ' پھر آنا' وہ لوگ سلیمی کے پاس پہنچے' اور اسے آپ کا حکم نامہ دکھلایا وہ شخص تعمیل حکم کے لیے فوراً کھڑا ہوگیا' اور اپنے اونٹوں میں سے عمدہ اونٹ نکال کر زکوٰۃ کے لیے علیحدہ کئے' اور ان کے سامنے کردیئے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے' انہوں نے کہا عمدہ مال دینا تجھ پر واجب نہیں ہے ہم یہ مال نہیں لیں گے۔ اس نے کہا آپ یہ مال قبول کرلیں' میں بطیب خاطر پیش کررہا ہوں۔ وصولیابی سے فارغ ہونے کے بعد ان کا گذر ثعلبہ پر ہوا' انہوں نے پھر زکوٰۃ کا مطالبہ کیا' اس نے کہا: لاؤ مجھے وہ حکم نامہ دکھلاؤ' انہوں نے حکم نامہ اس کی طرف بڑھادیا' اس نے آپ کا مکتوب پڑھا اور یہ کہتے ہوئے واپس کردیا کہ یہ زکوٰۃ نہیں بلکہ جزیہ کی بہن ہے۔ اب جاؤ' میں ذرا سوچ لوں' اس کے بعد کوئی جواب دوں گا۔ وہ دونوں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا: ثعلبہ کے لیے ہلاکت ہے۔ اور سلیمی کے حق میں دعا فرمائی ان دونوں صحابیوں نے آپ کے ثعلبہ کے خیالات اور طرزِ عمل سے اور سلیمی کے سلوک سے مطلع کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ

يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ (پ ۱۰ر ۱۶ آیت ۷۵-۷۷)

اور ان منافقین میں بعض آدمی ایسے ہیں کہ خدا تعالٰی سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالٰی ہم کو اپنے فضل سے (بہت سامال) عطا فرمادے تو ہم خوب خیرات کریں اور ہم اس کے ذریعے سے خوب نیک کام کیا کریں سو جب اللہ تعالٰی نے ان کو اپنے فضل سے مال دے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے' اور رُو گردانی کرنے لگے اور وہ رو گردانی کے عادی ہیں سو اللہ نے اس کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق (قائم) کردیا (جو) خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا اس سبب سے کہ انہوں نے خدا سے اپنے وعدہ میں جھوٹ بول کر خلاف کیا۔

اس وقت جب یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں ثعلبہ کا ایک رشتہ دار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا' اس نے یہ آیات سنیں' اور ثعلبہ کے پاس جاکر کہا کم بخت تیرا ناس ہو' اللہ تعالٰی نے تیرے بارے میں یہ آیات نازل کی ہیں۔ ثعلبہ گھبرایا ہوا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا' اور کہنے لگا کہ میں زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہوں' آپ قبول فرمالیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالٰی نے تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع کردیا ہے' یہ سن کر ثعلبہ نے اپنا سر پیٹ لیا' آپ نے ارشاد فرمایا یہ تیرے عمل کی سزا ہے' جیسا تو نے کیا ویسا پایا' میں نے پہلے ہی تجھے زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تھا' لیکن تو نے میری اطاعت نہیں کی' ثعلبہ مایوس ہو کر گھر لوٹ گیا' جب آپ دنیا سے پردہ فرماگئے' اور حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو وہ ان کے پاس آیا' اور زکوٰۃ قبول کرنے کی درخواست کی حضرت ابوبکر نے بھی زکوٰۃ لینے سے انکار کردیا' حضرت عمرؓ نے بھی یہی روایت برقرار رکھی۔ ثعلبہ نے حضرت عثمان غنیؓ کی عہد خلافت میں وفات پائی۔ یہ ہے مال کی سرکشی اور اس کی نحوست۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقیری میں برکت ہے' اور مالداری میں نحوست ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے' اور اپنے گھر والوں کے لیے فقیری پسند فرمائی۔

حضرت عمران ابن حصینؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں میری ایک منزلت اور حیثیت تھی ایک مرتبہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عمران! ہمارے نزدیک تمہارا مرتبہ اور وجاہت ہے' کیا تم ہماری بیٹی فاطمہؓ کی عیادت کے لیے چلنا پسند کرو گے؟ میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یا رسول اللہ! میں ضرور چلوں گا' راوی کہتے ہیں کہ آپ کھڑے ہوئے' میں بھی اٹھا' آپ نے فاطمہ کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی' اور فرمایا السلام علیکم کیا میں اور میرے ساتھی اندر آسکتے ہیں فاطمہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! آپ کے ساتھ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: عمران ابن حصین فاطمہ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث کیا ہے میرے بدن پر ایک عباء کے علاوہ کچھ نہیں ہے' آپ نے فرمایا اس سے اچھی طرح بدن ڈھانپ لو' فاطمہ نے عرض کیا میں جسم تو اس سے چھپالوں گی لیکن سر پر کیا ڈالوں؟ آپ نے ان کی طرف اپنی ایک پرانی چادر پھینکی' اور فرمایا کہ اس سے اپنا سر باندھ لو' حضرت فاطمہؓ نے چادر لے کر سر ڈھانپا اور ہمیں اندر داخل ہونے کی اجازت دی' آپ اندر تشریف لے گئے' اور حضرت فاطمہؓ کو سلام کیا' اور ان کی خیریت دریافت کی حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے جسم میں درد ہے اور اس درد میں بھوک نے اضافہ کردیا ہے' مجھے اتنا کھانا میسّر نہیں کہ پیٹ بھر سکوں' بھوک نے مجھے نڈھال کردیا ہے' آپ یہ سن کر رونے لگے' اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا بیٹی! غم نہ کر' بخدا میں نے بھی تین روز سے کھانا نہیں کھایا حالانکہ اللہ کے یہاں میرا رتبہ تجھ سے زیادہ ہے' اگر میں درخواست کرتا تو وہ مجھے کھلا دیتا لیکن میں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: تجھے بشارت ہو' تو اہل جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے پوچھا کہ اگر میں جنت کی عورتوں کی سردار بنی تو فرعون کی بیوی' آسیہ' مریم بنت عمران' خدیجہ کہاں گئیں؟ آپ نے فرمایا کہ آسیہؓ مریمؓ اور خدیجہؓ سب اپنے اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہوں گی' اور تم اپنے دور کی عورتوں کی سردار ہو۔ تم ایسے مکانوں میں رہو گی جو زبرجد کے بنے ہوئے ہوں گے' نہ ان میں شور و غل ہوگا اور نہ رہنے والوں کی کسی طرح کی پریشانی ہوگی پھر فرمایا تو اپنے چچا زاد بھائی (علیؓ) کے ساتھ قناعت کی زندگی بسر کر میں نے تیرا نکاح ایسے شخص کے ساتھ کیا ہے جو دنیا میں بھی سردار ہے

اور آخرت میں بھی سردار ہوگا۔

ذرا حضرت فاطمہؓ کی حالت پر نظر ڈالئے' یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں' لیکن انہوں نے فقیری کو ترجیح دی' اور مال چھوڑا۔ جو لوگ انبیاء اور اولیاء کے حالات اور اقوال کا مطالعہ کرتے ہیں انہیں اس حقیقت کا اعتراف کرنے میں کوئی تأمل نہیں ہوگا کہ مال کا نہ ہونا اس کے ہونے سے افضل ہے خواہ وہ خیرات و صدقات ہی میں کیوں نہ خرچ ہوا ہو۔ آدمی لاکھ حقوقِ واجبہ ادا کرے' مشتبہات سے اجتناب کرے' اور مال کو خیرات میں صرف کرے اس کے باوجود وہ مال کی کدورت سے آلودہ ضرور ہوگا' کیونکہ آدمی کی توجہ زیادہ تر مال کی اصلاح پر ہوگی' اور اس طرح وہ اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کے لیے پوری طرح فارغ نہ کرسکے گا۔

مال کی طمع کا ایک نمونہ : جریر' لیث سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی معیت اختیار کی۔ دونوں کسی جگہ کے لیے روانہ ہوئے' یہاں تک کہ ایک نہر کے کنارے پر پہنچے' دونوں کھانا کھانے کے لیے بیٹھے' ان کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ دونوں نے ایک ایک روٹی کھائی' تیسری باقی رہی' حضرت عیسٰی علیہ السلام پانی پینے کے لیے نہر تک تشریف لے گئے' واپس آئے تو تیسری روٹی موجود نہیں تھی آپ نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا' اس نے لاعلمی ظاہر کی' آپ خاموش ہوگئے' سفر دوبارہ شروع ہوا' راستے میں ایک ہرنی ملی اس کے ساتھ دو بچے تھے' آپ نے ایک کو بلایا' وہ آیا' آپ نے اسے ذبح کیا' اور اس کا گوشت بھونا' آپ نے خود بھی کھایا اور اپنے ہم سفر کو بھی کھلایا' پھر اس ہرن بچہ سے فرمایا: اللہ کے حکم سے زندہ ہوجا بچہ زندہ ہوگیا' آپ نے اس شخص سے کہا کہ میں تجھ سے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے یہ معجزہ دکھایا تیسری روٹی کہاں گئی' اس شخص نے کہا مجھے نہیں معلوم اس کے بعد دونوں ایک ایسی وادی تک پہنچے جس میں حد نظر تک پانی ہی پانی بھرا تھا۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور پانی پر چل کر وادی عبور کی جب خشکی پر پہنچے تو اس شخص سے کہا میں تجھے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے یہ معجزہ دکھایا وہ روٹی کس نے لی؟ اس نے پھر یہی کہا کہ میں نہیں جانتا وہ روٹی کہاں گئی۔ سفر پھر شروع ہوا اس مرتبہ ایک جنگل میں پہنچ کر ٹھہرے آپ نے کچھ مٹی اور اینٹ پتھر جمع کئے اور فرمایا اللہ کے حکم سے سونا بن جا۔ جب اینٹ پتھر اور مٹی کا ڈھیر سونے میں تبدیل ہوگیا تو آپ نے اس کے تین حصے کئے اور فرمایا ایک حصہ میرا' اور ایک حصہ تیرا۔ اور ایک حصہ اس شخص کا جس نے تیسری روٹی لی' وہ شخص جلدی سے بولا میں نے ہی تیسری روٹی لی تھی' آپ نے وہ تمام سونا اسے دیا اور اس سے علیحدگی اختیار کی اور آگے چل دیئے وہ شخص سونا لئے جنگل میں بیٹھا رہا اتنے میں دو آدمی وہاں پہنچے' مال دیکھ کر ان کی نیت خراب ہوگئی' ان کا ارادہ ہوا کہ وہ اس شخص کو قتل کردیں اور اس کا تمام مال چھین لیں۔ اس نے کہا تم مجھے قتل نہ کرو' ہم تینوں ہی اس مال کے برابر برابر حقدار ہوں گے۔ پہلے ایک شخص قریب کے گاؤں جاکر کھانا لے آئے' تینوں مل کر کھالیں' اس کے بعد آپس میں مال تقسیم کرلیں۔ ان میں سے ایک شخص کھانا لینے چلا گیا۔ اس کے دل میں آیا کہ اگر میں اس کھانے میں زہر ملا دوں تو یہ دونوں مرجائیں گے اور میں تنہا اس کا مالک بن جاؤں گا۔ ادھر ان دونوں نے تیسرے کے خلاف سازش تیار کی کہ جب وہ کھانا لے کر آئے تو موقع پاکر اسے قتل کردیا جائے' اور مال ہم آدھا آدھا تقسیم کرلیں چنانچہ جب وہ کھانا لے کر آیا تو ان دونوں نے اسے قتل کردیا پھر اس کا لایا ہوا کھانا کھاکر خود بھی ہلاک ہوگئے۔ سونا وہیں پڑا رہا' اور یہ تینوں اس کے ارد گرد پڑے اپنی لاشیں جنگلی کتوں اور گدھوں کسے نچوانتے رہے چند روز بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام ادھر سے گذرے تو آپ نے اپنے ہم سفروں سے ارشاد فرمایا دیکھو دنیا کا یہ حال ہے۔ تم اس سے بچتے رہنا۔

قناعت اور توکل کی مثال : روایت ہے کہ حضرت ذوالقرنین ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے جو دنیاوی آسائشوں سے محروم تھی' انہوں نے قبروں جیسے گڑھے کھود رکھے تھے' ان میں رہتے' وہیں قبروں کی قریب میں نماز پڑھ لیتے' اور جانوروں کی طرح

گھاس چرتے پھرتے' اللہ کی قدرت دیکھئے کہ اس نے ان کے لیے اس زمین پر طرح طرح کی سبزیاں اُگادی تھیں۔ حضرت ذوالقرنین نے اپنے قاصد کے ذریعہ اس قوم کے سردار کو بلایا' اس پیغام کے جواب میں قوم کے سردار نے کہا مجھے تمہارے بادشاہ سے کیا واسطہ؟ اگر اس کا کوئی مقصد ہو تو وہ یہاں چلا آئے' میں کیوں جاؤں؟ حضرت ذوالقرنین خود ہی اس کے پاس پہنچے' اور اس سے کہا کہ میں نے تمہیں بلایا تھا' لیکن تم نے انکار کردیا' اب میں ہی آگیا ہوں؟ سردار نے کہا اگر میری کوئی ضرورت تم سے متعلق ہوتی تو میں ضرور آتا۔ آپ نے کہا کہ میں تمہیں ایسی حالت میں دیکھ رہا ہوں جو انتہائی عجیب ہے' اور کوئی بھی اس طرح کی زندگی اختیار کیے ہوئے نہیں ہے۔ تمہارے پاس دنیا کی کوئی چیز نظر نہیں آتی' کیا تم دوسری متمدّن قوموں کی طرح سونے چاندی سے نفع نہیں اٹھاسکتے' اور مال و دولت کے ذریعے اپنی زندگی کو پُرلطف نہیں بناسکتے؟ سردار نے کہا: ہمیں سونے چاندی سے سخت نفرت ہے' جو شخص مال پالیتا ہے اس کا نفس مزید کی خواہش میں مبتلا ہوجاتا ہے' اور اس سے بہتر کی ہوس کرنے لگتا ہے۔ ذوالقرنین نے پوچھا تم نے یہ قبریں کس لیے کھود رکھی ہیں' اور تم انہیں صبح کو صاف بھی کرتے ہو' اور ان کے پاس نمازیں بھی پڑھتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جب ہماری نظریں دنیاوی حسن و جمال کا مشاہدہ کرتی ہیں تو یہ قبریں ہمیں روک دیتی ہیں اور ہم دنیاوی چیزوں کی خواہش نہیں کرتے۔ ذوالقرنین نے دریافت کیا کہ تم گھاس کیوں کھاتے ہو' کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ جانور پالو' ان کا دودھ پیو' اور ان پر سواری کرو۔ سردار نے جواب دیا کہ ہم اپنے پیٹوں کو ان کی قبریں نہیں بنانا چاہتے' پھر ہم ساگ کو اپنی غذا بنا کر مطمئن ہیں' اور اسے کافی تصوّر کرتے ہیں۔ آدمی کو ادنیٰ چیز کافی ہے' حلق سے نیچے اتر کر سب کھانے ایک ہوجاتے ہیں' اور لذیذ سے لذیذ کھانا اپنا ذائقہ کھودیتا ہے' پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ذوالقرنین کے پیچھے سے ایک کھوپڑی اٹھائی اور ان سے پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ کھوپڑی کس کی ہے؟ ذوالقرنین نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم' اس نے کہا یہ کھوپڑی ایک ایسے بادشاہ کی ہے جسے اہلِ دنیا پر پوری دسترس حاصل تھی' اس نے اپنے اقتدار کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور لوگوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے' اور سرکشی اختیار کی' جب اللہ نے اس کی یہ سرکشی اور عناد دیکھا تو اسے موت کی سزا دی' آج وہ زمین پر پڑے ہوئے پتھر سے زیادہ بے حیثیت ہے' اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے تمام اعمال درج ہیں' قیامت کے روز اس کے ہر ہر عمل کا بدلہ چکایا جائے گا۔ اس کے بعد ایک اور کھوپڑی اٹھائی' اور پوچھا کیا تم بتلا سکتے ہو کہ کھوپڑی کس کی ہے؟ حضرت ذوالقرنین نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم۔ سردار نے کہا یہ کھوپڑی ایک ایسے بادشاہ کی ہے جس نے اس ظالم بادشاہ کے بعد زمامِ اقتدار سنبھالی' لیکن اس نے اپنے سابق بادشاہ کے راستے پر چلنے کے بجائے وہ زندگی اختیار کی جو اللہ کو مطلوب ہے۔ اس نے اپنی رعایا کے ساتھ عدل کا معاملہ کیا۔ آج وہ تیرے سامنے ہے' اس کے تمام اعمال بھی اللہ کے علم میں ہیں قیامت کے دن ہر ہر عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔ پھر وہ حضرت ذوالقرنین کے سر پر جھکا' اور کہنے لگا اے ذوالقرنین! یہ کھوپڑی بھی ان دونوں کھوپڑیوں جیسی ہوجائے گی۔ اس لیے جو کام کرو پہلے سوچ لو' آپ نے اس سردار کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی' اور اسے وزیر و مشیر کا منصب پیش کیا' یہاں تک کہ سلطنت میں بھی شریک کرنے کا وعدہ کیا اس نے کہا میں اور آپ ایک جگہ صحیح نہیں رہ سکتے اور نہ ہم دونوں جمع ہوسکتے ہیں۔ ذوالقرنین نے پوچھا: ایسا کیوں؟ اس نے جواب دیا: اس لیے کہ لوگ تیرے دشمن اور میرے دوست ہیں۔ ذوالقرنین نے پوچھا لوگوں کو مجھ سے دشمنی کیوں ہے اور وہ تیرے دوست کس لیے ہیں؟ سردار نے کہا لوگ تیرے دشمن تیرے اقتدار' اور مال و دولت کی وجہ سے ہیں' وہ یہ چیزیں چھین کر خود قابض ہونے کے متمنی ہیں' جب کہ میں خالی ہاتھ ہوں' اس لیے مجھے اپنا کوئی دشمن نظر نہیں آتا' راوی کہتے ہیں کہ ذوالقرنین وہاں سے واپس چلا گیا' اسے جاہل سردار کی نصیحت آمیز باتوں پر بڑی حیرت تھی۔ ان تمام واقعات سے بھی تجھے مالداری کی آفتوں کا علم ہوگا اگرچہ اس موضوع پر ہم سیر حاصل بحث کرچکے ہیں۔

کتاب ذم الجاہ والریاء
جاہ اور ریا کی مذمت کا بیان

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

إني أخوف ما أخاف على امتي الرياء والشهوة الخفية التي هي اخفى من دبيب النملة السوداء على الصخرة الصماء في الليلة الظلماء (۱)

اپنی امت پر مجھے سب سے زیادہ خوف ریا اور پوشیدہ شہوت سے ہے' اور یہ اندھیری رات میں سخت پتھر پر چلنے والی سیاہ چیونٹی کی رفتار سے بھی زیادہ مخفی ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ریا اور شہوتِ خفیہ کی آفات اور مہلکات کا علم بڑے بڑے علماء کو بھی نہیں ہوتا' چہ جائیکہ غیر عالم عبادت گذار' اور اصحابِ تقویٰ کو اس کا علم ہو۔ ریا نفس کے آخری مہلکات اور اس کے مخفی مکروں میں سے ہے' اور اس میں علماء' عابد' اور راہِ آخرت پر چلنے کے لیے کمرِ ہمت کسنے والے لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ اپنے نفسوں کو زیر کرلیتے ہیں' اور سخت ترین مجاہدوں کے بعد انہیں شہوات سے دور کردیتے ہیں' شبہات سے بچالیتے ہیں' اور عبادات پر متوجہ کردیتے ہیں' اس صورت میں وہ ظاہر اعضاء پر واقع ہونے والے کھلے گناہوں کی طمع سے عاجز ہوجاتے ہیں' اس مشقت سے استراحت کے لیے انہیں اس کے علاوہ کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ وہ اپنے اعمالِ خیر کا مظاہرہ کریں اور لوگوں میں مقبولیت اور احترام حاصل کریں' یہی مقبولیت انہیں لذت دیتی ہے' اور اس مشقت کا تعب کم کرتی ہے جس سے گلوخلاصی کی بظاہر کوئی صورت نہیں ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی اطاعت کا اظہار کرتے ہیں' اور یہ چاہتے ہیں کہ ہماری عبادت و ریاضت سے مخلوق بھی واقف ہوجائے' خالق کی اطلاع ان کے نزدیک کافی نہیں ہوتی' انہیں لوگوں کی تعریف سے خوشی ہوتی ہے۔ اللہ وحدہٗ کی حمد سے فرصت حاصل نہیں ہوتی۔ انہیں معلوم ہے کہ اگر ہم شہوات ترک کردیں' شبہات سے اجتناب کریں' اور عبادات کی مشقتوں سے گریز نہ کریں تو لوگوں کی زبانیں ہماری مدح سرائی میں مشغول ہوں گی' اور بڑھا چڑھا کر ہماری تعریف کریں گی۔ ان کی نگاہوں میں ہمارے لیے احترام اور وقار ہوگا۔ وہ ہم سے ملاقات اور ہمارے دیدار کو اپنے لیے سرمایہ سعادت و افتخار سمجھیں گے' ہماری دعاؤں سے فیض اٹھائیں گے' ہماری رائے کا اتباع کریں گے' ہماری خدمت کریں گے ہمیں سلام کرنے میں پہل کریں گے' محفلوں میں احترام و اکرام کا معاملہ کریں گے خرید و فروخت اور معاملات میں تسامح برتیں گے' مجلسوں میں آگے بڑھائیں گے' کھانے پینے کی اشیاء اور لباس وغیرہ میں اپنے آپ پر ہمیں ترجیح دیں گے' ہمارے لیے سرنگوں اور متواضع رہیں گے' اور ہماری اغراض کے تابع ہوں گے۔ نفس کو اس سے اتنی لذت حاصل ہوتی ہے کہ اس لذت کے لیے گناہوں کو چھوڑنا گراں نہیں گذرتا' اور عبادات پر پابندی آسان ہوجاتی ہے کیوں کہ نفس نے جس لذت کا ادراک کیا ہے وہ تمام لذتوں کا نچوڑ ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری زندگی اللہ کے لیے ہے' اور میں اس کی مرضی کے مطابق عبادت میں مشغول ہوں' حالانکہ وہ اس مخفی شہوت میں مبتلا ہے جو [illegible] کے علاوہ کسی بھی عقل کے ادراک سے باہر ہے۔ اس کا خیال ہے کہ میں اللہ کی اطاعت خلوصِ دل سے کرتا ہوں' اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے مجتنب ہوں' لیکن نفس نے اس شہوت کو اپنے اندر جگہ دے رکھی ہے تاکہ بندوں کے سامنے ان کی عبادت آراستہ ہو' اور وہ لوگوں کی زبانی تعریف سے خوشی پائیں۔ اس سے ان کی طاعات کا ثواب ساقط ہوجاتا ہے۔ اور وہ اپنے اعمالِ خیر کی فضیلت سے محروم ہوجاتے ہیں اور ان کا نام منافقین کی

---

(۱) ابن ماجہ اور حاکم شداد ابن اوس کی روایت' لیکن اس میں ریا کی جگہ شرک ہے' البتہ دونوں نے شرک کی تفسیر ریاء سے کی ہے۔

فہرست میں لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ خود کو اللہ کا مقرب بندہ سمجھتے ہیں یہ نفس کا فریب ہے فریب سے صدیقین کے علاوہ کوئی محفوظ نہیں رہتا۔ یہ ایک ایسا گڑھا ہے جس میں مقربین کے علاوہ سب ہی اوندھے منہ جا پڑتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سب سے آخر میں صدیقین کے دلوں سے ریاست و اقتدار کی محبت دور ہوتی ہے۔

جب یہ معلوم ہوا کہ ریا ایک سنگین مرض ہے' اور شیطان کا ایک مضبوط اور وسیع جال ہے' تو ریا کی وضاحت کرنا' اس کی حقیقت' اسباب اور درجات اور علاج کے طریقوں پر روشنی ڈالنا ضروری ہوا تاکہ اللہ کے بندے اس بیماری سے محفوظ رہ سکیں' اور جو مبتلا ہو گئے ہوں وہ صحت یاب ہو سکیں۔ سہولت بیان کے لیے ہم اس کتاب کو دو بابوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا باب : ذکر سے پہلے ان کو بحث کا موضوع بنانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شہرت اور ناموری کی مذمت : جاہ کی اصل شہرت اور ناموری ہے' اور شہرت مذموم ہے' بلکہ گمنامی پسندیدہ ہے' الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا دین پھیلانے کے لیے اس کی طلب اور خواہش کے بغیر شہرت عطا فرمادے حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

حب المرء من الشر الا من عصمه الله يشير الناس اليه بالا صابع في دينه و دنياه (بیہقی فی الشعب)

آدمی کے شر کے لیے اتنا کافی ہے مگر جسے اللہ محفوظ رکھے کہ لوگ اس کی طرف اس کے دین یا دنیا کے سلسلے میں انگلیوں سے اشارہ کریں۔

حضرت جابر ابن عبد اللہ ناقل ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

بحسب المرء من الشر الا من عصمه الله من السوء ان يشير الناس اليه بالاصابع في دينه و دنياه ان الله لا ينظر الى صوركم ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم۔

آدمی کے شر کے لیے اتنا کافی ہے مگر جسے اللہ برائی سے بچائے کہ لوگ اس کی طرف دین یا دنیا کے سلسلے میں انگلیوں سے اشارہ کریں' اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا وہ تمہارے دل اور تمہارے اعمال دیکھتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے لوگوں کو یہ حدیث سنائی تو کسی نے عرض کیا اے ابو سعید جب آپ کسی راستے سے گذرتے ہیں تو لوگ آپ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس حدیث میں یہ اشارہ مراد نہیں جو لوگ میری طرف کرتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ کوئی شخص دین میں کوئی بدعت ایجاد کرے' اس کی وجہ سے لوگ اس کی طرف اشارہ کریں یا دنیا کے فسق و فجور کی وجہ سے وہ کسی کے اشارہ کا مرکز بنے۔ حضرت حسن نے اس حدیث کی ایسی تاویل فرمادی کہ اب کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہا' حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ ارشاد فرماتے ہیں خرچ کر لیکن اپنی سخاوت کو شہرت نہ دے' اپنی شخصیت کو اونچا مت اٹھا کہ لوگ تجھے جان لیں اور تیرا تذکرہ کیا کریں' خاموشی اختیار کر تاکہ گناہوں سے بچا رہے' نیک کو خوش کر اور بد کو ناراض کر۔ حضرت ابراہیم ابن ادہم کا مقولہ ہے کہ جس نے شہرت پسند کی اس نے اللہ کی تصدیق نہیں کی۔ حضرت ایوب سختیانیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک تو اس بات کو اچھا نہیں جانتا کہ لوگ تیرے ٹھکانے سے واقف نہ ہوں اس وقت تک تو نے اللہ کی تصدیق نہیں کی۔ خالد ابن سعدان کی مجلس میں جب

---

(۱) یہ روایت حضرت جابر کی سند سے غیر معروف ہے بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی سند سے معروف ہے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں' اور بیہقی نے شعب میں روایت کیا ہے۔

زیادہ لوگ آجاتے تو وہ شہرت کے خوف سے اُٹھ کر چلے جاتے۔ حضرت ابو العالیہ کے پاس جب تین سے زیادہ افراد آکر بیٹھ جاتے تو انہیں وہاں رہنے میں تامل ہوتا۔ حضرت طلحہؓ نے دیکھا کہ تقریباً دس آدمی ان کے ساتھ آرہے ہیں' آپ نے فرمایا طمع کی مکھیاں ہیں' اور دوزخ کے پروانے ہیں' حضرت سلیمان ابن حنظلہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت اُبَیّ ابن کعب کے پیچھے چلے جارہے تھے کہ حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا آپ ان کی طرف دُرّہ لے کر بڑھے' اُبَیّ ابن کعب نے عرض کیا امیر المؤمنین! ذرا ٹھہرئیے' یہ آپ کیا کررہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ تابع کے لیے ذلت اور متبوع کے لیے فتنہ ہے۔ حضرت حسنؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اپنے گھر سے نکلے' کچھ لوگ ان کے پیچھے چلنے لگے آپ نے ان سے فرمایا تم میرے پیچھے کیوں آرہے ہو' بخدا اگر تمہیں معلوم ہوجائے کہ میں کس لئے اپنے گھر کا دروازہ بند رکھتا ہوں تو کوئی شخص بھی میرے ساتھ نہ آئے۔ حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ مردوں کے پیچھے جوتوں کی آواز پر بے وقوف جلد شیخی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ ایک روز آپ گھر سے چلے' لوگ پیچھے ہولئے' آپ نے پوچھا مجھ سے کچھ کام ہے تو ٹھیک ہے' ورنہ عجب نہیں کہ اس طرح میرے پیچھے پیچھے چلنا مؤمنوں کے دلوں میں کچھ نہ چھوڑے روایت ہے کہ ایک شخص ابن محیریز کا ہم سفر بنا' جب کسی منزل پر جدا ہوا تو درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں' آپ نے فرمایا: ایسا کرکہ تو لوگوں کو جان لے' لیکن لوگ تجھے نہ جانیں' تو اس طرح چلے کہ کوئی تیرے ساتھ نہ ہو' تو دوسرے سے پوچھے لیکن کوئی دوسرا تجھ سے سوال نہ کرے' حضرت ایوبؒ سفر پر نکلے تو بہت سے لوگ ان کے پیچھے پیچھے ہولئے' انہوں نے فرمایا' اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ میرے دل کی حالت پر مطلع ہے' اور میں دل سے اس مشایعت کو ناپسند کرتا ہوں تو مجھے غضب الٰہی کا خوف تھا معمر کہتے ہیں کہ میں نے ایوب کو ان کی قمیص کی لمبائی پر سخت سُست کہا' انہوں نے کہا کہ پہلے شہرت لمبے کرتے والوں کی ہوا کرتی تھی' اور اب اونچے کرتے والوں کی ہوتی ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں ابو قلابہ کے پاس تھا' اتنے میں ایک شخص عمدہ پوشاک زیب تن کئے ہوئے آیا' آپ نے لوگوں سے کہا کہ اس ڈھینچوں ڈھینچوں کرنے والے گدھے سے بچو' ان کا منشا یہ تھا کہ طالب شہرت ہے اس سے گریز کرو۔ ثوریؒ کہتے ہیں کہ اکابرین سلف عمدہ کپڑوں اور پیوند لگے کپڑوں کی شہرت کو بُرا سمجھتے تھے' اس لیے کہ نگاہیں دونوں طرح کے لباسوں پر اٹھتی ہیں۔ ایک شخص نے بشر ابن الحرث سے کہا کہ مجھے کوئی وصیت کیجئے' انہوں نے کہا اپنے آپ کو کم نام اور غذا کو حلال بنا۔ حوشب اس بات پر رویا کرتے تھے کہ میرا نام جامع مسجد تک پہنچ گیا ہے بشر کہتے ہیں کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے شہرت پسند کی ہو اور اس کا دین تباہ نہ ہوا ہو اور وہ ذلیل و رسوا نہ ہوا ہو۔ ایک مرتبہ فرمایا جو شخص شہرت طلب کرتا ہے وہ آخرت کی لذت نہیں پاتا۔

گمنامی کی فضیلت : رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

رب اشعث اغبر ذی طمرین لا یؤبہ لہ لو اقسم علی اللّٰہ لأ برہ منہم البراء بن مالک (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

بہت سے پراگندہ بال' غبار آلود دو چادروں والے ایسے ہیں کہ انہیں کوئی اہمیت بھی نہیں دیتا' لیکن اگر وہ کسی بات پر اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم بھی ضرور پوری کرے' انہی میں سے براء ابن مالک ہیں

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

رب ذی طمرین لا یؤبہ لہ لو اقسم علی اللّٰہ لأ برہ' لو قال اللّٰھم انی اسالک الجن لا عطاہ الجن ولم یعطہ من الدنیا شیئا (ابن ابی الدنیا' ابو منصور دیلمی)

بہت سے دو چادروں والے ایسے ہیں کہ انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن اگر وہ کسی بات پر اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری کرتا ہے اگر وہ یہ دعا کریں اے اللہ! میں تجھ سے جنت کی درخواست کرتا ہوں تو اللہ انہیں جنت ضرور عطا کرے گا' اگرچہ انہیں دنیا میں سے کچھ نہ دے۔

ایک روایت میں ہے:۔

الا ادلکم علی اہل الجنة کل ضعیف مستضعف لو اقسم علی اللہ لأ برہ واہل النار کل مستکبر جواظ (بخاری و مسلم)

کیا میں نہ بتلاؤں تمہیں جنت والے کون ہیں؟ ہر وہ ضعیف' کمزور کہ اگر اللہ کی قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم ضرور پوری کرے' اور اہل دوزخ ہر متکبر اور اجڈ گنوار ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان اہل الجنة کل اشعث اغبر ذی طمرین لا یؤبہ لہ' الذین اذا استاذنوا علی الامراء لم یؤذن لہم واذا خطبوا النساء لم ینکحوا واذا قالوا لم ینصت لقولہم حوائج احدہم تتخلخل فی صدرہ لو قسم نورہ یوم القیامة علی الناس لوسعہم (۱)

اہل جنت وہ لوگ ہیں جو پراگندہ بال' غبار آلود دو چادروں والے ہوں' کوئی ان پر دھیان نہ دے' اگر وہ امیروں کے پاس جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت نہ دی جائے' اگر وہ عورتوں سے شادی کا پیغام دیں تو ان کا نکاح نہ ہو' اگر وہ کچھ کہیں تو ان کی بات خاموشی سے نہ سنی جائے' ان کی خواہشات ان کے سینوں میں مچلتی ہیں' لیکن اگر ان کا نور قیامت کے روز انسانوں پر تقسیم کیا جانے لگے تو سب کو کافی ہو جائے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ان من امتی من لو اتی احدکم یسالہ دینارا لم یعطہ ایاہ ولو سالہ درہما لم یعطہ ایاہ ولو سالہ فلسا لم یعطہ ایاہ' ولو سائل اللہ تعالی الجنة لاعطاہ ایاہا' لو سالہ الدنیا لم یعطہ ایاہا ومنعہا ایاہ الا لہوانہا علیہ رب ذی طمرین لا یؤبہ لہ لو اقسم علی اللہ لأبرہ (طبرانی اوسط۔ ثوبان)

میری امت میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی سے ایک دینار یا ایک درہم یا ایک پیسہ مانگیں تو نہ دے' اور اگر وہ اللہ سے جنت مانگیں تو انہیں عطا کردے اور اگر وہ دنیا مانگیں تو نہ دے اور دنیا سے انہیں منع کرنا محض اس لیے ہے کہ دنیا خوار ہے بہت سے دو چادروں والے جنہیں کوئی اہمیت نہیں دیتا اگر اللہ کی قسم کھالیں تو وہ ان کی قسم ضرور پوری کرے۔

روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کے پاس حضرت معاذ ابن جبلؓ کو روتے ہوئے دیکھا۔ آپ نے ان سے رونے کی وجہ دریافت کی؟ معاذؓ نے کہا میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:۔

ان الیسیر من الریاء شرک' وان اللہ یحب الاتقیاء الاخفیاء الذین ان غابوا لم یفتقدوا وان حضروا لم یعرفوا قلوبہم مصابیح الہدی ینجون من کل غبراء مظلمة (طبرانی' حاکم)

تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے' اور اللہ تعالیٰ ان چھپے ہوئے متقیوں کو دوست رکھتا ہے کہ اگر وہ غائب ہوں

---

(۱) اس کی سند عراقی نے تخریج نہیں کی' یا کاتب سے سہواً رہ گئی۔

تو کوئی انہیں تلاش نہ کرے اور اگر وہ موجود ہوں تو کوئی انہیں نہ جانے' ان کے دل ہدایت کی شمعیں ہیں وہ ان کی روشنی سے ہر غبار آلود' اور تاریک رہ گذر سے بچ کر نکلتے ہیں۔

محمد ابن سوید کہتے ہیں کہ اہل مدینہ قحط کا شکار ہوئے' ان دنوں مسجد نبوی میں ایک نیک اور غیر معروف آدمی رہا کرتا تھا' ایک دن بہت سے لوگ دعا میں مصروف تھے کہ ایک شخص آیا' اس کے جسم پر پرانے کپڑے تھے' اس نے دو مختصر رکعتیں پڑھیں' اور اس طرح دعا مانگی! اے اللہ! میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ اسی وقت بارش عطا فرما راوی کہتے ہیں کہ ابھی اس مرد صالح نے ہاتھ نیچے بھی نہیں گرائے تھے کہ آسمان پر آبر چھا گیا' اور اتنا پانی برسا کہ مدینہ کے لوگ سیلاب کے ڈر سے فریاد کرنے لگے' اس نے دعا کی کہ اے اللہ اگر تو اس قدر بارش کو ان کے لے کافی سمجھتا ہے تو اسے روک دے بارش فوراً ہی رک گئی پھر یہ شخص اس نیک آدمی کے پیچھے پیچھے ہو لیا جو مسجد نبوی میں مصروف عبادت رہا کرتا تھا۔ اور ان کے گھر کا پتہ دریافت کرکے واپس آگیا' صبح سویرے ان کے گھر پہنچا' وہ باہر نکلے آنے کا مقصد دریافت کیا' اس نے بتلایا کہ میں یہ درخواست لے کر آیا ہوں کہ اپنی دعاؤں میں مجھے خاص طور پر یاد رکھا کریں' انہوں نے کہا: سبحان اللہ! آپ اور مجھ سے یہ درخواست کرتے ہیں' حالانکہ میں کل اپنی آنکھوں سے آپ کی دعا کی مقبولیت دیکھ چکا ہوں۔ آپ تو مجھے یہ بتلائیں کہ یہ مرتبہ آپ کو کیسے ملا۔ انہوں نے جواب دیا اوامرو نواہی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نے مجھے یہ شرف عطا کیا ہے کہ میں جو دعا کرتا ہوں قبول ہو جاتی ہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ تم علم کے چشمے ہدایت کی شمعیں بنو' رات کے چراغ اور تازہ دل بنو' تمہارے کپڑے پرانے ہوں' اپنے گھروں میں مقید رہو' آسمان میں تمہارے چرچے ہوں' زمین میں تمہیں کوئی نہ جانتا ہو' حضرت ابو امامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

يقول اللہ تعالیٰ ان اغبط اوليائی عبد مؤمن خفيف الحاذ ذو حظ من صلاة احسن عبادة ربه واطاعه فی السر' وكان غامضا فی الناس لا يشار اليه بالاصابع ثم صبر علی ذلک

میرے دوستوں میں زیادہ قابل رشک وہ بندہ مؤمن ہے جو اپنے اوپر کم بوجھ رکھتا ہو' نماز سے حظ لیتا ہو' اپنے رب کی عبادت اچھی طرح کرتا ہو' اور چھپ کر اس کی اطاعت کرتا ہو' لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو کہ لوگ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ نہ کرتے ہوں پھر وہ اس حالت پر صبر کرتا ہو۔

راوی کہتے ہیں اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں پر مارا' اور ارشاد فرمایا:۔

عجلت منيته' وقل تراثه' وقلت بواكيه (ترمذی۔ ابن ماجہ)

اس کی موت جلد آجائے' اس کا ترکہ کم ہو' اور اس کے رونے والے تھوڑے ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے محبوب ترین بندے پردیسی ہیں' کسی نے پوچھا پردیسی سے آپ کی کیا مراد ہے' فرمایا وہ لوگ جنہوں نے دین کی خاطر وطن سے جدائی اختیار کی ہو' یہ لوگ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جمع ہوں گے۔ فضیل ابن عیاضؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بعض انعامات کے سلسلے میں یہ بھی فرمائے گا کہ کیا میں نے تجھ پر یہ انعام نہیں کیا تھا' کیا تیری پردہ پوشی نہیں کی تھی' کیا تجھے گمنام نہیں کیا تھا؟ خلیل ابن احمد یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے اپنے یہاں بلند مرتبہ بنا' اور خود میری نظروں میں مجھے کم حیثیت کر' اور لوگوں کی نگاہوں میں متوسط درجے کا انسان قرار دے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ میرا دل مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے ان غریب الوطن صالحین کے دلوں سے مل جائے جو پر مشقت زندگی بسر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم ابن ادہم کہتے ہیں مجھے دنیا میں ایک ہی بار آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوئی ہے' ایک رات میں نے شام کے کسی گاؤں کی مسجد میں گذاری' ان دنوں میں دستوں کی بیماری میں مبتلا تھا' مؤذن نے

میری ٹانگ پکڑ کر گھسیٹی اور مجھے مسجد سے باہر کردیا۔ فضیل کہتے ہیں اگر تو غیر معروف رہ سکے تو ایسا ضرور کرلے 'کیا شہرت پانا اور تعریف سمیٹنا ضروری ہے 'اگر تو اللہ کے نزدیک محبوب ہے تو تجھے لوگوں کی نظروں میں ناپسندیدہ ہونا نقصان نہیں دے گا

ان اخبار و آثار سے شہرت کی مذمت 'اور گمنامی کی فضیلت پر روشنی پڑتی ہے 'شہرت اور ناموری بذات خود مطلوب نہیں ہیں ' بلکہ ان کے ذریعے جاہ و منزلت کا حصول مطلوب ہے 'اور جاہ پسندی ہر فساد کی جڑ ہے۔ اگر انبیائے کرامؑ 'خلفائے راشدینؓ 'اور علمائے عظامؒ کی شہرت پر اعتراض کیا جائے اور کہا جائے کہ ان سے زیادہ شہرت کسے مل سکتی ہے 'اگر شہرت ایسی ہی بری چیز ہے تو یہ لوگ کیوں مشہور ہوئے 'اور گمنامی کی فضیلت سے کیسے محروم رہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شہرت کی طلب مذموم ہے 'اگر کسی کو محض اللہ کے فضل و کرم سے اس کی خواہش 'اور جدوجہد کے بغیر شہرت نصیب ہوجائے تو یہ مذموم نہیں ہے 'البتہ کمزوروں کے لیے فتنہ کا باعث ضرور بن سکتی ہے 'تاہم پختہ کردار کے حامل اس فتنے سے محفوظ رہیں گے 'ضعیفوں کی مثال ایسی ہے جیسی بہت سے ڈوبنے والوں میں کوئی آدمی ہاتھ پیر چلانا جانتا ہو 'بہتر یہی ہے کہ ڈوبنے والے اسے نہ جانیں 'ورنہ اسے ہاتھ پیر چلاتا ہوا دیکھ کر اس سے لپٹ جائیں گے 'خود بھی ڈوبیں گے اور اسے بھی ہلاک کریں گے البتہ طاقتور کی شہرت مُضر نہیں 'بلکہ ڈوبنے والوں کو اچھے تیراک سے واقف ہی ہونا چاہیے تاکہ اسے پکڑ کر ساحل تک پہنچ سکیں اور نجات پائیں۔

حبِ جاہ کی مذمت : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا

(پ ۲۰' ر ۴' آیت ۸۳)

یہ عالم آخرت ہے 'ہم ان ہی لوگوں کے لیے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔

اس آیت میں ارادۂ فساد 'اور دنیا میں عُلو و مرتبت حاصل کرنے کی نیت کو ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ دار آخرت ان لوگوں کے لیے ہے جو دونوں ارادوں سے خالی ہوں ارشادِ ربانی ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (پ ۱۲ ر ۲ آیت ۱۵)

جو شخص محض حیاتِ دُنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان کے اعمال کی جزا ان کو اس دنیا ہی میں پورے طور پر بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لیے اس (دنیا) میں کچھ کمی نہیں ہوتی یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں 'اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا تھا وہ ناکارہ ہوگا 'اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ اب بھی بے اثر ہے۔

یہ آیت بھی اپنے عموم کے اعتبار سے حبِ جاہ کو شامل ہے 'کیوں کہ دنیوی زندگی کی لذتوں میں اس سے بڑھ کر کوئی لذت نہیں ہے 'اور دنیا کی زینتوں میں اس سے بڑھ کر کوئی زینت نہیں ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حب المال والجاه ينبتان النفاق في القلب كما ينبت الماء البقل (۱)

مال و جاہ کی محبت دلوں میں اس طرح نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزی اُگاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

ماذئبان ضاريان ارسلا في زريبة غنم باسرع افسادا من حب الشرف والمال

---

(۱) یہ روایت اس باب کے شروع میں گذر چکی ہے۔

فی دین الرجل المسلم (۱)
بکریوں کے گلے میں چھوڑے جانے والے دو خونخوار بھیڑیے اتنی جلدی فساد برپا نہیں کرتے جتنی جلدی مال و شرف کی محبت سے مسلمان کے دین میں فساد پیدا ہوتا ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے ارشاد فرمایا:۔
انما ھلاک الناس باتباع الھوی وحب الثناء نسال اللہ العفو والعافیۃ بمنہ وکرمہ (۲)
لوگ ہوائے نفس کی اتباع' اور مدح وثناء کی محبت کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں' ہم اللہ سے اس کے فضل و کرم کے حوالے سے عفو و عافیت کے خواست گار ہیں۔

جاہ کے معنٰی اور اس کی حقیقت : جاہ اور مال دونوں دنیا کے دو رکن ہیں' مال کے معنٰی ہیں ان اعیان کا مالک بننا جن سے نفع اٹھایا جاتا ہے' اور جاہ کے معنٰی ہیں ان قلوب کا مالک بننا جن سے اپنی تعظیم و طاعت مطلوب ہے' جس طرح مالدار درہم و دینار کا مالک بن کر اغراض و مقاصد حاصل کرلیتا ہے اور اپنی خواہشات اور نفس کے تمام حظوظ کی تکمیل پر قادر ہوتا ہے اسی طرح صاحبِ جاہ لوگوں کے دلوں کا مالک بن کر انھیں اپنے مفادات اور اغراض میں استعمال کرتا ہے پھر جس طرح مال مختلف قسم کی صنعتوں اور پیشوں کے ذریعے کمایا جاتا ہے' اسی طرح لوگوں کے دل معاملات میں خوش اسلوبی' اور مہربانیوں سے جیتے جاتے ہیں' دل معرفت اور اعتقاد سے مسخر ہوتے ہیں' مثلاً کسی کے دل میں یہ آئے کہ فلاں شخص میں فلاں وصف موجود ہے' وہ اس کے لیے مسخر ہوجائے گا' اور اپنے اعتقاد کی قوت و شدت کے اعتبار سے اس کا تابع ہوجائے گا' وصف کا فی نفسہ کامل ہونا ضروری نہیں ہے' بلکہ معتقد کے خیال میں وصف کا کامل ہونا کافی ہے' چنانچہ بعض اوقات وہ ایسی چیز کو بھی کمال سمجھ لیتا ہے' جو حقیقت میں کمال نہ ہو' اور دل موصوف بہ کا تابع ہوجاتا ہے' اس لیے کہ دل کا تابع ہونا ایک حالت ہے' اور قلب کے احوال اس کے اعتقادات' معلومات اور تخیلات کے تابع ہوا کرتے ہیں جس طرح مال پسند طبیعتیں یہ چاہتی ہیں کہ وہ غلاموں اور باندیوں کے مالک بنیں اسی طرح جاہ پسند افراد یہ چاہتے ہیں کہ وہ آزاد انسانوں کے گلے میں اپنی غلامی کا طوق ڈال دیں اور ان کے دلوں پر مکمل اختیار حاصل کرلیں تاکہ انھیں اپنے مفادات میں استعمال کیا جاسکے' طالب جاہ جس طرح کی غلامی چاہتا ہے وہ طالب مال کی مطلوب غلامی سے کہیں بڑھ کر ہے اس لیے کہ مالدار غلاموں کا زبردستی مالک بنتا ہے' وہ اپنی رضامندی سے اس کی غلامی قبول نہیں کرتے' اگر انھیں اختیار دے دیا جائے تو وہ ایک لمحے کے لیے بھی ان کی اطاعت نہ کریں طالب جاہ لوگوں کو ان کی رضامندی سے غلام بناتا ہے' اور یہ چاہتا ہے کہ لوگ خوشی کے ساتھ اس کی اطاعت کریں' اور یہ اطاعت ان کی طبیعت بن جائے۔ اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ طالبِ جاہ کا مطلوب طالبِ مال سے کہیں زیادہ ہے۔

بہرحال جاہ کے معنٰی یہ ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں جگہ ہو' یعنی اوصاف کمال میں سے کسی وصف کا دل میں اعتقاد ہونا یہ اعتقاد جس قدر شدید ہوگا' اسی قدر انقیاد بھی زیادہ ہوگا' اور اسی اعتبار سے معتقد علیہ کو دلوں پر قدرت بھی زیادہ حاصل ہوگی' اور قدرت کے لحاظ سے جاہ کی محبت اور اس سے حاصل ہونے والی خوشی بھی زیادہ ہوگی جاہ کے ثمرات و نتائج بھی ہیں مثلاً لوگوں کا تعریف کرنا' یا حد سے زیادہ بڑھانا کیونکہ کمال کا معتقد اپنے اعتقاد کے ذکر سے سکوت نہیں کرتا بلکہ اس کمال کی تعریف کرتا ہے جاہ کے ثمرات میں سے خدمت و اعانت بھی ہے کیونکہ معتقد اپنے نفس کو اعتقاد کے مطابق معتقد علیہ کی خدمت کے لیے وقف کردیتا ہے'

---

(۱) یہ روایت بھی پہلے گذر گئی ہے۔ (۲) یہ روایت مجھے ان الفاظ میں نہیں ملی۔ البتہ کتاب العلم میں حضرت انسؓ کی یہ روایت گذر چکی ہے ثلاث مہلکات شح مطاع الخ

اور غلاموں کی طرح اس کے لیے مسخر رہتا ہے' وہ جس طرح چاہتا ہے اسے استعمال کرتا ہے' اسی طرح معتقد علیہ کے لیے ایثار کرنا' اس کے ساتھ اختلاف نہ کرنا' اس کی عزت کرنا' سلام میں پہل کرکے اس کا احترام کرنا' محفلوں میں صدر نشیں بنانا' اور تمام معاملات میں آگے رکھنا بھی جاہ ہی کے ثمرات ہیں' اور اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب کسی شخص کو دل میں جگہ دی جاتی ہے' اور اس کے اوصاف کمال کا اعتقاد کیا جاتا ہے' خواہ وہ علمی ہوں' یا ان کا تعلق عبادت سے ہو' یا حسن عادت سے یا حسن صورت سے' یا نسب سے' یا حکومت سے' یا طاقت سے' یا کسی اور پہلو سے جسے لوگ کمالی تصوّر کرتے ہوں' یہ وہ تمام اوصاف ہیں جو دل میں جگہ پاتے ہیں' اور ان کے حاملین کو عزت ملتی ہے۔

جاہ کیوں پسند ہے؟ رہا یہ سوال کہ لوگ اتنے جاہ پسند کیوں ہوتے ہیں' شاید ہی کوئی دل اس سے خالی ہوتا ہو' اور جو دل بھی اس سے خالی ہوتا ہے وہ شدید مجاہدے کے بغیر نہیں ہوتا؟ اصل میں سونے' چاندی اور دوسرے اموال کی محبت کا جو سبب ہے وہی جاہ کی محبت کا سبب ہے' بلکہ یہ سبب اس امر کا مقتضی ہے کہ جاہ کی محبت مال کی محبت سے زیادہ ہو جیسا کہ سونا اور چاندی اگر وزن میں برابر ہوں تو سونے کی محبت زیادہ ہوتی ہے' اس لیے کہ درہم و دینار فی نفسہ مطلوب نہیں ہیں' کیونکہ نہ انہیں کھایا جاسکتا ہے' نہ پیا جاسکتا ہے' نہ ان سے نکاح کیا جاسکتا ہے' نہ وہ پہنے جاسکتے ہیں بلکہ وہ اور پتھر دونوں برابر ہیں' لیکن ان سے اس لیے محبت کی جاتی ہے کہ ان کے ذریعہ تمام پسندیدہ چیزوں کا حصول ممکن ہے' یہ خواہشات کی تکمیل کا وسیلہ ہیں' یہی حال جاہ کا ہے کیونکہ جاہ کے معنیٰ ہیں دلوں کا مالک بننا' جس طرح سونے چاندی کی ملکیت سے آدمی کو اپنی تمام اغراض کی تکمیل پر قدرت حاصل ہوجاتی ہے اسی طرح اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے دلوں کی ملکیت اور ان کی تسخیر پر قدرت سے بھی تمام مقاصد کی تکمیل پر اختیار حاصل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ دونوں کی محبت کا سبب ایک ہی ہے' اس لیے دلوں میں مال کی محبت بھی ہوتی ہے اور جاہ کی بھی' تاہم جاہ مال کے مقابلے میں راجح ہے' اس لیے جاہ کی محبت مال کی محبت سے زیادہ ہوتی ہے۔

جاہ کو مال پر ترجیح کیوں ہے؟ : جاہ کو مال پر تین وجوہات سے ترجیح حاصل ہے۔

پہلی وجہ : یہ ہے کہ جاہ کے ذریعہ مال تک پہنچنا مال کے ذریعہ جاہ حاصل کرنے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے' چنانچہ اگر کوئی ایسا زاہد یا عالم جس کی منزلت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہوچکی ہو مال کمانا چاہے تو وہ بآسانی کما سکتا ہے' کیونکہ دل والے اپنا مال ان لوگوں کے لیے خرچ کرسکتے ہیں جن کے لیے ان کے دلوں میں عقیدت و محبت ہو۔ ہاں اگر اوصاف کمال سے محروم کسی خسیس انسان کو کوئی خزانہ ہاتھ لگ جائے اور وہ جاہ سے محروم ہو' اور یہ چاہے کہ مال کے ذریعے جاہ حاصل کرے تو یہ دشوار ہے اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جاہ کے ذریعے مال کما سکتا ہے لیکن مال کے ذریعے جاہ حاصل نہیں کرسکتا۔ اس اعتبار سے جاہ زیادہ محبوب ہوتی ہے۔

دوسری وجہ : یہ ہے کہ مال ضائع بھی ہوسکتا ہے کہ چوری ہوجائے' چھن جائے' یا حکام اور ظالم اس کی طمع کریں' اس میں حفاظت' نگہبانی اور تجوریوں کی ضرورت پیش آتی ہے غرضیکہ مال میں بہت سی آفتیں ہیں' جب کہ اگر تم دلوں کے مالک بن جاؤ تو تمہیں ان میں سے کسی بھی آفت کا سامنا نہ کرنا پڑے دل ایسے گڑے ہوئے مخفی خزانے ہیں کہ نہ انہیں چرایا جاسکتا ہے' اور نہ ان تک لٹیروں' اور ڈاکوؤں کی رسائی ہوسکتی ہے' مال میں سب سے زیادہ پائیدار چیز غیر منقول جائداد (زمین یا مکان) ہے' لیکن اس میں بھی قبضے کے خطرات موجود ہیں' اور یہ بھی نگہبانی اور حفاظت سے بے نیاز نہیں ہے۔ دلوں کے خزانے از خود محفوظ ہیں' اس اعتبار سے جاہ بھی غصب اور چوری سے مامون ہے البتہ دلوں کے خزانے میں ایک خطرہ یہ ضرور ہوسکتا ہے کہ کوئی انہیں گمراہ کردے یا صاحب جاہ کی برائی کرکے انہیں اس کے اعتقاد سے منحرف کردے لیکن اول تو یہ خطرہ بہت کم پیش آتا ہے' دوسرے اس کا دفاع زیادہ دشوار نہیں ہوتا' پھر عموماً اعتقاد اتنا راسخ ہوتا ہے کہ بدخواہ کی کوشش کامیاب نہیں ہوتی۔

تیسری وجہ : یہ ہے کہ دلوں کی ملکیت متعدی ہے' اور بلا تعب و مشقت بڑھتی رہتی ہے' اس لیے کہ دل جب کسی کی عقیدت سے معمور ہوتے ہیں اور اس کے علم و عمل کا اعتقاد کرتے ہیں تو زبانیں بھی حمد و ثناء پر مجبور ہوتی ہیں' لوگ خود جس چیز کا اعتقاد رکھتے ہیں اسے دوسروں سے بھی بیان کرتے ہیں' اور وہ بھی اس عقیدت میں گرفتار ہو جاتے ہیں' اسی لیے طبائع شہرت اور ناموری کو پسند کرتی ہیں کیونکہ جب ذکر عام ہوتا ہے' اور ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک شہرت سفر کرتی ہے تو دل خود بخود احترام و عقیدت پر مجبور ہو جاتے ہیں' اور یہ سلسلہ ایک سے دوسرے تک دراز ہو جاتا ہے اور اس کی کوئی انتہا یا متعین حد نہیں ہوتی' مال میں یہ بات نہیں' صاحب مال اپنے مال میں مشقت و محنت کے بغیر اضافہ نہیں کر سکتا جاہ ہمیشہ نمو پذیر رہتی ہے' کسی جگہ ٹھہرتی نہیں' مال ہمیشہ ایک جگہ رہتا ہے بڑھانے سے بڑھتا ہے۔ اسی لیے مال جاہ کے مقابلے میں حقیر ہے۔ یہ چند مجمل وجوہ ترجیح ہیں' اگر ان کی تفصیل کی جائے تو وجوہ بے شمار ہو سکتی ہیں۔

مال و جاہ کی محبت میں اِفراط کے اَسباب : یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ آدمی مال و جاہ کے حصول فوائد اور دفع مضار کے لیے محبت کرتا ہے' مثلاً لباس' غذا' اور رہائش کا حصول' یا مرض و عقوبت سے دفاع بشرطیکہ کوئی عقوبت ایسی ہو جس سے جاہ و مال کے بغیر بچنا ممکن نہ ہو' اس لحاظ سے مال و جاہ کی محبت سمجھ میں آتی ہے' کیونکہ محبوب کا ذریعہ بھی محبوب ہوتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کو ضرورت نہیں ہوتی' اس کے باوجود وہ مال کی طمع رکھتے ہیں' خزانوں کی اِفراط' اور دفینوں کی کثرت کی خواہش کرتے ہیں' حد یہ ہے کہ اگر ان کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری وادی کے آرزو رکھیں' اسی طرح انسان یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی عزت و عظمت میں اضافہ ہو' اور دور دراز ملکوں تک اس کا نام پھیلے' اگرچہ وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ ان ملکوں تک پہنچنا اس کے لیے ممکن نہیں ہے' نہ وہ ان ملکوں کے رہنے والوں سے ملاقات کرے گا' نہ وہ اس کی تعظیم کریں گے' اور نہ وہ اس کے کسی مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنیں گے۔ بظاہر یہ ایک جہالت ہے لیکن طبائع اس جہالت پر رضامند ہیں اور ضرورت کے بغیر بھی جاہ و مال کی محبت میں مبتلا رہتی ہیں' حالانکہ نہ اس میں دین کا فائدہ ہے اور نہ دنیا کا اس کی وجہ کیا ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے واقعتہً مال و جاہ کی محبت ہر شخص کے دل میں ہے۔ اس کے دو سبب ہیں' ایک سبب واضح ہے سب جانتے ہیں' اور دوسرا سبب مخفی ہے' اور یہی سبب بڑا بھی ہے لیکن یہ انتہائی دقیق ہے' کند ذہنوں اور بے عقلوں کی تو بات ہی کچھ اور ہے اچھے خاصے سمجھدار لوگ بھی اس سبب سے واقفیت نہیں رکھتے' کیوں کہ یہ سبب نفس کی اندرونی رگ' اور طبیعت کی مخفی تقاضوں سے مدد لیتی ہے' اور اس رگ باطن اور تقاضائے طبع سے صرف وہی لوگ واقف ہوتے ہیں جو اس سمندر میں غوطہ زن رہتے ہوں۔

پہلا سبب۔ اِزالۂ خوف : اس سبب کا حاصل یہ ہے کہ آدمی مستقبل کے خوف سے مال کا حریص ہوتا ہے' سوءِ ظن انسان کو حریص بنا ہی دیتا ہے' اگرچہ اس کے پاس بقدرِ کفایت مال موجود ہو' لیکن کیوں کہ وہ طویلُ الاَمَل ہے' اسکی آرزوؤں کی کوئی انتہا نہیں ہے' اس کے دل میں یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں یہ مال جو اسے اب بقدرِ کفایت میسّر ہے ختم نہ ہو جائے' اور وہ دوسرے کا محتاج نہ بن جائے جب اس کے دل میں یہ بات آتی ہے تو خوف اس کے دل کا احاطہ کر لیتا ہے' اور یہ خوف اس وقت تک دور نہیں ہوتا جب تک اسے دوسرا مال میسّر نہیں ہو جاتا تاکہ اگر کسی وجہ سے پہلا مال کسی ناگہانی حادثے کی نذر ہو جائے تو دوسرا مال اس کے قائم مقام بن سکے اسے ہر وقت یہ خوف دامن گیر رہتا ہے' زندگی سے بے پناہ محبت اسے یہ اندازہ کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ میں عرصۂ دراز تک زندہ رہوں گا' اسی کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی فرض کر لیتا ہے کہ جس قدر میری زندگی طویل ہوگی اسی قدر میری ضرورتیں بھی زیادہ ہوں گی' اسی کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی باور کر لیتا ہے کہ میرا مال آفتوں اور مصیبتوں کی زد میں ہے کسی وقت بھی ضائع ہو سکتا ہے یہ تصور اسے خوف زدہ کر دیتا ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ مال حاصل کر کے اس خوف سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی

جدوجہد کرتا ہے تاکہ اگر کچھ مال ضائع چلا جائے تو دوسرا مال اسے دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بے نیاز کردے یہ خوف اسے مال کی کسی ایک متعین مقدار پر توقف نہیں کرنے دیتا' اسی لیے مال کی محبت میں مبتلا شخص کی کوئی انتہا نہیں ہوتی' بلکہ وہ تمام دنیا کا مالک بننے کی خواہش رکھتا ہے' اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

منھومان لا یشبعان منھوم العلم و منھوم المال (طبرانی۔ ابو مسعودؓ)

دو حریص شکم سیر نہیں ہوتے' ایک علم کا حریص' دوسرے مال کا حریص۔

جاہ کی محبت کا بھی تقریباً یہی سبب ہے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دور دراز کے ملکوں میں رہنے والوں کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت قائم کرے وہ دراصل اس خوف میں مبتلا ہے کہ کہیں کسی وقت مجھے وطن سے جدا ہو کر کسی دوسری جگہ مقیم نہ ہونا پڑے' یا وہ لوگ کسی وجہ سے میرے وطن سے میرے وطن میں آکر نہ رہنے لگیں' اس صورت میں ان کی مدد کی ضرورت پیش آئے گی' بہرحال اس کا امکان ہے' اور دور رہنے والوں سے مدد لینا بظاہر محال بھی نہیں ہے' اس لیے اگر ان کے دلوں میں قدر و منزلت پیدا ہو جائے تو یہ بات انتہائی خوش کن اور لذت آفریں ہوتی ہے۔

دوسرا سبب : یہ زیادہ قوی سبب ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ روح ایک امر ربّانی ہے' قرآن کریم میں روح کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

یَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّیْ (پ ۱۵ ر ۱۰ آیت ۱۰)

اور یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔

روح کے ربّانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق علومِ مکاشفہ کے اَسرار سے ہے' اور اس کے اظہار کی اجازت نہیں ہے' کیوں کہ اگر اظہار کی رخصت ہوتی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم روح کی حقیقت ضرور ظاہر فرماتے (بخاری۔ ابن مسعودؓ) اس موضوع پر مزید کسی گفتگو سے قبل یہ جان لینا چاہیئے کہ قلب کا میلان چار طرح کے اوصاف کی طرف رہتا ہے۔ بہیمی اوصاف جیسے کھانا اور جماع کرنا' سبعی اوصاف جیسے قتل کرنا مارنا' ایذا دینا' شیطانی اوصاف جیسے مکر کرنا' فریب دینا اور بہکانا' ربّانی اوصاف جیسے کبر' عزت' اور برتری۔ ان مختلف صفات کی طرف قلب کی رغبت کی وجہ یہ ہے کہ انسان چند اصولوں سے مرکّب ہوا ہے جن کی تفصیل طوالت طلب ہے یہاں صرف اتنا بتلا دینا کافی ہے کہ انسان میں امرِ ربّانی ہے اس لیے وہ طبعاً ربوبیت پسند ہے۔ اور ربوبیت کے معنیٰ ہیں کمال میں انفرادیت' اور وجود میں استقلال۔ اس لیے کہ وجود میں اشتراک بھی نقص کی علامت ہے' چنانچہ سورج کا کمال ہی اس میں ہے کہ وہ اپنے وجود میں مستقل ہے اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا سورج بھی ہوتا تو یہ بات اس کے حق میں عیب ہوتی' کیونکہ اس وقت یہ نہ کہا جاتا کہ سورج اپنے کمال میں یکتا ہے وجود میں یکتا اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا اس کے سوا موجود نہیں ہے' اس کے سوا جو کچھ ہے وہ اس کی قدرت کے آثار ہیں' جو بذات خود قائم نہیں ہیں بلکہ اللہ کے وجود سے ان کا قیام ہے' وجود میں معیّت رتبے میں مساوات چاہتی ہے اور رتبے میں مساوات کمال میں نقص ہے' کامل وہی ہے جس کا اس کے مرتبے میں کوئی نظیر نہ ہو' آفتاب کی روشنی اگر تمام دنیا کو منوّر کرتی ہے تو یہ اس کا عیب نہیں ہے بلکہ یہ تو اس کے کمال کی علامت ہے عیب اس وقت ہوتا جب اسی درجے اور رتبے کا کوئی دوسرا آفتاب موجود ہوتا' اور اس سے بے نیاز بھی ہوتا۔ یہی حال اللہ کے سوا دوسری موجودات کا ہے' یہ بھی آفتابِ حقیقی سے نورِ حیات پاکر اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہیں' یہ تمام موجودات اس وجود حقیقی کے تابع ہیں' متبوع نہیں ہیں۔ بہرحال ربوبیت کے معنیٰ ہیں وجود میں منفرد ہونا۔ ہر انسان طبعاً یہ چاہتا ہے کہ وہ کمال میں یگانہ ہوں۔ اسی لیے بعض مشائخ صوفیہ نے کہا ہے کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے باطن میں وہ موجود نہ ہو جس کی تصریح فرعون نے کی تھی۔

أَنَا رَبُّكُمُ الأَعْلَى (پ ۳۰ ر ۳ آیت ۲۴)
میں تمہارا ربِّ اعلیٰ ہوں۔

لیکن انسان کو برتر و اعلیٰ بننے کا چارا نہیں' وہ کمال چاہتا ہے مگر اس میں اتنی طاقت نہیں کہ کامل بن سکے عبودیت نفس پر ایک قہر ہے' اور ربوبیت طبعاً محبوب ہے' اس نسبت ربّانیہ کی بنا پر جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے "قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي" اگرچہ انسان کمال کی منتہیٰ تک نہیں پہنچتا' لیکن کمال سے اس کی محبت اور خواہش ختم نہیں ہوتی' اور وہ اس کے تصوّر سے ہی لذّت پاتا رہتا ہے ہر موجود کو اپنی ذات' اور کمالِ ذات سے محبت کرتا ہے' اور ہلاکت سے نفرت کرتا ہے' جس میں اس کی ذات اور صفاتِ کمال کا عدم ہے' اگر وجود میں تفرّد نہ ہو تو کمال اسے سمجھا جائے گا کہ زیادہ تر موجودات پر فوقیت اور غلبہ حاصل ہو۔ اسی لیے انسان اقتدار' تفوّق' اور غلبے کو طبعاً پسند کرتا ہے مگر اشیاء پر غلبہ اس وقت سمجھا جائے گا جب کسی شخص کو اپنے ارادہ و خواہش سے ان میں تغیّر و تأثیر کی قدرت حاصل ہو وہ اشیاء اس کے لیے مسخّر ہوں جس طرح چاہے انہیں الٹ پھیر سکے اس طرح انسان کو یہ بات محبوب ہوئی کہ جو اشیاء سے کے ساتھ موجود ہیں اسے ان پر غلبہ حاصل ہو۔

موجودات کی قسمیں : لیکن موجودات کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض موجودات تغیّر و تأثیر کو قبول ہی نہیں کرتیں جیسے باری تعالیٰ کی ذات و صفات' اور بعض تغیّر تو قبول کرتی ہیں لیکن مخلوق کا تصرّف ان پر نہیں ہو سکتا' جیسے آسمان' ستارے' آسمانوں کے ملکوت' نفوسِ ملائکہ جن' شیاطین' پہاڑ' سمندر' اور جو چیزیں ان کے نیچے ہیں۔ تیسری قسم میں وہ موجودات شامل ہیں جن میں انسان تصرّف کر سکتا ہے جیسے زمین کے اجزاء' معادن' نباتات' حیوانات' انہی موجودات میں لوگوں کے قلوب بھی ہیں یہ بھی تأثیر و تغیّر کو قبول کرتے ہیں جیسے ان کے جسموں میں اس کو قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے' یا جس طرح حیوانات کے جسموں میں تغیّر و تبدّل کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

علم کے نام پر غلبے کی خواہش : بہرحال موجودات میں یہ تقسیم ہے کہ بعض میں انسانی تصرّف کی گنجائش ہے جیسے زمین کی اشیاء' اور بعض میں اس کے تصرّف کو دخل نہیں ہے جیسے ذاتِ باری' ملائکہ' اور آسمان اس لیے انسان نے یہ چاہا کہ جب ہم آسمان پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے تو ہمیں علم کی جہت سے اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہئے' اور اس کے اسرار و دقائق سے واقفیت حاصل کرنی چاہئے یہ بھی ایک طرح کا غلبہ ہی ہے' اس لیے کہ وہ شی جس کو علم محیط ہوتا ہے علم میں داخل ہو جاتی ہے' اور عالم اس پر غالب کہلاتا ہے غلبے کی خواہش نے ہی انسان کو مجبور کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ' ملائکہ' افلاک' کواکب' آسمانوں' پہاڑوں اور سمندروں کے عجائب سے واقفیت حاصل کرے' کیوں کہ علم بھی غلبہ ہی ہے' اور غلبہ بھی ایک طرح کا کمال ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی عجیب صنعت سے عاجز ہو تو وہ اس کے طریقے سے ہی واقفیت حاصل کرنی کی آرزو کرتا ہے' چنانچہ اگر کسی کو شطرنج کھیلنا نہیں آتا تو وہ اس بات کی تمنا کرتا ہے کہ کسی طرح اس کی چالیں ہی معلوم ہو جائیں' اسی طرح اگر شعبدے' یا ہندسے' یا جرِّ ثقیل وغیرہ میں کوئی عجیب صنعت نظر آئی' اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں اس صنعت پر قادر نہ ہو سکوں گا تو وہ یہ چاہے گا کہ مجھے اس کی کیفیت ہی معلوم ہو جائے اگرچہ وہ عجزِ عمل پر مغموم ہو گا لیکن کمالِ علم سے اسے خوشی ہو گی۔

دوسری قسم میں جس کا تعلق زمین کی موجودات سے ہے وہ محض علم کو کافی نہیں سمجھتا' بلکہ یہ چاہتا ہے کہ وہ اس پر تصرّف کا غلبہ حاصل کرے تاکہ اپنی خواہش کے مطابق تغیّر و تأثیر کا فعل انجام دے سکے زمین کی موجودات دو طرح کی ہیں۔ ایک اجسام' دوسرے ارواح۔ اجسام جیسے درہم و دینار' اور سامان وغیرہ۔ ان چیزوں میں انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ان پر عملاً متصرّف ہو' جہاں چاہے انہیں رکھے' جسے چاہے دے' جسے چاہے نہ دے۔ کسی چیز پر اس طرح کا تصرّف و اختیار قدرت کہلاتا ہے' اور قدرت کمال ہے' اور کمال ربوبیت کا ایک وصف ہے اور ربوبیت انسان کو طبعاً محبوب ہے۔ اسی لیے اسے مال سے محبت ہے خواہ لباس' کھانے

پہننے' اور شہوات نفس کی تکمیل میں اس کی ضرورت نہ ہو۔ اسی لیے وہ غلاموں' لونڈیوں کو اپنا مملوک بناتا ہے اور اپنے جیسے آزاد لوگوں کو اپنا مطیع بناتا ہے خواہ اس کے لیے جبر و قہر ہی سے کیوں نہ کام لینا پڑے بعض اوقات ایک آدمی اپنے ہی جیسے دوسرے آدمیوں کے جسموں اور روحوں میں تصرف کرتا ہے مگر وہ ان کے قلوب کی تسخیر نہیں کرپاتا کیوں کہ دل کمال کے اعتقاد کے بغیر مسخر نہیں ہوتے' البتہ قہر کمال کے قائم مقام بن جاتا ہے' قہر و غلبہ میں بھی انسان کو لذت ملتی ہے' کیوں کہ اس میں بھی قدرت و اختیار کو دخل ہے۔

دوسری قسم میں انسانوں کے نفوس' اور ان کے قلوب ہیں' روئے زمین میں ان سے زیادہ نفیس اور قیمتی چیز کوئی دوسری نہیں ہے' انسان کی خواہش رہتی ہے کہ وہ نفس اور دل پر بھی غلبہ حاصل کرے' اور انہیں مسخر کرے تاکہ ان میں وہ اپنی مرضی اور ارادے سے جو چاہے تصرف کرسکے۔ اس خواہش کی وجہ یہ ہے کہ دلوں کی تسخیر' اور ان میں تصرف کا اختیار اور کمال غلبہ ہے۔ اور اس میں صفات ربوبیت کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے' کیوں کہ دل بغیر محبت کے مسخر نہیں ہوتے' اور کمال کے اعتقاد کے بغیر محبت نہیں کی جاتی' اور ہر کمال محبوب ہوتا ہے' اس لیے کہ اس کا تعلق الٰہی صفات سے ہے' اور صفات الٰہیہ طبعاً محبوب ہوتی ہیں' کیوں کہ یہ امر ربانی سے مربوط ہیں' اور انسان میں یہ امر ربانی بھی موجود ہے' جسے نہ موت فنا کرتی ہے' نہ اسے مٹی کھاتی ہے' یہ ایمان و معرفت کا محل ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والا ہے' اور اس کے دیدار کا باعث ہے۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جاہ کے معنی ہیں قلوب کا مسخر ہونا' جس کے لئے قلوب مسخر ہوجاتے ہیں' اسے ان پر غلبہ و قدرت حاصل ہوجاتی ہے' اور غلبہ کمال ہے' اور یہ ربوبیت کا ایک وصف ہے۔ اسی لیے طبائع کو کمال علم اور قدرت سے محبت ہوتی ہے مال و جاہ قدرت کے اسباب ہیں کیوں کہ معلومات اور مقدورات کی کوئی انتہا نہیں ہے' اس لیے جب تک کوئی چیز علم و قدرت سے خارج رہے گی جذبہ شوق کو تسکین نہیں ہوگی' اور نقص زائل نہ ہوگا۔ اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حریص علم' اور حریص مال کے متعلق فرمایا کہ یہ کبھی سیر نہیں ہوتے ثابت یہ ہوا کہ مطلوب کمال ہے' اور کمال علم و قدرت سے حاصل ہوتا ہے۔ اس میں بے شمار درجات ہیں ہر انسان کو اسی قدر لذت اور سرور ملتا ہے جس قدر اسے کمال میسر ہوتا ہے جاہ و مال کی محبت کا یہ سبب ہے ظاہر ہے یہ وجہ پہلی وجہ تقاضائے شہوت کا ذریعہ ہونا سے بالکل مختلف ہے کیوں کہ تقاضائے شہوت کے باوجود یہ وجہ اپنی جگہ موجود رہتی ہے یعنی مال و جاہ کی محبت کم نہیں ہوتی اگرچہ ضرورتیں پوری ہوجائیں بلکہ علم کے معاملے میں تو انسان ان معلومات سے محبت کرتا ہے جو اس کے کسی مقصد میں بھی مفید ثابت نہیں ہوتیں' بلکہ بعض اوقات اس کے مقاصد کی راہ میں سنگ گراں بن جاتی ہیں لیکن طبائع راہ کی دشواری کو انگیز کرتی ہیں اور مشکلات پر قابو پاتی ہیں اور عجائب معلومات سے اپنا دامن دل سجاتی ہیں اس لیے کہ علم میں معلوم پر غلبے کی ایک شکل ہے' اور یہ غلبہ کمال تصور کیا جاتا ہے' اور کمال ایک ربانی وصف ہے اس لیے یہ طبعاً محبوب ہے لیکن کیونکہ کمال علم اور کمال قدرت میں بھی کچھ غلطیاں راہ پا گئی ہیں اس لیے ان کا بیان ضروری ہے۔

کمال حقیقی اور کمال وہمی: یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ وجود میں یکتائی کا کمال فوت ہوجانے کے بعد صرف علم اور قدرت ہی دو ایسی چیزیں رہ جاتی ہیں جن میں کمال حاصل کیا جاسکتا ہے لیکن ان دونوں میں کمال حقیقی کمال وہمی سے مخلوط ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں' اور اس کی تین وجوہات ہیں ایک وجہ معلومات کی کثرت اور وسعت ہے۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل کا علم تمام معلومات کو محیط ہے چنانچہ جس بندے کا علم بھی وسیع تر ہوگا وہ اتنا ہی اللہ سے قریب تر ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم کی اصل حقیقت کا علم ہے۔ اس کے سامنے تمام معلومات کی اصل حقائق مکمل طور پر واضح ہیں اسی لیے وہ شخص اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی قریب ہوگا جتنا اس کا علم واضح یقینی ہے' اور علوم کی صفات میں معلوم کے مطابق ہوگا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو زوال نہیں وہ ابدالآباد تک اس طرح رہے گا اس میں تغیر کا تصور بھی ممکن نہیں ہے چنانچہ بندے کی

معلومات جس قدر مستحکم اور مضبوط ہوں گی اسی قدر وہ اللہ کے نزدیک ہوگا۔

معلومات کی قسمیں : معلومات کی دو قسمیں ہیں متغیر ہونے والی اور ازلی۔

متغیرات : مثلاً زید کے گھر میں موجود ہونے کا علم یہ ممکن ہے کہ زید گھر سے نکل جائے اور گھر میں اس کی موجودگی کا اعتقاد باقی رہ جائے۔ اس صورت میں یہ علم جہل قرار پائے گا' اور اسے باعث نقص کہا جائے گا نہ کہ باعث کمال۔ ان تمام چیزوں کو جن میں انقلاب یا تبدیلی ممکن ہے کسی مخصوص حال پر اعتقاد کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ واقعتاً اسی حال پر ہوں گی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے اعتقاد کے برخلاف کسی دوسرے حال پر ہوں اس صورت میں تمہارا علم جہل اور تمہارا کمال ناقص قرار پائے گا۔ اس مثال میں عالم کی تمام متغیرات داخل ہیں' مثلاً پہاڑوں کی بلندی' زمین کا عرض و طول' شہروں کی تعداد' ان کی درمیانی مسافت وغیرہ کا علم۔ علم لغت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے کیوں کہ لغات نام ہے اصطلاحات کا۔ اور اصطلاحات میں زمانوں' قوموں اور عادتوں کے اختلاف سے تبدیلی کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے یہ علوم پارہ کی طرح ہیں' جو ایک حالت پر قائم نہیں رہتا بلکہ بدلتا رہتا ہے' ان میں کمال پیدا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ فی الحال ہوگا' ضروری نہیں کہ آنے والے دور میں بھی اسے کمال سمجھا جائے۔ مثلاً شہروں کی تعداد میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے' ان کے درمیانی فاصلے کم یا زائد بھی ہو سکتے ہیں' زمین کے طول و عرض میں بھی کمی یا زیادتی واقع ہو سکتی ہے اسی پر دوسری معلومات کو قیاس کر لیجئے۔

ازلیات : ازلیات کا مطلب ہے کہ ممکن اشیاء کا ممکن ہونا' واجبات کا واجب ہونا' اور مستحیل چیزوں کا محال ہونا۔ یہ معلومات ازلی ہیں ابدی نہیں' ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی' چنانچہ محال ممکن نہیں بن سکتا' ممکن محال نہیں ہو سکتا' محال واجب کی صورت اختیار نہیں کر سکتا یہ تمام اقسام اللہ تعالیٰ کی معرفت میں داخل ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اس کے افعال' آسمانوں اور زمین میں اس کی حکمت' دنیا و آخرت اور ان کے متعلقات کی ترتیب کا علم ہی کمال حقیقی ہے۔ جو اس کمال سے متصف ہوگا وہی اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوگا' اور نفس کا یہ کمال موت کے بعد بھی باقی رہے گا' اور عارفین کے لیے ایک مینارۂ نور بن جائے گا جس کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا (پ ۲۸ ر ۲۰ آیت ۸)

(ان کا نور) ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا اور (وہ) یوں دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارے اس نور کو آخیر تک رکھیئے۔

یعنی یہ معرفت ایک ایسا سرمایہ بن جائے گی کہ جو معلومات دنیا میں منکشف نہیں تھیں وہ بھی معلوم ہو جائیں گی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے پاس ایک مدھم سا چراغ ہو' ہو سکتا ہے وہ اس ٹمٹماتے ہوئے چراغ سے کوئی دوسرا چراغ روشن کر لے یا اس کی روشنی بڑھالے جس کے پاس چراغ ہی نہ ہو وہ نہ دوسرا چراغ جلا سکتا ہے اور نہ نور مکمل کر سکتا ہے معرفت سے محروم شخص بھی اس آدمی کی طرح ہے جو چراغ سے محروم ہے۔ اس کی مثال یہ ہے۔

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (پ ۸ ر ۲۰ آیت ۲۳)

کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے۔ جس کی حالت یہ ہے کہ وہ تاریکیوں میں ہے ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔

بلکہ اس کی تاریکی کے لیے یہ مثال صحیح ہوگی۔

اَوْ كَظُلُمَاتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (پ ۱۸ ر ۱۱ آیت ۴۰)

یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر میں اندھیرے کہ اس کو ایک بڑی لہر نے ڈھانک لیا ہو اس (لہر) کے

اوپر دوسری لہر' اس کے اوپر بادل (غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ معرفتِ الٰہی ہی خیر اور سعادت کا سرچشمہ ہے۔ دوسری چیزوں کی معرفت کا حال تو یہ ہے کہ ان میں سے بعض میں سرے سے کوئی فائدہ ہی نہیں ہے جیسے شعر اور انساب کا علم' اور بعض میں یہ فائدہ ہے کہ ان کی معرفت سے اللہ تعالیٰ کی معرفت پر اعانت ہوتی ہے' مثلاً لغت عرب' تفسیر' فقہ اور حدیث کا علم' چنانچہ لغت کی معرفت سے قرآن کریم کی تفسیر پر مدد ملتی ہے اور تفسیر کی معرفت سے ان کیفیات کی معرفت پر اعانت ہوتی ہے جو عبادات اور اعمال کے سلسلے میں بیان کی گئی ہیں اور جن سے تزکیۂ نفس کے باب میں فائدہ ہوتا ہے۔ تزکیۂ نفس کے طریقے کی معرفت سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت ہوتی ہے' اور اس کی معرفت کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے' ارشاد ربانی ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (پ ۳۰ ر ۱۶ آیت ۹)

یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اسے پاک کرلیا۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (پ ۲۱ ر ۳ آیت ۶۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھادیں گے۔

یہ تمام معلومات معرفتِ الٰہی کے لیے وسائل کی حیثیت رکھتی ہیں' کمال اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی صفات و افعال کی معرفت میں ہے اور اس میں تمام موجودات کی معرفت بھی شامل ہے کیوں کہ تمام موجودات دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے افعال ہیں چنانچہ جو شخص دنیا کی کسی شے پر اس حیثیت سے نظر ڈالے گا کہ وہ اللہ کا فعل ہے۔ اور اس کے ارادے' قدرت' اور حکمت کے ساتھ مربوط ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی معرفت کا ضمیمہ یا تکملہ ہے۔ یہ ہے کمال علم کا حکم۔ اس موضوع پر یہاں کمال کی اقسام کا احاطہ کرنے کے لیے روشنی ڈالی گئی ہے' بظاہر جاہ اور ریا کے احکام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ بحث علم سے متعلق تھی' اب قدرت کے بارے میں سنیئے۔ قدرت میں بندے کو کمال حقیقی حاصل نہیں ہے' بلکہ علمِ حقیقی میسر ہے' قدرت حقیقی صرف اللہ کے لیے ہے' بندے کے ارادے اور قدرت و حرکت سے جو افعال وجود میں آتے ہیں وہ دراصل اللہ کے پیدا کرنے سے وجود میں آتے ہیں جیسا کہ ہم نے اس حقیقت پر کتاب الصبر و الشکر' کتاب التوکل اور جلد چہارم کے مختلف ابواب میں روشنی ڈالی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کمال علم بندے کے ساتھ اس کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے' اور اسے اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے لیکن کمالِ قدرت میں ہمیں قدرت کے اعتبار سے کوئی کمال نظر نہیں آتا البتہ قدرت کمالِ علم کا وسیلہ ہے قدرت سے مراد یہاں اعضاء بدن کی سلامتی ہے ہاتھ سلامت ہوں تو انہیں پکڑنے کی قدرت ہے پاؤں کو چلنے کی قدرت ہے' حواس کو ادراک کی قدرت ہے' یہ تمام قوئی اپنی قدرت کے ذریعے کمالِ علم کی حقیقت تک پہنچاتے ہیں۔ ان قوی کو قدرت بہم پہنچانے کے لیے مال و جاہ کی ضرورت پیش آتی ہے تاکہ ان کے ذریعے خورد و نوش' اور لباس و رہائش حاصل کی جاسکے۔ لیکن یہ تمام اشیاء ایک معین مقدار میں استعمال ہوتی ہے' اگر کسی شخص نے انہیں معرفتِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا تو ظاہر ہے ان میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اگر کوئی فائدہ ہے تو وہ صرف یہ کہ اس نے سرِدست کچھ لذت حاصل کرلی ہے جو عنقریب فنا ہوجائے گی' اسے کمال سمجھنے والے جاہلِ مطلق ہیں' اکثر لوگ اسی جہالت کے عمیق غار میں گر کر ہلاک ہوئے ہیں' وہ سمجھتے ہیں کہ جسموں پر جبر سے اختیار' اور اموال میں وسعت اور لوگوں کے دلوں میں جاہ کی وجہ سے عظمت ہی کا نام کمال ہے۔ جب یہ جہالت اعتقاد بن جاتی ہے تو پھر وہ اسی کو محبوب سمجھتے ہیں اور اس کی طلب میں مشغول ہوتے ہیں' اور اسی کے پیچھے ہلاک ہوجاتے ہیں اور اس کمال حقیقی کو فراموش کردیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے اور ملائکہ سے قریب کرتا ہے' اور وہ کمال ہے علم اور آزادی کا کمال۔ علم کی بحث گذر چکی ہے۔ آزادی کے معنی ہیں شہوات اور دنیاوی آلام کی قید سے رہا ہونا' اور ان پر ملائکہ کی طرح قابو پانا' جنہیں نہ شہوت گمراہ کرتی ہے اور نہ غصہ ورغلاتا ہے۔ شہوت اور غضب کے آثار کا نفس سے دور کرنا ہی کمال ہے' اور یہی درحقیقت ملائکہ کی صفت ہے۔ اللہ

تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر تغیر طاری نہیں ہوتا اور نہ ان پر کوئی شئے اثر کر سکتی ہے۔ اس لحاظ سے جو شخص عوارض کے تأثر یا تغیر سے جتنا دور رہو گا وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی قریب اور فرشتوں سے اسی قدر مشابہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی قدر اس کی منزلت زیادہ ہوگی، علم اور قدرت کے کمال سے الگ یہ تیسرا کمال ہے۔ کمال کی اقسام کے ضمن میں ہم نے اس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اس کمال کی حقیقت عدم و نقصان سے عبارت ہے اس لیے کہ تغیر بھی ایک طرح نقصان ہی ہے، کیونکہ اس کے معنیٰ ہیں کسی موجود صفت کا معدوم ہونا اور ضائع ہونا۔ اور ضائع ہونا ذات کے لیے بھی نقص ہے، اور ذات کی صفاتِ کمال کے لیے بھی۔ اگر شہوات کا اثر قبول نہ کرنے، اور ان کی اطاعت نہ کرنے کو بھی کمال قرار دیں تو اس کی تین قسمیں قرار پائیں گی۔ ایک کمالِ علم۔ دوسری کمالِ حریت یعنی شہوات اور اسبابِ دنیوی کا غلام نہ بننا، تیسری کمالِ قدرت۔ بندہ کمالِ علم، اور کمالِ حریت تو پاسکتا ہے لیکن کمالِ قدرت نہیں پاسکتا، یعنی یہ موت کے بعد باقی نہیں رہتی۔ علم اور حریت موت کے بعد بھی باقی رہتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے تقرّب کا وسیلہ بنتے ہیں، جب کہ قدرت سانس نکلنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے خواہ وہ مال پر ہو، یا جسموں پر یا دلوں پر۔ جاہلوں کی حالت پر غور کیجئے، وہ کس طرح اندھوں کی طرح جاہ و مال پر ٹوٹے پڑے ہیں اور ان کے ذریعے کمالِ قدرت کے طالب ہیں جو فنا کی دست و برد سے محفوظ نہیں ہے۔ اور علم و حریت کے کمال سے رُوگرداں ہیں، حالانکہ اگر یہ دونوں کمال کسی کو مل جائیں تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہتے ہیں، یہ لوگ قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق ہیں:۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ (پ ۱ر ۱۰ آیت ۸۶)

یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو لے لیا ہے بعوض آخرت کے سو نہ تو ان کی سزا میں کچھ تخفیف کی جائے گی اور نہ کوئی ان کی طرف داری کرنے پائے گا۔

ان لوگوں نے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا (پ ۱۵ر ۱۸ آیت ۴۶)

مال اور اولاد حیاتِ دنیوی کی ایک رونق ہیں اور (جو) اعمال صالحہ باقی رہنے والے ہیں وہ آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی ہزار درجے بہتر ہیں۔

علم و حریت ہی باقیات صالحات ہیں جو نفس میں کمال بن کر باقی رہتی ہیں، اور جاہ و مال تو بہت جلد فنا ہو جانے والی چیزیں ہیں۔ ان کی صحیح مثال یہ آیت ہے:۔

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا أَتَاهَا أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا كَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (پ ۱۱ر ۸ آیت ۲۴)

بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس (پانی) سے زمین کی نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق (کا پورا حصہ) لے چکی اور اس کے خوب زیبائش ہو گئی اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس پر بالکل قابض ہو چکے ہیں تو دن میں یا رات میں اس پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آپڑا، سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل وہ یہاں موجود ہی نہیں تھی۔ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے جو

سوچتے ہیں۔
ایک موقع پر یہ مثال بیان فرمائی:۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيَاحُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (پ ۱۵ ر ۱۸ آیت ۴۵)

اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان فرمائیے (کہ وہ ایسی ہے) جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا ہو' پھر اس کے ذریعے سے زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی ہوں پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے کہ اس کو ہوا اُڑائے لئے پھرتی ہو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

وہ چیزیں جو موت کی آندھیوں میں اڑی پھرتی ہیں زندگی کی لذات ہیں' اور جو موت سے منقطع نہیں ہوتی وہ باقیات صالحات ہیں۔ اس تفصیل و تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ مال اور جاہ کے کمال قدرت کو کمال سمجھنا غلطی اور بے اصل چیز ہے۔ جو شخص اسے مقصود بنائے اور اس کی طلب میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرے وہ جاہل ہے' ابوالطیب نے اپنے اس شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

ومن ينفق الساعات في جمع ماله مخافة فقر فالذي فعل الفقر

اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ان چیزوں کو بقدر ضرورت استعمال کریں' اور انہیں کمالِ حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ بنائیں۔ اے اللہ! ہمیں اپنے لطف و کرم سے خیر و ہدایت کی توفیق عطا فرما۔ آمین

قابلِ ستائش اور قابلِ مذمت حُبِّ جاہ

یہ بات بہت اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ جاہ کے معنیٰ ہیں دلوں کا مالک بننا' اور ان پر قادر ہونا۔ اس اعتبار سے ان کا حکم بھی ایسا ہو گا جیسا مال کا اس لیے کہ جاہ بھی دُنیاوی اغراض میں شامل ہے اور موت سے اس کا سلسلہ بھی اسی طرح منقطع ہو جاتا ہے جیسے مال کا منقطع ہوتا ہے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے' جو چیز بھی دنیا میں پیدا ہوئی اس سے آخرت کے لیے زادِ راہ لینا ممکن ہے جس طرح آدمی کو کھانے' پینے' پہننے اور رہنے کے لیے تھوڑے مال کی ضرورت ہے اسی طرح معاشرے میں باعزت زندگی گذارنے کے لیے تھوڑی جاہ کی بھی ضرورت ہے' جس طرح آدمی کھانے سے بے نیاز نہ ہونے کی بناء پر کھانے سے محبت کرتا ہے یا اس مال سے محبت کرتا ہے جس سے وہ کھانا خرید کر کھا سکے اسی طرح اسے اپنے علاوہ بھی دوسرے لوگوں کی ضرورت ہے' مثلاً اسے ایک خادم کی ضرورت ہے جو اس کی خدمت کر سکے' ایک رفیق کی ضرورت ہے جو اس کی مدد کر سکے' ایک استاذ کی ضرورت ہے جو اس کی رہنمائی کر سکے۔ ایک بادشاہ کی ضرورت ہے جو اس کی حفاظت کر سکے اور شرپسندوں کے ظلم سے اسے محفوظ رکھ سکے۔ اب اگر وہ خادم کے دل میں جگہ بنانے کا خواہاں ہو تو اس میں کیا برائی ہے' اسی طرح اگر وہ یہ چاہے کہ اس کے استاذ کے دل میں کوئی مخصوص جگہ ہو تاکہ وہ اس کی اچھی طرح تعلیم و تربیت کر سکے' اور بہتر سے بہتر رہنمائی کر سکے تو اس میں کیا قباحت ہے' اسی طرح یہ بھی کوئی عیب کی بات نہیں کہ کوئی شخص شر سے بچنے کے لیے بادشاہ کے دل میں جگہ پانے کا متمنی ہو۔ جاہ اور مال دونوں اغراض کا وسیلہ ہیں اس اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ اس میں تحقیقی بات یہ ہے کہ جاہ اور مال میں سے کوئی چیز بھی بعینہٖ محبوب نہ ہونی چاہئے' بلکہ ان کی محبت اور خواہش ایسی ہونی چاہئے جیسے کوئی شخص قضائے حاجت کے لیے گھر میں بیت الخلاء تعمیر کرنے کی خواہش رکھتا ہو' یا یہ چاہے کہ وہ قضائے حاجت سے ہی بے نیاز ہو جائے تاکہ بیت الخلاء کی ضرورت باقی نہ رہے۔ اگر ایسی محبت

ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اسے بیت الخلاء سے محبت ہے' اس لیے کہ جہاں کوئی چیز کسی محبوب کا وسیلہ بنتی ہے وہاں محبوب ہی اصل مقصود ہوتا ہے وسیلہ مقصود نہیں ہوتا اس فرق کے لیے ایک مثال ملاحظہ کیجئے مثلاً ایک شخص اپنی بیوی سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ ضرورت کے وقت جماع کی شہوت کو دور کرتی ہے' جس طرح بیتُ الخلاء سے پاخانے کی ضرورت پوری ہوتی ہے اگر اسے جماع کی شہوت نہ ہوتی تو وہ بیوی کو طلاق دے دیتا' جیسے اگر اسے پاخانے کی حاجت نہ ہوتی تو بیت الخلاء میں قدم نہ رکھتا۔ بعض اوقات آدمی اپنی بیوی کی ذات وصفات (حسن واخلاق) سے محبت کرتا ہے اس صورت میں اگر شہوت جماع نہ بھی ہو تب بھی وہ اسے اپنے نکاح میں باقی رکھتا ہے یہ دوسری محبت ہی اصل محبت ہے' پہلی محبت کو محبت نہیں کہا جائے گا۔ یہی حال جاہ اور مال کا ہے' ان سے بھی ان دونوں طریقوں سے محبت کی جاتی ہے' چنانچہ اگر ان سے اس لیے محبت کی جائے کہ یہ بدن کی ضرورتوں میں کام آتے ہیں تو یہ کوئی مذموم بات نہیں ہے' اور اگر بدن کی ضرورتوں سے ہٹ کر ان کی ذات سے محبت کی جائے تو مذموم ہے۔ لیکن مال و جاہ سے ایسی محبت کرنے والے کو اس وقت تک فِسق و گناہ کا مُرتکب قرار نہ دیا جائے گا جب تک وہ انہیں معصیت میں استعمال نہ کرے یا جب تک انہیں حاصل کرنے میں جھوٹ' فریب' اور حرام ذرائع کا سہارا نہ لے' یا ان کے حصول کے لیے عبادت کو وسیلہ نہ بنائے' جاہ اور مال کو عبادت سے حاصل کرنا بھی ایک دینی جرم ہے' جس کی حرمت بالکل واضح ہے۔

<u>اُستاذ یا خادم کے دل میں جگہ پانے کی خواہش</u> : یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ استاذ' خادم' رفیق یا بادشاہ یا دیگر وابستگان کے دلوں میں جگہ پانے کی خواہش علی الاطلاق جائز ہے خواہ کتنی بھی ہو یا کیسی بھی ہو یا اس کی بھی کوئی مخصوص حد یا مخصوص صورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں مقام بنانے کے خواہش تین طرح سے پوری کی جاتی ہے' ان میں سے دو صورتیں جائز ہیں اور ایک صورت ناجائز ہے۔ ناجائز صورت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اپنا کوئی ایسا اعتقاد راسخ کرکے جگہ بنائے جو اس میں موجود نہ ہو جیسے علم' تقویٰ' اعلیٰ نسبی یعنی ان پر یہ ظاہر کرے کہ میں علوی ہوں' یا عالِم ہوں یا بزرگ ہوں' اور وہ اپنے اس دعوٰی میں جھوٹا ہو تو یہ صورت حرام ہے' کیونکہ یہ دعوٰی جھوٹ اور فریب پر مبنی ہے۔

دو مباح صورتوں میں سے پہلی صورت یہ ہے کہ اپنا کوئی ایسا وصف ظاہر کرکے قدر و منزلت کا طالب ہو۔ جو اس کے اندر فی الحقیقت موجود ہو' جیسے حضرت یوسفؑ کا حاکم مصر سے یہ مطالبہ کہ مجھے مصر کے خزانوں کا نگراں بنادے' اور اپنا یہ وصف بیان کرنا کہ میں بہتر نگہبان اور باخبر آدمی ہوں۔ آپ نے حاکم کے دل میں اپنے اس وصف کے ذریعہ جگہ بنانے کی کوشش کی جو واقعۃً ان کے اندر موجود تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اپنا کوئی عیب' یا کوئی معصیت پوشیدہ رکھے تاکہ کسی کی نظروں سے نہ گرے یہ صورت بھی مباح ہے' کیوں کہ برائیوں کی پردہ پوشی کرنا جائز ہے' پردہ دری کرنا' اور معصیت کا کھلم کھلا اعلان کرنا جائز نہیں۔ اس میں فریب نہیں ہے' کیونکہ یہ طریقہ ان چیزوں کے علم کا راستہ مسدُود کرتا ہے جن کے معلوم ہونے میں کوئی فائدہ نہیں ہے مثلاً ایک شخص بادشاہ سے اپنی شراب نوشی کا عیب چھپاتا ہے لیکن اسے یہ باوَر نہیں کراتا کہ میں متقی ہوں اور پرہیزگار ہوں۔ اس کا یہ کہنا فریب ہو تاکہ میں متقی ہوں' شراب نوشی کا اعتراف نہ کرنا تقویٰ کا اعتقاد پیدا نہیں کرتا' زیادہ سے زیادہ اس سے اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ شراب کا علم نہیں ہونے پاتا۔

حرام اور ممنوعہ صورتوں میں سے یہ بھی ہے کہ کسی شخص کے دل میں اِعتقاد پیدا کرنے کے لئے نماز اچھی طرح پڑھی جائے' اس لئے کہ یہ ریا ہے' اور ریا درحقیقت فریب ہے' کیونکہ نماز کی تحسین سے دیکھنے والے کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ انتہائی خاشع اور مخلص ہے' حالانکہ حقیقت میں وہ ریاکار ہے' نہ اسے خلوص سے کوئی واسطہ ہے' اور نہ خشوع سے کوئی مطلب؟ اس طریقے سے جاہ حاصل کرنا حرام ہے' اسی طرح حرام طریقوں سے جاہ حاصل کرنا بھی حرام ہے دھوکے سے کسی کے دل میں اپنی جگہ بنائی جائے یا کسی کا دل اپنی ملکیت بنالیا جائے اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ دھوکے سے کسی کے دل میں اپنی جگہ بنائی جائے یا کسی کا

دل اپنی ملک ٹھہرایا جائے' دلوں کی ملکیت مال کی ملکیت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

مدح وثنائے سے نفس کی محبت اور ذم وہجو سے نفرت

مدح وثنائے سے نفس کی محبت کے اسباب : نفس کو اپنی تعریف سے جو لذّت اور خوشی میسّر آتی ہے اس کے چار اسباب ہیں :۔

پہلا سبب : جو سب سے زیادہ قوی ہے یہ ہے کہ اس تعریف سے نفس کو اپنے باکمال ہونے کا احساس ہوتا ہے' اور یہ بات ہم بیان کر چکے ہیں کہ کمال محبوب ہے' اور ہر محبوب چیز کے حاصل ہونے میں لذّت ملتی ہے چنانچہ جب بھی نفس کو اپنے کمال کا احساس ہو گا اسے بے پناہ خوشی ہوگی اور ناقابل بیان لذت حاصل ہوگی' اپنے کمال کا احساس آدمی کو اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی دوسرا اس کی تعریف کرے۔ وہ وصف جس کے حوالے سے کسی کی تعریف کی جاتی ہے کبھی تو بالکل ظاہر اور واضح ہوتا ہے' اور کبھی مشکوک ہوتا ہے' اگر ظاہر اور محسوس ہو تو اس تعریف سے لذت نسبتہً کم حاصل ہوتی ہے' لیکن ہوتی ضرور ہے' مثلاً کسی کی یہ تعریف کرنا کہ تم طویل القامت ہو' تمہارا رنگ سفید ہے۔ اگرچہ یہ اوصاف محسوس اور ظاہر ہیں۔ اور مخاطب ان سے واقف ہے' لیکن اسے ہر وقت اپنے ان اوصاف کا ادراک نہیں رہتا' بلکہ ایک طرح سے غافل رہتا ہے' جب اسے احساس ہوتا ہے تو لذت بھی ملتی ہے' اور اگر کوئی وصف ایسا ہے جس میں شک کی گنجائش ہو تو اس کے حوالے سے کی جانے والی مدح وثنا اپنے جلو میں ایسی لذّت لے کر آتی ہے کہ کوئی دوسری لذت اس کا مقابلہ نہیں کرپاتی' مثلاً کسی سے یہ کہنا کہ تم بہت بڑے عالم ہو' یا بڑے متقی اور پرہیز گار ہو' یا انتہائی حسین ہو' انسان کو اپنے علم' وَرع اور حسن کے کمال میں شک رہتا ہے' اور اس کی خواہش یہ رہتی ہے کہ کسی طرح یہ شک زائل ہو جائے اور میرے یہ اوصاف یقینی بن جائیں اور ان میں کوئی دوسرا شخص میری نظیر قرار نہ پائے جب کوئی دوسرا شخص ان اوصاف کا ذکر کرتا ہے تو اس سے نفس میں اطمینان اور یقین پیدا ہوتا ہے' اس طرح یہ لذّت بڑھ جاتی ہے۔ اور یہ لذّت اس صورت میں اور بھی بڑھ جاتی ہے جب کوئی عاقل و دانا شخص تعریف کرتا ہے' یا ایسا شخص کرتا ہے جو علم' وَرع اور خوبصورتی کے رازہائے سربستہ سے واقف ہو' اور بلا تحقیق اپنی زبان سے کوئی بات نکالنا پسند نہ کرتا ہو۔ مثلاً اگر کوئی استاذ اپنے شاگرد کی ذہانت اور فراست کی تعریف کرے تو شاگرد کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایسا شخص تعریف کرے سوچے سمجھے بغیر بولنے کا عادی ہو یا ذہین اور باخبر نہ ہو تو یہ لذت کم ہو جاتی ہے۔ مذمت سے نفرت کی وجہ بھی یہی ہے کہ دوسرے کی برائی کرنے سے آدمی کو اپنے نفس کے عیب کا پتا چلتا ہے اس عیب کے احساس کا پتا چلتا ہے اس عیب کے احساس سے تکلیف ہوتی ہے۔ اور یہ تکلیف اس صورت میں اور بھی بڑھ جاتی ہے جب کوئی عاقل و دانا شخص برائی کرتا ہے۔

دوسرا سبب : یہ ہے کہ مدح اس حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ مادح کا دل ممدوح کا مملوک ہے' اور وہ اس کا مرید' معتقد' اس کا تابع' اور اس کے ارادہ و مرضی کا پابند ہے۔ دلوں کا مالک بننا بھی انسان کو محبوب ہے' اس لئے جب یہ احساس ہوتا ہے کہ میں دلوں کا مالک ہوں تو اسے مزہ آتا ہے' اور یہ مزہ اس صورت میں اور بڑھ جاتا ہے جب تعریف کسی ایسے شخص کی زبان سے ہوتی ہے جس کے اختیارات کا دائرہ وسیع ہو۔ کیوں کہ اس میں قلب کو جال میں پھانس کر زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی توقع ہے جیسے بادشاہ' حکّام یا بڑے افسر۔ یہ لذت اس وقت انتہائی کم ہو جاتی ہے جب تعریف کرنے والا ایسا شخص ہو جسے معاشرے میں کوئی اہمیت حاصل نہ ہو' نہ اس کے دائرہ اختیار میں کوئی چیز ہو' نہ وہ کسی کو اپنی ذات سے نفع پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کے دل پر قدرت حاصل کرنا ایک معمولی اور حقیر چیز پر قادر ہونے کے برابر ہے۔ مذمت کرنے والے کا دل میری ملکیت میں نہیں ہے۔ یہ اذیت اسی اعتبار سے کم و بیش ہوگی جس قدر مذمت کرنے والے کی شخصیت اعلیٰ یا ادنیٰ ہوگی۔

تیسرا سبب : کسی شخص کی تعریف و توصیف صرف اسی شخص کے دل کو ممدوح کا تابع نہیں بناتی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس

تعریف کے باعث کچھ دوسرے لوگ بھی شکار ہو جائیں خاص طور پر ایسے لوگوں کی تعریف اس سلسلے میں انتہائی مؤثر ہوئی ہے جن کی بات درمیان سے سُنی جاتی ہو یا جن کی مدح وذم کا اعتبار کیا جاتا ہو' نیز یہ تعریف خاص طور پر مجمع عام میں ہونی چاہئے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ سُن سکیں' جتنا مجمع زیادہ ہو گا' اور جس قدر تعریف کرنے والے کی شخصیت اہم ہوگی اسی قدر مدح کی لذّت فزوں ہوگی' اور اسی قدر مذمّت کی تکلیف نفس کے لئے ناقابلِ برداشت ہوگی۔

چوتھا سبب : تعریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح انتہائی مرعوب کن شخصیت ہے تب ہی تو مادح اس کی تعریف میں رطبُ اللّسان ہونے کے لئے بے قرار ہے' خواہ رضا و رغبت سے' یا زور زبردستی سے۔ آدمی کا بارعب ہونا بھی اس کی شخصیت کے لئے زینت ہے۔ کیوں کہ اس میں ایک طرح کا غلبہ اور قدرت پائی جاتی ہے' یہ تعریف اس وقت بھی لذّت سے خالی نہیں ہوتی جب تعریف کرنے والے کے دل میں ممدوح کے لئے اچھے خیالات نہیں ہوتے' وہ محض اس کے خوف سے خواہ مخواہ تعریف کرنے پر مجبور ہوتا ہے اس صورت میں آدمی کو دوسرے کے اضطرار' خوف' اور اپنے غلبہ اور قدرت سے لذّت ملتی ہے۔ پھر جس قدر کمزور اور مضطر ہو گا اسی قدر ممدوح کو لذّت بھی زیادہ حاصل ہوگی۔

کبھی یہ چاروں اسباب ایک ہی تعریف کرنے والے کی تعریف میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں لذّت عظیم تر ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ اسباب کسی ایک شخص میں جمع نہ ہوں تو اسی اعتبار سے لذّت بھی کم ہوگی۔

مذکورہ اسباب کا علاج : پہلے سبب کا علاج اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ ممدوح اس حقیقت پر یقین رکھے کہ مادح اپنے قول میں سچا نہیں ہے۔ مثلاً اگر کسی نے یہ تعریف کی کہ آپ اعلیٰ نسب ہیں' سخی ہیں' عالم ہیں' برائیوں سے بچنے والے ہیں۔ اور مخاطب یہ جانتا ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں بلکہ اس کے برعکس ہوں تو وہ لذّت جو مال کے احساس سے پیدا ہوتی ہے ختم ہو جائے گی' صرف وہ لذّت باقی رہ جائے گی جو کسی شخص کے دل یا زبان پر غلبہ و قدرت کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ تعریف کرنے والا جو کچھ کہہ رہا ہے اس کا دل اس کے اعتقاد سے خالی ہے' اور میں خود بھی اس کے بیان کردہ وصف سے محروم ہوں تو یہ دوسری لذّت (دل پر غلبے کی لذّت) بھی ختم ہو جائے گی' صرف ایک لذّت (زبان پر قدرت کی لذّت) باقی رہ جائے گی۔ یعنی اس احساس کی لذّت باقی رہ جائے گی کہ تعریف کرنے والا میرے خوف اور ڈر سے میری تعریف میں اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہے۔ اور اگر کوئی شخص تعریف کرنے میں سنجیدہ نہ ہو' بلکہ محض مذاق کے طور پر تعریف کر رہا ہو تو تمام لذّتیں ختم ہو جائیں گی' کیونکہ تینوں اسباب میں سے ایک سبب بھی باقی نہیں رہا۔ اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہوگی کہ نفس تعریف سے کیوں لذّت پاتا ہے' اور مذمت سے کیوں اذیّت محسوس کرتا ہے۔ یہ اسباب ہم نے اس لئے ذکر کئے تاکہ حب جاہ' تعریف پسندی اور خوف مذمّت کے علاج کا طریقہ سمجھ میں آجائے۔ کیوں کہ جب تک کسی مرض کا سبب معلوم نہ ہو اس کا علاج ممکن نہیں ہے' اس لئے کہ علاج نام ہی مرض کے اسباب کی تحلیل کا ہے۔

حُبِّ جاہ کا علاج

جس شخص کے دل پر جاہ کی محبت غالب ہو جاتی ہے وہ اپنی تمام تر قوّت مخلوق کی مراعات میں صَرف کر دیتا ہے' اور ان سے دوستی کا رشتہ استوار کرنے میں لگا رہتا ہے۔ اور اپنے قول و فعل میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ لوگ اس کی بات سن کر' اور اس کا عمل دیکھ کر اس کی زیادہ سے زیادہ تعظیم کریں' یہ امر نفاق کا بیج ہے' اور فساد کا سرچشمہ ہے۔ اس سے عبادات میں سُستی پیدا ہوتی ہے' اور بعض اوقات دلوں کا شکار کرنے کے لئے محرّمات اور ممنوعات کا اِرتکاب کرنا پڑتا ہے اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم نے مال اور جاہ کی محبت اور دین کے لئے ان کی فساد انگیزی کو دو خونخوار بھیڑیوں سے تشبیہ دی ہے۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مال و جاہ کی محبت سے نفاق اس طرح پیدا ہوتا ہے جس طرح پانی سبزی اگاتی ہے۔ نفاق کے معنی ہیں ظاہر و باطن اور قول و فعل کا اختلاف۔ جو شخص لوگوں میں اپنی قدر و منزلت کا متلاشی ہوتا ہے وہ ان کے ساتھ منافقانہ برتاؤ کرنے پر مجبور ہوتا ہے' اور ایسی عمدہ عادتوں اور بہترین خصلتوں کا مظاہرہ کرتا ہے جن سے وہ تہی دامن ہوتا ہے یہ عین نفاق ہے۔ حبّ جاہ ایک مہلک بیماری ہے۔ اس لئے اس کا علاج اور مسلمانوں کے دلوں سے اس مرض کا ازالہ نہایت ضروری ہے۔ یہ مرض بھی مال کے مرض کی طرح دل کی سرشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج بھی علم عمل سے مرکب ہے۔

حبّ جاہ کا علمی علاج : حبّ جاہ کا علمی علاج یہ ہے کہ وہ سبب معلوم کرے جس کی وجہ سے جاہ پسندی کے مرض میں مبتلا ہے۔ اور وہ سبب ہے مثلاً لوگوں کی روحوں اور جسموں پر کمالِ قدرت حاصل کرنا۔ یہ بات ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ اگرچہ قدرت میسّر ہو جائے لیکن اس کا انجام موت ہے۔ اس کا شمار باقیات صالحات میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر روئے زمین کے تمام افراد تمہیں سجدہ کرنے لگیں' اور پچاس سال تک اپنی پیشانیاں تمہارے قدموں میں رکھے رہیں تب بھی نہ سجدہ کرنے والے باقی رہیں گے اور نہ تم زندہ رہو گے۔ اور تمہارا حال ایسا ہی ہو گا جو تم سے پہلے بے شمار ذی حشمت اور ذی جاہ لوگوں کا ہو چکا ہے۔ اس ناپائیدار شئی کے لئے دین جیسی نعمت کو چھوڑ بیٹھنا ہرگز مناسب نہیں ہے جو ابدی زندگی ہے' جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہو گا۔ جو شخص کمالِ حقیقی اور کمالِ وہمی کی حقیقت سے واقف ہے اس کی نظروں میں جاہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بلکہ جو شخص آخرت پر نظریں رکھتا ہے وہ اسے اتنی بھی اہمیت نہیں دیتا جتنی کسی ذرہ کو دی جاتی ہے۔ وہ موت کو سامنے تصوّر کرتا ہے اور دنیا کو حقیر سمجھتا ہے۔ اس کا حال حضرت حسن بصریؒ جیسا ہوتا ہے جنھوں نے حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ کو لکھا تھا کہ یوں سمجھنا چاہئیے گویا موت اپنا فیصلہ کر چکی ہے۔ غور کیجئے انھوں نے کس بنا پر مستقبل کو ماضی تصوّر کیا' یہی حالت حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ کی تھی' انھوں نے اس خط کے جواب میں تحریر کیا: یوں سمجھو گویا تم دنیا میں کبھی آئے ہی نہیں' بلکہ ہمیشہ آخرت میں رہے۔ ان حضرات اکابر کی تمام تر توجہ آخرت پر تھی' اور اس کے لئے ان کا عمل تقویٰ تھا۔ اس لئے کہ انھوں نے یہ بات جان لی تھی کہ آخرت متقین کے لئے ہے' اور جاہ اور مال سے زیادہ ان کے نزدیک حقیر چیز کوئی دوسری نہ تھی۔

اکثر لوگوں کی نگاہیں کمزور ہیں' وہ صرف دنیا پر مرکوز رہتی ہیں' ان کی آنکھوں کی روشنی عواقب کے مشاہدے تک وسیع نہیں ہوتی۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (پ ۳۰ ر ۱۲ آیت ۱۶-۱۷)

بلکہ تم دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت دنیا سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے

ایک جگہ اور ارشاد فرمایا:۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (پ ۲۹ ر ۱۵ آیت ۲۰-۲۱)

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھتے ہو۔

جو شخص اس حد تک جاہ پسندی میں مبتلا ہو اسے دنیاوی آفات اور مصائب کے تصوّر سے اپنے دل کا علاج کرنا چاہیئے یعنی ان خطرات پر نظر رکھنی چاہیئے جو ارباب جاہ کو دنیا میں پیش آتے ہیں' ہر با عزت اور بلند مرتبہ آدمی کے جہاں کچھ دوست ہوتے ہیں وہاں دشمنوں کی تعداد بھی کم نہیں ہوتی۔ یہ لوگ ایذا پہنچانے کے لئے موقع کی تاک میں رہتے ہیں' جب بھی موقع ملتا ہے دشمنی نکال لیتے ہیں' خود ان بلند مرتبہ لوگوں کو ہمیشہ یہ خوف رہتا ہے کہ جو مرتبہ انھیں میسّر ہے وہ چھن نہ جائے' یا جن دلوں میں ان کا احترام اور وقار ہے وہ بدل نہ جائیں' دل اُبلتی ہوئی ہانڈیوں سے بھی زیادہ تغیّر قبول کرتے ہیں' جس طرح ہانڈی کبھی اوپر کی طرف اُبلتی ہے اور کبھی نیچے بیٹھ جاتی ہے اسی طرح دل بھی اقبال اور اعراض کے درمیان متردّد رہتے ہیں' دلوں کی بنیاد پر بننے والی عمارت

سمندر کی موجوں پر تعمیر ہونے والے محل سے زیادہ دیرپا نہیں ہوتی۔ قلوب کی مراعات' حفاظت جاہ' حاسدوں کی سازشیں' دشمنوں کی اذیت سے مدافعت وغیرہ یہ وہ تمام دنیاوی آلام اور مصائب ہیں جن سے جاہ کی لذت مکدر ہو جاتی ہے۔ آخرت میں جاہ پسندی کی پاداش میں جو سزا ملے گی وہ الگ رہی دنیا میں بھی اس کے فائدے اتنے نہیں ملتے جتنے متوقع ہوتے ہیں' بلکہ مصائب کا اتنا ہجوم ہوتا ہے' ایسے لوگوں کو جو جاہ پسند ہوں اپنی بصیرت کا علاج کرنا چاہئے۔ جس کی بصیرت میں گہرائی اور ایمان میں قوت ہوتی ہیں وہ دنیا کی طرف ذرا التفات نہیں کرتا۔

حبّ جاہ کا عملی علاج : اس مرض کا عملی علاج یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے اپنی جاہ زائل کرنے کے لئے ایسے کام کرے جن پر ملامت کی جائے' یہاں تک کہ لوگ اپنی نظروں سے گرادیں' اور مقبولیت کی لذت کا احساس تک زائل ہو جائے' گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی سے مانوس ہو جائے' اور صرف اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنی مقبولیت پر قناعت کرے' یہ فرقۂ ملامتیہ کا مذہب ہے کہ وہ لوگ معاصی کا ارتکاب اس خیال سے کرتے ہیں کہ لوگوں کی نظروں سے گر جائیں' اور جاہ کی آفت سے نجات پائیں۔ مگر یہ صورت اس شخص کے لئے جائز نہیں جو مقتدیٰ ہو' کیوں کہ اس طرح مسلمانوں کے دلوں میں دین کی طرف سے سستی پیدا ہوگی۔ جو شخص مقتدیٰ نہ ہو اس کے لئے بھی حرام فعل کا ارتکاب کرنا جائز نہیں۔ بلکہ صرف اتنا جائز ہے کہ افعال میں سے وہ افعال کرے جن سے لوگوں میں وقار باقی نہ رہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک بادشاہ نے کسی عابد کے قریب ہونے کا ارادہ کیا' عابد کو معلوم ہوا کہ بادشاہ میری مجلس میں آگیا ہے' اس نے کھانا منگوایا اور بڑے بڑے لقمے کھانے لگا' بادشاہ نے اسے اس طرح کھاتے دیکھا تو اپنی رائے پر قائم نہ رہ سکا' وہ عابد اس کی نظروں سے گر گیا' اور اس نے اس کر قرابت و ارادت کا ارادہ ترک کر دیا' عابد نے سکون کا سانس لیا' اور بادشاہ سے حفاظت پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ ایک بزرگ نے شراب کے رنگ کا شربت شراب ہی کے لیے مخصوص پیالے میں پیا' تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ وہ شراب پیتے ہیں' اور لوگوں کی نظروں سے گر جائیں۔ فقہی حیثیت سے اس طرح کے اعمال کے جواز میں شبہ ہو سکتا ہے۔ تاہم ارباب احوال بعض اوقات اپنے نفسوں کا علاج ان طریقوں سے ہی کرتے ہیں جن کی فقہاء اور مفتیین اجازت نہیں دیتے' لیکن وہ ان طریقوں کو اپنے قلوب کے لئے مفید سمجھتے ہیں' اور ان پر عمل کر کے احوال کی اصلاح کر لیتے ہیں' پھر اپنے اس افراط اور تفریط کا تدارک بھی کر دیتے ہیں۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ جب لوگوں نے ان کے پاس بڑی تعداد میں جمع ہونا شروع کیا تو ایک دن وہ حمام میں گئے اور جان بوجھ کر کسی دوسرے شخص کا قیمتی لباس پہن کر باہر نکل آئے' لوگوں نے دوسرے لباس میں دیکھا تو چوری کا شبہ ہوا۔ اس پر انہیں زدوکوب کیا گیا اور وہ لباس چھین لیا گیا اور الزام لگایا گیا کہ وہ اچکے ہیں' تب جا کر کہیں ان کی جان بچی' اور وہ سکون کے ساتھ عبادت حق میں مشغول ہوئے۔

جاہ کی محبت دُور کرنے کا بہترین طریقہ : اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ لوگوں سے عزلت اختیار کر لے' اور گوشۂ گم نامی میں جا بیٹھے' یا کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں اسے کوئی نہ جانتا ہے۔ گھر میں عزلت اختیار کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے' کیوں کہ پوری بستی میں اس کی شہرت ہو جائے گی کہ فلاں بزرگ اتنی عبادت کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے لو لگانے کے لئے تمام لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔ گویا عزلت نشینی بھی لوگوں کے دلوں میں اعتقاد راسخ کرنے کا باعث ہوگی' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ عزلت نشیں یہ خیال کرے کہ مجھے جاہ کی محبت نہیں رہی' حالانکہ دل کے کسی گوشے میں اس کی محبت چھپی ہوئی ہو' بظاہر نفس اپنا مقصود پا کر پُر سکون ہو' لیکن اگر اسے یہ یقین ہو جائے کہ لوگ اس کے معتقد نہیں رہے' یا اس کی برائی کرتے ہیں' یا کسی نامناسب بات کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں تو اس کے نفس کا یہ سکون ختم ہو جائے گا اور وہ اتنا مضطرب ہوگا کہ لوگوں کے دل سے اپنے متعلق غلط خیالات کے ازالے کے لئے تدبیریں اختیار کرے گا۔ خواہ جھوٹ ہی کیوں نہ بولنا پڑے' یا فریب و مکر ہی کا سہارا کیوں نہ لینا پڑے۔ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ یہ شخص دکھانے کو گوشہ نشین ہوا ہے' ورنہ اس کے دل میں ابھی تک جاہ و

منزلت کی محبت ایسی ہی ہے جیسے مال کی محبت' بلکہ اس سے بھی زیادہ شرانگیز ہے۔ اس لئے کہ جاہ کا فتنہ بڑا ہوتا ہے۔ جب تک آدمی کو اپنے جیسے دوسرے آدمیوں کی طمع رہتی ہے وہ ان کے دلوں میں اپنا مقام بنانے کے لئے بے چین رہتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے دست و بازو سے کمائے' اور کسی کے مال پر نظر نہ رکھے تو تمام لوگ اس کے نزدیک ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ اور اس کی پروا باقی نہ رہے گی کہ یہ وہ ان لوگوں کی دلوں کی پروا نہیں کرتا جو اس سے دور مغرب و شرق میں رہتے ہیں' کیوں کہ نہ وہ دیکھ سکتا ہے اور نہ ان سے کسی قسم کا کوئی لالچ رکھ سکتا ہے۔

لوگوں سے طمع صرف قناعت کے ذریعہ ختم ہو سکتی ہے۔ جو شخص قانع ہوتا ہے اس میں لوگوں سے بے نیازی ہوتی ہے اور جو بے نیاز ہوتا ہے اس کا دل لوگوں کے ساتھ مشغول نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کے دل میں اس کے لئے قدر و منزلت ہو تو اسے اہمیت نہیں دیتا۔ ترک جاہ قناعت اور قطع طمع کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ان تمام اخبار و آثار سے بھی مدد لینی چاہئے جو جاہ کی مذمت اور گم نامی کی تعریف میں وارد ہیں۔ مثلاً یہ قول مشہور ہے المؤمن لا یخلو من ذلة او قلة او علة مؤمن ذلت' قلت یا علت سے خالی نہیں رہتا۔ نیز سلف کے حالات کے پیش نظر رہنے چاہئیں کہ انھوں نے عزت پر ذلت کو ترجیح دی' اور دنیاوی دولت کے مقابلے میں آخرت کا ثواب حاصل کیا۔

مدح کی محبت کا علاج

اکثر لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے ہیں کہ انھیں لوگوں کی مذمت کا خوف دامن گیر رہتا ہے اور وہ ان کی تعریف کی خواہش میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان کی تمام حرکات و سکنات لوگوں کی مرضی کے مطابق ہوتی ہیں تاکہ وہ تعریف کریں۔ یہ امر مہلکات میں سے ہے۔ اس اعتبار سے اس کا علاج واجب ہے۔ اور علاج کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ان اسباب میں غور کیا جائے جن کے باعث مدح کی خواہش اور مذمت کا خوف رہتا ہے۔

پہلا سبب : جیسا کہ پچھلے بیان میں گزرا یہ ہے کہ مادح کے قول سے ممدوح اپنے کمال کا احساس کرتا ہے۔ اس سلسلے میں آدمی کو چاہئے کہ وہ تعریف کرنے والے کی تعریف پر یقین کرنے کے بجائے اپنی عقل کی طرف رُجوع کرے' اور دل سے یہ سوال کرے آیا وہ صفت جس کے ساتھ اسے متصف قرار دیا جارہا ہے اس کے اندر موجود بھی ہے یا نہیں۔ پھر وہ صفت جس کے ساتھ متصف کیا گیا ہے ایسی ہے جس پر تعریف کی جاسکتی ہے جیسے علم اور تقویٰ' یا ایسی ہے جس پر تعریف نہیں کی جانی چاہئے جیسے مال' جاہ اور دنیاوی ساز و سامان۔ اگر کوئی وصف ایسا ہے جس کا تعلق دنیا کے اسباب سے ہو تو اس سے خوش ہونا ایسا ہے جیسے کوئی شخص گھاس دیکھ کر خوش ہو جو بہت جلد خشک ہو کر ہوا کے دوش پر اُڑی اُڑی پھرے گی' یہ خوشی بے عقلی کا ماتم ہوگی۔ عاقل' تو متنبی کے بقول اس وصف کا حامل ہوتا ہے

أشد الغم عندي في سرور یتقن عنه صاحبه انتقالا

(شدتِ غم میں میرے نزدیک خوشی ایسی ہے کہ میں اس سے منتقل ہونا ضروری سمجھتا ہوں)۔

دنیا کے مال و دولت پر خوش ہونا انسان کے لئے مناسب نہیں ہے۔ اگر خوش ہونا ہی ہے تو اس کے وجود سے خوش ہونا چاہئے یہ کہ تعریف کرنے والے کی تعریف سے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ شئے تعریف سے وجود میں آتی ہے۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے بھی تمہارے پاس موجود تھی۔ نیز اگر وہ صفت ایسی ہے جس پر تمہیں خوش ہونے کا حق ہے جیسے علم اور تقویٰ۔ اس صورت میں بھی خوش ہونا اچھی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں۔ آیا یہ وصف باقی بھی رہے گا یا نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ علم اور زُہد بندے کو خالق سے قریب کر دیتے ہیں۔ لیکن خاتمے کا خطرہ ہر وقت موجود ہے۔ اگر آدمی کو اپنے سُوءِ خاتمہ کا خوف ہو گا

تو اسے دنیا کی کسی بھی چیز سے خوشی نہ ہوگی۔ بلکہ یہ سمجھے گا کہ دنیا غم و حزن کی جگہ ہے' فرح و سُرور کا مقام نہیں۔ اور اگر تمہیں حسن خاتمہ کی امید ہے تو مادح کی مدح پر خوش ہونے کے بجائے اللہ کے اس فضل و انعام پر خوش ہونا چاہئے جو علم اور زہد کی صورت میں تمہیں عطا ہوا ہے۔ اس لئے کہ لذّت احساس کمال کی وجہ سے ہے۔ اور کمال کا وجود اللہ کے فضل سے ہوا ہے نہ کہ مادح کی مدح سے۔ مدح تو اس فضل کے تابع ہے۔ اس لئے مدح پر خوش نہ ہونا چاہئے' کیوں کہ اس سے تمہاری فضیلت میں اضافہ نہ ہوگا۔ اور اگر تمہارا کوئی ایسا وصف بیان کیا گیا ہے جس سے تم تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس سے کوئی شخص مذاق کے طور پر یہ کہے واہ وا! آپ کا پیٹ خوشبوؤں سے لبریز ہے' اور جب آپ قضائے حاجت کرتے ہیں تو فضا مہک اٹھتی ہے' حالانکہ وہ جانتا ہے کہ میری آنتیں نجاستوں سے لبریز ہیں' اور پیٹ میں بدبودار پاخانہ بھرا ہوا ہے' اس کے باوجود وہ اس تعریف پر پھولا نہیں سماتا' اسی طرح اگر کوئی تمہاری نیکی اور زہد کی تعریف کرے اور تم یہ جاننے کے باوجود کہ اس تعریف کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے خوشی سے بغلیں بجاؤ تو یہ سراسر حماقت ہوگی' اللہ تمہارے باطن کی خباثتوں' اور طبیعت کی رذالتوں اور سیرت کی نجاستوں سے اچھی طرح واقف ہے' یہ تو خیر جھوٹی تعریف ہے' اس پر خوش ہونا تو جہالت کا عُروج ہے' اگر تعریف کرنے والا سچا بھی ہو تب بھی تمہیں اس کی تعریف پر خوش نہ ہونا چاہئے بلکہ اللہ کے اس فضل پر خوش ہونا چاہئے جس سے تمہیں نوازا گیا ہے' جھوٹی تعریف تمہارے لئے غم کا باعث ہونی چاہئے نہ کہ خوشی کا باعث۔

دوسرا سبب : یہ تھا کہ تعریف سے تعریف کرنے والے کے قلب کی تسخیر' اور اس کے ذریعے دوسرے قلوب کی تسخیر کا علم ہوتا ہے۔ اس کا حاصل وہی ہے جو جاہ کی محبت کا ہے' اور جاہ کی محبت کا علاج ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ لوگوں سے طمع نہ رکھی جائے' اللہ کے یہاں قدر و منزلت کا طالب ہو' اور اس حقیقت پر یقین رکھے کہ مخلوق میں منزلت کی تلاش اسے اللہ عزّ و جلّ سے دور کردے گی' اس لیے تعریف پر خوش نہ ہونا چاہئے۔

تیسرا سبب : خوشی کا تیسرا سبب یہ تھا کہ تعریف سے ممدوح کے رُعب اور جاہ و جلال کا پتا چلتا ہے' یہ بھی ایک عارضی قدرت ہے' اسے ثبات نہیں۔ ایسی غیر پائیدار چیز پر کیا خوش ہونا۔ ایسی تعریف پر تو غم کرنا چاہئے' اور تعریف کرنے والے کو بُرا کہنا چاہئے اور اس پر خفا ہونا چاہئے کہ اس نے تعریف کرکے مصیبتوں اور آفتوں سے قریب کردیا ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں جو شخص کسی کی مدح سے خوش ہوا اس نے گویا شیطان کو اپنے اندر داخل ہونے کا موقع دیا۔ ایک بزرگ کا خیال ہے کہ اگر تمہیں کسی کی زبان سے یہ سننا اچھا معلوم نہ ہو کہ تم برے آدمی ہو بلکہ یہ اچھا لگے کہ تم اچھے آدمی ہو تو فی الحقیقت تم اچھے آدمی نہیں ہو۔ ایک روایت اگر وہ صحیح ہے تو انتہائی سخت ہے۔ میں ہے کہ ایک شخص اس مجلس میں موجود ہوتا' اور جو تعریف تو نے کی ہے اس پر راضی ہوتا اور اسی حال میں مرجاتا تو دوزخ میں داخل ہوتا۔ (۱)

ایک مرتبہ آپ نے تعریف کرنے والے سے ارشاد فرمایا:۔

ویحک قصمت ظہرہ لو سمعک ما افلح الی یوم القیامۃ (۲)

کم بخت تو نے اپنے ممدوح کی کمر توڑ دی اگر وہ تیری تعریف سن لیتا تو قیامت کے دن تک فلاح نہ پاتا۔

ایک حدیث میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا:۔

الا لا تمادحوا و اذا رأیتم المادحین فاحثوا فی وجوھھم التراب (۳)

خبردار! آپس میں ایک دوسرے کی مدح نہ کرو' اور جب تم مدح کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے چہروں پر خاک ڈال دو۔

---

(۱) مجھے اس روایت کی اصل نہیں ملی۔ (۲) یہ روایت پہلے گذر چکی ہے۔ (۳) یہ روایت بھی پہلے گذر چکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ مدح سے بہت ڈرتے تھے' اور اس کے فتنے' نیز اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے سرورِ عظیم سے خوف زدہ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی خلیفۂ راشد نے ایک شخص سے کچھ دریافت کیا' اس نے جواب میں کہا آپ مجھ سے بہتر ہیں اور میرے مقابلے میں آپ کا علم وسیع تر ہے' آپ اس شخص پر ناراض ہوئے' اور فرمایا: کیا میں نے تم سے اپنے تزکیہ کا مطالبہ کیا تھا۔ کسی شخص نے ایک صحابیؓ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ جب تک آپ زندہ ہیں لوگوں میں خیر و برکت ہے' آپ نے اس سے فرمایا: غالباً تو عراق کا رہنے والا ہے یعنی ہم اہل حجاز کی عادات سے ناواقف ہے۔ ایک صحابی نے اپنی مدح سن کر فرمایا: اے خدا! تیرا بندہ اس چیز سے میری قربت کا خواہاں ہے جس سے تو ناراض ہوتا ہے میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ اس شخص سے میں ناراض ہوں۔ یہ حضرات تعریف سے اسی لیے متنفر تھے کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے' نیز ان کے قلوب میں ہر وقت یہ احساس رہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے احوال سے واقف اور ہمارے عیوب پر مطلع ہے اس لیے دوسروں کی تعریف سے نہ ہمارے عیوب میں کمی آئے گی اور نہ اضافہ ہوگا۔ اچھا وہی ہے جو اللہ سے قریب ہو' اور بُرا وہ ہے جو اس سے دور ہو' اگر وہ شخص جس کی تعریف کی جارہی ہے اللہ کے نزدیک بُرا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے تو کسی کی تعریف سے اس کا خوش ہونا انتہائی جہالت ہے' اور اگر وہ جنتی ہے تو اسے صرف اللہ کے فضل پر خوش ہونا چاہئے بندوں کی تعریف پر خوش ہونے سے کیا حاصل۔ اس کا معاملہ بندوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ رزق' اور موت سب اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار میں ہیں۔ اگر یہ نکتہ کسی کے سمجھ میں آجائے تو نہ اسے مخلوق کی مدح کی پروا رہے اور نہ ان کی مذمت کی' اس کے دل سے تعریف کی محبت جاتی رہے اور وہ اپنے دین کی مہمات میں ہمہ تن مشغول ہو جائے۔

مذمت کی کراہت کا علاج

یہ بات پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ انسان کو مذمت سے نفرت جس سبب سے ہے اس کے مخالف سبب سے وہ مدح سے محبت کرتا ہے' اس لیے اس کا علاج بھی حب مدح کے علاج سے سمجھ میں آسکتا ہے اس سلسلے میں مختصر بات یہ ہے کہ جو شخص تمہاری مذمت کرتا ہے وہ تین احوال سے خالی نہیں یا تو وہ اپنے قول میں سچا ہے اور اس کا مقصد خیر خواہی اور شفقت ہے یا وہ اپنی مذمت میں سچا ہے لیکن اس کا مقصد خیر خواہی نہیں ہے بلکہ ایذا پہنچانا ہے یا وہ جھوٹا ہے جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تمہیں اپنی مذمت سن کر خفا نہ ہونا چاہئے' نہ اس سے دشمنی کرنی چاہئے اور نہ جواب میں اس کی مذمت کرنی چاہئے' بلکہ بہتر یہ ہے کہ تم اس کا احسان مانو' اس لیے کہ جو شخص تمہیں تمہارے عیوب سے مطلع کرتا ہے وہ در حقیقت تمہیں مہلکات کا مشاہدہ کراتا ہے اور ان سے بچنے کی نصیحت کرتا ہے تمہیں اس کی برائی پر خوش ہونا چاہئے' اور اپنے قابلِ مذمت اوصاف کے ازالے کے لیے جدّوجہد کرنی چاہئے' مذمت پر غمگین ہونا' یا اسے ناپسند کرنا یا مذمت کرنے والے کو بُرا کہنا جہالت ہے' اور اگر برائی کرنے والے نے تمہاری برائی کرنے والے نے تمہاری برائی محض دشمنی کی وجہ سے' اور ایذا پہنچانے کے لیے کی ہے تب بھی تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ اس کے کہنے سے تم اپنے عیوب پر آگاہ ہوئے' اس سے پہلے تم اپنے عیوب سے واقف نہیں تھے' یا تمہیں اپنی خامیاں یاد آئیں' اس سے پہلے تم غافل تھے' یا تمہارے اوصاف کو تمہاری نظروں میں بُرا کردیا اس سے پہلے تم انہیں اچھا سمجھتے تھے۔ یہ تمام امور تمہاری سعادت کا باعث ہیں' جب تمہیں اسبابِ سعادت میسّر آئے ہیں تو حصولِ سعادت میں کوتاہی نہ کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے تم نجاست آلودہ کپڑے پہن کر کسی بادشاہ کے دربار میں جانے کا ارادہ کرو' اور تمہیں یہ علم نہیں کہ تمہارے کپڑوں پر نجاست لگی ہوئی ہے نیز تم یہ بھی نہیں جانتے کہ اگر اس حالت میں تم اندر چلے گئے تو بادشاہ ناراض ہوگا عجب نہیں کہ وہ اس گستاخی پر عبرتناک سزا دے اب اگر کوئی شخص تم سے یہ کہے اے گندے' ارے نجس! اپنے کپڑے تو صاف کرلے۔" تو تمہیں خوش ہونا چاہئے' اس کی یہ زبانی تنبیہہ بڑی غنیمت ہے۔ تمام اخلاقِ فاسدہ آخرت میں ہلاکت کا باعث ہیں' انسان کو اپنے ان فاسد اخلاق کا علم دشمنوں کے

ذریعہ ہوتا ہے جب وہ مذمت کرتے ہیں' اور ہدفِ ملامت بناتے ہیں' اگر تمہاری قسمت میں بھی کوئی ایسا دشمن موجود ہے تو تم اسے غنیمت جانو' دشمن اگر اپنی دشمنی پر کمربستہ ہے تو یہ اس کے دین کے لیے خطرناک ہے تمہارے لئے تو نعمت ہے تمہیں اس نعمت پر خوش ہونا چاہئے اور اس سے نفع اٹھانا چاہئے تمہیں کیا اگر تمہارا دشمن خود اپنی دشمنی کی آگ میں خاکستر ہونے کے درپے ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ مذمت کرنے والا جھوٹا ہو' یعنی تم پر کوئی ایسا الزام عائد کررہا ہو جس سے تم عند اللہ بری ہو تم ہرگز اس کی پروا نہ کرو' اور نہ جوابی کاروائی کے طور پر اس کی مذمت کرو' بلکہ ان تین باتوں پر دھیان دو' ایک تو یہ کہ اگرچہ تم اس ایک عیب سے بری ہو جس میں تمہیں مبتلا قرار دیا جارہا ہے' لیکن اس جیسے کتنے عیوب ہیں جن میں تم ملوث ہو تمہارے وہ عیوب جن پر اللہ نے اپنی ستاری کا پردہ ڈال رکھا ہے بہت زیادہ ہیں' تمہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے تمہارے عیوب سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے بجائے ایک ایسے عیب کے حوالے کردیا جس سے تم بری ہو' دوسری بات یہ ہے کہ لوگوں کی برائی' اور عیب جوئی تمہارے گناہوں اور خطاؤں کے لیے کفارہ بن جائے گی گویا لوگوں نے تمہیں ایک ایسا عیب لگا کر جو تمہارے اندر موجود نہیں ہے ایسے بہت سے عیوب سے بری کردیا ہے جن میں تم مبتلا ہو۔ یاد رکھو جو شخص بھی تمہارے غیبت کرتا ہے وہ تمہارے خدمت میں اپنی نیکیوں کا تحفہ پیش کرتا ہے اور جو شخص تعریف کرتا ہے وہ تمہاری پشت پر ایک کاری ضرب لگاتا ہے کس قدر عجیب بات ہے کہ تم پشت پر چوٹ لگنے سے خوش ہوتے ہو' اور نیکیوں کا تحفہ پاکر رنجیدہ ہوتے ہو' حالانکہ یہ نیکیاں تمہیں اللہ کے قریب کریں گی' تیسری بات یہ ہے کہ وہ بے چارہ غریب برائی کرکے خود نقصان میں رہا' اس نے اپنے دین کو نقصان پہنچایا اور اللہ کی نظروں میں گرا اور تہمت بازی سے عقابِ الیم کا مستحق ٹھہرا کیا یہ مناسب ہوگا کہ تم اس مظلوم پر اور ظلم ڈھاؤ' ہلاکت اس کا مقدر بن چکی ہے' اللہ کا غضب اس پر نازل ہوچکا ہے اب تم اس کے لیے ہلاکت اور غضب کی دعا کرکے شیطان کو خوش ہونے کا موقع کیوں دیتے ہو' اس کے لیے تو یہ دعا کرو: اے اللہ! اس کی اصلاح فرما' اس کی توبہ قبول فرما' اس پر رحم کر۔ جیسا کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے جنگِ اُحد میں آپ کے دندان مبارک شہید کردیئے تھے اور آپ کا چہرۂ انور زخمی کردیا تھا' اور آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کردیا تھا یہ دعا فرمائی تھی:۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (بیہقی دلائل النبوۃ)

اے اللہ! میری قوم کی مغفرت فرما' اے اللہ! میری قوم کو ہدایت سے نواز' یہ لوگ جانتے نہیں ہیں۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم نے ایک ایسے شخص کے لیے جس نے انہیں زخمی کردیا تھا' مغفرت کی دعا فرمائی' لوگوں نے عرض کیا اس نے آپ کے ساتھ برا سلوک کیا اور آپ اس کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: مجھے اس کی وجہ سے اجر ملے گا' اس لیے مجھے یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ میں اس کی وجہ سے خیر پاؤں اور وہ میری وجہ سے عذاب کا سامنا کرے۔

مذمت ان لوگوں کو بری نہیں لگتی جو قناعت کرتے ہیں' اور لوگوں کے مال سے طمع ختم کرتے ہیں' اگر تم لوگوں سے بے نیاز ہوجاؤ تو لوگ خواہ تمہاری کتنی ہی برائی کیوں نہ کریں تمہارے دل پر اس کا زیادہ اثر نہیں ہوگا دین میں اصل قناعت ہی ہے' قناعت سے مال اور جاہ کی طمع ختم ہوجاتی ہے' جب تک طمع باقی رہے گی یہی چاہو گے کہ جس سے میں طمع رکھتا ہوں اس کے دل میں میری محبت اور بھلا باقی رہے اور وہ میری تعریف کرے' تم اس کے دل میں اپنی جگہ بنانے کے لیے کوشاں رہو گے' اور دین ضائع کئے بغیر یہ بات حاصل نہ ہوگی۔

مدح و مذمت میں لوگوں کے احوال کا اختلاف : مذمت کرنے والے' اور تعریف کرنے والے کی نسبت سے لوگوں کی چار حالتیں ہوتی ہیں۔ پہلی حالت تو یہ ہے کہ تعریف پر خوش ہو' تعریف کرنے والے کا شکر ادا کرے' اور مذمت سے ناراض ہو اور مذمت کرنے والے سے کینہ رکھے' انتقام لے یا انتقام کی خواہش کرے' اکثر لوگوں کی یہی حالت ہے۔ اور اس باب کے معاصی میں اس کا درجہ سب سے بڑا ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ مذمت سے دل میں ناخوش ہو' لیکن اپنی زبان اور اعضاء کو قابو میں رکھے'

اور انتقام نہ لے' اسی طرح تعریف سن کر خوش ہو' لیکن حرکات و سکنات سے خوشی ظاہر نہ ہونے دے' یہ بھی ایک نقص ہے۔ مگر پہلے کی بہ نسبت اس حالت کو کمال کہہ سکتے ہیں۔ تیسری حالت جسے درجاتِ کمال میں پہلا درجہ بھی کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ مدح اور مذمت اس کے نزدیک برابر ہوں' نہ اسے مدح سے خوشی ہو' اور نہ مذمت سے تکلیف۔ بعض عابد اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ہمارے اندر یہ وصف موجود ہے' حالانکہ اس حالت کی کچھ علامتیں ہیں' اگر ان علامتوں کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو ان کی غلط فہمی دور ہو جائے۔ مثلاً اس کی پہلی علامت یہ ہے کہ مذمت کرنے والے کا اپنے پاس بیٹھنا بُرا معلوم نہ ہو' بلکہ جس قدر تعریف کرنے والے کی ضرورتیں پوری کرنے میں اس سے زیادہ خوشی اور سُرور حاصل نہ ہوتا ہو جتنا مذمت کرنے والے کی ضرورتیں پوری کرنے میں حاصل ہوتا ہے' تیسری علامت یہ ہے کہ جس طرح تعریف کرنے والے کا مجلس سے اُٹھ جانا بُرا معلوم ہو اسی طرح مذمت کرنے والے کا جانا بھی اچھا نہ لگے' چوتھی علامت یہ ہے کہ دوسروں کی بہ نسبت تعریف کرنے والے کی موت کا غم زیادہ نہ ہو' پانچویں علامت یہ ہے کہ دوسروں کی نسبت مادح کے مصائب و آلام کا زیادہ احساس نہ ہو' چھٹی علامت یہ ہے کہ تعریف کرنے والے کی غلطی برائی کرنے والے کی بہ نسبت معمولی محسوس نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب تک مادح اور ذام دونوں یکساں معلوم نہ ہوں گے اور ہر اعتبار سے دونوں میں مساوات نہ ہوگی اس وقت تک یہ درجہ حاصل نہ ہوگا' لیکن اس وادی کے مسافر جانتے ہیں کہ یہ راستہ کتنا دُشوار ہے' اکثر عابد لوگوں کی تعریف سے خوش ہوتے ہیں لیکن کیوں کہ ان علامتوں کی روشنی میں وہ اپنے نفس کا جائزہ نہیں لیتے اس لئے ان پر ان کی خوشی کا حال آشکار نہیں ہوتا۔ کبھی عابد اپنے دل کے میلان پر مطلع ہو جاتا ہے' اور یہ جان لیتا ہے کہ میں مادح کی مدح سے خوش ہوتا ہوں' اور اس کی دلیل یہ دیتا ہے کہ مذمت کرنے والے نے مذمت کر کے ایک ایسا گناہ کیا جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہے' اور تعریف کرنے والے نے تعریف کر کے اللہ کی اطاعت کی ہے تو یہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں' یہ شیطانی فریب ہے' عابد یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ کے بندوں میں بے شمار بندے ایسے ہیں جو دن رات ایسے ایسے سنگین گناہ کرتے ہیں جو مذمت کرنے والے نیز وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تعریف کرنے والا بھی کسی نہ کسی کی مذمت ضرور کرتا ہوگا۔ اگر مذمت کرنے والا قابل گردن زدنی ہے تو اسے بھی سزا ملنی چاہئے خواہ وہ تمہاری مذمت کرے یا کسی اور کی۔ اس سے معلوم ہو کہ یہ فریب خوردہ عابد اپنے نفس کے لئے غصہ کرتا ہے' اور اپنی اَنا کے لئے ناراض ہوتا ہے۔ اس کا یہ کہنا بھی شیطانی فریب کے علاوہ کچھ نہیں کہ مذمت ایک شرعی جرم ہے اس لئے میں مذمت کرنے والے سے نفرت کرتا ہوں' وہ دنیا سے بھی محروم ہوتے ہیں' اور آخرت کی زندگی میں بھی نقصان اٹھائیں گے' ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (پ۱۶ ر۳ آیت ۱۰۳-۱۰۴)

آپ (ان سے) کہئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارے میں ہیں' یہ لوگ ہیں۔ جن کی دنیا میں کی کرائی محنت سب گئی گذری ہوئی۔

چوتھی حالت جو تمام عبادتوں کا نچوڑ ہے یہ ہے کہ مدح کو بُرا سمجھے' اور مدح کرنے والے کو بُرا کہے' کیوں کہ یہ مدح اس کے لئے فتنہ ہے' اس کی کمر توڑنے والی ہے' اور دین کے لئے مُضر ہے۔ نیز مذمت کرنے والے سے محبت کرے' کیونکہ وہ عیب پر مطلع کرتا ہے' اور دین کی بنیادی چیز گناہوں سے توبہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے' اور اپنی نیکیاں تمہارے دامن میں ڈال دیتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

رأس التواضع ان تكره ان تذكر بالبر والتقوى (۱)

---

(۱) اس روایت کی اصل نہیں ملی۔

اصل تواضع یہ ہے کہ نیکی اور تقویٰ کے ساتھ تمہیں اپنا ذکر بُرا معلوم ہو۔
اس سلسلے میں ایک نہایت سخت حدیث یہ ہے "آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ویل للصائم وویل للقائم وویل لصاحب الصوف الامن! فقیل یا رسول اللہ! الامن؟ فقال الامن تنزھت نفسہ عن الدنیا و ابغض المدحۃ واستحب المذمۃ
(مسند الفردوس۔ انسؓ)

روزہ دار کے لئے خرابی ہے' شب زندہ دار کے لئے خرابی ہے' گلیم پوش کے لئے خرابی ہے مگر... لوگوں نے عرض کیا مگر کون؟ آپ نے فرمایا مگر وہ شخص جس کا نفس دنیا کی نجاستوں سے پاک ہو جو مدحت کو ناپسند کرتا ہو' اور مذمت کو پسند کرتا ہو۔

ہم جیسے لوگ تو صرف دوسری حالت ہی کی طمع کرسکتے ہیں کہ نہ مدح پر قول و فعل سے خوشی ظاہر کی جائے اور نہ مذمت کا رنج کیا جائے' جہاں تک تیسری صورت کا سوال ہے کہ مادح اور ذام دونوں برابر ہوں تو اس کی ہمیں اپنے آپ سے توقع ہی کرنی چاہئے۔ ہمارے لئے تو دوسری صورت بھی دُشوار ہی ہے۔ اگر ہم اپنے دلوں میں اس کی علامات تلاش کریں تو وہ بھی پوری نہ ملیں' مادح کی ہم جس قدر تعظیم کرتے ہیں اور اس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے جتنی جلدی کرتے ہیں اس قدر تعظیم ہم ذام کی نہیں کرتے اور نہ اتنی جلدی اس کی ضروریات پوری کرنے میں کرتے ہیں' بلکہ اس کی تعریف گراں معلوم ہوتی ہے' باطن میں تو دونوں کو برابر سمجھنے پر قادر تھے ہی نہیں ظاہر میں بھی برابری نہیں کرسکتے۔ جو شخص ایسا کرسکے وہ اس قابل ہے کہ اسے اپنے لئے نمونہ قرار دیا جائے' اور اس کی اتباع کی جائے' اگر ایسا شخص مل جائے تو وہ مینار نور ہے جس سے لوگ اندھیروں میں روشنی حاصل کرتے ہیں' لیکن افسوس اس زمانے میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا' اور جب دوسرے مرتبے کا شخص نہیں ملتا تو اس تیسرے مرتبے کا شخص کہاں ملے گا جو اس سے اعلیٰ ہے۔ پھر ان مراتب میں بھی مختلف درجات ہیں' مثلاً مدح میں یہ درجات ہیں کہ بعض لوگ مدح و ثنا؛ اور شہرت کی تمنا کرتے ہیں' اور ان کے حصول کے لئے جو کچھ ان سے بن پڑتا ہے کرتے ہیں' یہاں تک کہ عبادات میں ریا کاری سے کام لیتے ہیں' لوگوں کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے اور ان کی زبانوں کو اپنی تعریف میں بولنے پر مجبور کرنے کے لئے وہ محرّمات کے ارتکاب سے بھی گریز نہیں کرتے ایسے لوگ ہلاک ہونے والوں میں سے ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں جو مباحات کے ذریعے شہرت اور تعریف کے طالب ہوتے ہیں عبادات کو وسیلہ نہیں بناتے اور نہ ممنوعات کا ارتکاب کرتے ہیں' یہ لوگ گہرے غار کے دہانے پر ہیں۔ اس لئے کہ نہ کلام کی حدود منضبط کی جاسکتی ہیں اور نہ اعمال کی' اس لئے یہ ممکن ہے کہ وہ تعریف کی تلاش میں غیر شعوری طریقے پر حدود سے تجاوز کرجائیں' اور ہلاک ہوجائیں' اس اعتبار سے یہ لوگ ہلاک ہونے والوں سے انتہائی قریب ہیں' بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو نہ ستائش کی تمنا کرتے ہیں' اور نہ اس کے لئے جدوجہد کرتے ہیں لیکن جب ان کی تعریف کی جاتی ہے تو دل ہی دل میں خوشی محسوس کرتے ہیں' اگر ایسے لوگ مجاہدہ نہ کریں' اور مدح پر بتکلف کراہیت کا اظہار نہ کریں تو یہ ممکن ہے کہ فرطِ مسرت سے وہ لوگ دوسرے گروہ میں شامل ہوجائیں' اور اگر انھوں نے مجاہدہ کیا' اور مدح پر کراہیت ظاہر کی' اور اس کی آفات کے پیش نظر دل کو خوش ہونے کا موقع نہ دیا تو ایسے لوگ مجاہدے کے خطرے میں گھرے رہتے ہیں' کبھی کامیاب ہو جاتے ہیں' اور کبھی شکست ان کا مقدر بن جاتی ہے' بعض لوگ مدح سن کر خوش نہیں ہوتے' نہ انھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے گویا مدح ان پر کوئی اثر نہیں چھوڑتی' ایسے لوگ غنیمت ہیں' اگرچہ وہ پوری طرح مخلص نہیں ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو مدح پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرتے ہیں' لیکن یہاں تک نوبت نہیں پہنچتی کہ مادح پر ناراض ہوں یا انھیں منع کریں۔ ان سب میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تعریف کو بُرا سمجھا جائے' ناراضگی ظاہر کی جائے' بتکلف نہیں' بلکہ خلوص اور صداقت کے ساتھ زبان سے ناراض ہونا اور دل میں خوش ہونا عین نفاق ہے' ایسا آدمی اپنے خلوص اور سچائی کا اظہار کرتا ہے لیکن اس کے دامن میں نہ خلوص ہوتا ہے اور نہ

سچائی' ان مختلف درجات سے مذمت کرنے والے کے احوال کا اختلاف اور اس کے درجات بھی واضح ہو گئے' اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ اظہار ناراضگی ہو' اور آخری درجہ یہ ہے کہ مذمت پر خوشی ظاہر کرے۔ لیکن اپنی برائی پر صرف وہ شخص خوش ہو سکتا ہے جو اپنے نفس سے کینہ اور بغض رکھتا ہو' یہ نفس بڑا سرکش ہے' اس میں بے شمار عیب ہیں' اس کی وعدہ خلافی مشہور ہے' اس کی مکاریاں واضح ہیں' یہ اس سلوک کا مستحق ہے جو دشمنوں سے کیا جاتا ہے' یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے دشمن کی برائی سن کر خوش ہوتا ہے' جب وہ اپنے نفس کا دشمن ٹھہرا تو اسے اس کی برائی سے خوش ہونا چاہئے' اور مذمت کرنے والے کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے یہ فرض کفایہ ادا کیا' اور میرے نفس کے عیوب پر مطلع ہونے میں اپنی ذکاوت و ذہانت سے مدد لی' یہ مذمت بڑی غنیمت ہے' اس کی وجہ سے وہ لوگوں کی نظروں میں گر جائے گا اور جاہ کے فتنے سے محفوظ ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں انسان بہت سے نیک کام انجام نہیں دیتا ہے' کیا عجب ہے کہ یہ مذمت اس کے حق میں ایک نیکی بن جائے اور اس کے ایسے عیوب کا کفارہ کر دے جن کے ازالے پر وہ قادر نہیں تھا۔ اگر کوئی مرید اپنی تمام زندگی اسی کام کے لئے وقف کر دے کہ اس کی نظر میں مادح اور ذام برابر ہو جائیں تو یہ مشغلہ اسے مہلت نہ دے مرید کی راہ سعادت میں بہت سی پر پیچ اور دشوار گزار گھاٹیاں ہیں' ان میں سے ایک گھاٹی یہ ہے۔ یہ گھاٹیاں اور سخت ترین مجاہدے کے بغیر سر نہیں ہوتیں۔

کتاب الریاء

ریاء کا بیان

ریاء کی مذمت : ریاء حرام ہے' اور ریا کار اللہ کے غضب کا مستحق ہے۔ اس حقیقت پر آیات' روایات اور آثار کی شہادت موجود ہے۔

آیات کریمہ : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ (پ ۳۰ ر ۳۲ آیت ۴-۵)

ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَمَكْرُ أُولَٰئِكَ هُوَ يَبُورُ ۝
(پ ۲۲' ر ۱۴' آیت ۱۰)

اور جو لوگ بُری بُری تدبیریں کر رہے ہیں ان کو سخت عذاب ہو گا اور ان لوگوں کا یہ مکر نیست و نابود ہو جائیگا۔

حضرت مجاہدؒ نے فرمایا اس میں اہلِ ریاء کا ذکر ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (پ ۲۹ ر ۱۹ آیت ۹)

ہم تم کو محض خدا کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں' نہ ہم تم سے اس کا بدلہ چاہیں اور نہ شکریہ۔

یہ آیت اُن مخلصین کی تعریف میں وارد ہوئی جن کی نیت صرف اللہ کی رضا ہوتی ہے۔ فرمایا:۔

فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝
(پ ۱۶' ر ۳' آیت ۱۱۰)

سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنی عبادات اور اعمال پر معاوضہ طلب کرتے ہیں۔

روایات : ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! نجات کس عمل میں ہے؟ آپ نے فرمایا:۔

ان لا یعمل العبد بطاعة اللہ یرید بہا الناس (حاکم۔ ابن عباسؓ)

بندہ اللہ کی اطاعت میں کوئی ایسا عمل نہ کرے جس سے لوگ مقصود ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں جو سخی، شہید اور قاری کے باب میں منقول ہے یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر شخص سے فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے، صدقہ کرنے سے تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ تجھے سخی کہیں گے، تو بھی جھوٹا ہے، جہاد سے تیری نیت یہ تھی کہ لوگ تجھے بہادر کہیں۔ تو نے بھی جھوٹ کہا، تو قرآن اس لئے پڑھتا تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں گے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ انھیں ان کے عمل کا ثواب نہیں ملے گا، ان کی ریا نے اعمال ضائع کر دئے ہیں (مسلم) حضرت عبداللہ ابن عمر روایت کرتے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من رائی رائی اللہ بہ، ومن سمع سمع اللہ بہ (بخاری و مسلم۔ جبیب ابن عبداللہؓ)

جو شخص ریا کرتا ہے اللہ اسکے ساتھ ریا کرتا ہے اور جو سنتا ہے اللہ اس کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہے۔

ایک طویل حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ اس شخص کو دوزخ میں ڈال دو اس نے اپنے عمل سے میری نیت نہیں کی تھی (ابن ابی الدنیا) ایک روایت میں ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: میں زیادہ تر تم پر چھوٹے شرک کی وجہ سے خوف کرتا ہوں، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! چھوٹا شرک کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ریا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایسے لوگوں سے فرمائیں گے، جاؤ ان لوگوں کے پاس جاؤ جن سے تم دنیا میں ریا کرتے تھے کیا تمہیں ان کے پاس جزا مل جائے گی (احمد۔ بیہقی۔ محمود ابن لبید) ایک حدیث میں ہے۔ ارشاد فرمایا:۔

استعینوا باللہ عزّ و جلّ من جب الحزن

اللہ کی پناہ چاہو حُزن سے۔

لوگوں نے عرض کیا حُزن کیا چیز ہے؟ فرمایا:۔

واد فی جہنم اعد للقراء المرائین (ترمذی۔ ابو ہریرہؓ)

جہنم میں ایک وادی ہے جو ریا کار قاریوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ایک حدیث قدسی میں یہ الفاظ ہیں:۔

من عمل لی عملا اشرک فیہ غیری فھولہ کلہ وانا منہ بریئ، وانا اغنی الاغنیاء عن الشرک (ابن ماجہ، مالک۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص میرے لئے کوئی کام غیر کو شریک بنا کر کرے تو وہ عمل اسے مبارک ہو، میں اس سے بَری ہوں، میں شرک سے تمام بے پرواہوں سے زیادہ بے پرواہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں اگر تم کسی دن روزہ رکھو تو سر اور داڑھی میں تیل ڈالو، اور چکنا ہاتھ ہونٹوں پر بھی پھیر لو، تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ تم روزے سے ہو، اور جب تم دائیں ہاتھ سے دو تو اس طرح دو کہ تمہارے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو، جب نماز پڑھو تو دروازے پر پردہ ڈال دو، اللہ تعالیٰ تعریف اسی طرح تقسیم کرتا ہے جس طرح روزی تقسیم کرتا ہے۔ ایک حدیث

میں ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

لا یقبل اللہ عزّ و جلّ عملا فیہ مثقال ذرّۃ من ریاء (۱)

اللہ تعالیٰ کوئی ایسا عمل قبول نہیں کرتا جس میں ذرّہ برابر بھی ریا ہو۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ ابن جبلؓ کو روتے ہوئے دیکھا تو رونے کی وجہ دریافت کی' انھوں نے جواب دیا' میں ایک حدیث یاد کرکے رو تا ہوں جو میں نے اس قبر والے (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم) سے سُنی ہے' فرمایا کرتے تھے:۔

إن أدنى الرياء شرك (طبرانی)

معمولی ریا بھی شرک ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' مجھے تمہارے بارے میں ریا اور مخفی شہوت سے ڈر لگتا ہے (۲) شہوت خفیہ بھی ایک طرح کی مخفی اور دقیق ریا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز جب ظلّ الٰہی کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا عرش الٰہی کے سائے میں اسے جگہ ملے گی جس نے دائیں ہاتھ سے صدقہ کیا ہو اور بائیں کو خبر نہ ہوئی ہو (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ) ایک حدیث میں ہے کہ خفیہ عمل ظاہری عمل سے ستّر گنا فضیلت رکھتا ہے (بیہقی۔ ابوالدرداءؓ) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے روز ریا کار کو اس طرح پکارا جائے گا: تیرے اعمال ضائع ہوگئے ہیں' تیرا ثواب ختم ہو چکا ہے' جا اُن لوگوں سے اپنے اعمال کا اجر طلب کر جن کے لئے تو عمل کرتا تھا (ابن ابی الدنیا۔ جبل الیحصبی) شداد ابن اوسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھا عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کیوں روتے ہیں؟ فرمایا: میں اپنی اُمت پر شرک سے خائف ہوں' وہ نہ کسی بُت کی پرستش کریں گے' نہ سورج' چاند اور پتھر کو پوجیں گے' بلکہ اپنے اعمال میں ریا کریں گے (ابن ماجہ و حاکم) سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی تو یہ اپنے اوپر موجود چیزوں کے ساتھ لرزنے اور ہلنے لگی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا فرما دیئے اور زمین کے لئے انھیں میخیں بنا دیا۔ فرشتوں نے ایک دوسرے سے کہا اللہ نے پہاڑوں سے زیادہ سخت چیز کوئی دوسری نہیں بنائی اللہ نے لوہا پیدا فرمایا لوہے نے پہاڑ کاٹ ڈالے پھر آگ پیدا کی اس نے لوہا پگھلا دیا پھر پانی کو حکم ہوا اس نے آگ بجھادی پھر ہوا کو حکم ہوا اس نے پانی کو تہ و بالا کر دیا۔ اب فرشتوں کی رائے بدلی اور باری تعالیٰ سے دریافت کرنے کا خیال ہوا۔ عرض کیا تو نے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ سخت چیز کون سی بنائی ہے؟ فرمایا: میں نے ابن آدم کے دل سے زیادہ سخت کوئی چیز دوسری نہیں بنائی جب وہ دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے تو اپنے بائیں ہاتھ سے بھی چھپاتا ہے" ترمذی۔ انسؓ"۔ عبد اللہ ابن المبارکؒ ایک شخص سے روایت کرتے ہیں اس نے معاذ ابن جبلؓ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی حدیث سنائیے جو آپ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو آپ یہ سن کر رو پڑے اور اتنا روئے کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید چپ نہ ہونگے۔ تھوڑی دیر بعد خاموش ہوئے اور فرمایا: ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے معاذ! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: میں تمہیں ایک بات بتلاتا ہوں اگر تم نے اسے یاد رکھا تو تمہیں نفع ہو گا اور بھول گئے تو خدا کے یہاں تمہاری کوئی حجت کام نہ آئے گی اے معاذ! اللہ نے آسمان اور زمین پیدا کرنے سے پہلے سات فرشتے پیدا فرمائے پھر آسمان بنائے اور ہر آسمان کیلئے ان سات فرشتوں میں سے ایک دربان مقرر کیا اور ہر آسمان کو نہایت عظمت عطا فرمائی صبح و شام محافظ فرشتے بندے کے عمل لے کر چڑھتے ہیں اور وہ عمل سورج کی روشنی سے زیادہ منوّر ہوتے ہیں جب یہ عمل آسمان دنیا تک پہنچتا ہے تو وہاں متعین فرشتہ محافظ فرشتوں سے کہتا ہے کہ یہ عمل واپس لے جاؤ اور صاحبِ عمل کے منہ پر دے مارو' میں غیبت کا فرشتہ ہوں' مجھے حکم ہوا ہے کہ میں کسی ایسے شخص کے عمل کو آگے نہ جانے دوں جو

---

(۱) اس کی سند مجھے نہیں ملی۔ (۱) یہ روایت پہلے بھی گذر چکی ہے۔

لوگوں کی غیبت کرتا ہے محافظ فرشتے اس بندے کا کوئی دوسرا عمل پیش کردیتے ہیں اور اس کے وسیلے سے آگے بڑھ جاتے ہیں یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچتے ہیں وہاں متعین فرشتہ ان سے کہتا ہے ٹھہرو یہ عمل لیتے جاؤ اور صاحب عمل کے منہ پر مارو اس نے اپنے عمل کے ذریعے دنیاوی چیز کی خواہش کی تھی' میرے پروردگار کا حکم ہے کہ میں ایسے عمل کو آگے نہ جانے دوں' وہ شخص اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر فخر کیا کرتا تھا' آپ نے فرمایا: اس کے محافظ فرشتے بندے کا وہ عمل لے کر اوپر چڑھتے ہیں جس میں سے نور پھوٹتا ہے' اسے دیکھ کر خود فرشتے حیران رہ جاتے ہیں' تیسرے آسمان پر پہنچتے ہیں وہاں متعین فرشتہ کہتا ہے ٹھہرو' اور اس عمل کو صاحبِ عمل کے منہ پر دے مارو' میں کبر کا فرشتہ ہوں' میرے رب کا حکم ہے کہ اس عمل کو آگے نہ بڑھنے دوں۔ وہ شخص اپنی مجلسوں میں لوگوں پر تکبر کیا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: پھر فرشتے بندے کا وہ عمل لے کر چوتھے آسمان کی طرف بڑھیں گے جو روشن ستارے کی طرح ہوگا اور اس عمل میں حج' عمرہ' نماز' روزہ' تسبیح و تہلیل کی گونج ہوگی' چوتھے آسمان کا دربان کہتا ہے ٹھہرو' اور اس عمل کو عمل والے کے منہ پر' اس کے پیٹ اور پیٹھ پر مارو' میں فرشتۂ عُجب ہوں' میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس عمل کو آگے نہ جانے دوں' یہ شخص جب کوئی نیک عمل کرتا تھا تو اس میں عجب کو داخل کردیتا تھا' فرمایا: محافظ فرشتے وہ عمل لے کر پانچویں آسمان کی طرف بڑھتے ہیں جو شبِ زفاف کی دُلہن کی مانند آراستہ ہوتا ہے' اس آسمان پر متعین فرشتہ کہتا ہے ٹھہرو' اور اس عمل کو اس کے مالک کے منہ پر دے مارو' اور اس کا بوجھ اسی کی گردن میں ڈال دو' میں حسد کا فرشتہ ہوں' اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس عمل کو آگے نہ جانے دوں' وہ شخص ان تمام لوگوں سے جلتا تھا جو اس جیسا علم حاصل کرتے تھے یا اس جیسا عمل کرتے تھے' جو شخص بھی زیادہ عبادت کرتا تھا یہ شخص اس سے حسد کرتا تھا اور اس کے بارے میں زبان طعن دراز کرتا تھا۔ اب فرشتے اس کی نماز' روزہ' حج' عمرہ اور زکوٰۃ کی عبادتیں لے کر چھٹے آسمان کی طرف کوچ کرتے ہیں' اس آسمان پر متعین فرشتہ بھی انہیں روک لیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ان اعمال کو عامل کے منہ پر مارو' یہ شخص کسی اللہ کے بندے پر اس کی کسی مصیبت یا پریشانی میں رحم نہیں کرتا تھا بلکہ اس کا مضحکہ اُڑایا کرتا تھا' میں رحم کا فرشتہ ہوں' مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ اس عمل کو آگے نہ جانے دوں۔ فرمایا: اس کے بعد فرشتے نماز' روزہ' صدقہ و زکوٰۃ' مجاہدہ اور تقویٰ پر مشتمل کچھ اور اعمال لے کر ساتویں آسمان کی طرف بڑھتے ہیں' ان کی آواز بجلی کڑکنے کی آواز سے مشابہ ہوتی ہے' اور روشنی سورج کی روشنی کی طرح ہوتی ہے' اور اس جلوس میں تین ہزار فرشتے شامل ہوتے ہیں وہاں متعین فرشتہ انہیں آگے بڑھنے نہیں دیتا اور کہتا ہے ان اعمال کو صاحبِ اعمال کی منہ پر مارو' اس کے دل پر تالا لگادو' میں اپنے رب کے پاس کوئی ایسا عمل ہرگز نہ جانے دوں گا جس کے عامل نے رضائے الٰہی کے بجائے غیرُ اللہ کی نیت کی ہو' اس شخص نے اپنے اعمال و عبادات کے ذریعے یہ چاہا کہ فقہاء کے یہاں اس کا مرتبہ بلند ہو' علماء کی مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہو' دور دور ملکوں میں اس کی شہرت پھیلے میرے رب کا حکم ہے کہ میں اس طرح کے اعمال کو آگے نہ جانے دوں۔ ہر وہ عمل جو خاص اللہ کے لیے نہ ہو ریا ہے' اور اللہ ریا کار کا عمل قبول نہیں کرتا' فرمایا: آخر میں فرشتے بندے کی نمازیں' روزے' حج' عمرے' اخلاقِ حسنہ' ذکر اور سکوت وغیرہ عبادتیں لے کر آگے بڑھیں گے' اور ان اعمال کے جلوس میں تمام آسمان کے فرشتے ہوں گے یہاں تک کہ تمام پردوں کو قطع کرتے ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کھڑے ہوں گے' اور اس شخص کو نیک اعمال کو گواہی دیں گے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم میرے بندوں کے اعمال کے محافظ تھے اور میں اس کے نفس کا نگراں ہوں' اس نے اپنے ان اعمال کے ذریعہ میری رضا کا ارادہ نہیں کیا' بلکہ میرے علاوہ کسی اور چیز کی نیت کی' اس پر میری لعنت ہو' تمام فرشتے کہیں گے اس پر آپ کی اور ہماری لعنت ہو' تمام آسمانوں سے آواز آئے گی اس پر اللہ اور ہماری لعنت ہو' آسمانوں اور زمین کا ذرّہ ذرّہ ان پر لعنت بھیجے گا معاذ کہتے ہیں' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں (ایک بندہ فقیر) معاذ ہوں' آپ نے فرمایا: میری اقتدا کر' اے معاذ اپنی زبان کو ان بھائیوں کے بارے میں یاوہ گوئی سے بچا جو قرآنی علوم کے حامل ہیں' اپنے گناہوں کو اپنے ذمے رکھ' دوسروں کو ان میں ملوّث نہ کر' ان کی مذمت کرکے اپنا تزکیہ نہ کر' نہ اپنے آپ کو ان سے بلند بالا سمجھ' دنیا کے عمل

کو آخرت کے عمل میں مت داخل کر' نہ اپنی مجلس میں غرور کر' ورنہ لوگ تیری بداخلاقی سے ڈریں گے' جب ایک سے زائد افراد تیرے پاس بیٹھے ہوں تو ان میں کسی ایک کے ساتھ سرگوشی مت کر۔ لوگوں کے سامنے شیخی مت بگھار ورنہ تجھ سے دنیا کی برکات منقطع ہو جائیں گی' لوگوں کی آبرو ریزی مت کر ورنہ دوزخ کے کتے تیرا گوشت نوچ لیں گے' اور تجھے چیر پھاڑ دیں گے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا (پ ۳۰ ر ۳ آیت ۲)

اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو (مسلمانوں کی جان) آسانی سے نکالتے ہیں۔

اے معاذؓ! تم جانتے ہو وہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: وہ دوزخ کے کتے ہیں گوشت نوچیں گے' اور ہڈیاں بھنبھوڑیں گے' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں ان خصائل پر عمل پیرا ہونے کی طاقت کس میں ہے' اور دوزخ کے کتوں سے کون بچے گا' آپ نے فرمایا: ان پر عمل کرنا اس شخص کے لیے آسان ہے جسے اللہ توفیق دے' راوی کہتے ہیں کہ حدیث کے ڈر سے معاذؓ کو اکثر قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول پایا گیا۔ (۱)

آثار : روایت ہے کہ حضرت عمر ابن الخطابؓ نے ایک شخص کو گردن جھکائے دیکھا' آپ نے فرمایا: اے گردن والے گردن اُٹھا' خشوع گردن میں نہیں' دل میں ہے۔ ابو امامہ الباہلیؓ نے ایک شخص کو مسجد کے اندر سجدے کی حالت میں دیکھ کر فرمایا کتنا اچھا ہوتا اگر تو اپنے گھر میں یہ کام کرتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا: ریا کار کی تین علامتیں ہیں جب تنہا ہوتا ہے تو سست پڑ جاتا ہے' لوگوں کو دیکھ کر چست بن جاتا ہے' جب کوئی تعریف کرتا ہے تو اور زیادہ عمل کرتا ہے' برائی کرتا ہے تو عمل کم کر دیتا ہے۔ ایک شخص نے عبادۃ ابن الصامتؓ سے عرض کیا کہ میں اللہ کی راہ میں اپنی تلوار سے جہاد کروں گا' اور میری نیت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو' اور لوگ بھی تعریف کریں' آپ نے اس شخص سے فرمایا: تب تجھے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اس نے تین بار یہ بات کہی' آپ نے تینوں مرتبہ اس سے یہی کہا' اور آخر میں فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں شرک سے تمام بے نیازوں سے زیادہ بے نیاز ہوں۔ ایک شخص نے سعید ابن المسیبؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم میں سے ایک شخص کوئی اچھا کام کر کے اجر و ستائش کی تمنا کرتا ہے' کیا اس کا یہ عمل صحیح ہے' انہوں نے پوچھا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم پر اللہ کا غضب نازل ہو' اس شخص نے عرض کیا: نہیں! انہوں نے کہا تب تم جو بھی عمل کرو اللہ کے واسطے کرو' اور اس میں مخلص رہو۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں تم کسی عمل کے بارے میں یہ نہ کہا کرو کہ یہ اللہ کی رضا کے لیے ہے اور تمہاری خوشنودی کی خاطر ہے' نہ یہ کہا کرو کہ یہ عمل اللہ کی رضا کے لیے اور اہل قرابت کے لیے ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دُرّہ سے مارا' اس کے بعد فرمایا مجھ سے بدلہ لو' اس نے عرض کیا کہ میں بدلہ نہیں لیتا' بلکہ اسے اللہ کے اور آپ کے لیے چھوڑتا ہوں' حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تو کوئی بات نہ ہوئی یا تو تم میرے لیے چھوڑتے یا اللہ کے لیے چھوڑتے۔ اس نے کہا میں تنہا اللہ کے لیے چھوڑتا ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا: اب صحیح ہے۔ حضرت حسن بصریؒ روایت فرماتے ہیں کہ میں ایسے لوگوں کی صحبت میں رہا ہوں جن کے قلوب علوم و معارف کی بیش بہا گنجینہ تھے' اگر وہ اپنی حکیمانہ باتیں زبان پر لاتے تو انہیں بھی نفع ہوتا اور ان کے ساتھیوں کو بھی مگر انہوں نے شہرت کے خوف سے اپنی زبانیں بند رکھیں' حد یہ ہے کہ جب وہ راستے میں کوئی ایذا دینے والی چیز دیکھ لیتے تو اسے اس ڈر سے نہ ہٹاتے کہ کہیں مشہور نہ ہو جائیں کہا جاتا ہے کہ ریا کار کو قیامت کے دن چار القاب سے پکارا جائیگا۔ اے غدار' اے ریا کار' اے نقصان اُٹھانے والے' اے بدکار دور ہو اور ان سے اپنا اجر طلب کر جن کے لیے تو عمل کرتا تھا' تیرے لیے ہمارے پاس کوئی اجر نہیں ہے فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں کہ اب تو حال اور بھی خراب ہو گیا پہلے زمانے میں لوگ اعمال میں ریا کاری کرتے تھے'

---

(۱) کتاب الزہد لابن المبارک' ابن الجوزی فی الموضوعات۔

اب صرف ریا کاری کرتے ہیں' عمل بالکل نہیں کرتے عکرمہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ بندے کو عمل پر اس کی نیت کے مطابق اجر دیتا ہے' اس لیے کہ نیت میں ریا نہیں ہوتی' حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ریا کار اللہ کی تقدیر پر غالب ہونا چاہتا ہے' وہ بُرا آدمی ہے یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے اچھا سمجھیں بھلا وہ اسے اچھا کہہ سکتے ہیں اللہ کے یہاں تو وہ بُرا قرار دیا جاچکا ہے' مؤمنین کے قلوب کے لیے ان کی معرفت ضروری ہے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جب بندہ ریا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندے کو دیکھو' مجھ سے مذاق کررہا ہے۔ مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ قاری تین طرح کے ہوتے ہیں' رحمان کے قاری' دنیا کے قاری' اور بادشاہوں کے قاری' محمد ابن الواسع رحمٰن کے قاری ہیں' فضیل ابن عیاضؒ کہتے ہیں کہ جو شخص ریا کار کو دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے' محمد ابن المبارک الصتوری فرماتے ہیں کہ نیک لوگوں کی وضع رات کو اختیار کر' دن کے مقابلے میں اس کی فضیلت زیادہ ہے' اس لیے کہ دن میں نیک بننا مخلوق کے لیے ہوتا ہے' اور رات میں ربُّ العالمین کے لیے ابو سلیمانؒ فرماتے ہیں عمل کو ضائع ہونے سے بچانا عمل کرنے کے مقابلے میں زیادہ سخت ہے حضرت عبداللہ المبارکؒ فرماتے ہیں بعض لوگ کعبہ کا طواف کرتے ہیں حالانکہ وہ خراسان میں ہوتے ہیں' لوگوں نے اس ارشاد کا مطلب دریافت کیا' فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو بیت اللہ کا مجاور اور مطوف کہلانے کے شوق میں طواف کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو طواف کا ثواب نہیں ملتا' بلکہ ان کا یہ عمل اس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا کہ وہ کسی دوسرے شہر میں کسی اور عمارت کے ارد گرد پھر رہے ہوں۔ حضرت ابراہیم ابن ادہم کے بقول شہرت کا طالب اللہ پر مکمل ایمان نہیں رکھتا۔

ریا کی حقیقت' اور وہ چیزیں جن میں ریا ہوتی ہے

ریا کے معنیٰ اور اس کی حقیقت : جاننا چاہئے کہ ریا روایت سے مشتق ہے اور سُمعۃ سماع ہے۔ ریا کے معنیٰ ہیں اچھی عادتوں اور کاموں کا مظاہرہ کرکے لوگوں کے دلوں میں قدر و منزلت کا طالب ہونا۔ لیکن کیونکہ جاہ و منزلت کا حصول عبادات کے علاوہ دوسرے اعمال سے بھی ہوتا ہے اس لیے ریا کی تعریف میں یہ تخصیص بھی ہوگی کہ جس میں طلب عزت و منزلت عبادات کے ذریعہ کی جائے۔ اس اعتبار سے یہاں چار چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ریا کار یعنی عابد' دوسرے وہ آدمی جسے دکھلانا منظور ہو' یعنی جس کے لیے ریا کی جائے' تیسرے وہ خصلتیں جن میں ریا مقصود ہو' چوتھے خود نفس ریا۔

وہ چیزیں جن میں ریا ہوتی ہے : ریا کار پانچ چیزوں میں ریا کاری کرتا ہے' اور لوگوں میں شہرت کا طالب ہوتا ہے بدن' ہیئت' قول' عمل' متبعین اور خارجی اشیاء۔ دنیادار بھی انہیں پانچ چیزوں سے جاہ و منزلت حاصل کرتے ہیں لیکن ان چیزوں سے جو داخل اطاعت نہیں جاہ طلب کرنا طاعت کے ذریعہ ریا کرنے کی بہ نسبت خفیف ہے۔

بدن کے ذریعے دین میں ریا : اور اس ریا کی صورت یہ ہے کہ جسم پر لاغری' اور زردی طاری کرلی جائے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ شخص دین میں شدید محنت کرتا ہے' اس پر آخرت کا خوف غالب ہے۔ لاغری کم خوری پر' اور زردی شب بیداری پر دلالت کرتی ہے' اسی طرح بالوں کی پراگندگی بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسے دین کی بہت فکر ہے' ہمہ وقت عبادات میں مصروف رہتا ہے' یہاں تک کہ سر میں کنگھا کرنے کی فرصت بھی میسّر نہیں' جب اس طرح کی علامات ظاہر ہوتی ہیں تو لوگ ان سے بزرگی پر استدلال کرتے ہیں اور نفس کو اس سے خوشی ہوتی ہے' اسی کے مشابہ ہے آواز کا پست کرنا' آنکھوں کے ارد گرد حلقے پڑجانا' ہونٹوں کا پژمردہ رہنا وغیرہ۔ ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص ہمیشہ روزے سے رہتا ہے خوف خدا سے آواز پست ہوگئی ہے' یا بھوک کی وجہ سے آواز نہیں نکلتی' اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص روزہ رکھے تو اسے اپنے بالوں میں تیل ڈالنا چاہئے' کنگھی کرنی چاہئے' آنکھوں میں سرمہ لگانا چاہئے' اور ہونٹوں پر چکنا ہاتھ پھیرلینا چاہئے تاکہ

لوگ روزہ دار نہ سمجھیں، قریب قریب یہی نصیحت حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے، ان حضرات نے ریا کے گناہ سے بچنے کے لیے یہ ہدایت کی، شیطان ان ہی راستوں سے عبادت گذار بندوں کو ریا کار بناتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے بھی روزہ داروں کو غیر روزہ داروں کی طرح رہنے کی تلقین کی ہے۔ اہل دین اپنے جسموں کے ذریعے اس طرح ریا کرتے ہیں اور اہل دنیا جسم کی فربہی، خوب صورتی، دراز قامتی، اعضاء کے تناسب اور رنگ کی سفیدی سے ریا کرتے ہیں۔

ہیئت اور لباس کے ذریعے ریا : بالوں کو پراگندہ کرنا، مونچھیں منڈوانا، سر جھکا کر چلنا، دھیرے دھیرے حرکت کرنا، پیشانی پر نشان سجدہ باقی رکھنا، کھردرے اور موٹے کپڑے پہننا، اون کی عبائیں پہن کر یا کرتوں کے دامن پنڈلیوں تک لٹکانا، آستینیں چھوٹی رکھنا، کپڑے گندے اور پھٹے ہوئے رکھنا، یہ سب اعمال ریا کے لیے کئے جاتے ہیں، تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ شخص سنت کا پابند ہے، اور اللہ کے نیک بندوں کا متبع ہے۔ اسی میں پیوند لگے کپڑے پہننا، سجادہ پر نماز پڑھنی، اور نیلے رنگ کے کپڑے پہننا بھی داخل ہے تاکہ صوفیاء سے مشابہت ہو، حالانکہ تصوّف کے حقائق سے وہ کتنا ناواقف ہے یہ وہ خود جانتا ہے، عمامہ کے اوپر چادر اوڑھنا، اور اس کے سرے کو آنکھوں پر لٹکا لینا بھی داخل ریا ہے، کیونکہ اس ہیئت سے وہ سب کی نگاہوں کا مرکز بنے گا، اور لوگ اس کی احتیاط پسندی کی تعریف کی نظر سے دیکھیں گے کہ راستے کے غبار سے بھی اپنی آنکھوں کو بچا کر چلتے ہیں۔ یہ بھی ریا ہے کہ جاہل آدمی علماء کا لباس پہنے، اور ان کی وضع اختیار کرے محض اس لیے کہ لوگ اسے بھی عالم سمجھیں اور احترام و اکرام کا معاملہ کریں۔

لباس کے ذریعہ ریا کرنے والوں کے مختلف طبقات ہیں، بعض اپنے آپ کو زاہد ظاہر کرکے نیک لوگوں کے یہاں منزلت کے طالب ہوتے ہیں، اور پھٹے ہوئے، گندے، موٹے اور کھردرے کپڑے پہنتے ہیں تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس شخص کو دنیا کی ذرا پرواہ نہیں ہے۔ اگر اسے متوسط درجے کے صاف ستھرے کپڑے پہنا دیئے جائیں جو اکابرین سلف پہنا کرتے تھے تو وہ اس قدر تکلیف محسوس کرے جس قدر تکلیف ذبح کے وقت جانور محسوس کرتے ہیں، محض اس ڈر سے کہ کہیں صاف ستھرا لباس پہنے ہوئے دیکھ کر لوگ یہ نہ کہیں کہ اس نے زُہد ترک کر دیا ہے۔ اور اب یہ دنیا داروں کے طریقے پر چلنے لگا ہے۔ بعض لوگ اہل دنیا، بادشاہوں، وزیروں اور تاجروں اور اہل دین، علماء صوفیاء سب میں مقبول ہونا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ بڑی مشکل میں رہتے ہیں اگر عمدہ لباس پہنیں تو فقراء انہیں رَد کر دیں، اور پیوند زدہ معمولی کپڑے پہنیں تو بادشاہوں اور دولت مندوں کی نظروں سے گر جائیں، وہ نہ اہلِ دنیا کی نظروں میں گرنا پسند کرتے ہیں اور نہ اہل دین کے نزدیک ذلیل ہونا چاہتے ہیں اس لیے وہ باریک عبائیں، اور رنگین پیوند تلاش کرتے ہیں، بظاہر ان کے کپڑے سادہ ہوتے ہیں لیکن بسا اوقات قیمت میں مالداروں کے لباس سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ ان کے لباس کا رنگ اور ان کی ہیئت و وضع صلحاء جیسی رہتی ہے۔ یہ لوگ دونوں فریقوں میں یکساں مقبولیت حاصل کرنا چاہتے ہیں، اگر انہیں زبردستی موٹا، یا گندہ لباس پہنا دیا جائے تو وہ ذبح ہونے والے جانور کی طرح بلبلاتے ہیں، انہیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ یہ لباس پہن کر وہ بادشاہوں اور مالداروں کی نظروں سے گر جائیں گے۔ اسی طرح اگر انہیں دیباج، ریشم، یا کم خواب و اطلس کے لباس پہنائے جائیں تو بھی وہ اس کے لیے تیار نہ ہوں، اگرچہ ان کپڑوں کی قیمت ان کے لباس سے کم ہو، لیکن وہ اللہ کے نیک بندوں کی زبان سے یہ سننا پسند نہیں کرتے کہ انہوں نے اپنی وضع بدل دی ہے، اور صلحاء کا راستہ ترک کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر طبقہ جس لباس میں اپنی مقبولیت اور شہرت سمجھتا ہے وہ نہ اس سے کم تر پر راضی ہوتا ہے اور نہ بلند تر پر، اگرچہ وہ مباح ہی کیوں نہ ہو، یہ اہل دین کا حال ہے اہل دنیا بیش قیمت لباس، عمدہ سواریوں اور نفیس چادروں، عباؤں اور عماموں اور قیمتی سازو سامان کے ذریعے ریا کرتے ہیں، یعنی وہ لوگ اپنے گھروں میں معمولی لباس پہنتے ہیں، لیکن گھر سے باہر عمدہ لباس پہن کر اور بن سنور کر نکلتے ہیں تاکہ لوگ مالدار کہیں۔

کلام کے ذریعے ریا : کلام کے ذریعے اہل دین اس طرح ریا کرتے ہیں کہ وعظ و نصیحت کو اپنا مشغلہ بنا لیتے ہیں حکمت اور

دانائی کی باتیں بناتے پھرتے ہیں' اخبار و آثار یاد کرلیتے ہیں تاکہ روز مرہ کی بات چیت میں کام آئیں' اور مخاطب کثرت علم' اور سلف صالحین کے احوال و واقعات سے شدید شغف کا اعتراف کرے۔ یہ لوگ عام محفلوں میں ذکر کرتے رہتے ہیں اور ہونٹوں کو حرکت دیتے رہتے ہیں تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ ہمارے بڑے نیک ہیں ہر لمحہ عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ لوگ عوام کے سامنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں' منکرات پر اپنی شدید ناراضگی ظاہر کرتے ہیں' لوگوں کو معاصی میں مبتلا دیکھ کر اپنے شدید کرب کا اظہار کرتے ہیں' بات کرتے وقت آواز انتہائی پست کرلیتے ہیں' قرآن کریم کی تلاوت انتہائی رقت آمیز لہجے میں کرتے ہیں تاکہ اس سے خوف اور حزن کا پتا چلے' حفظ حدیث اور شیوخ حدیث سے ملاقات کا دعویٰ کرتے ہیں حدیث بیان کرنے والوں کے دروازے کھٹکھٹاتے پھرتے ہیں اور کوئی حدیث بیان کرے تو اس میں خلل بتلانے میں یا اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کی متعلق رائے قائم کرنے میں جلدی کرتے ہیں تاکہ لوگوں پر ان کی حدیث دانی کا رُعب پڑے' دشمن کو زیر کرنے کے لیے لمبی چوڑی تقریر کرتے ہیں' اور اظہار علم کے لیے قرآن و حدیث کے حوالے دیتے ہیں۔ کلام کے ذریعے اہل دین کی ریا کی بے شمار قسمیں ہیں۔ دنیا کے لوگ اس طرح ریا کرتے ہیں کہ اشعار اور مثالیں یاد کرلیتے ہیں۔ عبارت میں فصاحت و سلاست کا خاص خیال رکھتے ہیں' اہل فضل کو مرعوب کرنے کے لیے نادر جملے اور غریب الفاظ و تراکیب حفظ کرلیتے ہیں۔ اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے دوستی ظاہر کرتے ہیں۔

<u>عمل کے ذریعے ریا</u> : مثلاً نمازی کا دیر تک قیام کرنا' رکوع و سجود طویل کرنا' گردن جھکانا' ترکِ التفات کرنا' سکون اور وقار ظاہر کرنا' قدموں اور ہاتھوں کو برابر رکھنا وغیرہ اعمال جن سے نماز میں خشوع و خضوع اور رغبت معلوم ہو' نماز کی طرح یہ ریا کارانہ اعمال روزے' حج' صدقہ' زکوٰۃ اور غزوہ و جہاد میں بھی ہوسکتے ہیں' کھانا کھلانے میں بھی ریا ہوسکتا ہے' اسی طرح چلنے میں متواضع اور سرنگوں رہنے کا عمل' بات کرنے میں سکون و وقار کا مظاہرہ وغیرہ اعمال میں ریا ہوتا ہے حد یہ ہے کہ ریا کار اپنی کسی ضرورت کے لیے تیزی سے لپکتا ہے' لیکن جب کوئی دیندار اس کے سامنے آجاتا ہے تو فوراً اپنی چال بدل دیتا ہے اور آہستہ آہستہ چلنے لگتا ہے' گردن سینے پر ڈال لیتا ہے' ناپ تول کر قدم اٹھاتا ہے تاکہ لوگ جلد باز اور بے وقار نہ کہیں۔ چنانچہ جب وہ شخص نگاہوں سے اوجھل ہوجاتا ہے پھر تیزی سے چلنے لگتا ہے' کوئی دیکھ لیتا ہے تو پھر خاشع بن جاتا ہے' وہ اللہ کو یاد کرکے خشوع نہیں کرتا' بلکہ صرف انسان کو بتلانے کے لیے خشوع کرتا ہے تاکہ وہ اسے اللہ کے نیک بندوں میں شامل رکھیں۔ بعض نسبتہً احتیاط پسند لوگ تنہائی میں بھی اسی طرح چلتے ہیں جس طرح لوگوں کے سامنے چلتے ہیں' انہیں شرم آتی ہے کہ ان کی عام رفتار خلوت کی رفتار کے برعکس ہو' تاکہ لوگوں کے سامنے انہیں اپنی رفتار بدلنے کی ضرورت نہ پڑے' اس طرح وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ریاکاری سے بچ جائیں گے' حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اس طرح ان کی ریاکاری بڑھ جائے گی' پہلے وہ صرف لوگوں کے سامنے ریاکاری کرتے تھے اب تنہائی میں بھی کرتے ہیں' اہل دنیا کی عمل کے ذریعے ریاکاری یہ ہے کہ وہ اِترا کر اور اکڑ کر چلتے ہیں' چلتے ہوئے ہاتھوں کو مسلسل حرکت دیتے ہیں' تھوڑے تھوڑے فاصلے سے قدم اٹھاتے ہیں' دامن پکڑے رہتے ہیں' اور کندھے اچکاتے رہتے ہیں' اور یہ حرکت اپنی جاہ و حشمت کے اظہار کے لیے کرتے ہیں۔

<u>دوستوں اور ملاقاتیوں کے ذریعے ریا</u> : مثلاً کسی کا یہ چاہنا کہ کوئی عالم میری ملاقات کے لیے آئے' تاکہ لوگ یہ کہیں فلاں شخص اتنا اہم آدمی ہے کہ اس کی فلاں عالم یا فلاں عابد سے دید و شنید ہے' اور وہ اس کی ملاقات کے لیے آتے ہیں' یا یہ کہیں کہ دین میں اس کا مرتبہ بلند ہے تب ہی تو لوگ اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے ملاقات کا شرف حاصل کرتے ہیں بعض لوگ کسی بادشاہ یا کسی بڑے شاہی افسر کی ملاقات کے خواہاں ہوتے ہیں تاکہ عوام الناس اس کی دینی عظمت کا اعتراف کریں بعض لوگ شیوخ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں تاکہ یہ ثابت کرسکیں کہ انہوں نے بہت سے شیوخ سے ملاقات کی ہے اور ان سے فیض اٹھایا ہے' وہ شیوخ

کی ملاقات اور ان سے استفادے سے تفاخر کرتے ہیں، خاص طور پر جب کوئی اختلافی بحث ہو، اور دوسرے فریق کو نیچا دکھلانے کی ضرورت پیش آجائے تب اس طرح کے دعوے بہت کئے جاتے ہیں کہ ہم نے فلاں شخص کو دیکھا ہے، فلاں شیخ سے یہ بات سنی ہے، فلاں فلاں ملکوں کا سفر کیا ہے، اور اتنے شیوخ کی خدمت کرکے فیض علم اٹھایا ہے۔

یہ ہیں وہ پانچ چیزیں جن سے ریاکار ریا کرتے ہیں، اور مقصد یہی ہوتا ہے کہ مخلوق میں عزت اور منزلت حاصل کریں، بعض لوگ مخلوق کے حسن اعتقاد پر قانع ہوجاتے ہیں، چنانچہ بہت سے راہب معبدوں میں چلے جاتے ہیں، اور برسوں باہر نہیں نکلتے، بہت سے عابد عرصۂ دراز کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے ہیں، اور نیچے نہیں اُترتے، ان کی یہ روپوشی اس یقین پر ہوتی ہے کہ لوگ ان کے بارے میں اچھا اعتقاد رکھتے ہیں، اگر انہیں یہ معلوم ہوجاتے کہ ان کے متعلق لوگوں کے خیالات اچھے نہیں رہے یا ان کی طرف کسی جرم کی نسبت کی جانے لگی ہے تو ان کا سارا سکون غارت ہوجائے، اور اس حسنِ اعتقاد پر جس کے سہارے وہ گوشہ نشین ہوگئے قانع نہ رہیں، اور نہ ان کا اضطراب اللہ کے یہاں اپنی برأت سے ختم ہو، بلکہ ان کی بے چینی اور غم قابلِ دید ہوگا، لوگوں کے دلوں میں اپنے ان جاہ و منزلت کی بازوا پسی کے لیے، اور شکوک و شبہات کے اندھیرے مٹانے کے لیے وہ ہزاروں حیلے کریں گے، حالانکہ انہیں مال کی طمع نہیں رہتی، لیکن جاہ سے مفر نہیں، مال سے زیادہ ضرر یہ ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں ہم نے اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی، جاہ ایک طرح کی قدرت اور کمال ہے جو فی الحال حاصل ہوتا ہے اگرچہ یہ قدرت دیرپا نہیں ہے، اور صرف جاہل ہی اس کے فریب کا شکار ہوسکتے ہیں، لیکن کیونکہ اکثر لوگ جاہل ہی ہیں اس لیے جاہ کی لذت کے متلاشی بے شمار نظر آتے ہیں۔

بہت سے لوگ صرف دلوں میں اپنی منزلت پر مطمئن نہیں ہوتے، بلکہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ دلوں کے ساتھ ساتھ زبانیں بھی تعریف و توصیف میں مصروف ہوں۔ بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دور دور تک ان کا نام مشہور ہو، تاکہ لوگ سفر کرکے ان سے ملاقات کے لیے آئیں، بعض بادشاہوں کے یہاں اپنی شہرت کی خواہش کرتے ہیں تاکہ ان کی سفارشات قبول ہوں اور ضروریات پوری ہوں، عوام میں وقار و اعتبار حاصل ہو، بعض لوگ اس کے ذریعے مال کمانے اور جمع کرنے کی خواہش رکھتے ہیں، خواہ مال یتیموں کا ہو یا مسکینوں کا، وقف کا ہو یا کسی کی ذاتی ملکیت ہو، ریاکاروں کے تمام طبقات میں یہ انتہائی بدترین طبقے ہیں جو مذکورہ بالا پانچ اسباب سے ریا کرتے ہیں۔

<u>ریا کی حرمت و اباحت</u> : اب تک ریا کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب اس کا حکم زیر بحث آئے گا۔ اس سلسلے میں پہلا سوال یہ ہے کہ ریا حرام ہے یا مکروہ ہے یا مباح ہے یا اس میں تفصیل ہے؟ ہم اپنے انداز میں اس سوال کا جواب اس طرح دے سکتے ہیں کہ ریا یعنی طلبِ جاہ عبادات سے بھی ہوتی ہے، اور غیر عبادات سے بھی۔ اگر غیر عبادات سے ہو تو یہ طلب مال جیسی ہے، یعنی اگر صرف لوگوں کے دلوں میں قدر و منزلت کے طلب ہے تو یہ حرام نہیں ہے جیسے طلب مال حرام نہیں ہے۔ لیکن جس طرح مال حاصل کرنے کے لیے ناجائز طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں، اسی طرح طلبِ جاہ کے لیے بھی ممنوع ذرائع کا استعمال ہوسکتا ہے، نیز جس طرح انسان کے لیے اپنی ضرورت کے مطابق تھوڑا مال حاصل کرنا بہتر ہے اسی طرح تھوڑی جاہ کا حصول بھی اچھا ہے تاکہ آفات سے محفوظ رہے اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیزِ مصر سے کہا تھا "اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ" نیز جس طرح مال میں زہر قاتل بھی ہے، اور تریاق بھی اسی طرح جاہ مہلک بھی ہے اور مفید بھی، جس طرح زیادہ مال انسان کو دین سے بے پروا اور سرکش بنادیتا ہے اور اسے اللہ کے ذکر، اور دارِ آخرت کے تصور سے غافل کر دیتا ہے۔ اسی طرح زیادتی جاہ بھی انسان کو گمراہ کر دیتی ہے، بلکہ جاہ کا فتنہ مال کے فتنے کے مقابلے میں زیادہ سخت ہے، جس طرح ہم یہ نہیں کہتے کہ زیادہ مال کا مالک بننا حرام ہے اسی طرح ہم زیادہ قلوب کے مالک بننے کو بھی حرام نہیں کہتے اِلّا یہ کہ مال کی کثرت یا جاہ کی کثرت ناجائز ذرائع سے ہوتی ہو، تاہم جاہ میں توسیع پسندی کا تصور تمام آفتوں، اور شرانگیزیوں کا سرچشمہ ہے جیسے مال کی

توسیع کا خیال تمام فتنوں کی جڑ ہے' جاہ یا مال سے محبت رکھنے والا انسان دل اور زبان وغیرہ کے گناہ ترک کرنے پر قادر نہیں ہے پھر اگر کسی کی جاہ اس کی خواہش اور حرص کے بغیر وسیع ہو جائے اور اس کے زوال سے کبیدہ خاطر نہ ہو تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے بھلا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء راشدینؓ اور ان کے بعد علماء دین کی جاہ و منزلت سے بڑھ کر کس کی جاہ و منزلت ہو سکتی تھی لیکن جاہ ان کا مقصد نہیں رہی' اور نہ انہیں اس کے زوال کا خوف رہا۔ اپنے آپ کو جاہ کی طلب میں مشغول رکھنا اگرچہ دین کے لیے نقصان دہ ہے لیکن اس پر حرمت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص گھر سے باہر اچھے کپڑے پہنے اور بن سنور کر نکلے تو اگرچہ یہ ریا ہے لیکن حرام نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ عبادت کے ذریعے ریا نہیں ہے' بلکہ دنیا سے ریا ہے' اسی پر دوسری آرائشوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اس کے حرام نہ ہونے کی دلیل حضرت عائشہؓ کی یہ روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو آپ نے پانی کے مٹکے میں دیکھ کر اپنے بال اور عمامہ درست کیا' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ بھی ایسا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے کو محبوب رکھتا ہے جو اپنے بھائیوں کے پاس جاتے وقت زینت کرے (ابن عدی فی الکامل) آپ کا یہ عمل عبادت تھا' کیوں کہ آپ مخلوق کو دعوت دینے' انہیں اتباع حق کی ترغیب دینے' اور ان کے قلوب کو اسلام کی طرف مائل کرنے پر مامور تھے' اگر لوگوں کی نظروں میں آپ کی وقعت نہ ہوتی تو وہ آپ کی پیروی کس طرح کرتے؟ اس اعتبار سے آپ پر اپنے ظاہری احوال کو بہتر بنانا واجب تھا' تاکہ آپ ان کی نظروں میں حقیر نہ ہوں' کیوں کہ عوام کی نظریں ظاہر ٹھہرتی ہیں باطن تک نہیں پہنچتیں۔ اب اگر کوئی شخص لوگوں کی نظروں میں ان کی مذمت اور ملامت سے بچنے کے لیے اچھا رہنا چاہے' اور عزت و احترام کا طالب ہو تو اس کی یہ طلب مباح ہے' کیوں کہ ہر انسان کو مذمت کی تکلیف سے بچنے' اور بھائیوں کے ساتھ اُنس و محبت کی راحت حاصل کرنے کا حق حاصل ہے' کبھی یہ طلب اطاعت بن جاتی ہے' اور کبھی مذموم بن جاتی ہے۔ اس کا مدار مقصد پر ہے' جیسا مقصد ہو گا ویسا ہی حکم لگایا جائے گا۔ اسی لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مالداروں کی ایک جماعت پر صدقہ و ثواب کی نیت سے نہیں بلکہ سخی کہلانے کے ارادے سے کچھ مال خرچ کرے تو یہ ریا ہے لیکن حرام نہیں ہے۔

صدقہ' نماز' روزہ' جہاد اور حج وغیرہ عبادات کے ذریعے ریا کرنے والے کی دو حالتیں ہیں' ایک تو یہ ہے کہ اس کا مقصد ان اعمال سے محض ریا ہو' وہ کسی اجر و ثواب کا خواہشمند نہ ہو' اس حالت میں اس کی تمام عبادتیں ضائع ہو جاتی ہیں' کیوں کہ اعمال کا مدار نیات پر ہوتا ہے' اور ان اعمال میں عبادت کی نیت نہیں تھی' اس لیے ثواب سے محروم رہے گا' پھر صرف اعمال ہی ضائع نہیں ہوتے کہ ایسا ہو جائے جیسے اعمال سے پہلے تھا' بلکہ وہ اپنی نیت کے فساد' اور مقصد کی قباحت کی بنا پر گنہگار بھی ہو گا' جیسا کہ اس پر آیات و روایات دلالت کرتی ہیں۔ گناہ ہونے کی دو وجہیں ہیں' ایک وجہ کا تعلق بندوں سے ہے کہ انہیں دھوکا دیا اور ان کے ساتھ فریب کیا' کیوں کہ وہ اللہ کا مخلص اور مطیع بندہ سمجھ رہے تھے' لیکن حقیقت اس سے مختلف تھی' یہ تو دین کے معاملے میں ہے' دنیاوی امور میں فریب دینا بھی جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کسی کا قرض اس طرح ادا کیا کہ دیکھنے والے نے صدقہ و احسان سمجھا تو اس میں بھی گناہ ہو گا' کیوں کہ اس طرح قرض چکانا فریب ہے' اور مکروہ فریب کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بنانے کی کوشش ہے دوسری وجہ کا تعلق اللہ سے ہے' کہ بظاہر اللہ کی عبادت کر رہا ہے لیکن مقصود غیر اللہ کو بنائے ہوئے ہے تو گویا اللہ کے ساتھ مذاق کر رہا ہے چنانچہ قتادہؒ کہتے ہیں جب بندہ ریا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے اسے دیکھو یہ مجھ سے استہزاء کر رہا ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص تمام دن کسی بادشاہ کی خدمت میں ہاتھ باندھے کھڑا رہے' لیکن اس کا مقصد بادشاہ کا خوف یا عظمت نہ ہو بلکہ کسی حسین باندی یا نوخیز غلام کا دیدار ہو تو یہ بادشاہ کے ساتھ استہزاء ہو گا' کیونکہ اس نے بادشاہ کی خدمت کی نیت نہیں کی' بلکہ اس کے غلاموں اور باندیوں کو اپنا مقصود بنایا اس سے زیادہ ذلیل حرکت اور کیا ہو گی کہ بندہ اللہ کی اطاعت سے کسی ایسے ناتواں بندے کے لیے ریا کرے جس کے ہاتھ میں نہ نفع ہو نہ ضرر' ایسے ریاکار آدمی کے بارے میں تو یہی کہا

جاسکتا ہے کہ وہ اس شخص کے بارے میں یہ تصوّر رکھتا ہے کہ اس سے میری اغراض زیادہ پوری ہوں گی' یا اس کی قربت میرے لیے اللہ کی قربت سے زیادہ مفید ثابت ہوگی' اسی لیے تو اس نے بادشاہوں کے بادشاہ پر اسے ترجیح دی ہے' اور اسے اپنی عبادت کا مقصود ٹھہرالیا ہے' اس سے بڑھ کر اور کوئی مضحکہ خیزبات کیا ہوگی کہ غلام کو آقا پر فوقیت دی جائے' یہ بات انتہائی مہلک ہے اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرکِ اصغر قرار دیا ہے (احمد۔ محمود ابن لبید) ریا گناہ سے خالی نہیں ہے' لیکن ریا کے بعض درجات بعض کے مقابلے میں زیادہ سخت ہیں' جیسا کہ عنقریب اس کی بحث آئے گی' کسی ریا میں گناہ سخت ہے کسی میں معمولی ہے' اگر ریا میں اور کوئی بات نہیں تو یہ کیا کم ہے کہ آدمی غیراللہ کے لیے رکوع و سجود کرتا ہے' کیوں کہ اس نے اللہ کے تقرّب کی نیت نہیں کی تو گویا غیراللہ کے تقرّب کی نیت کی ہے علاوہ ازیں اگر غیراللہ کی رکوع و سجود کے ذریعے تعظیم کرتا تو صاف کافر ہوجاتا۔ لیکن ریا میں کفرِ خفی ہے' کیوں کہ ریاکار اپنے دل میں لوگوں کی تعظیم کرتا ہے' اور یہ تعظیم رکوع و سجود پر اُبھارتی ہے' اس لیے سجود و رکوع سے بِن وجہ ان کی بھی تعظیم ہوتی ہے نیت میں اللہ کی تعظیم موجود نہیں تھی۔ اور بِن وجہ تعظیم خلق تھی تو یہ عبادت شرک کے قریب ہوئی' لیکن کیوں کہ اس عبادت سے اس کا مقصد یہ تھا کہ دیکھنے والے کے دل میں میرا رتبہ بڑھے' بظاہر وہ عبادت جیسی حرکات کررہا تھا لیکن در اصل وہ اپنی عظمت کا اعتراف کرانا چاہتا تھا اس لیے یہ عمل شرکِ جلی کے بجائے شرکِ خفی ہوگیا۔ ریا ایک انتہائی جاہلانہ عمل ہے' صرف وہی ریاکار ہوسکتا ہے جسے شیطان نے فریب میں مبتلا کر رکھا ہو' اور اس وہم میں ڈال دیا ہو کہ بندے ہی اس کے نفع و ضرر کے مالک ہیں وہی رزق دیتے ہیں ان ہی کے ہاتھ میں موت و حیات ہے' وہی اس کے حال اور مستقبل کے مفادات کا تحفظ کرسکتے ہیں' نعوذ باللہ خدا کو ان سے زیادہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ اسی لیے تو اس نے اپنا رُخ اللہ سے پھیر کر ان کی طرف کیا ہے' اور دل سے ان کی طرف متوجّہ ہوا ہے تاکہ ان کے قلوب کو اپنی طرف مائل کرسکے اگر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دنیا و آخرت میں اپنے بندوں ہی کے سپرد کردے تو وہ کسی بڑے سے بڑے عمل پر معمولی سے معمولی اجر نہ دے سکیں' وہ بے چارے خود اپنے نفع و نقصان پر قادر نہیں دوسروں کو کیا نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں' جب وہ دنیا میں کوئی اختیار نہیں رکھتے تو آخرت میں کیا کریں گے جہاں یہ حال ہوگا۔

يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا (پ ۲۱ ر ۱۳ آیت ۳۳)

جس دن نہ کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کرسکے گا اور نہ کوئی بیٹا ہی ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرف سے ذرا بھی مطالبہ ادا کرے۔

وہاں تو انبیاء بھی نفسی نفسی پکاریں گے' یہ ریاکاری کی جہالت ہے کہ وہ آخرت کے ثواب' اور اللہ کے تقرّب کو دنیا کی جھوٹی طمع کے عوض لوگوں کے ہاتھوں فروخت کررہا ہے' اس حقیقت میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ کی عبادت کے ذریعے ریا کرنے والا اس کے غضب کا مستحق ہے' عقلاً بھی اور نقلاً بھی' اور یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اس اطاعت پر اجر کی نیت بھی رکھتا ہو' اور اجر کی نیت نہ رکھتا ہو تو یہ شرک ہے' اور اخلاص فی الدین کے منافی عمل ہے اس کا حکم ہم کتاب الاخلاص میں بیان کرچکے ہیں' اور حضرت سعید ابن المسیّب کا یہ اثر بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے عمل میں اسے قطعاً کوئی ثواب نہ ملے گا۔

ریا کے درجات : جاننا چاہیے کہ ریا کے بعض درجات بعض سے شدید تر ہیں' ریا کے درجات میں یہ تفاوت اس کے ارکان کے اختلاف کی بنا پر ہے اور ریا کے تین ارکان ہیں' اوّل ریا دوم جس چیز سے ریا کی جائے' سوم جس کے لیے ریا کی جائے۔

پہلا رُکن : ریا۔ نفسِ ریا دو حال سے خالی نہیں یا وہ مجرّد ہوگی یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ثواب کی نیت نہ ہوگی یا ثواب کا ارادہ ہوگا تو یہ قوی تر بھی ہوسکتا ہے' ضعیف تر بھی ہوسکتا ہی اور ریا کے برابر بھی۔ اس اعتبار سے ریا کے چار درجات ہوجاتے ہیں۔

پہلا درجہ : اور یہ تمام درجات میں سخت تر ہے کہ ارادۂ ثواب بالکل نہ ہو' جیسے کوئی شخص لوگوں کے سامنے نماز پڑھے' اگر وہ تنہا ہوتا تو نماز نہ پڑھتا بعض اوقات ایسا آدمی بلا طہارت بھی نماز پڑھ لیتا ہے۔ ایسے شخص کا مقصد صرف ریا ہے' اس لیے اللہ کے نزدیک غضب کا مستحق ہے یہی حکم اس شخص کا ہے جو لوگوں کی مذمت کے خوف سے مال کی زکوٰۃ ادا کرے' اور ثواب کی نیت ہو' اگر اسے یہ خوف نہ ہوتا تو ہرگز ادا نہ کرتا۔

دوسرا درجہ : ثواب مقصود تو ہو' لیکن یہ مقصد ضعیف ہو' بالفرض اگر وہ خلوت میں ہوتا تو یہ عمل نہ کرتا کیوں کہ ارادہ ثواب اتنا قوی نہ ہوتا کہ اس سے تحریک ہوتی ہاں اگر ارادۂ ثواب نہ بھی ہوتا تب بھی ریا کی وجہ سے وہ یہ عمل ضرور کرتا' یہ درجہ پہلے درجے کے قریب ہے' اس میں ارادۂ ثواب کا شائبہ تو ہے لیکن اتنا زیادہ نہیں ہے کہ اس سے عمل کو تحریک ہو' ایسا شخص بھی غضبِ الٰہی کا مستحق ہے۔

تیسرا درجہ : یہ ہے کہ قصدِ ریا' اور ارادۂ ثواب دونوں برابر ہوں' مثلاً اگر دونوں ارادے جمع ہوتے تو ریا کرتا' اگر ایک ہوتا دوسرا نہ ہوتا تو عمل کی رغبت نہ ہوتی' اس شخص کا حال یہ ہے کہ اس نے جتنا سنوارا ہے اتنا ہی بگاڑا بھی ہے' توقع یہ ہے کہ ایسے شخص کو نہ ثواب ملے اور نہ وہ عذاب میں گرفتار ہو' یا اتنا ہی ثواب ملے جتنا عذاب ہو' ظاہری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا شخص بھی سلامت نہیں رہے گا۔ کتابُ الاِخلاص میں ہم اس موضوع پر گفتگو کر چکے ہیں۔

چوتھا درجہ : یہ ہے کہ لوگوں کا عبادت سے باخبر ہونا اس کے لیے اتنی اہمیت کا حامل نہ ہو جس قدر اسے ثواب کی ضرورت ہو' چنانچہ اگر لوگوں کو اطلاع نہ بھی ہو تب بھی وہ عبادت ترک نہ کرے' یا صرف ارادۂ عبادت اسے عمل پر نہ اکسائے ایسے شخص کے بارے میں ہمارا خیال یہ ہے صحیح علم اللہ کو ہے کہ وہ اپنے اصل ثواب سے محروم نہیں ہوگا تاہم اسے ثواب میں کمی کا سامنا ضرور کرنا پڑے گا' یا اسے ارادہ ریا کے بقدر عذاب ہوگا اور ارادہ ثواب کے بقدر ثواب پائے گا۔ اس صورت میں یہ حدیثِ قدسی "میں تمام بے نیازوں سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں" پہلے تین درجات پر محمول ہوگی۔

دوسرا رُکن : جن چیزوں کے ذریعے ریا کی جائے' یہ اطاعات و عبادات ہیں۔ اس رکن کے اعتبار سے ریا کی دو قسمیں ہوتی ہیں' ایک اصل عبادات سے ریا کرنا دوسرے عبادات کے اوصاف سے ریا کرنا پہلی قسم جو ریا کی سخت ترین قسم ہے تین درجات پر مشتمل ہے۔

پہلا درجہ : اصل ایمان سے ریا کرنا۔ یہ ریا کا انتہائی سخت اور شدید باب ہے۔ ایمان کے ذریعے ریا کرنے والا کھلا کافر ہے' وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ یہ وہ شخص ہے جو زبان سے شہادت کے کلمے ادا کرے' اور اس کا باطن ان کی تکذیب کرے' اس کا دل ایمان سے خالی ہو' اور ظاہری اعضاء اسلام کا اعلان کرتے ہوں' ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات نازل فرمائی ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے:۔

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ (پ۲۸ ر۱۳ آیت ۱)

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل سے گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں' اور یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (اس کے باوجود) اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین (اس کہنے میں) جھوٹے ہیں۔

یعنی ان کا قول ان کے دل کی ترجمانی نہیں کرتا۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (پ ۲ ر ۵ آیت ۲۰۵)

اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے مزہ دار معلوم ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر بناتا ہے اپنے مافی الضمیر پر، حالانکہ وہ آپ کی مخالفت میں نہایت شدید ہے اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے، اور (کسی کے) کھیت یا مویشی کو تلف کر دے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے۔

ایک آیت یہ ہے:

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (پ ۴ ر ۳ آیت ۱۱۹)

اور یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غیظ کے۔

نیز ارشاد فرمایا:

يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ (پ ۵ ر ۱۷ آیت ۱۴۲-۱۴۳)

صرف آدمیوں کو دکھلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر معلّق ہو رہے ہیں دونوں کے درمیان نہ ادھر نہ اُدھر۔

منافقین کے سلسلے میں اس طرح کی بے شمار آیتیں ہیں۔ ابتدائے اسلام میں نفاق بہت زیادہ تھا کہ لوگ کسی مقصد کے لیے اسلام قبول کر لیتے تھے، ہمارے زمانے میں اس طرح کا نفاق کم پایا جاتا ہے، لیکن ایسے لوگ اب بھی بہت ہیں جو ملحدین کے نظریات پر یقین رکھتے ہیں، اور دوزخ جنت اور قیامت وغیرہ کا دل میں انکار کرتے ہیں، یا اباحیت پسندوں کی اتباع میں شرعی احکام کو منسوخ سمجھتے ہیں لیکن زبان سے اپنے نظریات ظاہر نہیں کرتے، یا دل میں کفر و بدعت کے معتقدات رکھتے ہیں لیکن زبان سے ان معتقدات کے خلاف ظاہر کرتے ہیں ایسے لوگ ریاکار منافقین میں سے ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، یہ ریا کی انتہا ہے ان کا حال تو کھلے کافروں سے بھی بدتر ہے، یہ جو سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں باطن کے کفر اور ظاہر کے نفاق کو جمع نہیں کرتے۔

دوسرا درجہ: یہ ہے کہ اصل دین کی تصدیق کے ساتھ اصول عبادات کے ذریعے ریا کیا جائے۔ یہ بھی اللہ کے نزدیک سخت گناہ کی بات ہے، لیکن پہلے درجے کے مقابلے میں کم ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کا مال دوسرے کے پاس ہو اور وہ اسے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتا ہو، اس شخص کی مذمت کے خوف سے جس کے پاس مال ہے، حالانکہ اگر خود اس کے پاس مال ہوتا تو ادا نہ کرتا، یا ایک شخص جو عام طور پر نماز نہیں پڑھتا لیکن اس وقت نماز پڑھنے کے لیے اُٹھ جاتا ہے جب چند لوگوں کے درمیان ہو اور نماز کا وقت آجائے یا اجتماعیت سے مجبور ہو کر روزے رکھے، اور افطار کرنے کے لیے تنہائی کا منتظر رہے، اسی طرح جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں پہنچے حالانکہ اگر مذمت کا خوف نہ ہوتا تو اسے جمع کی پروا بھی نہ ہوتی یا لوگوں کے خوف سے اپنی خواہش کے برخلاف صلۂ رحمی کرے یا والدین کی اطاعت کرے یا غزوہ و جہاد میں شرکت کرے، یا فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے جائے، یہ تمام اعمال ریا ہیں، مگر ان سے اصل ایمان ختم نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اللہ کی وحدانیت کی تصدیق کرتا ہے حتیٰ کہ اگر اسے غیر اللہ کا سجدہ کرنے کے لیے کہا جائے تو وہ ہرگز اس کے لیے تیار نہ ہو تاہم وہ سُستی کی وجہ سے عبادات چھوڑ دیتا ہے، لوگوں کو دیکھ کر اس میں نشاط پیدا ہو جاتا ہے، اور عبادات میں لگ جاتا ہے، ایسے شخص کو لوگوں کے دلوں میں منزلت اللہ کے نزدیک منزلت سے زیادہ محبوب ہے، اسے

اللہ کے عذاب سے زیادہ بندوں کی مذمت کا خوف ہے' اسے اللہ کے اجر و ثواب سے زیادہ بندوں کی ستائش کی تمنا ہے۔ یہ انتہائی جہالت ہے۔ ایسا شخص اگرچہ اصل ایمان سے منحرف نہیں لیکن اللہ کے غضب کا مستحق ضرور ہے۔

تیسرا درجہ : یہ ہے کہ نہ ایمان سے ریا کرے اور نہ فرائض سے 'بلکہ نوافل اور سُنن سے ریا کرے کہ جن کے چھوڑنے میں کوئی گناہ نہیں ہے' اگر تنہا ہو تو ان عبادات کے ثواب کی طرف مائل نہ ہو' اور سستی کو ثواب پر ترجیح دے' لیکن لوگوں کو دکھلانے کے لیے انہیں بجالائے' جیسے جماعت سے نماز پڑھنا' مریض کی عیادت کرنا' جنازے کی مشایعت کرنی' میت کو غسل دینا وغیرہ' یا جیسے نماز تہجد' یوم عرفہ' عاشورا' پیر' اور جمعرات کے روزے' بعض اوقات ریا کار اس طرح کے کام مذمت کے خوف سے' اور تعریف کی طلب کے لیے کرتا ہے' حالانکہ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اگر یہ شخص تنہا چھوڑ دیا جائے تو فرائض کی ادئیگی کے سوا کوئی عبادت نہ کرے' یہ درجہ بھی سخت ہے' لیکن ماقبل کے درجے کے مقابلے میں سختی کم ہے اس لیے کہ دوسرے درجے کے ریاکار نے بندوں کی تعریف کو خالق کی تعریف پر ترجیح دی تھی' اس نے بھی ایسا کیا ہے' پہلے کو مخلوق کی مذمت کا بھی خوف ہوا' لیکن خالق کی مذمت کا خوف نہ ہوا' اس کے نزدیک اللہ کا عذاب اتنا سخت نہیں جتنی سخت بندوں کی مذمت ہے' تیسرے درجے کے ریاکار کے یہاں یہ بات نہیں 'کیوں کہ اسے نوافل چھوڑنے میں اللہ کے عذاب کا خوف نہیں تھا۔ اس لیے اس کا عذاب پہلے کی بہ نسبت آدھا ہونا چاہئے۔

دوسری قسم کے اوصاف عبادات سے ریا : اس کے بھی تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ : یہ ہے کہ ایسے فعل میں ریا کرے جس کے ترک سے عبادت میں نقص پیدا ہو' جیسے کوئی شخص نماز میں عجلت کرنے کی نیت سے جلدی جلدی رکوع و سجود' اور قرأت و قیام کرے' ادھر اُدھر بھی ملتفت نہ ہو' اور سجدتین کے درمیان بھی سکون سے بیٹھے' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اہانت کرتا ہے یعنی وہ اس کی پروا نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ میری تنہائی کے احوال پر مطلع ہے' لیکن جب یہ دیکھتا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو گا تو اچھی طرح نماز پڑھنے لگتا ہے' تنہائی میں اچھی طرح پڑھے یا بُری طرح کوئی احساس نہیں ہوتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی کے سامنے تکیہ سے لگ کر' یہ پاؤں پھیلا کر بیٹھے' اور اچانک اس دوسرے آدمی کا غلام یا نوکر آجائے تو اپنی نشست درست کرلے' اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ غلام کو آقا پر ترجیح دیتا ہے اور آقا کی توہین کرتا ہے' اسی طرح جو شخص زکوٰۃ میں کھوٹے سکے اور ردی جنس دینے کا عادی ہو' اور لوگوں کی موجودگی میں اچھا مال ادا کرے تاکہ وہ برا نہ کہیں' یا روزہ دار مذمت کے خوف سے غیبت اور فحش گوئی نہ کرے تو یہ ریا بھی ممنوع ہے کیوں کہ اس میں بھی خالق پر مخلوق کی ترجیح پائی جاتی ہے۔ لیکن یہ ریا ایسی نہیں ہے جیسی ریا اصول عبادات سے ہوتی ہے۔

اگر ریا یہ کہے کہ میں لوگوں کی زبانوں کو غیبت سے بچانے کے لئے ایسا کرتا ہوں' اس لئے کہ جب وہ ہلکے پھلکے رکوع و سجود' کثرتِ التفات' مختصر قیام و قرأت دیکھیں گے تو ان کی زبانیں مذمت اور غیبت کریں گی' میں ان کے سامنے اچھی طرح عبادت کرکے انھیں معصیت سے بچانے کے لیے تحسین عبادت کرتے ہو شیطانی فریب ہے اگر غور کرو تو اس میں تمہارا نقصان لوگوں کے فائدے کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ کیونکہ نماز اللہ کے یہاں تمہارے تقرّب کا وسیلہ اور تمہاری خدمت میں کمی آئے گی اگر تم دینی جزبے سے ایسا کرتے ہو تو تمہیں تقرّب نصیب نہ ہو گا اور تمہاری خدمت میں کمی آئے گی اگر تم دینی جذبے سے ایسا کرتے ہو تو تمہیں اپنے نفس کا خیال زیادہ ہونا چاہیئے وہ تمہاری توجہ کا زیادہ مستحق ہے۔ اگر تم اپنے نفس کے مقابلے میں دوسروں کا زیادہ خیال رکھتے ہو تو تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جو نقد انعام یا جاگیر حاصل کرنے کے لئے بادشاہ کی خدمت میں کنیز پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہو' اور کنیز اندھی' لنگڑی اور بد صورت ہو' پھر یہی نہیں کہ اندھی لنگڑی کنیز پیش کرے' بلکہ بے خوف ہو کر پیش کرے' اسے بادشاہ کی خفگی کا اندیشہ نہ ہو' اگر فکر ہو تو بادشاہ کے غلاموں اور وزیروں کی کہ اگر انھوں نے کنیز دیکھ لی تو وہ ضرور برائی کریں

گے' اور مذاق اڑائیں گے' حالانکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ بادشاہ کی خفگی سے ڈرتا' غلاموں اور وزیروں کی پرواہ بھی نہ کرتا ہاں اس سلسلے میں ریاکار کی دو حالتیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ ریا سے صرف منزلت اور تعریف کا خواہشمند ہو' یہ قطعی طور پر حرام ہے' دوسری حالت یہ ہے کہ دل میں خیال کرے کہ اگر رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرتا ہوں تو اخلاص نہیں ہوپاتا' اور اگر ان میں تخفیف کرتا ہوں تو میری نماز اللہ کے یہاں ناقص رہتی ہے' اور لوگوں کی غیبت اور مذمّت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے' جس سے مجھے قلبی اذیت ہوگی' اب اگر میں رکوع و سجود اچھی طرح کروں تو نماز کا نقص تو دور نہ ہوسکے گا کیوں کہ خلوص نہیں تاہم میں اس طرح لوگوں کی غیبت اور مذمّت کی اذیت سے محفوظ رہ سکتا ہوں یہ صورت اس سے بہتر ہے کہ میں رکوع و سجود اچھی طرح نہ کروں' ثواب سے بھی محروم رہوں' اور لوگوں کی اذیت بھی برداشت کروں یہ حالت قابل غور ہے' صحیح بات یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے پر خلوص کے ساتھ رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرنا واجب ہے' اگر خلوص کے ساتھ ادا نہ کرسکے تو بہتر یہ ہے کہ تنہائی میں اسے عادت بنانے کی کوشش کرے' یہ بات کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ اللہ کی اطاعت کے ذریعے ریا کرکے لوگوں کی مذمّت و غیبت سے اپنا دفاع کرے' کیوں کہ یہ استہزاء ہے' اور اللہ کے ساتھ کرنا معصیت ہے۔

<u>دوسرا درجہ</u> : یہ ہے کہ ریا ایسے فعل میں کرے' جس کے نہ کرنے سے عبادت میں کسی قسم کا نقصان نہ ہوتا ہو' مگر وہ فعل عبادت کا تکملہ اور تتمہ ہو جیسے رکوع و سجود اور قیام طویل کرنا' ہاتھ اٹھاتے وقت اچھی ہیئت اختیار کرنا' تکبیر اولیٰ کے لیے سبقت کرنا' قومہ اچھی طرح کرنا' معمول سے زیادہ قرأت کرنا' رمضان کے روزوں میں خلوت اختیار کرنا' زیادہ سے زیادہ سکوت کرنا' زکوٰۃ میں اچھا مال دینا' یا کفارات میں زیادہ قیمت کے غلام آزاد کرنا وغیرہ افعال کہ اگر تنہا ہوتا تو انجام نہ دیتا۔

<u>تیسرا درجہ</u> : یہ ہے کہ ریا زائد افعال سے کرے جو نفس نوافل سے بھی خارج ہوں جیسے سب سے پہلے نماز کے لیے پہنچنا' صف اوّل میں جگہ حاصل کرنا' امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا' وغیرہ امور کہ تنہائی میں ان پر عمل نہ کرتا۔ دوسرے رکن کے لحاظ سے ریا کی یہ قسمیں ہیں' ان میں سے بعض صورتیں بعض کی بہ نسبت بری ہیں' اچھی کوئی صورت نہیں ہے۔

<u>تیسرا رکن۔ جس کے لیے ریا کی جائے</u> : ریاکار کا کوئی نہ کوئی مقصود ضرور ہوتا ہے' کبھی وہ مال کے لیے ریا کرتا ہے کبھی جاہ کے لیے اور کبھی کسی اور مقصد کی خاطر۔ اس کے بھی تین درجے ہیں۔

<u>پہلا درجہ</u> : جو تمام درجات میں سخت اور شدید ہے یہ ہے کہ کسی معصیت کے لیے ریا کی جائے جیسے کوئی شخص مشتبہ مال کھانے کے لیے عبادت میں ریا کرے' اور کثرت نوافل کے ذریعہ ورع و تقویٰ ظاہر کرے' مقصد یہ ہو کہ لوگ اسے امانت دار سمجھیں' قضاء' اوقاف' وصایا' اموال یتامیٰ وغیرہ کی تولیت اس کے سپرد کریں' اور وہ ان میں خرد برد کرے' یا زکوٰۃ و صدقات کی تقسیم کا ذمہ دار بنا دیا جائے تاکہ اس میں سے جو مال اپنے تصرف میں رکھنا چاہے رکھ سکے' یا اس کے پاس امانتیں رکھوا دی جائیں اور وہ انہیں ہضم کرلے' یا وہ اموال اس کی حفاظت میں دے دیئے جائیں جو حج کے راستے میں خرچ کئے جاسکتے ہیں اور وہ کچھ یا تمام مال ہتھیالے اور حاجیوں کو پریشان کرے اور ان کا روزینہ اپنے گندے مقاصد میں استعمال کرے۔ بعض لوگ تصوّف کا لبادہ پہن لیتے ہیں اور خاشعین کی ہیئت اختیار کرلیتے ہیں اور وعظ و تذکیر کرتے پھرتے ہیں' اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی عورت یا لڑکے کے دل میں محبت پیدا کرکے اس کے ساتھ بدکاری کریں کچھ لوگ علم اور وعظ کی مجلسوں اور قرآن کریم کے حلقوں میں شرکت کرتے ہیں' بظاہر ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ علم کی باتیں سنیں اور تلاوت قرآن سے مستفید ہوں' لیکن درحقیقت وہ عورتوں اور بچوں کو دیکھنے کے لیے اس طرح کی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں' بعض لوگ حج کے لیے سفر کرتے ہیں' لیکن ان کا مقصد حج کے بجائے اپنے ہم سفر لڑکے یا عورت پر قابو پانا ہوتا ہے یہ لوگ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ریاکار ہیں' کیوں کہ انھوں نے اپنے رب کی اطاعت کو معصیت کا ذریعہ اور آلہ بنالیا ہے' اور وہ اپنی عبادتوں کو گناہوں کی منڈی میں ایک سامان سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے' اسی گروہ سے قریب تر لوگ وہ ہیں جنھوں نے کسی جرم کا ارتکاب کیا' پھر جب ان پر تہمت لگی تو گناہ پر اپنے اصرار کے باوجود ان کی

خواہش ہوئی کہ وہ اس گناہ سے بریٔ الذمہ قرار دیئے جائیں اس مقصد کے لیے وہ تقوی کا لبادہ اوڑھتے ہیں جیسے کسی شخص نے امانت میں خیانت کی جب لوگوں نے متہم کیا تو اس نے مال صدقہ کرنا شروع کردیا تاکہ لوگ یہ کہیں کہ جو شخص اپنا مال اللہ کی راہ میں اس طرح لٹاتا ہو وہ دوسرے کے مال پر کس طرح قابض ہوسکتا ہے' یا جیسے کسی شخص پر عورت یا لڑکے کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی جائے تو وہ اس تہمت سے اپنی برات کے لیے خوف خدا' اور تقوی کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کرے۔

دوسرا درجہ : یہ ہے کہ ریا سے دنیا کی جائز لذتیں حاصل کرنا مقصد ہو' جیسے مال' یا کسی خوب صورت یا شریف عورت سے نکاح وغیرہ۔ مثلاً کسی شخص کا آہ وبکا کرنا' یا وعظ و تذکیر میں مشغول ہونا تاکہ لوگ اسے مال دیں' یا عورتیں اس کے ساتھ ازدواجی رشتے میں منسلک ہونے کی خواہش کریں تاکہ جو عورت ذہن میں متعین ہے وہ نکاح میں آجائے یا کسی شریف عورت سے نکاح ہوجائے' یا جیسے کوئی شخص عالم و عابد کی بیٹی سے شادی کرنے کے لیے علم اور عبادت کا مظاہرہ کرے تاکہ باپ اپنی بیٹی کو اس سے وابستہ کردے یہ حرام ریا ہے کیوں کہ یہ ریا کار اللہ کی اطاعت سے متاع دنیوی کا طالب ہوتا ہے' مگر یہ درجہ اوّل درجے کی بہ نسبت کم ہے۔ کیونکہ اس میں مطلوب فی نفسہ مباح تو ہے' مطلوب بھی حرام ہو تو معاملہ اور سنگین ہوجاتا ہے۔

تیسرا درجہ : یہ ہے کہ نہ مقصد دنیاوی لذّت ہو' نہ مال حاصل کرنا ہو' نہ نکاح کرنا ہو' لیکن وہ اس خوف سے عبادت کا مظاہرہ کرتا ہو کہ اگر اس نے عبادت نہیں کی تو لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھیں گے اور اسے مخصوص بندوں اور زاہدوں میں شمار نہیں کیا جائے گا' بلکہ اسے ایک عام انسان سمجھ کر نظرانداز کردیا جائے گا' جیسے کوئی تیز چلنے کا عادی ہو' لیکن جب اسے یہ معلوم ہو کہ وہ لوگوں کی نظروں کا مرکز بنا ہوا ہے تو اپنی رفتار اچھی بنالے' اور تیز روی ترک کردے تاکہ لوگ اسے گرا پڑا سمجھنے کے بجائے باوقار انسان سمجھنے پر مجبور ہوں۔ اسی طرح توہین کے خوف سے ہنسی' مذاق' اور مسرّت کے مواقع پر استغفار پڑھنا' ٹھنڈی آہیں بھرنا' اور غم والم ظاہر کرنا اور یہ کہنا کہ آدمی اپنے آپ سے کس قدر غافل ہے حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے کہ اگر وہ تنہا ہوتا تو اسے ہنسی مذاق سے کوئی گرانی نہ ہوتی' ڈر ہے تو صرف اس قدر کہ کہیں لوگ حقارت کی نظر سے نہ دیکھنے لگیں' وہ شخص بھی اسی زمرہ میں ہے جو لوگوں کو تراویح' تہجد' جمعرات اور پیر کے روزوں میں مشغول دیکھ کر خود بھی ان کے ساتھ شریک ہوجائے کہ لوگ اسے کاہل نہ کہیں' اور اسے عام آدمی قرار نہ دیں۔ اگر اسے تنہا چھوڑ دیا جائے تو ان میں سے کوئی بھی عمل نہ کرے' یا جیسے کوئی شخص عاشورا' یوم عرفہ' اور اشہر حرم میں پیاس کے باوجود پانی نہ پئے محض اس خوف سے کہ اگر لوگوں نے دیکھ لیا تو وہ اسے روزہ خور کہیں گے حالانکہ اب وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ روزہ سے ہے' اسی غلط فہمی کو برقرار رکھنے کے لیے وہ کھانا چھوڑ دیتا ہے یہی حال ان کا ہے جو روزہ دار کہلانے کے شوق میں گرمی کے دنوں میں بھی پانی نہیں پیتے' بعض اوقات اگرچہ وہ اپنے روزہ دار ہونے کی وضاحت نہیں کرتا لیکن اس طرح کے الفاظ استعمال کرتا ہے جس سے یہ بات ثابت ہو کہ وہ روزے سے ہے اس شخص نے دو برائیاں ایک ساتھ جمع کی ہیں ایک تو روزہ دار ہوں کا دعوی کیا ہے پھر اپنے آپ کو مخلص اور بے ریا بھی سمجھا ہے' غلط فہمی یہ ہے کہ میں نے اپنی عبادت کا اظہار نہیں کیا' اس کے باوجود وہ ریا کار ہے پھر جب اسے شدّت سے پیاس لگتی ہے' اور صبر کا یارا نہیں رہتا تو کوئی عذر صراحۃً یا کنایۃً پیش کرتا ہے' مثلاً اپنے آپ کو کسی ایسے مرض میں مبتلا بتلاتا ہے جس میں پیاس زیادہ لگتی ہے اور جس میں روزہ رکھنا صحت کے لیے نقصان دہ ہے' یا یہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کی خوشی کے لیے روزہ افطار کیا ہے۔ پھر بعض لوگ اتنے محتاط ہوتے ہیں کہ پانی پینے کے ساتھ ہی عذر نہیں کرتے تاکہ لوگ ریا کا گمان نہ کریں بلکہ تھوڑی دیر توقف کرکے گفتگو کا کوئی پہلو نکال کر عذر کرتے ہیں' مثلاً کوئی یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص کو اپنے دوستوں سے بڑی محبت ہے اس کی یہ انتہائی خواہش رہتی ہے کہ کوئی شخص اس کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے' اور اس کی دعوت قبول کرے' آج اس نے مجھ پر زور ڈالا' حالانکہ میں روزے سے تھا' لیکن میں نے اس کی خوشی کے لیے روزہ افطار کرلیا' کوئی یہ عذر رکھتا ہے کہ میری والدہ کا دل بڑا کمزور ہے' اور میرے بارے میں وہ ہمیشہ متفکر رہتی ہیں' ان کا خیال تھا کہ اگر آج میں نے روزہ رکھا تو بیمار پڑجاؤں گا' ان کی خواہش کا احترام کرتے

ہوئے میں نے روزہ افطار کرلیا۔ یہ تمام باتیں ریا کے دائرے میں آتی ہیں' آدمی اسی وقت انہیں اپنی زبان سے نکالتا ہے جب ریا کے جراثیم اس کے رگ و ریشے میں پوری طرح سرایت کرجاتے ہیں' مخلص آدمی کو اس کی پروا بھی نہیں ہوتی کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں اور کیا کہتے ہیں' چنانچہ اگر وہ روزہ نہیں رکھتا تو یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے حال پر مطلع ہے اس لیے وہ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اللہ کے علم کے خلاف کوئی بات کہے اور فریب دے' اور اگر روزہ رکھتا ہے تو اللہ کے علم و اطلاع پر قناعت کرتا ہے' اس میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔ کبھی آدمی یہ سوچتا ہے کہ اگر میں نے اپنی عبادت کا اظہار کیا تو میری اقتداء میں لوگ عبادت کریں گے' اور میری طرح دوسروں کو بھی اجر و ثواب حاصل ہوگا۔ اس میں شیطان کے لیے فریب دینے کی بڑی گنجائش ہے۔ اس مقصد کے لیے اظہار جن شرائط کے ساتھ جائز ہے ان کی تفصیل عنقریب بیان کی جائے گی۔

یہ ریا کے درجات' ریاکاروں کی اقسام و مراتب کی تفصیل تھی' تمام ریاکار اللہ تعالیٰ کے شدید غصے اور ناراضگی کے مستحق ہیں' ریا مہلکات میں انتہائی شدید ہے' اس کی شدت کا ادنیٰ مظاہرہ یہ ہے کہ اس میں ایسی آمیزشیں ہیں جو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی رہتی ہیں' جیسا کہ حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے (احمد' طبرانی۔ ابو موسیٰ اشعریؓ) بڑے بڑے علماء اور عقلمند یہاں لغزش کھا جاتے ہیں' ان جاہلوں کا تو ذکر ہی کیا ہے جنہیں نفس کی آفتوں کا علم نہیں ہے۔

<u>چیونٹی کی چال سے زیادہ مخفی ریا</u> : ریا کی قسمیں ہیں' جلی اور خفی۔ جلی وہ ہے جس سے عمل پر تحریک ملتی ہے' اگرچہ ثواب کی نیت نہ ہو' یہ ریا کی سب سے واضح قسم ہے۔ اور اس سے کم خفی وہ ریا ہے کہ اگر صرف وہی ریا ہو تو اس سے عمل کو تحریک نہ ہو' لیکن جو عمل ثواب کی نیت سے کیا جاتا ہے وہ اس کی وجہ سے سہل اور ہلکا معلوم ہو' مثال کے طور پر ایک شخص کو ہر رات تہجّد پڑھنے کی عادت ہے' تاہم پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے' بڑی مشکل سے طبیعت بستر چھوڑنے پر رضامند ہوتی ہے' لیکن جب کوئی مہمان آجاتا ہے تو طبیعت میں نشاط پیدا ہوجاتا ہے' اور تہجّد کی نماز اپنی تمام تر دشواریوں کے باوجود آسان نظر آنے لگتی ہے' حالانکہ یہ بھی معلوم ہے کہ اگر اسے ثواب کی امید نہ ہوتی تو محض مہمانوں کی ریا کی وجہ سے ہرگز نماز نہ پڑھتا۔ اس سے کم خفی وہ ریا ہے جو نہ عمل میں مؤثر ہوتی ہے' اور نہ اسے آسان بناتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود دل کے اندر پوشیدہ ہو' کیوں کہ اس سے عمل کو تحریک نہیں ہوتی اس لیے اسے علامات کے بغیر پہچاننا ممکن نہیں ہے۔ اور اس کی واضح تر علامت یہ ہے کہ وہ اس بات سے خوش ہو کہ لوگ اس کی عبادت سے واقف ہیں' چنانچہ بہت سے نیک اور عمل میں مخلص بندے ریاکار نہیں ہوتے' نہ ریا کے لیے عبادت کرتے ہیں بلکہ اسے دل سے ناپسند کرتے ہیں' لیکن جب لوگ ان کی عبادت سے واقف ہوتے ہیں تو اس سے انہیں خوشی اور راحت محسوس ہوتی ہے اور دل سے شدتِ عبادت کا اثر زائل ہوجاتا ہے یہ خوشی ریائے خفی پر دلالت کرتی ہے' اگر لوگوں کی طرف التفات نہ ہوتا تو ہرگز یہ خوشی ظاہر نہ ہوتی۔ ریا ان کے دل میں اس طرح چھپی ہوئی تھی جس طرح پتھر میں چنگاری چھپی رہتی ہے۔ لوگوں کی اطلاع سے خوشی اور مسرت کا اثر ظاہر ہوتا ہے' جس طرح پتھر سے رگڑنے میں چنگاری ظاہر ہوتی ہے پھر کیوں کہ لوگوں کی اطلاع سے خوشی تو ہوتی ہے' لیکن کراہت سے اس کا تدارک نہیں کیا جاتا اس لیے یہ خوشی ریا کی مخفی رگ کے لیے غذا فراہم کرتی ہے' یہاں تک کہ وہ مخفی رگ نفس پر حرکت کرنے لگتی ہے' اور یہ چاہتی ہے کہ کسی طرح لوگوں کو علم ہوجائے خواہ اشارے کنائے سے ہو' وضاحت کے ساتھ نہ ہو' بعض اوقات یہ رگ اتنی مخفی ہوتی ہے کہ نہ اشاروں سے اطلاع کی طالب ہوتی ہے اور نہ تصریح کلام سے' بلکہ عادات و اطوار سے اطلاع چاہتی ہے' جیسے لاغری' چہرے کا زرد رنگ' پست آواز' ہونٹوں کی خشکی' چہرے پر آنسوؤں کے نشانات' نیند کا غلبہ وغیرہ امور جن سے تہجّد کے لیے شب بیداری ظاہر ہوتی ہے' کبھی یہ رگ اتنی مخفی ہوتی ہے کہ نہ لوگوں کی اطلاع کی خواہش ہوتی ہے اور نہ اپنی اطاعت کے اظہار سے خوشی ہوتی ہے لیکن وہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ لوگ اسے سلام کرنے میں پہل کریں' خندہ روئی سے ملیں' احترام کریں' اس کی ستائش کریں' اس کی ضروریات پوری کرکے خوش ہوں' بیع و شراء کے معاملات میں رعایت کریں' اس کے لیے جگہ چھوڑ دیں ان امور میں اگر کسی سے کوتاہی سرزد ہوتی ہے تو دل پر

نہایت شاق گذرتا ہے' اور اسے دل میں نہایت بعید سمجھتا ہے کہ لوگ ان امور میں کوتاہی کریں' گویا وہ اس عبادت کے ذریعے جسے اس نے مخفی رکھا تھا لوگوں سے احترام کا متقاضی ہوتا ہے اگر پہلے یہ عبادت نہ کی ہوتی تو لوگوں کی اس کوتاہی کو بعید تصوّر نہ کرتا۔ کیوں کہ اس عبادت میں اللہ تعالیٰ کے علم پر قناعت نہیں کی گئی اس لیے ریائے خفی سے خالی نہیں رہی جو چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ اس طرح کے ریائے خفی سے بھی اعمال ضائع ہوسکتے ہیں' اس سے صدیقین کے علاوہ کوئی محفوظ نہیں رہتا۔ چنانچہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ' سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قاریوں سے کہیں گے کہ کیا لوگ تمہیں کم داموں پر چیزیں نہیں دیتے تھے' کیا تمہیں سلام کرنے میں پہل نہیں کی جاتی تھی' کیا تمہاری ضرورتوں کی تکمیل میں لوگ پیش پیش نہیں رہتے تھے حدیث شریف میں ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا گیا:۔

لا اجر لکم قد استوفیتم اجورکم

تمہارے لیے کوئی اجر نہیں' تم نے اپنا اجر پورا پورا لے لیا ہے۔

عبداللہ ابن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ وہب ابن منبہؒ سے روایت ہے کہ ایک سیاح نے اپنے دوستوں سے کہا کہ ہم نے سرکشی اور نافرمانی کے خوف سے اپنا مال چھوڑ دیا' اور اپنے بیوی بچوں سے جدائی اختیار کی' لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ مالدار جس قدر اپنے مال کی وجہ سے سرکش ہوجاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ہم دین کی وجہ سے سرکش نہ بن جائیں' چنانچہ جب ہم کسی سے ملتے ہیں تو یہ چاہتے ہیں کہ ہماری دینداری کی وجہ سے وہ شخص ہمارا احترام کرے' اور جب ہم کچھ خریدتے ہیں تو نرخ میں کمی کی خواہش کرتے ہیں' یہ مقولہ اس ملک کے بادشاہ تک پہنچا تو وہ اپنے لشکر کے ہمراہ اس سیاح بزرگ کی زیارت کے لیے آیا' یہاں تک کہ پہاڑ اور جنگل لوگوں سے بھرے گئے' سیاح نے پوچھا یہ کیسا ہجوم ہے' لوگوں نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت آپ سے ملاقات کرنے کے لیے آئے ہیں' سیاح نے کھانا منگوایا' لوگوں نے ساگ' زیتون کا تیل اور کھجور کے گچھے پیش کئے' اس نے خوب منھ بھر بھر کر جانوروں کی طرح کھانا شروع کردیا' اتنے میں بادشاہ بھی پہنچ گیا' اس نے لوگوں سے پوچھا تمہارا مرشد کہاں ہے؟ لوگوں نے سیاح کی طرف اشارہ کردیا جو کھانا کھانے میں مصروف تھا' بادشاہ نے پوچھا آپ کے مزاج کیسے ہیں' سیاح نے جواب دیا: بخیر! بادشاہ نے کہا اس کے پاس خیر نہیں ہے یہ کہہ کروہ چلا گیا' سیاح نے اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ بادشاہ اس کی مذمت کرتا ہوا واپس گیا ہے۔ یہ حال ہوتا ہے مخلصین کا یہ لوگ ہمیشہ ریائے خفی سے ڈرتے رہتے ہیں' اور اس مرض کے علاج کے لیے بڑی جدوجہد کرتے ہیں' اپنے اعمال صالحہ سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے فریب بھی دے دیتے ہیں' عام طرح پر لوگ اپنے عیوب اور گناہ چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے یہ نیک بندے اپنی نیکیاں اور اچھے اعمال چھپاتے ہیں تاکہ ان کے اعمال میں کسی ریا کی آمیزش نہ ہو' اور قیامت کے روز برسرِ عام انہیں اخلاص کی جزاء ملے' یہ لوگ جانتے ہیں کہ قیامت کے دن خالص عمل کے سوا کوئی عمل قبول نہیں ہوگا' اس دن نیکیوں کی سخت ضرورت ہوگی' نہ وہاں مال نفع دے گا' نہ اولاد کام آئے گی' نہ باپ اپنے بیٹے کی کچھ مدد کرپائے گا' اور نہ بیٹا باپ کو مصیبتوں سے نجات دلائے گا' صدیقین کو بھی اپنے آپ سے سروکار ہوگا' ہر شخص کی زبان پر نفسی نفسی ہوگا' دوسروں کے بارے میں خیال بھی نہ آئے گا' ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ جائے' اور اپنے ساتھ کھرا مغربی سکے بھی لے لے' کیوں کہ وہاں کے لوگوں میں کھوٹا سکہ رائج نہیں ہے' اور ضروریات زندگی سے ہر وقت واسطہ پڑتا ہے' مسافرت کے دنوں میں نہ آدمی کے پاس ٹھکانہ ہوتا ہے' اور نہ دوست احباب ہوتے ہیں' سفر کے دوران پیش آنے والی ضرورتیں صرف کھرے سکوں سے پوری ہیں' یہی حال اربابِ قلوب کا ہے' قیامت کے روز تقویٰ اور اخلاص کے علاوہ انہیں قیمتی سے قیمتی چیز بھی نفع نہ دے گی۔

ریائے خفی کے شوائب بے شمار اور لامحدود ہیں' اس کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ جب آدمی کے نزدیک جانوروں اور انسانوں کے علم و اطلاع میں کوئی فرق باقی نہ رہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ ریا سے خالی ہوگیا ہے' چنانچہ جب وہ بہائم سے بھی طمع ختم کرلیتا ہے تب

اسے یہ پروا نہیں ہوتی کہ اس کے سامنے جانور ہیں یا دودھ پینے والے بچے' یا سرے سے کوئی موجود نہیں ہے' یا کوئی عبادت پر مطلع ہے یا نہیں؟ اگر وہ مخلص ہے اور اللہ کے علم پر قناعت کرنے والا ہے تو وہ باشعور انسانوں سے بھی اسی طرح بے نیاز رہے گا جس طرح بے وقوفوں' بچوں اور جانوروں سے بے نیاز رہتا ہے' کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ آدمی خواہ وہ کتنی ہی زیادہ عقل کیوں نہ رکھتا ہو' نہ کسی کے رزق پر قادر ہے' نہ موت پر' نہ کسی کے ثواب و عذاب میں کمی بیشی کا اختیار رکھتا ہے۔ وہ بالکل اسی طرح عاجز و بے بس ہے جس طرح جانور' بچے' اور مجنون عاجز ہیں۔ اگر کسی نے بندوں کے علم کو اس سے زیادہ اہمیت دی تو کہا جائے گا کہ وہ ریائے خفی کے شائبے سے خالی نہیں ہے' لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ہر شائبۂ ریا سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے اور اعمال بیکار ہو جاتے ہیں' بلکہ اس میں کچھ تفصیل ہے۔

کس ریا سے اعمال باطل ہوتے ہیں : اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم تو کسی کو نہیں دیکھتے کہ وہ اپنی عبادت پر لوگوں کے مطلع ہونے سے خوش نہ ہوتا ہو' آیا ہر خوشی مذموم ہے یا کوئی خوشی مذموم ہے اور کوئی محمود؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر خوشی مذموم نہیں ہے' بلکہ اس کی پانچ قسمیں ہیں' چار قسمیں اچھی ہیں' اور ایک بُری

پہلی قسم : تو یہ ہے عابد کا مقصد اطاعت کو مخفی رکھنا اور اللہ کے لیے عبادت کو خالص بنانا تھا' لیکن جب لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ یہ سمجھا کہ اللہ نے انہیں مطلع کیا ہے' اور میری اچھائیوں کو اس نے آشکارا کیا ہے' اس سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجھ پر اللہ کا بڑا کرم ہے اور میں اس کی نظر کرم اور لطف و عنایت سے محروم نہیں ہوں' میں اپنی اطاعتیں اور معصیتیں مخفی رکھنا چاہتا تھا لیکن اس نے میرے گناہوں کی پردہ پوشی کی اور میری عبادتوں سے پردہ اٹھالیا۔ اس سے زیادہ اور کیا لطف و کرم ہو سکتا ہے' اگر کوئی عابد لوگوں کی ستائش اور ان کے دلوں میں اپنی منزلت کی خواہش سے ہٹ کر محض اس لیے خوش ہو کہ اللہ نے اس کی معصیتیں چھپا کر اور اطاعتیں ظاہر کرکے بڑا کرم کیا ہے' اس طرح کی خوشی اچھی ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (پ ۱۱ ر ۱۱ آیت ۸)

آپ ان سے کہہ دیجئے تو بس لوگوں کو خدا کے اس انعام و رحمت پر خوش ہونا چاہئے۔

یعنی عابد اللہ کے یہاں اپنی قبولیت پر خوش ہوا' نہ کہ اس لیے کہ لوگ اس کی عبادت سے واقف ہیں۔

دوسری قسم : یہ ہے کہ دنیا میں اس کرم خداوندی سے یہ نیک فال لے کر جس طرح اللہ نے دنیا میں میری نیکیاں ظاہر کی ہیں اور برائیاں چھپائی ہیں اسی طرح کا معاملہ قیامت کے روز بھی ہوگا۔ حدیث میں ہے:

ماستر اللّٰه علی عبد ذنبا فی الدنیا الاستره علیه فی الاٰخرة (مسلم۔ ابو ہریرةؓ)

اللہ بندے کے جس عمل کو دنیا میں چھپالے گا آخرت میں بھی اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

تیسری قسم : یہ ہے کہ اپنی عبادت کے اظہار سے یہ خیال کرے کہ لوگ اس کی اقتدا کریں گے' اس طرح اس کا اجر دوگنا ہو جائے گا' یعنی اسے ان لوگوں کا بھی اجر ملے گا جنہوں نے اس کی اقتدا میں عبادت کی اور خود اپنی عبادت کا بھی اجر ملے گا' کیوں کہ جس کی اقتدا کی جاتی ہے حدیث کے مطابق اسے اقتدا کرنے والوں کے مطابق اجر ملا کرتا ہے' اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی' ثواب میں اضافہ ہونے سے یقیناً خوش ہونا چاہئے۔

چوتھی قسم : یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کی تعریف کی ان کی تعریف سے اس لیے خوش ہوا کہ انہوں نے تعریف کرکے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو پسند کیا ہے' اور اس کی اطاعت کرنے والوں سے محبت کی ہے' ان کی دلوں میں اطاعت کا جذبہ موجود ہے' ورنہ ایسے مؤمن بھی ہیں جو کسی نیک سیرت اور مطیع بندے کو دیکھ کر جلتے کڑھتے اور حسد کرتے ہیں' یا اس کی مذمت کرتے ہیں اور اس

کا مذاق اڑاتے ہیں' یا اسے ریاکار کہتے ہیں' اس نوعیت کی خوشی کا حاصل یہ ہے کہ تعریف کرنے سے لوگوں کی حالت معلوم ہوگئی اور ان کے ایمان کی صداقت واضح ہوگئی' اس سلسلے میں عابد کے اخلاص ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ جس طرح اپنی تعریف سے خوش ہو اسی طرح دوسرے عبادت گذاروں کی تعریف سن کر بھی خوش ہو' اگر اپنی تعریف سے خوش ہوا اور دوسروں کی تعریف سے حسد کیا تو یہ اخلاص کے منافی ہوگا۔

پانچویں قسم : مذموم ہے اور وہ یہ ہے کہ خوشی کا منبع یہ خیال ہو کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی منزلت قائم ہوگئی ہے اسی لیے تو وہ اس کی تعریف کرتے ہیں' اس کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں' نشست و برخاست میں اس مقدم سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کرتے ہیں۔

ریائے جلی اور ریائے خفی کی وہ قسمیں جن سے اعمال باطل ہوتے ہیں

اس سلسلے میں ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی بندے نے اپنی عبادت کی بنیاد اخلاص پر رکھی' اس کے بعد ریا نے حملہ کیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ ریا کا ظہور عبادت سے فراغت کے بعد ہوا ہے یا فراغت سے پہلے' اگر فراغت کے بعد ریا کے ظہور سے اظہار کئے بغیر سرور ہوا ہے تو اس سے عمل فاسد نہیں ہوگا' کیوں کہ عمل اخلاص کے وصف کے ساتھ ریا سے محفوظ رہ کر پورا ہوچکا ہے اس عمل کے تمام ہونے کے بعد جو ریا طاری ہوا ہے اس کے بارے میں امید یہ ہے کہ وہ عمل پر اثر انداز نہیں ہوگا خاص طور پر اس صورت میں جب کہ اس نے اظہار میں تکلّف نہیں کیا اور نہ کسی سے اس نے عبادت ذکر و اظہار کی خواہش کی' عمل کا ظہور بالکل اتفاقی طور پر اللہ کے ظاہر کرنے سے ہوا ہے' اس کی وجہ سے دل پر سرور اور فرحت کے علاوہ کوئی اثر مرتّب نہیں ہوا ہے۔ ہاں اگر عمل کے خلوص پر تمام ہونے کے بعد اس کے اظہار میں خود اس کا اپنا کوئی دخل نہیں ہوتا تو اس میں خطرہ تھا آثار و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے عمل ضائع ہوجاتا ہے' حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رات سورۂ بقرہ کی تلاوت کی تھی' آپ نے فرمایا اس تلاوت میں اس شخص کا صرف اتنا ہی حصہ تھا' وہ اپنا حصہ لے چکا ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جس نے یہ کہا تھا کہ "میں نے تمام عمر روزے رکھے ہیں" ارشاد فرمایا کہ نہ تو نے روزہ رکھا اور نہ افطار کیا (مسلم۔ ابو قتادہؓ) بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات آپ نے اس لیے فرمائی کہ اس نے اپنا عمل ظاہر کردیا تھا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ارشاد صوم دہر کی کراہت پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے اقوال اس امر پر دلالت کرتے ہوں کہ اس شخص کا دل عبادت کے وقت ریا سے خالی نہیں تھا اسی لیے تو بعد میں اظہار ہوا ہے ورنہ یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ عمل کے تمام ہونے کے بعد کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جو عمل باطل کردے' بلکہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ اسے گذرے ہوئے عمل پر ثواب دیا جائے گا' اور عبادت سے فراغت کے بعد اسے ریا کا ذریعہ بنانے پر عذاب دیا جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر ریا مثلاً نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی اس کی نیت ریا کی طرف مائل ہوجائے تو یہ بلاشبہ فساد عمل کا موجب ہے ہاں اگر عمل اخلاص کے ساتھ کیا' مگر عمل کے دوران کچھ ریا بھی ہوگیا تو اس کی دو صورتیں ہیں' یا تو وہ صرف خوشی کی صورت میں عمل پر اثر انداز ہوئے بغیر ظاہر ہوا یا وہ عمل کے لیے محرّک بن کر سامنے آیا' اور اسی بنیاد پر عمل اختتام پذیر ہوا۔ اگر ریا دوسری صورت میں ظاہر ہوا ہے تو اس سے عمل باطل ہوجائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے نفل نماز خلوص کے ساتھ شروع کی' لیکن درمیان میں کچھ لوگ یا بادشاہ سلامت ادھر سے گذرے تو اس کی خواہش ہوئی کہ یہ گذرنے والے اس کی طرف دیکھیں' یا نماز کے دوران کوئی مال وغیرہ یاد آگیا' اور دل چاہا کہ نماز چھوڑ کر وہ مال تلاش کرے لیکن اس خوف سے کہ اگر نماز چھوڑی تو لوگ برا کہیں گے نماز میں مصروف رہا۔ اگر لوگ نہ ہوتے تو نماز منقطع کردیتا۔ اس صورت میں یہ عمل باطل ہوجائے گا' بلکہ اس کا اعادہ کرنا ہوگا اگر اسے طور فرض ادا کررہا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

العمل کالوعاء اذا طاب آخرہ طاب اولہ (ابن ماجہ۔ معاویہ ابن ابی سفیان)

عمل برتن کی طرح ہے' جب اس کا آخر اچھا ہوگا اس کا اول بھی اچھا ہوگا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:۔

من رأی بعملہ ساعۃ حبط عملہ الذی کان قبلہ (۱)

جو شخص اپنے عمل سے ایک لمحہ ریا کرے گا اس کے وہ تمام اعمال جو اس عمل سے پہلے ہیں باطل ہو جائیں گے۔

یہ روایت اس صورت میں نماز کے سلسلے میں وارد ہے' صدقہ و قرأت پر نہیں' اس لیے کہ صدقہ و قرأت کا ہر جزء الگ الگ ہے' جس جزء پر ریا واقع ہوگا وہ جزء فاسد نہیں ہوں گے' روزہ اور حج کی عبادتیں نماز کے مشابہ ہیں۔ اور اگر ریا اس طرح آیا کہ ثواب کے لیے عمل کی تکمیل کے لیے مانع نہیں ہوا مثلاً نماز کے دوران چند لوگ آئے اور وہ ان کے آنے سے خوش ہوا' اور ان کے دکھلانے کے لیے اس نے نماز کو اچھی طرح ادا کرنے کا قصد کیا' اگر وہ لوگ نہ آتے تب بھی نماز پوری کرتا' یہ ریا ہے جس نے عمل میں اثر ڈالا ہے یعنی نماز کی حرکات کی تحسین کے لیے مؤثر ہوا ہے' لیکن اگر یہ اثر اتنا غالب آجائے کہ ثواب اور عبادت کا ارادہ ریا کے ارادے میں ضم ہو جائے' اور پہلے ارادے کا وجود ہی باقی نہ رہے تو یہ ریا بھی عبادت کے لیے مُفسد ہے۔ بشرطیکہ عبادت کے ارکان میں سے کوئی رکن اس حال پر ادا ہو جائے' کیوں کہ عبادت کے آغاز میں جو نیت کی جاتی ہے اس کی آخر تک سلامتی کے لیے ہمارے نزدیک شرط یہ ہے کہ اس کے بعد کوئی ایسی نیت پیش نہ آئے جو اس سابقہ نیت پر غالب آجائے اور اسے چھپا دے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ عبادت فاسد نہ ہو اس لیے کہ پہلی نیت اور اصل قصد ثواب موجود ہے گو کسی دوسری نیت اور قصد کے درمیان آنے کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے۔ حارث محاسبی کے نزدیک ایسے امر میں بھی عبادت فاسد ہو جاتی ہے جو اس سے بھی سہل ہے۔ یعنی اگر عبادت کے دوران لوگوں کی اطلاع سے محض سُرور بھی حاصل ہو تب بھی عبادت فاسد ہو جاتی ہے یعنی ایسا سُرور جو جاہ و منزلت کی محبت کے برابر ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں لوگوں کا اختلاف ہے' ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ اس طرح کے سُرور سے عمل باطل ہو جائے گا' کیوں کہ اس نے پہلی نیت توڑ دی ہے اور مخلوق کی تعریف کی طرف مائل ہو گیا ہے' اور اپنا عمل اخلاص کے ساتھ پورا نہیں کیا ہے' جب کہ عمل اپنے خاتمے سے مکمل ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد حارث محاسبی فرماتے ہیں کہ میں ایسے عمل کو قطعی باطل کہتا ہوں' اور نہ اسے باطل ہونے سے محفوظ تصور کرتا ہوں' اس باب میں لوگوں کے اختلاف کا مجھے علم ہے' اس کے باوجود میں اسی قول کو ترجیح دیتا ہوں کہ اگر عمل کی تکمیل ریا پر ہوئی ہے تو عمل باطل ہے' اگر کوئی شخص حضرت حسن بصریؒ کے اس قول کا حوالہ دے کہ دو رکعتوں میں سے پہلی اگر اللہ کے لیے ہوئی تو دوسری رکعت ضرر نہ کریگی یا یہ حدیث بیان کرے کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں عمل چھپاتا ہوں مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ کوئی میرے عمل سے باخبر ہو۔ لیکن جب کسی کو اطلاع ہو جاتی ہے تو میں خوش بھی ہوتا ہوں' آپ نے فرمایا تجھے دوہرا اجر ملے گا' ایک خفیہ کا دوسرا اعلانیہ کا حارث محاسبی نے اثر و مجبوروں کا جواب دیا ہے اثر کے سلسلے میں ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کی مراد ضرر سے یہ ہے کہ خطرہ مضر اور مفسد عمل نہیں یعنی اگر عمل کے دوران کسی قسم کا خیال یا خطرہ آجائے تو اس کی وجہ سے عمل کو ترک نہ کرے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اگر اخلاص کی نیت کے بعد ریا کی نیت کرے گا تب بھی عمل فاسد نہیں ہوگا۔ حدیث کی تأویل میں ان کی مفصل تقریر ہے' ان کی تقریر کا خلاصہ ان تین نکات میں ہے۔ ایک یہ کہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں کہ سائل کو لوگوں کی اطلاع سے خوشی نماز کے دوران ہوا کرتی تھی یا نماز سے فارغ ہونے کے بعد' اس لیے یہ احتمال موجود ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سُرور ہے جسے شرعاً پسندیدہ قرار دیا گیا ہے پچھلے صفحات میں اس سُرور کی تفصیل کی دلیل

(۱) یہ روایت مجھے ان الفاظ میں نہیں ملی۔

یہ ہے کہ اس سُرور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجر بیان فرمایا ہے' اور اُمّت میں سے کوئی ایک فرد بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جاہ و منزلت کی محبت پر بھی اجر ملتا ہے' زیادہ سے زیادہ یہ تو ہو سکتا تھا کہ یہ سُرور معاف کیا جاتا' یہ کیسے ممکن ہے کہ مخلص کو ایک اجر ملے اور ریا کار کو دو اجر حاصل ہوں تیسرا یہ کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ تک متصل نہیں ہیں' بلکہ اکثر راوی اسے ابو صالح پر موقوف قرار دیتے ہیں' بعض لوگ مرفوع بھی کہتے ہیں۔ اس لیے ریا کے سلسلے میں جو عام روایات مروی ہیں انہی پر عمل کرنا چاہئے یہ حارث محاسبیؒ کا قول ہے۔ اگرچہ انہوں نے قطعیت کے ساتھ کوئی حکم نہیں لگایا' بلکہ ان کے نزدیک غالب یہ ہے کہ اس طرح کی ریا سے عمل باطل ہو جاتا ہے۔

ہمارے نزدیک قرینِ قیاس بات یہ ہے کہ سرور کی یہ مقدار اگر عمل میں موثر نہ ہو بلکہ عمل دین کی وجہ سے صادر ہوا ہو' اور سرُور محض لوگوں کی اطلاع کے سبب ہو گیا ہو تو مفسد عمل نہیں ہے' کیوں کہ اس سُرور کی وجہ سے اصل نیت معدوم نہیں ہوئی' بلکہ اسی نیت کی وجہ سے عمل شروع ہوا' اور اسی نیت پر تمام ہوا۔ ریا کے سلسلے میں جو روایات وارد ہیں وہ اس محمول میں کہ عمل سے صرف مخلوق کا ارادہ کیا گیا ہو' اور جو شرکت کے سلسلے میں وارد ہیں وہ اس پر محمول ہیں جب کہ ریا کی نیت ثواب کی نیت کے برابر یا اس پر غالب ہو' اگر ریا کی نیت ثواب کی نیت کے مقابلے میں ضعیف ہو تو اس سے صدقہ یا دوسرے اعمال کا ثواب بالکلیّہ طور پر باطل نہیں ہوگا۔ نہ اس سے نماز میں فساد آنا چاہئے' یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ عابد پر نماز خالصۃً لوجہ اللہ فرض ہوئی تھی' اور خالص وہ ہے جس میں کسی شئی کی آمیزش نہ ہو' جب اس میں ریا کی آمیزش ہو گئی خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو تو نماز ادا نہ ہوگی۔ والعلم عند اللہ۔ کتابُ الاخلاص میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے' اس لیے یہاں اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ اس ریا کا حکم تھا جو عبادت شروع کرنے کے بعد فراغت سے پہلے یا بعد میں ہوتا ہے۔

<u>تیسری قسم</u> : ریا کی وہ ہے جس میں عبادت کی نیت کے ساتھ ہی ریا کا قصد ہو۔ اگر اس نے عبادت سے فارغ ہونے تک وہی قصد برقرار رکھا تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ وہ نماز نا قابل اعتبار ہو گی اس کا اعادہ کیا جائے گا۔ اور اگر نماز کے دوران اپنے قصد ریا پر ندامت ہو گئی' اور استغفار کر لیا اور نماز مکمل کرنے سے پہلے ہی رجوع کر لیا تو اس صورت میں تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قصدِ ریا کے ساتھ نماز ادا نہیں ہو گی' از سرِ نو ادا کرنی ہو گی' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے افعال نماز رکوع سجود باطل ہو جائیں گے' ان کا اعادہ کرنا ہو گا نیت باطل نہیں ہو گی' کیوں کہ نیت تحریمہ ایک عقد ہے' اور ریا خاطرِ قلبی کا نام ہے' اس خاطرِ قلبی سے نیت تحریمہ کا عقد ہونا باطل نہیں ہوتا۔ تیسرا قول ہے کہ نماز کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ دل ہی دل میں اللہ سے مغفرت چاہے' اور اپنی عبادت کو اخلاص پر تمام کرے اعتبار خاتمے کا ہوتا ہے' چنانچہ اگر کوئی عمل اخلاص پر شروع کرے اور ریا پر ختم کرے تو اس سے عمل فاسد ہو جائے گا۔ انہوں نے نماز کو اس سفید کپڑے سے تشبیہ دی ہے جو کسی عارضی نجاست سے آلودہ ہو گیا ہو' اگر یہ عارضی نجاست دور کر دی جائے تو کپڑا اپنی اصلی حالت سفیدی پر واپس آجائے گا' ان کا کہنا ہے کہ نماز اور اس کے افعال رکوع و سجود اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہوتے' اگر کوئی غیر اللہ کے لیے سجدہ کرلے تو اسے کافر کہا جاتا ہے۔ یہاں ایک عارضی ریا شامل ہو گیا تھا جو توبہ اور ندامت سے جاتا رہا' اور نمازی اس حال پر واپس آگیا کہ اسے لوگوں کی تعریف یا برائی کی کوئی پروا نہیں رہی اس لیے نماز صحیح قرار پائی۔

آخری دو قول قیاس فقہی کے خلاف ہیں' خاص طور پر یہ قول کہ صرف رکوع و سجود کا اعادہ کرنا چاہئے تکبیر تحریمہ کے اعادے کی ضرورت نہیں' اس لیے کہ اگر رکوع و سجود کو باطل قرار دیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہ افعال نماز میں زائد ہیں' اور افعال زیادہ ہو جائیں تو نماز کس طرح صحیح رہ سکتی ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ نماز کا اخلاص پر مکمل ہونا کافی ہے نیز اعتبار خاتمے کا ہونا چاہئے اس قول کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ ریا نیت کی صحت کے لیے مانع ہے' جب نیت ہی صحیح نہیں تو وہ عمل صحیح حالت میں اختتام تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟

فقہی قیاس پر جو بات پوری اُترتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی عمل کا باعث صرف ریا ہے' طلب ثواب نہیں' نہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل پیش نظر ہے تو اس صورت میں آغاز ہی صحیح نہیں ہوا۔ اس کے بعد جو افعال رکوع و سجود وغیرہ کرے گا وہ صحیح ہوں گے۔ مثلاً ایک شخص اگر تنہا ہوتا تو نماز نہ پڑھتا' لیکن جب اس نے لوگوں کو دیکھا تو نماز کے لیے نیت باندھ لی' اس کے کپڑے ناپاک تھے لیکن لوگوں کے خوف سے نماز پڑھنے کھڑا ہوگیا۔ یہ ایسی نمازیں ہیں جن میں نیت ہی نہیں ہے' کیوں کہ دین کی وجہ سے حکم ماننے کو نیت کہتے ہیں' یہاں دین کی وجہ سے حکم نہیں مانا گیا' بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ مقصد حکم ماننا تھا ہی نہیں ہاں اگر یہ صورت ہوتی کہ لوگوں کی عدم موجودگی میں بھی نماز پڑھتا' لیکن لوگوں کی موجودگی میں رغبت زیادہ ہوگئی تو یہاں دو باعث جمع ہوئے' اب اگر کوئی ایسی عبادت ہے جس میں تحریم و تحلیل نہیں ہوتی جیسے صدقہ' تلاوت وغیرہ اعمال' تب یہ کہا جائے گا کہ عابد نے ریا کے باعث پر عمل کرکے نافرمانی کی' اور ثواب کے باعث پر عمل کرکے اطاعت کی' اس کے بارے میں یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (پ۳۰ ر۲۷ آیت)

جس نے ذرہ برابر بھلائی کی وہ دیکھ لے گا جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ بھی دیکھ لے گا۔

اسے ثواب کی نیت کے مطابق ثواب ملے گا' اور ریا کی نیت کے برابر عذاب ہوگا۔ یہ دونوں نیتیں ایک دوسرے کو باطل نہیں کریں گی۔ اور اگر ایسی صورت نماز میں پیش آئی جو نیت میں خلل واقع ہونے کی وجہ سے فاسد ہوجاتی ہے تو اس کی بھی دو حالتیں ہیں' یا وہ نماز نفل ہوگی یا فرض نفل کا حال صدقہ جیسا ہے اس میں من وجہ اطاعت پائی جاتی ہے' اور من وجہ نافرمانی اس لیے کہ اس کے دل میں دو باعث موجود ہیں' اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی نماز فاسد ہے یا اس کی اقتدا باطل ہے۔ حتی کہ اگر کسی شخص نے تراویح کی نماز پڑھی اور اس کے قرائن حال سے یہ ظاہر ہوا کہ اس کا مقصد حسن قرأت کا اظہار ہے۔ اگر اسکے پیچھے لوگوں کا مجمع نہ ہوتا اور وہ اپنے گھر میں تنہا ہوتا تو تراویح کی نماز نہ پڑھتا' ایسے شخص کے متعلق یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنی درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ ایسا گمان کرنا بعید ہے' بلکہ مسلمان کے ساتھ تو یہی گمان رکھنا چاہئے کہ وہ نوافل سے بھی ثواب ہی کا ارادہ کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا ارادہ بھی صحیح ہے' اور اس کی اقتدا بھی درست ہے' اگرچہ ثواب کی نیت کے ساتھ کوئی اور قصد بھی ہو جو گناہ کا باعث ہو۔

اگر فرض میں دو باعث جمع ہوجائیں' اور دونوں الگ الگ مستقل نہ ہوں' بلکہ یکجا ہوکر عبادت کا باعث بنے ہوں اس صورت میں اس کے ذمے سے واجب ساقط نہیں ہوگا۔ کیوں کہ وجوب کا باعث اس کے حق میں خالی اور مستقل نہیں پایا گیا۔ اگر ہر باعث مستقل ہو یعنی اگر باعث ریا نہ ہوتا تب بھی فرض ادا کرتا' یا باعث فرض نہ ہوتا تو ریا کی وجہ سے نماز نفل پڑھتا یہ صورت محل نظر ہے' اور اس میں کئی احتمال ہیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کے ذمے خالصۃً اللہ کے لیے نماز واجب تھی' لیکن اس نے واجب خالص ادا نہیں کیا اس لیے یہ صورت جائز نہیں ہوئی' جواز کا حکم بھی لگایا جاسکتا ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ امتثال امر ایک مستقل باعث ہے' اور وہ یہاں پایا گیا ہے۔ اگر اس میں کوئی دوسرا باعث مل جاتا ہے تو اس سے نماز کی فرضیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص مغصوبہ گھر میں نماز ادا کرے اگرچہ وہ یہاں مغصوبہ گھر میں نماز پڑھنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا لیکن اصل نماز کے اعتبار سے مطیع ہوگا' اور فرضیت اس کے ذمے سے ساقط ہوجائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اصل نماز کے بواعث مختلف ہوں گے تو اس میں احتمالات بھی مختلف ہوں گے لیکن اگر اصل نماز میں ریا نہ ہو صرف مبادرت میں ہو۔ مثلاً کسی شخص نے جماعت میں شرکت کے لیے اول وقت سبقت کی' اگر تنہا ہوتا تو اول وقت کے بجائے درمیانی وقت میں نماز پڑھتا' یا اگر فرض نہ ہوتے تو ریا کی وجہ سے نماز کی ابتدا نہ کرتا' یہ سب امور نماز کی صحت کے لیے مانع نہیں ہیں کیوں کہ اصل نماز کے باعث سے یہاں کوئی دوسرا باعث مخالف نہیں ہے۔ بلکہ وقت کی تعیین میں ریا ہوا ہے اس سے اصل نماز میں خلل پیدا ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

یہ اس ریا کا حکم ہے جو عمل کا باعث اور اس کے لیے محرک ہو' اور اگر کوئی سرور ایسا ہو جو لوگوں کی اطلاع سے حاصل ہوتا ہو' اور اس کا اثر عمل تک نہ پہنچتا ہو تو اس کی وجہ سے نماز کا فاسد ہونا بعید ہے یہ تفصیل ہمارے نزدیک فقہ اسلامی کے مطابق ہے۔ کیوں کہ مسئلہ فی الحقیقت دقیق ہے' اس لیے فقہاء نے اسے ہاتھ نہیں لگایا' اور جنہوں نے اس موضوع پر کچھ لکھا ہے انہوں نے فقہی اصول' نماز کی صحت اور عدم صحت کے سلسلے میں فتاوی کے تقاضوں کا لحاظ نہیں کیا' بلکہ انہوں نے تصفیۂ قلب' اور اخلاص کو اصل مقصد قرار دے کر معمولی معمولی خواطر سے عبادات کے فساد کا حکم لگا دیا ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ حد اعتدال میں ہے۔ صحیح علم اللہ کو ہے وہی غیب و شہود کا عالم اور رحمٰن و رحیم ہے۔

ریا کی دوا' اور اس مرض میں دل کے علاج کا طریقہ

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ریا سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں' اور ریا کار اللہ کے غضب کا مستحق ہوتا ہے' یہ بڑی مہلک بیماری ہے' اس لئے اگر کوئی شخص اس بیماری میں مبتلا ہو جائے تو دوا و علاج سے اس کا ازالہ ضرور کرے' خواہ اس کے لئے کتنی ہی مشقت کیوں نہ اٹھانی پڑے' اور کتنا ہی زبردست مجاہدہ کیوں نہ کرنا پڑے' دوا کی تلخی و ترشی ہی شفاء کی ضامن ہے۔ یہ ایسا مجاہدہ ہے جس کی ضرورت ہر شخص کو ہوتی ہے' خواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ بچہ عقل و شعور سے محروم ہوتا ہے' جو کچھ لوگوں کو کرتے دیکھتا ہے خود بھی ایسا ہی کرتا ہے' چنانچہ جب وہ دیکھتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ تصنّع کرتے ہیں تو اس کے دل میں تصنّع کی محبت پیدا ہو جاتی ہے' اور تمام حواس پر چھا جاتی ہے' اس عادت کی ہلاکت انگیزی اس وقت منکشف ہوتی ہے جب عقل و کمال حاصل ہو جاتا ہے' لیکن اس وقت یہ عادت اتنی گہرائی تک راسخ ہو جاتی ہے کہ شدید مجاہدے اور انتہائی مشقت کے بغیر اس کا قلع قمع کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس مجاہدے کے سب ہی محتاج ہیں' اوّل اوّل اس میں سخت دشواری ہوتی ہے' پھر سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

ریا کے علاج کی دو صورتیں : اس مرض کے علاج کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے اصول و عروق کی بیخ کنی کی جائے' جن سے ریا کا درخت نشوونما پاتا ہے' دوسری صورت یہ ہے کہ ریا سے سردست جو خطرہ لاحق ہو اس کا سدِّباب کر دیا جائے۔

پہلی صورت۔ اُصول و اَسباب کی بیخ کنی : یہ صورت اسی وقت قابل عمل ہو سکتی ہے جب اصول و اسباب معلوم ہوں' اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ریا کی اصل جاہ و منزلت کی محبت ہے۔ اگر اسے مفصّل بیان کیا جائے تو اس کی تین اصلیں نکلتی ہیں۔ اوّل تعریف کی لذت دوم مذمت کے رنج سے نفرت سوم لوگوں کی مملوکہ چیزوں میں طمع۔ یہی چیزیں ریا کا سبب ہیں' انہی سے ریا کو تحریک ہوتی ہے' چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت اس کی شاہد ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو حمیت کے لئے جہاد کرتا ہے' حمیت کے معنی یہ ہیں کہ اسے اس بات سے غیرت آتی ہے کہ خود مغلوب ہو جائے یا مغلوب ہونے کی وجہ سے لوگ اسے برا کہیں' اسی طرح اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو مرتبہ حاصل کرنے کے لئے جنگ کرے' یا ناموری کے لئے لڑے' مرتبہ حاصل کرنے کے معنی ہیں جاہ کی خواہش اور دلوں میں جگہ پانے کی تمنا' اور ذکر سے مراد زبانی تعریف کی خواہش ہے۔ آپ نے یہ سوال سن کر فرمایا۔ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

جو شخص اللہ کا کلمہ اونچا کرنے کے لئے جنگ کرے وہی اللہ کی راہ میں ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب دونوں فریق جہاد میں دست و گریباں ہوتے ہیں تو ملائکہ اترتے ہیں اور لوگوں کے جہاد کا حال ان کے مراتب کے مطابق تحریر کرتے ہیں کہ فلاں شخص ذکر کے واسطے جنگ کرتا ہے' فلاں شخص ملک کے لئے لڑتا ہے۔ ملک کے لئے لڑنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیاوی مال و متاع کے لئے لڑتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں

کہ لوگ کسی مقتول کو شہید کہنے لگتے ہیں 'کیا معلوم اس نے اپنی سواری کے دونوں تھیلے سیم و زر سے لبریز کر رکھے ہیں 'ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من غزا لا یبغی الا عقالا فلہ ما نوی (نسائی)

جو شخص اونٹوں کے باندھنے کی رسّی کے لئے جہاد کرے تو اسے اس کے مطابق ملے گا۔

اس حدیث میں بھی طمع کی طرف اشارہ ہے۔ بعض اوقات آدمی کو تعریف کی خواہش نہیں ہوتی لیکن وہ مذمت کے اَلم سے بچنا چاہتا ہے۔ جیسے کوئی بخیل اگر چند ایسے سخیوں کے درمیاں پھنس جائے جو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خیرات کر رہے ہوں تو وہ بھی تھوڑا مال خیرات کر دیتا ہے تاکہ بخیل نہ کہلائے 'اسے تعریف کی تمنا نہیں تھی 'محض بخل کی بدنامی سے بچنے کی متمنی تھی 'یا جیسے کوئی بزدل بہادروں کی صف میں پھنس جائے 'کہ بھاگنے کی کوشش کے باوجود بھاگ نہ سکے تاکہ لوگ بزدل نہ کہیں 'احتیاط کے ساتھ چند حملے کر کے وہ نامردی کے خطاب سے بچنا چاہتا ہے 'بہادر کہلانا نہیں چاہتا 'اسی طرح وہ شخص ہے جو شب بیداروں میں رہے 'اور چند رکعات پڑھ لے 'تاکہ لوگ کاہل نہ کہیں 'یہ بھی مذمت سے خائف ہے 'حمد کا متمنی نہیں۔ کبھی آدمی تعریف کی لذت پر تو صبر کر سکتا ہے 'لیکن مذمت کی تکلیف پر صبر نہیں کرپاتا۔ چنانچہ وہ حاجت کے باوجود استفسار نہیں کرتا 'یا علم کے بغیر ہی فتویٰ دیدیتا ہے 'یا علم حدیث سے واقفیت کا دعویٰ کرتا ہے 'حالانکہ وہ کچھ نہیں جانتا 'محض اس لئے کہ اس کی مذمت نہ کی جائے۔ یہ وہ تین امور ہیں جن سے ریا کار ریا پر مائل ہوتا ہے۔ اس کا علاج ہم اس کتاب کے نصفِ اوّل میں بیان کر چکے ہیں 'اب ہم وہ علاج ذکر کرتے ہیں جو ریا کے ساتھ مخصوص ہے۔

ریا کا مخصوص علاج : یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ انسان کسی چیز کی خواہش اسی وقت کرتا ہے جب وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ چیز اس کے لئے نفع بخش 'اور لذت آفرین ہے خواہ اس کا نفع یا لذت فوری طور پر ظاہر ہو 'یا آئندہ کسی وقت ظاہر ہونے کی توقع ہو۔ لیکن اگر اسے یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس چیز کا نفع یا لذت وقتی ہے 'آئندہ کے لئے یہ چیز ضرر رساں ہوگی تو اس کے لئے خواہش منقطع کرنا 'یا اس چیز سے گریز کرنا دشوار نہیں رہتا۔ مثلاً ایک شخص شہد کی لذت سے واقف ہے 'لیکن اگر اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے کہ اس میں زہر کی آمیزش ہے تو ہرگز اسے استعمال نہ کرے گا۔ خواہشوں اور رغبتوں کے خاتمے کا سہل طریقہ یہی ہے کہ وقتی فوائد سے قطع نظر کرے 'اور مستقبل کے نقصانات پیش نظر رکھے۔ اگر بندے کو ریا کی مضرت کا علم ہو جائے 'اور یہ جان لے کہ ریا کار دنیا میں توفیق سے 'اور آخرت میں اللہ کی قربت سے محروم رہتا ہے 'اسے قیامت کے دن دردناک عذاب ہوگا 'وہ اللہ تعالیٰ کی شدید ناراضگی کا مستحق قرار پائے گا 'اور برسرِعام رسوا ہوگا 'جب تمام لوگوں کے سامنے اسے فاجر اور فریب کار کے لقب سے نوازا جائے گا 'اور یہ کہہ کر شرمندہ کیا جائے گا کہ کیا تجھے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے عوض دنیاوی مال و متاع خریدتے ہوئے شرم نہیں آئی 'تو نے بندوں کے دلوں کا خیال کیا 'اور اللہ کی عبادت کے ساتھ استہزاء کی 'تو اللہ کا مبغوض بن کر بندوں کا محبوب ہوا 'تو نے ان کے لئے آرائش کی 'اور اللہ کے لئے اپنے آپ کو نجاستوں میں آلودہ کیا 'تو نے اللہ سے دور ہو کر ان کی قربت پائی 'تو نے بندوں کی تعریف کے لئے اللہ کی مذمت کو حقیر جانا 'تو نے ان کی خوشنودی کے لئے اللہ کی ناراضگی مول لی 'کیا تیرے نزدیک اللہ سے زیادہ کوئی حقیر نہ تھا 'جب بندہ اس رسوائی کے بارے میں سوچے گا 'اور دنیاوی فوائد اور اُخروی نقصانات میں موازنہ کرے گا تو ریا کی طرف ذرا بھی ملتفت نہ ہوگا۔ ریا کی وجہ سے اعمال کا فساد کوئی معمولی نقصان نہیں کیا عجب ہے کہ ایک مخلصانہ عمل نیکیوں کے پلڑے میں بھاری پڑ جائے 'اور جب اس میں ریا کی آمیزش ہو جائے تو وہ گناہوں میں شامل ہو جائے اور اسی کے پلڑے کو جھکا دے 'اور گناہ گار کو واصلِ جہنم کرے۔ اگر ریا سے صرف ایک عبادت ہی فاسد ہو جائے تب بھی اس کا ضرر کچھ کم نہیں 'چہ جائیکہ وہ ایک عمل نیکیوں کی دائرے سے نکل کر گناہ بن جائے 'اور گناہوں کے پلڑے کو جھکا دے 'اور اگر بالفرض نیکیوں کا پلڑا ہی جھکا رہے تب بھی وہ ایک "ریاکارانہ عمل" صاحب عمل کی تمام تر نیکیوں کے باوجود اسے صدیقین اور انبیاء و مقربین کے

زُمرے میں شامل نہیں ہونے دے گا' بلکہ اولیاء کے جوتوں میں جگہ دے گا۔

یہ دینی نقصان کی تفصیل تھی' دنیوی نقصان بھی کچھ کم نہیں'لوگوں کے دلوں کی رعایت بہرصورت پریشانی کا باعث ہے' لوگوں کی خوشنودی ایک ایسی انتہا ہے جہاں پہنچنا آسان نہیں ہے۔ تمہارے ایک عمل سے اگر کوئی شخص خوش ہے تو دوسرا اسی عمل سے ناراض ہے' بعض لوگوں کو ناراض کرکے بعض دوسروں کو خوش رکھا جاسکتا ہے' جو شخص اللہ کی ناراضگی پر مخلوق کی ناراضگی کو ترجیح دیتا ہے اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی اس سے ناراض کردیتا ہے۔ پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ مخلوق کی تعریف سے کیا فائدہ؟ آخر لوگ اللہ کی ناراضگی پر بندوں کی تعریف کو کیوں ترجیح دیتے ہیں؟ جب کہ نہ ان کی تعریف سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے' نہ عمر بڑھتی ہے' اور نہ ان کی تعریف اس دن کام آتی ہے جو صحیح معنٰی میں "فقر و افلاس" کا دن ہے۔

جہاں تک لوگوں کے مال و متاع میں طمع کا تعلق ہے اس سلسلے میں یہ سوچنا چاہیئے کہ تمام قلوب اللہ کے لئے مسخر ہیں' اسے اختیار ہے وہ جس دل کو چاہے دینے پر مائل کردے' اور جس دل کو چاہے دینے سے روک دے تمام مخلوق اللہ کے اختیار کے سامنے مجبور محض ہے رزق صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے' مخلوق سے رزق کی طمع رکھنے والا ذلت و رُسوائی سے نہیں بچتا۔ اگر مراد حاصل بھی ہوجائے تب بھی احسان اور امانت کے بوجھ سے محفوظ نہیں رہتا' جھوٹی امیدوں' خام خیالیوں کے لئے اللہ کی قربت اور اس کی بخشی ہوئی عزت کو ٹھکرانا کتنی بڑی حماقت ہے' پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ آدمی اپنی طمع کے مطابق حاصل کرلینے میں کامیاب بھی ہوجائے' اکثر و بیشتر ناکامی ہی ہاتھ لگتی ہے' کامیاب ہو بھی جائے تو اس کی لذت سی اتنی خوشی نہیں ہوگی جتنی تکلیف اس ذلت سے ہوگی جو احسان کے نتیجے میں ملے گا۔

لوگوں کی مذمت سے ڈرنا بھی حماقت ہے' کیا ان کی مذمت سے نقصان میں اضافہ ہوتا ہے جو کچھ کاتبِ تقدیر نے لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا' نہ مذمت سے موت جلد آئے گی' نہ رزق میں دیر ہوگی' نہ دوزخ میں ٹھکانہ ملے گا اگر جنتی ہے' نہ اللہ کا مبغوض ٹھہرے گا اگر اس کا محبوب ہے تمام بندے عاجز ہیں۔ نہ وہ نفع و ضرر پر قادر ہیں' نہ موت و حیات ان کے بس میں ہے' نہ موت کے بعد کی زندگی پر انھیں اختیار حاصل ہے' قرآن حکیم میں ہے۔

وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا۔ (پ۱۸ ر۱۹ آیت ۳)

اور خود اپنے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی نفع کا اور نہ کسی کے مرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ کسی کے جینے کا اور نہ کسی کو دوبارہ جِلانے کا۔

اگر اس طرح سوچا جائے' اور دل و دماغ کو فکر و تدبّر کی یہ سمت عطا کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ دل میں ریا کی طرف میلان باقی رہے' اس لئے عقلمند آدمی ایسی چیزوں سے رغبت نہیں رکھتا جن میں ضرر زیادہ ہو اور نفع کم ہو' پھر یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ اگر لوگوں کو ریاکار کے باطن کا حال معلوم ہوجائے کہ وہ دل میں ریا کرتا ہے' اور زبان سے خلوص ظاہر کرتا ہے تو وہ نفرت کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی نہ کبھی اس کا بھید کھول ہی دیں گے تاکہ وہ لوگوں کے نزدیک مبغوض ٹھہرے اور وہ اس کی ریاکاری' اور اللہ کے یہاں اس کی رسوائی سے واقف ہوجائیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ آدمی کی صرف ریا ظاہر ہوتی ہے' بلکہ اس کا اخلاص بھی منکشف ہو جاتا ہے' اور اللہ تعالیٰ اسے خلوص کے باعث لوگوں میں محبوب بناتا ہے' انھیں مسخّر کرتا ہے اور ان کی زبانوں کو ان مدح و ثنا میں بولنے کی طاقت بخشتا ہے حالانکہ نہ لوگوں کی مدح کمال ہے' اور نہ ان کی مذمت عیب۔ بنو تمیم کے ایک شاعر نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں یہ دعویٰ کیا "ان مدحی زین وان قدحی شین" میری تعریف آدمی کی زینت ہے اور برائی اس کے حق میں معیوب ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تو جھوٹ کہتا ہے' یہ وصف صرف باری تعالیٰ کا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہوتا۔ لوگوں کی تعریف بلاشبہ زینت اور اس کی مذمت بلاشک عیب ہے۔ آدمی کے مدح و ذم سے کچھ نہیں ہوتا۔ لوگوں کی تعریف میں تجھے خیر کا پہلو نظر آتا ہے اگر تو اللہ کے یہاں مذموم ہے' اور دوزخ تیری تقدیر ہے؟ اور لوگوں کی مذمت تیرے لئے کس

شر کا باعث بن سکتی ہے اگر تو اللہ کے یہاں محبوب ہے اور جنت تیرا مقدر ہے؟

جو شخص اپنے دل میں آخرت کی زندگی' اور اس زندگی میں حاصل ہونے والی لازوال نعمتوں' اور بلند درجات کا استحضار رکھتا ہے وہ دنیاوی زندگی کی ان نعمتوں کو ہیچ سمجھے گا جن میں کدورتیں اور آلائشیں ہیں' وہ اپنے فکر و عمل کی تمام تر قوتوں کو اللہ کے لئے مخصوص کردے گا' ریا کی ذلت' اور لوگوں کے دلوں کو ایذاء پہنچانے سے بچے گا' اس کے خلوص کے انوار کا پَرتو دل پر پڑے گا' جس سے شرح صدر حاصل ہو گا اور شرح صدر کی بدولت لطیف مکاشفات کا در کھلے گا' جن سے اللہ کے ساتھ اُنسیت اور مخلوق سے وَحشت بڑھے گی' دنیا سے نفرت اور آخرت کی عظمت میں اضافہ ہو گا' دل میں مخلوق کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہے گی' دل میں ریا کا داعیہ ہی پیدا نہ ہو گا' اور اخلاص کی راہ خود بخود کھلتی چلی جائے گی۔

ریا کا عملی علاج: ریا کا عملی علاج یہ ہے کہ عبادات مخفی رکھنے کی عادت ڈالے' اور انھیں اس طرح پوشیدہ رکھے جس طرح گناہوں کو چھپایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دل عبادات سے اللہ کے علم و اطلاع پر قناعت کرلے' اور اس کا نفس غیر اللہ کے علم و اطلاع کی ضرورت محسوس نہ کرے' روایت ہے کہ ابو حفص حدادؒ کے کسی رفیق نے دنیا اور اہل دنیا کی مذمت کی' آپ نے فرمایا تم نے وہ بات ظاہر کی ہے جسے چھپانا چاہیئے تھا' آج کے بعد تم ہمارے پاس مت بیٹھنا' غور کیجئے ابو حفص نے ذرا سی بات ظاہر کرنے سے منع فرما دیا' کیوں کہ دنیا کہ مذمت کا دعوی دراصل اپنے زُہد و تقوی کا ڈھنڈورہ ہے۔ ریا کے لئے اخفاء سے زیادہ مؤثر اور کامیاب دوا کوئی اور نہیں ہے' مجاہدے کی ابتدا میں مخفی رکھنے کا عمل نہایت شاق گذرتا ہے' لیکن اگر کچھ عرصے تک اس پر صبر کر لیا جائے اور بہ تکلف سہی اسے عادت بنا لیا جائے تو اس عمل کی گرانی ساقط ہو جائے گی' اور اللہ کے مسلسل اَلطاف و عنایات اور اس کی توفیق' تائید کی بدولت سہولت پیدا ہو جائے گی' لیکن یہاں عمل کا ثمر ملتا ہے' بے عملی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ (پ ۱۳ ر ۸ آیت ۱۱)

واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔

بندہ مجاہدہ کرے تو باری تعالی ہدایت سے نوازتا ہے' بندہ دستک دے تو باری تعالی کی رحمتوں کا دَر کھلتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔ (پ ۱۱ ر ۴ آیت ۲۰)

یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (پ ۵ ر ۳ آیت ۴۰)

اور اگر ایک نیکی ہو گی تو اس کو کئی گنا کردیں گے اور اپنے پاس سے اور اجر عظیم دیں گے۔

دوسری صورت۔ خطرات و عوارض کا انسداد: یعنی ان وساوس اور خطرات کا انسداد کرنا جو عبادت کے دوران قلب پر وارد ہوتے ہیں اور اسے غیر اللہ میں مشغول کردیتے ہیں۔ ان کے اِنسداد کا طریقہ بھی سیکھنا چاہیے' جو لوگ اپنے نفس سے جہاد کرتے ہیں' قناعت' قطع طمع' مخلوق کی نظروں میں خود کو گرادینے' اور ان کے مدح و ذم سے بے اعتنائی برتنے کے عمل کے ذریعے دل سے ریا کی جڑیں نکال دیتے ہیں' شیطان عبادات کے دوران ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا' بلکہ ریا کے خطرات اور عوارض سے انھیں پریشان کرتا ہے' ان کی وساوس' اور نفسانی خواہشات بالکلیہ ختم نہیں ہوتیں' بلکہ مجاہدے سے دَب جاتی ہیں جب خارجی عوامل سے تحریک ملتی ہے وہ پھر اُبھرنے لگتی ہیں اس لئے ریا کے خطرات و عوارض کا دور کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ اور اس کا طریقہ جاننا بھی ناگزیر ہے۔

ریا کے خطرات: ریا کے خطرات تین ہیں۔ کبھی یہ تینوں خطرات بیک وقت وارد ہوتے ہیں' اور بظاہر ایک ہی خطرہ لگتا ہے

اور بعض اوقات بتدریج آتے ہیں' یعنی پہلے ایک' پھر دوسرا' اور اس کے بعد تیسرا' پہلا خطرہ تو یہ ہے کہ عابد لوگوں کی اطلاع اور ان کی اطلاع سے اپنی واقفیت کی آرزو کرے' اس کے بعد نفس میں لوگوں کی مدح و تعریف' اور ان کے نزدیک قدر و منزلت کی رغبت پیدا ہو' پھر نفس اس کو قبول کرے اور اس کے ثبوت پر یقین کرے ان میں سے پہلے خطرے کا نام معرفت ہے' دوسرے کا حالت ہے' اسے شہوت اور رغبت بھی کہہ سکتے ہیں' تیسرے کا نام عزم و ارادہ ہے۔ پہلے خطرے کے انسداد کے لئے زیادہ قوت کی ضرورت ہے' تاکہ دوسرے خطرات کی آمد کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ چنانچہ اگر کسی کے دل میں مخلوق کی اطلاع اور ان کی اطلاع سے اپنی معرفت کا خطرہ وارد ہو تو اسے یہ کہہ کر دور کرے کہ مخلوق سے تجھے کیا مطلب؟ خواہ وہ تیری عبادت سے واقف ہو یا نہ ہوں' ان کے علم یا عدم علم سے تیری عبادت کی مقبولیت یا عدم مقبولیت پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے' اسی کے اختیار میں رَد و قبول ہے' غیر اللہ کے علم سے کیا فائدہ؟۔ اگر دل میں مدح کی خواہش پیدا ہو تو ریا کی آفات کے ذکر سے اس خواہش کا استیصال کرے' اور یہ سوچے کہ اگر میں نے یہ عمل خلوص دل سے نہیں کیا تو قیامت کے دن باری تعالیٰ کے غیظ و غضب کا مستحق ٹھہروں گا' اور اعمال سے اس وقت محروم ہوں گا جب ان کی شدید ضرورت ہوگی۔ جس طرح یہ جاننے سے کہ لوگ ہماری عبادت سے واقف ہیں' ریا کی رغبت اور شہوت جنم لیتی ہے اسی طرح ریا کی آفات کے ذکر سے کراہت اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ رغبت قبول کی اور کراہت انکار کی دعوت دیتی ہے' نفس ان میں سے وہ دعوت قبول کرتا ہے جو زیادہ قوی اور غالب ہو۔

ریا کے خطرات کا سدِّباب : اس سے معلوم ہوا کہ ریا کے خطرات دور کرنے کے لئے تین امور ضروری ہیں' معرفت' کراہت اور انکار' بندہ کبھی عزم و اخلاص کے ساتھ عبادت شروع کرتا ہے' پھر ریا کا خطرہ پیش آتا ہے' اور وہ اسے قبول کرلیتا ہے اس وقت اسے وہ معرفت اور نفرت یاد نہیں رہتی جو دل میں پہلے سے موجود تھی' اس کی وجہ یہ ہے کہ مذمت کا خوف' مدح کی محبت' اور حرص دل پر اتنی غالب آجاتی ہے کہ دوسری چیز کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ اور ریا کی آفات' اور عاقبت کی خرابی کی جو معرفت پہلے سے موجود ہوتی ہے وہ مغلوب ہو جاتی ہے' بلکہ دل میں گنجائش نہ پاکر نکل جاتی ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے دل میں حلم کا خیال رکھے' غضب کو برا سمجھے' اور یہ عزم رکھے کہ اگر غصہ کے اسباب رونما ہوئے تو میں تحمل اور بُردباری سے کام لوں گا' پھر بعض ایسے اسباب پیدا ہوئے جن سے اس کے غصے کی آگ بھڑک اُٹھی' اور دل سے سابق عزم کا خیال نکل گیا اور غیظ و غضب کی آفات نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں' یہی حال شہوت کی حلاوت کا ہے کہ جب دل اس حلاوت سے لبریز ہوتا ہے تو معرفت کا نور چھپ جاتا ہے' حضرت جابرؓ نے اپنی اس روایت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے درخت کے نیچے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ جہاد سے راہ فرار اختیار نہیں کریں گے' موت پر بیعت نہیں کی تھی' لیکن جنگ حنین کے موقع پر ہم نے یہ بیعت فراموش کردی' اور میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے' جب ہمیں یہ کہہ کر آواز دی گئی اے درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والو! تب ہم واپس آئے (مسلم۔ العباسؓ) بیعت کے باوجود میدان جنگ سے اس لئے فرار ہوئے کہ دل خوف سے بھر گئے تھے' اور ثابت قدم رہنے کا عہد ذہن سے نکل گیا تھا' جب وہ عہد یاد دلایا تو واپس آگئے۔

ان تمام شہوات کا یہی حال ہے جو ایک دم جوش میں آتی ہیں' یعنی ان شہوات سے ایمان میں جو ضرر پیدا ہوتا وہ یاد نہیں رہتا' اس سے معلوم ہوا کہ معرفت باقی نہ رہے تو کراہت کا اظہار نہیں ہوتا' کیوں کہ کراہت معرفت کے نتیجے میں ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی انسان یاد بھی کرلیتا ہے' اور جان لیتا ہے کہ جو خطرہ اس کے دل میں وارد ہوا ہے وہ ریا کا خطرہ ہے جو خدا کے غضب کا باعث ہے' لیکن اس پر شہوت اس قدر غالب ہوتی ہے کہ معرفت کے باوجود وہ اس پر اصرار کرتا ہے' ہوائے نفس اس کی عقل پر چھا جاتی ہے' جو لذت ملتی ہے اسے چھوڑ نہیں پاتا' اور توبہ و استغفار کے حیلے بہانے تراش کر دل کو مطمئن کرتا ہے' یا ایسے کام کرتا جن سے اس لذت کی خرابی پر غور کرنے کی مہلت ہی نہ ملے۔ بہت سے علماء ایسے ہیں جن کا کوئی لفظ ریا سے خالی نہیں ہوتا' اور وہ اس سے واقف بھی ہوتے ہیں' اس کے باوجود اجتناب نہیں کرتے' بلکہ اصرار کرتے ہیں۔ یہ اصرار ان پر زبردست حجت ہوگا' کیوں کہ وہ ریا

کی ہلاکت کا علم رکھتے ہوئے بھی ریا کرتے ہیں' حالانکہ محض معرفت ہی کافی نہیں ہے بلکہ معرفت کے ساتھ نفرت بھی ضروری ہے بعض اوقات آدمی معرفت اور کراہت دونوں رکھتا ہے' اس کے باوجود ریا کے دواعی قبول کرتا ہے' اور ان کے بموجب عمل کرتا ہے' کیونکہ شہوت کی قوت کے مقابلے میں کراہت ضعیف ہوتی ہے' ایسی کراہت سے بھی کوئی فائدہ نہیں' اس لئے کہ کراہت کا حاصل تو یہ ہے کہ آدمی فعل سے باز آجائے' فائدہ صرف تین امور کے اجتماع میں ہے معرفت' کراہت' انکار۔ انکار کراہت کا ثمرہ ہے' اور کراہت معرفت کا ردِ عمل ہے' جس قدر ایمان' اور علم کا نور قوی ہوگا اسی قدر معرفت قوی ہوگی' اور جس قدر آدمی کے دل میں دنیا کی محبت ہوگی' آخرت سے غفلت ہوگی' جس قدر وہ اللہ کے انعامات سے منہ موڑے گا' اور دنیوی زندگی کی آفات سے بے پرواہ رہے گا' اور اُخروی زندگی کی لازوال نعمتوں سے اعراض برتے گا اسی قدر معرفت ضعیف ہوگی' یہ ایک سلسلہ ہے' جس کی کڑیاں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں' بعض بعض کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں' اور ان سب کی اصل دنیا کی محبت' اور غلبہ شہوات ہے۔ یہی ہر گناہ کی جڑ' اور خطا کی بنیاد ہے' کیوں کہ جاہ و منزلت کی لذت اور دنیاوی نعمتوں کی محبت ہی آدمی کے دل کو لوٹ لیتی ہے' اور اس کی ایمانی قوت سلب کرلیتی ہے' وہ اس لذت میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ نہ وہ آخرت کو اپنے غور و فکر کا موضوع بنا پاتا ہے' اور نہ کتاب و سنت کے انوار سے استفادہ کرسکتا ہے۔

وساوس پر مواخذہ نہیں : رہا یہ سوال کہ اگر ایک شخص اپنے دل میں ریا کو مکروہ بھی سمجھتا ہو' اور اس کراہت کی بنا پر ریاکارانہ اعمال کا مرتکب بھی نہیں ہوتا بلکہ ان کی نفی کرتا ہے' لیکن وہ ریا کیطرف طبیعت کے میلان اور رغبت سے خالی نہیں ہے' البتہ وہ اپنی رغبت اور میلان کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا آیا یہ شخص بھی ریاکاروں کے زُمرے میں شامل ہے یا ان سے الگ ہے؟ اس سلسلے میں پہلی بات یہ سمجھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بنایا' شیطان کو وسوسہ انگیزی سے روکنا یا طبیعت کو کسی چیز کی طرف مائل نہ ہونے دینا بندے کے دائرۂ اختیار سے خارج ہے' بلکہ اس کے اختیار میں صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنے شہوات کا اس کراہت سے مقابل کرے۔ جو اسے عواقب کے علم' دین کی معرفت' اللہ' اور یوم آخرت پر ایمان کی وجہ سے حاصل ہوا ہے' اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے وہ گویا اپنا فریضہ ادا کرتا ہے اور وہ حکم بجالاتا ہے جس کا اسے مکلّف قرار دیا گیا ہے۔ اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں اپنی حالت کا شکوہ کیا کہ ہم لوگوں کے دلوں میں کبھی کبھی ایسے ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ ہم بیان نہیں کرسکتے ہیں' ان خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانے سے بہتر تو یہ ہے کہ ہم آسمان سے گرا دیئے جائیں یا پرندے ہمیں اُچک لیں' یا ہمیں آندھی اُڑا کرلے جائے اور کسی دور دراز جگہ پھینک دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کیا تم انہیں مکروہ بھی سمجھتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہی صریح ایمان ہے (مسلم۔ ابن مسعودؓ) غور کیجئے صحابہ کرام کے دلوں میں سوائے وساوس اور ان کی کراہت کے کیا تھا' یہ ممکن نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وسوسوں کو صریح ایمان فرماتے' پھر اس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اس کراہت کو صریح ایمان قرار دیا جو ریا کے ساتھ واقع ہوئی ہو' ریا اگرچہ بری ہے' مگر اس کی برائی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں وسوسہ کرنے سے کم ہے' جب کراہت کی بنا پر وساوس کا ضرر ختم ہوگیا تو ریا کا ضرر ختم ہوگا۔ اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ کَیْدَ الشَّیْطَانِ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ (ابوداؤد' نسائی)

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے شیطان کے مکر کو وسوسہ کی طرف لوٹا دیا۔

ابو حازم فرماتے ہیں کہ جس خطرے کو تیرا نفس اپنے لئے برا سمجھے اور وہ دشمن کی طرف سے ہو تو کوئی ضرر نہیں' اور جس خطرے پر تیرا نفس راضی ہو تو اس پر نفس کو ملامت کر' اس سے معلوم ہوا کہ شیطان کا وسوسہ اور نفس کا نزاع مُضر نہیں بشرطیکہ شیطان اور نفس کراہت و انکار پر غالب نہ آجائیں' خواطر یعنی ان اسباب کا تذکرہ اور تخیّل جن سے ریا جوش میں آئے شیطان کی

طرف سے ہوتا ہے' اوران تذکرات اور تخیلات کی طرف میلان اور رغبت نفس کا عمل ہے' اور کراہت ایمان اور عقل کے آثار میں سے ہے' تاہم یہاں بھی شیطان ایک جال بچھاتا ہے' جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ بندہ عابد ریا کا منکر ہے' اور میں اسے ریا پر مائل کرنے میں ناکام ہوچکا ہوں تو اس کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ تیرے قلب کی صلاح و بہتری اسی میں ہے کہ تو شیطان سے مجادلہ کرے' شیطان اس عابد کو اپنے ساتھ مجادلے میں مصروف کردیتا ہے۔ اور اس مجادلے کو زیادہ سے زیادہ طول دینے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اس سے اخلاص' اور حضورِ قلب کا ثواب سلب ہو جائے' کیوں کہ شیطان کے ساتھ مجادلے میں مشغول رہنا' اور اس سے اپنے دفاع کی کوشش کرنا اللہ تعالٰی کی مناجات سے باز رہنا ہے' اور تقرّب مع اللہ کے لئے نقصان کا باعث ہے۔

ریا کے خواطر دُور کرنے والوں کا درجات: جو لوگ ریا کے خواطر دفع کرتے ہیں وہ چار مراتب پر ہیں' ایک وہ لوگ جو خواطر کو شیطان پر لوٹا دیتے ہیں' اس کی تکذیب کرتے ہیں' پھر تکذیب ہی پر اکتفا نہیں کرتے' بلکہ اس کے ساتھ مجادلے میں بھی مشغول ہو جاتے ہیں' اور یہ سمجھ کر مجادلے کو طول دیتے ہیں کہ اسی میں قلب کی سلامتی ہے' حالانکہ اس میں سَراسر نقصان ہے' کیوں کہ شیطان کے ساتھ مجادلہ کرنے کے وقت عابد اللہ تعالٰی کے ساتھ مناجات نہیں کرپاتا' اور نہ اس خیر کو حاصل کرپاتا ہے جسے حاصل کرنا اس کے فرائض میں شامل ہے' مسافر اگر راستے میں راہزنوں سے برسرپیکار ہونے لگیں تو منزل پر دیر سے پہنچیں گے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ منزل ہی پر نہ پہنچیں' راستے ہی میں کہیں اُلجھ کر رہ جائیں اس لئے رَاہزنوں سے بچ کر نکلنا بہتر ہے۔

دوسرے مرتبے میں وہ لوگ ہیں جو جدال و قتال کو سلوک کے لئے نقصان دہ تصوّر کرتے ہیں' اس لئے وہ صرف شیطان کی تکذیب و تردید پر اکتفا کرتے ہیں اس کے ساتھ مجادلے میں وقت ضائع نہیں کرتے۔

تیسرے درجے میں وہ لوگ ہیں جو شیطان کی تردید و تکذیب میں بھی مشغول نہیں ہوتے' کیونکہ یہ بھی ایک وقفہ ہے' بلکہ وہ ریا کی کراہت اور شیطان کی کِذب بیانی کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں' اور جس کام میں وہ مشغول ہیں اسی میں لگے رہتے ہیں' تکذیب اور مخاصمت میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔

چوتھے درجے میں وہ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسباب ریا کی مخالفت سے شیطان ہم سے حسد کرے گا اور ہمارے درپے ہوگا وہ یہ عزم کرلیتے ہیں کہ شیطان کتنی ہی دشمنی کیوں نہ کرے ہم اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں گے' صدقات دیں گے اور زیادہ سے زیادہ نیک کام کریں گے اور انہیں مخفی رکھیں گے تاکہ شیطان اپنے غصے کی آگ میں خود ہی جلتا رہے۔ ہمارا یہ عمل اس کے اندر مایوسی پیدا کردے گا اور وہ مجبور ہو کر ہمارا راستہ چھوڑ دے گا۔

حضرت فضیل ابن غزوان سے کسی نے عرض کیا کہ فلاں شخص آپ کا ذکر برائی کے ساتھ کرتا ہے آپ نے فرمایا واللہ! میں اس کو جلاؤں گا جس نے اسے اس گناہ پر آمادہ کیا ہے' اس شخص نے پوچھا بھلا کس نے حکم دیا ہے آپ کس کو حسد کی آگ میں جلائیں گے؟ آپ نے فرمایا: شیطان نے' اے اللہ! اس شخص کی مغفرت کر جس نے مجھے برا کہا' پھر فرمایا کہ میری اس دعا سے شیطان کے تن بدن میں آگ لگ گئی ہوگی کہ میں نے اللہ کی طاعت کی' جب وہ کسی بندے کی یہ عادت دیکھتا ہے تو خود بخود اس کے راستے سے الگ ہو جاتا ہے' اس خوف سے کہ کہیں میں اس کی نیکیوں میں اضافے کا باعث نہ بن جاؤں۔ ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ شیطان بندے کو کسی گناہ کی دعوت دیتا ہے' جب وہ بندہ دعوت ٹھکرا دیتا ہے' اور گناہ میں پڑنے کے بجائے کوئی اچھا عمل کرتا ہے تو شیطان اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا' یہ بھی انہی کا قول ہے کہ جب تم تردّد میں رہتے ہو تو شیطان تمہاری طمع کرتا ہے لیکن جب وہ تمہیں کسی نیک عمل پر قائم دیکھتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔

مذکورہ مراتب کی مثال:۔ حرث محاسبی نے ان چاروں کی ایک خوبصورت مثال دی ہے فرماتے ہیں' ان کی مثال ایسی ہے جیسے چار آدمی کتاب و سنّت کی مجلس کا قصد کریں' اور نیت یہ ہو کہ وہ اس مجلس کے ذریعۂ ہدایت' رُشد اور فضل حاصل کریں گے' اور

کوئی گمراہ بدعتی ان چاروں سے حسد کرنے لگے' اور یہ سوچے کہ اگر وہ مجلس علم میں جاکر حق شناس ہو گئے تو میں انھیں بہکا نہ سکوں گا' اس لئے کوئی سبیل ایسی کرنی چاہیئے کہ یہ لوگ مجلس میں نہ جانے پائیں' اس خیال سے وہ ایک شخص کے پاس جائے اسے منع کرے' مجلس علم میں جانے سے روکے' اور گمراہوں کے راستے پر چلنے کی دعوت دے' لیکن وہ یہ دعوت ٹھکرا دے' گمراہ بدعتی اس سے مجادلہ کرے' اور وہ بھی اس کے ساتھ مجادلے میں مشغول ہو جائے' اور یہ سمجھے کہ اس وقت مجلس علم میں جانے کے بجائے اس بدعتی سے مجادلہ کرنا ہی مصلحت کے مطابق ہے' حالانکہ یہ سمجھنا غلط ہے' بلکہ مجادلے میں مشغول کرکے مجلس علم میں جانے سے روکنا ہی گمراہ بدعتی کا منشاء ہے' تاکہ وہ مجلس علم کے اُجالوں سے محروم رہ جائے' خواہ تھوڑی ہی دیر کے لئے سہی' اب وہ گمراہ دوسرے شخص کے پاس پہنچا اور اسے مجلسِ علم میں جانے سے روکا' اور پہلے شخص کی طرح اسے بھی مجادلے میں مشغول کرنا چاہا' لیکن اس نے مجادلہ نہیں کیا' بلکہ اسے دھکا دے کر آگے بڑھ گیا' وہ گمراہ اس وقفے سے بھی خوش ہوتا ہے جس میں اس نے دھکا دینے کا عمل کیا' تیسرے شخص نے گمراہ کرنے والے کی دعوت پر قطعاً "کان نہ دھرے" بلکہ جس طرح وہ مجلسِ علم میں جاتا رہا تھا اسی طرح چلا گیا' گمراہ کی آرزو اس کی بے اِلتفاتی سے مایوسی میں بدل گئی' اب چوتھے شخص کے باری آئی' اس نے بھی گمراہ کے لئے توقف نہیں کیا۔ بلکہ اسے مزید غضب ناک اور مایوس کرنے کے لئے تیز تیز قدم اٹھائے اور مجلسِ علم میں جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کی۔ اگر اتفاق سے چاروں آدمی ایک ہی وقت میں مجلس علم میں پہنچنے کے لیے اس گمراہ بدعتی کے سامنے سے گذریں تو اول الذکر تینوں افراد سے چھیڑ چھاڑ کرے گا' لیکن چوتھے کے قریب بھی نہیں آئے گا کہ کہیں میری دعوت اس کے لئے مزید نیکی کا باعث نہ بن جائے۔

شیطان سے بچنے کی تدبیر کی جائے یا نہیں؟:۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شیطان کے وساوس سے کوئی محفوظ نہیں تو اس سے بچنے کی تدبیر اس کی آمد کے بعد کرنی چاہیئے یا پہلے ہی سے اس کا منتظر رہنا چاہیئے تاکہ وہ آئے تو اس کا مقابلہ کیا جاسکے' اور وہ گمراہی نہ پھیلا سکے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان سے بچنے کے بارے میں تین قول ہیں۔ بصرہ کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ پختہ کار عبادت گذاروں کو شیطان سے بچنے کے لئے کسی تدبیر کی ضرورت نہیں' وہ اس سے مستغنی ہیں کیونکہ وہ سراپا اللہ کی طرف متوجّہ ہو چکے ہیں' اور اس کی محبت میں غرق ہو چکے ہیں' اور اس حالت کو پہنچ چکے ہیں کہ شیطان کے لئے ان سے مایوس ہو جانا ہی بہتر ہے' جس طرح وہ بوڑھے عابدوں کو شراب نوشی اور زنا کے راستے پر نہیں ڈال پاتا اس طرح ان مضبوط عابدوں کو بھی گناہ پر آمادہ نہیں کرپاتا دنیا کی لذّتیں۔ مباح ہونے کے باوجود۔ ان کی نظروں میں شراب اور خنزیر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں اس لئے وہ ان لذات سے لاتعلق ہو جاتے ہیں' شیطان انھیں گمراہ کرنے کا کوئی راستہ ہی نہیں پاتا۔ اس لئے اس سے بچنے کی تدبیر کرنا بیکار ہے۔ ایک شامی فریق کے خیال میں ان لوگوں کو شیطان سے بچنے کی تدبیر کرنی چاہیئے جن کا یقین مضمحل اور توکّل کمزور ہو' جو شخص اس عقیدے پر کامل یقین رکھتا ہو کہ تدبیر میں اللہ کا کوئی شریک نہیں کسی غیر سے نہیں ڈرتا' وہ یہ جانتا ہے کہ شیطان ایک ذلیل مخلوق ہے' اسے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے' جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے' وہی نفع و ضرر کا مالک ہے' عارفِ حقیقی کو غیراللہ سے ڈرنے میں شرم آتی ہے' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین اسے غیراللہ سے بے نیاز بھی کردیتا ہے اہلِ علم کا ایک فرقہ کہتا ہے کہ شیطان سے ضرور ڈرنا چاہیئے' بصریوں کا یہ کہنا ہے کہ حقیقی عارف کو جو دنیا کی محبت سے خالی ہو شیطان کا ڈر نہیں رہتا شیطانی فریب ہے' کیا عجب ہے کہ آدمی اس بات سے دھوکا کھا جائے اس لئے کہ جب انبیاء علیہم السلام تک شیطانی وساوس سے محفوظ نہیں رہ سکے تو دوسرے کیسے بچ سکتے ہیں پھر شیطان صرف دُنیاوی شہوات اور لذات ہی میں وسوسے پیدا نہیں کرتا بلکہ اللہ کی ذات و صفات میں شکوک کے دروازے کھولتا ہے' اور بدعت و گمراہی میں بھی وسوسے ڈالتا ہے۔ اس کے خطرے سے کوئی خالی نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ آيَاتِهِ۔ (پ ۱۷ ر ۱۴ آیت ۵۳)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کچھ پڑھا شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ ڈالا' پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو نیست و نابود کردیتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو زیادہ مضبوط کردیتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

انہ لیغان علی قلبی۔ (مسلم)

میرے دل پر زنگ ہو جاتا ہے۔

حالانکہ آپ کا شیطان مسلمان ہوگیا تھا' اور وہ صرف خیر کے لئے کہا کرتا تھا' جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء بھی شیطانی فریب سے نہ بچ سکے' حضرت آدم اور حوا علیہما السلام جنت میں تھے جو امن' سلامتی اور مسرّت کا گھر ہے' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر یہ واضح کردیا تھا:

إِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحٰى۔ (پ ۱۶ ر ۱۶ آیت ۱۱۷-۱۱۹)

یہ بلا شبہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے' سو کہیں تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے' پھر تم مصیبت میں پڑ جاؤ یہاں تو تمہارے لئے (آرام) ہے کہ نہ تم بھوکے رہو گے' اور نہ ننگے ہو گے' اور نہ یہاں پیاسے رہو گے اور نہ دھوپ میں تپو گے۔

جنت کی تمام نعمتیں ان کے لئے مباح تھیں' صرف ایک درخت ایسا تھا جس سے انہیں منع کیا گیا تھا لیکن شیطان نے انھیں باری تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسایا' اور یہ درخت کھانے پر آمادہ کیا' اس سے معلوم ہوا کہ جب نبی جنت میں رہ کر شیطان کے مکر و فریب سے نہ بچ سکے تو غیر نبی کی کیا مجال ہے کہ وہ اس ناپائیدار دنیا میں جو فتنوں کا گھر' مصیبتوں کا گہوارہ' اور تمام ممنوعہ لذّات کا منبع ہے رہ کر شیطان سے بچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے۔

هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ (پ ۲۰' ر ۵' آیت ۱۵)

یہ شیطانی عمل ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو اس سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ (پ ۸' ر ۱۰' آیت ۲۷)

اے آدم کی اولاد! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمہارے دادا دادی کو جنت سے باہر کردیا۔

ایک جگہ شیطان کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (پ ۸' ر ۱۰' آیت ۲۷)

وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔

قرآن کریم میں شروع سے آخر تک شیطان سے بچنے اور ڈرتے رہنے کی ہدایات ہیں۔ اس صورت میں کون یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اسے شیطان کا خوف نہیں یا وہ شیطان کے وسوسوں سے محفوظ و مأمون ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب شیطان سے بچنا محبت الٰہی میں اشتغال کے لئے مانع نہیں ہے' کیونکہ اسی محبت کے وجہ سے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی ہے' اس دشمن سے نبرد آزما ہونے کی اسی طرح ہدایت فرمائی گئی ہے جس طرح کفّار سے لڑنے اور پوری تیاری کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے کا

حکم دیا گیا ہے' ارشاد فرمایا:۔

وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ (پ۵' ر۱۲' آیت ۱۰۲)

اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں۔

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ (پ۱۰' ر۴' آیت ۶۰)

اور ان کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو۔

اس سے ثابت ہوا کہ جب کافر دشمن سے۔ جسے تم دیکھتے ہو۔ حذر کرنا ضروری ہے تو اس دشمن سے حذر اس سے بھی زیادہ ضروری ہوگا جسے تم دیکھتے ہی نہیں ہو' اور وہ تمہیں دیکھتا ہے' اور دشمن ایمان ہونے کی بنا پر شیطان کفار کے مقابلے میں اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے حذر کیا جائے۔ محمد ابن محیریز کہتے ہیں اس شکار پر تم آسانی سے قابو پا سکتے ہو جسے تم دیکھ رہے ہو' اور وہ تمہیں نہ دیکھ رہا ہو' وہ شکار تمہاری دسترس سے باہر ہے جو تمہیں دیکھ رہا ہو اور تم اسے نہ دیکھ رہے ہوں' اس سے معلوم ہوا کہ شیطان پر قابو پانا بہت مشکل ہے' پھر کافر دشمنوں کے ذریعہ اگر غفلت میں قتل بھی ہو جائے تو بھی شہادت کا درجہ ملے گا' لیکن اگر شیطان نے غافل پا کر ہلاک کر دیا تو دوزخ کی آگ میں جلے گا اور دردناک عذاب پائے گا۔ حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مشغول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہو' اور بچنے کی تاکید کی ہو اس سے نہ ڈرے اور بچنے کی تدبیر نہ کرے' اور یہ سمجھے کہ میرا حذر اللہ کے ذکر و فکر میں اشتغال سے مانع ہے۔

اسباب توکّل کے منافی نہیں:۔ اس تفصیل سے اس شامی گروہ کا خیال بھی باطل ہو گیا جو حذر و احتیاط کو توکّل کے منافی قرار دیتے ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ بھی لیا ہے' ڈھال بھی پہنی ہے' فوج بھی تشکیل دی ہے' خندقیں بھی کھدوائی ہیں' دشمنوں پر غلبہ پانے کے لئے جنگی تدبیروں پر بھی عمل کیا ہے' کیا آپ کا یہ اسوہ اور طرز عمل توکّل کے خلاف تھا؟ جس چیز سے اللہ نے حذر کرنے کی تلقین فرمائی ہے اس سے حذر کرنا توکّل کے منافی کیسے ہو سکتا ہے؟ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ توکّل کے معنیٰ ہیں اسباب سے لاتعلق رہنا' وہ غلط فہمی کا شکار ہیں' ان کی غلطی ہم نے توکّل کے باب میں واضح کر دی ہے' اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ" توکّل کے منافی نہیں ہے' بشرطیکہ دل میں یہ اعتقاد ہو کہ نفع و ضرر' اور موت زندگی سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اس طرح شیطان سے حذر کرے اور یہ یقین رکھے کہ ہدایت و گمراہی اللہ کی مشیت پر منحصر ہے' اسباب صرف ذریعہ ہیں' جیسا کہ توکّل کے باب میں ہم نے لکھا ہے' حرث محاسبی نے اسی قول کو پسند کیا ہے' نور علم سے اسی کی تصدیق ہوتی ہے' اس سے پہلے جو دو قول نقل کئے گئے ہیں وہ ایسے عابدوں کے معلوم ہوتے ہیں جنھیں علم میں کچھ زیادہ گہرائی حاصل نہیں ہے' اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ استغراق باللہ کے جو احوال ان پر کبھی کبھی طاری ہوتے ہیں وہ ہمیشہ باقی رہیں گے' حالانکہ ایسا ہونا بہت مشکل ہے۔

شیطان سے حذر کی کیفیت:۔ پھر وہ گروہ جو شیطان سے حذر کا قائل ہے حذر کی کیفیت میں مختلف ہو گیا ہے' کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنی سے ڈرایا ہے تو اب یہ مناسب نہیں کہ ہمارے دلوں پر کوئی چیز اس کے ذکر اور اس کے خوف سے زیادہ غالب ہو' ایک لمحے کی غفلت بھی ہمیں ہلاک کروا لے گی' کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر وقت شیطان کا خوف' اور اسے بچنے کا خیال دل کو اللہ کے ذکر سے غافل کر دے گا' اور یہی شیطان کی مراد ہے' شیطان ہم سے یہی چاہتا بھی ہے بلکہ ہمیں اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیئے اور شیطان کو بھی نہ بھولنا چاہیئے' نہ اس کی عداوت فراموش کرنی چاہیئے بلکہ دل میں ہر وقت یہ خیال بھی رہنا چاہیئے کہ اس سے بچنا اشد ضروری ہے' اور نہ اس کے خیال میں اتنا استغراق ہونا چاہیئے کہ اللہ کا ذکر یاد نہ رہے۔ دونوں چیزوں کا اجتماع ضروری ہے کیوں کہ اگر ہم شیطان کو بھول گئے تو ہو سکتا ہے وہ ہم پر اس طرح حملہ آور ہو کہ گمان بھی

نہ ہوسکے اور اگر صرف اسی کو یاد رکھا تو اللہ کے ذکر سے محروم رہے' اس لئے شیطان سے حذر اور اللہ کا ذکر دونوں باتیں ضروری ہیں۔
محققین علماء کا قول فیصل یہ ہے کہ دونوں فریق غلطی پر ہیں' پہلے فریق کی غلطی یہ ہے کہ اس نے شیطان کے ذکر پر اکتفا کیا اور ذکر اللہ کو اہمیت نہ دی' اس کی غلطی انتہائی واضح ہے' اللہ نے ہمیں شیطان سے بچنے کا اس لئے حکم دیا ہے' تاکہ ہم اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوں' شیطان کی یاد ہمارے دل میں سب چیزوں پر غالب ہوسکتی ہے' اس میں سراسر نقصان ہے' کیوں کہ شیطان کی یاد کے غلبے کا حاصل یہ ہے کہ دل ذکر اللہ کے نور سے خالی ہو' شیطان اس طرح کے دلوں کا قصد کرے گا اور جن میں ذکر اللہ کا نور' اور یادِ الٰہی میں مشغولیت کی قوت نہ پائے گا انھیں منخ کرنے میں کامیاب ضرور ہوگا' کوئی طاقت اس کی مزاحم نہ بن سکے گی' ہمیں شیطان کے مسلسل انتظار' اور اس کے دوامِ ذکر کا حکم نہیں دیا گیا۔ دوسرا فریق بھی پہلے فریق کی غلطی میں شریک ہے' کیوں کہ اس نے بھی اللہ کے ذکر' اور شیطان کی یاد میں اجتماع کیا ہے' اس کا حاصل یہ ہے کہ بندہ کے دل میں شیطان کی جس قدر یاد ہوگی اسی قدر وہ ذکرِ الٰہی کے نور سے محروم ہوگا۔ حالانکہ اللہ نے ہمیں اپنے ذکر کا حکم دیا ہے' اللہ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ یاد رکھنے کی قابل نہیں ہے۔ خواہ وہ شیطان ہو' یا شیطان کے علاوہ کوئی اور چیز ہو' حق بات یہ ہے کہ بندہ اپنے دل میں شیطان سے ڈرے' اور اس کی دشمنی پر یقین رکھے' جب یہ یقین راسخ ہو جائے' اور دل میں اس کا خوف اچھی طرح جاگزیں ہو جائے تو اللہ کے ذکر میں مشغول ہو' اور اسی میں لگا رہے' اب شیطان کا ذرا بھی تصوّر نہ کرے' کیوں کہ اب اس کے خوف کو اپنے اوپر مسلّط کرنے کی ضرورت نہیں ہے' دل میں عداوت کا خیال مستحکم ہو چکا ہے' اس صورت میں اگر شیطان نے وسوسے پیدا کئے تو دل مطّلع ہو جائے گا اور ان کا ازالہ کر دے گا۔ اللہ کے ذکر میں مشغول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دل کو شیطانی وسوسوں کی اطلاع نہ ہوگی' اگر کسی شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ میں صبح سویرے نہ اٹھا تو فلاں کام نہ ہو پائے گا تو وہ رات میں بار بار چونکتا ہے' حالانکہ وہ سونے میں بھی مشغول رہتا ہے' لیکن صبح سویرے آنکھ نہ کھلنے کے خوف سے بار بار اٹھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہونا وساوس پر مطّلع ہونے میں مانع نہیں ہے۔

صرف وہی قلوب دشمن پر قدرت پاتے ہیں جو اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں' اور جن سے نفسانی ہوس فنا ہو جاتی ہے' علم و عقل کا نور شہوت کی تاریکی پر غالب آجاتا ہے۔ اہلِ بصیرت ہی اپنے دلوں کو شیطان کی عداوت کا احساس دلاتے ہیں' اور اس بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ شیطان کے ذکر میں مشغول نہیں ہوتے' بلکہ یادِ حق سے اپنا معمورۂ قلب آباد کرتے ہیں' ذکر اللہ کے نور سے دشمن کے شر پر غلبہ پاتے ہیں' اور اس کی روشنی سے شیطانی وسوسوں کے اندھیرے مٹا دیتے ہیں' دل کی مثال ایسی ہے جیسے پاک و صاف پانی کا چشمہ جاری کرنے کے لئے کنویں کو نجاست سے پاک کرنا' شیطان کے ذکر سے دل میں نجاستیں رہ جاتی ہیں' جو شخص اللہ کے ذکر اور شیطان کی یاد میں اجتماع کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص ایک طرف سے کنواں صاف کرے اور دوسری طرف سے نجاست ڈال دے' اس طرح کنواں کبھی صاف نہ ہوسکے گا' خواہ مخواہ مشقت اٹھاتا رہے گا' صاحبِ بصیرت وہ ہے جو نجاست کی راہ بند کردے اور کنویں کو صاف پانی سے بھردے' اب نجاست آئے گی بھی تو راہ نہ پاکر رک جائے گی' اور کنویں کا پانی آلودہ نہ ہوگا۔

اِطاعت کے اِظہار کا جواز

جس طرح چھپ کر عمل کرنے میں اخلاص' اور ریا سے نجات کا فائدہ ہے اسی طرح ظاہر کرنے میں بھی یہ فائدہ ہے کہ لوگ اتباع کریں گے' اور ان میں خیر کی رغبت پیدا ہوگی' لیکن اس میں ریا کی آفت سے مفر نہیں ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں: مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو چکی ہے کہ چھپانا زیادہ محفوظ طریقہ ہے البتہ اظہار میں بھی فائدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خفیہ اور علانیہ دونوں کی تعریف کی ہے۔ ارشاد فرمایا:

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ (پ ۳ ر ۵ آیت ۲۷۱)

اگر تم ظاہر کر کے دو صدقوں کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفاء کرو اور فقیروں کو دیدے تو یہ اخفاء تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔

اظہار کی دو قسمیں ہیں' ایک نفس عمل کو ظاہر کرنا' دوسرے عمل کرے کے بتلا دینا۔

پہلی قسم۔ نفس عمل کا اظہار:۔ جیسے مجمع عام میں صدقہ دینا تاکہ لوگوں کو ترغیب ہو' اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ صدقہ دیں' جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری صحابیؓ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت اقدس میں دراہم کی تھیلی پیش کی: ان کے دیکھا دیکھی دوسرے صحابہ بھی لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من سن سنة فعمل بها كان له أجرها وأجر من اتبعه (مسلم۔ جریر ابن عبد اللہ بجلی)

جس نے ایک سنتِ حسنہ جاری کی اور اس پر عمل کیا تو اسے اس عمل کا ثواب تو ملے گا ہی اس کی اِتباع کرنے والے کا ثواب بھی ملے گا۔

اس طرح روزہ' نماز' حج' جہاد وغیرہ اعمال ہیں' البتہ صدقات میں تقلید کرنا طبائع پر غالب ہے' نمازی جب جہاد فی سبیل اللہ کے لئے گھر سے نکلے تو اسے لوگوں کے سامنے تیاری کرنی چاہیئے تاکہ لوگوں کے دلوں میں جہاد کا شوق پیدا ہو' یہ اظہار اس لئے اصل ہے کہ غزوہ دراصل ظاہری عمل ہے' اس میں اخفاء ممکن ہی نہیں ہے' جہاد کی تیاری کے لئے سبقت کرنا اعلان نہیں ہے بلکہ وہ محض ترغیب و تحریض ہے۔ اسی طرح رات میں نماز پڑھتے ہوئے زور زور سے قرأت کرنا' یا باآواز بلند تکبیر وغیرہ کہنا۔

حاصل یہ ہے کہ جن اعمال کو خفیہ ادا کرنا ممکن نہ ہو مثلاً جہاد اعمال خفیہ ادا کئے جاسکتے ہوں جیسے نماز اور صدقات تو یہ دیکھنا چاہیئے کہ صدقہ کے اظہار سے کسی غریب کو تکلیف تو نہیں ہوتی' اگر ہوتی ہو تو مخفی رکھنا افضل ہے' کیونکہ کسی کو تکلیف پہنچانا حرام ہے۔ اگر اس میں کسی قسم کی ایذا نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے' ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ اخفاء اعلان سے افضل ہے' اگرچہ اس میں اقتداء کی ترغیب ہو' اور بعض لوگوں کے نزدیک اخفاء اس اظہار سے افضل ہے جس میں اقتداء کی ترغیب نہ ہو' اور جس میں اقتداء کی ترغیب ہو وہ اخفاء سے افضل ہے' اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو اقتداء کے لئے اظہارِ عمل کا حکم دیا ہے۔ منصبِ نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اعمال کی افضلیت سے محروم ہوں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی بھی اظہار کی افضلیت پر دلالت کرتا ہے:۔

له اجرها واجر من عمل بها۔ (مسلم)

اس کے لئے اس عمل کا اجر بھی ہے' اور اس پر عمل کرنے والے کا اجر بھی ہے۔

حدیث میں روایت ہے:۔

ان عمل السر يضاعف على عمل العلانية سبعين ضعفا' و يضاعف عمل العلانية اذا استن بعامله على عمل السر سبعين ضعفا۔ (بیہقی۔ ابوالدرداءؓ' عائشہؓ)

خفیہ عمل کا ثواب اعلانیہ کے مقابلے میں ستّر گنا زیادہ ہے اور اعلانیہ عمل کا ثواب اگر دوسرے لوگ اس کے عمل کی اقتداء کریں خفیہ عمل کے مقابلے میں ستّر گناہ زیادہ ہے۔

اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش بھی نہیں' اس لئے کہ جب دل ریا سے پاک ہو' اور دونوں ہی صورتوں میں عمل اخلاص تمام ہوا ہو تو وہ عمل افضل ہوگا جس کی لوگ اقتدا کریں اور جسے دیکھ کر ان میں بھی ایسا ہی کرنے کی حرص پیدا ہو' ریا کا خطرہ بہرحال ہے' اگر عمل ریا سے آلودہ ہو گیا تب دوسرے کی اقتداء سے کیا فائدہ ہوگا؟ اس صورت میں بلا اختلاف خفیہ عمل بہتر ہے۔

اظہار کی شرائط:۔ البتہ عمل ظاہر کرنے والے کی دو ذمّہ داریاں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ ان لوگوں کے سامنے اپنا عمل ظاہر کرے

جن کے بارے میں یقین رکھتا ہو کہ وہ اس کی اقتداء کریں گے یا اقتداء کا گمان ہو' ایسا ہوتا بھی ہے کہ ساری دنیا کسی ایک شخص کی اقتداء پر اتفاق نہیں کرسکتی۔ ایک شخص کی اقتداء اس کے گھر والے کرتے ہیں پڑوسی نہیں کرتے' دوسرے کی اقتداء پڑوسی کرتے ہیں لیکن بازار والے نہیں کرتے' کسی تیسرے کی اقتداء اس کے محلے کے علاوہ کہیں دوسری جگہ نہیں ہوتی' مشہور و معروف عالم کی اقتدا بیشتر لوگ کرلیتے ہیں' عالم نے اگر اپنی بعض عبادتیں ظاہر بھی کردیں تو کیا تعجّب ہے کہ لوگ اسے ریا اور نفاق پر محمول نہ کر بیٹھیں اور اس کی اقتداء کرنے کے بجائے مذمّت کریں' ایسے شخص کو اپنا عمل ظاہر ہی نہیں کرنا چاہیئے کیوں کہ لوگ اقتداء نہیں کریں گے' اظہار سے جو مقصد ہوگا وہ پورا نہیں ہوگا۔ اقتداء کی نیت سے اظہار صرف اس شخص کو کرنا چاہیئے جو مقتدا بننے کی صلاحیت رکھتا ہو' دوسری ذمّہ داری یہ ہے کہ اپنے دل کی نگرانی رکھے' ہوسکتا ہے کہ اس کے دل کے کسی گوشے میں ادنیٰ ریا موجود ہو' اور اسی ریا کی وجہ سے مقتدا بن جاؤں' اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ مقتدا بننے کے شوق میں عمل ظاہر کرتے ہیں' اخلاص کی قوت سے سرفراز افراد ایسے نہیں ہوتے' اگرچہ ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے ریا کار منافق زیادہ ہیں۔ جن لوگوں کا سررشتہ اخلاص کے پکّے دھاگوں سے بندھا ہوا ہو وہ ہرگز اپنے نفسوں کو اقتداء اور پیروی کا فریب نہ دیں' اس میں ہلاکت کا اندیشہ ہے۔

ضعیف کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو اچھی طرح تیرنا نہ آتا ہو اور وہ دوسروں کو ڈوبتا دیکھ کر خود بھی موجوں سے ٹکر لینے کی کوشش کرے' اس صورت میں وہ تمام ڈوبنے والے اسے لپٹ جائیں گے خود بھی غرق ہوں گے اور اسے بھی غرقاب کردیں گے' پانی میں ڈوبنے کی تکلیف تو چند لمحوں کی ہے' اگر ریا سے ہلاکت کی تکلیف کا عرصہ بھی اتنا ہی مختصر ہوتا تو کوئی ملال نہ تھا اس کا عذاب تو دائمی ہے۔

ریا' ایک ابتلائے عام:۔ ریا ایک ایسی بیماری ہے جس میں عابد و عالم سب ہی گرفتار ہو جاتے ہیں' وہ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح طاقتور اپنے اعمال ظاہر کرتے ہیں اسی طرح ہم بھی کریں' حالانکہ ان کے دل اخلاص کی طاقت سے محروم ہوتے ہیں' اظہار سے ان کے تمام اعمال باطل ہو جاتے ہیں' ریا کا اندازہ لگانا بہت دشوار ہے' اس کا طریقہ کہ اظہار میں ریا ہے یا نہیں یہ ہے کہ اپنے آپ سے یہ سوال کرے کہ اگر کوئی دوسرا عابد اعمال کے اظہار سے مقتدا بن جائے تو آیا میں مخفی عمل کو ترجیح دوں گا یا اظہار کی خواہش کروں گا' اگر اس کے باوجود نفس یہ چاہے کہ میں ہی مقتدا بنوں تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ میرا اظہار خلوص کی نیت کے ساتھ نہیں ہے' نہ مجھے اجرو ثواب کی طلب ہے' بلکہ میں ریا کے لئے ایسا کررہا ہوں' میرا مقصد یہ بھی نہیں کہ لوگوں میں اقتدا کا جذبہ پیدا ہو' اور انھیں عمل خیر کی ترغیب ہو' کیوں کہ ترغیب تو دوسرے عابدوں کو بھی دیکھ کر پیدا ہوسکتی ہے' ثواب بھی مخفی رکھنے ہی میں زیادہ ہے اظہار کی طرف دل کے میلان کا مطلب یہ ہیکہ میں لوگوں میں مقبول ہونے کے لئے ایسا کرنا چاہتا ہوں۔

بندے کو نفس کے فریب سے بچنا چاہیئے' نفس بڑا مکّار ہے' شیطان ایک گھات میں ہے' جاہ کی محبت دل پر غالب ہے' اور ظاہری اعمال آفات سے کم سلامت رہتے ہیں' اس لئے یہ مناسب نہیں کہ اعمال کی سلامتی کے بجائے کسی اور چیز کی خواہش کی جائے' اور اعمال کی سلامتی اخفاء میں ہے' اظہار میں بہت سے خطرات ہیں جن سے نبرد آزما ہونا ہم جیسے ضعیف الایمان لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہے' اظہار سے بچنا ہمارے لئے' اور تمام ضعیفوں کے لئے نہایت ضروری ہے۔

دوسری قسم۔ عمل کے بعد اطلاع:۔ دوسری قسم یہ ہے کہ عمل سے فارغ ہونے کے بعد بیان کردے کہ میں نے فلاں عمل کیا ہے' اس کا حکم بھی وہی ہے جو نفس عمل کے اظہار کا ہے' بلکہ اس میں خطرہ زیادہ ہے' کیوں کہ زبان کو بولنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوتی' اور بیان میں بعض اوقات زیادتی اور مبالغہ بھی ہو جاتا ہے' پھر نفس کو ڈینگیں مارنے میں بھی بڑی لذت ملتی ہے' تاہم یہ زبانی اظہار اگر ریا کی وجہ سے ہے تو اس سے گزشتہ عبادتیں فاسد نہیں ہوں گی۔ اس اعتبار سے یہ قسم پہلی قسم کے مقابلے میں ہلکی ہے۔
قوی اظہار صرف اس شخص کو کرنا روا ہے جس کا دل قوی ہو جس کا اخلاص مکمّل ہو' آدمی اس کی نظر میں حقیر ہو' اور مخلوق کی

مدح و مذمت اس کے نزدیک برابر ہوں اور اظہار بھی ایسے لوگوں میں کرے جن میں عمل خیر کی اتباع کا جذبہ ہو' نیت صاف ہو' اور تمام آفات سے خالی ہو' اس صورت میں عمل کا اظہار نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ اس لئے کہ یہ خیر کی ترغیب ہے' اور خیر کی ترغیب خیر ہے۔ سلف صالحین سے اس طرح کی روایات منقول بھی ہیں۔ چنانچہ سعد ابن معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اب تک کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں صرف نماز کی طرف توجہ نہ رہی ہو' کسی ایسے جنازے کی مشایعت نہیں کی جس میں میت سے سوال و جواب کا خیال نہ رہا ہو' اور جب بھی میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی اس کی حقانیت پر یقین کیا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نہ اپنے افلاس کی پروا ہے اور نہ مالداری کی۔ اس لئے کہ مجھے یہی معلوم نہیں میرے حق میں افلاس بہتر ہے یا مالداری؟ حضرت عبداللہ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مجھ پر کوئی حال ایسا نہیں گزرا کہ میں نے اس سے ترقی کرکے کسی دوسرے حال پہ پہنچنے کی آرزو نہ کی ہو' حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے سرکار دو عالم صلی علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی ہے نہ زنا کیا' نہ جھوٹ بولا' اور نہ دائیں ہاتھ سے اپنا ذکر مس کیا (ابو یعلی)۔ شداد ابن اوسؓ فرماتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد آج کے علاوہ کبھی میری زبان سے کوئی فضول کلمہ ادا نہیں ہوا' جب بھی کبھی زبان سے کوئی لفظ نکالا پہلے اس پر اچھی طرح غور کرلیا۔ اس دن انھوں نے اپنے غلام سے یہ کہا تھا کہ جاؤ دستر خوان لے آؤ تاکہ اسے بھیج کر کھانا منگوالیں۔ حضرت سفیانؒ نے موت کے وقت اپنے اعزہ سے فرمایا کہ مجھ پر روؤ مت اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اللہ نے میرے بارے میں کوئی حکم فرمایا اور میں نے چاہا کہ کوئی اور حکم ہوتا تو اچھا تھا' میں ان ہی مواقع پر رہوائے نفس میں گرفتار ہوا ہوں جو اللہ نے میرے مقدر میں لکھ دئے تھے۔

یہ تمام روایات عمدہ حالتوں کا اظہار ہیں' اگر کوئی ریاکار ان کا اظہار کرے تو یہ انتہائی ریا ہے' اور کوئی مقتدا ظاہر کرے تو یہ ترغیب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اخلاص کی قوت رکھنے والوں کے لئے ترغیب کی نیت سے اپنے اعمال کی اطلاع دینا جائز ہے' اس کی وہی شرائط ہیں جو ہم پہلے بھی بیان کرچکے ہیں۔ اظہار کا دروازہ بند کرنا اس لئے مناسب نہیں کہ طبائع تشبّہ اور اقتدا پسند کرتی ہیں' بلکہ اگر ریاکار اپنی عبادت ظاہر کردے اور لوگ یہ نہ جانتے ہوں کہ وہ ریاکاری کررہا ہے تب بھی لوگوں کو بہت فائدہ ہوتا ہے' البتہ ریاکار نقصان میں رہتا ہے' بہت سے اللہ کے نیک بندے ایسے بھی گذرے ہیں جنھوں نے ریاکارانہ اعمال کی اتباع ہی سے اخلاص و یقین کا اعلیٰ درجہ پایا۔ ایک دن وہ تھا کہ بصرے کی ہر گلی کوچے سے فجر کی نماز کے بعد تلاوت قرآن کی آواز آیا کرتی تھی' کسی نے ریا کی آفات پر کتاب لکھی تو لوگوں نے خاموشی سے تلاوت شروع کردی' اس کا نقصان یہ ہوا کہ لوگوں کو ترغیب ہی نہ ہوئی' یہ دیکھ کر کسی نے کہا کہ اگر ریا کی آفات پر کتاب نہ لکھی جاتی تو بہتر تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ریاکار کا اظہار بھی فوائد سے خالی نہیں ہے' بشرطیکہ فائدہ اٹھانے والوں کو اس کی ریاکاری کا علم نہ ہو۔ روایات میں ہے:۔

ان اللّٰہ لیؤید ھذا الدین بالرجال الفاجر و باقوام لا خلاق لھم۔

(الاول متفق علیہ۔ ابو ہریرہ' والثانی نسائی۔ انسؓ)

اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد کرے گا بدکار آدمی سے اور ایسے لوگوں سے جن کو بہرہ نہ ہو۔

گناہ چھپانے کا جواز اور لوگوں کو گناہ پر مطلع کرنے کی کراہت

اخلاص کی بنیاد یہ ہے کہ آدمی کے ظاہر و باطن میں یکسانیت ہو جائے' جیسا کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے ارشاد فرمایا تھا کہ اعلانیہ عمل لازم کر' اس نے عرض کیا' یا امیر المؤمنین! اعلانیہ عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اعلانیہ عمل یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس پر آگاہ ہو جائے تو اس سے شرم نہ کرے۔ ابو مسلم خولانیؒ فرماتے ہیں کہ میں کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جس پر لوگوں کے مطلع ہونے کی پروا کروں' البتہ اپنی بیوی سے ہم بستر ہونا' اور قضائے حاجات کرنا یہ دو کام ایسے ہیں جن پر میں مخلوق کا مطلع ہونا پسند نہیں کرتا۔ لیکن یہ ایک عظیم درجہ ہے' ہر شخص اسے حاصل نہیں کرپاتا۔

انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ دل اور اعضاء سے گناہ کا ارتکاب کر کے چھپاتا ہے اسے اچھا نہیں لگتا کہ کوئی دوسرا اس کے معاصی سے واقف ہو' خاص طور پر دل میں ریا ہونے والے شکوک و شبہات اور جذبات پر پردہ ڈالے رکھتا ہے' حالانکہ اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔ کسی انسان سے اپنے عیوب چھپانا بظاہر ریا کاری میں داخل ہے' لیکن حقیقت میں یہ ریا نہیں ہے' ریا یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو متقی اور پرہیزگار ظاہر کرنے کے لئے اپنے گناہ مخفی رکھے' حالانکہ وہ ایسا نہیں ہوتا' جو شخص سچا ہو ریا کار نہ ہو اسے بھی گناہ چھپانے چاہئیں' اس کا گناہ چھپانا' اور لوگوں کی واقفیت سے غمزدہ ہونا آٹھ وجوہات کی بناء پر صحیح ہے۔

پہلی وجہ : یہ ہے کہ وہ اس بات سے خوش تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے معاصی پر پردہ ڈال رکھا ہے جب اس کے بھید کھل گئے تو اسے اس بات کا غم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بھید آشکارا کر دیئے ہیں' اسے ڈر ہوا کہ کہیں قیامت کے روز بھی اسی طرح کی رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے' جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔

مَنْ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ (۱)

جس شخص کی اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ پوشی کرے گا اس کی آخرت میں بھی کرے گا۔

یہ وہ غم ہے جو ایمان کی قوت سے پیدا ہوتا ہے' جس کا ایمان کمزور ہو اسے اس وجہ سے غم نہیں ہوتا۔

دوسری وجہ : وہ یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معاصی کا ظہور ناپسند ہے' وہ انہیں مخفی رکھنا پسند کرتا ہے' جیسا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنِ ارْتَكَبَ شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ الْقَاذُورَاتِ فَلْيَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللّٰهِ (حاکم مستدرک)

جو شخص ان گندگیوں میں سے کسی گندگی کا مرتکب ہوا اسے خدا کے پردہ سے چھپانا چاہئے۔

اس شخص نے اگرچہ گناہ کیا اور باری تعالیٰ کی نافرمانی کی لیکن دل میں وہی چیز محبوب رہی جو اللہ کو محبوب ہے۔ یہ بھی ایمانی قوت کا عمل ہے' یعنی وہ مرد مسلمان یہ نہیں چاہتا کہ گناہ ظاہر ہوں کیوں کہ اللہ کو گناہ کا ظہور ناپسند ہے۔ اس ایمانی صداقت کی علامت یہ ہے کہ جس طرح اپنے معاصی کے ظہور سے غمزدہ ہو اسی طرح دوسروں کے عیوب ظاہر ہونے پر بھی غمگین ہو۔

تیسری وجہ :۔ یہ ہے کہ لوگوں کی مذمت سے رنج کرتا ہے' گناہ دیکھ کر لوگ برا کہتے ہیں' اور ان کی برائی دل اور عقل کو اللہ کی اطاعت سے مشغول کر دیتے ہیں' کیوں کہ طبیعت کو مذمت سے تکلیف ہوتی ہے' اور وہ عقل سے نزاع کر کے اسے اللہ کی اطاعت سے ایذا پائے اسی طرح تعریف سے بھی تکلیف محسوس کرے جو اللہ کی یاد سے دل کو غافل کر دیتی ہے' کیونکہ جو علت مذمت میں ہے وہی علت تعریف میں بھی ہے یہ صورت بھی ایمان کی قوت سے پیدا ہوتی ہے کیوں کہ اطاعت کے لئے دل کی فراغت کی سچی خواہش ایمان ہی کے پہلو سے جنم لیتی ہے۔

چوتھی وجہ :۔ یہ ہے کہ گناہوں کی پردہ پوشی کی خواہش آدمی اس لئے بھی کرتا ہے کہ اسے لوگوں کی مذمت اچھی نہیں لگتی کیوں کہ اس سے طبیعت کو ایذا ہوتی ہے' اور دل کو ایسی تکلیف پہنچتی ہے جیسے بدن کو مار سے تکلیف ہوتی ہے اذیت سے قلب کی تکلیف کا خوف حرام نہیں ہے' اور نہ انسان اس خوف سے گناہ گار ہوتا ہے' البتہ اس صورت میں گنہگار ہوتا ہے جب مذمت سے خوف زدہ ہو کر کسی امر ممنوع کا مرتکب ہو جائے' حاصل یہ ہے کہ انسان پر مخلوق کی مذمت سے رنجیدہ نہ ہونا واجب نہیں ہے' البتہ کمال صدق یہ ہے کہ مخلوق کی نظر میں نمایاں' ہونے کی خواہش باقی نہ رہے' اور مادح و ذام دونوں اس کے نزدیک برابر ہو جائیں کیوں کہ وہ یہ جانتا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک اللہ ہے' اور بندے عاجز محض ہیں ان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے' لیکن ایسے لوگ

(۱) یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔

بہت کم ہیں' زیادہ تر طبائع مخلوق کی مذمّت سے تکلیف محسوس کرتی ہیں' کیوں کہ مذمت انھیں ان کے نقص سے واقف کرتی ہے۔ بعض اوقات مذمّت سے رنج ہونا اچھا بھی ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ مذمّت کرنے والے مخلص اور صاحب بصیرت دیندار ہوں' اس لئے کہ وہ اللہ کے گواہ ہوتے ہیں' ان کی مذمّت اللہ کی مذمّت ہے' اور دینی نقصان پر دلالت کرتی ہے اس لئے ان کی مذمّت پر غمزدہ ہونا ہی چاہیئے' مذموم غم وہ ہے جو اس لئے کیا جائے کہ فلاں شخص نے میرے تقویٰ اور پرہیزگاری کی تعریف نہیں کی' کیوں کہ دینی اطاعت اور عبادت کرے' اور غیر اللہ سے اجر کا خواہاں ہو' اگر دل میں اس طرح کا خطرہ وارد ہو تو اسے مکروہ سمجھنا چاہیئے' اور دل کو اس خطرے پر سرزنش کرنی چاہیئے' البتہ گناہ پر لوگوں کی مذمّت کو برا سمجھنا فطری امر ہے' اسے مذموم نہیں کہا جاسکتا' کیوں کہ لوگوں کے برا کہنے کے خوف سے گناہ چھپانا جائز ہے۔ یہ ممکن ہے کہ آدمی تعریف کی محبت نہ رکھتا ہو لیکن مذمّت کو برا سمجھتا ہو' اور یہ چاہتا ہو کہ نہ لوگ مجھے برا کہیں اور نہ اچھا کہیں' تعریف کی لذّت پر صبر کرنے والا مذمّت کی تکلیف پر صبر نہیں کرسکتا' اس لئے کہ تعریف ہوتی ہے۔ اللہ کی اطاعت پر تعریف کی خواہش کرنے والا اس اطاعت کا ثواب فی الحال حاصل کرلیتا ہے گناہ پر مذمّت کو برا سمجھنے میں ایسی کوئی بات نہیں ہے' صرف یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لوگوں کی اطلاع کے خوف میں اللہ کے علم و اطلاع سے غافل نہ ہوجائے۔ یہ دین کا انتہائی نقصان ہے' بلکہ اسے مخلوق کی اطلاع سے زیادہ اللہ کی اطلاع سے غمزدہ ہونا چاہیئے۔

پانچویں وجہ:۔ اس لئے مذمّت کو ناپسند کرے کہ مذمّت کرنے والا باری تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوا ہے' اس کا سرچشمہ بھی ایمان ہی ہے' اس کی علامت یہ ہے کہ جس طرح اپنی مذمّت کو برا سمجھے اسی طرح دوسرے شخص کی مذمّت کو بھی بُرا جانے' کیوں کہ علت دونوں میں ایک ہے' جتنا رنج اپنی مذمّت سے ہوا ہے اتنا ہی دوسرے کی مذمّت سے بھی ہونا چاہیئے اِلّا یہ کہ طبعاً رنج ہوا ہو' اس کی بات الگ ہے۔

چھٹی وجہ:۔ گناہ اس لئے چھپاتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے' یہ مذمّت کے رنج سے الگ ایک چیز ہے' مذمّت کی تکلیف اس لئے ہوتی ہے کہ آدمی اس سے اپنی کمی اور عیب کا احساس کرتا ہے' اگرچہ مذمّت کرنے والا کوئی ایسا ہی شخص کیوں نہ ہو جس کے شر سے مأمون ہو' لیکن بعض اوقات یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر کسی شرپسند کو میرے گناہ کا علم ہوگیا تو وہ زبانی مذمّت کے علاوہ کچھ اور بدسلوکی بھی کرے گا۔ اس شرارت کے خوف سے گناہ پر پردہ ڈالنا جائز ہے۔

ساتویں وجہ:۔ یہ ہے کہ حیا کی وجہ سے گناہ چھپایا جائے' حیاء بھی ایک اَلم ہے' اور مذمّت اور شرارت کے اَلم سے الگ ایک حیثیت رکھتا ہے۔ حیاء ایک اچھی اور پاکیزہ خصلت ہے۔ یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آدمی لڑکپن میں شعور کی منزل پر قدم رکھتا ہے' چنانچہ جب کوئی اس کے عیوب پر مطلع ہوتا ہے اسے شرم آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاء کی تعریف میں ارشاد فرمایا:۔

اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ (مسلم۔ عمران ابن حصینؓ)

حیاء خیر مکمل ہے۔

ایک حدیث میں ہے' ارشاد فرمایا:۔

اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔ (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ)

حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔

یہ بھی فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْحَیَّ الْحَلِیْمَ (طبرانی۔ فاطمہؓ)

اللہ تعالیٰ حیادار اور بُردبار کو پسند کرتا ہے۔

اَلْحَیَاءُ لَا یَأْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ (بخاری مسلم۔ عمران ابن حصینؓ)

حیاء کا نتیجہ صرف خیر ہے۔

جو شخص فسق میں مبتلا ہے' اور اسے یہ پرواہ نہیں ہے کہ لوگ اس کے فسق سے واقف ہیں وہ معصیت کے ساتھ بے شرمی اور پردہ دری کا بھی مرتکب ہے' یہ اس شخص کے مقابلے میں زیادہ بُرا ہے جو فسق کو مخفی رکھتا ہے' اور لوگوں سے شرم کرتا ہے۔ لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ حیاء ریا سے زیادہ مشابہ ہے' بہت کم لوگ دونوں میں امتیاز کرپاتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حیاء دار ہیں' اور عبادات کی اچھی طرح ادائیگی کا سبب حیاء ہی ہے' حالانکہ وہ سراسر جھوٹ بولتے ہیں' حیاء تو ایک خصلت ہے جو شریف الطبع انسان میں پیدا ہوتی ہے۔ حیاء کے بعد ریا اور اخلاص دونوں کے اسباب پیدا ہوتے ہیں' یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی حیاء کی وجہ سے ریا کار بن جائے' اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی بناء پر مخلص ہو جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے کسی دوست سے قرض مانگے' اور وہ قرض نہ دینا چاہے' لیکن وہ منع کرنے سے شرماتا ہے' نیز یہ بھی جانتا ہے کہ اگر وہ شخص خود نہ آتا بلکہ کسی دوسرے کو قرض مانگنے کے لئے بھیجتا تو میں انکار کر دیتا' نہ ریا کی وجہ سے قرض دیتا' اور نہ ثواب کے ارادے سے۔ اس صورت میں قرض دینے والے کے کئی حال ہیں ایک تو یہ ہے کہ صاف جواب دیدے' اور بے شرمی کے الزام کی پروا نہ کرے' ایسا وہ شخص کر سکتا ہے جس نے بے شرمی پر کمر باندھ لی ہو' اس لئے کہ حیاء دار انسان یا تو قرض دے گا یا قرض نہ دینے کے لئے کوئی عذر پیش کرے گا' اب اگر اس نے قرض دیدیا تو اس کی کئی حالتیں ہیں یا تو اس کی حیاء میں ریا کی آمیزش ہے' یعنی حیا کی وجہ سے ریا کو تحریک ہوئی۔ اور دل میں خیال آیا کہ قرض خواہ دوست کو منع کرنا مناسب نہیں ہے' اسے دے دینا چاہیئے تاکہ وہ تیری حمد و ثنا کرے' اور تیرا نام سخاوت کے ساتھ مشہور کرے' یا اسے اس لئے دیدینا چاہیئے تاکہ وہ میری برائی نہ کرے اور مجھے بخیل کہہ کر بدنام نہ کرے اس صورت میں اگر اس نے قرض مانگنے والے کا مطالبہ پورا کیا ہے تو اس کا محرک ریا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ حیاء کی وجہ سے انکار نہ کر سکے' لیکن بخل کی بناء پر طبیعت دینے پر آمادہ نہ ہو' آخر اخلاص کا در کھلے' اور دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ صدقے کا ثواب ایک ہے اور قرض دینے کا ثواب اٹھارہ گنا ہے' قرض دینے میں ثواب بھی زیادہ ہے اور اس سے دوست کا دل بھی خوش ہو گا' دوست کو خوش کرنا اللہ کو پسند ہے' اخلاص کی تحریک سے طبیعت دینے پر آمادہ ہو' تیسری صورت یہ ہے کہ نہ اسے ثواب کی رغبت ہو' نہ مذمت کا خوف ہو' اور نہ تعریف کی خواہش' اگر دوست کے بجائے اس کا قاصد قرض مانگنے آتا وہ کبھی نہ دیتا' اگرچہ اسے دینے میں کتنا ہی ثواب کیوں نہ ہوتا' اور تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے کیوں نہ ملا دیتا۔ اس طرح کی داد و دہش صرف حیاء کی بناء پر ہے۔ حیاء کی یہ صورت صرف بری باتوں میں پیش آتی ہے' جیسے بخل اور معاصی۔ ریا کار مباحات میں بھی شرماتا ہے' چنانچہ اگر کوئی اسے دوڑتا ہوا دیکھ لے تو آہستہ چلنے لگتا ہے' یا ہنستا ہوا نظر آجائے تو خاموش ہو جاتا ہے' اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ حیاء ہے' حالانکہ یہ عین ریا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بعض حیاء اچھی نہیں ہوتی' یہ قول صحیح ہے' اس سے مراد وہ حیاء ہے جو نیک کاموں میں کی جائے' جیسے لوگوں کو نصیحت کرنے سے شرمانا' یا امامت کرنے میں حیاء کرنی' یہ حیاء عورتوں اور بچوں میں محمود ہے' عقلمندوں میں پسندیدہ نہیں ہے۔ کبھی آدمی کسی بوڑھے کو گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے' لیکن اس کی پیرانہ سالی کی وجہ سے منع نہیں کرپاتا' یہ حیا بہتر ہے' کیوں کہ بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا اللہ کی تعظیم کرنے کے مرادف ہے' لیکن اس سے بہتر یہ ہے کہ اللہ سے شرم کی جائے' مخلوق سے شرم کر کے امر بالمعروف کا ثواب ضائع نہیں کرنا چاہیئے قوت رکھنے والے لوگ بندوں سے شرم پر اللہ سے شرم کو ترجیح دیتے ہیں' کمزور افراد اس پر قادر نہیں ہوتے۔ یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے گناہوں کی پردہ پوشی کرنا جائز ہے۔

آٹھویں وجہ:۔ یہ ہے کہ اپنے گناہوں کے ظہور سے اس لئے خوف زدہ ہو کہ دوسرے لوگ بھی اس طرح گناہوں پر جرأت

کریں گے' یہ وہ وجہ ہے جو عبادت کی اظہار کی بنیاد ہے' یعنی عبادت اس لئے ظاہر کی جاتی ہے تاکہ لوگوں کو ترغیب ہو اور وہ اقتداء کریں' لیکن یہ وجہ ائمہ اور قائدین کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس علّت کی بنا پر جائز ہے کہ گناہ گار اپنا گناہ اہل و عیال سے بھی چھپائے کیوں کہ وہ لوگ اس سے سبق حاصل کرتے ہیں۔

گناہ چھپانے کی یہ آٹھ وجوہات ہیں۔ اظہار اطاعت کے لئے اس عذر کے علاوہ کوئی دوسرا عذر نہیں ہے' جب بھی گناہ کی پردہ پوشی کے ذریعے اپنے آپ کو متقی اور پرہیزگار کہلانے کی کوشش کرے گا ریاکار کہلائے گا' یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص عبادت کے اظہار سے ریاکار کہلاتا ہے جب کہ اس کا مقصد پرہیزگاری کی حیثیت سے مشہور ہونا ہے۔

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں بندے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی صلاح و تقوٰی کی رو سے لوگوں کی تعریف کا خواہاں ہو' اور لوگ اسے نیک ہونے کی حیثیت سے محبوب رکھیں' جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

دُلَّنِیْ عَلٰی مَا یُحِبُّنِی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَیُحِبُّنِی النَّاسَ قَالَ ازْهِدْ فِی الدُّنْیَا یُحِبُّكَ اللّٰهُ وَانْبِذْ اِلَیْهِمْ هٰذَا الْحُطَامَ یُحِبُّوْكَ (ابن ماجہ۔ سہل ابن سعدؓ)

مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جس کی وجہ سے اللہ مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں' آپ نے فرمایا دنیا میں زہد اختیار کر' اللہ تجھے محبوب رکھے گا' اور یہ دنیوی مال ان کی طرف پھینک دے وہ تجھے محبوب رکھیں گے۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ تمہاری یہ خواہش کہ لوگ تم سے محبت کریں مباح بھی ہو سکتی ہے' پسندیدہ بھی ہو سکتی ہے' اور مذموم بھی۔ محمود اس صورت میں ہے جب کہ تم ان کی محبت کو اللہ کی محبت کا پیمانہ بناؤ اور یہ سمجھو کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کرتا ہے مخلوق کے دل میں بھی اس کی محبت پیدا کردیتا ہے' مذموم اس صورت میں ہے کہ تم ان کی محبت کی خواہش اپنی کسی حج' کسی جہاد اور کسی نماز کی وجہ سے کرو' یہ اللہ کی اطاعت پر اُجرت طلب کرنے کے مترادف ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا ثواب ذخیرہ ہو چکا ہے۔ مباح کی صورت یہ ہے تم صفات محمودہ کی محبت کے خواہاں ہو نہ کہ معیّن اور مخصوص عبادت کی محبت کے۔ یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص مال کا مالک ہو۔ جس طرح مال کی ملکیت سے بہت سی اغراض پوری ہوتی ہیں اسی طرح قلوب کی ملکیت سے بھی بہت سے مقاصد تکمیل پاتے ہیں۔ اس اعتبار سے مال اور دل میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ریا کے خوف سے عبادت ترک کرنا

بعض لوگ اس خوف سے نیک عمل ترک کردیتے ہیں کہ کہیں اس کی وجہ سے ریاکار نہ ہو جائیں' یہ ایک غلط نظریہ ہے' بلکہ شیطان کے ساتھ موافقت ہے۔ آفات کے خوف سے عمل چھوڑنا چاہیئے یا نہیں؟ اس سلسلے میں تفصیل ہے۔

طاعات کی دو قسمیں:۔ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ طاعات کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ جس میں بذاتِ خود کوئی لذّت نہ ہو جیسے نماز' حج اور جہاد وغیرہ' ان عبادات میں صرف مجاہدہ اور مشقّت ہے' اگر لذّت ہے تو صرف اس نقطۂ نظر سے کہ یہ عبادتیں لوگوں کی تعریف کا ذریعہ بن جاتی ہیں' اور لوگوں کی تعریف میں لذّت ہے جو لوگوں کے مطّلع ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسری قسم ان طاعات کی ہے جو بدن پر موقوف نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق مخلوق سے ہے جیسے خلافت' قضاء' ولایت' احتساب' امامت' تذکرہ' تدریس اور مال دینا وغیرہ' ان عبادات میں آفت زیادہ ہے کیوں کہ ان کا تعلق مخلوق سے ہے' اور ان میں لذّت زیادہ ہے۔

بدن سے متعلق عبادتیں:۔ یعنی وہ عبادتیں جو بدن کے ساتھ لازم ہیں' غیر سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ان میں کسی طرح کی کوئی لذّت ہے جیسے روزہ' نماز اور حج وغیرہ۔ ان عبادتوں میں ریا تین صورتوں میں پیدا ہوتی ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ریا

عمل سے پہلے آئے' اور عمل شروع ہی اس لئے کیا جائے کہ دوسرے لوگ دیکھیں' کوئی دینی سبب اس عمل کی بنیاد نہ ہو' ایسے عمل کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے' کیوں کہ یہ خالص معصیت ہے' اس میں اطاعت کا کوئی عنصر نہیں ہے' بلکہ اطاعت کے عنوان سے منزلت کی خواہش کا اظہار ہے اب اگر کوئی شخص اپنے نفس سے اس ریا کا ازالہ کر سکے' اور اسے یہ باور کرا سکے کہ بندوں کے لئے عمل کرنے کے بجائے اللہ کے لئے عمل کرنا چاہیئے' اور وہ محض اللہ کے لئے عمل کرنے پر آمادہ ہو تو عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عمل سے اللہ ہی کی نیت تھی لیکن عبادت کے آغاز کے ساتھ یا اس سے پہلے ریا سامنے آگیا' اس صورت میں عمل نہ چھوڑنا چاہیئے' کیونکہ یہاں ایک دینی باعث موجود تھا' اس لئے عمل شروع کرے اور نفس سے ریا دور کرنے کے لئے مجاہدہ کرے' اخلاص کی تحسین' اور نفس میں ریا کی کراہت اور اس کے روکنے صلاحیت پیدا کرنے کے لئے ان تدبیروں کا سہارا لے جو پچھلے ابواب میں ذکر کی جاچکی ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عبادت کی ابتدا اخلاص پر ہو' لیکن درمیان میں ریا اور اس کے دواعی اثر انداز ہو جائیں اس صورت میں بھی ریا کے خاتمے کے لئے مجاہدہ کرنا ضروری ہے' عمل نہ ترک کرے بلکہ نفس کو اخلاص پر واپس لانے کی سعی کرے' یہاں تک کہ عمل تمام ہو جائے' شیطان سب سے پہلے تمہیں ترکِ عمل پر اکساتا ہے' جب تم اس کی خواہش پوری نہیں کرتے' اور عمل کی تکمیل میں لگے رہتے ہو تو وہ ریا کی دعوت دیتا ہے' جب تم اس کی یہ دعوت بھی رد کر دیتے ہو تو وہ تمہیں یہ کہہ کر پریشان کرتا ہے کہ تم اپنے عمل میں مخلص نہیں ہو' بلکہ تم ریا کار ہو' تمہاری یہ محنت بیکار ہے' ایسے عمل سے کیا فائدہ جس میں اخلاص نہ ہو یہ کہہ کر وہ تمہیں ترکِ عمل پر اکساتا ہے' اگر تم عمل ترک کر دیتے ہو تو اس کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

ریا کے خوف سے تارکِ عمل کی مثال:۔ اس شخص کی مثال جو ریا کے خوف سے عمل چھوڑ دے ایسی ہے جیسے کسی غلام کو اس کے آقا نے گیہوں دیئے اور اس سے کہا کہ انھیں اچھی طرح صاف کر دے۔ غلام نے سوچا میں اچھی طرح صاف نہ کر سکوں گا اس لئے بہتر یہی ہے کہ انھیں ہاتھ ہی نہ لگایا جائے' یہی حال اس شخص کا ہے جو اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے اصل عمل ہی چھوڑ بیٹھے۔ اسی قبیل سے وہ شخص ہے جو محض اس خوف سے عمل نہ کرے کہ لوگ مجھے ریا کار کہیں گے' اور گناہ گار ہوں گے یہ بھی ایک شیطانی فریب ہے' پہلی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے بارے میں خواہ مخواہ یہ گمان کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ کسی مخلص کو ریا کار کہیں گے' پھر اگر وہ کہتے ہیں تو کہنے دو' ان کے کہنے سے تمہارے عمل پر کیا اثر پڑے گا' خواہ مخواہ عبادت کا ثواب ضائع کیوں کرتے ہو' علاوہ ازیں عمل اس لئے چھوڑنا کہ لوگ مجھے ریا کار کہیں گے عین ریا ہے' اگر تمہیں ان کی تعریف کی خواہش' اور ان کی مذمت کا خوف نہ ہوتا تو تم ہرگز ان کے کہنے کی پروا نہ کرتے' خواہ وہ تمہیں ریا کار کہتے' یا مخلص قرار دیتے۔ ریا کار کہلانے کے خوف سے عمل چھوڑنا زیادہ شدید ہے۔ یہ سب شیطانی پھندے ہیں' ان میں جاہل عابد پھنس جاتے ہیں۔

عمل چھوڑنا شیطان سے بچنے کی دلیل ہے : پھر اگر عمل بھی چھوڑ دیا جائے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ میں شیطان کے فریب سے محفوظ رہوں گا شیطان اس صورت میں بھی پیچھا نہیں چھوڑے گا' بلکہ یہ کہے گا کہ تو نے عمل اس لئے چھوڑا ہے تاکہ مخلص کہلائے اس طرح وہ تمہیں شہر سے دور' اور انسانوں سے کنارہ کش ہونے پر مجبور کرے گا' اب اگر تم کسی بل میں گھس گئے تب بھی وہ تمہارے دل میں یہ خیال ڈالے گا کہ معرفت میں بڑی لذت ہے۔ کسی طرح لوگوں کو اس بات کی خبر ہونی چاہیئے کہ فلاں شخص لوگوں کے خوف سے شہر چھوڑ گیا ہے۔ بتلاؤ شیطان سے مفر کہاں؟ نجات کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ تمہارے دل میں آفاتِ ریا کی معرفت ہونی چاہیئے' ریا سے آخرت میں سراسر نقصان ہے' دنیا میں کوئی فائدہ نہیں ہے' اگر دل و دماغ کو سوچنے کی یہ سمت دی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ دل ریا سے منحرف نہ ہو' اور اخلاص سے کم کسی چیز پر راضی ہو' مسلسل عمل پیرا ہو' وساوس کی پروا نہ کرو' اگرچہ دشمن طبیعت سے برسرِ پیکار ہو' اس لئے کہ وساوس کا سلسلہ منقطع نہیں ہو گا' اگر وساوس کی وجہ سے عمل ترک کئے جانے لگیں تو خیر کا دروازہ بند ہو جائے گا' آدمی عضوِ معطل بن کر رہ جائے' اس لئے کہ کونسا دل ایسا ہے جس

میں وساوس اور خطرات پیدا نہیں ہوتے۔ جب تک عمل کا کوئی دینی محرّک باقی رہے تم کرتے رہو' ریا کے خطرے سے جہاد کرو' اور دل میں اللہ کی شرم اور اس کا خوف پیدا کرو' اگر کسی وقت نفس یہ تقاضا کرے کہ اللہ کی تعریف کے عوض بندوں کی تعریف حاصل کی جائے اللہ تمہارے دلوں کے احوال پر مطلع ہے' اگر مخلوق کو تمہارے قلب کا حال معلوم ہوجائے کہ تم ان کی تعریف کے طلب گار ہو تو وہ تمہاری برائی کریں گے بلکہ اگر تم اپنے رب کے ڈر سے عمل میں اضافہ کرسکو تو یہ بہت اچھی بات ہے۔

اگر شیطان تمہارے دل میں یہ خیال پیدا کرے کہ تم ریا کار ہو تو اس کے جھوٹ اور فریب کی علامت تمہارے قلب کی کیفیت ہوگی' اگر تمہارے دل میں ریا کی کراہت اور اس کے انکار کی قوّت موجود ہے' یا تمہارا دل اللہ سے شرم کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے تو یہ اسکے جھوٹ کی علامت ہے' اگر تمہارے دل میں ریا کی کراہت نہ ہو' نہ اللہ کا خوف ہو' اور نہ عمل کا کوئی دینی محرّک موجود ہو تو عمل چھوڑ دینا چاہیئے۔ لیکن ایسا ہونا بہت مشکل ہے اس لئے کہ جو شخص اللہ کے لئے عمل شروع کرتا ہے اس کے ساتھ ثواب کی اصل نیت ضرور رہتی ہے۔

سلف سے ترکِ عمل کی روایات: یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اکابر شہرت کی خوف سے عمل ترک کردیتے تھے۔ ایک مرتبہ ابراہیم نخعیؒ تلاوتِ کلام میں مشغول تھے' اتنے میں ایک شخص ملاقات کے لئے آیا' انھوں نے قرآن کریم بند کیا' اور تلاوت موقوف کردی' اور فرمایا اسے معلوم نہ ہونے پائے کہ ہم ہروقت تلاوت کرتے ہیں' ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ جب تمہیں اپنا بولنا اچھا لگے تو خاموشی اختیار کرلو' اور خاموشی اچھی لگے تو بولنے لگو' حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں بعض بزرگانِ دین رستے میں اذیت دینے والی کوئی چیز دیکھتے تو شہرت کے ڈر سے نہ ہٹاتے' بعض بزرگوں کو رونا آتا لیکن وہ شہرت کی وجہ سے رونے کے بجائے ہنسنے لگتے' اس سلسلے میں بہت سے آثار وارد ہیں ان کی روشنی میں اطاعت کے اظہار کو افضل کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چند ان بے شمار آثار کے معارض نہیں بن سکتے جو اطاعت ظاہر کرنے کی باب میں منقول ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کا یہ فرمانا کہ رونے اور راستے سے ایذا دینے والی چیز ہٹانے سے میں شہرت کا خوف ہے اس سے زیادہ خوف شہرت تو اس میں ہے کہ انھوں نے اپنی تقریر کے دوران یہ بات کہی' پھر یہ دونوں عمل چھوڑے بھی نہیں اس کے باوجود کہ وہ بعض بزرگوں کے ترکِ عمل سے واقف تھے۔

حاصل یہ ہے کہ نوافل کا ترک کرنا جائز ہے' ہماری بحث کا موضوع افضل ہے' افضل پر طاقتور قادر ہوتے ہیں' کمزور نہیں ہوتے' ہمارے نزدیک افضل یہی ہے کہ بندہ اپنا عمل مکمل کرے' اخلاص کے لئے جدّوجہد کرے' اسے ہاتھ سے نہ جانے دے۔ بہت سے عامل اپنے نفسوں کا علاج خلافِ اولیٰ عمل سے کیا کرتے ہیں' لیکن یہ لوگ ضعیف تھے' اتباع قوی کی ہونی چاہیئے' ضعیف کی نہیں۔ جہاں تک ابراہیم نخعیؒ کی ترک تلاوت کی بات ہے اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے شاید انھوں نے تلاوت کا سلسلہ اس لئے موقوف کردیا ہو کہ اب اس شخص سے بات چیت کرنی ہوگی' اس کے چلے جانے پر ہی دوبارہ تلاوت شروع کرسکوں گا۔ انھوں نے سوچا کہ آنے والے کی دلدہی کے لئے اس سے گفتگو کرنی پڑے گی تاکہ وہ دوبارہ بھی آسکے' اچھا ہے کہ اس سے گفتگو بھی ہوجائے' اور ریا کا اثر بھی نہ آنے پائے۔

راستے سے ایذا نہ ہٹانے کا عمل ان لوگوں کا ہے جو شہرت اور لوگوں میں مقبولیت پانے سے ڈرتے ہیں' اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر لوگوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری ہوگیا تو میں زیادہ دیر تک اور نہایت سکون کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغول نہ ہوسکوں گا۔ عبادت بہرحال راستے سے مٹی یا لکڑی کے ٹکڑے ہٹانے سے افضل ہے۔ اس صورت میں راستے سے خاموشی کے ساتھ گذر جانے کا مطلب ہے ان عبادات کی حفاظت جو اس طرح کے اعمال پر فضیلت رکھتی ہیں۔ ابراہیم تیمیؒ کا یہ کہنا کہ جب تمہیں چپ رہنے کی خواہش ہو تو کلام کرو' اور جب کلام کرنے کی خواہش ہو تو چپ رہو' اس سے ان کی مراد وہ کلام ہے جو مخفی لفظی صنعتوں سے مزیّن ہو' اور جس میں حقیقت پسندی کے بجائے خیال آرائی زیادہ ہو۔ اسی طرح مباح سکوت سے بھی خودپسندی پیدا ہوتی ہے۔ یہ دو مستقل مرض ہیں' جو شخص ان میں سے ایک بات کو ناپسند کرتا ہے وہ دوسرے کی طرف رجوع کرتا ہے۔ کلام میں

آفت زیادہ ہوتی ہے' لیکن اس کا تعلق قسم ثانی سے ہے' زیر بحث عبادات وہ ہیں جو انسانی بدن کے ساتھ مخصوص ہیں' مخلوق سے ان کا تعلق نہیں ہے' اس لئے ان میں آفات بھی کم ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ نے ان بزرگوں کا حوالہ دیا ہے جو شہرت کے خوف سے رونا چھوڑ دیتے ہیں اور راستے سے ایذا نہیں ہٹاتے ہو سکتا ہے وہ ان ضعیفوں کا حال ہو جو افضل سے واقف نہیں ہیں' اور ان دقائق کی معرفت سے محروم ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حسن بصریؒ نے شہرت کی آفت سے ڈرانے کے لئے یہ حال بیان کیا ہو تاکہ طلب شہرت سے باز رہیں۔

مخلوق سے متعلق عبادتیں : ان عبادات میں آفتیں اور خطرے زیادہ ہیں۔ پھر ان عبادات میں بھی آفتیں کم و بیش ہوتی ہیں سب سے بڑی آفت خلافت' امامت میں ہے' پھر حکومت' پھر قضاء اس کے بعد تذکیر و تدریس اور فتویٰ نویسی' پھر مال دینا۔

خلافت و امارت اور حکومت : خلافت جس کے معنیٰ ہیں مسلمانوں کی سرداری اگر عدل و انصاف اور خلوص و للّٰہیت کے ساتھ ہو تو یہ افضل ترین عبادت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

لَيَوْمٌ مِنْ إِمَامٍ عَادِلٍ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ الرَّجُلِ وَحْدَهُ سِتِّيْنَ عَامًا۔ (طبرانی' بیہقی۔ ابن عباسؓ)

عادل امام کا ایک دن ساٹھ سال تک تنہا عبادت کرنے والے کی عبادت سے بہتر ہوتا ہے۔

بتلایئے اس سے بڑھ کر کون سی عبادت ہو سکتی ہے کہ ایک دن ساٹھ سال کی عبادت کے برابر ہو' ایک حدیث میں ہے:۔

أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ ثَلَاثَةٌ الْإِمَامُ الْمُقْسِطُ أَحَدُهُمْ۔ (مسلم۔ عیاض ابن حمادؓ)

سب سے پہلے تین آدمی جنت میں داخل ہوں گے (منصف امام ان میں سے ایک ہے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ (الْإِمَامُ الْعَادِلُ أَحَدُهُمْ

تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی (عادل امام ان میں سے ایک ہے)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

أَقْرَبُ النَّاسِ مِنِّيْ مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِمَامٌ عَادِلٌ۔ (الاصبہانی۔ عطیۃ العوفی)

قیامت کے روز لوگوں میں نشست کے اعتبار سے قریب تر منصف امام ہوگا۔

یہ روایت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے۔ امارت اور خلافت عظیم تر عبادت ہے۔ اس میں خطرہ زیادہ ہے اس لئے اہل تقویٰ اس منصب سے بچتے ہیں۔ اس منصب پر فائز ہونے کی بعد باطنی صفات متحرک ہوتی ہیں اور نفس پر جاہ' اقتدار' اور نفاذِ حکم کی لذّت غالب آجاتی ہے جب ولایت محبوب ہوتی ہے تو والی اپنے حظِ نفس میں کوشش کرتا ہے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے نفس کی اِتباع میں کسی ایسے امرِ حق سے رُک جائے جو اس کی جاہ و ولایت کیخلاف ہو' اور اپنے مقام کی بلندی کے لئے کسی امرِ باطل کا اِرتکاب کر بیٹھے اور ہلاک ہو جائے' اور ظالم امام کہلائے جس کے ظلم کا ایک دن فاسق کے ساٹھ سالہ فِسق کے برابر ہوتا ہے' جیسا کہ مذکورہ حدیث کے مفہوم مخالف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے اسی خطرۂ عظیم کی وجہ سے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب اس میں اس قدر مصائب ہیں تو کون اسے لے گا' جہاں تک اس منصب کی مصیبتوں کا تعلق ہے اس کا ایک ہلکا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہوتا ہے' فرمایا:۔

مَا مِنْ وَالٍ عَشَرَةٍ إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْلُوْلَةً يَدُهُ إِلَى عُنُقِهِ أَطْلَقَهُ عَدْلُهُ أَوْ أَوْبَقَهُ جَوْرُهُ۔
(احمد۔ عبادۃ ابن الصامتؓ)

جس شخص کو دنیا میں دس افراد پر بھی ولایت حاصل ہوگی وہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کے

ہاتھ گردن تک بندھے ہوئے ہوں گے' یا تو اسے اس کا عدل آزاد کردے گا یا اس کا ظلم ہلاک کردے گا۔

یہ روایت حضرت معقل ابن یسارؓ نے بیان کی ہے' ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے انھیں کسی علاقے کا حاکم مقرر کرنا چاہا تو انھوں نے عرض کیا کہ اے امیرالمؤمنین! آپ اس سلسلے میں مجھے مشورہ دیں میں منصب قبول کروں یا انکار کروں؟ آپ نے فرمایا اگر میرا مشورہ ضروری تصوّر کرتے ہو تو میں یہ کہوں گا کہ اس منصب سے دور رہو' تاہم میرے اس مشورہ کا ذکر کسی اور سے مت کرنا۔

حضرت حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو حاکم بنانے کا ارادہ فرمایا' اس شخص نے عرض کیا آپ ہی بتلائیں کیا حاکم بننا میرے حق میں بہتر ہے آپ نے ارشاد فرمایا بس بیٹھ جاؤ (طبرانی۔ ابن عمرؓ) اسی طرح کی ایک روایت عبدالرحمٰن ابن سمرۃ کی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا تھا۔

يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَا تَسْأَلِ الْاِمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اُوْتِيْتَهَا مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا وَاِنْ اُوْتِيْتَهَا عَنْ مَسْأَلَةٍ وُكِلْتَ عَلَيْهَا۔

(بخاری و مسلم)

ابو عبدالرحمٰن! امارت مت طلب کرنا' اگر تجھے بغیر مانگے امارت ملی تو تیری اس پر مدد کی جائے گی اور مانگنے سے حاصل ہوئی تو تجھے اسی کے حوالے کردیا جائے گا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ نے رافع ابن عمرؓ سے ارشاد فرمایا تم دو شخصوں پر بھی حاکم نہ بننا' پھر جب ابوبکرؓ منصب خلافت پر فائز ہوئے تو رافع نے ان کی خدمت میں عرض کیا آپ تو دو شخصوں پر حاکم بننے سے بھی روک رہے تھے' اور آج تمام امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی امارت سنبھال لی' ابوبکرؓ نے فرمایا: بلاشبہ میں آج بھی یہی کہتا ہوں کہ دو شخصوں پر بھی حاکم نہ بننا' اس لئے کہ جو شخص حاکم بننے کے بعد انصاف نہیں کرتا اس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔

منع و فضیلت کی روایات میں تعارض نہیں: ایک طرف وہ روایات ہیں جن سے خلافت و امارت کے فضائل معلوم ہوتے ہیں' اور دوسری طرف یہ احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ یا امیر بننا تدیّن اور تقویٰ کے خلاف ہے' بعض کم فہم ان روایت کو باہم متعارض سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ان میں تعارض نہیں ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ ان مخصوصین کو جو دین میں قوی ہیں منصب امارت پر فائز ہونے سے انکار نہ کرنا چاہیئے' اور لوگ ضعیف ہیں انھیں اس کے گرد پھرنا نہ چاہیئے ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔ قوی سے میری مراد وہ شخص ہے جسے دنیا اپنی طرف مائل نہ کرسکے جو طمع کا شکار نہ بن سکے' اور جسے اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہ ہو' یہ وہ لوگ ہیں جن کی نظروں سے مخلوق گر چکی ہے' وہ دین سے ذرا رغبت نہیں رکھتے' بلکہ اسے پاکر بددل ہیں' دنیا اور اہلِ دنیا سے میل ملاپ انھیں اچھا نہیں لگتا' انھوں نے اپنے نفسوں کو زیر کرلیا ہے' اور وہ ان پر مالکانہ تصرّف کا حق رکھتے ہیں' انھوں نے شیطان کے فریب کا جال ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے' شیطان ان سے مایوس ہے' ان کی حرکت و سکون کا انحصار حق پر ہے' وہ حق کی خاطر حرکت کرتے ہیں اور حق کے لئے سکون اختیار کرتے ہیں' حق کی راہ میں اگر ان کی روحیں جسموں کا ساتھ چھوڑدیں انھیں اس کی پروا نہیں ہوتی' امارت اور خلافت کی فضیلت ان ہی لوگوں کا حصہ ہے' جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان اوصاف سے محروم ہے اس کے لئے حکمرانی کی کوچے میں قدم رکھنا قطعاً حرام ہے۔ جس شخص نے اپنے نفس کا تجربہ کیا' اور یہ دیکھا کہ وہ حق پر صبر کرتا ہے' شہوات سے دور ہے' لیکن یہ حال ان امور کا ہے جنکا حکومت وولایت سے کوئی تعلق نہیں' ساتھ ہی یہ خوف بھی ہو کہ اگر وہ حکمرانی کے لذّت سے آشنا ہوگیا' جاہ' اور نفاذِ امر کا مزہ پاگیا تو پھر اس سے دستبردار ہونا اس کے لیے مشکل ہوگا' اس طرح وہ معزول ہونے کے خوف سے مُداہنت بھی کرے گا' اس شخص کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے آیا اسے حاکم بننا چاہیئے یا ولایت کا طوق گردن میں ڈالنے سے گریز کرنا چاہیئے؟

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایسے شخص کے لئے منصب حکومت چھوڑنا واجب نہیں ہے' کیوں کہ اسے مستقبل میں تغیّر کا خوف

ہے' جب کہ فی الحال وہ ان اوصاف سے متصف ہے جو ایک لائق اور مخلص حکمراں ہونے چاہئیں' اس کا نفس حق پر کاربند ہے' نفس کی لذّت سے دور ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ایسے شخص کو حکومت سے احتراز کرنا چاہیئے' کیونکہ نفس بڑا فریبی ہے۔ وہ حق کا دعویٰ اور خیر کا وعدہ کرتا ہے' لیکن یہ دعویٰ سچ ہوگا' یا یہ وعدہ پورا ہوگا اس کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اگر بالفرض اس نے خیر کا یقینی وعدہ بھی کیا تب بھی اس کے بدلنے کا خوف رہے گا اگر اسے حکمرانی تفویض کی گئی۔ پھر کیا حرج ہے اگر منصبِ امارت قبول کرنے سے انکار کردے' انکار کرنا سہل ہے۔ منصب پر فائز ہونے کے بعد دستبردار ہونا بڑا شاق گذرتا ہے' عزل ایک جانگسل صدمے سے کم نہیں' مثل مشہور ہے کہ عزل مردوں کی طلاق ہے۔ عہدہ پر فائز ہونے کے بعد معزولی پر دل راضی نہیں ہوتا بلکہ مداہنت اور امر حق سے انحراف پر مائل ہونے لگتا ہے' اور جہنم کا کندہ بننے پر راضی ہوجاتا ہے' لیکن منصب چھوڑنا پسند نہیں کرتا اِلاّ یہ کہ موت آجائے' یا زبردستی معزولی ان کے لئے کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی۔

اگر کسی شخص کا نفس حکومت کی طرف مائل ہو' یا منصب کا طالب ہو' اور اس کے لئے سرگرداں نظر آئے تو یہ سمجھ لو کہ اس کی امارت خیر کی امارت نہیں بلکہ شر کی امارت ہے۔ اسی لئے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّا لاَ نُوَلِّیْ اَمْرَنَا مَنْ سَأَلَنَاہُ

(بخاری و مسلم۔ ابوموسیٰؓ)

جو شخص ہم سے حکومت مانگتا ہے ہم اسے حاکم نہیں بناتے۔

قوی اور ضعیف کے حکم میں اختلاف کی نوعیت واضح ہوجانے کے بعد یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے رافعؓ کو حکومت کے ذمّہ داری قبول کرنے سے کیوں روکا اور خود خلافت کے منصب پر کیوں فائز ہوئے۔

<u>قضاء</u>: اگرچہ قضاء کا منصب خلافت و امارت کے منصب سے کم ہے' لیکن معنیً وہ خلافت و امارت ہی جیسا ایک عہدہ ہے۔ اس لئے اس میں بھی حکومت اور اقتدار ہے۔ قاضی کے فیصلے بھی نافذ ہوتے ہیں' قضاء میں ثواب بہت ہے بشرطیکہ قاضی حق کا متبع ہو' اور عذاب بھی بہت زیادہ ہے اگر حق سے اعراض پایا جائے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اَلْقُضَاةُ ثَلاَثَةٌ' قَاضِیَانِ فِی النَّارِ وَقَاضٍ فِی الْجَنَّةِ۔

(اصحاب السنن۔ بریدہؓ)

تین طرح کے قاضی ہوتے ہیں' ان میں سے دو جہنّمی ہیں' اور ایک جنّتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

مَنِ اسْتَقْضٰی فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ۔ (اصحاب السنن۔ ابوہریرہؓ)

جس نے عہدہ قضا طلب کیا وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔

اس کا حکم بھی وہی ہے جو امارت کا ہے۔ یعنی ضعفاء' اور وہ تمام لوگ جن کی نظروں میں دنیا اور اس کی لذّات کی ذرا اہمیت ہو قاضی نہ بنیں' اور اقویا جنہیں حق کے سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ ہو اس منصب سے گریز نہ کریں۔ اگر بادشاہ ظالم ہوں' اور قاضی محض ان کی خوشامد' نیز ان کی خاطر اور ان کی متعلّقین کی وجہ سے بعض حقوق نظرانداز کرکے ہی اس منصب پر متمکّن رہ سکتا ہو' اور یہ سمجھتا ہو کہ اگر میں نے ان کے کسی مقدّمے میں حق پر فیصلہ دیا تو وہ معزول کردیں گے یا میرا فیصلہ تسلیم نہیں کریں گے تو اسے منصبِ قضا قبول نہ کرنا چاہیئے' اگر قبول کرلیا تو یہ اسکی ذمہ داری ہے کہ وہ بادشاہ ہوں اور ان کے متعلّقین سے ادائے حقوق کا مطالبہ کرے' معزولی کا خوف حق کی راہ میں مزاحم نہ ہونا چاہیئے بلکہ اگر اسے معزول کردیا جائے تو اس سے خوش ہونا چاہیئے کہ وہ اللہ کے لئے اس اَلمناک حادثے سے دوچار ہوا' اگر معزولی نفس پر شاق ہو' اور منصب کی حفاظت کے لئے حق کی پروا نہ کرے تو یہ شخص قاضی نہیں ہے' بلکہ خواہشات نفس کا تابع اور شیطان کا متبع ہے' اسے ثواب کی توقع نہ رکھنی

چاہیئے، وہ تو ظالموں کے ساتھ دوزخ کے نچلے درجے میں رہے گا۔

وعظ، فتویٰ اور تدریس: وعظ، فتویٰ اور تدریس ہی کے ضمن میں حدیث کی نقل و روایت اور عالی سند جمع کرنے کا عمل بھی ہے، جن چیزوں سے جاہ اور قدر و منزلت میں اضافہ ہو ان سب کی آفت اتنی ہی بڑی ہے جتنی ولایت و حکومت کی ہے۔ بعض اکابرین سلف جو اپنے اوپر خوف محسوس کرتے تھے جب تک ممکن ہوتا فتویٰ نویسی کی ذمہ داری سے بچنے کی کوشش کرتے اور یہ کہتے کہ حدثنا دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جو شخص حدثنا کہتا ہے وہ گویا اپنے احترام اور دنیاوی آسائش میں وسعت طلب کرتا ہے۔ بشر نے حدیث کی کئی الماریاں دفن کردی تھیں فرمایا کرتے تھے کہ میں حدیث کی روایت اس لئے نہیں کرتا کہ میرا دل حدیث بیان کرنے کی تمنا رکھتا ہے۔ اگر دل میں روایت حدیث کی تمنا نہ ہو تو ضرور بیان کروں، واعظ اپنے وعظ میں، لوگوں کے تاثر، ان کی آہ و بکا اور دلچسپی میں ناقابل بیان لذت پاتا ہے، اور جب یہ دیکھتا ہے کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہیں، اور اس کے وعظ سے متاثر ہیں تو یہ چاہتا ہے کہ ایسا کلام کیا جائے جو سننے والوں کو اچھا لگے خواہ وہ باطل ہی کیوں نہ ہو، نیز جو کلام عوام کو ناگوار گذرے خواہ وہ حق ہی کیوں نہ ہو اس سے احتراز کیا جائے۔ وہ اپنی تمام تر قوت اس بات کے لئے صرف کردیتا ہے کہ وہ کلام کرے جس سے عوام کے دلوں میں میرا احترام ہو، وہ حکمت اور حدیث پڑھتا یا سنتا ہے، اور یہ سوچ کر خوش ہوتا ہے کہ جب میں یہ حکیمانہ باتیں، اور حدیثیں منبر پر بیٹھ کر بیان کروں گا تو عوام ہمہ تن گوش ہو کر سنیں گے، اور میری تعریف میں رطب اللسان ہوں گے، حالانکہ اس کا مقصد حدیث و حکمت کے مطالعے اور سننے سے یہ ہونا چاہیئے تھا کہ میں سعادت و سلوک کا راستہ معلوم کروں، پہلے ان پر خود عمل پیرا ہوں، پھر اگر خداوند قدوس مجھ پر انعام فرمائے اور توفیق ارزانی ہو، تو میں دوسروں تک پہنچاؤں، تاکہ وہ بھی فائدہ اٹھاسکیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ وعظ و تدریس بھی ولایت و حکومت کی طرح فتنے کے خوف سے مأمون نہیں ہے اس کا حکم بھی وہی ہے جو ولایت کا ہے، یعنی جو شخص صرف جاہ و منزلت کے حصول کے لئے وعظ و تدریس کا منصب چاہتا ہے، اور اسے معاش کا ذریعہ، اور تفاخر و تکاثر کا وسیلہ بنانا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اس منصب سے اس وقت تک دور رہے جب تک اسے کا دل ہوا و ہوس سے خالی نہ ہوجائے، اور اس پر آخرت کا خوف اس قدر غالب ہوجائے کہ فتنے میں ملوث ہونے کا خوف باقی نہ رہے۔

اور یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اہل علم کو فتنے کے خوف سے تدریس اور وعظ سے روک دیا گیا تو علوم مٹ جائیں گے اور خیر کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا، تمام مخلوق جہالت کے اندھیروں میں غرق ہوجائے گی، ہم اس اعتراض کے جواب میں کہیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت کی طلب سے منع فرمایا ہے، اور اس پر وعید فرمائی ہے، ارشاد ہے:۔

اِنَّكُمْ تَحْرِصُوْنَ عَلَى الْاِمَارَةِ وَاِنَّهَا حَسْرَةٌ وَنَدَامَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا مَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا۔

(بخاری۔ ابوہریرہؓ)

تم امارت کی حرص کرتے ہو، حالانکہ وہ قیامت کے روز حسرت و ندامت کا باعث ہوگی، اِلّا یہ کہ کوئی شخص اسے حق کے طور پر اختیار کرے۔ (۱)

ایک حدیث میں ہے:۔

نِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ (بخاری۔ ابوہریرہؓ)

کیا اچھی ہے دودھ پلانے والی اور کتنی بری ہے دودھ چھڑانے والی۔

یعنی جب آتی ہے تو اچھی لگتی ہے، اور جب چھنتی ہے تو بری معلوم ہوتی ہے۔ یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر سلطنت و

(۱) یہ روایت عبدالرحمٰن ابن سمرہؓ سے پہلے بھی گذر چکی ہے۔

امارت معطل ہو جائے تو دین و دنیا سب برباد ہو جائیں' لوگوں میں کشت و خوں کا بازار گرم ہو جائے' امن جاتا رہے' شہر ویران ہو جائے معاشی وسائل باقی نہ رہیں' معلوم ہوا کہ دنیوی زندگی کا نظام قائم کرنے کے لئے سلطان یا امیر کا ہونا نہایت ضروری ہے' اس کے باوجود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطنت و امارت کے مناصب قبول کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے ابی ابن کعب کو محض اس بات پر زدو کوب کیا کہ ان کی قوم کے کچھ لوگ ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے' حالانکہ اُبیؓ کے بارے میں وہ خود یہ کہا کرتے تھے کہ اُبیؓ مسلمانوں کے سردار ہیں' انہیں کلام پاک سنایا کرتے تھے' لیکن جب لوگوں کو ان کے پیچھے چلتے ہوئے دیکھا تو منع کردیا۔ اور فرمایا کہ اس میں متبوع پر فتنہ کا خوف ہے' اور تابع کے لئے ذلت کا باعث ہے۔ حضرت عمرؓ خطبہ دیا کرتے تھے' اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے' لیکن جب ایک شخص نے آپ سے صبح کی نماز کے بعد وعظ کہنے کی اجازت مانگی تو آپ نے منع کردیا۔ اس شخص نے کہا کہ آپ لوگوں کو نصیحت کرنے سے روکتے ہیں' آپ نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ تو پھول کر کپّا نہ ہو جائے۔ انھوں نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ اس شخص میں جاہ اور مخلوق میں مقبولیت حاصل کرنے کی رغبت موجود تھی۔

وعظ' تدریس اور فتویٰ کی طرح لوگوں کو اپنے دین کے لئے قضاء اور خلافت کی بھی ضرورت ہے' دونوں میں لذت اور فتنہ بھی ہے' اس اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ معترض کا یہ کہنا کہ درس و تدریس اور فتویٰ سے روکنے سے علم مٹ جائے گا غلط ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاء سے منع فرمایا (مسلم۔ ابوذرؓ) لیکن کیا آپ کے منع فرمانے سے قضا کا نظام معطل ہو گیا' بلکہ ریاست و اقتدار کی خواہش لوگوں کو عہدۂ قضا کی طلب پر مجبور کرتی رہی اسی طرح ریاست کی خواہش بھی علوم کو مٹنے نہیں دے گی' بلکہ اگر لوگوں کو قید کردیا جائے' اور ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر ان علوم کی طلب سے روک دیا جائے جو مقبولیت اور ریاست فراہم کرتے ہیں تب بھی لوگ باز نہ آئیں' بیڑیاں کاٹ کر' اور زندانوں کے سخت پہروں سے بچ کر نکلیں گے اور ان علوم کی تحصیل میں مشغول ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ اس دین کی تائید ایسے لوگوں سے کرائے گا جن کا دین میں ذرا بھی حصہ نہ ہو گا۔ تم لوگوں کی فکر مت کرو' اللہ تعالیٰ انہیں تباہ و برباد نہیں کرے گا' بلکہ اپنے نفس کا خیال رکھو کہیں وہ ہلاک نہ ہو جائے۔

نیز یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئیے کہ اگر کسی شہر میں بہت سے واعظ ہوں اور انہیں وعظ کہنے سے منع کیا جائے تو ان میں سے چند واعظ یہ حکم مانیں گے' زیادہ تر واعظ وہ ہوں گے جو ریاست کی لذت سے دست بردار ہونا پسند نہ کریں گے' ہاں اگر پورے شہر میں صرف ایک واعظ ہو' اور اس کا وعظ لوگوں کے لئے اس کی خوش بیانی اور وضعداری کی وجہ سے مفید بھی ثابت ہو رہا ہو' اور یہ سمجھا جاتا ہو کہ وہ اخلاص کے ساتھ وعظ کہتا ہے' دنیا سے اسے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ ایسے وعظ کو منع نہیں کرتے' بلکہ اس سے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ وعظ کہتا رہے' اگر وہ یہ کہے کہ میں اپنے نفس پر مطمئن نہیں ہوں تب بھی ہم یہی کہیں گے کہ وعظ کا سلسلہ جاری رکھ' اور مجاہدہ کر' اس لئے کہ ہم جانتے ہیں اگر اس نے وعظ بند کردیا تو شہر کے لوگ ہلاک ہو جائیں گے دینی سطح پر ان کی رہنمائی کرنے والا اس کے علاوہ نہیں ہے' اگر اس نے طلب جاہ کے لئے وعظ گوئی کا سلسلہ جاری رکھا اور اس کے نتیجے میں ہلاک ہوا تب بھی ہمیں کچھ پروا نہیں ہے' اس لئے کہ سب کے دین کی سلامتی ہمیں ایک شخص کے دین کی سلامتی سے زیادہ عزیز ہے۔ اس شخص کو ہم ان تمام اہلِ شہر پر فدا کرتے ہیں جو اس کی اتباع سے اپنی عاقبت سنوار رہے ہیں۔ شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِأَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَهُمْ۔
(نسائی)

اللہ تعالیٰ اس دین کی ان لوگوں سے مدد کرائے گا جنھیں دین میں بہرہ نہیں۔

واعظ کی تعریف : صحیح معنیٰ میں واعظ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے کلام اور ظاہری ہیئت سے لوگوں کو آخرت کی ترغیب دلاتا ہو' اور دنیا میں زاہد ہو' آج کل واعظ شوکت الفاظ کا سہارا لیتے ہیں' اور اپنی تقریروں میں مسجّع و مقفّیٰ زبان استعمال کرتے ہیں' جن

میں جگہ جگہ اشعار کی بھرمار ہوتی ہے' یہ تقریریں قوت بیان کا نمونہ تو ہو سکتی ہیں لیکن ان سے دین کی تعظیم نہیں ہو سکتی' اور نہ مسلمانوں میں آخرت کا خوف پیدا ہو سکتا ہے' بلکہ ان سے تو گناہوں کے ارتکاب پر جرأت اور شہوات کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ ایسے واعظوں کو شہربدر کردینا چاہئے یہ لوگ دجال کے نائبین اور شیطان کے خلفاء ہیں' ہم ایسے واعظ کی بات کررہے ہیں جس کا کلام اچھا ہو' ظاہر خوب صورت ہو' اور اس کے دل میں وعظ و ارشاد سے طلب جاہ مقصود ہو۔ کتابُ العلم میں علمائےسُوء کے بارے میں شدید ترین وعیدیں ذکر کی گئی ہیں' ان سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے فتنوں سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایسے ہی عالموں سے خطاب فرمایا: اے علمائےسُوء! تم لوگ روزے رکھتے ہو' نمازیں پڑھتے ہو' صدقات دیتے ہو' لوگوں کو جس کام کے لئے کہتے ہو خود وہ کام نہیں کرتے' لوگوں کو نصیحت کرتے ہو خود عمل نہیں کرتے' کتنا خراب موقف ہے تمہارا' تم زبان سے توبہ کرتے ہو اور خواہشات نفس کی اتباع کرتے ہو' اس سے تمہیں کیا فائدہ ہو گا کہ تمہارے ظاہر آراستہ ہیں اور دل نجاستوں سے آلودہ ہیں' میں سچ کہتا ہوں کہ تم چھلنی کی طرح مت بنو جس میں سے بہترین آٹا چھن کر نکل جاتا ہے اور بیکار بھوسہ باقی رہ جاتا ہے' یہی حال تمہارا ہے' حکمت کی باتیں تمہاری زبانیں اگل دیتی ہیں' اور سینوں میں کپٹ باقی رہ جاتا ہے۔ دنیا کے غلامو! وہ شخص آخرت کیسے پا سکتا ہے جو دنیاوی شہوات کے لئے تگ و دو کررہا ہے' اور دنیا سے جس کی رغبت منقطع نہیں ہوئی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے دل تمہارے اعمال پر گریہ کررہے ہیں' تم نے اپنی دنیا اپنی زبانوں کے نیچے اور اپنا عمل اپنے قدموں تلے ڈال رکھا ہے میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم نے اپنی دنیا سدھار کر اپنی آخرت تباہ کرلی ہے' دنیا کی بھلائی تمہارے نزدیک آخرت کی بھلائی سے زیادہ محبوب ہے۔ تم سے زیادہ کمینہ کون ہو سکتا ہے۔ کاش تم اپنی بدبختی سے واقف ہوتے' تم کب تک اندھیروں میں چلنے والوں کے لئے راستہ صاف کروگے اور خود حیران و پریشان کھڑے رہو گے گویا دنیا والوں سے تم یہ چاہتے ہو کہ وہ دنیا تمہارے لئے چھوڑ کر چلتے نہیں۔ بس کرو بس کرو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ چھت پر چراغ رکھنے سے مکان کی تاریکی دور نہیں ہوتی' اگر نور علم تمہارے منھ میں ہو' اور تمہارا دل اس نور سے خالی ہو تو یہ علوم تمہارے کس کام کے ہیں؟ دنیا کے غلامو! تم نہ متقی بندے ہو' اور نہ غیراللہ کے طوق غلامی سے آزاد شریفُ النّفس انسان۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ دنیا تمہیں تمہارے اصولوں سے ہٹادے گی اور تمہیں پیچھے سے دھکا دے کر حقیقی بادشاہ کے سپرد کردے گا' تمہارا حال یہ ہوگا کہ نہ تمہارے سر پر ٹوپی ہوگی اور نہ پاؤں میں جوتے ہوں گے' بادشاہ حقیقی تمہیں تمہاری برائیوں پر مطلع کرے گا پھر تمہیں تمہاری بداعمالیوں کی سزا دے گا۔ حرث محاسبیؒ نے اپنی کسی کتاب میں یہ حدیث لکھی ہے' اس کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ یہ علماء سُوء انسانوں کے شیطان ہیں' لوگوں کے حق میں فتنہ ہیں' دنیاوی متاع اور اس کی رفعت و عظمت میں دلچسپی رکھتے ہیں' اور اسے آخرت پر ترجیح دیتے ہیں' انھوں نے دنیا کے لئے دین کو رُسوا کیا ہے' یہ لوگ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہیں' اور آخرت میں بھی رُسوا ہوں گے' خسارہ پائیں گے۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دنیا کی یہ ظاہری آفتیں تسلیم' لیکن علم اور وعظ کی فضیلت میں بہت سی ترغیبی احادیث بھی وارد ہوئی ہیں' جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

لِاَنْ یَّهْدِیَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلاً خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا۔
(بخاری و مسلم۔ سہل ابن سعدؓ)

ایک آدمی تیرے ذریعے ہدایت پالے دنیا و مافیہا سے بہتر تیرے حق میں یہ ہے۔

ایک حدیث میں ہے:۔

اَیُّمَا دَاعٍ دَعَا اِلٰی هُدًی وَاتُّبِعَ عَلَیْهِ كَانَ لَهُ اَجْرُهُ وَاَجْرُ مَنِ اتَّبَعَهُ۔
(ابن ماجہ۔ انسؓ)

جو داعی ہدایت کی دعوت دے' اور لوگ اس کی اتباع کریں اس کے لئے اس کا اجر بھی ہے' اور اتباع کرنے

والوں کا ثواب بھی ہے۔

اس طرح کی بے شمار روایات ہیں جو علم کی فضیلت میں بیان ہوتی ہیں۔ عالم کو ترکِ علم کا مشورہ دینے کے بجائے یہ کہنا چاہیئے کہ علم میں مشغول رہ' اور مخلوق کی خاطر ریا کاری ترک کر۔ جیسے اس شخص سے کہا جاتا ہے جو نماز پڑھتے ہوئے ریا سے مغلوب ہو جائے کہ عمل مت چھوڑ' بلکہ اسے مکمل کر' اور نفس کے ساتھ مجاہدہ کر' جاننا چاہیئے کہ علم کی بڑی زبردست فضیلت ہے' اسی طرح اس کا خطرہ بھی بڑا ہے' جیسے خلافت و امارت افضل ترین عمل ہے' لیکن اس کی آفت بھی اتنی ہے بڑی ہے۔ ہم اللہ کے کسی بندے سے یہ نہیں کہتے کہ وہ علم ترک کردے' اس لئے کہ نفسِ علم میں کوئی آفت نہیں ہے۔ آفت وعظ و تدریس اور روایت حدیث کے ذریعہ اس کے اظہار میں ہے اسی طرح ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ اگر نفس میں باعثِ ریاء کے ساتھ باعثِ دین موجود ہو تو عمل ترک کر دے' اس صورت میں بھی علم ظاہر کردینا چاہیئے ہاں اگر عمل کی تحریک صرف ریا سے ہوتی ہے تب اظہار نہ کرنا ہی اس کے حق میں مفید تر اور سلامتی کا موجب ہے۔ یہی حال نفلی نمازوں کا ہے۔ اگر کوئی شخص محض ریا کی تحریک سے نوافل پڑھتا ہے اسے یہ نوافل ترک کردینے چاہئیں' ہاں اگر ریا کے وساوس اور خطرات نماز کے دوران پیش آئے ہوں اور وہ انھیں ناپسند بھی کرتا ہو تب نماز ترک نہ کرے۔ اس لئے کہ عبادات میں ریا کی آفت نسبتہً ضعیف ہوتی ہے' اور ولایت و حکومت اور علم سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ مناصب میں قوی ہوتی ہے۔ مجموعی طور پر ان کے تین درجے ہیں۔

پہلے درجے میں ولایات ہیں' ان میں آفتیں زیادہ ہیں' اور بہت سے اکابر سلف نے آخرت کے خوف سے انھیں ترک کیا ہے' دوسرا درجہ نماز' روزہ' حج اور جہاد وغیرہ کا ہے' یہ عباداتِ سلف کی قوی و ضعیف سب ہی بزرگوں نے ادا کی ہیں' آخرت کے خوف کی بنا پر کسی سے ترک منقول نہیں ہے' کیوں کہ ان عبادات کی آفتیں ضعیف ہیں' جو عمل کی تکمیل کے ساتھ ادنیٰ قوت سے دور ہو سکتی ہیں۔ تیسرا درجہ جو دونوں درجوں کے درمیان ہے وہ وعظ و فتویٰ' تدریس اور روایت حدیث کا ہے۔ ان اعمال میں بھی آفتیں ہیں' لیکن پہلے درجے کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ نماز وغیرہ عبادات کے سلسلے میں تو یہ حکم ہے کہ انھیں نہ قوی ترک کرے اور نہ ضعیف' البتہ ریا کے خطرے کو دُور کرتے رہیں ولایت وغیرہ کے سلسلے میں یہ حکم ہے کہ ضعفاء اسے ہاتھ بھی نہ لگائیں' اقویاء اسے ترک نہ کریں' رہے علمی مناصب' یہ دونوں گروہوں میں مشترک رہنے چاہئیں۔ جو شخص علم کی آفات کا تجربہ رکھتا ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ عالم اور حاکم دونوں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں جس طرح ضعیف ولایت سے اجتناب کرنا ضروری ہے' اسی طرح اسے علمی مناصب سے بھی بچنا چاہیئے' یہی اس کے لئے زیادہ محفوظ طریقہ ہے۔

یہاں ایک درجہ اور ہے' اسے چوتھا درجہ کہ لیجئے' اس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی جمع کرے اور مستحقین میں تقسیم کردے' داد و دہش' اور اظہارِ سخاوت بھی لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے' اور ان کی زبانوں پر اپنے لئے تعریفی الفاظ جاری کرانے کا ایک زبردست ذریعہ ہے' کسی شخص کو کچھ دینے کا مطلب اسے خوش کرنا بھی ہے' دوسرے کو خوش کرنا بھی ایک لذّت ہے' اس اعتبار سے یہ درجہ بھی آفات سے خالی نہیں ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا گیا ایک شخص اپنے روزینے کے بقدر کماتا ہے' اور رک جاتا ہے دوسرا ضرورت سے زائد کماتا ہے اور صدقہ کرتا ہے ان دونوں میں افضل کون ہے؟ فرمایا: بقدرِ ضرورت کما کر رک جانیوالا افضل ہے حضرت حسنؓ نے یہ فیصلہ اس لئے فرمایا کہ وہ جانتے تھے کہ لوگ دنیا میں پھنس کر بہت کم سلامت رہتے ہیں زیادہ تر لوگ ضائع ہوجاتے ہیں زہد کے معنیٰ ہیں اللہ کی قربت حاصل کرنے کی نیت سے دنیا ترک کرنا۔ حضرت ابوالدرداء فرمایا کرتے تھے مجھے اس بات کی خوشی نہیں ہوگی کہ میں پچاس ہزار درہم کما کر دمشق کی جامع مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو جاؤں' اور وہ مال غریبوں میں تقسیم کردوں' مجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ میرا شمار ان لوگوں میں ہو جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ڈر سے غافل نہیں کرتی' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں خرید و فروخت کو حرام قرار دے رہا ہوں۔ بلکہ میرا مقصد ہے کہ میں ان لوگوں میں رہوں جن کی تعریف میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:۔

لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (پ ۱۸ ر ۱۱ آیت ۳۶)

جن کو اللہ کی یاد نہ خرید غفلت میں ڈالنے پاتی ہے اور نہ فروخت۔

یہ اس شخص کا حکم تھا جو آفات سے محفوظ رہ کر دنیا کماتا ہو۔ اور جو شخص ریا میں مبتلا ہو اس کے لئے یقیناً مال ترک کرنا افضل ہے' اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ایسے شخص کو اللہ کے ذکر میں مشغول ہونا چاہئے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جن چیزوں کا تعلق نفس اور مخلوق سے ہے ان میں آفتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ اس صورت میں عمل کرنا اور آفات دور کرنا افضل ہے اگر اس پر قادر نہ ہو تو غور و فکر کرے' اجتہاد سے کام لے' اپنے دل سے فتویٰ لے' خیر اور شر میں موازنہ کرے اور نور علم جس پہلو کی طرف ہدایت کرے وہ اختیار کرے' طبیعت کے میلان اور نفس کی رغبت پر توجہ نہ دے۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ دل پر جو چیز آسان نظر آتی ہے اس میں ضرر ہوتا ہے' کیوں کہ نفس ضرر شر کی طرف اشارہ کرتا ہے' اور اسی سے زیادہ لذت پاتا ہے۔ خیر کی طرف رغبت کم کرتا ہے۔ اگرچہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ شر سے محفوظ رہے اور خیر سے لذت پائے۔ یہ وہ امور ہیں جن پر الگ الگ نفی و اثبات کا حکم لگانا مشکل ہے۔ بلکہ ان کا مدار قلب کے اجتہاد پر ہے تاکہ جو بات صحیح اور دین کے لئے مناسب سمجھے اسے بلا تردد اختیار کرے' اور شبہات سے احتراز کرے۔

بعض اوقات اس بیان سے جاہل آدمی غلط فہمی کا شکار ہو جاتا ہے' وہ مال تو جمع کرتا ہے' لیکن آخرت کے خوف سے خرچ نہیں کرتا' یہ عین بخل ہے' اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ مباحات میں مال خرچ کرنا اسے روکنے سے افضل ہے چہ جائیکہ مال صدقات میں خرچ کیا جائے' اس کی فضیلت یقیناً زیادہ ہوگی۔ اختلاف کا محور وہ شخص ہے جو کسب کا محتاج ہے' آیا اس کے لئے کسب اور انفاق افضل ہے یا اللہ کے ذکر کے لئے فارغ البالی افضل ہے۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کسب میں بہت سی آفتیں ہیں۔ جو مال حلال طریقے سے کمایا گیا ہو اسے خرچ کرنا روکنے سے زیادہ بہتر ہے۔

صدق و اخلاص کی علامات : رہا یہ سوال کہ علماء اور واعظین کے اخلاص' صدق' اور ریا سے بُعد کی علامتیں کیا ہیں؟ کیسے معلوم ہو کہ فلاں عالم اپنے علم اور فلاں واعظ اپنے وعظ سے ریا کاری نہیں کر رہا ہے؟ جاننا چاہئے کہ اس کی چند علامتیں ہیں۔ ایک علامت یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص سامنے آئے جو اس سے اچھا وعظ کہتا ہو' اس سے اچھا عالم ہو اور لوگوں میں زیادہ مقبولیت رکھتا ہو تو وہ اس سے خوش ہو' حسد نہ کرے' البتہ رشک میں کوئی حرج نہیں ہے۔ رشک یہ ہے کہ وہ اپنے لئے بھی اسی جیسے علم' اور مقبولیت کا متمنی ہو' ایک علامت یہ ہے کہ جب اس کی مجلس میں بڑے پہنچ جائیں تو وہ اپنا اُسلوبِ بیان نہ بدلے' بلکہ اسی طرح بولتا رہے' تمام آدمی اس کی نظر میں برابر ہونے چاہئیں۔ ایک علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے اس بات کی خواہش نہ رکھتا ہو کہ لوگ بازاروں' اور راستوں میں اس کے پیچھے پیچھے چلیں۔ ان کے اخلاص و ریا کا پتا چلانے کے لئے بے شمار علامات ہیں انکا احاطہ بھی دشوار ہے۔ سعید ابن مروان سے روایت ہے کہ میں حضرت حسنؓ کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا' اتنے میں مسجد کے کسی دروازے سے حجاج اندر آیا' اس کے ساتھ محافظ دستہ بھی تھا' وہ اپنے زرد خچر پر سوار ہو کر مسجد کے اندر داخل ہوا۔ اور چاروں طرف دیکھنے لگا' حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں جس قدر لوگ تھے اتنے کسی اور جگہ نہیں تھے۔ قدرتی طور پر وہ ان ہی کی طرف بڑھا' قریب پہنچ کر سواری سے اُترا اور آپ کی مجلس میں پہنچ گیا۔ جب آپ نے اسے اپنی مجلس میں آتے ہوئے دیکھا تو اپنی جگہ میں سے تھوڑی سی گنجائش' سعید کہتے ہیں تھوڑی سی جگہ میں نے بھی چھوڑی' یہاں تک کہ ہم دونوں کے درمیان اس کے بیٹھنے کی جگہ ہو گئی' حجاج آکر بیٹھ گیا' حضرت حسنؓ جس طرح کلام کر رہے تھے اسی طرح کرتے رہے۔ میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا یقیناً آج گفتگو کا عنوان بھی بدلے گا اور مضامین بھی معیاری ہوں گے تاکہ اس کی قربت پائیں' یا حجاج کے خوف سے کم کلام کریں' لیکن حسنؓ عام دنوں کی طرح وعظ و نصیحت میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ تقریر مکمل ہو گئی' انھوں نے یہ بھی پروا نہیں کی کہ میری مجلس میں کون بیٹھا ہے؟ حجاج نے اپنا ہاتھ اٹھا کر حسنؓ کے شانے پر مارا اور کہنے لگا کہ شیخ کا قول سچ ہے۔ اور خوب ہے۔ لوگو! ایسی ہی مجلسوں میں بیٹھا کرو۔ اور جو

کچھ یہاں سنو اسے اپنا اخلاق اور اپنا شعار بنالو۔ مجھ تک یہ روایت پہنچی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ مَجَالِسَ الذِّکْرِ رِیَاضُ الْجَنَّۃِ (۱)

ذکر کی مجلسیں جنت کے باغ ہیں۔

ہم لوگ مخلوق کے انتظام میں مشغول ہیں اس لئے تم ہم پر غالب آگئے ہو' ورنہ ان مجلسوں میں تم سے زیادہ ہم بیٹھتے۔ کیوں کہ ہمیں ان مجلسوں کی خوبیاں زیادہ معلوم ہیں۔ اس کے بعد حجاج تھوڑا سا مسکرایا' اور ایسی تقریر کی کہ حضرت حسن اور حاضرین مجلس اس کی فصاحت و بلاغت پر انگشت بدنداں رہ گئے' گفتگو ختم کرکے وہ مجلس سے رخصت ہوگیا' تھوڑی دیر کے بعد ایک شامی نژاد شخص وہاں آیا اور اس جگہ جہاں حجاج کھڑا ہوا تھا ٹھہر کر کہنے لگا' خدا کے مسلمان بندو! کیا تمہیں اس بات پر تعجب نہیں آتا کہ میں ضعیف و ناتواں شخص ہوں اور جہاد کرتا ہوں' مجھے گھوڑے اور خیمے کی سخت ضرورت ہے۔ میرے پاس تین سو درہم ہیں جو لوگوں نے عطیئے میں دیئے ہیں' میری سات بیٹیاں ہیں' اس شخص نے اپنی تنگدستی اور مفلسی کا کچھ ایسا نقشہ کھینچا کہ حضرت حسنؒ اور حاضرین مجلس سب اس پر ترس کھانے لگے' حضرت حسنؒ نے اپنا سر اٹھایا اور کہا ان اُمراء کو کیا ہوگیا ہے۔ اللہ انھیں ہلاک کرے' انھوں نے اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنالیا ہے' اور اس کے مال کو اپنا مال سمجھ لیا ہے۔ وہ لوگوں سے درہم و دینار کے لئے جنگ کرتے ہیں' جب دشمن برسرِ پیکار ہوتے ہیں تو خود بہترین خیموں میں رہائش اختیار کرتے ہیں' اور تیز رفتار گھوڑوں پر سواری کرتے ہیں' اور جب ان کے بھائی جہاد کے لئے جاتے ہیں تو انھیں نہ سواری کے لئے جانور میسّر آتا ہے' اور نہ رہائش کے لئے خیمہ' وہ بھوکے ننگے سفر کرتے ہیں۔ سلاطین کے متعلق آپ نے اسی طرح کی باتیں کیں۔ اور ان کے تمام عیوب ذکر کئے' ایک شامی شخص جو حضرت حسنؒ کی مجلس میں حاضر تھا اٹھا اور حجاج سے جا کر انکی چغلی کھائی' اور جو کچھ حسن نے حجاج وغیرہ حکمرانوں کے متعلق کہا تھا وہ سب کچھ نقل کیا' ذرا ہی دیر میں حجاج کے قاصد حسن کے پاس پہنچے اور انھیں امیر کا پیغام پہنچایا' حضرت حسنؒ اپنی جگہ سے اُٹھ کر چلے' ہمیں ڈر ہوا کہ کہیں حجاج آپ کو ایذا نہ پہنچائے' تھوڑی دیر میں حضرت حسنؒ ہنستے مسکراتے واپس آئے' ہم نے انھیں بہت کم اس طرح ہنستے ہوئے دیکھا تھا' آپ صرف مسکرایا کرتے تھے' واپسی کے بعد آپ نے پہلے امانت پر روشنی ڈالی' اور فرمایا کہ تم لوگ جس جگہ بیٹھتے ہو امانت کے ساتھ بیٹھتے ہو' تم میں سے بعض کا خیال ہو گا کہ خیانت صرف درہم و دینار میں ہوتی ہے' حالانکہ شدید ترین خیانت یہ ہے کہ ایک شخص ہمارے پاس آکر بیٹھے' ہم اس پر اعتماد کریں' پھر وہ ہماری گفتگو دوسروں سے جاکر نقل کر دے' اور آگ کے شعلے سے ہماری چغلی کھائے۔ مجھے اس شخص (حجاج) نے بلایا' میں گیا' اس نے مجھ سے کہا کہ تم اپنی زبان جو لگام دو' اس طرح کی بکواس کرکے ہمارے خلاف لوگوں کو مت بھڑکاؤ' ہمیں لوگوں کے بھڑکنے کی پروا نہیں ہے' اتنا کہ سن کر وہ خاموش ہوگیا' اور یہ تصنیہ بخیر گذر گیا۔ ایک مرتبہ حضرت حسنؒ گدھے پر سوار اپنے گھر تشریف لے جا رہے تھے۔ پیچھے مڑ کر دیکھا بہت سے لوگ پیچھے پیچھے چل رہے ہیں' آپ ٹھہر گئے' اور ان سے پوچھنے لگے کہ وہ پیچھے پیچھے کیوں چل رہے ہیں' آیا انھیں کسی چیز کی ضرورت ہے یا وہ مجھ سے کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتے ہیں اگر وہ بلا وجہ پیچھے چلے آرہے ہیں تو انھیں لوٹ جانا چاہیئے۔ یہ صورت بندے کا دل (محاسن سے) خالی کردیتی ہے۔

یہ ہیں وہ علامات جن سے بندے کے باطن کا حال معلوم ہو جاتا ہے' جب تم علماء کو دیکھو کہ وہ ایک دوسرے سے جلتے ہیں' ایک دوسرے سے مغائرت برتتے ہیں' اُنس و محبت اور تعاون کا کوئی رشتہ ان کے درمیان نہیں ہے تو یہ سمجھ لو کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے عوض خرید لیا ہے۔ اللہ! ہم پر اپنے لُطف و کرم کے صدقے میں رحم فرما۔

اگر لوگوں کے دیکھنے سے نشاط حاصل ہو؟ : بعض اوقات آدمی ایسے لوگوں میں رات گذارتا ہے جو تہجد کے لئے بیدار ہوتے ہیں' یا ان میں بعض لوگ تمام رات' یا رات کے کچھ حصے میں نماز پڑھتے ہیں' اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جو رات کو

یہ روایت پہلے بھی گذری ہے۔

تھوڑی دیر جاگتے ہیں، لیکن جب انھیں دیکھا تو طبیعت میں نشاط پیدا ہوا، اور دل چاہا کہ میں بھی ان کی موافقت کروں، اس طرح وہ اپنے معمول سے تجاوز کر جاتا ہے، یا رات کو جاگنے کی قطعاً عادت نہیں ہوتی لیکن انھیں دیکھ کر کچھ دیر یا تمام رات جاگ لیتا ہے، اور ان کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، کبھی ایسے لوگوں میں رہنے کا موقع ملتا ہے جو روزہ رکھتے ہیں، ان کی دیکھا دیکھی خود بھی روزہ رکھ لیتا ہے، حالانکہ اگر ان میں رہنے کا اتفاق نہ ہوتا تو دل میں کبھی روزہ رکھنے کی تحریک نہ ہوتی۔ اس طرح کے اعمال پر ریا کا حکم لگا دیا جاتا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ ان اعمال کا ترک واجب ہے۔ حالانکہ یہ اعمال مطلقاً ریا نہیں ہیں، بلکہ ان میں کچھ تفصیل ہے۔

ہر مسلمان کو اللہ کی عبادت، نماز تہجد، روزے وغیرہ کی کچھ نہ کچھ رغبت ہوتی ہے، لیکن کسی رکاوٹ کی وجہ سے وہ اپنی رغبت کی تکمیل نہیں کرپاتا۔ کبھی غلبۂ شہوت کی وجہ سے، کبھی کاروبار کی کثرت کی بنا پر، اور کبھی غفلت اور نسیان کے باعث۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی دوسرے شخص کو عبادت میں مشغول دیکھ کر غفلت زائل ہوجاتی ہے، موانع اور مشغولیات ختم ہوجاتی ہیں اور عبادت کے لئے طبیعت میں نشاط اور آمادگی پیدا ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر آدمی اپنے گھر میں ہو تو وہ ان وجوہات کی بنا پر تہجد کی نماز نہیں پڑھ پاتا۔ نرم و گداز بستر پر آرام کر رہا ہے یا اپنی بیوی کے ساتھ مشغول ہے، یا گھر والوں کے ساتھ بات چیت کرنے میں مصروف ہے یا بیوی بچوں سے دل بہلا رہا ہے یا اپنے ملازمین سے حساب فہمی کر رہا ہے، یا غیر میں یہ تمام مصروفیات نہیں ہوتیں، اور بعض ایسے اسباب پیدا ہوجاتے ہیں جن سے خیر پر رغبت ہو، جیسے دوسرے لوگوں کو دیکھنا کہ وہ اللہ کی عبادت میں منہمک ہیں اور دنیا کی چیزوں سے کنارہ کشی اختیار کئے ہوئے ہیں، انھیں دیکھ کر یقیناً دل میں عبادت کا داعیہ پیدا ہوگا، اور اطاعتِ خداوندی میں ان کی پیش قدمی گراں گذرے گی، یہ اطاعت ریا کی وجہ سے نہیں ہوگی، بلکہ دل میں دینی باعث یا دینی جذبہ بیدار ہوگا بعض اوقات آدمی کو اجنبی جگہ پر نیند نہیں آتی وہ اسے غنیمت سمجھتا ہے اور خالی وقت کو عبادت میں لگا دیتا ہے، اپنے گھر میں کبھی تو نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور کبھی دوسرے موانع رہنے کے باعث مستقل تہجد کی پابندی بھی گوارا نہیں کرتا اگر کبھی کبھی گھر پر رہ کر تہجد پڑھ لیا کرے تو ہوسکتا ہے شوق پیدا ہوجائے، اور مشغولیات مانع نہ بنیں۔ اسی طرح گھر میں رہ کر روزہ رکھنا بھی دشوار ہوتا ہے، کیوں کہ گھر میں طرح طرح کے لذیذ کھانے بنتے ہیں جنھیں چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، اگر گھر میں بھی معمولی کھانے ملیں تو روزہ رکھنا دشوار نہ ہو، سفر میں آدمی گھر جیسی نعمتوں سے محروم ہوجاتا ہے اس لئے وہ با آسانی روزہ رکھ لیتا ہے، ریا کی وجہ سے نہیں، بلکہ دینی داعیے سے۔ کیوں کہ شہوات روزہ کے لئے مانع ہیں، اور دینی باعث پر غالب رہتی ہیں، جب آدمی ان شہوات سے محفوظ ہوجاتا ہے تو دینی باعث پھر قوی ہوجاتا ہے یہ اور اس طرح کے اسباب کا وقوع لوگوں کے مشاہدے اور ان کے ساتھ موافقت کرنے کی خواہش سے ممکن ہے۔

اس صورت میں بھی شیطان اپنی حرکت سے باز نہیں آتا، بلکہ اسے یہ کہہ کر عمل سے روکنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس طرح لوگوں کو دیکھ کر عمل کرنا ریا کاری ہے، تم اپنے گھر پر ایسا نہیں کرتے تھے یہاں کیوں کر رہے ہو؟ تاکہ لوگ دیکھیں، وہ انھیں معمول کے مطابق نماز پڑھنے پر مجبور کرتا ہے، زیادہ پڑھنے کو ریا سے تعبیر کرتا ہے، حالانکہ بعض اوقات لوگوں کو عبادت میں مشغول دیکھ کر، ان کی مذمت کے خوف سے، اور سستی و کاہلی کے الزام سے اپنا دامن بچانے کے لئے آدمی یہ چاہتا ہے کہ ذرا زیادہ عبادت کرلے، خاص طور پر اس صورت میں جب کہ لوگ اسے شب زندہ دار عابد تصوّر کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہوں، اور ان کا حسنِ ظن ختم ہوجائے، وہ ان کی نظروں میں گرنا نہیں چاہتا، بلکہ اپنا مقام بلند کرنا چاہتا ہے۔ اس صورت میں شیطان اسے نماز پڑھنے کی تلقین کرتا ہے، اور کہتا ہے پڑھو، تم مخلص ہو، تم ان کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ رہے ہو، بلکہ تمہارا مقصد تو اللہ کے یہاں درجات کی بلندی حاصل کرنا ہے تمام اس سے پہلے موانع کی کثرت کی بنا پر مستقل شب بیداری نہیں کر سکتے تھے، اب موانع ختم ہوئے ہیں تو تم نماز پڑھ رہے ہو، تمہارا منشاء یہ نہیں ہے کہ لوگوں کو تمہاری عبادت سے واقفیت ہو، اس بات کا فیصلہ صرف اہلِ بصیرت کرسکتے ہیں کہ ان کی نماز اللہ کے لئے ہے یا بندوں کے لئے۔ عام لوگ اس اِشتباہ سے اپنا دامن

نہیں بچاپاتے۔ تاہم جب یقین کے ساتھ یہ بات معلوم ہو جائے کہ محرّک ریا ہے تو معتاد سے زیادہ نہ پڑھے خواہ ایک رکعت ہی کیوں نہ ہو' کیوں کہ عبادت سے بندوں کی رضا جوئی اللہ کی نافرمانی ہے' اور اگر زائد نماز اس لئے پڑھتا ہے کہ رکاوٹیں دور ہو گئیں' یا دل میں رشک اور منافست کے جذبے کو تحریک ہوئی تو ضرور پڑھے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اپنے آپ سے سوال کرے کہ بالفرض اگر میں ان لوگوں کو کسی ایسی جگہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا جہاں سے یہ مجھے نہ دیکھتے تب بھی میرا دل عبادت پر آمادہ ہوتا یا نہیں؟ اگر صورت میں نماز پر دل آمادہ نظر آئے ضرور پڑھے کیونکہ اس کا محرّک حق ہے۔ باری تعالیٰ کی رضا جوئی ہے' اور اگر اس صورت میں نفس پر نماز پڑھنا گراں ہو تب نماز نہ پڑھے کیوں کہ اس کا باعث ریا ہے۔

کبھی آدمی جمعہ کے دن جامع مسجد میں بڑے نشاط اور دل چسپی کے ساتھ جاتا ہے' حالانکہ اور دنوں میں اس طرح حاضری نہیں دیتا' اس کی یہ دل چسپی اس لئے بھی ہو سکتی ہے کہ وہ لوگوں کی تعریف کا خواہشمند ہے' اور اس لئے بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے لوگ بھی اسی نشاط اور دل چسپی کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں' انھیں اللہ کی طرف متوجّہ دیکھ کر اس کی غفلت ختم ہو جاتی ہے' اور دینی محرّک پیدا ہو جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگوں کو دیکھنے سے دل میں دینی محرّک ہوتا ہے' اور یہ خواہش بھی کہ لوگ اس عابد و زاہد کہیں' اس کی تعریف کریں' اس صورت میں یہ دیکھنا چاہئے کہ دل پر کسی محرّک کا غلبہ ہے' اگر دینی محرّک غالب ہے تو محض اس لئے عمل ترک کرنا مناسب نہیں کہ دل میں تعریف کی خواہش بھی ہے' بلکہ نفس کو سمجھائے کہ اس طرح کی خواہش اچھی چیز نہیں ہے اس سے اعمال کا ثواب باطل ہو جاتا ہے' بعض اوقات بہت سے لوگوں کو اجتماعی طور پر روتے ہوئے دیکھ کر آدمی کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہو جاتا ہے' اور وہ خود بھی رونے لگتا ہے۔ اگر تنہا ہوتا' اور وہ کلام سنتا جسے سن کر دوسرے لوگ روئے ہیں کبھی نہ روتا' دوسروں کے رونے سے اس کے دل میں رقّت پیدا ہوتی ہے۔ پھر بعض دفعہ رونا نہیں آتا' لیکن رونے والوں کی سی صورت بنانی پڑتی ہے' کبھی ریا کی وجہ سے اور کبھی صدق و اخلاص کی وجہ ساتھ اس خوف سے کہیں قلب میں قساوت پیدا نہ ہو جائے کہ لوگ رو رہے ہوں' تب اور اس کی آنکھوں میں ایک بھی آنسو نہ ہو' اس لئے تکلّفاً بھی رونا پڑتا ہے' یہ ایک پسندیدہ فعل ہے' اور ضمن میں صدق کی علامت یہ ہے کہ وہ اس کو دیکھ نہ رہے ہوں تب بھی نفس کو بتکلّف گریہ پر آمادہ کرے گا یا اس کے مرضی پر چھوڑ دے گا۔ اگر ان کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کی صورت میں رونے میں تکلّف نہ کرے' بلکہ انھیں دیکھ کر منھ بنائے' اور زبردستی آنکھوں میں پانی بھرلائے تاکہ لوگ اسے سخت دل نہ کہیں تو اس سے بہتر نہ رونا ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی کہ لوگوں کو یہ مت دکھلاؤ کہ تم اللہ سے ڈرنے والے ہو' تاکہ وہ تمہاری تعظیم کریں' حالانکہ تمہارا دل فسق و فجور میں مبتلا ہو۔

قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر اللہ کے وقت یا بعض دوسرے مواقع پر چیخنا چلّانا' ٹھنڈی آہیں بھرنا' اور رونے والوں کی سی آوازیں نکالنا صدق' حُزن' خوف' ندامت' اور افسوس کی بنا پر ہو سکتا ہے' اور دوسروں کا غم دیکھ کر اپنے قلب کی قساوت دور کرنے کے لئے تکلّف بھی ہو سکتا ہے' یہ دونوں صورتیں محمود ہیں' لیکن کبھی کبھی ان کے ساتھ ساتھ یہ خواہش بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ لوگ اسے کثیرُ الحزن کہیں اور وہ اپنی اس خصوصیت کی بنا پر شہرت پائے' اگر رونے کی وجہ محض یہی خواہش ہو تو یہ ریا ہے' اور اگر یہ خواہش حُزن کے داعیے کے ساتھ پیدا ہو گئی تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر رونے والے نے اپنی یہ خواہش قبول نہیں کی بلکہ اسے ناپسند کیا تو اس کی آہ و بکا ریا سے محفوظ رہے گی اور اگر اسے قبول کر لیا اور دل سے خواہش کی طرف مائل رہا تو رونے اور غم کرنے کا اجر و ثواب ضائع ہو جائے گا اور رونے والا اللہ کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے گا۔

بعض اوقات اصل غم کی بنا پر آہیں بھرتا ہے' لیکن لوگوں کو دکھلانے کے لئے انھیں کھینچتا ہے' یا آواز بلند کرتا ہے' یہ زیادتی ریا ہے' اور حرام ہے' نفس آہ حرام نہیں ہو گی' کیوں کہ ریا کی ابتدا آواز کھینچنے اور بلند کرنے کی زیادتی سے ہوئی ہے۔ کبھی خوف سے طبیعت میں اتنا زبردست ہیجان برپا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ پاتا لیکن اس سے پہلے ریا حملہ آور ہو جاتی ہے'

اور وہ اس کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے' طبیعت رونے پر آمادہ ہے' لیکن آواز کو زیادہ سے زیادہ غمگین بنانے' بلند کرنے' یا آنسوؤں کو چہرے پر باقی رکھنے پر تیار نہیں' لیکن ریا کے داعیے سے مجبور ہو کر وہ ایسا کرتا ہے' تاکہ لوگ یہ کہیں کہ اس کی آنکھوں سے خوف خدا کی وجہ سے آنسو نکلے ہیں۔ کبھی آدمی ذکر سنتا ہے' اور خوف کی وجہ سے قویٰ ضعیف ہو جاتے ہیں اور کمزوری کی وجہ سے گر پڑتا ہے' لیکن اسے یہ سوچ کر شرم آتی ہے کہ لوگ کہیں گے فلاں شخص عقل کے زوال' اور وجد کی شدید حالت کے بغیر ہی گر گیا' وہ اٹھتا ہے' اور بتکلف وَجد کرتا ہے تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ وہ غش کھا کر گرا ہے۔ کبھی آدمی ذکر کے وقت صدق کے ساتھ کرتا ہے' اور عقل زائل ہو جاتی ہے' لیکن جلد ہی افاقہ ہو جاتا ہے۔ اب یہ سوچ کر ڈرتا ہے کہ اگر میں اتنی جلد اُٹھ کھڑا ہوا تو لوگ کہیں گے اس کی حالت میں اثبات نہیں ہے' یہ حالت صرف اتنی دیر برقرار رہی جتنی دیر بادلوں میں بجلی چمکتی ہے' اس خیال سے دیر تک تڑپتا اور رقص کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی حالت کو دائمی تصور کریں' کبھی ضعف کی وجہ سے گرنے کے بعد بہت جلد افاقہ ہو جاتا ہے' اور ضعف ختم ہو جاتا ہے لیکن اس خوف سے پڑا رہتا ہے کہ لوگ یہ کہیں گے اس کی بے ہوشی صحیح نہیں تھی' اگر صحیح ہوتی تو اتنی جلد افاقہ کیسے ہو جاتا۔ اب وہ اپنی بے ہوشی کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ضعف کا اظہار کرتا ہے' آہیں بھرتا ہے' دوسروں کے سہارے سے اٹھتا بیٹھتا ہے' تاکہ لوگ کہیں ضعف کی وجہ سے وہ اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا' چلنے میں لڑکھڑاتا ہے' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہے تاکہ لوگ کہیں شدّتِ ضعف کی وجہ سے وہ تیز چلنے پر قادر نہیں ہے۔

ان شیطانی اور نفسانی وسوسوں کا علاج: یہ سب شیطانی وسوسے' اور نفسانی خطرات ہیں' ان کا علاج یہ ہے کہ اس طرح کے حالات میں اپنے فکر کو مخالف رخ دے اور یہ سوچے کہ اگر لوگوں کو میرے باطنی نفاق کا علم ہو گیا' اور وہ میرے ضمیر کی کیفیت پر مطلع ہو گئے تو مجھ سے کس قدر نفرت کریں گے؟ جب بندوں کا حال یہ ہے تو اللہ عزّ وجلّ کی نفرت کا کیا عالم ہو گا وہ تو علیم و خبیر ہے میرے باطن کی ایک ایک کیفیت پر مطلع ہے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ذوالنون مصریؒ ذکر سن کر کانپ اُٹھے' اور گھبرا کر کھڑے ہو گئے' ایک خود ساختہ پیر نے بھی ان کی تقلید کی اور وہ بھی کھڑے ہو گئے' ذوالنون مصریؒ نے انھیں مخاطب کر کے یہ آیت تلاوت کی:۔

اَلَّذِیۡ یَرٰىکَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ۔
(پ۱۹ ر۱۵ آیت ۲۱۷)

جو آپ کو جس وقت کہ آپ کھڑے ہوتے ہیں دیکھتا ہے۔

یہ آیت تلاوت کرنے سے ان کا منشاء یہ تھا کہ اے شیخ! اللہ تعالیٰ تمہارے کھڑے ہونے کی کیفیت اور وجہ سے واقف ہے' کیوں تکلّف کرتے ہو' یہ سن کر وہ شیخ بیٹھ گئے۔

یہ تمام اعمال منافقوں کے ہیں' حدیث شریف میں ہے:۔

تَعَوَّذُوْا بِاللّٰہِ مِنْ خُشُوْعِ النِّفَاقِ۔
(بیہقی۔ ابوبکر الصدیقؓ)

نفاق کے خشوع سے اللہ کی پناہ مانگو۔

نفاق کا خشوع یہ ہے کہ اعضاء کانپ رہے ہوں' اور دل میں ذرا اثر نہ ہو' اسی قبیل سے اللہ کے عذاب' اور غضب سے پناہ مانگنا اور استغفار کرنا ہے' کیوں کہ یہ عمل کبھی تو خوف' گناہ کی یاد' اور اس پر ندامت کی وجہ سے ہوتا ہے' اور کبھی ریا کی بنا پر۔

یہ مختلف وساوس دل پر قریب قریب وارد ہوتے ہیں' اور ان میں ایک دوسرے سے مشابہت بھی ہوتی ہے' اس لئے جب بھی تمہارے دل میں کوئی خیال کوئی وسوسہ وارد ہو تم اپنے قلب کا جائزہ لو' اور یہ دیکھو کہ یہ خیال یہ وسوسہ کس وجہ سے اور کہاں سے پیدا ہوا ہے۔ اگر اللہ کی وجہ سے ہے تو اسے ہونے دو' لیکن ڈرتے بھی رہو' کیوں کہ ریا اتنی خاموشی سے حملہ کرتی ہے کہ بسا اوقات

احساس بھی نہیں ہوتا' ہو سکتا ہے جو عمل تم نے اخلاص کے ساتھ شروع کیا ہو وہ ریا سے آلودہ ہو گیا ہو' ایسا بہت ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سوچ کر ڈرتے ہو کہ اللہ تمہاری ہر ہر حالت اور ہر ہر کیفیت پر مطلع ہے' اگر تمہارے عمل میں ذرا بھی ریا کی آمیزش ہو گئی تمہیں اس کے غیظ و غضب کا نشانہ بننا پڑے گا۔ اس موقع پر وہ بات بھی یاد رکھو جو ان تین آدمیوں میں سے ایک نے کہی تھی جو حضرت ایوب علیہ السلام سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تھے' اس نے کہا تھا: اے ایوب! آپ کو معلوم نہیں کہ بندے کا وہ ظاہری عمل باطل ہو جائے گا جس سے وہ نفس کو فریب دیا کرتا تھا' اور اپنے مخفی عمل پر جزا پائے گا۔ ایک بزرگ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ لوگ میری خشیت دیکھیں اور تو مجھ سے ناراض ہو' حضرت علی ابن الحسین کی دعا تھی "اے اللہ میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ لوگوں کی نظروں میں میرا ظاہر اچھا ہو' اور ان سے الگ ہو کر خلوت میں میرا باطن تیرے نزدیک برا ہو' میں ان اعمال کی حفاظت کروں جو لوگوں کو دکھلانے کے لئے ہوں' اور ان اعمال کو برباد کروں جو صرف تیری خاطر ہوں' میں لوگوں کے لئے اپنا بہترین عمل ظاہر کروں' اور تیرے سامنے بدترین اعمال کے ساتھ حاضری دوں' نیکیوں کے ذریعے لوگوں کی قربت حاصل کروں اور برائیوں کے ساتھ تیرے پاس آؤں" اور تیرا غضب مجھ پر نازل ہو' اے اللہ! مجھے اس ریا اور منافقت سے محفوظ رکھ"۔ ان تینوں میں سے جو حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ایک نے یہ بھی کہا تھا کہ اے ایوب! کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ جو لوگ اپنے علانیہ اعمال کی حفاظت کرتے ہیں' اور مخفی اعمال ضائع کر دیتے ہیں' ان کے چہرے اس وقت سیاہ ہوں گے جب وہ مشکل ترین وقت میں باری تعالیٰ کے سامنے حاضری دیں گے۔

یہ ریا کی آفات ہیں' بندے کو چاہیئے کہ وہ ان آفات پر نظر رکھے' اور ان سے واقف رہے۔ حدیث میں ہے کہ ریا کے ستر دروازے ہیں (۱) اور یہ تم پڑھ چکے ہو کہ ان میں سے بعض بعض سے غامض ہیں' حتیٰ کہ بعض ریا اتنی مخفی ہے جیسے چیونٹی کی چال مخفی ہوتی ہے اور بعض چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی' بھلا اس کا ادراک کیسے ہو پائے گا؟ اس کے ادراک کے لئے تو مسلسل نگرانی اور شدید توجہ کی ضرورت ہے' بلکہ تم تو یہ کہتے ہو کہ اگر زبردست کوشش سے بھی اس کا علم ہو جائے تو غنیمت ہے۔ نفس کی مسلسل آزمائش اور امتحان کے بغیر ریا کی آفات پر مطلع ہونا نہایت دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان آفات سے محفوظ رکھے۔

مرید کو عمل سے پہلے' عمل کے بعد' عمل کے دوران کیا کرنا چاہیئے؟

سب سے پہلے مرید پر یہ لازم ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر لمحہ اپنی تمام طاعات و عبادات میں اللہ کے علم و اطلاع پر قناعت کرے' اور اللہ کے علم پر قناعت صرف وہ لوگ کرتے ہیں جنہیں اللہ کا خوف ہوتا ہے' اور جو اپنی تمام امیدیں اللہ سے وابستہ رکھتے ہیں' جو شخص غیر اللہ سے خوف کھاتا ہے' اور اس سے امیدیں باندھتا ہے وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اسے میرے اچھے اعمال' اور بہترین احوال سے واقفیت رہے۔ اگر کبھی یہ صورت پیش آئے تو اسے دل سے مکروہ سمجھے' عقل کے تقاضے سے بھی' اور ایمان کے نقطۂ نظر سے بھی' کیوں کہ اس میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں' خاص طور پر ان عظیم اور پُر مشقت عبادات کے وقت اپنے دل کی نگرانی ضرور رکھے جنہیں عام طور پر لوگ ادا نہیں کر پاتے' ایسے موقع پر دل یہ خواہش کرتا ہے کہ میری ان عبادتوں کا راز لوگوں پر افشا ہو جائے' اس کے خیال میں اگر اس طرح کے عظیم عمل' زبردست خوف' اور شدتِ گریہ سے لوگ واقف ہو جائیں تو مجھے سجدہ کرنے لگیں' کیوں کہ مخلوق میں کتنے ہیں جو عبادت میں اس قدر مجاہدہ کرتے ہیں' مجھے ایسے اعمال مخفی نہ رکھنے چاہئیں' جب تک یہ اعمال ظاہر نہ ہوں گے' نہ لوگ میری قدر کر سکیں گے' اور نہ میری اقتدا کر پائیں گے۔ اس طرح کے مواقع پر مرید کے لئے ثابت قدمی ضروری ہے' عمل کی عظمت اپنی جگہ ہے' لیکن آخرت میں اس عمل کے عوض جو کچھ

اس روایت میں کچھ تصحیف ہوئی ہے۔ ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے اس طرح نقل کیا ہے الرباء صبعون بوبا ابن ماجہ میں یہ الفاظ میں الرباء ثلاثہ و سبعون بابا۔ حاصل یہ ہے کہ یہ روایات ربا کے بارے میں وارد ہیں۔ ریا کے بارے میں نہیں ہیں۔

حاصل ہونے والا ہے وہ اس سے بھی عظیم تر ہے یعنی جنت کی نعمتیں' جو نہ صرف عظیم ہوں گی بلکہ ابدالآباد تک باقی رہیں گی' اس کے مقابلے میں اللہ کا غضب عظیم' اور مقتِ شدید ہے' جس کا نشانہ وہ لوگ بنتے ہیں جو اپنی اطاعت پر مخلوق سے اجر و ثواب کی توقع رکھتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھے کہ اگرچہ عبادات پر غیر اللہ کی اطلاع تجھے محبوب ہے' لیکن اللہ کے یہاں تو اس کا کوئی اجر نہ ہوگا' یہ عبادت ضائع جائے گی' نفس کو اس طرح بھی سمجھائے کہ اس عمل کے عوض مخلوق کی تعریف کس طرح خریدلوں' جب کہ وہ عاجز محض ہیں' نہ مجھے رزق دے سکتے ہیں' اور نہ مجھے مارنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ دل میں یہ تمام باتیں اچھی طرح راسخ کرلینی چاہئیں' ایسا نہ ہو کہ یاس چھا جائے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اخلاص پر طاقت و استطاعت رکھتے ہیں' ہم لوگ ایسے کہاں جو کسی عمل کو خالص اللہ کے لئے انجام دے سکیں۔ یہ یاس ہے' اگر دل میں کبھی اس طرح کا کوئی خیال پیدا بھی ہو تب بھی توجہ دینی چاہئے' اور نہ اس طرح کے خیالات کی بناء پر اخلاص کے لئے کوشش ترک نہ کرنی چاہئے۔ اور یہ سوچنا چاہئے کہ مخلصوں کے مقابلے میں غیر مخلصوں کو اخلاص پر عمل کی زیادہ ضرورت ہے۔ اس لئے کہ اگر ان کے نوافل باطل بھی ہو جائے تب بھی فرائض اپنی جگہ مکمل رہیں گے' غیر متقی کے تو فرائض بھی مکمل نہیں ہوتے ان کے نقصان کی تلافی نوافل سے ہوتی ہے اگر نوافل بھی ناقص ہوئیں تو فرائض' باطل ہو جائیں گے اور بندہ تباہ ہو جائے گا۔ اس لئے غیر متقی کو اخلاص کی زیادہ ضرورت ہے۔

فرائض کی تلافی نوافل سے: حضرت تمیم الداری سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

يُحَاسَبُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِنْ نَقَصَ فَرْضُهُ قِيلَ انْظُرُوا هَلْ لَهُ مِنْ تَطَوُّعٍ أُكْمِلَ بِهِ فَرْضُهُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ تَطَوُّعٌ أُخِذَ بِطَرَفَيْهِ فَأُلْقِيَ فِي النَّارِ۔ (ابن ماجہ)

قیامت کے روز بندے سے محاسبہ کیا جائے گا' اگر اس کے فرائض میں نقص ہوا تو حکم ہوگا کہ اس کے نوافل دیکھے جائیں تاکہ ان سے فرائض کی تلافی ہو سکے' اگر نوافل نہ ہوئے تو اسے ہاتھ پاؤں سے پکڑ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت میں اخلاص و ریا کی آمیزش کرنے والوں ہی کو زیادہ سے زیادہ اعمال کی ضرورت ہوگی' تاکہ ان کے فرائض کے نقصان کی تلافی ان کے نوافل سے کی جا سکے۔ کیوں کہ قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کے فرائض اَدھورے ہوں گے' اور اس کے اوپر گناہوں کا بوجھ ہوگا' فرائض کے نقصان کی تلافی' اور معاصی کی تکفیر کی کوئی صورت اس کے علاوہ نہیں ہے کہ نوافل میں اخلاص ہو' متقی کو اپنے درجات کی بلندی اور کثرت کے لئے اخلاص کی کوشش کرنی چاہئے' اگر اس کے پاس نوافل کا ذخیرہ نہ بھی ہوا تب بھی وہ اتنے حسنات کا ذخیرہ اپنے ساتھ لے کر آجائے گا جو اس کے سیئات پر حاوی ہوں اور وہ ان کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کے مطلع ہونے کا خوف ہر وقت دل میں رہنا چاہئے تاکہ نوافل صحیح ہوں۔

عمل سے فارغ ہونے کے بعد بھی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ عمل کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے' اور اس کی صورت یہی ہے کہ کسی سے بھی اپنے عمل کا تذکرہ نہ کرے' اس کے بعد بھی اس خیال سے ڈرتا رہے کہ کہیں اس کے عمل میں مخفی طور پر ریا کی آمیزش نہ ہو گئی ہو اور مجھے پتا بھی نہ چلا ہو' معلوم نہیں میرا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول بھی ہوگا یا نہیں؟ ہو سکتا ہے اللہ نے میری مخفی نیت لکھ لی ہو' اور اس کی وجہ سے وہ مجھ سے ناراض ہو' اور اس نے میرا عمل ٹھکرا دیا ہو۔ یہ شک اور خوف و تردّد عمل کے دوران' اور عمل کے بعد ہونا چاہئے' عمل سے پہلے تو صرف ایک خیال ہونا چاہئے اور وہ یہ کہ میں مخلص ہوں' اور محض اللہ کی رضا کے لئے یہ عمل کر رہا ہوں' اس کے علاوہ میرا کوئی مقصد نہیں ہے' یہ نیت اس لئے ضروری ہے تاکہ عمل درست ہو' پھر جب عمل شروع ہو جائے' اور ایک لحظہ ایسا گذر جائے جس میں غفلت اور نسیان کا امکان ہو تو یہ خوف ہونا چاہئے کہیں غفلت و نسیان کے اس لمحے میں ریا و عُجب کا کوئی ایسا شائبہ نہ آگیا ہو جس سے عمل باطل ہو گیا ہو' تاہم خوف سے زیادہ رجاء کا پہلو غالب

رہنا چاہیئے' اس لئے کہ اسے اس بات کا یقین ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ عمل میں لگا تھا' ریا سے عمل کے فساد میں شک ہے' یقین نہیں ہے۔ اس لئے عمل کے مقبول ہونے کی امید غالب رہنی چاہیئے امید ہی سے مناجات اور عبادت میں لذّت دوچند ہوتی ہے۔ یہاں اخلاص یقینی ہے' اور ریا کا کفارہ بھی بن سکتا ہے جس کے بارے میں شک ہے کہ کہیں غفلت کے عالم میں واقع نہ ہو گیا ہو۔

لوگوں کی حاجت روائی' اور علم سکھلانے سے اللہ تعالیٰ کے تقرّب کی توقع اور ثواب کی امید رکھنا بھی صحیح ہے اس طرح کہ جس کی حاجت روائی ہوگی اس کے دل میں خوشی پیدا ہوگی' اور جو علم سیکھے گا وہ اس کے مطابق زندگی گذارے گا' اور یہ دونوں ہی باتیں ثواب کی ہیں' لیکن یہ ضروری ہے کہ دونوں مواقع پر صرف ثواب' اور تقرّب الی اللہ کی نیت رکھے' متعلّم' اور زیرِ احسان شخص سے شکر' بدلے' اور حمد و ثنا کا خواہاں نہ ہو' اس سے اجر ضائع ہو جاتا ہے۔ اپنے شاگرد سے کسی کام میں مدد لینے' خدمت کرانے' لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے راستوں میں اپنے ساتھ رکھنے' یا کسی ضرورت کے لئے کہیں بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا اجر لے چکا' اب ثواب کی توقع رکھنا فضول ہے' ہاں اگر اس نے اپنے شاگرد سے ثواب کے علاوہ کوئی توقع نہ رکھی' اور شاگرد نے خود ہی خدمت کی پیش کش کی' اور اس نے قبول کرلی تو ہم یہ امید کرتے ہیں کہ اسے اس کی نیت کے مطابق ثواب ملے گا بشرطیکہ وہ شاگرد کی پیش کش کا منتظر نہ رہا ہو' نہ خواہشمند ہو' اور بالفرض وہ خدمت نہ کرتا تب بھی دل میں بُرا تصور نہ کرتا۔ ان شرائط کے ساتھ بھی پچھلے زمانے کے علماء شاگردوں سے خدمت لینے سے بچتے تھے' حتیٰ کہ ایک بزرگ کسی کنویں میں گر گئے کچھ لوگ انھیں بچانے کے لئے رسّی لے کر دوڑے' انھوں نے قسم دے کر کہا کہ تمہارے درمیان کوئی ایسا شخص نہ ہونا چاہیئے جس نے مجھ سے قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھی ہو یا مجھ سے کوئی حدیث سنی ہو' یہ بات انھوں نے اس خوف سے کہی کہ کہیں ان کا اجر باطل نہ ہو جائے۔ شقیق بلخیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوریؒ کی خدمت میں ایک کپڑا بطور ہدیہ پیش کیا' انھوں نے ہدیہ قبول کرنے سے انکار فرما دیا' میں نے عرض کیا: اے ابو عبداللہ! میں ان لوگوں میں شامل نہیں ہوں جو آپ سے حدیث سنتے ہیں' آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے' لیکن تمہارا بھائی تو مجھ سے حدیث سنتا ہے' مجھے ڈر ہے کہ اس ہدیے کی وجہ سے میں تمہارے بھائی کے ساتھ مروّت کا وہ برتاؤ کروں جو دوسروں کے ساتھ نہ کرتا ہوں' ایک شخص حضرت سفیانؒ کی خدمت میں ایک تھیلی یا دو تھیلیاں لے کر حاضر ہوا' اس شخص کا مرحوم باپ آپ کا گہرا دوست تھا' اور آپ اکثر اس کے گھر تشریف لے جاتے تھے' آپ نے مرحوم کی بڑی تعریف کی' اور اس کے لئے بخشش کی دعا فرمائی' اس شخص نے عرض کیا یہ مال مجھے والد محترم ہی کے ترکے سے حاصل ہوا ہے' میں چاہتا ہوں آپ بھی اس مال میں سے اپنے اہل و عیال پر خرچ فرمائیں آپ نے اس وقت اس کا ہدیہ قبول کر لیا' لیکن جب وہ چلا گیا تو اپنے صاحبزادے کے ذریعے اسے واپس بُلایا اور فرمایا کہ اپنی تھیلیاں لے جاؤ' میں کسی وجہ سے انھیں قبول نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے وہ وجہ یہی ہو کہ ہدیہ کرنے والے کے باپ سے ان کی محبت اللہ کے لئے تھی' جو ایک بہترین عمل ہے' اور اس پر ثواب کی توقع کی جا سکتی ہے' لیکن ہدیہ قبول کرنے سے یہ ممکن تھا کہ وہ محبت خالص نہ رہتی اور اس میں غرض کی آمیزش ہو جاتی' ان کے صاحبزادے مبارک کہتے ہیں کہ اس شخص کے جانے کے بعد میں نے اپنے والد سے کہا کیا حرج تھا کہ آپ یہ چند پتھر لے لیتے' کیا آپ کا خاندان نہیں ہے' بیوی بچے نہیں ہیں' آپ کو مجھ پر' اپنے بیوی بچوں پر' بھائیوں پر رحم نہیں آتا' انھوں نے کہا مبارک! خدا سے ڈرو' کیا عجب ہے کہ موج تم اُڑاؤ' اور باز پُرس مجھ سے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم کے ذریعے اگر مخلوق کو ہدایت ملتی ہو تو اسے ثواب کی توقع اللہ سے رکھنی چاہیئے' شاگرد کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ کے یہاں تعریف' اور آخرت کے ثواب کا متلاشی رہے' استاد کی نظروں میں عزیز بنے' اور مخلوق کی نگاہوں میں محبوب ہونے کی خواہش نہ کرے۔

بعض اوقات استاد کے دل میں محبت حاصل کرنے کے لئے شاگرد اطاعتِ الٰہی میں کوشاں ہوتے ہیں' اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے اللہ کی عبادت اچھی طرح کی تو استاد ہم پر زیادہ توجہ دے گا' اور ہم زیادہ فیض اٹھا سکیں گے' حالانکہ یہ طریقہ غلط ہے۔ اللہ کی اطاعت سے غیر اللہ کا قصد و ارادہ سراسر نقصان کا باعث ہے' اس نقصان میں شبے کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے' جب کے علم کی

افادیت مشتبہ ہے۔ ممکن ہے استاد سے حاصل ہونے والا علم فائدہ پہنچائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ پہنچائے کس قدر بے وقوف ہیں وہ لوگ جو ایک موہوم فائدے کے لئے فوری نقصان اٹھا رہے ہیں۔ ان کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اللہ ہی کے لئے پڑھیں، اسی کے لئے عبادت کریں، اور اسی کے لئے استاد کی خدمت کریں، اس لئے نہیں کہ خدمت کر کے استاد کے دل میں مقام پیدا کریں، اگر حصولِ علم کا مقصد اللہ کی رضا جوئی ہو تو نیت کی صحت کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ بندوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اللہ کی عبادت سے غیر اللہ کی نیت نہ کریں۔ ماں باپ کی خدمت بھی اس مقصد سے کرنا صحیح نہیں ہے کہ ان کے دل میں مقام پیدا کیا جائے، اور ان کی نظروں میں عزت حاصل کی جائے، بلکہ ان کی خدمت بھی اس لئے کرنی چاہیئے کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے، اور والدین کی رضا اس کی رضا ہے۔ اسی طرح اللہ کی اطاعت کر کے والدین کے نزدیک محبوب بننا بھی جائز نہیں، ثواب کے نقطۂ نظر سے تو یہ ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے ہی۔ اگر اللہ نے اس کی ریا کاری ظاہر کر دی تو والدین کی نظروں سے بھی گر جائے گا۔

لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر عبادت کرنے والے صوفی کو چاہیئے کہ وہ ہر لحہ ذکرِ الٰہی کا خیال رکھے، اور اللہ کے علم و اطلاع پر قناعت کرے، اس کے دل میں یہ خیال نہ آنے پائے کہ مخلوق کو میری عبادت اور زُہد کا حال معلوم ہونا چاہیئے تاکہ وہ اس کی تعظیم کریں، یہ خیالات دل میں ریا کا بیج بو دیتے ہیں اور پھر یہ ریا پودے کی طرح اُگتی ہے، اور برگ و بار لاتی ہے، زاہد کو جب یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ لوگ اس کی عبادت سے واقف ہیں، وہ خلوت میں بھی لذّت محسوس کرتا ہے، عبادت کی مشقت اس کے لئے سہل بن جاتی ہے۔ حالانکہ اسے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ یہ سخت مجاہدہ کتنی آسانی سے کر رہا ہے۔ حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے معرفت ایک راہب سے سیکھی ہے، ان کا نام سمعان تھا، ایک دن میں ان کے عبادت خانے میں گیا، میں نے ان سے دریافت کیا وہ کتنے زمانے سے یہاں مقیم ہیں، اس نے جواب دیا ستّر سال سے۔ میں نے پوچھا ان کی غذا کیا ہے انھوں نے کہا اس سوال سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ میں نے کہا صرف پوچھنا چاہتا ہوں، کوئی خاص مقصد نہیں ہے۔ انھوں نے کہا میں ستّر سال سے ایک چنے پر اکتفا کئے ہوئے ہوں، رات کو ایک چنا کھا لیتا ہوں، میں نے حیرت سے کہا کہ تمہارے دل میں ایسی کیا بات ہے جو ایک چنا پورے دن کے لئے کافی ہو جاتا ہے، کہنے لگے یہ لوگ جو میرے عبادت خانے کے آس پاس رہتے ہیں سال میں ایک بار یہاں آتے ہیں، اس عبادت خانے کو آراستہ کرتے ہیں، اور میرے ساتھ نہایت عقیدت و احترام سے پیش آتے ہیں، جب بھی نفس عبادت میں کَسَل کرتا میں اسے اس ایک دن کی عزت یاد دلا دیتا ہوں، ایک دن کی عزت کے لئے تمام سال کی مشقت میرے لئے آسان ہو جاتی ہے، اے موحِد! تو ایک ساعت کی مشقت سے اَبدی عزت حاصل کر۔ سمعان کی اس نصیحت نے میرے لئے علم و معرفت کے دروازے کھول دیئے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا! بس اتنا ہی معلوم کرنا ہے یا کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو، میں نے کہا: کچھ اور بھی بتلا دیں تو بہتر ہے۔ انھوں نے کہا اس عبادت خانے سے نیچے چلو، میں نیچے گیا، انھوں نے مجھے ایک پُڑیا دی جس میں بیس چنے کے دانے بندھے ہوئے تھے، اور کہنے لگے جاؤ گرجا گھر میں چلے جاؤ، وہاں موجود لوگوں نے مجھے کچھ دیتے ہوئے دیکھ لیا ہے، جب میں گرجا گھر پہنچا تو لوگوں نے مجھ سے پوچھا تمھیں سمعان نے کیا دیا ہے، لاؤ ہمیں دو، ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں، میں نے کہا مجھے انھوں نے اپنی غذا دی ہے میں اسے فروخت کروں گا، انھوں نے کہا قیمت بتلاؤ، میں نے کہا بیس دینار، انھوں نے مجھے بیس دینار دیدیئے اور بیس چنے لے لئے، میں وہ بیس دینار لے کر بوڑھے عابد کے پاس آیا، اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے بیس دینار لے کر غلطی کی ہے، اگر تم بیس ہزار دینار بھی مانگتے تو وہ خوشی سے یہ قیمت تمھیں ادا کر دیتے، یہ اس شخص کی عزت ہے جو اس (اللہ) کی عبادت نہیں کرتا، اور جو صرف اسی کی عبادت کرتا ہے، اس کی عزت کا کیا کہنا، تم اپنے رب کی طرف متوجہ رہو، اِدھر اُدھر آنا جانا چھوڑ دو۔

اس واقعے کا مقصد یہ ہے کہ جب نفس کو اپنی عظمت اور عزت کا احساس ہوتا ہے تو وہ خلوت میں بھی مجاہدے سے لذّت پاتا

ہے' اور کبھی نفس کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی' بہرحال اس سے اجتناب کرنا چاہیئے' اس سے سلامتی کی علامت یہ ہے کہ عبادت کے وقت عابد نظر میں جانور اور انسانوں میں دونوں برابر ہوں' اگر کسی وجہ سے لوگ اس کی عقیدت سے منحرف ہو جائیں تو ان کے رویے سے تنگ دل نہ ہو' اگر دل میں ذرا سی تنگی آئے بھی تو عقل اور ایمان کے حوالے سے اسے دفع کرے' اور اپنا یہ حال بنالے کہ اگر تمام مخلوق اس کی عبادت پر مطلع ہو جائے تو اس سے نہ خشوع میں اضافہ ہو' اور نہ ان کی اطلاع سے خوشی محسوس کرے' اگر ذرا سی بھی خوشی محسوس کی تو یہ ضعف کی دلیل ہوگی۔ لیکن اگر وہ عقل اور ایمان کے ذریعے اس کراہت کے دفع کرنے پر قادر ہو اور دفع کی طرف سبقت کرکے اس کو مانتا ہی نہ ہو تو امید یہ ہے کہ اس کی کوشش رائیگاں نہ جائے گی' لوگوں کے مشاہدے کے وقت اس لئے خشوع کرنا اور انہماک سے عبادت کرنا کہ وہ لوگ زیادہ اس کے پاس نہ بیٹھیں اور وقت ضائع نہ کریں صحیح ہو سکتا ہے' لیکن اس میں بھی دھوکا بہت ہے' اس لئے کہ بعض اوقات نفس میں اظہارِ خشوع کی خواہش مخفی ہوتی ہے' اور اس کے لئے یہ بہانہ تراش لیا جاتا ہے کہ مجھے لوگوں سے گھلنا ملنا پسند نہیں ہے اس لئے میں زیادہ دیر تک عبادت کرکے ان سے چھٹکارہ پانا چاہتا ہوں' حالانکہ ان کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ ان کے دعوئی کی صداقت کا امتحان اس طرح لیا جا سکتا ہے کہ اس سے کہا جائے کہ وہ خشوع ہی کو لوگوں سے فرار کا ذریعہ کیوں بنانا چاہتا ہے' لوگوں سے پیچھا ہی چھڑانا ہے تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے کہ دوڑ کر چلنے لگے' کھل کھلا کر ہنسے' یا زیادہ کھائے پئے' ان حرکتوں سے بھی عوام اپنی عقیدت کا رشتہ منقطع کر سکتے ہیں' اگر وہ تمہاری یہ بات مان لے تو سمجھا جائے گا کہ وہ دعوئی میں سچا' اور خشوع کے اظہار میں مخلص ہے۔ لیکن اگر وہ لوگوں کی آمد رفت کا سلسلہ منقطع کرنے کے لئے عبادت ہی پر زور دیتا ہے تو اس کے علاوہ کیا کہا جائے گا کہ وہ لوگوں میں اپنی منزلت چاہتا ہے' اس سے صرف وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جس کے دل میں یہ عقیدہ راسخ ہو کہ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے' اور یہ سوچ کر عمل کرے کہ روئے زمین پر صرف وہ تنہا عمل کرنے والا ہے' کوئی اسے دیکھنے والا نہیں ہے' ایسے شخص کے دل میں اول تو مخلوق کا خیال آتا ہی نہیں ہے' اور آتا بھی ہے تو اس قدر ضعیف ہوتا ہے کہ اس کا دور کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ اس حالت کی علامت یہ ہے کہ بالفرض اس شخص کے دو دوست ہوں' ایک مالدار' دوسرا غریب' اگر مالدار اس کے گھر آئے تو اسے غریب کی آمد سے خوشی نہ ہونی چاہیئے' اِلّا یہ کہ مالدار میں کچھ خصوصیات زائد ہوں' مثلاً وہ عالم یا متقی ہو' اس اعتبار سے غریب کے مقابلے میں اس کی تعظیم زیادہ کی گئی تو اس کی وجہ مالداری نہیں ہوگی بلکہ علم اور تقویٰ ہوگا۔ جو شخص مالداروں کو دیکھ کر زیادہ خوش ہو وہ ریا کار لالچی ہے اگر وہ ریا کار یا حریص نہ ہوتا تو غریبوں کو دیکھ کر زیادہ خوش ہوتا' کیوں کہ انھیں دیکھنے سے آخرت کی رغبت بڑھتی ہے' اور دل میں فقر و مسکنت کی محبت پیدا ہوتی ہے' جب کہ مالداروں کی دید سے دنیا کی رغبت بڑھتی ہے' اور دولت کی محبت پیدا ہوتی ہے۔

روایت ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ کی مجلس میں اہل دولت جس طرح ذلیل و خوار دیکھے گئے کسی مجلس میں نہیں دیکھے گئے' آپ دولت مندوں کو صف کے پیچھے بٹھایا کرتے تھے' اور غریبوں کو آگے بٹھاتے تھے' یہاں تک کہ وہ یہ تمنا کیا کرتے تھے کاش ہم بھی غریب ہی ہوتے۔ البتہ تم مالدار کا زیادہ اکرام کر سکتے ہو اگر وہ تم سے قریب تو ہو' یا تمہارے اور اس کے درمیان قرابت یا دوستی کا قدیم رشتہ ہو' یا تمہارے اوپر اس کا کوئی حق ہو' لیکن اگر کوئی فقیر بھی اس طرح کا کوئی حق یا قربت رکھتا ہو تو اس کی بھی مالدار ہی کی طرح عزت کی جائے' اور اس کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے جو مالدار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ فقیر اللہ کے یہاں زیادہ مرتبہ اور عظمت رکھتا ہے۔ اب اگر تم مالدار ہی کو مقدم سمجھتے ہو' اور اسی کے ساتھ ترجیحی سلوک کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس کی دولت کے حریص ہو' اور اس کے ساتھ ریا کارانہ سلوک کر رہے ہو۔

پھر اگر تم غریب اور مالدار کے درمیان نشست میں مساوات کا معاملہ رکھتے ہو تو یہ خوف ہے کہ مالدار کے سامنے غریب کی بہ نسبت خشوع اور حکمت کا زیادہ اظہار کرو' یہ ریائے خفی' یا طمع خفی کا ثمرہ ہے' جیسا کہ ابن السماکؒ نے اپنی باندی سے کہا تھا "نہ جانے کیا بات ہے جب میں بغداد آتا ہوں تو مجھ پر حکمت کے دروازے کھل جاتے ہیں' اور میں زیادہ سے زیادہ حکیمانہ باتیں کرتا

ہوں' اس نے جواب دیا لالچ سے آپ کی زبان تیز ہو جاتی ہے' باندی نے یہ بات صحیح کہی تھی' یہ حقیقت ہے کہ مالدار کے سامنے زبان جتنی تیزی سے چلتی ہے اتنی تیزی سے غریب کے سامنے نہیں چلتی' اسی طرح مالدار کے سامنے جتنا خشوع ہوتا ہے اتنا خشوع غریب کے سامنے نہیں ہوتا۔

ریا کے باب میں شیطانی وسوسے اور فریب اتنے زیادہ ہیں کہ انھیں احاطۂ تحریر میں بھی نہیں لایا جاسکتا' اور ان وسوسوں سے نجات کی صورت اس کے علاوہ دوسری نہیں ہے کہ تم اپنے دل سے اللہ کے سوا جو کچھ ہے نکال دو' اور تمام عمر اپنے نفس کو آگ کے عذاب میں مبتلا کرنا پسند نہ کرو' بلکہ اس بادشاہ کی طرح رہو جیسے دنیا کی تمام نعمتیں اور لذتیں میسّر ہوں لیکن وہ اس سے اس لئے لطف اندوز نہ ہوتا ہو کہ اس کا جسم بیماریوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور اسے ہر وقت اس بات کا خطرہ ہے کہ اگر وہ ان لذتوں اور نعمتوں میں پڑا تو ہلاک ہو جائے گا' اور اگر اس نے پرہیز کیا' اور نفس پر مجاہدہ کیا تو دیر تک زندہ رہے گا اور دیر تک اس کی بادشاہت باقی رہے گی' اور اسی خیال سے طبیبوں اور عطاروں کی ہم نشینی اختیار کرتا ہے' نیز نفس کو بدمزہ کڑوی کسیلی دوائیں پینے کا عادی بناتا ہے' اگرچہ اس طرح غذا کی قلت کے باعث اس کا جسم کمزور ہو جائے گا لیکن پرہیز پر پابند رہنے اور دوا کے مسلسل استعمال کی بنا پر ہو اس مرض سے بھی نجات پالے گا جس میں وہ گرفتار ہے' اگر کبھی نفس نے خواہشات کا مطالبہ بھی کیا تو وہ تمام امراض مجسّم ہو کر سامنے آجائیں گے اور جن کا انجام موت ہے' اور موت کے ساتھ ہی سلطنت کا زوال بھی ہے' اور دشمنوں کے خوش ہونے کا موقع بھی ہے۔ جب بھی اس کے نفس پر تلخ دوا کا استعمال شاق ہو گا وہ اس تندرستی کے بارے میں ضرور سوچے گا جو اس دوا کے نتیجے میں حاصل ہونے والی ہے' اور وہ زندگی بھی پیش نظر رہے گی جو عیش اور فارغ البالی کی زندگی ہوگی' جسم مرض سے' اور دل فکر سے آزاد ہوگا۔ یہی حال مؤمن کا ہے جو آخرت کی تمنا رکھتا ہو' وہ ہر اس چیز سے احتراز کرتا ہے جو آخرت کے لئے باعث ہلاکت ہو' اور آخرت میں مہلک دنیاوی لذّات و شہوات سے زیادہ اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ مؤمن دنیاوی لذتوں سے اجتناب کرتا ہے' اور تھوڑی مقدار پر اکتفا کرتا ہے' لاغری' پژمردگی' وحشت' غم' خوف اور مخلوق کے ساتھ ترکِ موانست کو اس لئے پسند کرتا ہے کہ کہیں اللہ کا غضب نازل ہو' اور تباہی میرا مقدر ہو جائے' وہ یہ توقع رکھتا ہے کہ میں دنیاوی لذّات سے لاتعلق رہ کر نجات پاؤں گا۔ یہ خوف اور توقع اسے دنیاوی لذّات سے کنارہ کش رہنے پر صبر اور طاقت دیتی ہے' کیوں کہ انجام پر اس کا یقین مستحکم اور اعتماد لازوال ہوتا ہے' اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے لئے باقی رہنے والی دولت اللہ کی رضا ہے' پھر وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے' جو بندے اس کی مرضیات پر چلتے ہیں وہ ان کی مدد فرماتا ہے' اور ان کے ساتھ رحمت و رأفت کا معاملہ کرتا ہے' اگر وہ چاہے تو انھیں رنج اور مشقت سے بے نیاز کردے' لیکن وہ آزمائش کرتا ہے' اور اپنی حکمت و عدل سے ان کے ارادے کی صداقت کا امتحان لیتا ہے۔

جب آدمی مشقت اختیار کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھرپور مدد ملتی ہے' اور وہ مشقت اس کے لئے آسان بن جاتی ہے' صبر کی قوّت میسّر ہوتی ہے' اور اطاعت ایک محبوب عمل بن جاتی ہے یہاں تک کہ مناجات اور اطاعات میں وہ لذّت ملتی ہے کہ اس لذّت کے سامنے تمام لذتیں ہیچ نظر آتی ہیں' اور بدن کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے جس سے تمام دنیاوی شہوتیں فنا ہو جاتی ہیں۔ کریم اپنے طالب کی محنت رائیگاں نہیں کرتا اور نہ سائل کو اپنے در سے خالی ہاتھ جانے دیتا ہے' وہ یہ کہتا ہے جو میری طرف ایک بالشت بڑھے گا میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھوں گا' ارشادِ خداوندی ہے "نیک لوگ میری ملاقات کے متمنی ہیں اور میں ان کی ملاقات کا ان سے زیادہ متمنی ہوں"۔ ابتدا میں بندہ اپنی جدوجہد صدق و اخلاص کا مظاہرہ کرے' پھر دیکھے کہ رب کریم اسے کتنی قربت' اور کتنی رأفت و رحمت سے نوازتا ہے۔

کتاب ذم الکبر والعجب

کبر اور عجب کی مذمت کا بیان

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی الْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَۃُ إِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْہِمَا قَصَمْتُہٗ

(حاکم۔ متدرک)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کبریائی میری چادر اور عظمت میرا ازار ہے جو شخص ان دونوں میں مجھ سے نزاع کرے گا میں اسے توڑ دوں گا۔

ایک حدیث میں ہے:۔

ثَلَاثٌ مُہْلِکَاتٌ شُحٌّ مُطَاعٌ وَّہَوًی مُتَّبَعٌ وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِہٖ

(بزار، طبرانی، بیہقی۔ انس)

تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں، وہ بخل جس کا آدمی مطیع ہو، وہ خواہش نفس جس کی اتباع کی جائے، اور خود پسندی۔

کبر اور عجب دونوں دو مہلک بیماریاں ہیں، متکبر اور معجب مریض ہیں، اللہ کے دشمن اور اس کے مغضوب ہیں، کیوں کہ اس جلد میں ہم مہلکات بیان کر رہے ہیں اس لیے کبر اور عجب پر روشنی ڈالنا بھی ضروری ہے، ان دونوں کا شمار بھی بدترین مہلکات میں ہوتا ہے ہم اس کتاب کو دو ابواب میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا باب

کبر

کبر کی مذمت: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی جگہوں پر کبر، اور متکبر کی مذمت کی ہے۔ فرمایا:۔

سَاَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (پ ۹ ر ۸ آیت ۱۴۶)

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے دور ہی رکھوں گا جو دنیا میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (پ ۲۴ ر ۹ آیت ۳۵)

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور جابر کے قلب پر مہر کر دیتا ہے۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (پ ۱۳ ر ۱۵ آیت ۱۵)

اور کفار فیصلہ چاہنے لگے اور جتنے سرکش اور ضدی تھے وہ سب بے مراد ہوئے۔

إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (پ ۱۴ ر ۹ آیت ۲۳)

یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا (پ ۱۹ ر ۱ آیت ۲۱)

یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں اور یہ لوگ حد (انسانیت) سے بہت دور نکل چکے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (پ ۲۴ ر ۱۱ آیت ۶۰)

جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں کبر کی مذمت کثرت سے ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ (مسلم۔ ابن مسعودؓ)

وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا وہ شخص دوزخ میں نہیں داخل ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا أَلْقَيْتُهُ فِي جَهَنَّمَ وَلَا أُبَالِي (مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ)

کبریائی میری چادر اور عظمت میرا ازار ہے، جو شخص ان دونوں میں سے ایک میں میرے ساتھ جھگڑا کرے گا میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا، اور ذرا بھی پروا نہ کروں گا۔

حضرت ابوسلمہ ابن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمروؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ مروہ پر ملے، اور وہاں کچھ دیر ٹھہرے رہے اس کے بعد اول الذکر صحابی تو تشریف لے گئے لیکن ثانی الذکر صحابی وہیں کھڑے روتے رہے، لوگوں نے رونے کا سبب دریافت کیا، فرمایا: عبداللہ ابن عمروؓ مجھ سے یہ روایت بیان کر رہے تھے کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرمایا کرتے تھے:

مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ أَكَبَّهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ (مسلم۔ ابن مسعودؓ)

جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہوگا اسے اللہ تعالیٰ منہ کے بل دوزخ میں ڈالے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اس حد تک بلند کرتا ہے کہ اس کا نام جبارین کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے اور اسے بھی وہی عذاب ہوتا ہے جو انہیں ہوتا ہے (ترمذی۔ سلمہ ابن الاکوعؓ) ایک دن سلیمان ابن داؤد نے انس و جن اور چرند و پرند سے فرمایا: نکلو، ان کی آواز پر دو لاکھ انسان اور دو لاکھ جن چلے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اٹھائے گئے یہاں تک کہ آپ نے آسمانوں کے فرشتوں کی تسبیحات سنیں، پھر نیچے اتارے گئے، یہاں تک کہ ان کے پاؤں سمندر سے جا لگے اور وہاں انہوں نے وہ آوازیں سنیں کہ اگر ان کے دل میں ذرا بھی کبر ہوتا تو جس قدر بلندی انہیں ملی تھی اسی قدر پستی ملتی۔

ایک روایت میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ عُنُقٌ لَهُ أُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَعَيْنَانِ تُبْصِرَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُولُ وُكِّلْتُ بِثَلَاثَةٍ بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ وَبِكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ وَبِالْمُصَوِّرِينَ (ترمذی۔ ابوہریرہؓ)

دوزخ سے ایک گردن نکلے گی جس کے دو کان ہوں گے سنتے ہوئے، دو آنکھیں ہوں گی دیکھتی ہوئیں، اور ایک زبان ہوگی بولتی ہوئی، وہ یہ کہے گی۔ میں تین آدمیوں پر مسلط کی گئی ہوں، جبار عنید پر، مشرک پر، اور

مصوّروں پر۔

ارشاد فرمایا:۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ بَخِیْلٌ وَلَا جَبَّارٌ وَلَا سَیِّئُ الْمَلَکَةِ

جنت میں نہ بخیل داخل ہوگا، نہ متکبر اور اپنے مملوکوں سے بدسلوکی کرنے والا۔

ارشاد فرمایا: جنت اور دوزخ میں بحث ہوئی، دوزخ نے کہا مجھے متکبرین اور جبارین ملیں گے، جنت نے کہا پھر میرا کیا قصور ہے مجھے ضعیف، ناتواں، عاجز اور بے کس لوگ حاصل ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت سے ہے، میں تیرے ذریعے جس پر چاہوں گا رحمت کروں گا، اور دوزخ سے فرمایا: تو میرا عذاب ہے، میں جسے چاہوں گا تیرے ذریعے عذاب دوں گا اور تم دونوں کو لوگوں سے بھر دوں گا (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ)۔ ارشاد فرمایا: بد ترین بندہ وہ ہے جو جبر و تعدی کرے، اور جبار اعلیٰ کو بھول جائے، بد ترین بندہ وہ ہے جو جبر کرے، اترائے اور کبیر متعال کو فراموش کر دے، بد ترین بندہ وہ ہے جو غفلت اور لہو و لعب میں رہے اور قبر کی مٹی میں مل جانے کی حقیقت ذہن سے نکال دے۔ بد ترین بندہ وہ ہے جو سرکشی اور بغض و عناد میں حد سے گذر جائے اور اسے ابتداء و انتہا یاد نہ رہے (ترمذی۔ اسماء بنت عمیسؓ) حضرت ثابتؓ سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا کہ فلاں شخص کس قدر مغرور ہے؟ آپ نے فرمایا کیا اس کے بعد موت نہیں ہے؟ (بیہقی)۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے دو بیٹوں کو بلایا، اور ان سے فرمایا کہ میں تمہیں دو چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور دو چیزوں سے روکتا ہوں، میں تمہیں شرک اور کبر سے منع کرتا ہوں، اور کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرتا ہوں، اس لئے کہ اگر آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو یہ پلڑا جھک جائے، دوسری بات جس کا میں تم دونوں کو حکم دیتا ہوں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ہے۔ یہ کلمہ ہر چیز کی نماز ہے، اور اسی سے ہر جاندار کو رزق دیا جاتا ہے (احمد، بخاری، حاکم) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں اس شخص کے لئے خوشخبری ہو جس کو اللہ نے اپنی کتاب کا علم دیا پھر وہ کبر سے بچا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ہر درشت خو، بد مزاج، متکبر، ذخیرہ اندوز، اور نہ دینے والا دوزخی ہے، اور جنت والے ضعیف اور کم مایہ لوگ ہیں (بیہقی، احمد۔ عبداللہ ابن عمرؓ)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "تم میں ہمارا زیادہ محبوب، اور آخرت میں ہم سے زیادہ قریب وہ ہوگا جس کے اخلاق عمدہ ہوں گے، اور تم میں ہمارے نزدیک مبغوض، اور ہم سے بعید تر وہ لوگ ہوں گے جو فضول گو، باچھیں پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرنے والے اور متکبر ہیں (احمد۔ ابو ثعلبہ الخشنیؓ) ایک روایت میں ہے: قیامت کے دن متکبرین کا حشر چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا، لوگوں کے پاؤں انھیں روندیں گے، انھیں ہر طرح کی ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا، پھر جہنم کے قید خانے میں جس کو بولس کہتے ہیں لے جائیں گے اور ان پر وہ آگ مسلط ہوگی جو تمام لوگوں کی آگ ہے اور انھیں دوزخیوں کا نچوڑ (پیپ) پینے کو ملے گا۔ (ترمذی۔ عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ)۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حشر کے دن جبار اور متکبر چیونٹیوں کی شکل میں اٹھیں گے، لوگ انھیں اپنے قدموں سے روندیں گے کیوں کہ وہ اللہ نزدیک ذلیل ہوں گے (بزار) محمد ابن واسع کہتے ہیں کہ میں بلال ابن ابی بردہ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ مجھے تمہارے والد نے اپنے والد کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جہنم میں ایک وادی ہے جسے ہبہب کہتے ہیں، اللہ کو یہ منظور ہے کہ اس میں جباری کا قیام ہو، پس اے بلال تم اپنے آپ کو اس وادی کے عذاب سے محفوظ رکھنا (ابو یعلیٰ، طبرانی، حاکم) ایک حدیث میں وارد ہے کہ جہنم میں ایک مکان ہے جس میں متکبرین کو ڈال دیا جائے گا، اور اسے بند کر دیا جائے گا۔ (بیہقی۔ انسؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ نَفْخَةِ الْکِبْرِیَاءِ (۱)

اے اللہ! میں کبریائی کی پھونک سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

ایک حدیث میں ہے:۔

مَنْ فَارَقَ رُوْحُهُ جَسَدَهُ وَهُوَ بَرِیْءٌ مِنْ ثَلَاثٍ دَخَلَ الْجَنَّةَ اَلْکِبْرُ وَالدَّیْنُ وَالْغُلُوْلُ۔ (ترمذی، نسائی۔ ثوبانؓ)

جو ان تین باتوں سے خالی ہو کر موت سے ہم کنار ہو وہ جنت میں جائے گا۔

آثار صحابہؓ و تابعینؒ: حضرت ابوبکر صدیقؓ ارشاد فرماتے ہیں تم میں سے کوئی کسی مسلمان کی اہانت نہ کرے، اس لئے کہ جو مسلمان تمہاری نظروں میں حقیر ہے وہ اللہ کے نزدیک عزت دار ہے۔ وہب فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنتِ عدن پیدا کی تو اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تو متکبر پر حرام ہے۔ احنف ابن قیسؒ مصعب ابن الزبیر کے ساتھ اس کی چارپائی پر بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن وہ تشریف لائے تو مصعب پاؤں پھیلائے پڑا تھا، احنف اس کے پاؤں کے برابر میں بیٹھ گئے، اتفاق سے اس کے پاؤں دب گئے، احنف نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار ہیں، فرمایا: ابن آدم پر تعجب ہوتا ہے حالانکہ وہ پیشاب کی جگہ سے دو مرتبہ نکلا ہے، حسن فرماتے ہیں ابن آدم پر تعجب ہے کہ وہ دن میں دو چار بار استنجاء کرتا ہے اور اپنے ہاتھ سے اپنی شرم گاہ دھوتا ہے اور جبّارُ السّمٰوات سے مقابلہ کرتا ہے۔ بعض مفسّرین کی رائے میں قرآن کریم کی اس آیت میں بول و براز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ (پ ۲۶ ر ۱۸ آیت ۲۱)

اور یہ تمہاری ذات میں بھی (نشانیاں ہیں) کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔

محمد ابن حسین ابن علیؓ فرماتے ہیں جس شخص کے دل میں جتنا تکبر پیدا ہوتا ہے اسی قدر اس کی عقل میں کمی آجاتی ہے، حضرت سلمان سے کسی نے اس برائی کے بارے میں دریافت کیا جس کی موجودگی میں کوئی نیکی مفید نہیں ہوتی، انھوں نے جواب دیا تکبر۔ حضرت لقمان ابن بشیرؓ نے بر سرِ منبر فرمایا کہ شیطان کے بہت سے پھندے اور جال ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں پر اِتراتا ہے، اس کی عنایات پر فخر کرتا ہے، اس کے بندوں پر کبر کرتا ہے، اور غیر اللہ میں اِتباعِ ہوس سکھاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے ہم دنیا و آخرت میں عفو و کرم کے طلب گار ہیں۔

اِترا کر چلنے اور لباس کے ذریعے اظہارِ تکبر کی مذمت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰی رَجُلٍ یَجُرُّ اِزَارَهُ بَطَرًا۔ (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ)

اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کی طرف نظر نہیں کرتا جو اِترا کر اپنے کپڑے گھسیٹتا ہو۔

بَیْنَمَا رَجُلٌ یَتَبَخْتَرُ فِیْ بُرْدَیْهِ اِذَا عَجَبَتْهُ نَفْسُهُ فَخَسَفَ اللّٰهُ بِهِ الْاَرْضَ فَهُوَ یَتَجَلْجَلُ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (بخاری و مسلم۔ ابوہریرہؓ)

اس دوران جب کہ آدمی اپنی دو چادروں میں اِترا رہا ہو اسے اپنا نفس اچھا لگے اللہ تعالیٰ اسے

---

(۱) یہ روایت ان الفاظ میں نہیں ملی البتہ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے جبیر ابن مطعمؓ سے یہ روایت نقل کی ہے اعوذ باللّٰہ من الشیطان من نفخہ ونفثہ وھمزہ، نفثہ الشعر ونفخہ الکبر وھمزہ الموتۃ

زمین میں دھنسا رہتا ہے پھر وہ قیامت تک اس میں گھومتا پھرتا ہے۔

مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسلم۔ ابن عمرؓ)

جو شخص تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت تک اسے نہ دیکھے گا۔

زید ابن اسلم کہتے ہیں کہ میں عبداللہ ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی اثناء میں عبداللہ ابن واقد ادھر سے گذرے ان کے جسم پر نیا لباس تھا' عبداللہ ابن عمرؓ نے ان سے فرمایا اے بیٹے! اپنا پاجامہ اوپر کرلو' اس لئے کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ وعید سنی ہے کہ جو شخص تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹتا ہے اسے اللہ تعالیٰ قیامت تک نہ دیکھے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک روز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی پر تھوکا اور اس پر انگشت مبارک رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے بنی آدم! کیا تو مجھے عاجز سمجھتا ہے میں نے تجھے اس (لعاب) جیسی چیز سے پیدا فرمایا ہے' پھر جب میں نے تیرا قدو قامت برابر اور جسم فربہ کردیا تو تو اپنی چادروں میں اس طرح اکڑ کر چلتا ہے کہ زمین بھی فریاد کرتی ہے۔ تو نے مال جمع کیا' کہیں خرچ نہ کیا' پھر جب سانس سینے میں رہ گیا تو تو نے آواز لگائی کہ میں اپنا مال صدقہ کروں گا۔ یہ صدقے کا وقت کہاں ہے (ابن ماجہ' حاکم۔ بشر ابن جحاش) ایک حدیث میں ہے' آپ نے ارشاد فرمایا: جب میری اُمت تکبر کی چال چلنے لگی گی' اور روم و فارس کے لوگ ان کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض پر مسلط کردے گا۔ (ترمذی' ابن حبان' ابن عمرؓ)

ابوبکر ہذلی ناقل ہیں کہ ہم حضرت حسنؓ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ابن الاہتم کا ادھر سے گذر ہوا وہ پاخانے جارہا تھا' اس کے جسم پر ریشمی کپڑے تھے۔ جو اس کی پنڈلی پر تہ بہ تہ لٹکے ہوئے تھے' اور قبا کھلی ہوئی تھی' اور وہ اترا اترا کر چل رہا تھا' حضرت حسنؓ نے ایک نظر اس پر ڈالی اور فرمایا تف ہے اس شخص پر جو ناک پھلائے ہوئے گردن اکڑائے ہوئے اور کمر لچکائے ہوئے ہے اور اپنی دونوں جانب دیکھ رہا ہے۔ اے احمق! اپنی دونوں طرف کیا دیکھتا ہے دونوں طرف اللہ کی نعمتیں ہیں جن کا نہ تو نے شکر ادا کیا اور نہ ان کا ذکر زبان پر لایا' اور ان کے سلسلے میں اللہ نے جو حقوق متعین فرمائے ہیں نہ ان کی ادائیگی کی' بخدا لوگ اس طرح چلتے ہیں جیسے پاگل چلا کرتے ہیں' انھیں یہ نہیں معلوم کہ انسان کے ہر عضو میں اللہ کی ایک نعمت موجود ہے' اور شیطان اسے کھیل بنانے میں مصروف ہے۔ ابن الاہتم نے یہ بات سنی اور واپس آکر حضرت حسن سے اپنی شرمندگی کا اظہار کیا' آپ نے فرمایا: مجھ سے کیا عذر کرتے ہو' اللہ سے توبہ کرو۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا -
(پ ۱۵ ر ۴ آیت ۳۷)

اور زمین پر اتراتا ہوا مت چل' تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے' اور نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔

ایک بار ایک نوجوان عمدہ لباس پہن کر آپ کے سامنے سے گذرا' آپ نے اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ آدمی اپنی خوبصورتی اور جوانی پر اتراتا ہے' حالانکہ تمہیں یہ سوچنا چاہیئے کہ گویا قبر نے تمہارا جسم چھپالیا ہے اور تمہارے اعمال تمہارے سامنے آگئے ہیں' جاؤ اپنے دل کا علاج کرو اللہ تعالیٰ بندوں سے صرف یہ چاہتا ہے کہ ان کے قلوب درست ہوں۔ روایت ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ حج کے لئے گئے' وہاں طاؤس نے انھیں دیکھا کہ وہ اکڑ کر چل رہے ہیں' آپ نے ان کے پہلو میں ٹھوکا دیا اور فرمایا کہ جس کے پیٹ میں غلاظت بھری ہوئی ہو یہ اس کی چال نہیں ہے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے معذرت خواہانہ انداز میں عرض کیا کہ اس چال کے لئے میرے ہر ہر عضو نے مار کھائی ہے' تب میں نے یہ چال سیکھی۔ محمد ابن الواسعؒ نے اپنے صاحبزادے کو اکڑ کر چلتے ہوئے دیکھا تو اسے بلا کر فرمایا کہ کیا تو اپنی حقیقت سے واقف ہے؟ تیری ماں کو میں نے دو سو درہم میں خرید تھا اور تیرا باپ جیسا ہے اللہ تعالیٰ اس جیسے آدمی زیادہ نہ بنائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو اپنا ازار

گھسیٹتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ شیطان کے بھی بھائی بند ہوتے ہیں' آپ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ فرمائی۔ روایت ہے کہ مطرف ابن عبداللہ ابن الشخیر نے مہلب کو دیکھا کہ وہ ریشمی عبا پہنے ہوئے اِترا اِترا کر چل رہے ہیں آپ نے ان سے فرمایا اے ابو عبداللہ! یہ چال اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتی ہے۔ مہلب نے ان سے کہا شاید آپ مجھے نہیں جانتے؟ آپ نے فرمایا : کیوں نہیں : جانتا ہوں ابتدا میں تم نطفہ ناپاک تھے اور انتہا میں ناپاک مردار ہو جاؤ گے۔ اور اب غلاظت لادے پھر رہے ہو' مہلب یہ سن کر چلا گیا اور وہ چال چھوڑ دی۔ قرآن کریم میں ہے :-

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى۔ -(پ۲۹ ر۱۸ آیت ۳۳)

پھر ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا۔

تواضع کے فضائل : سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:-

مَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)

اللہ تعالیٰ معاف کرنے کے باعث کسی بندے کی صرف عزت میں اضافہ کرتا ہے' جو اللہ کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ اسے بلندی عطا کرتا ہے۔

مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَ مَعَهُ مَلَكَانِ وَ عَلَيْهِ حِكْمَةٌ يُمْسِكَانِهٖ بِهَا فَاِنْ هُوَ رَفَعَ نَفْسَه جَبَذَاهَا ثُمَّ قَالَا اَللّٰهُمَّ ضَعْهُ وَاِنْ وَضَعَ نَفْسَهٗ قَالَا اَللّٰهُمَّ ارْفَعْهُ (بیہقی۔ ابو ہریرہؓ)

ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں اور اس پر لگام ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ اسے روکے رہتے ہیں' اگر وہ نفس کو اونچا کرتا ہے تو وہ لگام کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں اے اللہ ! تو اس شخص کو پست کر اور اگر وہ اپنے نفس کو پست کرتا ہے تو کہتے ہیں اے اللہ! اسے اونچا کر۔

ایک حدیث میں ہے فرمایا : اس شخص کے لیے خوشخبری ہو جو ذلت کی صورت تواضع نہ کرے' اور جو مال اس نے جمع کیا ہے اسے گناہ کے علاوہ راہ میں خرچ کرے' اور اہل فقہ و حکمت کے ساتھ اختلاط رکھے (بزار۔ انسؓ) ابو سلمہ المدینی اپنے والد سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس قبا میں تشریف فرما تھے آپ اس دن روزے سے تھے' ہم نے افطار کے لیے ایک پیالہ دودھ پیش کیا اور اس میں کچھ شہد بھی ڈال دیا' جب آپ نے دودھ نوش فرمایا اور اس میں شہد کا ذائقہ محسوس کیا تو حاضرین سے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا: ہم نے اس میں کچھ شہد بھی ملا دیا ہے' آپ نے پیالہ رکھ دیا اور فرمایا: میں اسے حرام نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے:-

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ وَمَنِ اقْتَصَدَ اَغْنَاهُ اللّٰهُ وَمَنْ بَذَّرَ اَفْقَرَهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَكْثَرَ ذِكْرَ اللّٰهِ اَحَبَّهُ اللّٰهُ (بزار۔ طلحہ ابن یحییٰ)

جو شخص اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ اسے بلند کرتا ہے' اور جو تکبر کرتا ہے اسے پست کرتا ہے' اور اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے اسے غنی کرتا ہے' اور جو فضول خرچی کرتا ہے اسے فقیر کرتا ہے' اور جو خدا کا ذکر زیادہ کرتا ہے اسے محبوب رکھتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چند رُفقاء کے ساتھ اپنے گھر میں کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک سائل دروازے پر آیا' وہ ایک ایسی مزمن بیماری میں مبتلا تھا جس سے سب گھن کرتے تھے' آپ نے اسے اندر آنے کی اجازت دی' جب وہ اندر آگیا آپ نے اسے اپنے قریب بٹھایا اور اس سے کھانا کھانے کے لیے کہا' ایک قریشی شخص نے اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے میں کراہت محسوس کی' وہ شخص اس وقت تک نہیں مرا جب تک خود بھی اس بیماری میں مبتلا نہ ہوا جس میں سائل مبتلا

تھا۔(۱) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے دو چیزوں میں اختیار دیا گیا تھا یا تو میں بندہ اور رسول بنوں یا بادشاہ اور نبی بنوں، میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں ان میں سے کون سی بات اختیار کروں، فرشتوں میں میرے دوست حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے، میں نے ان کی طرف دیکھا انہوں نے مجھ سے کہا اپنے رب کے سامنے تواضع اختیار کرو، میں نے عرض کیا میں بندہ اور رسول بننا پسند کرتا ہوں (ابو یعلی۔ عائشہؓ طبرانی۔ ابن عباسؓ) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ میں صرف اس شخص کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری عظمت کے آگے سرنگوں رہتا ہے اور میرے بندوں پر بڑائی اختیار نہیں کرتا، اپنے دل میں میرا خوف رکھتا ہے، اور اپنا دن میری یاد میں گذارتا ہے، اور میری خاطر نفسانی خواہشات سے اجتناب کرتا ہے ارشاد نبوی ہے:۔

اَلْكَرَمُ التَّقْوٰى وَالشَّرَفُ التَّوَاضُعُ وَالْيَقِيْنُ الْغِنٰى (ابن ابی الدنیا مرسلاً، حاکم۔ سمرۃؓ)

بڑائی تقویٰ ہے، شرف تواضع ہے، اور یقین تونگری ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ متواضعین کے لیے خوشخبری ہو، قیامت کے دن وہ منبروں پر بیٹھیں گے، مصلحین (صلح کرانے والوں) کے لیے خوشخبری ہو، قیامت کے روز وہ جنۃ الفردوس کے وارث ہوں گے، ان لوگوں کے لیے خوشخبری ہو جو دنیاوی نجاستوں سے اپنا دل پاک رکھتے ہیں انہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل ہوگا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت پہنچی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اِذَا هَدَى اللّٰهُ عَبْدًا لِلْاِسْلَامِ وَحَسَّنَ صُوْرَتَهُ وَجَعَلَهُ فِيْ مَوْضِعٍ غَيْرِ شَائِنٍ لَهُ وَرَزَقَهُ مَعَ ذٰلِكَ تَوَاضُعًا فَذٰلِكَ مِنْ صَفْوَةِ اللّٰهِ (طبرانی موقوفاً ابن مسعود نحوہ)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اسلام کی ہدایت کرتا ہے، اور اس کی صورت اچھی بناتا ہے اور اسے کسی ایسی جگہ رکھتا ہے جو اس کے لیے غیر مناسب نہیں ہوتی اور اسے اس کے باوجود تواضع و انکساری عطا کرتا ہے تو ایسا بندہ اللہ کے خاص بندوں میں شمار ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں جو صرف ان لوگوں کو ملتی ہیں جنہیں اللہ دوست رکھتا ہے، ایک خاموشی یہ عبادت کی ابتدا ہے دوسری اللہ پر توکل، تیسری تواضع، چوتھی دنیا سے بے رغبتی (طبرانی، حاکم۔ انسؓ) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ (بیہقی فی الشعب)

جب بندہ تواضع کرتا ہے اللہ اسے ساتویں آسمان تک بلندی عطا کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا: تواضع بندے کی رفعت و عظمت میں اضافہ کرتی ہے، تواضع کرو اللہ تم پر رحمت نازل کرے گا (اصفہانی ترغیب و ترہیب۔ انسؓ) روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرما رہے تھے اتنے میں ایک سیاہ رو شخص آیا، اس کے چہرے پر چیچک کے دانے نکل رہے تھے اور ان سے پانی بہہ رہا تھا آپ نے اسے اپنے قریب بٹھلایا۔(۲) ایک حدیث میں ہے آپ نے فرمایا مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اپنے نفس کا کبر دور کرنے کے لیے گھر والوں سے متعلق کوئی چیز ہاتھ میں اٹھا کر چلے۔(۳) ارشاد فرمایا: اگر تمہیں میری امت کے تواضع کرنے والے نظر آئیں تو ان سے تواضع کرو اور متکبرین سے سابقہ پیش آئے تو ان پر کبر کرو، یہ رویہ ان کے لیے ذلّت و اہانت کا باعث ہوگا۔(۴)

---

(۱) یہ روایت مجھے نہیں ملی، البتہ جذامی کے ساتھ کھانا کھانے کی روایت ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت جابر سے مروی ہے۔ (۲) یہ روایت نہیں ملی مشہور روایت وہی ہے جو اس سے پہلے بھی بیان کی جاچکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جذامی کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ (۳) اس روایت کی سند بھی نہیں ملی۔ (۴) یہ روایت بھی غریب ہے، اس کی سند بھی نہیں ملی۔

حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب بندہ تواضع کرتا ہے اللہ اس کی حکمت کو رفعت بخشتا ہے' اور فرمایا ہے کہ بلند ہو' اللہ نے تجھے بلندی عطا کی ہے' اور جب تکبر اور تعدی کرتا ہے تو اللہ سے زمین میں دھنسا دیتا ہے' اور فرماتا ہے دور ہو' اللہ نے تجھے دور کردیا ہے' وہ اپنی نظر میں بڑا ہے' لوگوں کی نظروں میں حقیر ہے' یہاں تک کہ وہ اسے سؤر سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہیں۔ جریر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایسے درخت تک پہنچا جس کے نیچے کوئی شخص پڑا سو رہا تھا' اور چمڑا پھیلا کر اس نے اپنے اوپر سایہ کررکھا تھا' کیوں کہ آفتاب اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا اس لیے سونے والے پر دھوپ پڑ رہی تھی' میں نے چمڑا درست کردیا اتنے میں وہ شخص جاگ گیا میں نے دیکھا کہ وہ سلمان فارسی ہیں' میں نے جو کچھ کیا تھا وہ ان سے کہہ دیا' انہوں نے فرمایا: اے جریر! دنیا میں اللہ کے لیے تواضع کر' جو شخص دنیا میں اللہ کے لیے تواضع کرے گا اللہ قیامت کے روز اسے اونچا اٹھائے گا۔ اے جریر! کیا تجھے معلوم ہے قیامت کے دن دوزخ کی ظلمت کیا ہوگی' میں نے عرض کیا: نہیں! فرمایا دنیا میں لوگ ایک دوسرے پر ظلم ڈھاتے ہیں یہی ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن کر سامنے آئے گا' اور دوزخ کے عذاب کی شکل اختیار کرلے گا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں تم لوگ افضل ترین عبادت تواضع سے غافل ہو' یوسف ابن اسباط کہتے ہیں تھوڑا سا تقویٰ بہت سے عمل سے کافی ہے' اور تھوڑی سی تواضع بہت سے مجاہدے سے کافی ہے۔ فضیل سے کسی شخص نے تواضع کے بارے میں دریافت کیا آپ نے فرمایا: تواضع یہ ہے کہ تو حق کے سامنے سرنگوں ہو' اور حق کا مطیع و فرمانبردار ہو' یہاں تک کہ اگر کسی بچے سے بھی حق بات معلوم ہو قبول کرلے' کسی جاہل سے سنے قبول کرلے۔ حضرت عبداللہ ابن المبارک فرماتے ہیں اصل تواضع یہ ہے کہ تم اس شخص کو اپنے اوپر ترجیح دو جو دنیاوی نعمتوں میں تم سے کم ہو' یہاں تک کہ وہ یہ یقین کرلے کہ تمہیں اپنی دنیا کی وجہ سے اس پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اس شخص سے اپنے آپ کو بدتر سمجھو جو دنیاوی نعمتوں میں تم سے زیادہ ہو یہاں تک کہ وہ یہ سمجھ لے کہ اسے دنیا کی وجہ سے کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال یا حسن یا لباس یا علم عطا کیا ہو اور اس نے تواضع نہ کی ہو قیامت کے روز یہ نعمتیں اس کے لیے وبال بن جائیں گی۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ جب میں تم پر کوئی نعمت نازل کروں تو تم اسے انکساری کے ساتھ قبول کرو' میں تم پر وہ نعمت تمام کروں گا۔ کعب فرماتے ہیں کہ جس شخص کو کوئی نعمت ملی اور اس نے اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کیا' اور متواضع بن کر رہا اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں بھی اس نعمت کے منافع سے نوازیں گے اور آخرت میں بھی درجات بلند فرمائیں گے' اور جس شخص کو کوئی نعمت ملی' لیکن اس نے اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ لوگوں پر برتری جتائی ایسا شخص دنیا میں بھی اس نعمت کے منافع سے محروم رہے گا' اور آخرت میں بھی عذاب سے دوچار ہوگا۔ عبدالملک ابن مروان سے کسی شخص نے دریافت کیا کون آدمی سب سے بہتر ہے؟ اس نے جواب دیا وہ شخص جو قدرت کے باوجود تواضع کرے' رغبت کے باوجود زہد کرے' اور قابو پانے کے باوجود انتقام نہ لے۔ ابن السماک ہارون کے پاس گئے' اور کہنے لگے امیر المؤمنین! شرف کے ساتھ آپ کی تواضع آپ کے شرف سے بہتر ہے' ہارون رشید نے ابن السماک کے اس جملے کی تحسین کی' انہوں نے مزید کہا امیر المؤمنین! اگر اللہ کسی کو جمال' شرف' حسب اور مال عطا کرے اور وہ جمال میں پاک دامن رہے' مال سے لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرے' اور حسب و نسب میں انکسار کرے تو اس کا نام اللہ کے یہاں اولیاء اللہ کے زمرے میں لکھا جائے گا' ہارون رشید نے کاغذ قلم منگوایا اور اپنے ہاتھ سے ان کے یہ ارشادات لکھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا معمول یہ تھا کہ صبح سویرے آپ اغنیاء اور شرفاء سے سرسری ملاقات کرتے اور ان سے فارغ ہو کر مساکین کی مجلس میں آکر بیٹھ جاتے' ارشاد فرماتے کہ مسکین کا گذر مساکین ہی کے ساتھ ہوسکتا ہے کسی کا قول ہے کہ جس طرح تمہیں یہ بات ناپسند ہے کہ مالدار لوگ تمہیں بوسیدہ کپڑوں میں دیکھیں اسی طرح تمہیں یہ بات بھی ناپسند ہونی چاہئے کہ درویش تمہیں عمدہ لباس میں دیکھیں۔ روایت ہے کہ یونس' ایوب اور حسن تواضع کے بارے میں مذاکرہ کررہے تھے' حسنؒ نے ان سے

فرمایا: کیا تم جانتے ہو تواضع کیا ہے' تواضع یہ ہے کہ جب تم گھر سے باہر نکلو اور تم کو مسلمان نظر آئے تو تم اسے اپنے سے برتر تصور کرو مجاہد فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو غرق کیا تو پہاڑوں نے ایک دوسرے پر برتری اور بلندی کا اظہار کیا' جودی نامی پہاڑ نے تواضع اختیار کی' اللہ نے اسے سربلندی عطا کی حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اس پر رکی۔ ابو سلیمان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کا حال معلوم کیا تو کسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل سے زیادہ تواضع نہ پائی۔ اسی لیے انہیں اپنے ساتھ ہم کلام ہونے کے شرف سے نوازا۔ یونس ابن عبید نے عرفات سے واپسی کے بعد کہا کہ اگر میں لوگوں میں نہ ہوتا تو یقیناً ان پر رحمت نازل ہوتی' اب مجھے خوف ہے کہ کہیں میری وجہ سے وہ لوگ بھی رحمت سے محروم نہ ہو جائیں' کہا جاتا ہے کہ مؤمن جس قدر نفس کو متواضع رکھتا ہے اسی قدر اسے اللہ کے یہاں بلندی نصیب ہوتی ہے زیاد نمیری کہتے ہیں کہ تواضع کے بغیر زاہد ایسا ہے جیسے پھلوں کے بغیر درخت مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ اگر کوئی منادی کرنے والا مسجد کے دروازے پر یہ اعلان کرے کہ تم میں سے بد ترین آدمی باہر آجائے تو بخدا سب سے پہلے باہر نکلنے والا میں ہوں گا الا یہ کہ کوئی شخص اپنی طاقت کے بل پر مجھ سے سبقت کرجائے۔ جب ابن المبارک نے ان کا یہ قول سنا تو فرمایا واللہ مالک اسی لیے مالک کہلاتے ہیں فضیل فرماتے ہیں کہ جس شخص کے دل میں اقتدار کی خواہش ہوتی ہے وہ کبھی فلاح یاب نہیں ہوتا موسیٰ ابن القاسمؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے یہاں زلزلہ آیا اور سرخ آندھی چلی' میں محمد ابن مقاتل کے پاس گیا' اور ان سے کہا اے ابو عبداللہ! آپ ہمارے امام ہیں' اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا کریں' محمد ابن مقاتلؒ میری یہ بات سن کر رونے لگے اور کہنے لگے کاش میں تمہاری ہلاکت کا باعث نہ ہوتا موسیٰ ابن القاسمؒ کہتے ہیں میں نے خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی' آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے محمد ابن مقاتل کی وجہ سے تمہاری مصیبت کا خاتمہ کردیا۔ ایک شخص حضرت شبلی کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ آپ عادتاً یہ سوال کیا کرتے تھے' اس شخص نے جواب دیا میں نیچے کا نقطہ ہوں' آپ نے اس سے فرمایا اب تو ایسا ہی بن (یعنی پستی اختیار کر) جیسا تو نے کہا ہے حضرت شبلیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا جاتا ہے کہ میں اتنا ذلیل ہوں کہ میری ذلت کے سامنے یہودیوں کی ذلت ہیچ رہ گئی۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے جو شخص اپنی ذرا بھی قدر کرتا ہے وہ تواضع کی صفت سے محروم ہے فتح ابن شخرف کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ابن ابی طالبؓ کو خواب میں دیکھا' اور ان سے عرض کیا اے ابوالحسن! مجھے نصیحت فرمائیے' آپ نے فرمایا فقراء کی مجلس میں کوئی مالدار ثواب کی توقع سے تواضع کرے تو یہ کتنی عمدہ بات ہے اور اس سے بھی اچھی بات یہ ہے کہ کوئی فقیر اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرکے مالداروں پر تکبر کرے۔ ابو سلیمانؒ کہتے ہیں آدمی اس وقت تک تواضع نہیں کرتا جب تک اپنے نفس کو نہیں پہچانتا۔ ابو یزید کہتے ہیں آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہونا کہ مخلوق میں کوئی اس سے بدتر ہے تکبر کی علامت ہے کسی نے ان سے پوچھا تواضع کی علامت کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ تواضع کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنے مقام اور حال کو اہمیت نہ دے آدمی کو جس قدر اپنے رب کی اور اپنی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے وہ اسی قدر تواضع کرتا ہے ابو سلیمان کہتے ہیں کہ جس قدر میں اپنے دل میں کم حیثیت اور بے مایہ انسان ہوں اگر ساری دنیا مجھے اس سے زیادہ بے حیثیت اور کم مایہ بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتی۔ عروہ ابن الوردؒ کہتے ہیں تواضع حصول عظمت کا ایک جال ہے' ہر نعمت پر حسد کیا جاسکتا ہے لیکن تواضع ایک ایسی نعمت ہے جس پر کوئی حسد نہیں کرسکتا یحییٰ ابن خالد برمکی کہتے ہیں شریف وہ ہے جو تم سے ملے تو تواضع کرے اور بے وقوف وہ ہے جو تم سے ملے تو برتری ظاہر کرے یحییٰ ابن معاذ کہتے ہیں مال کے ذریعے تکبر کرنے والوں پر تکبر کرنا تواضع ہے' تکبر تمام مخلوق میں برا ہے' اور فقراء میں زیادہ بُرا ہے کہتے ہیں غربت صرف اس کے لیے ہے جو اللہ کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرے نفع صرف اس کے لیے ہے جو اپنا نفس اللہ کو فروخت کردے۔ ابو علیؒ کہتے ہیں آدمی کا نفس کبر' حرص اور حسد سے مرکب ہے' جب اللہ تعالیٰ اس کی ہلاکت کا ارادہ فرماتے ہیں اسے تواضع' نصیحت اور قناعت سے روک دیتے ہیں' اور جب اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو مہربانی کا معاملہ کرتے ہیں' جب نفس میں کبر کی آگ بھڑکتی ہے اللہ کی مدد سے تواضع اس پر چھا

جاتی ہے' جب حسد کی آگ بھڑکتی ہے نصیحت کے چھینٹے اسے ٹھنڈا کردیتے ہیں' جب حرص کی آگ بھڑکتی ہے قناعت اسے بجھا دیتی ہے۔

حضرت جنیدؒ سے منقول ہے کہ وہ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں ارشاد فرماتے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد نہ فرمایا ہوتا "آخری زمانے میں قوم کے سردار اُن کے ذلیل افراد ہوں گے" تو میں ہرگز تم سے کچھ نہ کہتا حضرت جنیدؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے اہل توحید کے نزدیک تواضع بھی کبر ہے غالباً ان کی مراد یہ ہوگی کہ متواضع اپنے نفس کا دھیان کرتا ہے تب ہی تو اسے پست تصور کرتا ہے موحد کے نزدیک نفس کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہوتی عمرو ابن شیبہؒ کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں مصروف تھا اتنے میں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے خچر پر سوار چلا آرہا ہے' اس کے آگے آگے نوکر چل رہے ہیں' جو لوگوں کو سخت سُست کہتے ہیں اور انہیں راستہ چھوڑنے پر مجبور کرتے ہیں چند روز بعد میں مکہ مکرمہ سے واپس آکر بغداد پہنچا' وہاں میں نے اسی شخص کو دیکھا' ننگے پاؤں اور ننگے سر پھر رہا تھا سر اور ڈاڑھی کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے' میں اسے غور سے دیکھنے لگا' اس نے مجھ سے پوچھا: کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا ایک شخص تم سے بڑی مشابہت رکھتا ہے' میں نے اسے مکہ مکرمہ میں دیکھا ہے' اس شخص نے کہا میں وہی شخص ہوں' میں نے اس کی موجودہ حالت پر حیرت ظاہر کی' اس نے کہا میں نے ایسی جگہ برتری کا مظاہرہ کیا تھا جہاں لوگ تواضع کرتے ہیں اس لیے اللہ نے مجھے ایسی جگہ گرا دیا جہاں لوگ اُٹھ کر چلتے ہیں' مغیرہ کہتے ہیں کہ ہم ابراہیم نخعی سے ایسے ڈرتے تھے جیسے امیر و حاکم سے ڈرا کرتے ہیں' وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بُرا زمانہ ہے اس زمانے میں مجھ جیسے شخص کو کوفے کا فقیہ سمجھا جاتا ہے' عطاء سلمیؒ بجلی کی چمک گرج کے وقت خوف سے لرز اُٹھتے اور اس طرح اپنا پیٹ پیٹ لیتے جیسے دردِ زہ میں مبتلا عورت پیٹتی ہے' اور فرماتے کہ یہ مصیبت تم پر میری وجہ سے نازل ہوئی ہے' کاش عطاء مر جاتا لوگ سکون کا سانس لیتے۔ بشر حافی فرمایا کرتے تھے کہ اہل دنیا کو سلام نہ کرو' یہی ان کے لیے سلامتی کی بات ہے۔ ایک شخص نے عبداللہ ابن المبارک کو دعا دی "اللہ تمہاری امیدیں پوری کرے" آپ نے فرمایا: "امید معرفت کے بعد ہوتی ہے' یہاں معرفت ہی حاصل نہیں امید کیا ہوگی۔" حضرت سلمان الفارسیؓ کی موجودگی میں کچھ قریش فخر کرنے لگے' آپ نے ان سے فرمایا اگر تم میرا حال پوچھتے ہو تو میں ایک نطفۂ ناپاک سے پیدا ہوا ہوں' اور مجھے ایک مردار بدبودار میں تبدیل ہو جانا ہے' پھر میزان میں میرے اعمال کا پلڑا بھاری رہا تو میں اچھا ہوں' اور ہلکا رہا تو برا ہوں۔

کبر کی حقیقت اور اس کی آفت

کبر کی دو قسمیں ہیں' ظاہری کبر' اور باطنی کبر۔ کبر باطن نفس کی عادت کا نام ہے' اور کبر ظاہر سے مراد وہ اعمال ہیں جو اعضاء سے صادر ہوتے ہیں۔ حقیقت میں باطنی عادت ہی کبر ہے۔ اعمال ظاہری تو اس عادت کا ثمرہ ہیں' عادت ان اعمال کی موجب ہوتی ہے چنانچہ جب اعمال ظاہر ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے تکبر کیا' اور ظاہر نہیں ہوتے تو کہا جاتا ہے اس کے دل میں کبر ہے' درحقیقت کبر نفس کی ایک عادت ہے' اور وہ یہ ہے کہ نفس اپنے آپ کو دوسرے پر فائق اور برتر سمجھے اور اس میں لذت پائے۔ کبر کے لیے متکبَّر علیہ (جس پر تکبر کرے) اور متکبَّر بہ (جس چیز پر تکبر کرے) ضروری ہے یہ ایک اضافی امر ہے اور اس کے لیے ان لوازمات کی ضرورت ہے عُجب اور کبر میں ان ہی لوازمات کا فرق ہے' عُجب میں معجب کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے' بلکہ اگر انسان کو تنہا پیدا کیا جاتا تب بھی اس کے معجب ہونے کا امکان تھا' متکبر ہونے کا امکان نہیں تھا' اس لیے کہ متکبر کے لیے غیر کی ضرورت ہے' جس پر وہ صفات کمال میں اپنے آپ کو فائق تصور کرے تکبر میں اپنے نفس کو بڑا سمجھتا ہے' ساتھ ہی دوسرے کو بھی بڑا یا برابر سمجھتا ہے' اس پر تکبر نہیں کرتا' اسی طرح دوسرے کو حقیر سمجھنا بھی تکبر میں کافی نہیں ہے' کیوں کہ کبھی دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے'

اور اپنے نفس کو اس سے بھی زیادہ حقیر تصور کرتا ہے۔ دوسرے کو اپنے برابر سمجھنا بھی تکبر نہیں ہے۔ کہ تکبر میں یہ ضروری ہے کہ ایک مرتبہ اپنے نفس کا سمجھے اور ایک مرتبہ غیر کا' پھر اپنے نفس کے مرتبے کو غیر کے مرتبے سے فائق سمجھے' جب یہ تین باتیں اس کے اعتقاد میں ہوں گی' تب کبر ہو گا۔ اپنے نفس کے مرتبے کو سمجھنا کبر نہیں ہے' بلکہ اس سمجھنے سے' یا اپنے مرتبے کے اعتقاد سے دل میں جو حرکت' خوشی اور اپنے عقیدہ کی طرف میلان پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے جو عزت پیدا ہوتی ہے' اس خوشی' حرکت' میلان' اور عزت کو خلق کبر کہتے ہیں۔ اسے "پھونک" سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اسی پھونک کی طرف اشارہ ہے:۔

اَعُوْذُبِکَ مِنْ نَفْخَۃِ الْکِبْرِیَاءِ

میں کبریائی پھونک سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

حضرت عمر ابن الخطاب نے اس شخص سے جس نے نماز فجر کے بعد وعظ کہنے کی اجازت مانگی تھی ارشاد فرمایا تھا: مجھے ڈر ہے کہ تو پھول کر ثریا تک نہ پہنچ جائے۔ گویا انسان جب اپنے آپ کو اس نظر سے دیکھتا ہے اور بڑا سمجھتا ہے تو کبر میں مبتلا ہو جاتا ہے' اور پھول جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کبر اس حالت کا نام ہے جو مذکورہ اعتقادات کے نتیجے میں نفس کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اسی کا نام عزت اور عظمت بھی ہے۔ قرآن کریم کی آیت ہے۔

اِنْ فِیْ صُدُوْرِھِمْ اِلَّا کِبْرٌ مَّا ھُمْ بِبَالِغِیْہِ (پ ۲۴ ر ۱۱ آیت ۵۶)

ان کے دلوں میں بڑائی ہی بڑائی ہے کہ وہ اس تک کبھی پہنچنے والے نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کبر سے یہاں مراد عظمت ہے جو انہیں حاصل نہ ہو سکے گی۔ پھر یہ عزت ظاہری اور باطنی اعمال کا تقاضا کرتی ہے جو ثمرات ہوتے ہیں' اور جنہیں تکبر کہا جاتا ہے' جب کسی کے نزدیک اپنا مرتبہ غیر کے مقابلہ میں بڑا ٹھہرتا ہے تو وہ اپنے سے کم کو حقیر سمجھتا ہے' وہ اس سے دور رہنا چاہتا ہے' اس کے ساتھ بیٹھنا اور کھانا پسند نہیں کرتا' بلکہ یہ تصور کرتا ہے کہ میرے سامنے دست بستہ کھڑے رہنا اس شخص کے فرائض میں شامل ہے' یہ اس صورت میں ہے جب کہ کبر زیادہ ہو' اور اگر بہت زیادہ ہو تو اس سے خدمت لینا بھی پسند نہیں کرتا' بلکہ اسے دست بستہ کھڑے ہونے اور دہلیز پر نوکروں کی طرح پڑے رہنے کا اہل بھی نہیں سمجھتا۔ اور اگر کبر کم ہوا تو اسے اپنا مساوی سمجھنے میں عار محسوس کرے گا۔ راستے کے تنگنائے میں اس سے آگے رہنے کی کوشش کرے گا۔ مجلسوں میں اس سے آگے یا بلند ہو کر بیٹھنے کی کوشش کرے گا' اس کے سلام کا منتظر رہے گا' اگر اس نے کسی کام میں کوتاہی کی تو اسے نہایت برا سمجھے گا' اگر وہ بحث کرنے لگے تو اسے اپنے سے کم رتبہ سمجھ کر جواب دینے سے پہلو تہی کرے گا اگر وہ نصیحت پر آمادہ ہو تو قبول نصیحت میں اپنی ذلت محسوس کرے گا' اگر کبھی خود اس (متکبر) کو نصیحت کرنے کی صورت پیش آجائے تو درشت لب ولہجہ اختیار کرے گا' اور اگر غیر نے جواب میں کچھ کہنے کی کوشش کی تو اس کی جان کو آجائے گا۔ ایسا شخص اپنے شاگردوں کے ساتھ بھی نرمی اور مہربانی کا برتاؤ نہیں کرتا' بلکہ انھیں ذلیل سمجھتا ہے' انھیں جھڑکتا ہے' اپنا ممنون احسان سمجھ کر ہر طرح کی خدمت لیتا ہے' عام آدمیوں کو تو خاطر ہی میں نہیں لاتا' انھیں دیکھتا بھی ہے تو ایسے جیسے گدھوں کو دیکھ رہا ہو۔ کبر کی عادت سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں وہ مشہور و معروف ہیں اور ان کی تعداد اتنی ہے کہ احاطہ تحریر میں نہیں لائی جاسکتی۔

کبر کی آفت انتہائی مہلک اور تباہ کن ہے۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا خواص تک اس میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں' شاید ہی کوئی عابد' زاہد یا عالم ایسا ہو جو اس مرض میں گرفتار نہ ہو' یہ ابتلائے عام ہے' عوام و خواص سب اس میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ کبر کی آفت کتنی مہلک ہے اس کا اندازہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے لگایا جاسکتا ہے۔ فرمایا:۔

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِنْ کِبْرٍ

جس کے دل میں ذرہ برابر بھر بھی کبر ہو گا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

متکبرین کا جنت میں داخلہ اس لئے بند کر دیا گا کہ مؤمنین کے اخلاق جنت کے دروازے ہیں' کبر اور عزت نفس سے یہ دروازے بند ہو جاتے ہیں' بندہ کبر کی وجہ سے ایمانی اخلاق سے محروم رہتا ہے' خاص طور پر تواضع سے جو متقین کا رأس المال اور سرمایۂ حیات ہے' اور ان کے اخلاق کی اصل ہے۔ تواضع کے ساتھ وہ دوسرے اخلاقِ حسنہ سے بھی محروم رہتا ہے' مثلاً وہ کبر کے ساتھ کینہ ترک نہ کر سکے گا' کسی کی نصیحت پر توجہ نہ دے گا' نہ کسی کے ساتھ خیر خواہی کرے گا' نہ لوگوں کی تذلیل و تحقیر سے بچے گا' نہ ان کی غیبت اور عیب جوئی سے محفوظ رہے گا۔ غرض یہ کہ اچھے اخلاق ختم ہو جائیں گے' اور برے اخلاق پیدا ہو جائیں گے۔ کوئی بھی بد خلقی ایسی نہیں ہو سکتی جو متکبرین میں نہ ہو' بلکہ متکبر ہر برائی' اور ہر بد خلقی کا سارا لینے پر مجبور ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر وہ اپنی "جھوٹی عزتِ نفس" برقرار ہی نہیں رکھ سکتا۔ کوئی اچھی صفت ایسی نہیں ہے جس سے عاجز و محروم نہ ہو' کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اچھے اخلاق مجھے اس عزت سے دور کر دیں گے متکبر کے جنت میں داخل نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ کبر کے ساتھ بہت سے اخلاق فاسدہ لازم کی حیثیت رکھتے ہیں' پھر ان میں سے ایک فاسد خلق دوسرے بہت سے اخلاقِ فاسدہ کا داعی ہے۔

کبر کی سب سے بُری قسم وہ ہے جو علم سے مستفید نہ ہونے دے اور قبولِ حق کے لئے مانع ہو اور حق کے اِتباع سے محروم کر دے۔ کبر کی اس قسم کے متعلق بہت سی آیات وارد ہیں۔ مثلاً:

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمُ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ۔

(پ ۷ ر ۱۷ آیت ۹۳)

اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے' ہاں اپنی جانیں نکالو' آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی اس سبب سے کہ تم اللہ کے ذمے جھوٹی باتیں کہتے تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے۔

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ۔

(پ ۲۴ ر ۱۴ آیت ۷۶)

جہنم کے دروازوں میں گھسو اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو سو متکبرین کا وہ برا ٹھکانا ہے۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا۔ (پ ۱۶ ر ۸ آیت ۶۹)

پھر ان (کفار کے) ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو جدا کریں گے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ سے سرکشی کیا کرتا تھا۔

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۔ (پ ۱۴ ر ۹ آیت ۲۲)

تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہو رہے ہیں اور وہ قبولِ حق سے تکبر کرتے ہیں۔

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ۔

(پ ۲۲ ر ۱۰ آیت ۳۰)

ادنیٰ درجہ کے لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ۔

(پ ۲۴ ر ۱۱ آیت ۶۰)

جو لوگ صرف میری عبادت میں سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (پ ۹ ر ۷ آیت ۱۴۶)

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ہم ان کے دلوں سے قرآن کا فہم اٹھالیں گے' بعض تفاسیر میں ہے کہ ہم ان کے دلوں کو ملکوت سے روک دیں گے۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ وہ ان آیات میں غور و فکر نہ کرسکیں گے' اور نہ ان سے عبرت حاصل کرسکیں گے۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ کھیتی نرم زمین میں پیدا ہوتی ہے' پتھر پر نہیں ہوتی' اس طرح حکمت متواضع دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے' متکبرین کے دلوں میں اس کا ذرا اثر نہیں ہوتا۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ جو شخص اپنا سر چھت سے ملاتا ہے وہ چوٹ کھاتا ہے' اور جو سر جھکاتا ہے وہ سایہ اور آرام پاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبر اور انکار حق کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے' ارشاد فرماتے ہیں:۔

اَلْکِبْرُ مَنْ سَفِهَ الْحَقَّ وَغَمَصَ النَّاسَ۔ (مسلم۔ ابن مسعودؓ)

متکبر وہ ہے جو حق کا انکار کرے اور لوگوں کی عیب جوئی کرے۔

متکبر علیہ' اس کے درجات و اقسام اور اس میں کبر کے ثمرات

انسان فطرتاً ظلوم و جہول ہے' اس لئے وہ کبھی اللہ پر تکبر کرتا ہے' کبھی اس کے رسولوں پر' اور کبھی مخلوق پر' اس اعتبار سے تکبر کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم۔ اللہ پر تکبر کرنا: یہ بدترین قسم ہے' اور اس کی تحریک جہالت اور سرکشی سے ہوئی ہے' جیسا کہ نمرود نے کیا تھا۔ اس نے اپنے دل میں یہ عزم کر رکھا تھا کہ میں آسمان کے پروردگار سے لڑوں گا' بہت سے جاہلوں سے اس طرح کی سرکشی کے واقعات منقول ہیں' بلکہ ربوبیت کے تمام دعویداروں کی سرکشی کا یہی عالم ہے جیسے فرعون۔ اس نے تکبر کی وجہ سے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں' اسے اللہ کے بندہ کہلانے میں شرم آئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ۔ (پ ۲۴ ر ۱۱ آیت ۶۰)

جو لوگ صرف میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا۔ (پ ۶ ر ۴ آیت ۱۷۲)

مسیح ہرگز خدا کے بندے بننے سے عار نہیں کریں گے' اور نہ مقرب فرشتے اور جو شخص خدا تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو خدا تعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس جمع کریں گے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ (۱) (پ ۱۹ ر ۳ آیت ۶۰)

اور جب ان (کافروں سے) کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے' کیا ہم اس کو سجدہ کرنے لگیں جس کو تم سجدہ کرنے کے لئے ہم کو کہوگے اور اس سے ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے۔

دوسری قسم۔ رسولوں پر تکبر کرنا: رسولوں پر تکبر کرنے کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ان کی اتباع نہ کرے' اور اپنے ہی جیسے افراد بشر کی لائی ہوئی شریعت پر چلنے میں عار محسوس کرے' یہ صورت کبھی اس لئے پیش آتی ہے کہ آدمی رسالت و نبوت کے

---

(۱) یہ آیت سورۃ الفرقان کی آیت سجدہ ہے اس کو پڑھنے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔

منصب پر غور و فکر ہی نہیں کرتا اس لئے جہالت اور ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا رہتا ہے' اور یہ سمجھتا رہتا ہے کہ میں حق پر ہوں' اور کبھی ذہن کو فکر و تأمل کی آزادی تو دیتا ہے لیکن نفس کی سرکشی اتنی بڑھ چکی ہوتی ہے کہ امرحق کی اطاعت' اور انبیاء کی اتباع پر راضی نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے منکرین رسل کے اقوال نقل فرماتے ہیں ارشاد فرمایا:۔

أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا۔ (پ ۱۸ ر ۳ آیت ۴۷)

کیا ہم ایسے دو شخصوں پر جو ہماری طرح کے آدمی ہیں ایمان لے آئیں۔

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا۔ (پ ۱۳ ر ۱۴ آیت ۱۰)

تم محض ایک آدمی ہو جیسے ہم ہیں۔

وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ۔ (پ ۱۸ ر ۳ آیت ۳۴)

اور اگر تم اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کے کہنے پر چلنے لگو تو بیشک تم گھاٹے میں ہو۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ (پ ۱۹ ر ۱ آیت ۲۱)

اور جو لوگ ہمارے سامنے پیش ہونے سے اندیشہ نہیں کرتے وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے ہیں' یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیں۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے آپکو بہت کو بڑا سمجھ رہے ہیں۔

لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ۔ (پ ۱۸ ر ۱۶ آیت ۷)

اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔

نیز فرعون کا قول نقل کیا:۔

أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ۔ (پ ۲۵ ر ۱۱ آیت ۵۳)

یا فرشتے اس کے جلو میں پر باندھ کر آئے ہوتے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔

اِسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ۔ (پ ۲۰ ر ۷ آیت ۳۹)

اور فرعون اور اس کے تابعین نے ناحق دنیا میں سر اٹھا رکھا تھا۔

فرعون نے اللہ اور رسول دونوں پر تکبر کیا تھا۔ وہب کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو ایمان لانے کی دعوت دی' اور فرمایا تو ایمان قبول کرلے تیری سلطنت تیرے ہی پاس رہے گی' فرعون نے جواب دیا میں ہامان وزیر سے مشورہ کرلوں' وزیر نے مشورہ دیا کہ تو پروردگار ہے' لوگ تیری پرستش کرتے ہیں' اگر تو نے ایمان قبول کرلیا تو بندہ ہو جائے گا اور دوسرے کی عبادت کرے گا' اس نے اپنے وزیر کا مشورہ قبول کیا' اور اپنی جھوٹی معبودیت برقرار رکھنے کے لئے باری تعالیٰ کا بندہ بننے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرنے سے انکار کردیا۔

قرآن کریم میں قریش مکہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:۔

لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ۔ (پ ۲۵ ر ۹ آیت ۳۱)

اور کہنے لگے کہ یہ قرآن (اگر قرآن الٰہی ہے تو ان دونوں بستیوں (مکہ اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

قتادہؒ فرماتے ہیں عظیم القریتین سے مراد ولید ابن المغیرہ' اور ابو مسعود الثقفی ہیں' قریش نے کہا تھا کہ محمدؐ تو ایک یتیم لڑکے تھے' اللہ نے انھیں ہمارے اوپر نبی کیسے بنا دیا۔ نبی کوئی ایسا شخص ہونا چاہیے تھا جو جاہ و ریاست میں ان سے فائق ہوتا۔ اللہ

تعالیٰ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا:۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ۔ (پ ۲۵ ر ۹ آیت ۳۲)

کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔

ایک جگہ ان لوگوں کا یہ قول نقل کیا گیا:۔

لِيَقُوْلُوْا اَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا۔ (پ ۷ ر ۱۲ آیت ۵۳)

تاکہ یہ لوگ کہا کریں کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے اللہ تعالیٰ نے ان پر زیادہ فضل کیا ہے۔

ان لوگوں کی نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین حقیر تھے' جب اللہ نے انھیں قیادت کے اعزاز سے سرفراز کیا تو ایسے لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی اور انھوں نے اس عمل کو اپنی اہانت تصور کیا چنانچہ انھوں نے ایک بار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی شکوہ کیا تھا۔

كَيْفَ نَجْلِسُ اِلَيْكَ وَعِنْدَكَ هٰؤُلَاءِ۔

ہم آپ کے پاس کیسے بیٹھیں' آپ کے پاس تو یہ لوگ رہتے ہیں۔

انھوں نے مسلمان فقراء کی طرف اشارہ کیا' اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی (مسلم۔ سعد ابن ابی وقاص)۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ۔ (پ ۷ ر ۱۲ آیت ۵۲)

اور ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح و شام اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں جس سے خاص اس کی رضامندی کا قصد رکھتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (پ ۱۵ ر ۱۶ آیت ۲۸)

اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضاجوئی کے لئے کرتے ہیں' اور دُنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تعجب کی حکایت کی جو انھیں اس وقت پیش آئے گا جب وہ جہنم میں جائیں گے' اور ان لوگوں کو نہیں دیکھیں گے جن کو حقیر اور ذلیل تصور کرتے تھے۔ فرمایا:۔

مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ۔ (پ ۲۳ ر ۱۳ آیت ۶۲)

کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو (دوزخ میں) نہیں دیکھتے جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کیا کرتے تھے۔

ان کے نزدیک اشرار یہ حضرات تھے' حضرت عمار ابن یاسر' بلال' صہیب' اور مقداد رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان منکرین قریش میں بھی دو گروہ تھے' بعض لوگ وہ تھے جو اپنے کبر کے باعث حق کی معرفت حاصل نہ کرسکے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر ایمان نہ لاسکے بعض لوگ وہ تھے جنھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا یقین تھا' لیکن وہ اپنے کبر کی وجہ سے اس کا اعتراف و اعلان نہیں کرسکتے تھے ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهِ۔ (پ ۱ ر ۱۱ آیت ۸۹)

پھر جب وہ چیز آپہنچی جس کو وہ پہچانتے ہیں تو اس کا انکار کر بیٹھے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا۔ (پ ۱۹ ر ۱۶ آیت ۱۴)

اور ظلم و تکبر کی راہ سے ان (معجزات) کے منکر ہو گئے حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا۔

یہ قسم اگرچہ پہلی قسم (تکبّر علی اللہ) سے کم ہے' لیکن اس کے قریب قریب ضرور ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے خدا کی نافرمانی کرنا۔

تیسری قسم۔ بندوں پر تکبّر : یہ تکبر اس طرح کیا جاتا ہے کہ اپنے نفس کو بڑا سمجھے' اور دوسرے کو حقیر تصوّر کرے' اس کی اطاعت کو برا سمجھے' بلکہ اس سے برتر رہنے کی کوشش کرے' یہ قسم اگرچہ پہلی دو قسموں سے کم ہے' لیکن دو وجہ سے بُری ہے۔

پہلی وجہ : تو یہ ہے کہ کبر' عزت' عظمت اور بلندی وغیرہ اوصاف ملک قادر کے علاوہ کسی کو زیب نہیں دیتے۔ ایک بندہ مملوک کے لئے جو ضعیف و ناتواں ہے عاجز و درماندہ ہے کبر کیسے مناسب ہے' متکبّر بندہ گویا باری تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسی صفت میں منازعت کرتا ہے جو صرف اسی کی جلالتِ شان کے لائق ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی غلام کسی بادشاہ کا تاج اپنے سر پر رکھ کر اس کے تخت پر بیٹھ جائے اور یہ سمجھنے لگے کہ یہ میں بادشاہ ہوں۔ ایسے بے وقوف غلام پر بادشاہ کی ناراضگی کا کیا عالم ہو گا؟ اس کو کس قدر رسوائی اور ذلّت کا سامنا کرنا پڑے گا؟ یہ جرأت ہے ہی اتنی سنگین کہ اس پر جتنی بھی سزا دی جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

اَلْعَظَمَةُ اِزَارِیْ وَالْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْهِمَا قَصَمْتُهٗ

عظمت میرا ازار ہے' کبریائی میری رداء ہے جو شخص مجھ سے ان میں جھگڑا کرے گا میں اسے توڑ دوں گا۔

مطلب یہ ہے کہ عظمت اور کبریائی دونوں میرے وصف ہیں' جو میرے لئے مخصوص ہیں' اور میری ہی شان کے مطابق ہیں ان اوصاف کا دعویٰ کرنے والا ایسا ہے جیسے مجھ سے نزاع کرنے والا اور میرے اوصاف میں شریک ہونے والا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندوں پر کبر کرنے والا خدا کا مجرم اور اس کا گنہگار ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہِ حقیقی کے مخصوص غلاموں کو ذلیل سمجھتا ہے ان سے خدمت لیتا ہے' ان پر برتری چاہتا ہے' اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو بادشاہ کو کرنا چاہئے۔ یہ شخص اگرچہ ایسا نہیں جیسے وہ شخص جس نے شاہی تاج سر پر رکھ لیا تھا اور تخت شاہی پر بیٹھ کر تما حکومت کرنیکا ارادہ کیا تھا' وہ شخص بادشاہ کو اقتدار سے ہٹا دینا چاہتا تھا اور یہ اس کے اقتدار میں شرکت چاہتا ہے۔ البتہ اس نزاع میں اور نمرود و فرعون کے نزاع میں وہی فرق ہے' جو ان دونوں شخصوں کے نزاع میں تھا کہ ایک بادشاہ کو اقتدار سے ہٹا کر خود حکمراں بننا چاہتا تھا۔ اور دوسرا اس کے اقتدار میں شریک ہونا چاہتا تھا۔

دوسری وجہ : یہ ہے کہ اس کبر کی وجہ سے باری تعالیٰ کے احکام کی مخالفت ہوتی ہے' کیونکہ جب متکبّر کسی بندے سے حق بات سنتا ہے تو اسے قبول کرنے میں عار محسوس کرتا ہے بلکہ اسے جھٹلانے کی کوشش کرتا ہے۔ مناظرانہ بحثوں میں اس طرح کا مشاہدہ عام ہے' ہر مناظر کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کے اَسرار کھول رہا ہے' اور حق کے ان پہلوؤں کو اُجاگر کر رہا ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں' لیکن جب حق قبول کرنے کا معاملہ آتا ہے تو متکبّرین کا سا رویّہ اختیار کرتے ہیں' اگر ایک شخص کی زبان پر حق ہوتا ہے تو دوسرا اسے قبول نہیں کرتا خواہ اسے حق کی معرفت حاصل ہو جائے' حق کو ٹھکرانے بلکہ اسے ناحق قرار دینے کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے تراشتا ہے' یہ منافقوں اور کافروں کا طریقہ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔

(پ ۲۴ ر ۱۸ آیت ۲۶)

اور یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور (اگر سنانے لگیں تو) اس کے بیچ غل مچایا کرو شاید (اس تدبیر سے) تم ہی غالب رہو۔

مخالف پر غلبہ پانے اور اسے خاموش کردینے کے لئے مناظرہ کرنے والا اس عادت میں منافقوں اور کافروں کی طرح ہے۔ کبر آدمی کو انکارِ حق پر اکساتا ہے' اور وعظ و نصیحت کی کوئی بات قبول کرنے نہیں دیتا۔ ارشاد باری ہے:۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ (پ ۲ر ۹ آیت ۲۰۶)

اور جب کوئی اس سے کہتا ہے خدا کا خوف کر تو نخوت اس کو گناہ پر آمادہ کردیتی ہے۔

روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے یہ آیت سنی تو ارشاد فرمایا "إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ"۔ ایک شخص امر بالمعروف کے لئے کھڑا ہوا اور مارا گیا' اور دوسرا شخص یہ کہنے کھڑا ہوا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں قتل کرتے ہو تو تکبر نے اسے بھی نہ چھوڑا یعنی جس نے امر بالمعروف کیا تھا اسے بھی نہ چھوڑا اور جس نے نہی عن المنکر کیا تھا اسے بھی نہ چھوڑا۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جب اس سے کہا جائے اللہ سے ڈر تو وہ یہ کہے کہ پہلے تو اپنے نفس کی حفاظت کر' بعد میں مجھے نصیحت کرنا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا دائیں ہاتھ سے کھاؤ' اس نے بطور کبر کہا میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ آپ نے فرمایا ایسا ہی ہوگا' راوی کہتے ہیں اس واقعے کے بعد دایاں ہاتھ اٹھا نہیں سکا' اس کا ہاتھ کسی مرض کا شکار ہوگیا۔ (مسلم۔ سلمۃ ابن الاکوعؓ)

بہر حال مخلوق پر تکبر کرنا ایک عظیم جرم ہے' کیونکہ اس سے اللہ کے احکام پر تکبر کو تحریک ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ابلیس کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس کا تکبر مشہور ہے۔ قرآن نے اس کے کبر کا حال اس لئے تفصیل سے بیان کیا تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں' اس نے کہا تھا میں انسان سے بہتر ہوں۔ اس نے اپنے نسب' اور مبدأ تخلیق پر کبر کیا' کیونکہ وہ آگ سے پیدا ہوا تھا۔ اور انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ اللہ نے اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا' لیکن اس کا کبر اس حکم کی تعمیل میں رکاوٹ بنا' ابتدا میں اسے حضرت آدم سے حسد تھا' انتہا میں اس کے حسد نے امر خداوندی پر کبر کی شکل اختیار کرلی۔ انجام یہ ہوا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہوگیا۔ بندوں پر تکبر کرنے سے یہ آفت پیدا ہوتی ہے' اس میں شک نہیں کہ یہ ایک بُری آفت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبر کی ان دو آفتوں کی تشریح فرمائی حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے خوب صورتی پسند ہے' آپ کے خیال میں یہ کبر تو نہیں' آپ نے ارشاد فرمایا:

لَا وَلٰكِنَّ الْكِبْرَ مَنْ بَطَرَ الْحَقَّ وَغَمَصَ النَّاسَ۔ (مسلم' ترمذی)

نہیں! بلکہ کبر یہ ہے کہ آدمی امر حق سے غفلت کرے اور لوگوں کی عیب جوئی کرے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث پچھلے صفحات میں گذری ہے۔ ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ کبر کی دو آفتیں ہیں ایک آفت یہ ہے کہ آدمی اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کی تحقیر کرتا ہے' اور انھیں ذلیل سمجھتا ہے اور دوسری آفت یہ ہے کہ حق سے اعراض و انحراف کرتا ہے۔ چنانچہ جو شخص یہ سمجھے کہ میں اپنے بھائی سے بہتر ہوں' اس کی تحقیر کرے' اس کے ساتھ اہانت آمیز رویّہ اختیار کرے اور حقارت کی نظر سے دیکھے اور عمداً حق سے انحراف کرے وہ مخلوق پر تکبر کرنے والا قرار پائے گا' اور جو اللہ کے سامنے جھکنے اس کی اطاعت کے ذریعے تواضع ظاہر کرنے اور اس کے انبیاء و رُسل کی اتباع کرنے میں عار محسوس کرے وہ متکبر علی اللہ ہے۔

جن چیزوں سے تکبّر کیا جاتا ہے

تکبر صرف وہ شخص کرتا ہے جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے' اور اپنے آپ کو بڑا وہ سمجھتا ہے جو اپنے لئے صفاتِ کمال میں سے کسی صفت کا مدعی ہو' پھر یہ صفاتِ کمال دنیوی بھی ہوتی ہیں' اور دینی بھی' دینی صفاتِ کمال ہیں علم اور عمل' اور دنیوی صفاتِ کمال ہیں نسب' جمال' قوت' مال' اور معاونین کی کثرت۔ یہ کل سات اسباب و اقسام ہیں۔

پہلی قسم۔ علم : تکبّر کا پہلا سبب علم ہے، علماء بہت جلد کبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

آفَةُ الْعِلْمِ الْخُيَلَاءُ (۱)

علم کی آفت تکبّر ہے۔

عالم بہت جلد علم کے باعث کبر کرتا ہے، پہلے وہ اپنے دل میں علم کے کمال اور جمال کا احساس کرتا ہے۔ پھر اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر تصوّر کرتا ہے۔ عام لوگوں کو تو خاطر ہی میں نہیں لاتا بلکہ انھیں ایسے دیکھتا ہے جیسے جانوروں کی طرف دیکھا جاتا ہے۔ انھیں جاہل سمجھتا ہے، ان سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اسے سلام کرنے میں ابتدا کریں، اگر اتفاقاً وہ کسی کو سلام کرنے میں پہل کرلیتا ہے، یا خندہ پیشانی سے اس کے سلام کا جواب دیتا ہے، یا اس کے لئے اپنی جگہ سے کھڑا ہو جاتا ہے یا اس کی دعوت قبول کرلیتا ہے تو اسے اپنا سلوک سمجھتا ہے اور یہ ایسا احسان تصوّر کرتا ہے جس پر شکر ادا کرنا ضروری ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ میں نے یہ سلوک کرکے اس کی عزت افزائی کی ہے، اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا ہے جس کا وہ مستحق نہیں تھا، اس لئے یہ ضروری ہے کہ وہ میرے احسان کے جواب میں میری خدمت کرے بلکہ میرا غلام بن کر رہے، بلکہ متکبّر علماء کا عام دستور یہ ہوتا ہے کہ لوگ ان کے پاس ملاقات کے لئے آتے ہیں وہ کسی کے پاس ملاقات کے لئے نہیں جاتے، لوگ ان کی عیادت کرتے ہیں وہ کسی کی عیادت نہیں کرتے، جو لوگ ان سے زیادہ کھلے ملے رہتے ہیں ان کے ساتھ بھی ان کا رویّہ ٹھیک نہیں ہوتا، ان سے کاروباری خدمت لیتے ہیں، اور اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو ذرا رعایت نہیں کرتے گویا وہ ان کے زر خرید غلام ہوں یا ان کے نوکر ہوں۔ تعلیم دینے کو بھی سلوک واحسان تصوّر کرتے ہیں، اور یہ فرض کرلیتے ہیں کہ ہم نے انھیں علم سے نوازا ہے اس لئے ان سے خدمت لینا ہمارا حق ہے۔ یہ تو دنیاوی معاملات میں ان کا شیوہ ہے۔ اُخروی معاملات میں بھی ان کے مزاج کا فساد عروج پر ہے۔ یہ نام نہاد علماء سمجھتے ہیں کہ علم نے ہمیں اللہ کے یہاں اعلیٰ مرتبے پر فائز کردیا ہے، اب ہمیں احتساب کے ہر خوف سے مامون رہنا چاہیئے۔ وہ اپنا خوف نہیں کرتے، بلکہ عوام کے لئے خوف کرتے ہیں، انھیں اپنی اصلاح کی فکر نہیں ہوتی، بلکہ عوام کی اصلاح کے لئے بے چین رہتے ہیں۔ یہ عالم نہیں جاہل ہیں۔ انھیں علم سے کیا نسبت؟ علم حقیقی تو یہ ہے کہ آدمی اس کے ذریعے اللہ کو پہچان لے، اپنے نفس کی معرفت حاصل کرلے، اور انجام کے خطرے کا ادراک کرلے، اور یہ اعتقاد کرلے کہ اللہ تعالیٰ کا شدید مواخذہ علماء ہی سے ہوگا۔ علم حقیقی سے خوف، تواضع، اور خشوع زیادہ ہوتا ہے، جسے یہ علم نصیب ہو جاتا ہے وہ کبھی اپنے نفس کو برتر نہیں سمجھتا، بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ ہر شخص مجھ سے بہتر ہے، کیوں کہ قیامت کے دن مجھ سے زیادہ بازپُرس ہوگی، علم ایک بڑی نعمت ہے اور اہلِ علم صحیح طور پر اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرپاتے اسی لئے حضرت ابوالدرداءؓ فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس علم زیادہ ہوتا ہے اسے تکلیف بھی زیادہ ہوتی ہے۔

علم کے باعث کبر اور بے خوفی کی وجہ : رہا یہ سوال کہ بعض لوگ علم کی وجہ سے اتنے نڈر اور اتنے مغرور کیوں ہو جاتے ہیں۔ جب کہ بعض دوسرے لوگوں میں علم سے تواضع، خشوع اور للّٰہیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ علم کی وجہ سے کبر اور بے خوفی پیدا ہونے کی دو وجہیں ہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ شخص کسی ایسے علم میں مشغول ہو جس پر محض علم کا اطلاق ہوتا ہے لیکن اسے علم حقیقی کہنا صحیح نہ ہو، کیونکہ علم حقیقی اس علم کو کہتے ہیں جس سے بندہ اپنے رب اور نفس کو پہچان لے اور اس خطرے کا ادراک کرلے جو باری تعالیٰ

---

(۱) یہ روایت مصنّف نے بیان کی ہے۔ "آفة العلم النسيان و آفة الجمال الخيلاء" یہ الفاظ قضاعی نے مسند الشہاب میں حضرت علیؓ سے روایت کئے ہیں۔

سے ملاقات کے وقت پیش آنے والا ہے' جس شخص کو علم حقیقی حاصل ہوتا ہے اس میں کبر نہیں ہوتا بلکہ خشیت اور تواضع ہوتی ہے' باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (پ ۲۲ ر ۱۶ آیت ۲۸)

خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔

علم حقیقی کے علاوہ جو علوم ہیں جیسے طب' حساب' لغت' شعر' نحو' قضا' مناظرہ وغیرہ۔ محض ان علوم کا سیکھنے والا بلاشبہ کبر اور نفاق سے لبریز ہوتا ہے' ان علوم کو تو علوم کہنا بھی صحیح نہیں ہے' بلکہ یہ صنعتیں اور فنون ہیں' علم صرف وہ ہے جس سے عبودیت اور ربوبیت کی معرفت ہو اور عبادت کا طریقہ معلوم ہو' اس سے اکثر تواضع ہی پیدا ہوتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بندہ علم شروع کرتا ہے تو اس کا باطن خباثتوں کی آماجگاہ اور نفس رذالتوں کا مسکن ہوتا ہے' اس کے اخلاق خراب ہوتے ہیں' علم کی وادی میں قدم رکھنے سے پہلے اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ مختلف مجاہدات کے ذریعے اپنے نفس کی تہذیب اور قلب و روح کا تزکیہ کرتا' اور اپنے رب کی عبادت کے لئے نفس کی تربیت کرتا۔ اس صورت میں اس کے لئے علم مفید ہو ہی نہیں سکتا' کیوں کہ علم کو دل میں اس کے شایانِ شان جگہ میسّر نہیں ہے' وہ خباثتوں کے درمیان رہنے پر مجبور ہے' نہ اس کے ثمرات اچھے ہو سکتے ہیں اور نہ اس پر خیر کے آثار نمایاں ہو سکتے ہیں۔ وہب ابن منبہؒ نے اس کی بہترین مثال دی ہے' فرماتے ہیں کہ علم ایسا ہے جیسے آسمان کا پانی اپنی ذات سے صاف اور شیریں ہوتا ہے' درخت اسے اپنی رگوں میں جذب کر لیتے ہیں' اور جیسا ان کا مزہ ہوتا ہے ویسا ہی اسے بنا دیتے ہیں' درخت کے برگ و بار تلخ ہوتے ہیں تو پانی کا ذائقہ بھی تلخ ہو جاتا ہے اور شیریں ہوتے ہیں تو پانی کا ذائقہ کا بھی شیریں رہتا ہے' بلکہ اور شیریں ہو جاتا ہے' یہی حال علم کا ہے' لوگ اسے جذب کرتے ہیں' گھونٹ گھونٹ کر پیتے ہیں' اور اسے ایسا ہی بنا لیتے ہیں جیسا ان کا عزم ہوتا ہے۔ جیسی ان کی خواہش ہوتی ہے' متکبر اور متکبر ہو جاتا ہے' متواضع اور متواضع ہو جاتا ہے' اور یہ اس کے لئے کہ جس شخص کی نیت کبر کے لئے تھی اور وہ جاہل تھا' پھر اس نے علم حاصل کیا' اب اسے وہ چیز حاصل ہو گئی جو کبر کا سبب بن سکتی ہے اس لئے اس کا کبر بڑھ گیا' اسی طرح جس شخص کو زمانۂ جہالت میں خوف تھا۔ پھر علم حاصل کیا تو یہ خوف خشیت' ذلت اور تواضع زیادہ ہوئی کیوں کہ علم سے خوف کی حجت مؤکد ہو گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کبر کے بڑے اسباب میں سے ایک ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (پ ۱۹ ر ۱۵ آیت ۲۱۵)

اور ان لوگوں کے ساتھ تو (مشفقانہ) فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔

وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ (پ ۴ ر ۸ آیت ۱۵۹)

ترجمہ "اور اگر کہیں آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ کبھی کے آپ کے پاس سے منتشر ہو چکے ہوتے"

اپنے اولیا کی تعریف میں ارشاد فرمایا:

اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ۔ (پ ۶ ر ۱ آیت ۵۴)

مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر' تیز ہوں گے وہ کافروں پر۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یَکُوْنُ قَوْمٌ یَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا یُجَاوِزُ حَنَاجِرَھُمْ یَقُوْلُوْنَ قَدْ قَرَأْنَا الْقُرْآنَ فَمَنْ اَقْرَأُ مِنَّا وَاَعْلَمُ مِنَّا (ثم التفت الی الصحابۃ وقال) اُولٰئِکَ مِنْکُمْ اَیُّھَا الْاُمَّۃُ اُولٰئِکَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ۔ (ابن المبارک کتاب الزہد والرقائق)

لوگ ایسے ہوں گے کہ قرآن پڑھیں گے اور ان کے گلوں سے تجاوز نہ کرے گا' اور وہ یہ کہیں گے کہ ہم نے قرآن پڑھا ہے ہم سے زیادہ پڑھا ہوا اور عالم کون ہے (پھر آپ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا) امت کے لوگو! وہ لوگ تم ہی میں سے ہوں گے' اور سب دوزخ کے کندے ہوں گے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: اے لوگو! تم جابر عالم مت بنو کہ تمہارا علم تمہارے جہل کے برابر نہ ہو جائے۔ تمیم داریؓ نے حضرت عمرؓ سے وعظ کہنے اور قصہ بیان کرنے کی اجازت مانگی' آپ نے فرمایا یہ ذبح کرنے کے برابر ہے۔ ایک شخص نے نماز فجر کے بعد وعظ گوئی کی اجازت مانگی آپ نے اس سے فرمایا مجھے خوف ہے کہ کہیں تو پھول کر ثریا تک نہ پہنچ جائے۔ ایک مرتبہ حضرت حذیفہؓ نے کچھ لوگوں کی امامت کی' نماز سے فراغت کے بعد ان سے فرمایا: میرے علاوہ کوئی دوسرا امام تلاش کرلو' یا تنہا نماز پڑھ لیا کرو۔ اس لئے کہ ابھی نماز کے دوران میرے دل میں یہ خیال گذرا کہ ان میں مجھ سے افضل کوئی نہیں ہے۔ جب حضرت حذیفہؓ جیسا شخص کبر سے سلامت نہیں رہ سکتا تو اس کی امت کے متأخرین ضعفاء کیسے بچ سکتے ہیں اس سرزمین پر ایسے لوگوں کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے جو عالم ہوں' اور اس میں کبر کے جراثیم نہ ہوں' اگر کوئی ایسا شخص مل جائے تو وہ اپنے دور کا صدیق ہے۔ ایسے شخص کا دامن تھامے رکھنا چاہیئے' اس کے أنفاس و أحوال سے استفادہ کرنا تو اپنی جگہ اہم ہے ہی' اس کی طرف دیکھنا' اور اس کی زیارت کرنا بھی عبادت سے کم نہیں ہے' اگر ہمیں یہ بات معلوم ہو جائے تو اس کی برکات حاصل کرنے اور اس کی سیرت و خصلت سے روشنی حاصل کرنے کے لئے ہم چین کے انتہائی حدود تک پہنچنے سے بھی گریز نہ کریں۔ مگر افسوس! اب زمانہ ایسی شخصیتیں کہاں جنم دیتا ہے' وہ لوگ بلند اقبال تھے' قرنِ اول اور ثانی گذر چکا ہے۔ ہمارے دور میں تو ایسے علماء بھی نہیں ملتے جو دیندار علماء کے نہ ملنے پر ہی افسوس کر سکیں۔ اگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان صداقت سے ہمیں یہ بشارت نہ ملی ہوتی۔

سَيَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ مَنْ تَمَسَّكَ فِيْهِ بِعُشْرِ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ نَجَا۔ (احمد۔ ابوذرؓ)

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اگر اس میں کوئی شخص تمہارے (عقیدہ و عمل کا) دسواں حصہ بھی اختیار کرلے تو نجات پائے۔

تو ہم تباہ ہو چکے ہوتے' ہماری بد عملی کا عالم یہ ہے کہ سوائے مایوسی اور ناامیدی کے کچھ پاس نہیں' اعمال اس قابل نہیں کہ نجات ہو' اگر نجات ہو جائے تو یہ اس کا کرم اور احسان ہے۔ حدیث میں دسواں حصہ اختیار کرنے والوں کے لئے بشارت ہے۔ ہمارے لئے تو یہ بھی ممکن نہیں' کاش ہم سواں حصہ ہی اختیار کرپاتے۔

دوسری قسم۔ عمل و عبادت: عبادت اور عمل تکبّر کا دوسرا سبب ہے زاہد و عابد بھی عزت طلبی' جاہ پسندی' کبر اور لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے رذائل سے خالی نہیں ہیں' وہ بھی دنیا اور دین دونوں کے معاملات میں ان رذائل کا اظہار کرتے ہیں۔

دنیا میں اس طرح کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کا ان کی زیارت کے لئے آنا ان کا دوسروں کی ملاقات کے لئے جانے سے بہتر ہے' وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی ضرورتیں پوری کریں' ان کی عزت کریں' مجلسوں میں ان کے لئے جگہ بنائیں' ان کا ذکر ورع و تقوٰی کے اوصاف کے ساتھ کریں' اور تمام امور میں انھیں اولیت دیں۔ مختصر یہ علماء کے حالات میں جو باتیں ہم نے دنیا سے متعلق لکھی ہیں وہ ان پر بھی حرف بہ حرف صادق آتی ہیں۔ گویا وہ اپنی عبادت و ریاضت کو مخلوق پر احسان تصوّر کرتے ہیں' دینی معاملات میں ان کے تصوّرات کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنے علاوہ سب کو برباد سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں برباد وہ خود ہیں' کیوں کہ وہی اس غلط فہمی کا شکار ہے۔ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا سَمِعْتُمُ الرَّجُلَ يَقُوْلُ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ۔ (مسلم ابوہریرہؓ)

جب تم کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے' سنو لوگ ہلاک ہوگئے تو یہ سمجھو کہ سب سے زیادہ ہلاکت اسی کے لئے ہے۔

یہ بات آپ نے اس لئے فرمائی کہ لوگوں کی ہلاکت کا دعویٰ کرنا دراصل ان کی تحقیر کا آئینہ دار ہے' نہ صرف یہ کہ اس نے اپنے قول سے بندے کی تحقیر کی ہے بلکہ وہ اللہ پر مغرور ہے اور اس کے عذاب اور جاہ و جلال سے بے خوف ہے۔ معلوم نہیں وہ اتنا بے خوف کیوں ہے' جب کہ دوسری باتوں سے قطع نظر محض اہانتِ مسلم ہی اس کی بد عملی کے لئے کافی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

كَفٰى بِالْمَرْءِ شَرًّا اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ۔ (مسلم۔ابوہریرہ)

آدمی کی برائی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی اہانت کرے۔

کتنا زبردست فرق ہے اس عابد میں جو احسان سمجھ کر عبادت کرتا ہے' اور مخلوق کو ذلیل سمجھتا ہے اور اس شخص میں جو اس کی عبادت و اطاعت کے باعث اس سے محبت کرتا ہے' اس کی تعظیم کرتا ہے' اور اس کے لئے اللہ کے یہاں ان درجات کی توقع کرتا ہے جن درجات کی وہ اپنے لئے توقع نہیں کرتا۔ غور کیجئے! لوگ تو ان کی محبت اور تعظیم کی وجہ سے نجات پاتے ہیں اور ان کی قربت سے اللہ کے یہاں تقرب حاصل کرتے ہیں' اور وہ ان سے نفرت کرکے یا ان کی توہین کرکے اللہ کے یہاں مبغوض بنتے ہیں' عین ممکن ہے کہ لوگ عابدوں کی محبت کی وجہ سے عمل کا اعلیٰ درجہ پائیں' اور وہ لوگوں کی تحقیر کی بناء پر مہمل بن جائیں' گویا انھوں نے عبادت ہی نہیں کی۔ روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے' ان میں سے ایک اپنی فسادی طبیعت' اور مفسدانہ اعمال کی بناء پر فسادی مشہور ہو گیا تھا' اور دوسرا کثرت عبادت کی وجہ سے عابد کہلاتا تھا' اس نے اس حد تک عبادت کی تھی' اور وہ اللہ کے یہاں درجہ مقبول تھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا اس پر ہمیشہ سایہ فگن رہتا۔ فسادی نے اپنے دل میں سوچا کہ میں بہت بدنام ہوں' اور یہ ہماری قوم کے انتہائی متقی اور عبادت گذار انسان ہیں' اگر میں ان کے پاس بیٹھوں تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیں' عابد نے سوچا کہ میں عابد ہوں بھلا یہ خراب آدمی میرے قریب کس طرح بیٹھ سکتا ہے' چنانچہ جب فسادی نے بیٹھنا چاہا اس نے نفرت کا اظہار کیا' اور اسے بیٹھنے نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے نبی پر وحی نازل فرمائی کہ ان دونوں سے کہو کہ وہ اپنے عمل کی از سرنو ابتدا کریں' میں نے فسادی کی تمام خطائیں معاف کردی ہیں' اور عابد کے اعمال باطل کردیئے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد ابر کا ٹکڑا فسادی کے سر پر سایہ فگن رہنے لگا۔ اس واقعے سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ان کے دلوں کا طالب ہے۔ اگر کوئی جاہل گنہگار اللہ کے خوف سے متواضع اور اس کی ہیبت سے سرنگوں رہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس نے دل سے اللہ کی اطاعت کی ہے۔ بلکہ وہ متکبر عالم' اور مغرور عابد سے زیادہ عبادت گذار ہے۔

اسی طرح کی ایک روایت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص اپنی قوم کے ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سجدہ میں پڑ گیا' بزرگ نے اس کی گردن پر اپنے پاؤں رکھے اور کہا اوپر اٹھو اللہ تعالیٰ تیری مغفرت نہیں کرے گا' غیب سے ندا آئی کہ اے میری قسم کھانے والے! وہ تو بخشا جائے گا پر تیری بخشش نہیں ہوگی' اسی لئے حضرت حسن فرماتے ہیں کہ کمبل پوش ریشم و کم خواب کے کپڑے پہننے والے سے زیادہ متکبر ہوتا ہے' اس لئے کہ ریشمی لباس پہننے والا کمبل پوش کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے' اور اس کے لئے فضیلت کا اعتقاد رکھتا ہے' اور کمبل پوش یہ سمجھتا ہے کہ افضل صرف میں ہوں۔

ایک اور آفت بھی ہے جس سے بہت کم عابد و زاہد محفوظ رہتے ہیں' اور وہ یہ ہے کہ کہ اگر کوئی ان کی طرف حقارت سے دیکھتا ہے' یا انھیں ایذا دیتا ہے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اللہ اس کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا' وہ اپنے اس عمل سے اللہ کی یہاں مغضوب بن چکا ہے' اور اگر یہ سلوک کسی دوسرے مسلمان کے ساتھ ہوتا ہے تو اس پر ناپسندیدگی کا یہ ردِّ عمل نہیں ہوتا' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی قدر و منزلت کا مدعی ہے' حالانکہ اس کا دعویٰ سراسر جہالت پر مبنی ہے' بعض لوگوں کی حماقت انھیں اس طرح کے دعووں پر مجبور کردیتی ہے کہ "اس کا انجام برا ہوگا" یہ اپنے کئے کی سزا پائے گا' وغیرہ۔ اور اگر اتفاق سے وہ

موذی کسی معیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اسے اپنی کرامت سمجھتا ہے۔ اور یہ کہتا ہے کہ اللہ نے ہمارا انتقام لیا ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتا کہ کفار مشرکین اللہ اور اس کے رسول کو گالیاں دیتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی گذرے ہیں جنھوں نے انبیاء کو ایذائیں دیں، بعض انبیاء کو مار گیا۔ اس کے باوجود اللہ نے ان میں سے بیشتر لوگوں کو مہلت دی اور دنیا میں کوئی عذاب نہیں دیا۔ بلکہ بعد میں بہت سے مشرف بہ اسلام بھی ہو گئے، اس طرح نہ انھیں دنیا میں عذاب ہوا اور نہ آخرت میں۔ کیا یہ جاہل متکبر، فریب خوردہ عابد یہ سمجھتا ہے کہ میں اللہ کے یہاں بلند درجہ رکھتا ہوں اسی لیے تو اس نے میری خاطر انتقام لیا جب کہ انبیاء سے بھی زیادہ کے لئے انتقام نہیں لیا۔ شاید اسے یہ معلوم نہیں کہ وہ اپنے اس کبر و عجب کی بنا پر اللہ کے یہاں مغضوب ہے اور اپنی تباہی و بربادی سے بے خبر ہے۔ یہ اعتقاد متکبرین کا ہے جو عقل سے محروم ہوتے ہیں، عقلمند عابد تو یوں کہا کرتے ہیں جیسا کہ آندھی چلتے، یا بجلی گرنے کے وقت عطاء سلمیؒ کہا کرتے تھے کہ لوگوں پر جو مصائب بھی نازل ہوتے کہیں ان کا سبب میں ہوں، اگر میں مرجاؤں تو تم سب کو ان معیبتوں سے نجات مل جائے، یا یہ کہا کرتے ہیں جیسا کہ ایک شخص نے عرفات سے واپسی کے بعد کہا تھا اگر میں نہ ہوتا تو مجھے تمام حاضرین کے لئے رحمت کی امید تھی، دونوں آدمیوں میں کتنا زبردست فرق ہے۔ ایک شخص ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرتا ہے، اپنے نفس پر خائف رہتا ہے، اپنے عمل کو حقیر سمجھتا ہے، اور اسے بہتر بنانے کی جدوجہد میں مصروف رہتا ہے، اور دوسرا اپنے دل میں ریاء، کبر، حسد اور فریب کی خباثتیں چھپائے ہوئے ہے، اور شیطان کا کھلونا بنا ہوا ہے، اور اس پر یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے عمل سے اللہ پر احسان کرتا ہوں، اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص بھی یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ میں اللہ کے کسی بندے سے برتر ہوں اس کے تمام اعمال بیکار ہیں، اس نے اپنی جہالت سے اپنے عمل کا سرمایہ ضائع کر دیا ہے، جہالت بد ترین گناہ ہے، اس سے بڑھ کر اللہ سے دور کرنے والی چیز دوسری نہیں ہے۔ اپنے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ وہ دوسرے سے بہتر ہے محض نادانی اور جہالت ہے، اور اللہ کی پکڑ سے بے خوفی کی علامت ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ۔ (پ۹ر۲ آیت ۹۹)

سو خدا تعالیٰ کی پکڑ بجز ان کے جن کی شامت ہی آگئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی شخص کا ذکرِ خیر ہوا ایک روز وہ شخص آپ کی مجلس میں حاضر ہوا، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہی ہے وہ شخص جس کا اس روز ہم تذکرہ کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: میں اس کے چہرے پر شیطان کی پرچھائیں دیکھ رہا ہوں، اس شخص نے آکر سلام کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ نے اس سے فرمایا: میں تجھ سے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تیرے دل میں یہ خیال نہیں ہے کہ قوم کوئی شخص تجھ سے افضل نہیں ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں واقعی یہ بات تو ہے (احمد، بزاز، دار قطنی۔ انسؓ)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نورِ نبوت سے اس کے باطن کی خباثتوں کا اثر اس کے چہرے پر محسوس کر لیا تھا۔ غرض یہ کہ کبر ایک ایسی آفت ہے جس سے اللہ کی طرف وہی بندے محفوظ رہتے ہیں جنھیں اللہ اپنی امان میں رکھے، ورنہ عام طور پر لوگ اس آفت میں گرفتار نظر آتے ہیں۔

کبر کی آفت کے اعتبار سے عالموں اور عابدوں کے تین درجے ہیں

پہلا درجہ: یہ ہے کہ کبر اس کے دل میں جاگزیں ہو، اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ میں دوسرے سے بہتر ہوں، تاہم وہ متواضع رہنے کی کوشش کرتا ہے، اور ایسے اعمال کرتا ہو جیسے وہ لوگ کرتے ہیں جو دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھتے ہیں، ایسے شخص کا یہ حال ہے کہ اس کے دل میں کبر کا درخت موجود ہے، لیکن اس نے درخت کی شاخیں کاٹ ڈالی ہیں۔

دوسرا درجہ: یہ ہے کہ وہ اپنے افعال کے ذریعہ کبر کا اظہار کرے۔ مثلاً مجلس میں بلند جگہ پر بیٹھے، ساتھیوں پر برتری ظاہر کرے،

جو شخص اس کے ادائے حق میں کوتاہی کرے اس پر نکیر کرے' اور عالم میں ادنیٰ بات یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کچھ اس طرح رُخ پھیر کر چلتا ہے گویا ان سے اعراض کر رہا ہو' اور عابد میں یہ بات ہے کہ وہ تُرش روئی کا مظاہرہ کرتا ہے پیشانی پر شکنیں ڈال لیتا ہے گویا لوگوں سے برأت کر رہا ہو' انھیں حقیر سمجھتا ہو' یا ان سے ناراض ہو' اس بیچارے کو یہ بات معلوم نہیں کہ تقویٰ پیشانی کی شکنوں میں نہیں ہے' اور نہ چہرے کی تُرشی میں ہے' نہ گردن جھکا کر چلنے میں ہے' نہ دامن جھٹکنے اور سمیٹنے میں ہے' بلکہ تقویٰ کا منبع اور مخزن دل ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ (مسلم۔ابوہریرہ)

تقویٰ یہاں ہے۔

اس حقیقت سے کوئی واقف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے متقی اور صاحب ورع تھے لیکن وہ متقی ہونے کے ساتھ ساتھ کریمانہ اخلاق میں بھی سب سے زیادہ تھے' آپ بکثرت تبسم فرماتے' اور زیادہ تر لوگوں سے کشادہ پیشانی کے ساتھ ملاقات فرماتے۔ حرث ابن جزء الزبیدی فرماتے ہیں کہ مجھے پڑھے لکھے لوگوں میں وہ آدمی اچھے لگتے ہیں جو کشادہ رو' اور خندہ جبین ہوں' وہ شخص جس سے تم خندہ روئی کے ساتھ ملتے ہو اور وہ تم سے تکدّر کے ساتھ ملتا ہو گویا تم پر احسان رکھنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ایسے افراد زیادہ نہ کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ترفّع' اور تکبّر پسند ہوتا تو کبھی اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ فرماتا:۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (پ۱۹ر۱۵ آیت ۲۱۴)

اور ان لوگوں کے ساتھ فروتنی کے ساتھ پیش آئیں جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ چلیں۔

ان دونوں درجوں کے حامل وہ لوگ ہیں جن کی عادات اور حالات پر تکبّر کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود وہ تیسرے درجے کے لوگوں سے کم اس آفت میں مبتلا ہیں۔

تیسرا درجہ : ان لوگوں کا ہے جن کی زبان پر ہر وقت کبر کی باتیں رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ ہر وقت دعوے کرتے ہیں' فخرو مباہات کی باتیں کرتے ہیں' اپنے نفس کی پاکیزگی ظاہر کرتے ہیں' اپنے احوال اور مقامات منکشف کرتے ہیں' اور علم و عمل میں دوسروں پر غلبہ پانے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً عابد دوسروں پر فخر کرنے کے لئے اس طرح کی باتیں کرتا ہے' وہ کہاں کا عابد ہے؟ اس کی عبادت ہی کیا ہے؟ اسے زہد میں کچھ بھی میسّر نہیں؟ وغیرہ وغیرہ' ان کے نقائص ڈھونڈ ڈھونڈ کر بیان کرتا ہے' پھر اپنی تعریفیں شروع کر دیتا ہے کہ میں نے اتنی مدّت سے افطار نہیں کیا' یا میں رات کو سوتا نہیں' ہر روز ایک قرآن ختم کرتا ہوں' اور فلاں شخص صبح تک سوتا ہے' وہ زیادہ پڑھتا بھی نہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ جملے تو صریح تعریف کے ہیں' کبھی کبھی ضمناً اپنے نفس کا تزکیہ کرتا ہے مثلاً یہ کہ فلاں شخص نے مجھے نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا' اس کا بیٹا ہلاک ہو گیا' یا اس کا مال لُٹ گیا' یا وہ کسی مرض میں گرفتار ہو گیا' اس طرح وہ گویا اپنی کرامت ظاہر کرنا چاہتا ہے' ایسا شخص اگر شب بیداری میں پھنس جائے تو وہ خود بھی شب بیداری کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نمازیں پڑھتا ہے' یا ایسے لوگوں میں جا پھنسے جو بھوک پر صبر کرتے ہیں تو خود بھی اپنے نفس کو بھوک پر صبر کرنے کا عادی بناتا ہے تاکہ ان پر غلبہ پا سکے' اور اپنی قوت اور ان کے عجز کا اظہار کر سکے۔ اسی طرح وہ عبادت میں بھی شدّت اختیار کرتا ہے اس خوف سے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ فلاں اس سے زیادہ عبادت گذار اور اللہ کے دین میں اس سے زیادہ قوی ہے۔ عالم اس طرح فخر کرتا ہے کہ اپنے ہم عصر علماء کے مقابلے میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں ہر فن سے واقف ہوں۔ مجھ پر حقائق منکشف ہیں اور میں نے شیوخ و اساتذہ میں فلاں فلاں کو دیکھا ہے تم کیا ہو اور تمہاری فضیلت کیا ہے؟ تم کس سے ملے ہو اور کس سے حدیث سنی ہے؟ یہ سب باتیں وہ اس لئے کرتا ہے کہ مخاطب کی تحقیر کرے اور اپنی بڑائی ظاہر کرے۔ اور اس کی مباہات اس طرح ہے کہ وہ مناظرہ میں یہ کوشش کرتا ہے کہ حریف پر غالب آجاؤں' حریف مجھ پر غالب نہ ہو سکے۔ وہ دن رات ایسے علوم کی تحصیل میں ضائع کرتا ہے جن کے ذریعے محفلوں میں اپنے آپ کو سجا سکے جیسے مناظرہ' جدال'

تحسین عبادت، تصحیح الفاظ، حفظ علوم۔ یہ ساری تگ و دو وہ اس لئے کرتا ہے کہ ہم عصروں پر برتری حاصل کرسکے اور ان پر فائق رہے۔ وہ احادیث کے الفاظ اور ان کی اسانید تک ازبر کرلیتا ہے تاکہ غلطی کرنے والوں پر رد کرسکے اور اس طرح اپنے علم و فضل کو ثابت کرسکے اور اپنے ہم عصروں کے نقص علم کا ڈھنڈورا پیٹ سکے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص غلطی کرتا ہے تو وہ محض اس خیال سے خوش ہوتا ہے کہ میں اس پر رد کرسکوں گا۔ اور اگر کوئی غلطی نہیں کرتا تو اسے دکھ ہوتا ہے، اور یہ خوف دامن گیر ہوتا ہے کہیں لوگ اسے مجھ سے بڑا عالم اور حافظ حدیث نہ سمجھنے لگے۔

یہ تمام باتیں کبر کے اخلاق اور اس کے نتائج و ثمرات ہیں۔ علم و عمل کے ذریعہ برتری حاصل کرنے کا جذبہ ان اخلاق کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ کون ہے جو ان تمام سے یا ان میں سے بعض عادات سے خالی ہو۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ جو شخص ان اخلاق کا حامل ہے اور وہ اس حدیث شریف کا علم رکھتا ہے "جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا" وہ اپنے نفس کو کس طرح بڑا سمجھتا ہے، اور دوسروں پر کبر کرنے کی جرأت کس طرح کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اسے دوزخی فرما رہے ہیں کیا دوزخی بھی عظیم ہوتے ہیں؟ عظیم وہ ہے جو ان عادات سے خالی ہو، اور جو ان عادات سے خالی ہوتا ہے اس میں نہ کبر ہوتا ہے اور نہ خود پسندی ہوتی ہے۔ عالم حقیقت میں وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو اس حقیقی معنیٰ میں سمجھے کہ "ہمارے نزدیک تیری قدر اس وقت تک ہے جب تک تیری قدر تیرے دل میں نہیں ہے، اگر تو اپنے نفس کی قدر سمجھتا ہے تو ہمارے نزدیک تیری کوئی قدر نہیں ہے" جو شخص اس حقیقت سے واقف نہیں اسے عالم کہنا ہی صحیح نہیں ہے، اور جو شخص اس حقیقت سے واقف ہے اسے تکبر زیب نہیں دیتا۔

تیسری قسم۔ حسب و نسب کے ذریعے تکبر: جو شخص اعلیٰ نسب رکھتا وہ ان لوگوں کو حقیر سمجھتا ہے جو اس عالی نسبی سے محروم ہوتے ہیں، اگرچہ وہ علم اور عمل میں اس سے ارفع و اعلیٰ ہی کیوں نہ ہوں۔ کبھی اس شخص کے تکبر کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اسے معمولی حسب رکھنے والے لوگ زر خرید غلام اور نوکر نظر آتے ہیں، وہ ان کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے اور کھانے پینے میں کراہت محسوس کرتا ہے، زبان کے ذریعے وہ اپنے حسب نسب پر اس طرح فخر کرتا ہے کہ دوسروں کو نبطی، ہندی اور یا ارمنی کہہ کر پکارتا ہے یا یہ کہتا ہے تو کون ہے، تیرا باپ کیا تھا، میں فلاں کا بیٹا فلاں کا پوتا ہوں، تجھ سا معمولی شخص کب مجھ سے بات کرسکتا ہے یا میری طرف نظر بھر کر دیکھ سکتا ہے۔ یہ نفس کی ایک رگ مخفی ہے، ہر صاحب نسب کے نفس میں یہ رگ مخفی ہی رہتی ہے، لیکن جب غضب کی آگ بھڑکتی ہے تو اس رگ کا یخ بستہ لہو پگھل جاتا ہے، اور بصیرت کا نور بجھ جاتا ہے پھر آدمی اپنے نسب کا حوالہ دے کر باتیں کرتا ہے کہ ایک بندہ حقیر سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں میری ایک شخص سے تکرار ہوگئی، اور میں نے غصے میں اسے ابن السوداء (کالی عورت کا بیٹا) کہہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا:۔

طَفَّ الصَّاعُ طَفَّ الصَّاعُ لَيْسَ لِابْنِ الْبَيْضَاءِ عَلَى ابْنِ السَّوْدَاءِ فَضْلٌ۔

دونوں پلڑے برابر ہیں، سفید فام کے بیٹے کو سیاہ فام پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

ابوذرؓ کہتے ہیں آپ کی یہ بات سن کر میں زمین پر لیٹ گیا اور میں نے اس شخص سے کہا کھڑے ہوجاؤ اور میرے رخسار کو اپنے قدموں سے روندو (احمد، بخاری و مسلم)۔ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ کو کس طرح ان کی اس غلطی سے آگاہ کیا، وہ اپنے سفید فام ہونے کو اپنے لئے برتری کا سبب سمجھ رہے تھے، آپ نے یہ فرما کر کہ اسلام کی نظر میں سفید رو اور سیاہ رو دونوں برابر ہیں انھیں آگاہ کیا کہ اس طرح کا تصور بھی گناہ اور جہالت ہے، یہ بھی دیکھئے کہ ابوذرؓ پر آپ کی تنبیہہ کا کس قدر اثر ہوا کہ اسی لمحے اپنی غلطی پر نادم ہوئے، توبہ کی، اور اس شخص کے پاؤں کے تلوے سے اپنے دل کی سطح سے اس درخت کی جڑیں اکھاڑ ڈالیں جسے کبر کہتے ہیں، انھوں نے یہ بات جان لی کہ عزت کا قلع قمع ذلت ہی سے ہوتا ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت یہ ہے کہ دو شخصوں

نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مفاخرت کی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ تیری ماں مرے تو کون ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو آدمیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے فخر کیا تھا' ان میں سے ایک نے کہا تھا کہ میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے نو آباؤ اجداد کے نام گنوائے' اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ وہ نو جہنمی ہیں اور دسویں جہنمی تم ہو (مسند احمد) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

لِيَدَعَنَّ قَوْمٌ الْفَخْرَ بِآبَاءِهِمْ وَقَدْ صَارُوْا فَحْمًا فِيْ جَهَنَّمَ أَوْلَيَكُوْنُنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعْلَانِ۔ (ابوداؤد' ترمذی' ابن حبان' ابوہریرہؓ)

لوگ اپنے آباء واجداد پر فخر کرتے ہیں حالانکہ وہ جہنم میں کوئلہ بن گئے ہیں یا خدا کے نزدیک ذلیل ہیں۔

چوتھی قسم۔ حُسن کے ذریعہ تکبّر : حسن کے ذریعہ تکبّر عام طور پر عورتیں کیا کرتی ہیں' یہ تکبّر انھیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے علاوہ عورتوں کے نقائص بیان کریں' ان کی عیب جوئی کریں' اور ان کی غیبت کریں' چنانچہ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی' میں (اس کے جانے کے بعد) ہاتھ کے اشارے سے کہنے لگی وہ اتنی مختصر تھی' آپ نے فرمایا: تم نے اس عورت کی غیبت کی ہے۔ (۱) ان کی اس تنقید کا منشا بھی کبر خفی تھا۔ اس لئے کہ اگر وہ خود پستہ قامت ہوتیں تو اس عورت کو بونی نہ کہتیں۔ گویا انھیں اپنا قامت پسند آیا' اور دوسری عورت کو پستہ قد سمجھ کر بونی کہہ دیا۔

پانچویں قسم۔ مال کے ذریعے کبر : یہ کبر بادشاہ اپنے خزانوں میں' تجار اپنے اموال تجارت میں' (دہقان اپنے کھیتوں میں) خوش پوش اپنے لباس اور سواریوں میں کرتے ہیں' غنی تنگدست کو حقیر سمجھتا ہے اور اس پر تکبّر کرتا ہے' اور اس سے یہ کہتا ہے کہ تو بھیک منگا اور مسکین و محتاج ہے۔ میں چاہوں تو تجھ جیسوں کو خرید لوں' اور تجھ سے اچھے لوگوں کو اپنا خادم بناؤں تو کون ہے اور تیرے پاس کیا ہے؟ صرف میرے گھر کا سامان تیرے مال سے زیادہ ہے' میں دن بھر میں اتنا خرچ کر دیتا ہوں جتنا تو سال بھر میں نہیں کھا پاتا۔ یہ تمام باتیں غنی اس لئے کرتا ہے کہ اس کی نظروں میں مالداروں کی اہمیت و عظمت ہے اور فقر کو ناپسند کرتا ہے' حالانکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فقر کی فضیلت اور مالداری کی آفات سے واقف نہیں۔ اگر واقف ہوتا تو ایسی باتیں نہ کرتا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا:۔

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّأَعَزُّ نَفَرًا۔

(پ ۱۵ ر ۱۷ آیت ۳۴)

سو اپنے اس ملاقاتی سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع بھی میرا زبردست ہے۔

دوسرے شخص نے جواب دیا:۔

إِنْ تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا۔ فَعَسٰى رَبِّيْٓ أَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا۔ أَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا۔ (پ ۱۵ ر ۱۷ آیت ۴۰-۴۱)

---

(۱) یہ روایت کتاب آفات اللسان میں گزری ہے۔

اگر تو مجھ کو مال اور اولاد میں کم تر دیکھتا ہے تو مجھ کو وہ وقت نزدیک معلوم ہوتا ہے کہ میرا رب مجھ کو تیرے باغ سے اچھا باغ دیدے اور اس (تیرے باغ) پر کوئی تقدیری آفت آسمان سے بھیج دے جس سے وہ باغ دفعتاً ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے یا اس سے اس کا پانی بالکل اندر اُتر کر (خشک ہو) پھر تو اس کی کوشش بھی نہ کر سکے۔

پہلے شخص نے مال اور اولاد کی کثرت پر تکبّر کیا تھا۔ اس کا انجام اس قول سے ظاہر ہے:۔

يَالَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا۔ (پ ۱۵ ر ۱۷ آیت ۴۲)

کیا خوب ہوتا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا۔

قارون کے تکبّر کی بھی یہی نوعیت تھی' اللہ تعالیٰ نے اس کے غرور کی یہ کیفیت بیان فرمائی ہے:۔

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ۔ (پ ۲۰ ر ۱۱ آیت ۷۹)

پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز و سامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے' واقعی وہ بڑا ہی صاحبِ نصیب ہے۔

<u>چھٹی قسم۔ طاقت کے ذریعہ تکبّر</u>: یہ تکبّر طاقتور آدمی اپنے سے کمزور انسان پر کرتا ہے۔

<u>ساتویں قسم۔ کثرتِ اَنصار و اَعوان کے ذریعہ</u>: بعض لوگ اس لئے تکبّر کرتے ہیں کہ ان کے تلامذہ' مددگار و اعوان و اتباع و مریدین کی تعداد زیادہ ہے۔ بادشاہ فوج کی تکثیر سے تکبّر کرتے ہیں اور علماء تلامذہ کی کثرت سے۔

اسی پوری گفتگو کا حاصل یہ نکلا کہ اس نعمت سے تکبّر کیا جاسکتا ہے جسے کمال کہنا ممکن ہو خواہ وہ حقیقت میں کمال ہو یا نہ ہو۔ یہاں تک کہ مخنّث یا غیر مخنّث پر اس لئے تکبّر کر سکتا ہے کہ اسے مخلوق کے بارے میں جو معرفت حاصل ہے وہ دوسروں کو حاصل نہیں ہے۔ کیوں کہ تخنّث کو کمال سمجھتا ہے' اگرچہ فی الحقیقت اس کا فعل عذابِ شدید کا باعث اور ہلاکت و بربادی کا سبب ہو' اسی طرح فسّاق و فجّار بھی اپنے ہم عمروں اور ہم عصروں پر شراب خوری جماع اور اغلام کی کثرت سے فخر کرتے ہیں' کیوں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں ہمارے یہ اعمال کمال ہیں' حالانکہ ان کا یہ اعتقاد جہالت پر مبنی ہے۔ یہ ہیں وہ باتیں جن سے آدمی تکبّر کرتا ہے' اور ان لوگوں پر کرتا ہے جن میں وہ باتیں نہیں ہیں' یا ہیں تو اس کی نسبت کم ہیں۔ اگرچہ اللہ کے یہاں وہ لوگ بھی اس کے برابر یا زیادہ ہی ہوں۔

ان اسباب کا بیان جن سے تکبّر کو تحریک ہوتی ہے

یہ بات پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ کبر ایک باطنی خلق کا نام ہے۔ اس کے نتیجے میں جو اخلاق و اعمال ظاہر ہوتے ہیں وہ اسی خلق کا ثمرہ ہیں۔ ان اخلاق و اعمال کو تکبّر کہنا مناسب ہے۔ کبر امرِ باطن کو نام ہے' جس کے معنیٰ ہیں نفس کو بڑا سمجھنا اور اس کی قدر جاننا۔ اور اس امرِ باطن کا موجب ایک ہے اور وہ ہے عُجب۔ اس کے معنیٰ آئندہ بیان کئے جائیں گے' آدمی جب اپنے نفس کو' اپنے علم کو' اپنے عمل کو یا اپنی کسی چیز کو پسند کرے گا' اور دوسرے کے مقابلے میں بڑا سمجھے گا تو اپنے آپ کو بڑا جانے گا اور تکبّر کرے گا۔

ظاہری کبر کے تین اسباب ہیں۔ ایک سبب تو متکبّر میں ہوتا ہے' اور ایک اس میں جس پر تکبّر کیا جائے' اور تیسرا سبب ایسا ہوتا ہے جو ان دونوں کے علاوہ کسی اور سے متعلق ہو۔ جو سبب متکبّر میں پایا جاتا ہے وہ حقد اور حسد ہے' اور جو ان دونوں کے علاوہ سے متعلق ہے وہ ریا ہے' اس لحاظ سے چار سبب ہوئے عُجب' کینہ' حسد اور ریا۔ عُجب کے بارے میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ

اس سے کبر باطن پیدا ہوتا ہے' اور باطن سے اعمال اقوال اور احوال میں سرایت کرتا ہے اور اعضاء پر ہوتا ہے۔ حقد بغیر عُجب کے بھی تکبّر پر اکساتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص دوسرے کو اپنے برابر یا برتر تصوّر کرتا ہے' لیکن کسی وجہ سے ناراضگی پیدا ہو گئی جس کے باعث دل میں کینہ پیدا ہوا اور وہ اتنا راسخ ہو گیا کہ وہ یہ جانتے ہوئے بھی اس کی تواضع پر اپنے کو آمادہ نہیں کرپاتا' اگرچہ اسے یہ بات معلوم ہے کہ وہ دوسرا شخص اپنی برابری یا برتری کے باعث میری تواضع کا مستحق ہے۔ کتنے ہی رذیل ایسے ہیں جو اکابرین کے لئے متواضع رہنا پسند نہیں کرتے' کیوں کہ ان کے دلوں میں ان اکابرین کے لئے کینہ اور بغض ہوتا ہے۔ یہ کینہ انھیں انکارِ حق پر بھی مجبور کرتا ہے اگر حق بات کسی ایسے شخص نے کہی ہو جس کے لئے اس کے دل میں کینہ ہے' نصیحت بھی قبول نہیں کرپاتا' کوشش یہ کرتا ہے کہ ان سے آگے آگے رہے اگرچہ وہ یہ بات جانتا ہے کہ میں آگے رہنے کا مستحق نہیں ہوں' اگر ان بزرگوں پر ظلم کرے تو نہ ان سے معاف کرائے نہ معذرت کرے' کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو معلوم کرنے کے لئے جانے میں عار سمجھے۔ حسد سے بھی محسود کے لئے دل میں بغض پیدا ہوتا ہے اگرچہ اس کی جانب سے کوئی ایذا نہ پہنچی ہو' اور نہ کوئی ایسا سبب موجود ہو جو محسود پر ناراضگی کا موجب بنا ہو۔ حسد کی بناء پر آدمی حق بات کا انکار کردیتا ہے' اور نصیحت قبول کرنے سے بھی اعراض کرتا ہے۔ بہت سے جاہل ایسے دیکھے گئے ہیں جو علم کا شوق رکھتے ہیں لیکن جہالت انھیں علم سے محروم رکھتی ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے شہر کے بعض عالموں یا بعض تعلیم یافتہ عزیزوں سے اس لئے استفادہ نہیں کرپاتے کہ ان سے حسد رکھتے ہیں' ان سے اعراض کرتے ہیں۔ اور یہ جانتے ہوئے بھی ان سے حسد رکھتے ہیں کہ وہ علم و فضل کی بناء پر ہماری تواضع اور احترام کے مستحق ہیں لیکن حسد انھیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ ان سے متکبرین کے اخلاق کے ساتھ پیش آئیں' گو دل میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم ان کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہیں۔ ریا بھی متکبرین کے اخلاق کی مقتضی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی سے عالم سے مناظرہ کرنے پر بھی مجبور نظر آتا ہے جس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ وہ مجھ سے افضل ہے۔ نہ ان دونوں کے درمیان شناسائی ہوتی ہے' نہ حسد اور بغض ہوتا ہے' اس کے باوجود وہ اس شخص کے سامنے متواضع نہیں ہوتا' نہ اس کی بات قبول کرتا ہے' نہ نصیحت سنتا ہے' نہ استفادہ کرتا ہے محض اس خوف سے کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ فلاں عالم اس سے افضل ہے۔ گویا اس تکبّر کا باعث محض ریا ہے۔ اگر کہیں ایسی جگہ وہ عالم مل جائے جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو' تو تکبر نہیں کرتا۔ اس کے برعکس جو لوگ عُجب' حسد' یا حقد کی بناء پر تکبّر کرتے ہیں وہ خلوت میں بھی تکبر سے باز نہیں آتے۔ اسی طرح بعض لوگ ریا کے لئے اپنا نسب عالی دکھاتے ہیں۔ حالانکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ جھوٹ ہے' مگر جھوٹے نسب ہی کو ذریعہ تکبر بنا لیتے ہیں' مجلسوں میں کم نسب لوگوں سے بلند مقام پر بیٹھتے ہیں' راستوں میں آگے آگے چلتے ہیں اعزاز و اکرام میں اس کی برابری پسند نہیں کرتے' حالانکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ اس برابری کے مستحق نہیں ہیں' کیوں کہ انھیں اپنے دعوئ نسب کے جھوٹا ہونے کا یقین ہوتا ہے اس لئے ان کے باطن میں کبر نہیں ہوتا' لیکن ریا انھیں متکبرین جیسا عمل کرنے پر مجبور کردیتی ہے۔ عام طور پر لفظ متکبر کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو باطنی کبر۔ جو عیب کا نتیجہ ہے۔ کی بناء پر اس طرح کے اعمال کرے ریا کی بناء پر دوسروں کو بنظرِ حقارت دیکھنے والا بھی متکبّر کہلاتا ہے کیوں کہ یہاں کبر کے افعال میں مشابہت موجود ہے۔ اگرچہ باطن میں عجب موجود نہیں ہے۔

متواضعین کا اخلاق اور اعمال کی تفصیل جن میں تکبر یا تواضع کا اثر ظاہر ہو

جاننا چاہیئے کہ تکبّر آدمی کی عادتوں اور طور طریقوں میں ہوتا ہے' جیسے منہ پھلا لینا' کن انکھیوں سے دیکھنا' گردن سینے پر ڈالے رکھنا' چار زانو یا تکیہ لگا کر بیٹھنا' یا اس کے اقوال میں ہوتا ہے حتیٰ کہ آواز' حروف' و الفاظ کی ادائیگی کا طریقہ' اور جواب دینے کا

اُسلوب بھی تکبّر سے خالی نہیں ہوتا۔ تکبّر چلنے پھرنے اُٹھنے بیٹھنے حرکات سکنات میں بھی ہوتا ہے' ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنا بھی تکبّر کا مظہر بن سکتا ہے۔ متکبّرین میں بعض ایسے ہیں جو ان تمام اَفعال و اَقوال میں تکبّر کرتے ہیں' اور بعض متکبّرین کچھ اُمور میں تکبّر کرتے ہیں اور کچھ میں تواضع کرتے ہیں۔ ذیل میں کچھ عادات بیان کی جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ہمارے سامنے دست بستہ کھڑے رہیں' یا ہمیں دیکھ کر کھڑے ہو جایا کریں۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی دوزخی کو دیکھنا چاہتا ہے وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھ لے جو خود تو بیٹھا ہوا ہو اور بہت سے لوگ اس کے سامنے مؤدب کھڑے ہوئے ہوں۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر محبت تھی کسی سے نہ تھی' جب صحابہؓ آپ کو دیکھتے کھڑے نہ ہوتے کیوں کہ وہ یہ بات جانتے تھے کہ آپ کو اس طرح کھڑا ہونا پسند نہیں ہے۔ (۱)

بعض متکبّرین اس وقت تک چلنا پسند نہیں کرتے جب تک ان کے پیچھے پیچھے چلنے والا نہ ہو' حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ بندہ اس وقت تک اللہ سے دور ہوتا رہتا ہے جب تک کوئی شخص اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ کو ان کے نوکروں اور غلاموں سے ممتاز نہیں کیا جا سکتا تھا کیوں کہ ان کا ظاہری لباس کس طرح بھی نوکروں کے لباس سے زیادہ نہیں تھا۔ کچھ لوگ حضرت حسن بصریؒ کے پیچھے پیچھے چلے' آپ نے انھیں روک دیا' اور فرمایا کہ تمہاری یہ حرکت میرے دل میں سے سب کچھ نکال دے گی۔ بعض اوقات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ چلتے تو انھیں آگے بڑھاتے اور خود ان کے پیچھے چلتے (ابو منصور دیلمی۔ مسند الفردوس) یا تو اس لئے کہ صحابہ کو تعلیم دینا مقصود تھا' یا اس لئے کہ آپ اس طرح اپنے نفس سے کبر و عجب کے شیطانی وسوسوں کو دور رکھنا چاہتے تھے' جیسا کہ آپ نے نماز کے دوران ان دو وجوہات کی بنا پر نیا لباس اُتار کر پرانا لباس پہن لیا تھا۔ (۲)

بعض متکبّرین کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی زیارت و ملاقات کے لئے نہیں جاتے گو ان سے دینی نفع ہی کیوں نہ ہوتا ہو' یہ امر تواضع کی ضد ہے۔ روایت ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ رملہ تشریف لے گئے' حضرت ابراہیم ابن ادہم نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ میرے یہاں تشریف لائیں اور کچھ احادیث بیان فرمائیں۔ کسی نے عرض کیا اے ابو اسحاق! آپ ان جیسے بڑے لوگوں کو بھی بُلواتے ہیں' فرمایا میں اس طرح ان کی تواضع کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔

یہ بھی متکبّرین کی عادت ہے کہ اپنے سے نچلی سطح کے لوگوں کا اپنے برابر یا پہلو میں بیٹھنا پسند نہیں کرتے' بلکہ اپنے سامنے اَدب کے ساتھ بٹھلانا پسند کرتے ہیں۔ یہ امر بھی تواضع کے خلاف ہے۔ ابن وہب کہتے ہیں کہ میں حضرت عبدالعزیز ابن ابی روّاد کے پاس بیٹھا تھا کہ میرا زانو اُن کے زانو سے مَس ہو گیا' میں ان سے ہٹ کر بیٹھنے لگا تو انھوں نے میرا دامن پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا کہ تم میرے ساتھ وہ سلوک کیوں کر رہے ہو جو محکوم حاکموں کے ساتھ کیا کرتے ہیں' میں تو تم سب میں بُرا انسان ہوں۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ مدینہ کی کوئی بچی اگر سرِ راہ آپ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو جاتی تو آپ اس وقت تک ہاتھ علیحدہ نہ فرماتے جب تک وہ خود ہی چھوڑ کر نہ چلی جاتی۔ (۳)

متکبّرین کی یہ بھی عادت ہے کہ وہ مریضوں کے پاس بیٹھنے سے بچتے ہیں' اور ان سے دور رہتے ہیں یہ بھی کبر ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اس کا چہرہ چیچک کے دانوں سے بھرا ہوا تھا اور ان سے پانی رس رہا تھا اور آپ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے' وہ مجلس میں آیا اور کھڑا رہا' آپ اٹھے اور اسے اپنے برابر بٹھا لیا۔ (۴)

---

(۱) یہ روایت آدابِ الصحبۃ میں گذر چکی ہے۔ (۲) یہ روایت کتابُ الصلوٰۃ میں گذری ہے۔ (۳) یہ روایت آدابُ المعیشۃ میں گذری ہے۔ (۴) یہ روایت اسی باب میں گذری ہے۔

بعض لوگ گھر کا کوئی کام اپنے ہاتھ سے کرنا پسند نہیں کرتے' یہ بھی خلاف تواضع' روایت ہے کہ حضرت عمرابن عبدالعزیز کے گھر رات کے وقت ایک مہمان آیا' آپ اس وقت لکھ رہے تھے' اچانک چراغ ٹمٹمانے لگا ایسا لگا اب بجھ جائے گا' وہ مہمان کہنے لگا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں یہ چراغ صحیح کردوں' آپنے فرمایا آدمی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ مہمان سے خدمت لے' اس نے عرض کیا کہ کیا میں خادم کو آواز دوں' آپنے فرمایا وہ ابھی سویا ہے' پھر آپ نے بتی نکالی اور چراغ میں تیل ڈالا' مہمان نے کہا امیرالمؤمنین! آپ نے خود ہی ایسے کام کرلیتے ہیں' انھوں نے فرمایا کہ میں جب اس کام کے لئے اٹھا تب بھی عمر تھا' اور اس کام سے فارغ ہو کر آیا تب بھی عمر ہی رہا' مجھ میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا' کوئی کمی واقع نہیں ہوئی' بہترین آدمی وہ ہے جو اللہ کے یہاں متواضع ہو۔

بعض متکبرین اپنا سامان اٹھا کر چلنا پسند نہیں کرتے' یہ طریقہ بھی متواضعین کی عادت کے خلاف ہے۔ جناب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سامان اٹھا کرلے جایا کرتے تھے (ابو یعلی۔ ابو ہریرہؓ) حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اہل خانہ کے لئے کوئی چیز اٹھا کرلے جانے سے آدمی کا کمال ختم نہیں ہوتا' اور نہ اس میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔ حضرت ابو عبید الجراحؓ جس زمانے میں امیر تھے' پانی کا گھڑا بھر کر خود حمام میں لے جایا کرتے تھے' ثابت ابن ابی مالکؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بازار سے آتے ہوئے دیکھا انھوں نے لکڑیوں کا گٹھر اٹھا رکھا تھا۔ بضع ابن جابۃ کہتے ہیں کہ گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں حضرت عمر کے بائیں ہاتھ میں گوشت ہے اور دائیں ہاتھ میں دُرّہ ہے اور وہ بازار میں گھوم رہے ہیں یہاں تک کہ اپنے گھر میں داخل ہوئے ایک تابعی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ایک درہم کا گوشت خریدا اور اپنی چادر میں رکھ کرلے چلے' میں نے عرض کیا لا یئے مجھے دیجئے میں لے چلوں' فرمایا عیالدار ہی کے لئے لے کر چلنا زیادہ مناسب ہے۔

لباس پہننے میں بھی تواضع اور تکبر دونوں کا اظہار ہوتا ہے' ایک روایت میں ہے:۔

اَلْبَذَاذَۃُ مِنَ الْاِیْمَانِ (ابو داؤد' ابن ماجہ۔ ابو امامہ ابن ثعلبہ)

: ادنیٰ لباس ایمان میں سے ہے۔

اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت معنؒ سے بزاذ کے معنیٰ معلوم کئے' انھوں نے فرمایا اس سے مراد گھٹیا لباس ہے۔ زید ابن وہبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرابن الخطابؓ کو دیکھا کہ وہ ہاتھ میں دُرّہ لئے بازار کی طرف جارہے ہیں انھوں نے جو لباس پہن رکھا تھا اس میں چودہ پیوند تھے' بعض پیوند چمڑے کے تھے۔ حضرت علیؓ کو کسی نے پیوند زدہ کپڑے پہننے پر عتاب کیا آپ نے فرمایا اس سے دل میں خشوع ہوتا ہے اور لوگ اقتداء کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کپڑوں کی عمدگی دل میں غرور پیدا کرتی ہے۔ طاؤس کہتے ہیں کہ میں یہ دو کپڑے دھوتا ہوں' پھر جب تک یہ کپڑے صاف ستھرے رہتے ہیں میرا دل اجنبی سا لگتا ہے۔ روایت ہے کہ منصب خلافت پر فائز ہونے سے پہلے حضرت عمرابن عبدالعزیز ایک ہزار دینار میں لباس خریدا کرتے تھے' اگر اس میں خشونت نہ ہوتی تو فرماتے یہ لباس کتنا عمدہ ہے۔ پھر جب خلیفہ مقرر کئے گئے ان کا لباس سادہ ہوگیا اور پانچ درہم میں آنے لگا' اب اگر اس میں نرمی نہ ہوتی تو فرماتے یہ لباس کتنا اچھا ہے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ اب آپ کا لباس' سواری اور عطر وغیرہ کیا ہوئے؟ فرمایا کہ میرا نفس ذوّاق (ذائقے چکھنے والا) ہے اور شائق ہے۔ اس نے دنیا کی جس چیز کا ذائقہ چکھا اس سے اعلیٰ کا مشتاق ہوا۔ یہاں تک کہ اب اس نے خلافت کا ذائقہ چکھ لیا ہے جو دنیاوی مراتب میں سب سے اعلیٰ ہے' اب اسے اللہ کے یہاں اعلیٰ درجے کا اشتیاق ہے۔ ابن سوید کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت عمرابن عبدالعزیز نے جمعہ کی نماز پڑھائی پھر وہ بیٹھ گئے' ان کے جسم جو لباس تھا اس میں آگے سے بھی پیوند لگا ہوا تھا اور پیچھے سے بھی۔ ایک شخص نے اُن سے کہا اے امیرالمؤمنین! اللہ نے آپکو مال عطا کیا ہے اگر آپ اچھا لباس پہنا کریں تو کیا حرج ہے؟ آپنے کچھ دیر سر جھکایا پھر سر اٹھا کر فرمایا افضل اعتدال وہ ہے جو مالداری میں ہو' اور بہترین معافی وہ ہے جو مقدرت کے باوجود ہو۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

مَنْ تَرَكَ زِينَةً لِلّٰهِ وَوَضَعَ ثِيَابًا حَسَنَةً تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَابْتِغَاءً لِمَرْضَاتِهِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَدَّخِرَ لَهُ عَبْقَرِيَّ الْجَنَّةِ (ابو نعیم۔ ابن عباسؓ)

: جو شخص اللہ کی خاطر زینت چھوڑدے اور تواضع کی بنا پر اور اللہ کی مرضی حاصل کرنے کے لئے اچھے کپڑے ترک کردے' اللہ پر واجب ہے کہ وہ اس کے لئے جنت کا بہترین لباس وغیرہ کرے۔

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے' اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق عمدہ لباس کبر کا وسیلہ ہے' اس کے برعکس جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا گیا کہ عمدہ کپڑے پہننا کبر میں داخل ہے یا نہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ کبر نہیں! بلکہ کبر یہ ہے کہ آدمی امر حق سے جاہل رہے' اور لوگوں کی عیب جوئی کرے' بظاہر ان دونوں روایتوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نئے کپڑے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تمام لوگوں کے حق میں' اور ہر حال میں تکبر کا باعث ہو' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا' اور یہی بات آپ نے اس وقت سمجھی جب ثابت ابن قیس نے اپنا حال بیان کیا کہ مجھے خوب صورتی زیادہ پسند ہے۔ آپ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ فرمایا کہ ثابت ابن قیس کو لطافت اور خوش لباسی پسند ہے۔ اس لئے نہیں کہ دوسروں پر تکبر کریں۔ کیوں کہ لطافت اور خوش لباسی کے لئے کبر سے تعلق ضروری نہیں ہے' کبھی یہ چیزیں کبر کے لئے بھی ہو سکتی ہیں' پھر کبر صرف عمدہ لباس ہی کے ساتھ خاص نہیں' بلکہ بعض لوگ معمولی لباس پہن کر بھی تکبر کرتے ہیں۔ لباس کے ذریعے تکبر کرنے والے کی علامت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو دیکھ کر بے تکلف بناؤ سنگار کرے اور جب تنہا ہو تو کچھ پروا نہ کرے۔ جب کہ نفاست پسند کی علامت یہ کہ وہ ہر حال میں نفاست کا طالب ہو' خواہ لوگوں کے ساتھ ہو یا تنہا ہو' یا گھر کے تہ خانے میں ہو' اسلئے نفاست پسندی ہرگز تکبر میں داخل نہیں ہے۔ اس صورت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا قول اس امر پر محمول ہوگا کہ بعض حالات میں خوش پوشی دل میں تکبر پیدا کرتی ہے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ کبر خوش لباسی کے ساتھ لازم و ملزوم نہیں ہے' اگرچہ اس سے کبھی کبر پیدا ہو جاتا ہے' بہرحال اس سلسلے میں احوال مختلف ہیں سب سے عمدہ لباس اوسط درجے کا ہے' جس میں نہ اچھائی کی شہرت ہو' اور نہ خرابی کی' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَالْبَسُوا وَتَصَدَّقُوا فِي غَيْرِ سَرَفٍ وَلَا مَخِيلَةٍ (نسائی' ابن ماجہ۔ عمرو ابن شعیب عن ابیہ عن جدہ)

: کھاؤ اور پیو اور پہنو اور صدقہ دو نہ اسراف کے ساتھ اور نہ تکبر کے ساتھ۔

: ایک حدیث میں ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يَرَى أَثَرَ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ (ترمذی۔ عمرو ابن شعیب عن ابیہ جدہ)

: اللہ تعالیٰ کو بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھنا پسند ہے۔

: بکر ابن عبداللہ المزنی کہتے ہیں بادشاہوں کے لباس پہنو اور خشیت سے اپنے دلوں کو مار ڈالو یہ بات بکر المزنی نے ان لوگوں سے کہی جو اہل صلاح و تقویٰ کا لباس پہن کر تکبر اور غرور کرتے ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنے مصاحبین سے فرمایا کیا بات ہے تم لوگ راہبین کا لباس پہن کر' اور سینوں میں درندوں کے دل اٹھا کر آتے ہو' بادشاہوں کے لباس پہنو' اور خشیت سے اپنے دلوں کو مار ڈالو۔

ایک عادت یہ ہے کہ جب کوئی گالی دے' یا اذیت پہنچائے یا حق چھین لے تو تحمل اور برداشت سے کام لے کر تواضع کا مظاہرہ کرے یہی اصل تواضع ہے۔ ہم نے کتاب ذم الغضب والحسد میں سلف کے ایسے متعدد واقعات نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مصائب پر صبر کرتے تھے مجملاً اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ مجموعہ حسن اخلاق اور تواضع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت

طیبہ ہے۔ اس لئے آپ کی سیرت طیبہ کا اتباع ضروری ہے' اور آپ ہی کے اخلاقِ طیبہ کو اپنا معلم اور رہنما بنانا چاہیئے' ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید الخدریؓ سے دریافت کیا کہ لوگوں نے کھانے پینے' پہننے' رہنے سہنے اور سواری میں جو اِختراعات کی ہیں انکے سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ انھوں نے فرمایا: اے بھتیجے! اللہ کے لئے کھاؤ' اللہ کے لئے پیو' اور اللہ کے لئے پہنو' ان میں سے جس چیز میں بھی کبر' ریا یا شہرت کی طلب آئے گی وہ معصیت اور اسراف بن جائے گی' اپنے گھر میں وہ کام کیا کرو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے۔ آپ کا معمول یہ تھا کہ اونٹ کو گھاس ڈالتے' اسے اپنے ہاتھ سے باندھتے' گھر میں جھاڑو دیتے' دودھ نکالتے' جوتا ٹانکتے' کپڑے میں پیوند لگاتے' اپنے خادم کے ساتھ کھانا کھاتے' اگر وہ چکی پیستے پیستے تھک جاتا تو خود چکی پیستے' بازار سے سامان خریدتے' ہاتھ میں لے کر' یا دامن میں رکھ کر لانے میں آپ حیا نہ فرماتے' آپ امیر و غریب اور صغیر و کبیر سب سے مصافحہ فرماتے' جو بھی نماز میں آپ کے سامنے آتا خواہ وہ بڑا ہوتا یا چھوٹا' کالا ہوتا یا سرخ' آزاد ہوتا یا غلام آپ اسے سلام کرنے میں پہل فرماتے' گھر اور باہر کے لئے آپ کے پاس الگ الگ لباس نہیں تھا' جو لباس گھر میں پہنتے وہی لباس پہن کر باہر تشریف لے جاتے۔ اگر کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا آپ اس کی دعوت قبول کرنے سے نہ شرماتے' خواہ وہ پراگندہ حال' اور غبار آلود ہی کیوں نہ ہوتا' دعوت میں جو کھانا آپ کے سامنے پیش کیا جاتا آپ اس کی مذمت نہ فرماتے' اگرچہ سڑا ہوا چھوارا ہی کیوں نہ رکھ دیا جاتا' دن کا بچا ہوا کھانا یا رات کے لئے اور رات کا بچا ہوا کھانا دن کے لئے اٹھا کر نہ رکھتے' آپ کے نظام میں سہولت تھی۔ آپ نرم خو' شریف طبع' ملنسار' کشادہ جبیں' اور خندہ رو انسان تھے آپ صرف مسکراہٹ پر اکتفا فرماتے' قہقہہ نہ لگاتے' غمزدہ ہوتے تو ترش رو نہ ہوتے' شدت میں سختی سے کام نہ لیتے' آپ متواضع تھے مگر آپ کی تواضع اس حد تک نہیں تھی کہ ذلت کا گمان ہوتا۔ آپ سخی تھے' فضول خرچ نہ تھے' اور ہر ذی قرابت اور مسلمان کے ساتھ صلہ رحمی فرماتے' آپ کا دل نرم تھا' آپ ہمیشہ گردن جھکائے رہتے' شکم سیری کی وجہ سے کبھی بد ہضمی کی نوبت نہیں آتی۔ طمع آپ کو چھو کر بھی نہیں گزری تھی' حضرت ابو سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ میں نے حضرت ابو سعید الخدریؓ سے سنا تھا وہ من و عن ان کے گوش گزار کیا' حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ابو سعیدؓ نے ایک حرف بھی غلط نہیں کہا' البتہ انھوں نے تمہیں یہ نہیں بتلایا کہ آپ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا' اور نہ کبھی کسی سے کوئی شکوہ کیا۔ آپ کو مالداری کے مقابلے میں فاقہ زیادہ پسند تھا' اگر کبھی بھوکا سونا پڑتا تو یہ بات آپ کے روزہ رکھنے میں مانع نہ بنتی' اگر آپ چاہتے تو اپنے رب سے زمین کے خزانے مانگ لیتے' دنیا کی ہر عیش اور ہر راحت آپ کو میسر ہوتی۔ اکثر میں آپکو بھوکا دیکھ کر روتی۔ اور آپ کے بطن مبارک پر ہاتھ پھیر کر کہتی کہ آپ پر میری جان قربان ہو دنیا میں سے اتنا نفع تو لے لیجئے جو آپ کی غذا کے لئے کافی ہو' اور آپ بھوکے نہ رہیں' آپ فرماتے: اے عائشہ! میرے اُولوالعزم برادر انبیاء نے اس سے بھی زیادہ سختیاں برداشت کیں' اور اسی حالت پر انھوں نے دنیا سے رخصتِ سفر باندھا۔ یہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پہنچے تو ان کی بے حد تکریم ہوئی' اور بڑا اجر و ثواب عطا ہوا' مجھے شرم آتی ہے کہ کہیں میں فارغ البال زندگی کی خاطر ان سے پیچھے نہ رہ جاؤں۔ مجھے یہ بات زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے کہ اپنے دوستوں اور بھائیوں سے ملوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس واقعے کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ آپ نے انتقال فرمایا۔

: حضرت ابو سعید الخدریؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اخلاق و عادات ذکر ہوئے ہیں ان میں متواضعین کے تمام اخلاق جمع ہیں' جو تواضع کا طالب ہے اسے آپ کی اقتدا کرنی چاہیئے۔ اور جو شخص آپ کا مرتبہ اپنے مرتبے سے کم سمجھتا ہو اور جو اعمال آپ کو پسند تھے ان پر راضی نہ ہو وہ جاہل محض ہے۔ آپ کو دین و دنیا کا سب سے بڑا منصب عطا ہوا تھا۔ آپ کی اقتداء ہی عزت و رفعت کی ضمانت ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے کسی ایسے شخص کے جواب میں فرمایا جس نے شام میں داخلے کے وقت سادہ پوشی کا طعنہ دیا تھا کہ ہم وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت بخشی ہے' ہم اسلام کے علاوہ کسی اور چیز میں عزت طلب نہیں کریں گے' حضرت ابو الدرداءؓ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنھیں ابدال کہا جاتا ہے' یہ

لوگ انبیاء کے نائب اور زمین کے محور ہیں' جب نبوت ختم ہوئی تو اللہ نے ان کی جگہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت میں سے ایک قوم کو ان کے قائم مقام بنادیا جو کثرتِ صوم وصلوٰۃ اور حلیے کی خوبصورتی کی بنا پر ممتاز نہیں ہیں' بلکہ وہ صدق وَرع' اور حسنِ نیت سے مزیّن ہیں' وہ تمام مسلمانوں کے لئے صرف اللہ کی خاطر سلامتیٔ صدر' اور خیر خواہانہ جذبات رکھتے ہیں' وہ صبر کے خوگر ہیں مگر بزدلی کیساتھ نہیں' متواضع ہیں مگر ذلّت کے ساتھ نہیں' یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے اپنے لئے منتخب فرمالیا ہے' عدد میں یہ حضرات تیس یا چالیس سے زیادہ نہیں ہوتے' ان کے دلوں میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا سا یقین ہوتا ہے' ان میں سے کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک کوئی دوسرا اس کا قائم مقام نہیں ہوجاتا۔ اے بھائی! یاد رکھو یہ نیک نفس لوگ کسی چیز کو برا نہیں کہتے' نہ کسی شخص کو اذیت دیتے ہیں' نہ کسی کی تحقیر کرتے ہیں' نہ کسی پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں نہ کسی سے حسد کرتے ہیں اور نہ دنیا پر حرص کرتے' وہ لوگوں میں سب سے اچھے اوصاف کے حامل' اور نرم طبیعت کے مالک ہوتے ہیں' ان میں سب سے زیادہ سخاوت ہوتی ہے' بلکہ انکی علامت ہی سخاوت ہے' بشاشت ان کی طبیعت ہے' راست بازی انکا وصف ہے' ایسا نہیں کہ آج اللہ سے ڈریں اور کل اس کے خوف سے غافل ہوجائیں' وہ اپنی ظاہری حالت پر مداومت کرتے ہیں' اللہ کے ساتھ ان کا جو معاملہ ہے اس میں نہ انھیں تیز آندھیاں متزلزل کرسکتی ہیں' اور نہ صبا رفتار گھوڑے ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کرسکتے ہیں' انکے دل اللہ سے ملاقات کے شوق' اور آخرت کی راحت پانے کی خواہش میں اوپر کی طرف بڑھتے رہتے ہیں' اچھے کاموں کی طرف سبقت کرنا ان کا شیوہ ہے' یہ لوگ حزبُ اللہ ہیں' قرآن نے انکے متعلق ارشاد فرمایا ہے:۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پ ۲۸ ر ۳ آیت ۲۲)

: خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداءؓ کے یہ ارشادات سن کر میں نے عرض کیا جو اوصاف آپ نے بیان کئے ہیں وہ انتہائی سخت ہیں' میں ان اوصاف کا حامل کیسے بن سکتا ہوں۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا کہ تو اس سے بھی زیادہ بلندی تک پہنچ سکتا ہے بشرطیکہ دنیا سے بُغض رکھے' اور آخرت کی محبت کو دل میں جگہ دے' تجھے آخرت سے جس قدر محبت ہوگی اسی قدر دنیا سے بے رغبتی ہوگی' اور اسی کے بقدر تجھے نورِ بصیرت حاصل ہوگا جس کے ذریعے تو اپنے نفع و نقصان کا مشاہدہ کرسکے گا' جب اللہ اپنے کسی بندے میں حسنِ طلب پاتا ہے تو اس پر توفیق' اور راستی کے دروازے وا کردیتا ہے' اسے اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھتا ہے' اے بھتیجے! اللہ نے اپنی کتابِ مُبین میں ارشاد فرمایا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (پ ۱۴ ر ۲۲ آیت ۱۲۸)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو ڈرتے ہیں' اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔

یحییٰ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ ہم نے اس آیت میں غور کیا' معلوم ہوا کہ طالبین لذّت کو جو لذّت اللہ کی محبت اور اس کی رضا جوئی میں حاصل ہوتی ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں ملتی' اے اللہ! ہمیں بھی اپنی محبت اور اپنے کرنے والوں کی محبت عطا فرما۔

کِبر کا علاج اور تواضع حاصل کرنے کا طریقہ

گزشتہ صفحات میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ کِبر ایک مہلک بیماری ہے' اور مخلوق میں شاذونادر ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جو اس بیماری سے محفوظ ہو' پھر یہ مرض محض ارادے اور آرزو سے زائل نہیں ہوتا' بلکہ اس کا علاج اور ایسی دواؤں کا استعمال ضروری ہے جو اس کا قلع قمع کرسکیں۔ کبر کا علاج دو طریقوں پر کیا جاتا ہے' ایک طریقہ یہ کہ دل سے اس مرض کی جڑیں اُکھاڑ دی جائیں' دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان اسباب کا ازالہ کیا جائے جن سے آدمی تکبّر کرتا ہے۔

کِبر کے علاج کا پہلا طریقہ : اس طریقہ علاج کی دو صورتیں ہیں' علمی اور عملی۔ ان دونوں علاجوں کے بغیر مکمل طور پر شفاء

حاصل نہیں ہوتی۔ علمی علاج یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس اور خالق نفس کی معرفت حاصل کرے 'اگر صحیح معرفت حاصل ہو گئی تو امید یہی ہے کہ اس سے کبر کا مرض زائل ہو جائے گا' اس لئے کہ اگر انسان کو اپنے نفس کی معرفت حاصل ہو گئی تو وہ اس نتیجے پر ضرور پہونچے گا کہ نفس انتہائی ذلیل اور حقیر چیز ہے 'اس کے شایان شان صرف تواضع' ذلّت اور انکساری ہے 'اور اگر اپنے رب کی معرفت حاصل ہو گئی تو یہ یقین ضرور پیدا ہو گا کہ عظمت اور کبریائی جیسے اوصاف اللہ ہی کے شایان شان ہیں۔

رب کی معرفت اور اس کی عظمت و رفعت کی معرفت میں بڑے تفصیلی مباحث ہیں 'علم مکاشفہ کی انتہا ہی باری تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت پر ہوتی ہے۔ اگرچہ معرفتِ نفس کا موضوع بھی 'کچھ کم تفصیل طلب نہیں ہے تاہم یہاں صرف اتنا لکھتے ہیں جو تواضع اور انکساری کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے کافی ہو 'اور اس کے لئے ہمیں زیادہ لمبی چوڑی گفتگو کرنے کے بجائے قرآن کریم کی صرف ایک آیت کو اپنے فکر کا موضوع بنالینا چاہیے۔

قُتِلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ (پ ۳۰ ر ۵ آیت ۱۷۔ ۲۲)

آدمی پر خدا کی مار وہ کیسا ناشکرا ہے۔ اللہ نے اس کو کسی چیز سے پیدا کیا؟ نطفہ سے پیدا کیا (پھر) اس کی صورت بنائی 'پھر اعضاء کو انداز سے بنایا' پھر اس کے (نکلنے کا) راستہ آسان کردیا 'پھر اسے موت دی' پھر اسے قبر میں لے گیا 'پھر جب اللہ چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کردے گا۔

اس آیت میں انسان کی ابتدا و انتہا اور درمیانی حالات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے 'اگر آدمی اپنے آغاز و انجام اور درمیانی زندگی کے احوال پر نظر ڈالے تو اسے آیت کریمہ کا مفہوم سمجھ میں آجائے۔ انسان کی ابتدا یہ کہ اس کا ذکر بھی نہیں تھا' وہ معدوم تھا' بہت دنوں تک وہ عدم کے پردے میں رہا' حد یہ ہے کہ اس کی معدومیت کی ابتدا ابھی نامعلوم ہے 'محو اور عدم سے زیادہ ذلیل اور حقیر چیز کیا ہو سکتی ہے' پھر اللہ نے اسے ایک انتہائی ذلیل چیز اور پھر ایک انتہائی گندی چیز سے بنایا 'یعنی پہلے مٹی سے بنایا' پھر نطفے سے خون 'خون سے لوتھڑا پیدا کیا' پھر ہڈیاں بنائیں اور ان پر گوشت پوست چڑھایا 'یہ ہے انسان کی تخلیق کا آغاز' جس کے بعد وہ دنیا میں روشناس ہوا' تخلیق کے بعد بھی وہ برُے اوصاف پر رہا۔ کیوں کہ ابتدا ہی میں اسے مکمل پیدا نہیں کیا گیا' بلکہ وہ ایک بے جان پتھر تھا' نہ اس میں سُننے کی طاقت تھی نہ دیکھنے کی' نہ حس وحرکت کی اور نہ نطق و ذائقہ کی اور نہ علم وادراک کی۔ اس نے زندگی سے پہلے موت پر' قوت سے پہلے ضعف پر' علم سے پہلے جہالت پر' بصارت سے پہلے کوچشمی پر' سماعت سے پہلے بہرے پن پر' گویائی سے پہلے گونگے پن پر' ہدایت سے پہلے گمراہی پر' مالداری سے پہلے فقر پر' اور قدرت سے پہلے عجز پر ابتدا کی۔ اس آیتِ کریمہ کا یہی مفہوم ہے۔

مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ (پ ۳۰ ر ۵ آیت ۱۸)

انسانوں کو کس چیز سے پیدا کیا؟ نطفے سے! (پھر) اس کی صورت بنائی 'پھر انداز سے اعضاء پیدا کئے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ (پ ۲۹ ر ۱۹ آیت ۱)

بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز قابلِ تذکرہ نہ تھا ہم نے اس کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا اس طور پر کہ ہم اس کو مکلّف بنائیں۔

: اس آیت کا بھی یہی مفہوم ہے' تخلیق کے بعد اس پر یہ احسان فرمایا:۔

ثُمَّ السَّبِيلَ يَسَّرَهُ (پ ۳۰ ر ۵ آیت ۲۰)

: پھر اس کے (نکلنے کا) راستہ آسان بنایا۔

اس آیت میں ان اشیاء کی طرف اشارہ ہے جو انسان کو پیدائش سے موت تک کے عرصۂ حیات میں حاصل ہوئی ہیں۔ ایک آیت میں یہ مفہوم ان لفظوں میں ادا کیا گیا۔

مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (پ۲۹ ر۱۹ آیت ۲)

ہم نے اس کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا اس طور پر ہم اس کو مکلف بنائیں (اسی واسطے) ہم نے راستہ بتلایا' یا تو وہ شکر گزار ہو گیا یا ناشکرا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان پہلے بے جان پتھر تھا' ہم نے اسے زندگی بخشی' پہلے وہ مٹی کے مرحلے سے گزرا پھر نطفے سے بنا' وہ بہرا تھا ہم نے اسے سننے کی طاقت دی' وہ آنکھوں کی روشنی سے محروم تھا ہم نے اس میں دیکھنے کی قوت دی' وہ کمزور تھا اسے قوت دی' وہ جاہل تھا اسے علم کی دولت سے نوازا۔ پھر اس کے جسم میں اعضاء پیدا کئے' جو قدرت کی آیات و عجائبات کا مظہر ہیں' جب کہ وہ ان عجیب و غریب اعضاء سے محروم تھا' وہ محتاج تھا اسے مالدار بنایا' وہ بھوکا تھا اس کے پیٹ کے لئے غذا عطا کی' وہ ننگا تھا اسکا تن ڈھانپا' وہ گمراہ تھا اسے ہدایت دی' دیکھئے کس تدبیر سے اللہ نے انسان کو پیدا کیا' اسے ہدایت سے نوازا' پھر انسان کی سرکشی دیکھئے وہ کتنا ناشکرا ہے' اور کتنا بڑا جاہل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ (پ۲۳ ر۴ آیت ۷۷)

کیا آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا' سو وہ اعلانیہ اعتراض کرے گا۔

: ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ (پ۲۱ ر۶ آیت ۲۱)

اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمکو مٹی سے پیدا کیا پھر تھوڑے ہی دنوں بعد تم آدمی بن کر پھیلے ہوئے پھرتے ہیں۔

اللہ کی نعمت و احسان پر نظر ڈالو' اس نے کیسے انسان کو ذلت' دنائت' خست' اور نجاست سے نکال کر رفعت اور عظمت تک پہنچایا' عدم سے وجود بخشا' موت سے حیات بخشی' گونگا تھا بولنا سکھایا' اندھا تھا دیکھنے کی قوت دی' کمزور تھا طاقتور کیا' جاہل تھا علم سے نوازا' گمراہ تھا ہدایت کے راستے پر چلنے کی توفیق دی' عاجز تھا قدرت دی' محتاج تھا غنی بنایا' وہ اپنی ذات میں لا شئی (کوئی چیز نہیں) تھا۔ کیا لا شئی سے بھی زیادہ کوئی چیز ذلیل ہو سکتی ہے؟ کیا عدم محض سے کم تر بھی کوئی درجہ ہے' اللہ نے اسے شئی بنایا' پہلے اسے ذلیل مٹی سے پیدا کیا جو قدموں سے روندی جاتی ہے' پھر ناپاک منی سے پیدا کیا' تاکہ وہ اپنی ذات کی خست اور دنائت سے واقف رہے' اور اپنے نفس کی معرفت رکھے' پھر اس پر اپنی نعمتوں کی تکمیل فرمائی تاکہ وہ ان نعمتوں کی روشنی میں اپنے رب کو پہچان سکے۔ اس کی عظمت عزت اور جلالت کی معرفت حاصل کر سکے' اور یہ جان سکے کہ کبریائی صرف اسی کو زیب دیتی ہے اسی لئے احسان کے مواقع پر ان نعمتوں کا ذکر فرمایا:۔

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (پ۳۰ ر۱۵ آیت ۸-۱۰)

کیا ہم نے اسکو دو آنکھیں' اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دئے' اور ہم نے اس کو دونوں (خیر و شر کے) راستے بتلا دئے۔

ایک موقع پر پہلے اسی کی دنائت کا راز فاش کیا گیا:۔

أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَىٰ (پ۲۹ ر۱۸ آیت ۲۷)

: کیا یہ محض ایک قطرۂ منی نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا گیا تھا۔

پھر اپنی بے پایاں نعمتوں کا حوالہ دیا گیا:۔

فَخَلَقَ فَسَوّٰی فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی (پ۲۹ ر۱۸ آیت ۲۸۔۲۹)

پھر اللہ نے (انسان کو) بنایا 'پھر اعضاء درست کئے پھر اس کی دو قسمیں کردیں نر اور مادہ۔

زوجین کی تخلیق اسلئے عمل میں آئی تاکہ نسل کا سلسلہ دراز رہے 'جس کی ابتدا کا یہ عالم ہو اور جس کے احوال یہ ہوں اسے اترانے 'اکڑنے 'فخر و مباہات کرنے کا حق کب ہے 'وہ تو یقینی طور پر ذلیلوں میں انتہائی ذلیل 'اور کمزوروں میں انتہائی کمزور ہے۔ تاہم کمینے شخص کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب بظاہر وہ بلند ہوجاتا ہے تو اپنے آپ کو بڑا تصور کرنے لگتا ہے 'حالانکہ خود کو بڑا سمجھنا بجائے خود ایک کمینگی ہے۔ طاقت و قوت 'عزت و عظمت سب اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہاں اگر انسان کو مکمل پیدا کیا گیا ہوتا 'اور اسکے تمام کام اسی کے سپرد ہوتے 'اور اپنے وجود کو قائم دائم رکھنا اسکے اختیار میں ہوتا تو اسے یہ حق تھا کہ سرکشی کرے 'اپنے مبداء و منتہا کو فراموش کردے 'لیکن اب تو یہ حالت ہے کہ زندگی کے جتنے دن بھی وہ گزارتا ہے 'چار مختلف طبائع اس پر مسلط ہیں صفراء 'بلغم 'سوداء اور خون یہ چاروں ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتی ہیں 'چاہے انسان اپنے نقصان پر راضی ہو یا نہ ہو 'وہ مجبوراً بھوکا پیاسا رہتا ہے 'مجبوراً بیمار ہوتا ہے 'مجبوراً مرتا ہے 'نہ وہ اپنے آپ کو نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان 'نہ وہ اپنے خیر کا مالک ہے اور نہ اپنے شر کا۔ وہ کسی چیز کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے 'لیکن جہالت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں لگتا 'کسی چیز کو یاد کرنا چاہتا ہے لیکن اسے بھول جاتا ہے 'اپنے دل کو کسی اہم معاملے میں مصروف رکھنا چاہتا ہے لیکن وسوسے اس کا دامن تھام لیتے ہیں 'اور افکار کے لامحدود سمندر میں غوطہ زنی کرنے پر مجبور کردیتے ہیں 'نہ اسے اپنے دل پر قابو ہے اور نہ اپنے نفس پر اختیار ہے۔ یہ دل ہی تو ہے جو ہمیشہ ایسی چیزوں کی آرزو کرتا ہے جن میں اس کی ہلاکت پوشیدہ ہے 'اور ایسی چیزوں سے نفرت کرتا ہے جن سے اسکی زندگی وابستہ ہے۔ وہ انواع و اقسام کے کھانوں سے لطف اندوز ہوتا ہے حالانکہ یہ کھانے اسکے لئے مہلک ہیں 'دواؤں سے نفرت کرتا ہے حالانکہ وہ اسے مرض سے نجات دیتی ہیں 'اور جسم کو نفع بخشتی ہیں۔ وہ اپنے شب و روز کے کسی بھی لمحے میں اس خطرے سے مامون نہیں کہ اس کی سماعت چھن جائے یا بصارت زائل ہوجائے 'یا اعضاء مفلوج ہوجائیں 'یا عقل مختل ہوجائے 'یا روح پرواز کرجائے 'یا وہ تمام چیزیں اس سے چھین جائیں جو دنیا میں اسے پسند ہیں 'بیچارہ انسان مجبور محض ہے 'اگر خالق تعالیٰ اسے چھوڑے تو رہے 'اور چھین لے تو فنا ہوجائے 'وہ زر خرید غلام کیطرح ہے کہ اسے اپنے کسی فعل کا اختیار نہیں۔ اور نہ اپنے علاوہ کسی دوسرے شخص کے فعل کا اختیار ہے۔ بھلا اس سے زیادہ ذلیل چیز اور کیا ہوگی؟ کبر اس کے لئے کہاں موزوں ہے؟ انسان کی انتہا موت ہے 'قرآن کریم نے اسی نہایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ (پ۳۰ ر۵ آیت ۲۲)

پھر اسے موت دی 'پھر اس کو قبر میں لے گیا 'پھر جب اللہ چاہے گا اس کو دوبارہ زندہ کردے گا۔

یعنی انسان سے اسکی روح سلب کی جائے گی 'اس کی قوت سماعت و بصارت 'اس کا علم 'اسکی قدرت 'حس 'اور ادراک اور حرکت وغیرہ تمام قوتیں سلب کرلی جائیں گی۔ وہ جماد بن کر رہ جائے گا 'جیسا پہلے تھا ایسا ہی ہوجائے گا 'اس کے اعضاء کی شکل باقی رہ جائے گی 'نہ ان میں حرکت ہوگی اور نہ حس 'پھر وہ مٹی میں رکھ دیا جائے گا 'اور ناپاک بدبودار مردار ہوجائے گا جیسا کہ پہلے وہ ایک ناپاک لوتھڑا تھا 'پھر اس کے اعضاء گلیں گے 'ان کے اجزاء بکھر جائیں گے 'ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوجائیں گی 'کیڑے بدن کا سارا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے 'پہلے آنکھوں کے ڈھیلوں میں داخل ہوں گے اور انھیں ختم کردیں گے 'پھر رخساروں پر حملہ کریں گے اور انھیں صاف کردیں گے 'کوئی جزو بدن ایسا باقی نہیں بچے گا جو ان کیڑوں کے پیٹ میں جاکر نجاست نہ بن جائے اور ایسی ناپاکی میں تبدیل نہ ہوجائے جس کے قریب انسان تو کجا حیوان بھی نہ بھٹکے 'انسان کی سب سے بہتر حالت یہ ہے کہ جیسا پہلے تھا ایسا ہی

ہوجائے' یعنی گلنے سڑنے کے بعد خاک میں مل جائے' پھر اس خاک سے برتن بنیں مکانات تعمیر ہوں' موجود ہونے کے بعد پھر معدوم ہوجائے گویا پہلے کبھی تھا ہی نہیں کیا اچھا ہو تا کہ زمین کا پیوند بننے کے بعد اسی حال پر برقرار رہتا' لیکن ایک انقلاب اور منتظر ہے قیامت کے دن پھر زندہ ہوگا' تمام متفرق اجزاء بدن پھر جمع ہوں گے' اور قیامت کی ہولناکیوں کا سامنا کرنے کیلئے قبر سے اٹھایا جائے گا۔ وہ اپنے اردگرد کا منظر دیکھ کر وحشت زدہ رہ جائے گا' قیامت برپا ہے' آسمان روئی کے گالوں کی طرح فضا میں منتشر ہے' زمین بدلی ہوئی ہے' پہاڑ اُڑے اُڑے پھر رہے ہیں' چاند' سورج اور ستارے اپنی تابانی سے محروم ہوچکے ہیں۔ ماحول تاریک ہے' ہر طرف شدّت پسند فرشتوں کے پرے پرے نظر آتے ہیں دوزخ اپنے مکینوں کو آواز دے رہی ہے' مجرمین حسرت سے جنت کی طرف دیکھ رہے ہیں نامۂ اعمال کھلے ہوئے ہیں' مجرمین سے کہا جائے گا اپنے اعمال نامے پڑھو' وہ کہیں گے ان اعمال ناموں میں کیا ہے؟ کہا جائے گا دنیاوی زندگی میں جس پر تم نازاں و فرحاں تھے تم پر دو نگراں فرشتے مقرّر کیے تھے' جو تمہارے تمام اقوال و افعال لکھا کرتے تھے' خواہ وہ تھوڑے ہوتے یا زیادہ' تمہارا کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا سب کچھ ان اعمال ناموں میں لکھا ہوا ہے' تم بھول گئے ہو' مگر اللہ نے تمہاری ایک ایک حرکت اور ایک ایک بات ضبط کر رکھی ہے' حساب کے لئے آؤ' اور جواب کے لئے تیار ہو جاؤ ورنہ عذاب کے لئے مستعد رہو' یہ سنتے ہی ان کے دل مارے خوف کے لرزاٹھیں گے' حالانکہ ابھی اعمال نامے کھلے بھی نہ ہوں گے' جب وہ اپنے اعمال ناموں پر نظر ڈالیں گے تو کہیں گے ہائے افسوس! ان اعمال ناموں میں تو سب کچھ موجود ہے' چھوٹے بڑے تمام گناہ لکھے ہوئے ہیں۔

يَاوَيْلَتَنَا مَالِهٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا (پ۱۵ر۱۷ آیت ۴۹)

ہائے ہماری کم بختی اس نامۂ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ بے قلمبند کئے ہوئے نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا گناہ۔

یہ ہے انسان کا انجام جسے قرآن نے ایک جملے میں بیان کیا ہے "ثُمَّ اِذَا شَاءَ اَنْشَرَهٗ" جس شخص کی یہ حالت ہو کیا تکبّر اور برتری اس کے لئے جائز ہے؟ کیا وہ اپنی زندگی کے صرف ایک لمحے میں خوش بھی ہو سکتا ہے چہ جائیکہ اترائے اور غرور کرے۔ انسان پر اسکی زندگی کا ابتدائی اور درمیانی حال منکشف ہے' اگر آخری حالت بھی ظاہر ہو جائے تو وہ انسان کی بجائے خنزیر یا کتّا بننا پسند کرے' تاکہ نہ خطاب سنے اور نہ عذاب سہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر انسان اللہ کے نزدیک دوزخ کا مستحق ہے تو خنزیر اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ و اشرف ہے' وہ پہلے بھی خاک تھا بعد میں بھی خاک ہو جائے گا' نہ وہ حساب کے مرحلے سے گزرے گا اور نہ عذاب سے دوچار ہوگا' علاوہ ازیں کتّے اور خنزیر کو دیکھ کر لوگ نفرت سے راہِ فرار اختیار نہیں کرتے۔ لیکن اگر انھیں کوئی گناہ گار بندہ دوزخ کا ایندھن بنتا ہوا نظر آجائے تو وہ چیخ کر دور بھاگ جائیں گے' اور اگر اس کی ہوا انھیں لگ جائے تو اسکی اذیّت ناک بدبو سے ہلاک ہو جائیں' اور اگر پانی کا ایک قطرہ جو وہ پیتا ہے دنیا کے سمندروں میں گر جائے تو ان میں مردار سے بھی زیادہ بدبو پیدا ہو جائے۔ جس شخص کا انجام یہ ہو اسے تکبّر کرنے کا کیا حق ہے' وہ کیسے اِتراتا ہے' اور کیسے اکڑتا ہے' ہاں اگر اللہ ہی معاف کردے تو اور بات ہے' ورنہ معافی میں شبہ ہے۔ آخر وہ اپنے نفس میں ایسی کون سی چیز دیکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے لئے کسی فضیلت کا معتقد ہے' کون سا بندہ ایسا ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو اور جس کی وجہ سے وہ عقوبت کا مستحق نہ ہو' اِلّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرمادے' اس کی رحمت سے امید یہی ہے کہ وہ معاف کردے گا۔

فرض کیجئے ایک شخص نے کسی بادشاہ کے حکم کی خلاف ورزی کی' اس جرم کی بنا پر وہ ایک ہزار کوڑوں کی سزا کا مستحق قرار پایا' بادشاہ نے اسے قید کرادیا' اب وہ اس لمحے کا منتظر ہے جب اسے بادشاہ سلامت کی خدمت میں پیش کیا جائیگا' اور لوگوں کی موجودگی میں اسے سزا دی جائے گی' اسے معلوم نہیں کہ جو خطا اس سے سرزد ہوئی ہے وہ قابل معافی بھی ہے یا نہیں؟ وہ شخص قید خانے میں کیا کچھ ذلیل نہ ہوگا' کیا اسے دوسرے قیدیوں پر تکبّر کرنے کا حق ہے؟ یاد رکھئے گناہ گار بندوں کے لئے دنیا قید خانے سے کم نہیں

اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرکے وہ عقوبت کا مستحق بن چکا ہے اور یہ نہیں جانتا اس کا انجام کیا ہوگا اسکے لئے یہی کافی ہے کہ وہ قیامت کے محاسبے سے خوف' غم اور حزن میں مبتلا رہے' اور اس دن کی ذلت و اہانت کا منتظر رہے' یہ کبر کے علمی علاج کی تفصیل تھی۔

کبر کا عملی علاج:۔ کبر کا عملی علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی مخلوق کے لئے متواضعین کے اعمال پر مواظبت کرکے متواضع بنا رہے جیسا کہ ہم نے صلحاء کے احوال میں ان کے اس وصف تواضع پر خاصی روشنی ڈالی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال میں منقول ہے کہ آپ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا کرتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے۔

إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ آكُلُ كَمَا يَأْكُلُ الْعَبْدُ (۱)

میں تو ایک بندہ ہوں ایسے کھاتا ہوں جیسے بندہ کھایا کرتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ نیا کپڑا کیوں نہیں پہنتے' انھوں نے جواب دیا' میں تو غلام ہوں جس دن مجھے پروانہ آزادی عطا ہوجائے گا نیا لباس پہنوں گا انھوں نے آخرت کی آزادی کی طرف اشارہ فرمایا۔ معرفت سے تواضع کی تکمیل نہیں ہوتی' تواضع عمل سے مکمل ہوتی ہے' یہی وجہ ہے کہ متکبرترین عرب کو ایمان اور نماز دونوں کا ایک ساتھ حکم دیا گیا ہے' اور کہا گیا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے' نماز میں کچھ ایسے اسرار ہیں جن کی بنا پر اسے دین کا ستون کہنا صحیح ہے۔ ان اسرار میں سے ایک یہ ہے کہ نماز تواضع کا بہترین مظہر ہے' اللہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا' رکوع و سجود کرنا یہ سب وہ اعمال ہیں جن سے تواضع کا پوری طرح اظہار ہوتا ہے' ما قبل بعثت عربوں کا مزاج یہ تھا کہ وہ کسی کے سامنے سر خم کرنا پسند نہ کرتے تھے' ان کے نزدیک نماز کے تمام افعال ذلت اور پستی کی علامت تھے' اگر کسی شخص کے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو وہ اسے جھک کر اٹھانے سے گریز کرتا' اسی طرح اگر جوتے کا تسمہ نکل جاتا تو اسے ٹھیک کرنے کے لئے نہ بیٹھتا کیوں کہ اس میں سر جھکا کر بیٹھنا پڑتا ہے۔ حضرت حکیم ابن حزام سے روایت ہے کہ میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پر بیعت کی تو اس میں یہ اضافہ بھی کیا کہ میں کھڑے کھڑے سجدہ کروں گا (مسند احمد) آپ نے مجھ سے بیعت فرمائی' بعد میں جب انھوں نے دین کا بغور مطالعہ کیا' اور ان کے ایمان کی تکمیل ہوئی تو یہ زائد شرط خود بخود حذف ہوگئی۔ عربوں کے نزدیک سجدہ کرنے کا عمل ذلت اور فروتنی کی انتہا سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے انھیں ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز کا حکم دیا گیا تاکہ اس عمل سے ان کا غرور ٹوٹے' اور دلوں میں تواضع پیدا ہو۔

حاصل یہ ہے کہ جس شخص کو معرفت حاصل ہو اسے ان تمام امور اور اسباب پر نظر رکھنی چاہیئے جو کبر کے متقاضی ہوں' اور پھر ان کے خلاف پر عمل کرنا چاہئے' اور اس عمل پر مواظبت کرنی چاہیئے تاکہ تواضع کا عادی بن جائے۔ دل اچھے اخلاق کا گلشن اس وقت تک نہیں بنتا جب تک علم اور عمل دونوں سرچشموں سے اس کی آبیاری نہ ہو۔ کیوں کہ اعضاء عالم ظاہر سے متعلق ہیں' اور دل عالم ملکوت سے تعلق رکھتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان ایک مخفی علاقہ ہے' اس لئے اعضاء کے عمل سے دل ضرور متاثر ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ:۔ اس سے مراد وہ تکبر ہے جو مذکورہ بالا سات اسباب میں سے کسی ایک سبب سے متعلق ہو' کتاب ذم الجاہ میں ہم نے یہ بات لکھی ہے کہ کمال حقیقی علم و عمل سے عبارت ہے' علم و عمل کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فنا ہونے والا ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر کمال ہی کیوں نہ ہو' علم و عمل کے علاوہ ہر کمال کمال وہمی ہے' اس مختصر اور مجموعی تنبیہ کے بعد عالم سے یہ بعید ہے کہ وہ تکبر کرے۔ تاہم ان مذکورہ بالا تمام اسباب کا علمی اور عملی دونوں علاج بیان کئے دیتے ہیں۔

---

(۱) یہ روایت آداب المعیشت میں گزری ہے۔

پہلا سبب۔ نسب :۔ جس شخص کو نسب کی بنا پر کبر ہو جائے اسے دو امور کی معرفت سے اپنے قلب کا علاج کرنا چاہئے۔ ایک امر یہ کہ نسب پر فخر کرنے کا مطلب اسکے علاوہ کچھ نہیں کہ اس طرح آدمی دوسرے کے کمال سے عزت حاصل کرتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں شاعر کہتا ہے۔

لئن فخرت بآباء ذوی شرف !
لقد صدقت ولکن بئس ماولدوا

(اگر تم اپنے شرافت مآب آباء و اجداد پر فخر کرتے ہو تم نے سچ کہا ہے لیکن جو اولاد انھوں نے جنی ہے وہ کتنی بُری ہے)۔
نسب کے ذریعے تکبّر کرنے والا اگر اپنی ذاتی صفات میں ناقص ہے وہ دوسروں کے کمال سے اپنی کمی کس طرح دور کر سکتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی شخص کسی زندہ آدمی کی طرف منسوب ہے اور اس کے نسب پر فخر کرتا ہے تو اسے یہ کہنے کا حق ہے کہ اصل فضیلت کا مستحق تو میں ہوں تو کس بات پر اتراتا ہے' تم تو میری پیشاب گاہ سے نکلے ہوئے ایک قطرہ سے تخلیق پائے ہوئے کیڑے ہو' کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ کیڑا جو انسان کے پیشاب سے بنا ہو اس کیڑے سے افضل ہو سکتا ہے جو کسی گھوڑے یا گدھے کے پیشاب سے تخلیق پایا ہو' بلکہ وہ دونوں برابر ہیں' اصل شرف انسان کو حاصل ہے نہ کہ کیڑے کو۔ دوسرا امر یہ کہ اپنا حقیقی نسب جانے' یعنی اپنے باپ اور دادا کا صحیح تعارف حاصل کرے' اس کا قریبی باپ ایک گندا نطفہ اور جد بعید ایک ذلیل مٹی ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (پ ۲۱ ر ۱۴ آیت ۷-۸)

جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی' اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی' پھر اس کی نسل کو خلاصۂ اخلاط یعنی ایک بے قدرتی رنگ سے بنایا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی اصل مٹی ہے جو قدموں سے روندی جاتی ہے پہلے اس مٹی کا خمیر کیا گیا تھا جس سے وہ مٹی سیاہ اور بدبودار ہو گئی تھی' کیا اس مٹی سے بنے ہوئے انسان کو تکبّر کرنا چاہیئے؟ جس کی طرف وہ منسوب ہے (یعنی مٹی) وہ تو اشیاء میں سب سے زیادہ ذلیل چیز ہے۔ کسی کی ذلت کے لئے کہا جاتا ہے فلاں مٹی سے زیادہ ذلیل کیچڑ سے زیادہ بدبودار اور پیشاب سے زیادہ ناپاک ہے' اگر یہ کہا جائے کہ مٹی کی طرف آدمی کی نسبت بعید ہے تو ہم کہیں گے کہ قریبی نسبت دیکھ لی جائے وہ نطفہ ہے یا پیشاب گاہ ہے۔ اس لحاظ سے بھی اسے اپنے آپ کو حقیر ہی سمجھنا چاہئے۔ اگر قریب کے لحاظ سے کچھ رفعت ہوتی تو جدِّ اعلیٰ کی نسبت سے یہ رفعت باقی نہ رہتی۔ غور کیا جائے' نہ باپ کو نسب کی شرافت حاصل ہے' اور نہ دادا کو' پھر اولاد میں کہاں سے شرافت آگئی' مٹی اس کی اصل ہے' اور وہ نطفے سے علیحدہ ہوا ہے' یہ نسب اگر ہے تو انتہائی بُرا ہے اس لئے کہ اصل پیروں سے روندی جاتی ہے' اور جس چیز سے علیحدہ ہوا ہے وہ اگر بدن کو لگ جائے تو اسے دھونا پڑے' جو شخص اس نسب کی حقیقت سے واقف ہو گا وہ کبھی تکبّر نہ کرے گا۔

نسب کی حقیقت سے واقف ہونے کی بعد اپنی نسبی شرافت پر فخر نہ کرنے والے شخص کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے آپ کو سیّد سمجھتا ہو' کیوں کہ اس کے باپ نے بتلادیا تھا کہ ہم سیّد ہیں' اسی بنا پر وہ اپنی نسبی شرافت کا مدّعی تھا' اور اس پر تکبّر کرتا تھا اسی دوران چند ایسے لوگوں نے جو ثقہ اور معتبر تھے اور جن کی ہر بات شک و شبہ سے بالا تھی یہ بتلایا کہ تم تو حجام ہو' تمہارے آباء واجداد لوگوں کی گندگیاں صاف کیا کرتے تھے' لوگوں نے دلائل و براہین سے اس کا حجام ہونا ثابت کیا' یہاں تک کہ اسے اس بات کا یقین آگیا کہ واقعی ہمارے آباء واجداد ہندی نژاد حجام تھے' ہم سیّد نہیں ہیں' ظاہر ہے اس صورت میں اسے اپنے نسب پر ذرا غرور نہ رہیگا' بلکہ وہ اپنے تئیں انتہائی حقیر اور ذلیل تصور کرے گا' اور اپنی ذلت کا احساس اسکے دل میں اس قدر جاگزیں ہو گا کہ

دوسروں پر تکبر کرنا چھوڑ دے گا۔ یہی حال اس عقلمند اور صاحبِ بصیرت انسان کا ہے جو اپنی اصل حقیقت پر نظر رکھتا ہے' اور یہ جانتا ہے کہ میں مٹی' نطفے اور مُضغے سے تخلیق پایا ہوا ہوں۔ ایک شخص اپنے آپ کو اس لئے گرا ہوا سمجھتا ہے کہ اس کا باپ بھنگی یا حجام تھا یا وہ کوئی ذلیل پیشہ اختیار کئے ہوئے تھا' محض اس لئے کہ بھنگی کوڑا مٹی اٹھاتا ہے' اور حجام کے ہاتھ گندے خون میں آلودہ رہتے ہیں' اس سے بڑھ کر گری ہوئی بات یہ ہے کہ آدمی خود ہی خاک و خوں سے بنا ہو۔

دوسرا سبب جمال :- کبر کا دوسرا سبب جمال ہے۔ اسکا علاج یہ ہے کہ اپنے باطن پر عاقلانہ نظر ڈالے' اپنے ظاہر کو اس طرح نہ دیکھے جس طرح بہائم دیکھتے ہیں۔ باطن پر نظر رکھنے والا اپنے قبائح سے واقف ہوتا ہے' اور یہ قبائح اس کی خوب صورتی کو داغ لگانے والے ہیں' آدمی کے تمام اعضاء نجاستوں سے پُر ہیں۔ پیٹ میں پاخانہ ہے مثانے میں پیشاب ہے' ناک میں رینٹھ ہے' منہ میں تھوک ہے' کان میں میل ہے رگوں میں خون ہے' جلد میں پیپ ہے' بغل میں بدبو ہے' دن میں ایک دو مرتبہ پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے دن میں ایک دو مرتبہ قضائے حاجت کرتا ہے تاکہ اپنے پیٹ سے وہ نجاست باہر نکال دے جسے اگر آنکھ سے دیکھ لے تو انتہائی کراہت محسوس کرے چہ جائیکہ اسے چھوئے یا سونگھے۔ یہ تو اس کی درمیانی زندگی کی حالت ہے۔ اس کی ابتدا کا عالم یہ ہے کہ قدرت نے اسے نطفے' اور حیض کے خون سے پیدا کیا ہے اور ایسی جگہ سے نکالا ہے جو گندگی کا مرکز ہے' پہلے اسے مرد کی صُلب سے نکالا جہاں منی رہتی ہے' پھر مرد کے ذکر سے نکالا جو پیشاب کی جگہ ہے' پھر عورت کے رحم میں رکھا جہاں حیض کا خون پیدا ہوتا ہے پھر عورت کی پیشاب گاہ سے باہر نکالا۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر الصدیقؓ ہمیں خطاب کیا کرتے تھے' اور اپنے خطاب میں ایسی باتیں بیان فرماتے کہ ہم خود اپنی نظروں میں گر جاتے' اور اپنے نفسوں اور جسموں سے انتہائی کراہت محسوس کرتے وہ فرماتے کہ تم پیشاب گاہ سے دوبارہ نکلے ہو۔ اسی طرح حضرت طاؤس نے حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ سے فرمایا کہ یہ چال جو تم چل رہے ہو ہرگز کسی ایسے شخص کی نہیں ہوسکتی جس کے پیٹ میں گندگی ہو۔ طاؤس نے انھیں اِترا کر چلتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ واقعہ خلافت سے پہلے پیش آیا۔ اگر آدمی ایک دن بھی اپنے جسم کی نگرانی چھوڑ دے' اور غسل و صفائی کا اہتمام نہ کرے تو ایسی بدبو اور نجاست پھیل جائے جیسی جانوروں میں ہوتی ہے' کیوں کہ وہ کبھی اپنے جسموں کی صفائی کا اہتمام نہیں کرتے بہرحال اس حقیقت پر یقین رکھنے والا کہ میں گندگی سے پیدا ہوا ہوں' گندگی میں رہتا ہوں' مرنے کے بعد بھی مجھے گندگی ہی بن جانا ہے کبھی اپنی خوبصورتی پر ناز نہیں کرسکتا۔ آدمی کے جمال کی مثال ایسی ہے جیسے کوڑی پر سبزہ اُگ آئے کہ بظاہر اچھا معلوم ہوتا ہے' حالانکہ اس کی اصل ناپاک ہے۔ یا جنگل کے گل و گلزار ہیں کہ ابھی خوشنما دکھائی دیتے ہیں کچھ دنوں بعد ہوا چلے گی تو ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گے۔ اگر انسان کا حُسن پائدار ہوتا اور ان برائیوں سے خالی ہوتا تب بھی اسے بد صورت انسان پر فخر ہونے یا غرور کرنے کا حق نہ تھا' کیوں کہ جس طرح اس کا حسن ذاتی نہیں ہے اسی طرح اسکی بدصورتی بھی ذاتی نہیں ہے' حسن کبھی پائدار نہیں ہوتا۔ ہر وقت یہ فکر لگا رہتا ہے کہ کہیں چیچک' زخم یا کسی اور مرض کی بنا پر زائل نہ ہو جائے۔ اس طرح کی بدصورتی کے واقعات دن رات پیش آتے ہیں۔

تیسرا سبب قوّت :- تکبر کا ایک سبب قوت بھی ہے۔ اس کا علاج یہ کہ جو امراض اور بیماریاں انسان پر مسلط کی گئی ہیں ان پر غور کرے' اس کا عجز کا نمونہ دیکھنا ہو تو اس وقت دیکھا جائے جب جسم کا کوئی چھوٹا سا عضو درد سے متأثر ہو جاتا ہے اور وہ تمام عاجزوں سے زیادہ عاجز اور تمام ذلیلوں سے زیادہ ذلیل بن جاتا ہے۔ آدمی کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ اگر مکھی اس سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اسے واپس نہیں لے پاتا۔ اگر مچھر یا چیونٹی جیسے معمولی کیڑے مکوڑے اسکے کان یا ناک میں داخل ہو جائیں تو اسے بے موت ماردیں اگر پاؤں میں یا جسم کے کسی حصے میں کوئی کانٹا چبھ جائے تو اسے چلنے سے عاجز کردے' ایک دن بخار سے اتنی قوت ضائع ہو جائے کہ برسوں کی غذا بھی اسکا تدارک نہ کرسکے۔ جو شخص ایک کانٹا برداشت نہ کرسکتا ہو' ایک مچھر کا مقابلہ نہ کرسکتا ہو یا

مکھی سے اپنا دفاع نہ کرسکتا ہو کیا اسے اپنی قوت پر نازاں ہونا چاہیئے۔ انسان کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو وہ گدھے، گائے، ہاتھی یا اونٹ سے زیادہ طاقتور نہیں ہوسکتا بھلا کسی ایسے وصف میں فخر کیا جاسکتا ہے جسمیں بہائم تم سے آگے ہوں؟۔

چوتھا اور پانچواں سبب۔ کثرتِ مال اور کثرتِ اعوان :- تکبّر کا ایک سبب دولت کی کثرت بھی ہے، اور ایک سبب یاروں اور مددگاروں کی کثرت ہے، اسی میں بادشاہوں کی طرف سے عطا کئے جانے والے مناصب پر تکبّر بھی شامل ہے، یہ تکبّر جمال اور قوت پر تکبر جیسا نہیں ہے، اس لئے کہ جمال اور قوت تو انسان میں داخل ہیں، جب کہ مالداری، اور کثرت یاراں ذات سے خارج ہیں۔ تکبّر کی یہ قسم انتہائی بُری ہے۔ جو شخص اپنے مال پر تکبّر کرتا ہے وہ گویا اپنے گھوڑے یا مکان پر تکبّر کرتا ہے، اب اگر اس کا گھوڑا مرجائے یا اس کا مکان منہدم ہوجائے تو تکبّر ختم ہوجائے گا اور ذلیل ہو کر رہ جائے گا۔ جو شخص بادشاہوں سے حکومت اور اعزاز پاکر تکبّر کرتا ہے وہ ذاتی اوصاف سے محروم ہے اور اس نے ایسے دل پر اعتماد کیا ہے جو ہانڈی سے بھی زیادہ جوش رکھتا ہے، بادشاہوں کا دل بہت جلد بدل جاتا ہے، جب وہ کسی سے بددل ہوتے ہیں تو اسے بدحال کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ جو شخص ایسی چیز پر تکبّر کرے جو اسکی ذات میں نہ ہو وہ بڑا جاہل ہے۔ مثلاً مالداری ایک ایسا وصف ہے جو ذات سے تعلق نہیں رکھتا پھر اگر دیکھا جائے تو یہود میں اس سے زیادہ مالدار اور ذی ثروت لوگ ہیں، لعنت ہے ایسے شرف پر جسمیں کفار اس سے آگے ہوں، اور تُف ہے ایسی فضیلت پر جسے چور ایک لمحے میں چھین سکتے ہوں، اور ذی ثروت کو ذلیل اور محتاج بنا سکتے ہوں۔ بہرحال یہ اوصاف ذات میں داخل نہیں ہیں۔ اور جو اوصاف ذاتی نہیں ہوتے وہ دائمی بھی نہیں ہوتے، بلکہ آخرت میں وبال اور باعث عذاب بن جاتے ہیں، ان اوصاف پر فخر کرنا انتہائی جہالت ہے پھر یہ بات بھی ہے کہ جو چیزیں آدمی کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں جس نے یہ اوصاف عطا کئے ہیں، اگر وہ چاہے تو انھیں تیرے لئے باقی رکھے اور چاہے تو سلب کرلے۔ تم صرف مملوک غلام ہو، تمہیں کسی چیز پر قدرت نہیں ہے۔ جو شخص ان حقائق سے واقف ہے وہ ہرگز تکبّر نہیں کرسکتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی غافل انسان اپنی قوت، حسن، مال، آزادی، خودمختاری، مکانات کی وُسعت، گھوڑوں اور غلاموں کی کثرت پر خوش ہو کہ اچانک دو ثقہ گواہ منصف مزاج حاکم کی عدالت میں حاضر ہوں اور یہ گواہی دیں کہ فلاں شخص فلاں آدمی کا غلام ہے۔ اس کے والدین بھی غلام تھے، حاکم ان کی گواہی پر غلامی کا فیصلہ کردے تو مالک آئے گا اسے بھی لے جائے گا اور اسکا تمام مال و متاع بھی اپنی ملکیت میں شامل کرلے گا۔ اپنا تمام کچھ کھونے کے باوجود بھی وہ شخص اس خوف میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں آقا اس کوتاہی پر، اور مالک کے مال میں بیجا تصرف پر سزا نہ دے۔ پھر سزا ملے تو ایسی کہ اسے کسی تنگ و تاریک مکان میں قید کردیا جائے جہاں سانپ، بچھو اور دوسرے اذیت دینے والے حشراتِ اَرض ہوں، وہ ہر لمحے جان کی ہلاکت کے اندیشے میں ہے، نہ اپنی جان کا مالک ہے نہ مال کا اختیار ہے، اور نہ نجات کی کسی تدبیر سے واقف ہے۔ کیا تمہارے خیال میں ایسا شخص جس کا یہ حال ہو اپنی قدرت، دولت، قوت اور کمال پر فخر کرے گا، یا اپنے نفس کو ذلیل سمجھے گا ہر عقلمند اور بصیرت انسان کا یہی حال ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہو کہ نہ میں اپنا مالک ہوں، نہ اپنے بدن اور اعضاء کا اور نہ اپنے مال کا۔ اس کے باوجود بھی وہ آفتوں، شہوتوں، مصیبتوں اور بیماریوں میں گھرا ہوا ہے جو بلا شبہ دنیاوی قید خانے کے سانپ اور بچھو ہیں، اور جن سے ہروقت ہلاکت کا خوف رہتا ہے۔

ان اسباب کے تکبّر کا جو انسان کی ذات سے خارج ہوں یہی طریقۂ علاج ہے۔ اور یہ علم و عمل پر تکبّر کرنے کے علاج کی بہ نسبت سہل ہے، کیوں کہ علم اور عمل دو ایسے کمال ہیں جو نفس میں ہوتے ہیں اور نفس کا ان پر خوش ہونا ایک اعتبار سے صحیح بھی ہے۔ اگرچہ یہ بھی جہالت ہی ہے کہ آدمی اپنے علم و عمل پر تکبّر کرے، جب کہ نفس کو یہ دونوں کمال بھی باری تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا کئے ہوئے ہیں۔

چھٹا سبب علم پر کبر :- علم پر مغرور ہونا ایک عظیم آفت ہے اور ایک انتہائی سنگین مرض ہے، بسا اوقات اس کا علاج انتہائی

مشکل ہو جاتا ہے اور اس مرض کے ازالے کے لئے زبردست محنت اور جدّوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کی قدر جس طرح اللہ کے یہاں عظیم ہے اسی طرح بندوں کے نزدیک بھی عظیم ہے۔ علم کے مقابلے میں مال و جمال کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ علم و عمل کے نور سے ان کو بھی منزلت ملتی ہے۔ کعب ابن احبارؓ فرماتے ہیں کہ مال کی طرح علم بھی سرکش ہوتا ہے، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ عالم کی لغزش سے ایک عالم گمراہ ہوتا ہے۔ شریعت میں علم کے اِسقدر فضائل وارد ہیں کہ عالم کے بارے میں یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے آپکو بڑا نہ سمجھے اور جاہل کے مقابلے میں بلند مرتبے نہ جانے۔

علم پر کبر کا علاج یہ ہیکہ عالم ان دو باتوں پر غور کرے، ایک تو یہ کہ اہلِ علم پر اللہ کی حجت زیادہ مکمل اور مؤکد ہے، نیز جاہل سے اتنا برداشت کیا جاسکتا ہے کہ عالم سے اسکا دسواں حصہ بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ کیوں کہ جو شخص علم و معرفت کے بعد اللہ کی نافرمانی کرتا ہے وہ بدترین گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، اور وہ بدترین گناہ یہ ہے کہ اس نے اللہ کی عطا کردہ نعمت علم میں اس کا حق ادا نہیں کیا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

يُؤْتٰى بِالْعَالِمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهٗ فَيَدُوْرُ بِهَا كَمَا يَدُوْرُ الْحِمَارُ بِالرَّحٰى فَيَطِيْفُ بِهٖ اَهْلُ النَّارِ فَيَقُوْلُوْنَ مَالَكَ فَيَقُوْلُ كُنْتُ آمُرُ بِالْخَيْرِ وَلَا آتِيْهِ وَاَنْهٰى عَنِ الشَّرِّ وَآتِيْهِ (بخاری و مسلم۔ اُسامہ ابن زیدؓ)

قیامت کے روز عالم کو لایا جائے گا اور اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا، اس کی آنتیں نکل پڑیں گی اور اسے ایسا گھمائیں گی جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ اہلِ دوزخ اس کے گرد جمع ہوں گے اور اس سے پوچھیں گے کہ تجھے کس گناہ کی سزا ملی وہ جواب دے گا کہ میں خیر کا حکم دیتا تھا اور اس پر عمل نہیں کرتا تھا۔ اور شر سے روکتا تھا اور خود شر پر عمل کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے بے عمل عالِم کو گدھے اور کتّے سے تشبیہ دی ہے۔ ارشاد ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا (پ ۲۸ ر ۱۱ آیت ۵)

جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا انکی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔

اس آیت میں علمائے یہود مراد ہیں۔ بلعم ابن باعوراء کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا (پ ۹ ر ۱۲ آیت ۱۷۵)

اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا۔

یہ بھی فرمایا۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ (پ ۹ ر ۱۲ آیت ۱۷۶)

سو اس کی حالت کُتّے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ بلعم ابن باعوراء کو کتاب عطا کی گئی تھی، مگر اس نے دُنیاوی شہوتوں کو ترجیح دی، اللہ نے اسے کُتّے سے تشبیہ دی ہے جو ہر حال میں ہانپتا ہے، بلعم بھی کُتا ہی تھا چاہے اس پر حکمت کے خزانے لادے دئے جاتے یا نہ لادے جاتے۔ وہ کسی صورت میں شہوات سے دست کش نہ ہوتا۔ عالم کے لئے یہی خطرہ سب سے بڑا ہے کہ اس سے باز پُرس زیادہ

ہوگی۔ کون سا عالم ایسا نہیں جس نے نیکی کا حکم کیا اور خود اس نیکی سے محروم رہا جو عالم اپنے آپ کو جاہل سے برتر سمجھتا ہے اسے یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اگرچہ میرا مرتبہ جاہل سے بلند ہے لیکن اسی نسبت سے مجھے خطرات بھی زیادہ ہیں۔ ایسے عالم کی مثال اس بادشاہ کی سی ہے جسے ملک میں بے شمار دشمنوں کا سامنا ہو' اور قدم قدم پر ہلاکت کا خوف ہو' اب اگر اسے گرفتار کرلیا جائے اور ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے تو وہ یہی خواہش کرے گا کہ کاش میں بادشاہ کی بجائے فقیر ہوتا۔ اسی طرح بہت سے علماء قیامت کے روز ایسی سلامتی کی تمنّا کریں گے جو جہلاء کو حاصل ہوگی۔ یہ خطرہ بجائے خود تکبّر کے لئے مانع ہے۔ اگر وہ دوزخی ہے تب تو خنزیر بھی اس سے بہتر ہے۔ کیا خنزیر ہونے پر تکبّر کرتا ہے' کیا عالم صحابیؓ سے بڑھ کر ہے۔ بعض صحابہؓ فرمایا کرتے تھے کاش میری ماں مجھے جنم نہ دیتی' ایک صحابیؓ نے زمین سے تنکہ اٹھا کر کہا کاش میں تنکہ ہوتا' ایک صحابیؓ ارشاد فرمایا کرتے تھے کاش میں پرندہ ہوتا اور لوگ مجھے کھا جاتے' ایک صحابیؓ کا ارشاد تھا کاش میں کوئی قابلِ ذکر چیز نہ ہوتا۔ صحابہؓ اس لئے یہ باتیں کرتے تھے کہ انھیں عاقبت کا خوف تھا' وہ اپنے آپ کو پرندوں اور مٹی سے بھی زیادہ بدتر سمجھتے۔ اگر آدمی آنے والے خطرے پر غور کرلیا کرے تو اس میں کبر کی رَمق بھی باقی نہ رہے اور یہ جانے کہ میں مخلوق میں سب سے بڑا آدمی ہوں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے غلام کو اس کے آقا نے چند کاموں کا حکم دیا ہو اس نے وہ کام شروع تو کئے لیکن ان میں سے بعض کام چھوڑ دئے' بعض میں اور ناقص کردے' اور بعض انجام تو دئے لیکن یہ شک بھی کرتا رہا کہ آیا میں نے یہ کام اپنے آقا کی مرضی کے مطابق کئے ہیں یا نہیں؟ اسی اثناء میں اسے کسی مُخبر نے اطلاع دی کہ تیرے آقا نے تجھے بلوایا ہے وہ تجھے اس مال و متاع سے محروم کردیگا اور ذلیل کرکے نکال دے گا' وہ تجھے اپنے گھر کے باہر دروازے پر سخت دھوپ میں کھڑا رکھے گا' اور جب تو انتہائی پریشان اور مجبور ہوجائے گا تب تیرا حساب دیکھے گا' جو کام تو نے صحیح انجام نہیں دئے' یا قطعاً انجام نہیں دئے ان کاموں سے متعلق بازپُرس کرے گا' اور سزا کا فیصلہ سنائے گا' پھر تجھے ایک تیرہ و تار قید خانے میں قید کردیا جائے گا' وہاں تو ہمیشہ عذاب میں رہے گا' اور ذرا راحت نہ پائے گا' وہ غلام بھی یہ بات جانتا ہے کہ میرے آقا نے اپنے بہت سے غلاموں کیساتھ یہی سلوک کیا ہے' اگرچہ بعض غلاموں کو معاف بھی کیا ہے۔ لیکن وہ یہ بات نہیں جانتا کہ میں غلاموں کے کس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں' ان لوگوں سے جو سخت عذاب میں گرفتار ہیں یا ان لوگوں سے جنھیں معافی کا پروانہ عطا کیا گیا ہے۔ اس حقیقت پر غور کرنے سے نفس منکسر رہیگا۔ غرور و پندار کا جھوٹا بُت ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا' وہ خود اپنی نظروں میں حقیر ہوجائیگا' غم اور خوف اس کے دل و دماغ پر مسلّط ہوجائیں گے' اور وہ مخلوق میں سے کسی ادنیٰ فرد پر بھی غرور نہ کرسکے گا' بلکہ ہر ایک کے ساتھ تواضع سے پیش آئے گا اس امید پر کہ عذاب کے وقت کہیں یہی شخص میرا سفارشی نہ ہو۔ عالِم کے لئے غور و فکر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اگر وہ یہ دیکھے کہ اسنے گناہوں کا اِرتکاب کرکے اپنے رب کے احکام کی کس قدر خلاف ورزی کی ہے۔ نہ صرف ظاہری اعضاء کو گناہ کا ذریعہ بنایا' بلکہ باطن بھی ریاء' کینہ' حسد' خودپسندی' اور نفاق وغیرہ جیسے گناہوں کا مرکز بنا رہا۔ بظاہر انجام بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ خیال یہی ہے کہ اگر عالم اس نہج سے سوچے گا تو وہ کبر کی غلامی سے آزاد ہوجائے گا۔

دوسری بات جو عالم کے سوچنے کی ہے وہ یہ ہے کہ کبر صرف اللہ تعالیٰ کو زیب دیتا ہے اور اسی کی شان کے لائق ہے' اگر وہ کبر کرے گا تو اللہ کی ناراضگی کا مستحق ٹھہرے گا اور اس کا مبغوض بندہ قرار پائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے تواضع چاہتے ہیں' ارشادِ باری ہے کہ میرے یہاں تیری قدر اسی وقت ہے جب تک تیرے دل میں اپنی قدر نہیں ہے' اور اگر تو نے اپنی قدر جانی تو میرے نزدیک کوئی قدر نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ عالم کو اپنے نفس سے وہی کام لینے چاہئیں جو اللہ کو پسند ہوں' اس حقیقت پر غور کرنے سے بھی کبر کا اِزالہ متوقع ہے۔ اگرچہ عالم کو یہ یقین ہی کیوں نہ ہو کہ اسنے کوئی گناہ کیا' یا یہ تصوّر ہو کہ مجھ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوگا تب بھی دل سے کبر کی تاریکی دُور ہوجائے گی اسی طرح کے غور و فکر اور نظر و تأمّل سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ کا تکبّر دور ہوا۔ انھیں یقین تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ردائے عظمت میں منازعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے توڑ دیتا ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ اپنے نفسوں کو حقیر جانو تاکہ اللہ کے یہاں تمہارا مقام بلند ہو۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ عالم اور عابد بدعتی اور فاسق کے لئے تواضع کیسے کرے اور ان کی بہ نسبت اپنے آپ کو کم تر کیسے سمجھے' اللہ تعالیٰ کے یہاں جو مرتبہ علم و عبادت کا ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور کیسے ممکن ہے کہ اس کے دل پر علم کا خطرہ تو گزرے اور بدعت و فسق کا خطرہ نہ گزرے جو علم کے خطرے سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خاتمے کے خطرے پر غور کرنے سے تمام غیر ممکن چیزیں ممکن بن سکتی ہیں۔ یہ تو فسق اور بدعت کی بات ہوئی' اس لحاظ سے تو کافر کو دیکھ کر بھی تواضع کرنی چاہیئے' اس خیال سے کہ یہ کافر بھی کبھی مسلمان ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کافر کا خاتمہ ایمان پر ہو' اور اس عالم کا خاتمہ کفر پر ہو' بڑا حقیقت میں وہی ہے جو اللہ کے یہاں بڑا ہو' ورنہ دوزخی سے تو کتے اور خنزیر بدرجہا بہتر ہیں۔ بہت سے مسلمان ایسے ہیں جنھوں نے اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر ابن الخطاب کو حقارت کے نظر سے دیکھا' پھر جب حضرت عمرؓ کو اللہ نے اسلام لانے کی توفیق بخشی تو وہ حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ تمام مسلمانوں پر فائق ہوگئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انجام کی کسی کو خبر نہیں' انجام صرف عقلمندوں کے پیش نظر رہتا ہے' دنیا کی تمام فضیلتوں کا منشاء آخرت ہے' اس لئے بندے کا حق یہ ہے کہ وہ کسی پر تکبر نہ کرے۔ بلکہ اگر کسی جاہل کو دیکھے تو دل میں یہ کہے کہ اُسنے جہالت سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی' اور میں جانتے بوجھتے ہوئے نافرمانی کرتا ہوں اسلئے وہ مجھ سے زیادہ معذور ہے' اور عالم کو دیکھے تو یہ کہے کہ یہ شخص مجھ سے زیادہ پڑھا لکھا ہے اس لئے میں کب اس کا مقابلہ کرسکتا ہوں۔ اور اگر اپنی عمر سے بڑے کسی شخص کو دیکھے تو کہے کہ اس نے مجھ سے پہلے اللہ کی اطاعت کی ہے اس لئے میں کب اس کی برابری کرسکتا ہوں اور چھوٹے کو دیکھے تو کہے کہ میں نے اس سے پہلے اللہ کی نافرمانی کی ہے' اسلئے میں کب اسکے برابر ہو سکتا ہوں۔ کسی کافر یا بدعتی کو دیکھے تو کہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا خاتمہ اسلام پر ہو' اور میرا خاتمہ اس مذہب پر جس پر یہ لوگ ہیں۔ کیوں کہ جس طرح ہدایت کی ابتدا میرے اختیار میں نہیں تھی اسی طرح اسے دائمی رکھنا بھی میرے اختیار میں نہیں ہے' حاصل یہ کہ آدمی کو اپنے خاتمے کی فکر سے کبر دور کرنا چاہیئے' اور جاننا چاہیئے کہ کہ آدمی کا کمال یہی ہے کہ آخرت کی سعادت اور اللہ کا تقرب حاصل کرے۔ دنیا کی چیزوں میں جنھیں دوام وبقا نہیں ہے کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ مانا کہ متکبّر اور متکبَّرعلیہ دونوں ہی کو خاتمے کا خطرہ لاحق ہے لیکن ان میں سے ہر شخص پر یہ بات لازم ہے کہ وہ اپنے نفس کو عاقبت کے خوف میں مشغول رکھے' تاکہ ایسی چیزوں کے خوف اور اندیشوں میں جو عاقبت سے تعلق نہیں رکھتیں' مشغول رہنا حماقت ہے۔ اسلئے کہ خائف انسان انتہائی بدظن ہوتا ہے اور ہر شخص کو اپنی ہی جان کا زیادہ خوف ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے چند لوگوں کو کسی ایک جرم میں قید کردیا جائے اور ان کی گردن مارنے کا حکم دیا جائے' انھیں یقیناً ایک دوسرے پر تکبر کرنے کی فرصت نہیں ہوگی' خطرہ اور فکر سب کو برابر ہے' لیکن ہر شخص کو اپنی جان کا خوف دوسرے کی طرف توجہ نہیں کرنے دیتا۔ گویا ساری مصیبت ایک ہی شخص پر ٹوٹی ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں اہلِ بدعت اور اہلِ فسق سے اللہ کے لئے بغض رکھنے کا حکم دیا گیا ہے' اور تمہاری اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ ان کے ساتھ تواضع کرنی چاہیئے۔ ان دونوں باتوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ یہ امر اکثر لوگوں پر مشتبہ ہے' کیوں کہ خدا کے لئے بدعت و فسق کے انکار کے ساتھ کبرِ نفس' غرورِ علم' اور پندارِ تقویٰ بھی شامل ہوجاتا ہے' بہت سے جاہل عابد اور مغرور عالم ایسے دیکھے گئے ہیں کہ اپنے برابر کسی فاسق کا بیٹھنا پسند نہیں کرتے' بلکہ اگر کوئی فاسق انکے قریب آکر بیٹھ جاتا ہے تو اسے اٹھا دیتے ہیں یا خود الگ ہٹ جاتے ہیں یہ باطن کا کبر ہے۔ حالانکہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ میری یہ نفرت اللہ کے لئے ہے۔ بنی اسرائیل کے عابد اور فسادی کا قصہ گزر چکا ہے۔ اس امر کے مشتبہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک آدمی پر تکبر کرنا ظاہر ہے کہ برا ہے' اور اس سے بچنا بھی ممکن ہے۔ لیکن فاسق اور مبتدع پر تکبر کرنا اللہ کے لئے غضب کے مشابہ ہے اور اللہ کے لئے تکبر کرنا اچھا ہے۔ لیکن غصہ کرنے والا فاسق پر تکبر بھی کرتا ہے۔ اور متکبّر غصہ کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تکبر اور غصہ دونوں لازم و ملزوم ہیں' اور ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر مشابہ ہیں کہ سوائے اہلِ توفیق کے کوئی دوسرا ان میں امتیاز نہیں کرسکتا۔

اس مشکل سے نجات پانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ جب تم کسی بدعتی یا فاسق کو دیکھو یا ان سے خیر کے لئے کہو اور برائی

سے رو کو تو دل میں تین باتوں کا استحضار رکھو۔ ایک تو یہ کہ ان خطاؤں پر نظر رکھو جو تم سے سرزد ہو چکی ہیں' یہ اسلئے تاکہ تمہارا نفس تمہاری نظروں میں حقیر ہو جائے' دوسری یہ جن امور کی وجہ سے تمہیں ان پر فضیلت ہے یعنی علم و عمل' نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کی عادت ان کے بارے یہ بات یاد رکھو کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے عطا کی ہیں' مجھے اپنی قدرت' ارادے اور اختیار سے حاصل نہیں ہوئیں اس لئے مجھے ان نعمتوں کی بنیاد پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا حق نہیں ہے' جب تم اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھو گے تو دوسروں پر تکبر بھی نہیں کرو گے' تیسری یہ کہ اپنے اور انکے انجام پر نظر رکھو ظاہر ہے نہ تمہیں اپنا انجام معلوم ہے' اور نہ فاسق و بدعتی کو اپنے انجام کی خبر ہے۔ ہو سکتا ہے تمہارا انجام خراب ہو' اور فاسق و بدعتی کا انجام اچھا ہو۔

رہا یہ سوال کہ اگر آدمی ان تین باتوں کا دھیان رکھے گا تو فاسق و بدعتی پر غصہ کیسے کرے گا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ تمہیں اپنے آقا و مولا کیلئے غصہ کرنا چاہئیے اس نے تمہیں اپنے لئے غصہ کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ اپنے نفس کے لئے غصہ کرنا چاہئیے' پھر غصے میں یہ بھی مت سمجھو کہ میں نجات پا جاؤں گا اور فاسق ہلاک ہو جائے گا' بلکہ اپنے نفس پر ان مخفی گناہوں سے زیادہ ڈرو جو اللہ کے علم میں ہیں' اس شخص پر اتنا خوف نہ کرو' یہ بات ہم ایک مثال کے ذریعے سمجھاتے ہیں کہ اللہ کے لئے غصہ کرنے کا مطلب ہرگز نہیں کہ تم مغضوب علیہ پر تکبر بھی کرو' اور خود کو اس پر فائق تصور کرو' مثال یہ ہے کہ اگر بادشاہ کے پاس ایک غلام اور ایک بیٹا ہو' اور وہ غلام کو اس کی تعلیم و تربیت کا حکم دے' اور اس بات کی اجازت بھی دے کہ اگر بچہ غلطی کرے تو اسے سزا دینے یا مارنے میں میرا خیال نہ کرے۔ بلکہ اسے لائق انسان بنانے کے لئے سختی سے کام لے' اگر غلام کو اپنے آقا سے محبت ہوگی' اور اسکا فرمانبردار ہو گا تو لڑکے کی بے ادبی یا غیر شائستگی پر سزا ضرور دے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک طرف تو وہ اپنے آقا کی محبت و اطاعت کا مدعی ہو' اور دوسری طرف لڑکے کی بے ادبی برداشت کرتا ہو۔ ظاہر ہے ایسا شخص اگر بادشاہ زادے کو زدو کوب کرے گا تو یہ اپنے نفس کی خاطر نہیں ہو گا بلکہ اپنے آقا کے لئے ہو گا' کیوں کہ اُسنے حکم دیا ہے' اور اس حکم کی تعمیل اسکے لئے تقرب کا ذریعہ ہے۔ غلام شاہزادے کو اس کی نافرمانی اور بدتمیزی پر مارتا ضرور ہے' لیکن اس پر تکبر نہیں کرتا' بلکہ دل سے اسکے لئے متواضع رہتا ہے' اور یہ جانتا ہے کہ بادشاہ کے یہاں شاہزادے کی جو قدر ہے وہ میری نہیں ہے' کیوں کہ بیٹا نوکر سے زیادہ عزیز اور محبوب ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر غصے کا لازمی نتیجہ نہیں ہے' یہی رویّہ فسّاق و فجّار کے ساتھ تمہارا ہو سکتا ہے' خاص طور پر اس وقت جب کہ تمہیں آخرت میں اپنی بلندی کا کامل یقین نہیں ہے بلکہ تم یہ سمجھتے ہو کہ آخرت میں دونوں برابر بھی ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تقدیرِ اَزلی نے تمہارا درجہ کم کر دیا ہو اور اسکا بڑھا دیا ہو۔ ان پر غصہ اسلئے کرنا چاہئیے کہ خدا نے غصہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ اللہ کی محبت کا تقاضا ہے جو امور اسکی مرضی کے خلاف پیش آئیں ان پر غصہ کرے' اور یہ سوچ کر ان کیساتھ متواضع رہے کہ حکم اَزلی سے انکا مرتبہ مجھ سے بڑھ سکتا ہے' اور وہ آخرت میں زیادہ قربت حاصل کر سکتے ہیں' اہلِ بصیرت علماء کا نفس ایسا ہی ہوتا ہے۔ ان کے غصے میں خوف اور تواضع کا اِمتزاج رہتا ہے مغرور کا معاملہ برعکس ہے' وہ تکبر کرتا ہے' اور اپنے لئے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ توقع رکھتا ہے' اور انجام کے حال سے بے خبر ہے۔ یہ مغرور کی انتہا ہے۔

ساتواں سبب تقویٰ پر تکبر:۔ بندوں کے لئے طاعت و عبادت پر تکبر کرنا بھی ایک زبردست فتنہ ہے اور طریقۂ علاج یہ ہے کہ اپنے دل میں تمام مخلوق کے لئے تواضع لازم کر لے اور یہ جانے کہ جو شخص علم کی وجہ سے اس پر فضیلت رکھتا ہے مجھے اس پر تکبر نہیں کرنا چاہئیے' خواہ وہ عمل میں کیسا ہی کیوں نہ ہو' علم کے بڑے فضائل ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (پ ۲۳ ر ۱۵ آیت ۸)

آپ کہئیے کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَى رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِي (ترمذی۔ ابوامامہ)

عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت کسی ادنیٰ صحابی پر۔
اسکے علاوہ بھی بہت سی آیات اور احادیث علم کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔ اگر عابد یہ کہے کہ یہ آیات عالم باعمل کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں عالم' فاجر کی فضیلت میں نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارے پیش نظر یہ آیت نہیں ہے۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (پ ۱۲ ر ۱۰ آیت ۱۱۴)

بے شک نیک کام مٹادیتے ہیں بُرے کاموں کو۔

جس طرح یہ ممکن ہے کہ علم کی بناپر عالم سے باز پُرس ہو' اسیطرح یہ بھی ممکن ہے کہ علم اس عالم کے لئے وسیلۂ نجات اور کفارۂ ذنوب بن جائے۔ جیسا کہ روایات سے ان دونوں باتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ کیوں کہ عابد کو یہ بات معلوم نہیں کہ عالم کے ساتھ کیسا سلوک ہوگا' باز پُرس ہوگی یا نجات ملے گی' اس لئے عابد کے لئے جائز نہیں کہ وہ عالم کی تحقیر کرے' بلکہ اس پر عالم کے تئیں متواضع رہنا واجب ہے' یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسطرح تو اہل علم کو عابدوں پر برتر رہنے اور تکبّر کرنے کا موقع دیا جارہا ہے' کیوں کہ علم عبادت سے افضل ہے جیسا کہ حدیث شریف سے ثابت ہوا ہے' ہم یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ حدیث کی رو سے عالم کی فضیلت ثابت ہوئی ہے۔ لیکن اس لحاظ سے کہ خاتمہ مشکوک ہے اور اس کا امکان بھی ہے کہ عالم موت کے وقت ایسا ہوجائے کہ اس کا ایک گناہ فاسق کے تمام فِسق و فجور کے مقابلے میں بھاری رہے اور وہ اسے اپنے گمان میں ہلکا سمجھتا ہو' حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بڑا ہو' کیا اس صورت میں بھی عالم کو برتری کا احساس ہونا چاہیئے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جس طرح عابدوں کو عالموں پر تکبّر نہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرح عالموں کو بھی تکبّر سے بچنا چاہیئے بلکہ دونوں کو اپنے نفس پر خائف رہنا چاہیئے' آدمی کو اپنے نفس کا نگراں' اور اس کی صحیح تربیت کا مکلّف قرار دیا گیا' اس لے مناسب یہ کہ ہر شخص پر اپنے نفس کا خوف غالب رہے' اور دوسرے کے حق میں رجاء غالب رہے' یہ حال عابد کا عالم کے ساتھ رہے۔ عابد غیر عالم پر بھی تکبّر کرتا ہے' غیر عالم کی کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ جس کا حال مستور ہو' اور دوسرا وہ جس کا حال منکشف ہو' جن لوگوں کا حال اس پر منکشف نہیں ان پر تکبر کرنا کسی بھی طرح مناسب نہیں ہے' شائد ان کے گناہ اس سے کم ہوں' عبادت میں اس سے زیادہ اور اللہ کی محبت میں اس سے آگے ہوں۔ اسی طرح جن لوگوں کا حال منکشف ہو ان پر بھی تکبّر نہ کرنا چاہیئے' الّا یہ کہ ان تمام زندگی کے گناہ اسکی تمام زندگی کے گناہوں سے زیادہ ہوں' اور جب تک وہ زندہ ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کس کے گناہ زیادہ ہوں گے' ہوسکتا ہے عابد کا ایک ہی گناہ اتنا بڑا ہو کہ مکشوف الحال کے تمام گناہوں سے بڑھ جائے۔ اور اگر عابد کہے کہ فلاں شخص کے گناہ بڑے ہیں مثلاً وہ زانی' شرابی' یا قاتل ہے' تب بھی اس پر تکبّر نہ کرنا چاہیئے' اسلئے کہ دل کے گناہ بھی کچھ کم نہیں ہوتے' مثلاً ریاء' حسد' فریب' باطل کا اعتقاد' اللہ تعالیٰ کی صفات میں وسوسہ وغیرہ وہ گناہ ہیں جو اللہ کے نزدیک انتہائی سخت ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ظاہری جوارح سے عبادت کرتا ہے لیکن اسکے دل میں کچھ ایسے مخفی گناہ پیدا ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے اللہ کے یہاں مبغوض بن جاتا ہے' اور آدمی بظاہر فِسق میں مبتلا رہتا ہے لیکن اس کے دل میں اللہ کی محبت' اخلاص' خوف' اور تعظیم کے چراغ روشن ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ اسکے دل کی حالت کو اسکے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، انجام قیامت کے دن سامنے آئے گا۔ جب بہت سے کھلے فاسق بہت سے عابدوں سے بدرجہا بلند ہوں گے، ایسا ممکن ہے اور ان امور میں امکانِ بعید بھی امکان قریب ہونا چاہیئے، بشرطیکہ تمہیں اپنے نفس کا خوف ہو، عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان باتوں پر غور نہ کرو، جو غیر کے حق میں ممکن ہیں، بلکہ ان امور پر غور کرو جو تمہارے حق میں باعث تشویش ہیں' اسلئے کہ ہر شخص خود اپنے گناہ کی سزا بھگتتا ہے نیز ایک کے عذاب سے دوسرے کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی۔ اگر تم نے یہ طریقہ اختیار کیا تو یہ یقین ہے کہ تکبّر کے قریب بھی نہ پھٹکو گے' اور اپنے آپ کو بھی' دوسرے سے بڑا تصوّر نہیں کروگے۔ حضرت وہب ابن منبہ کہتے ہیں کہ بندے کی عقل اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک اس میں دس خصلتیں نہ ہوں۔ انھوں نے نو خصلتیں شمار کرائیں دسویں خصلت پر پہنچے تو فرمایا دسویں خصلت کیا ہے؟ دسویں خصلت سے بزرگی میں اضافہ ہوتا ہے' اور بول بالا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تمام انسانوں کو اپنے سے بہتر سمجھو' آدمی دو طرح کے ہیں' کچھ وہ ہیں جو

تم سے افضل و اعلیٰ ہیں' اور کچھ وہ ہیں جو تم سے کم تر و ادنیٰ ہیں' تمہیں ان دونوں گروہوں کے ساتھ تواضع کرنی چاہیئے۔ اگر کوئی شخص تم سے بہتر ہو تو اس سے مل کر خوش ہو' اور یہ تمنا کروں کہ اللہ تمہیں بھی ایسا ہی بنادے' اور اگر کوئی شخص تم سے برا ہو تو یہ سوچو کہ شائد یہ شخص نجات پاجائے اور میں ہلاک ہوجاؤں۔ شائد یہ باطن میں اچھا کام کرتا ہو جو اس کے حق میں خیر ہو' یا اس میں کوئی اچھی عادت ہو جس کی وجہ سے اللہ اس پر رحم کرے' اسکی توبہ قبول فرمائے' اور حسنِ عمل کے ساتھ اس کا خاتمہ فرمائے۔ میری نیکی ظاہری ہے' یہ میرے حق میں اچھی نہیں ہے' بلکہ مجھے خطرہ ہے کہ میری اس ظاہری عبادت میں آفات نہ ہوں جن سے اس عبادت کا ثواب ضائع ہوجائے۔ فریقین کے ساتھ اس طرح پیش آنے کے بعد ہی عقل کامل ہوگی' اور زمانے کی قیادت کا مستحق ہوگا۔

بہرحال جسے یہ خیال ہو کہ وہ بدبخت ہو سکتا ہے' اور کاتبِ تقدیر نے اسکی قسمت میں شقاوت لکھ دی ہے اسے ہرگز تکبّر نہ کرنا چاہیئے' بلکہ اگر اس پر خوف غالب ہو تو ہر شخص کو اپنے سے بہتر سمجھنا چاہیئے' یہی فضیلت ہے۔ چنانچہ کسی عابد کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پہاڑ کی سمت محو سفر تھا اسے خواب میں حکم دیا گیا کہ فلاں جفت ساز کے پاس جاؤ اور اس سے اپنے لئے دعا کراؤ۔ عابد اس کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تیرا کیا عمل ہے' جس کی وجہ سے تجھے مستجابُ الدّعوات بنایا گیا۔ اس نے کہا کہ میں دن کو روزے رکھتا ہوں اور اسی حالت میں مزدوری کرتا ہوں' جو کماتا ہوں اسمیں سے کچھ خیرات کرتا ہوں' اور کچھ بیوی بچوں کو کھلاتا ہوں' عابد پھر آیا' اور کہنے لگا کہ یہ عمل تو اچھا ہے' لیکن ایسا تو نہیں کہ سوائے عبادتِ الٰہی کے کچھ نہ کرتے ہو' ایسے لوگ بھی ہیں جو صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں' اس کے علاوہ ان کا کوئی دوسرا مشغلہ نہیں ہے' اس کے بعد پھر خواب میں عابد کو حکم ہوا کہ جفت ساز کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ تمہارا رنگ زرد کیوں ہے؟ اُسنے کہا کہ جو شخص بھی مجھے نظر آتا ہے میں اسے دیکھ کر یہی سمجھتا ہوں کہ اس کی نجات ہوجائے گی اور میں ہلاک ہوجاؤں گا' عابد نے دل میں سوچا یہ شخص اسی بناء پر مقبول ہے۔

خوف و خشیت کی فضیلت قرآنِ کریم میں بھی وارد ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا۔

يُؤْتُونَ مَآ اٰتَوا وَّ قُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (پ ۱۸ ر ۴ آیت ۶۰)

اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں (باوجود دینے کے) ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔

یعنی عبادت تو کرتے ہیں' لیکن انھیں یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں بارگاہِ الٰہی میں یہ عبادتیں قبول نہ ہوں۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ (پ ۱۸ ر ۴ آیت ۵۷)

اسمیں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

فرمایا۔

اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ (پ ۲۷ ر ۳ آیت ۲۶)

ہم تو اس سے اپنے گھر (دنیا میں انجام کار) بہت ڈرا کرتے تھے۔

فرشتے معصوم اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں' لیکن انھیں بھی خوف سے مفرّ نہیں' قرآن کریم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ○ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ (پ ۱۷ ر ۲ آیت ۲۰-۲۸)

شب و روز (اللہ کی) تسبیح کرتے ہیں' (کسی وقت) موقوف نہیں کرتے۔ اور وہ سب اللہ تعالی کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔

خوف کا نہ ہونا ہی کبر کا محرّک ہے' خاتمے کیوقت تمام بے خوفی دھری رہ جائے گی' تکبّر کرنا بے خوفی کی علامت ہے' بے خوفی اور کبر دونوں ہی ہلاکت کا باعث ہیں۔ اور تواضع خوف کی دلیل ہے جو نجاست کا سبب ہے۔ عابد کو جس قدر نقصان کبر اور لوگوں کی تحقیر و تذلیل سے ہوتا ہے اتنا فائدہ ظاہری اعمال و اطاعت سے نہیں ہوتا۔

یہ ہیں وہ معارف جن سے کبر کا علاج کیا جاسکتا ہے' تاہم بعض انسانی نفوس اس معرفت کے بعد بھی تواضع پوشیدہ رکھتے ہیں' اور کبر سے برأت کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں اگرچہ وہ حقیقت میں جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ جب کوئی محرّک سامنے آتا ہے تو طبیعت اپنے سابقہ وصف پر آجاتی ہے' اور وعدہ فراموش کردیتی ہیں' ایسے لوگوں کے لئے محض معرفت کافی نہیں ہے' بلکہ عمل سے اس کی تکمیل بھی ضروری ہے۔ متواضعین کی صحیح آزمائش اس وقت ہوتی ہے جب نفس کے اندر کبر کا ہیجان ہو۔ آزمائش کی بات آئی تو ہم عرض کرتے ہیں کہ نفس کا پانچ طریقوں سے امتحان لیا جاتا ہے' اگرچہ امتحانات کے پانچ سے زیادہ طریقے ہیں۔

پہلا طریقہ:۔ یہ ہے کہ اسکا مناظرہ کسی موضوع پر اپنے کسی ہم عصر سے ہو' اس موقع پر اگر ہم عصر فریق کی زبان پر حق آجائے تو یہ لکھنا چاہیئے کہ اسے یہ بات گراں تو نہیں گزری' نیز کیا وہ اس حق کو فراخدلی کے ساتھ قبول کرنے پر آمادہ ہے' اور صحیح بات کہنے پر اس کا ممنون ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو سمجھنا چاہیئے اور نفس کے علاج میں مشغول ہونا چاہیئے پہلے علمی علاج کرے یعنی اسے اسکی خِسّت اور کمینگی یاد دلائے' موت کا وقت ملحوظ رکھے اور یہ سوچے کہ کبر اللہ کے سوا کسی کی شان کے لائق نہیں ہے' عملی علاج اس طرح کرے کہ نفس کو حق قبول کرنے پر زبردستی آمادہ کرے' اور زبان سے بتکلف اپنے مقابل کی تعریف کرے اور حق بات بتلانے پر اس کا شکر گزار ہو' اسے یہ باور کرائے کہ جس بات سے غافل تھا تم نے وہ بات واضح کی ہے' اللہ تعالیٰ تمہیں بہتر اجر عطا فرمائے۔ حکمت مؤمن کا گم شدہ خزانہ ہے' جس شخص کی نشاندہی سے یہ خزانہ بازیافت ہو اس کا شکر گزار ہونا بھی ایمان کا ایک اہم وصف ہے۔ چند مرتبہ اس طرح امور مواظبت کرنے سے پہلے طبیعت قبولِ حق کی عادی ہو جائے گی' اور ہم عصروں کی تعریف گراں گزرتی ہے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ کبر کی خباثت نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اگر صورت حال یہ ہو کہ مقابل ہم عصر کی تعریف مجمع عام میں گراں گزرتی ہو' تنہائی میں گراں نہ گزرتی ہو تو یہ ریا ہے' ایسے شخص کو ریا کا علاج کرنا چاہیئے جیسا کہ ہم نے پہلے یہ بات لکھی ہے کہ لوگوں سے طمع منقطع کردے' اور دل کو یہ بات یاد دلائے کہ اس کا نفع ایسے کمال میں ہے جو اللہ کے یہاں پسندیدہ ہو' مخلوق کے نزدیک کسی وصف کے اچھے یا بُرے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ریا کے علاج میں ہم نے اسی طرح کی کچھ اور باتیں بھی لکھی ہیں ان پر نظر ڈالے' اور اگر مقابل ہم عصر کی تعریف تنہائی اور مجمع دونوں میں گراں گزرتی ہو تو ایسے شخص میں کبر اور ریا دونوں پائے جاتے ہیں۔ یہاں صرف ایک مرض کا علاج کافی نہیں ہے' جب تک دونوں سے نجات حاصل نہ ہو کوئی فائدہ نہ ہو گا' اس لئے دونوں مرضوں کا علاج ضروری ہے' کیوں کہ دونوں مرض مُہلک ہیں۔

دوسرا طریقہ:۔ یہ ہے کہ اپنے برابر والوں کے ساتھ محفلوں اور مجلسوں میں شریک ہو' انھیں اپنے اوپر ترجیح دے' ان کے پیچھے پیچھے چلے' مسندِ صدارت پر دوسروں کو بٹھائے' خود ان سے نیچے کی نشست پر بیٹھے' اگر نفس پر یہ اعمال گراں گزرتے ہوں تو یہ تکبّر ہے' نفس کو بتکلف ان اعمال پر آمادہ کرے تاکہ طبیعت انکی عادی ہو جائے' اور کسی قسم کی گرانی باقی نہ رہے' ایسے مواقع پر بھی شیطان اپنے فریب سے باز نہیں آتا مثلاً آدمی محفل میں جاکر جوتوں میں یا بالکل پچھلی صف میں بیٹھ جاتا ہے یا برابر کے لوگوں میں کسی ایسے شخص کو صدر نشیں بنادیتا ہے جو اَرذل ہو' اور یہ سمجھتا ہے کہ میں نے تواضع کی ہے' حالانکہ یہ کبر ہے۔ یہ بات متکبّرین کے دلوں کے لئے آسان معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے استحقاق کے باوجود اپنی جگہ چھوڑی ہے اور اپنی فضیلت سے دست بردار ہوئے ہیں۔ یہ تکبّر ہے' بلکہ تواضع کے ذریعے تکبّر کا اظہار ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آدمی بیٹھے تو اپنے برابر ہی کے لوگوں میں' مگر اُن سے دبا ہوا بیٹھے' یہ نہیں کہ جوتوں میں جا بیٹھے' متواضعانہ نشست بھی دل سے تکبّر کا خبث دور کردیتی ہے۔

تیسرا طریقہ :- یہ ہے کہ غریب کی دعوت قبول کرلے' رُفقاء اور اَقرباء کی ضرورتوں کے لئے بازار جانے میں بھی قباحت محسوس نہ کرے' اگر غریب کی دعوت قبول کرنے میں تکدّر ہوتا ہو' یا رفقاء اور اقرباء کی ضرورتوں کے لئے بازار جانا گراں گزرتا ہے تو یہ کِبر ہے۔ اسلئے کہ یہ افعال مکارمِ اخلاق ہیں اور ان کا بڑا ثواب ہے' اگر نفس ان سے کراہت کرتا ہے تو یہ اسکے خبث کی دلیل ہے' اسطرح کے کاموں پر مواظبت کرکے اس خبث کا ازالہ کرنا بے حد ضروری ہے۔

چوتھا طریقہ :- یہ ہے کہ بازار سے گھر والوں کے لئے' یا رفقاء کے لئے ضرورت کا سامان اٹھا کر لائے' اگر نفس اس طرح کے کاموں سے نفرت کرتا ہے تو یہ کِبر ہے یا ریا ہے۔ اگر راستے کی تنہائی کے باوجود آدمی کا نفس اس کام کا متحمل نہ ہو تو یہ کِبر ہے' اور مجمع دیکھ کر گریز کرے تو یہ ریا ہے' اور کِبر و ریا دونوں قلب کے مہلک امراض ہیں' اگر ان کا تدارک نہ کیا جائے۔ لوگوں نے دلوں کی طِب سے غفلت اختیار کر رکھی ہے' اور جسموں کی طِب میں ہمہ تن مشغول ہیں' حالانکہ جسموں کے لئے موت اور فنا لکھ دی گئی ہے' اور دل زندہ رہیں گے' ان کے مقدر میں سلامتی ہے بشرطیکہ وہ سعادت مند بھی ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (پ۱۹ر۹ آیت ۸۹)

مگر ہاں (اسکی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آئیگا۔

حضرت عبداللہ ابن سلامؓ نے لکڑی کا ایک گٹھر سر پر اُٹھایا' لوگوں نے عرض کیا ابو یوسف! آپ کے پاس نوکروں اور خادموں کی کیا کمی ہے؟ ان سے کیوں نہ کہا وہ یہ بوجھ اٹھالیتے' فرمایا خادموں کی واقعی کوئی کمی نہیں' لیکن میں اپنے نفس کی آزمائش کرنا چاہتا ہوں' اور نفس کو آزمانا بُرا بھی نہیں' کیا تم یہ بات پسند نہیں کرتے غور کیجئے عبداللہ ابن سلام نے اپنے نفس کے عزم پر اِکتفا نہیں کیا' بلکہ امتحان بھی لیا کہ جھوٹا ہے یا سچا۔ حدیث میں ہے۔

مَنْ حَمَلَ الْفَاكِهَةَ اَوِ الشَّيْءَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ الْكِبْرِ (بیہقی۔ ابو امامہؓ)

جو شخص میوہ یا کوئی چیز اُٹھا کر لے آئے وہ کِبر سے بَری ہے۔

پانچواں طریقہ :- یہ ہے کہ گھٹیا کپڑے پہنے' مجمع عام میں نفس کا گھٹیا لباس سے تنفّر کرنا ریا ہے اور تنہائی میں تکبّر ہے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز (زمانۂ خلافت میں) رات کو ٹاٹ کا لباس پہن لیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مَنِ اعْتَقَلَ الْبَعِيْرَ وَلَبِسَ الصُّوْفَ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ الْكِبْرِ (بیہقی۔ ابو ہریرہؓ)

جو شخص خود اونٹ کو کھونٹے سے باندھ دیتا ہے اور صوف پہنتا ہے وہ کِبر سے بَری ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ آكُلُ بِالْاَرْضِ وَاَلْبَسُ الصُّوْفَ وَاَعْقِلُ الْبَعِيْرَ وَاَلْعَقُ اَصَابِعِيْ وَاُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ (۱)

میں ایک بندہ ہوں زمین پر بیٹھ کر کھاتا ہوں صوف پہنتا ہوں' اونٹ کو باندھتا ہوں' کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتا ہوں' اور غلام کی دعوت قبول کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کسی نے عرض کیا بعض لوگ جمعہ کی نماز اسلئے نہیں پڑھتے کہ انکے پاس اچھے کپڑے نہیں ہوتے۔ آپ نے صرف عباء پہن کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ یہ وہ مواقع ہیں جن میں کِبر اور ریاء دونوں یکجا ہو جاتے ہیں' اگر مجمع میں ہو

---

(۱) اس روایت کے بعض اجزاء پہلے بھی گزر چکے ہیں لیکن باقی کی سند مجھے نہیں ملی۔

تو ریا ہے' خلوت میں ہو تو کبر ہے۔ یہاں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ جو شر سے واقف نہیں ہوتا وہ اس سے اجتناب نہیں کرپاتا' اور جو مرض کا ادراک نہیں کرپاتا وہ اس کا علاج نہیں کرسکتا۔

تواضع کے لئے ریاضت کا انتہائی درجہ

جاننا چاہیئے کہ خلق تواضع بھی دوسرے تمام اخلاق کی طرح ہے' اسکے بھی تین درجے ہیں' ایک درجہ زیادتی کی طرف مائل ہوتا ہے اسے کبر کہتے ہیں' ایک کمی کی طرف مائل ہوتا ہے اس کا نام خِسّت ہے' ایک درمیانی درجہ ہے جسے تواضع کہا جاتا ہے' یہی درجہ محمود و پسندیدہ ہے کہ آدمی بغیر ذلّت و خسّت کے تواضع کرے۔ باقی دونوں درجے مذموم ہیں' اللہ کو امور میں اوساط پسند ہیں۔ جو شخص اپنے برابر کے لوگوں پر مقدّم رہنا چاہتا ہے وہ متکبر ہے اور جو اُن سے پیچھے رہے وہ متواضع ہے' تواضع کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس نے اپنی وہ منزلت گھٹادی ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ عالم کے پاس اگر کوئی موچی آئے اور وہ اس کے لئے اپنی جگہ چھوڑدے' اسے اپنی جگہ بٹھائے' پھر آگے بڑھ کر اس کے جوتے سیدھے کرے گھر کے دروازے تک اسکی مشایعت کرے تو یہ خسّت اور ذلّت ہے' اور یہ اللہ کو پسند نہیں ہے کہ آدمی تواضع کے نام پر ذلّت اختیار کرلے۔ بلکہ پسندیدہ امر اعتدال ہے' اور وہ یہ ہے کہ ہر حقدار کو اسکا حق دے۔ اس طرح کی تواضع اپنے برابر والوں کے لئے اختیار کرنا بہتر ہے۔ یا جو شخص رُتبے میں اسکے قریب ہو اس کے لئے یہ تواضع کرے' عام آدمی کے لئے عالم کو صرف اسی قدر تواضع کرنی چاہیئے کہ جب وہ آجائے تو کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرے خندہ پیشانی سے گفتگو کرے' سوال کرنے میں نرمی برتے' دعوت قبول کرنے میں پہل کرے اور اسکی ضرورت پوری کرنے کی جدّوجہد کرے' اپنے آپکو اس سے بہتر نہ سمجھے' بلکہ اس کے مقابلے میں اپنے نفس پر زیادہ خوف کرے' نہ اس کی تحقیر کرے نہ تذلیل کرے' اسلئے کہ اسے اپنے انجام کی خبر نہیں ہے۔ بہرحال وصف تواضع حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے برابر والوں' اور کم رُتبہ لوگوں کے ساتھ تواضع سے پیش آئے تاکہ اچھی تواضع کا عادی بن جائے' اور کبر کا مرض زائل ہوجائے۔ جب تواضع طبیعت پر آسان ہوجائے گی تو خُلق تواضع سے متصف قرار پائے گا اور اگر شاق گزرے گی تو متواضع نہیں کہلائے گا بلکہ متکلف کہلائے گا کیوں کہ خلق وہی ہوتا ہے جو بلا تکلّف و تأمّل اور بہ سہولت صادر ہو' اور اگر سہولت اس درجے کو پہنچ جائے کہ اپنا کوئی مرتبہ یا وقار ہی نہ رہے اور نوبت ذلّت و خوشامد تک پہنچ جائے تو یہ بھی حد سے تجاوز کرنا ہے' اپنے نفس کو کچھ نہ کچھ برتری ضرور حاصل ہونی چاہیئے' یہاں تک کہ درجۂ اعتدال حاصل ہوجائے جسے صراط مستقیم کہتے ہیں۔ مؤمن کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے صراط مستقیم اس خُلق اور دوسرے تمام اخلاق میں نہایت غامض ہے' اسکا ملنا دشوار ہے۔ البتہ کمی کی طرف یعنی خوشامد کی طرف مائل ہونا بہ نسبت زیادتی کے زیادہ آسان ہے۔ جیسے اسراف کی طرف مائل ہونا بخل کی طرف مائل ہونے کی بہ نسبت لوگوں کے نزدیک اچھا ہے' یوں حد سے زیادہ اسراف اور حد سے زیادہ بخل دونوں مذموم ہیں' اور برائی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ مطلق پسندیدہ چیز عدل اور وسط ہے اور اشیاء کو شریعت و عادت کے حکم کے مطابق انکے واجب مواضع پر رکھنا ہے۔

عُجُب کی مذمت اور اس کی آفات

عجُب کی برائی کتاب اللہ اور حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا (پ ۱۰ ر ۱۰ آیت ۲۵)

اور حنین کے دن بھی (غلبہ دیا) جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرور ہوگیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہ ہوئی۔

یہ بات بطریق انکار فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا۔

وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا (پ ۲۸ ر ۴ آیت ۲)

اور (خود) انھوں نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ سے بچالیں گے سو ان پر خدا (عذاب) ایسی جگہ پہنچا کہ ان کو خیال نہ تھا۔

اس آیت میں کفار پر اس بات کے لئے نکیر کی گئی ہے کہ وہ اپنے قلعوں اور ظاہری شان و شوکت پر عجب میں مبتلا ہیں۔ ایک جگہ فرمایا۔

وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (پ ۱۶ ر ۳ آیت ۱۰۴)

اور وہ اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ انسان اپنے عمل پر عجب کرتا ہے، کبھی ایسے عمل پر جس میں وہ غلطی پر ہوتا ہے، اور کبھی ایسے عمل پر جس میں وہ غلطی پر نہیں ہوتا۔ ایک حدیث شریف میں ہے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ثَلٰثٌ مُّهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُّطَاعٌ وَّهَوًى مُّتَّبَعٌ وَّاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ (۱)

تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں، بخل جس کا آدمی مطیع ہو، خواہش نفس جس کا وہ متبع ہو، اور آدمی کا اپنے نفس کو بڑا جاننا۔

اس امت کے آخری حالات کے ضمن میں حضرت ابو ثعلبہ انصاری سے ارشاد فرمایا۔

اِذَا رَاَيْتَ شُحًّا مُّطَاعًا وَّهَوًى مُّتَّبَعًا وَّاِعْجَابَ كُلِّ ذِىْ رَاْىٍ بِرَاْيِهٖ فَعَلَيْكَ نَفْسَكَ

(ابن داؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

جب تم بخل کی اطاعت، خواہش نفس کی اتباع اور اہل رائے کی خود رائی دیکھو تو اپنے آپ کو محفوظ کرلو۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ ہلاکت دو چیزوں میں ہے، مایوسی اور عجب۔ ان دونوں باتوں میں انھوں نے اس لئے جمع کیا کہ سعادت، سعی و طلب، اور جدوجہد کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، اور مایوس انسان نہ کوشش کرتا ہے اور نہ جدوجہد، اور معجب یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ سعید ہے، اور اپنی مراد حاصل کرچکا ہے، اپنے اس اعتقاد کی وجہ سے وہ کوشش نہیں کرتا۔ نہ موجود شئی طلب کی جاتی ہے، اور نہ محال کی طلب ہوتی ہے، معجب یہ سمجھتا ہے کہ مجھے سعادت حاصل ہے، اور مایوس یہ سمجھتا ہے کہ سعادت حاصل کرنا محال ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ (پ ۲۷ ر ۷ ا آیت ۳۲)

تو تم اپنے آپکو مقدس مت سمجھا کرو۔

ابن جریج کہتے ہیں کہ اگر تم کوئی عمل کرو تو یہ مت کہو کہ میں نے فلاں عمل کیا ہے۔ زید ابن اسلم فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کو نیک مت سمجھو، عجب کے معنی یہی ہیں کہ اپنے آپ کو نیک سمجھا جائے۔ جنگ احد کے موقع پر حضرت طلحہؓ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آپ کے اوپر گر پڑے تھے، یہاں تک کہ حضرت طلحہؓ کی ہتھیلی زخمی ہوگئی، انکا یہ فعل یقیناً عظیم تھا کہ انھوں نے اپنی جان آپ پر فدا کردی تھی، اور اپنے آپ کو زخمی کرلیا تھا، حضرت عمرؓ نے اپنی ایمانی فراست سے یہ بات محسوس کی کہ جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے ان کی انگلی زخمی ہوئی ہے وہ کچھ مغرور ہوگئے ہیں، یہ بات ضرور

---

(۱) یہ روایت کئی مرتبہ گذری ہے۔

ہے کہ نہ ان سے تکبر کا اظہار منقول ہے' اور نہ یہ بات کہ انھوں نے کبھی کسی مسلمان کی اہانت کی ہو' شوریٰ کے موقع حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ کا ذکر کیا آپ نے فرمایا ان میں کسی قدر نخوت آگئی ہے۔ جب صحابہؓ جیسے پاکیزہ نفوس عجب سے نہیں بچے تو دین میں ضعیف لوگ کب اس سے نجات پاسکتے ہیں اگر وہ احتیاط نہ کریں۔ مطرف کہتے ہیں کہ اگر میں رات سونے میں گزاروں' اور ندامت کے ساتھ صبح کروں تو یہ بات میرے نزدیک اس بات سے زیادہ اچھی ہے کہ میں نماز میں رات گزاروں' اور عجب پر صبح کروں۔ ایک حدیث میں ہے آپ نے فرمایا۔

لَوْلَمْ تَذْنِبُوْا لَخَشِيْتُ عَلَيْكُمْ مَاهُوَ اَكْبَرُ مِنْ ذَالِكَ الْعُجْبُ (بزاز' ابن حبان۔ انسؓ)

اگر تم گناہ نہ کرو تو مجھے تم پر اس سے بڑے گناہ کا خوف ہے جسے عجب کہتے ہیں۔

آپ نے عجب کو بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ بشرابن منصور اپنی مسلسل عبادتوں کی وجہ سے ایسی شخصیت بن گئے تھے کہ انھیں دیکھ کر اللہ اور یوم آخرت یاد آجاتا تھا۔ ایک دن انھوں نے طویل نماز پڑھی' ایک شخص پیچھے بیٹھا ہوا انھیں دیکھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس سے عجب میں مبتلا مت ہونا اس لئے کہ ابلیس لعین نے مدّتوں فرشتوں کے ساتھ عبادت کی' اس کا انجام تم جانتے ہو کیا ہوا' حضرت عائشہؓ سے کسی نے دریافت کہ آدمی بُرا کب ہوتا ہے انھوں نے جواب دیا جب وہ یہ سمجھے کہ میں اچھا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (پ ۳ ر ۴ آیت ۲۶۴)

تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو۔

احسان جتانا صدقے کو بڑا سمجھنے کا نتیجہ ہے' اور کسی عمل کو بڑا جاننا ہی عجب ہے۔

عجب کی آفتیں :۔ جاننا چاہیئے کہ عجب کی آفتیں بے شمار ہیں۔ عجب سے کبر بھی پیدا ہوتا ہے کیوں کہ کبر سے بہت سی آفتیں جنم لیتی ہیں' یہ آفتیں تو بندوں کے ساتھ ہیں' اللہ کے ساتھ عجب کی آفتیں کچھ زیادہ ہی ہیں' مثلاً آدمی میں عجب ہو تو وہ گناہ فراموش کردیتا ہے' اور ان پر کوئی توجہ نہیں دیتا' بعض گناہوں کو بالکل بھول جاتا ہے' اور بعض یاد بھی آتے ہیں تو ان کے ازالے کی کوشش نہیں کرتا یہ سوچ کر کہ میں نیک اعمال کرتا ہوں۔ میرے گناہ گناہ ہی نہیں ہیں' اگر ہیں تو اتنے معمولی کہ نہ ان کے تدارک کی ضرورت' اور نہ تلافی کی۔ بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ میرے تمام چھوٹے بڑے گناہ اللہ کے یہاں معاف ہوچکے ہیں' اپنی عبادتوں کو' اور اپنے اعمال کو وہ بڑا سمجھتا ہے اور ان پر فخر و غرور کرتا ہے بلکہ اللہ پر احسان تصوّر کرتا ہے' اور یہ بھول جاتا ہے کہ میں اللہ کی عنایت اور اس کی توفیق ہی سے اس قابل ہوا ہوں کہ کوئی نیک عمل کرسکوں۔ پھر آدمی اپنے اعمال پر عجب کرتا ہے تو اس کی آفات سے آنکھیں بند کرلیتا ہے۔ حالانکہ اعمال کی آفتیں نظر انداز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اس نے کوشش کی ہے وہ رائیگاں گئی ہے' ظاہری اعمال اگر پاک و صاف اور آمیزش سے خالی نہ ہوں تو ان کا نفع بہت کم ہے' آفات کی جستجو وہی کرتا ہے جس پر خوف غالب ہو' عجب میں مبتلا شخص اپنے نفس پر اور اپنے رب پر مغرور ہوتا ہے' وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے رب کے عذاب سے مامون و محفوظ ہوں' اللہ کے یہاں میرا ایک مقام ہے' مجھے ایک عظمت حاصل ہے' بلکہ خدا پر میرا احسان اور اس پر میرا حق ہے کہ وہ میرے اعمال کا لحاظ کرے اور مجھے ان کا اجر عطا کرے جو حقیقت میں اللہ کی نعمتیں اور عطایا ہیں۔ عجب آدمی کو اپنی تعریف کرنے' اپنا تزکیہ کرنے پر مجبور کرتا ہے جب کوئی شخص اپنی رائے' عمل اور عقل پر عجب کرتا ہے تو وہ نہ کسی سے استفادہ کرتا ہے' اور نہ کسی سے مشورہ کرتا ہے' بلکہ اپنی رائے پر اصرار کرتا ہے' اپنے سے بڑے صاحب علم سے کچھ پوچھنا اپنی اہانت تصوّر کرتا ہے۔ بسا اوقات غلط خیالات پر بھی عجب کرکے محض اسلئے خوش ہوتا ہے کہ یہ خیالات میرے دل میں گزرے ہیں کسی دوسرے دل میں پیدا نہیں ہوئے' پھر اپنے غلط یا صحیح خیالات پر اصرار کرتا ہے نہ کسی ناصح کی نصیحت سنتا ہے اور نہ کسی واعظ کا وعظ قبول کرتا ہے' بلکہ دوسروں کی طرف ایسے دیکھتا ہے جیسے جاہل ہوں اپنی غلطی پر اصرار کرتا ہے۔ اگر غلط رائے دُنیوی اُمور میں ہوئی ہے تو

مقصد سے محروم رہ جاتا ہے' اور اگر دینی اُمور میں ہوتی ہے خاص طور پر عقائد میں تو ہمیشہ کے لیے تباہ برباد ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی رائے پر اعتماد نہ کرتا' اور نور قرآنی سے روشنی حاصل کرتا' علمائے دین سے مدد لیتا' علم کے مطالعہ و مذاکرہ پر مواظبت کرتا' اہل بصیرت سے مسائل دریافت کرنے کا عمل جاری رکھتا تو حق تک ضرور پہنچتا۔ عُجب کی سب سے بڑی آفت یہ ہے کہ آدمی کامیابی کے گمان میں مبتلا ہو کر سعی و کوشش میں سُست پڑ جاتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ میں ہر عمل سے بے نیاز ہوں' حالانکہ وہ عمل سے بے نیاز نہیں ہے بلکہ صریح ہلاکت اس کی تقدیر ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اطاعت کی حسنِ توفیق کے خواہاں ہیں۔

عُجب اور ناز کی حقیقت اور تعریف : عُجب ایسے وصف میں ہوتا ہے جو یقینی طور پر کمال ہو جو شخص علم' عمل یا مال میں اپنے نفس کے لئے کسی کمال کا معترف ہے اس کی تین حالتیں ہیں' ایک یہ کہ وہ اس کمال کے زوال سے خائف ہے' اور ڈرتا ہے کہ کہیں میرا کمال نقص نہ بن جائے' یا سلب نہ ہو جائے' ایسا شخص معجب نہیں ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ وہ اس بات پر خوش ہے کہ اللہ نے اسے کمال کی نعمت سے نوازا ہے' اس لئے خوش نہیں کہ وہ کمال اس کی طرف منسوب ہے' ایسا شخص بھی معجب نہیں ہے' تیسری حالت یہ ہے کہ نہ اسے زوال کا خوف ہے' اور نہ اللہ کی نعمت ہونے کی حیثیت اس کمال و سربلندی پر خوشی' بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ کمال میری طرف منسوب ہے' میرا وصف ہے' میں ہی اس کا خالق ہوں' یہ حالت عُجب ہے۔ ایسی حالت میں اگر یہ خیال آئے کہ یہ نعمت اللہ کی طرف سے ہے' وہ جب چاہے اسے چھین سکتا ہے تو عُجب ختم ہو جائے گا۔

اس تفصیل سے عُجب کی یہ تعریف معلوم ہوئی ہے کہ نعمت کو بڑا جاننا' اس پر مطمئن ہونا' اور منعم حقیقی کی طرف اس کی نسبت نہ کرنا عُجب ہے' اور اگر اس کے ساتھ ساتھ نفس کو یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ پر میرا حق ہے' اور اس کے یہاں میرا مرتبہ بلند اور عمل اتنا عمدہ ہے کہ دنیا میں بھی اس کا اجر ضرور ملے گا' اور اللہ سے میرے تقرّب کا مطلب یہ ہے کہ میں ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہوں گا' اس حالت کا نام ادلال بالعمل (عمل پر ناز کرنا اور اِترانا) ہے۔ گویا عُجب خود کرتا ہے' اور اللہ کو اپنا ناز بردار سمجھتا ہے' دنیاوی معاملات میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی کو کوئی چیز دے کر اسے اپنا احسان تصور کرتا ہے' اور اپنی ذرا سی چیز کو بہت سمجھتا ہے' اگر بات یہیں تک محدود ہو تو یہ اعجاب ہے اور اگر اس سلوک کے عوض میں وہ اپنی خدمت کا طلب گار ہو' یا ناز برداری کا مطالبہ کرے' یا اپنی ضرورتوں میں کام نہ آنے کو بُرا سمجھے تو اسے ناز کہتے ہیں' قرآنِ کریم کی آیت:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ : (پ ۲۹' ر ۱۵' آیت ۶)

اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو۔

کی تفسیر میں حضرت قتادہؓ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے عمل پر ناز مت کر۔ حدیث شریف میں ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ الْمُدِلِّ لَا تَرْفَعُ فَوْقَ رَأْسِهٖ وَلَاَنْ تَضْحَكَ وَاَنْتَ مُعْتَرِفٌ بِذَنْبِكَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَبْكِيَ وَاَنْتَ مُدِلٌّ بِعَمَلِكَ (۱)

ناز کرنے والے کی نماز اس کے سر سے اوپر نہیں جاتی تم ہنس کر اپنے گناہ کا اعتراف کر لو یہ اس سے بہتر ہو کہ اپنے عمل پر آنسو بہا کر ناز کرو۔

ادلال کا درجہ عُجب کے بعد ہے' ادلال وہی شخص کرے گا جو عُجب کرے گا' بعض معجب (عجب کرنے والے) ناز نہیں کرتے' اس لئے کہ عُجب کمالِ نعمت کو بڑا سمجھنے اور منعم کو بھولنے کا نام ہے' اس میں جزاء کی توقع کی شرط نہیں ہے' اور ناز میں جزاء کی توقع ضروری ہے' چنانچہ اگر کسی شخص نے دعا کی اور قبول نہ ہونے پر بُرا منایا اور تعجب کیا تو یہ ناز ہے' کیوں کہ فاسق دعا قبول نہ ہونے پر تعجب نہیں کرتا' بلکہ قبول ہونے پر تعجب کرتا ہے' اور عابد یہ سمجھتا ہے کہ میرے حسنِ فعل کا یہ تقاضا ہے کہ میں جو سوال کروں پورا

---

(۱) اس کی اصل مجھے نہیں ملی۔

ہو، جو دعا مانگوں قبول ہو۔

عُجب کا اجمالی علاج : ہر مرض کا علاج اس کے سبب کی ضد کے مقابل سے کیا جاتا ہے عُجب کا سبب جہالت ہے اس لئے اس کا علاج وہ معرفت ہے جو اس جہالت کی ضد ہے۔

عُجب کے دو محل : عُجب ایسے افعال میں بھی ہوتا ہے جو بندوں کے اختیار میں ہوں جیسے عبادت، صدقہ، جہاد، مخلوق کی سیاست اور اصلاح، اور ایسے افعال میں بھی ہوتا ہے۔ جن میں انھیں اختیار نہ ہو جیسے جمال، قوت اور نسب وغیرہ۔ ان میں بھی غیر اختیاری اعمال کے مقابلے میں اختیاری اعمال میں زیادہ عُجب ہوتا ہے، آدمی ورع، تقویٰ اور اپنی دوسری عبادتوں سے جو عُجب کرتا ہے وہ ان دو بنیادوں پر مبنی ہو سکتا ہے، ایک تو یہ کہ معجب (عجب کرنے والا) ان عبادتوں کا محل اور مرکز ہے، اور دوسری یہ کہ وہ عبادتیں اس نے کی ہیں اور اس کے اختیار و قدرت سے وجود میں آئی ہیں اگر معجب کا عُجب اس لئے ہے کہ وہ عمل کا مرکز و محل ہے تو یہ محض جہالت ہے، اسلیئے کہ محل اور مکان کو ایجاد و تحصیل میں کوئی دخل نہیں ہے، وہ ایک مسخر شئے ہے، اور دوسرے کے اختیار میں ہے، بھلا ایسی چیز پر کیا عُجب کیا جاسکتا ہے جو نہ اپنے اختیار میں ہو، اور نہ فعل کے ایجاد و حصول میں مؤثر ہو، اور اگر اس لئے عُجب کرتا ہے کہ وہ اعمال اس سے سرزد ہوئے ہیں اور اسکے اختیار و قدرت سے وجود میں آئے ہیں تو اسے یہ سوچنا چاہیئے کہ قدرت، اختیار، ارادہ، اعضاء اور وہ تمام اسباب جن سے عمل مکمل ہو کہاں سے آئے ہیں، اگر یہ تمام اللہ کی نعمتیں ہیں جو کسی حق کے بغیر اسے ملی ہیں تو عُجب اللہ کے جود و کرم اور عطاء و بخشش پر ہونا چاہئے کہ اس نے بلا استحقاق ان نعمتوں سے نوازا اور دوسروں پر اسے ترجیح دی۔

یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھنی چاہئے، مثلاً بادشاہ اپنے غلاموں کو دیکھے اور ان میں سے ایک کو خلعت بخش دے، جب کہ نہ اس میں کوئی وصف ہو، نہ کمال ہو، اور نہ جمال ہو، کیا اس غلام کو اپنے نفس پر عُجب کرنا چاہئے کہ وہ اس انعام کا مستحق ٹھرایا اس بات پر تعجب کرنا چاہئے کہ بادشاہ نے اسے ازراہ ہمدردی و بندہ پروری اپنے انعام سے نوازا، جب کہ وہ اپنے ذرائع، وسائل، خدمات اور اوصاف کسی بھی لحاظ سے اس انعام کا مستحق نہیں تھا، اپنے نفس پر عُجب کرنا ایک بے معنیٰ سی بات ہے، البتہ غلام اس بات پر عُجب کرسکتا ہے کہ بادشاہ بڑا ہمدرد، غریب پرور، نیک خو، اور عادل ہے، ظلم نہیں کرتا، نہ کسی کو بلا وجہ مقدم مؤخر کرتا ہے، اگر اس نے مجھ میں کوئی اچھی صفت نہیں دیکھی تو اس انعام سے کیوں نوازا ایسے شخص سے کہنا چاہئے کہ الگ سے تم میں کوئی وصف نہیں ہے اگر کوئی وصف ہے تو یہ کہ بادشاہ نے اپنے انعام کا مستحق تمہیں سمجھا، کسی دوسرے کو اس انعام سے نہیں نوازا، اور اگر تم میں الگ سے کوئی وصف ہے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ وصف سلطان کا عطا کردہ ہے یا غیر کا۔ اگر وہ وصف سلطان کا عطا کردہ ہے تو اس پر عُجب کے کیا معنیٰ ہیں؟

بادشاہ نے پہلے تمہیں گھوڑا دیا تو تم نے عُجب نہیں کیا، جب اس نے غلام دیا تو عُجب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ میرے پاس گھوڑا تھا اس لئے بادشاہ نے مجھے غلام عطا کیا ہے، دوسروں کے پاس گھوڑا نہیں تھا اس لئے وہ غلام سے محروم رہے، ایسے شخص سے کہا جائے گا کہ گھوڑا بھی تو بادشاہ ہی کا دیا ہوا ہے وہ دونوں چیزیں ایک ساتھ بھی دے سکتا تھا، اگر اس نے الگ الگ دیں تو یہ اس کی تدبیر و مصلحت ہے تمہارا کیا کمال ہے، تمہیں اس امر پر کہ تم گھوڑے کے مالک ہو عُجب کرنے کے بجائے بادشاہ کے فضل و کرم پر عُجب کرنا چاہئے، اور اگر سلطان کے علاوہ کسی دوسرے نے وہ وصف دیا ہے تب عُجب کرسکتا ہے کیوں کہ وہ بادشاہ کی عطا نہیں، مگر یہ بات دُنیاوی بادشاہوں کے حق میں تو ہو سکتی ہے، جبّارُ الارض والسّمٰوات کے حق میں نہیں ہو سکتی جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، موصوف اور صفت، حال اور محل سب اسی کے ایجاد و تخلیق کا کرشمہ ہیں، مثلاً اگر آدمی اپنی عبادت پر اس لئے عُجب کرے کہ اللہ نے مجھے اس عبادت کی توفیق اسلیئے دی ہے کہ میرے دل میں اس کی محبت ہے تو اس سے پوچھا جائے گا

کہ تمہارے دل میں محبت کس نے پیدا کی ہے؟ اس کا جواب ہوگا اللہ نے ہم کہیں گے کہ محبت اور عبادت دونوں اللہ کی نعمتیں ہیں، تمہیں بلا استحقاق ان نعمتوں سے نوازا، تمہیں ان نعمتوں پر عُجب کرنا چاہئے، اس لحاظ سے نہیں کہ ان نعمتوں کا محل تم ہو، بلکہ اس اعتبار سے کہ یہ نعمتیں منعمِ حقیقی کی دین ہیں، پہلے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہارے اندر صفات پیدا کیں، اعمال اور اسباب پیدا کئے، توفیق اور تحریک دی اس سے معلوم ہوا کہ نہ عابد کو اپنی عبادت پر عجب کرنا چاہئے، اور نہ عالم کو اپنے علم پر، نہ مالدار کو اپنے مال پر، اور نہ خوبصورت کو اپنی خوبصورتی پر، کیوں کہ تمام نعمتیں اللہ کی عطا کردہ ہیں، وہ صرف ان نعمتوں کا محل اور مرکز ہے، اور وہ بھی محض اس کے فضل و کرم سے ہے، اپنے کسی وصف کی بناء پر نہیں ہے۔

ایک اعتراض کا جواب: اب اگر کوئی یہ کہے کہ میں اپنے اعمال سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا، کیوں کہ جب میں کوئی عمل کرتا ہوں تو اس پر اَجر و جزاء کی توقع رکھتا ہوں، اگر وہ کام میرا نہیں تو ثواب کی توقع کے کیا معنیٰ ہیں اگر وہ عمل ایجاد کے اعتبار سے اللہ کی مخلوق ہے تو مجھے ثواب کیوں ملتا ہے، اور جب اعمال میری قدرت سے ہیں تو میں ان پر عُجب کیوں نہ کروں؟ اس کے دو جواب ہیں، ایک تو حق صریح ہے اور دوسرے میں کچھ مُسامحت ہے، وہ جواب جس میں صریح حق ہے یہ ہے کہ تمہاری قدرت، تمہارا ارادہ، تمہاری حرکت اور تمہارے تمام اعمال اللہ کی مخلوق اور اس کی اختراع ہیں، چنانچہ جب تم کوئی عمل کرتے ہو، نماز پڑھتے ہو، یا مٹی بھر خاک پھینکتے ہو تو یہ تم نہیں کرتے ہو بلکہ اللہ کرتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے:۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (پ ۹ ر ۱۶ آیت ۱۷)

اور آپ نے (خاک کی مٹھی) نہیں پھینکی جس وقت آپ نے پھینکی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔

یہی بات حق ہے، اربابِ قلوب کو اس کا ایسا مشاہدہ ہوا ہے کہ دیدۂ بینا اتنا گہرا مشاہدہ نہیں کرسکتی، اللہ نے پہلے تمہیں پیدا، پھر تمہارے اعضاء بنائے، پھر ان میں قوت، قدرت، حرکت اور صحت پیدا کی، پھر ان کے لئے علم و عقل اور ارادے کی تخلیق کی، اگر تم ان میں سے کوئی چیز اپنے نفس سے جُدا کرنا چاہو تو نہیں کرسکتے، ان اعضاء میں جو حرکات ہیں وہ سب اللہ ہی کی تخلیق ہیں، ان میں انسان کی شرکت نہیں ہے، تاہم اللہ نے تخلیق ترتیب رکھی ہے، چنانچہ جب تک عضو میں قوت اور قلب میں ارادہ پیدا نہیں کیا اس وقت تک حرکت پیدا نہیں کی، پھر مراد کا علم پہلے پیدا کیا، ارادہ بعد میں پیدا فرمایا، اس طرح اس وقت تک علم پیدا نہیں کیا جب قلب کی تخلیق نہیں فرمائی جو علم کا محل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے باب میں ترتیب رکھی ہے اس سے انسان سمجھتا ہے کہ میں اپنے اعمال کا خالق ہوں، حالانکہ یہ اس کی غلط فہمی ہے، رہی یہ بات کہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے اعمال پر بندے کو ثواب کیوں ملتا ہے؟ اس کی تشریح ہم نے کتابُ الشکر میں کی ہے، وہی مقام اس وضاحت کے لئے زیادہ موزوں بھی ہے۔

ہم دوسرے جواب سے تمہارا اشکال رفع کرنا چاہتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ اگر تم یہ گمان رکھتے ہو کہ عمل تمہاری قدرت سے حاصل ہوا ہے تو یہ سوال پیدا ہوگا کہ تمہارے پاس قدرت کہاں سے آئی، تمہارے عمل کا تصوّر نہ تمہارے وجود کے بغیر ممکن ہے، نہ تمہارے ارادے اور قدرت کے بغیر، اور نہ ان تمام اسباب کے بغیر جن پر عمل کے وجود کا دارومدار ہے یہ اور تمام چیزیں ۔۔۔ تمہارا وجود، قدرت، ارادہ، عمل کے اسباب ۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، انسان کی جانب سے نہیں، اگر عمل قدرت سے وجود میں آیا تو قدرت اس عمل کی کنجی ہوئی، اور یہ کنجی اللہ کے قبضے میں ہے، اگر وہ تمہیں یہ کنجی نہ دے تو تم عمل نہیں کرسکتے۔ معلوم ہوا کہ عبادت وہ خزائن ہیں جن سے انسان اُخروی سعادتوں تک رسائی حاصل کرتا ہے، اور ان خزانوں کی کنجیاں قدرت، ارادہ، اور علم ہیں، اور یہ چیزیں بلاشبہ اللہ کے قبضے اور تصرّف میں ہیں، اگر تمہاری دنیا کا کوئی خزانہ کسی قلعے میں بند ہو، اور اس کی کنجیاں خازن کے پاس ہوں اور تم یہ خزانہ حاصل کرنا چاہو تو کیا خازن سے کنجیاں لئے بغیر حاصل کرسکتے ہو؟ ہرگز نہیں، خواہ تم ہزار برس تک اس قلعے کے دروازے پر پہرہ دو یا اس کی دیواروں سے سر مارو، خزانہ حاصل کرنا تو دور کی بات ہے تم ایک دینار بھی نہیں دیکھ سکتے، اور اگر خازن اس قلعے کی کنجیاں تمہارے حوالے کردے تو نہ صرف یہ کہ تم دیکھ سکتے ہو بلکہ ہاتھ بڑھا کر لے بھی سکتے ہو، اس مثال کی

روشنی میں بتلاؤ کہ خزانہ تمہارے عمل سے حاصل ہوا ہے' یا خازن کے قدرت دینے' اور کنجیاں حوالے کرنے کی وجہ سے؟ اس صورت میں کیا تم خازن کے کنجیاں دینے پر عُجب کرو گے یا اس بات پر کہ تم نے قلعہ کھول کر اس میں سے خزانہ لے لیا ہے؟ ظاہر ہے کہ تم خازن کے احسان مند ہوں گے' قفل کھولنا' اور خزانہ لے لینا تو کوئی مشکل کام نہ تھا' اصل مشکل تو یہ تھی کہ قفل کی کنجی تمہارے پاس نہ تھی' اگر خازن تمہیں کنجی نہ دیتا تو تم کبھی یہ دولت حاصل نہ کرپاتے۔ یہی حال عبادات کا ہے' جب تمہیں قدرت دی گئی' ارادۂ جازمہ مسلط کیا گیا ہے' دواعی اور بواعث کو حرکت دی گئی' اور موانع دُور کئے گئے یہاں تک کہ کوئی مانع ایسا نہ رہا جو دور نہ کیا گیا ہے اور کوئی باعث ایسا نہ رہا جسے حرکت نہ دی گئی ہو تب تم نے عمل کیا۔ بواعث کی تحریک' موانع کا ازالہ' اور اسباب کی فراہمی اللہ کی طرف سے ہوئی' تمہارا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ تم اپنے عمل پر عُجب کرتے ہو' اور اس ذات کے فضل وجود پر عُجب نہیں کرتے جس کے سبب سے یہ سب کچھ ہوا' اور تمہیں عبادت و اطاعت کا موقع دے کر فسّاق پر ترجیح دی' ان پر فساد کے دواعی مسلط کئے اور تمہیں ان سے دُور رکھا انکے لئے بُرے مصاحب مہیا کئے اور تمہیں بُری صحبتوں سے بچایا' انہیں شہوات و لذّات کے دلدل میں پھنسایا اور تمہیں ان سے دُور رکھا' انہیں خیر کے بواعث اور دواعی سے دور رکھا اور تمہیں ان سے قریب کیا تاکہ خیر پر عمل کرنا تمہارے لیے آسان ہو جائے اور شر کے راستے پر چلنا ان کے لئے مشکل نہ رہے۔ اس میں نہ تمہارے کسی سابقہ عملِ خیر کو دخل ہے اور نہ فسّاق کو کوئی جرم مؤثر ہے' بلکہ اس نے تمہیں اپنے فضل و کرم سے ترجیح دی' مقدّم کیا' اور عملِ خیر کے لئے منتخب کیا' اور گناہ گار کو اپنے عدل سے ٹھکرایا اور اسے شقی قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقدور پر تمہاری قدرت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے' جب کسی عمل پر تمہاری قدرت کا تحقق مقصود ہوتا ہے تو تمہارے دل میں ایک ایسا شوق پیدا کر دیا جاتا ہے کہ تم خواہش کے باوجود اس کے خلاف نہیں کر سکتے' اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ تم کسی فعل کے فاعل ہو تو اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ یہ فعل تم نے مجبور ہو کر کیا ہے' اس لحاظ سے شکر کے لائق وہ ذات ہے جس نے تمہارے دل میں اس فعل کا شوق پیدا کیا' اور تمہیں اس پر قدرت بخشی۔ کتاب التوحید والتوکّل میں ہم بیان کریں گے کہ اسباب اور مسبّبات ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح لازم و ملزوم ہیں' وہاں یہ بات واضح ہوگی کہ فاعل صرف اللہ ہے' وہی خالق ہے' وہی موجد ہے۔

<u>اللہ تعالیٰ کا ہر فعل عدل ہے</u> :۔ بعض بدقسمت لوگ جنہیں اللہ نے علم و عقل کی دولت سے مالا مال کیا مال و زر کی محرومی پر بُرا مناتے ہیں' اور کسی غافل و جاہل کو دولت مند دیکھ کر یہ شکوہ کرتے ہیں کہ ہم علم و دانش رکھتے ہوئے بھی دولت سے محروم ہیں بلکہ ہمیں ایک وقت کی غذا بھی میسّر نہیں' اور یہ اپنی غفلت و جہالت کے باوجود دولت مند ہیں' ایسے لوگ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی یہ تقسیم منصفانہ نہیں ہے' بلکہ قریب قریب ظلم ہے' حالانکہ اس مغرور کو معلوم نہیں کہ اگر اسے مال اور عقل دونوں دیدئے جاتے ظاہر حال میں یہ بات ظلم سے مشابہ ہوتی' اس لئے کہ اس صورت میں تنگ دست شکوہ کرتا کہ اے اللہ تو نے اسے مالداری اور عقل دونوں سے نوازا ہے' اور مجھے دونوں سے محروم رکھا ہے کیا یہ مناسب نہ تھا کہ ان میں سے ایک چیز مجھے ملتی' اور ایک اسے دی جاتی۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہۂ سے کسی نے اس کی وجہ دریافت کی عقلمند تنگدست کیوں ہوتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس کی عقل بھی رزق میں محسوب ہو جاتی ہے' زیادہ تعجّب اس بات پر ہے کہ فقیر عاقل جب کسی جاہل کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھتا ہے تو یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنی مجموعی حالت سے اس کی حالت بدل لے' یعنی اپنی مفلسی اور عقلمندی کے عوض اس کی جہالت اور مالداری خرید لے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پر اس کی نعمت زیادہ ہے' پھر کیوں تعجّب کرتا ہے' اسی طرح خوبصورت عورت بد صورت عورت کے جسم پر زیورات دیکھ کر منھ بناتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اپنے حسن و جمال کے باوجود اس آرائش سے محروم ہوں اور وہ اپنی بدصورتی پر یہ زیور سجائے پھر رہی ہے' کس قدر حیرت کی بات ہے۔ اس احمق عورت کو معلوم نہیں ہے کہ حسن بھی دولت ہے' بلکہ اس سے زیادہ قیمتی ہے' چنانچہ اگر اسے بدصورتی کے ساتھ دولت اور حسن کے ساتھ فقر میں اختیار دیا جائے تو وہ حسن کو ترجیح دے گی معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمت بدصورت عورت کے مقابلے میں اس پر زیادہ ہے۔ کسی عاقل و دانا مفلس کا یہ کہنا

ہے کہ "اے اللہ تونے مجھے دنیا سے کیوں محروم رکھا اور جاہل کو دنیا سے نوازا" ایسا ہی ہے جیسے کوئی بادشاہ سے گھوڑے کا عطیہ پاکر یہ کہے کہ جہاں پناہ آپ نے مجھے غلام کیوں نہیں دیا گھوڑا میرے پاس موجود ہے۔ ظاہر ہے بادشاہ اس شخص سے یہی کہے گا کہ اگر میں تجھے گھوڑا نہ دیتا تو تو غلام کے ملنے سے تعجب نہ کرتا' میں نے تجھے گھوڑا دیا ہے تو کیا تو اس نعمت کو دوسری نعمت کا وسیلہ سمجھتا ہے' یا کوئی ایسی حجت قرار دیتا ہے جس کے ذریعے دوسری نعمت طلب کی جائے' یہ اوہام ہیں' ان سب کا منشاء جہل ہے۔

یہ وہم کس طرح زائل کیا جائے؟ : اس طرح کے اوہام کے ازالے کا طریقہ یہ ہے کہ دل میں اس بات کا دھیان رکھے کہ بندہ' اس کا ہر عمل' اور اس کے تمام اوصاف اللہ کی نعمت ہیں' اور کسی استحقاق کے بغیر حاصل ہوئے ہیں' اس اعتقاد سے عجب زائل ہوجائے گا' اور دل میں شکر و خضوع کے جذبات پیدا ہوں گے اور یہ خوف جاگزیں ہوگا کہ کہیں یہ نعمتیں سلب نہ ہوجائیں' جس شخص کے دل میں یہ اعتقاد راسخ ہوتا ہے وہ نہ اپنے علم پر عجب کرتا ہے اور نہ اپنے عمل پر' اس لئے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ اس کے علم اور عمل کا سرچشمہ باری تعالیٰ کی ذات ہے۔

حضرت داؤد علیہ السّلام کو تنبیہ : ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ یا اللہ کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ آل داؤد میں سے کوئی شخص روزہ دار نہ ہو' اور کوئی رات ایسی نہیں جاتی کہ آل داؤد میں سے کوئی شخص شب بیدار نہ ہو' یہ بات انھوں نے بطورِ فخر کہی' وحی آئی کہ اے داؤد یہ عبادتیں ان کی کہاں ہیں' یہ تو میری توفیق اور مدد سے ہیں' اگر میں توفیق نہ دیتا تو نہ تم روزہ رکھنے پر قادر ہوتے اور نہ شب بیداری پر' اور عنقریب تمہیں تمہارے نفس کے سپرد کروں گا۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا اس کی وجہ یہی تھی کہ انھوں نے آل داؤد کی عبادت کو بطورِ فخر بیان کیا اور اس پر عجب کیا یہاں تک کہ اللہ نے انھیں ان کے نفس پر چھوڑ دیا' اور ان سے ایسا گناہ سرزد ہوا جو حزن' ندامت کا باعث بنا حضرت داود علیہ السلام نے باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! بنی اسرائیل حضرت ابراہیم واسحاق و یعقوب علیہ السلام کے واسطے سے کیوں دعا مانگتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ میں نے ان کی آزمائش کی تھی وہ ثابت قدم رہے' عرض کیا یا اللہ! میرا امتحان بھی لے لے' میں بھی صبر و استقلال کا مظاہرہ کروں گا' اس عرض داشت میں ایک نوع کا ادلال اور عجب تھا۔ وحی آئی کہ اے داؤد میں نے جب اپنے ان بندوں کا امتحان لیا تھا تو انھیں یہ نہیں بتلایا تھا کہ میں کس نوع کا امتحان لوں گا' کس معاملے میں لوں گا' کب اور کس مہینے میں لوں گا' لیکن تجھے بتلائے دیتا ہوں کہ میں تیرا امتحان اسی سال اسی مہینے میں کل ایک عورت کے سلسلے میں لوں گا ہوسکے تو اپنے نفس کو بچانے کی کوشش کرنا' پھر جو کچھ ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

اصحابِ رسول کا اپنی قوت پر عجب : اسی طرح جب جنگ حنین میں صحابہ کرامؓ نے اپنی کثرت و قوت پر غرور کیا اور خدا کے فضل و کرم کو بھول گئے اور کہنے لگے کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے کفار کے مقابلے میں ہماری تعداد بھی زیادہ ہے اور قوت بھی تو اللہ نے انھیں ان کے نفسوں کے سپرد کردیا' انکے انجام کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے:۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ (۱) (پ۱۰ر۱۰ آیت ۲۵)

: جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرّہ ہوگیا تھا' پھر وہ کثرت تمہارے لئے کچھ کار آمد نہ ہوئی' اور تم پر زمین اپنی فراخی کے باوجود تنگ ہوگئی' پھر تم پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

ابن عیینہؓ روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! تو نے مجھے اس معیبت میں مبتلا فرمایا جبکہ

---

(۱) البیھقی فی دلائل النبوۃ من روایۃ الربیع بن انس مرسلاً۔

میری ہر خواہش تیری خواہش کی پابند اور میرا ہر عمل تیری رضا کا تابع رہا' ابر کے اندر سے دس ہزار آوازیں (یعنی ہر طرف سے آواز سنائی دی) آئیں کہ اے ایوب! یہ بات تیرے اندر کہاں سے پیدا ہوئی' ابن عیینہؒ کہتے ہیں کہ یہ وحی سن کر حضرت ایوبؑ نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور عرض کیا یا اللہ جو کچھ ہے تجھ سے ہے' وہ یہ بات بھول گئے تھے' وحی الٰہی نے انھیں بیدار کیا' اور انھیں یہ بات یاد دلائی کہ بندے کا ہر عمل اللہ کی طرف منسوب ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا۔ (پ۱۸ ر۹ آیت ۲۱)

: اور اگر تم پر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی (توبہ کر کے) پاک نہ ہوتا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے برگزیدہ صفت اصحاب سے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يُنْجِيْهِ عَمَلُهُ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهِ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہ)

: تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسے اس کا عمل نجات دلائے گا' صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! نہ آپ ایسے ہیں' فرمایا نہ میں' اِلّا یہ کہ اللہ کی رحمت میرے شاملِ حال ہو۔

یہ حدیث سننے کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنے تمام تر زہد و تقویٰ کے باوجود یہ تمنا کرتے تھے کہ کاش وہ خاک یا گھاس' یا پرندے ہوتے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ صاحبِ بصیرت کو نہ اپنے عمل پر عُجب کرنا چاہئے' اور نہ اپنے نفس سے بے خوف ہونا چاہئے۔

قلب سے عُجب کا ازالہ کرنے کا یہ تیر بہدف علاج ہے' جب دل میں یہ اعتقاد راسخ ہو جاتا ہے کہ جو نعمت ہے اللہ کی عطا و بخشش ہے تو وہ ہر وقت اس خوف میں مبتلا رہتا ہے کہ کہیں مجھ سے یہ نعمت سلب نہ ہو جائے' بلکہ جب وہ کافروں اور فاسقوں کو دیکھتا ہے کہ بِلا کسی سابقہ جرم کے ان سے ایمان و اطاعت کی نعمتیں چھین لی گئیں تو وہ یہ سوچتا ہے کہ جس ذات کو یہ پروا نہیں کہ کسی گناہ کے بغیر محروم کر دے' اور کسی وسیلے کے بغیر بخش دے اسے اس کی پروا کب ہو سکتی ہے کہ کوئی نعمت دے کر واپس لے لے' بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مؤمن مرتد ہو کر مرتا ہے' اور کافر مؤمن ہو کر یا فاسق مطیع ہو کر۔ اس طرح کے خیالات دل میں عُجب کی آمد کی راہ مسدود کر دیں گے۔

عُجب کے اسباب اور ان کا علاج

: جاننا چاہئے کہ جن اسباب سے تکبّر ہوتا ہے انہی سے عُجب بھی ہوتا ہے' تکبّر کے اسباب ہم پہلے بیان کر چکے ہیں' کبھی عُجب ان اسباب سے بھی ہوتا ہے جن سے تکبّر نہیں ہوتا جیسے اپنی ناقص رائے پر عُجب کرنا' جو اسے اپنی جہالت کی بنا پر اچھی نظر آتی ہے۔ عُجب کے آٹھ اسباب ہیں:

پہلا سبب : یہ ہے کہ بدن کی خوبصورتی' ہیئت' صحت' قوت' تناسبِ اعضاء' حسنِ صورت' خوش آوازی وغیرہ جسمانی صفات و خصوصیات پر عُجب کرے' اور یہ بھول جائے کہ بدن کی خوبصورتی اللہ کی زوال پذیر نعمت ہے۔ اس کا علاج وہی ہے جو ہم نے تکبّر کے باب میں لکھا ہے کہ جو شخص اپنے جمال پر تکبر کرتا ہو اسے اپنی ابتدا اور انتہا کی غلاظتوں اور نجاستوں کا تصور کرنا چاہئے' اور یہ سوچنا چاہئے کہ کتنے مہ وش اور خوبرو اسی زمین میں سو گئے ہیں' اور قبروں میں ان کے پھول جیسے چہرے غلاظتوں کا ڈھیر بن گئے ہیں۔

دوسرا سبب : یہ ہے کہ اپنی طاقت و قوت پر عُجب کرے' جیسا کہ قومِ عاد نے یہ کہا تھا: مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (کون ہے طاقت میں ہم

سے زیادہ) یا جسطرح عوج ابن عنق نے چاہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر پہاڑ اٹھا کر رکھ دے' اور انھیں اپنی قوت کے مظاہرے سے ہلاک کردے' لیکن چند ضعیف و ناتواں ہدہدوں نے جن کی چونچ نرم ہوتی ہے اس پہاڑ میں اتنا بڑا سوراخ کیا کہ وہ پہاڑ خود اسی کے گلے کا طوق بن گیا' بعض اوقات مؤمن بھی اپنی قوت پر تکیہ کرتا ہے' جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ میں ایک رات میں سو عورتوں کے پاس جاؤں گا' انھوں نے اِنشاء اللہ نہیں کہا تھا' اس کی سزا انھیں یہ ملی کی نرینہ اولاد سے محروم رہے' جب کہ انھیں نرینہ اولاد کی تمنا تھی۔ یہی حال حضرت داؤد کا تھا کہ انھوں نے آزمائش میں ثابت قدم رہنے کا دعویٰ کیا' کیونکہ انھیں اپنی قوت پر بھروسا تھا' لیکن جب ایک عورت کے باب میں مبتلا کئے گئے تو ثابت قدم نہ رہ سکے' قوت پر عُجب سے جنگوں میں حملہ کرنے' نفس کو ہلاکت میں ڈالنے' اور دشمن کو مارنے یا ہلاک کرنے میں سبقت کرنے کی خواہش بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا علاج بھی ہم ذکر کرچکے ہیں کہ اسے یہ خیال کرلینا چاہئے کہ ایک دن کا بخار اس کا تمام دم خم نکال دے گا اور وہ تمام قوت زائل کردے گا جس پر اتراتا پھرتا ہے' اگر اس نے اپنی طاقت پر عُجب کیا تو یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ادنیٰ آفت مسلط کرکے یہ قوت سلب کرلے۔

تیسرا سبب : یہ ہے کہ اپنی عقل و دانائی اور فہم و فراست پر عُجب کرے' اور یہ سمجھے کہ میں دین و دنیا کی دقیق مصلحتوں سے واقف ہوں' ایسا شخص خود رائے ہوتا ہے' وہ کسی سے مشورہ بھی نہیں لیتا' بلکہ ان تمام لوگوں کو جاہلِ محض سمجھتا ہے جو اس کی رائے سے اختلاف رکھتے ہیں' ایسا شخص اہلِ علم و دانش سے بھی برائے نام ربط رکھتا ہے' بلکہ ان کی کوئی بات توجّہ سے سنتا ہی نہیں تاکہ یہ ثابت کرسکے کہ میں اپنی رائے اور عقل میں مکمل ہوں' مجھے کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں بلکہ دوسرے تمام اہل علم مجھ سے کم تر اور میرے مقابلے میں انتہائی حقیر و ذلیل ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ اس بات پر اللہ عزّوجلّ کا شکر ادا کرے کہ اس نے عقل و فہم سے نوازا' یہ بھی سوچے کہ اگر اسے کوئی دماغی مرض لاحق ہوجائے تو کیا وہ اسی طرح اپنے عاقل اور فہیم ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ کوئی مرض ایسا پیدا ہوجائے جو اسے وخرد سے بیگانہ کردے اور میں اس حال میں سڑکوں کا گشت لگاؤں کہ نادان بچے میری حماقتوں کو اپنے لئے تماشہ سمجھ رہے ہوں اور مجھ پر ہنس رہے ہوں' ہوسکتا ہے کہ عقل پر عُجب کرنے سے' اور اس نعمت پر مُنعِم کا شکر ادا نہ کرنے سے میری عقل سلب ہوجائے' مؤمن کو چاہئے کہ وہ اپنے علم اور عقل کو کم تصوّر کرے' خواہ زیادہ ہی زیرک اور تعلیم یافتہ ہو' اپنی معلومات کو ہیچ سمجھے خواہ اس کا دائرۂ معلومات انتہائی وسیع کیوں نہ ہو' اور یہ حقیقت بھی ہے کہ آدمی کثرتِ علم اور وسعتِ معلومات کے باوجود بہت سی باتوں سے جاہل رہتا ہے' اور وہ بہت سی باتیں دوسروں کو معلوم ہوتی ہیں' جب انسانوں کے مقابلے میں اس کے علم کا یہ عالم ہے تو باری تعالیٰ کے مقابلے میں کیا حیثیت ہوگی جس کا علم سمندروں کی ناپیداکنار وُسعت سے بھی کہیں زیادہ وسیع ہے۔ اپنی عقل کو ناقص سمجھنا ہی دانائی ہے' احمقوں کو دیکھئے اپنے سے بڑا عقلمند کسی کو نہیں سمجھتے حالانکہ لوگ ان کی بے وقوفی پر ہنستے ہیں' تم عُجب کرکے احمقوں کی فہرست میں اضافے کا باعث نہ بنو' ناقصُ العقل شخص اپنے عقل کے نقص سے واقف نہیں ہوتا وہ اپنی حماقت سے یہ سمجھتا ہے کہ میں عقلمند ہوں' بہتر یہ ہے کہ اپنی عقل کی کمی بیشی خود پرکھے' کسی کے کہنے کا اعتبار نہ کرے' خاص طور پر دوستوں کا کہ وہ منہ دیکھے کی باتیں کرتے ہیں' اور جھوٹی تعریفیں کرکے مزید عُجب کا باعث بنتے ہیں۔

چوتھا سبب : یہ ہے کہ اپنے نسب پر عُجب کرے' جیسا کہ بعض ہاشمی اپنے نسب کی شرافت پر فخر کرتے ہیں' ان میں سے بہت سے اس خوش خیالی میں مبتلا رہتے ہیں کہ ان کے نسب کی عظمت ان کے لئے نجات کی ضمانت ہے' وہ اپنے آباؤ اجداد کے طفیل بخش دیئے جائیں گے' بعض عالی نسب یہ سمجھتے ہیں کہ تمام لوگ ہمارے غلام اور نوکر ہیں' اس کا علاج یہ ہے کہ اس طرح سوچے کہ میں نے اپنے آباؤ اجداد کی مخالفت کی' اور نادانی سے یہ سمجھ بیٹھا کہ میں ان کے برابر ہوگیا حالانکہ یہ میری حماقت ہے' میں ان کے

برابر انکی تقلید کرکے ہوسکتا ہوں حالانکہ میں ان کے اتباع نہیں کرتا، کیا وہ عجب کیا کرتے تھے؟ ان میں عجب کہاں تھا، وہ لوگ تو سراپا انکسار تھے، خوف انکی رگ و پے میں سمایا ہوا تھا، وہ حقیر سے حقیر چیز کو بھی اپنے سے برتر سمجھتے تھے، انکا نفس خود ان کی نظروں میں حقیر و ذلیل تھا، حالانکہ وہ انتہائی بلند تھے، اپنے نسب کی وجہ سے نہیں، بلکہ اپنے علم، اطاعت، اور منکسر المزاجی جیسی عمدہ خصلتوں کی وجہ سے۔ ان جیسا بننے کے لئے ضروری ہے کہ میں ان کی تقلید کروں، ان کی اچھی عادتیں اپناؤں، اگر نسب شرافت یا نجات کا باعث ہوا کرتا تو وہ لوگ بھی شریف یا نجات یافتہ ہوتے جو ہمارے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ایمان کی دولت سے محروم رہنے کے باعث وہ لوگ ذلیل ہیں۔ اللہ کے نزدیک وہ کتّے اور سُؤر سے بھی بُرے ہیں۔ انسانی نسب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

یَآاَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنَاکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی (پ۲۶ ر۱۴ آیت ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔

: یعنی تمہارے نسب میں کوئی فرق نہیں سب کی اصل ایک ہے، سب مرد و عورت کے اختلاط سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس کے بعد نسب کا فائدہ بیان فرمایا:۔

وَجَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (پ۲۶ ر۱۴ آیت ۱۳)

: اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔

اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ شرف کا مدار تقویٰ پر ہے نسب پر نہیں ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقَاکُمْ (پ۲۶ ر۱۴ آیت ۱۳)

: اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

کسی شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ دریافت کیا کہ لوگوں میں بزرگ تر اور عقلمند کون ہے تو اس کے جواب میں آپ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ جو میری نسل سے ہو، بلکہ فرمایا:۔

اَکْرَمُھُمْ اَکْثَرُھُمْ لِلْمَوْتِ ذِکْرًا وَّاَشَدُّھُمْ لَہٗ اِسْتِعْدَادًا (ابن ماجہ۔ ابن عمرؓ)

لوگوں میں بزرگ تر وہ ہے جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور اسکے لئے زیادہ تیاری کرتا ہے۔

اس حدیث سے پہلے جو آیت مذکور ہوئی وہ فتح مکہ کے دن اس وقت نازل ہوئی جب مسجد حرام میں حضرت بلالؓ نے اذان دی، اور حرث ابن ہشام، سہیل ابن عمروؓ، اور خالد ابن اسید نے کہا کہ کیا یہ سیاہ فام غلام اذان دے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کے نزدیک شرف کا مدار تقویٰ پر ہے، کسی شخص کے سفید یا سیاہ رو ہونے پر نہیں ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ عُبِّیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ اَیْ کِبْرَھَا کُلُّکُمْ بَنُوْ آدَمَ وَ آدَمُ مِنْ تُرَابٍ
(ابوداؤد، ترمذی، ابوہریرہؓ)

اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا عیب یعنی اس کا کبر دور کردیا ہے تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ لَایَاْتِی النَّاسُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِالْاَعْمَالِ وَتَاْتُوْنَ بِالدُّنْیَا تَحْمِلُوْنَھَا عَلٰی رِقَابِکُمْ تَقُوْلُوْنَ یَامُحَمَّدُ یَامُحَمَّدُ! فَاَقُوْلُ ھٰکَذَا (طبرانی۔ عمران ابن حصین)

اے گروہ قریش! لوگ قیامت کے روز اعمال لے کر نہیں آئیں گے، بلکہ تم اپنی گردنوں پر دنیا لاد کر لاؤ گے اور

محمد محمد پکارو گے میں بھی ایسا ہی جواب دوں گا (یعنی تم سے رُخ پھیرلوں گا)۔
گویا آپ نے قریش پر یہ بات واضح کردی کہ اگر وہ دنیا کی طرف مائل ہوئے تو قریش کا نسب انکے لئے ذرا مفید نہ ہوگا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (پ ۱۹ ر ۱۵ آیت ۲۱۴)

: اور آپ (سب سے پہلے) اپنے نزدیک کے کنبے کو ڈرایئے۔

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام افراد کو ایک ایک کرکے پکارا' یہاں تک فرمایا: اے محمد کی بیٹی فاطمہ' اے عبدالمطلب کی بیٹی اور محمد کی پھوپھی صفیہ تم اپنے لئے عمل کرو' میں تمہیں اللہ کی پکڑ سے نہ بچا سکوں گا (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ) جو شخص ان حقائق سے واقف ہوگا' اور یہ بات جانے گا کہ وہ اپنے تقویٰ کے بقدر معزز اور شریف ہے۔ نیز یہ کہ اس کے آباؤ اجداد کی سرشت تواضع تھی۔ اگر میں نے تقویٰ و تواضع میں ان کی اقتداء کی تو صحیح ورنہ میں خود اپنے عالی نسبی کے لئے ایک بدنما داغ' اور اپنے آباء کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ ہوں اور خود اپنی زبان حال سے اپنے نسب کو بُرا کہہ رہا ہوں' کیوں کہ میں اچھے لوگوں کی طرف منسوب ہوں' لیکن تواضع' تقویٰ اور خشیت میں ان جیسا نہیں ہوں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ اور حضرت صفیہؓ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ تم دونوں کی مجھ سے قرابت ہے (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہؓ) اور بنو سلیم کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ میری شفاعت کی توقع رکھتے ہیں' کیا عبدالمطلب اس کی توقع نہ کرے (طبرانی اوسط۔ عبداللہ ابن جعفر) ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرابت داروں کی خاص طور پر شفاعت فرمائیں گے۔ اس لحاظ سے اگر بنو ہاشم یہ امید رکھیں کہ ان کا نسب انکے لئے وسیلہ نجات بنے گا تو اس میں کیا قباحت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا امیدوار ہے' ہاشمی کو بھی شفاعت کا امیدوار رہنا چاہئے بشرطیکہ وہ خدا کے غضب سے ڈرنے والا ہو' اگر کوئی شخص اللہ کے غضب میں مبتلا ہے تو پھر کسی کو اس کی شفاعت کی اجازت نہیں ہے۔

شفاعت کے لحاظ سے گناہ کی دو قسمیں : شفاعت کے اعتبار سے گناہ کی دو قسمیں ہیں بعض گناہ وہ ہیں جو غضبِ الٰہی کا باعث ہوتے ہیں' ایسے گناہوں کی شفاعت کی اجازت نہیں ہوگی' اور بعض گناہ ایسے ہیں جو شفاعت کی وجہ سے معاف کردئے جائیں گے جیسے دنیاوی بادشاہوں کا معاملہ ہے بعض خطائیں اور جرم ان کے غیظ و غضب کو اس طرح للکارتے ہیں کہ قریب سے قریب تر آدمی بھی ان کی سفارش کرتے ہوئے گھبراتا ہے' اسی طرح بادشاہِ حقیقی کے یہاں بھی بعض گناہ شفاعت سے معاف نہیں کئے جائیں گے' اور مجرمین کو سزا بھگتنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہیں:۔

وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ (پ ۱۷ ر ۲ آیت ۲۹)

اور بجز اس کے جس کے لئے خدا تعالیٰ کی مرضی ہو اور کسی کی سفارش نہیں کرسکتے۔

مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ (پ ۳ ر ۲ آیت ۲۵۵)

ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس (کسی کی) سفارش کرسکے اس کی اجازت کے بغیر۔

وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ (پ ۲۲ ر ۲ آیت ۲۳)

اور خدا کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لئے کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کی نسبت وہ اجازت دیدے۔

معلوم ہوا کہ بعض گناہ ناقابلِ شفاعت بھی ہیں۔ اسلئے انجام کا خوف ضروری ہے' اگر ہر گناہ میں شفاعت قابلِ قبول ہوتی تو آپ قریش کو اطاعت کا حکم نہ دیتے' اور نہ آپ حضرت فاطمہؓ کو معصیت سے منع فرماتے' بلکہ انہیں اجازت دیتے کہ وہ اپنی دنیاوی لذتوں کی تکمیل کے لئے شہوات کی اتباع کرسکتی ہیں' میں آخرت میں سفارش کرکے بچالوں گا اور وہاں کی لذات بھی مکمل

ہو جائیں گی' خیر سے بچنا اور شفاعت کی امید پر معصیت کے سمندر میں غرق رہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی مریض نہ پرہیز کرے اور نہ دوا کھائے' بلکہ اپنے طبیب پر بھروسا رکھے کہ وہ بڑا نامی گرامی طبیب ہے' مجھ پر نہایت شفیق اور مہربان ہے' میرا انتہائی خیال رکھتا ہے۔ اس لئے ترک علاج یا بد پرہیزی سے مجھے کچھ نقصان نہ ہوگا' بلکہ میرا طبیب مجھے بچالے گا' یہ سراسر جہالت ہے طبیب کی تمام تر جدّوجہد مریض کے رویئے پر موقوف ہے' وہ تنہا تمہارا ایک ظاہری مرض بھی دور نہیں کر سکتا' چہ جائیکہ وہ تمہارے مخفی امراض کا علاج کر سکے' یہی حال اقارب و احباب کے لئے انبیاء اور صلحاء کی سفارش کا ہے' اگر وہ خود اپنے لئے کچھ نہیں کرتے تو انبیاء کی سفارش ان کے لئے بیکار ہے۔

پھر سفارش کی توقع پر آخرت کے خوف سے بے نیاز ہو جانا بھی مؤمن کو زیب نہیں دیتا' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اپنے تقویٰ و تقدّس' اور تقرب الٰہی کے باوجود ہروقت خوف سے لرزتے رہتے اور آخرت کے احتساب سے بچنے کے لئے یہ تمنا کرتے کہ کاش وہ بہائم ہوتے' پرندے ہوتے' مٹی اور پتھر ہوتے۔ جبکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ان کے لئے جنت کا اور تمام مسلمانوں کے لئے عموماً شفاعت کا وعدہ فرمایا تھا' لیکن انہوں نے اس پر تکیہ نہیں کیا' بلکہ زندگی کے آخری سانس تک اللہ کے خوف سے لرزہ براندام رہے۔ جب صحابہ کرامؓ کا عالم یہ ہے تو وہ لوگ کس طرح شفاعت پر تکیہ کرتے ہیں' اور اعجاب نفس میں مبتلا ہیں جنھیں نہ محبتِ رسول میسّر ہے اور نہ شفاعتِ رسول کا استحقاق ہے۔

<u>پانچواں سبب</u> : یہ ہے کہ ظالم بادشاہوں اور ان کے انصار و اعوان کی طرف اپنی نسبت پر عجب کرے۔ اہل دین اور اصحاب علم کی طرف اپنی نسبت کو اہمیت نہ دے یہ بھی انتہائی جہالت ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی ان ظالم بادشاہوں اور ان کے معاونین کی رُسوا کن حرکات پر نظر ڈالے اور یہ دیکھے کہ وہ اللہ کے بندوں پر کس طرح ظلم ڈھاتے ہیں' اور کتنے شرمناک طریقے سے دین میں فساد برپا کرتے ہیں' یہ لوگ اللہ کے نزدیک مغضوب ہیں' اگر دوزخ میں ان کے چہروں کا مشاہدہ ہو جائے جن پر غلاظتیں لتھڑی ہوئی ہیں اور جن سے تعفّن کے بھبکے اُٹھ رہے ہیں تو ان سے اتنی نفرت اور کراہیت پیدا ہو کہ بھول کر بھی ان کا نام نہ لے' بلکہ ان کی طرف اپنی نسبت سے براءت کرلے' اور اس شخص پر نکیر کرے جو اسے ان کی طرف منسوب کرے اور اگر اس پر یہ منکشف ہو جائے کہ وہ ظالم لوگ قیامت میں کس قدر ذلت اٹھا رہے ہیں' ان کے مخالفین دست و گریباں ہیں' ملائکہ ان کے بال کھینچ کر منہ کے بل جہنم کی طرف لے جارہے ہیں تو کتّے اور خنزیر کی طرف اپنی نسبت کرانا پسند کرے گا مگر یہ نہ چاہے گا کہ کوئی شخص اسے بدباطن اور خبیث انسانوں سے متعلق قرار دے۔ ظالموں کی اولاد کا حق یہ ہے کہ اگر اللہ انھیں ظلم سے محفوظ رکھے تو وہ اپنی دین کی سلامتی کے لئے اللہ کا شکر ادا کریں' اور اپنے آباؤ اجداد کے لئے۔ بشرطیکہ مسلمان ہوں۔ دعائے مغفرت کریں۔

<u>چھٹا سبب</u> : یہ ہے کہ اولاد' خدّام' نوکر چاکر' اعزّہ و اقرباء اور انصار و اتباع کی کثرت پر عجب کرے جیسا کہ کفّار مکّہ کہا کرتے تھے۔

نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَّأَوْلَادًا (پ ۲۲ ر ۱۰ آیت ۳۵)

ہم مال اور اولاد میں تم سے زیادہ ہیں۔

یا جیسے مسلمانوں نے غزوۂ حُنین کے موقع پر یہ دعویٰ کیا تھا کہ آج ہم قلّتِ تعداد کی بناء پر مغلوب نہیں ہوں گے' اس کا علاج وہی ہے جو کبر کے باب میں مذکور ہوا کہ اپنے اور ان لوگوں کے جن کی کثرت پر نازاں ہے ضعف کا خیال کرے' اور یہ سوچے کہ ہر شخص ایک عاجز اور حقیر انسان ہے نہ وہ اپنے نفع کا مالک ہے اور نہ نقصان کا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے:۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ (پ ۲ ر ۱۷ آیت ۲۴۵)

کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئی ہیں۔

علاوہ ازیں ان لوگوں کے عجب کرنے سے کیا فائدہ' یہ سب لوگ موت کے ساتھ ہی جدا ہو جانے والے ہیں' ہر شخص اپنی قبر میں تنہا جائے گا نہ کوئی رفیق و غم گسار ہو گا' نہ ہمدرد و آشنا' نہ باپ' نہ بیٹا' اپنے لوگ خود اپنے ہاتھوں سے اسے قبر میں لٹا کر کیڑوں مکوڑوں اور سانپ بچھوؤں کے حوالے کریں گے۔ اس وقت اسے ان سب کی سخت ضرورت ہو گی' لیکن وہ کام نہ آسکیں گے' اسی طرح قیامت کے دن بھی نگاہیں پھیر لیں گے' بلکہ دُور بھاگ جائیں گے' اس دن کی منظر کشی خود قرآن کریم نے اس طرح کی ہے۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ

(جس روز آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔

ایسے لوگوں پر فخر کرنے یا ان کی موجودگی پر اترانے سے کیا فائدہ کہ جب ان کی سخت ضرورت پڑے گی تو وہ کام نہ آئیں گے اور کنی کترا جائیں گے۔ قبر میں' قیامت کے دن' اور پُل صراط پر انسان کو صرف اس کے اعمال سے اور فضلِ خداوندی سے نفع پہنچے گا' جو نہ اپنے نفع و ضرر پر قادر ہوں اور نہ موت و حیات پر اختیار رکھتے ہوں وہ کسی دوسرے کو کیا نفع پہنچا سکتے ہیں۔

ساتواں سبب : یہ ہے کہ مال پر عجب کرے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دو باغ والوں کا قول نقل کیا ہے:۔

أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا (پ ۱۵ ر ۱۷ آیت ۳۴)

میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور قوم بھی زبردست ہے۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مالدار کو دیکھا کہ جب اس کے قریب ایک مفلس شخص آکر بیٹھا تو اس نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے' آپ نے اس سے ارشاد فرمایا:۔

أَخَشِيتَ أَنْ يَعْدُوَ إِلَيْكَ فَقْرُهُ (احمد فی کتاب الزہد)

کیا تو اس بات سے خوف زدہ ہے کہ کہیں اس کا افلاس تجھے نہ لگ جائے۔

مال پر عجب کا علاج یہ ہے کہ مال کی آفات' اس کے حقوق کی کثرت پر نظر ڈالے' اور غریبوں کے فضائل اور جنت میں ان کے داخلے کی اولیت ذہن میں رکھے' اور یہ دیکھے کہ مال آنے جانے والی چیز ہے' اسے بقا نہیں ہے پھر مال کوئی ایسی خصوصیت بھی نہیں جو مؤمن کا طرۂ امتیاز ہو' بہت سے یہودی مسلمانوں سے زیادہ دولت رکھتے ہیں۔ دولت کے پجاریوں کے متعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

بَيْنَمَا رَجُلٌ يَتَبَخْتَرُ فِي حُلَّةٍ قَدْ أَعْجَبَتْهُ نَفْسُهُ إِذْ أَمَرَ اللّٰهُ الْأَرْضَ فَأَخَذَتْهُ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (بخاری و مسلم۔ ابو ہریرہ)

جب آدمی لباس پہن کر اکڑتا ہے اور دل میں خوش ہوتا ہے تو یکایک زمین کو اللہ کا حکم ہوتا ہے' وہ اس کو نگل جاتی ہے' اور وہ قیامت تک اس میں دھنستا چلا جاتا ہے۔

حضرت ابو ذرؓ روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مسجد میں داخل ہوا' آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے ابو ذر اپنا سر اُٹھاؤ' میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو ایک خوش پوشاک شخص پر نظر پڑی تھوڑی دیر بعد آپ نے پھر سر اُٹھا کر دیکھا تو ایسے شخص پر نظر پڑی جس کے جسم پر پرانے کپڑے تھے' آپ نے فرمایا:۔

هٰذَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ قِرَابِ الْأَرْضِ (ابن حبان فی صحیحہ)

یہ شخص اللہ کے نزدیک تمام زمین سے بہتر ہے۔

یہ اور اس طرح کی وہ تمام روایات جو ہم نے کتاب الزہد' کتاب ذم الدنیا' اور کتاب ذم المال میں بیان کی ہیں' مالداروں کی حقارت اور فقراء کے شرف کی واضح دلیل ہیں' ان روایات کے پیش نظر کسی مسلمان سے یہ تصور ہی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی مالداری پر عجب کرے گا' بلکہ اگر مؤمن کے پاس دولت ہو تو اسے یہ خوف رہنا چاہئے کہ میں مال کے حقوق و واجبات صحیح طور پر ادا

بھی کرسکوں گا یا نہیں؟ جو شخص عجب کرتا ہے اس کا مال اس کے لیے عجب اور ذلت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

آٹھواں سبب : یہ ہے کہ اپنی غلط رائے پر عجب کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا (پ ۲۲ ر ۱۳ آیت ۸)

تو کیا ایسا شخص جس کو اس کا عمل بد اچھا کر کے دکھایا گیا پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا۔

ایک جگہ ارشاد ہے:۔

يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (پ ۱۶ ر ۳ آیت ۱۰۴)

وہ لوگ اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عجب بالرائے کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس اُمت کے آخری دَور میں رائے پر عجب کرنے کا رُجحان غالب ہوجائے گا اسی رُجحان کی بدولت پچھلی قومیں ہلاک ہوئی ہیں کہ گروہ بندی میں مبتلا ہوگئیں' ہر اُمت کئی فرقوں میں تقسیم ہوگئی' ہر فرقہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کے معتقدات صحیح ہیں۔(۱) تمام اہلِ بدعت و ضلالت اپنی بدعت اور ضلالت پر اس لئے مُصر ہیں کہ وہ اپنی رائے پر عجب کرتے ہیں' بدعت پر عجب کرنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی اس عمل کو بہتر سمجھے جسے اس کی خواہش نے جنم دیا ہو' اور اپنے خیال میں اسی کو حق تصور کرے' اس طرح کے عجب کا علاج انتہائی دشوار ہے' اس لئے کہ غلط رائے رکھنے والا شخص اپنی رائے کی غلطی سے واقف نہیں ہے' اور اس مرض کا علاج نہیں کیا جاسکتا جس سے واقفیت نہ ہو' جہالت ایک ایسی ہی بیماری ہے جس کی معرفت نہیں ہوئی' البتہ عارف جاہل کو اس کی غلطی پر مطلع کرسکتا ہے اور اس طرح اس کا مرض دُور کرنے کا باعث بن سکتا ہے' لیکن اگر جاہل اپنی جہالت پر بھی نازاں ہو تو عارف بیچارہ کیا کرے گا' وہ عارف کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کی بات سنکر اپنے مرض کا ازالہ کرسکے' بلکہ اُلٹا اسے متہم کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک مصیبت مسلط کردی ہے جو اسے ہلاک کرنے والی ہے' اور وہ اسے نعمت سمجھ کر خوش ہوتا ہے' ظاہر ہے ایسے مرض کا علاج کس طرح ممکن ہے' جس چیز کو وہ اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہے اس سے وہ نفرت کس طرح کرسکے گا؟ اس کا مجمل علاج یہ کہ اپنی رائے کو ہمیشہ متہم سمجھے' یعنی یہ سمجھے کہ میری رائے غلط بھی ہوسکتی ہے' اپنی رائے کی صحت پر بھروسا نہ کرے' اِلاّ یہ قرآن و سنّت سے کوئی قطعی دلیل اس کی صحت پر شاہد ہو' یا کوئی ایسی دلیل ہو جو صحت کی تمام شرائط کو جامع ہو' پھر یہ بات بھی اپنی جگہ ہے کہ شریعت و عقل کے دلائل' اور شرائط' اور ان میں غلطی کے پوشیدہ امکانات سے واقفیت کے لئے کمالِ عقل' رُسوخِ علم' تحقیق و جستجو' قرآن و حدیث کے مسلسل مطالعے' اور مذاکرے' اور اہلِ علم کی مستقل صحبت' درس و تدریس کے دائمی مشغلے کی ضرورت ہے' اگر کوئی شخص ان تمام شرائط کا جامع بھی ہو تو تب بھی یہ امکان موجود ہے کہ وہ بعض اُمور میں غلطی نہ کر جائے۔

جو شخص علم کی تعلیم و تعلّم کے لئے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ وقف نہ کرسکے اسے مذہبی مسائل میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں ہے' وہ تو صرف یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ ایک ہے' نہ اسکا کوئی شریک ہے' نہ کوئی اس جیسا ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں' جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔ نیز سلَف کے طریقے پر عمل کرے' قرآن و سنت کے احکام بلا بحث و تکرار' اور بغیر سوال و جواب کے قبول کرے' تقویٰ اختیار کرے' معاصی سے پرہیز کرے' اعمالِ خیر میں مشغول ہو' اگر وہ اپنی کم علمی کے باوجود مذہبی بحثوں میں پڑا' اور عقائد کی عصبیت اور بدعت و ضلالت کی آلودگی سے اپنے دامن کو نہ بچایا تو غیر محسوس طریقے پر ہلاک

---

(۱) یہ اشارہ ہے ابوداؤد و ترمذی کی اس روایت کا جو حضرت ابو ثعلبہ نے روایت کی ہے ارشاد فرمایا "فاذا رأیت شحا مطاعا وھوی متبعا و اعجاب کل ذی رأی برأیہ فعلیک بخاصۃ نفسک۔

ہو جائے گا۔ صرف علم کے لیے وقف ہو کر رہ جانے والے لوگوں کی ذمہ داری بھی کچھ کم نہیں ہے' اولاً تو انہیں دلائل اور شرائط سے واقفیت حاصل کرنی چاہئیے' واقفیت کا یہ مرحلہ اتنا تفصیل طلب ہے کہ بسا اوقات حق کی معرفت حاصل کرنا دشوار ہو جاتا ہے اس وسیع سمندر کے ساحل تک صرف وہ لوگ پہنچ پاتے ہیں جو علم میں راسخ ہوں اور جن کو علم کے نورالٰہی کی روشنی میسّر ہو۔ ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں' زیادہ تر وہ لوگ ہیں جنھوں نے علماء کی وضع اختیار کرلی ہے' لیکن ان کا باطن جہالت کی آماجگاہ ہے۔

غُرور و غفلت کی مذمّت کا بیان

ہوشیار اور چوکنا رہنا انسان کے لئے باعثِ سعادت ہے' اور غرور غفلت میں مبتلا رہنا باعث شقاوت ہے۔ بندے کیلئے ایمان و معرفت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے' اور اس نعمت کے حصول کا ذریعہ شرح صدر ہے' اس کے برعکس کفر و معصیت سے بڑھ کر کوئی بُری چیز نہیں ہے' اور یہ برائی صرف ان لوگوں کا مقدر بنتی ہے جو جہالت کے اندھیرے' اور قلب کی تاریکی میں گرفتار ہیں' اور اہل بصیرت اور اربابِ دانش کے دلوں کی مثال ایسی ہے:۔

كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (پ ۱۸ ر ۱۱ آیت ۳۵)

جیسے ایک طاق ہے اور اس میں ایک چراغ ہے وہ چراغ ایک قندیل میں ہے' وہ قندیل ایسا ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو (اور) وہ چراغ ایک نہایت مفید درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے کہ وہ زیتون کا درخت ہے جو نہ پورب رخ ہے اور نہ پچھم رُخ ہے' اس کا تیل (اس قدر صاف اور سُلگنے والا ہے) اگر اس کو آگ بھی چھوئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اُٹھے گا (اور اگر آگ بھی لگ گئی تب تو) نُورٌ عَلٰى نُوْرٍ ہے۔

اور اصحابِ غفلت کے دلوں کی کیفیت اس آیت کریمہ سے واضح ہوتی ہے:۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (پ ۱۸ ر ۱۱ آیت ۴۰)

یا وہ ایسے ہیں جیسے بڑے گہرے سمندر میں اندرونی اندھیرے کہ اس کو ایک بڑی لہر نے ڈھانپ لیا ہو (اس لہر) کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل (ہے غرض) اوپر تلے بہت سے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہیں کہ اگر (کوئی ایسی حالت میں) اپنا ہاتھ نکالے تو دیکھنے کا احتمال بھی نہیں اور جسکو اللہ ہی نور (ہدایت) نہ دے اس کو کہیں سے بھی نور میسّر نہیں ہو سکتا۔

اہلِ بصیرت وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازتا ہے' اور اسلام کیلئے ان کے دل کے دروازے کھول دیتا ہے' اور اہلِ غفلت وہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے' اور ان کے دل رُشد و ہدایت کے لئے تنگ بنا دیتا ہے' یہ وہ بدقسمت لوگ ہیں جن کے لئے دربصیرت وا نہیں ہوتا' بلکہ وہ نفسانی خواہشات اور شیطانی اَفکار و خیالات کو اپنا قائد و رہبر سمجھتے ہیں قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:۔

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (پ ۱۵ ر ۱۸ آیت ۷۲)

اور جو شخص دنیا میں (راہ نجات دیکھنے سے) اندھا رہے گا سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور زیادہ گم کردہ راہ ہوگا۔

غرور و غفلت کی مذمت کیوں ضروری ہے؟ : کیوں کہ غرور و غفلت تمام شقاوتوں کی اصل ' اور تمام ہلاکتوں کا سرچشمہ ہے ' اس لئے ان راہوں کا بیان کرنا جن سے غرور کو داخل ہونے کا موقع ملتا ہے اور ان تمام حالات کی تفصیل کرنا جن میں کثرت سے غرور ہوتا ہے ضروری ہے تاکہ سالک وہ راہیں دریافت کرلیں اور وہ نفس کو ان پر چلنے سے باز رکھ سکیں۔ اس باب میں ہم غرور وغفلت کی قسمیں بھی بیان کریں گے اور ان لوگوں کی اصناف بھی جو غرور و غفلت میں مبتلا ہوجاتے ہیں ' جیسے قاضی ' علماء اور صلحاء۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ظاہر اعمال کو اچھا سمجھتے ہیں اور باطن پر توجہ نہیں کرتے۔ گفتگو کے دوران ہم ہر صنف کی غفلت کے اسباب پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ اگرچہ یہ اقسام زیادہ ہیں لیکن ہم انھیں بطور مثال ذکر کریں گے تاکہ ان سے اس طرح کی دوسری قسموں پر تنبیہہ ہوسکے۔

مُغترّین کی قسمیں : غرور و غفلت میں مبتلا ہونے والوں کے بہت سے فرقے ہیں ' تاہم چار فرقے ان تمام کو جامع ہیں۔ ایک فرقۂ علماء ' دوسرا فرقۂ زاہدین ' تیسرا فرقۂ صوفیاء ' چوتھا فرقۂ رؤساء۔ باقی تمام فرقے ان ہی چار فرقوں سے بنتے ہیں ' پھر ان فرقوں کے غرور و غفلت کے اسباب بھی مختلف ہیں ' مثال کے طور پر بعض لوگ منکرات کو معروفات سمجھتے ہیں جیسے مسجدوں کا سجانا چمکانا وغیرہ ' بعض لوگ اپنے اعمال میں یہ تمیز نہیں کرپاتے کہ ان کا کونسا عمل خود ان کے نفس کے لئے ہے اور کونسا خاص اللہ کے لئے ہے ' جیسے واعظین کے دل میں قبول و جاہ کی خواہش ہوتی ہے اور زبان پر یہ دعویٰ کہ ہم صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے یہ کار خیر انجام دے رہے ہیں ' بعض لوگ اہم کو چھوڑ کر غیر اہم میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ جیسے فرض چھوڑ کر نفل پڑھنا یا نماز میں مخارج حروف پر دھیان دینا اور ارکان نماز سے غفلت برتنا ' اس طرح کے بے شمار اسباب ہیں ' یہ تمام اسباب پوری وضاحت کے ساتھ اسی وقت سامنے آئیں گے جب ہم ہر فرقے کا الگ الگ جائزہ لیں گے لیکن اس سے پہلے ہم غرور و غفلت کی مذمت پر روشنی ڈالتے ہیں ' اس کے بعد غرور و غفلت کی تعریف کریں گے اور مثالوں کے ذریعے اس کی حقیقت ظاہر کریں گے۔

غرور کی مذمت اور اس کی حقیقت مثالوں کی روشنی میں : قرآن کریم کی یہ آیتیں غرور کی مذمت کے لئے کافی ہیں۔

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللّٰهِ الْغَرُورُ (پ ۲۱ ر ۳۰ آیت ۳۳)

سو تم کو دنیوی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ وہ دھوکے باز اللہ سے دھوکے میں ڈالے۔

وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتّٰى جَاءَ أَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُم بِاللّٰهِ الْغَرُورُ (پ ۲۷ ر ۱۸ آیت ۱۴)

لیکن تم نے اپنے آپ کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور تم منتظر رہا کرتے تھے اور شک رکھتے تھے اور تم کو تمہاری بے ہودہ تمناؤں نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا یہاں تک کہ تم پر خدا کا حکم آپہنچا اور تم کو دھوکہ دینے والے نے اللہ کے ساتھ دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔

حدیث شریف میں ارباب بصیرت اور اہل غفلت کا موازنہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

حَبَّذَا نَوْمُ الْأَكْيَاسِ وَ فِطْرُهُمْ كَيْفَ يَغْبُنُوْنَ سَهَرَ الْحُمْقٰى وَاجْتِهَادُهُمْ وَ لَمِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ صَاحِبِ تَقْوٰى وَيَقِيْنٍ أَفْضَلُ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِنَ الْمُغْتَرِّيْنَ (ابن ابی الدنیا۔ ابوالدرداءؓ)

کتنی اچھی ہے عقلمندوں کی نیند اور ان کا افطار ' کیسے ناقص کرتے ہیں بے وقوفوں کی بیداری اور کوشش کو ' صاحب تقویٰ و یقین کا ذرّہ برابر مغترّین کے زمین بھر عمل سے بہتر ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ (ترمذی، ابن ماجہ۔ شداد ابن اوس)

عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو ذلیل رکھے، اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو نفس کو خواہشات کا پیرو کار بنائے اور اللہ سے مغفرت کا متمنی رہے۔

: علم کی فضیلت اور جہل کی مذمت میں جو کچھ آیات اور روایات وارد ہیں وہ سب غرور و غفلت کی مذمت پر بھی دلیل ہیں، کیوں کہ غرور جہالت ہی کی ایک قسم ہے، جہالت کے معنیٰ یہ ہیں کہ آدمی کسی چیز کو اس کی حقیقت کے برخلاف جانے۔ اگرچہ غرور جہالت ہے، مگر ہر جہالت غرور نہیں ہے، بلکہ غرور کے لئے مغرور اور مغرور فیہ اور مغرور بہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص کے معتقدات اس کی نفسانی خواہشات کے مطابق ہوں، اور وہ ان کی صحت کے لئے مشتبہ دلائل اور فاسد خیالات کا سہارا لے رہا ہو، جب کہ وہ دلائل حقیقت میں دلائل نہ ہو تو ان خیالی دلائل کے ذریعے جو جہل حاصل ہوتا ہے اسے غرور کہا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے غرور اس خیال کو کہتے ہیں جو شیطان کے شبے یا فریب کے باعث دل میں راسخ ہو جائے اور وہ خواہش نفس کے مطابق ہو۔ اس طرح ہر وہ شخص مغرور کہلائے گا جو کسی فاسد شبہے کی بنا پر یہ خیال کرتا ہے کہ میں اب خیر کے راستے پر ہوں یا مستقبل میں خیر کی راہوں پر چلوں گا۔ اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو خیر پر سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ غلطی پر ہوتے ہیں۔ اس طرح اکثر لوگ مغرور ہیں، اگرچہ ان کی اصناف اور غرور کے اسباب مختلف ہیں۔ بعض کا غرور بہت زیادہ واضح اور نمایاں ہوتا ہے، جیسے کفّار اور فسّاق و فجّار کا غرور۔ ان دونوں کا غرور سخت تر ہے، ان دونوں کے غرور کی شدت اور فرق ذیل کی مثالوں سے واضح ہو گا۔

پہلی مثال : اس کا تعلق کفّار کے غرور سے ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جنھیں دنیا کی زندگی نے مغرور بنا رکھا ہے اور بعض وہ ہیں جنھیں شیطان نے مغرور بنایا ہے۔ وہ لوگ جنھیں دنیوی زندگی نے مغرور بنایا ہے یہ کہتے ہیں نقد ادھار سے بہتر ہے۔ دنیا نقد ہے اور آخرت اُدھار۔ اس لئے دنیا ہی اختیار کرنی چاہئے، پھر دنیا یقینی ہے، اور آخرت موہوم ہے، اور یقین شک سے بہتر ہوتا ہے، موہوم پر یقین کو ترجیح حاصل ہے ہم شک کی خاطر یقین ترک نہیں کر سکتے۔ یہ تمام دلائل شیطانی وسوسوں کے مشابہ ہیں۔ شیطان نے بھی اسی طرح کے خیالات کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا تھا۔

اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ (پ ۲۳ ر ۱۴ آیت ۷۶)

میں آدم سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو خاک سے پیدا کیا ہے۔

آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (پ ۱ ر ۱۰ آیت ۸۶)

یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے دنیوی زندگی کو لے لیا ہے آخرت کے عوض میں، سو نہ تو ان کو سزا میں تخفیف کی جائے گی اور نہ کوئی ان کی طرفداری کرنے پائے گا۔

اس طرح کے غرور کا علاج یا تو ایمان کی صداقت سے ہوتا ہے، یا دلیل و حجت سے، تصدیق ایمان سے علاج کی یہ صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی تصدیق کرے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (۱) (پ ۱۴، ر ۱۹، آیت ۹۶)

اور جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ دائمی رہے گا۔

---

(۱) سنن میں یہ روایت مذکور ہے کہ انصار نے کسی دلیل کے بغیر آپ کے دستِ حق پر بیعت کی، حضرت جابرؓ اس کے راوی ہیں۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ (پ ۲۰ ر ۹ آیت ۶۰)

اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے وہ بدرجہا اس سے بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (پ ۳۰ ر ۲ آیت ۱۷)

حالانکہ آخرت بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔

وَمَا الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (پ ۴ ر ۱۰ آیت ۱۸۵)

اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف دھوکے کا سودا ہے۔

فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا (پ ۳ ر ۱۳ آیت ۳۳)

سو تم کو دنیوی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے بہت سے گروہوں کو اس زندگی کی ناپائیداری اور آخرت کی زندگی کی بقا و دوام کی خبر دی تو انہوں نے آپکی تقلید کی' آپ کے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق کی' آپ پر ایمان لائے' اور آپ سے کسی دلیل یا برہان کا مطالبہ نہیں کیا۔

بعض لوگ ایسے بھی تھے جو یہ کہا کرتے تھے کہ ہم آپ سے اللہ کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کیا آپ اللہ کے رسول ہیں' آپ فرماتے وہاں! اس پر وہ لوگ آپ کی تصدیق کرتے اور ایمان لاتے (بخاری و مسلم۔ انسؓ) عام آدمیوں کا ایمان ایسا ہی ہونا چاہئے' اس سے آدمی غرور سے نکل جاتا ہے' عوام الناس کی تصدیق ایسی ہے جیسے لڑکا اپنے باپ کے اس قول کی تصدیق کرے کہ مدرسے جانا کھیلنے سے بہتر ہے' اگرچہ وہ یہ جانتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے' لیکن وہ اپنے باپ کے اس قول کو سچا سمجھتا ہے۔

یہ تو تصدیق ایمان کے ذریعے علاج کی تفصیل تھی' دلیل و برہان کے ذریعے علاج کا حاصل یہ ہے کہ اس قیاس کے فساد کی وجہ معلوم کرے جو شیطان نے اس کے دل میں جما دیا ہے' کیوں کہ ہر مغرور کے غرور کا ایک سبب ہوتا ہے' اور وہی سبب اس غرور کی دلیل ہوتا ہے' اور ہر دلیل ایک نوع کا قیاس ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے سکون کا باعث ہوتا ہے' اگرچہ اسے اس کا احساس نہ ہو کہ اس کے دل میں کسی طرح کا کوئی قیاس موجود ہے اور نہ وہ اس قیاس کو پڑھے لکھے لوگوں کی طرح الفاظ کے پیرائے میں بیان کرنے پر قادر ہو۔

زیر بحث قیاس کی دو اصلیں: اس قیاس کی جو کفار کے دل میں پیدا ہوتا ہے دو اصلیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ دنیا نقد ہے اور آخرت اُدھار۔ اور دوسری اصل یہ ہے کہ نقد ادھار سے بہ نسبت بہتر ہے۔ جہاں تک پہلی اصل کا تعلق ہے وہ درست ہے' لیکن دوسری اصل صحیح نہیں ہے' اس میں دھوکا ہے' یہ اصل اس وقت صحیح تسلیم کی جاسکتی ہے جب نقد اور اُدھار دونوں مقدار اور مقصود میں برابر ہوں۔ اور اگر نقد مقدار اور مقصود میں کم ہو تو ادھار بہتر ہے' یہ فریب خوردہ کافر تجارت میں ایک روپیہ اس خیال سے لگاتا ہے کہ اس سے دس کمائے گا' کیا یہ دس روپے ادھار نہیں ہیں؟ اس وقت یہ کیوں نہیں کہتا کہ نقد ادھار سے بہتر ہے۔

اسی طرح جب ڈاکٹر سے مرض کی زیادتی کا حوالہ دیکر بہت سے خوش ذائقہ کھانوں اور مرغوب پھلوں سے روک دیتا ہے تو وہ مستقبل میں حاصل ہونے والی صحت کے لئے اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرتا' حالانکہ اس موقع پر بھی نقد ادھار سے بہتر ہے کہ اصول پر عمل کرنا چاہئے' حالانکہ یہاں اس نے نقد (کھانا) چھوڑ کر اُدھار (صحت) کو ترجیح دی' اسی طرح تجارت پیشہ لوگ سمندروں کے سینے پر سفر کرتے ہیں' اور راستے کی مشقت اٹھا کر دور دراز کے علاقوں میں پہنچتے ہیں' ان کی یہ مشقت نقد ہے' جب کہ اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی راحت اور منفعت ادھار ہے' یہی حال دنیوی اور اُخروی زندگی کا ہے تجارت میں ایک کے بدلے دس ملتے ہیں اور آدمی یہ دس ہنسی خوشی قبول کرلیتا ہے' اس ایک پر قناعت نہیں کرتا' دنیاوی زندگی کی مدت کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی مدت انتہائی مختصر ہے۔ اس لئے کہ انسان کی زیادہ سے زیادہ عمر سو برس ہے' اور یہ سو برس آخرت کی زندگی کا

کروڑواں حصہ بھی نہیں ہیں' اب اگر کوئی دنیا کی ایک چیز چھوڑتا ہے تو گویا اس کے عوض کروڑوں چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ تو مقدار کی بات ہے۔ اگر دونوں کی کیفیت کا موازنہ کیا جائے تو بھی بہت زیادہ فرق ہے' دنیا کی لذت کدورت' رنج اور معیبت سے خالی نہیں ہے جب کہ آخرت کی تمام نعمتیں اور لذتیں پاک وصاف ہیں' نہ ان میں کدورت ہے اور نہ رنج و معیبت اس سے معلوم ہوا کہ نقد اُدھار سے بہتر والی بات کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوسکتی' یہ ایک مغالطہ ہے' جو ایک عام محاورے کے نتیجے میں پیدا ہوا' اور اسے خاص طور پر محمول کیا جانے لگا' جیسا لوگوں سے سنا یقین کرلیا' یہ نہیں سوچا کہ ہر نقد ادھار سے بہتر نہیں ہوتا' بلکہ اگر نقد اور ادھار دونوں مقصود میں برابر ہوں تب نقد ادھار سے بہتر ہوتا ہے۔

دوسرا شیطانی قیاس : شیطان ایک اور قیاس پیدا کرتا ہے' اور وہ یہ کہ یقین شک سے بہتر ہے' اور آخرت مشکوک ہے' یہ قیاس پہلے قیاس سے بھی زیادہ مفسدانہ ہے اس لئے کہ یہاں دونوں اصل باطل ہیں' پہلے قیاس کی ایک اصل تو صحیح تھی' اس قیاس کی ایک اصل یہ ہے کہ یقین شک سے بہتر ہے' حالانکہ یہ اصل قطعاً غلط ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تاجر تجارت میں پیسہ لگاتا ہے اور مشقت اٹھاتا ہے' اس کی مشقت یقینی ہے' لیکن نفع مشکوک ہے' فقیہ علم کے حصول میں جدوجہد کرتا ہے' اس کا یہ عمل یقینی ہے لیکن علم کے اعلیٰ مرتبے پر پہنچنا مشکوک ہے' اسی طرح شکاری شکار کی تلاش میں تگ ودَو کرتا ہے اس کا تگ ودَو کرنا یقینی ہے' لیکن اسکے نتیجے میں شکار پر قابو پانا مشکوک ہے۔ غرضیکہ اس طرح کے جتنے امور ہیں عقلمندوں کے یہاں ان کا یہی طریقہ ہے۔ لیکن کوئی بھی مشکوک کیلئے یقین ترک نہیں کرتا' تاجر یہ کہتا ہے کہ اگر میں تجارت کے لئے جدوجہد نہ کروں تو بھوکا رہوں' اگر میں تجارت کروں گا تو کم محنت میں زیادہ نفع اُٹھاؤں گا' اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ مجھے نفع کے بجائے نقصان اٹھانا پڑے۔ مریض ڈاکٹر کے کہنے سے کسیلی کڑوی بدذائقہ دوائیں پی لیتا ہے' اگرچہ اسے شفاء پر یقین نہیں ہوتا' جب کہ دوا کی کڑواہٹ پر پورا یقین ہوتا ہے' لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ کڑوی دوا کا ضرر مرض اور موت کے خطرے سے کہیں کم ہے' اسی طرح آخرت میں شک کرنے والوں کو بھی سوچنا چاہیئے کہ دنیا کی زندگی اگرچہ یقینی ہے لیکن اس کی مدت بہت کم ہے' مجھے اس تھوڑی سی مدت کے لئے صبر کرنا چاہیئے' جیسا کہ لوگ کہتے ہیں آخرت کی زندگی طویل ہوگی' احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ میں اس طویل زندگی کی خاطر اس مختصر زندگی کیلئے صبر کرلوں۔ اگر آخرت کے بارے میں لوگوں کا خیال غلط ہوا بھی تو مجھے صرف اتنا نقصان ہوگا کہ میں دنیوی زندگی کے چند روز اپنی خواہش کے مطابق نہیں گزاروں گا' لیکن اگر انکا کہنا سچ نکلا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنا پڑے گا۔ اسی لئے حضرت علیؓ نے ایک منکرِ آخرت سے فرمایا تھا کہ اگر تو سچ کہتا ہے تو اس میں نہ تیرا نقصان ہے اور نہ ہمارا۔ اور اگر ہم سچ کہتے ہیں تو تو ہلاک ہوگا اور ہم نجات پائیں گے۔ آپ نے یہ بات اس لئے نہیں فرمائی تھی کہ خدانخواستہ آپ کو آخرت میں شک تھا' بلکہ آپ نے ملحد کے فہم کے مطابق اسے سمجھانے کی کوشش کی' اور اسے یہ بتلادیا کہ اگر تجھے آخرت کا یقین نہیں تو تو فریب میں مبتلا ہے۔

دوسرے قیاس کی دوسری اصل یہ ہے کہ آخرت مشکوک ہے' یہ اصل بھی غلط ہے' اس لئے کہ اہل ایمان آخرت کے وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ اس یقین کی بنیاد ان دو چیزوں پر ہے' ایک ایمان' اور انبیاء و رسول کی تصدیق اور علماء کی تقلید۔ عوام اور اکثر خواص کے یقین کی وجہ یہی ہے ان کی مثال اس مریض کی سی ہے جو اپنے مرض کی دوا سے واقف نہ ہو' اور ماہرین فن اطباء اسے یہ بتلائیں کہ اس مرض کا علاج فلاں بوٹی سے ہوگا' مریض یہ سن کر یقین کرلیتا ہے وہ یہ نہیں پوچھتا کہ یہ بوٹی اس مرض میں کیوں مفید ہے؟ وہ ان سے طبّی دلائل نہیں مانگتا بلکہ جو کچھ وہ تجویز کرتے ہیں اسے بلا چُون و چَرا کے تسلیم کرلیتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے' اگر کوئی کم عقل یا دیوانہ اطباء کی تجویز پر نکتہ چینی بھی کرتا ہے تو یہ مریض اسے تسلیم نہیں کرتا' کیوں کہ وہ یہ بات جانتا ہے کہ اطباء تعداد میں اس دیوانے سے زیادہ ہیں' وہ علم و فضل میں بھی اس سے فائق ہیں' اور انھیں طبّی تجربات بھی حاصل ہیں' جب کہ یہ نکتہ چین علم طب کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہے' اس صورت میں ماہر اطباء کی تجویز کسی کم عقل یا پاگل کے کہنے سے کسی طرح مستَرد کی جاسکتی ہے۔ اگر کسی مریض نے ماہرین طب کی رائے پر عمل کرنے کے بجائے دیوانے کی رائے کو ترجیح دی تو یہ بھی اسی شمار

میں ہوگا جس شمار میں وہ دیوانہ ہے' یہی حال اس شخص کا ہے جس کا سابقہ ان لوگوں سے ہے جو آخرت کے معترف ہے' اور اس کے وقوع کی خبر دیتے ہیں' اور یہ کہتے ہیں کہ آخرت کی سعادتوں کے حصول کا ذریعہ تقویٰ ہے' وہ یہ جانتا ہے کہ جن لوگوں نے مجھے آخرت کی خبر دی ہے وہ بصیرت' معرفت اور عقل میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں' یعنی انبیاء' اولیاء' صلحاء اور علماء۔ ان امور میں لوگ ان ہی کی پیروی کرتے ہیں' البتہ جن کے دلوں پر شہوات غالب ہیں وہ ان کی اتباع نہیں کرتے' نہ وہ شہوات چھوڑنا پسند کرتے ہیں' اور نہ دوزخی کہلانا چاہتے ہیں۔ اس لئے آخرت کا انکار اور انبیاء کی تکذیب ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔ جس طرح عقل مند مریض کسی دیوانے کی نکتہ چینی سے متأثر ہو کر ماہر اطباء کی تکذیب نہیں کرتا اسی طرح صاحبِ عقل مؤمن کسی بے وقوف انسان کے کہنے پر انبیاء کے بتلائے ہوئے راستے سے انحراف نہیں کرتا۔ عام لوگوں کے لئے اسی قدر ایمان کافی ہے' اس سے غرور بھی ختم ہوتا ہے' اور وہ یقین بھی حاصل ہوتا ہے جو عمل کے لئے محرّک ہو۔

یقین کی دوسری بنیاد کا تعلق انبیاء اور اولیاء سے ہے۔ آخرت کے یقینی ہونے کی وجہ انبیاء کے لئے وحی ہے اور اولیاء کے لئے الہام ہے۔

انبیاء کا یقین تقلیدی نہیں ہے : یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ انبیائے کرام کو آخرت کی معرفت اور امورِ دین کا علم حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے ہوا ہے اور ہمیں انبیاء کے ذریعے' اس طرح ہمارا اور انبیاء کا یقین یا معرفت برابر ہے' دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے' یہ خیال اس لئے صحیح نہیں ہے کہ تقلید اور معرفت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ہمارے یقین کی بنیاد تقلید پر ہے اور انبیائے کرام کے یقین کی بنیاد معرفت پر ہے' انبیاء عارف کہلاتے ہیں' معرفت کے معنیٰ یہ ہیں کہ انبیاء کے سامنے ہر شئے کی حقیقت اسی طرح واضح دیکھتے ہیں جس طرح واضح کر دی جاتی ہے جیسی وہ ہوتی ہے۔ وہ اس حقیقت کو نورِ بصیرت سے اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح ہم چشم سے محسوسات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ انبیاء نے جو کچھ ہمیں بتلایا ہے وہ کسی سے سن کر نہیں بتلایا' بلکہ اپنے مشاہدات اور محسوسات کی حکایت کی ہے۔

رُوح کی حقیقت : چنانچہ انبیاء پر روح پرور کی حقیقت منکشف ہے کہ یہ امر ہے۔ اس سے مراد وہ امر نہیں ہے جو نہی کے مقابلے میں آتا ہے' کیوں کہ وہ کلام ہے اور روح کلام نہیں ہے' اور نہ اس سے مراد شان ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ روح اللہ کی مخلوق ہے' حالانکہ یہ بات تو تمام مخلوقات پر صادق آتی ہے' ان سب پر امر کا اطلاق ہونا چاہئے پھر آخر روح ہی کو امر کیوں کہا گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ عالم کی دو قسمیں ہیں ایک عالمِ امر' اور دوسرا عالمِ خلق۔ یہ دونوں اللہ ہی کے ہیں' تاہم جو چیزیں اجسام ہیں یعنی مقدار اور کمیت ہیں وہ خلق ہیں۔ کیوں کہ خلق کے لغوی معنیٰ ہیں اندازہ کرنا۔ عالم امر میں وہ چیزیں داخل ہیں جو کمیت اور مقدار سے پاک ہیں۔ علماء اسے سرِّ روح (روح کے راز) سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے ذکر کی اجازت نہیں کیوں کہ اس سے عام لوگوں کو نقصان ہوتا ہے جس طرح لیلۃ القدر کا راز ظاہر نہیں کیا گیا اسی طرح روح کا راز بھی افشاء نہیں کیا گیا۔ جو شخص روح کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور نفس کو پہچان لیتا ہے وہ اپنے رب کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور جب آدمی کو نفس اور رب دونوں کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو یہ جان لیتا ہے کہ روح اپنی طبع اور سرشت کے لحاظ سے ایک امرِ ربانی ہے۔ عالم جسمانی میں اس کا وجود ایک امرِ عجیب ہے۔ یہ عمل اس کی طبعیت کا تقاضا نہیں ہے بلکہ ایک عارضی امر ہے جیسا کہ یہ عارضی امر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا' اور معصیت کہلایا اور جس کی بنا پر انہیں جنت سے نکال کر زمین پر بھیجا گیا' حالانکہ جنت ان کی ذات کے مقتضیٰ کے مطابق ان ہی کے شایانِ شان تھی' کیوں کہ جنت قربِ الٰہی کا مظہر ہے اور آدم علیہ السلام روح کے اعتبار سے ایک امرِ ربانی تھے' اس لئے امرِ ربانی کا میلان قربِ الٰہی کے مظہر کی طرف فطری ہے' اِلّا یہ کہ کوئی عارضی امر اس کا رُخ پھیر دے' جب اس عالمِ خلق کا کوئی امر عارضی اس کو مقتضائے طبع سے منحرف کر دیتا ہے تو آدمی کو نہ اپنے نفس کی پہچان رہتی ہے

اور نہ اپنے رب کی' ایسے لوگوں سے کہا جاتا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (پ ۲۸ ر ۶ آیت ۱۹)

اور تم لوگوں کی طرح مت ہو جنھوں نے اللہ سے بے پروائی کی سو اللہ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنادیا' یہی لوگ نافرمان ہیں۔

فسق کے معنیٰ: فاسقین سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جو اپنی طبائع کے تقاضوں سے دور ہو گئے کیوں کہ لغت میں فسق کے معنیٰ ہیں کسی چیز کا اپنی حدِ طبعی سے تجاوز کرنا' اہلِ عرب کہتے ہیں فَسَقَتِ الرُّطَبَۃُ عَنْ كِمَامِهَا یعنی کھجور اپنے فطری معدن سے نکل گئی۔
یہ ان رازہائے سربستہ کی طرف معمولی اشارے ہیں ان پھولوں کی خوشبو سے صرف عارفین ہی لطف اندوز ہوتے ہیں' کم ہمت لوگ ان سے محروم رہتے ہیں' بلکہ اس طرح کی لطیف باتیں سن کر انھیں بخار آتا ہے' اور ان شاداب پھولوں سے اس طرح دور بھاگتے ہیں جس طرح گوبر کا کیڑا گلاب کی خوشبو سے دور بھاگتا ہے' ان کی کمزور نگاہیں ان اسرار کے نور کی متحمل نہیں ہیں جس طرح سورج کی کرنیں چمگادڑوں کو برداشت نہیں ہوتیں۔ قلب پر عالمِ ملکوت کے انکشاف کو معرفت کہتے ہیں اور معرفت و ولایت ہم معنیٰ ہیں' جس پر عالمِ ملکوت کے دروازے وا ہو جاتے ہیں وہ عارف اور ولی کہلاتا ہے' معرفت انبیاءؑ کے مقامات کا نقطۂ آغاز ہے' اولیاء اس نقطے پر اپنے درجات کی انتہا کرتے ہیں۔

مقصد کی طرف واپسی: اس ضمنی بحث کے بعد ہم پھر اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں' گفتگو کا موضوع یہ تھا کہ شیطان کا یہ فریب کہ آخرت مشکوک ہے یا تو یقینِ تقلیدی سے دور کرنا چاہئے' یا بصیرت اور مشاہدۂ باطن ہے۔

آج کے مسلمانوں کی حالت: اس دور کے اہلِ ایمان کے یقینِ تقلیدی کا تعلق دلوں کے بجائے زبانوں سے ہے' وہ بظاہر مؤمن ہیں' حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پابندی سے منحرف ہیں' اعمالِ صالحہ ترک کر بیٹھے ہیں' اور شہوات و معاصی میں مشغول ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ظاہری مؤمن بھی اس مغالطے میں کفار کے شریک ہیں' آخرت کی زندگی پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے میں وہ ان سے کسی طرح کم نہیں ہیں' تاہم ان کا معاملہ اس لئے زیادہ شدید نہیں کہ وہ اصل ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں' اور یہ دولت انھیں دائمی عقوبت سے محفوظ رکھے گی' وہ دوزخ میں جائیں گے لیکن اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر باہر آجائیں گے۔ اگرچہ وہ آخرت کے معترف ہیں' اور زبان سے اُخروی زندگی کو دنیا پر ترجیح دیتے ہیں' لیکن عملی طور پر دنیا کی طرف مائل ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں' کامیابی کیلئے محض ایمان کافی نہیں ہے جب تک اس کے ساتھ اعمالِ صالحہ نہ ہوں۔
ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ (پ ۱۶ ر ۱۳ آیت ۸۲)

اور میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر راہ پر قائم رہیں۔

إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ۔ (پ ۸ ر ۱۴ آیت ۵۶)

بے شک اللہ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی:۔

اَلْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ (بخاری و مسلم۔ ابن عمر)

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔

قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (پ۳۰ ر۲۸ آیت ۱ تا ۳)

قسم ہے زمانہ کی کہ انسان بڑے خسارہ میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو اعتقادِ حق کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی کی فہمائش کرتے رہے۔

قرآن کریم میں جہاں بھی مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ایمان اور عمل صالح کی شرط کے ساتھ مشروط ہے' صرف ایمان کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔ آج کے مسلمانوں کے اعمال پر نظر ڈالئے کیا وہ اس معنیٰ میں کفّار کے ہم مشرب نہیں ہیں کہ جس طرح وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں' اسی طرح یہ بھی دیتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا پر خوش ہوتے ہیں' اس کی لذات میں غرق ہیں' موت کو پسند نہیں کرتے' اس لئے نہیں کہ اللہ کے احتساب کا خوف ہے بلکہ اس لئے کہ موت سے دنیا کی لذت چھوٹ جائیں گی' اس سے معلوم ہوا کہ اس مغالطے میں کافر اور مؤمن سب شریک ہیں۔

اللہ کی نسبت کافروں کے دو مغالطے: کافروں اور گناہگاروں کو اللہ کی نسبت سے سخت مغالطہ ہے۔ کافروں کا مغالطہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر قیامت برپا ہوئی تو ہم دوسروں کی بہ نسبت اجر و ثواب کے زیادہ مستحق ہوں گے' آخرت کی نعمتوں میں ہمارا حصہ زیادہ ہوگا اور ہم وہاں زیادہ بہتر حالت میں ہوں گے' ان کے اس مغالطے کی حکایت قرآن کریم کی ان آیات میں کی گئی ہے جن میں دو آدمیوں کا مکالمہ مذکور ہے۔ ایک نے ان میں سے کہا تھا:۔

وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (پ۱۵ ر۱۶ آیت ۳۶)

اور میں نہیں گمان کرتا کہ قیامت ہوگی اور اگر میں اپنے رب کی طرف واپس لے جایا گیا تو ضرور اس باغ سے بہت زیادہ اچھی جگہ مجھے ملے گی۔

اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ ان میں سے ایک کافر نے ایک ہزار دینار میں ایک محل تعمیر کیا تھا' ایک ہزار دینار میں ایک باغ خریدا تھا' ایک ہزار دینار میں نوکر چاکر اور غلام باندی خریدے تھے اور ایک ہزار دینار شادی میں خرچ کئے تھے' اس سلسلے میں ایک مسلمان نے اسے یہ نصیحت کہ تو نے یہ محل لیا ہے جو بہت جلد زمین بوس ہو جائے گا' کیا تو اس ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں محل نہیں خرید سکتا تھا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے' تو نے باغ خریدا ہے حالانکہ یہ بہت جلد ویرانے میں تبدیل ہو جائے گا۔ ایک ہزار دینار میں تو اس سے زیادہ خوبصورت اور ہمیشہ سرسبز و شاداب رہنے والا باغ خرید سکتا تھا۔ اسی طرح تو ایک ہزار دینار میں ایسے غلام باندی خرید سکتا تھا جو کبھی موت سے ہم کنار نہ ہوں گے' جنت کی حوروں کو اپنی بیوی بنا سکتا تھا۔ یہ حوریں دنیا کی عورتوں کی طرح فنا ہونے والی نہیں ہیں۔ مؤمن کی ہر بات کے جواب میں وہ شخص یہ کہتا ارے میاں وہاں کچھ نہیں ہے' یہ سب کہنے کی باتیں ہیں' اور اگر میں تمہاری یہ بات مان بھی لوں کہ مرنے کے بعد جس دنیا میں رہنا ہوگا وہاں عالی شان محل ہوں گے' سرسبز و شاداب باغیچے ہوں گے' خوبصورت حوریں اور کنیزیں ہوں گی تو میرے خیال میں مجھے وہاں یہاں سے کچھ زیادہ ہی ملے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عاص ابن وائل کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے' وہ کہا کرتا تھا:۔

لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا (پ۱۶ ر۸ آیت ۷۷)

مجھ کو مال اور اولاد ملیں گے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا كَلَّا (پ۱۶ ر۸ آیت ۷۸-۷۹)

کیا یہ شخص غیب پر مطلع ہوگیا ہے یا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے۔

خباب بن الارت کہتے ہیں کہ عاص ابن وائل میرا مقروض تھا' میں اپنے قرض کا تقاضا کرنے کے لئے اس کے پاس گیا' اس نے میرا قرض ادا نہیں کیا' میں نے اس سے کہا کہ اگر تو نے میرا قرض ادا نہ کیا تو میں آخرت میں وصول کرلوں گا وہ کہنے لگا آخرت میں جب بھی میرے پاس مال ہوگا' میں وہاں جاکر تیرا قرض ادا کردوں گا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (بخاری و مسلم) بھلا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جو ہماری آیتوں کے ساتھ کفر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو مال اور اولاد ملیں گے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَىٰ (پ ۲۵ ر ا آیت ۴۹)

اور اگر ہم اس کو کسی تکلیف کے بعد جو اس پر واقع ہوئی تھی اپنی مہربانی کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو کہتا ہے یہ تو میرے لئے ہونا ہی چاہئے تھا اور میں قیامت کو آنے والا خیال نہیں کرتا اور اگر میں اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو میرے لئے اس کے پاس بھی بہتری ہے۔

<u>اس مغالطے کی وجہ</u> : کفار کو اللہ کے سلسلے میں جو دھوکا ہے یہ اس کا ایک ہلکا سا نمونہ ہے۔ اس دھوکے کے پس منظر میں بھی شیطانی قیاس کار فرما ہے' اور وہ قیاس یہ ہے کہ کفار جب دیکھتے ہیں کہ ہمیں دنیا میں بے شمار نعمتیں میسر ہیں تو وہ ان نعمتوں پر اُخروی نعمتوں کو قیاس کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح جب یہ دیکھتے ہیں کہ انھیں دنیا میں عذاب سے محفوظ رکھا گیا تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آخرت کے عذاب سے بھی محفوظ رہیں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی قیاس کی ترجمانی ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ (پ ۲۸ ر ا آیت ۸)

اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ہمارے اس کہنے پر (فوراً) سزا کیوں نہیں دیتا۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيرُ (۲۸ ر ۲ آیت ۸)

ان کے لئے جہنم کافی ہے اس میں یہ لوگ داخل ہوں گے سو وہ برا ٹھکانہ ہے۔

اسی طرح جب وہ غریب اور تنگدست مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو اہانت آمیز انداز میں کہتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو مؤمن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں' ان کی حالت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایمان اچھی چیز نہیں ہے' اگر ایمان کوئی اچھی چیز ہوتی تو ان حقیر اور ذلیل لوگوں سے پہلے ہمیں ملتی ان کے اس قیاس کی ترتیب کچھ اس طرح ہے کہ وہ اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں دنیا کی نعمتوں سے نوازا ہے' اور ہم پر احسان فرمایا ہے' جو شخص محسن ہوتا ہے اسے محبت ہوتی ہے' اور جسے محبت ہوتی ہے وہ اپنے احسان کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات مستقبل میں بھی جاری رہیں گے۔ بقولِ شاعر

لَقَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ فِيمَا مَضَى ۔۔۔ كَذَٰلِكَ يُحْسِنُ فِيمَا بَقِي

(اللہ نے ماضی میں احسان فرمایا ہے اسی طرح وہ مستقبل میں بھی احسان کرے گا)

مستقبل کو ماضی پر قیاس کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے فضل و احسان کو اپنی بزرگی اور عظمت کا پرتو سمجھتا ہے' یعنی وہ یہ کہتا ہے کہ اگر میں بزرگ' عظیم اور اللہ کے نزدیک محبوب نہ ہوتا تو مجھ پر یہ احسانات نہ کئے جاتے۔ یہاں یہ مغالطہ اس جملے میں نہیں کہ وہ محسن کو محب سمجھتا ہے بلکہ اس جملے میں ہے کہ اللہ کا انعام دینا احسان ہے' اللہ نے اسے نعمتیں کیا دیں وہ دھوکے میں پڑگیا اور یہ سمجھنے لگا کہ میں اس کے نزدیک بزرگ ہوں اور بزرگی کے لئے وہ دلیل اختیار کی جو بزرگی کے بجائے ذلّت پر دلالت کرتی ہے۔

<u>کافر پر احسان اور مؤمن کی محرومی کی مثال</u> : اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس دو کم سن غلام ہیں' وہ ایک سے

محبت کرتا ہے اور دوسرے سے نفرت کرتا ہے، جس سے محبت کرتا ہے اسے کھیل کود سے روکتا ہے، اور مکتب میں جانے کا پابند بناتا ہے، بلکہ اسے وہاں محبوس رکھتا ہے تاکہ ادب حاصل کرلے اسے مرغن کھانوں اور میووں سے روکتا ہے تاکہ وہ اس کے لئے باعث نقصان نہ ہوں، اسے کڑوی کسیلی دوائیں پینے پر مجبور کرتا ہے تاکہ امراض سے شفاء پائے اور تندرست رہے۔ جس غلام سے اسے محبت نہیں ہوتی اس پر کوئی توجہ نہیں دیتا، بلکہ اسے اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتا، نہ اسے مکتب میں داخل کرتا ہے، نہ کھیلنے سے روکتا ہے نہ عمدہ اور لذیذ غذائیں کھانے سے منع کرتا ہے، یہ غلام اپنی نادانی سے یہ سمجھنے لگتا ہے کہ آقا کو اس سے محبت ہے کیوں کہ اس نے مجھے خورد و نوش، کھیل کود، اور سیر سپاٹے کی اجازت دے رکھی ہے، بلکہ وہ میری تمام فاسد اغراض کی تکمیل میں مدد کرتا ہے، حالانکہ یہ اس نادان غلام کی خوش فہمی ہے، آقا کو اس سے ذرا محبت نہیں ہے، محبت اس غلام سے جس کی وہ خود تربیت کررہا ہے، اور جو اس کی سخت گیری کا شاکی ہے۔ دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کا بھی یہی حال ہے، یہ تمام چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو ان مہلکات سے محفوظ رکھتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَحْمِيْ عَبْدَهُ مِنَ الدُّنْيَا وَهُوَ يُحِبُّهُ كَمَا يَحْمِيْ أَحَدُكُمْ مَرِيْضَهُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ وَهُوَ يُحِبُّهُ (ترمذی، حاکم۔ قتادہ ابن النعمانؓ)

: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کو دنیا سے بچاتا ہے۔ جس طرح تم اپنے محبوب مریض کو کھانے سے بچاتے ہو۔

دنیا کے سلسلے میں اہل بصیرت کا موقف : اہل بصیرت کا عالم یہ تھا کہ جب دنیا ان کے دروازے پر دستک دیتی تو وہ غمگین ہوجاتے اور یہ کہتے کہ یہ ہمارے گناہ کی فوری سزا ہے، دنیا کی آمد کو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور لاپروائی کی علامت قرار دیتے ہیں، اور جب تنگدستی کا دور دورہ ہوتا تو خوشی سے پھولے نہ سماتے اور اسے صالحین کا شعار سمجھ کر گلے لگاتے، مغرور کا حال اسکے برعکس ہے، وہ دنیا پاکر خوش ہوتا ہے اور اسے اپنی بڑائی تصور کرتا ہے، اور جب دنیا اس سے منہ پھیرتی ہے تو اسے اپنی اہانت قرار دیتا ہے۔ ان لوگوں کی صحیح تصویر ان آیات میں ہے:۔

فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ۖ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ۖ كَلَّا (پ۳۰ ر۱۳ آیت ۱۵-۱۷)

: سو آدمی کو جب اسکا پروردگار آزماتا ہے یعنی اس کو (ظاہراً) اکرام، انعام دیتا ہے تو وہ (بطورِ فخر) کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھادی، اور جب اسکو (دوسری طرح) آزماتا ہے یعنی اسکی روزی اس پر تنگ کردیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹادی۔

اس آیت سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات واضح فرمادی کہ یہ ان کا غرور ہے، حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ کَلَّا سے ان دونوں کی تکذیب کی ہے کہ نہ یہ میرا اکرام ہے، اور نہ یہ میری اہانت ہے، بلکہ کریم وہ ہے جسے میں اپنی اطاعت کے شرف سے نوازوں، خواہ غنی ہو یا فقیر، اور ذلیل وہ ہے جس کی میں اپنی معصیت سی اہانت کروں خواہ وہ مالدار ہو یا تنگدست۔

اس غرور کا علاج : اس غرور کا علاج یہ ہے کہ عزّت اور ذلت کی دلائل کا علم حاصل کرے، خواہ اپنی بصیرت سے یا کسی کی تقلید سے۔ بصیرت سے ان دلائل کا علم اس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے کہ اس پہلو کو اپنے غور و فکر کا موضوع بنائے کہ دنیا کی شہوتوں سے دور رہ کر آدمی اللہ کا قرب کس طرح حاصل کرتا ہے، اور ان شہوتوں میں پڑکر اللہ سے کیوں دور ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ بات الہام سے سمجھ میں آتی ہے، جو اولیاء اللہ اور عارفین باللہ کا طرۂ امتیاز ہے، اس کا تعلق علوم

مکاشفہ سے ہے' علوم معاملہ میں اس سے زیادہ وضاحت مناسب نہیں ہے۔ تقلید کا طریقہ وہی ہے جو پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ اللہ پر ایمان لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرے۔ اور اس کے ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ نے فرمایا اور اپنے رسول مقبول کے ذریعے نازل کیا وہ حق ہے۔ ان مغرورین کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَل لَّا يَشْعُرُونَ (پ۱۸ ر۴ آیت ۵۵-۵۶)

: کیا یہ لوگ گمان کررہے ہیں کہ ہم ان کو جو کچھ مال و اولاد دیتے چلے جاتے ہیں تو ہم ان کو جلدی جلدی فائدے پہنچا رہے ہیں بلکہ یہ لوگ نہیں جانتے۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:۔

سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (پ۹ ر۱۳ آیت ۱۸۲)

: ہم ان کو بتدریج لئے جارہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں۔

علماء نے اس کی تفسیر کی ہے کہ جس قدر وہ گناہ کرتے ہیں اسی قدر ہم انھیں نعمتوں سے نوازتے ہیں تاکہ ان کا غرور بڑھتا رہے۔ اس سلسلے کی کچھ آیات یہ ہیں:۔

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ (پ۷ ر۱۱ آیت ۴۴)

: ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے واکردیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا' پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے۔

إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا (پ۴ ر۸ آیت ۱۷۸)

: ہم ان کو صرف ان کو اس لئے مہلت دے رہے ہیں کہ ان کو جرم میں ان کو اور ترقی ہو۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ (پ۱۳ ر۱۹ آیت ۴۲)

: اور جو کچھ یہ ظالم لوگ کررہے ہیں۔ اس سے خدا تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھ' ان کو صرف اس روز تک مہلت دے رکھی ہے۔ جس میں ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی۔

: ان کے علاوہ بھی بے شمار آیات ہیں' جو شخص ان پر ایمان لائے گا وہ اس غرور سے نجات پائے گا' اسلئے کہ یہ غرور اللہ کی ذات و صفات سے جاہل رہنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ جو شخص اللہ کو پہچان لیتا ہے وہ اس کے عذاب سے بے خوف نہیں ہوتا' اور نہ اس طرح کے فاسد خیالات سے دھوکا کھاتا ہے' بلکہ اس کی نظر فرعون' ہامان اور قارون اور دوسرے نامور بادشاہوں اور حکمرانوں کے انجام پر رہتی ہے' ابتدا میں انھیں عروج حاصل تھا' پھر وہ سب تباہ و برباد ہوگئے۔ جو لوگ اللہ کے خوف سے مامون رہتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ (پ۹ ر۲ آیت ۹۹)

سو خدا کی پکڑ سے بجز ان کے جن کی شامت آہی گئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (پ۱۹ ر۱۹ آیت ۵۰)

: اور انھوں نے ایک خفیہ تدبیر کی' اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی اور ان کو خبر بھی نہیں ہوئی۔

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (پ۳ ر۱۳ آیت ۵۴)

: اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی' اور اللہ تعالیٰ نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں سے اچھے ہیں۔

اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَاَكِيدُ كَيْدًا فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (پ ۳۰ ر ۱۱ آیت ۱۵-۱۸)

یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور میں بھی طرح طرح کی تدبیریں کر رہا ہوں' تو آپ کافروں کو رہنے دیجئے' اور کچھ دن ڈھیل دیجئے۔

جس طرح اس غلام کے لئے جسے اس کے آقا نے نظر انداز کر رکھا ہو' اور تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کی آزادی بخش رکھی ہو آقا کے رویّے سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ آقا کا منظورِ نظر اور محبوب ہے اسی طرح بندے کو باری تعالیٰ کے انعامات سے خوش فہمی کا شکار نہ ہونا چاہئے' جس طرح یہ ممکن ہے کہ آقا نے بطورِ سزا یہ موقف اختیار کیا ہو اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ نے بھی تعذیب و تخریب کے لئے اسے نعمتوں سے مالا مال کیا ہو' آقا نے تو اپنے غلام کو یہ بتلایا بھی نہیں کہ یہ سزا ہے' محبت نہیں' اللہ نے تو اپنے کلام میں جگہ جگہ یہ بات واضح کردی ہے کہ ہم نے جو ڈھیل دے رکھی ہے وہ ان کے حق میں اچھی نہیں ہے۔ ان تصریحات کے باوجود اگر کوئی ناعاقبت اندیش غلط فہمی کا شکار ہوجائے اور اس ڈھیل کو اپنے لئے رحمت تصوّر کرے تو یہ غرور کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔

<u>اللہ کی نسبت گنہگاروں کا مغالطہ</u> : مؤمن گناہ گار بھی اللہ کی نسبت ایک زبردست مغالطے میں مبتلا ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کریم ہے' ہم اس کے کرم کے امیدوار ہیں' چنانچہ یہ لوگ اللہ کے عفو و کرم پر بھروسا کرلیتے ہیں' اور اعمال سے غفلت برتنے لگتے ہیں' اپنی اس جھوٹی امید' اور مغالطے کو "امید کرم" کا خوبصورت نام دیتے ہیں' ان لوگوں کی خوش گمانی کا یہ عالم ہے کہ وہ رجاء کو دین کا ایک عمدہ مقام دیتے ہیں اور کچھ اس طرح کی تقریر کرتے ہیں کہ اللہ کی نعمت وسیع' اس کی رحمت عام اور کرم تمام مخلوق کو محیط ہے' اس کی رحمت کے وسیع سمندر میں ہمارے گناہ چند قطروں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے' ہم موحّد ہیں' مؤمن ہیں' ایمان کے وسیلے سے بخشش کے طلبگار ہیں' بعض اوقات ان کی امید کا دارومدار اپنے آباؤ اجداد کی عظمت اور بزرگی پر ہوتا ہے یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد نیک و بزرگ تھے اس لئے ہماری درخواست بارگاہ ایزدی سے رَد نہیں ہوگی' یہ ایسا ہی ہے جیسے سیّد اپنے نسب پر نازاں ہوں۔ اور خوف و خشیت اور ورع تقوٰی میں اپنے آباء و اجداد کی سیرت کے خلاف ہوں۔ اور یہ سمجھتے ہوں کہ وہ اللہ کے نزدیک اپنے بیٹوں سے زیادہ بزرگ ہیں' حالانکہ انکے آباء و اجداد اپنے انتہائی ورع و تقوٰی کے باوجود خائف رہا کرتے تھے' اور یہ فسق و فجور کی انتہائی حدود سے تجاوز کرنے کے بعد بے حد مطمئن ہیں۔ یہ ایک انتہائی سخت مغالطہ ہے۔

<u>عالی نسبی کے مغالطے کی بنیاد</u> : جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عالی نسب ہونے کی بناء پر بخشے جائیں گے وہ اس قیاس سے استدلال کرتے ہیں کہ جس کو ایک آدمی سے محبت ہوتی ہے اسے اس کی اولاد سے بھی تعلق ہوتا ہے' کیوں کہ اللہ عزّوجلّ کو ہمارے آباء و اجداد سے محبت ہے اس لئے وہ ہم سے بھی محبت کرتا ہے' اور اس محبت کی وجہ سے ہم بخشش کے لئے اطاعت کے محتاج نہیں ہیں۔ ان فریب خوردہ لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو کشتی میں لے کر جانے کا ارادہ کیا تو باری تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی' قرآن کریم میں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا۔

رَبِّ اِنَّ ابْنِي مِنْ اَهْلِي فَقَالَ يَا نُوحُ اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (پ ۱۲ ر ۴ آیت ۴۵-۴۶)

اے میرے رب! یہ بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے' اللہ نے ارشاد فرمایا اے نوح یہ شخص تمہارے گھر

والوں میں نہیں' یہ جاہ کار ناشائستہ ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے مغفرت کی دعا کی تھی' لیکن ان کی دعا قبول نہیں ہوئی' ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ السلام نے اپنی والدہ محترمہ کی قبر کی زیارت اور انکے لئے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی تو صرف زیارت کی اجازت دی گئی' دعائے مغفرت کرنے سے روک دیا گیا' آپ نے قبر کی زیارت فرمائی' اور وہاں بیٹھ کر قربت و تعلق کی وجہ دیر تک روئے' آپ پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ جو لوگ اس وقت وہاں موجود تھے وہ بھی رونے لگے (مسلم۔ ابو ہریرہؓ)۔

اس بنیاد کے باطل ہونے کی وجہ ظاہر ہے' اللہ تعالیٰ مطیع سے محبت کرتا ہے' اور گناہ گار سے نفرت کرتا ہے جس طرح وہ مطیع باپ سے نفرت نہیں کرتا اسی طرح اس کے گناہ گار بیٹے سے محبت نہیں کرتا' اور جس طرح گناہ گار بیٹے سے نفرت کرتا ہے اسی طرح اسکے نیک باپ سے نفرت کرتا' کیوں کہ اگر محبت باپ سے بیٹی کی طرف سرایت کرسکتی ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ نفرت بیٹے سے باپ کیطرف سرایت کرے۔ حق بات یہ ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰی (پ ۸ ر ۷ آیت ۱۴۴)

اور کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ میں اپنے باپ کی نیکی کی وجہ سے بخش دیا جائے گا' اسے یہ بھی گمان کرنا چاہئے کہ اگر میرا باپ کھانا کھالے تو میں شکم سیر ہو جاؤں گا' پانی پی لے تو سیراب ہو جاوں گا تعلیم حاصل کرلے تو عالم بن جاوں گا' کعبہ کی زیارت کیلئے چلا جائے تو حاجی کہلاوں گا' ظاہر ہے کوئی کسی کے کھانے پینے سے شکم سیر نہیں ہوتا' کسی کے پڑھنے سے عالم نہیں بنتا' کسی کی عبادت سے عابد نہیں کہلاتا' پھر کیا کسی کی نیکی سے بخشش کا مستحق ہو سکتا ہے تقوٰی ایک فرض عین ہے' اس میں بیٹا باپ کے لئے' اور باپ بیٹے کے لئے کافی نہ ہوگا' اللہ کے یہاں ثواب تقوٰی ہی پر ملے گا' اس روز جب کہ نامۂ اعمال ہاتھوں میں ہوں گے کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا' آدمی اپنے والدین اور بھائی بہن سے بچنے کی کوشش کرے گا' البتہ وہ لوگ سفارش کے مستحق ہوں گے جن پر غضبِ الٰہی زیادہ نہ ہوگا' اس وقت سفارش تو کام آسکتی ہے' کسی کی نیکی کام نہیں آسکتی۔

رجاء کی شرط : یہاں ایک سوال یہ کیا جاسکتا ہے کہ گنہگاروں کا یہ کہنا کیوں صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ کریم اور ہم اس کی رحمت کے طلب گار ہیں؟ یہ دونوں باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں' ایک مؤمن کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھنا چاہئے ایک حدیثِ قدسی میں ہے:

أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ فَلْيَظُنَّ بِيْ خَيْرًا

میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں' مجھ سے خیر کا گمان رکھنا چاہئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان انسان کو اسی طرح کے بظاہر خوبصورت اور بباطن شر انگیز کلام سے برگشتہ کرتا ہے اس طرح کی باتوں کیطرف طبائع کے میلان کی وجہ بھی یہی ہے' اگر ان کا ظاہر خوبصورت نہ ہوتا تو یہ باتیں ہرگز دل کو نہ بھاتیں' یہ جھوٹی امیدیں ہیں' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جھوٹی امیدوں کو حماقت قرار دیا۔ فرمایا:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْأَحْمَقُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ (۱)

: عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو مطیع رکھے' موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے' اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے تابع بنادے اور اللہ تعالیٰ سے امیدیں رکھیں۔

---

(۱) یہ حدیث گزشتہ صفحات میں بھی نقل کی گئی ہے۔

اصل میں یہ تمنّی علی اللہ ہے' شیطان نے اس کا نام بدل کر رجاء رکھ دیا ہے' جاہل اس نام سے دھوکا کھاجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رجاء کی تشریح ان الفاظ میں فرمائی ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ (پ ۲ ر ۱۱ آیت ۲۱۸)

: حقیقتاً جو لوگ ایمان لائے' اور جن لوگوں نے راہ حق میں ترک وطن کیا ہو اور جہاد کیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں۔

یعنی یہ لوگ اس لائق ہیں کہ اللہ سے رحمت کی امید رکھیں' آخرت کا ثواب اعمال کی جزاء ہے' جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں انھیں اس خوف کے ساتھ اللہ کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہئے کہ کہیں ہمارے اعمال اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہ ہوں۔ بے عمل لوگ کس منہ سے رحمت کی آرزو کرسکتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (پ ۲۱ ر ۱۵ آیت ۱۷)

: یہ ان کو ان اعمال کا صلہ ملا ہے۔

وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ (پ ۴ ر ۱۰ آیت ۱۸۵)

: اور تم کو تمہارے اجر پورے پورے قیامت کے روز ہی ملیں گے۔

اب ہم ان معترضین سے ایک سوال کرتے ہیں' ایک شخص نے جو کریم بھی ہے' وعدہ کا پکا بھی ہے' اور مقررہ اُجرت سے زیادہ دینے والا بھی۔ ایک شخص کو برتن دھونے پر ملازم رکھا' اور اس سے ایک متعیّن کام کی اُجرت طے کرلی' اب اگر وہ شخص کام کرنے کے بجائے برتن توڑنا شروع کردے' اور پھر اس بات کی توقع کرے کہ مجھے پوری اُجرت ملے گی کیوں کہ اُجرت دینے والا کریم ہے' اور اپنے وعدے کا پابند ہے۔ کیا اس شخص کی یہ توقع حق بجانب ہے؟ ہمارے خیال میں کوئی کم عقل شخص بھی اسکا جواب اِثبات میں نہیں دے سکتا۔ اس مغالطے کی وجہ یہ ہے کہ جاہل آدمی توقع اور غرور کے معنی میں فرق نہیں کرپاتے' حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے عرض کیا کہ لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم اللہ سے توقع رکھتے ہیں' اور عمل نہیں کرتے' آپ نے فرمایا: یہ توقع نہیں بلکہ ان کی تمنائے کاذب ہے ورنہ جس شخص کو توقع ہوتی ہے وہ اس کی جستجو بھی کرتا ہے' اور جسے خوف ہوتا ہے وہ دور بھی بھاگتا ہے۔ مسلم ابن یسارؒ نے فرمایا کہ میں نے رات اتنی زور سے سجدہ کیا کہ میرے آگے کے دونوں دانت ٹوٹ گئے' لوگوں نے کہا ہم تو اللہ سے رجاء رکھتے ہیں اسلئے عمل کی مشقّت نہیں اٹھاتے۔ مسلم نے فرمایا: نواہ! یہ بھی کوئی رجاء ہے۔ آدمی کو جس چیز کی توقع ہوتی ہے اس کی جستجو بھی ہوتی ہے' اگر تم مغفرت کی آرزو کرتے ہو تو اسے پانے کی کوشش بھی کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اولاد کی توقع رکھے اور شادی نہ کرے یا شادی کرے اور مجامعت نہ کرے یا جماع کرے لیکن اِنزال سے گریز کرے' جسطرح یہ شخص بے وقوف کہلانے کا مستحق ہے اسی طرح وہ شخص بھی دیوانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ ابھی ایمان کی ایک کرن بھی اس تک نہیں پہنچی' یا ایمان کی دولت تو موجود ہے لیکن اعمالِ صالحہ سے محروم ہے یا اچھے عمل بھی کرتا ہو لیکن بُرے اعمال سے بھی دامن نہیں بچاپاتا۔ لیکن مؤمن کو تو اعمالِ صالحہ کے بعد بھی خوف اور رجاء دونوں رکھنے چاہئیں' جسطرح نکاح اور صحبت کے بعد آدمی اولاد کی امید بھی کرتا ہے' اور محرومی سے خوف زدہ بھی رہتا ہے اسی طرح مؤمن کو اچھے عمل کرنے چاہئیں' بُرے عمل سے پرہیز کرنا چاہئے' اس کے بعد مغفرت کی امید کرنا چاہئے' ساتھ ہی یہ خوف بھی رہنا چاہئے کہ مغفرت کی درخواست رَد بھی ہوسکتی ہے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زندگی بھر اچھے عمل کرتا رہے اور انجام برا ہو' اللہ تعالیٰ سے یہ امید کرنی چاہئے کہ وہ اپنے راستے پر ثابت قدم رکھے' سکرات موت کی لغزشوں سے بچائے' توحید پر خاتمہ ہو' زندگی میں کبھی قلب شہوات کی طرف مائل نہ ہو۔ جو شخص اس طرح کی رجاء رکھتا ہے وہ عقل مند کہلانے کا مستحق ہے اس سے تجاوز کرنے والا مغرورین میں

شامل ہے۔ یہ لوگ بہت جلد جان لیں گے کہ گمراہ کون تھا' اس وقت انکی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے:۔

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (پ۲۱ ر۱۵ آیت ۱۲)

اے ہمارے پروردگار بس ہماری آنکھیں اور کان کھل گئے' سو ہم کو پھر بھیج دیجئے' ہم نیک کام کیا کریں گے ہم کو پورا یقین آگیا۔

یعنی ہمیں معلوم ہوگیا کہ جس طرح بچہ بغیر نکاح اور صحت کے نہیں ہوتا' یا جس طرح کھیتی بغیر دانہ ڈالے نہیں ہوتی' اسی طرح آخرت کا اجر و ثواب بھی عمل صالح کے بغیر حاصل نہیں ہوتا' اب ہمیں تیرے قول کی صداقت کا یقین ہوگیا' ہمیں دوبارہ اسی دنیا کی طرف واپس بھیج دے تاکہ اچھے عمل کریں' اور تیرے دربار میں اعمالِ صالحہ کے ساتھ واپس آئیں۔ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى (پ۲۷ ر۷ آیت ۳۹۔۴۰)

: اور یہ کہ انسان کو صرف اپنی ہی کمائی ملے گی اور یہ کہ انسان کی سعی بہت جلد دیکھی جائے گی۔

اس مضمون کی بے شمار آیات ہیں۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ (پ۲۹ ر۱ آیت ۸)

جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے محافظ ان لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا ہم نے تمہارے پاس پیغمبر نہیں بھیجے تھے' اور کیا تمہیں سیدھا راستہ نہیں دکھایا تھا' اللہ کی سنت جاریہ یہی ہے کہ ہر شخص کو وہ ملتا ہے جو وہ کماتا ہے' اور ہر شخص اپنے عمل کے مطابق اجر پائے گا' پھر کیا وجہ ہوئی کہ تم دھوکا کھا گئے' حالانکہ تم نے ہماری بات بھی سنی تھی' اس وقت وہ جواب میں کہیں گے:۔

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (پ۲۹ ر۱ آیت ۹۔۱۰)

کہیں گے کہ اگر ہم سنتے' یا سمجھتے تو اہلِ دوزخ میں (شامل) نہ ہوتے غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے سو اہلِ دوزخ پر لعنت ہے۔

رجاء کہاں بہتر ہے : بعض مواقع پر رجاء بہتر بھی ہے۔ ایک تو اس وقت جب آدمی اپنے معاصی پر نادم ہو' اور توبہ کرکے اللہ کا نیک بندہ بننا چاہے تو بہ پر آمادہ گنہ گار مؤمن کو بہکانا شیطان کے لئے ضروری ہے' وہ اسے توبہ سے باز رکھنے میں پوری قوت صرف کردیتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ بھلا تجھ جیسے گناہ گار کی توبہ کیسے قبول ہوگی' بعض لوگ شیطان کے بہکانے میں آکر اللہ کی رحمت سے مایوس بھی ہوجاتے ہیں' اس موقع پر رجاء سے مایوسی دور کرے اور یہ بات ذہن میں حاضر کرلے کہ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہے' اور یہ کہ وہ کریم ہے مہربان ہے' اس کی رحمت لامحدود ہے' وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھے کہ توبہ ایک عبادت ہے جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ (پ۲۴ ر۳ آیت ۵۳۔۵۴)

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندوں جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو بالیقین اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا' واقعی وہ بڑا بخشنے والا' بڑی رحمت والا ہے۔

اس آیت میں اللہ کی طرف انابت اور رجوع کا حکم ہوا۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (پ۱۶ ر۱۳ آیت ۸۲)

اور میں ایسے لوگوں کے لئے بڑا بخشنے والا بھی ہوں جو توبہ کریں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں پھر راہ پر قائم رہیں۔

توبہ کے ساتھ مغفرت کی توقع رکھنے والا راجی ہے' اور گناہوں پر اصرار کے ساتھ بخشش کی امید رکھنے والا فریب خوردہ ہے' مثلاً ایک شخص بازار میں مصروف کار ہے' اسی اثناء میں جمعہ کا وقت تنگ ہوگیا' اب وہ جمعہ کے لئے سبقت کرنا چاہتا ہے' لیکن شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ بلاوجہ بھاگنے سے کیا فائدہ' وقت کافی گذر چکا ہے' جمعہ ملنے والا نہیں ہے لیکن وہ شیطان کے وسوسہ پر کان نہیں دھرتا بلکہ جمعہ کی نماز میں شامل ہونے کے لئے پوری جدوجہد کرتا ہے۔ اب اگر یہ شخص یہ امید کرے کہ جمعہ ملے گا اسے راجی کہیں گے لیکن اگر وہ شخص جمعہ کا وقت تنگ ہونے کے احساس کے باوجود اپنے کاروبار میں مصروف رہا اور یہ تمنا کرتا رہا کہ امام صاحب میرے لئے توقف کریں گے اور جمعہ کی نماز میں تاخیر فرمائیں گے یا کسی اور وجہ سے نماز میں دیر ہوگی تو ایسے شخص کو مغرور کہا جائے گا۔

دوسرا موقع رجاء کا وہ ہے جب آدمی کا نفس فرائض کے علاوہ نوافل اور فضائل سے قاصر ہو' اور وہ یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان نعمتوں سے نوازے گا جن کا اس نے اپنے نیک بندوں سے وعدہ کیا ہے' یہاں تک کہ اس رجاء سے جسم میں عبادت کے لئے نشاط پیدا ہو اور نفس فضائل اعمال کی طرف راغب ہو' اور یہ قول یاد کرے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ إِلَى آخِرِهِ (پ ۱۸ ر ۱ آیت ۱-۲)

با تحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔ آخر رکوع تک۔

پہلی رجاء سے مایوسی ختم ہوتی ہے' اور دوسری رجاء سے جسم میں عبادات کے لئے نشاط پیدا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس امید سے توبہ یا عبادت کی تحریک ہو وہ رجاء ہے اور جس سے عبادت میں سستی اور عمل میں کوتاہی پیدا ہو وہ غرور ہے' مثلاً ایک شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اسے گناہ ترک کردینے چاہئیں اور اعمال صالحہ میں مشغول ہوجانا چاہئے' شیطان منتظر تھا اس نے فوراً کہا جسم کو مشقت میں ڈالنے سے کیا فائدہ' اللہ کریم ہے' مغفرت اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ شخص توبہ کا خیال چھوڑ دیتا ہے اور عمل غفلت سے جاری رکھتا ہے' یہ فریب ہے اس موقع پر بندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خوف استعمال کرے' اپنے نفس کو اللہ کے غضب شدید' اور اس کے عذاب الیم سے ڈرائے اور اسے بتلائے کہ وہ اگرچہ گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے لیکن شدید العقاب بھی ہے' وہ کریم ہونے کے ساتھ ساتھ کفار کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں قید کرنے والا بھی ہے' حالانکہ اسے ان کے کفر سے کوئی نقصان نہیں ہوتا بلکہ اس نے اپنے بے شمار بندوں کو عذاب' رنج و مصیبت' امراض' فقر و فاقہ اور بھوک وغیرہ میں مبتلا کر رکھا ہے حالانکہ وہ ان کے ازالے پر قادر ہے۔ بندوں کے معاملے میں اس کا یہی دستور ہے۔ اس نے مجھے اپنے عذاب سے ڈرایا ہے پھر میں کیوں نہ ڈروں اور کیوں مغالطے میں رہوں۔

خوف اور رجاء: خوف اور رجاء دونوں سے آدمی کو عمل پر تحریک ملتی ہے' جس خیال سے عمل کو تحریک نہ ہو وہ تمنائے کاذب اور غرور ہے۔ اکثر لوگ اسی غرور کے باعث اعمال سے سستی کرتے ہیں' دنیا میں مشغول رہتے ہیں' اللہ سے اعراض کرتے ہیں اور آخرت سے غفلت برتتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے بہت پہلے اس کی خبر دی تھی کہ اس امت کے آخری دور میں دلوں پر غرور غالب آجائے گا۔ (۱) ایسا ہی ہوا جیسا آپ نے فرمایا تھا۔ پچھلے زمانے میں لوگ عبادات پر مواظبت کرتے اور عمل کرتے لیکن دل میں یہ خوف رہتا کہ ہمیں اللہ کی طرف جانا ہے' کہیں یہ عمل واپس نہ کردیا جائے' وہ اپنے نفسوں سے ڈرتے رہتے' رات دن اللہ کی اطاعت میں گزارتے' شبہات اور شہوات سے بچنے میں مبالغہ کرتے' تنہائیوں میں اپنی حالت پر

---

(۱) یہ روایت باب ذم الکبر والعجب میں گذری ہے۔

آنسو بہاتے اور آج یہ عالم ہے کہ لوگ مطمئن ہیں خوش ہیں' انھیں کسی بات کا خوف نہیں' حالانکہ اَز سَر تا قدم گناہوں میں غرق ہیں' دُنیا میں منہمک ہیں' اللہ سے دُور ہیں' اس کے فضل و کرم اور عفو و مغفرت پر تکیہ کئے ہوئے ہیں۔

گویا یہ لوگ اللہ کے اس فضل و کرم سے واقف ہیں جو نہ انبیاء کو معلوم تھا نہ صحابہؓ اور نہ سلف صالحین کو۔ اگر اس کے فضل و کرم کا حصول اتنا سہل تھا تو وہ لوگ کس بات پر رویا کرتے تھے' کس بات سے ڈرا کرتے تھے' انھیں کس چیز کا غم تھا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پُرفتن دور کی منظر کشی کی ہے۔ فرمایا :

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ تَخْلُقُ فِيهِ الْقُرْآنُ فِي قُلُوبِ الرِّجَالِ كَمَا تُخْلَقُ الثِّيَابُ عَلَى الْأَبْدَانِ أَمْرُهُمْ كُلُّهُ يَكُونُ طَمَعًا لَا خَوْفَ مَعَهُ إِنْ أَحْسَنَ أَحَدُهُمْ قَالَ يَتَقَبَّلُ مِنِّي وَإِنْ أَسَاءَ قَالَ يَغْفِرُ لِي (مسند الفردوس۔ ابن عباسؓ)

لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان لوگوں کے سینے میں قرآن اس طرح پُرانا ہو جائے گا جس طرح جسموں پر کپڑے پرانے ہو جاتے ہیں وہ جو کام بھی کریں گے لالچ اور طمع سے کریں گے اس میں خوف شامل نہیں ہو گا' اگر کوئی اچھا عمل کرے گا تو یہ کہے گا کہ میرا عمل قبول ہو گا اور گناہ کرے گا تو کہے گا کہ اللہ اسے معاف کردے گا۔

اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ وہ لوگ خوف کی جگہ طمع کریں گے' کیوں کہ وہ قرآنی تخویفات سے جاہل ہوں گے۔ قرآن کریم میں نصاریٰ کی یہی حالت بیان کی گئی ہے:۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا (پ ۹' ر ۱۱' آیت ۱۶۹)

پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب کو ان سے حاصل کیا اس دنیائے دنی کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی۔

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ علماء نصاریٰ وارثین کتاب ہو کر بھی اس دُنیاوی مال و دولت پر گرے پڑے ہیں۔ حرام و حلال سے بے نیاز ہو کر دنیا کمانے میں مصروف ہیں۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ خوف و خشیت پر زور دیا گیا ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ (پ ۲۷ ر ۱۳ آیت ۴۶)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہتا ہے اس کے لئے (جنت میں) دو باغ ہوں گے۔

ذَلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ (پ ۱۳ ر ۱۵ آیت ۱۴)

یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو میرے رُوبرو کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعید سے ڈرے۔

جو شخص قرآن کریم کی ان آیات کو اپنے غور و فکر کا موضوع بناتا ہے وہ خوف اور رنج کا پیکر بن جاتا ہے' بشرطیکہ وہ قرآن کی صداقت پر یقین بھی رکھتا ہو' لیکن لوگوں کا حال یہ ہے وہ قرآن پر عمل کرنے کے بجائے اسے کھلونہ بنائے ہوئے ہیں' اس کے حروف و الفاظ مخارج سے ادا کرتے ہیں' غنغنہ' رفع اور نصب جیسے مباحث پر مناظرہ کرتے ہیں اور اسی طرح تلاوت کرتے ہیں جیسے عربی اشعار پڑھ رہے ہوں' نہ ان کی نظر معانی پر رہتی ہے اور نہ وہ اس پر عمل کی طرف دھیان دیتے ہیں' کیا دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی مغالطہ ہو سکتا ہے۔ یہ ان جملوں کی تفصیل تھی جو اللہ کی نسبت مغالطے کے لئے لوگ کہتے ہیں۔ اس ضمن میں رجاء اور غرور کا فرق بھی واضح کیا گیا ہے۔

مطیع عاصی کا غرور: اسی کے قریب قریب ان لوگوں کا غرور ہے جو اطاعت بھی کرتے ہیں اور معصیت کے مرتکب بھی ہوتے ہیں' تاہم ان کی اطاعات کم اور معاصی زیادہ ہوتے ہیں' لیکن وہ مغفرت کی توقع رکھتے ہیں' اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نیکیوں کا پلڑا بھاری رہے گا' خواہ گناہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ بھی انتہائی جہالت ہے۔ ایک شخص حلال اور حرام آمدنی میں سے دس درہم خیرات کرتا ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے ہزاروں درہم ناجائز ذرائع سے اپنے قبضے میں کر رکھے ہیں' ہوسکتا ہے۔ یہ خیرات بھی اسی دولت کا حصہ ہو لیکن وہ اس خیرات پر بھروسا کرتا ہے' اور یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے ہزار درہم ناجائز طریقے سے کمالئے اور دس درہم خیرات کردیئے تو یہ دونوں عمل برابر ہوجائیں گے' کس قدر جاہلانہ تصوّر ہے۔ اگر ایک پلڑے میں دس درہم رکھ دیئے جائیں اور دوسرے پلڑے میں ہزار تو یہ دونوں پلڑے برابر کیسے ہوسکتے ہیں؟ بعض لوگ اس خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ ہماری حسنات سیئات سے زیادہ ہیں' اس کی وجہ یہ کہ وہ لوگ نیکیاں یاد رکھتے ہیں اور گناہ کرکے بھول جاتے ہیں' ایک شخص دن میں سو مرتبہ تسبیح پڑھتا ہے' سو بار استغفار کرتا ہے' پھر دن بھر مسلمانوں کی غیبت کرتا ہے' ان کی عزت پر حملہ کرتا ہے اور لاتعداد مرتبہ ایسے الفاظ زبان سے نکالتا ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہوتے' لیکن اس کی نظر اپنی تسبیح پر رہتی ہے اور وہ بکواس بھول جاتا ہے جو وہ دن بھر کرتا رہا۔ اگر وہ یاد رکھتا تو یہ ممکن تھا کہ اس کی یاد کوئی کا عدد اس کی تسبیح کے عدد کے برابر ہوجاتا یا اس سے تجاوز کرجاتا۔ وہ یاد رکھے یا نہ یاد رکھے لیکن کراماً کاتبین نے وہ تمام باتیں لکھ لی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر غلط بات پر عذاب کی وعید فرمائی ہے۔ فرمایا:۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (پ۲۶ ر۱۶ آیت ۱۸)

وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اس کے پاس ہی ایک تاک لگانے والا تیار ہے۔

یہ شخص صرف ان فضائل کا دھیان رکھتا ہے جو تسبیح و تہلیل کے سلسلے میں وارد ہیں' قرآن و حدیث میں غیبت کرنے والوں' چغل خوروں اور منافقوں وغیرہ کے عذاب کے سلسلے میں جو کچھ آیا ہے اس سے صَرفِ نظر کرلیتا ہے۔ میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ اگر کراماً کاتبین تسبیح و تہلیل کے علاوہ ہر اچھی بری بات لکھنے کا معاوضہ مانگا کرتے تو کوئی شخص بھی زبان سے غلط لفظ نہ نکالتا بلکہ ضروری بات کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیتا۔ اس خیال سے کہ کہیں اُجرت نہ دینی پڑجائے' کس قدر عجیب بات ہے کہ چند پیسوں کے خوف سے احتیاط کرے اور جنت جیسی گراں قیمت چیز سے محرومی کے خوف سے کوئی احتیاط نہ کرے۔ اگر دیکھا جائے تو یہ صورت حال ایک مصیبتِ عُظمٰی سے کم نہیں' اللہ تعالیٰ ہمیں ناشکری اور کفرانِ نعمت سے بچائے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ہمیں تنبیہہ کی' یقین کا راستہ دکھلایا لیکن ہم قرآنی آیات سے عبرت نہیں پکڑتے بلکہ شیطانی وسوسوں پر تکیہ کئے رہتے ہیں۔

مغترّین کی چار اَصناف

پہلی صِنف علماء: علماء کے بھی کئی گروہ ہیں۔ ایک گروہ ان علماء کا ہے جنھیں شرعی اور عقلی علوم میں رُسوخ اور وُسعت حاصل ہے' یہ لوگ رات دن انہی علوم میں مشغول رہتے ہیں' اعضاء کے وظیفے پر دھیان نہیں دیتے' نہ انھیں معاصی سے بچاتے ہیں' نہ طاعات کا پابند بناتے ہیں بلکہ انھیں اپنے علم سے مغالطہ ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے یہاں ایک بڑا مقام حاصل ہے اور یہ کہ وہ علم کے اس انتہائی درجے پر پہنچ گئے ہیں جہاں کسی عالم کو عذاب نہیں دیا جاتا' بلکہ مخلوق کے سلسلے میں ان کی سفارشات قبول کی جاتی ہیں۔ اللہ کے نزدیک ان کا ایک بلند مرتبہ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے گناہوں اور خطاؤں میں مأخوذ نہیں ہوں گے۔

یہ لوگ کھلے فریب میں ہیں اگر چشمِ بصیرت سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ علم معاملہ اور علم مکاشفہ۔ اس دوسرے علم کو علم معرفت بھی کہتے ہیں' اس کے ذریعے اللہ کی ذات و صفات کی معرفت حاصل کی جاتی ہے اور علم معاملہ سے مراد وہ علم ہے جس میں حلال و حرام سے بحث کی جائے' نفس کے مذموم اور محمود اخلاق کی معرفت اور ان کے علاج کا علم حاصل کیا

جائے۔ یہ وہ علوم ہیں جو صرف عمل کے لئے وجود میں آئے' اگر عمل نہ ہوتا تو ان علوم کی بھی ضرورت نہ ہوتی' اسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک مریض کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس کی دوا ایک معجون مرکب ہے اور حاذق اطباء کے علاوہ کوئی اس مرکب کے اجزاء سے واقف نہیں ہے' یہ مریض طبیب کی تلاش میں نکلا' وطن کو خیرباد کہا' راستے کی مشقت برداشت کرتا ہوا ایک حاذق طبیب کے گھر پہنچ گیا' طبیب نے اسے معجون کا نام بتلادیا' اس کے اجزاء مفصّل بیان کردیئے' مقدار بیان کردی' پیدا ہونے کی جگہ کوٹنے چھاننے اور بنانے کا طریقہ بتلادیا۔ اس شخص نے طبیب کی بتلائی ہوئی تمام باتیں خوشخط لکھ لیں اور وہ نسخہ اپنے ساتھ لے آیا' اب اس کا معمول یہ ہوگیا کہ وہ شب و روز اس نسخے کا مطالعہ کرتا' اسے بحث کا موضوع بناتا' اس سے متعلق مزید تحقیقات کرتا' دوسرے مریضوں کو بھی بتلاتا لیکن خود کبھی دوا نہ کھاتا' کیا اس صورت میں وہ مریض کوئی فائدہ حاصل کرسکتا ہے' بلکہ اگر اس کی ایک ہزار نقلیں خوشخط تیار کرلے' یا ہر رات ایک ہزار بار اس کا تکرار کرلے' یا ایک ہزار مریضوں کو بتلائے اور وہ سب اس کی بتلائی ہوئی دوا کے استعمال سے تندرست بھی ہوجائیں تب بھی اس کے مرض پر کچھ اثر نہ پڑے گا۔ اس کا مرض تو اسی طرح دور ہوسکتا ہے کہ کچھ روپے خرچ کرکے دوا خریدے اور اسی طرح بنائے اور استعمال کرے جس طرح طبیب نے بتلایا ہے' اس کی تلخی پر صبر کرے' وقت پر دوا کھائے' پرہیز بھی کرے اور وہ تمام شرائط بھی ادا کرے جو طبیب نے عائد کی ہیں پھر اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی شفا یقینی نہیں ہے' یہ بھی ہوسکتا ہے شفا ہوجائے اور یہ بھی ممکن ہے مرض اسی طرح باقی رہے بلکہ کچھ اور سنگین ہوجائے' یہ غیر یقینی حالت تو دوا استعمال کرنے کے بعد ہے' جو شخص دوا چکھتا بھی نہیں وہ کیسے یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ محض نسخے پر عبور حاصل کرلینے سے اس کا مرض دور ہوگیا ہے' اسی طرح وہ فقیہ جس نے علم عبادات میں رُسوخ حاصل کیا لیکن عمل نہیں کیا' علم معاصی میں گہرائی حاصل کی لیکن ان سے بچا نہیں' مذموم اخلاق کے علم میں کمال پایا لیکن نفس کا ان سے تزکیہ نہیں کیا' محمود اخلاق کے علم میں وسعت پائی لیکن اپنے نفس کو ان سے متصف نہیں کیا وہ مغرور ہیں' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (پ ۳۰' ر ۱۲' آیت ۹)

وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس شخص نے تزکیۂ نفس کا علم حاصل کیا یا اس علم کو تحریری شکل دی' یا دوسروں تک پہنچایا وہ کامیاب ہے۔ اس موقع پر شیطان اسے یہ باور کراتا ہے کہ تمہیں اس مثال سے دھوکے میں نہ آنا چاہئے' یہ بات صحیح ہے کہ دواء کے علم سے مرض دور نہیں ہوتا لیکن تمہارا مقصد مرض دور کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ کی قربت اور ثواب حاصل کرنا ہے' علم سے ثواب ہوتا ہے' اور اللہ کی قربت ملتی ہے' جیسا کہ اس پر وہ تمام آیات و روایات دلالت کرتی ہیں جو علم کی فضیلت میں وارد ہیں۔

<u>شیطان کے فریب کا جواب</u> : اب اگر کوئی شخص عقل و خرد سے بیگانہ ہوا تو وہ فوراً اس دھوکے میں آجائے گا کیوں کہ شیطان نے جو کچھ اس سے کہا ہے وہ اس کی خواہش نفسانی کے مطابق ہے اس لئے وہ مطمئن ہوجائے گا' اعمال سے غفلت جاری رکھے گا اور اگر عقلمند ہوا تو شیطان سے کہے گا کہ تو مجھے علم کے فضائل تو یاد دلاتا ہے لیکن وہ آیات و روایات یاد نہیں دلاتا جو بے عمل عالم کی مذمت میں وارد ہیں' مثلاً یہ آیت :

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (پ ۲۸ ر ۱۱ آیت ۵)

جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنیکا حکم دیا گیا پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔

کُتّے اور خنزیر کی تمثیل سے بڑھ کر بھی کوئی ذلت ہوسکتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے :۔

مَنِ ازْدَادَ عِلْمًا وَلَمْ يَزْدَدْ هُدًى لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللهِ إِلَّا بُعْدًا۔ يُلْقَى الْعَالِمُ فِي النَّارِ

فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهُ فَيَدُوْرُ بِهَا فِى النَّارِ كَمَا يَدُوْرُ الْحِمَارُ فِى الرَّحَى۔ شَرُّ النَّاسِ الْعُلَمَاءُ السُّوْءُ۔

جو شخص علم میں فائق ہو اور ہدایت میں آگے نہ ہو وہ اللہ سے دور ہی ہوتا جاتا ہے۔ (بے عمل) عالم جہنم میں ڈالا جائے گا' اس کی آنتیں نکل پڑیں گی اور وہ انھیں لے کر اس طرح آگ میں گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ بد ترین لوگ علمائے سوء ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جاہل کے لئے ایک خرابی ہے کہ اس نے نہیں پڑھا' اگر خدا کی مرضی ہوتی تو پڑھ لیتا' لیکن عالم کے لئے سات بار خرابی ہے' یعنی علم اس پر حجت ہے' اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے علم سے کیا عمل کیا' اور علم کا شکر کس طرح ادا کیا۔ ایک حدیث میں ہے :۔

اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهِ (۱)

لوگوں میں سخت ترین عذاب اس عالم کو ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نفع نہ پہنچائے۔

اس طرح کی آیات و روایات جو ہم نے کتاب العلم کے باب علماء الآخرۃ میں ذکر کی ہیں بیشمار ہیں۔ لیکن کیوں کہ اسطرح کی روایات بدکار عالم کی خواہشات کا ساتھ نہیں دیتیں اس لئے وہ انھیں نظرانداز کر دیتا ہے اور وہ روایات خوب بیان کرتا ہے جو علم کی فضیلت میں وارد ہیں اور اس کے مطلب کی ہیں' شیطان اس کے دل کو اپنی خواہش کی طرف مائل کر دیتا ہے' یہی اصل غرور ہے۔ اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو یہ روایات کافی ہیں جو ہم نے اس سلسلے میں ذکر کی ہیں اور ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم ان روایات کو اسی طرح تسلیم کریں جس طرح علم کے فضائل پر مشتمل روایات تسلیم کرتے ہیں' کیوں کہ دونوں طرح کی روایتوں کا منبع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے' ان لوگوں کی حالت تو جاہلوں سے بھی بدتر ہے۔ ایک طرف تو اس کا خیال ہے کہ سب سے زیادہ باز پرس مجھ سے ہوگی دوسری طرف یہ سمجھتا ہے کہ میں خیر پر ہوں' یہ زبردست مغالطہ ہے کتنی عجیب بات ہے کہ یہ شخص علوم مکاشفہ میں مہارت کا مدعی ہے جسے اللہ تعالیٰ کی ذات اسماء اور صفات کا علم کہا جاتا ہے' اور اس دعوے کے بعد عمل کا تارک ہے اور اللہ کے اوامر حدود پامال کرتا ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے بادشاہ کی خدمت کا ارادہ کیا اور بادشاہ کی عادات' اخلاق' اطوار' رنگ' شکل و صورت اور قد و قامت کا علم حاصل کر لیا لیکن یہ نہ جانا بادشاہ کو کیا چیز پسند ہے اور کیا ناپسند ہے وہ کس بات سے خوش ہوتا ہے اور کس بات سے ناراض ہوتا ہے یا ان باتوں کا علم بھی حاصل کر لیا لیکن حرکتیں ساری ایسی کیں جن سے بادشاہ ناراض ہوتا ہے' لباس سے' ہیئت سے' گفتگو سے ہر طرح اسے تکلیف پہنچائی۔ اب وہ بادشاہ کے دربار میں اس امید کے ساتھ پہنچتا ہے کہ اسے قربت حاصل ہوگی اور اس کے ساتھ نشست و برخاست اور داد و دہش میں مخصوص معاملہ کیا جائے گا اور وسیلے میں اپنی معلومات کا ذخیرہ لے کر آیا ہے جو اس نے بادشاہ کے رنگ' شکل و صورت' قد و قامت' ہیئت' گفتگو اور نوکروں' خادموں کے ساتھ اس کے رویے' ملکی انتظام میں اس کے رویے' ملکی انتظام میں اس کی سیاست اور رعایا کے مصالح پر اسکی نظر کے سلسلے میں جمع کی ہیں' حالانکہ اگر وہ یہ تمام معلومات جمع نہ کرتا بلکہ صرف یہ بات جان لیتا کہ بادشاہ کو کیا چیز پسند ہے اور پھر اس کی پسند اور ناپسند کے مطابق عمل بھی کرتا تو یہ اس کے حق میں بہتر ہوتا۔ اسے دربار شاہی میں مخصوص مقام بھی مل سکتا تھا اور بادشاہ کی نظر عنایت کا مستحق بھی ہو سکتا تھا۔ یہی حال عالم کا ہے' اگرچہ وہ علم مکاشفہ میں مہارت کا مدعی ہے' لیکن اس کے طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے صرف اسماء سے واقف ہے' ان کے معانی سے واقف نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر اسے اللہ کی حقیقی معرفت حاصل ہوتی تو اس کا خوف بھی دل میں ہوتا۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی عقل مند شیر سے واقف ہو اور اس سے ڈرتا نہ ہو'

---

(۱) یہ روایت کتاب العلم میں مختلف مواقع پر گزر چکی ہے۔

اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ مجھ سے ایسے ڈر جیسے تو خوفناک درندے سے ڈرتا ہے' البتہ وہ شخص یقیناً شیر سے نہیں ڈرے گا جو اس کے صرف نام' رنگ اور شکل سے واقف ہو لیکن اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا کہ وہ شیر سے واقف نہیں ہے۔ اللہ کی حقیقی معرفت کے معنیٰ یہ ہیں کہ بندہ اس کی صفات کا علم بھی رکھتا ہو اور اس کی صفات میں یہ بھی ہے کہ وہ تمام جہانوں کو کسی کی پروا کئے بغیر ہلاک کر سکتا ہے' تمام انسان اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں' اگر وہ انھیں اور ان جیسے ہزاروں لاکھوں کو تباہ کردے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عذاب میں ڈال دے تو اس پر نہ کوئی اثر ہوگا' نہ اسے رحم آئے گا' اور نہ افسوس ہوگا۔ علماء کا وصف تو یہ ہونا چاہئے:۔

اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (پ ۲۲ ر ۱۶ آیت ۲۸)

خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔

آسمانی کتاب زبور کی ابتدا ان الفاظ سے ہوئی ہے کہ اللہ کا خوف تمام حکمتوں کی اصل ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں علم کے لئے خشیت کافی ہے' اور اللہ کی نسبت مغالطے کے لئے جہالت کافی ہے۔ حضرت حسن سے کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا' آپ نے بتلادیا' مستفتی نے کہا ہمارے فقہاء کی رائے دوسری ہے' فرمایا کیا تو نے فقیہہ کو دیکھا بھی ہے' فقیہہ اس کا نام ہے جو رات کو جاگے اور دن کو روزہ رکھے' تارک دنیا ہو' ایک مرتبہ آپ نے فرمایا فقیہہ وہ ہے جو نہ کسی کی رعایت کرے اور نہ کسی سے خصومت برتے' اللہ کی حکمت عام کرنے میں لگا رہے' ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرے خواہ وہ حکمت کسی نے قبول کی ہو یا رد کردی ہو' فقیہہ وہی ہے جو اللہ کے اوامر و نواہی کا علم حاصل کرے اور یہ جانے کہ اسے کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے' اسی کو عالم بھی کہتے ہیں' حدیث شریف میں ہیکہ اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں بصیرت عطا کرتا ہے' جو عالم ان صفات کا حامل نہ ہو وہ عالم نہیں ہے' بلکہ مغرور ہے۔

دوسرا گروہ ان علماء کا ہے جن کا علم بھی پختہ ہے اور عمل بھی اچھا ہے' وہ ظاہری طاعات کی پابندی کرتے ہیں اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں' لیکن وہ اپنے دلوں کو نہیں دیکھتے' اور وہ برے اوصاف دور نہیں کرتے جو اللہ کو ناپسند ہیں جیسے کبر' حسد' ریا' حبّ جاہ' ہم عصروں کو ایذا پہنچانے کا ارادہ' ملکوں ملکوں شہرت پانے کی ہوس۔ بعض ایسے بھی ہیں جو ان اوصاف کی برائی کے احساس سے عاری ہو کر ان میں منہمک رہتے ہیں' اور بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ حالانکہ شریعت نے ان اوصاف کی کھلے الفاظ میں مذمت کی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:۔

اَدْنَى الرِّيَاءِ شِرْكٌ (۱) ترجمہ ... معمولی ریا بھی شرک ہے۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِيْ قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْكِبْرِ (۲)

وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی کبر ہے۔

اَلْحَسَدُ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (۳)

حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھاتی ہے۔

حُبُّ الشَّرَفِ وَالْمَالِ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ (۴)

جاہ و مال کی محبت اس طرح نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی گھاس اگاتا ہے۔

ان کے علاوہ بھی بے شمار روایات ہیں جو مہلکات کے ابواب میں نقل کی گئی ہیں۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے علماء وہ ہیں جن کے ظاہر آراستہ اور باطن گندے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰى اَمْوَالِكُمْ وَاِنَّمَا يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ (۵)

(۱ تا ۵) یہ روایات متعلقہ ابواب میں گذر چکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا اور نہ تمہارے مال دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دل اور اعمال دیکھتا ہے۔

ان علماء نے اعمال کی نگرانی کی ہے، قلوب کی نگرانی نہیں کی، حالانکہ قلب اصل ہے۔ آدمی کی نجات قلب کی سلامتی پر موقوف ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:-

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (پ ۱۹، ر ۹، آیت ۸۹)

مگر ہاں (اسکی نجات ہوگی) جو اللہ کے پاس کفر و شرک سے پاک دل لے کر آئے گا۔

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کھجوروں کے جھنڈ میں بنا ہوا کنواں کہ اوپر سے پختہ بنا ہوا ہے، اور اندر سے بدبو ہے، یا جیسے قبریں کہ اوپر سے سجی ہوئی ہیں اور اندر مُردے سڑ رہے ہیں، یا وہ تاریک گھر جس کی چھت پر چراغ روشن ہو کہ صرف اوپر کا حصہ منوّر ہے اور اندر اتنی تاریکی ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا، یا جیسے کوئی شخص بادشاہ کی دعوت کرے اور اس کے اعزاز میں گھر کے دروازے پر قلعی کرائے لیکن اندرونی حصوں میں صفائی نہ کرے جہاں بادشاہ کو قیام کرنا ہے اور کھانا کھانا ہے۔ ان مثالوں سے بھی زیادہ قریب تر مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کھیت میں دانہ ڈالے اور غلے کے ساتھ ساتھ گھاس بھی اُگ آئے جس سے کھیت کو نقصان پہنچتا ہے، اس سے کہا گیا کہ کھیت کی آبیاری کر، زائد گھاس کاٹ ڈال، تاکہ تیری کھیتی سرسبز و شاداب ہو اور زیادہ سے زیادہ غلہ دے، اس نے ایک نہ سُنی، بلکہ اوپر سے پتیاں نوچ نوچ کر پھینک دیں، نیچے سے جڑیں مضبوط ہوتی گئیں نتیجہ یہ نکلا کہ جب کھیتی کٹنے کا وقت آیا تو کھیت میں سوائے گھاس پھوس کے کچھ بھی نہ تھا۔

اخلاقِ ذمیمہ گناہوں کی جڑ ہیں: اخلاقِ ذمیمہ گناہوں کی جڑیں ہیں جو دل میں پیدا ہو جاتی ہیں اور اگر دل کو ان سے صاف نہ کیا جائے تو ظاہری عبادات بھی متأثر ہوتی ہیں، اخلاقِ ذمیمہ کے ساتھ ظاہری عبادات میں مشغول رہنے والا ایسا ہے جیسے کسی آدمی کے جسم میں خارش ہو جائے، تو ڈاکٹر اسے دوا کھانے کے لئے اور روغن ظاہری جلد پر ملنے کے لئے دے لیکن وہ صرف روغن پر قناعت کرے، دوا نہ کھائے، اور وہ غذائیں بھی استعمال کرتا رہے جن سے خارش کے مادّے میں اضافہ ہوتا ہے، روغن ملنے سے پرانے دانے ختم ہوتے رہیں گے اور جسم میں باقی رہ جانے والے مادّے کی وجہ سے نئے دانے طلوع ہوتے رہیں گے۔

تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو یہ جانتے ہیں کہ یہ باطنی اخلاق (عُجب ریاء وغیرہ) شرعاً مذموم ہیں لیکن وہ اپنے عُجب کی بناء پر یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں اس طرح کا کوئی عیب نہیں ہے جو شریعت کی نظر میں مذموم ہو بلکہ وہ اس طرح کے باطنی امراض میں مبتلا ہونے سے بہت بلند ہیں، یہ امراض عوام میں ہوتے ہیں، علماء میں نہیں پائے جاتے۔ پھر اگر ان سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جاتا ہے جسے کبر کہا جاسکے، یا جس میں جاہ پسندی کی جھلک ہو تو وہ اسے کبر یا جاہ پسندی نہیں کہتے بلکہ اسے دین اور علوم کے لئے سربلندی، عزت، عظمت اور وقار کی طلب، اللہ کے دین کی نصرت اور دشمنانِ خدا کو ہزیمت دینے کی کوشش سے تعبیر کرتے ہیں۔

جاہ پسندی کے جواز کی دلیل: یہ جاہ پسند اور متکبّر علماء اپنی غیر شرعی حرکات کے جواز میں عجیب دلیل پیش کرتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر ہم معمولی لباس پہنیں گے، یا مجلس میں نیچے بیٹھیں گے تو دین کے دشمن ہم پر ہنسیں گے اور ہماری تواضع کو ذلّت سمجھ کر خوش ہوں گے ہم اس لئے عزّت کے طالب ہیں کہ ہماری عزّت دین کی عزت ہے اور ہماری ذلّت دین کی ذلّت ہے۔ ان فریب خوردہ علماء کو یہ بات رہ گئی کہ ہماری تواضع سے دشمن ہنسیں گے لیکن ان کے اس عمل سے دین کا سب سے بڑا دشمن خوش ہوگا یہ بات وہ بھول گئے ہیں، جب یہ لوگ اپنی جاہ پسندی کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں تو شیطان ہنستا ہے خوش ہوتا ہے اور اپنی کامیابی پر بغلیں بجاتا ہے، ان علماء کو یہ بات بھی یاد نہیں رہی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کو کس طرح شکست دی اور دین کی کیسے نصرت فرمائی، وہ یہ بھی بھول گئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کتنے متواضع، سادہ مزاج، قناعت پسند اور فقر و مسکنت کے پیکر تھے، حتیٰ کہ جب حضرت عمرؓ شام میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو لوگوں نے ان کے گھٹیا لباس پر نکتہ چینی کی، آپ نے

جواب میں فرمایا تھا ہمیں اللہ نے اسلام کے ذریعے عزت بخشی ہے' ہم کسی اور چیز سے عزت کیوں حاصل کریں۔ یہ فریب خوردہ لوگ ریشم و دیباج کے حرام لباس اور گھوڑوں اور اونٹوں میں دین کی عزت ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس طرح ہم دین کی سربلندی کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔

حسد بھی دین کی نُصرت کے لئے : نہ صرف جاہ پسندی بلکہ حسد بھی دین کی نصرت کا وسیلہ بن گیا ہے۔ جیسے یہ لوگ اپنے کسی ہم عصر سے حسد کرتے ہیں اور زبان سے اپنے حسد کا اظہار بھی کر دیتے ہیں تو یہ نہیں کہتے کہ ہم حاسد ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا غصہ حق کی تائید اور باطل قوتوں کے ظلم و زیادتی کے رَد کا اظہار ہے۔ کوئی ان سے یہ پوچھے کہ تم اپنے معاملات ہی میں غم و غصے کا پیکر بنتے ہو' یا اس وقت بھی تمہاری ناراضگی کا یہی عالم ہوتا ہے جب کوئی شخص تمہارے علاوہ کسی دوسرے عالِم کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے یا حصولِ اقتدار میں ان کے ساتھ مزاحمت کرتا ہے؟ ظاہر ہے ایسا نہیں ہوتا' اپنے معاملات میں تمہاری زبان شمشیر برہنہ بن جاتی ہے اور دوسرے ہم رُتبہ علماء کے معاملات میں تمہاری زبان مفلوج ہو جاتی ہے' کیا اللہ کے لئے غضب کرنے والے کا حال یہی ہوتا ہے؟ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب دشمن تمہارے علاوہ کسی عالم پر تنقید کرتا ہے تو تم اس کی مدافعت نہیں کرتے' بلکہ خوش ہوتے ہو۔

ریا بھی جائز ہے؟ : یہ علماء اپنی علمی قابلیت اور عملی برتری کا اظہار بھی کرتے پھرتے ہیں اور اگر بھولے سے کبھی یہ خیال آجاتا ہے کہ وہ ریا کے مرتکب ہو رہے ہیں تو فوراً ہی یہ خیال بھی آجاتا ہے کہ ہم ریا کار نہیں ہیں ہم اپنے علم و عمل کا اظہار اس لئے کرتے ہیں کہ لوگ ہماری اِتباع کریں اور ہدایات پائیں' ہمیں ثواب ملے ہم اس لئے خوش نہیں ہوتے کہ ہمارے دل و دماغ میں علوم کے خزانے ہیں اور ہمارے اعمال ناموں میں حَسَنات کا بڑا ذخیرہ ہے بلکہ ہم اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے اظہار سے بے چارے مسلمانوں کو حق کی روشنی مل گئی اور ہمیں کچھ اور ثواب حاصل ہو گیا۔ ہمیں اصل خوشی اس اجر و ثواب سے ہوتی ہے جو بھٹکے ہوؤں کو سیدھے راستے پر چلانے اور عذاب الٰہی سے بچانے سے ہوا کرتا ہے۔ کیا یہ مغرور لوگ اس بات سے انکار کرسکتے ہیں کہ انھیں صرف اپنی اقتداء سے خوشی ہوتی ہے' اگر اللہ کے سادہ لوح بندے دوسرے علماء کی اقتداء کریں اور سیدھے راستے پر چلنا چاہیں تو انھیں ہرگز خوشی نہیں ہوتی' حالانکہ اگر ان کا مقصد مخلوق کی ہدایت ہوتا تو وہ دوسروں کی اقتداء سے بھی خوش ہوتے جیسے کسی کے بہت سے غلام بیمار ہوں اور علاج سے اچھے ہو جائیں تو وہ ان کی شِفایابی سے خوش ہوتا ہے' یہ فرق نہیں کرتا کہ انھیں اس کے علاج سے صحت ملی ہے یا کسی دوسرے طبیب کے علاج سے فائدہ ہوا ہے۔ یہاں بھی شیطان اپنی کوششیں آخر وقت تک ترک نہیں کرتا اور انھیں ایک اور دلیل سُجھا دیتا ہے اور یہ کہ ہم اپنی اقتداء سے خوش نہیں ہوتے بلکہ اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ ان کی اقتداء سے ہمیں ثواب ملا۔ گویا ہم اجر و ثواب سے خوش ہوتے ہیں۔ یہ تو زبانی جمع خرچ ہے' دلوں کی کیفیت سے اللہ واقف ہے' اگر ان کے پاس کوئی پیغمبر اللہ کی وحی لے کر آئے کہ ثواب اظہار سے زیادہ خلوت اور گوشہ گمنامی میں بیٹھ کر عبادت کرنے میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھیں پابند سَلاسِل کر کے داخل زنداں کر دیا جائے' یقیناً وہ بہانے تراشیں گے اور کسی بھی طرح وہ پاؤں کی زنجیریں توڑ کر اور قید خانے کی دیواریں پھلانگ کر وعظ و تدریس کی اسی مسند پر جلوہ اَفروز ہونے کی کوشش کریں گے جہاں ان کے اقتدار کا سورج جگمگاتا ہے۔

ظالم سلاطین سے متواضعانہ سُلوک : اسی طرح بعض علماء سلاطین کے درباروں میں جاتے' ان سے تواضع کے ساتھ پیش آتے ہیں' تعریفیں کرتے ہیں اور جب انھیں خیال آتا ہے کہ ظالم بادشاہوں کے لئے تواضع ظاہر کرنا حرام ہے تو وہ فوراً یہ شیطانی دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد بادشاہوں کی تعظیم یا توقیر نہیں ہے بلکہ ہم تو غریب مسلمانوں کی مدد اور دشمنوں کو شکست دینے کے لئے بادشاہوں کے یہاں آمد و رفت رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔ ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں

ہوتا جو یہ لوگ ظاہر کرتے ہیں اور اس کا اندازہ اس وقت ہو جاتا ہے جب بادشاہ کے دربار میں ان ہی جیسا کوئی عالم مقرب بن جائے اور وہ تمام مسلمانوں کے لئے سفارش کرے اور اس کی سفارش قبول بھی ہو تو یہ بات ان پر گراں گزرتی ہے بلکہ اگر انھیں موقع ملتا ہے تو وہ اس مقرب عالم کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنے سے نہیں چوکتے۔

شیطان کی تین تلبیسات : بعض علماء ان ظالم بادشاہوں کے عطیات بھی قبول کرلیتے ہیں اور جب دل میں ان کی حرمت کا خیال آتا ہے تو شیطان جواز کی دلیل فراہم کردیتا ہے' وہ کہتا ہے کہ یہ مال ایسا ہے جس کا کوئی مالک نہیں' اسے مسلمانوں کے مفادات میں خرچ ہونا ہے اور تم مسلمانوں کے امام' ان کے عالم اور قائد ہو' دین کی بنیاد تم پر ہے' کیا تمہارے لئے اس مال میں سے ضرورت کے بقدر لینا جائز نہیں ہے۔ یہاں شیطان تین امور میں تلبیس کرتا ہے۔

ایک تو یہ کہ بادشاہ کا دیا ہوا مال کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ حالانکہ لینے والے جانتے ہیں کہ بادشاہ نے بطور خراج مسلمانوں سے اور دوسری رعایا سے مال لیا ہے اور جن سے لیا ہے وہ یا تو خود موجود یا ان کے ورثاء موجود ہیں۔ مثلاً دس افراد سے سو دینار لئے اور خلط ملط ہوگئے' ان کی حرمت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے' انھیں لاوارث مال قرار دینا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ بلکہ بادشاہ پر واجب ہے وہ ان دس افراد کا مال واپس کرے اور ان میں دس دس دینار برابر تقسیم کردے۔

دوسری تلبیس یہ ہے کہ ان کے ذاتی مصارف کو دینی مفادات کا عنوان دیا اور انھیں اس غلط فہمی میں مبتلا کیا کہ ان پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ حالانکہ وہ دین میں فساد برپا کرنے والے ہیں۔ بادشاہوں کے عطیات جائز سمجھ کر وصول کرتے ہیں' دنیا کی طرف راغب ہیں اور اقتدار کی ہوس رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تعداد ان دینداروں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے جو دنیا میں زہد اختیار کئے ہوئے ہیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہیں۔ یہ جاہ طلب علماء دین کے مصلح بلکہ دین کے دجّال ہیں' یہ شیطان کے نمائندے مسلمانوں کے امام بننے کی اہلیت نہیں رکھتے' اس لئے کہ امام وہ ہے جس کی دنیا سے اعراض اور اللہ کی طرف التفات میں تقلید کی جائے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام' صحابہ کرامؓ اور علماء سلفؒ۔ اور دجّال وہ ہے جس کی اقتدار اللہ سے اعراض اور دنیا کی طرف رغبت میں کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو ایسے علماء کی زندگی سے کم موت سے زیادہ نفع ہوگا۔ یہ لوگ خود کو دین کا ستون کہتے ہیں' ان کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے عالم سُوء کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ایک پتھر کی سِل کی طرح ہے جو بہتے ہوئے پانی کے منھ پر آگری ہو کہ نہ خود پانی جذب کرسکے اور نہ آگے بڑھنے دے کہ کھیتوں کو نفع ہو۔

چوتھا گروہ ان اہلِ علم کا ہے جو اپنے اعضاء کو پاک و صاف رکھتے ہیں اور انھیں عبادات سے آراستہ کرتے ہیں' ظاہری گناہوں سے بھی بچتے ہیں اور اخلاقِ نفس اور صفاتِ قلب کا جائزہ بھی لیتے رہتے ہیں' اگر ان میں ریا' حسد' حقد' کبر' طلبِ جاہ وغیرہ صفات ہوتی ہیں تو ان کے ازالے کی تدبیر کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ مغرور ہیں' کیوں کہ ان کے قلوب کے مخفی گوشوں میں شیطان کے مکر اور نفس کی خواہشیں پوشیدہ رہ جاتی ہیں اور وہ اتنی مخفی اور غامض ہوتی ہیں کہ مشکل ہی سے ان کا ادراک ہوپاتا ہے' اس لئے اچھے اچھے لوگ انھیں نظرانداز کردیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کھیت کی صفائی کا ارادہ کرے اور وہ تمام زائد گھاس کاٹ ڈالے جو پودوں کے ارد گرد اُگ آئی ہے اور جس سے انھیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے لیکن خودرو گھاس کے جو پودے زیر زمین دفن ہیں اور جو عنقریب اُبھرنے والے ہیں ان پر کوئی توجہ نہ دے' ظاہری صفائی کرکے یہ سمجھ لے کہ کھیت صاف ہوگیا ہے اور اب کوئی پودا ایسا پیدا نہ ہوگا جو کھیتی کے لئے نقصان دہ ہو۔ اس غفلت اور اہمال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کھیت میں خودرو پودے نکل آتے ہیں' ان کی جڑیں مضبوط اور شاخیں وسیع ہوجاتی ہیں اور کھیت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتی ہیں' اسی طرح بعض اوقات عالِم بھی اپنی دانست میں قلب کا اچھی طرح تزکیہ کرلیتا ہے لیکن مخفی گوشوں پر پورا دھیان نہیں دے پاتا۔ تم اسے رات دن علم کی جمع و ترتیب اور نشرو اشاعت میں مشغول دیکھتے ہو' کبھی وعظ کی مجلسوں میں ہے' کبھی تدریس کی مسند پر ہے' کبھی تصنیفی کاموں میں لگا ہوا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میری تمام خدمات کا ایک مخفی باعث بھی ہو اور وہ یہ کہ اطراف میں میرا نام مشہور ہوگا' لوگ دور

دراز حلقوں سے میرے پاس آئیں گے' ہر زبان میری تعریف میں رطب اللسان ہوگی' ہر طرف میرے زہد' ورع و تقویٰ اور علم کا چرچا ہوگا' لوگ اپنے اہم معاملات میں مجھ سے مشورہ لیں گے' میں ہر جگہ مقدم رکھا جاؤں گا' میرے اردگرد مستفدین کا ہجوم ہوگا' اسے بڑی لذّت حاصل ہوتی ہے جب لوگ اس کے خوبصورت الفاظ کان لگا کر سنتے ہیں اور بار بار سمجھنے کے انداز میں سر کو حرکت دیتے ہیں' رقّت انگیز باتوں پر روتے ہیں اور اس کی خطیبانہ مہارت پر تعجّب کرتے ہیں۔ وہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا جب یہ دیکھتا ہے کہ اس کے پاس رُفقاء' تلامذہ' مریدین اور مستفدین کا ایک بڑا حلقہ ہے۔ سیکڑوں ہم عصروں اور ہم مرتبہ عالموں میں یہ خصوصیت صرف اسے حاصل ہے کہ وہ علم' عمل اور وعظ و تقویٰ کو جامع ہے خصوصیت کا یہ احساس دوسروں کے بارے میں زبانِ طعن دراز کرنے سے محفوظ نہیں رکھتا' خاص طور پر انھیں بہت زیادہ ہدفِ تنقید بناتا ہے جو دنیا میں مشغول نظر آتے ہیں' اس لئے نہیں کہ ان کی مشغولیت کو کوئی دینی المیہ تصوّر کرتا ہے بلکہ محض اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔ حالانکہ اس بے چارے کو یہ بات معلوم نہیں کہ تو اپنی باطن میں' جس ظاہری زندگی پر نازاں ہے وہ ان ہی لوگوں کی مرہونِ منت ہے جنھیں دنیا کا کتا کہہ کر پکارتا ہے۔ اگر ان کے دل تیری طرف سے پھر جائیں تو اس کا امکان قوی ہے کہ تیرا قلب تشویش کا شکار ہو جائے اور تجھ سے ایک معمولی وظیفہ بھی ادا نہ ہو اور مختلف حیلوں بہانوں سے اپنے نفس کا عیب چھپاتا پھرے۔

مریدین کے ساتھ ترجیحی سُلوک : بعض اوقات یہ نام نہاد علماء اپنے ان مریدین کے ساتھ اکرام اور رعایت کا معاملہ کرتے ہیں جو ان کے زہد و ورع کے کچھ زیادہ ہی معتقد ہیں اور جو لوگ ان کے حقیقی زہد و ورع کا اعتراف کرتے ہیں اور عقیدت میں مبالغے سے کام نہیں لیتے' ان سے نفرت کرتے ہیں' اپنے بعض مریدین کو بعض پر فوقیت دیتے ہیں اور ان کی فوقیت کے لئے یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ یہ اللہ سے زیادہ ڈرنے والے اور زیادہ عابد و زاہد ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہوتی ہے انھیں اس لئے فوقیت دی جاتی ہے کہ یہ ان کی زیادہ اِتباع کرتے ہیں اور زیادہ تعریف کرتے ہیں' اس کی باتوں کو زیادہ غور سے سنتے ہیں' اور دوسروں کے مقابلے میں زیادہ خدمت کرتے ہیں۔

یعنی سادہ لوح مسلمان ان کی اِتباع کرتے ہیں' اور علوم میں ان سے استفادہ کرتے ہیں تو انھیں یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ ان کی اِتباع اور استفادہ ہمارے اخلاص اور صِدق کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ وہ اس بات کے لئے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے انھیں علم کا حق ادا کرنے کی توفیق دی اور اس کی زبان سے وہ کلمے جاری کئے جن سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا' انھیں یہ یقین بھی ہوتا ہے کہ ہمارا یہ عمل گناہوں کا کفّارہ بن جائے گا لیکن وہ اپنے نفس کا جائزہ نہیں لیتے کہ حقیقت میں اس کی نیت کیا ہے' آیا مخلوق کی ہدایت کے پیشِ نظر شہرت کی خواہش پوشیدہ ہے۔ اگر ان علماء سے یہ کہا جائے کہ جس قدر اَجر و ثواب تبلیغِ دین' اور اشاعت علم میں ہے اس سے کہیں زیادہ ثواب گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کرنے میں ہے تو وہ گوشہ تنہائی اختیار نہیں کرتا' بلکہ اپنی انہی سرگرمیوں کو جاری رکھنا پسند کرتا ہے جن سے شہرت ملتی ہے اور بزعم خود اجر و ثواب کا مستحق بھی ٹھہرتا ہے۔ غالباً شیطان کے اس قول سے یہی لوگ مراد ہیں کہ بنی آدم میں سے جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں اپنے علم کی وجہ سے شیطان سے محفوظ ہو گیا' اس کا دعویٰ غلط ہے' وہ اپنے جہل کے باعث میرے جال میں پھنس گیا۔

مصنّفین کا فریب : بعض اوقات اہل علم کسی کتاب کی تصنیف و تالیف میں انتہائی عرق ریزی سے کام لیتے ہیں اگرچہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم علم کی جمع و تدوین میں اس لئے مصروف ہیں تاکہ مخلوق خدا نفع حاصل کرے' حالانکہ ان کے تحت الشعور میں کہیں یہ خواہش پوشیدہ ہوتی ہے کہ اس حسن تالیف کی وجہ سے ہمیں شہرت ملے گی اور مطالعہ کرنے والے داد سے نوازیں گے اور اس کی خواہش کے وجود یا عدم کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اگر کتاب کی لوح سے اس کا نام مصنّف کی حیثیت سے حذف کر دیا جائے اور کسی دوسرے صاحبِ قلم کا نام لکھ دیا جائے تو بڑی ناگواری ہوتی ہے حالانکہ اسے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اگرچہ لوح

کتاب پر میرا نام نہیں ہے لیکن اس کا ثواب مجھے ہی ملے گا اور اللہ کے نزدیک بھی مصنف میں ہی ،وں وہ شخص نہیں ہے جس کا نام لکھا گیا ہے۔

کبھی مصنف اپنی کتاب میں خود اپنی تعریف میں رطبُ اللّسان نظر آتا ہے' کبھی بڑے واضح انداز میں اور کبھی رمز کے ساتھ۔ بعض اوقات دوسروں کو بھی ہدف تنقید بنانے سے نہیں چوکتا تاکہ پڑھنے والے یہ سمجھیں کہ صاحب کتاب ان لوگوں سے افضل ہے جن پر وہ تنقید کررہا ہے حالانکہ اس کی تنقید بلا ضرورت ہے۔ کبھی اپنی کتاب میں کسی دوسرے مصنف کی ایسی عبارتیں کتاب کے حوالے اور صاحب کتاب کے نام کی وضاحت کے ساتھ نقل کرتا ہے جن میں کوئی عیب ہو اور ایسی عبارتیں نظرانداز کردیتا ہے یا بلاحوالہ نقل کرتا ہے جو عمدہ ہوں' تاکہ لوگ ان عبارتوں کو اسی کے زور قلم کا نتیجہ سمجھیں۔ ایسے لوگ چوروں کی طرح ہیں' بعض مصنف دوسروں کی عبارتوں میں معمولی تغیّر کرلیتے ہیں' ایسے لوگ چوروں کی طرح ہیں جو کسی کی قمیض چوری کرلے اور اس میں تبدیلی کرکے قباء بنالے تاکہ چوری شدہ قمیض کی پہچان باقی نہ رہے۔ کبھی مصنف اپنی عبادت کو سجاتا سنوارتا ہے' مسجّع اور مقفّی جملے لکھتا ہے تاکہ لوگ اسے رکاکت الفاظ کا طعنہ نہ دیں۔ دعویٰ یہ کرتا ہے کہ تحسین عبارت کے لئے میری کوشش کا مقصد حکمت کی ترویج و اشاعت ہے' اور لوگوں کو جلد نفع پہنچانا ہے۔ حالانکہ اسے یہ معلوم نہیں کہ کسی حکیم نے تین سو ساٹھ کتابیں حکمت کے موضوع پر تصنیف کی تھیں۔ اس دور کے پیغمبر پر وحی نازل ہوئی کہ تونے اس فضول کلام سے زمین بھردی' میں اس میں سے کچھ قبول نہیں کرتا۔

یہ علماء جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو اپنے نفسانی عیوب پر نقد کرتے ہیں اور ہر شخص یہ خیال کرتا ہے کہ میرا نفس زیادہ بُرا ہے لیکن جب الگ ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنے تبعین کے ساتھ چلتا ہے تو ایک دوسرے سے موازنہ کیا جاتا ہے کہ کس کے ساتھ زیادہ افراد ہیں اور کون زیادہ مقبول ہے' پھر جب یہ دیکھتا ہے کہ زیادہ افراد اس کے پاس ہیں تو بہت خوش ہوتا ہے اگرچہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ کثرت جماعت کا زیادہ مستحق دوسرا ہے۔ پھر غیرت اور حسد کا دور دورہ شروع ہوتا ہے' ایک دوسرے کو ایذا پہنچانے کے درپے ہوتے ہیں۔ اگر ان کا کوئی شاگرد ان سے تعلق منقطع کرکے دوسرے کے پاس آنے جانے لگتا ہے تو اسے برا جانتے ہیں پھر اس مغرور شاگرد سے نفرت کرنے لگتے ہیں اسے کبھی منہ نہیں لگاتے' نہ اس کا اکرام کرتے ہیں نہ اس کی کوئی ضرورت پوری کرتے ہیں جبکہ پہلے معاملہ اس کے برعکس تھا' حالانکہ انھیں یہ بات معلوم ہے کہ دوسرے علماء کے پاس بھی لوگ استفادے ہی کی غرض سے جاتے ہیں۔ اگر انکا کوئی شاگرد اس سے اپنا رشتہ منقطع کرکے کسی دوسرے عالم کی مجلس میں چلا گیا ہے تو اس میں فکرمند یا ناراض ہونے کی کیا بات ہے' ہوسکتا ہے اسے دوسرے عالم سے زیادہ نفع کی توقع ہو یا وہ کسی آفت میں مبتلا ہونے کے خوف سے دوسرے عالم کے پاس چلا گیا ہو۔

پھر جب حسد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو کھلے الفاظ میں اپنے حسد کا اظہار نہیں کرتے بلکہ مخالف کے دین میں طعن کرتے ہیں یا اس کی ورع پر تنقید کرتے ہیں تاکہ غصہ آئے' اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے دین کے لئے غصہ کررہے ہیں' اپنے نفس کے لئے نہیں۔ اگر ان کے سامنے کسی عالم کی تعریف کردی جائے تو تکلیف محسوس کرتے ہیں' اور مذمّت کردی جائے تو خوش ہوتے ہیں' اگرچہ پیشانی پر شکن ڈال لیتے ہیں تاکہ یہ ظاہر کیا جاسکے کہ ہمیں مسلمانوں کی غیبت پسند ہے۔

مخفی عیوب کا اِدارک : یہ اور طرح کے دوسرے اُمور قلب کے مخفی عیوب ہیں' صرف ذہین اور عقلمند لوگ ہی ان عیوب کا صحیح ادارک کرپاتے ہیں اور صرف اہلِ قوت ہی ان سے بچ سکتے ہیں ہم جیسے کمزور لوگوں کے لئے ان عیوب سے محفوظ رہنا انتہائی دشوار ہے۔ تاہم معمولی درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کے عیوب پہچانے' انھیں برا سمجھے' اور ان کی اصلاح کے لئے تدبیر کرے' جب اللہ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے عیوب سے مطلع کردیتا ہے جسے نیکی سے خوشی ہو اور برائی سے تکلیف ہو اس کی نجات متوقع ہے' اور اس کی اصلاح بہت جلد ہوسکتی ہے' اس مغرور کی بہ نسبت جو اپنے نفس کو پاک سمجھے' اپنے

علم و عمل سے اللہ پر احسان جتائے' اور یہ گمان رکھے کہ میں اللہ کی بہترین مخلوق میں شامل ہوں۔ ہم غفلت اور غرور سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں' اور عیوب کی ایسی معرفت سے بھی پناہ مانگتے ہیں۔ جن کی اصلاح نہ کی جائے۔

غیر اہم علوم میں مشغول لوگوں کا مغالطہ : اب تک ان لوگوں کا ذکر تھا جنھوں نے اہم علوم حاصل کئے لیکن وہ حاصل شدہ علم پر عمل کرنے سے قاصر رہے' اب ہم ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جو غیر اہم علوم حاصل کر کے قانع بن گئے اور اہم علوم سے غافل ہو گئے' یہ لوگ بھی فریب خوردہ ہیں یا تو اس لئے کہ وہ اس علم کی اصل سے مستغنی ہو گئے یا اس لئے کہ انھوں نے غیر اہم علوم پر انحصار کیا۔

ان میں ایک گروہ ان عالموں کا ہے جنھوں نے مخلوق کے دنیوی معاملات اور خصومات میں فتوئ نویسی کو علم کی اصل جانا اور اسی کے سیکھنے سکھانے پر انحصار کیا' اور اس فتوئ نویسی کو فقہ کا مخصوص نام دیا اور خود فقیہ اور صاحب مذہب کہلانے لگے پھر اس قدر مشغولیت بڑھی کہ ظاہری اور باطنی اعمال کی طرف بھی توجہ نہیں رہی' نہ زبان کو غیبت سے بچاتے ہیں نہ پیٹ کو حرام کھانے سے محفوظ رکھتے ہیں' نہ پاؤں کو سلاطین کے درباروں میں آنے جانے سے روکتے ہیں' یہی حال دوسرے اعضاء کا بھی ہوا' قلب سے بھی غافل ہو گئے' کبر' ریاء' حسد اور دوسرے مہلکات سے اس کی حفاظت نہیں کی۔ یہ لوگ عمل کرنے کے اعتبار سے بھی مغرور ہیں اور علم کے اعتبار سے بھی۔

عمل کی وجہ سے غرور : عمل کے اعتبار سے ان کے غرور کا حال ہم لکھ چکے ہیں' اس موقع پر ہم نے یہ مثال بھی دی تھی کہ ان کا حال اس مریض کا سا ہے جو کسی ماہر طبیب سے دوا کا نسخہ لکھوالے اور اس کی تعلیم و تکرار میں لگا رہے' یہاں اس مثال میں تھوڑی سی ترمیم یہ کیجئے کہ ان کی مثال اس مریض کی سی ہے جسے بواسیر یا جنون کی بیماری ہوں' اور وہ حیض و نفاس کی بیماری کا نسخہ لکھوا کر بیٹھ جائے اور اسے نوک زبان کرلے' حالانکہ وہ یہ بات جانتا ہے کہ نہ اسے حیض کی شکایت ہے اور نہ استحاضہ کی لیکن وہ یہ دلیل دیتا ہے کہ ہو سکتا ہے کوئی عورت ان بیماریوں میں مبتلا ہو اور مجھ سے یہ نسخہ دریافت کرنے لگے۔ یہ انتہائی مغالطہ ہے' اس بیچارے فقیہ (بلکہ متفقہ) کا بھی یہی حال ہے اس پر دنیا کی محبت' شہوات کی اتباع' حسد' کبر' ریاء اور دوسری تمام باطنی مہلکات مسلط ہیں' ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کئے بغیر مرجائے اور اللہ کا مغضوب بندہ بن کر اس سے ملاقات کرے' اس نے ان مہلکات پر توجّہ دینے کے بجائے سلَم' اِجارہ' ظہار' لعان' جراحات' دیات' دعاوی' بینات اور حیض وغیرہ کے مسائل میں سر کھپانا شروع کردیا' حالانکہ زندگی بھر اسے ان مسائل سے سابقہ نہ پڑے گا' اور اگر کسی دوسرے کو ضرورت پیش آئی بھی تو مفتی بے شمار ہیں۔ وہ ان مسائل میں مشغول ہے کیوں کہ ان مسائل میں مہارت سے جاہ' اقتدار اور مال ملتا ہے' یہ شیطانی فریب ہے' مغرور اپنے دل میں یہ سوچ کر خوش ہے کہ میں دینی فرائض میں مشغول ہوں لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ فرضِ عین سے فارغ ہوئے بغیر فرضِ کفایہ میں مشغول ہونا گناہ ہے' یہ اس وقت ہے جب کہ فقہی احکام میں مشغولیت صحیح نیت کے ساتھ ہو اور اللہ کی رضا مقصود ہو۔

عِلم کی بنیاد پر غرور : یہ عمل کی وجہ سے غرور کی تفصیل تھی' علم کی وجہ سے غرور یہ ہے کہ وہ فتاویٰ کے علم پر اکتفا کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ فتاویٰ کا علم ہی دین کا علم ہے' حالانکہ اصل علم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا علم ہے جسے وہ ترک کئے ہوئے ہے' بعض اوقات وہ محدّثین پر طعن سے بھی گریز نہیں کرتا' انھیں روایات کا ناقل اور اسفار کا حامل قرار دیتا ہے جو صرف روایت صحیح سے سن کر شاگرد کو سنا دیتے ہیں اس کا مفہوم نہیں سمجھتے۔ یہ فقیہ نہ صرف یہ کہ اصل دین کا تارک ہے بلکہ علم تہذیب اخلاق سے بھی محروم ہے' اسے اللہ تعالیٰ کی جلالت اور عظمت کا علم بھی نہیں' حالانکہ اس علم سے دل میں خوف' ہیبت اور خشیت پیدا ہوتی ہے اور تقویٰ پر نفس آمادہ ہوتا ہے تم دیکھتے ہو کہ فقیہ اللہ کے خوف سے مامون' اپنے آپ پر مغرور اور اپنی اس خوش خیالی پر قانع ہے کہ اللہ اس پر ضرور رحم کرے گا کیوں کہ میں دین کا ستون ہوں اگر میں فتاویٰ میں مشغول نہ ہوتا تو حلال اور حرام کے احکام بیکار

ہو جاتے۔

فقہ میں اِشتغال کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ شریعت میں فقہ کے بے شمار فضائل وارد ہیں' انھیں لفظ فقہ سے دھوکا ہوا ہے' فقہ علم کا نام ہے جس سے اللہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو اور اس معرفت سے دل پر خوف تقویٰ غالب ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (پ ۱۱ ر ۴ آیت ۱۲۲)

سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس آئیں ڈرائیں تاکہ وہ احتیاط رکھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ سے مراد وہ علم ہے جس سے خوف پیدا ہو' یہ مغرور جس علم کو فقہ کہتا ہے وہ فقہ نہیں ہے' بلکہ فتاویٰ کا علم ہے' اس کا مقصد اَموال کی حفاظت' معاملات کی شرائط کی پابندی' اموال کے ذریعے بدنوں کا تحفظ' قتل و ضرب کی روک تھام۔ جبکہ مال اللہ کی راہ میں صرف ایک وسیلہ ہے اور بدن محض سواری ہے' اصل نفس ہے' فقیہ حقیقی کا موضوع یہی نفس ہے' اس علم میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ نفس کس طرح سلوک کا راستہ طے کرے' اور اس کی ان گھاٹیوں کو عبور کرے جو صفاتِ مذمومہ کہلاتی ہیں۔ یہ صفات بندے اور خالق کے درمیان رکاوٹ ہیں' اگر کوئی شخص ان صفات کے ساتھ مرگیا تو اللہ سے محجوب رہے گا۔

فقہ پر اکتفا کرنے والے کی مثال: ایسی ہے جیسے کوئی حج کا راستہ طے کرنے کے بجائے موزے اور مشکیزے تیار کرنے پر اکتفا کرے' یہ مانا کہ اگر موزے اور مشکیزے نہ ہوں گے تو حج کا سفر دشوار ہو جائے گا لیکن صرف یہی دو چیزیں تو حج نہیں ہیں' انھیں مہیا کرنے سے نہ کوئی شخص حاجی کہلا سکتا ہے اور نہ حج کا مسافر۔ ان علماء میں بعض ایسے بھی ہیں جو صرف اختلافی مسائل اور فریق مخالف کو لاجواب کردینے والے دلائل سیکھتے ہیں' ان کا مطمع نظر صرف یہ ہوتا ہے کہ اختلافی مسائل پر مجادلات ہوں' دشمن کو دندان شکن جواب دیا جائے' خواہ غلبہ پانے کے لئے حق کو رد کیوں نہ کرنا پڑے' یہ لوگ رات دن ارباب مذاہب کے مختلف اقوال' اور اپنے ہم عصروں کے عیوب کی تحقیق و جستجو میں مصروف رہتے ہیں' طرح طرح کی گالیاں تراشتے ہیں' تکلیف دہ جملے گھڑتے ہیں' یہ انسانوں کی نسل میں درندے ہیں۔ ان کا مقصد حماقت ہے' وہ علم محض اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ اپنے ہم عصروں پر فخر کرسکیں اور ان علوم کی طرف ذرا التفات نہیں کرتے جن سے راہِ خدا پر چلنے میں مدد ملتی ہے' قلب سے مذموم صفات زائل کرکے اسے اچھی صفات سے آراستہ کرنے کا ہنر آتا ہے۔ ان علوم کو وہ حقیر جانتے ہیں اور انھیں فرسودہ باتیں یا واعظوں کے قصے قرار دیتے ہیں۔ تحقیقی علم ان کے نزدیک وہی ہے جس سے دو بحث کرنے والوں میں سے ایک کی برتری معلوم ہو' یہ لوگ تو ان مفتیوں سے بھی دو چار ہاتھ آگے ہیں جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اس لئے کہ وہ فرض کفایہ پر تو عمل پیرا تھے یہ لوگ جس علم میں مشغول ہیں وہ تو فرض کفایہ بھی نہیں بلکہ بدعت و معصیت ہے۔ یہ علم نہ کتاب و سنت سے ثابت ہے نہ اکابرینِ سلف سے منقول ہے۔ احکام کے دلائل اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت میں موجود ہیں۔ مناظرے اور بحثیں' لفظی موشگافیاں اور نکتہ آفرینیاں سب بدعت ہیں' محض دشمن پر غلبہ پانے اور مخالف کو ساکت کرنے کے لئے یہ بدعتیں ایجاد کی گئی ہیں۔ ان کا غرور ان فقیہوں کے غرور سے کہیں زیادہ سنگین اور افسوسناک ہے جن کا ابھی ذکر ہوا ہے۔

مناظرین و متکلمین کا مغالطہ: ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو علمِ کلام اور علمِ مناظرہ اس لئے سیکھتے ہیں کہ اہلِ بدعت سے مجادلہ کرسکیں اور مخالفین کو جواب دے سکیں۔ یہ لوگ ہمہ تن ان علوم میں مشغول رہتے ہیں' کبھی اختلافی موضوعات زیرِ بحث

لائے جارہے ہیں، کبھی متضاد اقوال یاد کئے جارہے ہیں، کبھی دلائل کی جستجو ہو رہی ہے۔ پھر اس گروہ میں مختلف فرقے ہیں ان سب کا اعتقاد یہ ہے کہ بندے کا کوئی عمل ایمان کے بغیر قبول نہیں ہوتا اور ایمان اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ان کے مجادلے کا طریقہ اور دلائل نہ سیکھ لے۔ یہ لوگ اس خوش فہمی کا بھی شکار ہیں کہ اللہ کی ذات و صفات کی معرفت ان سے زیادہ کسی کو نہیں ہے اور یہ کہ جو شخص ہمارے مذہب کا معتقد نہیں وہ ایمان سے محروم ہے، ہر فرقہ اپنے ایمان کا مدعی ہے، پھر ان میں دو فرقے ہیں، ایک گمراہ، دوسرا برحق۔ گمراہ فرقہ وہ جو غیر سنت کی طرف داعی ہے اور برحق فرقہ وہ ہے جو سنت کی دعوت دیتا ہے۔ لیکن غرور دونوں ہی کو ہے۔

گمراہ فرقہ اس لئے مغرور ہے کہ اسے اپنی ضلالت کا علم نہیں، وہ اپنے دل میں یہ سمجھے ہوئے ہے میں ناجی ہوں، گمراہ فرقے بے شمار ہیں، ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں، ان کی گمراہی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی رائے کو متہم نہیں سمجھا اور اپنی رائے کی صحت پر اصرار کیا اور اس کے لئے غلط دلائل مہیا کئے، پہلے انھیں دلائل کی شرائط اور استدلال کا طریقہ معلوم کرنا چاہئے تھا۔ انھوں نے دلیل کو شبہ قرار دیا اور شبہ کو دلیل سمجھ بیٹھے۔

جو گروہ حق پر ہے اس کے غرور کی وجہ یہ ہے کہ اس نے مجادلے کو قربِ الٰہی کا اہم ترین وسیلہ سمجھا اور یہ گمان کیا کہ کسی شخص کا دین اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ بحث و مباحثہ نہ کرے، جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق بلا بحث و دلیل کی ہے وہ یا تو سرے سے مؤمن ہی نہیں ہے یا مؤمن تو ہے لیکن اس کا ایمان مکمل نہیں ہے۔ ایسا شخص اللہ کا مقرب بندہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے وہ گمان فاسد جس میں مبتلا ہو کر اس گروہ کے افراد نے مجادلے کا علم سیکھنے، مبتدعین کی بکواس یاد کرنے اور ان کے دلائل کا رَد معلوم کرنے میں عمریں ضائع کردیں اور دلوں سے غافل ہوگئے، یہاں تک کہ گناہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئے، مخفی اور ظاہر تمام گناہوں کا احساس جاتا رہا۔ یہ لوگ اس خام خیالی میں مبتلا رہے کہ ہم مجادلات کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کررہے ہیں، حالانکہ مخالف پر غلبہ پانے اور اسے ساکت کرنے میں اقتدار میں اور اللہ کے دین کا محافظ کہلانے میں جو لذت ہے، وہ بصیرت اور بصارت دونوں پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ انھوں نے قرنِ اوّل کے لوگوں کے حالات پر نظر نہیں ڈالی، جن کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ لوگ مخلوق میں سب سے بہترین (بخاری و مسلم۔ ابن مسعودؓ) مبتدعین اس زمانے میں بھی تھے، دین میں کج بحثی کرنے والوں کی اس زمانے میں کمی نہ تھی، لیکن ان لوگوں نے کبھی انکی طرف التفات نہیں کیا، نہ ان کے اقوال سنے نہ ان کا رد کیا، نہ مناظروں کی مجلسیں منعقد کیں، قلوب اور اعضاء کے احوال کی نگرانی نے انھیں اس طرح کے مشاغل کی فرصت ہی نہیں دی۔ البتہ وہ جہاں موقع دیکھتے یا مخاطب میں قبول حق کی صلاحیت پاتے بقدر ضرورت کچھ کہہ دیتے تاکہ گمراہ اپنی ضلالت سے واقف ہوجائے۔ البتہ اگر اسے گمراہی پر مصر دیکھتے تو منہ نہ لگاتے، اس سے اللہ کے لئے بغض رکھتے، یہ نہیں کہ اس کی گمراہی کو اپنی انا مسئلہ بنالیتے، اکابرین سلف سے منقول ہے حق کی دعوت دینا مسنون، اور یہ بھی مسنون ہے کہ اس سلسلے میں جدال نہ کیا جائے۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-

مَاضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ إِلَّا أُوتُوا الْجَدَلَ (۱)

کوئی قوم ہدایت کے بعد اس وقت تک گمراہ نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں جدال پیدا نہ ہو۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے پاس تشریف لائے، وہ لوگ کسی موضوع پر مجادلہ کررہے تھے اور ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے، یہ منظر دیکھ کر آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ چہرہ مبارک سرخ ہوگیا گویا رخساروں میں انار

---

(۱) یہ روایت کتابُ العلم اور کتابُ آفات اللسان میں گذری ہے۔

کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ اس حالت میں آپ نے ارشاد فرمایا :۔

اَبِهٰذَا بُعِثْتُمْ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَنْ تَضْرِبُوْا كِتَابَ اللّٰهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ اُنْظُرُوْا اِلٰى مَا اُمِرْتُمْ بِهِ فَاعْمَلُوْا وَمَا نُهِيْتُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (۱)

کیا تم اس لئے بھیجے گئے ہو' کیا تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ کے ایک حصے کو دوسرے سے ٹکراؤ' تم یہ دیکھو کہ تمہیں کس بات کا حکم دیا جارہا ہے اس پر عمل کرو' اور جس چیز سے منع کیا جارہا ہے اس سے باز رہو۔

آپ نے صحابہ کرامؓ کو جدال سے منع فرمایا' حالانکہ وہ حجت اور جدال میں کامل تھے' پھر انھوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ تمام ملتوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ لیکن کبھی کسی ملت کے افراد کی مجلس میں جاکر مجادلے کی نیت سے نہیں بیٹھے' نہ کسی کو الزامی جواب دیا' نہ ساکت کیا' نہ کسی بات کی تحقیق کی اور حجت کی' نہ اعتراض وارد کیا' نہ اس کا جواب دیا۔ اگر مجادلہ کیا بھی تو صرف اس قدر جو قرآن پاک میں نازل ہوا' زیادہ بحث نہیں کی' کیوں کہ زیادہ بحث کرنے سے مخاطبین کے ذہن منتشر ہوئے ہیں اور ان کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک' خیالات اور اعتراضات پیدا ہوتے ہیں۔ آپؐ نے مناظرے اس لئے نہیں کئے کہ آپ فن مناظرہ سے واقف نہیں تھے یا اپنے اصحاب کو اس فن کی تعلیم دینے پر قادر نہیں تھے' ایسا نہیں تھا بلکہ آپؐ ان تمام امور پر کمال قدرت رکھتے تھے' اصل یہ ہے کہ ذی شعور لوگ اس طرح کے فنون سے دل چسپی نہیں رکھتے' یہ حقیقت بھی ہے' اگر تمام انسان نجات پائیں اور ہماری قسمت میں ہلاکت لکھی جائے تو ہمیں کیا فائدہ ہوگا' اسی طرح اگر روئے زمین کے تمام افراد ہلاک ہوجائیں اور ہمارے حصے میں نجات آئے تو ہمیں نقصان ہوگا۔ مجادلے کے باب میں ہم پر اتنا ہی واجب ہے جتنا یہود و نصاریٰ کے ساتھ صحابہؓ پر واجب تھا' انھوں نے مجادلات کی تحریر' ترتیب اور تدوین میں اپنی عمریں ضائع نہیں کیں' ہمیں بھی اپنی عمریں ضائع نہیں کرنی چاہئیں بلکہ انھیں ایسے کاموں میں صرف کرنا چاہیئے جو قیامت کے دن نفع دیں گے۔ وہ دن انتہائی افلاس اور احتیاج کا دن ہوگا' ہمیں ایسے مشاغل سے اجتناب کرنا چاہیئے جن میں خطرے اور ہلاکتیں ہیں۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں تمہاری بحث سے متأثر ہوکر بدعتی اپنی بدعت نہیں چھوڑتا بلکہ اس کا تعصب اور بڑھ جاتا ہے اور خصومت کے باعث اس کے مبتدعانہ اعمال میں تشدد پیدا ہوجاتا ہے' اس صورت میں مخالفین کے ساتھ بحث کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنے نفس سے مخاصمت کی جائے تاکہ وہ آخرت کے لئے دنیا چھوڑ سکے یہ اس حال میں ہے جبکہ مجادلت اور مخاصمت کی اجازت فرض کی جائے اور اس صورت میں جبکہ ممانعت وارد ہے کسی کو مجادلے کے ذریعے سنت کی طرف بلانا ایک سنت ترک کرکے دوسری سنت کا طالب ہونا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم اپنے نفس پر نظر رکھو اور اس کی ان صفات کو موضوع بحث بناؤ جو اللہ کو ناپسند یا پسند ہیں تاکہ اچھی صفات نفس میں راسخ ہوسکیں اور بری صفات زائل ہوسکیں۔

واعظین کا مغالطہ : ایک فرقہ ان علماء کا ہے جو وعظ اور تذکیر میں مشغول ہیں' ان میں بھی وہ لوگ اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں جو نفس کے اخلاق اور قلب کی صفات مثلاً "خوف' امید' صبر' شکر' توکل' زہد' یقین' اخلاص' صدق وغیرہ پر کلام کرتے ہیں' یہ لوگ بھی مغرور اور فریب خوردہ ہیں' ان کا خیال یہ ہے کہ جب وہ ان صفات پر گفتگو کرتے ہیں اور مخلوق کو ان کی طرف بلاتے ہیں تو ان کے ساتھ متصف بھی ہیں' حالانکہ اللہ کے نزدیک ان میں ایک بھی صفت نہیں ہوتی اور اگر کوئی صفت تھوڑی بہت ہوتی بھی ہے تو یہ عام آدمی میں بھی پائی جاتی ہے' اس میں ان کی کیا خصوصیت ہے؟ ان کا غرور بڑا شدید ہے' کیوں کہ یہ اپنے نفس پر بہت زیادہ معجب کرتے ہیں' وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے علم محبت میں تبحر اور کمال پیدا کیا ہے تو ہم اللہ سے محبت کرنے والے بھی ہیں اگر

---

(۱) یہ روایت بھی گذر چکی ہے۔

ہم اخلاص کی باریکیوں سے واقف ہیں تو ہم مخلص بھی ہیں' اگر ہمیں نفس کے مخفی عیوب کی اطلاع ہے تو ہم ان عیوب سے دور بھی ہیں' اگر ہم اللہ کے مقرب بندے نہ ہوتے تو ہمیں قرب اور بُعد کے معنیٰ کیسے معلوم ہوتے' سلوک کی وادی طے کرنے اور اس وادی کی رکاوٹوں کو عبور کرنے کا طریقہ کیسے آتا؟ اس طرح کی خوش خیالیوں میں مبتلا یہ شخص اپنے آپ کو خائفین کے زمرہ میں شمار کرتا ہے حالانکہ مخلوقِ خدا میں جس قدر مطمئن وہ ہے اس قدر مطمئن کوئی دوسرا نظر نہیں آتا وہ اپنے آپ کو راجی سمجھتا ہے حالانکہ وہ مغرور ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر راضی ہوں' مگر حقیقت میں وہ اس کے فیصلوں سے ناراض ہے' وہ متوکل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اسے اللہ سے زیادہ عزت' جاہ' مال اور دوسرے اسباب دنیا پر اعتماد ہے' وہ اخلاص کا مدّعی ہے جبکہ اخلاص اسے چھو کر بھی نہیں گزرا بلکہ جب وہ اخلاص کے موضوع پر کلام کرتا ہے تب بھی دل میں مخلص نہیں ہوتا' اسی طرح جب وہ ریا کا ذکر کرتا ہے تو اس میں بھی ریاکاری کرتا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اگر واعظ صاحب مخلص نہ ہوتے تو انھیں ریا کے دقائق کا علم کیسے ہوتا' وہ دل میں دنیا کی رغبت رکھتا ہے اور لوگوں کو ترکِ دنیا کی ترغیب دیتا ہے' وہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور خود اس سے دور بھاگتا ہے' وہ دوسروں کو اللہ سے ڈراتا ہے اور خود اس سے بے خوف ہے' بظاہر اللہ کا ذکر کرتا ہے حالانکہ اسے بھولے ہوئے ہے' اوروں کو اللہ سے قریب کرتا ہے اور خود دور ہے۔ دوسروں کو اخلاص پر ابھارتا ہے اور خود غیر مخلص ہے' برے اوصاف کی مذمت کرتا ہے اور خود متصف ہے۔ معتقدین کو لوگوں کے ساتھ اختلاط سے روکتا ہے اور خود ان کی طرف مائل رہتا ہے۔ اگر کوئی اسے مجلسِ وعظ میں بیٹھنے سے روک دے تو یہ زمین اپنی وسعت کے باوجود اس پر تنگ ہو جائے' وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرا مقصد مخلوق کی اصلاح ہے حالانکہ اگر اس کا کوئی ہم عصر مرجع خلائق بن جائے اور لوگ اس کے دستِ حق پر بیعت ہو کر اصلاح پانے لگیں تو مارے حسد اور غم کے مرجائے اور اگر اس کے پاس آمد و رفت رکھنے والوں میں سے کوئی شخص اس کے کسی معاصر کی ذرا تعریف کردے تو وہ اس کی نظر میں بدترین آدمی قرار پائے۔

واعظین کے فریب کا علاج : ان کے غرور کی کوئی انتہا نہیں' اسی لئے انکی اصلاح اور حق کی طرف ان کی واپسی کا مرحلہ بھی بے حد دشوار ہے' اچھے اخلاق کی ترغیب اور برے اخلاق سے نفرت کے لئے ضروری ہے کہ انسان ان اخلاق کے منافع اور مضار سے واقف ہو' یہ لوگ اچھے اخلاق کی منفعت سے بھی واقف ہیں اور بُرے اخلاق کی مضرّت سے بھی۔ انھیں یہ بھی علم ہے کہ اچھے اخلاق کس طرح حاصل ہوتے ہیں اور برے اخلاق کس طرح زائل ہوتے ہیں' پھر آخر انھیں کس چیز سے ڈرایا جائے' مخلوق خدا کو راہِ راست پر لانے کا انھیں اس قدر شوق ہے کہ خود راہِ راست سے منحرف ہو گئے' آخر انھیں کس طرح راہِ راست پر واپس لایا جائے۔ وہ لوگوں کو روزِ حشر سے ڈراتے ہیں' عذاب سے خوف زدہ کرتے ہیں' لیکن خود نہیں ڈرتے۔ البتہ ان کے علاج کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ انکے سامنے ایک کسوٹی رکھی جائے' کیوں کہ وہ خود کو اچھے اخلاق سے متصف قرار دیتے ہیں' اس لئے ان سے کہا جائے کہ وہ اپنے نفوس کا امتحان لیں' مثلاً انھیں محبتِ الٰہی کا دعویٰ ہے' وہ یہ سوچیں کہ ہم نے اللہ کی محبت میں دنیا کی کون سی چیز چھوڑی ہے' وہ خوفِ الٰہی کے مدّعی ہیں' انھیں دیکھنا چاہئے کہ وہ اللہ کے خوف سے کیا چیز ترک کئے ہوئے ہیں' وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم زاہد فی الدنیا ہیں' وہ یہ دیکھیں گے کہ دنیا کی کسی چیز پر قدرت پانے کے باوجود وہ اس کے تارک ہیں یا نہیں؟ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے انس ہے' کیا انھیں کبھی خلوت میں بھی لطف آتا ہے اور جلوت سے نفرت ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں' حال تو یہ ہے کہ مریدین کے حلقے میں انھیں جو لذت ملتی ہے وہ نہ نماز کی حالت میں ملتی ہے اور نہ تلاوت کے وقت میسّر آتی ہے' تنہائی سے انھیں وحشت ہے' کیا محبت کرنے والے یہ نہیں چاہتے کہ انھیں تنہائی ملے اور وہ اپنے محبوب کے ساتھ راز و نیاز کے چند لمحے گزار سکیں کیا کوئی عاشق محبوب کے علاوہ بھی کسی دوسرے سے اُنسیت رکھتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقلمند لوگ ان صفات کو معیار بنا کر اپنے نفس کو جانچتے اور پرکھتے ہیں اور حقیقی اوصاف کے طالب ہوتے ہیں' وہ صرف ظاہری بناوٹ پر قانع نہیں ہوتے' بلکہ اللہ سے مستحکم عہد کرتے ہیں اور مغالطے میں مبتلا ہونے والے اپنے بارے میں

اچھا گمان کرتے ہیں، جب آخرت میں ان کا حال کھلے گا تب وہ رسوا ہوں گے، رسوا کیا ہوں گے دوزخ کا ایندھن بنادیئے جائیں گے، تکلیف کی شدت سے آنتیں باہر آجائیں گی اور وہ انھیں لے کر آگ میں اس طرح چکر لگائیں گے، جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ اور یہ سزا انھیں اس لئے دی جائے گی کہ وہ دوسروں کو اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں لیکن خود اچھے کام نہیں کرتے، دوسروں کو شر سے منع کرتے ہیں اور خود شر میں مبتلا ہیں۔

ان لوگوں کے مغالطے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ محبت، خوف الٰہی اور رضا بقضا کے کچھ اثرات اپنے دلوں میں رکھتے ہیں اور ان معانی میں اعلیٰ درجات کے بیان پر قادر ہیں، اس لئے یہ گمان کرتے ہیں کہ ان معانی کی وضاحت اور تشریح پر ہم اس لئے قادر ہیں اور لوگوں کو ہم سے نفع اسی لئے ہوتا ہے کہ خود ان معانی سے متصف ہیں، حالانکہ پہلے انھیں یہ بات سوچنی چاہیئے تھی کہ لوگ ہمارا کلام قبول کرتے ہیں اور کلام معرفت اور زبان پر جاری ہونے کی وجہ سے وجود میں آتا ہے اور معرفت سیکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ ہم اس صفت سے متصف بھی ہیں جس کا ہم نے علم حاصل کیا، پھر وہ ہماری زبان پر جاری ہوئی اور لوگوں نے قبول کی۔ عام مسلمان اور اس عالم میں فرق ہی کیا ہے، جس طرح وہ بے خوف ہے اسی طرح اسے بھی کوئی خوف نہیں، جس طرح وہ محبت الٰہی سے محروم ہے اسی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہے، اگر فرق ہے تو صرف یہ کہ عام مسلمان بیان کی قدرت نہیں رکھتا، یہ رکھتا ہے، لیکن قدرت بیان سے کام نہیں چلتا بلکہ اس صورت میں تو یہ امکان ہے کہ اسکی بے خوفی بڑھ جائے، مخلوق کی طرف میلان میں اضافہ ہوجائے اور دل میں روشن محبت الٰہی کی شمع ماند پڑجائے، اس عالم کی مثال ایسے مریض کی سی ہے جو اپنا مرض بھی اچھی طرح بیان کرسکتا ہے، اور دوا، صحت اور شفاء جیسے موضوعات پر بھی نہایت فصیح و بلیغ گفتگو کرسکتا ہے، دوسرے مریض نہ شفاء و صحت پر کلام کرسکتے ہیں، نہ مرض کے اسباب، درجات اور اصناف پر روشنی ڈال سکتے ہیں، یہ مریض مرض کے وصف میں دوسرے مریضوں کے برابر ہے، اگر اس میں اور دوسرے مریضوں میں فرق ہے تو صرف یہ کہ وہ طبّی معلومات رکھتا ہے، لیکن صحت کی حقیقت سے واقف ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ وہ صحت مند ہے، اگر کوئی مریض ایسا سمجھتا ہے تو یہ انتہائی جہالت ہے۔ یہی فرق خوف، محبت، توکل، زہد اور دوسری صفات کے علم رکھنے والوں اور ان سے متصف ہونے والوں میں ہے۔ صفات کا علم رکھنا ایک چیز ہے اور ان سے متصف ہونا دوسری چیز ہے، جو شخص ان دونوں کو ایک سمجھتا ہے اس کی حماقت میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ ان واعظین کا حال ہے جو بے عیب اور بے داغ کلام کرتے ہیں اور ان کے خطاب کا طرز وہی ہے جو قرآن و حدیث کا ہے، یا حضرت حسن بصریؒ وغیرہ بزرگوں کا ہے۔

واعظین کی دوسری صنف واعظین کا ایک گروہ ایسا ہے۔ جنھوں نے وعظ و تذکیر کے طریق واجب سے عدول کیا ہے، ہمارے زمانے کے بیشتر واعظین ایسے ہی ہیں، سوائے ان لوگوں کے جنھیں اللہ نے محفوظ رکھا، مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں، بلکہ اگر ان کا وجود نادر کہا جائے تو صحیح ہے، ہوسکتا ہے ملک کے اطراف میں کہیں ایسے واعظ مل جاتے ہوں، لیکن ہم ان سے واقف نہیں ہیں۔ ان واعظوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نئی نئی باتیں سنانے کے لئے جھوٹے سچے قصے گھڑتے ہیں اور ایسے ایسے کلمات زبان سے نکالتے ہیں جو نہ شرعاً صحیح ہوتے ہیں اور نہ از روئے عقل درست ہوتے ہیں۔ بعض لوگ مقفّی اور مسجّع الفاظ اور جملے استعمال کرتے ہیں اور دلیل میں وصال و فرق کے غلیظ اشعار گا گا کر پڑھتے ہیں اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کا وعظ سن کر لوگ بے حال ہوجائیں، روئیں اور چیخیں چلائیں، یہ لوگ انسانوں کے شیطان ہیں۔ خود بھی راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں، اس سے پہلے گروہ کے واعظ اگرچہ خود ہدایت پر نہیں تھے، لیکن دوسروں کی اصلاح کردیتے تھے، ان کے واعظ صحیح ہوتے تھے، اور یہ لوگ خود بھی راہ حق سے انحراف کرتے ہیں اور مخلوق کو بھی لفظ رجاء کے من گھڑت معانی بیان کرکے غرور باللہ میں مبتلا کرتے ہیں، ان کے کلام سے سننے والوں کو معاصی پر جرأت ہوتی ہے اور ان کے دلوں میں دنیا کی رغبت بڑھتی ہے، خاص طور پر اس وقت جب کہ واعظ کو بہترین پوشاک پہن کر اور عمدہ سواری پر سوار ہوکر مجلس وعظ میں پہنچتا ہو، اس لئے کہ اس کی

ہیئت اور از سرتاپا وجود دنیا میں اس کی شدتِ حرص پر دلالت کرتا ہے' اس مغرور کے کلام سے اس قدر فائدہ نہیں ہوتا جتنا اس کی ہیئت کے مشاہدے سے نقصان ہوتا ہے' بلکہ فائدہ ہوتا ہی نہیں ہے' سننے والوں کی ایک بڑی تعداد اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے گمراہ ہوجاتی ہے۔

واعظین کا ایک اور گروہ ان میں ایک گروہ وہ ہے جو دنیا کی مذمت کے سلسلے میں وارد بزرگوں کے اقوال یاد کرلیتے ہیں' وہ صرف اقوال کے الفاظ یاد کرتے ہیں' ان کے معانی کا احاطہ نہیں کرتے' پھر بعض وعظ گو منبروں پر' بعض محرابوں اور بعض بازاروں کے اندر اپنے ہم نشینوں کے حلقوں میں ان کلمات کا اعادہ کرکے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے کہ ہمیں بزرگوں کے اقوال یاد ہیں' بازاری لوگوں' لشکریوں اور عوام کے دوسرے طبقوں سے ممتاز ہیں' ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہیں' مغفرتِ خداوندی ہمارے شاملِ حال رہے گی ہم اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے خواہ اپنی ظاہر و باطن کو گناہوں سے نہ بچائیں' خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک صرف نیک لوگوں کے اقوال یاد کرلینا ہی مغفرت کے لئے کافی ہے۔ سابقہ گروہ کی طرح اس گروہ کا غرور بھی واضح ہے۔

حدیث کی تحصیل میں مشغول علماء اس فرقے کے لوگ اپنے اوقات علم حدیث میں صرف کرتے ہیں' یعنی روایات سنتے ہیں' زیادہ سے زیادہ احادیث جمع کرتے ہیں' عالی اور غریب اَسناد تلاش کرتے ہیں' ان میں بعض ایسے بھی باہمت ہیں جو ملکوں ملکوں گھومتے ہیں اور شیوخِ حدیث کی تلاش میں دَر دَر کی خاک چھانتے ہیں اور ان سے احادیث سنتے ہیں تاکہ یہ کہہ سکیں ہم نے فلاں شیخ سے روایت کی ہے ہم نے فلاں شیخ کو دیکھا ہے اور ہمارے پاس ایسی اونچی اونچی سَندیں ہیں جو دوسرے علماء کے پاس نہیں ہیں ان کے غرور کی کئی صورتیں ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو اپنی پُشت پر کتابیں لادلیں' وہ صرف کتابوں کی ورق گردانی کرتے ہیں یعنی سنتے اور نقل کردیتے ہیں' حدیث کے معانی سمجھنے پر توجہ نہیں دیتے' ان کے پاس صرف نقلِ الفاظ کی صلاحیت ہے' حالانکہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہماری بخشش کے لئے محض نقل کردینا ہی کافی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب وہ حدیث کے معنیٰ نہیں سمجھتے تو اس پر عمل کیا کریں گے' بعض معنیٰ بھی سمجھتے ہیں اس کے باوجود عمل نہیں کرتے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ وہ فرضِ عین علم کے تارک ہیں' اور فرضِ عین علم یہ ہے کہ قلب کی بیماریوں کا طریقۂ علاج سیکھا جائے۔ اس کے بجائے وہ روایات کی تکثیر اور عالی اَسناد جمع کرنے میں منہمک ہیں' حالانکہ اسے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ حدیث سنتے ہیں' لیکن سماع کی جو شرائط ہیں ان پر عمل نہیں کرتے۔ محض سماع سے اگرچہ کوئی فائدہ نہیں لیکن حدیث کے اثبات تک پہنچنے میں سماع کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے کہ جب حدیث کی صحت ثابت ہوجاتی ہے تب اسے سمجھا جاتا ہے اور سمجھنے کے بعد عمل کیا جاتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ پہلے سماع ہے' پھر تفہیم ہے' پھر حفظ ہے' پھر عمل ہے' پھر اس کی اشاعت ہے۔ انھوں نے صرف سماع پر اکتفا کیا' اور سماع بھی ایسا جسے حقیقی نہ کہا جاسکے۔ یہ ایسا ہے جیسے ایک بچہ کسی شیخ کی مجلس میں حاضر ہو اور حدیث پڑھے' شیخ صاحب سونے میں مشغول ہوں اور بچہ کھیلنے میں لگا ہو' پھر بچے کا نام سامعین کی فہرست میں لکھ لیا جائے' جب وہ بچہ بڑا ہو تو شیخ کی جگہ سنبھالے اور یہ دعویٰ کرے کہ مجھ سے حدیث سنی جائے' بعض بالغ حاضرین بھی غفلت اور بے توجہی میں بچے سے کم نہیں ہوتے' نہ صحیح طور پر سنتے ہیں' نہ توجہ دیتے ہیں' نہ ضبط و تحریر میں اہتمام کرتے ہیں' بلکہ کبھی باتوں میں اور کبھی لکھنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر شیخ صاحب الفاظ میں تغیر یا تصحیف کردیں تو انھیں معلوم بھی نہ ہو' یہ تمام باتیں غرور اور جاہلیت کی ہیں' حدیث کے باب میں اصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے اور اسی طرح یاد کرے جس طرح سنے پھر اسی طرح روایت کرے جس طرح حفظ کرے' اس سے معلوم ہوا کہ روایت کی بنیاد حفظ پر ہے اور حفظ کی بنیاد سماعت پر ہے' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے نہ سن سکے تو ان صحابہؓ سے سنے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو' یا ان تابعین سے سنے جنھوں نے صحابہ کرامؓ سے سنی ہیں۔ راوی سے کسی حدیث کا سننا ایسا ہی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سننا' اس لئے دھیان سے سننا اور سن کر حفظ کرنا اور حفظ کے مطابق اسی طرح روایت کرنا ضروری ہے کہ اس میں ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہ ہو اور اگر کوئی شخص اس میں کچھ تبدیلی کردے یا بیان کرنے میں کوئی غلطی کرے تو حفظ کرنے والا اس سے آگاہ ہو جائے۔

حفظ حدیث کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ تو یہ ہے کہ تم دل سے یاد کرو اور ذکر و تکرار پر مداومت رکھو' جیسے اپنے روز مرہ کے حالات میں کان پڑی باتیں یاد کرلی جاتی ہیں اور انھیں دل میں تازہ رکھا جاتا ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح سنو' اسی طرح لکھ لو' لکھنے میں صحت کا اہتمام رکھو اور اس مجموعہ روایات کی حفاظت کرو' کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ لگنے دو جو اس میں تغیر کرسکے' حفاظت کے لئے کوئی بھی طریقہ اختیار کرو' خواہ وہ مجموعی سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھو یا محفوظ جگہ رکھ دو' حفاظت اس لئے ضروری ہے کہ اگر تمہارے علاوہ کسی کا ہاتھ اس مجموعے تک پہنچ گیا تو وہ اس میں تحریف کرسکتا ہے' اور کیوں کہ خود حفاظت کا اہتمام نہیں کیا تھا اس لئے تمہیں یہ معلوم نہیں ہوسکے گا کہ روایات میں کیا تحریف ہوئی ہے۔ بہرحال حفظ حدیث کے یہی دو طریقے ہیں یا تو حدیث تمہارے دل میں محفوظ ہو' یا تمہاری کتاب میں۔ جو کچھ تم نے استاد سے سنا ہے کتاب تمہیں اس کی یاد دہانی کراتی رہے گی اور تم تغیر و تحریف کے خوف سے مامون ہو جاؤ گے' اب اگر تم نے نہ حدیث یاد کی اور نہ لکھی' صرف ایک مبہم آواز سن کر مجلس سے اٹھ گئے' پھر تم نے اس شیخ کی روایت کردہ احادیث کا کوئی مجموعہ دیکھا' اس میں وہ روایت بھی نظر پڑی جو تم نے شیخ سے سنی تھی' لیکن کیوں کہ تم نے یہ روایت نہیں لکھی تھی اور نہ یاد کی تھی' اس لئے تم پورے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں نے یہ روایت ان ہی الفاظ میں شیخ مذکور سے سنی ہے۔ اس لئے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس روایت میں کوئی تحریف ہوگئی ہو' کوئی لفظ زیادہ یا کوئی لفظ کم ہوگیا ہو' ہوسکتا ہے اختلاف ایک دو کلموں میں ہو' لیکن تمہارے پاس کوئی قطعی دلیل ایسی نہیں ہے جس سے تم اس اختلاف کو پہچان سکو' یا یہ دعویٰ کرسکو کہ تم نے شیخ سے یہی روایت ان ہی الفاظ کے ساتھ سنی ہے جو اس میں لکھے ہوئے ہیں' نہ تمہیں یہ روایت یاد ہے اور نہ تم نے اپنے استاذ سے روایت لکھی ہے پھر کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں نے یہ روایت سنی ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (پ ۱۵ ر ۴ آیت ۳۶)

اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل مت کر۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس زمانے کے شیوخ حدیث یہ دعویٰ کریں کہ ہم فلاں مجموعہ روایات کی فلاں فلاں حدیثیں فلاں فلاں شیخ سے سنی ہیں اور سماعت کی مذکورہ بالا دو شرطیں نہ پائی جائیں تو ان کا دعویٰ باطل ہے' سننے کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ تمام کتاب کی سماعت کے وقت کان پوری طرح متوجہ رہیں اور جو کچھ سنے یاد بھی ہوتا جائے' اس لئے کہ اگر بالفرض اس میں کوئی تبدیلی ہو تو فوراً سامنے آجائے۔

اگر سماع کی یہ صورت جائز ہو کہ خواہ بچہ سنے' یا غافل' یا سویا ہوا انسان' یا کسی دوسرے کام میں مشغول شخص سب سننے اور پڑھنے والے سمجھے جائیں گے تو اس شیر خوار بچے اور مجنوں کو بھی حدیث کا سامع قرار دینا چاہیئے جو مجلس علم میں موجود ہو' اور بالغ ہونے کے بعد بچے سے' اور ہوش میں آجانے کے بعد مجنوں سے لوگ روایت بھی کریں' حالانکہ اس صورت کو کوئی بھی جائز نہیں کہتا۔ اب اگر کوئی شخص اسکے جواب میں یہ کہے کہ شیر خوار بچے کا سننا اس لئے معتبر نہیں کہ نہ وہ سمجھتا ہے اور نہ یاد کرتا ہے' ہم اس سے کہیں گے وہ غافل آدمی جو لکھنے میں مشغول ہے کب سمجھتا ہے اور یاد کرتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص جرأت سے کام لے کر یہ کہے شیر خوار بچے کا سننا بھی جائز ہے تو ہم اس سے یہ کہیں گے کہ پھر پیٹ کے بچے کا سننا اور سمجھنا بھی معتبر ہونا چاہیئے اور اگر کوئی شیر خوار بچے اور پیٹ کے بچے میں یہ فرق کرے کہ پیٹ کا بچہ آواز نہیں سنتا اور شیر خوار بچہ سنتا ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ فرق بھی

صحیح نہیں ہے مقصد حدیث بیان کرنا ہے نہ کہ آواز سننا اگر آواز سننا اہم ہے تو اس بچے کو شیخ بننے کے بعد صرف یہ کہنا چاہئے کہ میں نے بلوغ کے بعد یہ سنا ہے کہ میں بچپن میں کسی مجلس حدیث میں شریک تھا اور شیخ کی آواز میری کانوں تک پہنچتی تھی لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کہا کرتے تھے اگر وہ اس طرح روایت کرے گا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام علماء اسے صحیح کہیں گے لیکن اس سے زیادہ روایت کرنا صحیح نہ ہوگا اگر کسی ترکی شخص کا جو عربی زبان سے ناواقف ہو عربی حدیث سنکر روایت کرنا معتبر ہوتا تو شیر خوار بچے کا سُن کر بلوغ کے بعد روایت کرنا بھی صحیح ہوتا اس لئے کہ مبہم آواز دونوں تک پہنچتی ہے۔ بہرحال اس طرح کا سماع انتہائی جہل ہے۔

سماع کی تعریف : سماع کے باب میں اصل اصول یہ روایت ہے' سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

نَضَّرَ اللّٰہُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا فَأَدَّاھَا کَمَا سَمِعَھَا (ترمذی' ابن ماجہ۔ ابن مسعود)

اللہ تعالٰی اس شخص کو سرخ رو کرے جس نے میرا قول سنا اسے سنایا اسے یاد کیا اور جس طرح سنا اسی طرح نقل کیا۔

اگر کسی شخص نے سنا ہی نہ ہو تو وہ اس طرح کیسے ادا کرسکے گا جس طرح سنا ہو' یہ غرور کی بدترین قسم ہے اور اس میں موجودہ زمانے کے لوگ کثرت سے مبتلا ہیں اگر لوگ احتیاط کریں اور تلاش و تحقیق سے کام لیں تو انھیں زیادہ تر شیوخ حدیث ایسے ہی لوگ ملیں گے جنھوں نے بچپن میں غفلت کے ساتھ احادیث سنی ہوں۔ مگر کیوں کہ محدثین کو جاہ و منصب اور مقبولیت حاصل ہے اس لئے وہ بیچارے ڈرتے ہیں کہ کہیں اس طرح کی سخت شرائط عائد کرنے سے ان کے حلقۂ درس میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کم نہ ہوجائے اور انکی جاہ پر زد نہ پڑے اور وہ احادیث بھی کم نہ رہ جائیں جو اس شرط کے ساتھ سنی گئی ہیں' بلکہ کیا عجب ہے کہ اس طرح کی ایک حدیث بھی نہ نکلے تو رُسوا ہونا پڑے گا۔ یہی وجہ کہ سہل انگار اور جاہ پسند محدثین نے قبول روایت کے لئے صرف یہ شرط لگائی ہے کہ آواز سنے' خواہ یہ نہ سمجھتا ہو کہ سنانے والے نے کیا کہا ہے' اگرچہ وہ اس طرح کی شرائط لگاتے ہیں لیکن اس سلسلے میں ان کی رائے معتبر نہیں ہے' کیوں کہ سماع کی صحیح تعریف انھیں معلوم نہیں' اصطلاح سازی کا کام ان کے دائرۂ اختیار ہی میں نہیں آتا' بلکہ یہ علماء اصول فقہ کی ذمہ داری ہے۔ اور ہم نے جو شرائط تحریر کی ہیں وہ اصول فقہ کے ماہرین کی بیان کردہ ہیں۔

فرض کیجئے یہ لوگ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ احادیث کا علم حاصل کریں پھر بھی مغرورین کے زُمرے میں شامل ہوں گے' اس لئے کہ وہ صرف نقل روایت پر اکتفا کریں گے' روایات اور ان کی اَسناد کا ذخیرہ کرنے میں عمریں ضائع کریں گے ضروریاتِ دین اور معانی کی فہم سے غافل رہیں گے۔ ان علماء کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی' علم حدیث سے بھی راہِ آخرت پر صحیح طریقے سے چلنا مقصود ہے' کیا عجب ہے کہ ایک حدیث عمر بھر کے لئے کافی ہوجائے' چنانچہ روایت ہے کہ ایک بزرگ کسی محدث کی مجلس میں حاضر ہوئے اور سب سے پہلے یہ حدیث سنی :-

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہُ مَا لَا یَعْنِیْہِ (ترمذی۔ ابن ماجہ۔ ابوہریرہؓ)

آدمی کے اسلام کی خوبی یہ کہ وہ لایعنی چیزیں ترک کردے۔

وہ بزرگ یہ حدیث سن کر اُٹھ گئے اور کہنے لگے کہ میرے لئے یہ حدیث بہت کافی ہے' پہلے میں اس پر عمل کروں گا' پھر دوسری سنوں گا۔

نحوی' شاعر اور لغوی : ایک فرقہ ان علماء کا ہے جو نحو' شاعری اور لغت میں مشغول ہو کر مغالطے کا شکار ہیں اور خود کو ناجی سمجھتے ہیں' وہ اپنی نجات کے لئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ دین کا مدار کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ پر ہے اور ان دونوں کا مدار علم

لغت اور علم نحو پر ہے' اسی لئے ہم اپنی عمریں نحو اور لغت کی باریکیوں اور شعر و شاعری کی دقیقہ سنجیوں میں صرف کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی تمام عمر حروف کی تصحیح و تحسین املاء کی درستگی اور لفظ کی خوبصورتی میں صرف کردے' اور یہ گمان کرے کہ علوم لکھ کر یاد کئے جاتے ہیں' اس لئے پہلے لکھنے کا فن حاصل کرنا چاہیے۔ اگر اسے عقل ہوتی تو وہ صرف اتنا لکھنا سیکھتا جس سے لکھی ہوئی عبارت پڑھ سکے' اس سے زیادہ سیکھنا مقدار کفایت سے زیادہ ہے۔ اسی طرح اگر ادیب کے پاس عقل نام کی کوئی چیز ہو تو وہ یہ سوچے کہ عربی زبان ایسی ہی ہے جیسے ترکی اور ہندی زبان۔ عربی زبان کی تحصیل میں وقت ضائع کرنے والا ایسا جیسے کوئی شخص ترکی اور ہندی زبان سیکھنے میں وقت ضائع کرے' اگر ان دونوں میں کوئی فرق ہے تو وہ یہ کہ عربی زبان میں شریعت وارد ہوئی ہے اس لیے اگر کوئی شریعت کا علم حاصل کرنے کے لئے عربی سیکھنا چاہے تو اسے صرف ان کلماتِ غریبہ کا علم حاصل کرنا چاہیئے جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں اور اس قدر نحوی قواعد سیکھے جن کا تعلق کتاب و سنت سے ہے۔ لامتناہی درجات تک سیکھنا' اور فنون میں گہرائی حاصل کرنا بیکار ہے۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پھر اگر کوئی شخص صرف ان فنون کی تحصیل پر اکتفا کرے اور معانی شریعت کے علم اور ان پر عمل سے اعراض کرے تو یہ مغرور ہے' بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی تمام عمر حروف قرآن کے مخارج کی تصحیح میں لگادے اس لئے کہ حروف سے مقصود معانی ہیں' حروف برتن اور آلات کی طرح ہیں' اگر کوئی شخص صفراء کے ازالے کے لئے سکنجبین پینے کا ارادہ کرے اور وہ برتن صاف کرنے بیٹھ جائے جس میں سکنجبین پینی ہے اور اسی کی صفائی میں لگا رہے۔ وہ مغرور جاہلوں میں شامل ہے۔ ادب' لغت' نحو اور قرأت اور مخارج حروف کی تدقیق و تحقیق میں مشغول ہونیوالے علماء کی مثال بھی ایسی ہی ہے کہ وہ ظروف و آلات کو چمکانے اور صاف کرنے میں لگے رہتے ہیں اور جو کچھ ان ظروف میں ہے یا ان آلات سے حاصل ہونیوالا ہے ان سے گریزاں ہیں۔ ان لوگوں کو سمجھنا چاہیئے کہ بہترین مغز عمل ہے اور عمل کی معرفت پوست کی طرح ہے' یہ بھی اپنے سے پہلے والے کی بہ نسبت مغز ہے اور اس سے پہلے الفاظ کا سننا اور انہیں یاد کرنا ہے' یہ معرفت عمل کی بہ نسبت چھلکا ہے اور اپنے سے پہلے کی بہ نسبت مغز ہے اور وہ ہے لغت اور نحو و صرف کے مسائل کا علم' اور اس سے پہلے بالائی چھلکا ہے یہ ہے حروف کے مخارج کا علم۔

ان درجات میں سے کسی ایک درجہ کو آخری درجہ سمجھنے والا فریب خوردہ ہے' الّا یہ کہ وہ ان درجات کو اوپر پہنچنے کی سیڑھیاں تصور کرے اور ان پر اسی قدر چڑھے جس قدر ضرورت ہو' ان پر چڑھتا رہے اور آگے بڑھتا رہے یہاں تک کہ عمل کے مغز تک پہنچ جائے۔ یہ شخص اپنے قلب اور اعضاء سے حقیقت عمل کا طالب ہے' نفس سے بھی یہی کام لیتا ہے اور اعمال کی اصلاح اور انہیں آفات سے بچانے میں زندگی گزارتا ہے۔

تمام شرعی علوم سے عمل مقصود ہے' باقی تمام علوم اس کے خدّام ہیں اور بمنزلۂ وسائل ہیں' محض چھلکے ہیں' بالائی سطح پر پہنچنے کے لئے زینے ہیں۔ جو شخص اس مقصد تک نہ پہنچ سکے وہ ناکام ہے خواہ وہ مقصد سے قریب منزل تک جا پہنچا ہو' یا بعید ترین منزل میں ہو۔

کیوں کہ یہ علوم شریعت سے متعلق ہیں اس لئے ان علوم کی تحصیل میں مصروف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم شرعی علوم حاصل کررہے ہیں اور یہ ہماری مغفرت کے لئے کافی ہیں۔ جن علوم کا تعلق شریعت سے نہیں ہوتا جیسے طِب' حساب وغیرہ' ان کے بارے میں یہ اعتقاد نہیں ہوتا کہ ان سے ہماری مغفرت ہوگی' اسی لئے ایسے علوم سے شرعی علوم کی بہ نسبت غرور بھی کم ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تمام علوم شرعی محمود ہیں' لیکن بعض اس لئے محمود ہیں کہ وہ مغز کا بالائی چھلکا ہیں اور بعض اس لئے محمود ہیں کہ وہ مغز تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پوست کو مقصد سمجھنے والا مغرور ہے۔

فقہاء کا غرور: فنِ فقہ کے ماہرین کا غرور دوسرے اہلِ علم کے غرور سے بہت زیادہ ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بندگانِ خدا سے متعلق جو فیصلے ہم کردیتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کے یہاں ہوتے ہیں' اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر وہ لوگوں کے حقوق پامال کرتے ہیں اور

طرح طرح کے حیلے بہانے تراشتے ہیں، مبہم الفاظ کی صحیح غلط تاویلیں کرتے ہیں، ظواہر سے دھوکہ کھاتے ہیں اور فیصلہ کرنے میں غلطی کرتے ہیں اس طرح کی غلطیاں خطاء فی الفتویٰ کے قبیل سے ہیں اور اکثر واقع ہوتی ہیں، مگر یہ خود ساختہ فقیہ جان بوجھ کر غلط فیصلہ کرتے ہیں اور پھر یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ فیصلہ ہم نے کیا ہے وہی فیصلہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہوا ہے۔ ان کے توہمات کی کچھ مثالیں یہ ہیں۔

مثلاً ان کا فتویٰ یہ کہ اگر عورت اپنا مہر معاف کردے تو اس کا شوہر اللہ کے یہاں بری ہے، حالانکہ یہ خیال غلط ہے، بسا اوقات شوہر اپنی بیوی کے ساتھ غلط سلوک کرتا ہے، اپنی بد اخلاقی سے اس پر قبائے حیات تنگ کردیتا ہے اس لئے وہ اس سے نجات پانے کے لئے مہر معاف کردیتی ہے، اگرچہ اس نے مہر معاف کیا ہے لیکن خوشی کے ساتھ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـــًٔا مَّرِيْٓـــًٔا (پ ۴ ر ۱۲ آیت ۴)

ہاں اگر وہ بی بیاں خوشدلی سے چھوڑدیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جزو تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار خوشگوار سمجھ کر۔

اس سے معلوم ہوا کہ مہر معاف کرنے میں نفس کی رضامندی شرط ہے، پھر یہ ضروری نہیں کہ جو کام دل سے کیا جائے اس میں نفس کی رضامندی بھی ہو، مثلاً وہ دل سے پچھنے لگوانا چاہتا ہے، لیکن نفس میں ناپسند کرتا ہے، نفس کی رضامندی یہ ہے کہ عورت اس طرح معاف کرتی کہ کوئی دوسری ضرورت اس کے مقابلے نہ ہوتی۔ یہاں اسے دو باتوں میں تردد ہوا کہ مہر معاف کرکے طلاق لے لے، یا مہر باقی رکھ کر پریشان رہے، اس نے آسان صورت اختیار کرلی، یہ تاوان ہے، عورت نے اپنے نفس پر جبر کیا ہے، تاہم یہ بات صحیح ہے کہ دنیا کے قاضی دلوں کا حال نہیں جانتے، اسلئے وہ صرف عورت کے ظاہری عمل کو دیکھتے ہیں اور اسی پر فتویٰ صادر کرتے ہیں، کیوں کہ وہ عورت کراہت ظاہر نہیں کرتی، باطن میں رکھتی ہے جس پر مخلوق کو اطلاع نہیں ہوتی، لیکن جب قاضیٔ القضاۃ قیامت کے میدان میں فیصلہ کرے گا اس وقت یہ بات فائدہ نہ دے گی کہ عورت کے ظاہر میں کراہت نہیں تھی، وہاں دلوں کی حالت پر فیصلہ ہوگا۔

اسی طرح کسی شخص کا مال اس کے نفس کی رضامندی کے بغیر لینا جائز نہیں، مثلاً کسی شخص سے مجمع عام میں مال مانگا جائے میں اور مذمت کے خوف اور لوگوں کی شرم سے دیدے لیکن دل میں یہ خیال ہو کہ اگر مجھ سے تنہائی میں مال مانگا جاتا تو ہرگز نہ دیتا، ساتھ میں وہ یہ مال جانے کی وجہ سے آزردہ بھی ہے تو اس میں اور تاوان میں کیا فرق ہے، یہاں بھی مال زبردستی لیا گیا ہے، اور تاوان میں بھی زبردستی لیا جاتا ہے، فرق یہ ہے کہ تاوان دینے سے انکار کرنے والے کو جسمانی اذیت دی جاتی ہے اور یہاں روحانی تکلیف پہنچائی گئی ہے، اللہ کے نزدیک ظاہری اذیت اور باطنی تکلیف میں کوئی فرق نہیں ہے، اللہ کے یہاں باطن بھی ظاہر ہے، دنیا کے حکام ظاہر پر یہ فیصلہ کرتے ہیں، انھوں نے تو دینے والے کا عمل دیکھا، یا اس کا یہ قول سنا "میں نے تجھے مال دیا" اور فیصلہ کردیا کہ یہ ہبہ صحیح ہے انھیں دل کی حالت کیا معلوم؟ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو اس لئے مال دیدے کہ اس کی زبان کے شر، یا چغل خوری سے محفوظ رہے گا تو یہ مال اس کے لئے حرام ہے، معلوم ہوا کہ نفس کی رضامندی کے بغیر غیر واجب مال وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ آپنے پڑھا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کا قصور معاف کردیا تھا لیکن فریق ثانی سے ان کا جو معاملہ تھا وہ باقی رکھا، حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ فریقِ ثانی سے میرا معاملہ کس طرح نمٹے گا، حکم ہوا کہ اس سے اپنا قصور معاف کرلو، وہ شخص مرچکا تھا حکم ہوا اسے بیت المقدس کے پتھروں میں آواز دو، آپ نے اسے پکارا، اس نے کہا میں حاضر ہوں، اے اللہ کے نبی آپ نے مجھے جنت سے بلایا ہے، فرمایئے کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرے ساتھ جو برا معاملہ کیا تھا وہ معاف کردے، اس نے معاف کردیا، آپ واپس چلے آئے، حضرت جبرئیل نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنا قصور کا حوالہ بھی دیا تھا، انھوں جواب دیا نہیں، فرمایا اب پھر واپس جائے قصور کا تفصیل سے ذکر کیجئے، آپ پھر گئے، اسے آواز دی اور قصور معاف کرنے کے لئے

کہا' اس نے عرض کیا کہ میں نے معاف تو کردیا تھا' فرمایا مگر تو نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ وہ کیا قصور ہے' اس نے عرض کیا آپ بتلائیں؟ آپ نے اس عورت کا قصہ سنایا' اس پر وہ شخص خاموش رہا' آپ نے فرمایا اب جواب کیوں نہیں دیتا اس نے کہا اے اللہ کے نبی! انبیاء ایسی حرکتیں نہیں کرتے' میرا اور آپکا معاملہ اللہ کے سامنے آئے گا' وہیں ہو گا جو کچھ ہو گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بے حد گریہ وزاری کی' یہاں تک کہ اللہ نے ان سے وعدہ کیا کہ میں قیامت کے دن اس سے معاف کرادوں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طیبِ نفس کے بغیر اگر کوئی شخص تمہیں کچھ ہبہ کردے تو اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور طیبِ نفس کی معرفت بتلانے سے ہوتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ معاف کرنے اور ہبہ کرنے میں طیبِ نفس اسی وقت معتبر ہو گی جب انسان اپنے اختیار کے ساتھ تنہا چھوڑ دیا جائے اور خود اس کے اندر سے ہبہ کرنے اور معاف کرنے کے بواعث پیدا ہوں' اضطرار کی حالت میں یا کسی حیلے یا الزام سے متأثر ہو کر معاف کرنا یا دینا معتبر نہیں ہے۔

اسی طرح فقہی حیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب مال پر ایک سال پورا ہونے کو ہوتا ہے تو شوہر اپنا مال بیوی کو ہبہ کردیتا ہے تاکہ زکوٰۃ نہ دینی پڑے' فقیہ ایسے شخص کے بارے میں یہ فتویٰ صادر کرتا ہے کہ اس کے ذمے زکوٰۃ واجب نہیں رہی کیوں کہ مال اس کی ملکیت سے نکل چکا ہے۔ لیکن ہم اس فقیہ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر تیرا مقصد یہ ہے کہ سلطان یا محصّلِ زکوٰۃ کا مطالبہ اس کے ذمے سے ساقط ہو گیا تب تو یہ بات صحیح ہے' اس لئے کہ ان کا مطمحِ نظر ظاہری ملکیت ہے اور ظاہری ملکیت بیوی کو ہبہ کردینے سے زائل ہو گئی ہے' لیکن اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص قیامت میں محفوظ و مامون رہے گا اور ایسا ہو گا جیسے کبھی مالدار رہا ہی نہ تھا' یا اس کی یہ حرکت ایسی ہے جیسے اس نے خرید و فروخت کا معاملہ کیا ہو تو یہ تیری کم فہمی ہے' فقہ دینی اور سرِّ زکوٰۃ سے کمال درجے کا ناواقفیت ہے۔ زکوٰۃ اس لئے فرض کی گئی ہے کہ آدمی کے دل سے بخل جاتا رہے' اس لئے کہ بخل ایک مہلک بیماری ہے' چنانچہ حدیث شریف میں تین مہلکات میں بخل مُطاع (وہ جذبہ بخل جس کی اتباع کی جائے) کو شمار کیا گیا ہے۔(۱) مفروضہ صورت میں شوہر کا فعل بخل کی اطاعت ہی کا نمونہ ہے' جس چیز کو وہ اپنے لئے باعث نجات تصوّر کرتا ہے وہی اسکے لئے ہلاکت کا سبب ہے' وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس حیلے سے میں زکوٰۃ سے بچ جاؤں گا' وہ دنیا میں زکوٰۃ سے بچ گیا' لیکن آخرت کی بربادی سے محفوظ نہ رہ سکا' اللہ تعالیٰ اس کے دل کے حال سے واقف ہے' وہ مال سے اسکی محبت اور حرص پر مطلع ہے' اس کی حرص کا عالم یہ ہے کہ اس نے زکوٰۃ دینے کے حیلے ڈھونڈ لئے' حالانکہ ان حیلوں سے بخل سے نجات کی راہ مسدود ہو گئی اور ایسا اس کی جہالت اور غرور کی وجہ سے ہوا۔

فقہاء کے حیلوں کی ایک مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یتیموں اور دوسرے خادمانِ دین کی مصالح کے لئے بقدرِ حاجت مال مباح کیا ہے' لیکن یہ لوگ خواہشات اور حاجات میں فرق نہیں کرتے' بلکہ جس چیز کو اپنی شخصیت کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتے ہیں اسے اپنی ضرورت قرار دیتے ہیں اور یہ محض غرور ہے' دنیا اس لئے پیدا کی گئی ہے تاکہ لوگ اپنی عبادت اور سلوک راہِ آخرت میں اس سے مدد لے سکیں' چنانچہ دین اور عبادت پر بندہ جس چیز سے استعانت لے وہ اس کی حاجت ہے اور اس سے زائد فضول اور شہوت ہے۔

یہ فقہاء کے غرور کی چند مثالیں ہیں' اگر ہم اس طرح کی دوسری مثالیں لکھنے بیٹھ جائیں تو ضخیم کتابیں' بھی ناکافی ہوں' یہاں یہ دو چار مثالیں بطورِ نمونہ ذکر کی گئی ہیں' تاکہ اسی طرح کو دوسری مثالوں پر روشنی ڈال سکیں' استیعاب مقصود نہیں ہے کیوں کہ اس میں طوالت ہے۔

مغرورین کی دوسری قسم اَربابِ عبادات : عبادت گزار اور نیک اعمال کرنے والے بھی غرور سے محفوظ نہیں رہتے'

---

(۱) یہ روایت کتاب ذم البخل میں گزری ہے۔

ان میں بھی بے شمار فرقے ہیں' بعض وہ ہیں جو نماز میں غرور کرتے ہیں' بعض قرآن پاک کی تلاوت میں بعض حج میں' بعض غزوات اور جہاد میں اور بعض دنیا سے زہد میں۔ جو شخص بھی عمل کے طریقوں میں سے کسی طریقے پر گامزن ہے وہ غرور سے خالی نہیں ہے' سوائے عقلمندوں کے اور ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔

فرائض سے غافل' فضائل میں مشغول : ان میں ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو فرائض سے غفلت برتتے ہیں اور فضائل و نوافل میں مشغول ہوتے ہیں' بعض اوقات یہ فضائل اعمال میں حدود سے تجاوز کرجاتے ہیں' مثال کے طور پر وہ شخص جس پر وضو میں وسوسہ غالب ہو' حد سے تجاوز کرتا ہے' یہاں تک کہ وہ اس پانی سے بھی وضو کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے جو شریعت کی رو سے پاک اور ظاہر ہوتا ہے' بلکہ بعید ترین احتمالات نکال کر اسے نجاست سے قریب تصور کرتا ہے' لیکن اس کا یہ وسوسہ صرف اسی طرح کے امور میں ہوتا ہے' اگر اکل حلال کا معاملہ ہو تو وہ حرمت کے قریبی احتمالات کو بھی بعید سمجھتا ہے' بلکہ بعض اوقات حرام محض کھانے سے بھی نہیں چوکتا' حالانکہ اگر وہ پانی کے بجائے کھانے میں زیادہ احتیاط کرے تو صحابہ کرام کی سیرت کے مشابہ ہوجائے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ آپ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے سے پانی لے کر وضو کرلیا تھا' جب کہ اس پانی میں نجاست کا احتمال تھا' لیکن کھانے میں اس قدر احتیاط تھی کہ بہت سی حلال غذائیں بھی حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے چھوڑ دیتے تھے۔ بعض لوگ اعضاء پر پانی ڈالنے میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتے ہیں' حالانکہ اس سے منع نہیں کیا گیا ہے۔(۱) بعض اوقات اتنی دیر تک وضو کرتے رہتے ہیں کہ جماعت فوت ہوجاتی ہے' یا نماز کا وقت ختم ہوجاتا ہے' اگرچہ نماز کا وقت بھی باقی رہے تب بھی وضو میں شرعی حدود سے تجاوز کرنے والا مغرور ہے' کیوں کہ وہ نماز باجماعت' یا اوّل وقت کی فضیلت سے محروم رہا ہے اور اگر وقت کی فضیلت بھی میسّر آجائے تب بھی مغرور ہے کیوں کہ اس نے پانی بہانے میں اسراف کیا ہے اور اگر اسراف نہیں کیا تب بھی مغرور ہے کہ اپنی عمر کے قیمتی لمحات ایک ایسی چیز کی تحصیل میں ضائع کررہا ہے جو اس کے لئے ضروری نہیں ہے اور جس میں بڑی گنجائش ہے' لیکن شیطان اسے عبادت سے باز رکھنے کا اچھا طریقہ استعمال کرتا ہے' کیوں کہ وہ کسی شخص کو اس وقت تک عبادت سے نہیں روک سکتا جب تک غیر عبادت کو عبادت قرار دے کر اسکے ذہن میں راسخ نہ کردے۔ پہلے اس نے وضو کو عبادت قرار دیا' پھر نماز باجماعت یا اوّل وقت کی نماز سے غافل کردیا' یہ شیطان کی چالیں ہیں جن سے وہ اللہ کے بندوں کو گمراہ کرتا ہے اور غرور میں مبتلا کرتا ہے۔

نیت میں وساوس کا شکار : ان میں ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو نماز کی نیت میں وسوسوں کا شکار ہوجاتے ہیں' شیطان انھیں اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک وہ صحیح نیت نہ کرلیں' بلکہ اس وقت تک پریشان کرتا ہے جب تک جماعت فوت نہ ہوجائے اور نماز کا وقت ختم نہ ہوجائے' حتیٰ کہ تکبیر کے بعد بھی دل میں یہ تردّد پیدا کرتا رہتا ہے کہ آیا ہماری نیت صحیح ہوئی ہے یا نہیں بعض اوقات تکبیر میں وسوسہ ڈال دیتا ہے اور وہ شدتِ احتیاط کی بناء پر تکبیر کا صیغہ تک بدلنے پر مجبور ہوجاتے ہیں' یہ عمل نماز کی ابتدا میں ہوتا ہے لیکن غفلت پوری نماز پر محیط رہتی ہے۔ نماز میں دل حاضر نہیں رہتا لیکن احتیاط سے فریب کھاجاتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ انھوں نے نماز کی ابتداء میں نیت کی تصحیح کے لئے جو جدوجہد کی ہے اس کا اجر ضرور ملے گا' اور اپنی اس جدوجہد کی بناء پر اور اس احتیاط کی وجہ سے عام لوگوں سے ممتاز ہیں' اس لئے اللہ کے نزدیک بھی ان سے بہتر ہیں۔

مخارج حروف میں وسوسہ : ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو سورۂ فاتحہ اور دوسرے اذکار کے حروف کے مخارج سے ادا کرنے میں وسوسے کا شکار رہتے ہیں۔ وہ تمام نماز میں مشدّد الفاظ' ضاد اور ظاء کے فرق اور حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنے میں"

---

(۱) وضو میں اسراف کی ممانعت ترمذی اور ابن ماجہ میں موجود ہے' راوی اُبَیّ ابن کعب ہیں۔

اس قدر احتیاط کرتے ہیں کہ نماز کے دوسرے وظائف کی پروا نہیں رہتی' دھیان صرف ادائیگی پر رہتا ہے' کسی آیت کے معنیٰ کیا ہیں' اس سے کیا نصیحت اور موعظت حاصل کرنی چاہئے' اس میں علوم و معارف کے کس قدر خزانے دفن ہیں یہ تمام پہلوان کے ذہن سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی غرور کی بدترین قسم ہے۔ اس لئے کہ تلاوت قرآن میں مخلوق کو مخارج سے حروف کی ادائیگی کے سلسلے میں اسی قدر احتیاط کا حکم دیا گیا ہے جس کے وہ اپنی روزمرہ کی گفتگو میں عادی ہیں۔ مخارج حروف پر اپنی توجہ مرکوز رکھنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص سے کہا جائے کہ وہ میرا پیغام بادشاہ سلامت کی خدمت میں انہی الفاظ کے ساتھ پہنچادے' جب وہ بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو اس نے پیغام کے الفاظ مخارج کی رعایت سے ادا کئے' بہت سے جملوں کو بار بار دہرایا' بہت سے کلے کھینچے بہت سے مختصر کئے' اس کا خیال نہ رکھا کہ پیغام کا مضمون کیا تھا اور بادشاہوں کے آداب کی کس طرح رعایت ہوتی ہے' ایسا شخص سوائے تأدیب اور سرزنش کے اور کس بات کا مستحق ہو سکتا ہے۔

<u>قرأت قرآن میں غفلت کرنے والے</u> : ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو قرآن کی تلاوت میں غفلت کرتے ہیں' اس قدر تیز پڑھتے ہیں کہ سننے والا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ پاتا' گھاس سی کاٹتے چلے جاتے ہیں' بعض لوگ دن اور رات میں پورا قرآن ختم کرلیتے ہیں' بعض لوگوں کی زبان پر قرآن کی آیات جاری ہوتی ہیں اور دل مختلف خواہشات اور خیالات کا مرکز بنا رہتا ہے' یہ لوگ معانی قرآن میں غور نہیں کرتے کہ کچھ دل میں زجر و توبیخ اور وعظ و نصیحت کا اثر ہو' اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے واقف ہوں اور ان خیالات سے چھٹکارہ پائیں جو ان کے نفوس کی باگ معاصی کی طرف موڑ دیتے ہیں اور عبرت انگیز آیات سے عبرت پکڑیں اور وہ مقاصد حاصل کریں جو ہم نے تلاوت قرآن کے باب میں بیان کئے ہیں۔ یہ لوگ اسی غلط فہمی کی وجہ سے مغرور ہیں کہ قرآن کریم اس لئے نازل ہوا ہے کہ زبانیں اس کا ورد کرتی رہیں خواہ معنیٰ سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ ان کی مثال اس غلام کی سی ہے جسے اس کے آقا نے خط لکھا ہو اور اس میں کچھ باتوں کا حکم دیا ہو اور کچھ باتوں سے منع کیا ہو۔ وہ غلام خط پر غور کرنے اور اس کے مضمون پر عمل کرنے کی بجائے اس کی عبارت یاد کرلے اور اس کا اعادہ و تکرار کرتا رہے' ظاہر ہے یہ غلام اپنے آقا کا نافرمان کہلائے گا اور سزا کا مستحق ٹھہرے گا' اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ قرآن کریم محض تلاوت اور نغمہ سرائی کے لئے نازل ہوا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت اس لئے کی جاتی ہے کہ یاد رہے' حفظ سے مقصد معنیٰ پر غور کرنا ہے اور معنیٰ سے مراد یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

بعض اوقات قاری خوش آواز ہوتا ہے اور حروف کی ادائیگی صحیح کرتا ہے تو سننے والا تلاوت میں لذت پاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ مناجات الٰہی کی لذت ہے' یا اس کے کلام کی حلاوت ہے' حالانکہ یہ صرف خوش آوازی کی لذت ہے' اگر کوئی شخص اسی آواز میں کوئی شعر پڑھے گا یا کوئی دوسرا کلام پڑھے گا تب بھی یہی لذت محسوس ہوگی۔ اس کے مغالطے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دل میں تأمل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ میں جو لذت پا رہا ہوں وہ قرآن کریم کی الفاظ و معانی کی لذت ہے یا آواز کی۔ اگر وہ یہ بات سمجھ لیتا تو اس فریب کا شکار نہ ہوتا۔

<u>فریب خوردہ روزہ دار</u> : یہ لوگ اپنے روزوں کی بنا پر مغالطے میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان میں سے بعض صائم الدّہر بن جاتے ہیں اور بعض سال کے اہم ترین دنوں میں روزہ رکھنے کا معمول بنا لیتے ہیں' لیکن وہ روزے کی حالت میں اپنی زبانوں کو غیبت سے' اپنے دلوں کو ریا سے اور اپنے شکموں کو حرام کھانے پینے سے محفوظ نہیں رکھ پاتے رات دن لغو اور فضول گفتگو کرنے کے باوجود وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم خیر پر ہیں' حالانکہ وہ فرائض و ترک غیبت' و ترک ریاء اور ترک حرام سے غافل ہیں اور نوافل میں مشغول ہیں' ایسی صورت میں نوافل کی قبولیت کی کیا توقع رکھتے ہیں۔

<u>حجاج کرام کا مغالطہ</u> : ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو حج کرکے غرور میں پڑجاتے ہیں' حالانکہ جب وہ حج کے لئے رخت سفر

باندھتے ہیں تو نہ لوگوں کے حقوق ادا کرتے ہیں نہ ان کے قرض چکاتے ہیں' نہ ماں باپ سے اجازت لیتے ہیں اور نہ حلال زادِ راہ لے کر چلتے ہیں اور کبھی حج ادا کرنے کے بعد یہ صورت اختیار کرتے ہیں' پھر سفر کے دوران نماز اور فرائض ضائع کرتے ہیں' کپڑوں اور جسموں کی طہارت کا خیال نہیں رکھتے' مصارفِ سفر کے لئے دوسروں کے دستِ نگر رہتے ہیں اور ان سے بطورِ ٹیکس روپیہ وصول کرتے ہیں' راستے میں فحش حرکات اور لڑائی جھگڑے سے بھی اجتناب نہیں کرتے' بعض لوگ حرام روپیہ لے کر چلتے ہیں اور راہ میں رفقائے سفر کو دیتے رہتے ہیں' مقصد نام و نمود اور شہرت ہوتی ہے' ایسے لوگوں پر دو گناہ ہیں ایک حرام مال جمع کرنے کا اور دوسرا ریاء کا' پہلے تو انھوں نے غلط ذرائع سے مال پیدا کیا' پھر حرام مواقع میں خرچ کیا۔ جب یہ لوگ اپنے سفرِ حج سے واپس آتے ہیں تو ان کے قلوب نورِ الٰہی سے منور ہونے کے بجائے اخلاقِ ذمیمہ سے ملوث ہوتے ہیں۔ حج جیسی اہم ترین عبادت کے ذریعے وہ اپنے دل سے ان مذموم اوصاف کا ازالہ نہیں کرپاتے اور اس خوش فہمی کا شکار رہتے ہیں کہ ہم پاکیزہ اور روشن دل لے کر واپس آئے ہیں۔ یہ صریح مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟۔

مبلغین کا فریب : ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو احتساب کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں' بلکہ اس منصب کو از خود اختیار کرلیتے ہیں' لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں' مگر اپنے نفس سے غفلت برتتے ہیں' جب کسی کو نیک کام کی ہدایت کرتے ہیں تو اپنا رویہ سخت اور لہجہ دُرشت رکھتے ہیں اور مقصد اپنی بالاتری کا اظہار ہوتا ہے اور جب خود کسی برائی کا ارتکاب کرتے ہیں اور کوئی شخص اعتراض کربیٹھتا ہے تو غصے سے کہتے ہیں ہم محتسب ہیں تجھے ہم پر اعتراض کرنے کی جرأت کیسے ہوئی لوگوں کو مسجدوں میں جمع کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص کسی وجہ سے دیر میں پہنچتا ہے تو اس پر شدید نکتہ چینی کرتے ہیں اور اسے ہدفِ ملامت بناتے ہیں مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ انکے سامنے اپنی ریاست کا مظاہرہ کرسکیں۔ بعض لوگ مسجد کی خدمت اپنے ذمے لے لیتے ہیں اور پھر کسی کو اس کا حق نہیں دیتے کہ وہ مسجد کا کوئی کام کرسکے' یہاں تک کہ ثواب سمجھ کر اذان دیتے ہیں اور اگر کوئی شخص انکی عدم موجودگی میں اذان دے دے تو اس پر برستے ہیں اور یہ پوچھتے ہیں کہ اسنے ہمارا حق کیوں لیا اور ہمارے کام میں مداخلت کیوں کی' کبھی امام بن جاتے ہیں' مقصد یہ نہیں ہوتا کہ لوگوں کو نماز پڑھا کر ثواب حاصل کریں بلکہ اپنے آپ کو امام صاحب کہلانا چاہتے ہیں۔ اسی لئے اگر کوئی اور شخص آگے بڑھ جائے تو انھیں ناگوار گزرتا ہے خواہ وہ علم اور تقویٰ میں ان سے فائق ہی کیوں نہ ہو۔

مکہ اور مدینے کے مجاور : مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے باشندے خاص طور پر بیت اللہ اور مسجد نبوی کے پڑوسی الگ مغالطے میں ہیں' یہ لوگ نہ اپنے دلوں کی نگرانی کرتے ہیں' نہ اپنے ظاہر و باطن کی تطہیر کرتے ہیں' بلکہ ان کے کان لوگوں کی ان سرگوشیوں پر لگے رہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں مقدس مقام کا مجاور ہے' ان میں سے بعض کھلے الفاظ میں اپنی مجاورت کا اعلان کرتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں اتنے برس گزارے ہیں یا میں مدینہ منورہ میں اتنے سال رہا ہوں۔ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ مجاورت کا اعلان کرنا مناسب نہیں تو دل میں یہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی اس خصوصیت سے واقف ہوجائیں۔ بعض لوگ بیت اللہ اور مسجد نبوی کے مجاور بن کر بھی حرص و طمع سے باز نہیں آتے ان کی نگاہیں لوگوں کی نجاستوں (اموال) پر مرتکز رہتی ہیں اور اگر یہ نجاستیں سمیٹنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو بخل کرتے ہیں اور ایک حبّہ بھی خرچ کرنا پسند نہیں کرتے' ان کا نفس انھیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی فقیر کو ایک لقمہ صدقہ کردیں' یا کسی دوست کو یا کسی مسافر کو ثواب کی نیت سے دسترخوان پر بلالیں اور کبھی صدقہ یا ہدیہ کرتے بھی تو ریا کے جذبے سے۔ گویا ان مجاورین مکہ و مدینہ میں ریا' بخل اور حرص جیسی مہلکات پائی جاتی ہیں اور یہ محض اس لئے کہ وہ ان مقدس مقامات کی مجاورت اختیار کئے ہوئے ہیں' اس سے بہتر تو یہ ہے کہ ان مقامات سے دور رہیں' لیکن تعریف کی خواہش اور مجاور کہلانے کا شوق انھیں مجاورت برقرار رکھنے پر مجبور کرتا ہے خواہ عاقبت تباہ ہی کیوں نہ ہوجائے۔ یہ مجاورین بھی مغرور ہیں۔ اندازہ یہ ہوا کہ کوئی عبادت اور کوئی عمل آفات سے خالی نہیں ہے' جو شخص آفتوں کے مداخل سے واقف نہیں ہوتا

اور ان پر بھروسا کرتا ہے' وہ مغرور ہے' مداخل آفات پر احیاء العلوم کے مختلف ابواب میں کافی تفصیلی روشنی ڈالی جاچکی ہے' نماز کی آفات نماز کے باب میں' روزے کی آفات روزے کے باب میں' حج کی آفات حج کے باب میں اور تلاوت قرآن کی آفات تلاوتِ قرآن کے باب میں مذکور ہیں' یہاں تفصیل مقصود نہیں ہے' جو کچھ گزشتہ صفحات میں لکھا گیا ہے ان کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

زاہدینِ دنیا: ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو مال میں زاہد' اور لباس' غذا اور مسکن میں ادنیٰ درجات پر قانع ہیں' بلکہ بعض "زہاد" مساجد کو اپنا ٹھکانہ بنائے ہوئے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس عمل سے ہمیں زہد کا اعلیٰ مرتبہ مل گیا ہے' اگرچہ وہ اپنے ظاہری اعمال سے زاہد نظر آتے ہیں' لیکن ان کے دل ریاست اور جاہ کی طرف مائل رہتے ہیں۔ جاہ جس طرح علم سے حاصل ہوتی ہے' وعظ سے ملتی ہے اسی طرح زہد سے بھی ملتی ہے۔ انھوں نے مال چھوڑ کر زہد اختیار کیا ہے جو مال سے زیادہ مہلک ہے۔ اگر یہ جاہ حاصل نہ کرتا مال لے لیتا تو یہ اس کی سلامتی کے لئے زیادہ بہتر ہوتا۔ یہ لوگ اس لئے مغرور ہیں کہ وہ اپنے آپ کو زاہد فی الدنیا سمجھتے ہیں' حالانکہ انھیں دنیا کا مفہوم معلوم نہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ لذّات کی انتہا جاہ و ریاست پر ہوتی ہے اور اس میں رغبت رکھنے والے کے لئے منافق' حاسد' متکبّر' ریاکار اور تمام اخلاقِ خبیثہ سے متصف ہونا ضروری ہے۔ بعض اوقات ریاست ترک کردیتے ہیں' اور گوشہ نشینی اور خلوت اختیار کرلیتے ہیں' اس کے باوجود فریب میں مبتلا رہتے ہیں کیوں کہ اس صورت میں وہ مال داروں پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اور ان کے ساتھ گفتگو وغیرہ میں سختی برتتے ہیں' انھیں حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے متعلق اچھے خیالات رکھتے ہیں' اپنے اعمال پر اعجاب کرتے ہیں' حالانکہ کوئی خبیث وصف ایسا نہیں ہوتا جس سے ان کا دل خالی ہو اگرچہ انھیں اس کا علم نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص انھیں مال ہدیہ کرتا ہے تو اس خوف سے نہیں لیتے کہ کہیں ان کے زہد کا بھرم نہ کھل جائے اور اگر دینے والا یہ کہے کہ یہ مال حلال ہے' میری ہمت افزائی کے لئے ظاہر میں لے لیجئے' تنہائی میں واپس کردینا تو اس پر آمادہ نہیں ہوتے' کیوں کہ انھیں لوگوں کی مذمّت کا خوف رہتا ہے' یہ لوگ لوگوں کی تعریف کے خواہشمند ہیں' تعریف دنیا کی لذیذ ترین شئے ہے' زہد اور ترکِ دنیا اختیار کرنے کے باوجود بہت سے لوگ مالداروں کی تعظیم کرتے ہیں اور انھیں فقیروں پر مقدّم رکھتے ہیں اپنے مریدین اور تعریف کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں سے نفرت کرتے ہیں جو ان کے سامنے کسی دوسرے زاہد کی تعریف کرے۔ یہ تمام باتیں غرور ہیں' شیطانی دھوکا ہیں' ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

بعض "اعضاء کے اعمال میں انتہائی تشدّد برتتے ہیں' یہاں تک کے دن و رات میں مثلاً ایک ہزار رکعت پڑھ لیتے ہیں' لیکن اس پوری مدّت میں ان کے دل میں خیال نہیں آتا کہ قلب کی نگرانی کریں' اسے ریا' کبر' عُجب اور دوسری مہلکات سے بچائیں' وہ ان امراض کو مہلک نہیں سمجھتے اور اگر مہلک سمجھتے بھی ہیں تو اپنے نفس کو ان سے خالی تصوّر کرتے ہیں اور اگر کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کے دل میں یہ مہلک بیماریاں موجود ہیں تو ساتھ یہ وہم بھی رہتا ہے کہ ہم اپنے ظاہری اعمال کیوجہ سے بخش دیئے جائیں گے' قلب کے احوال پر ہمارا مواخذہ نہیں ہوگا۔ اور اگر کبھی مواخذہ کا خیال آتا بھی ہے تو یہ سوچ کر مطمئن ہوجاتے ہیں کہ ہمارے ظاہری اعمال نیکیوں کا پلڑا بھاری کردیں گے' یہ سب فریب خوردہ ذہنوں کے توہّمات ہیں' حقیقت یہ ہیکہ متّقی کا ذرّہ بھر تقویٰ اور ہوشیاری لمحہ بھر کی ہوشیاری ان جیسے لوگوں کے پہاڑ جیسے ظاہری اعمال سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ جب ان مغرورین سے یہ کہا جاتا ہے کہ آپ اللہ کے دوست' اس کے محبوب بندے اور اوتاد ہیں تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے' ان کی جھوٹی تعریف کو سچ سمجھتے ہیں' بلکہ اس سے ان کا غرور اور بڑھ جاتا ہے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ لوگوں کی حمد و ثنا اس امر کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے نزدیک بھی مقرّب اور محبوب ہیں' یہ نہیں جانتے کہ اس طرح کے خیالات ان کی جہالت کا آئینہ دار ہیں اور انکی باطنی خباثت کا عکس۔

نوافل کے حریص: ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو نوافل پر حریص ہوتے ہیں اور فرائض کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے

چاشت، اشراق اور تہجد کی نمازوں سے انہیں جس قدر خوشی اور لذت حاصل ہوتی ہے فرض نمازوں سے نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بادل ناخواستہ فرائض ادا کرتے ہیں اور اول وقت ادا کرنے کی طرف سبقت نہیں کرتے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث قدسی فراموش کردیتے ہیں:۔

مَا تَقَرَّبَ الْمُتَقَرِّبُوْنَ اِلَیَّ بِمِثْلِ اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِمْ (بخاری۔ ابو ہریرہؓ)

میری قربت بندوں کو جس قدر ادائے فرض سے ملتی ہے اتنی کسی اور چیز سے نہیں ملتی۔

یہ لوگ اس امر سے واقف نہیں ہوتے کہ خیر کے کاموں میں ترتیب ترک کرنا بھی مذموم ہے مثال کے طور پر بعض مرتبہ ایک شخص پر دو فرض معین ہوتے ہیں، ایک جاتا رہتا ہے دوسرا نہیں جاتا یا دو نفلیں ہوتی ہیں کہ ایک ایک وقت تنگ ہوجاتا ہے اور ایک کے وقت میں گنجائش رہتی ہے۔ اب اگر وہ ان دو فرضوں یا دو نفلیں میں ترتیب کی رعایت نہ کرے تو مغالطے میں پڑے گا، اس کی بے شمار نظائر ہیں، کیوں کہ معصیت بھی ظاہر ہے اور طاعت بھی ظاہر ہے، مبہم اگر ہے تو یہ امر کہ کن طاعات کو کن طاعات پر فوقیت دی جائے جیسے فرائض کو نوافل پر فوقیت دینا، فرض عین کو فروض کفایہ پر ترجیح دینا اور ان فروض کفایہ کو جن کی ادائیگی صرف اس کے ذمے ہو ان فروض کفایہ پر مقدم کرنا جنہیں دوسرے ادا کرسکتے ہیں، فروض عین میں بھی جو اہم تر ہے اسے ترجیح دے پھر وہ فرض ادا کرے جو اس کی بہ نسبت کم ہے، قضا ہونے والے عمل کو اس عمل سے پہلے ادا کرے جس کی قضاء نہ ہو۔ مثلاً ماں کا حق باپ کے حق سے پہلے ادا کرے، کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ کسی شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں کس سے سلوک و احسان کا معاملہ کروں، آپ نے فرمایا اپنی ماں سے، اس نے عرض کیا پھر کس سے؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں سے، اس نے عرض کیا پھر کس سے؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں سے، اس نے عرض کیا پھر کس سے؟ آپ نے فرمایا اپنے باپ سے، اس نے عرض کیا پھر کس سے؟ آپ نے فرمایا ادناک فادناک جو سب سے قریب ہو، اس کے بعد وہ جو دوسروں سے قریب ہو (ترمذی، حاکم، بہز ابن حکیم عن ابیہ جدہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی کا آغاز اس سے ہوگا جو قریب تر ہو، اگر دو قریب ایک جگہ ہو تو اس شخص کو ترجیح ہوگی جو زیادہ ضرورت مند ہو اور اگر ضرورت میں دونوں برابر ہوں تو زیادہ متقی کو مقدم کیا جائے گا۔ جو شخص اپنا مال والدین کے نفقے میں خرچ نہیں کرتا اور حج کرتا ہے تو یہ مغرور ہے اسے والدین کے حق کو حج کی ادائیگی پر مقدم کرنا چاہیے، اسی طرح اگر ایک شخص نے کسی سے کوئی وعدہ کر رکھا ہے اور ایفائے وعدہ کے وقت جمعہ کا وقت قریب آگیا تو جمعہ کو ترجیح دیجائے گی کیوں کہ جمعہ فوت ہوسکتا ہے، ایسے وقت میں ایفائے وعدہ میں مشغول ہونا معصیت ہے، اگرچہ وہ فی نفسہ اطاعت ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے کپڑے پر نجاست لگ جائے اور وہ اس نجاست کی بناء پر اپنے گھر والوں کو برا کہنے لگے تو یہ غلط ہے، کیوں کہ گھر والوں کو ایذا پہنچانا بھی برا ہے اور کپڑوں پر نجاست لگنا بھی برا ہے، مگر ایذاء کی برائی سے بچنا نجاست کی برائی سے بچنے کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں جن میں ایک معصیت اور ایک اطاعت کا تقابل ہو، یا ایک اطاعت دوسری اطاعت کے مزاحم ہو، لیکن ان میں ترتیب کی رعایت نہ کرنا مغالطہ ہے اور یہ مغالطہ حد درجہ دقیق ہے، کیوں کہ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں اطاعت کررہا ہوں یہ نہیں سمجھتا کہ فلاں اطاعت پر ترجیح دینے کی وجہ سے یہ اطاعت معصیت بن گئی۔

جس شخص کے ذمے ظاہری اور باطنی طاعات کی ادائیگی اور معاصی سے اجتناب کا کام باقی ہے اس کے لئے فقہ کے اختلافی مذاہب میں مشغول نہ ہونا، اسی قاعدے کی رو سے ضروری ہے، کیوں کہ فقہ سے ان مسائل کا علم مقصود ہے جن سے دوسروں کا کام نکلے، اس لئے مسائل کا پہلے جاننا ضروری ہے جو اس کے دل کے لئے مفید ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب جاہ، لذت اقتدار اور ہم عصروں پر تفوق کا نشہ انسان کو اندھا کردیتا ہے، اسی لئے وہ مغالطے میں پڑجاتا ہے، عمل کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں ایک نہایت اہم دینی فریضے میں مشغول ہوں، حالانکہ وہ اپنے اعمال نامے سیاہ کرنے میں لگا ہوا ہے۔

مغرورین کی تیسری قسم متصوفین : صوفیوں پر مغالطے اور فریب زیادہ غالب رہتے ہیں' ان میں بھی بہت سے گروہ اور فرقے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہمارے زمانے کے صوفیاء کا ہے' یہ لوگ لباس' ہیئت' الفاظ' آداب' مراسم اور اصطلاحات میں سچے صوفیوں کا اسوہ اختیار کر لیتے ہیں اور ظاہری احوال میں بھی ان کی تقلید کرتے ہیں مثلاً سماع سنتے ہیں' رقص اور وجد کرتے ہیں' ان ہی کی طرح وضوئیں کرتے ہیں اور نمازیں ادا کرتے ہیں' جائے نمازوں پر دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہتے ہیں' ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہیں' مدھم آواز میں گفتگو کرتے ہیں' غرضیکہ صوفیائے صادقین کے تمام طور طریقے اپنا لیتے ہیں اور پھر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم بھی صوفی بن گئے' حالانکہ نہ صوفیوں کی سی مشقت کرتے ہیں' نہ مراقبہ کرتے ہیں' نہ اپنے نفسوں پر مجاہدہ اور ریاضت کرتے ہیں' نہ دلوں کی نگرانی کرتے ہیں' نہ ظاہر و باطن کو خفی و جلی گناہوں سے بچاتے ہیں' حالانکہ یہ تمام باتیں تصوف کی اولین منازل ہیں' اگر وہ ان تمام منازل سے بحسن و خوبی فارغ بھی ہو جائیں تب بھی ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو صوفی سمجھیں انھیں خود کو صوفی کہلانے کا حق بھی کیا ہے' جب کہ نہ انھوں نے صوفیوں کے دروں کی خاک چھانی ہے اور نہ ان کی تلاش میں مشقت اٹھائی ہے۔ ساری عمر حرام مال پر گرتے رہے ہیں' بادشاہوں کے مشتبہ اموال پر ان کی نظر رہی ہے' پیسے پیسے کے لئے جان دیتے نظر آئے ہیں اور معمولی باتوں پر حسد کرنا ان کا مزاج رہا ہے' اپنی مخالفت برداشت نہیں کرتے' دوسروں کی آبروریزی میں مضائقہ نہیں سمجھتے' کیا ایسے لوگوں کو صوفی کہلانے کا حق ہے۔

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بڑھیا یہ سنے کہ جاں بازوں اور دلیروں کے نام کتبوں پر کندہ ہوتے ہیں اور بادشاہ انھیں جاگیریں عطا کرتے ہیں' یہ سن کر اسے بھی جاگیر پانے کی خواہش ہو اور اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے زرہ پہنے' سر پر خود رکھے' اور وہ اشعار یاد کرلے جو میدان کارزار میں دشمنوں کے ساتھ معرکہ آراء ہونے کے وقت بہادروں کی زبان پر ہوتے ہیں' اسی طرح اکڑ کر چلنا سیکھ لے جس طرح بہادر جوان دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لئے چلتے ہیں' غرضیکہ لباس' ہیئت' بول چال' حرکات' سکنات ہر چیز میں وہ بہادر جوانوں کی تقلید کرے اور ان میں شامل ہو کر میدان جنگ میں جا پہنچے۔ وہاں افسر اعلیٰ حکم دے کہ ان سب جوانوں کی زرہیں اور خود اتار کر دیکھے جائیں اور ایک دوسرے سے کشتی کرا کے ان کی طاقت و قوت آزمائی جائے' اس بڑھیا کی زرہ اتاری گئی تو معلوم ہوا کہ ایک کمزور جسم لوح کی بھاری بھر کم زرہ پہنے یہاں موجود ہے وہ دشمنوں سے کیا لڑ سکتا ہے جب کہ زرہ اور خود کا سنبھالنا بھی اس کے لئے دشوار ہو رہا ہے۔ اس بڑھیا سے کہا جائے گا کہ کیا تو بادشاہ سے مذاق کرنے کے لئے یہاں آئی تھی' یا بہادروں کی ہنسی اڑانا چاہتی تھی۔ غور کیجئے اس بڑھیا کی کس قدر سبکی ہوگی اور اسے اس جرم کی کتنی بڑی سزا ملے گی' حکم ہوگا کہ اسے ہاتھیوں کے نیچے ڈال دیا جائے تاکہ وہ اسے اپنے پاؤں سے روند ڈالیں۔ مدعیانِ تصوف کا بھی قیامت کے روز کچھ ایسا ہی انجام ہوگا جب ان کے چہرے سے نقاب اٹھے گا اور وہ قاضی القضاۃ کے حضور حاضر ہوں گے جو نہ لباس دیکھتا ہے اور نہ ہیئت' وہ صرف تمہارے دلوں کے احوال اور کیفیات پر نظر رکھتا ہے۔

خوش مذاق صوفی : ایک گروہ ان صوفیوں کا ہے جو غرور میں ان سے بھی بدتر ہیں۔ وہ صوفی تو کہلانا چاہتے ہیں لیکن ان کا کوئی طریقہ اپنانا بھی نہیں چاہتے' کیوں کہ صوفی سادہ لباس پہنتے ہیں اس لئے وہ بادلِ ناخواستہ ریشم و حریر کے لباس تو چھوڑ بیٹھے لیکن ایسے لباس پہننے لگے جن پر رنگین نقش و نگار ہوں' یہ کپڑے ریشمی نہیں ہوتے لیکن اپنی وضع کے اعتبار سے ریشمی کپڑوں سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں' بعض لوگ اپنے کپڑے رنگ لیتے تاکہ میل کی وجہ سے انھیں بار بار دھونا پڑے' اگرچہ کپڑوں پر پیوند لگاتے ہیں' لیکن ان کے پیوند لگانے کا طریقہ بھی عجیب ہے' اس قدر بیش قیمت کپڑے کا پیوند اتنے سلیقے سے لگاتے ہیں نیا کپڑا بھی ان کی نفاست' خوبصورتی اور قیمت کا مقابلہ نہیں کرپاتا۔ ان کے غرور کی کوئی انتہا نہیں ہے یہ لوگ عمدہ کپڑے پہنتے ہیں' لذیذ کھانے کھاتے ہیں' عیش کی زندگی گزارتے ہیں' ظالم حاکموں اور بادشاہوں کے عطایا قبول کرتے ہیں' باطنی معاصی تو کیا ظاہری گناہوں

سے بھی نہیں بچتے اور پھر بھی صوفی کہلاتے ہیں اور اپنے متعلق اچھا گمان رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کا شر خود انہی تک محدود رہتا' بلکہ مخلوق میں بھی متعدی ہوتا ہے' جو ان کی اقتداء کرتا ہے وہ ہلاک ہوتا ہے جو اقتداء نہیں کرتا صوفیوں پر سے اسکا اعتقاد ختم ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتا کہ تمام صوفی ایسے ہی ہوتے ہیں' وہ نادانستگی میں سچے صوفیوں کو بھی ہدفِ تنقید بنا دیتا ہے' یہ سب کچھ ان بدباطن لوگوں کی نحوست اور شر ہے جنھوں نے صادقین سے تشبّہ اختیار کیا۔

معرفت اور مشاہدۂ حق کے مدّعی : ایک گروہ ان صوفیوں کا ہے جو علم معرفت اور مشاہدۂ حق کے مدعی ہیں' اور یہ کہتے ہیں ہم نے معرفت کے تمام احوال اور مقامات طے کرلئے ہیں' ہم ہر وقت حالتِ شہود میں رہتے ہیں' اور ہم اللہ تک پہنچ چکے ہیں' وہ لوگ صرف الفاظ سے واقف ہیں' معنی نہیں جانتے' اہل معرفت سے سن کر کچھ کلمات انھوں نے سیکھ لئے ہیں جنھیں بار بار دہراتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ پچھلوں کا علم حاصل ہے' بلکہ جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ پہلے لوگوں کے علم سے بھی اعلیٰ ہے' اسی لئے ان کی نگاہ میں نہ فقہاء کی کوئی حیثیت ہے' نہ مفسّرین اور محدّثین کی' اور نہ عابدین کی' عوام کی تو حقیقت ہی کیا ہے' ایک کاشتکار کھیتی باڑی چھوڑ کر' ایک جولاہا پارچہ بافی چھوڑ کر ان خود ساختہ صوفیوں کی صحبت اختیار کرلیتا ہے اور ان سے اسی طرح کے کچھ الفاظ سیکھ لیتا ہے پھر انھیں گاتا پھرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ گویا اسکی زبان کا رشتہ وحی الٰہی سے جڑا ہوا ہے اور وہ سرا سرار (رازوں کے راز) کی خبر دیتا ہے۔ وہ اپنی اس خود ساختہ خصوصیت کی وجہ سے تمام عابدوں اور عالموں کی تحقیر کرتا ہے' عابدوں کی شان میں کہتا ہے کہ یہ کرائے کے ٹٹو ہیں جن کا کام ہی تھکنا ہے' عالموں کے بارے میں کہتا ہے کہ ان کا علم اللہ سے بات کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہے' اپنے آپ کو مقرّب' اور خدا رسیدہ کہتا ہے' حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک فاجر اور منافق ہے' اور اربابِ قلوب کے نزدیک احمق اور جاہل ہے' جسے نہ علم آیا ہے' نہ اس کے اخلاق مہذّب ہیں' نہ وہ اعمال مرتب رکھتا ہے' نہ اپنے قلب کا نگراں ہے' بس خواہشات نفس کا متبع' اور بیہودہ باتیں بنانے والا ہے۔

اِباحت پسند صُوفی : ایک گروہ ان صوفیوں کا ہے جو ہر عمل جائز سمجھتے ہیں' انھوں نے بساط شریعت لپیٹ کر رکھ دی ہے' احکام بالائے طاق رکھ دئے ہیں' حرام اور حلال کا فرق مٹا دیا ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارے اعمال سے بے نیاز ہے' اس لئے ہم عمل کرکے اپنے نفسوں کو تھکانا نہیں چاہتے' بعض یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو اس امر کا مکلّف قرار دیا گیا ہے کہ شہوات اور دنیا کی محبت سے اپنا دل پاک کرلیں اور یہ محال ہے' انھیں غیر ممکن کا مکلّف قرار دیا گیا ہے' دھوکہ تو وہ کھائے جسے تجربہ نہ ہو' ہم نے تجربہ کرلیا ہے اور ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قلب کا تزکیہ محال ہے۔ ان احمقوں کو معلوم نہیں کہ لوگوں کو اس امر کا مکلّف نہیں کیا گیا کہ وہ شہوت اور غضب جیسی قوتوں کو ان کی اصل سے اکھاڑ پھینکیں بلکہ ان کا مادّہ ختم کرنیکا مکلّف کیا گیا ہے تاکہ ان میں سے ہر ایک عقل اور شرع کا متبع ہو جائے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اعضاء کے عمل کی کیا اہمیت ہے' دلوں پر نظر رکھنی چاہئے اور ہمارے دل اللہ کی محبت سے لبریز اور اس کی معرفت سے منوّر ہیں' ہم اگر دنیا کے کسی کام میں مشغول ہیں تو صرف جسموں کیساتھ۔ ہمارے دل بارگاہِ خداوندی میں معتکف ہیں' ہماری شہوات کا تعلق ہمارے ظاہری اعضاء سے ہے' دلوں سے نہیں ہے' وہ اس غلط فہمی میں بھی مبتلا ہیں کہ ہم عوام کے درجے سے ترقی کرچکے ہیں' اور اب ہمیں جسمانی اعمال کے ذریعے تہذیب نفس کی ضرورت نہیں رہی' شہوات راہِ خدا میں ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتیں' کیوں کہ ہمیں شہوات پر قابو پانے کی قوت ہے' ہم اس معنی میں انبیاء سے بھی اونچا درجہ رکھتے ہیں' یہ حضرت ذرا ذرا سی لغزشوں پر برسا برس روتے رہتے تھے' ہمارے سامنے گناہوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے صوفیوں سے مشابہت اختیار کرنے والے اباحت پسند صوفیوں کے مغالطے بے شمار ہیں' اور ان سب کی بنیاد شیطانی خیالات پر ہے' شیطان کو ان پر قابو پانے میں اس لئے سہولت رہتی ہے کہ یہ لوگ علم سے پہلے مجاہدے میں مشغول ہو جاتے ہیں' اور کسی ایسے شیخ کی اقتدا نہیں کرتے جو علم و عمل میں پختہ ہو' اور مقتدی بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

<u>اہلِ تصوّف کے کچھ اور گروہ</u> : ایک گروہ ان لوگوں کا جو پچھلے تمام گروہوں سے آگے بڑھ گئے ہیں، یہ لوگ اچھے عمل کرتے ہیں، حلال رزق کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، اور دل کی نگرانی رکھتے ہیں، ان میں سے بعض زہد، توکّل، رضا اور محبت کے مقامات کا دعوٰی کر بیٹھتے ہیں، مگر نہ ان مقامات کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں اور نہ شرائط، علامات اور آفات کا علم رکھتے ہیں، بعض لوگ خود کو اللہ کا عاشق اور والہ وشیدا سمجھتے ہیں، اور باری تعالیٰ کے سلسلے میں ایسے خیالات رکھتے ہیں جنکا بدعت یا کفر ہونا حیرت انگیز نہیں ہے، معرفت سے پہلے محبت کے مدّعی ہیں، اور ایسے کام کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں ہوتے، مثلاً اللہ کے کام پر اپنے نفس کی خواہش کو ترجیح دیتے ہیں، بہت سے عمل مخلوق کی شرم سے نہیں کرتے حالانکہ اگر تنہا ہوتے تو اللہ کی شرم سے ہرگز نہ چھوڑتے۔ یہ نہیں جانتے کہ محبت میں کوئی کام محبوب کی مرضی کے خلاف نہیں ہونا چاہئے۔ بعض لوگ قناعت اور توکّل کی طرف مائل ہوتے ہیں، اور بغیر زادِ راہ کے جنگلوں کی خاک چھانتے ہیں تاکہ توکّل کا دعوٰی صحیح ہو جائے، یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح کا توکّل بدعت ہے، سلفِ صالحین اور صحابہ کرامؓ سے اس نوع کا توکّل منقول نہیں ہے حالانکہ وہ لوگ توکّل کے معنٰی سے زیادہ واقف تھے، انکے نزدیک جان کی بازی لگانا، اور زادِ راہ کے بغیر سفر کرنا توکّل نہیں تھا، وہ اللہ پر متوکّل تھے، لیکن زادِ راہ لے کر چلتے تھے۔ اور یہ لوگ اگر توکّل کرتے ہیں تو زادِ راہ پر زادِ راہ نہ ہو تو اسباب پر۔ بہرحال منجیات کے جس قدر مقامات ہیں، ان سب میں مغالطے اور فریب ہیں، آفات ہیں، جلد چہارم میں ہم نے ان آفات کے مداخل پر گفتگو کی ہے۔ یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں کو صرف رزق کے معاملے میں تنگ کرتے ہیں، خالص حلال غذا کی جستجو میں اس قدر منہمک ہوتے ہیں کہ قلب اور اعضاء کے اعمال کا دھیان ہی نہیں رہتا، بعض ایسے بھی ہیں جو صرف کھانے پینے اور رہنے کے معاملات میں حلال کے پہلو پر نظر رکھتے ہیں، اور باقی معاملات میں آزاد رہتے ہیں۔ ان بے چاروں کو معلوم نہیں کہ اللہ اپنے بندے سے صرف حلال کا طالب نہیں ہے، اور نہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تم حرام میں مبتلا رہو، اور اعمال خیر کرتے رہو، وہ اگر راضی ہوتا ہے تو صرف اس بات پر کہ تم تمام اَوامر پر عمل کرو، اور تمام نواہی سے رکو۔ جو شخص یہ سمجھتا ہےکہ بعض امور نجات کی لئے کافی ہیں وہ مغرور ہے۔

ایک اور گروہ ہے، جو خوش اخلاقی تواضع اور عالی ظرفی کا مدعی ہے، اور صوفیائے کرام کی خدمت پر کمربستہ نظر آتا ہے، اس گروہ کے افراد اپنے ساتھ کچھ اور لوگوں کو بلا کر خانقاہوں میں جا پڑتے ہیں اور صوفیوں کی خدمت شروع کر دیتے ہیں، لیکن دل سے خدمت نہیں کرتے بلکہ بتکلف کرتے ہیں، مقصد مال اور جاہ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ بظاہر خادم ہیں، لیکن دل میں مخدوم بننے کی آرزو ہے، دیکھنے میں غریب صوفیوں کو نفع پہنچاتے ہیں، اور حقیقت میں اپنی ذات کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ پھر ان صوفیوں کی خدمت کے لئے جو مال جمع کرتے ہیں ان میں حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں کرتے، مشتبہ اور حرام مال بھی بلا تردّد قبول کر لیتے ہیں، مقصد یہ ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مال جمع کیا جائے، اور خدمت کے نام پر کمایا جائے، متبعین کی تعداد زیادہ ہو، بعض لوگ بادشاہوں کا دیا ہوا مال صوفیوں کو کھلا دیتے ہیں، یا حج کے راستے میں ان پر خرچ کر دیتے ہیں، کہتے یہ ہیں کہ ہم اللہ کے لئے خدمت کر رہے ہیں حالانکہ اس تمام جدوجہد کا باعث ریا اور شہرت ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اس خدمت کے علاوہ کوئی دوسرا اچھا عمل نہیں کرتے، نہ ظاہر سے نہ باطن سے۔ حرام مال راہِ خدا میں خرچ کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی شخص مسجد بنوائے اور اس پر پاخانہ لیپ دے اور یہ دعوٰی کرے کہ میرا مقصد حسنِ تعمیر ہے۔

ان میں ایک گروہ وہ ہے جو بظاہر مجاہدے، تہذیبِ اخلاق، تزکیۂ نفس میں مشغول ہے، اور نفس کے عیوب کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لیتا ہے، لیکن وہ ان عیوب کا اعمال سے اِزالہ نہیں کرتا بلکہ ان کی تعداد دیکھتا ہے، ان عیوب کی آفات تلاش کرتا ہے، اور ان سے بچنے کے طریقے ڈھونڈتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے نفس میں فلاں عیب ہے، اس عیب سے غافل ہونا بھی عیب ہے، اور اس عیب کی

طرف ملتفت ہونا بھی عیب ہے' اسطرح کی مسلسل' اور منطقی تقریروں میں وہ اپنے قیمتی اوقات ضائع کرتا ہے۔ جو شخص زندگی بھر عیوب کی تلاش میں سرگرداں رہے اور ان کے علاج کے طریقے تلاش کرتا رہے وہ ایسا ہے جیسے عمر بھر حج کے مسائل پر بحث کرتا رہے اور حج کے لئے عملی قدم نہ اٹھائے۔ ظاہر ہے ایسا شخص کبھی حج نہ کرسکے گا' البتہ حج کے مسائل سے ضرور واقف ہوجائے گا۔

ایک اور فرقہ ہے جو ان تمام فرقوں سے سبقت لے گیا ہے' یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے راہ سلوک پر قدم رکھا' آگے بڑھے' اللہ نے ان کے مجاہدات قبول کئے اور ان پر معرفت کے دروازے کھول دئے' جب انھوں نے مبادیات معرفت کی خوشبو سونگھی تو خوشی سے بدمست ہوگئے' انکو یہ حیرت انگیز خوشبو اس قدر اچھی لگی کہ سب کچھ چھوڑ کر اسی کے ہو کر رہ گئے' ہر وقت اسی کا خیال ذہن میں رہنے لگا۔ یہی موضوع بحث بن گیا' غور و فکر کی تمام قوت اسی کے لئے وقف ہو کر رہ گئی کہ یہ کہاں سے آئی ہے' کس طرح آئی ہے' اس خوشبو سے کون لطف اندوز ہوتے ہیں اور وہ کون محروم رہتے ہیں؟ اس خوشبو سے بدمست ہوجانا اور اسی کو سب کچھ سمجھ لینا غرور ہے راہِ خدا کی عجائب کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اگر ہر عجوبے پر سالک طریقت اسی طرح رُکنے لگے تو منزل تک کسطرح پہنچے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ سے ملنے کے لئے چلے' اور قصرِ شاہی کے بیرونی میدان میں واقع خوبصورت باغیچے اور ان باغیچوں کے دل آویز مناظر میں اتنا محو ہو کہ بادشاہ سے ملنے کا وقت ہی ختم ہوجائے۔

ایک گروہ اور ہے' اس کے افراد ماقبل کے تمام گروہوں سے آگے بڑھ گئے ہیں' یہ لوگ راہِ سلوک میں دور تک قدم بڑھاتے ہیں' راستے میں ان پر انوار کا نزول ہوتا ہے' انہیں عجائب نظر آتے ہیں' اور بیش قیمت عطایا ملتے ہیں لیکن وہ ان کی طرف ذرا التفات نہیں کرتے' نہ ان سے خوش ہوتے ہیں' نہ توقف کرتے ہیں' بلکہ آگے بڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ منزلِ مقصود کے قریب پہنچ جاتے ہیں' اور قربِ الٰہی کی حدود چھو لیتے ہیں کہ یکایک انھیں یہ خیال آتا ہے کہ ہم منزلِ مقصود تک پہنچ چکے ہیں' اس لئے آگے بڑھنا ترک کردیتے ہیں' اور غلط فہمی میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ نورِ الٰہی کے ستّر پردے ہیں' جب سالک ان پردوں میں سے کسی ایک پردے تک پہنچتا ہے تو اسی کو آخری پردہ سمجھتا ہے اور اپنے آپکو خدا رسیدہ سمجھ لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول میں جس کی حکایت قرآن کریم میں کی گئی ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي (پ ۷ ر ۱۵ آیت ۷۶)

پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انھوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا یہ میرا رب ہے۔

اس آیت میں کوکب سے مراد یہ روشن اجسام (ستارے) نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ستارے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بچپن میں بھی دیکھا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ معبود نہیں ہیں' یہ تو بہت سے ہیں ایک ہوتا تب بھی یہ غلط فہمی ہوسکتی تھی' جاہل گنوار بھی یہ بات جانتے ہیں کہ کواکب معبود نہیں ہیں' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے شخص ستاروں سے کیسے دھوکا کھاتے ہیں۔ اس کوکب سے مراد بے شمار انوارِ الٰہی میں سے ایک نور ہے' جنھیں سالکینِ طریقت کے لئے حُجُب (پردے) کہا جاتا ہے ان حُجُب کو عبور کئے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے' یہ نور کے پردے ہیں' بعض بڑے اور بعض چھوٹے۔ کیوں کہ اَجرامِ فلکیہ میں سب سے چھوٹا جرم ستارہ ہوتا ہے اس لئے چھوٹے پردے کے لیے کوکب سے استعارہ کرلیا پھر اَجرامِ نورانیہ میں سب سے بڑا سورج اور متوسط چاند ہے' آپ نے یہ تمام اَجرام دیکھے' پہلا چھوٹا' پھر درمیانی' پھر بڑا۔ اور ان کے الٰہ ہونے کی تردید کرتے رہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (پ ۷ ر ۱۵ آیت ۷۵)

اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھلائیں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمانی ملکوت کا مشاہدہ شروع کیا تو انکے سامنے یکے بعد دیگرے مختلف نور آتے رہے' جس

نور پر پہنچتے اسے ہی منزل سمجھ لیتے' پھر تحقیق کرتے تو معلوم ہوتا کہ اس کے بعد بھی ایک نور ہے' آگے بڑھتے یہاں تک کہ اس قریب ترین حجاب تک پہنچ گئے جس سے آگے بڑھنے کے معنٰی یہ تھے کہ منزل پر پہنچ چکے ہیں' لیکن جب اس کے حقیقت منکشف ہوئی تو معلوم ہوا کہ بڑا نور بھی اپنی عظمت کے باوجود آخری نور نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ○ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (پ ۷ ر ۱۵ آیت ۷۶ و ۷۹)

میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا' میں اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا' اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اسی طرح راہِ طریقت کے سالک کو بھی مغالطہ ہوتا ہے' وہ ان حجابوں پر ٹھہرتا چلتا ہے' بلکہ بعض اوقات پہلے ہی حجاب ٹھہر جاتا ہے اور اسے ہی منزل سمجھ لیتا ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان جو حجاب ہیں ان میں سب سے پہلا حجاب خود نفس ہے اسلئے کہ نفس بھی ایک امرِ ربانی ہے اور انوارِ الٰہی سے ایک نور ہے جسے سرِ قلب کہتے ہیں اور جس میں حق کی حقیقت کاملہ ظاہر ہوتی ہے یہاں تک کے وہ تمام عالم کے لئے وسیع ہو جاتا ہے اور سب کا احاطہ کرلیتا ہے اور کل کی سورج اس میں جلوہ افروز ہو جاتی ہے' اس وقت وہ انتہائی روشن اور منوّر ہو جاتا ہے کیوں کہ تمام وجود اس میں ویسے ہی واقع ہوتے ہوتے ہیں اور جس میں حق کی حقیقت کاملہ ظاہر ہوتی ہے' یہاں تک کہ وہ جیسے وہ ظاہر میں ہیں' شروع میں سرِ قلب کی یہ کیفیت ہوتی ہے جیسے بند طاق میں روشن شمع' جب اس پر اللہ کے نورِ حق کی بجلی ہوتی ہے تو وہ چمک پڑتا ہے' دل کا جمال واضح ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں اگر وہ شخص جس پر یہ حال گزر رہا ہو اپنے قلب کی طرف التفات کرتے تو اس میں ایسی چمک دمک پائے جس سے نگاہیں خیرہ ہو جائیں اور عقل حیران رہ جائے' اسی حیرانی کی وجہ سے بعض مرتبہ زبان اس طرح کے کلمات کی طرف سبقت کرجاتی ہے۔ انا الحق (میں ہی خدا ہوں)۔

اور جب تک اس پر اگلا راز منکشف نہیں ہوتا اسی مغالطہ پر قائم رہتا ہے' اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اسے یہ مغالطہ ایک معمولی ستارے کی چمک دمک سے ہوگیا' ابھی چاند تک بھی نہیں پہنچا تھا' سورج کا تو ذکر کیا ہے۔ حقیقت میں یہ التباس اور مغالطے کا موقع بھی ہے' اس لئے کہ تجلی کے عمل سے متجلّی (جو شئے تجلی کرے) اور متجلّی فیہ (جس میں تجلی ہو) دونوں ایک صورت کی ہو جاتی مثلاً آئینے میں اگر کسی رنگین شئے کا عکس پڑے تو آئینہ بھی رنگین دکھائی دیتا ہے' یا جیسے شیشے کے برتن میں کوئی رنگین چیز بھر دو تو برتن بھی اسی رنگ کا نظر آتا ہے۔

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَقَّتِ الْخَمْرُ فَتَشَابَهَا فَتَشَاكَلَ الْاَمْرُ
فَكَاَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا قَدَحٌ وَكَاَنَّمَا قَدَحٌ وَلَا خَمْرٌ

(شیشہ سبک اور مے رنگین سیّال ہے' یہ دونوں اتنے مشابہ ہیں کہ پہچان ہی مشکل ہوتی ہے' ایسا لگتا ہے جام ہے شراب نہیں' یا شراب ہے جام نہیں)۔

اسی لئے جب نصاریٰ نے یہ دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں جلوۂ حق کی چمک کچھ زیادہ ہے تو مغالطے میں پڑگئے اور انھیں خدا کہنے لگے' جیسے کوئی شخص پانی میں ستارے کا عکس دیکھ کر یہ خیال کرے کہ یہ ستارہ اسی پانی کے اندر ہے اور اسے چھونے کے لئے ہاتھ بڑھائے۔

راہِ معرفت طے کرنے میں بے شمار مغالطے اور رکاوٹیں پیش آتی ہیں اگر ان سب مغالطوں اور رکاوٹوں کا جائزہ لینے لگیں تو ایک ضخیم دفتر بھی ناکافی رہے' اور اس وقت تک یہ موضوع تشنہ رہے جب تک تمام علوم مکاشفہ کی تفصیل نہ ہو جائے۔ لیکن علومِ مکاشفہ کے بیان کی اجازت نہیں ہے جو کچھ ہم نے لکھا ہے غالباً یہ بھی نامناسب ہے۔ اس لئے کہ جو اس راہ کا سالک ہے اسے کسی دوسرے سے سننے کی ضرورت نہیں ہے' اور جو سالک نہیں ہے اسے سننے کی ضرورت نہیں ہے' اور جو سالک نہیں ہے اس سننے

سے کوئی فائدہ نہ ہوگا' بلکہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے' اس لئے کہ یہ باتیں سن کر اسے حیرت ہوگی' کیوں کہ یہ باتیں اس کے فہم سے بالا تر ہوں گی' البتہ ایک فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسے غرور سے نجات مل جائے جس میں وہ مبتلا ہے اور اس حقیقت پر ایمان لے آئے کہ معاملہ میرے گمان سے کہیں بڑا ہے' اور ان مکاشفات کی بھی تصدیق کردے جو اولیاء اللہ سے منقول ہیں۔ البتہ جس کا مغالطہ قوی ہوتا ہے وہ ہر حال میں یکساں رہتا ہے' جس طرح سننے بغیر مغرور تھا اسی طرح سن کر بھی مغرور رہے گا۔

مغرورین کی چوتھی قسم ارباب دولت : ان میں بھی بے شمار فرقے اور گروہ ہیں' ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو مسجدوں' مدرسوں' مسافر خانوں' اور پلوں کی تعمیر میں بہت زیادہ دل چسپی لیتے ہیں' بظاہر یہ رفاہی کام ہے' ان عمارتوں سے مخلوق کو فائدہ ہوتا ہے' لیکن یہ صرف ایسے کام کرنا پسند کرتے ہیں' جنھیں لوگ دیکھیں' پھر ان پر اپنا نام کندہ کرادیتے ہیں' تاکہ یہ عمارتیں ان کی یادگار کے طور پر قائم ہیں اور مرنے کے بعد لوگ ان عمارتوں کے حوالے سے انھیں یاد رکھیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے خلق خدا کے فائدے کے لئے مسجدیں تعمیر کرائیں' مسافر خانے اور مدرسے بنوادئے' سڑکیں بنوائیں اسلئے ہم مغفرت کے حقدار ہوگئے' حالانکہ تین وجہوں سے یہ لوگ مغالطے میں ہیں ایک وجہ یہ کہ انھوں نے مذکورہ عمارتوں پر ظلم' غصب اور رشوت وغیرہ ممنوع ذرائع سے حاصل ہونے والا مال خرچ کیا ہے' ظاہر ہے لوگ حرام مال جمع کرنے کی بناء پر خدا کے غضب کے مستحق ہیں' دوسری وجہ یہ کہ ان عمارتوں کی تعمیر سے ان کا مقصد رفاہ عام نہیں بلکہ ریا اور شہرت ہے' اول تو انھیں مال ہی نہ کمانا چاہئے تھا' اور جب کمایا اور گنہگار ٹھہرے تو یہ ضروری تھا کہ خدا کی بارگاہ میں توبہ کریں' اور مال کے مالکوں کے حوالے کریں خواہ اصل مال دیں' یا اصل مال نہ ہو تو اس کا بدل دیں' مالک نہ ملے تو ان کے ورثاء کو دیں ورثاء نہ ہوں تو مسلمانوں کے اہم ترین مفاد میں خرچ کریں' اور غالباً مسلمانوں کا اہم ترین مفاد یہ ہے کہ مساکین پر تقسیم کردیں' لیکن ایسا اس لئے نہیں کرتے کہ لوگوں کو ان کے خرچ کرنے کا علم نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمارتیں لوگوں کو نفع پہنچانے کے لئے نہیں بنواتے' بلکہ شہرت اور نام و نمود کیلئے بناتے ہیں' ورنہ ان پر تعمیر کرانے والوں کے کتبے لگوانے کی کیا ضرورت ہے؟ تیسری وجہ یہ کہ وہ اپنے دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس عمل میں مخلص ہیں' اور ہماری نیت خیر ہے' لیکن اگر ان سے کہا جائے کہ فلاں کام میں ایک دینار خرچ کردیں' اور یہ ظاہر کردیا جائے کہ جس جگہ وہ یہ دینار خرچ کریں گے وہاں ان کا نام نہیں لکھا جائے گا تو انھیں جیب سے ایک دینار نکالنا بھی بے حد گراں گزرے گا' اور نفس کو اس خرچ پر کسی بھی طرح آمادہ نہ کرسکیں گے حالانکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ کے علم میں ہر عمل ہے' خواہ نام لکھا جائے یا نہ لکھا جائے نام لکھنے کی خواہش تو اسی لئے ہے کہ مقصد رضائے خدا نہیں مخلوق کی خوشنودی ہے۔

مال حلال سے تعمیر مساجد : ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو حلال ذرائع آمدنی رکھتے ہیں' اور جائز طریقے سے کمایا ہوا مال مساجد وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کرنے کے باوجود مغرور ہیں' ان کے غرور کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ تو ریا' اور تعریف کی خواہش ہے۔ بسا اوقات ان لوگوں کے پڑوس میں یا ان کے شہر میں تنگ دستوں اور ناداروں کی کمی نہیں ہوتی' مساجد کی تعمیر و تزئین میں پیسہ خرچ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ان فقراء کی مدد کی جائے' لیکن یہ لوگ جس خوشدلی کے ساتھ مسجدوں کی تعمیر میں خرچ کرتے ہیں غریبوں پر خرچ نہیں کرتے' کیوں کہ اس سے لوگوں میں شہرت نہیں ہوتی' دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ مسجدوں کی تزئین اور دیواروں پر نقش و نگار بنانے میں پیسہ لگاتے ہیں جب کہ یہ ممنوع ہے (بخاری من قول عمرؓ) کیوں کہ اس سے نمازیوں کے دل مشغول ہوتے ہیں' اور دھیان بٹتا ہے' جب کہ نماز سے خشوع اور حضور قلب مقصود ہے' اور مساجد کی تزئین سے قلب حاضر نہیں رہتا' اور ان کا اجر و ثواب ضائع جاتا ہے' اور اس کا وبال تزئین کرانے والوں پر ہے' اس کے باوجود وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نیک عمل کیا ہے' اور یہ ہماری مغفرت کا باعث ہوگا' وہ خدا کی ناراضگی کے مستحق ہیں ٹھہرے اور خوش فہمی یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں' اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہیں' مساجد کے نقش و نگار سے نہ صرف نماز کے دوران لوگوں کے دل نماز سے

غافل ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسجدوں کی زیب و زینت دیکھ کر اپنے گھروں کو بھی اسی طرح سجائیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو اس کا وبال بھی ان ہی پر ہو گا جنھوں نے مسجدیں مزین کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسجدیں تواضع اور حضور قلب کے لئے بنائی جاتی ہیں، حضرت مالک ابن دینارؒ فرماتے ہیں کہ دو آدمی مسجد میں آئے ان میں سے ایک دروازے پر رک گیا، اور کہنے لگا کہ مجھ جیسے گنہگار آدمی کو اللہ کے گھر میں داخل نہ ہونا چاہیے، اللہ کے مقرر کردہ فرشتوں نے اسے صدیق لکھا اس نے مسجد کی تعظیم اتنی کی کہ اپنے جانے کو ایسا سمجھا گویا وہ مسجد کو نجاست سے آلودہ کر رہا ہے۔ مساجد کی اسی قدر تعظیم ہونی چاہیئے اور یہی تعظیم مساجد کا مفہوم ہے، مسجد کی تعظیم یہ نہیں کہ اسے مال حرام سے سجادے یا دنیا کی آرائشی چیزوں سے بھردے، اور یہ سمجھے کہ میں نے اللہ تعالیٰ پر احسان کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین نے ایک مسجد کی تعریف کی، آپ نے فرمایا کہ اے میری امت کے لوگو! میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مسجد کی اینٹ پر اینٹ نہ چھوڑے گا، اسے مسجد والوں کے گناہوں کی وجہ سے تباہ کردے گا، اللہ کو سونے اور چاندی کی پروا نہیں ہوتی، اور نہ اس پتھر کی پروا ہوتی ہے جس پر تم جان دیتے ہو، اللہ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب چیز نیک دل ہے، نیک دلوں کے وجود سے اللہ کی زمین آباد ہوتی ہے، اور ان کے فقدان سے برباد ہوتی ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

إِذَا زَخْرَفْتُمْ مَسَاجِدَكُمْ وَحَلَّيْتُمْ فَالدَّمَارُ عَلَيْكُمْ۔ (ابن المبارک فی کتاب الزہد)

جب تم مساجد کو سجاؤ گے اور قرآنوں کو سونا پہناؤ گے تو تم پر تباہی نازل ہوگی۔

حضرت حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا کہ آپ یہ مسجد سات گز اونچی بنائیں، مگر اس پر ملمع نہ کریں اور نقش و نگار نہ بنائیں۔ (۱) بہرحال اس گروہ کا مغالطہ یہ ہے کہ اس نے بُرے فعل کو اچھا سمجھا، اور اس پر بھروسا کیا۔

صدقہ و خیرات کرنے والے : ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو مال خیرات کرتے ہیں، اور فقیروں مسکینوں کو دیتے ہیں، لیکن اس داد و دہش کے لئے ایسے مواقع تلاش کرتے ہیں جہاں لوگوں کا اجتماع ہو، اور فقیروں مسکینوں میں بھی ایسے افراد کو ترجیح دیتے ہیں جو شکر گزار، اور نام مشہور کرنے والے ہوں، یہ لوگ چھپ کر صدقہ دینے کو برا سمجھتے ہیں، اگر کوئی فقیر اُن سے کچھ لے کر چھپالے تو اسے مکار اور ناشکرا قرار دیتے ہیں۔ بہت سے ایسے بھی ہیں جو حج پر حج کرتے ہیں، لیکن ان کے پڑوسی بھوک سے بلبلاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو بلا سبب حج کیا کرینگے، دولت مند ہونے کی وجہ سے انکے لئے سفر آسان ہو گا، لیکن وہ اس سفر سے محروم، ناکام اور نامراد واپس ہوں گے، خود تو اونٹوں پر سوار جنگلوں اور ریگستانوں میں پھریں گے اور ان کے پڑوسی محتاج ہوں گے جن کی وہ مدد نہ کرینگے۔ ابونصر تمار کہتے ہیں کہ ایک شخص بشر ابن حارث کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں حج کے لئے پابہ رکاب ہوں آپ مجھے کوئی نصیحت فرمادیں، آپ نے اس سے پوچھا کہ تم نے مصارف سفر کے لئے کتنے درہم لے جانے کا ارادہ کیا ہے، اس نے کہا دو ہزار۔ آپ نے سوال کیا کہ تم حج سے کیا مقصد رکھتے ہو سیر و سیاحت، یا خانۂ خدا کی زیارت کا شوق، یا اللہ کی خوشنودی۔ اس نے جواب دیا کہ میں اللہ کی رضا کیلئے حج کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے کہا کہ اگر تمہیں یہ دو ہزار درہم خرچ کرکے گھر بیٹھے اللہ کی رضا حاصل ہوجائے تو تم حج کا ارادہ ترک کرسکتے ہو؟ اُسنے کہا یقیناً، آپنے فرمایا: جاؤ، اور یہ دو ہزار درہم ایسے افراد کو دیدو جو قرضدار ہوں تاکہ قرض ادا کرسکیں، یا محتاج ہوں تاکہ اپنی ضرورتیں پوری کرسکیں، یا عیالدار ہوں جو اپنے بچوں کی پرورش کرسکیں، یا یتیموں کی پرورش کرنے والے ہوں تاکہ انھیں خوش کرسکیں، اگر تم کسی ایک افراد کو دینا چاہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، یہ مشورہ میں اسلئے دے رہا ہوں کہ فرض حج ادا کرنے کے بعد کسی مسلمان

(۱) حضرت حسن بصریؒ کی یہ مرسل روایت مجھے نہیں ملی۔

کو خوش کرنا، کسی مظلوم کی داد رسی کرنا، کسی کو نقصان سے بچانا، کسی کمزور کی مدد کرنا سو حجوں سے افضل ہے، جاؤ اور یہ مال اسی طرح تقسیم کردو جس طرح میں نے کہا ہے، اور اگر تم میرا مشورہ قبول نہیں کرنا چاہتے تو ابھی بتلادو، اس نے کہا میں تو حج ہی کرنا چاہتا ہوں، یہ سن کر آپ مسکرائے، اور کہنے لگے کہ جب مال تجارت سے اور مشتبہ ذرائع سے جمع ہوجاتا ہے تو دل اسے خرچ کرنا چاہتا ہے، خرچ کرتا ہے اپنی مرضی کے مطابق لیکن اعمال صالح کو آڑ بنالیتا ہے مگر اللہ نے قسم کھائی ہے کہ وہ متقین کے سوا کسی کے اعمال قبول نہیں کرے گا۔

بخیل دولتمند : ایک فرقہ ان دولتمندوں پر مشتمل ہے جو رکھنے کے لئے دولت سمیٹتے ہیں، اور ایسی عبادتیں کرتے ہیں جن میں خرچ کرنا نہیں پڑتا جیسے دن میں روزہ رکھنا، رات کو نماز پڑھنا، یا قرآن کریم کی تلاوت کرنا وغیرہ۔ یہ لوگ بھی مغرور ہیں کیوں کہ بخل جیسی مہلک بیماری ان کے دلوں پر حاوی ہوچکی ہے، یہ بیماری اسی طرح دور ہوسکتی ہے کہ مال خرچ کیا جائے جن فضائل اعمال میں وہ مشغول ہیں ان کے ذریعے وہ اس بیماری کا قلع قمع نہیں کرسکتے۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے کپڑوں میں سانپ گھس جائے، اور اسے احساس ہو کہ میں ہلاکت کے قریب پہنچ چکا ہوں، لیکن وہ صفراء کے علاج کے لئے سکنجبین تیار کرنے میں مشغول ہو، اگر سانپ نے اسے ڈس لیا تو کیا یہ سکنجبین مفید ہوگی؟ حضرت بشر سے کسی نے کہا کہ فلاں مالدار بڑا نمازی ہے، اور بہت زیادہ روزے رکھتا ہے، آپ نے فرمایا وہ بیچارہ ایسے کاموں میں مصروف ہے جو اس کی حالت کے مناسب نہیں، اور ایسے کاموں سے دور ہے جو اس کی حالت کے مناسب ہیں۔ اس کے شایان شان کام یہ تھا کہ وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتا اور ناداروں محتاجوں اور مسکینوں پر خرچ کرتا۔ اس کا یہ عمل خود کو بھوکا رکھنے، اور (نفلی) نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ ان بخیلوں میں بعض ایسے بھی ہیں جن پر بخل پوری طرح غالب آچکا ہے، وہ صرف زکوٰۃ دے پاتے ہیں، اور اس میں بھی یہ کوشش کرتے ہیں کہ خراب مال دیدیں، اور زکوٰۃ کے لئے فقراء ایسے ڈھونڈتے ہیں جو انکی خدمت کرسکیں، اور موقع بہ موقع آتے جاتے رہیں، اور کسی ضرورت میں کام آسکیں، یا ایسے تنگ دستوں کی مدد کرتے ہیں، جن سے مستقبل میں نفع پہنچنے کی امید ہو، یا ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو کسی بڑے شخص کی سفارش لے کر آئیں، انھیں اس لئے دیتے ہیں تاکہ سفارش کرنے والا مرہونِ منت ہوجائے، اور کسی بھی وقت اسکی جاہ و حشم سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ یہ تمام باتیں فسادِ نیت کا مظہر ہیں، ان سے ثواب ضائع ہوجاتا ہے، یہ لوگ مغرور ہیں، اگرچہ وہ خود کو اللہ کا مطیع تصور کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں نافرمان ہیں اسلئے کہ انھوں نے اللہ کی عبادت کا عوض غیر اللہ سے چاہا ہے، یہ اور اس طرح کی بہت سی مثالیں مالداروں کے غرور پر دلالت کرتی ہیں، ہم نے یہاں چند مثالیں ذکر کی ہیں تاکہ مغالطے کی قسموں پر تنبیہہ ہوسکے۔

مجالس ذکر کے حاضرین : ان میں نہ عوام کی تخصیص ہے، نہ دولت مندوں کی اور نہ غریبوں کی۔ اس غرور میں سب لوگ مبتلا ہیں۔ یہ لوگ مجالس ذکر میں حاضری ہی کو اپنی نجات کے لئے کافی تصور کرتے ہیں، اس طرح کی مجلسوں میں شرکت کرنا ایک عادت یا رسم سی بن گئی ہے اور یہ گمان کیا جانے لگا ہے کہ محض وعظ سننا بھی خالی از اجر نہیں ہے گو اس پر عمل نہ ہو، یا نصیحت حاصل نہ کی جائے۔ یہ ان کا مغالطہ ہے۔ بلاشبہ ذکر کی مجلسوں کے بیشمار فضائل ہیں، لیکن ان تمام فضائل کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ اس طرح کی مجالس سے اعمالِ خیر پر رغبت ہوتی ہے، اگر مجلس کا یہ فائدہ نہ ہو تو وہ ہر طرح کی خیر و برکت سے خالی ہے، پھر محض رغبت بھی کافی نہیں، جب تک وہ عمل پر نہ ابھارے اسے محمود نہیں کہا جاسکتا، اگر کوئی رغبت اتنی ضعیف ہے کہ اس سے عمل پر تحریک نہیں ہوتی تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ کیوں کہ جو چیز غیر کے لئے مقصود ہو، اور وہ دوسری چیز اس سے نہ ملے تو اس پہلی چیز کا کوئی فائدہ نہیں۔ حاضرینِ مجالس ذکر کے فضائل سن کر فریب کا شکار ہوجاتے ہیں، کبھی وعظ کے دوران ان پر عورتوں کی طرح رِقت طاری ہوجاتی ہے، اور دھاڑیں مار مار کر روتے ہیں، لیکن اس وقت بھی وعظ کے مضامین پر عمل کرنے کا عزم و ارادہ نہیں

ہوتا' کبھی ڈرانے والے مضامین سن کر ہاتھ پر ہاتھ مار لیتے ہیں' اور صرف اتنا کہتے ہیں اللہ تو ہی حفاظت فرما۔ یا معاذ اللہ' اور سبحان اللہ کلمے کہنے پر اکتفا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں ہم جو کچھ کر رہے ہیں اچھا کر رہے ہیں' حالانکہ یہ صریح مغالطہ ہے ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی حکیم کے مطب میں جائے امراض و معالجات پر جو گفتگو وہاں ہو اسے غور سے سنے' یا کوئی بھوکا کسی ایسے شخص کے پاس جا بیٹھے جو لذیذ کھانوں کا ذکر کر رہا ہو' ظاہر ہے نہ مطب کی گفتگو سننے سے مرض میں افاقہ ہوگا اور نہ لذیذ کھانوں کا تذکرہ سننے سے بھوک مٹے گی اسی طرح اطاعت کا ذکر کرنے اور عمل نہ کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا' بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر وعظ سننے سے آدمی میں عمل کیلئے تحریک نہ ہو' اور اس میں قدر تغیر رونما نہ ہو کہ اللہ کی طرف قوی یا ضعیف توجہ ہو جائے اور دنیا سے منحرف ہو جائے تو اس پر حجت بازپرس زیادہ ہوگی' اگر وہ مجلس ذکر میں بیٹھ کر آہ و بکا کرنے کو سب کچھ سمجھتا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔

مغالطوں سے بچنا ممکن ہے : بعض لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ مغالطوں کی جو وجوہات تم نے لکھی ہیں ان سے شاید ہی کوئی آدمی خالی ہو' اور ان سے بچنا ممکن بھی نہیں ہے۔ جو کچھ تم نے لکھا ہے اس سے سوائے مایوسی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا' شاید ہی کسی شخص کے اندر اتنی قوت ہو کہ وہ ان مخفی آفات سے خود کو محفوظ رکھ سکے' ظاہر ہے ناامید ہو جائے گا' اور کوئی عمل نہ کر سکے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ کم ہمت انسان ہی اسطرح کی باتوں کو ناقابلِ عمل تصور کرتا ہے' اور یاس کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن باہمت لوگ راستے کی ہر مشکل انگیز کرتے ہیں' اور اگر نیت صحیح ہو تو راستے کی مخفی آفات کا پتا چلا لیتے ہیں اور ان پر قابو پانے کی تدابیر ڈھونڈ لیتے ہیں' انسان اگر چاہے تو آسمانی فضاؤں میں اڑتے ہوئے پرندے کو گرا سکتا ہے حالانکہ اس کے اور پرندے کے درمیان میلوں کا فاصلہ ہے' اسی طرح اگر سمندر کی تہہ سے مچھلی نکالنا چاہے تو نکال سکتا ہے' پہاڑ کھود کر سونا' چاندی اور دوسری قیمتی دھاتیں نکال سکتا ہے' جنگل کے وحشیوں کو پابہ زنجیر کر سکتا ہے۔ شیروں' ہاتھیوں اور دوسرے خونخوار درندوں پر قابو پا سکتا ہے' سانپ اور اژدہا کو قابو میں کر سکتا ہے' اور ان کے منہ سے زہر مہرہ نکال سکتا ہے' توت کے پتوں سے ریشم بنا سکتا ہے' ستاروں کی تعداد اور طول و عرض معلوم کرنا چاہے تو علوم ہندسہ کے ذریعے زمین پر کھڑے کھڑے دریافت کر سکتا ہے' آدمی تدابیر کا معدن ہے' کوئی مشکل ایسی نہیں جس کے حل کی تدبیر نہ کر سکتا ہو' اور دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں جسے اپنی تدبیر سے مسخر نہ کر سکتا ہو' اور اپنے اغراض میں استعمال نہ کر سکتا ہو' گھوڑے کو سواری کے لئے کتے کو شکار کے لئے' باز کو پرندوں کے شکار کے لئے اپنے قابو میں کرتا ہے' مچھلی کے شکار کے لئے جال بناتا ہے' اس طرح کی بے شمار تدبیریں ہیں جن کا یہاں دنیا میں ہر لحہ ہر آن مظاہرہ ہوتا ہے۔ اور یہ تمام تدبیریں اس لئے کیجاتی ہیں کہ اغراض کی تکمیل کی جا سکے۔ جب دُنیاوی اغراض کے لئے انسان طرح طرح کے حیلے اور تدبیریں اختیار کرتا ہے تو کیا وہ دل کی اصلاح کے لئے ایسا نہیں کر سکتا۔ حالانکہ یہ اس کا وہم ہے' کوئی کام محال اور ناممکن نہیں ہوتا' بس ہمت شرط ہے۔ بے شمار لوگ ایسے گزرے ہیں جنھوں نے طریقت کی خار دار راہ گزر میں قدم رکھے' اور پیچھے نہ ہٹے' انھوں نے قلب کی اصلاح کو ناممکن اور محال تصور نہیں کیا' اور نہ اس سے عاجز ہوئے' یہی لوگ سلفِ صالحین کہلائے' پھر انکے متبعین اور مریدین میں سے جنہوں نے سچے دل سے ان کا اتباع کیا وہ بھی کامیاب رہے' اب بھی جو لوگ مصمم عزم' پختہ ارادے' اور مکمل حوصلے کے ساتھ یہ وادیٔ پُرخار طے کریں گے عاجز نہ ہوں گے' افسوس تو یہ کہ لوگ اپنے دنیوی کاموں میں جس قدر تدابیر اختیار کرتے ہیں اور جس عزم و حوصلے سے کام لیتے ہیں ان کا دسواں حصہ بھی آخرت کے کاموں میں استعمال نہیں کرتے۔

مغالطے سے بچنے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں : آدمی کو اگر مغالطوں سے بچنا ہے تو اس کے پاس یہ تین چیزیں ضرور ہونی چاہئیں۔ عقل' علم اور معرفت۔ عقل سے مراد اصل نور' اور عزیزی فطرت ہے جس سے انسان حقائقِ اشیاء کا ادراک کرتا ہے' ذہانت اور عقلمندی کا تعلق بھی فطرت سے ہے' اور حماقت اور غباوت بھی اصل فطرت سے متعلق ہیں۔ غبی شخص مغالطوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا' اس لئے فطرت سے آدمی کا ذہین اور ہوشیار ہونا ضروری ہے' اگر کوئی شخص ذہانت کی فطرت پر نہیں ہے تو

اس کا اکتساب ناممکن ہے' الا یہ کہ اصل عقل موجود ہو' اس صورت میں تجربے سے عقل کو بڑھایا اور تیز کیا جاسکتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ تمام سعادتوں کی بنیاد عقل اور ذہانت پر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِیْ قَسَمَ الْعَقْلَ بَیْنَ عِبَادِهِ اَشْتَاتًا اَنَّ الرَّجُلَیْنِ یَسْتَوِیْ عَمَلُهُمَا وَبِرُّهُمَا وَصَوْمُهُمَا وَصَلَاتُهُمَا وَلٰكِنَّهُمَا یَتَفَاوَتَانِ فِی الْعَقْلِ كَالذَّرَّةِ فِیْ جَنْبِ اُحُدٍ وَمَا قَسَمَ اللّٰهُ لِخَلْقِهِ حَظًّا هُوَ اَفْضَلُ مِنَ الْعَقْلِ وَالْیَقِیْنِ (۱)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں کو مختلف طور پر عقلیں تقسیم فرمائیں' دو آدمی کے اعمال یکساں ہیں' ان کی نیکی بھی' روزے اور نماز سب برابر ہیں' لیکن وہ عقل میں اتنے مختلف ہیں جیسے اُحد کے پہلو میں ذرہ۔ اللہ نے عقل اور یقین سے بڑھ کر اپنی مخلوق کے لئے کوئی نعمت پیدا نہیں فرمائی۔

حضرت ابوالدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک شخص دن میں روزہ رکھتا ہے' رات میں نوافل پڑھتا ہے' حج اور عمرہ کرتا ہے صدقہ دیتا ہے' اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے' مریض کی عیادت کرتا ہے' جنازے کی مشایعت کرتا ہے' اور کمزور کی مدد کرتا ہے' لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ قیامت کے دن اسے اللہ کے یہاں کیا مرتبہ ملے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یُجْزٰی عَلٰی قَدْرِ عَقْلِهِ (۲)

اسے اس کی عقل کے مطابق اجر دیا جائے گا۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص کی تعریف کی گئی' آپ نے تعریف کرنے والوں سے دریافت کیا کہ اس کی عقل کیسی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس کی عبادت اور اخلاق کا ذکر کررہے ہیں' آپ نے فرمایا تم یہ بتلاؤ کہ اس کی عقل کیسی ہے' اس لئے کہ بے وقوف اپنی حماقت کے باعث نیکی کو بھی معصیت بنالیتا ہے' قیامت کے دن لوگوں کو عقل کے بقدر قربت حاصل ہوگی۔ (۳) حضرت ابوالدرداءؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کسی شخص کی شدتِ عبادت کا حال بیان کیا جاتا تو آپ اس کی عقل کا حال دریافت فرماتے' اگر لوگ اس کی عقل کو اچھا بتلاتے تو آپ فرماتے اسکے بارے میں اچھی امید ہے۔ اور اگر لوگ کہتے کہ وہ بے وقوف ہے تو آپ فرماتے خدا رسیدہ نہ ہوگا (حکیم ترمذی' نوادر' ابن عدی' بیہقی) ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی شخص کی عبادت کا حال بیان کیا گیا' آپ نے دریافت فرمایا کیا وہ عقلمند بھی ہے' لوگوں نے جواب دیا عقلمند نہیں ہے۔ فرمایا پھر جس درجے پر تم اسے تصور کرتے ہو وہ اس پر نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذہانت' فہم اور فطری عقل بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے' اگر یہ نعمت نہ ملے' اور اس کی بجائے اصل فطرت میں بے وقوفی اور حماقت رکھ دی جائے تو پھر اس کا تدارک نہیں ہوسکتا۔

مغالطے سے بچنے کے لئے دوسری چیز معرفت ہے' معرفت سے مراد چار چیزوں کا جاننا ہے' اپنے نفس کا' اللہ تعالیٰ کا' دنیا کا اور آخرت کا' نفس کی معرفت کے معنی یہ ہیں کہ اپنی عبدیت اور ذلت کا اعتراف کرے اور یہ جانے کہ میں اس دنیا میں مسافر ہوں' اور ان شہوات کا میری طبیعت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے' میری طبیعت کے موافق' صرف اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کا دیدار ہے' اس حقیقت کا علم اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک بندے کو اپنے نفس اور اپنے رب کی معرفت نہ ہو' یہ معرفت کیسے حاصل ہوگی؟ اس سلسلے میں تمہیں ان مضامین کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو ہم نے کتاب شرح عجائب القلب' کتاب التفکر اور کتاب

---

(۱) نوادر الاصول میں حکیم ترمذی کی مرسل روایت طاؤس راوی ہیں۔ (۲) یہ روایت مجھے ابوالدرداء سے نہیں ملی البتہ ابن عمرؓ کی ایک ضعیف روایت خطیب نے تاریخ میں نقل کی ہے۔ (۳) یہ روایت کتاب العلم میں گزری ہے۔

الشکر میں بیان کئے ہیں' ان ابواب میں ہم نے نفس' اور خالقِ نفس کے اوصاف کی طرف اشارے کئے ہیں' ان اشاروں سے فی الجملہ تنبیہہ ہوجاتی ہے۔ کمالِ معرفت کا مرحلہ بعد کا ہے' اس کا تعلق علمِ مکاشفہ سے ہے' اور علم مکاشفہ ہماری کتاب کا موضوع نہیں ہوسکتا۔

دنیا اور آخرت کی معرفت کے لئے کتابُ ذمّ الدنیا اور کتابُ ذکر الموات کے مضامین سے مدد لے تاکہ یہ معلوم ہو کہ دنیا کہ آخرت سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے' جب ان چاروں امور کی معرفت حاصل ہوجائے گی مغالطے سے بچنے کے امکانات ہوجائیں گے' اللہ تعالیٰ کی معرفت کے باعث دل میں محبتِ الٰہی کو تحریک ہوگی' آخرت کی معرفت سے اس کی طرف رغبت ہوگی' اور دنیا کی معرفت اس سے متنفر کرے گی' اور وہ سب سے بڑا کام اس عمل کو سمجھے گا جو اسے اللہ تک پہنچادے' اور آخرت میں نفع دے' اور جب دل میں یہ ارادہ غالب ہوگا تو تمام امور میں نیت درست ہوگی' کھانا کھانے میں' حوائج ضروریہ سے فارغ ہونے میں' اور لباس وغیرہ پہننے میں یہی نیت ہوگی کہ ان سے سلوک راہِ آخرت پر مدد ملے۔ نیت کی صحت سے تمام مغالطے دور ہوجائیں گے۔ کیوں کہ مغالطے اسی لئے پیدا ہوتے ہیں کہ آدمی اپنی اغراض میں کشش پاتا ہے' مال و دولت' اور جاہ و عزت کی طرف میلان رکھتا ہے۔ ان چیزوں سے نیت میں فساد پیدا ہوتا ہے' جب تک وہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دے گا' اور اپنی خواہش کو رضائے خداوندی پر مقدم سمجھے گا اسی مغالطے کا شکار رہے گا۔

راہِ سلوک کس طرح طے کی جائے : آدمی اپنی عقل سے نفس اور خالقِ نفس کی معرفت حاصل کرتا ہے' اور اس معرفت سے دل پر اللہ کی محبت غالب آتی ہے تو ایک تیسری چیز کی ضرورت پڑتی ہے' اور وہ تیسری چیز ہے اس بات کا جاننا کہ راہِ سلوک کس طرح طے کی جائے' وہ کونسے اعمال ہیں جو آدمی کو اللہ سے قریب یا اس سے دور کرتے ہیں۔ نیز راہِ آخرت میں کون سی رکاوٹیں ہیں' کتنے دشوار گزار مراحل ہیں' اور ان رکاوٹوں کے ازالے کا طریقہ کیا ہے' نیز یہ دشوار گزار مراحل کس طرح عبور کئے جائیں گے۔ ان تمام سوالوں کے جواب ہم نے احیاء علوم الدّین میں دئے ہیں' عبادات کے ابواب میں ان کی شرائط دیکھے اور انھیں ادا کرے' آفات کا مطالعہ کرے اور ان سے اجتناب کرے' معاملات کے ابواب میں معاش کے مسائل دیکھے' جو چیزیں ضروری ہیں انھیں شرعی احکام کی روشنی میں حاصل کرے اور جو غیر ضروری ہیں ان سے شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق اعراض کرے۔ مہلکات کے ابواب میں ان تمام رکاوٹوں کا علم حاصل کرے جو اللہ کے راستے پر چلنے سے روک دیتی ہیں۔ اور وصول الی اللہ کے لئے مانع مذموم اخلاقی صفات ہیں' اس لئے ان مذموم اخلاق کو پہچانے اور ان کا علاج معلوم کرے' پھر منجیات کے ابواب سے صفات محمودہ کا علم سیکھے' اس لئے کہ جب کوئی مذموم صفت دل سے مٹائی جائے تو اس کی جگہ محمود صفت لانا ضروری ہے۔ جب یہ تمام باتیں جان لے گا تو یہ امید ہے کہ مغالطے کی جو اقسام ہم نے لکھی ہیں ان سے محفوظ رہ سکے گا۔ یہاں اصل یہی ہے کہ سالک کے دل پر اللہ کی محبت غالب ہو' اور دنیا کی ذرا رغبت نہ ہو' ارادے میں استحکام اور نیت میں صحت ہو' اور یہ صورت اسی وقت ہوسکتی ہے جب آدمی وہ باتیں جانے جو ہم نے لکھی ہیں۔

شیطان کا ایک اور فریب : معرفت و سلوک کے ان تمام مراحل کے بعد بھی ایک خوفناک مرحلہ موجود ہے۔ جب تم سیکھ لیتے ہو تو شیطان تمھیں یہ فریب دیتا ہے کہ جو علم تم نے حاصل کیا ہے اس کی اشاعت کرنا' اور جو اخلاق تم نے پائے ہیں انکی تلقین کرنا اور جو بات خدا نے تمھیں بتلائی ہے دوسروں تک اسے پہنچانا بھی ضروری ہے' شیطان جب کسی شخص کو دین میں مخلص سمجھتا ہے' اور یہ دیکھتا ہے کہ وہ اپنے نفس کی تہذیب' اور اخلاق کے تزکیہ سے فارغ ہوچکا ہے' اس نے قلب کی اس قدر کڑی نگرانی کی ہے کہ اب وہ تمام کدورتیں اور آلائشوں سے پاک ہوچکا ہے' اب وہ صراطِ مستقیم پر گامزن ہے' دنیا اس کی نظروں میں حقیر ہے' اس نے مخلوق سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا ہے' اب وہ ان کی طرف ملتفت نہیں ہوتا' اور اب اسے صرف ایک کام رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ

اللہ کے ذکر اور اس کی مناجات سے لذت حاصل کرے' اور دیدارِ خداوندی کے لئے اپنی آتش شوق بھڑکاتا رہے' جب شیطان کسی مخلص انسان کا یہ رُوتیہ دیکھتا ہے تو وہ اسے دنیا کی راہ سے گمراہ نہیں کرپاتا' مجبوراً دین کی راہ اختیار کرتا ہے' اور اسے مخلوقِ خدا پر رحم کرنے' انکی دین پر نظر رکھنے' انھیں نصیحت کرنے' اور انھیں اللہ کی طرف دعوت دینے کی تلقین کرتا ہے' اس وقت یہ بندہ مخلص اللہ کے بندوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتا ہے' وہ یہ دیکھتا کہ لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہیں' دنیا کے پیچھے پریشان پھرتے ہیں' دین سے بے بہرہ ہیں' دنیا کے امراض ان پر غالب ہیں' لیکن انھیں احساس نہیں ہے کوئی طبیب ایسا نظر نہیں آتا جو ان کا علاج کرسکے اور ان کے لئے نسخۂ شفاء تجویز کرسکیں' تمام لوگ ہلاکت کے قریب ہیں' اپنے بھائیوں کی حالت دیکھ کر وہ آزردہ ہوجاتا ہے' اس کے پاس دوائے معرفت ہے جس سے وہ انکے امراض کا علاج کرسکتا ہے' اس کے پاس نسخۂ شفاء ہے جس سے وہ انھیں تندرست کرسکتا ہے وہ انھیں بتلاسکتا ہے کہ راہِ ہدایت کدھر ہے' وہ انھیں گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر سعادت کے اُجالوں تک پہنچاسکتا ہے' نہ اس میں کوئی محنت ہے اور نہ مشقت' نہ اپنی جیب سے کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے' گویا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی سنگین مرض میں مبتلا تھا وہ مرض اتنا شدید تھا کہ نہ دن کو سکون تھا' اور نہ رات کو چین' نہ کھاتا تھا' نہ پیتا تھا اور نہ ہاتھ پاؤں ہلاسکتا تھا' درد کی شدت سے بلبلایا کرتا تھا' اچانک اسے اس مرض کی دوا مل گئی نہ دینے والے نے اس کی قیمت لی' اور نہ لینے والے کو مشقت اٹھانی پڑی۔ پھر وہ دوا تلخ بھی نہیں تھی کہ کھانے میں دشواری ہوتی' یہ ایک لذیذ دواء تھی' اس کے استعمال سے وہ چند ہی روز میں صحت یاب ہوگیا' دن کا سکون بھی واپس مل گیا اور رات کا چین بھی' ایک طویل عرصہ اِضطراب کے عالم میں گزارنے کے بعد زندگی خوشگوار ہوگئی' جیسے خزاں کے بعد درختوں پر برگ وبار آجائے' اور پھول کھلنے لگتے ہیں' پھر اس نے گردوپیش پر نظر ڈالی' بے شمار مسلمان اسی مرض میں مبتلا نظر آئے' انکی تکلیف کا بھی وہی عالم تھا' راتوں کو جاگتے تھے' دن بھر بے چین رہتے تھے' اور تکلیف کی شدّت سے اِسقدر چلاتے کہ آسمان سر پر اٹھالیتے تھے اس نے سوچا کہ جو دوا میں نے استعمال کی ہے وہی دوا ان کے مرض میں مفید ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نہایت آسانی کے ساتھ اور بڑی جلدی اس مرض سے نجات دلا سکتا ہوں اسے ان پریشان حال اور مجبور و بیکس مسلمانوں پر رحم آگیا اور وہ انکے علاج میں مشغول ہوگیا۔ یہ بندہ مخلص بھی اسی مریض کی طرح ہے۔ جب اس نے راہِ ہدایت پر چل کر اپنے قلبی امراض سے شفاپائی تو اس نے مخلوق پر نظر ڈالی' اور دیکھا کہ انکے دل بھی بیمار ہیں' اور مرض کی شدّت نے انھیں ہلاکت سے قریب تر کردیا ہے' اچانک اسے ان کی رہنمائی کا خیال آیا' اور اس نے انھیں نصیحت شروع کردی' پورے عزم اور مکمل حوصلے کے ساتھ وہ ان کے علاج پر کمربستہ ہوگیا' ادھر شیطان نے بھی اس امید پر پوری دل چسپی لی کہ شاید فتنہ انگیزی کا کوئی موقع ہاتھ آجائے' چنانچہ جب وہ مخلص طبیب اپنے مریضوں کو دوا کھلانے میں مصروف ہوا تو اسنے کان میں سرگوشی کی' اور اسے اتنے غیر محسوس طریقے پر اقتدار پر اُکسایا جیسے چیونٹی چل رہی ہو' مرید کو بھی یہ پتا نہ چل سکا کہ اس کا مُرشد اقتدار کے لئے اس کی رہنمائی کررہا ہے۔ دل کی سطح پر چیونٹی کے رینگنے کا عمل جاری رہا۔ دوسرا قدم شیطان نے یہ اٹھایا کہ اسے الفاظ کی تحسین' اُسلوب کی خوبصورتی' حرکات' عادات' لباس اور ہیئت کے ذریعے مخلوق کیساتھ تکلف اور تصنّع سے پیش آنے کی دعوت دی' چنانچہ لوگوں نے اس کے ساتھ اعزاز و اکرام کا وہ معاملہ کیا جو بادشاہوں کے ساتھ بھی روا نہیں رکھا جاتا' کیوں کہ انھوں نے دیکھا کہ اس نے انھیں محض شفقت اور محبت کی بنیاد پر سنگین امراض سے نجات دلائی ہے' اسے ہم سے لالچ نہیں تھا' کوئی طمع نہیں تھی۔ وہ ان کے نزدیک ماں' باپ' اور عزیز و قریب سے بھی زیادہ محبوب ہوگیا' اس کے ایک اشارے پر جان قربان کردینا ان کے لئے ایک کھیل بن گیا' مال کی تو حقیقت ہی کیا ہے؟ وہ اسکے مریض کیا بنے زر خرید غلام بن گئے' زر خرید غلام بھی اپنے آقا کی اس قدر خدمت نہیں کرتے جتنی وہ اپنے شیخ کی کرتے ہیں' اسے محفلوں میں آگے بڑھاتے ہیں' اسکے احکام کو شاہی احکام پر ترجیح دیتے ہیں' جب اس نے فدائیت' اور جاں نثاری کے یہ مناظر دیکھے تو دل بے حد مسرور ہوا' اس دن اسے ایک ایسی لذت ملی جس کا بدل نہیں' دنیا کی تمام لذتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں' اس نے دنیا ترک کی تھی اسے کیا معلوم کہ میرے تمام مجاہدے

ضائع جائیں گے' اور میں دنیا کی سب سے بڑی شہوت میں مبتلا ہو جاؤں گا۔

شیطان کا فریب مسلسل : شیطان اسی پر قناعت نہیں کرتا' بلکہ مسلسل پیچھے لگا رہتا ہے' اور جب بھی موقع ملتا ہے اسے گمراہ کرتا ہے' کوشش کرتا ہے کہ اسکے لئے اس ناقابل بیان لذّت کے مواقع فراہم کرتا رہے شیطان کی طرف نفس کے میلان کی علامت یہ ہے کہ جب شیخ سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے' اور کوئی مرید اس پر اعتراض کردیتا ہے تو وہ اپنی خفگی کا اظہار کرتا ہے' لیکن دل میں یہ سوچتا ہے کہ بلاوجہ مرید پر خفا ہوا' غلطی میری ہی تھی' اچانک شیطان آتا ہے' اور اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کی تیری ناراضگی حق بجانب تھی' اگر تو ناراض نہ ہوتا تو یہ مرید تجھ پر جری ہو جاتے' تیرا اعتقاد نہ رکھتے' اور راہ ہدایت سے بھٹک جاتے' یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو جاتا ہے' اگر کبھی ایسا ہو تو یقین کرلو کہ شیطان تمہارے پہلو میں موجود ہے اور تمہیں فریب دے رہا ہے' بعض اوقات وہ تمہیں تمہارے رویّے پر مطمئن ہی نہیں کرتا بلکہ غیبت پر بھی مجبور کردیتا ہے اور تم معترض پر اس کی عدم موجودگی میں نکتہ چینی کرنے لگتے ہو' کبر میں مبتلا ہو جاتے ہو' یعنی امرِ حق سے اعراض کرنے لگتے ہو' حالانکہ پہلے خطرات سے بھی بچا کرتے تھے۔

اسی طرح اگر شیخ کبھی ہنس پڑتا ہے' یا کسی معمولی کی ادائیگی میں تساہل کرتا ہے تو یہ سوچ کر بے چین ہو جاتا ہے کہ کہیں مریدین میری ہنسی' یا غفلت سے واقف نہ ہو جائیں' اور میری تعظیم میں کمی کردیں' یہ خیال آتے ہی توبہ و استغفار کرتا ہے' مریدین کو دکھلانے کے لئے ٹھنڈی آہیں بھرتا ہے' کبھی اعمال و وظائف میں اضافہ کردیتا ہے' اس موقع پر شیطان یہ سبق سکھلاتا ہے کہ تونے یہ حرکتیں اس لئے کی ہیں تاکہ تیرے مریدین اللہ کے راستے پر اسی طرح ثابت قدم رہیں' تیری ذرا سی لغزش انھیں راہ حق سے منحرف کردے گی۔ حالانکہ یہ ایک فریب ہے' دھوکہ ہے' اس نے مریدین کی استقامت کے لئے نہیں بلکہ اپنے اقتدار کے دوام کی خاطر ایسا کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر اس کے ہم مرتبہ کسی شخص کی لغزش یا قصور پر اس کے مریدین مطلع ہو جائیں تو اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی' بلکہ اسے اچھا سمجھتا ہے' اور خوش ہوتا ہے' اس کے برعکس اگر کسی دوسرے شیخ کی طرف لوگوں کا رجحان زیادہ ہو' اور وہ اسکے کلام سے زیادہ متأثر ہوتے ہوں تو یہ بات اس کے لئے شدید اذیت کا باعث ہوتی ہے' اس کی مثال ایسی ہے جیسے اس کے چند دوست کسی کنوئیں میں قید ہوں' اور اس کے منہ پر ایک بھاری سِل رکھی ہوئی ہو' یہ شخص وہاں پہنچتا ہے' اور انھیں آزاد کرانا چاہتا ہے' لیکن اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ تنہا یہ بارِ گراں ہٹا سکے' اتنے میں ایک دوسرا شخص آتا ہے اور وہ اس کے ساتھ لگ کر' یا تن تنہا یہ بھاری سِل ہٹا دیتا ہے' ظاہر ہے اسے اپنے دوستوں کی رہائی سے خوش ہونا چاہئے اور اسکا شکر گزار ہونا چاہئے جسنے پتھر ہٹایا' اس کے برعکس وہ سخت اذیت محسوس کرتا ہے' اس شیخ کا مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمان دوزخ کے عذاب سے بچیں' کیوں کہ وہ انھیں دوزخ سے نجات دلانے میں ناکام ہے اسلئے اگر کوئی اور شخص آکر اس مقصد میں اس کی اعانت کردے۔ تو اسے خوش ہونا کہ دونوں کا مقصد ایک ہے' پھر اس کی اعانت بُرا کیوں مناتا ہے' بالفرض اگر وہ لوگ از خود ہدایت پر آجاتے تب کیا برائی تھی' اب وہ دوسرے کی اعانت سے سُدھرے ہیں تو اس میں کیا قباحت ہے؟

اس کے بعد شیطان اپنے ترکش سے نئے نئے تیر نکالتا ہے' اسے بڑے بڑے گناہوں کی طرف بُلاتا ہے' اور ظاہری اعضاء سے بھی فحش غلطیاں کراکے اسے ہلاک کرتا ہے' اللہ محفوظ رکھے' سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ آدمی راہ پر آکر گمراہ ہو جائے۔ ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

رہنمائی کی شرائط : یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدمی دوسروں کی رہنمائی کب کرسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ صرف لوگوں کی ہدایت چاہتا ہو اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہ ہو' ظاہر ہے اس صورت میں وہ یہ بھی چاہے گا کہ کوئی دوسرا یہ ذمہ داری قبول کرلے' اور میں اپنے قلب کی نگرانی میں مشغول رہوں' یا کوئی دوسرا میرا معین و مددگار ہو جائے' تاکہ میری ذمہ

داری آسان ہو جائے' یا لوگ خود بخود ہدایت پر آجائیں تاکہ میں اس دردِ سری سے بچ جاؤں۔ ایک شرط یہ ہے کہ رہنمائی کی پوری مدّت میں لوگوں کی تعریف سے بے نیاز رہے' بلکہ ان کی مدح و ذم کو یکساں تصور کرے' اور یہ عقیدہ رکھے کہ کوئی شخص اللہ کے نزدیک اچھا ہے تو مخلوق کی مذمت سے اس کا کچھ نہ بگڑے گا' اور اللہ کے نزدیک برا ہے تو مخلوق کی تعریف سے اس کے درجات بلند ہوں گے' تمام لوگوں کیساتھ متواضعانہ رویّہ رکھے' کسی پر تکبّر نہ کرے' اور سب کو خود سے افضل و اعلیٰ سمجھے' اسلئے کہ خاتمے کا حال کوئی نہیں جانتا' اور اعتبار خاتمے کا ہی ہے۔ لوگوں کو یا تو اس طرح دیکھے جس طرح سادات کو دیکھتے ہیں' یا انھیں بہائم تصوّر کرے' بہائم کی طرح دیکھنے سے مراد یہ نہیں کہ انھیں حقیر جانے' بلکہ جس طرح جانوروں سے یہ خواہش نہیں ہوتی کہ ان کے دل میں ہماری جگہ ہو' یا وہ ہمیں دیکھیں' اسی طرح لوگوں کے دل میں بھی جگہ بنانے کی خواہش نہ ہونی چاہیئے' نیز جس طرح جانوروں کے سامنے زیب و زینت کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح انسانوں کے سامنے بھی تکلّف اور تصنّع کی ضرورت نہ ہونی چاہیئے۔ چرواہا چوپائے چَراتا ہے' لیکن وہ ان کی چوروں اور درندوں سے حفاظت کرتا ہے' ان سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ اسے دیکھیں اور اس کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کریں۔ جب تک شیخ طریقت لوگوں کو بہائم تصوّر نہیں کرے گا اس وقت تک مکمل بے نیازی اور استغناء کے ساتھ ان کی اصلاح کے عمل میں مشغول نہ ہو سکے گا' بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی اصلاح ہو جائے اور خود گمراہ ہو جائے جیسے شمع دوسروں کو روشنی دیتی ہے اور خود جلتی ہے پگھلتی ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اگر وعظ و نصیحت کی شرائط اس قدر سخت کر دی جائیں تو دنیا میں کوئی وعظ کہنے والا' اور نصیحت کرنے والا نہ رہے۔ ہم جواب دیں گے کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ (بیہقی۔ حسن مرسلاً)

دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔

اگر لوگ دنیا کے محبت نہ کریں تو عالم تباہ ہو جائے' نظامِ زندگی متأثر ہو' دل اور جسم سب ہلاک ہو جائے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس حقیقت سے واقف تھے کہ دنیا کی محبت مہلک ہے' اگر اس کی ہلاکت خیزیاں بیان بھی کر دی جائیں تب بھی بہت سے لوگ جو اس کے عشق میں گرفتار ہیں اپنی حرکتوں سے باز نہ آئینگے' لیکن چند لوگ اس سے اپنا تعلق منقطع کرلیں گے' اور ان چند لوگوں سے دُنیا تباہ و برباد نہیں ہوگی' اس لئے آپ نے خیر خواہی کا حق ادا فرمایا' دنیا کے خطرات سے آگاہی بخشی' اور ساتھ ہی یہ بھی بیان فرمادیا کہ بے شمار لوگ ان خطرات کا شکار ہوا کریں گے' کیوں کہ اللہ تعالیٰ یہ قول بہرحال سچ ہو گا:۔

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ

(پ ۲۱ ر ۱۵ آیت ۱۳)

اور لیکن میری یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ میں جہنم کو جنات اور انسان دونوں سے ضرور بھردوں گا۔

جب یہ صورت ہے تو واعظوں کی زبانیں حبِ جاہ اور خواہش اقتدار کے باعث کبھی بند نہ ہوں گی' اگر کوئی ان سے کہے گا کہ جاہ و مال کے لئے وعظ کہنا یا نصیحت کرنا حرام ہے تو وہ اسکے کہنے پر وعظ و نصیحت ترک نہیں کریں گے' یہ ایسا ہی ہے جیسے لوگ شراب خوری' زنا' چوری' ریاء' ظلم اور دوسرے گناہوں سے باز نہیں آتے' حالانکہ اللہ اور اسکے رسول نے انھیں حرام کہا ہے۔ آدمی کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کا خیال کرے' اور لوگوں کی باتوں پر دھیان نہ دے' نظام قدرت عجیب ہے۔ وہ ایک شخص ہے۔۔ وہ ایک شخص کو بگاڑ کر بہت سوں کو سدھارتا ہے' اور بہت سوں کو بگاڑ کر ایک کی اصلاح کرتا ہے۔ ارشاد باری ہے:۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ (پ ۱۷ ر ۱۳ آیت ۴۰)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعے سے دفع کرتے رہتے تو زمین فساد سے پُر ہو جاتی۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو ایسے لوگوں سے نصرت دے گا جنھیں دین ذرا بھی تعلق نہ ہوگا۔ ہمیں اگر خوف ہے تو اس بات کا کہ وعظ و نصیحت سننے اور قبول کرنے والے نہیں رہیں گے' اس کا خوف نہیں کہ وعظ و نصیحت کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔

اگر کوئی سالک شیطان کے فریب سے آگاہ ہو جائے' اور وعظ و ارشاد سے کنارہ کش ہو کر دل کی اصلاح میں لگ جائے' یا وعظ کہے' لیکن صدق و اخلاص سمیت تمام شرائط کا لحاظ رکھے تب بھی اسے کسی قسم کا خطرہ درپیش ہے؟ کیا اب بھی وہ شیطان کے کسی فریب کا شکار ہو سکتا ہے؟ جاننا چاہیے کہ شیطان آخر دم تک پیچھا نہیں چھوڑتا' جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ میرے ترکش کا ہر تیر بیکار ہو گیا ہے تب وہ اسے گمراہ کرنے کی ایک اور تدبیر کرتا ہے' اس سے کہتا ہے کہ میں نے بڑے بڑے بزرگوں' اور نامور عالموں کو گمراہ کیا ہے' لیکن تو نے مجھے عاجز کر دیا تو ذہین اور عقلمند ہے' ہر خطرے کا ادراک وقت سے پہلے کر لیتا ہے' سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تو انتہائی صابر بھی ہے' کسی مصیبت پر پریشان نہیں ہوتا' اللہ تعالیٰ کے یہاں تو کس قدر عظیمُ المرتبت ہے' اور تیرا مقام کتنا بلند ہے کہ اس نے تجھے مجھ پر قابو پانے کی قوت بخشی' اور اتنا زبردست فہم عطا کیا جس سے تو میرے فریب اور مغالطے کا ادراک کر سکے۔ یہ بیچارہ صوفی بڑی توجہ اور شوق سے شیطان کی یہ گفتگو سنتا ہے' اور خوش ہوتا ہے' بلکہ شیطان کے فریب سے محفوظ رہنے پر اسقدر اِتراتا ہے کہ اس سے بڑے فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے' جو انتہائی مہلک اور تباہ کن ہے۔ اس لئے کہ عُجب ہر گناہ سے بدتر گناہ ہے' شیطان اسی لئے کہا کرتا ہے کہ اے ابن آدم! اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ اپنے علم کے باعث مجھ سے نجات پائیگا' تو یہ تیری خام خیالی ہے' تو اپنے جہل کے باعث میرے دامِ فریب میں پھنس جائیگا۔

اب اگر کوئی شخص عُجب بھی نہ کرے' اور شیطان کے اس فریب سے بھی خود کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو جائے تب بھی ایک خطرہ اس کا منتظر ہے' وہ اپنی کامیابی پر مغرور ہو سکتا ہے کیوں کہ اس نے شیطان جیسے دشمن کا مقابلہ کیا اور ایک ایسے حریف کو شکست دی جو جلدی شکست نہیں کھاتا اور جس سے اچھے اچھے طاقت ور ہزیمت اٹھاتے ہیں' ظاہر ہے اسے یہ کامیابی تنہا اس کے عمل سے نہیں ملی' اللہ کی خاص توفیق اور مدد اس کے شاملِ حال تھی ہو سکتا ہے وہ اپنی اس کامیابی پر نازاں ہو' اور اس توفیقِ ایزدی پر تکیہ کر بیٹھے جس کی بدولت اس نے خود کو شیطان کے فریب سے محفوظ رکھا ہے' اس کے عذاب سے بے خوف نہ ہو جائے اور یہ گمان نہ کرنے لگے میں مستقبل میں بھی ایسا ہی رہوں گا جیسا اب ہوں' صرف اللہ کے فضل پر بھروسا کرے' اس میں خوفِ عذاب شامل نہ کرے۔ حالانکہ جو شخص اللہ کے عذاب سے بے خوف رہتا ہے وہ نقصان اٹھاتا ہے۔ سالک کو چاہیئے کہ وہ ان تمام کامیابیوں کو اللہ کا فضل و کرم تصوّر کرے' اور اپنے نفس پر مسلسل نظر رکھے' اور اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں حُبِّ دنیا' ریا اور بد خلقی جیسی کوئی مذموم صفت دل میں باقی نہ رہ گئی ہو' اور میں اس سے غافل ہوں نیز اس بات سے بھی ڈرتا رہے کہ کہیں یہ حال جو اب میسّر ہے سلب نہ ہو جائے' خدا کے عذاب' اور خاتمے کے اندیشے سے کسی وقت بھی غافل نہ رہے۔ اس اندیشے سے اس وقت تک نجات نہیں ملتی جب تک آدمی پل صراط عبور نہ کر لے۔ روایت ہے کہ شیطان نزع کے وقت ایک بزرگ کے پاس پہنچا' اور کہنے لگا کہ تم مجھ سے بچ کر نکل گئے ہو' انھوں نے کہا ابھی تک تو نہیں نکلا' یعنی خاتمہ بخیر ہو جائے تب یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ میں تجھ سے محفوظ رہ گیا ہوں۔ کسی بزرگ کا مقولہ ہے کہ سب لوگ تباہ ہونے والے ہیں سوائے عالم کے' اور عالم بھی ہلاکت کے قریب ہیں سوائے عامل کے' عامل بھی برباد ہونے والے ہیں سوائے مخلص کے' اور مخلص بھی خطرات میں گھرے ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مغرور تو تباہ ہیں ہی مخلص بھی تباہی کے خوف سے بچے ہوئے نہیں ہیں' اسی لئے اولیاء اللہ کے خوف اور احتیاط کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے اعتبار خاتمے کا ہے' ہم اللہ سے حسن کی دعا مانگتے ہیں۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

نُسخۂ شفاء

حضرت امام حجتہ الاسلام محمد بن الغزالی قدس سرۂ العزیز کے ایک شاگرد برسوں آپ کی خدمت میں رہ کر فارغ التحصیل ہو چکے تو ان کو ایک دن یہ فکر پیدا ہوئی کہ میں نے ایک عمر تحصیل علم میں صرف کردی لیکن میں نے یہ جانا کہ کونسا علم نافع ہے جو قبر اور میدان حشر میں میرے لئے مفید اور دستگیر ہو سکتا ہے اور کونسا علم غیر مفید ہے جس سے مجھ کو احتراز کرنا چاہیئے کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

نعوذ باللہ من علم لا ینفع

ہم خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں علم غیر نافع سے

ایک مدّت تک وہ اسی خلجان میں رہے۔ بالآخر انھوں نے اپنے استاد حضرت امام ممدوح سے اس کے متعلق استفسار کیا اور چند مسائل اور بھی پوچھے اور یہ بھی لکھا کہ اگرچہ آپ کی تصنیفات مثل احیاء العلوم و کیمیائے سعادت و جواہر القرآن و معیار و میزان العمل و قسطاس المستقیم و معارج القدس و منہاج العابدین وغیرہ سے میرے سوال کا جواب مل سکتا ہے لیکن میں خاص طور سے ایک مختصر سا جواب چاہتا ہوں جس کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر عمل کرتا رہوں۔

امام صاحب نے ان کے جواب میں لکھا کہ بیٹا خدا تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے اور تم کو اپنے احباب کے راستہ پر چلنے کی توفیق دے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوّلین و آخرین کے لئے نصیحتوں کا ایک دفتر موجود ہے جو آپ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ہے۔ اگر تم کو اس میں سے کچھ نفع پہنچا ہے تو میری نصیحت کی تمہیں کیا ضرورت ہے' اور اگر نہیں پہنچا تو بتلاؤ کہ تم اتنی طویل مدّت میں کیا حاصل کیا۔ بیٹا ان تمام نصائح میں سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عالم کو فرمائی ہیں صرف یہ فرما دینا کہ۔

عَلَامَةُ إِعْرَاضِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَنِ الْعَبْدِ اشْتِغَالُهُ بِمَا لَا يَعْنِيهِ وَإِنِ امْرَءٌ ذَهَبَتْ سَاعَةٌ مِنْ عُمُرِهِ فِي غَيْرِ مَا خُلِقَ لَهُ لَحَرِيٌّ أَنْ يَطُولَ عَلَيْهِ حَسْرَةٌ وَمَنْ جَاوَزَ الْأَرْبَعِينَ وَلَمْ يَغْلِبْ خَيْرُهُ شَرَّهُ فَلْيَتَجَهَّزْ إِلَى النَّارِ

بندہ کا غیر مفید کاموں میں مشغول ہونا خاص علامت ہے اس کی کہ خدا تعالیٰ نے اس کی طرف سے اپنی نظر عنایت پھیر لی ہے۔ اور جس کام کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اگر اس کے سوا کسی اور کام میں اس کی ایک گھڑی بھی صرف ہو گئی تو بڑے حسرت کا مقام ہے اور جس شخص کا حال چالیس برس کی عمر کے بعد بھی یہ رہا کہ اس کی برائیوں پر بھلائیاں غالب نہ ہوئیں تو اسکو دوزخ میں جانے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

نہ صرف تمہارے لئے بلکہ تمام عالم کے لئے نہایت کافی وشافی نصیحت ہے۔

سنو بیٹا! نصیحت کرنا آسان ہے مگر قبول کرکے اس پر عمل کرنا دشوار ہے۔ جب ہوا و ہوس غالب ہوتی ہے تو نصیحت نہایت تلخ معلوم ہوا کرتی ہے' خاص کر ان کو جو دنیاوی علوم و فنون حاصل کرنے میں مشغول رہتے ہیں' وہ یہ سمجھتے ہیں کہ فقط علم حاصل کر لینا ہی نجات کے لئے کافی ہے' عمل کی کچھ ضرورت نہیں' حالانکہ یہ بہت بُرا اعتقاد اور فلاسفہ کا مذہب ہے سبحان اللہ اتنا تو تم جانتے ہو کہ جو شخص علم حاصل کرکے اس پر عمل نہ کرے اس پر خدا تعالیٰ کی حجت قائم ہو جاتی ہے تو کیا یہ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهِ

قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہو گا جس کو اس کی علم سے کچھ نفع نہ پہنچا ہو گا۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرۂ کے انتقال کے بعد کسی نے ان سے خواب میں پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے فرمایا:۔

طَاحَتِ الْعِبَارَاتُ وَفَنِيَتِ الْاَشَارَاتُ وَمَانَفَعَنَا اِلَّا رُكَيْعَاتٍ رَكَعْنَا هَافِي جَوْفِ اللَّيْلِ

عبارات و اشارات سب بیکار ہو گئے صرف ان چند رکعتوں نے البتہ فائدہ دیا جو تہجد کے وقت پڑھ لیا کرتا تھا۔

تو بیٹا! اعمال صالحہ اور احوال فاضلہ سے تہی دست نہ رہنا چاہیئے اور خوب یقین کر لینا چاہیئے کہ فقط علم بدوں عمل کے ہرگز دستگیری نہیں کر سکتا۔ دیکھو کسی مسلح جنگ آزمودہ سپاہی کے سامنے میدان میں اگر شیر آجائے تو بدوں ہتھیار سے کام لئے وہ شیر سے بچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یا کوئی شخص صفراوی بخار میں مبتلا ہے اور جانتا ہے کہ سکنجبین اور آش جو اس کو مفید ہو گا تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ بدوں استعمال کیے اس کو نفع ہو جائے گا' ہرگز نہیں۔ اسی طرح علم کتنا ہی وسیع و کثیر ہو جب تک تم اس پر عمل نہ کرو گے مفید نہیں ہو سکتا۔

گر مے دو ہزار رطل ازو پیمائی
تا مے نخوری نبا شدت شیدائی

بہت سا پڑھ لینا اور بڑی بڑی کتابوں کا جمع کر لینا اور اس پر عمل نہ کرنا فائدہ نہیں دے سکتا' جب تک کہ تم اپنے آپ کو اعمالِ صالحہ سے رحمتِ خداوندی کا مستحق نہ بنالو گے وہ تمہاری طرف متوجہ نہ ہو گی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى

انسان کو بدوں سعی کے کچھ نہیں مل سکتا۔

دوسری جگہ فرماتا ہے:۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔ جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خَالِدِيْنَ فِيْهَا

جس کو خدا تعالیٰ سے ملنے کی امید ہے اس کو چاہیئے کہ عمل صالحہ کرے۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو تم کرتے ہو۔ جو لوگ ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے ان کے لئے جنّات الفردوس ہیں' ہمیشہ ان میں رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسَةٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَحَجِّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے' اول اس بات کی گواہی دینا کہ سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اس کے بندہ اور رسول ہیں' دوسرے نماز پڑھنا تیسرے زکوٰۃ دینا' چوتھے رمضان کے روزے رکھنا' پانچویں بشرطِ استطاعت حج کرنا۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

اَلْاِيْمَانُ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْجَنَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْكَانِ۔

ایمان زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا اور اعضاء سے عمل کرنا ہے۔

بالجملہ اعمال کی ضرورت بے شمار دلائل سے ثابت ہے۔ تم میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھ لینا کہ نجات صرف عمل پر ہی منحصر ہے' خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت کی کچھ حاجت نہیں' العیاذ باللہ۔ میری غرض یہ ہے کہ بے شک بندہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی نجات پاتا ہے' مگر وہ جب تک اپنے آپ کو مستحق نہیں بنالیتا رحمتِ الٰہی اسکی طرف متوجہ نہیں ہوتی' اور یہ بات میں اپنی طرف

نہیں کہتا بلکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے:۔

اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکو کاروں سے قریب ہے۔

اور جب رحمتِ الٰہی بندہ تک نہ پہنچی تو بہشت میں اس کا داخل ہونا ناممکن۔

کوئی کہتا ہے کہ مجرّد ایمان بہشت میں داخل ہونے کے لئے کافی ہے۔ میں بھی کہتا ہوں کہ بے شک کافی ہے' لیکن اس کو بہشت میں پہنچنے سے پہلے ہزاروں دشوار گزار گھاٹیوں کو طے کرنا پڑے گا اور جب وہ بہشت میں پہنچے گا تو مفلس ہو گا۔

تم یقین جان لو کہ جب تک کام نہ کرو گے' مزدوری نہیں مل سکتی بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت بڑا عابد و مخلص تھا حق تعالیٰ نے اس کے اخلاص کو فرشتوں پر ظاہر فرمانا چاہا تو ایک فرشتہ کو اس کے پاس بھیج کر یہ کہلا دیا کہ میاں تم فضول محنت و زحمت اٹھاتے ہو' تمہارے لئے تو دوزخ مقرر ہو چکی ہے' عابد نے یہ سن کر جواب دیا کہ میں تو فرض بندگی ادا کرتا ہوں اور کئے جاؤں گا اب وہ جانیں اور ان کی آقائی اور خداوندی۔ فرشتہ نے درگاہ ربّ العزت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ جو جواب اس نے دیا ہے اس سے حضور خود آگاہ ہیں۔ ارشاد ہوا کہ وہ کم حوصلہ ہو کر بھی ہم سے نہیں پھرتا تو ہم کریم ہو کر اس سے کیسے پھر سکتے ہیں۔ تم گواہ رہو کہ میں نے اس کو بخش دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَزِنُوْا قَبْلَ اَنْ تُوْزَنُوْا

تم محاسبۂ قیامت سے پہلے دنیا ہی میں اپنا محاسبہ کر لو' اور وزنِ اعمال سے پہلے ہی اپنے اعمال جانچ لو۔

امیر المومنین حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں:۔

مَنْ ظَنَّ اَنَّهٗ بِدُوْنِ الْجُهْدِ يَصِلُ اِلَى الْجَنَّةِ فَهُوَ مُتَمَنٍّ وَمَنْ ظَنَّ اَنَّهٗ بِبَذْلِ الْجُهْدِ يَصِلُ فَهُوَ مُتَعَنٍّ

جس نے یہ گمان کیا کہ وہ بدوں کوشش کے جنت میں پہنچ جائے گا وہ ہوس کار ہے اور جس نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ محض سعی و کوشش ہی سے جنت میں پہنچ جائے گا وہ مشقت و تعصب میں پڑا ہوا ہے۔

حضرت حسن بصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

طَلَبُ الْجَنَّةِ بِلَا عَمَلٍ ذَنْبٌ مِّنَ الذُّنُوْبِ

بلا عمل جنت کی آرزو کرنا ایک طرح کا گناہ ہے۔

ایک بزرگ نے کیا اچھا فرمایا ہے:۔

اَلْحَقِيْقَةُ تَرْكُ مُلَاحَظَةِ الْعَمَلِ لَا تَرْكُ الْعَمَلِ

علمِ حقیقت یہ ہے کہ عمل کرے مگر اس پر فریفتہ نہ ہو یہ نہیں کہ سرے سے عمل ہی چھوڑ بیٹھے۔

ان سب سے اچھا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ

بڑا سمجھ دار وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مطیع و منقاد بنا لیا اور سخت احمق وہ ہے جو خود اپنے نفس و خواہش کا مطیع و منقاد بن گیا اور پھر خدا تعالیٰ سے بڑے بڑے انعام کی تمنا رکھنے لگا۔

اگر تم نے تحصیل علم میں اس لئے محنتِ شاقہ اٹھائی تھی کہ دُنیاوی عزت و دولت حاصل ہو جائے تو تم پر افسوس اور پھر افسوس

اور اگر تہذیبِ اخلاق اور احیائے شریعتِ محمدی کے لئے برداشت کی تھی تو تم پر آفریں اور ہزار آفریں ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے:-

سَهَرَا الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وَجْهِكَ ضَائِعٌ وَبُكَاءُ هُنَّ بِغَيْرِ فَقْدِكَ بَاطِلٌ

آپ کا چہرہ مبارک چھوڑ کر دوسروں کے نظارہ کے لئے جاگنا فضول ہے اور آپ کے سوا دوسروں کے فراق میں رونا رائیگاں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

عِشْ مَاشِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَحْبِبْ مَاشِئْتَ فَإِنَّكَ مُفَارِقُهٗ وَاعْمَلْ مَاشِئْتَ فَإِنَّكَ تُجْزٰى بِهٖ

جب تک جی چاہے دنیا میں رہ لے آخر ایک دن تجھے مرنا ضروری ہے اور جس سے چاہے محبت کر لے آخر اس سے جدائی لازمی ہے' اور جو جی چاہے عمل کر لے بدلہ اس کا ضرور مل کر رہے گا۔

تم کو علم کلام مناظرہ' دواوین' اشعار' نجوم' نحو' صرف وغیرہ وغیرہ کی تحصیل سے' بجز تضییع عمر کے کیا فائدہ؟ بیٹا میں نے انجیل میں پڑھا ہے کہ مُردہ کو جنازہ پر رکھنے سے تا لب گور لے جانے تک حق تعالیٰ آپ ہی آپ اس سے چالیس سوال کرتا ہے جن میں پہلا سوال یہ ہے:-

عَبْدِيْ قَدْ طَهَّرْتَ مَنْظَرَ الْخَلْقِ سِنِيْنَ فَهَلْ طَهَّرْتَ مَنْظَرِيْ سَاعَةً

تو لوگوں کے دکھانے کو برسوں نہایت صاف ستھرا بنا رہا' کبھی میرے لئے بھی صاف ستھرا بنا تھا۔

اور وہ ہر روز تمہارے دل میں یہ کہتا ہے۔

مَا تَصْنَعُ بِغَيْرِيْ وَاَنْتَ بِخَيْرِيْ

تجھے غیر سے کیا واسطہ یہ کہ تو سر تا پا میرے احسانوں میں ڈوبا ہوا ہے۔

لیکن تم بہرے ہو اس لئے اس آواز کو نہیں سنتے۔ سنو بیٹا! علم بے عمل دیوانگی ہے اور عمل بے علم بے گانگی ہے' جو علم آج تم کو گناہوں سے نہیں روکتا اور عبادت کی طرف متوجہ نہیں کرتا یاد رکھو کہ وہ کل قیامت کے دن آتش دوزخ سے بھی تم کو نہیں بچا سکتا اگر تم آج عمل کر کے عمر گذشتہ کی تلافی نہ کرو گے تو کل قیامت کے دن چلاؤ گے اور کہو گے۔

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا

آپ ہم کو پھر دنیا میں لوٹا دیجئے تاکہ عمل صالح کریں۔

جواب ملے گا احمق تو تو وہیں سے آرہا ہے' اب تک کیا کیا تھا جو آئندہ کرے گا' دیکھو ایک دن مرنا اور قبرستان میں جانا ضروری ہے۔ مُردے تمہارے ہر لحظہ منتظر ہیں' خبردار خالی ہاتھ نہ جانا۔ حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں:-

هٰذِهِ الْاَجْسَادُ قَفَصُ الطُّيُوْرِ اَوْ اِصْطَبْلُ الدَّوَابِ

یہ بدن یا تو ہلکے پھلکے پرندوں کے پنجرے ہیں یا چارپایوں کے اصطبل۔

تو غور کرو کہ تم کن میں ہو اگر تم مرغ آشیاں ہو تو ارجعی کی آواز سنتے ہی اڑ کر بلند مقام پر بیٹھ جاؤ گے۔

اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ ابْنِ مَعَاذ

سعد بن معاذ کی موت سے عرش خداوندی جھومنے لگا۔

اور اگر تم چارپایوں میں ہو والعیاذ باللہ تو یقین کر لو کہ تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ

وہ چارپائے ہیں مگر ان سے بھی زیادہ گمراہ۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کو سردپانی دیا گیا پیالہ ہاتھ میں لیتے ہی آہ منہ سے نکلی اور بے ہوش ہو گئے جب افاقہ ہوا تو لوگوں نے پوچھا حضرت آپ کا کیا حال ہو گیا۔ فرمانے لگے۔

ذَكَرْتُ اُمْنِيَةَ اَهْلِ النَّارِ حِيْنَ يَقُوْلُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ

مجھے دوزخیوں کی آرزو یاد آگئی جب کہ وہ بہشتیوں سے کہیں گے ہمیں ذرا سا پانی پلادو۔

بیٹا! اگر تم کو فقط علم کافی ہوتا اور عمل کی حاجت نہ ہوتی تو خدا تعالیٰ کا ہر شب پچھلے پہر پکارنا بیکار ہو جاتا۔

هَلْ مِنْ سَائِلٍ هَلْ مِنْ تَائِبٍ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ

کوئی ہے مانگنے والا' کوئی ہے توبہ کرنے والا' کوئی ہے معافی چاہنے والا۔

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حضرت عبداللہ بن عمر کا ذکر خیر آیا تو آپ نے فرمایا :-

نِعْمَ الرَّجُلُ هُوَ لَوْ يُصَلِّيْ فِي اللَّيْلِ

وہ بہت اچھا آدمی ہے کاش وہ تہجد کی نماز پڑھتا۔

حضور والا نے ایک صحابی سے فرمایا:-

لَا تُكْثِرِ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَاِنَّ كَثْرَةَ النَّوْمِ بِاللَّيْلِ تَدَعُ صَاحِبَهُ فَقِيْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

رات کو زیادہ مت سویا کرو کیوں کہ رات کے وقت زیادہ سونے والا قیامت کے دن تہی دست ہو گا۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ یہ امر ہے وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ یہ شکر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

ثَلٰثَةُ اَصْوَاتٍ يُحِبُّهَا اللّٰهُ تَعَالٰى۔ صَوْتُ الدِّيْكِ وَصَوْتُ الَّذِيْ يَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ وَصَوْتُ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ

خدا تعالیٰ کو تین آوازیں پسند ہیں ایک مرغ سحری' دوسری قرآن پڑھنے والے کی' تیسری پچھلے پہر معافی مانگنے والے کی۔

حضرت سفیان ثوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں:-

اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى رِيْحًا تَهُبُّ وَقْتَ الْاَسْحَارِ تَحْمِلُ الْاَذْكَارَ وَالْاِسْتِغْفَارَ اِلَى الْمَلِكِ الْجَبَّارِ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ہوا اس کام پر مامور ہے کہ وہ پچھلے پہر ذکر و استغفار کی آواز خدا تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔

وہ یہ بھی فرماتے ہیں:-

اِذَا كَانَ اَوَّلُ اللَّيْلِ نَادٰى مُنَادٍ تَحْتَ الْعَرْشِ اِلَا لِيَقُمِ الْعَابِدُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُنَادِيْ مُنَادٍ فِيْ شَطْرِ اللَّيْلِ اَلَا لِيَقُمِ الْقَانِتُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ اِلَى السَّحَرِ فَاِذَا كَانَ السَّحَرُ يُنَادِيْ مُنَادٍ اَلَا لِيَقُمِ الْمُسْتَغْفِرُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ وَيَسْتَغْفِرُوْحه فَاِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ نَادٰى مُنَادٍ اَلَا لِيَقُمِ الْغَافِلُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ مِنْ مَفْرُشِهِمْ كَالْمَوْتٰى نُشِرُوْا مِنْ قُبُوْرِهِمْ۔

شروع شب میں ایک منادی عرش کے نیچے سے پکارتا ہے کہ عبادت کرنے والوں کو اٹھ جانا چاہیے تو وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جب تک خدا تعالیٰ چاہتا ہے نماز پڑھتے رہتے ہیں پھر نصف شب میں ایک منادی پکارتا

ہے کہ باادب فرماں برداروں کو اٹھ جانا چاہیئے تو وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور آخر شب ایک منادی پکارتا ہے کہ معافی مانگنے والوں کو اٹھ جانا چاہیئے تو وہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور معافی مانگتے رہتے ہیں جب صبح صادق ہو جاتی ہے تو ایک منادی پکارتا ہے کہ غافلوں کو اٹھ جانا چاہیئے تو وہ بستروں سے اس طرح اٹھتے ہیں جیسے مردے قبروں سے۔

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو یوں نصیحت فرماتے ہیں :۔

يَابُنَيَّ لَا تَكُوْنَنَّ الدِّيْكُ اَكْيَسَ مِنْكَ يُنَادِيْ بِالْاَسْحَارِ وَاَنْتَ نَائِمٌ

دیکھو بیٹا! مرغ ہوشیاری میں تم سے بڑھنے نہ پائے کہ وہ تو آخر شب میں خدا کو یاد کرے اور تم سوتے رہو۔

کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

لَقَدْ هَتَفَتْ فِيْ جُنْحِ لَيْلٍ حَمَامَةٌ عَلٰى فَنَنٍ وَهُنَا وَاِنِّيْ لَنَائِمٌ

كَذَبْتُ وَبَيْتِ اللّٰهِ لَوْ كُنْتُ عَاشِقًا لَمَا سَبَقَتْنِيْ بِالْبُكَاءِ الْحَمَائِمُ

وَاَزْعَمُ اَنِّيْ هَائِمٌ ذُوْصَبَابَةٍ لِرَبِّيْ وَلَا اَبْكِيْ وَتَبْكِي الْبَهَائِمُ

رات کو فاختہ تو شاخ پر بیٹھی پکار رہی ہے اور میں پڑا سو رہا ہوں ربِ کعبہ میں جھوٹا مدعی ہوں اگر میں سچا عاشق ہوتا تو فاختہ رونے میں مجھ سے سبقت نہ لے جاتی۔ افسوس میں تو محبتِ الٰہی کا مدعی ہو کر آنکھ بھی تر نہ کروں اور بہائم پڑے روتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تم کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ طاعت و عبادت کیا چیز ہے۔ سنو جناب شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرماں برداری کا نام عبادت ہے تو قولاً و عملاً' اوامر میں بھی نواہی میں بھی۔ اگر تم کوئی کام بدوں حکم شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کرو اگرچہ وہ بشکلِ عبادت ہی ہو تو وہ عبادت نہیں بلکہ گناہ ہے۔ دیکھو نماز کیسی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے مگر اوقاتِ مکروہہ میں یا زمین غصب میں اس کا پڑھنا گناہ ہے اسی طرح روزہ فی نفسہ عمدہ عبادت ہے مگر ایامِ عید و تشریق میں رکھنا گناہ ہے یہ صرف اس لئے کہ حکم شارع علیہ السلام کے خلاف ہے۔ لہو ولعب کچھ اچھی چیزیں نہیں مگر اپنی بی بی کے ساتھ کرنا باعث اجر ہے کیوں کہ بحکم شارع علیہ السلام ہے تو معلوم ہو گیا کہ عبادت کی حقیقت فرمانبرداری ہے' محض نماز روزہ کیوں کہ نماز روزہ بھی اسی وقت عبادت میں شمار ہوتا ہے جب کہ وہ بحکم شارع علیہ السلام ہو۔ تو بیٹا تمہارے احوال و اقوال کو شریعت کا تابع ہونا چاہیئے اسلئے کہ کوئی علم و عمل بدوں اجازت شارع علیہ السلام کے سراسر گمراہی اور خدا تعالیٰ کا سبب ہے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ بلا اجازت شارع علیہ السلام کے بات بھی نہ کرو اور یقین کر لو کہ خدا تعالیٰ کا راستہ ان علوم دنیاوی سے جو تم نے حاصل کئے ہیں اور صوفیانِ زمانہ کے خوش نما دعوؤں اور ملمع کاریوں سے طے نہیں ہو سکتا بلکہ تیغ مجاہدہ سے ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشوں کو قطع کر دینے سے ہو سکتا ہے۔

خدا تعالیٰ کو لمبی چوڑی باتیں اور نکات باریک اور اوقات عمر تیرہ و تاریک ہرگز پسند نہیں زبان رواں اور شستہ اور دل غفلت و خواہش سے وابستہ بدنصیبی کی علامت ہے' جب تک نفس و خواہش مجاہداتِ قویہ سے مقہور و تابع شریعت نہ ہو جائیں گے' دل انوارِ معرفت سے زندہ نہیں ہو سکتا۔

تم نے چند مسئلے پوچھے ہیں ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جن کا جواب تحریر و تقریر میں نہیں آسکتا جب اس مقام تک تم کو رسائی ہو جائے گی تو خود سمجھ لوگے ورنہ ان کا جاننا محالات سے ہے اس لئے کہ ان کو ذوقِ وجدان سے تعلق ہے اور ایسی باتیں قید تحریر و تقریر کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔

شیرینی و تلخی ولذت جماع کی کیفیت اگر کوئی کسی کو سمجھانا چاہے تو بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ چکھ کر دیکھو۔ با ایں ہمہ جس قدر ان مسائل کے جواب میں کہا جا سکتا ہے وہ ہماری تصانیف میں موجود ہیں۔ یہاں بھی کچھ اشارۃً ہم بیان کرتے ہیں۔

تم نے پوچھا ہے کہ سالکان راہِ خدا تعالیٰ پر کیا واجب ہے تو سنو!

اوّل اعتقاد پاک جس میں شائبہ بھی بدعت کا نہ ہو' دوسرے سچی توبہ کہ پھر گناہ کے پاس بھی نہ بھٹکے' تیسرے تمام مخلوق سے خواہ وہ دوست ہو یا دشمن ایسا معاملہ کرے کہ کسی کا حق اس پر نہ رہ جائے' چوتھے علم شریعت سے اتنا حاصل کرلے جس سے جائز و ناجائز کا علم اس کو ہوجائے۔ اور باقی علوم سے اتنا جس کو اسکی نجات و خلاص میں دخل ہو' شیخ شبلی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے چار سو استادوں کی خدمت میں رہ کر ہزار حدیثیں پڑھی ہیں ان میں سے صرف ایک حدیث کو عمل کے واسطے منتخب کرلیا ہے کیونکہ وہ ایک حدیث میری نجات و خلاص کیلئے کافی ہے اور اوّلین و آخرین کے علوم اس میں مندرج ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے:۔

اَعْمَلْ لِلدُّنْيَاكَ بِقَدْرِ مَقَامِكَ فِيْهَا وَاعْمَلْ لِاٰخِرَتِكَ بِقَدْرِ بَقَائِكَ فِيْهَا وَاعْمَلْ لِلّٰهِ بِقَدْرِ حَاجَتِكَ اِلَيْهِ وَاعْمَلْ لِلنَّارِ بِقَدْرِ صَبْرِكَ عَلَيْهَا

دنیا کے لئے اتنا کام کرجتنا تو اس میں رہے گا اور آخرت کے لئے اتنا کام کرجتنا کہ تیرا رہنا وہاں مقدر ہے اور اللہ کے واسطے اتنا کام کرجتنا کہ تو اس کا محتاج ہے' اور دوزخ کے لئے اتنا کام کرجتنا کہ تو اس کی تکلیف پر صبر کرسکتا ہے۔

تم کو اس حدیث سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ تم کو بہت بڑا عالم متبحّر بننے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ یہ فرضِ کفایہ ہے فرض عین نہیں۔ اس حکایت کو غور سے سنو تاکہ تمہیں میرے کہنے کا یقین ہوجائے۔

حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دن اپنے شاگرد و مرید حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا تم کتنی مدت سے میرے پاس رہتے ہو' عرض کیا کہ تینتیس برس سے پوچھا کہ تم نے اس مدت میں کتنے علوم اور کیا کیا فائدے حاصل کئے' جواب دیا کہ صرف آٹھ فائدے۔ اور یہی علم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے فرمایا اناللہ وانا الیہ راجعون میں نے تو تمہاری تعلیم میں ایک عمر صرف کردی اور تم نے صرف اتنا ہی حاصل کیا' حاتم نے عرض کیا حضرت اگر آپ سچ پوچھتے ہیں تو میری تحصیل صرف اسی قدر ہے جو عرض کی اور اس سے زیادہ حاصل کرنے کی مجھے خواہش بھی نہیں کیوں کہ مجھے یقین ہیکہ اسی قدر میری نجات کے لئے کافی ہے اور اس سے زیادہ فضول۔ حضرت شفیق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا بیان تو کرو وہ آٹھ فائدے کیا کیا ہیں۔ کہا اول یہ کہ میں نے دیکھا دنیا میں ہر شخص کو کوئی چیز محبوب و مرغوب ہوتی ہے ان میں سے کوئی تو مرضُ الموت تک اس کا ساتھ دیتی ہے اور کوئی قبر تک۔ میں نے سوچ سمجھ کر ایسا محبوب پسند کیا جو مرنے کے بعد قبر میں بھی مونس غم گسار رہے تو وہ عمل صالح ہے۔ حضرت شفیق نے فرمایا احسنتَ۔ دوسرا فائدہ یہ ہیکہ میں نے دنیا میں سب کو نفس و خواہش کا تابع دیکھا جب یہ آیت شریفہ میری نظر سے گذری۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى

جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو اس کی خواہش سے روکا تو پھر جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔

تو مجھے یقین ہوگیا کہ قرآن مجید سراسر حق ہے۔ پس میں نے نفس کو مجاہد کے شکنجے میں ایسا کھینچا کہ اس کے سارے بل نکل گئے یہاں تک کہ وہ بے چُون و چرا اطاعت حق میں مطمئن ہوگیا۔ حضرت شفیق نے فرمایا بارک اللہ علیک۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا دنیا کے لوگ بڑی بڑی تکلیفیں اور مشقتیں اٹھا کر سامان دنیا میں سے کچھ حاصل کرلیتے ہیں اور اپنے دل میں بڑے خوش ہوتے ہیں کہ گویا کوئی نفیس و عجیب چیز حاصل کرلی مجھے جو یہ آیت نظر پڑی۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ..

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجانے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ سدا رہنے والا ہے (کبھی فنا ہونے والا نہیں ہے۔)

تو میں نے اپنا برسوں کا اندوختہ خدا تعالیٰ کی راہ میں فقراء کو دے کر خدا کے ہاں امانت رکھ دیا اس امید پر کہ وہاں باقی رہیگا اور آخرت کے راستہ میں میرا رہنما ہوگا۔ حضرت شفیق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تم نے خوب کیا۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اس پر فخر کرتا ہے کہ میرے اقارب کنبہ خدم حشم بہت ہیں۔ کوئی اس پر ناز کرتا ہے کہ میرے پاس مال و اولاد بہت ہیں کوئی اس پر اتراتا ہیکہ میں بڑا مشہور سفاک اور خونریز ہوں وغیرہ وغیرہ۔ ہر کس بخیال خویش خبطے وارد۔ میں نے جو اس آیت کو پڑھا۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

یقیناً خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

تو یقین کرلیا کہ خدا تعالیٰ کا فرمانا سچ ہے اور دنیا داروں کے خیالات سراسر خطا ہیں۔ بس میں نے تقویٰ اختیار کیا تاکہ مجھے حق تعالیٰ کی درگاہ میں عزت حاصل ہو۔ حضرت شفیق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا احسنت۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو ازراہِ حسد ایک دوسرے کو برائی کرتے دیکھا' کسی کو کسی کے جاہ و مرتبہ پر حسد ہے کسی کو کسی کے علم و فضل پر' میں نے جب یہ آیت پڑھی۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

ہم نے ہی سامانِ عیش و زندگی کو انھیں تقسیم کیا ہے۔

تو میں سمجھ گیا کہ ہر ایک کا مقدر و مقسوم روزِ ازل سے ہی الگ الگ ہے کسی کو اس میں اختیار نہیں۔ اور قسمتِ خداوندی پر راضی ہوگیا پھر مجھے کسی پر حسد نہ ہوا بلکہ میری پورے جہاں سے صلح ہوگئی حضرت شفیق رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تم نے بڑا اچھا کام کیا۔ چھٹا فائدہ یہ کہ دنیا میں کسی سبب یا غرض سے اکثر لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں میں نے یہ دیکھ کر۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم اس کو دشمن سمجھو۔

یقین کرلیا کہ قرآن مجید سچ فرماتا ہے کہ سوائے شیطان اور اتباعِ شیطان کے کسی کو دشمن نہ ماننا چاہئیے تو میں نے اس کو دشمن سمجھ کر ہر بات میں اس کی نافرمانی کی اور خدا تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں مشغول ہوگیا اور سمجھ گیا کہ سیدھا راستہ یہی ہے' چنانچہ وہ فرماتا ہے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ

اے بنی آدم کیا میں نے تم کو پہلے سے نہیں کہہ دیا تھا کہ تم شیطان کا کہنا مت ماننا وہ بے شک تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے اور میری ہی فرمانبرداری کرنا یہی سیدھا راستہ ہے۔

حضرت شقیقؒ نے فرمایا کہ تم نے خوب کہا۔ ساتواں فائدہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو روزی اور سامان زندگی بہم پہنچانے میں کوششیں کرتے اور حرام و شبہات میں پڑکر اپنے آپ کو ذلیل و خوار کرتے دیکھا تو میری نظر اس آیت پر پڑی۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

زمین پر جو چیز متحرک ہے اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔

میں سمجھ گیا کہ میں بھی انہیں چیزوں میں داخل ہوں' جن کے رزق کا کفیل حق تعالیٰ ہے۔ بس میں بے فکر ہو کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوگیا۔ حضرت شقیق نے فرمایا تم نے خوب کیا۔ آٹھواں فائدہ یہ کہ میں نے کسی نہ کسی چیز پر لوگوں کو بھروسہ کرتے دیکھا' کوئی مال و دولت پر بھروسا رکھتا ہے' کوئی حرفت و صنعت پر' کوئی اپنی جیسی مخلوق پر۔ میں نے اس آیت میں غور کیا۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔

جس نے خدا تعالیٰ پر بھروسا کیا تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔

تو میں نے سب کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ ہی پر بھروسا کر لیا اور وہی میرے لیے کافی اور اچھا کارساز ہے۔ حضرت شقیقؒ نے فرمایا حاتم تم کو خدا تعالیٰ توفیق دے تم نے بہت اچھا کیا۔ میں نے تورات و انجیل و زبور و فرقان کو دیکھا تو ان کی پند و نصائح کا بھی انہیں آٹھ فائدوں پر مدار ہے۔ جس نے ان پر عمل کر لیا گویا ان چاروں کتابوں پر عمل کر لیا۔ اس قصہ سے بھی تم کو معلوم ہو گا کہ تم کو بہت سے علم کی حاجت نہیں۔

چار باتیں تو ہم بیان کر چکے جو سالک پر واجب ہیں۔ پانچویں یہ ہے کہ سالک کو ایک مربّی و مُرشد کی ضرورت ہے جو اس کی بری عادتیں چھڑائے اور ان کی جگہ اچھے اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرے' مرشد کی مثال کسان کی سی ہے جو کھیت کو نولاتا ہے۔ مضر چیزوں سے صاف کر کے پانی دیتا ہے تاکہ کھیتی خوب بڑھے پھولے اور پھلے۔ سالک کو بھی ایسے ہی پیر و مرشد کی ضرورت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے تمام پیغمبران علیہم السلام کو اور آخر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی رہنمائی اور اصلاح معاش و معاد کے لیے بھیجا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی میں جیسی کوششیں کی ہیں ان کا ظاہر ہے کہ بڑے بڑے کافر' مشرک' بدمعاش' بدچلن' سفاک' راہزن آپ کے فیض تربیت سے کیا سے کیا ہو گئے۔ جب آپ نے رحلت فرمائی تو وہی کام آپ کے خلفاء اور نائبین نے کیا اور یہی سلسلہ قیامت تک چلا جائے گا۔ بہرحال سالک کو ایسے ہی پیر کی حاجت ہے جو پیغمبروں کی خلافت و نیابت کے فرائض ادا کرتا رہے۔ پیر و مرشد کے لیے عالم ہونا تو ضروری ہے ہی لیکن ہر عالم پیر بننے کی قابلیت نہیں رکھتا بلکہ اس کام کے قابل ہونے کی چند علامتیں ہیں جن کو ہم مجملاً بیان کرتے ہیں تاکہ ہر بوالہوس پیر و مرشد ہونے کا دعویٰ نہ کرنے لگے۔ اس کے دل میں جاہ و مال کی محبت نہ ہو۔ ایسے صاحب بصیرت کا متبع ہو۔ جس کی متابعت کا طریقہ و رابطہ ارباب بصیرت کے ذریعے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل پہنچتا ہو۔ ہر طرح کی ریاضتیں کی ہوں جیسے کم کھانا' کم سونا' کم بولنا' نمازیں بہت پڑھنا۔ صدقہ کثرت سے دینا' روزے بہت رکھنا' اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ اس میں راسخ ہو گئی ہوں۔ جیسے صبر و شکر' توکل' یقین' طمانیت' سخاوت' قناعت' امانت' بذل مال' حلم' تواضع' دانائی' صدق' وقار' حیا' سکون وغیرہ وغیرہ۔ کسی علم کا بجز علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج نہ ہو۔ قولاً و عملاً شریعت کا پابند ہو۔ بدعات سے نفرت اور سنت سے رغبت رکھتا ہو۔ یہ چند علامتیں پیر طریقت کی جو ہم نے بیان کی ہیں' اگر کسی میں پائی جاتی ہیں تو اس کی اقتدا کرنا چاہیئے اور اسکی صحبت کو منجملہ مغتنمات و انعامات خداوندی سمجھنا چاہیے' مگر ایسا پیر کم دستیاب ہوتا ہے کیوں کہ اس زمانہ میں مدعیان بے معنی پیدا ہو گئے ہیں جو لغو اور فضول مشاغل میں مریدوں کو مبتلا کرنا چاہتے ہیں اور بعض بے دین بے باک قید شریعت سے آزاد پیر بن کر خلق اللہ کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ اور جو واقعی سچے مُرشد ہیں وہ گوشہ نشین اور نگاہِ خلق سے مستور ہیں جس شخص کو ایسا سچا مرشد جس کی کچھ علامتیں ہم نے اوپر بیان کی ہیں خوش قسمتی سے مل جائے اسی کو اپنا پیر بنائے اور ظاہر و باطن سے اس کا اکرام و احترام کرے۔ احترام ظاہری یہ کہ اس سے کسی بات میں حجت اور جھگڑا نہ کرے' اور اگر کبھی کسی مسئلہ میں اس سے خطا سرزد ہوتی دیکھے تو اس پر انکار نہ کرے کیوں کہ خطا و نسیان سے کوئی بشر پاک نہیں' اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے پاس اسکی کوئی تاویل ہو یا وہ کوئی عذر قوی رکھتا ہے۔ جس سے یہ ناواقف ہے' اپنے پیر کے سامنے عبادت کیلئے اپنا مصلےٰ نہ بچھائے' ہاں اگر مرید کو امامت کا اتفاق ہوا ہے تو نماز سے فارغ ہو کر فوراً اپنی جا نماز پیچھے ہٹالے' پیر کے سامنے بہت نوافل نہ پڑھے' حتی الامکان اسکے احکام کی تعمیل کرے' اس کو کبھی سجدہ نہ کرے کیوں کہ یہ کفر ہے اور خلاف شریعت کوئی کام نہ کرے کہ یہ الحاد ہے' اور جو پیر خلاف شریعت کام کرتا ہے یا اس کا رَوادار ہوتا ہے وہ زندیق ہے' احترام باطنی یہ ہے کہ دل سے بھی اس کی کسی بات کا منکر نہ ہو ورنہ شان نفاق پیدا ہو جائیگی۔ اور اگر مرید سے یہ نہیں ہو سکتا تو چندے پیر کی خدمت میں رہنا چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کے دل سے شائبۂ انکار ہٹ جائے۔

چھٹی بات سالک کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنے نفس کی دارو گیر کیا کرے اور یہ اس وقت میسّر ہوتا ہے جب کہ وہ ہم نشین

بد کی صحبت سے بالکلیہ احتراز کرے تاکہ شیاطین جن وانس کا اس پر کچھ بس نہ چلے' اور اس کے نفس کی شیطنت فرو ہو جائے۔
ساتواں یہ کہ ہر حال میں تو نگری پر روشنی کو ترجیح دے کر اختیار کرے کیوں کہ اس راستہ میں دل کو محبت دنیا سے دنیا سے خالی رکھنا اصل اصول ہے' اور دنیاوی ساز و سامان کے ہوتے ہوئے محبت دنیا سے رہائی شاذ و نادر ہی کسی کو حاصل ہوتی ہے' اس کا علاج بجز اسکے کچھ نہیں کہ سرے سے اسباب دنیوی ہی کو خیر باد کہہ دے تاکہ دل محبتِ دنیا سے بالکل فارغ ہو جائے یہ سات چیزیں اس پر واجب ہیں جو راہ حق کا سالک و طالب ہے۔

تم نے پوچھا ہے کہ تصوف کیا چیز ہے؟ تو سنو! تصوف دو چیزوں کا نام ہے ایک خدا تعالیٰ سے سچا معاملہ رکھنا' دوسرے مخلوق کے ساتھ نیکو کاری اور بردباری کرنا۔ جس میں یہ دونوں باتیں ہیں وہ سچا صوفی ہے۔

خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا معاملہ رکھنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ اپنی ہر قسم کی خواہش اور لذتوں کو اسکے حکم پر قربان کر دے' اور مخلوق سے نیکوکاری کرنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ کسی کو اپنے حسبِ خواہ بنانے کی کوشش نہ کرے بلکہ خود ان سب کے حسب خواہ بنا رہے جب تک کہ انکی خواہش خلاف شریعت نہ ہو کیوں کہ جو شخص خلافِ شریعت کرتا ہے یا شریعت سے راضی ہوتا ہے وہ ہرگز صوفی نہیں۔ اور اگر مدعی تصوف ہے تو جھوٹا ہے۔

تم نے پوچھا ہے کہ بندگی کسے کہتے ہیں؟ تو سنو بندگی تین چیز کا نام ہے۔ اول احکامِ شریعت کا لحاظ رکھنا تاامکان بندہ کی کوئی حرکت و سکون خلاف شرع نہ ہونے پائے۔ دوسرے قضا و قدر قسمتِ خداوندی پر راضی ہونا کہ ہرچہ ساقی ماریخت عین الطاف است۔ تیسرے اپنے اختیار و خواہش کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کے اختیار و خواہش پر رضامند ہونا۔

تم نے پوچھا ہے کہ توکل کیا چیز ہے؟ تو سمجھو توکل اسے کہتے ہیں کہ بندے کو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر وثوق کامل اور یقین کلی پیدا ہو جائے یعنی تم میں اس امر کا اعتقاد راسخ ہو جائے کہ جو چیز تمہاری قسمت میں ہے وہ ضرور تم کو ملے گی اگرچہ سارا جہاں اس کے خلاف ہو جائے' اور جو چیز تمہارے مقسوم میں نہیں ہو ہرگز کبھی تم کو نہیں مل سکتی اگرچہ سارا جہاں تمہارے ساتھ مل کر کوشش کرے۔

اس سے کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ اسباب ظاہری محض بیکار ہیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ہم نے آسمانوں اور زمینوں کو اور ان دونوں کی درمیان کی چیزوں کو عبث اور بیکار نہیں پیدا کیا یہ ان لوگوں کا گمان ہے جو حکمت خداوندی کے منکر ہیں۔

بلکہ امام صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا یہ مدعا ہے کہ انسان دنیوی اور دینی امور میں اسباب ظاہری پر کاربند تو رہے مگر ان کو کسی درجہ میں بھی مستقل مؤثر نہ سمجھے مثلاً خدا تعالیٰ کا وعدہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کئے ان کے لئے قیامت کے دن جنات فردوس ہیں۔

تو بندہ کو اس وعدۂ خداوندی پر پورا پورا اعتقاد و وثوق کر کے ایمان کو کامل اور اعمال کو صالح بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے یا مثلاً حق تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے :

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہے ہم ضرور ان کی رہنمائی کریں گے۔

تو بندہ کو اس وعدہ پر کامل یقین کر کے مجاہدہ اور سعی کرنی چاہیئے۔ یہ نہیں چاہیے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور جنت و ہدایت کی طمع خام دل میں پکاتا ہے۔ اسی طرح دنیوی امور میں شریعت کا پابند ہو کر سعی و کوشش کرنی چاہیے اور خدا تعالیٰ کے اس

وعدہ پر کہ وہ کسی کی سعی کو رائیگاں نہیں فرماتا کامل یقین و وثوق رکھنا چاہیے۔ اسی مضمون کو مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے یوں ادا کیا ہے۔ بر توکل زانو اشتر ببند۔ چنانچہ صفحاتِ گزشتہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول مرقوم ہو چکا ہے۔ مترجم

تم نے پوچھا ہے کہ اخلاص کس کو کہتے ہیں۔ تو سنو! اخلاص یہ ہے کہ تمہارے سب کام خاص خدا تعالیٰ کے واسطے ہوں' جو کام بھی تم کرو اس میں تمہارا دل مخلوق کی مدح و ثنا کی طرف ذرا بھی مائل نہ ہو اور ان کی ناپسندیدگی سے تمہارے دل میں کچھ پژمردگی پیدا نہ ہو' سنو ریا مخلوق کو بڑا اور مؤثر سمجھنے سے پیدا ہوا کرتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ تم تمام عالم کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ مسخر و مجبور مثل جمادات کے سمجھو' جس طرح اینٹ پتھر تم کو اپنے ارادہ و اختیار سے کوئی آرام نہیں پہنچا سکتے اسی طرح کوئی مخلوق اپنے ارادہ اختیار سے تم کو کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی۔ جب تک تم مخلوق کو قادر و مُرید سمجھتے رہو گے مرض ریا سے کبھی نجات نہیں پا سکتے۔

تمہارے باقی سوالات میں بعض تو ایسے ہیں جن کا جواب تم کو ہماری تصانیف سے بخوبی مل جائے گا۔ اور بعض ایسے ہیں جن کا جواب لکھ دینا ناجائز ہے۔ جس قدر تم کو معلوم ہو چکا ہے اس پر عمل کئے جاؤ۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ بھی تم کو منکشف ہو جائے گا جو تم اس وقت نہیں جانتے۔ اس کے بعد اگر تمہیں کوئی مشکل پیش آئے تو سوائے زبان دل کے مجھ سے نہ پوچھنا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور اگر وہ تمہارے باہر آنے تک صبر کرتے ہیں تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت قبول کرو۔

فَلَا تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا

تم مجھ سے کوئی بات مت پوچھنا یہاں تک کہ میں ہی تم سے اسکا ذکر شروع کروں۔

جلدی مت کرو' جب وقت آئے گا خود تم سے کہہ دیں گے بلکہ دکھا دیں گے۔

سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ

ہم قریب تر تم کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے تو تم ہم سے جلدی کی خواہش مت کرو۔

قبل اَز وقت مت پوچھنا جب واصل ہو جاؤ گے خود دیکھ لو گے لیکن اس کا یقین کر لو کہ بدون راہ پیمائی کے وصول اور مشاہدہ ناممکن ہے۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا

کیا وہ زمین میں نہیں چلے پھرے تاکہ وہ دیکھ لیتے۔

بیٹا! خدا کی قسم اگر رَاہروی کرو گے تو عجائبات دیکھو گے۔ ہر منزل میں جان توڑ کوشش کرو کیونکہ بدون ایسی کوشش کے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک شاگرد سے کیا اچھا فرمایا ہے۔

إِنْ قَدَرْتَ عَلَىٰ بَذْلِ الرُّوحِ فَتَعَالَ وَإِلَّا فَلَا تَشْتَغِلْ بِتُرَّهَاتِ الصُّوفِيَّةِ وَالْقَالَ

اگر تم اس راستہ میں جان تک قربان کر دینے پر قدرت ہو تو آؤ ورنہ صوفیوں کی دلخوش باتوں میں مصروف نہ ہو۔ قصۂ مختصر تم کو آٹھ باتوں کی نصیحت کرتا ہوں' چار ان میں سے کرنے کی ہیں اور چار نہ کرنے کی۔ تاکہ تمہارا علم قیامت کے روز تمہارے مقابلہ میں مدعی بن کر نہ کھڑا ہو جائے' جو باتیں کرنے کے قابل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تا امکان کسی سے مناظرہ مباحثہ مت کرنا کیونکہ اسکی منفعت سے اسکی مضرتیں اور گناہ زیادہ ہیں یاد رکھو کہ مناظرہ تمام اخلاقِ ذمیمہ کا جیسے ریا' کینہ' حسد' تکبر' عداوت اور تفاخر وغیرہ کا منبع ہے' البتہ اگر سچی نیت سے اظہارِ حق کے لئے کسی سے مسئلے میں گفتگو کرو تو اس میں کچھ حرج نہیں مگر سچی نیت کی دو علامتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تم ہر حال میں حق کے طالب رہو۔ چاہے تمہاری زبان سے ظاہر ہو یا تمہارے مقابل کی زبان سے۔

دوسری علامت یہ کہ تنہائی میں مناظرہ پسند کرو' اگر اس امر کا یقین ہو جائے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو حق ہے اور تمہارا مقابل کٹ حجتی کرتا ہے تو خبردار فوراً گفتگو ترک کردو اور مناظرہ کے پاس نہ جاؤ ورنہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ تم دونوں میں منافرت پیدا ہو جائے گی اور فائدہ بالکل مفقود' یہاں ہم تمہیں ایک اور مفید بات بتلاتے ہیں دیکھو مشکل باتوں کا علماء سے پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے مریض کا طبیب سے دوا پوچھنا اور ان باتوں کا جواب دینا ایسا ہی ہے جیسے طبیب کا علاج کرنا' تو جتنے بے علم ہیں سب کے سب بیمار ہیں علماء طبیب ہیں مگر عالم ناقص طبیب نہیں ہو سکتا۔

طبیب کامل اسی بیمار پر ہاتھ ڈالتا ہے جس کے بچنے کی امید ہوتی ہے اور جہاں کہیں وہ طبیعت کو مغلوب اور مرض کو غالب پاتا ہے اس کے علاج میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح مرض جہل کی چار قسمیں ہیں جن میں سے تین علاج پذیر نہیں۔ اور ایک علاج پذیر ہے۔ اول جو شخص ازراہ حسد تم سے سوال و اعتراض کرتا ہے اور حسد کو تم جانتے ہو کیسا لاعلاج مرض ہے تو تم اس کو جس قدر عمدہ اور واضح جواب دو گے اسی قدر اسی کا غصہ اور کینہ بڑھتا جائے گا۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

كُلُّ الْعَدَاوَةِ قَدْ تُرْجٰى اِزَالَتُهَا ‌ ‌ ‌ اِلَّا عَدَاوَةَ مَنْ عَادَاکَ مِنْ حَسَدِ

ہر قسم کی دشمنی کا ازالہ ہو سکتا ہے مگر جو عداوت ازراہ حسد و رشک ہوتی ہے اس کے ازالہ کے امید نہیں۔

ایسے شخص کا علاج یہ ہے کہ تم اسکو اس کے حال پر چھوڑ دو اس کے علاج کی طرف ہرگز توجہ نہ کرو۔

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

جس نے ہماری یاد سے منہ پھیر لیا اور اس کی مراد بجز دنیوی زندگی کے کچھ نہیں تو تم بھی اس سے منہ پھیر لو۔

حاسد کا ہر قول و فعل جو ازراہ حسد ہوتا ہے خود اس کے لئے برق خرمن ہے حدیث میں ہے :۔

اَلْحَسَدُ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

حسد یعنی رشک بھلائیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ سوکھی لکڑی کو۔

دوسرا وہ جاہل جس کا جہل بوجہ حماقت کے ہوتا ہے جو دو چار کتابیں پڑھ کر ہمچو من دیگرے نیست کا دم بھرنے لگتا ہے اور بڑے بڑے علماء پر جن کی تمام علمی مشاغل میں گزر گئی اعتراض کرتا ہے اور وہ اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ میری کیا حقیقت ہے اور جن علماء پر اعتراض کرتا ہوں وہ کیسے بلند پایہ ہیں تو تم ایسے احمق کا بھی جواب مت دو بلکہ اس سے منہ پھیر لو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں نے مردہ کو تو زندہ کر دیا مگر احمق کی اصلاح نہ کر سکا۔ تیسرا وہ طالب حق ہے جو بغیر استفادہ بزرگانِ دین کے اقوال کے معنی پوچھتا ہے اور باوجود اسکے کہ وہ بلید اور فہم حقائق سے اس کا ذہن قاصر ہے' اپنے قصورِ فہم سے بھی لاعلم ہے۔ ایسے کے سمجھانے کی طرف متوجہ نہ ہونا چاہیئے کیوں کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ اُمِرْنَا اَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ

ہم گروہ انبیاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کی عقول کا اندازہ کر کے ان سے بات کیا کریں۔

یہ مریض بھی لاعلاج ہے۔ چوتھا وہ طالب حق جو نہایت ذکی ذہین اور سچے دل سے صراط مستقیم کا طالب ہے' شہوت' حسد' حُبِ مال و جاہ سے اس کا دل پاک ہے تم سے کوئی سوال کرے تو اس کا جواب دینا اور پوری طرح سمجھا دینا مناسب بلکہ ضروری ہے اور یہی ایک مرض جہل ہے جو علاج پذیر ہے۔

دوسری بات جو کرنے کے قابل ہے کہ تم وعظ گوئی سے بچنا مگر اس وقت جب کہ تم خود پورے عامل بن جاؤ۔ اس خطاب سے ڈرتے رہو خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہوا تھا۔

يَا ابْنَ مَرْيَمَ عِظْ نَفْسَكَ فَاِنِ اتَّعَظْتَ فَعِظِ النَّاسَ وَاِلَّا فَاسْتَحِيْ مِنِّيْ

اے ابن مریم تم اپنے نفس کو نصیحت کرو جب وہ نصیحت پذیر ہو جائے تو لوگوں کو نصیحت ورنہ مجھ سے شرم کرو۔

اور اگر ایسا اتفاق پڑجائے کہ تمہیں وعظ کہنا ہی پڑے تو دو باتوں سے ضرور بچنا۔ ایک بتکلف مقفّی و مسجّع عبارات بولنے اور خوشنما اشارات، دل خوش کن اشعار و بیانات پڑھنے سے۔ کیوں کہ خدا تعالیٰ تکلّف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جب رفتہ رفتہ تکلّف حد سے بڑھ جاتا ہے تو یہ علامت ہوتی ہے خرابیٔ باطن اور غفلت دل کی۔ وعظ اس کو کہتے ہیں کہ آخرت کے مصائب کو اور اس تقصیر کو جو خدا تعالیٰ کی طاعت و خدمت میں لوگوں سے واقع ہوتی ہے یاد دلاؤ، عمر گزشتہ کی خرابی، راہ آخرت کی دشوار گزاری سے ڈراؤ تاکہ ایمان محفوظ رہے ملکُ الموت کے قبض روح سے منکر و نکیر کے سوال قیامت اور اس کے ہولناک واقعات سے محاسبہ و وزنِ اعمال سے پُل صراط پر گزرنے دوزخ اور اس کی مصائب و تکالیف سے ڈراؤ اور سامعین کے عیوب سے ان کو مطلع کرو تاکہ متأثر ہوں اور برباد شدہ عمر پر حسرت کرکے تلافی مافات کریں۔ یہ ہے اصلی وعظ۔ دیکھو اگر کسی کے گھر کی طرف سیلاب آرہا ہے اور وہ یقین کرتا ہے کہ کوئی دم میں زن و فرزند مال و اسباب کا سب اس میں بہہ جائے گا تو کیا وہ ایسے وقت میں سوچ سوچ کر مقفّی مسجّع عبارت بولے گا یا بے تکلّف جس طرح ممکن ہو گا چلائے گا پکار کر کہے گے کہ گھر والو بھاگو بھاگو سیلاب آگیا۔ بس وعظ اسی طرح بے تکلّف خود ڈر کر اور دوسروں کو ڈرانے کی غرض سے کہنا چاہیئے۔ دوسری بات قابلِ احتراز یہ ہے کہ وعظ کہتے وقت اس کا خیال نہ رکھنا کہ تمہاری مجلس میں کتنے چیخنے چلاتے ہیں، کتنے روتے اور ہائے واویلا مچاتے ہیں کتنے بے خود ہو کر کپڑے پھاڑتے ہیں تاکہ لوگ تمہاری تعریفیں کریں کہ فلاں مولوی صاحب نہایت دل گداز وعظ کہتے ہیں۔ یہ خوشامد غفلت سے پیدا ہوتی ہے اور غفلت ہی وہ چیز ہے جو بندہ کو خدا تعالیٰ سے دور پھینک دیتی ہے بلکہ تم کو وعظ کے وقت یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ لوگوں کو دنیا سے آخرت کی طرف معصیت سے طاعت کی طرف غفلت سے بیداری کی طرف غرور سے تقویٰ کی طرف بُلاؤ تو وہ باتیں کرو جس سے سننے والوں کو تقویٰ اور عبادت کی طرف رغبت پیدا ہو۔ اس کو خوب غور سے دیکھو کہ حاضرین و سامعین میں کون کونسی باتیں شریعت اور رضائے حق تعالیٰ کے خلاف ہیں اور کیا کیا اعمال و اخلاق بد ہیں جو ان میں کثیر الوجود ہیں۔ ان باتوں کو خوب سمجھ کر ان کی اصلاح کرو اور ان سے نفرت دلاؤ جن پر خوف غالب ہے ان کو سنت کی طرف بُلاؤ جن کے معاملات اَز قسم بیع و شراء وغیرہ خراب ہیں ان کو صحیح طریقے بتلاؤ۔ جو مذہب سے آزاد رہنا پسند کرتے ہیں ان کو پابندیٔ مذہب کی رغبت دلاؤ۔ اس طرح کہ سامعین تمہاری مجلس وعظ سے صفاتِ حمیدہ کے معتقد و گرویدہ ہو کر اور اوصافِ ذمیمہ سے ظاہراً و باطناً متنفر و پاک ہو کر، عبادت طاعت میں راغب ہو کر معصیت و نافرمانی ہے سے ہراساں اٹھیں اور جو وعظ ایسا نہیں وہ کہنے والے پر بھی وبال ہے اور سننے والے پر بھی۔ بلکہ ایسا واعظ جو امور مذکورہ بالا کا لحاظ نہیں رکھتا وہ ایک شیطان ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور ان کا خون ناحق اپنی گردن پر لے کر ان کو ہمیشہ کے لئے مُردہ بناتا ہے بلکہ اس کا فساد شیطان کے فساد سے بھی زیادہ ہے۔ مخلوق پر واجب ہے کہ ایسے واعظ سے کوسوں دور بھاگیں اور جس کو خدا تعالیٰ قدرت و توفیق دے اس پر واجب ہے کہ ایسے واعظ کو ممبر سے اُتار دے اس لئے کہ یہ بھی امر بالمعروف اور نہی المنکر ہے جو ہر مسلمان پر بقدرِ استطاعت واجب ہے۔ تیسری بات جس سے احتراز ضروری ہے یہ ہے کہ امراء اور بادشاہوں سے جو نشہ دنیا میں مخمور اور دین نفور ہیں۔ میل جول نہ رکھنا بلکہ ان کو دیکھنا بھی نہیں کیوں کہ اس میں بڑی بڑی آفتیں ہیں اور اگر کسی ضرورت سے مجبور ہو کر تم کو ان سے ملنا ہی پڑے یا وہ خود تم سے ملیں تو خبردار ان کی مداحی و ثناگستری سے اپنے آپ کو دور رکھنا کیوں کہ جب فاسق و ظالم کی مدح کی جاتی ہے تو خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے اور جس شخص نے ظالم کے لئے طول عمر کی دعا کی اس نے اس بات کو پسند کیا کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی مدتوں تک ہوتی رہے۔ چوتھے یہ کہ ان کا کوئی ہدیہ اور تحفہ قبول نہ کرنا اگرچہ تم جانتے ہو کہ انھوں نے حلال کمائی سے تم کو دیا ہے اس لئے کہ ان کے مال کی طمع رکھنا فسادِ دین کا سبب ہے اس سے مُداہنت اور ان کے ساتھ مراعات و محبت اور ان کے ظلم و فسق کے ساتھ موافقت تمہارے دل میں پیدا ہو جائے گی اور یہ سب باتیں دین کو برباد کر دینے والی ہیں۔ کم سے کم تم اس مضرت سے تو بچ ہی نہیں سکتے کہ ان کے ساتھ میل جول رکھنے سے تمہارے

دل میں ان کی محبت ہو جائے گی اور محبت کا تقاضا یہ ہو گا کہ تم ان کی عمر درازی کی تمنا کرو گے اور ایسی تمنا در حقیقت فسق و فجور کے زیادہ اور عالم کے برباد ہونے کی تمنا ہے جس سے بدتر کوئی تمنا اور خواہش نہیں ہو سکتی۔ دیکھو خبردار تم شیطان کے اس دھوکے میں نہ آجانا کہ میاں امراء سے روپیہ لے کر فقراء اور محتاجوں کو دیدو اور ان کو راحت پہنچاؤ وہ اس روپیہ کو اگر خرچ کرتے تو فسق و فجور میں کرتے تم تو مصرف خیر میں دیتے ہو۔ یہ شیطان کا بڑا بھاری فریب ہے جس سے وہ تم کو اپنے جال میں پھنسانا چاہتا ہے اس طریق سے اس نے بہت لوگوں کو تباہ و گمراہ کیا ہے۔ اس میں جتنی آفتیں ہیں وہ مفصلاً احیاء العلوم میں لکھ دی گئی ہیں اس میں دیکھ لو۔ یہ چار چیزیں ہیں جن سے تم کو احتراز کرنا ضروری ہے۔ اب ہم وہ چار باتیں بیان کرتے ہیں جو کرنے کے قابل ہیں۔ پہلی بات یہ کہ تم خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا معاملہ کرو جیسا کہ تم اپنے غلام سے اپنے ساتھ کرانا چاہتے ہو یعنی جس قسم کی باتیں تم اپنے غلام سے پسند کرتے ہو اور اس پر خوش ہوتے ہو ویسے ہی خدا تعالیٰ کے ساتھ کرو اور جس قسم کے افعال و اعمال تم اپنی غلام سے پسند نہیں کرتے وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں بھی مت کرو حالانکہ یہ کھلی بات ہے کہ غلام در حقیقت تمہارا بندہ نہیں بلکہ تمہارا زر خرید ہے اور تم واقعی خدا تعالیٰ کے بندہ ہو کیوں کہ وہ تمہارا خالق ہے اور تم اس کی مخلوق ہو۔ تو خدا تعالیٰ کے حقوق سے اور تمہارے فرائض غلام کے فرائض سے لاکھوں کروڑوں گناہ زیادہ ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تم مخلوق کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو ان سے اپنے حق میں پسند کرتے ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آدمی اس وقت کامل الایمان ہوتا ہے جب کہ وہ تمام مخلوق کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ تیسری بات یہ کہ علم کا مطالعہ کیا کرو کہ کون سے علم کا۔ اس کا انتخاب اس طرح ہو سکتا ہے کہ مثلاً اگر تم کو یہ بتلادیا جائے کہ تمہاری زندگی میں صرف ایک ہفتہ باقی ہے تو ایسے وقت میں تم کون سے علم کا مطالعہ کرو گے ظاہر ہے کہ تم وہ علم منتخب کرو گے جو مرتے وقت اور مرنے کے بعد تمہاری فریاد رسی کر سکے تو ایسا علم نہ صرف و نحو ہے نہ طب و ریاضی وغیرہ ہے بلکہ وہ علم اپنے دل کے حالات کا جاننا اور اپنی صفات کا پہچاننا ہے۔ اور اس کو علائق دنیوی اور اخلاقِ ذمیمہ سے پاک کرنے اور خدا تعالیٰ کی محبت اور اپنے اندر اخلاقِ حسنہ پیدا کرنے اور عبادت میں مشغول ہونے کا علم ہے۔ سنو تو سہی اگر بادشاہ وقت تم کو اطلاع دے کہ ہم ایک ہفتہ تمہارے مکان پر تم سے ملنے آئیں گے تو یقیناً اس ہفتہ میں تم کو ہر گھڑی یہی دُھن رہے گی کہ مکان نہایت آراستہ و صاف رہے کوئی چیز بے قرینہ نہ رکھی رہے کپڑے عمدہ اور ستھرے ہوں الغرض نہایت شگفتہ رسی سے تم اس بات کا اہتمام کرو گے کہ کوئی امر خلافِ مزاج سلطانی نہ ہونے پائے جو اس کی ناخوشی کا سبب ہو تو اسی طرح تم کو اپنی پنج روزہ زندگی بھی اسی دھن میں بسر کرنی چاہیئے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں کسی وجہ سے تم کو شرمندہ ہونا نہ پڑے۔

اب تم خود سوچ سمجھ لو کہ میں نے تم سے شروع سے آخر تک کیا کہا۔ ماشاء اللہ سمجھ دار اور عاقل ہو اور عاقل کے لئے ایک اشارہ کافی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا إِلٰى أَعْمَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَنِيَّاتِكُمْ

حق تعالیٰ اعمال کو بدوں اخلاص نیت کے اور صورتوں کو بدوں درستی کے منظور نہیں فرماتا۔

اگر تم احوالِ قلب جاننا چاہتے ہو تو ہماری کتاب احیاء العلوم کو پڑھو۔ یہ علم سب مسلمانوں پر فرض عین ہے اور باقی علوم فرضِ کفایہ۔ مگر ان باقی میں بھی اتنا علم فرض عین ہے جس کے جاننے سے احکامِ خداوندی کی صحیح تعمیل ہو سکے۔

چوتھی بات کرنے کی یہ ہے کہ اپنے عیال کے لئے ایک سال کا سامان کر دو جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے لئے کیا کرتے تھے۔ ان میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چونکہ قوت یقین کامل حاصل تھی اس لئے ان کے لئے نہ ایک دن کا سامان مہیا فرماتے نہ ایک سال کا۔

یہاں تک کہ ہم تمہاری حسبِ خواہش لکھ چکے۔ چاہیئے کہ تم اس پر عمل کرو اور مجھے بھی دعا میں یاد رکھو۔

تم نے مجھ سے بھی یہ درخواست کی ہے کہ کوئی دعا تم کو بتلاؤں۔ تو بیٹا احادیثِ صحیحہ میں ہر قسم کی دعائیں کثرت سے موجود ہیں اور اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق میں بھی بہت سی دعائیں ہیں وہ تمہارے لئے بلکہ ہر مسلمان کے لئے کافی پریشانی ہیں، ایک دعا میں بھی بتلاتا ہوں اس کو خاص کر نماز کے بعد پڑھ لیا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ مِنَ النِّعْمَةِ تَمَامَهَا وَمِنَ الْعِصْمَةِ دَوَامَهَا وَمِنَ الرَّحْمَةِ شُمُوْلَهَا وَمِنَ الْعَافِيَةِ حُصُوْلَهَا وَمِنَ الْعَيْشِ اَرْغَدَهٗ وَمِنَ الْعُمْرِ اَسْعَدَهٗ وَمِنَ الْاِحْسَانِ اَتَمَّهٗ وَمِنَ الْاِنْعَامِ اَعَمَّهٗ وَمِنَ الْفَضْلِ اَعْذَبَهٗ وَمِنَ اللُّطْفِ اَقْرَبَهٗ وَمِنَ الْعَمَلِ اَصْلَحَهٗ وَمِنَ الْعِلْمِ اَنْفَعَهٗ وَمِنَ الرِّزْقِ اَوْسَعَهٗ اَللّٰهُمَّ كُنْ لَنَا وَلَا تَكُنْ عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ اخْتِمْ بِالسَّعَادَةِ آجَالَنَا وَحَقِّقْ بِالزِّيَادَةِ اَعْمَالَنَا وَاقْرِنْ بِالْعَافِيَةِ غُدُوَّنَا وَآصَالَنَا وَاجْعَلْ اِلٰى رَحْمَتِكَ مَصِيْرَنَا وَمَآلَنَا وَاصْبُبْ سِجَالَ عَفْوِكَ عَلٰى ذُنُوْبِنَا وَمُنَّ عَلَيْنَا بِاِصْلَاحِ عُيُوْبِنَا وَاجْعَلِ التَّقْوٰى زَادَنَا وَفِیْ دِيْنِكَ اجْتِهَادَنَا وَعَلَيْكَ تَوَكُّلَنَا وَاعْتِمَادَنَا اِلٰهَنَا ثَبِّتْنَا عَلٰى نَهْجِ الْاِسْتِقَامَةِ وَاَعِذْنَا مِنْ مُوْجِبَاتِ النَّدَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَخَفِّفْ عَنَّا ثِقْلَ الْاَوْزَارِ وَارْزُقْنَا عِيْشَةَ الْاَبْرَارِ وَاكْفِنَا وَاصْرِفْ عَنَّا شَرَّ الْاَشْرَارِ وَاَعْتِقْ رِقَابَنَا وَرِقَابَ آبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا مِنَ النَّارِ وَالدَّيْنِ وَالْمَظَالِمِ يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ وَيَا كَرِيْمُ وَيَا سَتَّارُ وَيَا حَلِيْمُ وَيَا جَبَّارُ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اے اللہ میں آپ سے نعمتِ کاملہ مانگتا ہوں اور دائمی پاک دامنی اور رحمتِ شاملہ اور حصولِ عافیت اور خوش دلی کی زندگی اور خوش نصیبی کی عمر اور احسانِ تام اور انعام عام اور نہایت شیریں فضل اور بہت قریب مہربانی اور عمل بہت اچھا اور علم نہایت نافع اور رزق بہت وسیع۔ اے اللہ آپ ہمارے موافق رہیئے اور مخالف نہ رہیئے۔ اے اللہ! ہماری زندگیوں کو نیک بختی کے ساتھ ختم کیجئے اور ہمارے اعمال کثیر و ٹھیک فرمادیجئے اور ہماری صبح و شام کو عافیت سے مقرون کر دیجئے اور ہمارا مرجع و مال اپنی رحمت کی طرف کر دیجئے اور ہمارے گناہوں پر عفو کا پانی بہادیجئے اور اصلاح عیوب کر کے ہم کو ممنون فرمادیجئے اور پرہیزگاری کو ہمارا زادِ راہ بنادیجئے اور ہماری کوششوں کو اپنے دین ہی میں مصروف رکھیئے اور ہمارا توکل و اعتماد قائم رکھیئے۔ اے ہمارے معبود! آپ ہم کو استقامت کے طریقہ پر ثابت قدم رکھیئے اور قیامت کے دن موجباتِ ندامت سے ہم کو پناہ دیجئے اور ہمارے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر دیجئے اور ہم کو نیکوکاروں کی سی زندگی نصیب کیجئے اور آپ ہمارے لئے کافی ہوجایئے اور بدکاروں کی بدی ہم سے پھیریئے اور ہماری گردنوں کو اور ہماری ماں باپ کی گردنوں کو آگ سے اور قرض سے اور مظالم سے بری کر دیجئے۔ اے بڑی عزت والے، اے بڑے بخشنے والے، اے عظمت والے، اے بڑے پردہ پوش، اے بڑے بردبار، اے شکستہ دلوں کو درست کرنے والے اپنی رحمت سے، اے بڑے رحم کرنے والے اور خدا تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اس کے برگزیدہ ترین خلق محمد ﷺ پر اور ان کی اولاد و اصحابؓ پر سب پر اور سب تعریفیں خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پالنے والا ہے۔

ختم شد